تبٰرک الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہ لیکون للعٰلمین نذیرا

معارف القرآن

ترجمہ: حقیقت آگاہ معارف پناہ عارف باللہ حضرت شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ اسرارہما

تفسیر: شیخ التفسیر مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ

موضح فرقان معروف بہ

تفسیر عثمانی

ترجمہ: شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ

سوم

تفسیر

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ

۱۲۶۸ھ - ۱۳۳۹ھ

(سورۃ الفاتحۃ تا سورۃ النساء)

تفسیر

حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ

۱۳۰۵ھ - ۱۳۶۹ھ

(سورۃ المائدۃ تا سورۃ الناس)

مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا

معارف القرآن

ترجمہ : عارف باللہ حضرت شاہ عبد القادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ اسرارہما

تفسیر : شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ

موضح فرقان معروف بہ

تفسیر عثمانی

ترجمہ : شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ

تفسیر
شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ
۱۲۶۸ھ - ۱۳۳۹ھ
(سورۃ الفاتحۃ تا سورۃ النساء)

تفسیر
حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ
۱۳۰۵ھ - ۱۳۶۹ھ
(سورۃ المائدۃ تا سورۃ الناس)

(جلد سوم)

پارہ ۸ تا ۱۱

سورۃ الاعراف تا سورۃ ھود

مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ®
LG-29 ھادیہ حلیمیہ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
042-37242117 - 0332-4377621

بسم اللہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ

نام کتاب ——— معارف القرآن وتفسیر عثمانی

جلد ——— سوم

سن اشاعت ——— محرم الحرام ۱۴۳۹ھ مطابق اکتوبر 2017ء

کمپوزنگ ———

ناشر ——— مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ (رجسٹرڈ)

باہتمام ——— انیس احمد مظاہری

اسٹاکسٹ ——— مکتبۃ المظاہر، جامعہ احسان القرآن لاہور
0332-4377501

کاوش اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کا احسان عظیم ہے کہ ہم تشنگانِ علومِ نبویہ کی خدمت میں تفسیر قرآن کی عظیم کتاب معارف القرآن وتفسیر عثمانی پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ شب وروز کی محنتِ شاقہ اس کے ظہور پذیر ہونے میں کارفرما ہی اس عظیم کام کو بحسن وخوبی سرانجام دینے میں ہیئۃ العلماء کے معزز اراکین نے حتی المقدور سعی کی۔ اس نسخے کی تیاری زرِ کثیر خرچ کر کے کروائی گئی ہے اور بار بار پروف ریڈنگ کروائی گئی تا کہ اغلاط کا تناسب نہ ہونے کے برابر ہو، بہرکیف انسان خطا کا پتلا ہے اس کے ہاتھوں غلطی کا صدور ہر لحہ ممکن ہے، ہمیں امید ہے کہ آپ ہمیں حسب سابق اصلاح کی طرف گامزن کرتے رہیں گے۔

استدعا اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہم نے اپنی طاقت اور بساط کے مطابق کتاب کی تصحیح میں حتی الامکان محنت وکوشش کی ہے اس کے باوجود اگر طالبانِ حدیثِ رسول وقرآن کو کسی مقام پر کوئی قابلِ تصحیح عبارت نظر آئے تو وہ ہمیں ضرور اطلاع فرمائیں، ہم ان کے شکر گزار ہوں گے اور اس غلطی کی درستگی کریں گے۔ آپ کے اس علمی تعاون کی بدولت ہی ہم اشاعتِ دین کے ساتھ ساتھ حفاظتِ دین کا فریضہ سرانجام دینے کے قابل ہوں گے۔

مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ (رجسٹرڈ)

فہرست مضامین

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا

اور اگر ہم اتاریں ان پر فرشتے اور باتیں کریں ان سے مردے اور زندہ کر دیں ہم ہر چیز کو ان کے سامنے تو بھی یہ لوگ ہرگز

اور اگر ہم ان پر اتاریں فرشتے، اور ان سے بولیں مردے اور جلاویں ہم ہر چیز کو ان کے سامنے، ہرگز

كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ

ایمان لانے والے نہیں مگر یہ کہ چاہے اللہ لیکن ان میں اکثر جاہل ہیں ف۱ اور اسی طرح کر دیا ہم نے ف۲ ہر

ماننے والے نہیں، مگر جو چاہے اللہ، پر یہ اکثر نادان ہیں۔ اور اسی طرح رکھے ہیں ہم نے ہر

نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ط

نبی کے لیے دشمن شریر آدمیوں کو اور جنوں کو جو کہ سکھلاتے ہیں ایک دوسرے کو ملمع کی ہوئی باتیں فریب دینے کے لیے

نبی کے دشمن، شیطان آدمی اور جن، سکھاتے ہیں ایک دوسرے کو ملمع باتیں فریب کی،

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ

اور اگر تیرا رب چاہتا تو وہ لوگ یہ کام نہ کرتے سو تو چھوڑ دے وہ جانیں اور ان کا جھوٹ ف۳ اور اس لئے کہ مائل ہوں ان ملمع کی ہوئی باتوں کی طرف

اور اگر تیرا رب چاہتا تو یہ کام نہ کرتے، سو چھوڑ دے، وہ جانیں اور ان کا جھوٹ۔ اور تا جھکیں اس طرف دل

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

ان لوگوں کے دل جن کو یقین نہیں آخرت کا اور وہ اس کو پسند بھی کرلیں اور کیے جاویں جو کچھ برے کام کر رہے ہیں ف۴

ان کے جو یقین نہیں رکھتے آخرت کا، اور وہ اس کو پسند کریں، اور تا کیے جاویں جو غلط کام کر رہے ہیں۔

ف۱ یعنی اگر ان کی فرمائش کے موافق بلکہ اس سے بھی بڑھ کر فرض کیجئے آسمان سے فرشتے اتر کر آپ کی تصدیق کریں اور مردے قبروں سے اٹھ کر ان سے باتیں کرنے لگیں اور تمام امتیں جو گزر چکی ہیں دوبارہ زندہ کر کے ان کے سامنے لاکھڑی کی جائیں تب بھی سوء استعداد اور تعنت وعناد کی وجہ سے یہ لوگ حق کو ماننے والے نہیں۔ بیشک اگر خدا چاہے تو زبردستی منوا سکتا ہے لیکن ایسا چاہنا اس کی حکمت اور تکوینی نظام کے خلاف ہے۔ جس کو ان میں کے اکثر لوگ اپنے جہل کی وجہ سے نہیں سمجھتے۔ اس کی تشریح پچھلے فوائد میں گزر چکی۔

ف۲ یعنی پیدا کر دیا ہم نے۔

ف۳ چونکہ خدا کی حکمت بالغہ تکویناً اسی کو مقتضی ہے کہ نظام عالم کو جب تک قائم رکھنا منظور ہے خیر و شر کی قوتوں میں سے کوئی قوت بھی بالکل مجبور اور نیست و نابود نہ ہو۔ اس لئے نیکی و بدی اور ہدایت وضلالت کی حریفانہ جنگ ہمیشہ سے قائم رہی ہے۔ جس طرح آج یہ مشرکین و معاندین آپ کو بیہودہ فرمائشوں سے دق کرتے اور بانواع حیل لوگوں کو جادۂ حق سے ڈگمگانا چاہتے ہیں اسی طرح ہر پیغمبر کے مقابل شیطانی قوتیں کام کرتی رہی ہیں کہ پیغمبروں کو ان کے پاک مقصد (ہدایت خلق اللہ) میں کامیاب نہ ہونے دیں۔ اسی غرض فاسد کے لئے شیاطین الجن اور شیاطین الانس باہم تعاون کرتے، اور ایک دوسرے کو فریب دہی اور ملمع سازی کی چکنی چپڑی باتیں سکھاتے ہیں اور ان کی یہ عارضی آزادی اسی عام حکمت اور نظام تکوینی کے ماتحت ہے جو تخلیق عالم میں حق تعالیٰ نے مرعی رکھی ہے۔ اس لئے آپ اعداء اللہ کی فتنہ پردازی اور مغویانہ فریب دہی سے زیادہ فکر و غم میں نہ پڑیں۔ ان سے اور ان کے کذب و افتراء سے قطع نظر کر کے معاملہ خدا کے سپرد کیجئے۔

ف۴ یعنی شیاطین ایک دوسرے کو ملمع کی ہوئی فریب کی باتیں اس لئے سکھلاتے ہیں کہ انہیں سن کر جو لوگ دنیا کی زندگی میں غرق ہیں اور دوسری زندگی کا یقین نہیں رکھتے ان ابلہ فریب باتوں کی طرف مائل ہو جائیں۔ اور ان کو دل سے پسند کرنے لگیں۔ اور پھر بھی برے کاموں اور کفر وفسق کی دلدل سے نکلنے نہ پائیں۔

بیان کیفیت عناد معاندین

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ ... الی ... وَلِیَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیت ﴿وَمَا یُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ میں معاندین کے عناد کو اجمالاً ذکر فرمایا اب ان آیات میں ان کے عناد کی تفصیل فرماتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ ان کے عناد کی کیا کیفیت ہے وہ یہ ہے کہ اگر ان کے فرمائشی معجزات سے بڑھ کر بھی ان کو معجزات دکھلا دیئے جائیں تب بھی یہ لوگ عناد اور ضد کی بناء پر حق کو ماننے والے نہیں اور ساتھ ساتھ آنحضرت ﷺ کو تسلی بھی ہے کہ آپ ﷺ ان معاندین کے بے جا سوالات اور فرمائشی معجزات سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں یہ بات کچھ آپ کے زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر نبی کے زمانہ میں اس قسم کے لوگ ہوتے رہے جو اُن سے دشمنی کرتے تھے اور اس قسم کے بے جا سوالات ان سے کیا کرتے تھے چنانچہ فرماتے ہیں اور ان معاندین کے عناد اور ضد کی یہ کیفیت ہے کہ ہم ان کی طرف فرشتے بھی اتار دیں جو آپ ﷺ کی نبوت و رسالت اور آپ ﷺ کی صداقت کی شہادت دیں جیسا کہ وہ کہتے تھے ﴿لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰی رَبَّنَا﴾ ﴿اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِیْلًا﴾ اور مردے بھی زندہ ہو کر ان سے باتیں کرنے لگیں اور آخرت کے چشم دید حالات ان کے سامنے بیان کرنے لگیں جیسا کہ وہ کہتے تھے ﴿فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ﴾ اور ہر چیز کو گروہ گروہ ان کے سامنے جمع کر دیں اور سب چیزیں تیری نبوت کی شہادت دیں یعنی حیوانات اور نباتات اور جمادات جمع ہو کر ان کی آنکھوں کے روبرو آپ ﷺ کی نبوت کی گواہی دیں تو یہ کافر جب بھی ایمان لانے والے نہیں مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے یعنی خدا ہی کو منظور ہو تو یہ ایمان لا سکتے ہیں کہ اس سے بڑھ کر کوئی زبردست نہیں مگر اپنی مرضی سے تو یہ کسی طرح بھی ایمان لانے والے نہیں خدا ہی چاہے تو ان کی شقاوت کو سعادت سے بدل سکتا ہے لیکن اکثر ان میں سے نادان ہیں جہالت کے باعث معجزات قاہرہ طلب کرتے ہیں خواہ مخواہ کی فرمائشیں جہالت کی دلیل ہے حق کی تو طلب نہیں اور دلائل حقہ کی طرف توجہ اور التفات نہیں بے دلیل جو دل میں آیا کہہ دیا یہ جہالت نہیں تو کیا ہے عدالت میں مدعی سے گواہی طلب کی جاتی ہے اور مدعا علیہ کو یہ حق ہوتا ہے کہ گواہوں پر جرح کرے اور گواہوں کا ناقابل شہادت ہونا ثابت کرے لیکن اگر مدعی علیہ مدعی کی پیش کردہ شہادت پر تو کوئی جرح نہ کر سکے مگر یہ کہے کہ میں تو اس دعویٰ کو جب تسلیم کروں گا کہ فلاں فلاں اشخاص اس کی شہادت دیں تو عدالت میں یہ عذر ہرگز قابل سماعت نہ ہوگا اسی طرح سمجھو کہ مدعی نبوت کے ذمہ مطلق دلائل نبوت اور مطلق شواہد رسالت کا پیش کرنا ضروری ہے سو وہ پیش کر دیئے گئے فرمائشی نشانات کا پیش کرنا ضروری نہیں۔

اب آئندہ آیات میں آپ ﷺ کو تسلی دی جاتی ہے کہ ان معاندین کی دشمنی سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں اور یہ شیاطین الانس جو آپ ﷺ کی دشمنی پر تلے ہوئے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ جس طرح یہ لوگ آپ کے دشمن ہیں اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے ہر نبی کے لیے شیطانوں کو دشمن بنایا ہے بعضے شیطان آدمیوں کے جنس سے ہیں اور بعضے شیطان جنات کی جنس سے ہیں۔ یعنی ہر زمانہ میں ایسے لوگ ہوئے ہیں جو انبیاء سے دشمنی رکھتے تھے اور ان سے اسی قسم کے بے جا سوالات کیا کرتے تھے اس سے مقصود انبیاء کرام کے صبر کا امتحان ہے کافروں کی عداوت انبیاء کرام علیہم السلام کے رفع درجات کا باعث

ہوتی ہے اس لیے خدا تعالیٰ کے یہاں جس نبی کا جس قدر رتبہ بلند ہوتا ہے اسی کے مطابق اس کے مقابلہ کے لیے سخت دشمن ہوتا ہے تا کہ اس کی دشمنی سے اس نبی کے درجے بلند ہوں غرض یہ کہ اس حکمت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کے دشمنی کے لیے شیاطین الانس والجن بنائے کہ بعض بعض کی طرف دھوکا دینے کے لیے ملمع باتوں کا دل میں القاء کرتے ہیں یعنی ایسی جھوٹی باتوں کا القاء کرتے ہیں جو بظاہر خوشنما اور آراستہ ہوتی ہیں اور برے اعمال کو اچھا کر کے دکھلاتے ہیں تا کہ ان کو دھوکہ اور فریب میں ڈالیں۔

ف:...... شیطان اصل میں اس کو کہتے ہیں جو سرکش اور شریر اور بدذات اور پاجی ہو خواہ انسانوں میں سے ہو یا جنات میں سے اور آیت میں شیاطین سے سرکشان جن وانس مراد ہیں مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیطانِ انس شیطان جن سے زیادہ نقصان دہ ہے کیونکہ جب میں اعوذ باللہ پڑھتا ہوں اور اللہ کی پناہ مانگتا ہوں تو شیطان جن میرے پاس سے بھاگ جاتا ہے مگر شیطان انس میرے پاس سے نہیں ٹلتا اور ﴿زُخْرُفَ الْقَوْلِ﴾ سے ملمع سازی کی باتیں مراد ہیں جو بظاہر آراستہ ہوں اور باطنی طور پر دھوکہ اور فریب ہوں اور اگر تیرا پروردگار چاہتا تو وہ شیاطین یہ کام نہ کرتے شیاطین لوگوں کے دلوں میں وسوسہ نہ ڈالتے یہ سب اللہ ہی کی قضاء وقدر اور اس کے ارادہ اور مشیت سے ہے پس آپ ان کو چھوڑ دیں وہ جانیں اور ان کا جھوٹ یعنی آپ ان کی ملمع سازی اور افترا پردازی کے فکر میں نہ پڑیں یہ لوگ شیاطین کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں آپ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کیجئے وہ خود ان کو سمجھ لے گا اور ان شیاطین الانس والجن کے پیدا کرنے میں ایک حکمت یہ ہے کہ تا کہ ان کے اس ملمع اور دل فریب قول کی طرف ان لوگوں کے دل جھکیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور دنیا کی شہوتوں اور لذتوں پر فریفتہ ہیں اور تا کہ وہ اس جھوٹی ملمع بات کو اعتقاد قلب سے پسند کر لیں اور دل سے اس کو حق سمجھنے لگیں اور تا کہ پھر اس کے بعد دل کھول کر بے کھٹکے وہ برے کام کیے جائیں جو کر رہے ہیں جب آدمی کسی بات کو دل سے حق سمجھنے لگے اور آخرت سے بے فکر ہو جائے تو دل کھول کر برے کام کرتا ہے حتی کہ جب جرم کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے تو پھر اس کو یکا یک پکڑ لیا جاتا ہے۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ

سو کیا اب اللہ کے سوا کسی اور کو منصف بناؤں حالانکہ اسی نے اتاری تم پر کتاب واضح اور جن لوگوں کو ہم نے

کیا اب سوائے اللہ کے کسی اور کو منصف کروں اور اسی نے تم کو کتاب بھیجی واضح۔ اور جن کو ہم نے

الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتْ

کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ نازل ہوئی ہے تیرے رب کی طرف سے ٹھیک سو تو مت ہو شک کرنے والوں میں سے اور تیرے

کتاب دی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ نازل ہوئی ہے تیرے رب کے پاس سے تحقیق، سو تو مت ہو شک لانے والا۔ اور تیرے

كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾ وَاِنْ تُطِعْ

رب کی بات پوری سچی ہے اور انصاف کی کوئی بدلنے والا نہیں اس کی بات کو اور وہی ہے سننے والا جاننے والا ف۱ اور اگر تو کہنا مانے گا

رب کی بات پوری سچ ہے انصاف کی۔ کوئی بدلنے والا نہیں اس کے کلام کو۔ اور وہی ہے سنتا جانتا۔ اور اگر تو کہا مانے

ف۱ یعنی "شیاطین الانس والجن" کی تلبیس و تلمیع پر بدعقیدہ اور جاہل ہی کان دھر سکتے ہیں۔ ایک پیغمبر یا اس کے متبعین جو ہر مسئلہ اور ہر معاملہ میں =

أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا

اکثر ان لوگوں کا جو دنیا میں ہیں تو تجھ کو بہکا دیں گے اللہ کی راہ سے وہ سب تو چلتے ہیں اپنے خیال پر اور سب اٹکل ہی

اکثر لوگوں کا جو دنیا میں ہیں، تجھ کو بہکا دیں اللہ کی راہ سے۔ سب یہی چلتے ہیں خیال پر، اور سب اٹکل

يَخْرُصُونَ ﴿۱۱۶﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَن يَضِلُّ عَن سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۱۱۷﴾

دوڑاتے ہیں ف۱ تیرا رب خوب جاننے والا ہے اس کو جو بہکتا ہے اس کی راہ سے اور وہی خوب جاننے والا ہے ان کو جو اس کی راہ پر ہیں

دوڑاتے ہیں۔ تیرا رب ہی خوب جانتا ہے جو بہکتا ہے اس کی راہ سے، اور وہ خوب جانتا ہے جو اس کی راہ پر ہیں۔

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِن كُنتُم بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا

سو تم کھاؤ اس جانور میں سے جس پر نام لیا گیا ہے اللہ کا اگر تم کو اس کے حکموں پر ایمان ہے ف۲ اور کیا سبب کہ تم نہیں کھاتے اس جانور میں سے کہ

سو تم کھاؤ اس میں سے جس پر نام لیا اللہ کا، اگر تم کو اس کے حکم پر یقین ہے۔ اور کیا سبب کہ تم نہ کھاؤ اس میں سے،

ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُم مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ۗ وَإِنَّ

جس پر نام لیا گیا ہے اللہ کا اور وہ واضح کر چکا ہے جو کچھ کہ اس نے تم پر حرام کیا ہے مگر جب کہ مجبور ہو جاؤ اس کے کھانے پر ف۳ اور

جس پر نام لیا اللہ کا اور وہ کھول چکا جو کچھ تم پر حرام کیا ہے، مگر جس وقت ناچار ہو اس کی طرف سے۔ اور

= خدائے واحد ہی کو اپنا منصف اور حکم مان چکے ہیں کیا ان سے یہ ممکن ہے کہ وہ خدا کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی چکنی چپڑی باتوں کی طرف کان لگائیں۔ یا معاذ اللہ غیر اللہ کے فیصلہ کے آگے گردن جھکا دیں۔ حالانکہ ان کے پاس خدا کی طرف سے ایسی معجز اور کامل کتاب آ چکی جس میں تمام اصولی چیزوں کی ضروری توضیح وتفصیل موجود ہے۔ جس کی نسبت علمائے اہل کتاب بھی کتب سابقہ کی بشارات کی بناء پر خوب جانتے ہیں کہ یقیناً یہ آسمانی کتاب ہے۔ جس کی تمام خبریں سچی اور تمام احکام معتدل اور منصفانہ ہیں جن میں کسی کی طاقت نہیں کہ تبدیل وتحریف کر سکے ایسی کتاب اور محفوظ ومکمل قانون کی موجودگی میں کیسے کوئی مسلمان وساوس واوہام یا محض عقلی قیاسات اور مغویانہ مغالطات کا شکار ہو سکتا ہے جبکہ وہ جانتا ہے کہ خدا تعالیٰ جس کو ہم نے اپنا حکم اور جس کی کتاب مبین کو دستور العمل تسلیم کیا ہے وہ ہماری ہر بات کو سننے والا اور ہر قسم کے مواقع واحوال اور ان کے مناسب احکام ونتائج کی موزونیت کو پوری طرح جاننے والا ہے۔

ف۱ مشاہدہ اور تاریخ بتلاتے ہیں کہ دنیا میں ہمیشہ فہیم، محقق اور با اصول آدمی تھوڑے رہے ہیں۔ اکثریت ان ہی لوگوں کی ہوتی ہے جو محض خیالی، بے اصول اور اٹکل پچو باتوں کی پیروی کرنے والے ہوں۔ اگر تم اسی اکثریت کا کہنا ماننے لگو اور بے اصول باتوں پر چلنا شروع کر دو تو خدا کی بتلائی ہوئی سیدھی راہ سے یقیناً بہک جاؤ گے۔ یہ آپ پر رکھ کر دوسروں کو سنایا۔ جاہل عوام کی ان ہی بے اصول اور اٹکل پچو باتوں میں سے ایک وہ تھی جو انہوں نے ذبیحہ کے مسئلہ پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا تھا کہ جو جانور طبعی موت سے مر جائے (یعنی میتہ) اسے مسلمان حرام کہتے ہیں حالانکہ وہ خدا کا مارا ہوا ہے اور جو خود ان کے ہاتھ کا مارا ہوا ہو اسے حلال سمجھتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے، اس کا جواب اگلی آیتوں میں ﴿فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ﴾ سے دیا گیا۔ حضرت شاہ صاحب موضح القرآن میں فرماتے ہیں کہ "یہ کئی آیتیں اس پر اتریں کہ کافر کہنے لگے مسلمان اپنا مارا کھاتے ہیں اور اللہ کا مارا نہیں کھاتے، فرمایا کہ ایسی ملمع فریب کی باتیں انسانوں کو شبہ میں ڈالنے کے لئے شیطان سکھاتے ہیں۔ خوب سمجھ لو حلال وحرام وغیرہ میں حکم اللہ کا چلتا ہے۔ محض عقلی ڈھکوسلوں کا اعتبار نہیں۔ آگے کھول کر سمجھا دیا کہ مارنے والا سب کا اللہ ہے لیکن اس کے نام کو برکت ہے جو اس کے نام پر ذبح ہوا سو حلال ہے جو بغیر اس کے مر گیا سو مردار"۔ بتغیر یسیر۔

ف۲ جب دلائل صحیحہ کی بنا پر تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کریم کی حقانیت کو تسلیم کر لیا اور کلی طور پر اس کے احکام پر ایمان لا چکے تو اب فروع وجزئیات کی صحت کو تسلیم کرنا ناگزیر ہے۔ اگر ہر اصل وفرع اور کلی وجزئی کا قبول کرنا ہمارے عقلی قیاسات پر موقوف ہو تو وحی اور نبوت کی ضرورت ہی نہ رہے۔

ف۳ یعنی اضطرار اور مجبوری کی حالت کو مستثنیٰ کر کے جو چیزیں حرام ہیں ان کی تفصیل کی جا چکی۔ ان میں وہ حلال جانور داخل نہیں جو اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔ =

كَثِيرًا لَّيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِم بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ﴿١١٩﴾ وَذَرُوا

بہت لوگ بہکاتے پھرتے ہیں اپنے خیالات پر بغیر تحقیق تیرا رب ہی خوب جانتا ہے حد سے بڑھنے والوں کو ف۱ اور چھوڑ دو

بہت بہکاتے ہیں اپنے خیال پر بغیر تحقیق۔ تیرا رب ہی خوب جانتا ہے جو لوگ حد سے بڑھتے ہیں۔ اور چھوڑ دو

ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ ﴿١٢٠﴾

کھلا ہوا گناہ اور چھپا ہوا جو لوگ گناہ کرتے ہیں عنقریب سزا پاویں گے اپنے کیے کی ف۲

کھلا گناہ اور چھپا۔ جو لوگ گناہ کماتے ہیں، سزا پاویں گے اپنے کئے کی۔

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ۗ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ

اور اس میں سے نہ کھاؤ جس پر نام نہیں لیا گیا اللہ کا ف۳ اور یہ کھانا گناہ ہے اور شیطان دل میں ڈالتے ہیں اپنے

اور اس میں سے نہ کھاؤ جس پر نام نہ لیا اللہ کا، اور وہ گناہ ہے، اور شیطان دل میں ڈالتے ہیں اپنے

أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ ۖ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴿١٢١﴾ ع ۱۴/۱۱

رفیقوں کے تا کہ وہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کا کہا مانا تو تم بھی مشرک ہوئے ف۴

رفیقوں کے کہ تم سے جھگڑا کریں۔ اور اگر تم نے ان کا کہا مانا، تو تم مشرک ہوئے۔

تتمہ توبیخ معاندین وتحذیر از اتباع مضلین ومجادلین

قال تعالیٰ: ﴿أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا ... الی ... وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ﴾

ربط:...... گذشتہ آیات میں یہ بیان ہو چکا کہ یہ کافر جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور ایسے ضدی اور عنادی ہیں کہ جن معجزات کی وہ خواہش رکھتے ہیں ان کے ظاہر ہونے پر بھی ایمان نہیں لائیں گے اگر دل میں کچھ بھی قبول حق کا مادہ ہوتا تو پہلے ہی مرتبہ

= پھر اس کے نہ کھانے کی کیا وجہ؟

ف۱ مسلمان کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر چیز کو بالواسطہ یا بلا واسطہ خدا ہی پیدا کرتا اور خدا ہی مارتا ہے۔ پھر جس طرح اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں بعض کا کھانا ہم کو مرغوب اور مفید ہے جیسے سیب انگور وغیرہ اور بعض چیزوں سے ہم نفرت کرتے ہیں یا مضر سمجھتے ہیں جیسے ناپاک گندی چیزیں اور سنکھیا وغیرہ۔ اسی طرح اس کی ماری ہوئی چیزیں بھی دو قسم کی ہیں ایک وہ جن سے فطرت سلیمہ نفرت کرے یا ان کا کھانا ہماری بدنی یا روحی صحت کیلئے خدا کے نزدیک مضر ہو۔ مثلاً وہ حیوان دموی جو اپنی طبعی موت سے مرے اور اس کا خون وغیرہ گوشت میں جذب ہو کر رہ جائے۔ دوسرے وہ حلال وطیب جانور جو باقاعدہ خدا کے نام پر ذبح ہو یہ بھی خدا ہی کا مارا ہوا ہے، جس پر مسلمان کی چھری کے توسل سے اس نے موت طاری کی۔ مگر عمل ذبح اور خدا کے نام کی برکت سے اس کا گوشت پاک وصاف ہو گیا۔ پس جو شخص دونوں قسموں کو ایک کرنا چاہے وہ معتدی (حد سے بڑھنے والا) ہوگا۔

ف۲ یعنی کافروں کے بہکانے پر نہ ظاہر میں عمل کرو نہ دل میں شبہ رکھو۔ کذا فی موضح القرآن۔

ف۳ یعنی نہ حقیقۃً نہ حکماً۔ حنفیہ متروک التسمیہ عمداً کے مسئلہ میں ذکر حکمی کا دعویٰ کرتے ہیں۔

ف۴ یعنی شرک فقط یہی نہیں کہ کسی کو سوائے خدا کے پوجے بلکہ شرک کے حکم میں یہ بھی ہے کہ کسی چیز کی تحلیل وتحریم میں مستند شرعی کو چھوڑ کر محض آراء واہوا کا تابع ہو جائے۔ جیسا کہ ﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ﴾ کی تفسیر میں مرفوعاً منقول ہے کہ اہل کتاب نے وحی الٰہی کو چھوڑ کر صرف احبار ورہبان ہی پر تحلیل وتحریم کا مدار رکھ چھوڑا تھا۔

آیات بینات دیکھ کر ایمان لے آتے اس لیے کہ اول تو قرآن کریم آپ ﷺ کا عظیم ترین معجزہ ہے اور آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کی روشن دلیل ہے اس کی طرف رجوع کر لینا کافی ہے۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب گر دلیلے باید ازوے رومتاب

ایسی روشن دلیل کے بعد کسی اور فیصلہ کرنے والے کی طرف رجوع کرنا نادانی ہے اور دوم یہ کہ علماء اہل کتاب قرآن کریم کی حقانیت سے بخوبی واقف ہیں ایسی کافی اور شافی دلیل اور برہان کے بعد کسی فرمائشی معجزہ کی ضرورت نہیں لہٰذا جب آپ ﷺ کی نبوت ثابت ہوگئی تو اے نبی کریم ﷺ آپ ان مشرکین سے کہد یجیے کہ بھلا خدا سے بڑھ کر کس کی شہادت ہوسکتی ہے جس کی تم فرمائش کرتے ہو اور وہ شہادت خداوندی یہ قرآن کریم ہے اور دوسری شہادت علماء بنی اسرائیل کی شہادت ہے ان دو شہادتوں کے بعد آپ ﷺ کو اہل ضلال واہل جدال کی اتباع سے منع فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں کیا ان دلائل قاہرہ اور براہین باہرہ کے بعد میں تمہارے اور اپنے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے سوائے خدا کے کسی منصف اور فیصلہ کرنے والے کو ڈھونڈوں کفار آنحضرت ﷺ سے یہ کہتے کہ تو ہمارے اور اپنے درمیان کوئی ثالث مقرر کر لے تاکہ وہ ہمارے اور تیرے درمیان فیصلہ کر دے کہ کون حق پر ہے خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ سے بڑھ کر کون فیصل ہوسکتا ہے خدا تعالیٰ نے دعوائے نبوت میں میرے حق میں فیصلہ کر دیا ہے اور اس نے میرے دعوائے نبوت پر بہت سے شواہد ظاہر کر دیے ہیں اب کسی اور فیصل کی کیا ضرورت رہی میری نبوت ورسالت کی سب سے بڑی دلیل یہ قرآن کریم ہے اور وہ فیصلہ کرنے والا وہ خداوند قدوس ہے جس نے تمہاری طرف یہ مفصل کتاب اتاری جس نے نیک اور بد اور حق اور باطل اور سعادت اور شقاوت کو کھول کر بیان کر دیا ہے اور ایک کو دوسرے سے جدا کر دیا ہے اور یہ کتاب عجیب وغریب حقائق ومعارف اور احکام پر مع دلائل اور براہین کے مشتمل ہے اور شکوک اور شبہات کے ازالہ میں کافی اور شافی ہے اس کتاب مفصل نے میرے اور تمہارے درمیان میں قطعی فیصلہ کر دیا کہ میں حق پر ہوں اور تم باطل پر، کتاب کے مفصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں حلال وحرام اور امر ونہی اور وعد ووعید سب کچھ مذکور ہے اور اس کا اعجاز لفظی اور معنوی سب کے سامنے ہے اور علاوہ ازیں اس کتاب کی ایک صفت یہ ہے کہ جن لوگوں کو ہم نے توریت وانجیل دی ہے یعنی علماء یہود ونصاریٰ وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے اتاری ہوئی کتاب ہے جو حق کے ساتھ متلبس ہے یعنی علماء اہل کتاب خوب جانتے ہیں کہ یہ قرآن وہی آسمانی کتاب ہے جس کی کتب سابقہ میں بشارت دی گئی ہے پس جس کتاب کی یہ شان ہو تو آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوجیئے ایسی مفصل اور مکمل کتاب کی شہادت کے بعد کسی ثالث اور فیصل کے مقرر کرنے کی ضرورت نہیں اور علاوہ ازیں اس کتاب کی ایک صفت یہ ہے کہ تیرے پروردگار کی بات سچائی اور انصاف میں پوری ہے یعنی اس قرآن کی منزل من اللہ ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ اس کی تمام خبریں سچی ہیں اور اسکے تمام احکام عین عدل اور عین انصاف ہیں معلوم ہوا کہ یہ کتاب خدا کی اتاری ہوئی ہے اگر خدا کی طرف سے نہ ہوتی تو اس میں کوئی نقصان اور غلطی ضرور ہوتی قرآن مجید کے مضامین دو قسم کے ہیں ایک اخبار اور قصص اور دوم احکام یعنی اوامر اور نواہی، صدق کا تعلق اخبار سے ہے قرآن کی سب خبریں سچی ہیں اور عدل کا تعلق احکام سے ہے یعنی قرآن کریم کے تمام احکام عین عدل اور عین انصاف ہیں کوئی حکم خلاف انصاف نہیں۔ یا یوں

کھو کہ عدل سے اعتدال مراد ہے کہ اس کے احکام غایت درجہ معتدل ہیں اور افراط اور تفریط سے پاک ہیں اور قرآن کریم کی ایک صفت یہ ہے کہ کوئی اس کی باتوں کو بدل نہیں سکتا یعنی قرآن کریم میں نہ تو تحریف و تبدیل راہ پا سکتی ہے اور نہ کوئی اس کا وعدہ اور خبر غلط ہو سکتی ہے اور وہی سننے والا جاننے والا ہے ان مکذبین کی زخرف القول کو یعنی ان کی ملمع کاری کی باتوں کو سنتا ہے اور ان کے دلوں کے رازوں اور نیتوں کو جانتا ہے پس اے پیغمبر ﷺ ان کلمات الٰہیہ کے ہوتے ہوئے جو صدق اور عدل کے اعتبار سے مکمل ہیں آپ کو کسی حکم اور ثالث کی ضرورت نہیں آپ اللہ تعالیٰ کی وحی کا اتباع کیجیے اور ان نادانوں کے کہنے سننے کی پروانہ کیجیے اور اگر بالفرض والتقدیر آپ ﷺ اکثر اہل زمین کا کہنا ماننے لگیں اور ان کے کہنے پر چلنے لگیں تو یہ خود بھی گمراہ ہیں اور آپ کو بھی اللہ کے راستہ سے گمراہ کر دیں گے اس لیے کہ ان کو حقیقۃ الامر کا علم نہیں۔

گذشتہ آیات میں یہ بیان فرمایا تھا کہ شیاطین الانس والجن ملمع کاری کی باتیں (زخرف القول) دھوکہ دینے کے لیے کرتے ہیں اب ان آیات میں یعنی ﴿وَاِنۡ تُطِعۡ اَكۡثَرَ مَنۡ فِى الۡاَرۡضِ﴾ میں ملمع کاری کی بعض باتیں ذکر کرتے ہیں کہ جو مشرکین مسلمانوں کو احکام خداوندی میں شبہ ڈالنے کے لیے کہا کرتے تھے مشرکین آنحضرت ﷺ اور مسلمانوں سے یہ مجادلہ کرتے کہ جو جانور طبعی موت سے مر جائے (یعنی میتہ) مسلمان اسے تو حرام کہتے ہیں حالانکہ وہ خدا کا مارا ہوا ہے اور جو جانور خود ان کے ہاتھ کا مارا ہوا ہے یعنی ان کے ہاتھ کا ذبیحہ ہے اسے حلال سمجھتے ہیں یہ کیسا دین ہے کہ جس میں خدا کی ماری ہوئی چیز تو حرام ہے اور اپنے ہاتھ کی ماری ہوئی چیز حلال ہے مسلمانوں کی یہ عجیب بات ہے کہ اپنے مارے ہوئے جانور کو تو کھا لیتے ہیں اور خدا کے مارے ہوئے جانور کو نہیں کھاتے آئندہ آیتوں یعنی ﴿فَكُلُوۡا مِمَّا ذُكِرَ اسۡمُ اللّٰهِ عَلَيۡهِ﴾ الخ میں ان کے اسی شبہ کا جواب دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ سب کافروں کی ملمع کاری ہے جو انسانوں کو شبہ اور دھوکہ میں ڈالنے کے لیے شیطان ان کو سکھاتے ہیں خوب سمجھ لو کہ حلال و حرام کے بارہ میں اللہ ہی کا حکم چلتا ہے محض عقلی ڈھکوسلوں کا کوئی اعتبار نہیں مارنے والا سب کا اللہ ہی ہے جان ڈالنا اور جان نکالنا یہ اللہ ہی کی قدرت اور اختیار میں ہے ذبح کرتے وقت صرف چھری چلانا تو بندہ کا کام ہے باقی جانور کی جان نکالنا یہ اللہ کا کام ہے ذبح کرنا موت کا ایک سبب ظاہری ہے جیسے موت کے اور اسباب ہیں مثلاً چھت سے گر کر مر جانا یا کنویں اور دریا میں ڈوب کر مر جانا مارنے والا ہر حال میں خدا ہی ہے سب اسی کے مارے ہوئے ہیں۔

البتہ اللہ کے نام کی برکت ہے جو جانور اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے وہ حلال ہے اور جو جانور بغیر اس کا نام لیے مر گیا وہ مردار ہے اس کا کھانا فسق اور خلاف حکم ہے ہاں شدید مجبوری کی حالت میں اس کے کھانے کی اجازت دی گئی ہے چنانچہ فرماتے ہیں نہیں پیروی کرتے یہ لوگ مگر گمان اور خیال کی یعنی ان کا دین اور اعتقاد کسی دلیل اور برہان پر مبنی نہیں صرف گمان اور خیال کے پیرو ہیں اور احکام اور حلال و حرام میں تو یہ سب انکل کے گھوڑے دوڑاتے ہیں محض اپنے انکل سے یہ قاعدہ بنا لیا کہ جو چیز اللہ کی ماری ہوئی ہو وہ سب حلال ہے جس پر کوئی دلیل نہیں تحقیق تیرا پروردگار خوب جانتا ہے اس شخص کو جو اس کی راہ سے بہکتا ہے اور ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ پر ہیں پس تم کو چاہیے کہ حلت و حرمت میں اہل ہدایت کا اتباع کرو گمراہوں کے گمان اور خیال کی پیروی نہ کرو پس اے مسلمانو! تم حلال ذبیحہ میں سے کھاؤ جس پر بوقت

ذبح صرف اللہ کا نام لیا گیا ہو وہ ذبیحہ اللہ کے نام کی برکت سے حلال ہو جاتا ہے اور مرے ہوئے جانور پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اس لیے وہ حرام ہو گیا اگر تم اللہ کے حکموں پر یقین رکھتے ہو موت سے جانور نجس ہو جاتا ہے لیکن اگر ذبح کے وقت خدا کا نام لیا جائے تو وہ پھر خدا کے نام کی برکت سے نجاست محفوظ ہو جاتا ہے اور تم کو کیا ہوا کہ تم اس ذبیحہ میں سے نہ کھاؤ کہ جس پر بوقت ذبح اللہ کا نام لیا گیا ہو یعنی اس کے نہ کھانے کی تمہارے پاس کوئی وجہ نہیں اور حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دوسری آیات میں ان چیزوں کی تفصیل کر دی ہے جو اس نے تم پر حرام کی ہیں اور دوسری آیات سے سورۃ نحل کی آیتیں مراد ہیں جو سورۃ انعام سے پہلے نازل ہوئی یا یوں کہو کہ اس سے آیت ﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ﴾ الخ کی طرف اشارہ جو چند آیتوں کے بعد آئے گی اس کے مطابق اس جانور کو کھاؤ جس پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو اور مردار کو نہ کھاؤ مگر جب کہ تم بھوک کی وجہ سے مجبور اور لاچار ہو جاؤ تو پھر بقدر سدرمق اس میں سے کھا لینا جائز ہے اور بے شک بہتیرے لوگ بغیر علم اور بغیر دلیل کے اپنی خواہشوں سے لوگوں کو بہکاتے اور گمراہ کرتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں شکوک اور شبہات ڈالتے ہیں بے شک تیرا پروردگار حد سے نکل جانے والوں کو خوب جانتا ہے کہ وہ خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کرتے ہیں اور حرام کیے ہوئے کو حلال بتلاتے ہیں۔ سو اللہ ان کو اس فعل کی ضرور سزا دے گا اور اے مسلمانو تم کھلے گناہ اور چھپے گناہ کو چھوڑ دو یعنی ہر قسم کے گناہ کو چھوڑ دو اور کسی حلال کو حرام اعتقاد کرنا یہ باطنی گناہ ہے تحقیق جو لوگ گناہ کو کماتے ہیں وہ ضرور اپنے کیے کی سزا پائیں گے عذاب کے وقت پردہ اٹھ جائے گا اور ہر چیز کا حسن و قبح آنکھوں کے سامنے آ جائے گا اور اے مسلمانو اس جانور میں سے نہ کھاؤ جس پر بوقت ذبح قصداً اللہ کا نام نہ لیا گیا چہ جائیکہ ان پر بوقت ذبح بتوں کا نام لیا گیا ہو اور تحقیق ایسے جانور کا کھانا جس پر بوقت ذبح قصداً اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو البتہ بڑا ہی گناہ ہے اور بے شک شیاطین اپنے دوستوں کے دل میں وسوسے ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں مشرکین کا جھگڑا مسلمانوں کے ساتھ یہی تھا کہ وہ یہ کہتے تھے کہ مسلمان اپنے مارے کو تو حلال کہتے ہیں اور اللہ کے مارے ہوئے کو حرام بتاتے ہیں یہ سب القاء شیطانی ہے شیاطین کافروں کو اس قسم کی کٹ حجتیاں القاء کرتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑتے رہیں پس تم ان سے احتیاط رکھنا اور اگر خدانخواستہ تم عقائد اور حلال و حرام میں ان لوگوں کا کہنا ماننے لگو تو ضرور تم بھی مشرک ہو جاؤ گے کہ حکم خداوندی کے مقابلہ میں ان کے حکم کو ترجیح دینے لگو

مطلب یہ ہے کہ شرک فقط یہی نہیں کہ خدا کے سوا کسی کو معبود بنا لیا جائے بلکہ یہ امر بھی شرک کے حکم میں ہے کہ بلا دلیل شرعی کسی کو تحلیل و تحریم کا مختار کار سمجھنے لگے کہ جس چیز کو انکا مقتدا محض اپنی رائے اور خیال سے حرام و حلال کر دے اس کا تابع ہو جائے جیسا کہ آیت ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ کی تفسیر میں حدیث مرفوع گذر چکی ہے اہل کتاب نے وحی الٰہی کو چھوڑ کر صرف احبار اور رہبان کے قول پر تحلیل و تحریم کا مدار رکھ چھوڑا تھا یہ شرک فی الحکم ہے۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي

بھلا ایک شخص جو کہ مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اس کو دی روشنی کہ لیے پھرتا ہے اس کو لوگوں میں برابر ہو سکتا ہے اس کے کہ جس کا حال یہ ہے

بھلا ایک شخص کہ مردہ تھا، پھر ہم نے اس کو زندہ کیا، اور دی اس کو روشنی کہ لیے پھرتا ہے لوگوں میں، برابر اس کے کہ جس کا حال یہ ہے،

الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۲۲ وَكَذٰلِكَ

کہ پڑا ہے اندھیروں میں وہاں سے نکل نہیں سکتا اسی طرح مزین کر دیئے کافروں کی نگاہ میں ان کے کام ف۱ اور اسی طرح کیے ہیں

اندھیروں میں پڑا، وہاں سے نکل نہیں سکتا اسی طرح بھلا دکھایا ہے کافروں کو جو کام کر رہے ہیں۔ اور یوں ہی رکھے ہیں

جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا

ہم نے ہر بستی میں گناہ گاروں کے سردار کہ حیلے کیا کریں وہاں اور جو حیلے کرتے ہیں سو اپنی ہی جان پر اور نہیں

ہم نے ہر بستی میں گنہگاروں کے سردار کہ حیلہ لایا کریں وہاں، اور جو حیلہ کرتے ہیں سو اپنے اوپر اور نہیں

يَشْعُرُوْنَ ۝۱۲۳ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؕ

سوچتے ف۲ اور جب آتی ہے ان کے پاس کوئی آیت تو کہتے ہیں کہ ہم ہرگز نہیں مانیں گے جب تک کہ نہ دیا جاوے ہم کو جیسا کچھ کہ دیا گیا ہے اللہ کے رسولوں کو

بوجھتے۔ اور جب پہنچی ان کو ایک آیت، کہیں ہم ہرگز نہ مانیں گے جب تک ہم کو نہ ملے جیسا کچھ پاتے ہیں اللہ کے رسول،

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ

اللہ خوب جانتا ہے اس موقع کو کہ جہاں بھیجے اپنے پیغام عنقریب پہنچے گی گناہ گاروں کو ذلت اللہ کے ہاں

اللہ بہتر جانتا ہے جہاں بھیجے اپنے پیام، اب پہنچے گی گنہگاروں کو ذلت اللہ کے ہاں،

وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ۝۱۲۴ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ

اور عذاب سخت اس وجہ سے کہ وہ مکر کرتے تھے ف۳ سو جس کو اللہ چاہتا ہے کہ ہدایت کرے تو کھول دیتا ہے اس کے سینہ کو

اور عذاب سخت بدلہ حیلہ بنانے کا۔ سو جس کو اللہ چاہے کہ راہ دے، کھول دے اس کا سینہ

ف۱ پہلے فرمایا کہ شیاطین اپنے رفقاء کے دل میں ڈالتے ہیں کہ وہ مسلمانوں سے جھگڑا کریں یعنی بحث وجدل، تلبیس وتلمیع اور وسوسہ اندازی کر کے ان کو طریق حق سے ہٹا دیں۔ لیکن ان کو یہ ہوس خام اپنے دلوں سے نکال دینا چاہیے۔ وہ گروہ یا وہ شخص جو جہل وضلال کی موت سے مر چکا تھا۔ پھر اس کو حق تعالیٰ نے ایمان وعرفان کی روح سے زندہ کیا اور قرآن کی روشنی عطا فرمائی جسے لے کر وہ لوگوں کے ہجوم میں بے تکلف راہ راست پر چل رہا ہے کیا اس کا حال اغواء شیطانی کے قبول کرنے میں ان ”اولیاء الشیطان“ جیسا ہو سکتا ہے جو جہالت وضلالت کی اندھیریوں میں پڑے ٹھوکریں کھا رہے ہیں جس سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں پاتے کیونکہ اسی ظلمت کو نور اور برائی کو بھلائی سمجھتے ہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔

ف۲ یعنی کچھ آج رؤسائے مکہ ہی نہیں ہمیشہ کافروں کے سردار حیلے نکالتے رہے ہیں تاکہ عوام الناس پیغمبروں کے مطیع نہ ہو جائیں جیسے فرعون نے معجزہ دیکھا تو حیلہ نکالا کہ سحر کے زور سے سلطنت لیا چاہتا ہے لیکن ان کے یہ حیلے اور داؤ پیچ بحمد اللہ پکے ایمانداروں پر نہیں چلتے۔ حیلہ کرنے والے اپنی عاقبت خراب کر کے خود اپنا ہی نقصان کرتے ہیں جس کا احساس انھیں اس وقت نہیں ہوتا۔

ف۳ ان کی مکاری اور متکبرانہ حیلہ جوئی کی ایک مثال یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے صدق کا جب کوئی نشان دیکھتے تو کہتے کہ ہم ان دلائل ونشانات کو نہیں جانتے۔ ہم تو اس وقت یقین کر سکتے ہیں جب ہمارے اوپر فرشتے نازل ہوں اور پیغمبروں کی طرح ہم کو بھی خدا کا پیغام سنائیں یا خود حق تعالیٰ ہی ہمارے سامنے آ جائیں۔ ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا﴾ (فرقان رکوع ۳) خیر یہ تو خدا ہی جانتا ہے کہ کون شخص اس کا اہل ہے کہ منصب پیغامبری پر سرفراز کیا جائے اور اس عظیم الشان امانت الٰہیہ کا حامل بن سکے۔ یہ نہ کوئی کسبی چیز ہے کہ دعاء یا ریاضت یا دنیوی جاہ ودولت وغیرہ سے حاصل ہو سکے اور نہ ہر کس وناکس کو ایسی جلیل القدر اور نازک ذمہ داری پر فائز کیا جا سکتا ہے۔ ہاں ایسے گستاخ متکبر حیلہ =

لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ

واسطے قبول کرنے اسلام کے، اور جس کو چاہتا ہے کہ گمراہ کرے کر دیتا ہے اس کے سینہ کو تنگ بے نہایت تنگ گویا وہ زور سے چڑھتا ہے آسمان پر ف۱

حکم برداری کو۔ اور جس کو چاہے کہ راہ سے بھلا دے اس کا سینہ کر دے تنگ خفہ، گویا زور سے چڑھتا ہے آسمان پر۔

كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۲۵ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ

اسی طرح ڈالے گا اللہ عذاب کو ایمان نہ لانے والوں پر اور یہ ہے رستہ تیرے رب کا سیدھا

اسی طرح ڈالے گا اللہ عذاب یقین نہ لانے والوں پر۔ اور یہ ہے راہ ترے رب کی سیدھی۔

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝۱۲۶ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا

ہم نے واضح کر دیا نشانیوں کو غور کرنے والوں کے واسطے ف۲ انہی کے لئے ہے سلامتی کا گھر اپنے رب کے ہاں اور وہ ان کا مددگار ہے

ہم نے کھول دیئے نشان دھیان کرنے والوں کو۔ ان کو ہے سلامتی کا گھر اپنے رب کے ہاں، اور وہ ان کا مددگار ہے،

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۲۷

بسبب ان کے اعمال کے ف۳

بدلہ ان کے کیے کا۔

مسلمان اور کافر کی مثال

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ... الی... وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

= جو مکاروں کو آگاہ رہنا چاہیے کہ عنقریب اس معزز منصب کی طلب کا جواب ان کو سخت ذلت اور عذاب شدید کی صورت میں دیا جائے گا۔

ف۱ یعنی زور سے آسمان پر چڑھنا چاہتا ہے مگر چڑھ نہیں سکتا، اس لئے سخت تنگ دل ہوتا ہے۔

ف۲ جو لوگ ایمان لانے کا ارادہ نہیں رکھتے ان پر اسی طرح عذاب اور تباہی ڈالی جاتی ہے کہ رفتہ رفتہ ان کا سینہ اس قدر تنگ کر دیا جاتا ہے کہ اس میں حق کے گھسنے کی قطعاً گنجائش نہیں رہتی۔ پھر یہی ضیق صدر عذاب ہے جو قیامت میں شکل محسوس سامنے آ جائے گا۔ مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے "رجس" کا ترجمہ جو عذاب سے کیا ہے اس کے موافق یہ تقریر ہے۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم نے "رجس" کے معنی عذاب ہی کے لئے ہیں۔ مگر ابن عباس نے یہاں "رجس" سے مراد شیطان لیا ہے۔ شاید اس لئے کہ "رجس" ناپاک کو کہتے ہیں اور شیطان سے بڑھ کر کون ناپاک ہوگا۔ بہرحال اس تفسیر پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح خدا تعالیٰ ایمان سے گھبرانے والوں کا سینہ تنگ کر دیتا ہے اسی طرح ان پر بے ایمانیوں کی وجہ سے شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے کہ کبھی رجوع الی الحق کی توفیق نہیں ہوتی۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ "اول فرمایا تھا کہ کافر قسمیں کھاتے ہیں کہ آیت دیکھیں تو البتہ یقین لاویں اور اب فرمایا کہ ہم نہ دیں گے ایمان تو کیونکر لاویں گے۔ بیچ میں مردہ حلال کرنے کے حیلے نقل کئے، اب اس بات کا جواب فرمایا کہ جس کی عقل اس طرف چلے کہ اپنی بات نہ چھوڑے، جو دلیل دیکھے کچھ حیلہ بنالے، وہ نشان ہے گمراہی کا اور جس کی عقل چلے انصاف پر اور حکم برداری پر، وہ نشان ہدایت ہے۔ ان لوگوں میں نشان ہیں گمراہی کے ان پر کوئی آیت اثر نہ کرے گی۔" باقی اللہ تعالیٰ کی طرف ارادۂ ہدایت و اضلال کی نسبت کرنا، اس کے متعلق متعدد مواضع میں ہم کلام کر چکے ہیں اور آئندہ بھی حسب موقع لکھا جائے گا۔ مگر یہ مسئلہ طویل الذیل اور معرکۃ الآراء ہے اس لئے ہمارا ارادہ ہے کہ اس پر ایک مستقل مضمون لکھ کر فوائد کے ساتھ ملحق کر دیا جائے۔ وباللہ التوفیق۔

ف۳ یعنی جو اسلام و فرمانبرداری کے سیدھے راستہ پر چلے گا وہی سلامتی کے گھر پہنچے گا اور خدا اس کا ولی و مددگار ہوگا۔ یہ حال تو ان کا ہوا جن کا ولی خدا ہے (یعنی اولیاء الرحمن)۔ آگے اولیاء الشیطان کا حال بیان کیا جاتا ہے۔

ربط:...... اوپر کی آیت میں اول مشرکین کے مجادلہ اور عناد کا ذکر فرمایا اور پھر مسلمانوں کو اہل جدال اور اہل ضلال کی اتباع سے منع فرمایا اب ان آیات میں مسلمان اور کافر کی مثال بیان فرماتے ہیں تا کہ دونوں میں فرق ظاہر ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ کون لائق اتباع ہے اور کون لائق نفرت ہے۔

وہ مثال یہ ہے کہ جو شخص کفر کے بعد مسلمان ہوا گویا کہ وہ زندہ ہو گیا اور اس کو روشنی مل گئی ایسا شخص قابل اطاعت اور لائق اتباع ہے اور جو شخص کفر پر قائم ہے وہ اندھیروں میں گھرا ہوا ہے اور سرگرداں اور حیران ہے خلاصی کی کوئی راہ اس کو نظر نہیں آتی ایسا شخص کیسے قابل اتباع ہو سکتا ہے لہٰذا جس کو نور مل گیا وہ تاریکی والے کا کیوں اتباع کرے۔

(تفسیر کبیر: ۴/ ۱۴۳)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ آیت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور ابوجہل کے بارہ میں نازل ہوئی اللہ تعالیٰ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ہدایت دی اور ابوجہل کفر کی تاریکیوں میں پھنسا رہا امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ آیت ہر مومن اور کافر کو شامل ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۷/ ۷۸)

کیا وہ شخص جو پہلے اپنے کفر کی وجہ سے مردہ تھا پھر ہم نے ایمان اور ہدایت دے کر اس کو زندہ کیا اور ہم نے اس کو ہدایت کی ایسی روشنی دی جس کو وہ ہر وقت لوگوں میں اپنے ساتھ لیے لیے پھرتا ہے کیا اس شخص کے مانند اور برابر ہو سکتا ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ گمراہی کی ایسی اندھیریوں میں پڑا ہوا ہے کہ جن سے وہ باہر نہیں نکل سکتا ظاہر ہے کہ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے بلکہ پہلا شخص دوسرے شخص سے ہر طرح بہتر ہے پس ثابت ہوا کہ مسلمان کافر سے بہتر ہے کیونکہ پہلی مثال مومن کی ہے اور دوسری مثال کافر کی ہے ایمان کو حیات اور روشنی سے تشبیہ دی ہے اور کفر کو موت اور تاریکی سے تشبیہ دی ہے اور ظاہر ہے کہ نور ظلمت سے اور حیات موت سے بہتر ہے اسی طرح کافروں کے لیے وہ اعمال آراستہ کر دیئے گئے ہیں جو وہ کرتے ہیں یعنی جس طرح مومنوں کے دل میں ایمان اور اعمال صالحہ کی خوبی بٹھلا دی گئی ہے اسی طرح کافروں کے دل میں کفر اور اعمال قبیحہ کی خوبی ڈال دی گئی ہے ہر شخص اپنے ہی طریقہ کو اچھا جانتا ہے اور اسی طرح ہم نے بغرض امتحان ہر بستی میں اس بستی کے مجرمین کے سرداروں کو پیدا کیا یعنی جس طرح ہم نے مکہ کے مجرموں کو رئیس اور آسودہ حال بنایا ہے اسی طرح ہم نے پہلی امتوں میں بھی ہر بستی کے مجرموں کو رئیس اور متمول پیدا کیا ہے تا کہ وہ مال و دولت کے نشہ میں دل کھول کر اس بستی میں حیلہ اور فساد پھیلائیں اور لوگوں کو خراب کریں اور درحقیقت وہ اپنی ہی جانوں سے مکر اور فریب کر رہے ہیں یعنی ان کے مکر کا وبال انہی پر پڑے گا اور وہ نہیں سمجھتے کہ اس مکر اور فریب کا وبال انہی پر پڑے گا۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ لکھتے ہیں ''یعنی ہمیشہ کافروں کے سردار حیلہ نکالتے ہیں تا عوام الناس پیغمبر ﷺ کے مطیع نہ ہو جائیں جیسے فرعون نے معجزہ دیکھا تو حیلہ نکالا کہ سحر کے زور سے سلطنت لیا چاہتا ہے۔'' (موضح القرآن)

یہ ان معاندین کے جہل اور عناد کے چند واقعات تھے اب آگے ان کے جہل اور عناد اور ان کے تکبر اور غرور کا ایک خاص واقعہ بیان کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جب ان کے پاس آپ ﷺ کی نبوت و رسالت اور آپ ﷺ کی صداقت کی کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم ہرگز اس نبی ﷺ کی صداقت پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ ہم کو بھی ویسی ہی

نشانی ملے جیسے اللہ کے رسولوں کو دی گئی ہے یعنی ہم پر اللہ کا کوئی فرشتہ نازل ہو یا کوئی نوشتہ آسمان سے اترے اور آپ کی صداقت کی شہادت دے اور ہمیں آپ ﷺ پر ایمان لانے کا حکم دے کفار یہ کہتے تھے کہ بہ نسبت محمد ﷺ کے ہم نبوت کے زیادہ سزاوار ہیں اس لیے کہ ہم مال اور اولاد اور عزت میں ان سے بڑھے ہوئے ہیں خدا تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا، اللہ خوب جانتا ہے جہاں وہ اپنی پیغمبری کو رکھتا ہے کہ کون منصب نبوت ورسالت کے لائق ہے ایسے مکاروں اور غداروں اور حاسدوں اور متکبروں اور سرکشوں کو نبوت جیسی نعمت عظمیٰ کیونکر مل سکتی ہے

کلاہ خسروی وتاج شاہی بہر سر کے رسد حاشا و کلّا

ایسے ناہنجاروں کو منصب نبوت تو کیا ملتا ایسے مجرموں کو تو اللہ کے یہاں سخت ذلت اور رسوائی پہنچے گی اور سخت عذاب ہوگا بدلہ میں اس مکروفریب کے جو یہ کیا کرتے تھے متکبر کی سزا یہی ہے کہ اس کو ذلت اور خواری کا عذاب دیا جائے پس ان کے اس تکبر اور عناد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی فطرت اور جبلت اس درجہ فاسد اور خراب ہو چکی ہے کہ اب اس میں قبول حق کی صلاحیت اور استعداد ہی باقی نہیں رہی اس لیے اب آئندہ آیت میں سلیم الفطرت اور فاسد الفطرت کا موازنہ فرماتے ہیں تاکہ دونوں کا فرق واضح ہو جائے پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے یعنی اس کو دین اسلام کے قبول کرنے کی توفیق دیتا ہے اور اس کے دل کو اس کی طرف راغب کر دیتا ہے اور اس کو قبول حق میں ذرہ برابر پس وپیش نہیں ہوتا اور اسلام پر چلنا اس کو آسان ہو جاتا ہے اور جس کو تکویناً وتقدیراً خدا گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کا سینہ نہایت درجہ تنگ گھٹا ہوا اور بند کر دیتا ہے جس سے ایمان اور ہدایت اس کے اندر داخل نہیں ہو سکتی حق کی بات کے سننے سے اس کو ایسا انقباض ہوتا ہے گویا کہ وہ بڑی تکلیف اور مصیبت سے چار وناچار آسمان پر چڑھ رہا ہے بعینہ یہی حال کافر کا ہے جب اسے ایمان لانے کو کہا جاتا ہے تو اس کو اس سے ایسی تکلیف ہوتی ہے جیسے اس کو آسمان پر چڑھنے کی تکلیف دی جائے ایمان، انسان کو آسمان یعنی بلندی کی طرف لے جاتا ہے اور کفر انسان کو زمین یعنی پستی اور اندھیرے گڑھے کی طرف دھکیلتا ہے ابتداء رکوع میں مومن اور کافر کی مثال بیان فرمائی پہلی مثال اس مومن کی ہے جو سلیم الفطرت اور صحیح الاستعداد ہو اور دوسری مثال اس کافر کی ہے کہ جس کی فطرت اور استعداد بالکل تباہ اور برباد ہو چکی ہو حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام ﷺ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ شرح صدر سے کیا مراد ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شرح صدر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایک نور ڈال دیتا ہے جس کی علامت یہ ہے کہ دنیا سے بیزار اور آخرت کے لیے بے قرار ہو جاتا ہے اور موت کے آنے سے پہلے موت کی تیاری میں لگ جاتا ہے اور یہی مضمون دوسری آیت میں اس طرح آیا ہے ﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ اسی طرح ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ کفر کی پلیدی اور ناپاکی ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لائے ایسے معاندین کو کفر وشرک کی نجاست اور گندگی اچھی معلوم ہوتی اور دین حق کی خوشبو ان کی بدبو معلوم ہوتی ہے نجاست کا کیڑا عطر کی خوشبو کو برداشت نہیں کر سکتا بسا اوقات عطر کی خوشبو سے مر بھی جاتا ہے۔

اور ابن عباس ﷺ سے مروی ہے کہ اس آیت میں ''رجس'' سے شیطان مراد ہے کیونکہ رجس کے معنی گندہ اور

ناپاک کے ہیں شیطان سے بڑھ کر کون گندہ اور ناپاک ہوگا اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح شیطان کو کافروں پر مسلط کر دیتا ہے کہ قبول حق کی کبھی توفیق ہی نہیں ہوتی شیطان ان کو بری باتوں پر اکساتا رہتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''کہ اول فرمایا تھا کہ کافر قسمیں کھاتے ہیں کہ آیت دیکھیں تو البتہ یقین لاویں۔ اور اب فرمایا کہ جب ہم ہی ایمان نہ دیں گے تو کیونکر ایمان لاویں گے (بغیر اس کی توفیق کے کون ایمان لاسکتا ہے) بیچ میں مردار کو حلال کرنے کے حیلے نقل کیے اب اس بات کا جواب فرمایا کہ جس کی عقل اس طرف چلے کہ اپنی بات نہ چھوڑے جو دلیل دیکھے حیلہ بنالے وہ نشان ہے گمراہی کا اور جس کی عقل چلے انصاف پر اور حکمبر داری پر وہ نشان ہدایت ہے ان لوگوں میں نشان ہیں گمراہی کے ان پر کوئی آیت اثر نہ کرے گی'' (موضح القرآن)

اور یہ اسلام تیرے پروردگار کا سیدھا راستہ ہے اس پر چلنے سے آدمی سیدھا خدا تک پہنچ جاتا ہے اور اس کے سوا جتنے راستے ہیں سب ٹیڑھے ہیں تحقیق ہم نے اپنی نشانیوں کو اس گروہ کے لیے تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے جو گروہ نصیحت پکڑنے والا ہے انہی لوگوں کے لیے ان کے پروردگار کے یہاں سلامتی کا گھر ہے بہشت کا ایک نام دارالسلام ہے کیونکہ وہاں ہر آفت سے سلامتی ہے اور وہی پروردگار ان کا کارساز اور مددگار ہے بوجہ اس کے کہ وہ نیک کام کرتے تھے یعنی خدا تعالیٰ کے نبی ﷺ کی تصدیق اور اطاعت کرتے تھے۔

لطائف ومعارف

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ ''ازالۃ الخفاء'' میں فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مختلف جماعتیں تھیں (ایک جماعت تو وہ تھی کہ جو اپنے فہم وفراست کی بنا پر ابتداء بعثت میں آنحضرت ﷺ پر ایمان لے آئی تھی انہی میں عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی تھے اور اس جماعت کے سر دفتر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور آیہ کریمہ ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ﴾ میں انہی لوگوں کا ذکر ہے جن کی فطرت میں توحید اور ایمان اور ترک اصنام اور ترک زنا اور ترک شراب وغیرہ وغیرہ اس قسم کے محاسن اعمال ابتداء خلقت میں ودیعت رکھے گئے تھے اور اس بارہ میں انہوں نے بہت سی خوابیں بھی دیکھی تھیں جو آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت پر دلالت کرتی تھیں اسی لیے یہ لوگ آنحضرت ﷺ پر بمجرد دعوت ایمان لے آئے اور تکریر دعوت کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

اور ایک جماعت وہ تھی کہ جو ایک مدت تک کفر اور اسلام کی عداوت میں رہی اور آپ ﷺ کی رسالت کے منکر رہے انہیں لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مردوں سے تعبیر کیا ہے مگر بعد میں توفیق الٰہی ان کے شامل حال ہوئی اور اسلام کے زمرہ میں داخل ہوئے اور حیات حقیقی حاصل کی اور بہترین مسلمان کہلائے جیسے حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ وغیرہ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس گروہ کے سر دفتر تھے اور آیہ کریمہ ﴿اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ﴾ الآیۃ میں اللہ تعالیٰ نے انہی لوگوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے ﴿وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ﴾ میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ شخص ہادی اور مہدی ہوگا اور مسلمانوں کو اس سے نفع عظیم پہنچے گا اس فریق میں سے یہ صفت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ذات میں منحصر تھی اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو

حیات معنوی اور ہدایت کے ساتھ موصوف کیا پس جب ان آیات کے سیاق وسباق میں غور کیا جاتا ہے تو ان آیات سے ذہن شیخین رضی اللہ عنہما کی طرف منتقل ہو جاتا ہے کیونکہ شرح صدر صدیقیت کی حقیقت ہے اور عطاء نور ہدایت محدثیت کی حقیقت ہے اور انہی کے طریقہ کو اللہ نے صراط مستقیم فرمایا ہے اور ﴿كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا﴾ میں ظلمات سے کفر وضلالت کی ظلمتیں مراد ہیں زید بن اسلم سے مروی ہے کہ پہلی آیت یعنی ﴿اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا﴾ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں ہے اور دوسری آیت یعنی ﴿كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا﴾ ابوجہل کے بارہ میں ہے کیونکہ ابتداء میں دونوں کافر تھے مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حیات حقیقی عطاء فرمائی اور ابوجہل کو کفر اور ضلالت کی تاریکی میں رکھا اس طرح ان آیات میں بطریق تعریض حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ابوجہل کا حال بیان کیا گیا ہے۔

اور ایک جماعت ضعفاء مسلمین اور فقراء مومنین کی تھی جن کو رؤساء قریش بنظر حقارت دیکھتے تھے اور ان کی مجالست کو اپنے لیے باعث عار سمجھتے تھے انہیں لوگوں کی شان میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾

اور آیہ کریمہ ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ... الی... وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ﴾

میں اس قتال مسلمین کی طرف اشارہ ہے جو چونتیس سال بعد واقع ہونے والا تھا ایک متواتر اور ظاہر حدیث میں وارد ہوا ہے کہ عذاب تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے اٹھا دیا گیا مگر آپس میں ایک دوسرے کو اذیت دینا باقی رہا۔

خلاصہ کلام:...... کہ آیہ کریمہ ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ﴾ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے اور آیہ کریمہ ﴿اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ﴾ میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے اور آیہ کریمہ ﴿كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا﴾ میں ابوجہل کی طرف اشارہ ہے۔

اور آیہ کریمہ ﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ﴾ میں اصحاب صفہ یعنی درویشانِ اسلام کے گروہ کی طرف اشارہ ہے۔

اور آیہ کریمہ ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ﴾ الخ میں اس فتنہ کی طرف اشارہ ہے جو خلافت راشدہ کے ختم پر مسلمانوں میں باہمی قتل وقتال اور جنگ وجدال کی صورت میں نمودار ہوا (حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے کلام کا خلاصہ ختم ہوا)

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ

اور جس دن جمع کرے گا ان سب کو فرمائے گا اے جماعت جنات کی تم نے بہت کچھ تابع کر لیے اپنے آدمیوں میں سے ف ۱ اور کہیں گے

اور جس دن جمع کرے گا ان سب کو۔ اے جماعت جنوں کی ! تم نے بہت کچھ لیا انسانوں سے۔ اور بولے

ف ۱ یعنی اے شیاطین الجن تم نے بہت سے بدبخت انسانوں کو اپنی طرف متوجہ کرلیا اور اپنی راہ پر لگا لیا۔

أَوْلِيَآؤُهُم مِّنَ الْإِنسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَغْنَآ أَجَلَنَا الَّذِيٓ أَجَّلْتَ

ان کے دوستدار آدمیوں میں سے اے رب ہمارے کام نکالا ہم میں ایک نے دوسرے سے اور ہم پہنچے اپنے اس وعدہ کو جو تو نے ہمارے لیے مقرر کیا تھا ف ۱

ان کے دوست دار انسان، اے رب ہمارے ! کام نکالا ہم میں ایک نے دوسرے سے اور پہنچے اپنے وعدے کو، جو تو نے ہمارا ٹھہرایا

لَنَا ۚ قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَآ إِلَّا مَا شَآءَ اللَّهُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿۱۲۸﴾

فرماوے گا آگ ہے گھر تمہارا رہا کرو گے اسی میں مگر جب چاہے اللہ ف ۲ البتہ تیرا رب حکمت والا خبردار ہے ف ۳

تھا۔ فرماوے گا آگ گھر تمہارا، رہا کرو اس میں، مگر جو چاہے اللہ، تیرا رب حکمت والا خبردار ہے۔

وَكَذَٰلِكَ نُوَلِّي بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۱۲۹﴾ يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ

اور اسی طرح ہم ساتھ ملاویں گے گناہ گاروں کو ایک کو دوسرے سے ان کے اعمال کے سبب ف ۴ اے جماعت جنوں کی اور انسانوں کی

اور اسی طرح ہم ساتھ ملاویں گے گنہگاروں کو ایک دوسرے کو، بدلہ ان کی کمائی کا۔ اے جماعت جنوں اور انسانوں کی

أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۚ

کیا نہیں پہنچے تھے تمہارے پاس رسول تمہی میں کے کہ سناتے تھے تم کو میرے حکم اور ڈراتے تھے تم کو اس دن کے پیش آنے سے ف ۵

کیا تم کو نہیں پہنچے تھے رسول تمہارے اندر کے، سناتے تم کو میرا حکم اور ڈراتے یہ دن سامنے آنے سے۔

ف ۱ دنیا میں جو انسان بت وغیرہ پوجتے ہیں وہ فی الحقیقت خبیث جن (شیاطین) کی پوجا ہے۔ اس خیال پر کہ وہ ہمارے کام نکالیں گے ان کو نیازیں چڑھاتے ہیں اور ویسے بہت سے اہل جاہلیت تشویش واضطراب کے وقت جنوں سے استعانت کرتے تھے۔ جیسا کہ سورۃ جن" میں اشارہ کیا گیا ہے اور ابن کثیر وغیرہ نے روایات نقل کی ہیں۔ جب آخرت میں وہ شیاطین الجن اور انسان برابر پکڑے جائیں گے اور حقائق کا انکشاف ہوگا تب مشرک لوگ یوں عذر کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے پوجا نہیں کی لیکن آپس میں وقتی کارروائی کر لی تھی اور موت کا وعدہ آنے سے پہلے پہلے دنیوی کاروبار میں ہم ایک دوسرے سے کام نکالنے کی کچھ ترکیب کرلیا کرتے تھے ان کی عبادت مقصود نہ تھی۔

ف ۲ یہ جو فرمایا" مگر جب چاہے اللہ" اس واسطے کہ دوزخ کا عذاب دائم ہے تو اس کے چاہنے سے ہے وہ جب چاہے موقوف کرنے پر قادر ہے، لیکن ایک چیز چاہ چکا اور اس کی خبر پیغمبروں کی زبانی دی جا چکی وہ اب ٹل نہیں سکتی۔

ف ۳ یعنی مجرموں کے جرائم سے پوری طرح خبردار ہے اور حکمت بالغہ سے ہر جرم کی برمحل اور مناسب سزا دیتا ہے۔

ف ۴ جیسے تم نے" شیاطین الجن" اور ان کے اولیاء انسی کا حال سنا۔ اسی طرح تمام ظالموں اور گنہگاروں کو ان کے ظلم اور سیہ کاریوں کے تناسب سے دوزخ میں ہم ایک دوسرے کے قریب کردیں گے اور جو جس درجہ کا ظالم و گنہگار ہوگا اس کو اسی کے طبقہ عصاۃ میں ملا دیں گے۔

ف ۵ اوپر جن وانس کی شرارت اور سزا کا بیان تھا اور" اولیاء الجن" کی زبانی فی الجملہ معذرت بھی نقل کی گئی تھی، اب بتلایا جاتا ہے کہ ان کا کوئی عذر معقول اور قابل سماعت نہیں، دنیا میں خدا کی حجت تمام ہو چکی تھی جس کا خود انہیں بھی اقرار کرنا پڑے گا۔ یہ خطاب "یَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ" کا قیامت کے دن ہوگا اور مخاطب جن وانس یعنی کل مکلفین کا مجموعہ ہے، ہر جماعت الگ الگ مخاطب نہیں جو یہ اعتراض ہو کہ رسول تو ہمیشہ انسانوں میں سے آئے قوم جن میں سے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا گیا۔ پھر "رُسُلٌ مِّنكُمْ" (رسول تم ہی میں کے) کہنا کیسے صحیح ہوگا۔ اصل یہ ہے کہ مجموعہ مخاطبین میں سے اگر کسی نوع میں بھی اعیان رسل متحقق ہو جائے جس کی غرض تمام مخاطبین کو بلا تخصیص فائدہ پہنچانا ہو تو مجموعہ کو خطاب کرنے میں کوئی اشکال نہیں رہتا۔ مثلاً کوئی یہ کہے" اے عرب و عجم کے باشندو! اور پورب پچھم کے رہنے والو! کیا تم ہی میں سے خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسے کامل انسان کو پیدا نہیں کیا" اس عبارت کا مطلب کسی کے نزدیک یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو عرب میں پیدا کیے گئے اور دوسرے عجم میں ہونے چاہئیں، اسی طرح پورب کے علیحدہ، اور پچھم کے علیحدہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں، تب یہ عبارت صحیح ہوگی۔

قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓی اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ

کہیں گے کہ ہم نے اقرار کرلیا اپنے گناہ کا اور ان کو دھوکا دیا دنیا کی زندگی نے ف۱ اور قائل ہوگئے اپنے اوپر اس بات کے کہ

بولے، ہم نے مانے اپنے گناہ، اور ان کو بہکایا دنیا کی زندگی نے، اور قائل ہوئے اپنے گناہ پر، کہ وہ تھے

كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰی بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

وہ کافر تھے ف۲ یہ اس واسطے کہ تیرا رب ہلاک کرنے والا نہیں بستیوں کو ان کے ظلم پر اور وہاں کے لوگ بے خبر ہوں

منکر۔ یہ اس واسطے کہ تیرا رب ہلاک کرنے والا نہیں بستیوں کو ظلم سے اور وہاں کے لوگ بے خبر ہوں۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو

اور ہر ایک کے لئے درجے ہیں ان کے عمل کے اور تیرا رب بے خبر نہیں ان کے کام سے ف۳ اور تیرا رب بے پروا ہے

اور ہر کسی کو درجے ہیں اپنے عمل کے۔ اور تیرا رب بے خبر نہیں ان کے کام سے۔ اور تیرا رب بے پروا ہے

الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ

رحمت والا اگر چاہے تو تم کو لے جاوے اور تمہارے پیچھے قائم کر دے جس کو چاہے جیسا تم کو پیدا کیا

رحم والا۔ اگر چاہے تم کو لے جاوے اور پیچھے تمہارے قائم کرے جس کو چاہے، جیسا تم کو کھڑا کیا

ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ يٰقَوْمِ

اوروں کی اولاد سے جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور آنے والا ہے اور تم عاجز نہیں کر سکتے ف۴ تو کہہ دے اے لوگو!

اوروں کی اولاد سے۔ جو تم کو وعدہ دیا، سو آنے والا ہے اور تم تھکا نہ سکو گے۔ تو کہہ، لوگو!

=علیٰ ہذا القیاس یہاں سمجھ لیجئے کہ ﴿يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ﴾ الخ کا مدلول صرف اس قدر ہے کہ جن وانس کے مجموعہ سے پیغمبر بھیجے گئے۔ باقی یہ تحقیق کہ ہر نوع میں سے الگ الگ پیغمبر آئے یا ہر ایک پیغمبر کل افراد جن وانس کی طرف مبعوث ہوا، یہ آیت اس کے بیان سے ساکت ہے۔ دوسری نصوص سے جمہور علماء نے یہی قرار دیا ہے کہ نہ ہر ایک پیغمبر کی بعثت عام ہے اور نہ کسی جن کو اللہ نے مستقل رسول بنا کر بھیجا۔ اکثر معاشی ومعادی معاملات میں ان کو حق تعالیٰ نے انسانوں کے تابع بنا کر رکھا ہے جیسا کہ سورۂ جن کی آیات اور نصوص حدیثیہ وغیرہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔ یہ کوئی ضابطہ نہیں کہ مخلوق کی ہر نوع کے لئے اسی نوع کا کوئی شخص رسول ہوا کرے۔ باقی انسانوں کی طرف فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجنے سے جو قرآن کے متعدد مواضع میں انکار کیا گیا ہے، اس کا اصلی منشاء یہ ہے کہ عام انسان بہیئۃ الاصلیہ اس کی رؤیت کا تحمل نہیں کر سکتے اور بے اندازہ خوف وہیبت کی وجہ سے مستفید نہیں ہو سکتے اور بصورت انسان آئیں تو بے ضرورت التباس رہتا ہے۔ اسی پر قیاس کرلو کہ اگر قوم جن میں منصب نبوت کی اہلیت ہوتی تو وہ بھی انسانوں کے لئے مبعوث نہیں کیے جاسکتے تھے کیونکہ وہاں بھی یہی اشکال تھا۔ ہاں رسول انسی کا جن کی طرف مبعوث ہونا اس لئے مشکل نہیں کہ جنوں کے حق میں انسان کی رؤیت نہ تو ناقابل تحمل ہے اور نہ انسان کا صوری خوف ورعب استفادہ سے مانع ہو سکتا ہے۔ ادھر پیغمبر کو حق تعالیٰ وہ قوت قلبی عطا فرما دیتا ہے کہ اس پر جن جیسی ہیبت ناک مخلوق کا کوئی رعب نہیں پڑتا۔

ف۱ یعنی دنیا کی لذات وشہوات نے انہیں آخرت سے غافل بنا دیا۔ کبھی خیال بھی نہ آیا کہ اس احکم الحاکمین کے سامنے جانا ہے جو ذرہ ذرہ کا حساب لے گا۔

ف۲ اس سورت میں اوپر مذکور ہوا کہ اول کافر اپنے کفر کا انکار کریں گے۔ پھر حق تعالیٰ تدبیر سے ان کو قائل کرے گا۔

ف۳ یعنی خدا کی یہ عادت نہیں کہ بدون آگاہ اور خبر دار کئے کسی کو اس کے ظلم وعصیان پر دنیا یا آخرت میں پکڑ کر ہلاک کر دے۔ اسی لئے رسول اور نذیر بھیجے کہ =

اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ

تم کام کرتے رہو اپنی جگہ پر میں بھی کام کرتا ہوں سو عنقریب جان لو گے تم کہ کس کو ملتا ہے عاقبت کا گھر

کام کرتے رہو اپنی جگہ، میں بھی کام کرتا ہوں۔ اب آگے جان لو گے کس کو ملتا ہے آخرگھر۔

اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

بالیقین بھلا نہ ہوگا ظالموں کا ف ۱

مقرر بھلا نہ ہوگا بے انصافوں کا۔

توبیخ جن وانس درروز قیامت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ... الی ... اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾

ربط: ......گذشتہ آیات میں مومن اور کافر کی مثال بیان کی اور یہ بتلایا کہ یہ کافر جو مسلمانوں سے مجادلہ کرتے ہیں اور ان سے جھگڑتے ہیں یہ سب شیاطین کے اغواء سے ہے اب ان آیات میں یہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن شیاطین جن سے باز پرس ہوگی کہ تم نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کیا اس کے بعد جو آدمی ان کے مطیع تھے وہ اس کا جواب دیں گے اور بعد ازاں شیاطین جن وانس دونوں کے لیے سزا کا اعلان کیا جائے گا چنانچہ فرماتے ہیں اور جس دن خدا تعالیٰ جن وانس سب کو یکجا جمع کرے گا تاکہ ایک دوسرے کے سوال جواب کو سن سکے اس دن خدا تعالیٰ سب کو جمع کر کے یہ کہے گا اے گروہ جنات یعنی شیاطین تم نے انسانوں کے گمراہ کرنے میں بڑا حصہ لیا اور بہتوں کو مکرو [1] فریب سے بہکا کر اپنے تابع کر لیا اور اس طرح اپنی بڑی جماعت بنالی اس آیت میں جنات کو اس لیے خطاب فرمایا کہ مکروفریب میں اصل وہی ہیں اور آدمیوں میں سے جو ان کے دوست ہیں ان سے بھی باز پرس ہوگی وہ اقرار کریں گے اور یہ کہیں گے اے پروردگار بے شک ہم قصوروار ہیں ہم نے دنیا میں ایک دوسرے سے فائدہ اٹھایا یعنی جنوں نے آدمیوں سے فائدہ اٹھایا اور آدمیوں نے جنوں سے جنوں نے

= وہ خوب کھول کر تمام جن وانس کو ان کے بھلے برے اور آغاز وانجام سے خبردار کریں۔ پھر جس درجہ کا کسی کا عمل ہوگا حق تعالیٰ اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرے گا۔

ف ۹ خدا نے رسول بھیج کر اپنی حجت تمام کر دی۔ اب اگر تم نہ مانو اور سیدھے راستہ پر نہ چلو تو وہ غنی ہے اسے تمہاری کچھ پرواہ نہیں۔ وہ چاہے تو تم کو ایک دم میں لے جائے اور اپنی رحمت سے دوسری قوم کو تمہاری جگہ کھڑا کر دے جو خدا کی مطیع و وفادار ہو اور تم کو لے جا کر دوسری قوم کا لے آنا خدا کے لئے کیا مشکل ہے۔ آج تم اپنے جن آباء واجداد کے جانشین بنے بیٹھے ہو، آخر ان کو اٹھا کر تم کو دنیا میں اسی خدا نے جگہ دی ہے۔ بہرحال خدا کا کام رک نہیں سکتا۔ تم نہ کرو گے دوسرے کھڑے کئے جائیں گے۔ ہاں یہ سوچ رکھو کہ یہی بغاوت وشرارت رہی تو خدا کا عذاب اٹل ہے۔ تم اگر سمجھو کہ بھاگ کر یا کسی کی پناہ لے کر سزا سے بچ جاؤ گے تو یہ محض حماقت ہے۔ خدا کو ساری مخلوق مل کر بھی اس کی مشیت کے نفاذ سے عاجز نہیں کر سکتی۔

ف ۱ یعنی ہم سب نیک و بد اور نفع وضرر سے آگاہ کر چکے۔ اس پر بھی اگر تم اپنی جانوں پر ظلم کرنے سے باز نہیں آئے تو تم جانو۔ تم اپنا کام کئے جاؤ میں اپنا فرض ادا کرتا ہوں۔ عنقریب کھل جائے گا کہ اس دنیا کا آخری انجام کس کے ہاتھ رہتا ہے۔ بلاشبہ ظالموں کا انجام بھلا نہیں ہو سکتا۔ آگے ان کے چند اعتقادی اور عملی ظلم بیان کئے جاتے ہیں جو ان میں رائج تھے اور سب سے بڑا ظلم وہی ہے جسے فرمایا ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾

[1] اس لفظ سے گذشتہ آیت ﴿عَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ﴾ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے۔

آدمیوں سے یہ فائدہ اٹھایا کہ آدمیوں نے ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کی اور ان کی سرداری مانی۔ اور آدمیوں نے جنوں سے یہ فائدہ اٹھایا کہ جنوں نے ادمیوں کے لیے نفسانی شہوات اور لذات کے عجیب عجیب طریقے تلقین کیے اور ان کی خواہشات کو مزین اور مستحسن کر کے ان کو دلدادۂ شہوات بنایا اس طرح ہم نے خوب مزے اڑائے اور شہوات حاضرہ کو لذات غائبہ پر ترجیح دی حتی کہ ہم نے خواہشات کے حصول اور ان کی جدوجہد میں بے انتہا مشقتیں برداشت کیں یہ تو ہم نے جنات سے فائدہ اٹھایا اور جنات نے ہم سے یہ فائدہ اٹھایا کہ انہوں نے یہ دیکھا کہ انسانوں نے ہمیں اپنا سردار بنالیا ہے اور یہ سب ہمارے حکم اور اشارہ پر دوڑے چلے جارہے ہیں ہمارا کہنا چل رہا ہے اور انبیاء کرام اور ان کے وارثوں کی ہدایات اور ارشادات سے آنکھیں بند کرلی ہیں اور اسی طرح ہم دنیا میں مست اور سرشار رہے یہاں تک کہ ہم اس میعاد اور مدت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرر کی تھی یعنی قیامت آگئی جس کو ہم جھٹلاتے تھے اور اب وہ وقت ہمارے سامنے آگیا ہے جس کے ہم انکاری تھے اور آنکھوں سے پردا اٹھ گیا اب جو حکم صادر فرمایا جائے وہ آپ کی مرضی ہے اس وقت حق تعالیٰ کفار جن اور کفار انس دونوں سے یہ فرمائیں گے کہ جب تم بلاتوبہ کیے مدت معینہ پورا کر کے ہمارے روبرو پیش ہوئے تو تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے تابع اور متبوع خادم اور مخدوم سب دوزخ میں بھی اکٹھے ہی رہیں گے جس طرح دنیا میں اکٹھے تھے تاکہ جس طرح دنیا میں باہمی اجتماع موجب لذت و فرحت تھا اسی طرح دوزخ میں سب کا باہمی اجتماع موجب ذلت و حسرت ہو اور اس آگ کے ٹھکانہ میں تم سب ہمیشہ رہو گے جس سے خلاصی اور رہائی کی کوئی سبیل نہیں مگر یہ کہ خدا ہی کسی کو نکالنا چاہے تو وہ دوسری بات ہے مطلب یہ ہے کہ بے شک کافروں کے لیے دوزخ کا دائمی اور ابدی عذاب ہے مگر وہ اس کے چاہنے یعنی اس کے ارادہ اور مشیت پر موقوف ہے وہ جب چاہے موقوف بھی کرسکتا ہے لیکن وہ کافروں کے لیے دائمی اور ابدی عذاب چاہ چکا ہے جس کی خبر اس نے اپنے قرآن کی بہت سی آیتوں میں دیدی اور ہر زمانہ میں پیغمبروں کی زبانی یہ خبر دی جاچکی ہے کہ کافر ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے وہ کبھی بھی دوزخ سے نہیں نکل سکیں گے خلاصۂ کلام یہ کہ اس استثناء سے مقصود مبالغہ ہے کہ تم ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں پڑے رہو گے اور تمہارا خلود کبھی ختم نہ ہوگا مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے تو پھر اس کا ختم ہونا ممکن ہے خلاصہ مطلب آیت کا یہ ہے کہ جاؤ تم سب کا ٹھکانا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم ہے تم ہمیشہ اس میں رہو گے مگر جب اللہ چاہے تو وہ نکال بھی سکتا ہے لیکن وہ کیوں چاہے گا کہ تم جیسے خدا اور رسول کے جھٹلانے والوں کو جہنم سے نکالے کافروں کے لیے دائمی عذاب کا حکم قطعی صادر ہوچکا ہے بے شک تیرا پروردگار حکمت والا جاننے والا ہے اس کا کوئی کام علم و حکمت سے خالی نہیں کفار کے دائمی عذاب میں بھی حکمت ہے اسے تمام جرائم کا علم ہے جس درجہ کا جرم ہے اسی درجہ کی سزا ہے جو سزا یعنی دائمی عذاب حق تعالیٰ نے ان کے لیے تجویز فرمائی ہے وہ نہایت مناسب ہے اور عین حکمت اور عین صواب ہے

تمام اہل سنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے کہ اہل ایمان کا ثواب اور کافروں کا عذاب دائمی اور ابدی ہے اہل ایمان ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور کافر ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اہل ایمان کا ثواب اور کافروں کا عذاب کبھی ختم نہ ہوگا۔

اور فرقۂ جہمیہ کا مذہب یہ ہے کہ چند روز کے بعد جنت اور جہنم دونوں فنا ہوجائیں گے ابن تیمیہ حنبلی رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد خاص ابن قیم رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ جنت کا ثواب تو دائمی ہے اہل ایمان تو ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے (جیسا کہ

اہلسنت والجماعت کا مذہب ہے) مگر دوزخ کا عذاب دائمی نہیں صرف ایک مدت دراز تک کافروں پر عذاب رہے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے خلود سے تعبیر کیا ہے مگر ایک عرصہ کے بعد خدا کے رحم و کرم سے یہ عذاب ختم ہو جائے گا (جیسا کہ فرقہ جہمیہ کا مذہب ہے) ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا یہ قول سراسر شاذ ہے اور اہل سنت والجماعت کے اجماع کے بالکل خلاف ہے بلکہ صریح آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے خلاف ہے جیسا کہ ہم عنقریب واضح کریں گے غرض یہ کہ ثواب اور عقاب کے بارہ میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا یہ قول اور یہ مسلک نصف سنی ہے اور نصف جہمی ہے جو صراحۃً نصوص قطعیہ کے خلاف ہے اور وہ نصوص اس درجہ صریح اور واضح ہیں کہ ان میں تاویل کی بھی گنجائش نہیں اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ابن قیم رحمہ اللہ نے جو ضعیف اور موضوع روایتیں اور سلف کے بعض مجمل اور محتمل اقوال اس بارہ میں پیش کیے ہیں وہ صریح نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتیں لہٰذا ان کے جواب دینے کی بھی چنداں ضرورت نہیں۔

آیات قرآنیہ

پہلے پارہ میں یہ آیت گذر چکی ہے (۱) ﴿بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـــَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ اور یہود بے بہبود کا یہ قول بھی گذر چکا ہے ﴿وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً﴾ لہٰذا جو شخص یہ کہتا ہے کہ چند روز کے بعد جہنم فنا ہو جائے گی یا جہنم کا عذاب ختم ہو جائے گا سو اس کا یہ قول یہود کے اس قول کے مشابہ ہے جو یہ کہتے تھے کہ ہم کو صرف چند روز کے لیے آگ میں رہنا ہوگا جتنے روز بنی اسرائیل نے گوسالہ کی پرستش کی صرف اتنے دن عذاب میں رہنا ہوگا بعد میں نجات ہو جائے گی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہود کے اس قول کی تردید فرمائی اور بتلا دیا کہ یہود کی یہ بات بالکل غلط ہے یہود ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہیں گے اور قاعدہ کلیہ بیان کر دیا کہ کافر ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے کبھی اس سے نہیں نکل سکیں اور یہود سے بھی اسی حکم عام اور قاعدۂ کلیہ کے مطابق معاملہ ہوگا اور یہود سے اللہ تعالیٰ نے کوئی عہد نہیں کیا کہ وہ صرف چند روز کے لیے جہنم میں رکھے جائیں گے ابن تیمیہ کا یہ قول یہود کے اس قول کے مشابہ ہے۔

(۲) ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ﴾

(۳) ﴿وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (۴) ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (۵) ﴿وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (۶) ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا﴾ (۷) ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِىَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (۸) ﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا﴾ (۹) ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا﴾ (۱۰) ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ۝ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ (۱۱)﴿اَلنَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ (۱۲)﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (۱۳)﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا﴾ (۱۴)﴿وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ﴾ ای دائم (۱۵)﴿كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (۱۶)﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ﴾ (۱۷)﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (۱۸)﴿فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ﴾ (۱۹)﴿وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ﴾ (۲۰)﴿وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (۲۱)﴿يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا﴾ (۲۲)﴿اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ (۲۳)﴿قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ﴾ (۲۴)﴿ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ﴾ (۲۵)﴿اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ﴾ (۲۶)﴿كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ﴾ (۲۷)﴿لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۚ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (۲۸)﴿فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا﴾ (۲۹)﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ (۳۰)﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا﴾ (۳۱)﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾۔

یہ اکتیس آیتیں جن میں صراحۃً کافروں کے مخلد فی النار ہونے کا ذکر ہے اور بعض آیتوں میں خلود کے ساتھ ''ابداً'' کا لفظ بھی آیا ہے اور اگر ان آیات کے ساتھ ان آیتوں کو بھی شامل کر لیا جائے جو انہی آیتوں کے ہم معنی اور ہم مضمون ہیں تو عدد شمار سے باہر ہو جائے گا مثلاً:

(۱)﴿فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ﴾ (۲)﴿وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ﴾ (۳)﴿وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾ (۴)﴿وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ﴾ (۵)﴿كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ﴾ (۶)﴿وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا﴾ (۷)﴿وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ﴾ (۸)﴿لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ﴾ (۹)﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ﴾ (۱۰)﴿مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ﴾ (۱۱)﴿جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ﴾ (۱۲)﴿اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ﴾ (۱۳)﴿اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ﴾ (۱۴)﴿فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا﴾ (۱۵)﴿كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا﴾ (۱۶)﴿كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا﴾ (۱۷)﴿مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا﴾ (۱۸)﴿فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ﴾ (۱۹)﴿ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ﴾ (۲۰)﴿وَمَا دُعٰۗؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ﴾

(۲۱)﴿اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ﴾ (۲۲)﴿فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ۝ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ﴾ (۲۳)﴿فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا﴾ (۲۴)﴿ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى﴾ (۲۵)﴿نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ﴾ (۲۶)﴿وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ﴾ وغیر ذلك من الآیات۔

اب ان تمام آیات کا مجموعہ ۵۷ ہوا۔

شیخ تقی [1] الدین سبکی رحمہ اللہ اپنے رسالہ ''الاعتبار ببقاء الجنۃ والنار'' میں ان تمام آیات کو لکھ کر فرماتے ہیں کہ اس قسم کی بے شمار آیتیں ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کافر ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور ان آیات میں تاویل ایسی ہی ناممکن اور محال ہے جیسے بعث جسمانی کی آیتوں میں تاویل ناممکن اور محال ہے شیخ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ ان آیات کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اسی طرح کافروں کے دائمی اور ابدی عذاب کے بارہ میں احادیث بھی بے شمار آئی ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جب اہل جنت، جنت میں اور اہل نار، نار میں پہنچ جائیں گے تو موت کو مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور جنت اور جہنم کے درمیان اس کو ذبح کیا جائے گا اور پھر اللہ کے حکم سے ایک منادی یہ اعلان کریگا کہ اے اہل جنت اب خلود یعنی بقاء اور دوام ہی ہے اور کبھی بھی موت نہیں اور اے اہل نار اب خلود یعنی بقاء اور دوام ہی ہے اس کے بعد موت نہیں یہ سن کر اہل جنت تو خوش ہو جائیں گے اور کافر ناامید اور غمگین ہو جائیں گے۔

اور حدیث میں ہے کہ تمام اہل کبائر جہنم سے نکل جائیں گے اور صرف وہ لوگ جن کو قرآن نے روکا ہے یعنی کافر جہنم میں باقی رہ جائیں گے اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں پر جنت کو حرام کر دیا ہے۔

حافظ عسقلانی رحمہ اللہ فتح الباری: ۱۱ر ۳۶۳ میں کافروں کے دائمی عذاب کی حدیثوں کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ امام قرطبی رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ ان احادیث میں اس امر کی تصریح ہے کہ کافروں کے خلود فی النار کی کوئی حد اور نہایت نہیں اور کفار دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے نہ ان کو موت آئیگی اور نہ نفع اور راحت کی کوئی زندگی ہوگی جیسا کہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے ﴿لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا﴾ ﴿كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا﴾۔ بعد ازاں امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے یہ زعم کیا کہ کافر دوزخ سے نکال لیے جائیں گے اور دوزخ بالکل خالی رہ جائے گی یا یہ گمان کیا کہ دوزخ ہی سرے سے زائل اور فنا ہو جائے گی تو ایسے قائل نے اس دین اور شریعت سے خروج اور انحراف کیا کہ جو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے لے کر آئے اور اس زاعم اور قائل نے اس چیز سے بھی خروج کیا کہ جس پر تمام اہل سنت کا اجماع ہو چکا ہے۔ (امام قرطبی رحمہ اللہ کا کلام ختم ہوا)

حافظ عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جہمیہ کا قول تو یہ ہے کہ جہنم چند روز کے بعد بالکل فنا ہو جائے گی اس لیے کہ وہ

[1] شیخ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ حدیث اور فقہ کے مسلّم حافظ اور فقیہ ہیں اور حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے ہمعصر ہیں ۷۵۶ھ میں وفات پائی ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے جن مسائل میں جمہور امت سے تفرد اور شذوذ کی راہ اختیار کی اور اجماع کی مخالفت کی ان مسائل میں تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا رد لکھا اور خوب لکھا ان میں سے ایک رسالہ یہی ہے جس میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے اس قول شاذ کا رد لکھا کہ دوزخ کا عذاب دائمی نہیں حضرات اہل علم اصل رسالہ کی مراجعت کریں اس کے علاوہ ابن تیمیہ نے جو تین طلاق کو ایک طلاق قرار دیکر اجماع صحابہ وتابعین کے خلاف کیا ہے اور توسل اور زیارت نبوی کے لیے سفر کو ممنوع قرار دیا ہے اس قسم کے تمام مسائل کی تحقیق کے لیے تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے مستقل کتابیں لکھی ہیں ان کو دیکھ لیا جائے۔

حادث ہے اور ہر حادث فانی ہے اور بعض لوگ اس طرف گئے ہیں کہ دوزخ فنا تو نہیں ہوگی مگر کچھ مدت کے بعد اس کا عذاب ختم ہوجائے گا اور دوزخی لوگ اس سے نکل جائیں گے اور بعض متاخرین (یعنی ابن تیمیہ) کا میلان اسی طرف ہے۔

"وهو مذهب ردى مردود على قائله وقد اطنب السبكى الكبير فى بيان وهائه فاجاد"۔ (فتح الباری: ۱۱/۳۶۳، باب صفة الجنة والنار من كتاب الرقاق)

''اور یہ مذہب نہایت ردی اور مردود ہے اور شیخ تقی الدین سبکی کبیر رحمہ اللہ نے اس قول کے فساد اور خرابی کے بیان میں تفصیل سے کلام کیا ہے اور نہایت عمدہ اور جید طریق سے اس قول کا رد کیا ہے۔''

اور ابن حزم نے بھی جنت وجہنم کے ثواب وعقاب کے دائمی ہونے پر اجماع نقل کیا اور یہ کہا ہے کہ امت محمدیہ کے تمام فرقے اس پر متفق ہیں کہ جنت اور جہنم اور ان کا ثواب اور عقاب کبھی ختم نہ ہوگا الخ تفصیل کے لیے ملل ونحل دیکھو: ۴/۸۳۔

ایک شبہ:...... جن لوگوں کا یہ خیال خام ہے کہ دوزخ کا عذاب دائمی نہیں ایک عرصہ کے بعد خدا تعالیٰ کے رحم وکرم سے یہ عذاب ختم ہوجائے گا وہ اس آیت میں جو لفظ "اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰهُ" آیا ہے اس سے استدلال کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ ﴿النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ﴾ سے استثناء ہے معلوم ہوا کہ کافروں کا عذاب دائمی نہیں۔

جواب:...... یہ ہے کہ یہ استدلال بالکل غلط ہے آیت میں الا ماشاء اللہ کا لفظ محض اللہ کی مشیت اور اختیار اور قدرت کے بیان کرنے کے لیے بڑھایا گیا ہے تا کہ معلوم ہوجائے کہ کافروں کا دائمی عذاب اللہ کے ارادہ اور مشیت پر موقوف ہے وہ جب چاہے اسے ختم کرسکتا ہے یہ استثناء محض اظہار قدرت ومشیت کے لیے ہے نہ کہ اخبار کے لیے یعنی اس خبر دینے کے لیے نہیں کہ کافروں کا عذاب چند روز کے بعد ختم ہوجائے گا تا کہ کافر امید لگا کر بیٹھ جائیں کہ چند روز کے بعد یہ مصیبت ختم ہوجائے گی قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد ہے کہ شعیب علیہ السلام نے کافروں کے جواب میں یہ فرمایا ﴿وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ رَبُّنَا﴾ کہ ہمارا کفر وشرک کی طرف جانا ناممکن اور محال ہے مگر جو اللہ چاہے سو اس استثناء سے معاذ اللہ انبیاء کرام علیہم السلام کے کفر وشرک کا امکان بیان کرنا نہیں بلکہ اللہ کی مشیت کو بتلانا مقصود ہے کہ ایمان اور ہدایت سب اس کے اختیار میں ہے اسی طرح اس آیت میں سمجھو کہ اس استثناء سے محض اظہار قدرت ومشیت مقصود ہے معاذ اللہ یہ خبر دینا مقصود نہیں کہ یہ عذاب دوزخ چند روزہ تکلیف ہے بعد چندے یہ مصیبت ختم ہوجائیگی خدا تعالیٰ نے اپنے کلام کی بے شمار آیتوں میں اس بات کی قطعی خبر دی ہے کہ کافروں کا عذاب کبھی ختم نہ ہوگا اور نہ اس میں تخفیف ہوگی بلکہ دن بدن اس میں زیادتی ہوتی جائے گی حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ نے الا ماشاء اللہ کی یہی تفسیر اختیار کی جس کو ہم پہلے بیان کرچکے ہیں اور علامہ آلوسی [1] رحمہ اللہ نے بھی

---

[1] علامہ آلوسی روح المعانی: ۸/۲۴ میں لکھتے ہیں "ونقل عن بعضهم ان هذا الاستثناء معذوق بمشيئة الله تعالى دفع العذاب اى يخلدون الى ان يشاء الله تعالى لو شاء وفائدته اظهار القدرة والاذعان بان خلودهم انما كان لان الله تعالى شانه قد شاءه وكان من الجائز العقلى فى مشيئة ان لا يعذبهم ولو عذبهم لا يخلدهم وان ذلك ليس بامر واجب عليه ونما هو مقتضى ارادته ومشيئته عزوجل وفى الاية على هذا دفع فى صدور المعتزلة الذين يزعمون ان تخليد الكفار واجب على الله بمقتضى =

اس تفسیر کو اختیار فرمایا ہے۔

جواب دیگر:...... ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر علماء سے یہ مروی ہے کہ اس آیت میں لفظ "ما" بمعنی "من" ہے اور اس سے عصاۃ مومنین مراد ہیں یعنی جن اہل ایمان کو اللہ چاہے گا وہ نار میں داخل ہی نہ ہوں گے یا داخل ہونے کے بعد حق تعالیٰ کی رحمت سے یا نبی یا فرشتہ کی شفاعت سے دوزخ سے نکال لیے جائیں گے یا لفظ "ما" سے وہ لوگ مراد ہیں جو ابھی کافروں میں آئندہ چل کر ایمان لے آویں گے اور اسلام میں داخل ہو جائیں گے سوا ایسے لوگ ﴿النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ﴾ کے حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

یا یوں کہا جائے کہ شروع آیت میں خطاب تمام مجرمین کو ہے خواہ وہ کفر و شرک کے مجرم ہوں یا ارتکاب کبیرہ کے مجرم ہوں ابتداءً سب دوزخ میں داخل کیے جائیں گے بعد چندے عصاۃ مومنین یعنی گنہگار مسلمان تو دوزخ سے نکال لیے جائیں گے اور کفار کے لیے ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہنے کا حکم ہو گا اور یہی مطلب ہے کہ اس کا کہ جو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا جاتا ہے کہ دوزخ پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ کوئی اس میں نہ رہے گا سو بالفرض والتقدیر اگر یہ قول صحیح ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ موحدین اور اہل ایمان سے کوئی شخص دوزخ میں باقی نہیں رہے گا جیسا کہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو گا وہ دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور صرف کفار جہنم میں باقی رہ جائیں گے (دیکھو فتح الباری: ۱۱/ ۳۶۳ و کتاب الملل والنحل لابن حزم: ۴/ ۸۶)

خلاصۂ کلام:...... یہ کہ معشر جن اور ان کے متبعین کو یہ سزا دی جائے گی کہ جاؤ تم سب مل کر جہنم میں رہو اور جس طرح تم سب دنیا میں ساتھ رہے اسی طرح ہم دوزخ میں بعض ظالموں کو بعض ظالموں کے ساتھ ملا دیں گے جس درجہ اور جس قسم کا ظالم ہو گا اسی قسم کے ساتھ اسی طبقہ میں اس کو اس کے ساتھ ملا دیں گے یعنی اس کا ساتھی بنا دیں گے ان کے اعمال کفریہ کی وجہ سے یا یہ معنی ہیں کہ دنیا میں بعض ظالموں کو بعض ظالموں پر مسلط کر دیتے ہیں اور اس کو اس کے ہاتھ سے خوار اور ہلاک کراتے ہیں تاکہ وہ اپنے ظلم کی سزا ظلم ہی سے بھگتیں حدیث میں ہے کہ جو ظالم کی مدد کرے گا اللہ اس پر کسی ظالم کو مسلط کرے گا کسی نے کیا خوب کہا:

وما من يد الا يد الله فوقها وما ظالم الا سيبلى بظالم

رجوع بہ مضمون سابق

اب اس استطرادی مضمون کے بعد پھر مضمون سابق کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم قیامت کے

=الحكمة ولعل هذا هو الحق الذى لا محيص عنه كذا فى روح المعانى: ۸/ ۲۴ ويؤيد ذلك ما روى ابن جرير عن ابن عباس انه كان يتاول فى هذا الاستثناء ان الله جعل امر هؤلاء فى مبلغ عذابه اياهم الى مشيئته، تفسير ابن جرير: ۸/ ۲۶، قال ابن حزم الاندلسى الظاهرى المتوفى ۴۵۶ھ روينا عن عبدالله بن عمرو بن العاص لو اقام اهل النار فى لنار ما شاء الله ان يقوا لكان لهم على ذلك يوم يخرجون فيه منها قال ابو محمد انما هو فى اهل الاسلام الداخلين فى النار بكبائرهم ثم يخرجون منها بالشفاعة ويبقى ذلك المكان خاليا ولا يحل لاحد ان يظن فى الصالحين الفاضلين خلاف القرآن وحاشا لهما من ذلك وبالله التوفيق (ملل ونحل لابن حزم: ۴/ ۸۶)

دن یہ بھی کہیں گے اے گروہ جن وانس تم مکاروں کے دھوکہ میں کیسے آ گئے کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تم سے میرے احکام بیان کرتے تھے اور اس دن کے سامنے آنے سے تم کو ڈراتے تھے پھر کیا وجہ ہے کہ تم کفر سے باز نہ آئے۔

جمہور ائمہ سلف اور خلف کا مذہب یہ ہے کہ رسل فقط انسانوں میں سے آئے ہیں نہ کہ جنات میں سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول تو فقط بنی آدم میں سے ہوئے ہیں البتہ منذرین یعنی مبلغین اور واعظین، جنات میں سے بھی ہوئے ہیں جیسا کہ جنات کے بارہ میں ارشاد ہے ﴿وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ مُنْذِرِينَ﴾ (دیکھو تفسیر قرطبی: ۸۶/۷ وتفسیر ابن کثیر: ۱۷۷/۲)

بعض لوگوں کو اس آیت سے شبہ ہوا ہے کہ جنات میں سے بھی رسول ہوئے ہیں کیونکہ ظاہراً اس آیت ﴿يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ﴾ سے بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ رسول جنات اور آدمیوں دونوں سے ہوئے ہیں اگر دونوں میں سے نہ ہوتے تو جنات اور انسانوں دونوں کو مخاطب کر کے یہ نہ کہا جاتا کہ تمہارے پاس تمہارے ہی میں سے رسول نہیں آئے تھے۔

جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن یہ خطاب مجموعۂ جن وانس کو ہوگا یعنی مجموعۂ مکلفین کو خطاب ہوگا ہر جماعت سے علیحدہ علیحدہ اور الگ الگ خطاب نہیں ہوگا اور مجموعہ جن وانس میں نبی ہوئے ہیں لہٰذا ان سے یہ پوچھنا صحیح ہے کہ کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول نہیں آئے تھے پس اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جن اور انس ہر فرقہ سے علیحدہ علیحدہ نبی ہوئے ہیں اس کی نظیر قرآن کریم کی آیت ہے ﴿يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ﴾۔ ان دونوں دریاؤں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں حالانکہ یہ چیزیں صرف دریائے شور سے نکلتی ہیں دریائے شیریں سے نہیں نکلتیں لیکن چونکہ ذکر میں دونوں کو ایک ساتھ جمع کر لیا گیا اس لیے ان چیزوں کے نکلنے کی نسبت دونوں کی طرف صحیح ہے کیونکہ یہ چیزیں مجموعہ سے نکلتی ہیں نیز قرآن کریم میں ہے ﴿وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا﴾ یعنی ساتوں آسمانوں میں چاند کو اجالا بنایا حالانکہ چاند ایک ہی آسمان یعنی آسمان دنیا میں ہے نہ کہ سب آسمانوں میں کسی کے نزدیک بھی آیت کا یہ مطلب نہیں کہ ہر آسمان میں چاند ہے چاند تو ایک ہی آسمان میں ہے لیکن ساتوں آسمانوں کے مجموعہ کی طرف اس کی نسبت صحیح ہے مثلاً اگر کوئی یہ کہے اے عرب وعجم کے باشندو! اور اے مشرق اور مغرب کے رہنے والو کیا خدا تعالیٰ نے تم ہی میں سے محمد رسول اللہ ﷺ کو پیدا نہیں کیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک محمد تو عرب میں پیدا ہوئے اور ایک محمد عجم میں پیدا ہوئے کیونکہ یہ خطاب مجموعۂ عالم کو ہے انواع اور اجناس کو علیحدہ علیحدہ خطاب نہیں۔

باقی یہ تحقیق کو ہر نوع میں سے الگ الگ پیغمبر بھیجے گئے یا پیغمبر تو فقط نوع بنی انسان سے بھیجے گئے مگر ان کی بعثت جن وانس دونوں کی طرف ہوئی سو یہ آیت اس بیان سے ساکت ہے البتہ دوسری آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کل پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہوئے ہیں اور وہی جنات کو بھی تعلیم دیتے تھے۔

(۱) ﴿يَا بَنِي آدَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي﴾ الآیۃ۔

(۲) ﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ﴾ ... الی قولہ ... رُسُلًا مُبَشِّرِينَ

وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾

(۳) ﴿وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ﴾ یعنی ابراہیم کے بعد ہم نے نبوت اور کتاب کو ابراہیم کی اولاد میں منحصر کردیا۔

(۴) وقال تعالیٰ: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ﴾

(۵) ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى﴾ وغیر ذلک من الاٰیات۔

قرآن کریم کی بے شمار آیتوں سے یہ بات ثابت ہے کہ انسانوں کی طرف فرشتہ کو رسول بنا کر نہیں بھیجا گیا اس لیے کہ عام انسان فرشتہ کا اصلی صورت میں دیکھنے کا تحمل نہیں کرسکتے اور بے اندازہ خوف وہیبت کی وجہ سے اس سے استفادہ نہیں کرسکتے اور انسانی صورت میں بے تکلف اس سے استفادہ کرسکتے ہیں اسی طرح سمجھو کہ انسان کا جنوں سے خوف وہیبت کی وجہ سے استفادہ بہت مشکل ہے البتہ جنوں کا انسانوں سے استفادہ سہل اور آسان ہے۔

کافروں کی طرف سے اقرار جرم

قیامت کے دن کافروں سے جب باز پرس ہوگی کہ کیا تمہارے پاس ہمارے رسول نہیں آئے اور کیا تم کو ہماری ہدایتیں اور احکام نہیں پہنچے تو اس وقت ان سے کوئی جواب نہیں بن پڑے گا اور اپنے کافر ہونے کا اقرار کریں گے اور یہ کہیں گے کہ ہم اپنی جانوں پر خود اپنے جرم کے گواہ ہیں یعنی ہمیں اس بات کا اعتراف اور اقرار ہے کہ ہمارے پاس تیرے رسول آئے اور انہوں نے ہم کو تیرے احکام کی تبلیغ کی اور اس دن کے پیش آنے سے ہم کو ڈرایا مگر ہم نے ان کو جھٹلایا اور ان پر ایمان نہیں لائے اور یہ سب آفت ان پر اس لیے آئی کہ دنیاوی زندگانی نے ان کو دھوکہ اور فریب میں ڈال دیا وہ یہ سمجھے کہ جو کچھ ہے وہ یہیں کا عیش وآرام ہے قیامت اور حشر نشر تو باتیں ہی باتیں ہیں اور گواہی دیں گے وہ اپنی جانوں پر کہ بے شک ہم دنیا میں کفر کرنے والے تھے پہلا قول کفار کا تھا اور یہ حق تعالیٰ کی طرف سے بطور مذمت ان کے کفر کا بیان ہے تاکہ سامعین اس سے عبرت پکڑیں اور سمجھ لیں کہ قیامت کے دن کا اقرار بیکار ہے اب آئندہ آیت میں اپنی رحمت کو بیان فرماتے ہیں یہ یعنی رسولوں کا بھیجنا اس لیے ہے کہ تیرا پروردگار ایسا نہیں کہ کفر اور شرک کی وجہ سے دنیا میں بستیوں کو ہلاک کردے اور وہاں کے لوگ بے خبر ہوں یعنی اللہ تعالیٰ رسولوں کے بھیجنے سے پہلے لوگوں کو نہیں پکڑتا تاکہ کسی کو یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ ہم بے خبر تھے ہم کو بغیر خبردار کیے کیسے پکڑ لیا؟ ہاں! خدا تعالیٰ جب رسولوں کو بھیج کر لوگوں پر حجت پوری کردیتا ہے اور پھر بھی وہ اپنے کفر وشرک سے باز نہیں آتے تب ان کو ہلاک کرتا ہے کما قال تعالیٰ: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ وقال تعالیٰ: ﴿كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ۝ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ﴾ غرض یہ کہ اس آیت میں "بظلم" سے کفر اور شرک کے معنی مراد ہیں اور بعض علماء نے آیت کے یہ معنی بیان کیے کہ اللہ تعالیٰ بدون تنبیہ وتذکیر رسل کسی کو ظلماً ہلاک نہیں کرتا کیونکہ اللہ ظالم نہیں۔

اور جب لوگوں کے پاس اللہ کے رسول آ گئے اور لوگوں کو احکام پہنچ گئے اور اللہ کی حجت ان پر پوری ہوگئی تو جزاء اور سزا کے مستحق ہو گئے اور لوگوں کے اعمال کے مطابق ہر ایک کے درجے مقرر ہیں جس درجہ کا عمل ہوگا اس کے مطابق معاملہ ہوگا کوئی قعر جہنم میں ہوگا اور کوئی اس کے کنارہ پر کوئی وسط جنت میں ہوگا اور کوئی اس کے کنارہ پر اور تیرا پروردگار لوگوں کے اعمال سے غافل نہیں ان کے نیک و بد اعمال سب اس کے پیش نظر ہیں اس کے بعد حق تعالیٰ کی شان بے نیازی اور شان رحمت کو بیان کر کے کافروں سے خطاب فرماتے ہیں کہ خدا اس پر قادر ہے کہ تمہیں ہلاک کر دے اور دوسرے لوگوں کو تمہارے قائم مقام کر دے چنانچہ فرماتے ہیں اور تیرا پروردگار بڑا بے نیاز رحمت والا ہے اسے کسی کی عبادت اور بندگی کی ضرورت نہیں اور نہ کسی کی اطاعت کا محتاج ہے وہ صاحب رحمت ہے لوگوں کے لیے رسول بھیجتا ہے اور گناہوں پر فوراً سزا نہیں دیتا اگر وہ چاہے تو تم سب کو یکلخت اس دنیا سے ملک عدم میں لے جائے اور تمہارے بعد جس کو چاہے تمہارا جانشین کر دے جیسا کہ تم کو دوسرے لوگوں کی نسل سے پیدا کیا کہ ان کو تو فنا کر دیا اور تم کو ان کا جانشین بنا دیا بے شک جس چیز کا تم سے انبیاء علیہم السلام کی معرفت وعدہ کیا جا رہا ہے یعنی قیامت اور عذاب کا وہ ضرور آنے والی ہے اور تم خدا کو عاجز نہیں کر سکتے یعنی تمہارا یہ خیال ہو کہ قیامت یا عذاب آنے پر ہم کہیں بھاگ نکلیں گے تو سمجھ کہ تمہارا یہ خیال غلط ہے تم خدا تعالیٰ گرفت سے کہیں چھوٹ نہیں سکتے اور کسی صورت تم اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکتے اے نبی! آپ ﷺ اپنی قوم کے مشرکوں سے یہ کہہ دیجیے کہ تم اپنی جگہ پر کام کرتے رہو اور میں اپنی جگہ پر کام کرتا ہوں مطلب یہ ہے کہ تم اپنے کفر اور عداوت کے طریقہ پر قائم رہو اور میں اسلام اور صبر پر قائم ہوں مجھے تمہارے کفر اور عداوت کی کوئی پروا نہیں میں اپنا کام کرتا ہوں تم اپنا کام کیے جاؤ۔ پس عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ آخرت میں اچھا انجام کس کو حاصل ہوتا ہے ہمیں یا تمہیں اور یہ یقینی بات ہے کہ ظالموں کو کبھی فلاح نصیب نہ ہوگی وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا

اور ٹھہراتے ہیں اللہ کا اس کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مواشی میں ایک حصہ پھر کہتے ہیں یہ حصہ اللہ کا ہے اپنے خیال میں اور یہ

اور ٹھہراتے ہیں اللہ کا، اس کی پیدا کی کھیتی اور مواشی میں ایک حصہ، پھر کہتے ہیں یہ حصہ اللہ کا ہے اپنے خیال پر اور یہ

لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى

ہمارے شریکوں کا ہے سو جو حصہ ان کے شریکوں کا ہے وہ تو نہیں پہنچتا اللہ کی طرف اور جو اللہ کا ہے وہ پہنچ جاتا ہے ان کے

ہمارے شریکوں کا۔ سو جو ان کے شریکوں کا ہے سو نہ پہنچے اللہ کی طرف۔ اور جو اللہ کا ہے، سو پہنچے ان کے

شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿١٣٦﴾ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ

شریکوں کی طرف کیا ہی برا انصاف کرتے ہیں ف۱ اور اسی طرح مزین کر دیا بہت سے مشرکوں کی نگاہ میں ان کی اولاد کے قتل کو

شریکوں کی طرف۔ کیا برا انصاف کرتے ہیں۔ اور اسی طرح بھلی دکھائی ہیں بہت مشرکوں کو اولاد مارنی

ف۱ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ "کافر اپنی کھیتی میں سے اور مواشی کے بچوں میں سے اللہ کی نیاز نکالتے اور بتوں کی بھی نیاز نکالتے۔ پھر بعضا جانور اللہ کے =

اَوۡلَادِهِمۡ شُرَكَآؤُهُمۡ لِيُرۡدُوۡهُمۡ وَلِيَلۡبِسُوۡا عَلَيۡهِمۡ دِيۡنَهُمۡ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوۡهُ

ان کے شریکوں نے تاکہ ان کو ہلاک کریں اور رلاملا دیں ان پر ان کے دین کو ف۱ اور اللہ چاہتا تو یہ کام نہ کرتے

ان کے شریکوں نے، کہ ان کو ہلاک کریں۔ اور ان کا دین غلط کریں۔ اور اللہ چاہتا تو یہ کام نہ کرتے،

فَذَرۡهُمۡ وَمَا يَفۡتَرُوۡنَ ۝۱۳۷ وَقَالُوۡا هٰذِهٖۤ اَنۡعَامٌ وَّحَرۡثٌ حِجۡرٌ ۖ لَّا يَطۡعَمُهَاۤ اِلَّا مَنۡ نَّشَآءُ

سو چھوڑ دے جانیں اور ان کا جھوٹ ف۲ اور کہتے ہیں کہ یہ مواشی اور کھیتی ممنوع ہے اس کو کوئی نہ کھاوے مگر جس کو ہم چاہیں

سو چھوڑ دے، وہ جانیں اور ان کا جھوٹ۔ اور کہتے ہیں یہ مویشی اور کھیتی منع ہے، اس کو نہ کھاوے مگر جس کو ہم چاہیں

بِزَعۡمِهِمۡ وَاَنۡعَامٌ حُرِّمَتۡ ظُهُوۡرُهَا وَاَنۡعَامٌ لَّا يَذۡكُرُوۡنَ اسۡمَ اللّٰهِ عَلَيۡهَا افۡتِرَآءً

ان کے خیال کے موافق اور بعضے مواشی کی پیٹھ پر چڑھنا حرام کیا اور بعض مواشی کے ذبح کے وقت نام نہیں لیتے اللہ کا اللہ پر بہتان باندھ کر

اپنے خیال پر، اور بعضے مواشی کی پیٹھ پر چڑھنا منع ٹھہرایا ہے، اور بعضے مویشی کے ذبح پر نام نہیں لیتے اللہ کا، اس پر جھوٹ باندھ کر۔

عَلَيۡهِ ؕ سَيَجۡزِيۡهِمۡ بِمَا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ۝۱۳۸ وَقَالُوۡا مَا فِيۡ بُطُوۡنِ هٰذِهِ الۡاَنۡعَامِ خَالِصَةٌ

عنقریب وہ سزا دے گا ان کو اس جھوٹ کی ف۳ اور کہتے ہیں جو بچہ ان مواشی کے پیٹ میں ہے اس کو تو خاص ہمارے مرد ہی کھاویں

وہ سزا دے گا ان کو اس جھوٹ کی۔ اور کہتے ہیں جو ان مواشی کے پیٹ میں ہو، سو نرا ہمارے مرد کھاویں

= نام کا بہتر دیکھا تو بتوں کی طرف بدل دیا۔ مگر بتوں کی طرف کا اللہ کی طرف نہ کرتے، ان سے زیادہ ڈرتے"۔ اسی طرح غلہ وغیرہ میں سے اگر بتوں کے نام کا اتفاقاً اللہ کے حصہ میں مل گیا تو پھر جدا کر کے بتوں کی طرف لوٹا دیتے اور اللہ نام کا بتوں کے حصہ میں جا پڑا تو اسے نہ لوٹاتے۔ بہانہ یہ کرتے تھے کہ اللہ تو غنی ہے اس کا کم ہو جائے تو کیا پروا ہے بخلاف بتوں کے کہ وہ ایسے نہیں۔ تماشا یہ ہے کہ یہ کہہ کر بھی شرماتے نہ تھے کہ جو ایسے محتاج ہوں ان کو معبود و مستعان ٹھہرانا کہاں کی عقلمندی ہے۔ بہرحال ان آیات میں ﴿سَآءَ مَا يَحۡكُمُوۡنَ﴾ سے مشرکین کی اس تقسیم کا رد کیا گیا ہے۔ یعنی خدا کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مواشی وغیرہ میں سے اول تو اس کے مقابل غیر اللہ کا حصہ لگانا، پھر بری اور ناقص چیز خدا کی طرف رکھنا کس قدر ظلم اور بے انصافی ہے۔

ف۱ یہاں "شرکاء" کی تفسیر مجاہد نے "شیاطین" سے کی ہے۔ مشرکین کی انتہائی جہالت اور سنگدلی کا ایک نمونہ یہ تھا کہ بعض اپنی بیٹیوں کو سسر بننے کے خوف سے اور بعض اس اندیشہ پر کہ کہاں سے کھلائیں گے حقیقی اولاد کو قتل کر دیتے تھے اور بعض اوقات منت مانتے تھے کہ اگر اتنے بیٹے ہو جائیں گے یا فلاں مراد پوری ہو گی تو ایک بیٹا فلاں بت کے نام پر ذبح کریں گے۔ پھر اس ظلم و بے رحمی کو بڑی عبادت اور قربت سمجھتے تھے۔ شاید یہ رسم شیطان نے سنت خلیل اللّٰہی کے جواب میں سجھائی ہو گی۔ یہود میں بھی مدت تک قتل اولاد کی رسم بطور ایک عبادت و قربت کے جاری رہی ہے۔ جس کا انبیائے بنی اسرائیل نے بڑی شد و مد سے رد کیا۔ بہرحال اس آیت میں قتل اولاد کی ان تمام صورتوں کی شناعت بیان فرمائی ہے جو جاہلیت میں رائج تھیں۔ یعنی شیاطین قتل اولاد کی تلقین و تزیین اس لئے کرتے ہیں کہ اس طرح لوگوں کو دنیا و آخرت دونوں جگہ تباہ و برباد کر کے چھوڑیں اور ان کے دین میں گڑبڑی ڈال دیں کہ جو کام ملت ابراہیمی و اسماعیلی کے بالکل مضاد و منافی ہے، اسے ایک دینی کام اور قربت و عبادت باور کرائیں۔ والعیاذ باللہ! کجا سنت ابراہیمی اور کجا یہ حماقت و جہالت؟

ف۲ اسی طرح کی آیت ﴿وَلَوۡ اٰتَنَا﴾ کے شروع میں گزر چکی۔ وہاں جو کچھ ہم نے لکھا ہے نیز اسی مضمون کی دوسری آیات کے تحت میں لکھا گیا۔ اسے ملاحظہ کر لیا جائے۔

ف۳ مثلاً مرد کھائیں عورتیں نہ کھائیں یا صرف مہنت کھا سکیں جو بت خانوں کے مجاور تھے۔ یہ قیود اپنے خیال میں بعض مواشی اور کھیتوں کے متعلق عائد کر رکھی تھیں جو بتوں کے نام پر وقف کئے جاتے تھے، اسی طرح بعض جانوروں کی پیٹھ پر سواری اور بار برداری کو حرام سمجھتے تھے۔ بعض جانوروں کی نسبت یہ قرار دیا تھا کہ ذبح کرنے یا سواری لینے یا دودھ نکالنے کے وقت ان پر خدا کا نام نہ لیا جائے کہیں بتوں کی چیز میں خدا کی شرکت نہ ہو جائے۔ پھر غضب یہ تھا کہ ان خرافات =

لِذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ

اور وہ حرام ہے ہماری عورتوں پر اور جو بچہ مردہ ہو تو اس کے کھانے میں سب برابر ہیں وہ سزا دے گا ان کو ان تقریروں کی

اور حرام ہے ہماری عورتوں کو۔ اور جو مردہ ہو تو اس میں سب شریک ہوں۔ وہ سزا دے گا ان کو ان تقریروں کی۔

وَصْفَهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ

وہ حکمت والا جاننے والا ہے ف۱ بیشک خراب ہوئے جنہوں نے قتل کیا اپنی اولاد کو نادانی سے بغیر سمجھے

وہ حکمت والا ہے خبردار۔ بے شک خراب ہوئے جنہوں نے مار ڈالی اپنی اولاد نادانی سے، بن سمجھے،

وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ۭ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ ع ۱۶

اور حرام ٹھہرا لیا اس رزق کو جو اللہ نے ان کو دیا بہتان باندھ کر اللہ پر بیشک وہ گمراہ ہوئے اور نہ آئے سیدھی راہ پر ف۲

اور حرام ٹھہرایا جو اللہ نے انکو رزق دیا جھوٹ باندھ کر اللہ پر۔ بے شک بہکے، اور نہ آئے راہ پر۔

ابطال رسوم جاہلیت.

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ... الی... وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ﴾

ربط:...... گذشتہ آیات میں مشرکین کی اعتقادی جہالتوں کا بیان تھا اب ان آیات میں ان کی بعض عملی جہالتوں یعنی ان کی بعض جاہلانہ رسموں اور عادتوں کو بیان کرتے ہیں وہ رسمیں یہ ہیں۔

رسم اول

اور من جملہ ان کی ہزاروں جہالتوں کے ایک جہالت یہ تھی کہ انہوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشی میں سے ایک حصہ بطور نیاز اللہ کے لیے مقرر کیا یعنی مشرکین عرب میں ایک رسم یہ تھی کہ اپنی کھیتی اور مویشی میں سے ایک حصہ بطور نیاز کے خدا کے نام کا نکالتے اور ایک حصہ اپنے بتوں کے نام کا نکالتے اللہ کا حصہ مہمانوں اور مسکینوں پر خرچ کرتے اور بتوں کے چڑھاوے ان کے مجاوروں پر خرچ کرتے پھر اگر اتفاق سے اللہ کے حصہ میں سے کچھ بتوں کے حصہ میں کوئی چیز گر جاتی تو اس کو اسی میں رہنے دیتے اور کہتے کہ اللہ تو غنی ہے اور بتوں کے حصہ میں سے کوئی چیز اللہ کے حصہ میں گر جاتی تو اس کو نکال کر پھر بتوں کے حصہ میں شامل کر دیتے اور کہتے کہ بت اس کے محتاج ہیں اور اگر اللہ کے حصہ میں سے کوئی چیز ہلاک ہو جاتی

= اور جہالتوں کو خدا کی طرف نسبت کرتے تھے۔ گویا اس نے معاذ اللہ یہ احکام دیے ہیں اور ان ہی طریقوں سے اس کی خوشنودی حاصل کی جاسکتی ہے۔ ایسی بد عنوانیوں کے ساتھ یہ افتراء و بہتان۔ عنقریب ان گستاخیوں کی سزا سے ان کو دو چار ہونا پڑے گا۔

ف۱ ایک مسئلہ یہ بنا رکھا تھا کہ بحیرہ اور سائبہ کو اگر ذبح کیا اور اس کے پیٹ میں سے زندہ بچہ نکلا تو اسے مرد کھائیں اور عورتیں نہ کھائیں اور مردہ نکلے تو سب کھا سکتے ہیں۔ اس طرح کے بے سند مسئلے گھڑنے والوں کے جرائم سے خدا بے خبر نہیں۔ ہاں وہ اپنی حکمت کے موافق مناسب وقت میں ان کو مناسب سزا دے گا۔

ف۲ اس سے بڑی خرابی، گمراہی اور نقصان و خسران کیا ہوگا کہ بیٹھے بٹھائے بلا وجہ دنیا میں اپنی اولاد و اموال سے محروم اور سنگدلی، بد اخلاقی و جہل میں مشہور ہوئے اور آخرت کا دردناک عذاب سر پر رکھا۔ نہ عقل سے کام لیا نہ شرع کو پہچانا، پھر سیدھی راہ پر آتے تو کیسے آتے۔

تو اس کی پروانہ کرتے اور اگر بتوں کے حصہ میں کوئی چیز ہلاک ہوجاتی تو اللہ کے حصہ میں سے اس کی کمی پوری کر لیتے اس آیت میں ان کی اسی جہالت کا بیان ہے مطلب یہ ہے کہ ان کی جہالت اور حماقت کا یہ عالم ہے کہ خدا کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشی میں سے ایک حصہ خدا کے لیے مقرر کیا اور پھر اپنے گمان میں یہ کہتے ہیں کہ یہ حصہ تو اللہ کا ہے اور یہ حصہ ہمارے بتوں کا ہے پس جو حصہ ان کے معبودوں کا ہے وہ خدا کی طرف نہیں پہنچ سکتا یعنی بتوں کے نام کا حصہ مہمانوں اور مسکینوں پر خرچ نہیں کیا جاسکتا اور البتہ جو حصہ اللہ کے نام کا ہے وہ ان کے بتوں کو پہنچ سکتا یعنی اللہ کا حصہ معبودوں پر صرف ہوسکتا ہے کیا ہی برا ہے وہ فیصلہ جو وہ کر رہے ہیں کیونکہ اول تو یہ کہ کھیتی اور مویشی جو اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوتی تھی اس میں سے غیر اللہ کا حصہ کیسے نکالا دوم یہ کہ بتوں کو فقیر اور محتاج بھی مانتے ہیں اور باوجود محتاج ماننے کے ان کو معبود کہتے ہوئے شرماتے نہیں سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کی جانب پر بتوں کی جانب کو ترجیح دیتے ہیں غرض یہ کہ ان کا یہ فیصلہ سراسر حماقت اور جہالت ہے۔

رسم دوم

اور جس طرح ان کو یہ افعال قبیحہ بھلے معلوم ہوتے ہیں اسی طرح بہت سے مشرکوں کی نظر میں ان کی اولاد کے قتل کو ان کے شرکاء (شیاطین) نے مزین اور مستحسن کر کے دکھلایا ہے یعنی جس طرح شیطانوں نے ان کی نظر میں یہ بات اچھی کر کے دکھلائی تھی کہ کھیتی اور مویشی میں سے بتوں کے نام کا حصہ نکالیں اسی طرح شیطان نے ان کو یہ سمجھا دیا کہ افلاس کے خوف سے اولاد کو قتل کر ڈالیں اور عار کے ڈر سے لڑکیوں کو زندہ گاڑھ دیں اور اپنے خیال میں اس کام کو بہت اچھا سمجھتے تھے شیاطین نے مشرکین کو یہی سمجھایا کہ اولاد کو قتل کرنا نہایت اچھا کام ہے تاکہ وہ شیاطین اس طرح سے ان مشرکین کو ہلاک کریں یعنی اس جہالت کے مزین اور مستحسن کرنے سے شیاطین کا مقصود ان کو ہلاکت ابدی میں ڈالنا ہے اور تاکہ ان کا دین خلط ملط کردیں یعنی مشتبہ کردیں مطلب یہ ہے کہ شیاطین کا ایک مقصود تو اس تزیین اور تحسین سے ان کو ہلاکت میں ڈالنا ہے کہ اس جہالت اور سنگ دلی اور بے رحمی میں پڑ کر دنیا اور آخرت دونوں ہی کو تباہ اور برباد کریں اور دوسرا مقصود یہ ہے کہ ان کا دین جو اصل میں ابراہیم اور اسمعیل علیہما السلام کا دین ہے وہ مشتبہ ہوجائے معاذ اللہ کجا دین ابراہیمی اور کجا یہ جہالت وحماقت اور اے نبی کریم آپ ﷺ ان کی ان حرکات شنیعہ سے مغموم نہ ہوں کیونکہ اگر اللہ چاہتا تو وہ یہ خراب کام نہ کرتے مگر ان کی قسمت ہی خراب ہے اللہ کو ان کا ہلاک کرنا ہی منظور ہے پس آپ ان کو اسی افتراء پردازی میں چھوڑ دیجیے جو افتراء کرتے ہیں وہ کرنے دیجیے ان کی فکر میں نہ پڑے۔

رسم سوم

اور من جملہ ان کی جاہلانہ رسموں کے ایک رسم یہ تھی کہ وہ یہ کہتے تھے کہ یہ خاص چوپائے اور خاص کھیتی ہے جو ممنوع الاستعمال ہے یعنی اس سے انتفاع حاصل کرنا اور اس کو استعمال میں لانا ممنوع ہے اس کو کوئی نہیں کھاسکتا مگر صرف وہ لوگ جن کو ہم اپنے گمان میں چاہیں وہ یعنی صرف بتوں کے مجاور اور مہنت اور صرف مرد کھاسکتے ہیں نہ کہ عورتیں مشرکین نے اپنے خیال میں بعض مویشی اور کھیتوں کے متعلق یہ قیود عائد کر رکھی تھیں جو بتوں کے نام پر وقف کیے جاتے تھے غرض یہ کہ ان

کی ایک رسم یہ تھی کہ جن جانوروں وغیرہ کو بتوں کے نام پر وقف کر دیتے تھے اس کا کھانا سوائے پوجاریوں کے کسی اور کے لیے جائز نہیں سمجھتے تھے۔

رسم چہارم

اور ایک رسم یہ تھی کہ یہ کہتے تھے کہ یہ مخصوص مویشی ہیں جن کی پیٹھیں حرام ہیں یعنی ان پر سوار ہونا اور ان پر سامان لادنا سب ناجائز ہے یہ مویشی بحیرہ اور سائبہ اور حام اور وصیلہ تھے جن کا ذکر پہلے گذر چکا ہے

رسم پنجم

اور یہ بھی کہتے تھے کہ یہ مخصوص مویشی ہیں جن پر ذبح کے وقت اللہ کا نام نہیں لیتے تھے بلکہ بتوں کے نام پر ان کو ذبح کرتے تھے۔ بعض جانوروں کے متعلق مشرکین نے یہ قرار دے رکھا تھا کہ ذبح کرنے یا سواری کرنے یا دودھ نکالنے کے وقت ان پر خدا کا نام نہ لیا جائے مبادا جو چیز بتوں کے نامزد ہے کہیں اس میں خدا کی شرکت ہو جائے پھر غضب یہ ہے کہ اپنی ان لغویات اور خرافات اور جہالتوں کو اللہ پر بہتان باندھ کر خدا کی طرف ان کی نسبت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بحیرہ وغیرہ کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے یہ سب اللہ پر افتراء اور بہتان ہے عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اس افتراء کی سزا دے گا اللہ پر افتراء اور بہتان جرم عظیم ہے۔

رسم ششم

اور وہ یہ بھی کہتے تھے کہ جو کچھ ان مویشیوں کے پیٹ میں ہے اگر ان سے زندہ بچہ ظاہر ہو تو وہ صرف ہمارے مردوں کے لیے حلال ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ بچہ مردہ پیدا ہو تو اس سے منتفع ہونے کے جواز اور حلت میں مرد اور عورت سب شریک ہیں سب کے لیے اس کا کھانا جائز ہے مشرکین یہ کہتے تھے کہ بحائر اور سوائب وغیرہ جو بتوں کے نام پر چھوڑے گئے ہیں ان سے جو بچہ زندہ پیدا ہو اس کا کھانا صرف مردوں کے لیے حلال ہے عورتوں کو اس میں سے کھانا حرام ہے اور جو مردہ پیدا ہو تو اس کو مرد اور عورت سب کھا سکتے ہیں عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو اس جھوٹ اور افتراء کی سزا دے گا بے شک وہ حکمت والا جاننے والا ہے اسے سب خبر ہے کسی حکمت سے مہلت دے رکھی ہے یہاں تک مشرکین کی چند جہالتوں اور حماقتوں کو بیان کیا جن میں سب سے زیادہ قبیح عقلاً و شرعاً قتل اولاد کا جرم تھا اس لیے خاتمۂ کلام پر اس کا خاص طور پر ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں بے شک وہ لوگ گھاٹے میں رہے جنہوں نے بیوقوفی سے بلا جانے بوجھے اپنی اولاد کو مار ڈالا یہ ان کی حماقت اور جہالت اور سنگدلی اور بے رحمی کا نتیجہ تھا کہ اپنے ہاتھ سے اپنی ہی اولاد کو قتل کر دیا دنیا میں اولاد سے محروم ہوئے اور آخرت کا عذاب سر پر رکھا گیا اس طرح دنیا اور آخرت کا خسارہ اٹھایا اور جو حلال چیزیں اللہ نے ان کو کھانے پینے کے لیے دی تھیں ان کو اپنے اوپر حرام کر لیا اللہ پر جھوٹ باندھ کر اور بے شک وہ گمراہ ہوئے اور راہ پانے والے نہ ہوئے ایسے بے عقل اور سنگ دل لوگ کہاں راہ یاب ہو سکتے ہیں خلاصۂ کلام یہ کہ جو لوگ ان ناشائستہ افعال اور بے ہودہ خیالات میں مبتلا ہیں سب زیاں کار اور بے علم اور بے عقل ہیں اور خدا پر جھوٹ افتراء کرنے والے اور گمراہ ہیں۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ

اور اسی نے پیدا کئے باغ جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے ف۱ اور کھجور کے درخت اور کھیتی کہ مختلف ہیں ان کے پھل

اور اسی نے پیدا کئے باغ چھتریوں کے، اور بغیر چھتریوں کے، اور کھجور اور کھیتی، کئی طرح ہے اس کا پھل

وَالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ

اور پیدا کیا زیتون کو اور انار کو ایک دوسرے کے مشابہ اور جدا جدا بھی ف۲ کھاؤ ان کے پھل میں سے جس وقت پھل لاویں اور ادا کرو ان کا حق

اور زیتون اور انار، آپس میں ملتا اور جدا۔ کھاؤ اس کے پھل میں سے، جس وقت پھل لاوے اور دو اس کا حق

یَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً

جس دن ان کو کاٹو اور بے جا خرچ نہ کرو اس کو خوش نہیں آتے بے جا خرچ کرنے والے ف۳ اور پیدا کئے مواشی میں بوجھ اٹھانے والے

جس دن کٹے، اور بے جا نہ اڑاؤ۔ اس کو خوش نہیں آتے اڑا دینے والے۔ اور پیدا کئے مواشی میں لدنے والے

وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ

اور زمین سے لگے ہوئے ف۴ کھاؤ اللہ کے رزق میں سے اور مت چلو شیطان کے قدموں پر وہ تمہارا دشمن ہے

اور دبے۔ کھاؤ اللہ کے رزق میں سے، اور مت چلو شیطان کے قدموں پر، وہ تمہارا دشمن ہے

مُّبِیْنٌ ﴿۱۴۲﴾ ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَیْنِ

صریح ف۵ پیدا کئے آٹھ نر اور مادہ بھیڑ میں سے دو ف۶ اور بکری میں سے دو پوچھ تو کہ دونوں نر

صریح۔ پیدا کئے آٹھ نر اور مادہ، بھیڑ میں سے دو، اور بکری میں سے دو، پوچھ تو کہ دونوں نر

ف۱ جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں۔ مثلاً انگور وغیرہ اور جو ایسے نہیں مثلاً کھجور، آم وغیرہ تنہ دار درخت یا خربوزہ تربوز وغیرہ جن کی بیل بدون کسی سہارے کے زمین پر پھیلتی ہے۔

ف۲ یعنی صورت شکل میں ملتے جلتے، مزہ میں جدا جدا۔

ف۳ یعنی جو غلے اور پھل حق تعالیٰ نے پیدا فرمائے ہیں ان کے کھانے سے بدون سند کے مت رکو ہاں دو باتوں کا خیال رکھو، ایک یہ کہ کاٹنے اور اتارنے کے ساتھ ہی جو اللہ کا حق اس میں ہے وہ ادا کردو۔ دوسرے فضول اور بے موقع خرچ مت کرو۔ اللہ کے حق سے یہاں کیا مراد ہے اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، ابن کثیر کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ ابتداءً مکہ معظمہ میں کھیتی اور باغ کی پیداوار میں سے کچھ حصہ نکالنا واجب تھا جو مساکین وفقراء پر صرف کیا جائے۔ مدینہ طیبہ پہنچ کر ۲ ہجری میں اس کی مقدار وغیرہ کی تعیین وتفصیل کردی گئی۔ یعنی بارانی زمین کی پیداوار میں (بشرطیکہ خراجی نہ ہو) دسواں حصہ اور جس میں پانی دیا جائے بیسواں حصہ واجب ہے۔

ف۴ بوجھ اٹھانے والے جیسے اونٹ وغیرہ اور زمین سے لگے ہوئے چھوٹے قد وقامت کے جانور جیسے بھیڑ بکری۔

ف۵ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے منتفع ہونا چاہئے۔ شیطان کے قدموں پر چلنا یہ ہے کہ ان کو خواہی نخواہی بدون حجت شرعی کے حرام کرلیا جائے یا شرک وبت پرستی کا ذریعہ بنالیا جائے۔ شیطان کی اس سے زیادہ کھلی ہوئی دشمنی کیا ہوگی کہ ان نعمتوں سے تم کو دنیا میں محروم رکھا اور آخرت کا عذاب رہا سو الگ۔

ف۶ یعنی ایک نر ایک مادہ اس طرح ہر نوع میں دو دو زوج ہوئے اور مجموعہ آٹھ ہوگیا۔

حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ ؕ نَبِّئُوْنِیْ بِعِلْمٍ اِنْ

اللہ نے حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ یا وہ بچہ کہ اس پر مشتمل ہیں بچہ دان دونوں مادہ کے بتلاؤ مجھ کو سند اگر

حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ، یا جو لپٹ رہا ہے مادوں کے پیٹ میں ؟ بتاؤ مجھ کو سند اگر

كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَیْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَیْنِ حَرَّمَ اَمِ

تم سچے ہو ف۱ اور پیدا کئے اونٹ میں سے دو اور گائے میں سے دو پوچھ تو دونوں نر حرام کئے ہیں یا

تم سچے ہو۔ اور پیدا کئے اونٹ میں سے دو اور گائے میں سے دو، پوچھ تو دونوں نر حرام کئے ہیں یا

الْاُنْثَیَیْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ

دونوں مادہ یا وہ بچہ کہ اس پر مشتمل ہیں بچہ دان دونوں مادہ کے کیا تم حاضر تھے جس وقت تم کو

دونوں مادہ یا جو لپٹ رہا ہے مادوں کے پیٹ میں ؟ یا تم حاضر تھے جس وقت

اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّیُضِلَّ النَّاسَ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اللہ نے یہ حکم دیا تھا پھر اس سے زیادہ ظالم کون جو بہتان باندھے اللہ پر جھوٹا تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے بلا تحقیق بیشک اللہ

اللہ نے تم کو یہ کہہ دیا تھا ؟ پھر اس سے ظالم کون جو جھوٹ باندھے اللہ پر، تا لوگوں کو بہکا دے بغیر تحقیق ؟ بے شک اللہ راہ

لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۴﴾ ع۱۷

ہدایت نہیں کرتا ظالم لوگوں کو ف۲

نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو۔

تقریر توحید و تذکیر انعامات نباتیہ وحیوانیہ

قال تعالیٰ: ﴿وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ ... الی ... اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾

ربط:...... گذشتہ آیات میں مشرکین عرب کی رسوم شرکیہ اور ناشائستہ افعال اور جاہلانہ عادتوں کا ذکر تھا اب ان آیات میں

ف۱ یعنی کسی چیز کو حلال و حرام کہنا صرف اللہ کے حکم سے ہوسکتا ہے پھر ان میں سے نر کو یا مادہ کو یا بچہ کہ جو مادہ کے پیٹ میں ہے اگر تم سب آدمیوں کے یا بعض کے حق میں حرام کہتے ہو جیسا کہ پچھلی آیات میں گزرا، اس کی سند تمہارے پاس کیا ہے۔ جب خدائی حکم ہونے کی کوئی سند نہیں رکھتے تو محض آراء واہواء سے خدا کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو حلال یا حرام کہنا اس کا مرادف ہے کہ خدائی کا منصب معاذ اللہ تم اپنے لئے تجویز کرتے ہو یا خدا پر جان بوجھ کر افتراء کر رہے ہو۔ دونوں صورتیں تباہ کن اور مہلک ہیں۔

ف۲ اشیاء کی تحلیل و تحریم محض خدا کے حکم سے ہوسکتی ہے، اور خدا کا حکم یا بواسطہ انبیاء پہنچے گا یا بلا واسطہ حق تعالیٰ کسی کو مخاطب فرمائے تو اسے معلوم ہو۔ یہاں دونوں صورتیں منفی ہیں۔ پہلی شق کے انتفاء پر ﴿نَبِّئُوْنِیْ بِعِلْمٍ﴾ الخ میں اور دوسری کی نفی پر ﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ﴾ میں متنبہ فرمایا ہے۔ پھر مشرکین کے دعاوی میں افتراء و اضلال کے سوا اور کیا چیز باقی رہ گئی۔ بلاشبہ اس سے زیادہ ظالم کوئی نہیں ہوسکتا جو خدا پر بہتان باندھے اور علم و تحقیق سے تہی دست ہونے کے باوجود لوگوں کو باطل اور غلط مسائل بیان کر کے گمراہ کرتا پھرے۔ جس شخص نے اس قدر ڈھٹائی اختیار کر لی اور ایسے ظلم عظیم پر کمر باندھ لی اس کے ہدایت پانے کی توقع رکھنا فضول ہے۔

اس کی تردید فرماتے ہیں اور حق جل شانہ نے اس تردید میں دو باتیں ذکر فرمائیں۔ اول یہ کہ ان تمام حیوانات اور نباتات کا خالق صرف حق جل شانہ ہے یہ تمام جانور اور باغات اس کے پیدا کئے ہوئے ہیں جن میں ذرا برابر کوئی اس کا شریک نہیں پھر تم کیوں اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہو کوئی چیز سوائے خالق کے کسی کے نامزد نہیں کی جاسکتی۔

دوسری چیز یہ بیان فرمائی کہ جو چیزیں تم نے حرام ٹھہرا رکھی ہیں اس پر کیا دلیل ہے خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو تحلیل و تحریم کا اختیار نہیں کیا خدا نے تمہارے سامنے ان کی حرمت کا حکم دیا تھا اور اس ذیل میں آٹھ قسم کے مویشی کا ذکر فرمایا اور یہ بتلایا کہ یہ سب انواع حلال ہیں، اللہ تعالیٰ نے تمہارے کھانے کے لیے ان کو پیدا کیا اور تم نے محض اپنے جی سے بلا دلیل اور بلا سند بعض کو حرام ٹھہرا لیا یہ محض تمہارا افتراء ہے۔

گذشتہ آیات میں بھی مشرکین کے جھوٹ اور افتراء کا بیان تھا اب ان آیات میں بھی ان کے افتراء کا بیان ہے اور بطور تہکم کے فرماتے ہیں کہ کیا تم اس وقت حاضر تھے جب کہ اللہ نے ان مویشیوں کو تمہارے زعم اور خیال کے مطابق حرام کیا تھا یہ سب تمہارا اللہ پر افتراء ہے اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر افتراء کرے چنانچہ فرماتے ہیں اور وہ خدا وہ ہے جس نے تمہارے لیے قسم قسم کی نعمتیں پیدا کیں تاکہ ان کے ذریعہ تم اپنے منعم حقیقی کو پہچانو اسی نے تمہارے لیے مختلف قسم کے باغات پیدا کیے کچھ تو انگور کی طرح ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے ہیں اور کچھ نہیں چڑھائے ہوئے انگور اور کدو وغیرہ کی بیلیں ٹٹیوں پر چڑھائی جاتی ہیں اور بغیر ٹٹیوں کے چڑھائے سب ہی درخت ہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ہر قسم کے باغ پیدا کیے ان میں سے بعض ایسے ہیں جن کو تم ٹٹیوں پر چڑھاتے ہو اور بعض ایسے ہیں جن کو ٹٹیوں پر نہیں چڑھاتے اس سے اس کی کمال قدرت اور کمال رحمت عیاں ہے اور اسی نے کھجور اور کھیتی کو پیدا کیا جس کے پھل حجم اور بو اور مزے میں مختلف ہیں اور اسی نے زیتون اور انار کو بھی اسی طرح پیدا کیا کہ بعض تو باہم رنگ اور شکل اور بو اور مزہ میں ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں اور بعض ایک دوسرے کے مشابہ نہیں ہوتے یہ سب اس کی قدرت کے کرشمے اور اس کی رحمت وعنایت کے نمونے ہیں کہ اس نے یہ چیزیں تمہاری غذا اور لذت کے لیے پیدا کیں لہٰذا تم اس کے پھل کھاؤ جب کہ وہ پھل لادے اور اس کی قدرت کو جانو اور اس کی نعمت کی قدر کرو اور منعم کا شکر کرو اور ساتھ ساتھ فقراء اور مساکین کا بھی خیال رکھو یعنی اس کے کاٹنے اور توڑنے کے دن اس کا حق ادا کرو یعنی پیداوار کا دسواں یا بیسواں حصہ خیرات کرو اس کو اصطلاح فقہاء میں زکوٰۃ الخارج کہتے ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں کسی خاص مقدار کی شرط نہیں قلیل وکثیر سب میں واجب ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں ایک خاص مقدار ہونا شرط ہے کتب فقہ وحدیث میں اس کی تفصیل ہے یا یہ مطلب ہے کہ جب تم اپنا کھیت کاٹو یا درختوں کے پھل توڑو تو اس موقعہ پر جو مساکین اور محتاج موجود ہوں ان کو بھی اس میں سے کچھ کھلاؤ ان کا بھی اس میں حق ہے باغ والے کو چاہیے کہ ایسے موقع پر اصحاب الجنۃ کے قصے پر دھیان کرے جو سورۂ نون میں مذکور ہے اور حدود شریعت سے تجاوز نہ کرو یعنی ناجائز باتوں میں نہ خرچ کرو بے شک اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا خدا کا دوست وہ ہے جو حدود شریعت کے اندر رہ کر خرچ کرے اور اللہ تعالیٰ نے کھیت اور مویشی کی طرح تمہاری لیے چوپایوں میں سے کچھ تو بوجھ اٹھانے والے پیدا کیے جیسے اونٹ اور گھوڑا اور گدھا اور خچر اور کچھ پستہ قد زمین سے ملے

ہوئے پیدا کیے جو بوجھ نہیں اٹھا سکتے جیسے بھیڑ بکری یہ سب سامان اللہ تعالیٰ نے تمہاری راحت کے لیے پیدا کیا پس تم کھاؤ اللہ کے رزق میں سے جو اس نے تم کو دیا ہے اور اس کا شکر کرو اور اس رزق سے اس کی طاعت وعبادت میں قوت حاصل کرو اور اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے نفع اٹھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو یعنی شیطان کے بہکائے میں آ کر شرک نہ کرو اور نہ حلال کو حرام کرو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے. جس نے تم کو گمراہ کیا اور دنیا کی نعمتوں سے تم کو محروم کیا اور آخرت کا عذاب الگ رہا اب بتلاؤ کہ اس سے بڑھ کر کیا دشمنی ہوگی؟ الغرض حق تعالیٰ نے تمہاری غذا کے لیے نر و مادہ ملا کر آٹھ قسم کے جانور پیدا کیے دو بھیڑ کی قسم سے یعنی نر اور مادہ اور دو بکری قسم سے یعنی نر اور مادہ اور ان سب کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کیا اے نبی ﷺ آپ ان کافروں سے پوچھیئے تو سہی کہ بتلاؤ؟ کیا اللہ نے دونوں جانوروں کے نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں کی ماداؤں کو حرام کیا ہے یعنی کیا خدا نے بھیڑ اور بکری کے کل نر حرام کیے ہیں یا دونوں کے کل مادہ حرام کیے ہیں یا اس بچہ کو حرام کیا ہے جس پر دونوں ماداؤں کے رحم یعنی بچہ دان مشتمل ہیں یعنی کیا وہ بچہ حرام ہے جس کو دونوں ماداؤں کے رحم اپنے اندر لیے ہوئے ہیں مطلب یہ ہے کہ کیا خدا نے پیٹ کے بچہ کو حرام ٹھہرایا ہے خواہ نر ہو یا مادہ مجھے اس بارہ میں یقینی بات کی خبر دو اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ اللہ نے ان چیزوں کو حرام کیا ہے۔

ف:...... ﴿اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ﴾ سے مشرکین کے اس قول ﴿مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا﴾ کے رد کی طرف اشارہ ہے یعنی تم جو کبھی نر کو اور کبھی مادہ کو حرام بتلاتے ہو اور کبھی کہتے ہو کہ یہ چیز مردوں کے لیے حرام ہے اور یہ چیز عورتوں کے لیے حرام ہے تمہارے پاس اس تحلیل وتحریم کی کیا دلیل ہے اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ ان چیزوں کو خدا ہی نے حرام کیا ہے اور حرام کرنے کا حکم اسی کے پاس سے آیا ہے تو کوئی قطعی ثبوت اس کا پیش کرو۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اونٹ سے دو قسمیں پیدا کیں یعنی نر اور مادہ اور گائے اور بھینس سے بھی دو قسمیں پیدا کیں یعنی نر اور مادہ اس طرح سے یہ مویشی کل آٹھ جوڑے ہوئے اگرچہ ان کے علاوہ مویشی کے اقسام میں اور بھی جانور ہیں مگر عرب میں بیشتر یہی جانور ہوتے تھے اور انہیں میں سے مشرکین نے بعض کو حلال اور بعض کو حرام کر رکھا تھا اس لیے ان ہی کا ذکر کیا گیا آپ ﷺ ان سے کہیئے کہ کیا اللہ نے ان دونوں کے نروں کو حرام کیا ہے یا ان دونوں کی ماداؤں کو حرام کیا ہے یا اس بچہ کو حرام کیا جس کو دونوں ماداؤں کے رحم اپنے اندر لیے ہوئے ہیں یعنی جس پر دونوں ماداؤں کے رحم یعنی بچہ دان مشتمل ہیں مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ ان سے پوچھیئے کہ ان چیزوں میں حرمت کہاں سے آئی اور ان کی حرمت کی علت کیا ہے ان میں حرمت نر ہونے کی جہت سے آئی ہے یا مادہ ہونے کی جہت سے یا اشتمال رحم سے پیدا ہونے کی جہت سے حرمت آئی ہے پس اگر حرمت کی علت نر ہونا ہے تو کل نر حرام ہونے چاہئیں اور اگر حرمت کی علت مادہ ہونا ہے تو کل مادائیں حرام ہونی چاہئیں اور اگر اشتمال رحم یعنی رحم سے پیدا ہونا حرمت کی علت ہے تو تمام نر اور مادہ سب ہی حرام ہونے چاہئیں اس لیے کہ نر اور مادہ سب ہی رحم سے پیدا ہوتے ہیں پھر بعض کی کیا تخصیص ہے اور تم بعض کو حرام کہتے ہو سب کو حرام نہیں کہتے جب علت ایک ہے تو اس کی کیا وجہ کہ کوئی حرام ہو اور کوئی حلال ہو (دیکھو تفسیر قرطبی: ۷/۱۱۵، تفسیر

خازن: ۲/ ۴۹۸ و تفسیر مظہری: ۳/ ۳۳۵)

ف:...... اس آیت میں ذکور اور اناث اور مافی الارحام کے اس قدر تفصیل اور اس درجہ تعمیم سے مقصود مشرکین کے رد میں مبالغہ کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب انواع کو حلال کیا ہے پھر تم نے محض اپنے زعم سے ان میں سے بعض کو کیسے حرام ٹھہرایا۔ (تفسیر ابی السعود و روح المعانی)

خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارے کھانے اور نفع کے لیے پیدا کیا کما قال تعالیٰ: ﴿وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ﴾ اور ان اقسام ہشت گانہ میں سے اللہ تعالیٰ نے کسی شئ کو حرام نہیں کیا نہ ان کو اور نہ ان کی اولاد کو بلکہ سب کو بنی آدم کے نفع کے لیے پیدا کیا کہ ان کو کھاویں اور ان پر سوار ہوں اور بوجھ لادیں اور ان کا دودھ پئیں اور طرح طرح کے منافع حاصل کریں پس اس کی کیا وجہ ہے کہ تم بعض جانوروں کو بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ ٹھہرا کر حرام قرار دیتے ہو اور مختلف صورتوں سے تحریم کے مدعی ہو اور ڈھٹائی سے ان جانوروں کی حرمت کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہو یہ سب دروغ بے فروغ ہے کیا تم اس وقت حاضر تھے جب کہ اللہ نے تم کو اس تحریم و تحلیل کا حکم دیا تھا یعنی تم کسی نبوت اور وحی کے تو قائل اور معترف نہیں جو یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ نبی کے یہ حکم بھیجا ہے تو پھر تم کو کس طرح معلوم ہوا کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ چیز حرام ہے کیا تم خود خدا سے بالمشافہ یہ حکم سن کر آئے ہو اور جب تم کو اللہ یہ حکم دے رہا تھا تو کیا تم اس وقت اس کے پاس بیٹھے تھے اور ظاہر ہے کہ یہ ناممکن ہے پس اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے کبھی نر کو اور کبھی مادہ کو حرام ٹھہرا کر اللہ کی طرف منسوب کرے تا کہ لوگوں کو بغیر تحقیق کے گمراہ کرے بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت یعنی توفیق نہیں دیتا جو شخص ظلم پر کمربستہ ہو جائے اور دلائل واضحہ سے آنکھیں بند کر لے اسے توفیق نصیب نہیں ہوتی۔

قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِيْ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا

تو کہہ دے کہ میں نہیں پاتا اس وحی میں کہ مجھ کو پہنچی ہے کسی چیز کو حرام کھانے والے پر جو اس کو کھاوے مگر یہ کہ وہ چیز مردار ہو یا بہتا ہوا خون

تو کہہ، میں نہیں پاتا جس حکم میں کہ مجھ کو پہنچا کوئی چیز حرام کھانے والے کو جو اس کو کھاوے مگر یہ کہ مردہ ہو یا لہو

مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ

یا گوشت سور کا کہ وہ ناپاک ہے یا ناجائز ذبیحہ جس پر نام پکارا جاوے اللہ کے سوا کسی اور کا پھر جو کوئی بھوک سے بے اختیار ہو جاوے نہ نافرمانی کرے

چھینک دینے کا، یا گوشت سور کا، کہ وہ ناپاک ہے، یا گناہ کی چیز، جس پر پکارا اللہ کے سوا کسی کا نام۔ پھر جو کوئی عاجز ہو، نہ زور کرتا

وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ

اور نہ زیادتی کرے تو تیرا رب بڑا معاف کرنے والا ہے نہایت مہربان ف ۱ اور یہود پر ہم نے حرام کیا تھا ہر ایک ناخن والا جانور اور

نہ زیادتی، تو تیرا رب معاف کرتا ہے مہربان۔ اور یہود پر ہم نے حرام کیا تھا ہر ناخن والا، اور

ف ۱ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں "یعنی جن جانوروں کا کھانا دستور ہے ان میں سے یہی حرام ہے۔" اس آیت میں کفار کو یہ بتلانا ہے کہ جو چیزیں اوپر مذکور ہوئیں حلال تھیں جن کو تم نے حرام بنالیا۔ اب وہ چیزیں بتلائی جاتی ہیں جو واقعی حرام ہیں اور تم ان کو حلال سمجھتے ہو۔ باقی مضمون آیت کی تفسیر و توضیح "سورۂ مائدہ" =

الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا

گائے اور بکری میں سے حرام کی تھی ان کی چربی مگر جو لگی ہو پشت پر یا انتڑیوں پر یا

گائے اور بکری میں سے حرام کی ان کی چربی، مگر جو لگی ہو پشت پر یا آنت میں، یا

اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ڮ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ

جو چربی کہ ملی ہو ہڈی کے ساتھ یہ ہم نے ان کو سزا دی تھی ان کی شرارت پر اور ہم سچ کہتے ہیں ف۱ پھر اگر تجھ کو جھٹلادیں تو کہہ دے کہ

ملی ہو ہڈی کے ساتھ۔ یہ ہم نے ان کو سزا دی تھی ان کی شرارت پر، اور ہم سچ کہتے ہیں۔ پھر اگر تجھ کو جھٹلادیں تو کہہ

رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

تمہارے رب کی رحمت میں بڑی وسعت ہے اور نہیں ٹلے گا اس کا عذاب گناہ گار لوگوں سے ف۲

تمہارے رب کی مہر میں بڑی سمائی ہے۔ اور پھرتا نہیں اس کا عذاب گنہگار لوگوں سے۔

تفصیل محرمات شرعیہ

قَالَ تَعَالٰی: ﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا... الی... وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ﴾

ربط:...... اوپر کی آیتوں میں ان حلال چیزوں کا بیان تھا جن کو اہل جاہلیت اپنے خیال میں حرام سمجھتے تھے اب ان آیات میں ان حرام چیزوں کا ذکر ہے جن کو مشرکین عرب حلال سمجھتے تھے اور اللہ کے نزدیک وہ چیزیں حرام ہیں چنانچہ فرماتے ہیں آپ ان سے کہہ دیجیے ان چیزوں کی حرمت کے بارہ میں جن کی حرمت کو تم خدا کی طرف منسوب کرتے ہو میں اس وحی میں جو مجھ پر کی گئی ہے ان میں سے کسی چیز کو بھی کھانے والے پر جو اسے کھاوے حرام نہیں پاتا خواہ مرد ہو یا عورت مگر یہ کہ مردار ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو تو وہ تو بالکل ہی ناپاک ہے اس کے اجزاء نجس اور حرام ہیں اسی وجہ سے وہ نجس العین کہلاتا ہے یا وہ گناہ کی چیز ہو جس کو غیر اللہ کے نامزد کیا گیا ہو یہ سب حرام ہیں اور تم ان چیزوں کو حلال سمجھتے ہو گذشتہ آیات میں یہ بتلایا تھا کہ تحلیل وتحریم کے بارہ میں جو اہل جاہلیت نے طریقہ اختیار کر رکھا ہے وہ غلط ہے حرمت کا ثبوت صرف وحی سماوی اور شرع نبوی سے ہوتا ہے مجھ پر جو وحی خدا نے نازل کی ہے اس میں سوائے چار چیزوں کے اور کوئی چیز حرام نہیں وہ چار چیزیں یہ ہیں مردار، بہتا ہوا خون، سور کا گوشت، جو جانور غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو۔

= کے شروع میں ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ﴾ الخ کے نیچے گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

ف۱ یعنی اصلی حرمت تو ان چیزوں میں ہے جو اوپر مذکور ہوئیں، البتہ وقتی مصلحت سے بعض چیزیں عارضی طور پر بعض اقوام پر پہلے حرام کی جا چکی ہیں۔ مثلاً یہود پر ان کی شرارتوں کی سزا میں ہر ناخن (کھر) والا جانور جس کی انگلیاں پھٹی نہ ہوں جیسے اونٹ، شتر مرغ، بطخ وغیرہ حرام کیا گیا تھا۔ نیز گائے بکری کی جو چربی پشت یا انتڑیوں پر لگی ہوئی ہو یا ہڈی کے ساتھ نہ ملی ہو ان پر حرام کر دی گئی تھی جیسے گردہ کی چربی۔ بنی اسرائیل کا دعویٰ غلط ہے کہ یہ چیزیں ابراہیم ونوح علیہما السلام کے زمانہ ہی سے مستمر طور پر حرام چلی آتی ہیں سچی بات یہ کہ ان میں سے کوئی چیز عہد ابراہیمی میں حرام نہ تھی۔ یہود کی نافرمانیوں اور شرارتوں کی وجہ سے یہ سب چیزیں حرام ہوئیں جو کوئی اس کے خلاف دعویٰ کرے جھوٹا ہے۔ جیسے پارہ "لَنْ تَنَالُوْا" کے شروع میں ﴿قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ سے ان دعویٰ کرنے والوں کو چیلنج دیا گیا ہے۔

ف۲ یعنی رحمت کی سمائی سے تم اب تک بچے ہو۔ نہ جانو کہ عذاب ٹل گیا۔ کذا فی موضح القرآن۔

ایک شبہ:...... اس آیت سے اور سورۂ نحل کی آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف یہی چار چیزیں حرام ہیں۔ مردہ جانور اور بہتا ہوا خون اور سور کا گوشت اور غیر اللہ کے نامزد کردہ جانور حالانکہ شریعت میں اور بھی بہت سی چیزیں حرام ہیں مثلاً شراب اور پاخانہ وغیرہ وغیرہ اور احادیث میں ان چار چیزوں کے علاوہ اور بہت سی چیزوں کی حرمت کا ذکر آیا ہے مثلاً پالتو گدھا اور کچلیوں والا درندہ پس اس آیت سے جو حصر سمجھا جاتا ہے اس کے کیا معنی ہیں۔

جواب:...... شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "یعنی جن جانوروں کا کھانا دستور ہے ان میں سے یہی چار چیزیں حرام ہیں" انتہی کلامہ۔ یعنی اس آیت میں کفار کو یہ بتلانا مقصود ہے کہ جو چیزیں اوپر مذکور ہوئیں وہ حلال تھیں جن کو تم نے اپنی رائے سے حرام ٹھہرالیا ہے اور جو چیزیں واقعی حرام ہیں وہ یہ چار ہیں جن کو تم حلال سمجھتے ہو غرض یہ کہ اس آیت میں ان حیوانات کی حرمت کا بیان کرنا مقصود ہے جس میں مسلمانوں اور مشرکوں کا نزاع تھا مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں قصر اضافی ہے مشرکین اور اہل جاہلیت کے رد کے لیے ہے اور یہ بتلانا مقصود ہے کہ اللہ کے نزدیک صرف یہ چار چیزیں حرام ہیں اور جن چیزوں کو مشرکین نے اپنی رائے سے حرام ٹھہرالیا ہے وہ حرام نہیں۔ (دیکھو حاشیہ تفسیر مظہری: ۳؍۷ ۳۳)

خلاصۂ کلام یہ کہ اس آیت میں حلال اور حرام جانوروں کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ باقی مطلق ناپاک اور گندی چیزوں کی حرمت کا مسئلہ دوسری جگہ بیان فرمایا کما قال تعالیٰ: ﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾ وغیر ذٰلک من الآیات پس شراب اور پیشاب وغیرہ خبائث اور رجس میں داخل ہیں علاوہ ازیں بہت سے جانور جن کی حرمت کا ذکر حدیث میں آیا ہے وہ در پردہ خنزیر کے حکم میں ہیں الغرض یہ سب چیزیں حرام ہیں پھر بھی شریعت نے ان میں اتنی آسانی رکھی ہے کہ جو شخص فاقہ اور بھوک کی وجہ سے ان حرام چیزوں کے کھانے کی طرف مجبور اور مضطر ہو جائے بشرطیکہ وہ طالب لذت نہ ہو اور مقدار ضرورت و حاجت سے تجاوز کرنے والا نہ ہو تو ایسی اضطراری حالت میں ان حرام چیزوں میں سے بقدر سد رمق کھا لینے میں گناہ نہیں تو بے شک تیرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے کہ ایسی حالت میں ان چیزوں میں سے کھانا حرام نہیں رکھا مطلب یہ ہے کہ جو شخص مجبوری کی حالت میں بقدر ضرورت ان حرام میں سے کھالے تو اس سے مؤاخذہ نہ ہوگا ان آیات میں ان چیزوں کو بیان کیا جن کی حرمت اصلی ہے اب آئندہ آیات میں ان چیزوں کا بیان کرتے ہیں جن کی حرمت اصلی نہیں بلکہ عارضی اور وقتی تھی یعنی بعض چیزیں وقتی مصلحت کی بناء پر عارضی طور پر بعض قوموں پر حرام کی گئیں مثلاً یہود پر ان کی شرارتوں کی سزا میں اونٹ وغیرہ حرام کر دیا گیا چنانچہ فرماتے ہیں اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والے جانور کو حرام کیا تھا جیسے اونٹ اور شتر مرغ اور مرغابی اور بطخ وغیرہ اور گائے اور بکری کی قسم میں سے ہم نے ان پر دونوں کی چربیاں حرام کر دی تھیں مگر وہ چربی حرام نہیں کی تھی جو ان دونوں کی پیٹھوں یا آنتوں کو لگی ہوئی ہو یا وہ چربی جو ان کی ہڈی سے لگی ہوئی ہو باقی اس کے سوا سب چربی حرام تھی یہ ہم نے ان کو ان کی سرکشی کی سزا دی تھی یعنی یہ چیزیں فی حد ذاتہ حلال وطیب ہیں۔ مگر یہود کی نافرمانی اور شرارت کی وجہ سے ہم نے یہ چیزیں خاص طور پر صرف یہود پر حرام کیں تا کہ ان پر دائرہ رزق تنگ ہو جائے ورنہ یہ چیزیں فی نفسہ قابل تحریم نہ تھیں صرف عارضی طور پر یہود کے حق میں حرام کی گئیں اور بے شک ہم سچے ہیں یعنی اے مشرکین حرمت کے باب میں تمہارا قول بالکل غلط ہے اور ہم سچے ہیں حرمت کی اصل حقیقت یہ ہے جو ہم نے بیان کی اور بنی اسرائیل کا یہ

دعویٰ کہ یہ چیزیں حضرت ابراہیم اور نوح علیہ السلام کے زمانہ سے مستمر طور پر حرام چلی آ رہی ہیں بالکل غلط ہے سچی بات یہ ہے کہ ان میں سے کوئی چیز عہد ابراہیمی میں حرام نہ تھی یہود کی نافرمانیوں کی وجہ سے یہ چیزیں ان پر حرام ہوئیں کما قال تعالیٰ: ﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا﴾۔

خلاصۂ کلام یہ کہ یہ چیزیں عارضی طور پر یہود بے بہبود پر حرام کی گئیں تھیں اور وہ تحریم اب منسوخ ہو چکی ہے۔

پس اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہ مشرکین آپ کو اس لیے جھٹلائیں کہ ان پر عذاب کیوں نہیں نازل ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جواب میں کہہ دیجیے کہ تمہارا پروردگار بڑی وسیع رحمت والا ہے اور بڑا حلیم اور بردبار ہے اس لیے وہ کفر اور تکذیب پر فوراً سزا نہیں دیتا تم خدا کی اس مہلت سے نہ سمجھنا کہ ہم مجرم نہیں اور ہم سے عذاب ٹل گیا اور اس کا عذاب اور قہر جب نازل ہوتا ہے تو وہ مجرم لوگوں سے ٹلتا نہیں یعنی تم اللہ کے حلم اور رحمت سے اب تک بچے ہوئے ہو یہ نہ جانو کہ عذاب ٹل گیا۔

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ؕ

اب کہیں گے مشرک اگر اللہ چاہتا تو شرک نہ کرتے ہم اور نہ ہمارے باپ دادے اور نہ ہم حرام کر لیتے کوئی چیز

اب کہیں گے مشرک، اگر اللہ چاہتا تو شریک نہ ٹھہراتے ہم اور نہ ہمارے باپ اور نہ حرام کر لیتے کوئی چیز۔

كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ

اسی طرح جھٹلایا کئے ان سے اگلے یہاں تک کہ انہوں نے چکھا ہمارا عذاب، تو کہہ کچھ علم بھی ہے تمہارے پاس کہ

اسی طرح جھٹلایا کیے ان سے اگلے، جب تک چکھا ہمارا عذاب۔ تو کہہ، کچھ علم بھی ہے تم پاس کہ

فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ

اس کو ہمارے آگے ظاہر کرو تم تو نری اٹکل پر چلتے ہو اور صرف تخمینے ہی کرتے ہو تو کہہ دے بس اللہ کا

ہمارے آگے نکالو؟ یا نری اٹکل پر چلتے ہو، اور سب تجویزیں کرتے ہو۔ تو کہہ، پس اللہ کا

الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ

الزام پورا ہے سو اگر وہ چاہتا تو ہدایت کر دیتا ف۱ تم سب کو تو کہہ کہ لاؤ اپنے گواہ جو گواہی دیں اس بات کی کہ

الزام پورا ہے۔ سو اگر چاہتا تو راہ دیتا تم سب کو۔ تو کہہ، لاؤ اپنے گواہ، جو بتادیں کہ

ف۱ گذشتہ رکوع میں مشرکین سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ جن حلال وطیب چیزوں کو تم نے حرام ٹھہرالیا ہے اور اس تحریم کو خدا کی طرف نسبت کرتے ہو، اس کی سند اور دلیل لاؤ۔ یہاں ان کی دلیل بیان کی گئی ہے جو وہ پیش کرنے والے تھے یعنی اگر اللہ چاہتا تو اس کو قدرت تھی کہ ہم کو اور ہمارے اسلاف کو اس تحریم سے بلکہ تمام مشرکانہ افعال واقوال سے روک دیتا۔ جب نہ روکا اور یوں ہی ہوتا چلا آیا تو ثابت ہوا کہ اس کے نزدیک ہماری یہ کارروائیاں پسندیدہ ہیں۔ ناپسند ہوتیں تو ان کے کرنے میں ہم کو اب تک کیوں آزاد چھوڑتا۔ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ ایک نیک نام اور مدبر گورنمنٹ کسی باغیانہ تحریک میں حصہ لینے والے کو باوجود یقینی اطلاع اور کافی قدرت کے پہلے ہی دن پکڑ کر پھانسی نہیں دے دیتی۔ وہ اس کی حرکات کی نگرانی رکھتی ہے، کبھی رویہ درست رکھنے کی ہدایت کرتی ہے اور موقع دیتی ہے کہ آدمی ایسی حرکات کا انجام سوچ کر خود سنبھل جائے، کبھی اصلاح سے مایوس ہو کر ڈھیل چھوڑتی ہے کہ اس کی بغاوت کا ایسا باضابطہ اور مکمل مواد فراہم ہو جائے جس کے بعد اس کی انتہائی مجرمانہ غداری قانونی حیثیت سے علی رؤس الاشہاد ثابت کی جاسکے۔ ان تمام صورتوں میں مجرم کی باگ ڈھیلی چھوڑ دینے =

=اور فوراً سزا نہ دینے سے کیا یہ ثابت ہوگا کہ گورنمنٹ کی نظر میں وہ کارروائی جرم و بغاوت نہیں ہے۔ گورنمنٹ کی نگاہ میں ان افعال کا جرم ہونا اول تو اس کے شائع کیے ہوئے قانون سے ظاہر ہے۔ دوسرے جب یہ مجرم مہلت پوری ہونے پر عدالت کے کٹہرے میں لایا جائے گا اور باضابطہ اثبات و اظہار جرم کے بعد پھانسی یا حبس دوام کی سزا بھگتے گا، تب برأی العین مشاہدہ ہو جائے گا کہ گورنمنٹ کی نظر میں یہ کتنا بڑا جرم ہے۔ بہرحال گورنمنٹ کا کسی جرم پر باوجود علم و قدرت رکھنے کے کسی مصلحت سے فوری سزا جاری نہ کرنا اس کی دلیل نہیں کہ وہ جرم کو جرم نہیں سمجھتی۔ اسی پر قیاس کر لیجیے کہ وہ احکم الحاکمین ابتدائے آفرینش سے آج تک بتوسط اپنے صادق القول اور پاکباز نائبین کے ہر قسم کے قوانین و احکام سے بندوں کو مطلع فرماتا رہا اور کھول کھول کر بتلا دیا کہ کونسی بات اس کے یہاں پسندیدہ اور کون سی ناپسند ہے۔ کبھی پے درپے اور کبھی تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد ان احکام و ہدایات کی یاد دہانی بھی ہوتی رہی۔ اس دوران میں خلاف ورزی کرنے والوں سے ساحت کی حد تک مساحت کی گئی۔ معمولی تنبیہات کی ضرورت ہوئی تو وقتاً فوقتاً انہیں بھی کام میں لایا گیا۔ اور جن کی شقاوت کا پیمانہ لبریز ہونے والا تھا انہیں ڈھیل دی گئی کہ وہ صاف اور اعلانیہ طور پر اپنے کو خدا کی انتہائی سزا کا مستحق ٹھہرا کر کیفر کردار کو پہنچیں۔ چنانچہ بہت سی قومیں اپنے جرائم کی پاداش کا دنیا میں تھوڑا تھوڑا مزا چکھ چکی ہیں۔ پھر ان حالات کی موجودگی میں کسی قوم کے چند روز جرائم میں مبتلا رہنے اور فوراً نہ پکڑے جانے سے کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ وہ جرائم (معاذ اللہ) خدا کے نزدیک پسندیدہ ہیں ورنہ خدا انہیں ایک گھنٹہ کی بھی مہلت نہ دیتا۔ رہا یہ سوال کہ خدا نے انسان کی ساخت ہی ابتداء سے ایسی کیوں نہ بنادی کہ وہ برائی کی طرف قطعاً نہ جا سکتا اور اس طرح فطرۃً اسے مجبور کر دیا جاتا کہ نیکی اور بھلائی کے سوا کوئی چیز اختیار نہ کر سکے۔ اگر غور کیا جائے تو اس سوال کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو ایسا کیوں نہ پیدا کر دیا گیا کہ وہ انسان ہی نہ رہتا۔ یا تو اینٹ پتھر بن جاتا جو ادراک و شعور اور کسب و اختیار سے یکسر خالی ہو یا گدھے گھوڑے وغیرہ جانوروں کی طرح جزئی احساس و ارادہ رکھنے والا حیوان ہوتا جو ازل سے ابد تک اپنے مخصوص و متشابہ افعال و احوال کے محدود دائرہ میں چکر لگا تارہے اور یا بہت عزت دی جاتی تو فرشتوں کی صفوں میں بٹھلا دیا جاتا جو محض طاعت و عبادت کے اختیار کرنے پر مجبول و مفطور ہیں۔ الحاصل یہ کلی ادراکات اور عظیم الشان کسبی تصرفات رکھنے والی ترقی کن نوع ہی صفحہ ہستی پر نہ لائی جاتی۔ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی انسان اپنے شرف و کرامت کا بلند بانگ دعویٰ رکھتے ہوئے ایسی جرأت نہ کرے گا کہ سرے سے اپنی نوع کے وجود ہی کا مخالف ہو جائے۔ پھر اگر نوع انسانی کا مع اس کی عقلی و عملی قوتوں اور کسب و اختیار کی موجودہ آزادی کے پیدا کرنا نظام عالم کی تکمیل کے لئے ضروری تھا تو اس نظام تکوینی کے آثار و نتائج کا قبول کرنا بھی ضروری ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مادی اور معاشی زندگی کے شعبوں میں تو انسانوں کی عقلی و کسبی آزادی کی بدولت بیشمار انواع و اقسام کے مختلف مظاہر سامنے آئیں لیکن معادی و روحانی میدانوں میں وہ ہی دل و دماغ اور کسب و اختیار کی قوتیں رکھنے والے انسان سب کے سب ایک ہی پگڈنڈی پر چلنے کے لئے مجبور ہو جائیں اور کوئی ایک قدم ادھر ادھر ہٹانے کی قدرت نہ رکھے۔ پس اگر نوع انسان کا بحقیقتہ الموجودہ مجموعہ عالم میں پایا جانا ضروری ہے تو نیک و بد کا اختلاف بھی لابدی ہوگا اور یہی اختلاف کا وجود بڑی دلیل اس کی ہے کہ ہر وہ فعل جو وقوع میں آئے ضروری نہیں کہ خدا کے نزدیک پسندیدہ ہو ورنہ مختلف و متضاد افعال کی موجودگی میں ماننا پڑے گا کہ مثلاً خوش اخلاقی بھی خدا کو پسند ہو اور بداخلاقی بھی، ایمان لانا بھی پسند ہو اور نہ لانا بھی، جو صریحاً باطل ہے۔ بیشک خدا اگر چاہتا تو انسان کی ساخت ایسی بنا سکتا تھا کہ سب ایک ہی راستہ پر چلنے کے لیے مجبور ہو جاتے، لیکن جب ایسا واقعہ نہیں ہوا تو یہی حجۃ بالغہ اور پورا الزام ان لوگوں پر ہے جو لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا کہہ کر مشیت و رضائے الٰہی میں تلازم ثابت کرنا چاہتے ہیں کیونکہ اس قدر شدید اختلافات کی موجودگی میں ان کے اصول کے موافق کہنا پڑے گا کہ مثلاً توحید خالص بھی اللہ کے نزدیک صحیح اور مرضی ہو اور اس کی نقیض شرک جلی بھی، وقس علیٰ ہذا۔ ان دلائل سے ثابت ہوا کہ مشرکین کا یہ استدلال ﴿لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا﴾ الخ محض لغو اور پادر ہوا ہے، کوئی علمی اصول ان کے پاس نہیں جسے عقلمندوں کے سامنے پیش کر سکیں۔ محض اٹکل کے تیر اور تخمینی باتیں ہیں جن کو خدا کی حجۃ بالغہ بکلی رد کرتی ہے۔ جس کی طرف ﴿فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ میں اشارہ فرمایا ہے۔ یعنی انسان کی فطرت ایسی نہیں بنائی گئی کہ سب کے سب راہ ہدایت پر چل پڑیں۔ اس کو کسب و اختیار کی وہ آزادی حق جل وعلا نے عطا فرمائی ہے جس کا عطا کیا جانا کسی مخلوق کے لئے ممکن تھا۔ اس لئے لازم ہے کہ اس آزادی کے استعمال کے وقت راہیں مختلف ہو جائیں کوئی نیکی کو اختیار کرے کوئی بدی کو، کوئی حق تعالیٰ کی رضاء و رحمت کا مظہر بن جائے کوئی غضب کا۔ اس طرح وہ آخری مقصد جو خالق کائنات نے آفرینش عالم سے ارادہ کیا ہے یعنی اپنی صفات جمال و جلال کا اظہار علی الوجہ الاتم پورا ہو۔ ﴿لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ ورنہ اگر تمام عالم ایک ہی حال پر فرض کر لیا جائے تو بعض صفات الٰہیہ کا ظہور ممکن ہوگا، اور دوسری بعض کے ظہور کے لئے کوئی محل نہ ملے گا۔ یہاں تک کہ جو کچھ ہم نے کہا وہ اس تقدیر پر تھا کہ مشرکین کے قول ﴿لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا﴾ سے یہ غرض ہو کہ وہ اپنے خرافات و کفریات کا استحسان ثابت کرنا چاہتے تھے جیسا کہ ان کے احوال سے ظاہر ہے اور اگر کلام مذکور سے ان کی غرض صرف معذرت ہو کہ جو کچھ خدا چاہتا ہے وہ ہم سے کراتا ہے۔ اچھا ہو یا برا، بہرحال اس کی مشیت =

اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنۡ شَهِدُوۡا فَلَا تَشۡهَدۡ مَعَهُمۡ ۚ وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا

اللہ نے حرام کیا ہے ان چیزوں کو پھر اگر وہ ایسی گواہی دیں بھی تو تو نہ اعتبار کر ان کا اور نہ چل ان کی خوشی پر جنہوں نے جھٹلایا

اللہ نے حرام کی ہے یہ چیز۔ پھر اگر وہ کہیں بھی تو تو نہ کہہ ان کے ساتھ۔ اور نہ چل ان کی خوشی پر، جنہوں نے جھٹلائے

بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ وَهُمۡ بِرَبِّهِمۡ يَعۡدِلُوۡنَ ۝۱۵۰ ع ۱۸

ہمارے حکموں کو اور جو یقین نہیں کرتے آخرت کا اور وہ اپنے رب کے برابر کرتے ہیں اوروں کو ف ۱

ہمارے حکم، اور جو یقین نہیں رکھتے آخرت کا، اور وہ اپنے رب کے برابر کرتے ہیں اور کو۔

مشرکین عرب کا اپنے شرک اور خودساختہ تحریم کے متعلق ایک شبہ اور اس کا جواب

قَالَ تَعَالٰی: ﴿سَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا لَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشۡرَكۡنَا ... الی ... وَهُمۡ بِرَبِّهِمۡ يَعۡدِلُوۡنَ﴾

ربط: ...... اہلِ باطل کا طریقہ یہ ہے کہ جب دلیل اور برہان سے عاجز ہو جاتے ہیں تو ہٹ دھرمی کرنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کیا کریں اگر خدا کو ہماری ہدایت منظور ہوتی تو ہم ہدایت پا جاتے لہٰذا حق تعالیٰ اہل باطل کی اس آخری حجت کو نقل کر کے اس کا رد فرماتے ہیں کہ یہ مشرکین عرب عنقریب ایسا کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا شرک نہ کرتے اور نہ ہم کسی چیز کو ازخود حرام کرتے مطلب یہ ہے کہ اگر ہمارے یہ کام خدا کو ناپسند ہوتے تو خدا ہم کو یہ افعال کرنے ہی نہ دیتا پس جب وہ ہمارے اور ہمارے ان افعال کے درمیان حائل نہ ہوا تو معلوم ہوا کہ ہمارے یہ افعال خدا کو پسند ہیں حق تعالیٰ ان کے اس شبہ کو نقل کر کے اس کا جواب دیتے ہیں وہ یہ ہے اسی طرح اگلے کافروں نے ہمارے پیغمبروں کی تکذیب کی اور ان کو جھٹلایا مطلب یہ ہے کہ یہ تکذیب کچھ انہی پر موقوف نہیں ان سے پہلے لوگ بھی اسی طرح انبیاء کی تکذیب کرتے آئے جب پیغمبروں نے اپنی امتوں کو کفر اور شرک سے منع کیا اور یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے کفر اور شرک کو اور ان قبائح کو حرام کیا ہے

= سے ہے۔ پھر مشیت الٰہی کے مقابلہ میں انبیاء و رسل ہم سے کیوں مزاحمت کرتے ہیں اور عذاب الٰہی کا ڈراوا کیوں سناتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس خدا کی مشیت سے تم ان افعال شنیعہ کا کسب کرتے ہو، اسی کی مشیت سے انبیاء و رسل تمہاری مزاحمت کرتے ہیں اور وہ ہی مشیت تمہارے کسب پر مناسب عذاب بھیجتی ہے۔ جس طرح قدرت نے سانپ کو پیدا کیا اور وہ ہی مارگزیدہ کے حق میں ہلاکت کا اثر مرتب کرتی ہے خواہ سانپ کے کاٹنے میں مارگزیدہ کے فعل و اختیار کو کچھ دخل ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح تمہارے شرک و کفر میں ہلاکت دائمی کی، اور ایمان و عمل صالح میں نجات ابدی کی تاثیرات رکھ دینا بھی اسی قدرت و مشیت ازدی کا کام ہے جس سے تمام سلسلۂ اسباب و مسببات کی تخلیق ہوئی ہے۔ پس اگر تم اپنے مشرکانہ اطوار سے باز نہ آنے میں مشیت کے عموم سے احتجاج کر سکتے ہو تو ارسال رسل اور انزال عذاب وغیرہ امور کو بھی اسی مشیت کی کارفرمائی کا نتیجہ سمجھ کر خدا کی حجۃ بالغہ کو تمام سمجھو۔ بیشک خدا چاہتا تو تم سب کو راہ راست پر لگا دیتا لیکن اس نے تمہاری سوء استعداد کی وجہ سے ایسا نہیں چاہا۔ آخر تمہارے سوء اختیار سے جو افعال صادر ہوئے ان کا طبعی اثر عذاب کی صورت میں مرتب ہو کر رہا۔ والعیاذ باللہ۔

ف ۱ یعنی دلیل عقلی کا حال تو اوپر معلوم ہو چکا۔ اب اگر اس من گھڑت تحریم پر کوئی نقلی دلیل رکھتے ہو تو وہ لاؤ۔ کیا تمہارے پاس ایسے گواہ موجود ہیں جو یہ بیان کریں کہ ہاں ان کے روبرو اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو حرام ٹھہرایا تھا؟ ظاہر ہے کہ ایسے واقعی گواہ کہاں دستیاب ہو سکتے ہیں۔ اگر دو چار گستاخ جھوٹے بے حیایہ ہی گواہی دینے کو کھڑے ہو جائیں تو ایسوں کی بات پر تم کان نہ دھرو اور نہ ان کی خواہشات کی پروا کرو۔ یہاں تک ان چیزوں کا بیان تھا جنہیں مشرکین نے محض اپنی رائے و ہوا سے حرام ٹھہرا رکھا تھا، پھر اس تحریم کے لئے حیلے اور باطل عذر پیش کرتے تھے۔ آگے وہ چیزیں بیان کی جاتی ہیں جنہیں خدا نے حرام کیا اور ہمیشہ سے حرام رہی ہیں لیکن یہ مشرکین ان میں مبتلا ہیں۔

اور براہین عقلیہ اور نقلیہ سے توحید کو ثابت کر دیا تو ان لوگوں نے بھی پہلوں کی طرح یہی کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ان قبائح کے مرتکب ہوتے اور وہ لوگ برابر اپنی اسی تکذیب پر قائم رہے اور یہ سمجھتے رہے کہ ہمارا یہ کفر اور شرک اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے غرض یہ کہ وہ اپنی اس تکذیب پر جمے رہے یہاں تک کہ انہوں نے اس تکذیب پر ہمارے عذاب کا مزہ چکھا یعنی ان کی اس تکذیب کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر ہمارا عذاب نازل ہوا اور شرک کی ان کو سزا ملی اور انبیاء کرام کے وعدہ اور پیشین گوئی کے مطابق ان پر عذاب نازل ہوا جس سے انبیاء کرام کے قول کی تصدیق ہوگئی اس وقت ان کی سمجھ میں یہ آیا کہ ہمارے یہ افعال اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں اگر ہمارے یہ افعال خدا کے نزدیک پسندیدہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ ہم کو عذاب کا مزہ نہ چکھاتا اور نہ ہم کو ہلاک کرتا اور نہ ہمارے مقابلہ میں اپنے رسولوں کو غلبہ دیتا اور نہ پیغمبروں کے ہاتھوں ہم کو ذلیل وخوار کرتا اور ظاہر ہے کہ سزا تو مجرم ہی کو ملتی ہے۔

شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "کافروں کا شبہ تھا کہ اگر ہمارے کام اللہ کو پسند نہ ہوتے تو ہم کو کرنے نہ دیتا اس کا جواب فرمایا کہ اگلوں کو گناہ پر کیوں پکڑا معلوم ہوا کہ وہ بھی ایک مدت (تک) ناپسند کام کرتے تھے اور اللہ نہ پکڑتا تھا آخر پکڑا۔" (موضح القرآن)

خدا تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کے بعد فوراً ہی ان پر عذاب نازل نہیں کیا بلکہ ان کو مہلت دی اور باگ ڈھیلی چھوڑ دی کہ شاید سنبھل جائیں آخر جب ان کے جرم کا پیمانہ لبریز ہوگیا تو ان کو پکڑا اور عذاب کا مزہ چکھایا کہ عذاب ایسا ہوتا ہے اصل عذاب اور پورا عذاب تو بعد میں ہوگا اس وقت تو صرف آئندہ عذاب کا تھوڑا سا مزہ چکھایا جا رہا ہے یہ نادان خدا تعالیٰ کی اس مہلت اور حلم اور بردباری اور چشم پوشی سے یہ سمجھے کہ خدا تعالیٰ ہمارے ان افعال سے راضی ہے اور ہمارا یہ شرک اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے جب ایک عرصہ کے بعد عذاب نازل ہوا اور اس جرم کی سزا ملی تب آنکھیں کھلیں کہ ہم تو مجرم تھے ورنہ اگر ہمارا شرک خدا کو پسند ہوتا تو ہم پر عذاب کیوں نازل کرتا ان نادانوں کی نظر خدا تعالیٰ کے ابتدائی حلم اور بردباری پر تو ہے لیکن جرائم کے آخری نتیجہ پر نظر نہیں کرتے خدا تعالیٰ کی پکڑ اور اس کا عذاب اس امر کی واضح دلیل ہے کہ یہ افعال خدا تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہیں عذاب آنے پر ان کا سمجھا ہوا غلط نکلا اور انبیاء کرام کا فرمایا ہوا حق اور صدق نکلا خدا کے عذاب کو دیکھ کر ان کی سمجھ میں آیا کہ ہمارا یہ قول ﴿لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا﴾ بالکل لغو اور مہمل بلکہ دھوکہ اور فریب نفس تھا بسا اوقات حکومت کسی باغی اور مجرم کو باوجود اطلاع کے اور باوجود قدرت کے کسی مصلحت کی بناء پر پہلے ہی دن پھانسی نہیں دے دیتی اور کچھ روز کے لیے اس کی باگ ڈھیلی چھوڑ دیتی ہے اور فوراً گرفتاری کے احکام جاری نہیں کرتی تو کیا حکومت کی یہ بردباری اس امر کی دلیل بن سکتی ہے کہ حکومت کی نظر میں یہ فعل جرم ہی نہیں۔

اسی طرح خداوند احکم الحاکمین کا کافروں کو انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب پر فوراً ہی نہ پکڑنا اس امر کی دلیل نہیں کہ خدا کے نزدیک کفر اور شرک کوئی جرم نہیں حکومت کا مجرم کو ڈھیل دینا اور فوری طور پر نہ پکڑنا قانوناً یہ کسی فعل کے جواز کی دلیل نہیں ہوسکتی حجت اور دلیل حکومت کا قانون ہے قانون جس چیز کو ممنوع قرار دے گا وہ جرم ہوگا۔

پس اسی طرح سمجھو کہ حجۃ بالغۃ قانونِ شریعت ہے جس چیز کو قانونِ شریعت ممنوع اور حرام قرار دے وہی جرم ہے جو

اس کے خلاف ورزی کرے گا وہ مجرم ہوگا غرض یہ کہ کسی فعل کے جواز اور عدم جواز کی دلیل قانون شریعت ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی مشیت اور اس کے حلم اور مہلت کو کسی فعل کے جواز کے دلیل نہیں بنایا جا سکتا معلوم ہوا کہ مشرکین کی یہ دلیل بالکل مہمل ہے اس لیے کہ یہ دلیل تو چور اور قزاق بھی پیش کر سکتا ہے کہ اگر میری چوری اور قزاقی خدا کے نزدیک ناپسندیدہ ہوتی تو خدا مجھے چوری ہی نہ کرنے دیتا بلکہ ہر باطل پرست یہی دلیل پیش کر سکتا ہے۔

اب اس کے بعد مشرکین کے اس قول کا دوسری طرح سے رد کرتے ہیں اے نبی! آپ ﷺ ان کے جواب میں یہ کہئے کہ کیا تمہارے پاس اس بات کی کوئی دلیل ہے کہ اللہ تمہارے شرک اور اس تحریم سے راضی ہے اور تمہارے یہ افعال قبیحہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہیں اگر تمہارے پاس کوئی علم ہے تو تم اس علم کو ہمارے سامنے نکالو اور ظاہر کرو اور پیش کرو علم سے مراد دلیل عقلی اور وحی آسمانی ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارے پاس عقلی یا نقلی دلیل اس بات کی ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے شرک سے راضی ہے تو اس کو ہمارے سامنے نکالو ہم بھی تو دیکھیں کہ وہ کیسی دلیل ہے تم اس دعوے میں محض گمان اور خیال پر چل رہے ہو کوئی دلیل تمہارے پاس نہیں اور تم نرا جھوٹ بولتے ہو کہ اللہ تمہارے شرک اور قبائح سے راضی ہے پس آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ ہی کی دلیل محکم ہے اور اس کی حجت پوری ہے اور تمہاری دلیل لغو اور مہمل ہے اس لیے کہ حجۃ بالغہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جس چیز کا وہ امر کرے وہ پسندیدہ ہے اور جس سے وہ منع کرے وہ بری اور ناپسندیدہ ہے اشیاء کے حسن وقبح کا معیار اس کا امر ونہی ہے جس چیز کا وہ امر صادر کرے وہ چیز خدا کے نزدیک مستحسن اور پسندیدہ ہے اور جس چیز سے وہ نہی یعنی ممانعت کرے وہ قبیح اور ناپسندیدہ ہے خدا تعالیٰ کی قدرت اور مشیت کو افعال کے حسن وقبح کا معیار نہیں بنایا جا سکتا اس لیے کہ اس کی قدرت کاملہ اور مشیت شاملہ ہر خیر وشر کو شامل اور متناول ہے عالم کی کوئی حرکت اور سکون بغیر اس کے ارادہ اور مشیت کے ممکن نہیں اس کی قدرت اور مشیت تمام اضداد کو حاوی ہے ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا﴾ الخ عطر اور گلاب، پاخانہ اور پیشاب، طہارت اور نجاست نور اور ظلمت ایمان اور کفر ہدایت اور ضلالت اور سعادت وشقاوت وغیرہ وغیرہ عالم میں جو کچھ بھی رونما ہو رہا ہے وہ سب اس کی قدرت اور مشیت سے ہو رہا ہے جس کو چاہتا ہے وہ عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے وہ ذلت دیتا ہے پس سمجھ لو کہ وہ ﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ﴾ اگر چاہتا تو تم سب کو ہدایت اور توفیق دے دیتا ہدایت اور ضلالت سب اس کے اختیار میں ہے لیکن اس کی مشیت یہی ہے کہ کچھ لوگ ہدایت پائیں اور کچھ گمراہ ہوں جنت اور جہنم دونوں ہی آباد ہوں وہ سب کا رزاق ہے اس کی دوزخ کے لیے بھی ایندھن درکار ہے کما قال تعالیٰ: ﴿وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ﴾ الآیۃ۔

اس کی مشیت اور حکمت کا منشا یہ ہے کہ اس کارخانہ عالم میں نور ہدایت بھی ہو اور کفر کی ظلمت بھی ہو پاخانہ اور پیشاب بھی ہو عطر اور گلاب بھی ہو کما قال تعالیٰ: ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ﴾۔

در کار خانۂ عشق از کفر ناگزیر است دوزخ کرا بسوز دگر بولہب نباشد

جس کو وہ ہدایت اور توفیق دے وہ اس کا فضل اور احسان ہے اور جس کو چاہے وہ اپنی ہدایت اور توفیق سے محروم رکھے ہدایت اور توفیق اس کی ملک ہے اور اس کے خزانۂ رحمت کی ایک نعمت ہے اس کو اپنے خزانہ کا اختیار ہے جس کو چاہے

اس میں سے کچھ دیدے اور چاہے نہ دے اس مالک مطلق پر نہ کسی کا کوئی حق ہے اور نہ کوئی قرضہ ہے ﴿وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ جو دیدے وہ اس کا فضل ہے اور جو نہ دے وہ اس کا عدل ہے غرض یہ کہ کفر اور شرک اور اسلام اور توحید بری اور اچھی ہر قسم کی چیزیں اس کی مشیت سے ہوتی ہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ اس ملیک مقتدر کی سلطنت میں کوئی چیز اور کوئی فعل بغیر اس کی مشیت کے ہو جائے ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کارخانۂ عالم میں جو مختلف اور متضاد چیزوں کا مجموعہ ہے اس میں جو اچھی چیزیں ہیں وہ اس کے نزدیک پسندیدہ ہیں اور بری چیزیں اسے ناپسند ہیں سب کو معلوم ہے کہ اس عالم میں مختلف اعمال اور مختلف افعال اور متضاد عقائد اور نظریات موجود ہیں کیا ان سب کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ خدا کے نزدیک خوش اخلاقی اور بداخلاقی اور نیکوکاری اور بدکاری اور امانت اور خیانت نکاح اور زنا سب ہی پسندیدہ ہیں؟ پس ہر کام اس کی مشیت سے ہونا اس کی دلیل نہیں کہ وہ کام اس کے نزدیک پسندیدہ بھی ہے معلوم ہوا کہ اللہ کے ارادہ اور مشیت کو کسی فعل کے جواز اور استحسان کی دلیل بنانا قطعاً غلط ہے حجۃ بالغہ بعثت رسل اور کتب منزلہ ہیں جن سے اللہ کے احکام اور اوامر اور نواہی کا علم ہوتا ہے اور اگر کفر اور شرک کے مستحسن ہونے کی یہی دلیل ہے کہ اگر خدا چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے تو پھر مسلمانوں سے کیوں مزاحمت کرتے ہو مسلمان بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر اسلام اور توحید خدا کے نزدیک پسندیدہ نہ ہوتی تو ہم مسلمان اور موحد نہ ہوتے اور نہ ہم تم سے جہاد و قتال کرتے بندہ کو چاہیے کہ اپنے افعال اور اعمال کے لیے خدا کی مشیت اور ارادہ کو بہانہ نہ بنائے بلکہ اس کے حکم اور قانون کا اتباع کرے حکم اور چیز ہے اور مشیت خداوندی اور چیز ہے خدا کی مشیت کا کسی کو علم نہیں وہ سر مکتوم ہے البتہ اللہ کا حکم پیغمبروں کے ذریعہ بندوں کو پہنچ چکا ہے بندوں پر اس کے حکم کا اتباع لازمی ہے اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجے اور کتابیں نازل کیں اور احکام سے بندوں کو آگاہ کیا اور بندوں کو ان کے سمجھنے کے لیے عقل دی اور ان کے کرنے کے لیے قدرت اور اختیار دے دیا بے شک اگر خدا چاہتا تو سب راہ راست پر آجاتے لیکن اللہ یہ چاہتا ہے کہ لوگ اپنے ارادہ اور اختیار سے راہ راست پر آئیں اس طرح اللہ تعالیٰ کی حجت بندوں پر پوری ہوگئی اور الزام قائم ہو گیا اب تم لغو حیلوں اور بہانوں سے عذاب الٰہی سے بچ نہیں سکتے لہٰذا تم کو چاہئے کہ اپنے کفر اور شرک اور گمراہی کی تاویلوں کو چھوڑ و اور اپنی گمراہی اور ڈھٹائی کو خدا تعالیٰ کی ناراضی کی علامت جانو اور سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت اور توفیق کا ارادہ نہیں فرمایا وہ اگر تم سے راضی ہوتا تم کو ہدایت اور توفیق کی دولت سے سرفراز کرتا تمہاری ضد اور ہٹ دھرمی اس کی دلیل ہے کہ خدا کا ارادہ تمہارے ذلیل کرنے کا ہے اوباشی اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذلیل کرنے کا ارادہ کیا ہے خلاصۂ کلام یہ کہ تمہارا کفر اور شرک اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ تم سے راضی ہے بلکہ تمہاری یہ گمراہی اور ہٹ دھری اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت کا ارادہ نہیں فرمایا ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ﴾۔

اب اس کے بعد ان سے دلیل نقلی کا مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اب آپ ﷺ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ تم اپنے گواہوں کو

لاؤ جو یہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے روبرو ان مذکورہ چیزوں کو حرام کیا ہے اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ ان کا یہ تحریم کا دعویٰ اپنی طرف سے ہے اس کے متعلق ان کے پاس کوئی گواہ نہیں اور واقعی ایسے گواہوں کا دستیاب ہونا قطعاً ناممکن اور محال ہے جو یہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے روبرو ان چیزوں کو حرام کیا ہے پس اگر بالفرض والتقدیر کچھ نادان اور جھوٹے اور

گستاخ بطور تعصب جھوٹی گواہی دینے پر آمادہ ہوجائیں تو آپ ﷺ ہرگز ان کے ساتھ گواہی نہ دیجئے یعنی ان کی تصدیق نہ کیجئے کیونکہ وہ لوگ اس گواہی میں صراحۃً اور بداہۃً بلاشبہ جھوٹے ہیں وہ کون ہے کہ جس کے روبرو خدا تعالیٰ نے یہ کہا کہ یہ چیزیں حرام ہیں اور شرک جائز ہے یقیناً ایسے لوگ بالکل جھوٹے ہیں اور آپ ان لوگوں کی خواہشوں پر نہ چلیے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ہمارے پیغمبروں کی تکذیب کی اور جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور اپنے پروردگار کے ساتھ دوسروں کو برابر کرتے ہیں یعنی خدا کے ساتھ شریک گردانتے ہیں۔

ان آیات کی ایک دوسری تفسیر:...... یہاں تک جو کچھ آیات مذکورہ کی تفسیر کی گئی وہ اس تقدیر پر تھی کہ مشرکین کے قول ﴿لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكْنَا﴾ سے یہ غرض ہو کہ وہ اس طرح سے اپنے کفریات اور شرکیات کا استحسان اور پسندیدۂ خداوندی ہونا ثابت کرنا چاہتے تھے جیسا کہ ان کے احوال واقوال سے ظاہر ہوتا ہے اور مفسرین کی ایک جماعت نے اس کو اختیار کیا ہے اور بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ ﴿لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكْنَا﴾ کہنے سے مشرکین کی غرض صرف اپنی معذوری اور مجبوری کا بیان کرنا تھا کہ ہم مجبور ہیں اور خدا کی مشیت کے تابع ہیں خدا ہم سے جو چاہتا ہے وہ کراتا ہے ہم بھلا یا برا جو کچھ بھی کررہے ہیں وہ اس کی مشیت سے کررہے ہیں پھر مشیت خداوندی کے مقابلہ میں انبیاء ورسل ہم سے کیوں مزاحمت کرتے ہیں اور عذاب الٰہی سے ہم کو کیوں ڈراتے ہیں سو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کا جواب دیا کہ بالکل غلط کہتے ہیں۔ پہلے زمانہ کے کافروں نے بھی اپنے پیغمبروں سے یہی کہا تھا یہاں تک کہ اللہ نے ان کے کفر وشرک کے جرم میں پکڑا اور ہلاک کیا تب معلوم ہوا کہ ان کا یہ دعویٰ کہ ہم مجبور ہیں بالکل غلط ہے اس لیے کہ (اول) تو یہ کہ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں کہ بے وجہ اور بے قصور لوگوں کو پکڑے اور ہلاک کرے۔ اللہ تعالیٰ اس سے منزہ اور پاک ہے کہ بندہ کو کسی فعل پر مجبور کرے اور پھر اس پر اس کو سزا دے (دوم) یہ کہ اگر یہ لوگ مجبور ہوتے تو عذاب دیکھ کر توبہ کیوں کرتے اور خدا سے یہ وعدہ کیوں کرتے کہ اگر ہم کو معافی دے دی جائے تو آئندہ ہم کفر اور شرک نہ کریں گے گذشتہ اعمال سے توبہ اور آئندہ کے لیے ان کے ترک کا وعدہ تو اختیاری ہی امور میں ہوسکتا ہے نہ کہ اضطراری امور میں اگر یہ لوگ گذشتہ کفر اور شرک میں مجبور تھے تو پھر یہ کہنا کہ ہم آیندہ کے لیے سچی توبہ کرتے ہیں کہ اب کفر وشرک نہ کریں گے بالکل غلط ہے جس چیز میں انسان مجبور ہو اس کے متعلق وعدہ کرنا بالکل غلط ہے خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کو اختیار عطا کیا ہے کہ اپنے ارادہ اور اختیار سے افعال کو بجالاسکے اور ان امور میں اللہ کی مشیت بندہ کے ارادہ اور مشیت کے تابع ہوتی ہے بندہ جیسا ارادہ کرتا ہے اللہ کی مشیت بھی اس کے موافق ہوتی ہے مگر بعض مواقع میں اللہ کی مشیت قاہرہ ہوتی ہے کہ بندہ کے ارادہ اور مشیت کے خلاف ہوتی ہے تو ایسی صورت میں بندہ سے عذاب دفع ہوجاتا ہے اس لیے کہ اس صورت میں بندہ جماد لایعقل کی طرح ہوجاتا ہے اور وہ اپنی حرکات وسکنات میں شجر وحجر کی طرح مجبور ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص خود اپنے کو چھت سے گرا دیوے یا خود کنویں میں کود پڑے تو یہ شخص مجرم ہے اور قابل ملامت ہے کیونکہ یہ اس کا اختیاری فعل ہے اور اگر کسی کا قدم پھسل جائے اور چھت سے گر جائے یا بے اختیار پیر پھسل جانے سے کنویں میں گر جائے تو وہ معذور ہے کیونکہ اس گرنے میں اس کے ارادہ اور اختیار کو دخل نہ تھا اور اہل عقل کے نزدیک ان دونوں صورتوں میں فرق ظاہر ہے۔

رہی خدا تعالیٰ کی مشیت اور اس کی تقدیر سو اس کا کسی کو بھی علم نہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و حکمت سے ہر چیز کو تقدیر میں لکھدیا ہے مگر کسی کو یہ پتہ نہیں دیا کہ اس نے تقدیر میں کیا لکھا ہے البتہ دنیا میں کاروبار کرنے کے لیے اس نے بندہ کو قدرت اور اختیار عطا فرمایا تا کہ بندہ اس خداداد قدرت واختیار سے اپنا کام چلا سکے اور حق اور باطل میں فرق کرنے کے لیے اس کو عقل و شعور عطا کیا اور بندوں کی ہدایت کے لیے پیغمبروں کو بھیجا جن کو وحی اور الہام کی دولت کے علاوہ ایسی عقل کامل عطا فرمائی جو حدا عجاز کو پہنچی ہوئی تھی اور ان کے ذریعہ سے بندوں کو آگاہ کیا کہ کونسی چیز مرضی الٰہی کے مطابق ہے اور کونسی چیز مرضی الٰہی کے خلاف اور حق اور باطل کی راہیں الگ الگ کر کے تم کو بتلا دی گئیں اب ایمان اور کفر اور گلاب اور پیشاب دونوں تمہارے سامنے رکھے ہوئے ہیں اور تمہاری عقل اور اختیار کی آزمائش ہے کہ تم کس کو اختیار کرتے ہو بس اگر کوئی بدعقل بجائے عرق گلاب کے پیشاب پی جائے اور جواز کے لیے یہ دلیل پیش کرنے لگے کہ اگر خدا چاہتا تو میں پیشاب نہ پیتا میں تو مجبور ہوں خدا نے جو میری تقدیر میں لکھ دیا ہے میں اس کے خلاف کیسے کر سکتا ہوں کوئی ادنیٰ عقل والا بھی اس دلیل کو قبول نہ کرے گا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی حجت بالغہ موجود ہے یعنی خداداد قدرت واختیار اور خداداد عقل و شعور موجود ہے اور سامنے ہے اور اس کی مشیت اور تقدیر امر غیبی ہے اس کا کسی کو بھی علم نہیں اور مزید برآں انبیاء کرام علیہم السلام کی نصیحتیں اور ہدایتیں کہ یہ چیز پسندیدہ ہے اور یہ چیز ناپسندیدہ ہے اس کے لیے مشعل راہ ہیں اس پر اللہ کی حجت پوری ہو چکی ہے اس کے بعد بھی اگر کوئی بدعقل گلاب کو چھوڑ کر پیشاب پینے لگے تو یہی کہا جاتا ہے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور توفیق سے محروم ہے اسی طرح کسی کفر اور گمراہی کو اختیار کرنا اس بات کی علامت ہے کہ اس کی قسمت میں ہدایت نہیں رکھی گئی۔

خلاصۂ جواب: ...... یہ ہے کہ بے شک ہر چیز خدا ہی کی مشیت سے ہوتی ہے مگر اس کی تقدیر اور مشیت کا کسی کو علم نہیں البتہ خدا تعالیٰ نے بندہ کو حق اور باطل میں فرق کرنے کے لیے عقل اور شعور عطا کیا ہے اور فعل اور عمل کے لیے قدرت اور اختیار بھی دیا ہے جسے وہ اپنے موقع اور محل پر استعمال کر سکے۔ پس جو شخص اس خداداد عقل و شعور، قدرت اور اختیار کو اپنے موقع اور محل پر استعمال نہ کرے اس پر اللہ تعالیٰ کا الزام اور حجت پوری ہے کہ باوجود عقل اور شعور کے اور باوجود قدرت اور اختیار کے اور باوجود انبیاء کرام علیہم السلام کی نصیحتوں اور ہدایتوں کے حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف کیوں دوڑا جا رہا ہے (دیکھو تفسیر کبیر: ۱۷۱/۴)

فائدہ: طاعت و معصیت کی حقیقت

طاعت اور معصیت یہ دونوں لفظ آپس میں ایک دوسرے کی نقیض ہیں طاعت کے لغوی معنی متابعت اور پیروی کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں حکم خداوندی کی تعمیل اور پیروی کا نام طاعت ہے اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور مشیت ازلیہ کی موافقت کا نام طاعت نہیں مشرکین نے یہ سمجھا کہ مشیت خداوندی کی موافقت کا نام طاعت ہے اور یہ غلط ہے تعمیل حکم اور امتثال امر کا نام طاعت ہے ارادۂ خداوندی اور مشیت ازلیہ کی موافقت کا نام طاعت نہیں اللہ کے ارادہ اور مشیت کا کسی کو علم نہیں اور حکم خداوندی کی مخالفت کا نام معصیت ہے یا یوں کہو کہ دائرۂ طاعت سے خروج کا نام معصیت ہے۔

(هذا كله، توضيح ما قاله [1] الاستاذ الامام عبد القاهر البغدادى فى كتابه اصول الدين ص: ۲۵۱)

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ

تو کہہ تم آؤ میں سنا دوں جو حرام کیا ہے تم پر تمہارے رب نے کہ شریک نہ کرو اس کے ساتھ کسی چیز کو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو

تو کہہ، آؤ میں سنادوں جو حرام کیا ہے تم پر تمہارے رب نے، کہ شریک نہ کرو اس کے ساتھ کسی چیز کو، اور ماں باپ سے نیکی۔

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ ۖ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ ۖ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ

اور مار نہ ڈالو اپنی اولاد کو مفلسی سے ہم رزق دیتے ہیں تم کو اور ان کو ف۱ اور پاس نہ جاؤ بےحیائی کے کام کے

اور مار نہ ڈالو اپنی اولاد مفلسی سے، ہم رزق دیتے ہیں تم کو اور ان کو، اور نزدیک نہ ہو بےحیائی کے کام سے،

مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۖ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكُمْ

جو ظاہر ہو اس میں سے اور جو پوشیدہ ہو ف۲ اور مار نہ ڈالو اس جان کو جس کو حرام کیا ہے اللہ نے مگر حق پر ف۳ تم کو یہ حکم کیا ہے

جو کھلا ہو اس میں اور جو چھپا۔ اور مار نہ ڈالو جان جس کو حرام کیا اللہ نے، مگر حق پر۔ تم کو

وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١٥١﴾ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ

تاکہ تم سمجھو ف۴ اور پاس نہ جاؤ یتیم کے مال کے مگر اس طرح سے کہ بہتر ہو یہاں تک کہ

کہہ دیا ہے، شاید تم سمجھو۔ اور پاس نہ جاؤ یتیم کے مال کے، مگر جس طرح بہتر ہو، جب تک

ف۱ عرب مفلسی کی وجہ سے بعض اوقات اولاد کو قتل کر دیتے تھے کہ خود ہی کھانے کو نہیں اولاد کو کہاں سے کھلائیں۔ اسی لئے فرمایا کہ رزق دینے والا تو خدا ہے تم کو بھی اور تمہاری اولاد کو بھی۔ دوسری جگہ بجائے "مِنْ إِمْلَاقٍ" "خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ" فرمایا ہے یعنی مفلسی کے ڈر سے قتل کر ڈالتے تھے۔ یہ ان کا ذکر ہوگا جو فی الحال مفلس نہیں مگر ڈرتے ہیں کہ جب عیال زیادہ ہونگے تو کہاں سے کھلائیں گے چونکہ پہلے طبقہ کو عیال سے پہلے اپنی روٹی کی فکر ستا رہی تھی اور دوسرے کو زیادہ عیال کی فکر نے پریشان کر رکھا تھا، شاید اسی لئے یہاں من املاق کے ساتھ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ اور اس آیت میں خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ کے ساتھ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ارشاد فرمایا۔ واللہ اعلم۔

ف۲ "پاس نہ جاؤ" سے شاید یہ مراد ہو کہ ایسے کاموں کے مبادی و وسائل سے بھی بچنا چاہئے، مثلاً زنا کی طرح نظر بد سے بھی اجتناب لازم ہے۔

ف۳ إِلَّا بِالْحَقِّ کا استثناء ضروری تھا۔ جس میں قاتل عمد، زانی محصن اور مرتد عن الاسلام کا قتل داخل ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں اس کی تصریح وارد ہو چکی اور ائمہ مجتہدین اس پر اجماع کر چکے ہیں۔

ف۴ اس آیت سے ان چیزوں کا حرام ہونا ثابت ہوا (۱) شرک باللہ (۲) والدین کے ساتھ بدسلوکی (۳) قتل اولاد (۴) سب بےحیائی کے کام مثلاً زنا وغیرہ (۵) کسی شخص کو ناحق قتل کرنا۔

---

[1] قال الاستاذ عبد القاهر البغدادى قال اصحابنا ان الطاعة هى المتابعة واختلف المتكلمون فى حقيقتها فقالت القدرية انها موافقة الارادة وان كل من فعل مراد غيره فقد اطاعه والزم الجبائى على هذا كون البارى تعالىٰ مطيعا لعبده اذا فعل مراده فالتزم ذلك وكفرته الامة وقال اصحابنا ان الطاعة موافقة الامر فكل من امتثل امر غيره صار مطيعا له وسؤالنا ربنا ليس بامر فلذلك لم يكن مطيعا لنا وان اجابنا فيما سالناه وللعصيان فى اللغة معنيان احدهما معنى الذنب والخروج عن الطاعة الواجبة والثانى الامتناع عن الشيئ والمعصية نقيض الطاعة فكما ان الطاعة موافقة الامر كذلك المعصية مخالفة الامر انتهى كلامه فى كتاب اصول الدين، ص: ۲۵۔

يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا

پہنچ جاوے اپنی جوانی کو ف۱ اور پورا کرو ناپ اور تول کو انصاف سے ہم کسی کے ذمہ وہی چیز لازم کرتے ہیں جس کی اس کو طاقت ہو ف۲ اور جب

وہ پہنچے اپنی قوت کو، اور پوری کرو ناپ اور تول انصاف سے۔ ہم کسی پر وہی رکھتے ہیں جو اس کو مقدور ہے۔ اور جب

قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ

بات کہو تو حق کی کہو اگرچہ وہ اپنا قریب ہی ہو ف۳ اور اللہ کا عہد پورا کرو ف۴ تم کو یہ حکم کر دیا ہے تاکہ تم

بات کہو تو حق کی کہو، اگرچہ وہ ہو اپنے ناتے والا۔ اور اللہ کا قول پورا کرو۔ یہ تم کو کہہ دیا ہے شاید تم

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ

نصیحت پکڑو اور حکم کیا کہ یہ راہ ہے میری سیدھی سو اس پر چلو اور مت چلو اور رستوں پر کہ وہ تم کو جدا کر دیں گے

دھیان رکھو۔ اور کہا، یہ راہ ہے میری سیدھی، سو اس پر چلو۔ اور مت چلو کئی راہیں، پھر تم کو پھٹادیں گے

عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا

اللہ کے راستہ سے ف۵ یہ حکم کر دیا ہے تم کو تاکہ تم بچتے رہو پھر دی ہم نے موسیٰ کو کتاب واسطے پورا کرنے نعمت کے

اس کی راہ سے۔ یہ کہہ دیا ہے تم کو، شاید تم بچتے رہو۔ پھر دی ہم نے موسیٰ کو کتاب، پورا فضل

عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ

نیک کام والوں پر اور واسطے تفصیل ہر شے کے اور ہدایت اور رحمت کے تاکہ وہ لوگ اپنے رب کے ملنے کا

نیکی والے پر اور بیان ہر چیز کا، اور ہدایت اور مہر، شاید وہ لوگ اپنے رب کا ملنا

يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ ع ۱۹

یقین کریں ف۶ اور ایک یہ کتاب ہے کہ ہم نے اتاری برکت والی سو اس پر چلو اور ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحمت ہو ف۷ اس واسطے کہ

یقین کریں۔ اور ایک یہ کتاب ہے کہ ہم نے اتاری برکت کی، سو اس پر چلو اور بچتے رہو، شاید تم پر رحم ہو۔ اس واسطے کہ

ف۱ یتیم کے مال میں بے جا تصرف کرنا حرام ہے۔ ہاں بہتر و مشروع طریقہ سے احتیاط کے ساتھ اس میں ولی یتیم تصرف کر سکتا ہے۔ جب یتیم جوان ہو جائے اور اپنے فرائض کو سنبھال سکے تو اس کے حوالہ کر دیا جائے۔

ف۲ یعنی اپنی طاقت کے موافق ان احکام کی بجا آوری میں کوشش کرو اسی کے تم مکلف ہو۔ خدا کسی کو اس کی قدرت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

ف۳ یعنی حق و انصاف کی بات کہنے میں کسی کی قرابت و محبت مانع نہ ہونی چاہئے۔

ف۴ اس کے اوامر و نواہی پر پابندی سے عمل کرو۔ خدا کے لئے جو نذر مانو یا قسم کھاؤ بشرطیکہ غیر مشروع بات کی نہ ہو اسے پورا کرنا چاہئے۔

ف۵ یعنی احکام مذکورہ بالا کی پابندی اور خدا کے عہد کو اعتقاداً و عملاً پورا کرنا یہی صراط مستقیم (سیدھی راہ) ہے جس کی طلب سورۃ فاتحہ میں تلقین کی گئی تھی۔ یہ راہ تم کو دکھلا دی گئی اب چلنا تمہارا کام ہے۔ جو کوئی اس کے سوا دوسرے راستہ پر چلا وہ خدا کے راستہ سے بھٹکا۔

ف۶ معلوم ہوتا ہے کہ جو احکام اوپر ﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ﴾ سے پڑھ کر سنائے گئے یہ ہمیشہ سے جاری تھے۔ تمام انبیاء اور شرائع کا ان پر اتفاق رہا کیا۔ بعدہ، حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات اتاری جس میں احکام شرع کی مزید تفصیل درج تھی۔ تورات عطا فرما کر اس زمانہ کے =

تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ

کبھی تم کہنے لگو کہ کتاب جو اتری تھی سو ان ہی دو فرقوں پر جو ہم سے پہلے تھے اور ہم کو تو ان کے پڑھنے پڑھانے کی

کبھی کہو کتاب جو اتری تھی سو دو ہی فرقوں پر ہم سے پہلے، اور ہم کو ان کے پڑھنے پڑھانے کی

لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ

خبر ہی نہ تھی ف۱ یا کہنے لگو کہ اگر ہم پر اترتی کتاب تو ہم تو راہ پر چلتے ان سے بہتر سو آچکی تمہارے پاس

خبر نہ تھی۔ یا کہو، اگر ہم پر اترتی کتاب تو ہم راہ چلتے ان سے بہتر، سو آ چکی تم کو

بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ

حجت تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ف۲ اب اس سے زیادہ ظالم کون جو جھٹلاوے اللہ کی آیتوں کو اور ان سے کتراوے

تمہارے رب سے شاہدی، اور ہدایت اور مہربانی۔ اب اس سے بے انصاف کون؟ جو جھٹلاوے اللہ کی آیتیں اور ان سے کترا دے۔

سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ هَلْ

ہم سزا دیں گے ان کو جو ہماری آیتوں سے کتراتے ہیں برا عذاب بدلے میں اس کترانے کے ف۳ کا ہے کی

ہم سزا دیں گے کترانے والوں کو ہماری آیتوں سے بری طرح کی مار، بدلہ اس کترانے کا۔ کا ہے کی

= نیک کام کرنے والوں پر خدا نے اپنی نعمت پوری کر دی۔ ہر ضروری چیز کو شرح و بسط سے بیان فرما دیا اور ہدایت و رحمت کے ابواب مفتوح کر دیے تاکہ اسے سمجھ کر لوگ اپنے پروردگار سے ملنے کا کامل یقین حاصل کریں۔

ف۲ یعنی تورات تو تھی ہی جیسی کچھ تھی لیکن ایک یہ کتاب ہے (قرآن کریم) جو اپنے درخشاں اور ظاہر و باہر حسن و جمال کے ساتھ تمہارے سامنے ہے اس کی خوبصورتی اور کمال کا کیا کہنا۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ اس کی ظاہری و باطنی برکات اور صوری و معنوی کمالات کو دیکھ کر بے اختیار کہنا پڑتا ہے۔

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد   برنگ اصحاب صورت را بہ بو ارباب معنی را

اب دائیں بائیں دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ اگر خدا کی رحمت سے حظ وافر لینا چاہتے ہو تو اس آخری اور مکمل کتاب پر چل پڑو اور خدا سے ڈرتے رہو کہ اس کتاب کے کسی حصہ کی خلاف ورزی ہونے نہ پائے۔

ف۱ یعنی اس مبارک کتاب (قرآن کریم) کے نزول کے بعد عرب کے امیین کے لئے یہ کہنے کا بھی موقع نہیں چھوڑا گیا کہ پیشتر جو آسمانی کتابیں شرائع الٰہیہ کو لے کر اتریں وہ تو ہمارے علم کے موافق انہی دو فرقوں (یہود و نصاریٰ) پر اتریں بیشک وہ لوگ آپس میں اسے پڑھتے پڑھاتے تھے اور بعضے اس کا ترجمہ بھی عربی میں کرتے تھے مثلاً ورقہ بن نوفل وغیرہ اور بہت سے مدت تک اس دھن میں لگے رہے کہ عرب کو یہودی یا نصرانی بنالیں لیکن ہمیں ان کی تعلیم و تدریس سے کوئی سروکار نہیں رہا۔ اس سے بحث نہیں کہ یہود و نصاریٰ جو کچھ پڑھتے پڑھاتے تھے وہ چیز کہاں تک اپنی اصلی سماوی صورت میں محفوظ تھی۔ مطلب صرف اس قدر ہے کہ ان شرائع و کتب کی اصلی مخاطب فقط قوم بنی اسرائیل تھی۔ خواہ اس تعلیم کے بعض اجزاء مثلاً توحید اور اصول دینیہ کی دعوت کو وسعت دے کر بنی اسرائیل کے سوا دوسری اقوام کے حق میں بھی عام کر دیا گیا ہو تاہم جو شریعت اور کتاب سماوی بہیات مجموعی کسی خاص قوم پر اسی کے مخصوص فائدہ کے لئے اتری ہو اس کے درس و تدریس سے اگر دوسری اقوام خصوصاً عرب جیسی غیور و خود دار قوم کو دلچسپی اور لگاؤ نہ ہو تو کچھ مستبعد نہیں، بنابریں وہ کہہ سکتے تھے کہ کوئی آسمانی کتاب و شریعت ہماری طرف نہیں آئی اور جو کسی مخصوص قوم کے لئے آئی اس سے ہم نے چنداں واسطہ نہیں رکھا پھر ہم ترک شرائع پر کیوں ماخوذ ہوں گے۔ مگر آج ان کے لئے اس طرح کے حیلے حوالوں کا موقع نہیں رہا۔ خدا کی حجت اس کی روشن کتاب اور ہدایت و رحمت عامہ کی بارش خاص ان کے گھر میں اتاری گئی۔ تاکہ وہ اولاً اس سے مستفید ہوں، پھر اس امانت الٰہیہ کو تمام احمر و اسود اور مشرق و مغرب کے باشندوں تک حفاظت و احتیاط کے ساتھ پہنچا دیں۔ کیونکہ یہ کتاب کسی خاص قوم و ملک کے لئے نہیں اتاری گئی۔ اس کا مخاطب تو سارا جہان ہے۔ چنانچہ خدا کے فضل و توفیق سے عرب کے ذریعہ سے خدا کا یہ =

يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ

راہ دیکھتے ہیں لوگ مگر یہی کہ ان پر آئیں فرشتے یا آئے تیرا رب یا آئے کوئی نشانی تیرے رب کی جس دن آئے گی

راہ دیکھتے ہیں لوگ مگر یہی کہ ان پر آویں فرشتے، یا آوے تیرا رب، یا آوے کوئی نشان تیرے رب کا؟ جس دن آوے گا

بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ

ایک نشانی تیرے رب کی کام نہ آئے گا کسی کے اس کا ایمان لانا جو کہ پہلے سے ایمان نہ لایا تھا یا اپنے ایمان میں کچھ

ایک نشان تیرے رب کا، کام نہ آوے گا ایمان لانا کسی کو، جو پہلے سے ایمان نہ لایا تھا، یا اپنے ایمان میں کچھ

اِيْمَانِهَا خَيْرًا ۭ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝۱۵۸

نیکی نہ کی تھی تو کہہ دے تم راہ دیکھو ہم بھی راہ دیکھتے ہیں ف۱

نیکی نہ تھی۔ تو کہہ راہ دیکھو، ہم بھی راہ دیکھتے ہیں۔

= عام اور آخری پیغام آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچ گیا۔ والحمد للہ علی ذٰلک۔

ف۲ یعنی پہلی امتوں کا حال سن کر شاید تم کو ہوس ہوتی اور دل میں ولولہ اٹھتا کہ ہمارے پاس خدا کی کتاب آتی تو ہم دوسروں سے بڑھ کر عمل کر کے دکھلاتے۔ سو تم کو ان سے بہتر کتاب دے دی گئی۔ اب دیکھیں کون کیا کام کر کے دکھلاتا ہے۔

ف۳ اب ایسی بے مثال روشن کتاب آنے کے بعد اگر اس کی آیتوں کو کوئی جھٹلائے اور اس کے احکام قبول کرنے سے کترائے یا دوسروں کو روکے، اس سے بڑا ظالم کون ہوگا (تنبیہ) صَدَفَ عَنْهَا کے دونوں معنی سلف سے منقول ہیں "روکنا" اور "اعراض کرنا"۔ مترجم علام نے دوسرے معنی لے کر "کترائے" ترجمہ کیا ہے۔

ف۱ یعنی اللہ کی طرف سے ہدایت کی جو حد تھی وہ پوری ہو چکی، انبیاء تشریف لائے، شریعتیں اتریں کتابیں آئیں حتیٰ کہ اللہ کی آخری کتاب بھی آ چکی، تب بھی نہیں مانتے تو شاید اب اس کے منتظر ہیں کہ اللہ آپ آئے یا فرشتے آئیں یا قدرت کا کوئی بڑا نشان (مثلاً قیامت کی کوئی بڑی علامت) ظاہر ہو تو یاد رہے کہ قیامت کے نشانوں میں سے ایک نشان وہ بھی ہے جس کے ظاہر ہونے کے بعد نہ کافر کا ایمان لانا معتبر ہوگا نہ عاصی کی توبہ۔ صحیحین کی احادیث بتلاتی ہیں کہ یہ نشان آفتاب کا مغرب سے طلوع کرنا ہے۔ یعنی جب خدا کا ارادہ ہوگا کہ دنیا کو ختم کرے اور عالم کا موجودہ نظام درہم برہم کر دیا جائے تو موجودہ قوانین طبیعیہ کے خلاف بہت سے عظیم الشان خوارق وقوع میں آئیں گے ان میں سے ایک یہ ہے کہ آفتاب مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہوگا۔ غالباً اس حرکت مقلوبی اور رجعت قہقری سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہو کہ جو قوانین قدرت اور نوامیس طبیعیہ دنیا کے موجودہ نظم ونسق میں کارفرما تھے، ان کی میعاد ختم ہونے اور نظام شمسی کے الٹ پلٹ ہو جانے کا وقت آ پہنچا ہے۔ گویا اس وقت سے عالم کبیر کے نزع اور جانکنی کی جانکنی کے عالم صغیر (انسان) ہوتا ہے اور جس طرح کا وقت شروع وقت کا ایمان اور توبہ مقبول نہیں کیونکہ وہ حقیقت میں اختیاری نہیں ہوتا، اسی طرح طلوع الشمس من المغرب کے بعد مجموعہ عالم کے حق میں یہ ہی حکم ہوگا کہ کسی کا ایمان و توبہ معتبر نہ ہو۔ بعض روایات میں طلوع الشمس من مغربہا کے ساتھ چند دوسرے نشانات بھی بیان ہوئے ہیں مثلاً خروج دجال، خروج دابہ وغیرہ۔ ان روایات کی مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب ان سب نشانات کا مجموعہ متحقق ہوگا اور وہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ طلوع الشمس من المغرب بھی متحقق ہو تو دروازہ توبہ کا بند کر دیا جائے گا الگ الگ ہر نشان پر یہ حکم متفرع نہیں۔ ہمارے زمانہ کے بعض ملحدین جو ہر غیر معمولی واقعہ کو استعارہ کا رنگ دینے کے خوگر ہیں وہ طلوع الشمس من المغرب کو بھی استعارہ بنانے کی فکر میں ہیں۔ غالباً ان کے نزدیک قیامت کا آنا بھی ایک طرح کا استعارہ ہی ہوگا۔ (تنبیہ) یہ جو کہا کہ "آئیں فرشتے یا آئے تیرا رب" اس کی تفسیر "سیقول" کے نصف پر آیت ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ﴾ کے تحت میں گزر چکی وہاں دیکھ لیا جائے اور جملہ "اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا" کا عطف "اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ" پر ہے اور تقدیر عبارت کی ابن المنیر وغیرہ محققین کے نزدیک یوں ہے لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا او کسبہا خیرا لم تکن امنت من قبل اولم تکن کسبت فی ایمانہا خیرا یعنی جو پہلے سے ایمان نہیں لایا اس وقت اس کا ایمان نافع نہ ہوگا اور جس نے پہلے سے کسب خیر نہ کیا اس کا کسب خیر نافع نہ ہوگا۔ (یعنی توبہ قبول نہ ہوگی)۔

بیان اصول محرمات دربارۂ اقوال وافعال وتلقین مکارم اخلاق ومحاسن اعمال

قال تعالیٰ: ﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ... الی... قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ﴾

ربط:...... گذشتہ آیات میں جب حق تعالیٰ کافروں کی حرام کردہ چیزوں کو باطل کر چکے اور کھانے اور پینے کے متعلق جو چیزیں من جانب اللہ حرام تھیں ان کا ذکر ہو چکا تو اب ان آیات میں ان حرام چیزوں کو بیان کرتے ہیں جو اقوال اور افعال سے متعلق ہیں ان آیتوں میں بالترتیب دس چیزوں کو ذکر فرمایا جن میں اللہ نے معاش اور معاد کی صدہا حکمتیں رکھی ہیں۔

۱- خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔

۲- ماں باپ کے ساتھ سلوک اور احسان کرو اور ان کے ساتھ برائی نہ کرو

۳- اپنی اولاد کو فقر اور تنگ دستی کے خیال سے قتل نہ کرو۔

۴- بے حیائیوں کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔

۵- کسی کا ناحق خون نہ کرو۔

۶- یتیموں کے مال میں ناحق تصرف نہ کرو۔

۷- ناپ تول میں کمی نہ کرو۔

۸- ناانصافی کی بات نہ کہو۔

۹- اللہ کے عہد کو پورا کرو خلاف عہد کوئی کام نہ کرو۔

۱۰- صراط مستقیم کا اتباع کرو سیدھے راستہ سے ہرگز نہ ہٹو۔

اس کے بعد اجمالاً یہ ارشاد فرمایا کہ آپ ﷺ ان مشرکین سے یہ کہہ دیجئے کہ یہ میرا طریقہ ہے اور میرا راستہ ہے جو بالکل سیدھا ہے اس کا اتباع کرو یہی خدا کے نزدیک پسندیدہ ہے پھر اخیر میں توریت کا ذکر فرمایا کہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی تفصیل کر دی ہے اشارہ اس طرف ہے کہ جن چیزوں کی حرمت اوپر بیان ہوئی کچھ شریعت محمدیہ کے ساتھ مخصوص نہیں موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی یہ چیزیں حرام تھیں بلکہ تمام انبیاء کی شریعتوں میں یہ چیزیں حرام رہی ہیں اور جو اس طریق مستقیم سے اعراض اور انحراف کرے وہ بڑا ہی ظالم ہے چنانچہ فرماتے ہیں آپ ﷺ ان مشرکین سے کہہ دیجئے کہ تم ناحق خدا تعالیٰ پر افتراء کرتے ہو کہ خدا نے فلاں فلاں چیز حرام کی ہے آؤ میں تم کو وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے رب نے واقعی تم پر حرام فرمایا ہے وہ چیزیں یہ ہیں (اول) یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ پس شریک ٹھہرانا حرام ہوا اور (دوسرے) یہ کہ ماں باپ کے ساتھ احسان کیا کرو پس ان سے بری طرح پیش آنا حرام ہوا اور (تیسرے) یہ کہ اپنی اولاد کو افلاس کے سبب قتل مت کیا کرو زمانہ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ افلاس کے خوف سے اپنی اولاد کو زندہ درگور کر دیتے تھے کیونکہ ہم تم کو اور ان کو رزق مقدر دیں گے وہ تمہارے رزق مقدر میں شریک نہیں پس اولاد کا قتل کرنا حرام ہوا اللہ سب کو روزی دیتا ہے لہٰذا تم اللہ پر بھروسہ رکھو اور (چوتھے) یہ کہ بے حیائی یعنی بدکاری کی باتوں کے پاس بھی نہ جاؤ خواہ وہ بے حیائی علانیہ ہو

یا پوشیدہ ہر بے حیائی حرام ہے خواہ لوگوں کو اس کا علم ہو یا نہ ہو اور (پانچویں) یہ کہ جس کا خون کرنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو قتل مت کرو مگر حق شرعی کی بنا پر اس کا قتل جائز ہے مثلاً قصاص یا رجم میں یا ارتداد میں پس قتل ناحق حرام ہوا اور اس سب کا اللہ تعالیٰ نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم ان کو سمجھو اور سمجھ کر عمل کرو اور (چھٹے) یہ کہ یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ یعنی اس میں بے جا تصرف نہ کرو مگر ایسے طریقہ سے تصرف کی اجازت ہے جو شرعاً بہت اچھا ہو۔ یعنی اس کی اصلاح اور اس کے بڑھانے کی نیت سے اس میں تصرف کرو یہاں تک کہ وہ اپنے سن بلوغ کو پہنچ جائے اس کے بعد اس کا مال اس کو دے دیا جائے۔ بشرطیکہ سفیہ یعنی بیوقوف نہ ہو پس تصرف غیر مشروع مال یتیم میں حرام ہوا اور (ساتویں) یہ کہ ناپ اور تول پوری پوری کیا کرو انصاف کے ساتھ نہ کسی کو کم کر دو اور نہ کسی سے زیادہ لو نہ کسی کا حق اپنے پاس رہے نہ آئے۔ پس آپس میں دغا کرنا حرام ہوا اور آگے بتلاتے ہیں کہ یہ احکام کچھ دشوار نہیں کیونکہ ہم کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے پھر ان احکام مذکور میں کوتاہی کی کیا وجہ ہے اور (آٹھویں) یہ کہ جب تم فیصلہ یا شہادت وغیرہ کے متعلق کوئی بات کہو تو اس میں انصاف کا خیال رکھو گو وہ شخص جس کے مقابلہ میں وہ بات کہہ رہے ہو قرابت دار ہی کیوں نہ ہو مطلب یہ ہے کہ حق کے مقابلہ میں رشتہ داروں کی رعایت نہ کرو سچ سچ بیان کرو خواہ کسی کا نفع ہو یا نقصان پس خلاف عدل حرام ہوا اور (نویں) یہ کہ اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا کرو جیسے قسم اور نذر اس کو پورا کیا کرو بشرطیکہ وہ نذر اور قسم خلاف شرع نہ ہو پس اس کا عدم ایفاء یعنی نقض عہد حرام ہوا ان سب باتوں کی اللہ نے تم کو وصیت کی ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو اور اس پر عمل کرو اور (دسویں) یہ کہ تحقیق یہ دین اسلام میرا سیدھا راستہ ہے سو تم اس پر چلو مجھ تک پہنچ جاؤ گے لفظ ''ہذا'' کا اشارہ پورے دین اسلام کی طرف ہے جو احکام مذکورہ کے ضمن میں اجمالاً مفہوم ہو چکا ہے اس لیے کہ یہ احکام مذکورہ گو ظاہر میں چند احکام ہیں مگر حقیقت میں سارے اسلام کا خلاصہ ہیں کیونکہ ان میں عقائد اور معاملات اور معاشرات اور عبادات کے مہتم بالشان امور سب مذکور ہیں اور اہتمام کی وجہ یہ ہے کہ یہ احکام کسی شریعت میں کبھی منسوخ نہیں ہوئے اس طرح یہ چند احکام گویا تمام شریعت کا خلاصہ ہیں ان عقائد اور اعمال کا ذکر بطور تخصیص نہیں بلکہ بطور تمثیل ہے اور مقصود صراط اسلام کا اتباع ہے جو تمام اصول و فروع کو حاوی ہے۔

نکتہ ۱:...... اس آیت ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ﴾ میں لفظ ''صراط'' کو نبی اکرم ﷺ کی طرف مضاف فرمایا اور حضور کو حکم ہوا کہ لوگوں سے کہہ دیں کہ یہ میرا راستہ ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ راستہ تو حقیقت میں اللہ کا ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ مگر خدا تعالیٰ کے راستہ کے داعی اور ہادی حضور پرنور ﷺ ہی ہیں آپ ﷺ ہی کی ہدایت اور رہنمائی سے یہ راستہ طے ہوتا ہے اس لیے اس آیت میں صراط کو حضور پرنور ﷺ کی طرف مضاف کر دیا گیا جیسا کہ دوسری آیت میں دین اسلام کو حضور پرنور ﷺ کا راستہ کہا گیا ہے ﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ﴾ اور اسلام کو حضور پرنور ﷺ کا راستہ کہنا بطور دعوت اور ہدایت کے ہے کہ آپ اس راستہ کے داعی اور ہادی ہیں ورنہ حقیقت میں وہ صراط اللہ کا ہے دوسرا فائدہ اس اضافت میں یہ ہے کہ سالکان راہ آخرت کو تسلی دینا مقصود ہے کہ تم گھبرانا نہیں میں بھی اسی راستہ پر چل رہا ہوں اور اسی راستہ پر چل کر ہم

سب خدا تعالیٰ تک پہنچیں گے مگر شرط یہ ہے کہ تم سب میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ میرے بغیر خدا کا راستہ قطع نہیں ہوسکتا۔

بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق   عمر بگذشت ونشد آگاہِ عشق
گر ہوائے ایں سفر داری ولا   دامنِ رہبر بگیر وپس برآ

نکتہ ۲:...... اور ﴿مُسْتَقِيْمًا﴾ کے معنی یہ ہیں کہ یہ راستہ سیدھا ہے لفظ مستقیم کے معنی ایک لغوی ہیں یعنی "اقصر الخطوط الواصلة بين النقطتين" (دونقطوں کے درمیان جو خطوط واصل ہوسکیں ان میں جو سب سے چھوٹا خط ہو وہ معنی لغوی کے اعتبار سے خط مستقیم ہے) اور ایک معنی عرفی ہیں یعنی بے خوف وخطر راستہ۔ عرف میں راہ راست اس راستہ کو کہتے ہیں جس میں کوئی خطرہ نہ ہو جیسے کہا کرتے ہیں کہ فلاں گاؤں کا سیدھا راستہ یہ ہے اس راستہ سے چلے جاؤ حالانکہ اس میں موڑ بھی آتے ہیں مگر مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ راستہ بے خطر ہے اس میں تم کو غلطی پیش نہ آئے گی صاف سڑک پڑی ہوئی ہے اور یہی عرفی معنی اس شعر میں مراد ہیں۔

ع- راہ راست برو گرچہ دوراست

اگر راہ راست کے عرفی معنی نہ لیے جائیں تو پھر لفظ اگرچہ "دوراست" صحیح نہیں ہوسکتا کیونکہ جو راستہ لغۃً مستقیم ہوگا وہ اوروں سے دور نہیں ہوسکتا بلکہ اس کے لیے اقصر الطرق ہونا لازم ہے جن لوگوں کو مستقیم کے لغوی اور عرفی معنی میں فرق معلوم نہیں وہ اس شعر کو حل نہیں کرسکتے۔

اب آیت کا مطلب سنیئے کہ دین اسلام کے متعلق ﴿مُسْتَقِيْمًا﴾ کے دونوں معنی مراد ہوسکتے ہیں کیونکہ دین اسلام بے خطر بھی ہے اور وصول الی اللہ میں تمام طرق سے اقصر اور اقرب بھی ہے آپ کو اختیار ہے کہ مستقیماً کو معنی لغوی پر محمول کریں یا معنی عرفی پر دونوں معنی کی گنجائش ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ صرف اس سیدھے راستہ (دین اسلام) کا اتباع کرو اور دوسرے مختلف راستوں کا اتباع نہ کرو ورنہ وہ تم کو خدا کے راستہ سے دور اور جدا کردیں گے یعنی دین اسلام کے سوا جتنے راستے ہیں سب ٹیڑھے ہیں ان کا رخ دوسرا ہے دین اسلام کو چھوڑ کر جو راستہ بھی اختیار کرو گے تو خدا تک نہیں پہنچ سکو گے اسی کی یعنی اسی راستہ پر چلنے کی خدا تعالیٰ نے تم کو وصیت کی ہے یعنی تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم تقویٰ حاصل کرسکو اس لیے کہ تقویٰ اور پرہیزگاری کو چھوڑ دینا یہ حرام ہے اس اعتبار سے یہ دسواں حکم ہوا یا یوں کہو کہ دسواں حکم استقامت ہے یعنی احکام شریعت پر مضبوطی کے ساتھ ثابت قدم رہنا اور ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا﴾ میں اسی حکم استقامت کی طرف اشارہ ہے۔

ف:...... جاننا چاہیے کہ ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا﴾ میں صراط سے وہ تمام اعمال مراد ہیں جو معین آخرت اور مفید مقصود ہوں اور ﴿لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ﴾ میں وہ تمام اعمال مراد ہیں جو مانع عن الاخرت یا مضر آخرت ہوں گویا کہ یہ آیت تمام شریعت کا خلاصہ ہے

نکتہ:...... اس جگہ ﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ﴾ سے لے کر ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا﴾ تک تین آیتیں ہیں اور ہر آیت کے ختم پر حق تعالیٰ نے ﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ﴾ فرمایا لیکن پہلی آیت کے اخیر میں تو ﴿ذٰلِكُمْ

وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ فرمایا اور دوسری آیت کے ختم پر ﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ اور اس تیسری آیت کے اخیر میں ﴿ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ فرمایا اب سوال یہ ہے کہ ان عنوانات کے اختلاف میں نکتہ کیا ہے (جواب) یہ ہے کہ پہلی آیت میں جن پانچ امور کا ذکر ہے ان میں بجز احسان والدین اعتقادی امور کا ذکر ہے اس لیے اعتقادی امور کی غلطی پر متنبہ کرنے کے لیے ﴿لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ فرمایا کیونکہ اعتقادیات کا تعلق زیادہ تر عقل سے ہے اور دوسری آیت میں مخاطبین کی کسی اعتقادی غلطی کا ذکر نہ تھا بلکہ وہ احکام عمل کے متعلق ہیں جن میں وہ سہو اور تغافل کرتے تھے اس لیے وہاں تذکرون کا لفظ مناسب ہوا اور تیسری آیت میں کسی خاص حکم کا بیان نہیں بلکہ حکم عام ہے یعنی صراط مستقیم کی اتباع کا حکم ہے اس لیے وہاں تتقون کا لفظ مناسب ہوا کیونکہ تقویٰ بھی شرعاً عام ہے جس کا تعلق عقائد اور اعمال سب سے یکساں ہے۔

تاکید وصایا مذکورہ

گذشتہ آیات میں جن احکام اور وصیتوں کا ذکر فرمایا اب آئندہ آیت میں اس کی مزید تاکید کے لیے فرماتے ہیں کہ یہ وصیتیں اور یہ احکام موسیٰ علیہ السلام کے توریت میں بھی تھے چنانچہ فرماتے ہیں پھر ہم نے موسیٰ کو ایک کتاب دی تاکہ اپنی نعمت کو اس شخص پر پورا کریں جو نیکی کرے اور اس میں ہر ضروری امر کی تفصیل ہو اور لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہو تاکہ وہ لوگ یعنی بنی اسرائیل اپنے پروردگار کی ملاقات کا یقین کریں اور اس اعتقاد اور یقین کی بناء پر احکام خداوندی کو بجالائیں مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے توریت نازل فرما کر اس زمانہ کے نیک کام کرنے والوں پر اپنی نعمت پوری کردی اور ہر ضروری امر کو شرح وبسط سے بیان کردیا اور ہدایت اور رحمت کے دروازے ان پر کھول دیئے تاکہ لقاء خداوندی کا یقین حاصل کریں اور شوق لقاء میں جس قدر طاعت میں جدوجہد کرسکیں اس میں دریغ نہ کریں اور توریت کا تتمہ انجیل تھی اس میں بھی یہ ہدایتیں اور وصیتیں تھیں اور اب توریت اور انجیل کے بعد یہ قرآن مجید ایک کتاب ہے جس کو ہم نے آپ ﷺ پر نازل کیا ہے بڑی خیر وبرکت والی ہے خیر وبرکت میں توریت اور تمام صحف سماویہ سے بڑھ کر ہے پس تم اس کا اتباع کرو اور کسی اور کتاب کے اتباع سے پرہیز کرو کیونکہ قرآن کریم اللہ کی آخری کتاب ہے اور تمام کتب سابقہ کے لیے ناسخ ہے پس تم اسی کتاب کا اتباع کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے خدا کی رحمت اور تقویٰ کا حصول ناسخ پر عمل کرنے پر موقوف ہے منسوخ پر عمل کرنے سے نہ خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے اور نہ تقویٰ حاصل ہوتا ہے اور توریت وانجیل کے بعد ہم نے اس مبارک کتاب (قرآن کریم) کو اس لیے بھی نازل کیا کہ مبادا قیامت کے دن تم یہ کہنے لگو کہ آسمانی کتاب تو ہم سے پہلے جو دو فرقے تھے یہود اور نصاریٰ ان پر اتاری گئی تھی اور بے شک ہم ان کے پڑھنے سے بے خبر تھے اس لیے ہم کو احکام خداوندی کا علم نہ ہوا پس ہم کیسے اطاعت کرسکتے تھے پس ہم معذور ہیں یعنی قرآن کریم کے نازل کرنے سے علاوہ برکت اور رحمت کے ایک غرض اتمام حجت ہے تاکہ تم قیامت کے دن یہ عذر نہ کرسکو کہ توریت وانجیل ہماری زبان میں نہ تھی اور ہم ان کے مطالب کو سمجھ نہیں سکتے تھے یا قیامت کے دن یہ کہنے لگو کہ اگر ہم پر کتاب نازل کی جاتی تو ہم یہود

ونصاریٰ سے زیادہ ہدایت پر ہوتے سو اب تمہارے دونوں عذر ختم کرنے کے لیے تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک روشن حقیقت اور ہدایت اور رحمت آچکی ہے جو تمام کتب الٰہیہ سے بہتر اور برتر ہے اب تمہارے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کو ہم نے تمہاری زبان میں اس لیے بھی نازل کیا کہ تمہیں کسی عذر کا موقع ہی باقی نہ رہے کہ اگر ہماری زبان میں خدا کی کتاب اترتی تو ہم اس کا خوب اتباع کرتے اگرچہ ان کا یہ عذر کہ ہم توریت اور انجیل کی لغت سے واقف نہیں عذر لنگ ہے لیکن اللہ نے یہ عذر بھی باقی نہیں چھوڑا اور حجت پوری کر دی پس ایسی شافی اور کافی کتاب ہدایت و رحمت کے آجانے کے بعد اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے منہ موڑا عنقریب ہم ان لوگوں کو بہت برے عذاب کی سزا دیں گے جو ہماری آیتوں سے روگردانی کرتے ہیں اس سبب سے کہ وہ اعراض کرتے ہیں خدا کی آیتوں سے اعراض اور روگردانی بڑا ہی ظلم ہے کیا یہ لوگ جو کتاب مبارک کے نازل ہو جانے اور آیات بینات کے آجانے کے بعد بھی ایمان نہیں لاتے صرف اس بات کے منتظر معلوم ہوتے ہیں کہ ان کے پاس قبض روح یا عذاب کے فرشتے آئیں اور مار مار کر ان کی روحیں قبض کریں کما قال تعالیٰ: ﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ۔ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ﴾ یا یہ معنی ہیں کہ فرشتے ان کے روبرو آکر آپ کی نبوت و رسالت کی گواہی دیں یا ان کی ہلاکت اور بربادی کے لیے خدا کا کوئی حکم آجائے کما قال تعالیٰ: ﴿هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ أَمْرُ رَبِّكَ ۚ كَذَٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ وقال تعالیٰ: ﴿فَأَتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا﴾۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے آنے سے اس کے حکم کا آنا مراد ہے جو ان کے قہر اور ہلاکت سے متعلق ہو یا یہ مطلب کہ اللہ تعالیٰ خود ان کے سامنے آجائے اور ان سے بالمشافہ یہ کہے کہ واقعی یہ ہمارے رسول ہیں اور یہ ہماری کتاب ہے کما قال تعالیٰ: ﴿لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْنَا الْمَلَائِكَةُ أَوْ نَرَىٰ رَبَّنَا﴾ ﴿أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا﴾ یا یہ مطلب ہے کہ کفار قیامت کے دن کے منتظر ہیں جس دن خدا تعالیٰ کا جلوۂ جلال ابر کے سائبانوں میں ظاہر ہوگا جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ﴿هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ﴾ کی تفسیر میں گذرا یا تیرے پروردگار کی بعض نشانیاں آئیں جمہور مفسرین رحمہم اللہ کے نزدیک ﴿بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ﴾ سے سورج کا مغرب سے طلوع کرنا مراد ہے اور یہی تفسیر احادیث صحیحہ سے ثابت ہے ﴿هَلْ يَنظُرُونَ﴾ سے لے کر یہاں تک کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی حجت پوری ہو چکی ہے اور کافروں کے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہا شاید اب وہ اس کے منتظر ہیں کہ اللہ خود ان کے سامنے آئے یا اس کا قہر اور اس کا کوئی عذاب ان کے سامنے آئے یا عذاب کے فرشتے ان کے پاس آئیں یا قیامت کی کوئی بڑی نشانی ظاہر ہو جیسے طلوع الشمس من المغرب شاید جب ان تین باتوں میں سے کوئی بات ظاہر ہو جائے گی اس وقت یہ مجبور ہو کر ایمان لائیں گے مگر اس وقت کا ایمان مفید نہ ہوگا جیسا کہ آئندہ آیت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جس دن تیرے پروردگار کی بعض نشانیاں آجائیں گی اس دن کسی ایسے شخص کو ایمان لانا نفع نہیں دے گا جو اس نشانی سے پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا یا جس شخص نے اپنے ایمان کی حالت میں نیکی نہ کمائی ہوگی اس کو اس دن اپنے ایمان میں نیکی کا

کمانا مفید نہ ہوگا مطلب یہ ہے کہ جو شخص پہلے سے ایمان نہیں رکھتا ہوگا اس کا اس نشانی کو دیکھ کر اب ایمان لانا نافع نہ ہوگا اور جو شخص اس نشانی کے ظہور سے پہلے ایمان تو رکھتا تھا مگر اس نے پہلے سے کسب خیر اور عمل صالح نہ کیا تھا تو اس نشانی کو دیکھ کر اس کا توبہ کرنا اور کسب خیر کرنا قبول نہ ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ اس نشانی کے ظہور کے بعد نہ کسی کا جدید ایمان قبول ہوگا اور نہ اس کی توبہ قبول ہوگی البتہ جو لوگ اس نشانی کے ظہور سے پہلے ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کرتے تھے ان کے اعمال مقبول ہوں گے اس لیے کہ ان نشانیوں کے ظاہر ہو جانے کے بعد ایمان ایمان بالغیب نہیں رہے گا ایمان بالمشاہدہ ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ ایمان بالغیب چاہتا ہے اے نبی آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے کہ اچھا اگر تمہیں انہی باتوں کا انتظار ہے تو یہی سہی انہی باتوں کا انتظار کرو اور ایمان نہ لاؤ ہم بھی تمہارے بارہ میں حکم خداوندی کے منتظر ہیں اس انتظار میں ہمارا کوئی نقصان نہیں تمہارا ہی نقصان ہے۔

فائدہ:...... اشراط ساعت یعنی علامات قیامت میں سے ایک بڑی شرط یعنی بڑی علامت آفتاب کا مغرب کی جانب سے طلوع ہونا ہے آیت مذکورہ ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ﴾ میں بعض آیات سے آفتاب کا مغرب کی جانب سے نکلنا مراد ہے اور یہ امر احادیث صحیحہ سے معلوم اور ثابت ہے آیات سماوی میں پہلی آیت مغرب سے آفتاب کا نکلنا ہے یعنی پہلی آیت (نشانی) جو اختلال نظام افلاک و ستارگاں سے مشاہدہ ہوگی وہ یہ آیت (نشانی) ہے کہ آفتاب بجائے مشرق کے مغرب سے طلوع کرے گا اس وقت ایمان لانا مفید نہ ہوگا قیامت کی آسمانی علامتوں میں سے پہلی علامت مغرب سے آفتاب کا طلوع ہونا ہے اور یہ علامت خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ظاہر ہوگی اور اس کے بعد دابۃ الارض کا زمین سے پیدا ہونا یہ زمینی علامتوں میں سے پہلی علامت ہوگی اور دابۃ الارض کا زمین سے نکلنا اور آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا قریب قریب ہوگا۔

تنبیہ:...... آفتاب کا مغرب سے طلوع کرنا عقلاً محال نہیں جو خدا آفتاب کو مشرق سے نکالتا ہے وہ اس کو مغرب سے بھی نکالنے پر قادر ہے جس طرح آفتاب کا نفس وجود اس کے ارادہ سے ہے اسی طرح اس کی حرکت بھی اس کے ارادہ سے ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ

جنہوں نے راہیں نکالیں اپنے دین میں اور ہو گئے بہت سے فرقے تجھ کو ان سے کچھ سروکار نہیں ان کا کام اللہ ہی کے حوالے ہے پھر

جنہوں نے راہیں نکالیں اپنے دین میں، اور ہو گئے کئی فرقے، تجھ کو ان سے کچھ کام نہیں۔ ان کا کام حوالے اللہ کے، پھر

يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ

وہی جتلائے گا ان کو جو کچھ وہ کرتے تھے ف۱ جو کوئی لاتا ہے ایک نیکی تو اس کیلئے ان کا دس گنا ہے اور جو کوئی لاتا ہے

وہی جتاوے گا ان کو جیسا کچھ کرتے تھے۔ جو کوئی لایا نیکی اس کو ہے اس کے دس برابر۔ اور جو لایا

ف۱ پچھلے رکوع میں ﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ﴾ الخ سے بہت سے احکام بیان فرما کر ارشاد ہوا تھا ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ یعنی صراط مستقیم (دین کی سیدھی راہ) ہمیشہ سے ایک رہی ہے۔ اس سے ہٹ کر گمراہی کے =

بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٦٠﴾ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ

ایک برائی سو سزا پائے گا اسی کے برابر اور ان پر ظلم نہ ہوگا ف۱ تو کہہ دے مجھ کو سجھائی میرے رب نے راہ

برائی، سو سزا پاوے گا تو اتنی ہی، اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ تو کہہ مجھ کو تو سوجھائی میرے رب نے راہ

مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٦١﴾ قُلْ اِنَّ

سیدھی دین صحیح ملت ابراہیم کی جو ایک ہی طرف کا تھا ف۲ اور نہ تھا شرک والوں میں ف۳ تو کہہ کہ

سیدھی، دین صحیح، ملت ابراہیم کی جو ایک طرف کا تھا۔ اور نہ تھا شریک والوں میں۔ تو کہہ،

صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ

میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو پالنے والا سارے جہان کا ہے کوئی نہیں اس کا شریک ف۴ اور یہی مجھ کو حکم ہوا

میری نماز اور قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ کی طرف ہے، جو صاحب سارے جہان کا۔ کوئی نہیں اس کا شریک، اور یہی مجھ کو حکم ہوا

وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٦٣﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۚ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ

اور میں سب سے پہلے فرمانبردار ہوں ف۵ تو کہہ کیا اب میں اللہ کے سوا تلاش کروں کوئی رب اور وہی ہے رب ہر چیز کا ف۶ اور جو کوئی گناہ کرتا ہے

اور میں سب سے پہلے حکم بردار ہوں۔ تو کہہ، اب میں سوائے اللہ کے تلاش کروں کوئی رب؟ اور وہی ہے رب ہر چیز کا، اور جو کوئی کماوے گا سو

= راستے بہت ہیں۔ تمام انبیاء ومرسلین اصولی حیثیت سے اسی ایک راہ پر چلے اور لوگوں کو بلاتے رہے ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾ اول دین میں ان کے باہم کوئی تفریق نہیں۔ زمان ومکان اور خارجی احوال کے اختلاف سے فروع شرعیہ میں جو تفاوت ہوا، وہ تفرق نہیں بلکہ ہر وقت کے مناسب رنگ میں ایک ہی مشترک مقصد کے ذرائع حصول کا تنوع ہے جو دین انبیائے سابقین لے کر آئے۔ موسیٰ علیہ السلام کی کتاب بھی اس کی مخالفت کے لئے نہیں بلکہ اس کی تکمیل وتفصیل کی غرض سے اتاری گئی۔ سب کے آخر میں قرآن آیا جو تمام کتب سابقہ کی تتمیم وتصدیق اور ان کے علوم ومعارف کی حفاظت کرنے والا ہے۔ درمیان میں ان کتب وشرائع سے اعراض کرنے والوں کا حال بیان کر کے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ﴾ سے پھر اصل مطلب کی طرف عود کیا گیا۔ یعنی دین الٰہی کا راستہ (صراط مستقیم) ایک ہے۔ جو لوگ اصل دین میں پھوٹ ڈال کر جدا جدا راہیں نکالتے اور فرقہ بندی کی لعنت میں گرفتار ہوتے ہیں خواہ وہ یہود ہوں یا نصاریٰ یا وہ مدعیان اسلام جو مستقبل میں عقائد دینیہ کی چادر کو پھاڑ کر پارہ پارہ کرنے والے تھے، ان لوگوں سے آپ کو کچھ واسطہ اور سروکار نہیں۔ یہ سب ﴿فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ میں داخل ہیں۔ آپ ان سے بیزاری اور برأت کا اظہار کر کے خدا کے اسی ایک راستہ (صراط مستقیم) پر جمے رہیے اور ان کا انجام اللہ کے حوالہ کیجئے۔ وہ ان کو دنیا اور آخرت میں جتلا دے گا جو کچھ دین میں گڑبڑی کرتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب فرقوا دینھم کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں" جو باتیں یقین لانے کی ہیں (اصول دین) ان میں فرق نہ چاہیے اور جو کرنے کی ہیں (فروع دین) ان کے طریقے کئی ہوں تو برا نہیں۔

ف۱ ﴿ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ میں ان کے افعال شنیعہ کی مجازات پر متنبہ کیا گیا تھا، ساتھ ہی ہر نیک وبد کی مجازات کا عام قانون بتلا دیا کہ بھلائی کا بدلہ کم از کم دس گنا ہے اور برائی کا زائد از زائد اس کے برابر یعنی جس نے ایک نیکی کمائی تو کم از کم ویسی دس نیکیوں کا ثواب ملے گا زائد کی حد نہیں ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ اور جو ایک بدی کا مرتکب ہوا تو ویسی ایک بدی کی جس قدر سزا مقرر ہے اس سے آگے نہ بڑھیں گے تخفیف کر دیں یا بالکل معاف فرما دیں، یہ اختیار ہے۔ پھر جہاں وفور رحمت کی یہ کیفیت ہو وہاں ظلم کا کیا امکان ہے۔

ف۲ یعنی ایک خدا ہی کا ہو رہا تھا۔

ف۳ یعنی تم دین میں جتنی چاہو راہیں نکالو اور جس قدر معبود چاہو ٹھہرا لو۔ مجھ کو تو میرا پروردگار صراط مستقیم بتلا چکا اور وہ ہی خالص توحید اور کامل تفویض وتوکل کا راستہ =

نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ

سو وہ اس کے ذمہ پر ہے اور بوجھ نہ اٹھائے گا ایک شخص دوسرے کا پھر تمہارے رب کے پاس ہی تم سب کو لوٹ کر جانا ہے سو وہ جتلائے گا

اس کے ذمہ پر۔ اور بوجھ نہ اٹھاوے گا ایک شخص دوسرے کا۔ پھر تمہارے رب پاس ہے رجوع تمہارا، سو وہ جتا دے گا،

بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ

جس بات میں تم جھگڑتے تھے ف۱ اور اسی نے تم کو نائب کیا ہے زمین میں ف۲ اور بلند کر دیئے تم میں درجے

جس بات میں تم جھگڑتے تھے۔ اور اسی نے تم کو کیا ہے نائب زمین میں، اور بلند کیے تم میں درجے

فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ

ایک کے ایک پر ف۳ تاکہ آزمائے تم کو اپنے دیئے ہوئے حکموں میں تیرا رب جلد عذاب کرنے والا ہے اور وہی بخشنے والا

ایک کے ایک پر، کہ آزمائے تم کو اپنے دیئے حکم میں۔ تیرا رب شتاب کرتا ہے عذاب، اور وہ بخشنے والا

رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾ ع

ع ٢٠/١١

مہربان ہے ف۴

مہربان ہے۔

= ہے، جس پر موحد اعظم ابوالانبیاء ابراہیم خلیل اللہ بڑے زور شور سے چلے جن کا نام آج بھی تمام عرب اور کل ادیان سماویہ غایت عظمت و احترام سے لیتے ہیں۔

ف۴ اس آیت میں توحید و تفویض کے سب سے اونچے مقام کا پتہ دیا گیا ہے جس پر ہمارے سید و آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فائز ہوئے۔ نماز اور قربانی کا خصوصیت سے ذکر کرنے میں مشرکین پر جو بدنی عبادت اور قربانی غیر اللہ کے لئے کرتے تھے تعریض ہوگیا۔

ف۵ عموماً مفسرین ﴿وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اس امت محمدیہ کے اعتبار سے آپ اول المسلمین ہیں لیکن جامع ترمذی کی حدیث کنت نبیا و ادم بین الروح والجسد کے موافق آپ اول الانبیاء ہیں تو اول المسلمین ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ممکن ہے کہ یہاں اولیت زمانی مراد نہ ہو بلکہ تقدم رتبی مراد ہو۔ یعنی میں سارے جہان کے فرمانبرداروں کی صف میں نمبر اول اور سب سے آگے ہوں۔ شاید مترجم محقق قدس سرہ، نے ترجمہ میں "سب سے پہلا فرمانبردار ہوں" کی جگہ "سب سے پہلے فرمانبردار ہوں" کہہ کر اسی طرف اشارہ کیا ہو۔ کیونکہ محاورات کے اعتبار سے یہ تعبیر اولیت رتبی کے ادا کرنے میں زیادہ واضح ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۶ پہلے توحید فی الالوہیت کا ذکر تھا اب توحید فی الربوبیت کی تصریح فرمائی۔ یعنی جس طرح معبود اس کے سوا کوئی نہیں، مستعان بھی کوئی نہیں ہو سکتا، کیونکہ استعانت ربوبیت عامہ پر متفرع ہے۔ ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾۔

ف۱ کفار مسلمانوں سے توحید وغیرہ میں جھگڑتے اور کہتے تھے کہ تم توحید کی راہ چھوڑ کر ہمارے راستہ پر آ جاؤ۔ اگر اس میں کوئی گناہ ہو تو وہ ہمارے سر ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ﴾ (العنکبوت رکوع ۱) یہاں اس کا جواب دے دیا کہ ہر ایک کا گناہ اسی کے سر ہے، کوئی شخص دوسرے کے گناہوں کا بار نہیں اٹھا سکتا۔ باقی تمہارے جھگڑے اور اختلافات خدا کے یہاں جا کر سب طے ہو جائیں گے۔ یہ دنیا فیصلہ کی جگہ نہیں، امتحان و آزمائش کا گھر ہے جیسا کہ اگلی آیت میں آگاہ فرمایا۔

ف۲ یعنی خدا نے زمین میں تم کو اپنا نائب بنایا کہ تم اس کے دیئے ہوئے اختیارات سے کام لے کر کیسے کیسے حاکمانہ تصرفات کرتے ہو، یا تم کو باہم ایک دوسرے کا نائب بنایا کہ ایک قوم جاتی ہے، تو دوسری قوم اس کی جانشین ہوتی ہے۔

ف۳ یعنی تمہارے آپس میں بے حد فرق مدارج رکھا۔ چنانچہ شکل و صورت، رنگت، لہجہ، اخلاق و ملکات، محاسن و مساوی، رزق، دولت، عزت و جاہ وغیرہ میں افراد =

خاتمۂ سورت مشتمل بر ترہیب از تفریق دین قویم و ترغیب بر اتباع صراط مستقیم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا... الی... وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

ربط:...... گذشتہ آیت میں دین حق سے اعراض اور روگردانی پر توبیخ اور تہدید تھی اب ان آیات میں صراط مستقیم اور ملۃ ابراہیم کے اتباع کی ترغیب اور دین حق میں تفریق اور اختلاف سے ترہیب ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ صراط مستقیم دین ابراہیم ہے اور اس سے اختلاف اور انحراف گمراہی ہے نیز ان آیات میں آنحضرت ﷺ کو تسلی اور تشفی دی جاتی ہے کہ جن لوگوں نے اپنے دین میں اختلاف کیا اور مختلف گروہ بن گئے کوئی عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو خدا کہنے لگا اور کوئی بت پرستی میں لگ گیا اور کوئی کواکب پرستی کرنے لگا وغیرہ وغیرہ ان لوگوں سے آپ ﷺ کو کیا مطلب آپ ﷺ رنجیدہ نہ ہوں اور ان کی گمراہی کی وجہ سے پریشان نہ ہوں ان کے اعمال و افعال کا نتیجہ خود ان کے سامنے آجائے گا وہ سریع العقاب بھی ہے اور غفور رحیم بھی ہے اس نے بمقتضائے رحمت ایک نیکی کے عوض کم از کم دس گونہ ثواب دینے کا وعدہ فرمایا ہے ایک برائی کے عوض صرف ایک عذاب کی خبر دی ہے چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جن لوگوں نے اپنے دین کو پراگندہ کیا اور اس میں مختلف راہیں نکالیں اور مختلف گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی واسطہ نہیں آپ ﷺ ان سے بری اور بیزار ہیں یعنی آپ ﷺ ان لوگوں سے بری اور علیحدہ ہیں جنہوں نے دین حق میں مختلف راہیں نکالیں اس عموم میں یہود اور نصاریٰ اور مشرکین اور مبتدعین اہل اسلام سب داخل ہیں جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اس کو اختیار فرمایا کہ یہ آیت ہر اس شخص کو شامل ہے کہ جو دین حق میں اختلاف اور افتراق ڈالے ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد اور قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ یہ آیت یہود اور نصاریٰ کے بارہ میں اتری اور حکیم ترمذی اور ابن جریر اور طبرانی رحمہم اللہ وغیرہم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "ان الذین فرقوا دینهم الخ" سے اس امت کے اہل بدعت اور اہل شبہات اور اہل ضلالت مراد ہیں۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۱۹۶، وروح المعانی: ۸/ ۶۰، وتفسیر قرطبی: ۷/ ۱۴۹)

غرض یہ کہ اس آیت کے عموم میں یہود اور نصاریٰ اور مشرکین کے علاوہ مدعیان اسلام میں کے اہل بدعت جیسے خوارج اور روافض اور قدریہ اور مرجئہ وغیرہ بھی داخل ہیں جو ما انا علیه و اصحابی کے طریقہ سے ہٹے ہوئے ہیں۔

اور ائمہ مجتہدین کا اختلاف اس میں داخل نہیں ان کا اختلاف، اختلاف رحمت تھا جس طرح تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اصول دین میں متفق تھے اور فروع میں مختلف تھے اسی طرح ائمہ مجتہدین اصول دین میں متفق ہیں اور فروع میں مختلف ہیں۔

البتہ غیر مقلدین کا گروہ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا﴾ کا مصداق ہوسکتا ہے اس لیے کہ ہر غیر مقلد

= انسانی کے بیشمار درجات ہیں۔

ف ۴ یعنی ظاہر ہو جائے کہ ان حالات میں کون شخص کہاں تک خدا کا حکم مانتا ہے۔ ابن کثیر نے ﴿فِيْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ﴾ سے وہ مختلف احوال و درجات مراد لئے ہیں جن میں حسب استعداد و لیاقت ان کو رکھا گیا ہے۔ اس تقدیر پر آزمائش کا حاصل یہ ہوگا کہ مثلاً غنی حالت غناء میں رہ کر کہاں تک شکر کرتا ہے اور فقیر حالت فقر میں کس حد تک صبر کا ثبوت دیتا ہے۔ وقس علیٰ ہذا۔ بہرحال اس آزمائش میں جو بالکل نالائق ثابت ہوا۔ حق تعالیٰ اس کے حق میں سریع العقاب اور جس سے قدرے کوتاہی رہ گئی اس کے حق میں غفور، اور جو پورا اترا اس کے لئے رحیم ہے۔

(تمت سورة الانعام بعون الله الملك العلام)

ایک مستقل مجتہد بنا ہوا ہے اور ہر مسئلہ میں جدا مذہب رکھتا ہے ائمہ اربعہ کا اختلاف تو چار تک محدود تھا اور ان مدعیان عمل بالحدیث کے اختلاف اور افتراق کی کوئی حد ہی نہیں ہر غیر مقلد اپنی جگہ ایک مستقل امام اور مجتہد ہے اور دوسرے کی تقلید کو شرک سمجھتا ہے اور اپنے ظلوم وجہول نفس کی تقلید شخصی کو توحید سمجھتا ہے۔

خلاصۂ کلام کہ آپ ﷺ کو ان اہل اہواء اور اہل ضلالت اور اہل بدعت سے کوئی سروکار نہیں آپ ﷺ ان سے بری اور علیحدہ ہیں آپ ﷺ ان کی فکر میں نہ پڑیں جز ایں نیست ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے وہی ان کو سمجھے گا پھر جب وہ خدا کے سامنے پیش ہوں گے تو خدا ان کو جتادے گا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے یعنی دین میں نئی نئی راہیں نکالنے کا نتیجہ قیامت کے دن ان کو معلوم ہو جائے گا اور ہر ایک کو اس کے جرم کی سزا دی جائیگی۔

قانون جزاء

جس کا قانون اور ضابطہ یہ ہے کہ جو ہمارے پاس نیکی لے کر آئے تو اس کے لیے کم از کم اس نیکی کا دس گنا ثواب ہے اور جو برائی لے کر آئے تو اس برائی کے برابر ہی سزا ملے گی اور ان پر کوئی ظلم نہ ہوگا یعنی گنہ گار کو اس کے گناہ سے زیادہ سزا نہیں دی جائے گی یہ ظلم ہے اور خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا ہاں نیکی کا ثواب وہ چند سے لے کر سات سو چند تک دے گا یہ اس کا فضل اور اس کا جود وکرم ہے آپ کہہ دیجئے کہ تم لوگ غلط راہ جا رہے ہو تحقیق مجھ کو میرے پروردگار نے سیدھے راستہ پر لگا دیا ہے جو سیدھا خدا تک پہنچانے والا ہے۔ اور صحیح دین پر جو ابراہیم کا طریقہ ہے جس میں کسی قسم کی کجی نہیں اور وہ ابراہیم علیہ السلام حق کی طرف مائل تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے لہٰذا مشرکین عرب کا یہ دعویٰ کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر ہیں بالکل غلط ہے تم مشرک اور بت پرست ہو اور ابراہیم علیہ السلام موحد اور خدا پرست تھے تم ان کے طریقہ پر کیونکر ہو سکتے ہو آپ ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگانی اور میری موت سب اللہ کے لیے ہے جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا اس کا کوئی شریک نہیں نہ مارنے میں اور نہ جلانے میں اور نہ استحقاق عبادت میں اور اسی توحید کا مجھ کو حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے اس کا حکم بردار ہوں یعنی سارے جہان کے فرمانبرداروں کی صف میں نمبر اول اور سب سے آگے ہوں آپ ﷺ ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ کیا اب میں اللہ کے سوا کسی اور رب کو تلاش کروں کہ اس کو اپنا رب بناؤں حالانکہ وہی ہر چیز کا رب ہے جس میں وہ چیزیں بھی داخل ہیں جن کو تم نے اپنے خیال سے رب ٹھہرا رکھا ہے اور مجھے بھی ان کے رب بنانے کی ترغیب دیتے ہو اور نہیں عمل کرتا کوئی نفس مگر اس کی ذمہ داری اسی پر ہوتی ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا نفس دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھاتا مشرکین مسلمانوں سے کہتے تھے کہ ہمارے طریقہ پر چلو تمہارے گناہوں کا بوجھ قیامت کے دن ہم اٹھالیں گے اسی آیت میں ان کے اسی قول کی تردید فرمائی پھر قیامت کے دن تم سب کا اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے پھر وہ تم کو ان باتوں سے خبردار کرے گا جن میں تم دنیا میں اختلاف کرتے رہتے تھے اور اے لوگو خوب سمجھ لو وہ اللہ وہ ہے کہ اس نے تم کو زمین میں اگلوں کا جانشین کیا ایک قرن گزرتا ہے تو دوسرا قرن اس کے قائم مقام ہوتا ہے۔

ع- یکے ہمیرود دیگرے ہمی آید

اور تم میں سے بعض کے بعض پر درجے بلند کیے کوئی امیر ہے کوئی فقیر کوئی خوبصورت ہے کوئی بدصورت کوئی عالم ہے کوئی جاہل کوئی تندرست ہے کوئی بیمار کوئی رذیل ہے کوئی شریف کوئی عاقل ہے کوئی بے عقل تا کہ وہ تمہارا ان باتوں میں امتحان کرے جو تم کو دی ہیں کہ کون اس کی نعمتوں پر شکر کرتا ہے اور کون اس کی مصیبتوں پر صبر کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے تم کو شکل اور صورت اور رزق اور دولت اور عزت و راحت کے اعتبار سے مختلف اور متفاوت بنایا ہے اور یہ تفاوت مراتب اور اختلاف اس لیے ہے کہ تم کو آزمائے کہ تم کو جو نعمت دی ہے اس میں تم کیسا کام کرتے ہو غنی کا امتحان شکر کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور فقیر کا امتحان صبر کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔

کما قال تعالیٰ: ﴿وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً﴾ وقال تعالیٰ: ﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا﴾ وقال تعالیٰ: ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا﴾

پس جس طرح وہ دنیا میں فرق مراتب پر قادر ہے اسی طرح وہ آخرت میں جزاء و سزا میں فرق مراتب پر قدرت رکھتا ہے خوب سمجھ لو کہ تحقیق تیرا پروردگار دین میں مختلف راہیں نکالنے والوں کو جلدی سزا دینے والا ہے اور تحقیق وہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے اگر یہ نافرمان اب بھی ایمان لے آئیں تو وہ سب گناہوں کو معاف کر دے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔

الحمد للہ آج بروز پنجشنبہ بتاریخ ۴ جمادی الثانیہ ۱۳۸۵ھ بعد العصر قریب غروب سورۂ انعام کی تفسیر سے فراغت نصیب ہوئی جس سے بحمدہ تعالیٰ قرآن کریم کے ایک ربع کی تفسیر مکمل ہوئی۔ فالحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات اے پروردگار عالم اسی طرح اپنے فضل و کرم سے باقی قرآن کی تفسیر کو بھی اس حقیر سراپا تقصیر کے ہاتھوں مکمل فرما اور اپنی رحمت سے قبول فرما اور ہمارے شفیع نبی اکرم ﷺ کی شفاعت خاصہ سے ہم کو سرفراز فرما آمین اور میرے لیے اور میرے والدین کے لیے اور میری تمام اولاد کے لیے اور بھائی بہنوں کے لیے خصوصاً اور تمام مسلمانوں کے لیے عموماً ذریعۂ ہدایت اور وسیلۂ مغفرت بنا آمین یا رب العالمین

سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العلمين

تفسیر سورۃ الاعراف

سورۃ اعراف مکی ہے اور اس میں دو سو چھ آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں مگر آٹھ آیتیں ﴿وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ﴾ سے لے کر ﴿وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ﴾ تک مدینہ میں نازل ہوئیں

ربط: ...... گزشتہ سورت کے اخیر میں نزول قرآن اور اس کے اتباع کا ذکر تھا۔ کما قال تعالیٰ: ﴿وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ﴾ اور اس سورت کا آغاز بھی نزول قرآن کے ذکر اور اس کے اتباع کے حکم سے فرمایا کما قال تعالیٰ:

﴿الٓمّٓصٓ ۝ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِىْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾۔

نیز گزشتہ سورت میں زیادہ تر مضامین توحید کے تھے اور اس سورت میں زیادہ تر مضامین بعثت و رسالت کے متعلق ہیں ابتداء سورت میں اول رسل حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا اور بعد ازاں حضرت ہود اور حضرت صالح اور حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کے واقعات بیان فرمائے کہ کس طرح ان کی قومیں تباہ و برباد ہوئیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب کا کیا انجام ہوتا ہے۔ بعد ازاں تفصیل کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کے واقعات بیان فرمائے۔ کہ فرعون کے ساتھ ان کا کس طرح مقابلہ ہوا۔ اور اعجاز موسوی سحر فرعونی کو کس طرح نگل گیا پھر اخیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ❶ و رسالت اور آپ کی عموم ❷ بعثت کو بیان کیا بعد ازاں عہد الست کا ذکر فرمایا کہ جس کے یاد دلانے کے لیے انبیاء کرام مبعوث ہوئے پھر سورت کو اتباع وحی کے حکم پر ختم فرمایا جس سے سورت کا آغاز ہوا تھا۔ چنانچہ فرمایا۔ ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ﴾ الی آخر السورۃ اور ساتھ ساتھ یہ بتادیا کہ قرآن کا اتباع یہ ہے کہ اس کو کان لگا کر پوری توجہ سے سنا جائے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ﴾ کی تفسیر "استمع له وانصت" سے صحیح بخاری میں مروی ہے اس لیے اتباع وحی کے بعد قرآن کریم کے استماع اور انصات کا حکم دیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ استماع و انصات بھی منجملہ اتباع قرآن کے ہے اور چونکہ امر بالشئ نہی عن ضدہ کو مقتضی ہوتا ہے اس لیے آیت میں استماع اور انصات کا حکم ضمناً مخالجت اور منازعت کی ممانعت کو متضمن ہوگا کیونکہ منازعت اور مخاطبت بلاشبہ استماع اور انصات کی ضد ہے جیسا کہ احادیث میں منازعت اور مخالجت کی ممانعت اور کراہت صراحۃً مذکور ہے گویا کہ احادیث منازعت اور مخالجت وغیرہ وغیرہ۔ آیت استماع اور انصات کی تفسیر اور تفصیل ہیں کیونکہ امام کے ساتھ کسی کا پڑھنا استماع اور انصات کے منافی اور مباین ہے اور منازعت اور مخالجت کا موجب ہے اس لیے جس کسی نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے قرأت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناگوار گزرا اور سلام پھیر کر بطور عتاب اور بطریق مواخذہ "ایکم قرء خلفی" فرمایا۔ میرے پیچھے کس نے پڑھا۔

۷ سُوْرَۃُ الْاَعْرَافِ مَکِّیَّۃٌ ۳۹ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰیاتھا ۲۰۷ رکوعاتھا ۲۴

الٓمّٓصٓ ۝ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِىْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى

یہ کتاب اتری ہے تجھ پر سو چاہیئے کہ تیرا جی تنگ نہ ہو اس کے پہنچانے سے ف۱ تاکہ تو ڈرائے اس سے اور نصیحت ہو

یہ کتاب اتری ہے تجھ کو، سو اس سے تیرا جی نہ رکے کہ خبردار کر دے تو اس سے، اور نصیحت جو

ف۱ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے "حرج" کی تفسیر شک سے کی ہے گویا فلا یکن فی صدرک حرج، فلا تکونن من الممترین کے ہم معنی ہوگا۔ یعنی =

❶ ﴿الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ﴾

❷ ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾

لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ

ایمان والوں کو ف۱ چلو اسی پر جو اترا تم پر تمہارے رب کی طرف سے اور نہ چلو اس کے سوا اور رفیقوں کے پیچھے

ایمان والوں کو۔ چلو اسی پر جو اترا تم کو تمہارے رب سے، اور نہ چلو اس کے سوا اور رفیقوں کے پیچھے،

قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ۝۴

تم بہت کم دھیان کرتے ہو ف۲ اور کتنی بستیاں ہم نے ہلاک کر دیں کہ پہنچا ان پر ہمارا عذاب راتوں رات یا دوپہر کو سوتے ہوئے

تم کم دھیان کرتے ہو۔ اور کئی بستیاں ہم نے کھپا دیں کہ پہنچا ان پر ہمارا عذاب راتوں رات یا دوپہر کو سوتے۔

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۵ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ

پھر یہی تھی ان کی پکار جس وقت کہ پہنچا ان پر ہمارا عذاب کہ کہنے لگے بیشک ہمیں تھے گناہ گار ف۳ سو ہم کو ضرور پوچھنا ہے ان سے جن کے پاس

پھر یہی تھی ان کی پکار، جب پہنچا ان پر ہمارا عذاب کہ کہنے لگے ہم تھے گنہگار۔ سو ہم کو پوچھنا ہے ان سے جن پاس

اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۶ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝۷

رسول بھیجے گئے تھے اور ہم کو ضرور پوچھنا ہے رسولوں سے ف۴ پھر ہم ان کو احوال سنائیں گے اپنے علم سے اور ہم کہیں غائب نہ تھے ف۵

رسول بھیجے تھے، اور ہم کو پوچھنا ہے رسولوں سے۔ پھر ہم احوال سنا دیں گے ان کو اپنے علم سے، اور ہم کہیں غائب نہ تھے۔

= پیغمبر جس پر خدا نے اپنی کتاب نازل فرمائی اس کی شان یہ نہیں کہ ذرا سا بھی کھٹکا یا شک و شبہ کتاب کے احکام و اخبار کے متعلق اس کے دل میں راہ پائے۔ دوسرے مفسرین نے الفاظ کو ان کے ظاہر پر رکھا۔ جیسا کہ مترجم محقق نے اختیار فرمایا ہے۔ یعنی تمام خلائق میں سے چن کر جس پر خدا نے اپنی کتاب اتاری اسے لائق نہیں کہ احمقوں اور معاندین کے طعن و تشنیع یا بیہودہ سوالات سے متاثر ہو کر اس کتاب کے کسی حصہ کی تبلیغ سے منقبض اور تنگ دل ہو ﴿فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ﴾ (ہود۔ رکوع ۲) اگر بفرض محال خود پیغمبر کے دل میں کتاب اور اس کے مستقبل کی طرف سے نہایت کامل وثوق و انشراح حاصل نہ ہو، تو وہ اپنے فرض انذار و تذکیر کو کس طرح قوت و جرات کے ساتھ ادا کر سکے گا۔

ف۱ یعنی کتاب کے اتارنے سے غرض یہ ہے کہ تم ساری دنیا کو اس کے مستقبل سے آگاہ کر دو اور بدی کے انجام سے ڈراؤ اور ایمان لانیوالوں کے حق میں خاص طور پر یہ ایک مؤثر پیغام نصیحت ثابت ہو۔

ف۲ آدمی اگر حق تعالیٰ کی ربوبیت عظیم، اپنے آغاز و انجام اور طاعت و معصیت کے نتائج پر پوری طرح دھیان کرے تو اس کو کبھی جرات نہ ہو کہ اپنے رب کریم کی اتاری ہوئی ہدایات کو چھوڑ کر شیاطین الانس والجن کی رفاقت میں انہی کے پیچھے چلنا شروع کر دے۔ گذشتہ اقوام میں سے جنہوں نے خدا کی کتابوں اور پیغمبروں کے مقابلہ پر ایسا رویہ اختیار کیا، ان کو جو دنیاوی سزا ملی، وہ آگے مذکور ہے۔

ف۳ یعنی جب ان کے ظلم و عدوان اور کفر و عصیان کی حد ہو چکی، تو دنیا کی لذات و شہوات میں منہمک اور عذاب الٰہی سے بالکل بے فکر ہو کر خواب استراحت کے مزے لینے لگے کہ یکایک ہمارے عذاب نے آ دبوچا۔ پھر ہلاکت آفرینوں کے اس دہشت ناک منظر اور ہنگامہ دار و گیر میں ساری طمطراق بھول گئے چاروں طرف سے اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ کی چیخ پکار کے سوا کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ گویا اس وقت انہیں واضح ہوا اور اقرار کرنا پڑا کہ خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا ہم خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

(تنبیہ) ﴿فَجَآءَهَا بَاْسُنَا﴾ کی "فا" میں مفسرین کے کئی قول ہیں، غالباً مترجم محقق قدس سرہ، نے اس کو ﴿اَهْلَكْنٰهَا﴾ کی تفسیر و تفصیل قرار دیا ہے جیسے کہا جائے توضأ فغسل وجهه، وذراعيه (فلاں شخص نے وضو کیا تو دھویا چہرہ اور ہاتھ وغیرہ) اس مثال میں منہ ہاتھ دھونا وضو کرنے ہی کی تفصیل و تفسیر ہے۔ اس طرح یہاں ہلاک کرنے کی تفسیر و تفصیل کیفیت عذاب کے بیان سے ہو گئی۔ واللہ اعلم۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٨﴾ وَمَنْ خَفَّتْ

اور تول اس دن ٹھیک ہوگی پھر جس کی تولیں بھاری ہوئیں سو وہی ہیں نجات پانے والے اور جس کی تولیں

اور تول اس دن ٹھیک ہے۔ پھر جس کی تولیں بھاری پڑیں، سو وہی ہیں جن کا بھلا ہوا۔ اور جس کی تولیں

مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ ﴿٩﴾

ہلکی ہوئیں سو وہی ہیں جنہوں نے اپنا نقصان کیا ف۱ اس واسطے کہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے ف۲

ہلکی پڑیں، سو وہی ہیں جو ہارے اپنی جان، اس پر کہ ہماری آیتوں سے زبردستی کرتے تھے۔

=ف۴ جن امتوں کی طرف پیغمبر مبعوث ہوئے، ان سے سوال ہوگا ﴿مَاذَآ أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ (تم نے ہمارے پیغمبروں کی دعوت کو کہاں تک قبول کیا تھا؟) اور خود پیغمبروں سے پوچھیں گے ماذا أجبتم (تم کو امت کی طرف سے کیا جواب ملا تھا؟)

ف۵ یعنی تمہارا کوئی جلیل وحقیر اور قلیل وکثیر عمل یا ظاہری و باطنی حال ہمارے علم سے غائب نہیں۔ ہم بلاتوسط غیرے ذرہ ذرہ سے خبردار ہیں۔ اپنے اس علم ازلی محیط کے موافق سب اگلے پچھلے احوال تمہارے سامنے کھول کر رکھ دیں گے۔ ملائکۃ اللہ کے لکھے ہوئے اعمال نامے بھی علم الٰہی کے سرمو خلاف نہیں ہوسکتے ان کے ذریعہ سے اطلاع دینا محض ضابطہ کی مراعات اور نظام حکومت کا مظاہرہ ہے، ورنہ خدا اپنے علم میں ان ذرائع کا (معاذ اللہ) محتاج نہیں ہوسکتا۔

ف۱ قیامت کے دن سب لوگوں کے اعمال کا وزن دیکھا جائے گا۔ جن کے اعمال قلبیہ واعمال جوارح وزنی ہوں گے وہ کامیاب ہیں اور جن کا وزن ہلکا رہا وہ خسارہ میں رہے۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ "ہر شخص کے عمل وزن کے موافق لکھے جاتے ہیں۔ ایک ہی کام ہے، اگر اخلاص ومحبت سے حکم شرعی کے موافق کیا۔ اور برمحل کیا، تو اس کا وزن بڑھ گیا اور دکھاوے کو یا رئیس کو کیا یا موافق حکم نہ کیا یا ٹھکانے پر نہ کیا تو وزن گھٹ گیا۔ آخرت میں وہ کاغذ تلیں گے، جس کے نیک کام بھاری ہوئے تو برائیوں سے درگزر ہوا اور ہلکے ہوئے تو پکڑا گیا" بعض علماء کا خیال ہے کہ اعمال جو اس وقت اعراض ہیں، وہاں اعیان کی صورت میں مجسد کردیے جائیں گے۔ اور خود ان ہی اعمال کو تولا جائے گا۔ کہا جاتا ہے کہ ہمارے اعمال تو غیر قائم بالذات اعراض ہیں جن کا ہر جزء وقوع میں آنے کے ساتھ ہی ساتھ معدوم ہوتا رہتا ہے۔ پھر ان کا جمع ہونا تلنا کیا معنی رکھتا ہے؟ میں کہتا ہوں کہ گراموفون میں آجکل لمبی چوڑی تقریریں بند کی جاتی ہیں، کیا وہ تقریریں اعراض میں سے نہیں؟ جن کا ایک حرف ہماری زبان سے اس وقت ادا ہوسکتا ہے جب اس سے پہلا حرف نکل کر فنا ہوجائے پھر یہ تقریر کا سارا مجموعہ گراموفون میں کس طرح جمع ہوگیا؟ اسی سے سمجھ لو کہ جو خدا گراموفون کے موجد کا بھی موجد ہے اس کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ ہمارے کل اعمال کے مکمل ریکارڈ تیار رکھے جس میں سے ایک شوشہ اور ذرہ بھی غائب نہ ہو۔ رہا ان کا وزن کیا جانا تو نصوص سے ہم کو اس قدر معلوم ہوچکا ہے کہ وزن ایسی میزان (ترازو) کے ذریعہ سے ہوگا جس میں کفتین اور لسان وغیرہ موجود ہیں لیکن وہ میزان اور اس کے دونوں پلے کس نوعیت وکیفیت کے ہوں گے اور اس سے وزن معلوم کرنے کا کیا طریقہ ہوگا؟ ان باتوں کا احاطہ کرنا ہماری عقول والہام کی رسائی سے باہر ہے۔ اسی لئے ان کے جاننے کی ہمیں تکلیف نہیں دی گئی۔ بلکہ ایک میزان کیا اس عالم کی جتنی چیزیں ہیں بجز اس کے کہ ان کے نام ہم سن لیں اور ان کا کچھ اجمالی سا مفہوم جو قرآن وسنت نے بیان کردیا ہو عقیدہ میں رکھیں، اس سے زائد تفصیلات پر مطلع ہونا ہماری حد پرواز سے خارج ہے۔ کیونکہ جن نوامیس وقوانین کے ماتحت اس عالم کا وجود اور نظم ونسق ہوگا، ان پر ہم اس عالم میں رہتے ہوئے کچھ دسترس نہیں پاسکتے۔ اسی دنیا کی میزانوں کو دیکھ لو کتنی قسم کی ہیں۔ ایک میزان وہ ہے جس سے سونا چاندی یا موتی تلتے ہیں۔ ایک میزان سے غلہ اور سوختہ وزن کیا جاتا ہے۔ ایک میزان عام ریلوے اسٹیشنوں پر ہوتی ہے جس سے مسافروں کا سامان تولتے ہیں۔ ان کے سوا "مقیاس الہوا" یا "مقیاس الحرارت" وغیرہ بھی ایک طرح کی میزانیں ہیں جن سے ہوا اور حرارت وغیرہ کے درجات معلوم ہوتے ہیں۔ تھرمامیٹر ہمارے بدن کی اندرونی حرارت کو جو اعراض میں سے ہے تول کر بتلاتا ہے کہ اس وقت ہمارے جسم میں اتنے ڈگری حرارت پائی جاتی ہے۔ جب دنیا میں بیسیوں قسم کی جسمانی میزانیں ہم مشاہدہ کرتے ہیں جن سے اعیان واعراض کے اوزان ودرجات کا تفاوت معلوم ہوتا ہے تو اس قادر مطلق کے لئے کیا مشکل ہے کہ ایک ایسی حسی میزان قائم کردے جس سے ہمارے اعمال کے اوزان ودرجات کا تفاوت صورۃً وحساً ظاہر ہوتا ہو۔

ف۲ اور آیات کا انکار کرنا ہی ان کی حق تلفی ہے جسے یظلمون سے ادا فرمایا ہے۔

ترغیب اتباع قرآن مجید وترہیب برانکار حق از عذاب شدید

قال تعالیٰ: ﴿الٓمٓصٓ ۝ کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْكَ... الی... بِمَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَظْلِمُوْنَ﴾

ربط:...... گذشتہ سورت کے آخری رکوع میں قرآن مجید کے اتباع کا حکم اور اس کی ترغیب تھی اور اس سے انحراف اور اعراض پر نزول عذاب کی وعید تھی اور اسی بناء پر گزشتہ سورت کے آخری رکوع کو ﴿اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ پر ختم فرمایا۔ اب اس سورت کے آغاز میں قرآن مجید کے اتباع کا حکم دیتے ہیں اور گزشتہ امتوں کے منکرین حق اور مکذبین حق کی ہلاکت اور بربادی کا ذکر کرتے ہیں تا کہ منکرین قرآن اس سے عبرت پکڑیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

﴿الٓمٓصٓ﴾ سورۃ بقرہ کے شروع ہی میں اس قسم کے حروف مقطعات کے متعلق مفسرین کے اقوال بسط اور تفصیل کے ساتھ گزر چکے ہیں ان اقوال میں سب سے زیادہ صحیح اور راجح قول یہ ہے کہ یہ متشابہات میں سے ہیں اس کے معنی سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں یہ تمام حروف مقطعات اللہ تعالیٰ کے اسرار و رموز ہیں جن کا علم اللہ ہی کو ہے اور بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ ﴿الٓمٓصٓ﴾ اس سورت کا نام ہے جیسا کہ سورۃ بقرہ کے شروع میں گزر چکا ہے۔

شان نزول:...... آنحضرت ﷺ جب مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے تو کافروں کا بہت زور تھا اور مسلمان تھوڑے اور کمزور تھے احکام الٰہی کا نزول زور و شور سے ہو رہا تھا۔ توحید اور رسالت اور قیامت کے مسائل کو دلائل قاہرہ سے بیان کیا جاتا تھا جس سے مشرکین کی دشمنی اور عداوت دن بدن بڑھتی جاتی تھی اس سے آنحضرت ﷺ کو طبعی طور پر گرانی پیش آتی تھی تو اس پر یہ آیتیں نازل ہوئی۔ ﴿الٓمٓصٓ﴾ یہ قرآن مجید ایک مبارک کتاب ہے جو من جانب اللہ آپ کی طرف اتاری گئی ہے پس جان لیجیے کہ اللہ کی توجہات اور عنایات آپ کے ساتھ ہیں کہ آپ پر ایسی مبارک کتاب نازل فرمائی پس چاہیے کہ آپ کے سینے میں اس سے یعنی اس کی تبلیغ سے کسی قسم کی کوئی تنگی نہ ہو یعنی لوگوں کے نہ ماننے کی وجہ سے آپ اس کی تبلیغ و دعوت میں تنگ دل نہ ہوں اللہ تعالیٰ آپ کا محافظ ہے مطلب یہ ہے کہ آپ ان معاندین اور احمقوں کے طعن و تشنیع اور بے ہودہ سوالات سے منقبض اور مکدر ہو کر قرآن کریم کی تبلیغ میں تنگ دل نہ ہوں بلکہ پورے شرح صدر اور طمانیت اور قوت اور جرأت کے ساتھ فریضۂ تبلیغ و انذار میں ہمہ تن مشغول ہو جایئے اور یہ یقین رکھیے کہ اللہ تعالیٰ کی عنایتیں آپ کے ساتھ ہیں اور اللہ آپ کا محافظ اور نگہبان ہے۔ قوم کی تکلیف اور عداوت سے گھبرا کر تبلیغ اور دعوت حق میں کوئی کمی نہ کیجئے کما قال تعالیٰ: ﴿فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا یُوْحٰۤى اِلَیْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ یَّقُوْلُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ﴾ وقال تعالیٰ: ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾ یعنی جیسا کہ رسل اولو العزم نے صبر اور تحمل سے کام لیا آپ بھی اسی طرح صبر اور تحمل سے کام لیں اور ان مغرورین اور متکبرین کی پرواہ نہ کریں جو اپنے مال و جاہ پر مغرور ہیں۔ بہت سی بستیوں کو ہم نے یکا یک ہلاک کر دیا کہ رات کو سوتے وقت یا دوپہر میں قیلولہ کے وقت ان متکبرین کو عذاب الٰہی نے آ پکڑا بجز اس کے کہ اپنے جرم اور خطا کا اقرار کریں کچھ نہ بن پڑا لہٰذا آپ اس کتاب کی تبلیغ سے تنگ دل نہ ہوں یہ کتاب آپ پر اس لیے نازل کی گئی ہے تا کہ آپ اس کے ذریعے سے لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں اور تا کہ یہ کتاب ایمان والوں کے لیے ایک نصیحت ہو۔ پس آپ

تنگ دل نہ ہوں اور لوگوں سے یہ کہئے کہ اے لوگو جو کتاب نصیحت وہدایت تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری جانب اتاری گئی اس پر چلو اور اللہ کے سوا اور دوستوں کی راہ پر نہ چلو جو تم کو گمراہ کرتے ہیں جیسے شیاطین الانس والجن مگر باوجود اس مشفقانہ نصیحت کے تم لوگ بہت کم دھیان کرتے ہو نبی جو تمہارا خیر خواہ ہے اس کی طرف کان نہیں لگاتے اور جو تمہارے دشمن ہیں اور تمہیں ہلاک اور برباد کرنا چاہتے ہیں ان کی سنتے ہو۔ اور کتنی ہی بستیاں تھیں جنہوں نے انبیاء کرام کی نصیحتوں سے اعراض کیا اور اپنے دوستوں کا اتباع کیا ہم نے ان کو یکا یک ہلاک کیا۔ پس ان پر ہمارا عذاب آیا رات کو سوتے وقت یا دوپہر کے وقت جبکہ وہ قیلولہ کر رہے تھے۔ اس سے مقصود مشرکین کو ڈرانا ہے کہ دنیاوی امن وراحت وعیش وعشرت پر مغرور نہ ہوں ہم نے تم سے پہلے بہت سی بستیوں پر راحت وآرام کے وقت میں ان پر عذاب نازل کیا اور غفلت اور بے خبری میں ان کو ہمارے عذاب نے آ پکڑا اگر تم کفر وشرک سے باز نہ آئے تو تمہارا بھی یہی حشر ہونا ہے سو جس وقت ان پر ہمارا عذاب آیا تو ان کا قول بجز اس کے کچھ نہ تھا کہ بیشک ہم ظالم تھے۔ انبیاء ورسل کی مخالفت کر کے ہم نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا مطلب یہ ہے کہ جب عذاب الٰہی نے آ پکڑا تب اپنے جرم کا اقرار کیا مگر اس وقت کے اقرار سے کیا ہوتا تھا۔ وقت گزر چکا تھا جب وقت تھا تو دشمنوں کو دوست سمجھتے رہے اور انبیاء کو اپنا دشمن سمجھتے رہے۔ یہ ناگہانی عذاب تو دنیا میں آیا پھر اس عذاب کے بعد اخروی عذاب کا وقت آئے گا یعنی قیامت آئے گی۔ اس وقت ہم ان امتوں سے ضرور باز پرس کریں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے کہ تم نے پیغمبروں کی دعوت کو قبول کیا یا نہیں اور ہماری نازل کردہ ہدایت اور نصیحت کو مانا یا نہیں کما قال تعالیٰ: ﴿مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِیْنَ﴾ اور ہم رسولوں سے بھی ضرور سوال کریں گے کہ تم نے اپنی امتوں کو ہمارا پیغام پہنچایا تھا یا نہیں اور تمہاری امتوں نے تمہارا کہنا مانا تھا یا نہیں کما قال تعالیٰ: ﴿یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ﴾ اور ان دونوں سوالوں سے مقصود کافروں کی توبیخ اور سرزنش ہوگی تاکہ اس کے بعد کافر خود اپنے منہ سے جرم کا اقرار کر کے ذلیل وخوار ہوں اور ان پر انبیاء کرام ﷺ کی عظمت وشان ظاہر ہو اور انبیاء کے جواب کے بعد ان پر اللہ کی حجت پوری ہو ورنہ خدا تعالیٰ عالم الغیب ہے اسے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں اور پھر ہم اپنے علم سے ان پر ان کے تمام اعمال کو تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے اور ہم ان سے غائب نہ تھے۔ ہم سے ان کا کوئی قول وفعل مخفی نہیں تھا۔ انبیاء کرام کو ان کے اعمال کا علم تفصیلی نہیں اور انبیاء کرام ہر وقت ان کے ساتھ نہ تھے۔ ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ تو خدا تعالیٰ ہی کی شان ہے ہم تفصیل کے ساتھ ان کے تمام اعمال واحوال کو ان کے روبرو کر دیں گے۔ اور پھر ان دونوں سوالوں کے بعد اتمام حجت کے لیے اس دن اعمال ظاہرہ اور باطنہ کا وزن حق ہے قیامت کے دن اول سوال وجواب ہوگا۔ پھر حساب وکتاب ہوگا اس کے بعد تمام اعمال ظاہرہ وباطنہ کا وزن ہوگا تاکہ وزن سے ہر ایک کی حالت سب پر ظاہر اور عیاں ہو جائے اور اس امر کا مشاہدہ ہو جائے کہ حساب وکتاب کے بعد جو ثواب اور عقاب کا حکم دیا گیا ہے وہ عین حق اور عین صواب ہے پھر وزن کے بعد جس کی نیکیوں کے پلڑے بھاری ہونگے سو وہی لوگ فلاح پانے والے ہونگے اور جن کی نیکیوں کے پلڑے ہلکے ہونگے سو یہ وہی لوگ ہونگے جنہوں نے اپنی جانوں کو خسارہ میں ڈالا جس کا سبب یہ ہے

کہ وہ ہماری آیتوں کے ساتھ بے انصافی کرتے تھے۔ آیتوں کا حق اور انصاف یہ تھا کہ ان پر ایمان لاتے اور ان کو قبول کرتے مگر ان لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کر کے اپنی ہی جانوں پر ظلم کیا۔ ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ اگر حسنات غالب ہوئے تو جنت ہے اور اگر سیئات غالب ہوئے تو دوزخ ہے اور اگر دونوں برابر ہوئے تو اس کے لیے سر دست اعراف تجویز ہوگی بعد میں سزا سے قبل یا بعد شفاعت سے مغفرت ہو جائے گی۔ یا خدا تعالیٰ کی رحمت سے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

لطائف ومعارف

۱- وزن اعمال کی کیفیت میں علماء کا اختلاف ہے جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ نفس اعمال کا وزن ہوگا قیامت کے دن جو چیز ترازو میں رکھی جائے گی وہ اعمال ہوں گے۔ اعمال اگرچہ اعراض ہیں اور غیر قائم بالذات ہیں مگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو اجساد بنا دے گا۔ یعنی قیامت کے دن اعمال کو قابل وزن جواہر بنا دیا جائے گا۔ امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قول ابن عباس ؓ سے مروی ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ قیامت کے دن سورۂ بقرہ اور آل عمران دو بادل یا دو چھتری یا دو پرندوں کے پر کی طرح آویں گی اور حدیث میں ہے کہ مومن کے پاس قبر میں ایک خوبصورت اور خوشبودار جوان سامنے آئیگا تو مومن اس سے پوچھے گا کہ تو کون ہے تو وہ کہے گا کہ میں تیرا عمل صالح ہوں اور کافر اور منافق کے حق میں اس کے برعکس ذکر فرمایا اور حدیث میں ہے "کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان حبیبتان الی الرحمن سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔" اس حدیث سے بھی نفس اعمال کا میزان میں تولا جانا ظاہر ہے۔

دوسرا قول: ...... اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اعمال تو نہیں تولے جائیں گے بلکہ اعمال نامے تولے جائیں گے یعنی وہ صحیفے جن میں فرشتوں نے بندہ کے اچھے اور برے اعمال لکھے ہیں وہ تولے جائیں گے جیسا کہ ترمذی اور مسند احمد کی حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص لایا جائے گا جس کے ۹۹ سجل یعنی ننانوے طومار نامۂ اعمال میزان کے ایک پلے میں رکھے جائیں گے اور ہر سجل (طومار) مد بصر تک ہوگا اس کے بعد اسی شخص کا ایک بطاقہ یعنی ایک پرچۂ کاغذ لایا جائے گا جس میں لا الٰہ الا اللہ لکھا ہوگا وہ شخص یہ کہے گا کہ اے پروردگار ان سجلات کے سامنے اس بطاقہ کی کیا ہستی ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا تجھ پر ظلم نہ ہوگا پھر اس بطاقہ کو ترازو کے دوسرے پلہ میں رکھ کر سب اعمال کا وزن کیا جائے گا آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں "فطاشت السجلات وثقلت البطاقۃ" یعنی اس وقت گناہوں کے وہ تمام طومار ہلکے ہو جائیں گے اور وہ پرچہ بھاری ہو جائیگا۔ یہ حدیث ترمذی میں ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ سب کے ساتھ نہ ہوگا بلکہ میدان حشر میں صرف ایک شخص کے ساتھ یہ معاملہ کیا جائیگا تا کہ لوگوں پر کلمہ توحید کا وزن اور ثقل ظاہر ہو جائے کہ یہ کلمہ کس قدر وزنی ہے کہ توحید کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی۔ مقصود نمونہ دکھلانا ہوگا لہذا نمونے کے لیے ایک ہی شخص کے ساتھ یہ معاملہ کیا جائیگا۔

تیسرا قول: ...... اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ خود صاحب عمل کو تولا جائے گا جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ایک بڑا موٹا شخص لایا جائے گا اور اس کو تولا جائے گا تو وہ ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ نکلے گا بظاہر یہاں بھی یہی معلوم

ہوتا ہے کہ یہ معاملہ سب کافروں کے ساتھ نہ کیا جائیگا بلکہ صرف ایک کافر کے ساتھ کیا جائے گا تا کہ اہل محشر پر کافر کی خفت اور بے حقیقت و بے وقعت ہونا سب کو آنکھوں سے نظر آ جائے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ان اخبار و آثار میں توفیق اور تطبیق بھی ممکن ہے وہ یہ کہ یہ کہا جائے کہ یہ سب امور حق اور درست ہیں کبھی نفس اعمال کا وزن ہوگا اور کبھی صحائف اعمال یعنی نامہ ہائے اعمال کا وزن ہوگا اور کبھی صاحب اعمال کا وزن ہوگا۔

ان اقوال میں سب سے زیادہ صحیح اور ارجح پہلا قول ہے کہ نفس اعمال کو تولا جائے گا اور سلف صالح اکثر اسی کے قائل ہیں اور اعمال اگرچہ بظاہر اس وقت اعراض معلوم ہوتے ہیں جو بظاہر ایسی چیز نہیں جو تولی جائے لیکن یہی اعمال جو اس دنیا میں اعراض ہیں قیامت کے دن ان کو اعیان اور اجسام کی صورت میں مجسم بنا دیا جائے گا اور خود نفس اعمال کو ترازو میں رکھ کر تولا جائے گا جس نے عمل کو اخلاص اور بروقت اور برمحل کیا ہوگا اس کا عمل ثقیل اور وزنی ہوگا اور جس نے ریاکاری سے یا خلاف شرع کام کیا ہوگا وہ ہلکا ہو جائے گا اور عقلاً یہ جائز ہے کہ ایک ہی شئے ایک محل اور موطن میں جوہر ہو اور دوسرے موطن میں وہی عرض ہو ہر محل اور موطن کے احکام علیحدہ اور جدا ہیں آگ وجود خارجی میں محرق جلانے والی چیز ہے اور وجود ذہنی میں آگ کی صورت ذہنیہ جلانے والی چیز نہیں۔

۲- احادیث صحیحہ اور متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ قیامت کے دن ایک میزان لا کر رکھی جائے گی جس میں کَفَّتَیْن (دو پلے) اور ایک لسان یعنی زبان ہوگی اس پر ایمان لانا اور اس کو حق سمجھنا ضروری ہے رہا یہ امر کہ اس میزان کے دونوں پلوں کی کیا نوعیت اور کیا کیفیت ہوگی اور اس سے وزن معلوم کرنے کا کیا طریقہ ہوگا۔ سو یہ چیزیں ہماری حیطۂ عقل اور دائرہ ادراک سے باہر ہیں اور نہ ہم اس کے جاننے کے مکلف ہیں۔ عالم غیب کی چیزوں پر ایمان لانا فرض ہے اور ان کی نوعیت اور کیفیت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا چاہیے میزان کو اس حسی اور عرفی ترازو میں منحصر سمجھ لینا صحیح نہیں اسی دنیا میں دیکھ لو کہ ترازو کی کتنی قسمیں ہیں ایک میزان وہ ہے جو ریلوے اسٹیشن پر ہوتی ہے جس سے مسافروں کا سامان تلتا ہے۔ ان کے علاوہ ایک مقیاس الہواء اور مقیاس الحرارت ہے جس سے حرارت اور برودت کا درجہ معلوم ہوتا ہے اور ایک تھرمامیٹر ہے جس سے اندرونی حرارت کا درجہ معلوم ہوتا ہے کہ کس درجہ کا بخار ہے۔ ایک میزان شعر ہے جس سے شعر کا وزن معلوم ہوتا ہے۔ پس جب دنیا میں مختلف قسم کی میزانیں موجود ہیں جن سے اعیان اور اعراض کے اوزان اور درجات کا تفاوت معلوم ہو جاتا ہے تو اس قادر مطلق کو کیا مشکل ہے کہ وہ قیامت کے دن ایک ایسی حسی اور مقداری میزان قائم کردے جس سے بندوں کے اعمال کے اوزان اور درجات اور مراتب کا تفاوت اور فرق صورۃً اور حساً ظاہر ہو جائے۔ وماذلك على الله بعزيز۔

بعض خام عقل لوگوں نے جیسے معتزلہ نے ایسی میزان کو بعید از عقل و قیاس سمجھ کر یہ کہہ دیا کہ وزن سے حسی ترازو میں تولنا مراد نہیں بلکہ وزن سے عدل اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا مراد ہے یعنی اس دن نہایت نپے تلے فیصلے ہوں گے اور اس دن اعمال کا فیصلہ انصاف کے ساتھ ہوگا۔ حقیقۃً اس دن کوئی ترازو نہ ہوگی۔ مگر افسوس کہ یہ لوگ اپنی اس تاویل کے ثبوت میں سوائے اپنی عقلی استبعاد کے نہ کوئی عقلی دلیل پیش کر سکے اور نہ نقلی۔ صحابہ و تابعین سے بڑھ کر دنیا میں کون عقلمند ہوسکتا ہے

جب انہوں نے اس کو تسلیم کر لیا تو عقل کا تقاضا یہ ہے کہ ہم بھی اس کو تسلیم کر لیں۔

۳- نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ ترازو ایک ہوگی یا متعدد ہوں گی۔ صحیح قول یہ ہے کہ ترازو ایک ہوگی اور قرآن کریم میں جو بعض جگہ صیغۂ جمع آیا ہے وہ باعتبار کثرت اعمال کے ہے یا باعتبار کثرت اصحاب اعمال کے ہے اسی بناء پر بعض علماء نے کہا ہے کہ موازین جمع میزان کی نہیں بلکہ جمع موزون کی ہے اور مراد اعمال موزونہ ہیں۔

۴- حق تعالیٰ جل شانہ نے ﴿فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ سے متقین کا ذکر فرمایا ﴿أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا أَنْفُسَهُمْ﴾ میں کافروں کا ذکر فرمایا لیکن گنہگار مسلمانوں کا حال ذکر نہیں فرمایا ان کا معاملہ اللہ کی مشیت کے تابع ہے جس پر چاہے رحمت فرمائے اور جس کو چاہے عذاب دے کما قال تعالیٰ: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾۔

۵- جس کے حسنات اور سیئات برابر ہوں گے آیت میں اس کا ذکر نہیں یہ لوگ اصحاب اعراف ہونگے ان کا مآل جنت ہوگا۔ جیسا کہ آئندہ آیت اعراف کے بیان میں آئیگا۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾

اور ہم نے تم کو جگہ دی زمین میں اور مقرر کردیں اس میں تمہارے لئے روزیاں تم بہت کم شکر کرتے ہو ف۱

اور ہم نے تم کو جگہ دی زمین میں، اور بنادیں اس میں تم کو روزیاں۔ تم تھوڑا شکر کرتے ہو۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۤ فَسَجَدُوْٓا إِلَّآ

اور ہم نے تم کو پیدا کیا پھر صورتیں بنائیں تمہاری پھر حکم کیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو پس سجدہ کیا سب نے مگر

اور ہم نے تم کو پیدا کیا، پھر صورت دی، پھر کہا فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو، تو سجدہ کیا مگر

إِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ ۭ قَالَ أَنَا

ابلیس نہ تھا سجدہ والوں میں کہا تجھ کو کیا مانع تھا کہ تو نے سجدہ نہ کیا جب میں نے حکم دیا بولا میں

ابلیس۔ نہ تھا سجدہ والوں میں۔ کہا تجھ کو کیا مانع تھا کہ سجدہ نہ کیا، جب میں نے فرمایا؟ بولا، میں

خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ أَنْ

اس سے بہتر ہوں مجھ کو تو نے بنایا آگ سے اور اس کو بنایا مٹی سے کہا تو اتر یہاں سے ف۲ تو اس لائق نہیں کہ

اس سے بہتر ہوں۔ مجھ کو تو نے بنایا آگ سے اور اس کو بنایا خاک سے۔ کہا تو اتر یہاں سے، تجھ کو یہ نہ ملے گا کہ

ف۱ یہاں سے بعض آیات آفاقیہ وانفسیہ کا بیان شروع کیا ہے جس سے ایک طرف حق تعالیٰ کے وجود پر کارخانہ عالم کے حکیمانہ نظم ونسق سے استدلال اور احسانات وانعامات الٰہیہ کا تذکرہ فرما کر اس کی شکرگذاری کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور دوسری طرف نبوت کی ضرورت انبیاء علیہم السلام کی آمد، ان کی سیرت، ان کے متبعین ومخالفین کا انجام جو اس سورت کا اصلی موضوع معلوم ہوتا ہے، اس کے بیان کے لئے یہ آیات بطور توطیہ وتمہید کے مقدم کی گئی ہیں۔

ف۲ یعنی تمہاری تخلیق سے پہلے رہنے سہنے اور کھانے پینے کا سامان کیا۔ پھر تمہارا مادہ پیدا فرمایا۔ پھر اس مادہ کو ایسا دلکش نقشہ اور حسین وجمیل صورت عطا کی جو کسی =

تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ

تکبر کرے یہاں پس باہر نکل تو ذلیل ہے ف۱ بولا کہ مجھے مہلت دے اس دن تک کہ لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں فرمایا

تکبر کرے یہاں، سو نکل، تو ذلیل ہے۔ بولا، مجھ کو فرصت دے، جس دن تک لوگ جی اٹھیں۔ کہا

اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾

تجھ کو مہلت دی گئی ف۲ بولا تو جیسا تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں بھی ضرور بیٹھوں گا ان کی تاک میں تیری سیدھی راہ پر ف۳

تجھ کو فرصت ہے۔ بولا کہ تو جیسا تو نے مجھے بد راہ کیا ہے، میں بیٹھوں گا ان کی تاک میں تیری سیدھی راہ پر۔

= دوسری مخلوق کو عطا نہ کی گئی تھی۔ پھر اس تصویر خاکی کو وہ روح اور حقیقت مرحمت ہوئی جس کی بدولت تمہارے باپ آدم علیہ السلام جن کا وجود تمام افراد انسانی کے وجود پر اجمالاً مشتمل تھا۔ "خلیفۃ اللہ" و "مسجود ملائکہ" بنے۔ پھر جس نے اس وقت سجود تعظیمی سے سرتابی کی وہ مردود ازلی ٹھہرا کیونکہ وہ سجود خلافت الٰہیہ کے نشان کے طور پر تھا" ملائکۃ اللہ" جو بحث وتمحیص اور صریح امتحان کے بعد آدم کی علمی فضیلت اور روحانی کمالات پر مطلع ہو چکے تھے حکم الٰہی سنتے ہی سجدہ میں گر پڑے اور اس طرح خلیفۃ اللہ کے روبرو اپنے پروردگار حقیقی کی کامل وفاشعاری اور اطاعت پذیری کا ثبوت دیا۔ اور ابلیس لعین جو ناری الاصل جنی مگر کثرت عبادت وغیرہ کی وجہ سے زمرہ ملائکہ میں شامل ہو گیا تھا، آخرکار اپنی اصل کی طرف لوٹا۔ اس کی نظر آدم کی مادی ساخت سے ﴿نفخت فیه من روحی﴾ کے راز تک تجاوز نہ کر سکی۔ اسی لئے صریح حکم الٰہی کے مقابلہ پر ﴿انا خیر منه خلقتني من نار وخلقته من طين﴾ کا دعویٰ کرنے لگا۔ آخر اسی اباء واستکبار اور نص صریح قاطع کو محض رائے دہوا سے رد کر دینے اور خدا سے بحث ومناظرہ ٹھان لینے کی پاداش میں ہمیشہ کے لئے مرتبہ قرب سے نیچے گرا دیا اور رحمت الٰہیہ سے بہت دور پھینک دیا گیا۔ فی الحقیقت جس چیز پر اسے بڑا فخر تھا کہ وہ آگ سے پیدا ہوا ہے، وہی اس کی ہلاکت ابدی کا سبب ہوئی۔ آگ کا خاصہ خفت وحدت، سرعت وطیش اور علو وافساد ہے بخلاف مٹی کے کہ اس میں مستقل مزاجی، متانت اور متواضعانہ حلم وتثبت پایا جاتا ہے۔ ابلیس جو ناری الاصل تھا سجدہ کا حکم سن کر آگ بگولا ہو گیا اور رائے قائم کرنے میں تیزی اور جلد بازی دکھلائی۔ آخر تکبر وتعلی کی راہ سے آتش حسد میں گر کر دوزخ کی آگ میں جا پڑا برخلاف اس کے آدم علیہ السلام سے جب غلطی ہوئی تو عنصر خاکی نے خدا کے آگے فروتنی، خاکساری اور انقیاد واسکانت کی راہ دکھلائی۔ چنانچہ ان کی استقامت وانابت نے ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ، فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى کا نتیجہ پیدا کیا۔ اسی لئے کہا جا سکتا ہے کہ ابلیس لعین نے مادی وعنصری لحاظ سے بھی اپنی تفضیل کے دعوے میں ٹھوکر کھائی۔ چنانچہ حافظ شمس الدین ابن القیم نے بدائع الفوائد میں پندرہ وجوہ سے مٹی کا آگ سے افضل ہونا ثابت کیا ہے۔ من شاء فلیر جعه۔

ف۱ یعنی جنت میں یا آسمانوں پر خدا کی مخلوق رہ سکتی ہے جو خدا کی پوری مطیع وفرمانبردار ہو، نافرمان متکبروں کے لئے وہاں گنجائش نہیں، بہرحال ابلیس لعین عزت کے اس مقام سے جس پر کثرت عبادت وغیرہ کی وجہ سے اب تک فائز تھا، بڑا بول بولنے کی بدولت نیچے دھکیل دیا گیا۔

(تنبیہ) ابلیس کے مدت دراز تک زمرہ ملائکہ میں شامل رکھنے سے متنبہ کر دیا ہے کہ حق تعالیٰ نے مکلفین میں کسی کی فطرت حتیٰ کہ شیطان کی بھی ایسی نہیں بنائی کہ وہ صرف بدی کی طرف جانے کے لئے مجبور ومضطر ہو جائے بلکہ خبیث سے خبیث ہستی بھی اصل فطرت کے اعتبار سے اس کی صلاحیت رکھتی ہے کہ اپنے کسب واختیار سے نیکی اور پرہیزگاری میں انتہائی ترقی کر کے زمرہ ملائکہ میں جا ملے۔

ف۲ یعنی جب تو نے یہ درخواست کی تو سمجھ لے کہ یہ پہلے سے علم الٰہی میں طے شدہ ہے کہ تجھ کو مہلت دی جائے۔ جب حکمت الٰہیہ مقتضی ہوئی کہ حق تعالیٰ اپنی صفات کمالیہ وشہنشاہانہ عظمت وجبروت کا مظاہرہ کرے تو اس نے عالم کو پیدا فرمایا۔ ﴿اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ (الطلاق رکوع ۲) یعنی زمین وآسمان کی تخلیق اور ان کے کل نظم ونسق سے مقصود یہ ہے کہ خدا کی قدرت کاملہ اور علم محیط وغیرہ صفات کی معرفت لوگوں کو حاصل ہو۔ اسی معرفت الٰہیہ کو آیت ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ میں بعض سلف کی تفسیر کے موافق عبادت سے تعبیر فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ تخلیق عالم سے یہ غرض بوجہ اتم جب ہی پوری ہو سکتی ہے کہ مخلوقات میں اس کی ہر قسم کی صفات وکمالات کا اظہار ہو، اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ عالم میں مطیع ووفادار اور باغی ومجرم ہر قسم کی مخلوق موجود ہو۔ نیز اعداء اللہ کو پوری زور آزمائی اور ان کے پیدائشی اختیار وقوت کے تمام وسائل استعمال کرنے کی آخری مدت تک مہلت وآزادی دی جائے پھر انجام کار حکومت الٰہیہ کا لشکر غالب ہو، دشمن اپنے کیفر کردار کو پہنچیں اور بعد امتحان آخری کامیابی دوستوں کے ہاتھ رہے، اس کے بدون کل صفات کمالیہ کے ظاہر ہونے کی صورت نہیں۔ پس خیر وشر اور منبع خیر وشر کا پیدا کرنا اسی حکمت سے ہے کہ جو غرض تخلیق عالم کی ہے یعنی "صفات کمالیہ کا مظاہرہ" وہ بغیر اس کے پوری نہ ہو سکتی تھی ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ۔

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا

پھر ان پر آؤں گا ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے ف۱ اور نہ

پھر ان پر آؤں گا آگے سے اور پیچھے سے، اور داہنے سے اور بائیں سے، اور نہ

تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ⑰ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۭ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ

پائے گا تو اکثروں کو ان میں شکرگزار ف۲ کہا نکل یہاں سے برے حال سے مردود ہو کر جو کوئی ان میں سے تیری راہ پر چلے گا

پاوے گا تو اکثر ان میں شکر گزار۔ کہا، نکل یہاں سے مردود کھدیڑا۔ جو کوئی ان میں تیری راہ چلا، میں

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ⑱

تو میں ضرور بھر دوں گا دوزخ کو تم سب سے ف۳

بھر دوں گا دوزخ تم سب سے اکٹھے۔

ذکر قصۂ سیدنا آدم علیہ السلام برائے تذکیر نعم و تذکیر نقم و ترغیب بر اطاعت و انابت و تنبیہ بر انجام سرکشی و معصیت

قال تعالیٰ: ﴿وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ... الی ... لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیت میں آنحضرت ﷺ کو تبلیغ و دعوت کا اور لوگوں کو آپ کے اتباع اور اطاعت کا حکم دیا اور نافرمانی

- مُخْتَلِفِيْنَ ۙ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ﴾ اسی لئے ضروری ہوا کہ عدو اکبر ابلیس لعین کو جو منبع شر ہے پوری مہلت دی جائے کہ وہ تا قیام قیامت اپنے قوی و وسائل کو جی کھول کر استعمال کرلے لیکن یہ چیز ظاہر ہے کہ براہ راست اس محیط کل اور قادر مطلق کے مقابلہ پر ممکن نہ تھی، اس لئے ضروری ہوا کہ خدا کی طرف سے بطور نیابت و خلافت ایک ایسی مخلوق مقابلہ پر لائی جائے جس سے ابلیس لعین کو آزادی کے ساتھ جنگ آزمائی کا موقع مل سکے۔ ﴿وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا﴾ (بنی اسرائیل رکوع ۷) اور پھر جب تک وہ مخلوق حق نیابت اور وظیفہ خلافت ادا کرتی رہے، خاص شاہی فوج (ملائکہ) سے اس کو کمک پہنچائی جائے اور باوجود ضعف و قلت کے اپنے فضل و رحمت سے انجام کار دشمنوں کے مقابلہ میں مظفر و منصور کیا جائے۔ پس خوب سمجھ لو کہ یہ زمین ابلیس اور آدم کا میدان جنگ ہے اور چونکہ پوری طرح جان توڑ مقابلہ اسی وقت ہو سکتا تھا کہ دونوں حریف ایک دوسرے سے خار کھائے ہوں اس لئے تکوینا دو صورتیں ایسی پیش آگئیں جن سے ہر ایک کے دل میں دوسرے کی دشمنی جاگزیں ہو جائے۔ ابلیس آدم کو سجدہ نہ کرنے کی بناء پر نیچے گرایا گیا اور آدم علیہ السلام کو ابلیس کی وسوسہ اندازی کی بدولت جنت سے علیحدہ ہونا پڑا۔ ان واقعات سے ہر ایک کے دل میں دوسرے کی عداوت کی جڑ قائم ہو کر معرکہ کارزار گرم ہو گیا۔ والحرب سجال وانما العبرة للخواتیم۔

ف۳ یعنی رہزنوں کی طرح ان کے ایمانوں پر ڈاکہ ماروں گا جن کے سبب مجھے یہ روز بد دیکھنا پڑا۔

ف۱ یعنی ہر طرف سے ان پر حملہ آور ہوں گا۔ جہات اربعہ کا ذکر تعمیم جہات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے۔

ف۲ یہ ابلیس لعین کا تخمینہ تھا جو صحیح نکلا۔ ﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (سبا، رکوع ۲)

ف۳ یعنی اکثر آدمی ناشکرے ہوں گے تو ہمارا کیا بگاڑیں گے۔ انجام کار ان ہی تھوڑے وفاداروں کے لئے کامیابی اور فلاح ہوگی اور ناشکروں کی کثرت دوزخ کی نذر ہو جائے گی۔ گویا اس طرح واضح کر دیا جائے گا کہ جنود الشیطان کی اس قدر کثرت بھی "خلیفۃ اللہ" کے قلیل التعداد لشکر کو مغلوب و مقہور نہیں کر سکی۔

کرنے پر دنیوی اور اخروی عذاب سے آگاہ کیا۔ اب ان آیات میں اپنے انعامات واحسانات کو بیان فرماتے ہیں تاکہ ان احسانات کا خیال کر کے اللہ کی اطاعت اور اس کی شکر گزاری کی طرف متوجہ ہوں اور منعم حقیقی کے مقابلہ میں ابلیس کی طرح تمرد اور سرکشی نہ کریں اس لیے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا قصہ ذکر فرمایا تاکہ اس سے اس علیم وقدیر کی کمال قدرت اور کمال حکمت کا علم ہو۔ اور حضرات انبیاء کرام کی بعثت کی ضرورت معلوم ہو کہ حضرات انبیاء کرام خداوند احکم الحاکمین کے سفراء اور خلفاء اور نائبین میں جس شخص نے ان کی اتباع کی وہ کامیاب ہوا اور جس نے ان کی مخالفت کی وہ تباہ اور برباد ہوا۔ بغیر انبیاء ورسل کے اتباع کے بندہ خدا تک نہیں پہنچ سکتا وہ بڑے بڑے انعامات جن کا خاص طور پر ان آیات میں حق تعالیٰ نے اظہار فرمایا وہ یہ ہیں۔

۱- ہم نے تمہیں زمین پر قابض بنایا کہ جس طرح چاہو اس میں تصرف کرو۔

۲- تمہاری زندگی کی چیزیں زمین میں پیدا کیں کہ ان سے ہمارے نازل کردہ قانون شریعت کے ماتحت نفع حاصل کرو۔

۳- تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو یہ شرافت عطاء کی کہ زمین میں ان کو اپنا خلیفہ بنایا اور تمام فرشتوں سے ان کو سجدہ کرایا۔

۴- شیطان کو صرف اس وجہ سے کہ اس نے خدا کے خلیفہ اور اس کے برگزیدہ رسول کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ جنت سے نکال دیا۔ شیطان تمہارا قدیمی دشمن ہے اس سے ہشیار رہنا باپ کے طریقہ پر چلنا اور دشمن کے وسوسوں کی طرف التفات نہ کرنا۔

۵- پھر اخیر میں آخرت یاد دلائی کہ یہ دنیا چند روزہ ہے اس کی نعمتوں اور عشرتوں میں مست ہو کر آخرت سے غافل نہ ہو جانا ﴿وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝ قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ﴾۔ غرض یہ کہ اس طرح حق تعالیٰ نے مبداء اور منتہی دونوں کو بتلادیا اور اس کو علم مبداء ومعاد کہتے ہیں۔

اب ہم آیات کی تفسیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اے لوگو تم کیسے ﴿مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ کا اتباع نہ کرو گے جس سے تمہاری میزان اعمال کا پلہ بھاری ہو جائے اس لیے کہ تحقیق ہم نے تم کو زمین میں تمکنت اور قدرت عطاء کی کہ جس طرح چاہو اس میں تصرف کرو اور تمہارے لیے اس میں قسم قسم کے اسباب معیشت پیدا کیے تاکہ تم ان بے مثال نعمتوں کا شکر کرو اور ان دنیوی نعمتوں کو سعادت ابدیہ کا ذریعہ بناؤ۔ مگر تم بہت کم شکر کرتے ہو اور اس سے بڑھ کر نعمت یہ ہے کہ البتہ تحقیق ہم نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو صورت دی۔ یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کو ایک خاص صورت اور خاص صفت عطاء کی پھر فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ سب نے آدم کا رتبہ پہچان لیا مگر ابلیس نے تکبر کیا۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابلیس تجھے کیا چیز مانع آئی کہ جب میں نے تجھے سجدہ کرنے کا حکم دیا تو تو نے سجدہ نہیں کیا اس نے کہا کہ وہ مانع یہ ہے کہ میں آدم سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو یعنی آدم کو مٹی سے پیدا کیا یعنی میں اس کو کس طرح سجدہ کروں میں تو اس سے بہتر اور

افضل ہوں کیونکہ اس کی پیدائش مٹی سے ہے اور میری آگ سے ہے اور آگ مٹی سے بہتر ہے کیونکہ آگ ایک جوہر علوی چمکدار اور خفیف ہے اور مٹی ایک جوہر سفلی تاریک اور ثقیل اور کثیف ہے۔ ابلیس لعین نے مٹی کی ظاہری صورت پر تو نظر کی اور یہ خیال نہ کیا کہ آدم علیہ السلام کا خمیر پانی اور مٹی سے تیار ہوا ہے اور عنصر آبی (پانی) اس قدر قوی ہے کہ دہکتی ہوئی آگ کو یک لخت بجھا ڈالتا ہے اور پانی تمام مخلوقات کا سرچشمۂ حیات ہے۔ ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾۔ رہی مٹی سو اس میں سکون اور وقار ہے اور پستی ہے اس لیے حضرت آدم علیہ السلام نے تواضع کی راہ اختیار کی اور ابلیس نے ناری ہونے کی وجہ سے آگ کی طرح علو اور تکبر کی راہ اختیار کی۔ انسان کی اصل فطرت چونکہ ترابی اور خاکی ہے اس لیے انسان میں اصل تواضع ہے اور تکبر عارض کی وجہ سے ہے اور جنات کی اصل آگ ہے اس لیے شیاطین اور جنات میں تکبر اصل ہے اور تواضع عارض کی بناء پر ہے علاوہ ازیں مٹی میں صبر اور تحمل اور حیا اور وقار ہے اس میں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی ذات سے کسی کو نقصان نہیں پہنچتا۔ قسم قسم کی غذائیں اور پھول اور پھل سب زمین ہی سے پیدا ہوتے ہیں اور وہ سب کو پالتی ہے بخلاف آگ کے وہ ایک مہلک چیز ہے ابلیس اگر مٹی کی ان باطنی صفات پر غور کرتا تو اس پر منکشف ہو جاتا کہ مٹی آگ سے بہتر ہے۔ ابلیس نے آگ کی چند ظاہری صفات کو دیکھ کر دھوکہ کھایا اور یہ خیال نہ کیا کہ آگ میں اگر کچھ نور ہے تو اس کے ساتھ دھوئیں کی ظلمت اور کدورت بھی ملی ہوئی ہے اور یہ نہ سمجھا کہ وہ معیار افضلیت نہیں۔ بلکہ معیار افضلیت اطاعت حکم خداوندی ہے۔ عناصر سب خدا کی نظر میں برابر ہیں۔ ابلیس لعین کا یہ دعویٰ کہ فلاں عنصر فلاں عنصر سے بہتر ہے۔ دعویٰ بلا دلیل ہے۔

نیز اگر شیطان میں یہی فضیلت تھی کہ خدا تعالیٰ نے اس کو آگ سے پیدا کیا تو آدم میں یہ فضیلت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور ہر چیز کا اس کو علم دیا اور مسجود ملائک بنایا۔ عدو اللہ نے ان فضیلتوں پر تو نظر نہ کی۔ صرف یہ دیکھ لیا کہ آدم مٹی سے پیدا ہوا ہے۔ باقی تفصیل سورۂ بقر میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیری نظر صرف عنصر ظاہری پر ہے اور آدم علیہ السلام کے جسم خاکی میں جو روح میں نے پھونکی ہے اس پر تیری نظر نہیں وہ خالص نورانی ہے تو اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اور تکبر میں مبتلا ہے۔ پس تو آسمان سے نیچے اتر۔ بڑائی کی سزا پستی ہے۔ پس تیرے لیے یہ لائق نہیں کہ تو آسمان میں تکبر کرے اور اپنے عنصریتِ ناریہ پر غرور کرے۔ جنت متکبرین پر حرام ہے اس مقام عالی میں بندگی اور سرافگندی کے ساتھ قیام ممکن ہے تکبر کے ساتھ یہاں قیام ناممکن ہے پس تو یہاں سے نکل جا۔ تحقیق تو ذلیلوں میں سے ہے۔ تکبر کی سزا ذلت اور خواری ہے۔ تجھ میں عنصر ناریہ تو ہے مگر روحانیت کے کمال اور جمال سے تو عاری ہے۔

اس وقت ابلیس نے کہا خدایا مجھے اس دن تک مہلت دیدیجئے کہ جس دن مردے قبروں سے اٹھائے جائیں گے یعنی نفخۂ ثانیہ تک مجھ کو مہلت دے دی جائے ابلیس کا اس سوال سے مقصد یہ تھا کہ موت کا ذائقہ نہ چکھے اس لیے کہ یوم بعثت کے بعد موت نہیں۔ خدا تعالیٰ نے ابلیس کی یہ درخواست تو منظور نہیں کی مگر نفخۂ اولیٰ تک اس کو مہلت دی جیسا کہ سورۂ حجر میں ہے ﴿فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ۝ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ﴾ اور وقتِ معلوم سے نفخۂ اولیٰ کا وقت مراد ہے جس وقت تمام زندہ لوگ مرجائیں گے۔ غرض یہ کہ جب ابلیس نے یہ درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا بیشک تو ان لوگوں میں

سے ہے جن کو وقت معلوم تک مہلت اور ڈھیل دی گئی ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ۝ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ﴾ وہ ملعون تو موت کی تکلیف سے بچنے کی خاطر نفخۂ ثانیہ تک مہلت چاہتا تھا کیونکہ دوسری مرتبہ صور پھونکنے کے بعد موت نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو وقت معلوم تک مہلت دی جیسا کہ سورۂ حجر اور سورۂ ص میں اس کی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو وقت معلوم یعنی نفخۂ اولیٰ تک مہلت دی جیسا کہ عبداللہ بن عباس ؓ نے ''وقت معلوم'' کی تفسیر پہلے صور سے فرمائی ہے کہ جس وقت ساری مخلوق مر جائے گی اور سب فنا ہو جائیں گے تو اس وقت اس کو بھی موت آئے گی۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وقت معلوم سے وہ خاص وقت مراد ہے جو اللہ ہی کو معلوم ہے ابلیس کو اس وقت کا علم نہیں ابلیس نے مردوں کے جی اٹھنے تک زندہ رہنے کی مہلت مانگی تا کہ اس بہانہ موت سے محفوظ ہو جائے اس لیے کہ نفخۂ ثانیہ کے بعد کسی کی موت نہیں مگر خدا تعالیٰ نے اس کی یہ درخواست منظور نہیں کی بلکہ اس کو ایک وقت معلوم یعنی ایک خاص وقت تک اس کو زندہ رہنے کی مہلت دی جس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ حسب قاعدۂ ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾ ابلیس کو اس ''وقت معلوم'' پر موت آئیگی اور پھر دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ دیکھو تفسیر قرطبی: ۱۰؍ ۲۷، سورۂ حجر۔

نکتہ:...... ابلیس کی اس درخواست رب انظرنی کے جواب میں حق تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ''انی انظرتك'' تحقیق میں نے تجھے مہلت دے دی بلکہ یہ فرمایا ﴿إِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ﴾ تحقیق تو ان لوگوں میں سے ہے کہ جن کو علم الٰہی اور تقدیر خداوندی میں وقت معلوم تک مہلت دی جا چکی ہے مطلب یہ ہے کہ تیری اس درخواست سے پہلے ہی ہمارے کارخانۂ قضاء وقدر میں وقت معلوم تک تیری مہلت مقدر ہو چکی ہے تو ہماری بارگاہ میں یہ درخواست کرے یا نہ کرے تیری درخواست سے پہلے ہی ہماری قضاء وقدر میں وقت معلوم تک تیری مہلت مقدر ہو چکی ہے جس کا تجھے علم ہی نہیں پس حق تعالیٰ شانہ کا یہ جواب ﴿إِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ﴾ کسی درجہ میں بھی ابلیس کی درخواست کی منظوری نہیں بلکہ اپنی سابق قضاء وقدر کا اظہار اور اس کی خبر ہے۔

جذبۂ انتقام

شیطان کو صرف حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کے جرم میں جنت سے نکالا گیا اس لیے شیطان نے جوش عداوت میں یہ چاہا کہ اولاد آدم سے اس کا انتقام لے تو ابلیس نے یہ کہا کہ اے پروردگار جب آپ نے مجھے وقت معلوم تک مہلت دیدی پس قسم اس کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا اور آدم کی وجہ سے مجھ کو جنت سے ذلیل اور خوار کر کے نکالا تو میں اولاد آدم کی رہزنی کے لیے تیرے سیدھے راستے پر ان کی تاک میں جا کر بیٹھ جاؤں گا یعنی ان کی وجہ سے میں تو گمراہ ہوا ہی ہوں اب ان کی بھی راہ ماروں گا اور سر توڑ اس کی کوشش کروں گا کہ اولاد آدم کسی طرح جنت تک نہ پہنچ سکے اور جنت کے سیدھے راستہ سے منحرف ہو کر دوزخ کی راہ اختیار کریں پھر البتہ میں ان کے پاس ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے داہنے سے اور ان کے بائیں سے آؤں گا یعنی ہر چہار طرف سے ان کو گھیر لوں گا آخرت کی طرف سے ان کے دلوں میں شکوک اور شبہات ڈالوں گا۔ دنیا کی محبت میں ان کو پھنساؤں گا اور آخرت سے ان کو متنفر اور بیزار کروں گا خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ ہر ممکن طریقہ سے ان کو بہکاؤں گا۔ ابلیس نے ان چار جانبوں کا ذکر کیا۔ اس لیے کہ دشمن کے آنے کی یہی چار راہ ہیں اور ﴿وَمِنْ

﴿فَوْقِهِمْ﴾ یعنی اوپر کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ اوپر کی جانب سے اللہ کی رحمت اترتی ہے خدا کی رحمت اور بندہ کے درمیان شیطان حائل نہیں ہوسکتا۔ اس لیے شیطان اوپر کی جانب سے نہیں آتا اور نیچے کی طرف سے آنے کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ تکبر کی وجہ سے نیچے کی جانب سے آنا اس کو پسند نہیں پس شیطان اوپر اور نیچے کی طرف سے بندہ کے پاس نہیں آتا صرف انہیں چار جانبوں سے آتا ہے جن کا ذکر آیت میں ہے اور اس کے بعد شیطان نے کہا کہ مجھے امید ہے کہ میں اپنی اس جدوجہد میں بہت کچھ کامیاب بھی ہوجاؤں گا۔ چنانچہ آپ ان میں سے اکثر کو اپنا شکر گزار اور اطاعت شعار نہ پائیں گے ابلیس کا یہ قول بطور ظن اور قیاس اور گمان تھا لیکن اس کو پورا یقین نہ تھا خدا تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ﴾ (یعنی ابلیس نے اپنے گمان کو کچھ ٹھیک پایا) خدا تعالیٰ نے فرمایا میں بندوں کی شکر گزاری سے بے نیاز ہوں اے گستاخ تو آسمان سے مذموم اور راندہ ہوکر نکل جا اور جس کو چاہے بہکا مجھے کوئی پرواہ نہیں خوب سمجھ لے جو کوئی ان میں سے تیری راہ پر چلے گا تو میں بھی تابع اور متبوع سب سے دوزخ کو بھر دوں گا۔ جہاں ایک دوسرے پر لعنت کرتے رہیں گے اس حالت کو تو اگر کامیابی سمجھتا ہے تو سمجھا کر۔

لطائف و معارف

۱- شیطان کے اس قول ﴿فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان بھی ہدایت اور غوایت کا خالق حق تعالیٰ ہی کو سمجھتا تھا اس لیے ﴿فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي﴾ کہا مگر معتزلی یہ کہتا ہے کہ غوایت اور ہدایت کا خالق خود بندہ ہے گویا کہ معتزلی شیطان کو مشورہ دیتا ہے کہ تو ﴿فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي﴾ مت کہہ تو تو خود ہی اپنی غوایت کا خالق ہے خدا تعالیٰ کی طرف کیوں منسوب کرتا ہے۔

۲- ﴿ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ﴾ ۔ یہ آیت اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے کہ شیطان ہر طرف سے آتا ہے اور بہکاتا ہے اور ابن عباس ؓ کہتے ہیں کہ ﴿مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ﴾ سے دنیا کی طرف سے آنا مراد ہے اور ﴿وَمِنْ خَلْفِهِمْ﴾ سے آخرت کی طرف سے آنا۔ ﴿وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ﴾ سے نیکیوں کی طرف سے آنا مراد ہے اور ﴿عَنْ شَمَائِلِهِمْ﴾ سے برائیوں کی طرف سے آنا مراد ہے یعنی آخرت کے بارہ میں ان کو شک میں ڈال دوں گا اور دنیا کی رغبت دلاؤں گا اور برائیوں اور گناہوں کی لذت ان کو بتاؤں گا۔ اور نیکیوں سے ان کو نفرت دلاؤں گا۔

۳- ﴿وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ﴾ شیطان کا یہ قول اپنے گمان اور غرور اور انانیت کی بناء پر تھا۔ اتفاق سے اس کا یہ گمان اور خیال واقع کے موافق نکلا۔ کما قال تعالیٰ: ﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ﴾۔

وَيَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ

اور اے آدم رہ تو اور تیری عورت جنت میں پھر کھاؤ جہاں سے چاہو اور پاس نہ جاؤ اس درخت کے

اور اے آدم ! بس تو اور تیرا جوڑا جنت میں، پھر کھاؤ جہاں سے چاہو، اور پاس نہ جاؤ اس درخت کے۔

فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّیْطٰنُ لِیُبْدِیَ لَهُمَا مَا وٗرِیَ عَنْهُمَا مِنْ

پھر تم ہو جاؤ گے گناہ گار ف۱ پھر بہکایا ان کو شیطان نے تا کہ کھول دے ان پر وہ چیز کہ ان کی نظر سے پوشیدہ تھی ان کی

پھر تم ہو گے گنہگار۔ پھر بہکایا ان کو شیطان نے، تا کھولے ان پر جو ڈھکے تھے ان سے ان کے

سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَیْنِ اَوْ تَكُوْنَا

شرمگاہوں سے اور وہ بولا کہ تم کو نہیں روکا تمہارے رب نے اس درخت سے مگر اسی لیے کہ کبھی تم ہو جاؤ

عیب، اور وہ بولا، تم کو جو منع کیا ہے رب تمہارے نے اس درخت سے، مگر یہ کہ کبھی ہو جاؤ فرشتے، یا ہو جاؤ

مِنَ الْخٰلِدِیْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَاۤ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۲۱﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا

فرشتے یا ہو جاؤ ہمیشہ رہنے والے اور ان کے آگے قسم کھائی کہ میں البتہ تمہارا دوست ہوں پھر مائل کر لیا ان کو فریب سے ف۲ پھر جب چکھا

ہمیشہ جینے والے۔ اور ان کے پاس قسم کھائی کہ میں تمہارا دوست ہوں۔ پھر ڈھلایا (مائل کیا) ان کو فریب سے۔ پھر جب چکھا

الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا

ان دونوں نے درخت کو تو کھل گئیں ان پر شرمگاہیں ان کی ف۳ اور لگے جوڑنے اپنے اوپر بہشت کے پتے ف۴ اور پکارا ان کو

دونوں نے درخت، کھل گئے ان پر عیب ان کے اور لگے جوڑنے اپنے اوپر پات بہشت کے۔ اور پکارا ان کو

ف۱ آدم وحوا کو اجازت تھی کہ بلا روک ٹوک جو چاہیں کھائیں پئیں۔ بجز ایک معین درخت کے جس کا کھانا ان کی بہشتی زندگی اور استعداد کے مناسب نہ تھا، اسے فرمادیا کہ اس کے پاس نہ جاؤ ورنہ نقصان اٹھاؤ گے میرے نزدیک یہاں ﴿فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ کا ترجمہ اگر یوں کیا جاتا تو زیادہ موزوں ہوتا" پھر ہو جاؤ گے تم نقصان اٹھانے والوں میں سے۔" ظلم کے معنی نقصان اور کمی و کوتاہی کے آتے ہیں جیسا کہ ﴿وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَیْـًٔا﴾ (کہف) میں۔

ف۲ آدم وحوا شیطان کی قسموں سے متاثر ہوئے کہ خدا کا نام لے کر کون جھوٹ بولنے کی جرأت کر سکتا ہے، شاید وہ یہ سمجھے کہ واقعی اس کے کھانے سے ہم فرشتے بن جائیں گے، یا پھر کبھی فنا نہ ہوں گے۔ اور حق تعالیٰ نے جو نہی فرمائی تھی اس کی تعلیل یا تاویل کر لی ہو گی، لیکن غالباً ﴿فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ اور ﴿اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا یُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى﴾ وغیرہ سے نسیان ہوا، اور یہ بھی خیال نہ رہا کہ جب وہ مسجود ملائکہ بنائے جا چکے، پھر ملک بننے کی کیا ضرورت رہی۔ ﴿فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا﴾ (طٰہٰ، رکوع ۶) واضح ہو کہ امر ونہی کبھی تو تشریعاً ہوتے ہیں اور کبھی شفقۃً۔ اس کو یوں سمجھو کہ مثلاً ایک تو ریل میں بدون ٹکٹ سفر کرنے کی ممانعت ہے یہ تو قانونی حیثیت رکھتی ہے جس کا اثر کمپنی کے حقوق پر پڑتا ہے اور ایک جو گاڑیوں میں لکھا ہوتا ہے کہ" مت تھوکو کہ اس سے بیماری پھیلتی ہے۔" یہ نہی شفقۃً ہے جیسا کہ بیماری پھیلنے کی تعلیل سے ظاہر ہے۔ اسی طرح خدا کے اوامر ونواہی بعض تشریعی ہیں جن کی خلاف ورزی کرنے والا قانونی مجرم سمجھا جاتا ہے اور جن کا ارتکاب کرنا ان حقوق کے منافی ہے جن کی حفاظت کرنا تشریع کا منشا تھا۔ دوسرے وہ اوامر ونواہی ہیں جن کا منشا تشریع نہیں محض شفقت ہے جیسا کہ طب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ کی بہت سی احادیث میں علماء نے تصریح کی ہے۔ شاید آدم علیہ السلام نے اکل شجرہ کی ممانعت کو نہی شفقت سمجھا، اسی لئے شیطان کی وسوسہ اندازی کے بعد اس کی خلاف ورزی کرنے کو زیادہ بھاری خیال نہ کیا۔ مگر چونکہ انبیاء علیہم السلام کی چھوٹی سی لغزش بھی ان کے مرتبہ قرب کے لحاظ سے عظیم وثقیل بن جاتی ہے اس لئے اپنی غلطی کا ظاہری نقصان اٹھانے کے علاوہ مدت دراز تک توبہ و استغفار میں مشغول گریہ و بکا رہے آخر کار ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ، فَتَابَ عَلَیْهِ وَهَدٰى کے نتیجہ پر پہنچ گئے۔

بود آدم دیدۂ نور قدیم — موئے در دیدہ بود کوہ عظیم

ف۳ یعنی عدول حکمی کرا کر لباس بہشتی ان پر سے اتروا دیا۔ کیونکہ جنتی لباس حقیقت میں لباس تقویٰ کی ایک محسوس صورت ہوتی ہے کسی ممنوع کے ارتکاب سے جس قدر لباس تقویٰ میں رخنہ پڑے گا اسی قدر جنتی لباس سے محرومی ہو گی۔ غرض شیطان نے کوشش کی کہ عصیان کرا کر آدم کے بدن سے بطریق مجازات جنت کا =

رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾

ان کے رب نے کیا میں نے منع نہ کیا تھا تم کو اس درخت سے اور نہ کہہ دیا تھا تم کو کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے

ان کے رب نے، میں نے منع نہ کیا تھا تم کو اس درخت سے؟ اور کہا تھا تم کو کہ شیطان تمہارا دشمن صاف ہے۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

بولے وہ دونوں اے رب ہمارے ظلم کیا ہم نے اپنی جان پر اور اگر تو ہم کو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور ہوجائیں گے تباہ

بولے، اے رب ہمارے! ہم نے خراب کیا اپنی جان کو، اور اگر تو نہ بخشے ہم کو اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ہوجاویں نامراد۔

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾

فرمایا تم اترو تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے ف۱ اور تمہارے واسطے زمین میں ٹھکانا اور نفع اٹھانا ہے ایک وقت تک

کہا تم اترو، ایک دوسرے کے دشمن ہوئے۔ اور تم کو زمین پر ٹھہرنا ہے، اور برتنا ہے ایک وقت تک۔

قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع

فرمایا اسی میں تم زندہ رہو گے ف۲ اور اسی میں تم مرو گے اور اسی سے تم نکالے جاؤ گے۔

کہا اسی میں تم جیو گے۔ اور اسی میں تم مرو گے، اور اسی سے نکالے جاؤ گے۔

=خلعت فاخرہ اتروادے۔ یہ میرا خیال ہے۔ لیکن حضرت شاہ صاحب نے نزع لباس کو اکل شجرہ کے ایک طبعی اثر کے طور پر لیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ "حاجت استنجا اور حاجت شہوت جنت میں نہ تھی ان کے بدن پر کپڑے تھے جو کبھی اترتے نہ تھے کیونکہ حاجت اتارنے کی نہ ہوتی تھی، آدم وحوا اپنے اعضاء سے واقف نہ تھے جب یہ گناہ ہوا تو لوازم بشری پیدا ہوئے اپنی حاجت سے خبردار ہوئے اور اپنے اعضاء دیکھے۔" گویا اس درخت کے کھانے سے جو پردہ انسانی کمزوریوں پر پڑا تھا وہ اٹھ گیا" سوآۃ" کے لغوی معنی میں بہت وسعت ہے قابیل ہابیل کے قصہ میں "سَوْءَةَ اَخِيْهِ" فرمایا اور حدیث میں ہے "اِخْذِى سَوْءَتَكَ يَا مِقْدَادُ" اب تک آدم کی نظر میں صرف اپنی سادگی اور معصومیت اور ابلیس کی نظر میں صرف اس کی خلقی کمزوریاں تھیں لیکن اکل شجرہ کے بعد آدم کو اپنی کمزوریاں پیش نظر ہوگئیں اور جب اس غلطی کے بعد انہوں نے توبہ وانابت اختیار کی تو ابلیس لعین کو ان کے اعلیٰ کمال اور انتہائی نجابت اور شرافت کا مشاہدہ ہوگیا۔ اس نے سمجھ لیا کہ یہ مخلوق لغزش کھا کر بھی میری مار کھانے والی نہیں۔ ﴿اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ﴾ شاید اسی لحاظ سے تورات میں ابن قتیبہ صاحب معارف کی نقل کے موافق اس درخت کو "شجرة علم الخير والشر" سے موسوم کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۱۲ یعنی برہنہ ہو کر شرمائے اور پتوں سے بدن ڈھانپنے لگے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ آدمی پیدائش کے وقت ننگا ہوتا ہے مگر فطری حیا مانع ہے کہ ننگا رہے۔

ف۱ مفسرین کے نزدیک یہ خطاب آدم وحوا اور ابلیس لعین سب کو ہے کیونکہ اصل عداوت آدم اور ابلیس کی ہے اور اس عداوت کا دنگل ہماری زمین بنائی گئی جس کی خلافت آدم کو سپرد ہوئی تھی۔

ف۲ یعنی عموماً تمہارا مسکن اصلی ومعتاد یہی زمین ہے۔ اگر خرق عادت کے طور پر کوئی شخص کسی وقت ایک معین مدت کے لئے اس سے اوپر اٹھا لیا جائے مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام، تو وہ اس آیت کے منافی نہیں۔ کیا جو شخص چند روز یا چند گھنٹے کے لئے زمین سے جدا ہو کر ہوائی جہاز میں مقیم ہو یا فرض کیجئے وہیں مرجائے وہ ﴿فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ﴾ کے خلاف ہوگا۔ کیونکہ وہ اس وقت زمین پر نہیں ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ﴾ جو اموات زمین میں مدفون نہ ہوں ان کو فیھا نعیدکم الخ میں کیسے داخل کیا جائے گا معلوم ہوا کہ اس قسم کے قضایا کلیہ کے رنگ میں استعمال نہیں ہوتے۔

تمہ:...... اور ہم نے آدم علیہ السلام کو کہا کہ اے آدم تم اور تمہاری بیوی حوا، فی الحال جنت میں سکونت اور قیام کرو یعنی سردست جنت ہی میں رہو پھر اس میں سے جہاں سے چاہو کھاؤ پیو لیکن اس خاص درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ ظلم کے اصل معنی لغت میں نقصان اور کمی کے آتے ہیں کما قال تعالیٰ: ﴿وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا﴾ اس لیے ہم نے ظالم کا ترجمہ گنہگار سے نہیں کیا بلکہ نقصان اٹھانے والے سے کیا اور یہی زیادہ مناسب ہے ابلیس چونکہ آدم کی وجہ سے ملعون اور مطرود ہو چکا تھا اس لیے اس کے دل میں حسد اور انتقام کی آگ سلگ رہی تھی حضرت آدم کی یہ نعمت اور کرامت دیکھ کر حسد اور انتقام کی آگ اور بھڑک گئی۔ اس لیے از راہ عداوت اس فکر میں پڑا کہ کسی طرح مکروفریب سے ان کو اس عیش وعشرت اور اعلیٰ مقام سے علیحدہ کرایا جائے۔

۱- ادھر کچھ قرآئن سے حضرت آدم کو یہ محسوس ہوا کہ مجھے ایک دن یہ مقام کریم چھوڑ کر دنیا میں جانا ہوگا کیونکہ زمین کی مٹی میری فطرت میں داخل ہے اور اسی سے میرا خمیر تیار ہوا ہے۔ بتقاضائے فطرت ان کو یہ اندیشہ تھا کہ میرا خمیر مجھ کو زمین کی طرف کھینچ کر نہ لے جائے اس لیے کہ اصل اپنی فرع کے لیے جاذب ہوتی ہے اس بناء پر حضرت آدم علیہ السلام کو یہ اندیشہ ہوا کہ مبادا کسی وقت بتقاضائے فطرت مجھ کو زمین کی طرف کھنچنا پڑے۔

۲- علاوہ ازیں تمام فرشتوں میں میری خلافت ارضی کا اعلان ہو چکا ہے اور اسی کے لیے مجھ کو پیدا کیا گیا ہے کما قال تعالیٰ: ﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ لہٰذا ایک نہ ایک دن مجھ کو منصب خلافت کی ادائیگی کے لیے زمین پر اترنا پڑے گا اس لیے حضرت آدم کو اپنے خلود جنت کی طرف سے ہر وقت کھٹکا لگا رہتا تھا۔

۳- نیز اس اعلان خلافت کے بعد حق تعالیٰ کا حضرت آدم علیہ السلام کو یہ حکم دینا ﴿اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾ اس طرف مشیر ہے کہ یہ حکم چند روزہ سکونت کا ہے دائمی قیام کا حکم نہیں کیونکہ "اسْكُنْ" فرمایا ہے "اقم" نہیں فرمایا اس حکم کو سن کر حضرت آدم نے زبان سے تو کچھ نہ فرمایا مگر دل میں ڈر گئے اور چونکہ حضرت آدم خداوند ذوالجلال کے عاشق صادق تھے جنت کے قیام کو اس لیے مغتنم سمجھتے تھے کہ بہشت کا قیام قرب خداوندی کا ذریعہ ہے جس سے بڑھ کر عاشق صادق کی نظر میں کوئی چیز محبوب اور مطلوب نہیں ابلیس نے یہ خیال کیا کہ عاشق صادق کو قرب کی طمع اور لالچ دیکر چکمہ دیا جا سکتا ہے۔ اس لیے اس نے حضرت آدم اور حواء علیہما السلام کو مَلَكَيْنِ اور خلود فی الجنۃ کا ایک حیلہ بنایا اور قسم کھا کر یہ باور کرایا کہ یہ حیلہ زیادتی قرب یا دوام قرب کا ذریعہ ہے تا کہ آدم اور حوا علیہما السلام سنتے ہی اس کی طرف مائل ہو جائیں کیونکہ زیادتی قرب یا دوام قرب عاشق کی عین تمنا اور آرزو ہے۔ عاشق صادق کی شان تو یہ ہوتی ہے۔

تلخ تر از فرقت تو، ہیچ نیست بے پناہت غیر پیچا پیچ نیست

(یعنی تیری جدائی سے زیادہ تلخ کوئی چیز نہیں اور بغیر تیری پناہ کے سوائے الجھن اور حیرانی کے کچھ نہیں) پس شیطان نے اس راہ سے ان دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا تا کہ اس درخت سے کھانے سے وہ قابل شرم چیز جو ان کی مستور تھی وہ ان کے سامنے ظاہر کر دے یعنی ان پر ان کی شرمگاہیں ظاہر ہو جائیں کیونکہ اس درخت کی خاصیت ہی یہ تھی کہ اس کے کھانے کے بعد جنت کا لباس بدن سے اتر جائے اور وہ وسوسہ جس کے ذریعے ابلیس نے حضرت آدم اور حواء علیہما السلام کو دھوکہ دیا

وہ یہ تھا کہ آدم اور حوا سے یہ کہا کہ نہیں منع کیا تم کو تمہارے پروردگار نے اس درخت کے کھانے سے مگر اس خطرہ سے کہ تم دونوں اس کو کھا کر مبادا فرشتے نہ ہو جاؤ کہ فرشتوں کی طرح کھانے اور پینے سے مستغنی ہو جاؤ اور فرشتوں کی طرح تسبیح و تقدیس تمہاری غذا بن جائے اور فرشتوں کی طرح اطاعت خداوندی تمہاری طبیعت اور مزاج بن جائے اور معصیت کا احتمال بھی باقی نہ رہے یا اگر فرشتے نہ بنو تو ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے ہو جاؤ کہ موت کا خطرہ باقی نہ رہے کیونکہ اس کے کھانے میں یہ دونوں خاصیتیں ہیں شیطان کا مطلب یہ تھا کہ اے آدم تم کو جو خلود فی الجنت کی طرف سے کھٹکا لگا رہتا ہے اس کے ازالہ کی صورت یہ ہے کہ آپ اس دانہ گندم کو کھا لیجئے تو آپ کو بہشت کا مدامی قیام حاصل ہو سکے گا آپ کے خلود اور بقاء میں صرف یہ مانع ہے آپ اس کو اٹھا دیجئے آپ کا مقصود جو قرب دائمی ہے وہ آپ کو میسر آ جائے گا جیسا کہ دوسری جگہ ہے۔ ﴿يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى﴾ اور ابتداء میں جو آپ کو ممانعت کی گئی تھی سو غالباً اس وقت مَلکیت اور حیات ابدیہ آپ کے مناسب حال نہ تھی اور اب آپ ترقی کر گئے ہیں جس سے آپ میں اس کی صلاحیت پیدا ہو گئی ہے جو آپ کے حال کے مناسب ہے اس لیے اب اس درخت کے کھا لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اور اس کے بعد شیطان دونوں کے روبرو قسم کھا کر کہنے لگا کہ خدا کی قسم میں تمہارے خیر خواہوں میں ہوں یعنی اگرچہ میں تمہارا دشمن ہوں مگر خدا کی قسم یہ بات تو تمہاری خیر خواہی سے کہہ رہا ہوں اور محض بطور خیر خواہی خلود اور بقاء کا یہ طریقہ تم کو بتلا رہا ہوں چونکہ میں تم سے پہلے اس جگہ رہا ہوں اس لیے میں یہاں کے احوال اور اطوار سے بخوبی واقف ہوں اور خدا کی قسم میں تم سے پہلے پیدا ہوا ہوں اور تم سے زیادہ یہاں کا علم رکھتا ہوں اس لیے بطور خیر خواہی تم کو یہ مشورہ دے رہا ہوں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں حق جل شانہ کی عظمت اس درجہ راسخ تھی کہ ان کو یہ شبہ بھی نہ گزرا کہ کوئی خدا کے نام سے جھوٹی قسم کھانے کی جرأت بھی کر سکتا ہے اور حکم شرعی بھی یہی ہے کہ جب کوئی خدا کی قسم کھائے تو اس کی بات مان لینی چاہئے اس لیے حضرت آدم اور حواء علیہما السلام اس کے دھوکے اور فریب میں آ گئے جس سے حضرت آدم علیہ السلام کا کمال اور جمال بھی ظاہر ہوا کہ خداوند ذوالجلال کے کس درجہ شیدائی اور فدائی تھے کہ اس کا نام سن کر پگھل گئے اور کسی نے کیا خوب کہا ہے "قد يخدع المومن بالله" یعنی مومن اللہ کا نام سن کر دشمن کے فریب میں آ جاتا ہے عاشق سے جب محبوب کا نام لے کر کچھ کہا جاتا ہے تو اس وقت اس کے دل کا حال کچھ اور ہوتا ہے اس لیے آدم علیہ السلام اس کی جھوٹی قسموں کا اعتبار کر بیٹھے اور ان کو اس کی خیر خواہی کا یقین ہو گیا۔ اور اس سے پہلے ان کو کسی مکار اور فریبی سے واسطہ بھی نہ پڑا تھا جو جانتے کہ مکر اور فریب کیسا ہوتا ہے۔ پس اس طرح فریب سے ان دونوں کو اپنی طرف کھینچ لیا اور دھوکہ سے بلندی سے اتار کر پستی کی طرف ڈال دیا۔ اور دانہ گندم کے کھانے کی طرف ان کو مائل کر دیا۔ پس جونہی انہوں نے اس درخت کے پھل کو چکھا تو ان کا ستر کھل گیا۔ جو اس درخت کی خاصیت تھی وہ ظاہر ہوئی اور بہشتی لباس ان سے اتر گیا اور وہ شرما گئے اور شرما کر اپنے اوپر بہشت کے درختوں کے پتے چپکانے لگے تا کہ اپنے ستر کو چھپائیں۔ اور اس وقت ان کے رب نے ان کو پکارا کیا میں نے تم کو اس درخت کے کھانے سے منع نہیں کر دیا تھا اور کیا میں نے تم سے یہ نہیں کہہ دیا تھا کہ تحقیق یہ شیطان ہر چیز میں تمہارا دشمن ہے اس سے بچتے رہنا اگرچہ وہ قسمیں کھا کر خیر خواہی جتلائے پھر تم اس کے کہنے میں کیوں آ گئے دونوں بولے اے پروردگار ہم قصور وار ہیں اور تیری مغفرت اور رحمت کے امیدوار ہیں، بیشک ہم نے ابلیس

کے فریب میں آ کر اپنی جانوں کو نقصان پہنچایا۔ اور اپنا ہی کام خراب کیا کہ ہمارا یہ جنتی لباس بدن سے اتر پڑا حکم عدولی سے تیرا کوئی نقصان نہیں بیشک ہم اگر عزم اور حزم یعنی تامل اور احتیاط سے کام لیتے تو یہ نقصان نہ دیکھتے اور اگر آپ ہمارا یہ قصور معاف نہ کریں اور آئندہ کے لیے ہم پر اپنا لطف و کرم نہ فرمائیں تو بیشک ہم خسارہ اور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوجائیں گے اور اگر آپ نے اپنی مغفرت اور رحمت سے ہم کو نواز دیا تو ہمارا یہ خسارہ مبدل بہ منفعت ہوجائے گا۔ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو دوام قرب خداوندی کے حصول کا ایک ذریعہ بتلایا جو ان کی تمنا اور آرزو تھی اس لیے اس ذوق و شوق کی حالت میں حق تعالیٰ کے حکم ﴿لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ﴾ اور ﴿اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى﴾ سے ذہول اور نسیان ہوا اور یہ بھی خیال نہ رہا کہ جب میں مسجود ملائکہ بن چکا ہوں تو اب مَلَک (فرشتہ) بننے کی کیا ضرورت رہی کما قال تعالیٰ: ﴿فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا﴾۔ مگر اس کو قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھ کر گزرے اور ظاہر ہے کہ اگر بھول کر کوئی کام خلاف حکم سرزد ہوجائے تو اس کو لغزش اور خطاء اجتہادی کہتے ہیں یہ اگر معصیت ہے تو محض صورۃً معصیت ہے اور حقیقۃً معصیت وہ ہے جو دیدہ و دانستہ ہو۔ حضرات انبیاء کا طریقہ یہ ہے کہ جب ان سے کوئی بھول چوک ہوجاتی ہے تو وہ فوراً بارگاہ خداوندی میں معافی کے خواستگار ہوجاتے ہیں اور اپنی لغزش کی کوئی تاویل نہیں کرتے تاویل بھی خلاف ادب ہے اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام لغزش کے بعد توبہ اور استغفار کی طرف متوجہ ہوگئے جس سے انکا مرتبہ اور بلند ہوگیا۔ کما قال تعالیٰ: ﴿وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ﴾۔ معصیت کے بعد اجتباء کا ذکر اس توبہ اور استغفار کا ثمرہ ہے خوب سمجھ لو۔ اور شیطان نے دیدہ و دانستہ حکم عدولی کی اور اپنے زعم باطل کی توجیہات اور تاویلات شروع کردیں جس سے اور زیادہ ذلیل اور خوار ہوا۔

حضرات انبیاء اپنے علو مرتبت اور رفعت اور کمال معرفت کے سبب اپنی ادنیٰ لغزشوں پر بھی مواخذۂ خداوندی سے خائف اور ترساں رہتے ہیں جن پر دوسرے لوگوں سے مواخذہ نہیں ہوتا اور جو امور ان سے از راہ سہو و نسیان سرزد ہوجاتے ہیں ان لغزشوں کو ان کے علو مرتبہ کے لحاظ سے سیئات اور معاصی کے نام سے تعبیر کردیا جاتا ہے ورنہ فی الحقیقت دوسرے لوگوں کے گناہوں کی طرح گناہ نہیں ہوتے بلکہ دوسرے لوگوں کے لیے بمنزلہ نیکی ہوتے ہیں البتہ یہ لغزشیں اور بھول چوک حضرات انبیاء کے مرتبہ کے لحاظ سے بمنزلہ ذنوب کے ہوجاتے ہیں جیسا کہ کہا گیا ہے حسنات الابرار سیئات المقربین یعنی نیکوں کی نیکیاں مقربین کے گناہ ہیں۔

ایں خطا از صد صواب اولیٰ تراست　　　خون شہیداں را از آب اولیٰ تر است

چنانچہ عارف رومی قدس سرہ السامی، فرماتے ہیں:

گرچہ یک مو بد گنہ کو جستہ بود　　　لیک آں مو در دو دیدہ رستہ بود

(اگرچہ وہ گناہ جو آدم علیہ السلام سے سرزد ہوا وہ بال کے برابر تھا لیکن وہ بال آنکھوں میں ظاہر ہوا) انسان کے جسم پر کم و بیش بال ہوتے ہیں مگر ان سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی لیکن آنکھوں کے اندر اگر کوئی بال آجائے تو وہ سخت تکلیف دہ ہوتا ہے۔

بود آدم دیدۂ نور قدیم موئے در دیدہ بود کوہ عظیم

(اسی طرح سمجھو کہ آدم علیہ السلام کی ذات بابرکات نور قدیم کے آنکھ کی طرح تھی اور آنکھ جیسی نازک چیز میں ایک بال بھی بمنزلہ ایک بھاری پہاڑ موجب ثقل ہوتا ہے)۔

گرد راں حالت بکروے مشورت در پشیمانی نہ گفتے معذرت

(ہاں اگر اس حالت میں جبکہ شیطان ان کو اپنی تقدیر سراپا تزویر سے دھوکہ دے رہا تھا۔ حق جل شانہ سے مشورہ کر لیتے کہ اے پروردگار اس بارہ میں آپ کا کیا ارشاد ہے تو آدم علیہ السلام کو ندامت اور پشیمانی سے معذرت یعنی توبہ اور استغفار کی نوبت ہی نہ آتی) کیونکہ حضرت آدم رسول مکلم تھے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے بلاواسطہ ان کو وحی ہوتی تھی وہ اس بارہ میں بھی بلاواسطہ حق تعالیٰ سے دریافت کر سکتے تھے لہٰذا ان کی شایان شان یہ تھا کہ جس طرح ان کو بلاواسطہ یہ نہی پہنچی تھی کہ ﴿لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ﴾ (اس درخت کے قریب نہ جانا) تو اسی طرح ان کے لیے یہ مناسب تھا کہ جب شیطان نے ان کو یہ مشورہ دیا تھا تو وہ خود خداوند تعالیٰ سے بلاواسطہ دریافت کرتے کہ یہ ابلیس مجھے یہ مشورہ دیتا ہے۔ اس بارہ میں کیا حکم ہے اور کیا وہ سابق نہی مرتفع ہوگئی۔ پس حضرت آدم علیہ السلام نے وہ چیز ترک کی جو ان کی شان کے لیے اولی اور انسب تھی کہ خدا تعالیٰ سے دریافت کرتے لیکن بھول گئے اور خدا تعالیٰ سے دریافت نہ کیا پس اس ترک اولیٰ کی وجہ سے عتاب آیا اور یہ ترک اولیٰ بھی ان کی شان کے لحاظ سے ہے ورنہ ہمارے لحاظ سے ترک اولیٰ بھی نہیں کیونکہ اللہ کے نام کی قسم سے حجت پوری ہو جاتی ہے۔

خدا تعالیٰ نے فرمایا اگرچہ میں نے تمہاری تقصیر کو معاف کیا اور تمہاری توبہ اور معذرت قبول ہوئی اور آئندہ کے لیے تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تم پر میری رحمتیں اور برکتیں مبذول ہوں گی لیکن فی الحال یہ حکم دیا جاتا ہے کہ تم جنت سے زمین پر اترو تاکہ تمہاری پیدائش کا مقصد جو خلافت فی الارض ہے اور جس پر تم نامزد ہو چکے ہو۔ وہ زمین پر اترنے ہی سے پورا ہوگا اور باہمی عدل وانصاف جو خلافت کے لوازم میں سے ہے وہ جنت میں رہ کر پورا نہیں ہو سکتا۔ خلافت کے لیے باہمی دشمنی اور عداوت چاہئے اور یہ امر جنت میں ممکن نہیں باہمی عداوت کا محل زمین ہے لہٰذا تم زمین کی طرف اترو وہاں ایک دوسرے کا دشمن ہوگا۔ اور اللہ کا خلیفہ تمہارے درمیان عدل وانصاف کرے گا اور یہ سلسلہ قیامت تک ممتد رہے گا تمہارا یہ ہبوط اگرچہ بظاہر لغزش اور خطا کا اثر معلوم ہوتا ہے لیکن در پردہ مشیت الٰہیہ کی تکمیل ہے مگر چونکہ اس منصب جلیل یعنی منصب خلافت کی سپردگی جنت سے نکلنے پر موقوف تھی۔ اس لیے اس بھولے سے کھانے کو اس کا ایک ظاہری سبب اور بہانہ بنا دیا گیا صورۃً اور ظاہراً اگرچہ وہ کھانا نزول عتاب کا باعث بنا لیکن درحقیقت وہ ازدیاد مراتب اور عروج مدارج کا سبب بنا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حکم یہ ہوا کہ جنت سے زمین کی طرف اترو اور تمہاری اولاد ایک دوسرے کی دشمن ہوگی اور تمہارے لیے ایک وقت معین تک یعنی مرنے تک زمین میں ٹھہرنا ہے اور سامان دنیوی سے نفع اٹھانا ہے اور وہاں رہ کر جنت کی واپسی کی تیاری کرنا ہے اور یہ شیطان بھی زمین پر جا رہا ہے وہاں جا کر اس سے ہوشیار رہنا ہے اور اس کے دھوکہ میں نہ آنا اور پھر چند روز کے بعد تم کو ہماری طرف آنا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ تم اسی زمین میں زندگی بسر کرو گے اور اسی میں مرو گے۔ اور پھر قیامت کے قریب اسی میں سے زندہ کر کے نکالے جاؤ گے۔ اور حساب کتاب کے بعد تم میں سے جو شخص اپنے باپ آدم

کے طریقہ پر چلا ہوگا وہ جنت میں پہنچ جائے گا ورنہ سجین اور اسفل السافلین میں اس کا ہبوط ہوجائے گا۔

لطائف و معارف

۱- حضرت آدم علیہ السلام اللہ سبحانہ کے من کل الوجوہ مقبول اور برگزیدہ بندے تھے کما قال تعالیٰ: ﴿إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ الآیۃ۔ ہر اعتبار سے ظاہراً و باطناً خدا کے پسندیدہ اور چیدہ و برگزیدہ تھے حق تعالیٰ شانہ نے خود اپنے دست خاص سے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اپنے صفات و کمالات کا انکو آئینہ اور مظہر بنایا جیسا کہ حدیث میں ہے "خلق اللہ آدم علی صورتہ"

پس خلیفہ ساخت صاحب سینۂ تا بود شاہیش را آئینہ

اور بلا واسطہ اپنے کلام اور خطاب کے شرف سے ان کو شرف بخشا اور خلعت خلافت اور خلعت نبوت و رسالت سے ان کو سرفراز کیا اور مسجود ملائکہ بنایا تا کہ معلوم ہوجائے کہ نبی اور رسول کا درجہ فرشتوں سے بڑھ کر ہے اور قرب خداوندی میں ان کا مقام ملائکہ کے مقام سے بلند اور برتر ہے جیسا اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام ملائکہ سے افضل ہیں اور جب فرشتوں پر حضرت آدم علیہ السلام کا فضل و کمال ظاہر ہوگیا تو خداوند ذوالجلال نے ان کو جنت میں رہنے کا حکم دیا ﴿يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾ حضرت آدم علیہ السلام جنت کے قیام کو از بس مغتنم سمجھتے تھے کہ وہاں کا قیام قرب خداوندی کا ذریعہ تھا۔ مگر قرائن سے یہ محسوس کرتے تھے کہ مجھے ایک نہ ایک دن یہ مقام چھوڑنا پڑے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو مٹی سے پیدا کیا ہے میری اصل فطرت زمینی ہے مبادا بتقاضائے فطرت کسی وقت مجھ کو زمین کی طرف کھنچنا پڑے کیونکہ فرع کا اصل کی طرف انجذاب ایک فطری امر ہے۔ نیز میری پیدائش کا اصل مقصد خلافت فی الارض ہے نہ معلوم کس وقت اس منصب کی انجام دہی کے لیے زمین پر اترنا پڑے۔ نیز فی الحال جو مجھ کو قیام جنت کا حکم دیا گیا ہے وہ ﴿يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾ کے عنوان سے آیا ہے جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ یہاں کا قیام دائمی نہیں بلکہ چند روزہ سکونت ہے اس لیے ان کو اپنے خلود فی الجنۃ کی طرف سے کھٹکا رہتا تھا۔ اور باوجود اس علم کے کہ میں مسجود ملائکہ ہوں اور خداوند ذوالجلال نے جو علم اور شرف اور منصب خلافت مجھ کو عطاء کیا ہے وہ ملائکہ کی تسبیح و تقدیس سے افضل ہے۔ خدا تعالیٰ کے عاشق صادق تھے۔ حق تعالیٰ کی محبت بے غایت کی وجہ سے قیام جنت کو قرب خداوندی کا ذریعہ سمجھ کر اس کی طرف مائل تھے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی افضل اور جلیل المرتبہ اپنے سے کمتر اور فروتر کی کسی نعمت اور فضیلت کی طرف کسی عارض کی بناء پر مائل ہوجاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن کچھ لوگ ایسے ہوں گے کہ ان کی سہولت اور خفت کو دیکھ کر انبیاء کرام بھی ان پر غبطہ کریں گے سو یہ غبطہ اس بناء پر نہ ہوگا کہ وہ لوگ انبیاء سے افضل ہوں گے بلکہ کسی سہولت اور راحت کی بناء پر ہوگا اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کو باوجود افضلیت اور باوجود فضل کلی کے اگر ملائکہ کے بعض جزئی فضائل کی طرف میلان ہوجائے تو یہ میلان ان کی افضلیت کے منافی نہیں۔

شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کی اسی تڑپتی ہوئی رگ کو تاک لیا اور سمجھ گیا کہ اسی راہ سے ان کو دھوکہ اور فریب دیا

جاسکتا ہے چنانچہ ان کے پاس آیا اور خدا کی قسم کھا کر یہ کہا اگر تم جنت کا خلود اور دوام چاہتے ہو تو اس درخت سے کچھ کھالو تمہارا مقصد حاصل ہو جائے گا۔ یعنی تم ہمیشہ جنت ہی میں رہو گے اور زمین پر اترنا نہیں پڑے گا۔ حضرت آدم علیہ السلام اس کے فریب میں آگئے اور اکل حنطہ کا ارتکاب کر بیٹھے ارتکاب کے بعد اپنی خطاء اور لغزش کا احساس ہوا اور بصد ندامت و شرمساری اور بصد گریہ وزاری ان کلمات سے توبہ اور معذرت کی۔ ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾۔

۲- ہبوط کا حکم: ...... بعد ازاں حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کو حکم ہوا کہ بہشت سے زمین پر اتریں اور حضرت آدم علیہ السلام کو بہشت سے نکلنے کا حکم از روئے عتاب وعقاب نہ تھا۔ بلکہ اس درخت کے کھانے کا اثر تھا جس طرح انکشاف ستر اس کا ایک اثر تھا۔ خصوصاً جبکہ بعض آیات اس پر دال ہیں کہ ہبوط کا حکم قبول توبہ کے بعد ہوا ہے کما قال تعالیٰ: ﴿فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا﴾۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ قبول توبہ کے بعد زمین پر اتارے گئے اور ظاہر ہے کہ قبول توبہ کے بعد عتاب اور عقاب کے کوئی معنی نہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کا بہشت میں رہنا اس شرط کے ساتھ مشروط تھا کہ وہ اس درخت سے نہ کھائیں اور اب مصلحت ان کے بہشت میں رہنے کی نہ تھی اور وقت آ گیا کہ نوشتۂ قضاوقدر ظہور میں آئے اور وہ اپنے مقام خلافت پر جائیں جیسا کہ ﴿اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً﴾ صاف اس پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا ہی اس لیے کیا گیا تھا کہ وہ زمین پر خلیفہ ہوں اور زمین انہی کے لیے پیدا کی گئی تھی۔ کما قال تعالیٰ: ﴿خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾۔ پس یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا زمین پر اتارنا سزا یا بطور اہانت تھا۔ وہ تو پہلے ہی خلافت الٰہیہ فی الارض کے لیے مامور اور نامزد ہو چکے ہیں۔ یہ عجیب اہانت ہے کہ ان کو خلافت فی الارض عطاء کی جا رہی ہے اور وہ منصب جلیل ان کو عطاء کیا جا رہا ہے جس کی فرشتوں نے ﴿وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ﴾ کہہ کر خواہش ظاہر کی تھی اور حق جل شانہ کے اس ارشاد ﴿وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ ثُمَّ اجْتَبٰىهُ رَبُّهٗ﴾ سے صاف ظاہر ہے کہ اس لغزش کے بعد خدا تعالیٰ نے مزید برگزیدہ بنایا۔ پس حضرت آدم کو بہشت سے زمین پر اترنے کا حکم اہانت کی بناء پر نہ تھا بلکہ ﴿اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً﴾ کی تکمیل کے لیے تھا کہ جن کو پیدا ہی خلافت ارضی کے لیے کیا گیا ہے۔ ان کو مقام خلافت میں پہنچا دیا جائے بظاہر اگرچہ بعد ہوگا مگر معنیً اور رتبۂ قرب پہلے سے زیادہ ہوگا۔ خدا تعالیٰ کے اعتبار سے زمین اور آسمان سب برابر ہیں۔ اور مقام خلافت قیام جنت سے کہیں اعلیٰ اور ارفع ہے اور یہ مقام خلافت اس درجہ بلند ہے کہ ملائکہ سموات وارضین کو اسی وجہ سے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ خلیفہ الٰہی کی فضیلت اور برتری ملائکہ پر ثابت ہو جائے۔

۳- حضرت آدم علیہ السلام کے اس قول ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا﴾ میں۔ ظلم سے گناہ اور جرم کے معنی مراد نہیں ظلم کے اصل معنی نقصان اور کمی اور کوتاہی کے ہیں حق تعالیٰ کے اس قول ﴿وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا﴾ میں ظلم سے کمی کے معنی مراد ہیں اور عقلاً اور شرعاً ظلم کے درجات ہیں۔ حق تعالیٰ نے شرک کو ظلم عظیم فرمایا ہے۔ ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾۔ اور دوسری جگہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ فرمایا ہے معلوم ہوا کہ کوئی ظلم یعنی کوئی نقصان اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ ذرہ کے برابر ہوتا ہے۔

تو حضرت آدم علیہ السلام کے ظلم کے معنی یہ ہیں کہ اے پروردگار ہم نے شیطان کے دھوکہ میں آکر اپنا نقصان کیا کہ آپ کے حکم کی متابعت سے اور شیطان کی مخالفت سے ہم کو جو درجات اور مراتب حاصل ہوئے ان میں کمی آگئی اور سردست جنت کا لباس ہمارے بدن سے اتر گیا اور تیرے مقام قرب اور مقام اختصاص سے ہم کو دور جانا پڑ رہا ہے اور نعمائے جنت سے محروم ہو رہے ہیں۔ ہم پر رحم فرما۔

۳- قصہ آدم علیہ السلام و بستن قضاء نظر او راز مراعات صریح نہی و ترک تاویل

عارف رومی قدس سرہ السامی نے اپنی مثنوی میں بزبان ہدہد ایک قصہ بیان کیا جس میں بتلایا۔

چوں قضا آید شود دانش بخواب — مہ سیہ گردد بگیرد آفتاب

یعنی جب قضا آتی ہے تو عقل سو جاتی ہے اور اس کا ادراک بھی سو جاتا ہے اور قضائے الٰہی سے چاند سیاہ پڑ جاتا ہے اور سورج کو گرہن لگ جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ عقل جو آفتاب اور ماہتاب کی طرح روشن ہے قضاء الٰہی سے وہ بے نور اور تاریک ہو جاتی ہے اب آگے اسی مضمون کی تائید کے لیے حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہیں بظاہر یہ قصہ بھی بزبان ہدہد ہے اور ممکن ہے کہ یہ قصہ عارف رومی کی طرف سے ہو اور مقصود یہ ہے کہ غلبہ قضاء وہ چیز ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے باوجود اتنے بڑے علم و معرفت کے لغزش ہوگئی کہ قضاء و قدر نے ان کی نظر کو صریح نہی کی رعایت سے باز رکھا اور ترک تاویل اور عدم تاویل کی بجائے تاویل کی طرف ان کو مائل کر دیا اور تاویل کی راہ اختیار کر گئے یہ سب قضاء و قدر کا کرشمہ تھا۔

ابو البشر کو علم الاسماء بگ است — صد ہزاراں علمش اندر ہر رگ است

یعنی حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام جو ابو البشر ہیں اور مرتبہ علم آدم الاسماء کے تاجدار ہیں اور لاکھوں علم ان کی رگ میں بھرے ہوئے ہیں۔ آگے علم الاسماء کی تفسیر فرماتے ہیں۔

اسم ہر چیزے چناں کاں چیز ہست — تا بپایاں جان اورا داد دست

تمام چیزوں کے نام اور جس حالت پر وہ واقع ہیں سب کا نام و نشان ان کی آخری حالت تک ان کی روح کو عطاء کر دیا گیا۔ خلاصہ تفسیر کا یہ ہوا کہ علم آدم الاسماء سے صرف اشیاء کے نام بتا دینا مراد نہیں بلکہ اسماء عام ہے جو حقائق اور اوصاف اور خواص اور آثار سب کو شامل ہے پس تعلیم اسماء کا مطلب یہ ہوا کہ تمام اشیاء کے نام اور ان کی ماہیتیں اور صفتیں اور خاصیتیں سب آدم علیہ السلام کو بتلا دیں کیونکہ خلیفۃ اللہ فی الارض کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ دنیا میں پیش آنے والے امور مثلاً کھانا اور پینا اور بھوک اور پیاس اور سرور اور حزن اور شہوت اور غضب وغیرہ وغیرہ اس قسم کے تمام امور کے ماہیتوں اور خاصیتوں سے واقف ہو اس لیے یہ تمام امور حضرت آدم علیہ السلام کو بتلا دیئے گئے تاکہ زمین میں منصب خلافت کو انجام دے سکیں اور فرشتوں میں اللہ نے کسی حکمت سے یہ استعداد نہیں رکھی کہ وہ ان امور حسیہ اور جسمانیہ کا کما حقہ ادراک کر سکیں ملائکہ اس قسم کے امور سے منزہ ہیں اس لیے منصب خلافت بجائے ملائکہ کے حضرت آدم علیہ السلام کو ملا۔

چشم آدم چوں بنور پاک دید — جان و سرّ نامہا گشتش پدید

حضرت آدم علیہ السلام کی آنکھ نے جو نور خداوندی سے منور تھی نظر اٹھائی اور خداداد نور سے اشیاء کا مشاہدہ کیا تو ان پر تمام اسماء کے حقائق اور اسرار منکشف ہو گئے پس اصل فضیلت حضرت آدم علیہ السلام کی یہ تھی کہ وہ نور الٰہی اور علم خداوندی کے مظہر اور آئینہ تھے۔

چوں ملک انوارِ حق بروئے بتافت در سجود اُفتاد ودر خدمت شتافت

جب فرشتوں نے ان میں انوار حق اور تجلیات ربانی کو درخشاں دیکھا تو سب سجدہ میں گر گئے اور خدمت کے لیے دوڑے۔

چوں ملائک نور حق دیدند ازو جملہ افتادندہ در سجدہ برو

جب ملائکہ نے حضرت آدم علیہ السلام میں نور حق کو جلوہ گر دیکھا تو سب سجدہ میں گر گئے بخلاف ابلیس کے کہ اس کی نظر صرف مادہ طین تک محدود رہی اور نور حق سے نابینا بن گیا اس لیے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اور خداوند ذوالجلال سے بحث شروع کی۔ ﴿خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ﴾۔

ایں چنیں آدم کہ نامش می برم گر ستایم تاقیامت قاصرم

''ہدہد'' جس کی زبان پر یہ قصہ بیان کیا جا رہا ہے وہ ہدہد یہ کہتا ہے کہ ایسے آدم جن کا نام میں لے رہا ہوں اگر قیامت تک بھی ان کی تعریف وتوصیف کروں تو تب بھی قاصر رہوں۔

ایں ہمہ دانست وچوں آمد قضا دانش یک نہی شد بروئے غطا

باوجودیکہ حضرت آدم علیہ السلام کو یہ سارا علم حاصل تھا اور تمام چیزوں کے خواص وآثار سے واقف تھے لیکن جب قضا ونمودار ہوئی تو ایک نہی ﴿لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ﴾ کا علم ان پر پوشیدہ ہو گیا اور غیبی طور پر اس پر ایک پردہ پڑ گیا جس سے وہ دشمن کے وسوسہ سے تردد میں پڑ گئے جس کا اگلے شعر میں بیان ہے

کاے عجب نہی از پئے تحریم بود یا بتاویلے بدوتوہیم بود

حضرت آدم علیہ السلام حیران تھے اور تعجب اور تردد میں تھے کہ خدا جانے یہ نہی تحریم مطلق کے لیے ہے کہ ذاتی طور پر اس درخت کے قریب جانا مطلقاً حرام ہے یا یہ نہی متلبس بتاویل ہے اور اس نہی سے ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ تاویلی اور مجازی معنی مراد ہیں جس سے مجھ کو وہم میں ڈال دیا گیا ہے تاویل کے معنی ہیں کلام کو ظاہر سے پھیر کر ایسے معنی کی طرف لے جانا جو قواعد شریعت اور قواعد عربیت کے مطابق ہوں اور توہیم اور ابہام کے معنی۔ قریبی اور متبادر مفہوم کو چھوڑ کر معنی بعید مراد لینا۔ اس لیے حضرت آدم علیہ السلام کو خیال ہوا کہ عجب نہیں کہ یہ نہی تاویلی ہو اور اس سے اس درخت کی ممانعت مراد نہ ہو بلکہ کوئی اور معنی مراد ہوں یعنی اس درخت سے کھانا فی حد ذاتہ حرام نہ ہو۔ محض کسی حکمت اور مصلحت سے اس درخت سے کھانے کی ممانعت کر دی گئی ہو۔ غرض یہ کہ حضرت آدم دشمن کے وسوسہ سے تردد میں پڑ گئے کہ یہ نہی اور ممانعت ذاتی حرمت کی وجہ سے ہے یا یہ نہی تنزیہی ہے یا محض شفقت کی بناء پر ہے کہ اس وقت میری استعداد کمزور ہے۔ شاید اس حالت میں اس کا تحمل نہ کر سکوں اور ممکن ہے کہ یہ نہی تابیدی نہ ہو بلکہ وقتی ہو اور کسی عارض اور مصلحت کی بناء پر ہو اور یہ خیال کیا کہ جو نہی اور ممانعت محض شفقت

کی بناء پر ہو یا کسی وقتی اور عارضی مصلحت کی وجہ سے ہو تو ایسی نہی کی خلاف ورزی کوئی گناہ نہیں اس لیے وہ درخت سے کھانے پر آمادہ ہو گئے۔

در دلش تاویل چوں ترجیح یافت طبع در حیرت سوئے گندم شتافت

حضرت آدم علیہ السلام اسی حیرت اور تردد میں تھے کہ دل نے تاویل کو ترجیح دی اور طبیعت حیرت میں آ کر گندم کی طرف مائل ہو گئی تو بارگاہ خداوندی سے عتاب ہوا اور ہبوط کا حکم آیا اس لیے کہ اس درخت کی خاصیت یہ ہے کہ جو اس کو کھائے گا وہ دنیا کی طرف ضرور اترے گا۔ کھانے کے بعد حضرت آدم کو اپنی خطاء کا احساس ہوا تو توبہ اور استغفار شروع کی اب آگے اس کی مثال بیان فرماتے ہیں۔

باغباں را خار چوں در پائے رفت دزد فرصت یافت کالا بُرد تفت

اس قصہ کی ایسی مثال ہو گئی جیسے کوئی باغبان ہو اور اس کے پاؤں میں کانٹا لگ جائے تو وہ بیچارہ تو کانٹا نکالنے میں لگا اور چور کو فرصت میں مال چرانے کا موقع مل گیا کہ جلدی سے سارا مال لے کر چلتا بنا۔ اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام باغبان علم و معرفت تھے ان کے پائے قلب میں وسوسہ کا ایک کانٹا چبھا اور اس کے نکالنے میں مشغول ہوئے دُزدِ لعین (ابلیس) موقع پا کر ان کی متاع راحت و سکینت کو چرا کر لے بھاگا۔

چوں ز حیرت رست باز آمد براہ دید بردہ دزد رخت از کارگاہ

جب حضرت آدم علیہ السلام اس حیرت سے نکلے اور راہ حقیقت ان پر منکشف ہوئی تو دیکھا کہ چور کارخانہ سے مال و متاع چرا کر لے گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ سب شیطان کا فریب تھا تاکہ مجھ کو جنت سے محروم کرا دے۔

ربنا انا ظلمنا گفت و آہ یعنی آمد ظلمت و گم گشت راہ

اس وقت حضرت آدم علیہ السلام بصد آہ و درد ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا﴾ کہہ کر بارگاہ خداوندی میں معذرت کرنے لگے روتے جاتے تھے اور آہیں بھرتے جاتے تھے یعنی اے خدا ہماری عقل پر ظلمت اور تاریکی چھا گئی اور ہم سے راستہ گم ہو گیا اس دوسرے مصرعہ میں اشارہ اس طرف ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اس دعا ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا﴾ میں "ظَلَمْنَا" ظلم سے مشتق نہیں بلکہ ظلمت سے مشتق ہے پس ﴿ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا﴾ کے معنی یہ ہوں گے کہ اے پروردگار ہم نے قلت عمل اور قلت احتیاط کی بناء پر اپنے آپ کو ظلمت اور تاریکی میں ڈال دیا اور اپنے مرتبے اور منزل کو ملحوظ رکھ کر عمل نہ کیا اور ان مشقتوں میں پڑے جو اس درخت کے خواص میں سے ہیں۔ پس حضرت آدم علیہ السلام کا درخت سے کھانا اور پھر اس کے بعد زمین پر اترنا سب قضاء و قدر سے تھا۔ ابتداء میں حضرت آدم علیہ السلام کی افضلیت اور سیادت ظاہر ہوئی۔ اب وقت آیا کہ حسب قضاء و قدر ان کی خلافت ظہور میں آئے اس لیے یہ اکل شجر اس کے لیے ایک بہانہ بنا دیا گیا۔

ایں قضا ابرے بود خورشید پوش شیر و اژدہا بودز و ہمچو موش

حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان کر کے بطور نتیجہ فرماتے ہیں کہ اس قضا کی ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک بادل ہو وہ آفتاب کو چھپا لے قضا ایسی سخت چیز ہے کہ اس کے سامنے شیر اور اژدہا چوہے کے مانند عاجز اور لاچار ہیں۔ (دیکھو مثنوی

مولانا روم، ص: ۱۰۳، ۱۰۴، دفتر اول)

اضافت کردن آدم علیہ السلام آن زلت را بخویشتن۔ ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ﴾ الخ

واضافت کردن ابلیس گناہ خود را بحق۔ ﴿رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِي﴾ الخ

حضرت آدم علیہ السلام کا اپنی لغزش کو اپنی طرف منسوب کرنا اور ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ﴾ کہنا (کہ اے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔) اور ابلیس کا اپنے جرم کو خدا کی طرف منسوب کرنا کہ اس طرح کہا کہ ﴿رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِي﴾. (اے پروردگار تو نے مجھے گمراہ کیا) اپنی گمراہی کو خدا کی طرف منسوب کیا۔

اس مضمون کا تعلق مسئلہ جبر و اختیار سے ہے معتزلہ بندہ کو اپنے افعال کا خالق سمجھتے ہیں اور جبریہ بندہ کو مجبور محض سمجھتے ہیں اور تمام افعال کو خدا کی طرف نسبت کرتے ہیں اور اہلسنت والجماعت کا مسلک نہایت معتدل اور متوسط ہے جبر اور قدر کے درمیان ہے کہ افعال کا خالق تو اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر بندہ خداداد قدرت اور اختیار سے ان افعال کا کاسب اور مرتکب ہے پس ابلیس تو جرم کر کے جبری محض بن گیا کہ اغواء کی نسبت باری تعالیٰ کی طرف کر دی اور خود بری الذمہ اور بے تعلق بن گیا۔

گفت شیطاں کہ بما اغویتنا ۔۔۔ کرد فعل خود نہان دیو دنی

شیطان نے ﴿بِمَآ اَغْوَيْتَنِي﴾ کہا اور اس کمینہ نے اپنے کسب اور ارتکاب غوایت کو چھپا کر اغواء کو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا تا کہ خود بری الذمہ بن جائے۔

گفت آدم کہ ظلمنا انفسنا ۔۔۔ او زفعل حق نہ بد غافل چو ما

اور حضرت آدم نے ﴿ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا﴾ کہہ کر ظلم کو اپنی نفس کی طرف منسوب کیا اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ ہماری طرح فعلِ حق یعنی خلق سے غافل ہوں جیسے ہم اکثر امور میں خدا کی خالقیت سے غافل ہو کر یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ چیز میری پیدا کردہ ہے گویا کہ ہم بندہ کو اپنے افعال کا خالق سمجھتے ہیں۔ حضرت آدم کو خوب معلوم تھا کہ ہر چیز کا خالق خدا تعالیٰ ہے اور بندہ کاسب اور مرتکب ہے مگر حضرت آدم نے ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا﴾ میں اپنی تقصیر کو اپنی طرف منسوب کیا اور ادب کی وجہ سے خالق کی طرف منسوب نہیں کیا۔

در گنہ او از ادب پنہانش کرد ۔۔۔ زاں گنہ برخود زدن او برنخورد

گنہ کے بارے میں ادب کی وجہ سے اللہ کے فعل خلق کو پوشیدہ رکھا اور اس کے خلق کا ذکر نہیں کیا بلکہ اپنی طرف منسوب کیا اور گناہ کو اپنی طرف منسوب کرنے سے ان کو اس ادب کا بہت ہی اچھا پھل ملا۔ کہ عفو تقصیر اور رفع درجات اور خلافت الٰہی سے مشرف اور سرفراز ہوئے

بعد توبہ گفتش اے آدم نہ من ۔۔۔ آفریدم در تو ایں جرم و محن

توبہ قبول کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا اے آدم کیا یہ تقصیر (اکل شجرہ) خود میں نے تیرے اندر پیدا نہیں کی یعنی میں ہی تو اس تقصیر کا خالق ہوں اور یہ سب کچھ میری ہی قضا و قدر سے واقع ہوا ہے پھر تم نے معذرت کے

وقت اس فعل کو میری طرف منسوب نہیں کیا بلکہ اپنی طرف منسوب کیا

نہ کہ تقدیر وقضاء من بُد آں چوں بوقت عذر کردی آن نہاں

کیا یہ سب کچھ میری ہی قضا وقدر سے نہ تھا جو تو نے عذر کے وقت اس کو پوشیدہ رکھا اور یہ نہیں کہا کہ میری تقدیر میں ایسا ہی لکھا تھا لہذا میں بے قصور ہوں

گفت ترسیدن ادب نگذاشتم گفت من ہم پاس آنت داشتم

حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں سوء ادب سے ڈر گیا اور دامنِ ادب ہاتھ سے نہ چھوڑا تو فرمایا کہ پھر میں نے ہی تیرے ادب کا لحاظ کیا اور تجھے اپنے عفو وکرم سے نوازا

گناہ گرچہ اختیار ما حافظ تو در طریق ادب کوش گو گناہ من است

ہر کہ آرد حرمت او حرمت برد ہر کہ آرد قند لوزینہ خورد

حق تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص ہماری بارگاہ میں ادب اور احترام کو ملحوظ رکھتا ہے وہ اس کے صلہ میں حرمت اور کرامت لے جاتا ہے یعنی ہمارا مقبول اور مقرب بن جاتا ہے اور مثل مشہور ہے کہ قند لاؤ اور لوزینہ (یعنی حلوا بادام) کھاؤ۔ (مثنوی مولانا روم۔ دفتر اول ص ۱۲۴ وکلید مثنوی دفتر اول حصہ اول ص ۳۵۶)

خاصان حق کی لغزش عوام کی طاعت سے افضل ہے

زلت[1] او بہ ز طاعت نزدِ حق پیش کفرش جملہ ایمانہا خلق (اے کہنہ و بوسیدہ و بے اعتبار)

مرد کامل کی لغزش خدا کے نزدیک اور لوگوں کی صدہا طاعت سے بہتر ہے اور اس کے کفر کے سامنے جس کو لوگ بظاہر کفر سمجھتے ہیں، تمام لوگوں کے ایمان کہنہ اور بوسیدہ ہیں خاصانِ حق سے قصداً تو کوئی معصیت ظہور میں نہیں آسکتی البتہ سہو ونسیان کی بناء پر کسی وقت ان سے لغزش ہو جاتی ہے مگر ان کی لغزش اوروں کے ہزار ہا حسنات اور طاعت سے بہتر ہوتی ہے کیونکہ انبیاء کرام سے جو بھول چوک ہو جاتی ہے وہ سراسر اخلاص اور نیک نیتی پر مبنی ہوتی ہے جس کو خطاء اجتہادی کہنا چاہیے مگر لغزش کے بعد جب ان کو متنبہ ہوتا ہے تو ندامت وخجالت میں غرق ہو جاتے ہیں اور بصد ہزار گریہ وزاری توبہ واستغفار اور معذرت کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں جن کی ندامت اور شرمساری اور گریہ وزاری کو دیکھ کر فرشتے بھی عش عش کرنے لگتے ہیں اور اس گریۂ زاری کی وجہ سے ایسے مرتبہ عظمیٰ پر پہنچتے ہیں کہ دوسرے لوگ طاعت اور عبادت کر کے بھی اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے ان حضرات کی لغزشیں سیئات المقربین کے قبیل سے ہیں اور سیئات المقربین باجماع اولیاء وعارفین حسنات ابرار سے کہیں بہتر ہے۔ مرد کامل سے زلت (لغزش) کے بعد جو ذلت وخواری اور حیاء اور انکساری اور گریہ وزاری ظہور میں آتی ہے وہ در پردہ اس کی ترقی اور معراج معنوی ہے کہ پہلے سے زیادہ اس کا مقام بلند ہو گیا (زلت) کے معنی لغزش کے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے مقام بلند سے پھسل گیا اور جو فعل اس کے مقام رفیع کے مناسب نہ تھا وہ اس سے سرزد ہو گیا اس لغزش

[1] مثنوی دفتر اول، ص: ۱۳۵، ومفتاح العلوم: ۲۸ / ۲۴۲، وکلید مثنوی: ۱/ ۲۸۱۔

کے بعد جو ہوش آیا تو ندامت وخجالت اور گریہ وزاری کے پروں سے پرواز کی اور مقام قرب کی اتنی بلندی پر پہنچ گیا کہ جہاں اس لغزش سے پہلے نہیں پہنچا تھا اور پہلے سے زیادہ اس کے درجے بلند ہوگئے اور اہل بدر کے متعلق جو ارشاد آیا ہے، "اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم" اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل بدر سے دیدہ ودانستہ اللہ کی معصیت ظہور میں نہیں آئے گی البتہ بمقتضائے بشریت بطریق سہو ونسیان ان سے لغزشیں ہوں گی یعنی ان سے کبھی ایسے افعال سرزد ہوں گے جو ان کی شان اور مرتبہ کے مناسب نہ ہوں گے اس قسم کے جو امور ان سے صدور اور ظہور میں آئیں گے وہ اللہ کے یہاں سب معاف ہیں اور دوسرے مصرعہ میں جو فرمایا کہ انسان کامل کا کفر اور لوگوں کے ایمان سے بہتر ہوگا سو اس مصرعہ میں کفر سے اصطلاحی اور شرعی کفر مراد نہیں بلکہ مقام فناء کی طرف اشارہ ہے کہ اس حالت میں پہنچ کر انسان کی زباں سے بے اختیار "انا الحق" اور "سبحانی ما اعظم شانی۔" اس قسم کے الفاظ سرزد ہو جاتے ہیں جو بظاہر اور قضاء قاضی میں کفر شمار کیے جاتے ہیں لیکن یہ درحقیقت کمال ایمان کی دلیل ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے "لایزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتی اذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها" (رواہ البخاری)۔

پس مقام فناء میں اس قسم کے جو کلمات سرزد ہوتے ہیں وہ بظاہر کفر معلوم ہوتے ہیں لیکن درحقیقت وہ کمال قرب کی دلیل ہوتے ہیں اس قسم کے الفاظ حضرات اولیاء سے بے خودی کی حالت میں نکلے ہیں اس لیے شرعاً معذور ہیں۔ یہ تمام تفصیل بحر العلوم شرح مثنوی سے ماخوذ ہے۔ حضرات اہل علم اصل بحر العلوم: ۱/ ۱۰۲، دفتر اول اور مثنوی طبع کانپوری کے، ص: ۱۳۵، دفتر اول کے حواشی کی مراجعت کریں۔

چوں بنالد زار بے شکر وگلہ افتد اندر ہفت گردوں غلغلہ

اور جب وہ انسانِ کامل لغزش کے بعد زار وقطار گریہ وزاری اور شرمساری کرتا ہے جس کا سبب نہ تو شکر یہ ہوتا ہے اور نہ کوئی شکوہ ہوتا ہے تو ایسی گریہ وزاری سے ساتوں آسمانوں میں غلغلہ پڑ جاتا ہے اور سُکّان ملکوت حیرت میں رہ جاتے ہیں فرشتوں نے ایسی بے قراری اور ایسی گریہ وزاری کا منظر کب دیکھا تھا۔

ہر دمش صد نامہ صد پیک از خدا یارب زد شصت لبیک از خدا

اور اس حالت میں اس انسان کامل کو صدہا نام و پیام خدا کی طرف سے پہنچتے ہیں اور اس کے ایک مرتبہ یارب کہنے سے ساٹھ مرتبہ (یعنی بکثرت) خدا کی طرف سے لبیک کا جواب آتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جو بندہ ایک نیکی لے کر آتا ہے تو اس کو کم از کم دس گنا اجر ملتا ہے اور جو شخص خدا سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو خدا اس سے ایک گز قریب ہو جاتا ہے اور جو شخص خدا کی طرف چل کر آتا ہے۔ خدا اس کی طرف دوڑ کر آتا ہے۔ (رواہ مسلم)

ہر دمے اور ایکے معراج خاص برسر فرقش نہد صد تاج خاص

اور اس مرد کامل کو اس شرمساری اور گریہ وزاری سے ہر دم خاص معراج حاصل ہوتی رہتی ہے یعنی ہر دم اس کو عروج

اور ترقی مراتب حاصل ہوتی رہتی ہے اور اس کے سر پہ خدا تعالیٰ کے قرب خاص کا ایک خاص تاج رکھ دیا جاتا ہے معراج سے مراد مرتبۂ قرب ہے چونکہ مراتب قرب کی کوئی انتہا نہیں اس لیے خاصان خدا کو یہ ترقی لحظہ بلحظہ علی الدوام ہوتی رہتی ہے (دیکھو مثنوی مولانا روم، ص: ۱۳۵، دفتر اول)

خلاصۂ کلام یہ کہ حضرات انبیاء کرام سے لغزش کے بعد جو شرمساری اور گریہ وزاری ظہور میں آتی ہے اس سے ان کی اندرونی محبت اور اخلاص کا حال کھلتا ہے کہ ان کا باطن حق تعالیٰ کی محبت اور عظمت سے کس درجہ لبریز ہے جس طرح ابلیس لعین کے سوال وجواب سے اس کی اندرونی نخوت وتکبر کا حال ظاہر ہوا اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش کے بعد ندامت اور معذرت سے ان کا اندرونی اخلاص ظاہر ہوا جس سے ان کا فضل وکمال اور حسن وجمال اور چمک گیا اور اس لغزش سے اگرچہ ظاہر میں ہبوط اور نزول ہوا مگر درحقیقت وہ علو اور عروج تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کا یہ ہبوط اگرچہ حساً وظاہراً نزول تھا مگر درپردہ وہ معراج باطنی تھی اس بناء پر عارف رومی نے انبیاء کی لغزش کو عوام کی طاعت سے بہتر قرار دیا اور یہ ارشاد فرمایا

ع- زلت او بہ ز طاعت پیش حق الخ

اس کی تفصیل گزر گئی اس وقت اس راقم الحروف کے خیال میں یہ آیا کہ اگر یہ مضمون ان لفظوں میں ادا کیا جائے تو امید ہے کہ کوئی حرج نہ ہوگا

زلت خاصاں وسہو وغفلت بہتر از صد سالہ مایاں طاعت

جیسا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے "یالیتنی کنت سھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم" (کاش میں نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کا سہو ونسیان بن جاتا) کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا سہو ونسیان ہماری طاعت سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

۷- ایک اشکال:...... بعض اہل ظاہر نے اس قصہ سے قیاس کے ناجائز ہونے پر استدلال کیا ہے اور لکھا ہے کہ قیاس ایک فعل شیطانی ہے اور سب سے پہلے جس نے قیاس کیا وہ ابلیس ہے اور ابلیس قیاس ہی کی وجہ سے مطرود ہوا۔

جواب:...... یہ ہے کہ منکرین قیاس کا یہ استدلال سراپا اختلال، خود ایک قیاس فاسد وباطل ہے ابلیس کے مردود ہونے کی وجہ یہ ہے اس نے محض اپنی رائے سے حکم خداوندی کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور غرور وتکبر کی وجہ سے اس کو غیر معقول اور غیر مستحسن قرار دیا اور ایسے قیاس کا دنیا میں کوئی امام اور مجتہد قائل نہیں کہ جو صریح حکم خداوندی کے خلاف ہو قیاس اس وقت کیا جاتا ہے کہ جب کتاب وسنت اور اجماع امت سے کوئی حکم صراحۃً ثابت نہ ہو۔ امور منصوصہ میں کوئی شخص بھی قیاس کا قائل نہیں۔ نص پر تو بے چون وچرا عمل فرض ہے اس قصہ سے اس قیاس کی برائی ظاہر ہوتی ہے کہ جو نص صریح کے معارضہ اور مقابلہ میں کیا جائے مطلق قیاس کی مذمت ظاہر نہیں ہوتی اور ائمہ مجتہدین کا قیاس وحی خداوندی اور ارشاد نبوی کے تابع ہوتا ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ اور تابعین کا مذہب یہی ہے کہ قیاس حجت شرعیہ ہے اور عقلاً اور شرعاً اس کا اتباع ضروری ہے صرف چند اہل ظاہر قیاس کے منکر ہیں۔ مگر وہ صحیح نہیں۔ صحیح وہی ہے جو صحابہ وتابعین کا مسلک ہے اور اسی کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی جامع صحیح میں اختیار فرمایا اور کتاب الاعتصام میں حجت قیاس کے لیے متعدد ابواب اور تراجم منعقد

فرمائے۔ اور یہ واضح فرمایا کہ اگر مسئلہ کا حکم کتاب اور سنت اور اجماع امت سے معلوم نہ ہو سکے تو قیاس واجب ہے اور اسی پر تمام امت کا اجماع ہے اور خلفاء راشدین اور صحابہ وتابعین سے یہی ثابت ہے کہ جب ان کو کسی امر میں اشتباہ پیش آتا اور کتاب وسنت اور اجماع امت سے اس کا حکم نہ معلوم ہوتا تو امثال اور اشباہ پر اس کو قیاس کرتے (دیکھو تفسیر قرطبی: ۷/۱۷۱) منکرین قیاس کے شور وغوغا کے بند کرنے کے لیے ہم امام قرطبی رحمہ اللہ کا اصل کلام ہدیہ ناظرین کرتے ہیں وہو ہذا

قال الامام القرطبی ـ رحمه الله ـ اختلف الناس فی القیاس الی قائل به وراد له، فاما القائلون به: فهم الصحابة والتابعون وجمهور من بعدهم وان التعبد به جائز عقلاً واقع شرعاً وهو الصحیح ورده بعض اهل الظاهر والاول هو الصحیح قال البخاری فی کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة: المعنی لا عصمة لا حد الا فی کتاب الله او سنة نبیه او فی اجماع العلماء اذا وجد فیها الحکم فان لم یوجد فالقیاس وقد ترجم علی هذا (باب من شبه اصلا معلوما باصل مبین قد بین الله حکمها لیفهم السائل) وترجم بعد هذا (باب الاحکام التی تعرف بالدلائل وکیف معنی الدلالة وتفسیرها) وقال الطبری: الاجتهاد والاستنباط من کتاب الله وسنة نبیه صلی الله علیه وسلم واجماع الامة هو الحق الواجب والفرض اللازم لاهل العلم وبذلك جاءت الاخبار عن النبی صلی الله علیه وسلم وعن جماعة الصحابة والتابعین وقال ابو تمام المالکی: اجمعت الامة علی القیاس فمن ذلك انهم اجمعوا علی قیاس الذهب والورق فی الزکوة وقال ابوبکر - رضی الله عنه -: اقیلوا فی بیعتی فقال علی - رضی الله عنه -: والله لا نقیلك ولا نستقیلك رضیك رسول الله صلی الله علیه وسلم لدیننا فلا نرضاك لدنیانا فقاس الامامة علی الصلاة وقاس الصدیق الزکوة علی الصلوة وقال: والله لا افترق بین ما جمع الله وصرح علیٌ بالقیاس فی شارب الخمر بمحضر من الصحابة وقال: انه اذا سکر هذی واذا هذی افتری فحده حد القاذف وکتب عمر الی ابی موسیٰ الاشعری کتابا فیه الفهم الفهم فیما یختلج فی صدرك مما لم یبلغك فی الکتاب والسنة اعرف الامثال والاشتباه ثم قس الامور عند ذلك فاعمد الی احبها الی الله تعالیٰ واشبهها بالحق فیما تری الحدیث بطوله ذکره الدارقطنی واما الاثار وآی القرآن فی هذا المعنی فکثیر وهو یدل علی ان القیاس اصل من اصول الدین وعصمة من عصم المسلمین یرجع الیه المجتهدون ویفزع الیه العلماء العاملون میستنبطون به الاحکام وهو قول الجماعة الذین هم الحجة ولا یلتفت الی من شذ عنها واما الرای المذموم والقیاس المتکلف المنهی عنه فهو مالم یکن علی هذه الاصول المذکورة لان ذلك ظن ونزغ من الشیطان قال الله تعالیٰ: ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾ وکل ما یورده المخالف من الاحادیث الضعیفة والاخبار الواهیة فی ذم القیاس فهی محمولة علی هذ

النوع من القياس المذموم والذی ليس له فی الشرع اصل معلوم وتتميم هذا الباب فی كتب الاصول۔ انتهی کلام القرطبی فی تفسیر سورة الاعراف: ۷/۱۷۱۔۱۷۳۔

اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اعلام الموقعین میں اس پر نہایت تفصیل کے ساتھ کلام کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ رائے اور قیاس کی دو قسمیں ہیں ایک محمود اور ایک مذموم۔ محمود وہ ہے جو اصول شریعت یعنی کتاب اور سنت اور اجماع امت سے ماخوذ ہو اور مذموم وہ ہے جو اصول شریعت سے ماخوذ نہ ہو محض ظن اور تخمین پر مبنی ہو اور فرمایا کہ جن احادیث اور آثار صحابہ میں رائے کی مذمت آئی ہے اس سے اسی قسم کی رائے مراد ہے اور جن آیات اور احادیث میں رائے کی مدح آئی ہے اس سے رائے محمود مراد ہے اور اسی طرح حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے منہاج السنۃ اور القیاس فی الشرع الاسلامی میں لکھا ہے اور اس مسئلہ کی تفصیل پارۂ پنجم میں زیر تفسیر آیت ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

در بیان آنکہ اول کسیکہ در مقابل نص صریح قیاس آورد ابلیس علیہ اللعنۃ بود

اس بات کے بیان میں کہ سب سے پہلے جس نے نص صریح اور حکم واضح اور وحی خداوندی کے مقابلہ میں اپنا قیاس پیش کیا وہ ابلیس ملعون تھا جیسا کہ مشہور ہے اول من قاس ابلیس۔ یعنی جس نے سب سے پہلے قیاس کیا وہ ابلیس تھا۔

اول آنکس کیں قیاسکہا نمود　　　پیش انوار خدا ابلیس بود

سب سے پہلا شخص جس نے انوار الٰہیہ (یعنی احکام منصوصہ) کے مقابلہ میں اپنے بیہودہ قیاسات چلانے شروع کیے وہ ابلیس تھا۔

گفت نار از خاک بیشک بہتر است　　　من زنار واوز خاک اکدر است

کہنے لگا کہ اس میں کیا شک ہے کہ آگ مٹی سے بہتر ہے میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور وہ خاک تاریک سے پیدا ہوا ہے۔

پس قیاس فرع بر اصلش کنیم　　　او زظلمت ما زنور روشنیم

پس مناسب ہے کہ ہم فرع کو اصل پر قیاس کریں سو ان کی اصل مادۂ ظلماتی ہے اور میری اصل مادۂ نورانی اور درخشانی ہے یعنی آگ ہے ابلیس نے یہ قیاس کیا اور غلط کیا۔ اول تو اس پر کیا دلیل ہے کہ آگ مٹی سے بہتر ہے دونوں ہی عنصر اللہ کی مخلوق ہیں عنصریت میں دونوں برابر ہیں اور اگر حقیقت پر نظر کی جائے تو مٹی آگ سے بہتر ہے اس لیے کہ مٹی میں متانت اور وقار ہے اور حلم اور حیاء اور صبر کا مادہ ہے اسی وجہ سے حضرت آدم تواضع اور تضرع کی طرف مائل ہوئے اور عفو اور مغفرت اور اجتباء سے سرفراز ہوئے اور آگ کی طبیعت میں خفت اور حدت اور ارتفاع اور طیش اور اضطراب ہے اسی وجہ سے شیطان تکبر اور مقابلہ پر آیا جس کی وجہ سے وہ ابدی لعنت اور شقاوت کا مورد بنا۔

گفت حق نے بلکہ ''لا انساب'' شد　　　زہد وتقوی فضل را محراب شد

حق تعالیٰ نے فرمایا ہماری بارگاہ میں نسب اور مادہ اور اصل کا اعتبار نہیں کما قال تعالیٰ: ﴿فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ﴾۔ ہمارے یہ یہاں فضیلت کا معیار زہد اور تقویٰ ہے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ اور یہ وصف آدم میں ہے تجھ میں نہیں۔

ایں نہ میراث جہان فانی است　　　　کہ بانسابش بیابی جانی ست

یہ فضیلت کوئی دنیوی میراث نہیں کہ جسے تم نسب کے ذریعے حاصل کرسکو بلکہ یہ روحانی میراث ہے۔

بلکہ ایں میراث ہائے انبیاء است　　　　وارث ایں جانہائے اتقیا است

بلکہ یہ فضیلت انبیاء کرام کی میراث ہے اور اس کی وارث متقی اور پرہیزگاروں کی ارواح ہیں۔

پور آں بوجہل شد مومن عیاں　　　　پور آن نوح نبی از گمرھاں

ابوجہل کا بیٹا یعنی عکرمہ رضی اللہ عنہ جو اپنے باپ کی طرح مشہور جنگجو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شدید ترین دشمن تھا وہ تو اسلام سے بہرہ ور ہوگیا اور فتح مکہ میں مشرف باسلام ہوکر مومنین مخلصین میں سے بن گیا حالانکہ اس کی اصل کافر ہے اور حضرت نوح علیہ السلام کا فرزند کنعان گمراہوں میں سے ہوگیا جس کی اصل پاک اور برگزیدہ ہے۔ معلوم ہوا کہ اصل مادہ کا اعتبار نہیں۔ ﴿يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ﴾۔

زادۂ خاکی منور شد چو ماہ　　　　زادۂ آتش توئی اے روسیاہ

اسی طرح سمجھ لو کہ ایک خاک زادہ یعنی آدم علیہ السلام چاند کی طرح انوار الٰہی سے منور اور روشن ہوگیا اور اے شیطان تو آتش زادہ ہے اے روسیاہ تو تاریک رہا مادۂ ناری کی ظلمت اور دُخان نے تجھ کو تاریکی میں ڈال دیا۔

ایں قیاسات وتحری روز ابر　　　　یا بشب مرد قبلہ را کر دست جبر

اس قسم کے قیاسات اور اٹکل کی باتیں اس وقت چلتی ہیں کہ جب ابر چھایا ہوا ہو یا رات کا وقت ہو کہ قبلہ نظر نہ آتا ہو اس وقت اس قسم کے قیاسات اور تخمینے قبلہ کا جبر اشتباہ اور بدل بن سکتے ہیں۔

لیک با خور شید وکعبہ پیش رو　　　　ایں قیاس و ایں تحری را مجو

لیکن ایسی حالت میں کہ جب آفتاب طلوع کیے ہوئے ہو اور خانہ کعبہ سامنے ہو تو اس وقت تحری اور قیاس سے نماز ہرگز جائز نہیں۔

کعبہ نا دیدہ مکن زد رو متاب　　　　از قیاس اللہ اعلم بالصواب

روز روشن ہو اور کعبہ سامنے ہو ایسی حالت میں ادھر ادھر دیکھنا اور تحری اور قیاس کرنا ایسا ہے کہ تجھے کعبہ نظر نہیں آتا۔ ایسی حالت میں جبکہ کعبہ سامنے ہو اور دن کی روشنی ہو محض قیاس اور تحری کی بناء پر اس سے منہ پھیرنا کب جائز ہے اسی طرح وحی خداوندی اور ارشاد نبوی بمنزلہ طلوع آفتاب اور حضور کعبہ ہے اس کے ہوتے ہوئے قیاس کی گنجائش نہیں (مثنوی دفتر اول ص: ۳۰۵) واللہ اعلم بالصواب۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ

اے اولاد آدم کی ہم نے اتاری تم پر پوشاک جو ڈھانکے تمہاری شرمگاہیں اور اتارے آرائش کے کپڑے ف۱ اور لباس پرہیزگاری کا

اے اولاد آدم کی ! ہم نے اتاری تم پر پوشاک کہ ڈھانکے تمہارے عیب، اور رونق، اور کپڑے پرہیزگاری کے،

ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝۲۶ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ

وہ سب سے بہتر ہے ف۲ یہ نشانیاں ہیں اللہ کی قدرت کی تاکہ وہ لوگ غور کریں ف۳ اے اولاد آدم کی نہ بہکائے تم کو

سو بہتر ہیں۔ یہ قدرتیں ہیں اللہ کی، شاید وہ لوگ دھیان کریں۔ اے اولاد آدم کی ! نہ بہکاوے تم کو

الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ

شیطان جیسا کہ اس نے نکال دیا تمہارے ماں باپ کو بہشت سے اتروائے ان سے ان کے کپڑے ف۴ تاکہ دکھلائے ان کو شرمگاہیں ان کی

شیطان، جیسا نکالا تمہارے ماں باپ کو بہشت سے، اتروائے ان کے کپڑے کہ دکھائے ان کو عیب ان کے۔

اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ

وہ دیکھتا ہے تم کو اور اس کی قوم جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھتے ف۵ ہم نے کردیا شیطانوں کو رفیق ان لوگوں کا جو

وہ دیکھتا ہے تم کو اور اس کی قوم جہاں سے تم ان کو نہ دیکھو۔ ہم نے رکھے ہیں شیطان رفیق ان کے جو

ف۱ اتارنے سے مراد اس کا مادہ وغیرہ پیدا کرنا اور اس کے تیار کرنے کی تدبیر بتلانا ہے گو اتارنے کا لفظ اکثر اس موقع پر بولتے ہیں جہاں ایک چیز کو اوپر سے نیچے لایا جائے مگر بہت دفعہ اس سے مکانی فوق وتحت مراد نہیں ہوتا۔ بلکہ جو مرتبہ کے اعتبار سے اونچا ہو، اس کی طرف سے کوئی چیز نیچے والوں کو عطا کئے جانے پر بھی یہ لفظ اطلاق کیا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا ﴿وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ﴾ یا ﴿وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ﴾۔

ف۲ یعنی اس ظاہری لباس کے علاوہ جس سے صرف بدن کا تستر یا تزین ہوتا ہے ایک معنوی پوشاک بھی ہے جس سے انسان کی باطنی کمزوریاں جن کے ظاہر کرنے کی اس میں استعداد پائی جاتی تھی پردہ خفا میں رہتی ہیں، منصۂ ظہور وفعلیت پر نہیں آنے پاتیں اور یہی معنوی پوشاک جسے قرآن نے لباس التقویٰ فرمایا، باطن کی زینت وآرائش کا ذریعہ بنتی ہے۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو ظاہری بدنی لباس بھی اسی باطنی لباس کو زیب تن کرنے کے لئے شرعاً مطلوب ہوا ہے۔ حضرت شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ دشمن نے جنت کے کپڑے تم سے اتروائے پھر ہم نے تم کو دنیا میں تدبیر لباس کی سکھادی۔ اب وہی لباس پہنو جس میں پرہیزگاری ہو، یعنی مرد لباس ریشمی نہ پہنے اور دامن دراز نہ رکھے اور جو منع ہوا ہے سو نہ کرے اور عورت بہت باریک نہ پہنے کہ لوگوں کو بدن نظر آوے اور اپنی زینت نہ دکھاوے۔

ف۳ یعنی ان نشانات میں غور کر کے حق تعالیٰ کے قادرانہ انعام واکرام کے معترف اور شکرگزار ہوں۔

ف۴ اخراج ونزاع کی اضافت ان کے سبب کی طرف کی گئی یعنی آدم وحوا کو جنت سے علیحدہ کرنے اور کپڑے اتارے جانے کا سبب وہ ہوا۔ اب تم اس کے فریب میں مت آؤ اور اس کی مکاریوں سے ہشیار رہو۔

ف۵ یعنی جو دشمن ہم کو اس طرح دیکھ رہا ہو کہ ہماری نظر اس پر نہ پڑے اس کا حملہ سخت خطرناک اور مدافعت سخت دشوار ہوتی ہے۔ اس لئے تم کو بہت مستعد وبیدار رہنا چاہئے۔ ایسے دشمن کا علاج یہی ہے کہ ہم کسی ایسی ہستی کی پناہ میں آجائیں جو اسے دیکھتی ہے پر وہ اسے نہیں دیکھتا۔ ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾ (تنبیہ) ﴿اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ﴾ قضیہ مطلقہ ہے دائمہ نہیں یعنی بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ ہم کو دیکھتے ہیں اور ہم ان کو نہیں دیکھتے۔ اس کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی وقت بھی کوئی شخص کسی صورت میں ان کو نہ دیکھ سکے۔ پس آیت سے رؤیت جن کی بالکلیہ نفی پر استدلال کرنا کوتاہ نظری ہے۔

لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ

ایمان نہیں لاتے ف۱ اور جب کرتے ہیں کوئی برا کام تو کہتے ہیں کہ ہم نے دیکھا اسی طرح کرتے اپنے باپ دادوں کو اور اللہ نے بھی ہم کو یہ حکم کیا ہے تو کہہ

ایمان نہیں لاتے۔ اور جب کریں کچھ عیب کا کام، کہیں ہم نے دیکھا اسطرح کرتے اپنے باپ دادوں کو، اور اللہ نے ہم کو یہ حکم کیا۔ تو کہہ!

اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٨﴾ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ

دے کہ اللہ حکم نہیں کرتا برے کام کا کیوں لگاتے ہو اللہ کے ذمہ وہ باتیں جو تم کو معلوم نہیں ف۲ تو کہہ دے کہ میرے رب نے حکم کر دیا ہے انصاف کا ف۳

اللہ حکم نہیں کرتا عیب کے کام کو، کیوں جھوٹ بولتے ہو اللہ پر؟ جو معلوم نہیں رکھتے۔ تو کہہ! میرے رب نے فرمائی ہے دینداری۔

وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڛ كَمَا بَدَاَكُمْ

اور سیدھے کرو اپنے منہ ہر نماز کے وقت اور پکارو اس کو خالص اس کے فرمانبردار ہو کر ف۴ جیسا تم کو پہلے پیدا کیا دوسری

اور سیدھے کرو اپنے منہ ہر نماز کے وقت اور پکارو اس کو نرے اس کے حکم بردار ہو کر۔ جیسا تم کو پہلے بنایا، دوسری

تَعُوْدُوْنَ ﴿٢٩﴾ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ

بار بھی پیدا ہو گے ف۵ ایک فرقہ کو ہدایت کی اور ایک فرقہ پر مقرر ہو چکی گمراہی انہوں نے بنایا شیطانوں کو

بار بنو گے۔ ایک فرقے کو راہ دی اور ایک فرقے پر ٹھہری گمراہی۔ انہوں نے پکڑے شیطان

ف۱ یعنی جب انہوں نے اپنی بے ایمانی سے خود شیاطین کی رفاقت کو اپنے لئے پسند کر لیا۔ جیسا کہ چند آیات کے بعد آ رہا ہے۔ ﴿اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ تو ہم نے بھی اس انتخاب میں مزاحمت نہیں کی۔ جس کو انہوں نے اپنا رفیق بنانا چاہا اسی کو رفیق بنا دیا گیا۔

ف۲ یعنی برے اور بے حیائی کے کاموں مثلاً مرد و عورت کا برہنہ طواف کرنا، جو ان آیات کی شان نزول ہے، جن سے عقل سلیم اور فطرت صحیحہ نفرت کرتی ہے۔ خدائے قدوس کی شان نہیں کہ ان کی تعلیم دے، وہ تو پاکی اور حیا کا سرچشمہ ہے۔ گندے اور بے حیائی کے کاموں کا حکم کیسے دے سکتا ہے اصل میں بے حیائی اور برائی کی تعلیم دینے والے وہ شیاطین ہیں جن کو انہوں نے اپنا رفیق بنا رکھا ہے۔ دیکھو تمہارے سب سے پہلے ماں باپ کو شیطان نے فریب دیکر برہنہ کرایا مگر وہ شرم و حیاء کے مارے درختوں کے پتے بدن پر لپیٹنے لگے معلوم ہوا کہ برہنگی شیطان کی جانب سے اور ستر کی کوشش تمہارے باپ کی طرف سے ہوئی۔ پھر برہنہ طواف کرنے پر باپ دادوں کی سند لانا کیسے صحیح ہو سکتا ہے نیز بقول حضرت شاہ صاحب سن چکے کہ پہلے باپ نے شیطان کا فریب کھایا پھر باپ کی کیوں سند لاتے ہو یہ کس قدر بے حیائی کی بات ہے کہ جو کام شیطان کے حکم سے ہو رہا ہے اسے کہا جائے کہ ہم کو خدا نے یہ حکم دیا ہے۔ العیاذ باللہ۔

ف۳ روح المعانی میں ہے "اَلْقِسْطُ عَلٰى مَا قَالَ غَيْرُ وَاحِدٍ اَلْعَدْلُ وَهُوَ الْوَسْطُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ اَلْمُتَجَافِيْ عَنْ طَرَفَيِ الْاِفْرَاطِ وَالتَّفْرِيْطِ" آیت کا حاصل یہ ہوا کہ حق تعالیٰ نے ہر کام میں توسط و اعتدال پر رہنے اور افراط و تفریط سے بچنے کی ہدایت کی ہے پھر بھلا فواحش کا حکم کیسے دے سکتے ہیں۔

ف۴ مترجم محقق نے "مسجد" کو غالباً مصدر میمی بمعنی سجود لیکر تجوزاً نماز کا ترجمہ کیا ہے اور "وجوہ" کو اپنے ظاہر پر رکھا ہے یعنی نماز ادا کرنے کے وقت اپنا منہ سیدھا (کعبہ کی طرف) رکھو۔ مگر دوسرے بعض مفسرین اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ سے یہ مراد لیتے ہیں کہ خدا کی عبادت کی طرف ہمیشہ استقامت کے ساتھ دل سے متوجہ رہو۔ ابن کثیر کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی عبادت میں سیدھے رہو۔ جو راستہ پیغمبر علیہ السلام کا ہے اس سے ٹیڑھے ترچھے نہ چلو۔ عبادت کی مقبولیت دو ہی چیزوں پر موقوف تھی۔ خالص خدا کے لئے ہو۔ جس کو آگے فرما دیا۔ وَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ اور اس مشروع طریق کے موافق ہو جو انبیاء و مرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تجویز فرمایا ہے۔ اس کو وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ میں ادا کیا گیا۔ بہرحال اس آیت میں اوامر شرعیہ کی تمام انواع کی طرف اشارہ =

اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ

رفیق اللہ کو چھوڑ کر اور سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں ف۱ اے اولاد آدم کی لے لو اپنی آرائش

رفیق اللہ چھوڑ کر، اور سمجھتے ہیں کہ وہ راہ پر ہیں۔ اے اولاد آدم! لے لو اپنی رونق (آرائش) ہر

كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ قُلْ مَنْ حَرَّمَ ع

ہر نماز کے وقت اور کھاؤ اور پیو اور بے جا خرچ نہ کرو اس کو خوش نہیں آتے بے جا خرچ کرنے والے ف۲ تو کہہ کس نے حرام کیا

نماز کے وقت، اور کھاؤ اور پیو، اور مت اڑاؤ۔ اس کو خوش نہیں آتے اڑانے والے۔ تو کہہ کس نے منع کی ہے

زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ

اللہ کی زینت کو جو اس نے پیدا کی اپنے بندوں کے واسطے اور ستھری چیزیں کھانے کی تو کہہ یہ نعمتیں اصل میں ایمان والوں کے واسطے ہیں دنیا کی

رونق اللہ کی جو پیدا کی اس نے اپنے بندوں کے واسطے اور ستھری چیزیں کھانے کی؟ تو کہہ! وہ ہے ایمان والوں کے واسطے دنیا کی

= کردیا ہے۔ جو بندوں کے معاملات سے متعلق ہیں وہ سب "قسط" میں آگئے اور جن کا تعلق خدا سے ہے اگر قالبی ہیں تو "واقیموا وجوھکم" میں اور قلبی ہیں تو ﴿وادعوہ مخلصین لہ الدین﴾ میں مندرج ہو گئے۔

ف۵ یعنی انسان کو اعتدال، استقامت اور اخلاص کی راہوں پر چلنے کی اس لئے ضرورت ہے کہ موت کے بعد دوسری زندگی ملنے والی ہے جس میں موجودہ زندگی کے نتائج سامنے آئیں گے اس کی فکر ابھی سے ہونی چاہئے۔ ﴿وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ﴾

ف۱ یعنی جن پر گمراہی مقرر ہو چکی، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خدا کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا دوست اور رفیق ٹھہرا لیا ہے۔ اور تماشا یہ ہے کہ اس صریح گمراہی کے باوجود سمجھتے یہ ہیں کہ ہم خوب ٹھیک چل رہے ہیں اور مذہبی حیثیت سے جو روش اور طرز عمل ہم نے اختیار کرلیا ہے وہ ہی درست ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ﴿اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا﴾ (کہف، رکوع ۱۲)

(تنبیہ) آیت کے عموم سے ظاہر ہوا کہ کافر معاند کی طرح کافر مخطی بھی جو واقعی اپنی غلط فہمی سے باطل کو حق سمجھ رہا ہو ﴿وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ﴾ میں داخل ہے، خواہ یہ غلط فہمی پوری طرح غور وفکر نہ کرنے کی وجہ سے ہو، یا اس لئے کہ گو اس نے بظاہر پوری قوت غور وفکر میں صرف کردی، لیکن ایسے صریح اور واضح حقائق تک نہ پہنچنا خود بتلاتا ہے کہ فی الحقیقت اس سے قوت فکر واستدلال کے استعمال میں کوتاہی ہوئی ہے۔ گویا جن چیزوں پر ایمان لانا مدار نجات ہے وہ اس قدر روشن اور واضح ہیں کہ ان کے انکار کی بجز عناد یا تصور فکر وتامل کے اور کوئی صورت نہیں۔ بہرحال کفر شرعی ایک ایسا سنکھیا (زہر) ہے جو جان بوجھ کر یا غلط فہمی سے کسی طرح بھی کھایا جائے انسان کو ہلاک کرنے کے لئے کافی ہے۔ "اہلسنت والجماعت" کا مذہب یہی ہے اور "روح المعانی" میں جو بعض کا اختلاف اس مسئلہ میں نقل کیا ہے، اس بعض سے مراد جاحظ وعنبری ہیں جو اہل السنت والجماعت میں داخل نہیں بلکہ باوجود "معتزلی" کہلائے جانے کے خود معتزلہ کو بھی ان کے اسلام میں کلام ہے۔ اسی لئے صاحب روح المعانی نے ان کا مذہب نقل کرنے کے بعد لکھ دیا" وللہ تعالیٰ الحجۃ البالغۃ والتزام ان کل کافر معاند بعد البعثت وظہور امر الحق کفار علی علم"اھ۔

ف۲ یہ آیات ان لوگوں کے رد میں نازل ہوئیں جو کعبہ کا طواف برہنہ ہو کر کرتے تھے اور اسے بڑی قربت اور پرہیزگاری سمجھتے تھے اور بعض اہل جاہلیت ایام حج میں سد رمق سے زائد کھانا اور گھی یا چکنائی وغیرہ کا استعمال چھوڑ دیتے تھے بعضوں نے بکری کے دودھ اور گوشت سے پرہیز کر رکھا تھا۔ ان سب کو بتلا دیا کہ یہ کوئی نیکی اور تقویٰ کی باتیں نہیں۔ خدا کی دی ہوئی پوشاک جس سے تمہارے بدن کا تستر اور آرائش ہے اس کی عبادت کے وقت دوسرے اوقات سے بڑھ کر قابل استعمال ہے تاکہ بندہ اپنے پروردگار کے دربار میں اس کی نعمتوں کا اثر لے کر حاضر ہو، خدا نے جو کچھ پہننے اور کھانے پینے کو دیا ہے اس سے تمتع کرو۔ بس شرط یہ ہے کہ اسراف نہ ہونے پائے۔ "اسراف" کے معنی ہیں "حد سے تجاوز کرنا" جس کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً حلال کو حرام کرلے، یا حلال سے گزر کر حرام سے بھی متمتع ہونے لگے یا اناپ شناپ بے تمیزی اور حرص سے کھانے پر گر پڑے، یا بدون اشتہاء کے کھانے لگے، یا ناوقت کھائے یا اس قدر کم کھائے جو صحت جسمانی اور قوت عمل کے باقی رکھنے کے لئے کافی نہ ہو، یا مضر صحت چیزیں استعمال کرے وغیر ذلک۔ لفظ "اسراف" ان سب امور کو شامل ہوسکتا ہے۔ بے جا خرچ کرنا =

اللُّنْیَا خَالِصَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾ قُلْ اِنَّمَا

زندگی میں خالص انہی کے واسطے ہیں قیامت کے دن اسی طرح مفصل بیان کرتے ہیں ہم آیتیں ان کے لیے جو سمجھتے ہیں ف۱ تو کہہ دے

زندگی میں، نری ان کی ہیں قیامت کے دن۔ یوں بتاتے ہیں ہم آیتیں، جن لوگوں کو بوجھ ہے۔ تو کہہ!

حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ

میرے رب نے حرام کیا ہے صرف بے حیائی کی باتوں کو جو ان میں کھلی ہوئی ہیں اور جو چھپی ہوئی ہیں اور گناہ کو ف۲ اور ناحق کی زیادتی کو اور اس بات کو

میرے رب نے منع کیا ہے، سو بے حیائی کے کام جو کھلے ہیں ان میں اور جو چھپے، اور گناہ اور زیادتی ناحق کی، اور یہ کہ

تُشْرِکُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِکُلِّ

کہ شریک کرو اللہ کا ایسی چیز کو کہ جس کی اس نے سند نہیں اتاری اور اس بات کو کہ لگاؤ اللہ کے ذمہ وہ باتیں جو تم کو معلوم نہیں ف۳ اور ہر

شریک کرو اللہ کا جس کی اس نے سند نہیں اتاری، اور یہ کہ جھوٹ بولو اللہ پر، جو تم کو معلوم نہیں۔ اور ہر

اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾

فرقے کے واسطے ایک وعدہ ہے پھر جب آ پہنچے گا ان کا وعدہ نہ پیچھے سرک سکیں گے ایک گھڑی اور نہ آگے سرک سکیں گے ف۴

فرقے کا ایک وعدہ ہے پھر جب پہنچا ان کا وعدہ، نہ دیر کریں گے ایک گھڑی اور نہ جلدی۔

= بھی اس کی ایک فرد ہے۔ اسی تعمیم کے لحاظ سے بعض سلف نے فرمایا کہ "جمع اللّٰہ الطب کله فی نصف اٰیة" (خدا نے ساری طب آدھی آیت میں اکٹھی کر دی)۔

ف۱ عالم کی تمام چیزیں اسی لئے پیدا کی گئی ہیں کہ آدمی ان سے مناسب طریقہ سے منتفع ہو کر خالق جل وعلا کی عبادت، وفاداری اور شکر گزاری میں مشغول ہو۔ اس اعتبار سے دنیا کی تمام نعمتیں اصل میں مومنین ومطیعین ہی کے لئے پیدا ہوئی ہیں البتہ کافروں کو بھی ان چیزوں سے روکا نہیں گیا وہ بھی اپنے اعمال و تدابیر سے دنیاوی مفاد حاصل کر لیتے ہیں۔ بلکہ جب اہل ایمان قوت ایمان وتقویٰ میں کمزور ہوں، تو یہ غاصبین اپنی عملی تگ و دو میں بظاہر زیادہ کامیاب معلوم ہوتے ہیں جسے کچھ تو کفار کے اعمال فانیہ کا ثمرہ سمجھنا چاہیے اور کچھ مومنین کے حق میں تنبیہ وتوبیخ ﴿مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَیْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِیْهَا وَهُمْ فِیْهَا لَا یُبْخَسُوْنَ﴾ ﴿اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِیْهَا وَبٰطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ (ہود، رکوع ۲) رہی آخرت کی نعماء وہ خالص اہل ایمان کا حصہ ہے۔ بعض علماء نے ﴿خالصة یوم القیامه﴾ کے معنی یہ لئے ہیں کہ دنیاوی نعمتیں خالص نہیں کیونکہ ان کے ساتھ بہت سے غم وفکر اور کلفتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ آخرت کی نعمتیں ہر قسم کی کدورات سے خالی ہوں گی اور ابن عباس سے" درمنثور" میں آیت کے معنی یہ نقل کئے ہیں کہ دنیاوی نعمتیں اس شان سے کہ آخرت میں وبال نہ بنیں صرف مومنین کے لئے ہیں کفار کے حق میں یہاں کا تنعم ان کے کفر وحق ناشناسی کی وجہ سے عذاب ووبال بن جائے گا۔

ف۲ "اثم" سے عام گناہ مراد ہیں اور بعض مخصوص گناہوں کو مناسبت مقام یا اہمیت کی وجہ سے بیان فرما دیا۔ "اثم" وہ گناہ ہے جس کا تعلق گناہ کرنے والے کے سوا دوسرے لوگوں سے نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

ف۳ جیسا کہ فحشاء کے متعلق کہتے تھے ﴿واللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا﴾۔

ف۴ بظاہر شبہ ہوتا ہے کہ جب وعدہ کا وقت آ پہنچا اور بعض کے نزدیک تو تاخیر کا امکان عقلی تھا اس لئے اس کی نفی ضروری ہوئی مگر تقدیم تو عقلاً ممکن ہی نہیں۔ اس کی نفی سے کیا فائدہ ہے؟ اسی شبہ کی وجہ سے بعض مفسرین نے ﴿لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ کا عطف شرطیہ ﴿اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ﴾ الخ پر مانا ہے اور بعض نے ﴿جَآءَ اَجَلُهُمْ﴾ سے قرب دنو مراد لیا ہے۔ میرے نزدیک ان تکلفات کی حاجت نہیں۔ محاورات میں کسی ایسی چیز کو جس کے مقابل دو طرفیں ہوں زور اور تاکید سے =

تحذیر از فتنۂ شیطانی دربارۂ بےحیائی وعریانی

قَالَ تَعَالیٰ: ﴿یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا... الی... لَا یَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَۃً وَّلَا یَسۡتَقۡدِمُوۡنَ﴾

ربط: ...... گزشتہ قصہ میں شیطان کی عداوت کا ذکر فرمایا اور اسی سلسلہ میں یہ بیان فرمایا کہ شیطان نے حضرت آدم اور حواء علیہما السلام کو دھوکہ دیا جس کا اثر یہ ہوا کہ ان کے بدن سے جنت کا لباس اتر پڑا جس سے گھبرا کر اور شرما کر جنت کے درختوں کے پتوں سے ستر کو ڈھانکنے لگے۔ یہ برہنگی شیطان کا پہلا فتنہ تھا اب آئندہ آیات میں اسی فتنہ کے متعلق احکام ارشاد فرماتے ہیں جس میں اہل عرب، شیطان کے اغواء اور اضلال سے مبتلا تھے کہ برہنہ طواف کرتے تھے اور بعض چیزوں کے کھانے کو زمانۂ حج میں حرام جانتے تھے بعض لوگ بکری کا دودھ اور گوشت اور چکنائی چھوڑ دیتے تھے اور بعض لوگ گھی کو حرام کر لیتے تھے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ میں شیطان کی عداوت کا اثر حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ لباس اور طعام میں ظاہر ہوا۔ شجرۂ ممنوعہ کے کھانے کی وجہ سے جنت کے باقی اطعمہ سے محروم ہوئے اور جنت کا لباس بھی بدن سے اتر گیا۔ اس لیے حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ کے بعد شیطان کے اضلال اور اغواء کا جو اثر عرب کے اَطعِمہ اور اَلبِسہ میں ظاہر ہوا اس کے متعلق احکام نازل ہوئے کہ عریانی اور برہنگی۔ یہ سب امور حرام ہیں اور شیطان کے اغواء اور اضلال سے ہیں۔ اس لیے ان آیات میں اولاد آدم کو شیطان کی عداوت سے ڈرایا کہ یہ لعین، کہیں باپ کی طرح تم کو مصیبت میں مبتلا نہ کر دے اس لیے شدید احتیاط کی ضرورت ہے۔ حق جل شانہ نے ان ہدایات اور ارشادات میں بنی آدم کو چار جگہ یا بنی آدم کے خطاب سے مخاطب فرمایا اور لفظ ''یا'' کلام عرب میں نداء بعید کے لیے آتا ہے اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ جو لوگ اس قسم کی بےحیائیوں میں مبتلا ہیں۔ وہ فطرت اور انسانیت اور آدمیت سے بہت بعید ہیں ان کو فطرت اور آدمیت کے قریب کرنے کے لیے ﴿یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ﴾ کہہ کر پکارا جارہا ہے۔ (نداء اول) ﴿یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا﴾ (نداء دوم) ﴿یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ لَا یَفۡتِنَنَّکُمُ الشَّیۡطٰنُ کَمَاۤ اَخۡرَجَ اَبَوَیۡکُمۡ﴾ (نداء سوم) ﴿یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ﴾ (نداء چہارم) ﴿یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ اِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ یَقُصُّوۡنَ عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِیۡ﴾۔ اور ان تمام مواضع میں حق تعالیٰ نے اپنے الزامات کا ذکر فرمایا ہے۔

نداء اول

اے اولاد آدم ہم نے تم کو بےستری کی شرمندگی سے بچانے کے لیے تم پر یہ انعام کیا کہ تحقیق ہم نے تم پر ایک لباس اتارا جو تمہاری شرمگاہوں کو چھپاتا ہے اور تمہارے لیے موجب زینت بھی ہے اور اس ظاہری لباس کے علاوہ جس

= ثابت کرنے کے لئے بسا اوقات ایک طرف کی جو محتمل الثبوت ہو نفی مقصود کی جاتی ہے اور دوسری طرف کی جو پہلے سے غیر محتمل ہے نفی کو محض مبالغہ تاکید اور تحسین کلام کے طور پر استطراداً ذکر کر دیتے ہیں۔ ایک خریدار دکاندار سے کسی چیز کی قیمت معلوم کر کے کہتا ہے کہ کچھ ''کم و بیش'' دکاندار بھی کہہ دیتا ہے کہ ''کم و بیش نہیں ہوسکتا۔'' دونوں جگہ ''کم'' کا ذکر مقصود ہے۔ اور ''بیش'' کا لفظ محض تعیین قیمت کی تاکید و مبالغہ کے لئے استطراداً ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں بھی غرض اصلی کلام سے یہ ہے کہ خدا کا وعدہ جب آپہنچے تو پھر اٹل ہے ایک منٹ کی تقدیم و تاخیر نہیں ہوسکتی۔ مقصود تاخیر کی نفی کرنا ہے۔ تقدیم جو پہلے سے ظاہر الانتفاء تھی اس کی نفی کرنا محض وعدہ کے اٹل ہونے پر زور ڈالنے کا ایک پیرایہ ہے یعنی خدا پر افترا کرنے والے اور اس کی طرف نسبت کر کے حرام کو حلال بنانے والے خدا کی ڈھیل پر مغرور و بےفکر نہ ہوں۔ ہر امت اور ہر فرد کی خدا کے یہاں ایک معین مدت ہے، جب سزا کی گھڑی آجائے گی پھر ٹل نہ سکے گی۔

سے صرف بدن کا تستر اور تزین ہو جاتا ہے ایک معنوی لباس بھی ہے وہ تقویٰ اور پرہیزگاری کا لباس ہے اور یہ لباس سب لباسوں سے بہتر ہے۔ تقویٰ سے مراد خوف خداوندی ہے جس میں ایمان اور اعمال صالحہ سب داخل ہیں۔ اور لباس پرہیزگاری سب لباسوں سے بہتر ہے ایک شاعر کہتا ہے۔

اِذَا اَنْتَ لَمْ تَلْبَسْ ثِیَاباً مِنَ التُّقٰی عَرِیْتَ وَاِنْ وَارٰی الْقَمِیْصَ قَمِیْصٌ

(یعنی اگر تو تقویٰ کا لباس پہنے ہوئے نہیں تو در حقیقت برہنہ ہے، اگرچہ ظاہر میں کرتہ پر کرتہ ہو)

ف:...... انزال کے معنی اوپر سے نیچے اتارنے کے ہیں چونکہ لباس کی پیدائش کا سبب بارش ہے جو آسمان سے نازل ہوتی ہے جب تک آسمان سے بارش نہ ہو تو زمین سے روئی پیدا نہیں ہوتی جس سے لباس بنتا ہے۔ اس لیے لباس کے پیدا کرنے کو اتارنے سے تعبیر کیا گیا۔ یہ یعنی ہمارا تم پر لباس ظاہری و باطنی کو اتارنا خدا کی نشانیوں میں سے ہے جو اس کے فضل و رحمت پر دلالت کرتی ہیں تاکہ لوگ ان میں غور کریں اور نصیحت پکڑیں اور اس کی نعمتوں کا شکر بجالائیں اور برہنگی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں۔

نداء دوم

اے اولاد آدم تم اپنے باپ کا قصہ سن چکے ہوشیار رہنا کہیں شیطان تم کو فریب نہ دے دے۔ جیسا کہ اس نے تمہارے باپ آدم و حوا کو جنت سے نکلوا دیا تھا۔ یعنی یہ شیطان تمہارا جدی اور پدری دشمن ہے اس سے احتیاط رکھنا یہ ننگے طواف کرنا اور تقویٰ کے لباس سے خالی ہونا یہ شیطانی حرکت ہے اسی نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے ایسی حالت میں نکلوایا کہ ان کا لباس ان سے اس غرض سے اتارا تھا کہ ان کی شرمگاہیں دکھلائے تاکہ وہ اس شرم و ندامت کی حالت میں جنت سے علیحدہ ہوں تحقیق وہ اور اس کا جتھا تم کو ایسی طرح سے دیکھتا ہے کہ تم ان کو نہیں دیکھتے یعنی شیاطین تو آدمیوں کو دیکھتے ہیں اور آدمی شیاطین کو نہیں دیکھتے ایسے دشمن سے بچنا بہت مشکل ہے کہ جو ہم کو تو دیکھتا ہوں اور ہم اسے نہ دیکھتے ہوں ایسے دشمن سے بچاؤ ایمان اور تقویٰ ہی کے لباس سے ممکن ہے تحقیق ہم نے شیاطین کو انہی لوگوں کا رفیق اور دوست بنایا ہے جو ایمان نہیں لاتے یعنی ان کا تسلط اور زور بے ایمانوں ہی پر ہے جو اس کے دوست ہیں اور جو لوگ ایمان اور تقویٰ کا لباس زیب تن کیے ہوئے ہیں وہ اس کے داؤ گھات سے محفوظ رہتے ہیں اور جو لوگ ایمان نہیں لائے اور شیطانوں کے دوست بنے ہوئے ہیں جس وقت بے حیائی کا کام کرتے ہیں۔ جیسے خانہ کعبہ کا ننگے طواف کرنا اور کوئی ان کو اس سے منع کرتا ہے تو اپنی اس بے حیائی کے عذر میں یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی طریقہ پر پایا ہے اور اللہ نے ہم کو یہ حکم دیا ہے۔ یعنی اپنے افعال قبیحہ اور اعمال شنیعہ کے جواز اور استحسان کے ثبوت میں اپنے بڑوں کو پیش کرتے ہیں اور ان افعال کو فرمودۂ خداوندی بتلاتے ہیں اے نبی آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم خدا تعالے پر محض افتراء کرتے ہو کہ اللہ نے ہمیں اس کام کا حکم دیا ہے یہ بالکل جھوٹ ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ بری باتوں کے کرنے کا حکم نہیں دیتا عقلاً یہ ناممکن اور محال ہے کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی اور بری باتوں کا حکم دے اللہ تو انصاف کرنے کا اور نماز پڑھنے کا حکم دیتا ہے کیا تم اللہ کی طرف وہ بات منسوب

کرتے ہو جس کا تمہیں کوئی علم نہیں یعنی تم اپنی بے علمی سے اللہ پر بہتان باندھتے ہو۔ یہ نہایت سخت گستاخی اور بے باکی ہے آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار اس سے منزہ ہے کہ وہ کسی امر قبیح کا حکم دے میرے پروردگار نے تو انصاف کا حکم دیا ہے اور انصاف کی بات یہ ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے خدا کے ساتھ کسی کو شریک گردانا سراسر ظلم اور بے انصافی ہے اور میرے پروردگار نے یہ حکم دیا ہے کہ ہر نماز کے وقت اپنے منہ سیدھے خدا کی طرف متوجہ کرو اور اللہ کو ایسے پکارو کہ خالص اسی کی اطاعت کرنے والے ہو۔ یعنی عبادت اور دعا میں بتوں کو شریک نہ کرو محض اللہ ہی کی اطاعت کرو اور یہ سمجھ لو کہ ایک دن تم کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ جیسے خدا نے تم کو پہلی بار پیدا کیا اسی طرح تم بالآخر اس کی طرف لوٹو گے یعنی ننگے پن اور ننگے بدن اور ننگے پاؤں اور غیر مختون اور خدا کے روبرو پیش ہو گے۔ اور تم سے اعمال کی باز پرس ہوگی اور اس وقت پیش آنے والے دو گروہ ہوں گے ایک اہل سعادت کا اور ایک اہل شقاوت کا یعنی مومن اور کافر۔ ان میں سے ایک فریق کو اللہ نے ہدایت دی جو نبی آخر الزمان ﷺ پر ایمان لایا اور ایک فریق پر گمراہی اور بدبختی ثابت ہوئی جس نے شیاطین کو اپنا دوست بنایا اس وقت ہر ایک کی سعادت اور شقاوت ظاہر ہو جائے گی کیونکہ ان لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر شیاطین کو اپنا دوست بنایا اور ان کے کہنے پر چلے اور توحید کی بجائے بت پرستی اختیار کی اور بے حیائی کے کام کیے اور گمان یہ کرتے ہیں کہ ہم ہدایت پر ہیں۔ حشر کے بعد معلوم ہو جائیگا کہ دنیا میں کون حق پر تھا اور کون باطل پر تھا۔ یعنی ایسے اندھے ہو گئے ہیں کہ گمراہی کو ہدایت سمجھتے ہیں۔

نداء سوم

اے اولاد آدم تمام احوال میں اور خاص کر نماز کی حالت میں اپنے بدن کی زینت اور رونق کو یعنی لباس کو ضرور لے لیا کرو۔ جو تمہاری زینت اور آرائش کے لیے پیدا کیا گیا اور لذائذ اور طیبات سے کھاؤ اور پیو تا کہ عبادت، اور اطاعت خداوندی کی قوت تم میں پیدا ہو اور کھانے اور پینے اور پہننے میں حدود شریعت سے باہر نہ نکلو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ زمانہ جاہلیت میں دستور تھا کہ کفار برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے مرد ۲ دن میں، اور عورتیں رات میں۔ نیز ایام حج میں کھانا بھی کم کھاتے اور بدمزہ کھایا کرتے تھے۔ اس میں گھی وغیرہ نہ ڈالتے تھے۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے ان لغویات کا رد فرمایا اور آئندہ آیات میں بھی اسی کا رد ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں آپ ان لوگوں سے جو ایام حج میں پاکیزہ غذاؤں سے اجتناب کرتے ہیں اور برہنہ طواف کرنے کو عبادت سمجھتے ہیں یہ کہہ دیجئے کہ بتلاؤ کس نے حرام کیا ہے اللہ کی زینت کو یعنی لباس اور پوشاک کو جس کو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا ہے اور کس نے حرام کیا ہے کھانے کی پاکیزہ چیزوں کو یعنی کسی نے بھی حرام نہیں کیا یہ تمہاری جہالت ہے کہ تم طواف میں کپڑے نہیں پہنتے جو تمہارے لیے موجب زینت ہیں اور گوشت اور چربی نہیں کھاتے جو تمہارے لیے باعث لذت وراحت ہیں یہ تمام لذائذ وطیبات تمہارے ہی نفع کے لیے پیدا کیے ہیں۔ آپ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ یہ ملبوسات اور لذائذ وطیبات کی نعمتیں دنیاوی زندگی میں دراصل ایمان والوں کے واسطے ہیں۔ یعنی کھانے پینے اور پہننے کی تمام نعمتیں دراصل مسلمانوں کے لیے پیدا کی گئی ہیں

اور وہی ان کے اصل مستحق ہیں۔ تاکہ اللہ کے رزق سے اللہ کی طاعت اور عبادت کی قوت حاصل ہو۔ لیکن دنیا میں کافر بھی ان کے شریک کر دیئے گئے ہیں بلکہ بطور استدراج و امہال ان کو زیادہ دے دیا گیا ہے تاکہ ان پر حجت پوری ہو جائے۔ رزق کے اصل مستحق اہل ایمان ہیں اور کافر ان کے طفیلی ہیں۔ ان نعمتوں سے مقصود بالانعام اہل ایمان ہیں جو اللہ کے محترم اور مکرم بندے ہیں جو اس کا رزق کھا کر اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کے دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہیں اور خدا کے نافرمان اور سرکش اگرچہ دنیاوی رزق میں بظاہر اہل ایمان کے شریک ہیں لیکن در پردہ طفیلی اور تابع ہیں۔ کفار خدائے تعالیٰ کی نظر میں بمنزلہ چوپاؤں کے ہیں۔ ﴿أُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ﴾ ﴿اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ جس طرح حیوان کو انسان کے طفیل میں کھانے کو بہت زیادہ مل جاتا ہے اسی طرح کفار کو اہل ایمان کے طفیل اور صدقہ میں خوب مل رہا ہے اور قیامت کے دن تمام نعمتیں خالص اہل ایمان ہی کے لیے ہوں گی۔ آخرت میں کفار کو بطور تطفل اور بطور تبعیت بھی ان نعمتوں میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا کیونکہ جنت اور جنت کی نعمتیں کافروں پر حرام ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور مصلحت سے دنیاوی زندگی میں کافروں کو نعمتوں میں شریک کر دیا مگر یہ شرکت اصالتاً نہیں بلکہ تبعاً ہے بالذات نہیں بلکہ بالعرض ہے لقولہ تعالیٰ: ﴿وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ﴾۔ یا یہ معنی ہیں کہ دنیا میں مومن اور کافر سب شریک ہیں۔

ع- چہ دشمن بریں خوان یغما چہ دوست

مگر قیامت کے دن نعمتیں خاص ایمانداروں کے حصہ میں آئیں گی اور کفار ان سے محروم رہیں گے اسی طرح ہم اپنے احکام کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں اس گروہ کے لیے جو جانتے اور بوجھتے ہیں اور جو جہالتوں اور حماقتوں میں مبتلا ہیں ان کے لیے بتلانا اور نہ بتلانا سب برابر ہے۔

تفصیل محرمات

گزشتہ آیات میں جاہلیت کی لغویات کا رد فرمایا اب آگے محرمات کی قدرے تفصیل فرماتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ جز ایں نیست کہ اللہ نے حرام کیا ہے تمام بے حیائی کے کاموں کو جو ان میں سے ظاہر ہیں ان کو بھی جیسے برہنہ طواف کرنا اور جو ان میں سے چھپے ہیں ان کو بھی جیسے بدکاری مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے عمدہ لباس اور عمدہ غذاؤں کو حرام نہیں کیا بلکہ بے حیائی کے کاموں کو حرام کیا ہے جن کے تم مرتکب ہو اور اللہ نے ہر قسم کے گناہ کو حرام کیا ہے۔ جس میں شراب اور جوا خاص طور پر داخل ہے کما قال تعالیٰ: ﴿فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ﴾ اور کسی پر ناحق ظلم اور زیادتی کو حرام کیا ہے اور اس بات کو اللہ نے حرام کیا ہے کہ تم اللہ کے ساتھ ایسی چیز کو شریک گردانو جس کی اللہ نے کوئی حجت اور سند نہیں اتاری اور حرام کیا اللہ نے اس بات کو کہ تم اللہ کی طرف ایسی بات منسوب کرو جس کا تم کو علم نہ ہو یعنی اپنی جہالت سے اللہ پر بہتان باندھنا حرام ہے ظلم اور زیادتی اور شرک اور خدا پر جھوٹ بولنا۔ اگرچہ فواحش اور اثم (گناہ) کے تحت میں داخل تھا لیکن چونکہ یہ تین گناہ سب سے بڑھ کر ہیں اس لیے ان کو علیحدہ بیان کیا تاکہ ان کی برائی واضح ہو جائے مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں واقع میں حلال ہیں ان کو تم نے

حرام سمجھ رکھا ہے اور جو چیزیں واقع میں حرام ہیں ان کو حلال سمجھتے ہو عجب جہل میں گرفتار ہو، اور اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ اگر چہ یہ چیزیں خدا نے حرام کیں ہیں تو خدا تعالیٰ ان کے ارتکاب پر سزا کیوں نہیں دیتا تو جواب یہ ہے کہ ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر ہے اس وقت مقرر کے آنے تک ان کو مہلت ملتی ہے پس جب وہ وقت مقرر آ پہنچے تو ایک لحہ کے لیے آگے اور پیچھے نہیں ہوسکتے وقت مقررہ آ جانے کے بعد کوئی توبہ اور معذرت قبول نہیں مقصود یہ ہے کہ عذاب الٰہی میں جلدی کرنا بیکار ہے ہر شخص کے لیے ایک خاص وقت مقرر ہے جب وہ وقت آ جائے گا تو پھر ایک لحہ کی تقدیم وتاخیر نہیں ہوسکتی۔

ف:...... ﴿لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ کا ذکر محض تاکید اور مبالغہ کے لیے ہے جیسے ایک خریدار دکاندار سے قیمت بتلانے کے وقت کہتا ہے کچھ کم وبیش، تو دکاندار کہتا ہے کم وبیش کچھ نہیں دونوں جگہ کم کا ذکر مقصود ہے اور بیش کا لفظ محض تاکید اور مبالغہ کے لیے تبعاً اور استطراداً ذکر کر دیا گیا ہے اس طرح یہاں مقصود یہ ہے کہ جب خدا کا وعدہ آ پہنچے تو پھر اٹل ہے ایک منٹ کی تقدیم وتاخیر نہیں ہوسکتی مقصود تاخیر کی نفی کرنا ہے۔ تقدیم کی نفی تو پہلے ہی سے ظاہر ہے اس کی نفی کا ذکر محض تاکید اور مبالغہ کے لیے ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا

اے اولاد آدم کی اگر آئیں تمہارے پاس رسول تم میں کے کہ سنائیں تم کو آیتیں میری تو جو کوئی ڈرے اور نیکی پکڑے تو نہ

اے اولاد آدم کی ! کبھی پہنچیں تم پاس رسول تم میں کے، سناویں تم کو آیتیں میری تو جس نے خطرہ (بچاؤ) کیا اور سنوار پکڑی، نہ

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ

خوف ہوگا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور تکبر کیا ان سے وہی ہیں

ڈر ہے ان پر نہ وہ غم کھاویں۔ اور جنہوں نے جھوٹ جانیں آیتیں ہماری اور تکبر کیا ان کی طرف سے، وہ ہیں

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ

دوزخ میں رہنے والے وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے ف۱ پھر اس سے زیادہ ظالم کون جو بہتان باندھے اللہ پر جھوٹا یا جھٹلائے

دوزخ کے لوگ، اس میں رہ پڑے۔ پھر اس سے ظالم کون ؟ جو جھوٹ باندھے اللہ پر، یا جھٹلاوے

ف۱ ابن جریر نے ابویسار سلمی سے نقل کیا ہے کہ یہ خطاب ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ﴾ الخ کل اولاد آدم کو عالم ارواح میں ہوا تھا۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے۔ ﴿قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى﴾ الخ اور بعض محققین کے نزدیک جو خطاب ہر زمانہ میں ہر قوم کو ہوتا رہا، یہ اس کی حکایت ہے میرے نزدیک دو رکوع پہلے سے جو مضمون چلا آ رہا ہے اس کی ترتیب و تنسیق خود ظاہر کرتی ہے کہ جب آدم وحوا اپنے اصلی مسکن (جنت) سے جہاں ان کو آزادی وفراخی کے ساتھ بلا روک ٹوک زندگی بسر کرنے کا حکم دیا جا چکا تھا۔ عارضی طور پر محروم کر دیئے گئے تو ان کی مخلصانہ توبہ وانابت پر نظر کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوا کہ اس حرمان کی تلافی اور تمام اولاد آدم کو اپنی آبائی میراث واپس دلانے کے لئے کچھ ہدایات کی جائیں۔ چنانچہ ہبوط آدم کا قصہ ختم کرنے کے بعد معاً ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا﴾ الخ سے خطاب شروع فرما کر تین چار رکوع تک ان ہی ہدایات کا مسلسل بیان ہوا ہے۔ ان آیات میں کل اولاد آدم کو گویا بیک وقت موجود تسلیم کر کے عام خطاب کیا گیا ہے کہ جنت سے نکلنے کے بعد ہم نے بہشتی لباس وطعام کی جگہ تمہارے لئے زمینی لباس وطعام کی تدبیر فرما دی گو جنت کی خوشحالی اور بے فکری یہاں میسر نہیں تاہم ہر قسم کی راحت وآسائش کے سامان سے متمتع ہونے کا تم کو موقع دیا تا کہ تم یہاں رہ کر اطمینان سے اپنا مسکن اصلی اور آبائی ترکہ واپس لینے کی تدبیر کر سکو۔ چاہیے کہ شیطان لعین کے مکر وفریب سے ہشیار رہو کہیں ہمیشہ کے لئے تم کو اس =

بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا

اس کے حکموں کو ف۱ وہ لوگ ہیں کہ ملے گا ان کو جو ان کا حصہ لکھا ہوا ہے کتاب میں ف۲ یہاں تک کہ جب پہنچیں ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے

اس کے حکم کو۔ وہ لوگ پاویں گے جو ان کا حصہ لکھا کتاب میں، یہاں تک جب پہنچے ان پاس بھیجے ہوئے

يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا

ان کی جان لینے کو تو کہیں کیا ہوئے وہ جن کو تم پکارا کرتے تھے سوا اللہ کے بولیں گے وہ ہم سے کھوئے گئے اور اقرار کرلیں گے

ہمارے جان لینے کو، بولے، کیا ہوئے جن کو تم پکارتے تھے سوا اللہ کے؟ بولے، ہم سے گم ہوئے اور قائل ہوئے

عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝۳۷ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ

اپنے اوپر کہ بیشک وہ کافر تھے ف۳ فرمائے گا داخل ہوجاؤ ہمراہ اور امتوں کے جو تم سے پہلے ہوچکی ہیں

اپنی جان پر، کہ وہ تھے منکر۔ فرمایا، داخل ہو ساتھ اور امتوں کے جو تم سے پہلے ہوچکی ہیں،

الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا

جن اور آدمیوں میں سے دوزخ کے اندر ف۴ جب داخل ہوگی ایک امت تو لعنت کرے گی دوسری امت کو ف۵ یہاں تک کہ جب گرچکیں گے اس میں

جنّ اور انسان، آگ میں۔ جہاں داخل ہوئی ایک امت، لعنت کرنے لگی دوسری کو۔ جب تک گر چکے، اس میں

=میراث سے محروم نہ کردے۔ بے حیائی اور اثم وعدوان سے بچو۔ اخلاص وعبودیت کا راستہ اختیار کرو۔ خدا کی نعمتوں سے تمتع کرو مگر جو حدود وقیود مالک حقیقی نے عائد کردی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔ پھر دیکھو ہر قوم اپنی اپنی مدت موعودہ پوری کرکے کس طرح اپنے ٹھکانہ پر پہنچ جاتی ہے۔ اس اثناء میں اگر خدا کسی وقت تم ہی میں سے اپنے پیغمبر مبعوث فرمائے جو خدا کی آیات پڑھ کر سنائیں جن سے تم کو اپنے باپ کی اصلی میراث (جنت) حاصل کرنے کی ترغیب وتذکیر ہو اور مالک حقیقی کی خوشنودی کی راہیں معلوم ہوں، ان کی پیروی اور مدد کرو۔ خدا سے ڈر کر برے کاموں کو چھوڑ دو اور اعمال صالحہ اختیار کرو تو پھر تمہارا مستقبل بالکل بے خوف وخطر ہے۔ تم ایسے مقام پر پہنچ جاؤ گے جہاں سکھ اور امن واطمینان کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں، ہاں اگر ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور تکبر کرکے ان پر عمل کرنے سے کترائے تو مسکن اصلی اور آبائی میراث سے دائمی محرومی اور ابدی عذاب وہلاکت کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ بہر حال جو لوگ اس آیت سے ختم نبوت کی نصوص قطعیہ کے خلاف قیامت تک کے لئے انبیاء ورسل کی آمد کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں ان کے لئے اس جگہ کوئی موقع اپنی مطلب برآوری کا نہیں۔

ف۱ یعنی ان سچے پیغمبروں کی تصدیق کرنا ضروری ہے جو واقعی خدا کی آیات سناتے ہیں، باقی جو شخص پیغمبری کا جھوٹا دعویٰ کرکے اور جھوٹی آیات بنا کر خدا پر افتراء کرے یا کسی سچے پیغمبر کو اور اس کی لائی ہوئی آیات کو جھٹلائے ان دونوں سے زیادہ ظالم کوئی نہیں۔

ف۲ یعنی دنیا میں عمر ورزق وغیرہ جتنا مقدر ہے یا یہاں کی ذلت ورسوائی جو ان کے لئے لکھی ہے وہ پہنچے گی، پھر مرتے وقت اور مرنے کے بعد جو گت بنے گی اس کا ذکر آگے آتا ہے۔ اور اگر نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتَابِ سے دنیا کا نہیں عذاب اخروی کا حصہ مراد لیا جائے تو حتی اذا جاءتھم الخ سے اس پر تنبیہ ہوگی کہ اس عذاب کے مبادی کا سلسلہ اسی دنیاوی زندگی کے آخری لمحات میں شروع ہوجاتا ہے۔

ف۳ یعنی جب فرشتے نہایت سختی سے ان کی روح قبض کرکے برے حال سے لے جاتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں کہ خدا کے سوا جن کو تم پکارا کرتے تھے وہ کہاں گئے جواب تمہارے کام نہیں آتے، انہیں بلاؤ تاکہ اس مصیبت سے تمہیں چھڑائیں۔ اس وقت کفار کو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ہم سخت غلطی میں پڑے تھے کہ ایسی چیزوں کو معبود ومستعان بنالیا جو اس کے مستحق نہ تھے۔ آج ہماری اس مصیبت میں ان کا کہیں پتا نہیں۔ لیکن یہ ناوقت کا اقرار وندامت کیا نفع دے سکتی ہے حکم ہوگا اُدْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ الخ باقی بعض مواضع میں جو وارد ہوا ہے کہ وہ اپنے کفر وشرک سے انکار کریں گے، اس آیت کے منافی نہیں۔ کیونکہ قیامت میں مواقف اور احوال مختلف ہوں گے اور جماعتیں بھی بیشمار ہوں گی کہیں ایک موقف یا ایک جماعت کا ذکر ہے کہیں دوسری کا۔

ف۴ یعنی آگے پیچھے کفار کو دوزخ ہی میں داخل ہونا ہے۔

جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ

سارے تو کہیں گے ان کے پچھلے پہلوں کو اے رب ہمارے ہم کو انہی نے گمراہ کیا سو تو ان کو دے دونا عذاب

سارے، کہا پچھلوں نے پہلوں کو، اے رب ہمارے! ہم کو انہیں نے گمراہ کیا، سو تو دے ان کو دونا عذاب

النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ

آگ کا فرمائے گا کہ دونوں کو دوگنا ہے لیکن تم نہیں جانتے ف۱ اور کہیں گے ان کے پہلے پچھلوں کو پس کچھ نہ ہوئی

آگ کا۔ فرمایا کہ دونوں کو دونا ہے، پر تم نہیں جانتے۔ اور کہا پہلوں نے پچھلوں کو، سو کچھ نہ ہوئی

لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا ع ۸ ۱۱

تم کو ہم پر بڑائی اب چکھو عذاب بسبب اپنی کمائی کے ف۲ بیشک جنہوں نے جھٹلایا

تم کو ہم پر زیادتی، اب چکھو عذاب بدلہ اپنی کمائی کا۔ بیشک جنہوں نے جھٹلائیں

بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ

ہماری آیتوں کو اور ان کے مقابلہ میں تکبر کیا نہ کھولے جائیں گے ان کے لئے دروازے آسمان کے ف۳ اور نہ داخل ہوں گے جنت میں یہاں تک کہ

ہماری آیتیں اور ان کے سامنے تکبر کیا، نہ کھلیں گے ان کو دروازے آسمان کے، اور نہ داخل ہوں گے جنت میں، جب تک

الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ

گھس جائے اونٹ سوئی کے ناکے میں ف۴ اور ہم یوں بدلہ دیتے ہیں گناہ گاروں کو ان کے واسطے دوزخ کا بچھونا ہے اور

پیٹھے (گزرے) اونٹ سوئی کے ناکے میں، اور ہم یوں بدلہ دیتے ہیں گنہگاروں کو۔ ان کو دوزخ کے فرش ہیں اور

= ف۵ یعنی اس مصیبت میں باہم ہمدردی تو کیا ہوتی، دوزخی ایک دوسرے پر لعن طعن کریں گے۔ شاید اتباع اپنے سرداروں سے کہیں کہ تم پر خدا کی لعنت ہو تم اپنے ساتھ ہمیں بھی لے ڈوبے اور سردار اتباع سے کہیں کہ ملعونو! اگر ہم گڑھے میں گر پڑے تھے تو تم کیوں اندھے بن گئے۔ وغیر ذالک

ف۱ یعنی ایک حساب سے پہلوں کا گناہ دگنا کہ خود گمراہ ہوئے اور دوسرے آنے والوں کے لئے راہ ڈالی۔ اور ایک طرح پچھلوں کا دگنا کہ خود بہکے اور پہلوں کا حال دیکھ سن کر عبرت حاصل نہ کی۔ یا چونکہ ہر دوزخی کا عذاب اپنے اپنے درجہ کے موافق وقتاً فوقتاً بڑھتا رہے گا اس لئے فرمایا کہ ہر ایک کا عذاب دگنا ہوتا چلا جائے گا۔ ابھی آغاز تعذیب میں تمہیں انجام کی خبر نہیں یعنی پہلوں کا عذاب دگنا کر دینے سے تم پچھلوں کو کوئی شفاء اور راحت نصیب نہیں ہوگی۔ یہ تقریر اس صورت میں ہے کہ ﴿لِكُلٍّ ضِعْفٌ﴾ سے دونوں فریق مراد لئے جائیں۔ لیکن ابن کثیر کے نزدیک اس آیت میں پچھلوں کو مطلع کیا گیا ہے کہ بیشک ہم نے پہلوں میں سے ہر ایک کے لئے اس کے درجہ کے موافق دگنا ہی عذاب رکھا ہے جیسا کہ دوسری جگہ خبر دی ہے ﴿اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ﴾ (نحل، رکوع ۱۲) ﴿وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ﴾ (عنکبوت، رکوع ۱) ﴿وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ (نحل رکوع ۳)

ف۲ یعنی ہماری سزا میں اضافہ کی درخواست کر کے تمہیں کیا مل گیا؟ کیا تمہارے عذاب میں کچھ تخفیف ہوگئی؟ نہیں تم کو بھی اپنی کرتوت کا مزہ چکھنا ہے

ف۳ یعنی نہ زندگی میں ان کے اعمال کے لئے آسمانی قبول و رفعت حاصل ہے۔ نہ موت کے بعد ان کی ارواح کو آسمان پر چڑھنے کی اجازت ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ "بعد موت کافر کی روح کو آسمان کی جانب سے سجین کی طرف دھکے دیئے جاتے ہیں اور مومن کی روح ساتویں آسمان تک صعود کرتی ہے۔" مفصل احوال کتب احادیث میں ملاحظہ کرو۔

ف۴ یہ تعلیق بالمحال کے طور پر فرمایا۔ ہر زبان کے محاورات میں ایسی امثال موجود ہیں جن میں کسی چیز کے محال ہونے کو دوسری محال چیز پر معلق کر کے ظاہر =

فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۱ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا

اوپر سے اوڑھنا ف۱ اور ہم یوں بدلہ دیتے ہیں ظالموں کو اور جو ایمان لائے اور کیں نیکیاں

اوپر سائبان۔ اور ہم یوں بدلہ دیتے ہیں بےانصافوں کو۔ اور جو یقین لائے اور کیں بھلائیاں،

نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۡ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۴۲ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ

ہم بوجھ نہیں رکھتے کسی پر مگر اس کی طاقت کے موافق وہی ہیں جنت میں رہنے والے وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے ف۲ اور نکال لیں گے ہم جو کچھ ان کے

ہم بوجھ نہیں رکھتے کسی پر، مگر اس کے مقدور کا۔ وہ ہیں جنت کے لوگ۔ وہ اس میں رہ پڑے۔ اور نکال لی ہم نے جو ان کے

صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۣ

دلوں میں خفگی تھی ف۳ بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں اور وہ کہیں گے شکر اللہ کا جس نے ہم کو یہاں تک پہنچا دیا اور ہم نہ تھے راہ پانے والے

دل میں تھی خفگی، بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں۔ اور کہتے ہیں، شکر اللہ کو جس نے ہم کو یہاں راہ دی۔

وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَاۗءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۭ وَنُوْدُوْٓا اَنْ

اگر نہ ہدایت کرتا ہم کو اللہ بیشک لائے تھے رسول ہمارے رب کے سچی بات ف۴ اور آواز آئے گی کہ

اور ہم نہ تھے راہ پانے والے اگر نہ راہ دیتا ہم کو اللہ۔ بیشک لائے تھے رسول، ہمارے رب کی تحقیق بات، اور آواز ہوئی کہ

تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۴۳

یہ جنت ہے وارث ہوئے تم اس کے بدلے میں اپنے اعمال کے ف۵

یہ جنت ہے، وارث ہوئے تم اس کے، بدلہ اپنے کاموں کا۔

= کرتے ہیں۔ یعنی جس طرح یہ ناممکن ہے کہ اونٹ اپنی اسی کلانی اور جسامت پر رہے اور سوئی کا ناکہ ایسا ہی تنگ اور چھوٹا ہو۔ اس کے باوجود اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے۔ اسی طرح ان مکذبین و متکبرین کا جنت میں داخل ہونا محال ہے کیونکہ حق تعالیٰ جہنم میں ان کے "خلود" کی خبر دے چکا ہے اور علم الٰہی میں یہی سزا ان کے لئے ٹھہر چکی ہے پھر خدا کے علم اور اخبار کے خلاف کیسے وقوع میں آ سکتا ہے۔

ف۱ یعنی ہر طرف سے آگ محیط ہو گی، کسی کروٹ چین نہ ملے گا۔

ف۲ ﴿لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ﴾ جملہ معترضہ ہے جس سے درمیان میں متنبہ فرما دیا کہ ایمان و عمل صالح جس پر اتنا عظیم الشان صلہ مرحمت ہوتا ہے کوئی ایسی مشکل چیز نہیں جو انسان کی طاقت سے باہر ہو۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہر آدمی سے عمل صالح اس قدر مطلوب ہے جتنا اس کی مقدرت اور طاقت میں ہو اس سے زائد کا مطالبہ نہیں کیا جا رہا۔

ف۳ ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ﴾ سے مراد یا تو یہ ہے کہ باہم جنتیوں میں نعمائے جنت کے متعلق کسی طرح کا حسد و رشک نہ ہو گا، ہر ایک اپنے کو اور دوسرے بھائی کو جس مقام میں ہے دیکھ کر خوش ہو گا۔ بخلاف دوزخیوں کے کہ وہ مصیبت کے وقت ایک دوسرے کو لعن طعن کریں گے۔ جیسا کہ پہلے گزرا۔ اور یا یہ مراد ہے کہ صالحین کے درمیان جو دنیا میں کسی بات پر خفگی ہو جاتی ہے اور ایک دوسرے کی طرف سے انقباض پیش آتا ہے وہ سب جنت میں داخل ہونے سے پیشتر دلوں سے نکال دیا جائے گا۔ وہاں سب ایک دوسرے سے سلیم الصدر ہوں گے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ "مجھے امید ہے کہ میں اور عثمان طلحہ زبیر رضی اللہ عنہم انہی لوگوں میں سے ہوں گے۔ مترجم محقق قدس اللہ روحہ، نے اسی دوسرے معنی کے اعتبار سے ترجمہ کیا ہے۔

ف۴ یعنی خدا کی توفیق و دستگیری اور رسولوں کی سچی راہنمائی سے اس اعلیٰ مقام پر پہنچنا نصیب ہوا، ورنہ ہم کہاں اور یہ مرتبہ کہاں۔ .... =

نداء چہارم

تذکیر عہد قدیم باطاعت خداوند کریم و بیان نعیم و جحیم

قال تعالیٰ: ﴿يٰبَنِيٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ ... الی ... اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں بنی آدم کے لیے تین نداؤں کا بیان ہوا جن میں عقائد و اعمال میں ابلیس کے اتباع اور موافقت سے اور احکام الٰہیہ کی مخالفت سے ممانعت فرمائی اب آئندہ آیات میں نداء چہارم کا ذکر ہے جس سے بنی آدم کو اپنا عہد قدیم یاد دلاتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ تم کو اس مضمون کا خطاب کوئی جدید امر نہیں بلکہ عالم ارواح میں تم سے یہ عہد لے لیا گیا تھا کہ دیکھو ہم دنیا میں اپنے رسول بھیجیں گے اور ان کے ذریعہ سے ہم تم کو راہ ہدایت اور صراط مستقیم سے آگاہ کریں گے کہ اس راہ پر چل کر تم ہم تک پہنچ سکو گے اور جو ہمارے رسولوں کا اتباع کرے گا۔ اس کو یہ جزاء ملے گی اور جو ان کے احکام سے انحراف کرے گا اور شیطان کی راہ پر چلے گا اس کو یہ سزا بھگتنی پڑے گی جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا۔ ﴿قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ الآیات۔ غرض یہ کہ ان آیات میں اس عہد قدیم کا یاد دلانا مقصود ہے جو اولادِ آدم سے عالم ارواح میں لیا گیا تھا جو توحید اور رسالت اور قیامت اور مبدأ و معاد کے بیان پر اجمالاً مشتمل تھا چنانچہ فرماتے ہیں۔ اے اولاد آدم ہم نے تم سے روز ازل میں یہ کہہ دیا تھا کہ اگر تمہارے پاس تم ہی میں سے یعنی تمہاری جنس سے رسول آئیں جو تم پر میری آیتیں پڑھیں پس جو ان کی ہدایت اور نصیحت کو سن کر اللہ سے ڈرے اور اپنی حالت کو درست کرے یعنی پوری طرح سے ان کا اتباع کرے تو ایسوں پر قیامت کے دن نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور جنہوں نے ان کے آنے کے بعد ہمارے احکام کو جھٹلایا اور ان کے قبول کرنے سے تکبر کیا تو ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے کبھی بھی عذاب سے نہیں نکل سکیں گے۔

مسیلمۂ قادیان کا ایک هذیان:...... واضح ہو کہ قادیانی جماعت نے مسیلمۂ قادیان کے اثبات نبوت کے لیے قرآن میں تحریف کا بیڑا اٹھا رکھا ہے چنانچہ اس آیت کے معنی میں بھی تحریف کی ہے اور اس سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد بھی رسول آسکتے ہیں۔

جواب:...... یہ ہے کہ یہ خطاب امت محمدیہ کو نہیں بلکہ یہ آیت حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ سے متعلق ہے۔ اور یہ اس وقت کا حکم ہے کہ جب دنیا کی ابتداء تھی اور زمین پر کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا تھا جیسا کہ ابن جریر رحمہ اللہ نے ابو یسار سلمی سے نقل کیا ہے کہ یہ خطاب یعنی ﴿يٰبَنِيٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ﴾ الخ کل اولاد آدم کو ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم اور ان کی ذریت

= ف۵ یہ آواز دینے والا خدا کی طرف سے کوئی فرشتہ ہوگا یعنی آج ساری محنت جد و جہد ٹھکانے لگ گئی اور تم نے کوشش کر کے خدا کے فضل سے اپنے باپ آدم کی میراث ہمیشہ کے لئے حاصل کر لی۔ حدیث میں ہے کہ "کسی شخص کا عمل ہرگز اس کو جنت میں داخل نہیں کرے گا۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ عمل دخول جنت کا حقیقی سبب نہیں فقط ظاہری سبب ہے، دخول جنت کا حقیقی سبب خدا کی رحمت کاملہ ہے جیسا کہ اسی حدیث میں الا ان یتغمدنی اللہ برحمتہ کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے ہاں بندہ پر رحمت الٰہیہ کا نزول اسی قدر ہوتا ہے جس قدر عمل کی روح اس میں موجود ہو۔ مترجم رحمہ اللہ زبانی فرمایا کرتے تھے کہ گاڑی تو رحمت الٰہیہ کے زور سے چلتی ہے عمل وہ جھنڈی ہے جس کے اشارہ پر چلاتے اور روکتے ہیں۔

کو اپنے دست قدرت میں لے کر عالم ارواح میں فرمایا تھا (روح المعانی: ۸ / ۹۹)

جیسا کہ سورۂ بقرہ کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے ﴿قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى﴾ الخ اور سورۂ طٰہٰ کے رکوع ہفتم میں حضرت آدم اور حواء علیہما السلام کو ملا کر ان الفاظ میں خطاب فرمایا ہے، ﴿قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى﴾۔ پس ان آیات نے واضح کر دیا کہ یہ قصہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت کا ہے اور یہ خطاب خاص اولاد آدم کو ہے کہ اے اولاد آدم خوب یاد رکھو کہ یہ شیطان تمہارا دشمن ہے کہ تم اس کے مکر وفریب سے ہوشیار رہنا۔ ایسا نہ ہو کہ تم کو شرک اور بے حیائی اور اثم وعدوان میں پھنسا کر پدری میراث (یعنی جنت) سے محروم کر دے۔ ہم تذکیر آخرت کے لیے وقتاً فوقتاً تمہاری طرف اپنے رسول اور پیغمبر بھیجیں گے جو صاحب شریعت اور صاحب آیات بینات ہوں گے اور وہ تم کو اپنے باپ کی میراث یعنی جنت کے حاصل کرنے کی ترغیب دیں گے پس جو ان کا اتباع کرے گا وہ فلاح پائے گا اور جو ان کی تکذیب کرے گا وہ ہلاک اور برباد ہوگا چنانچہ اس اعلان کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں بڑے بڑے اولوالعزم پیغمبر اور صاحب شریعت اور صاحب کتاب رسول اور پیغمبر آئے۔ یہاں تک کہ خاتم الانبیاء مبعوث ہوئے اور نبوت ورسالت کا دروازہ بند ہو گیا جیسا کہ آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ سرور عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کوئی نبی مبعوث نہ ہوگا۔

قادیان کے دہقان نصوص قطعیہ صریحہ کے خلاف قیامت تک کے لیے انبیاء ورسل کی آمد کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں اور اس قسم کی آیتوں سے استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک رسولوں کے بھیجنے کا وعدہ کیا ہے یہ بالکل غلط ہے یہ وعدہ اولاد آدم سے ہے خاتم الانبیاء کی امت سے یہ وعدہ نہیں قرآن کریم خاتم النبیین کے بعد کسی نبی اور رسول کی بعثت کو جائز نہیں رکھتا نیز مرزا غلام احمد کے نزدیک بھی خاتم النبیین کے بعد نبوت تشریعی کا دروازہ بند ہے کہ خاتم الانبیاء کے بعد قیامت تک نہ کوئی جدید شریعت آسکتی ہے اور نہ کوئی صاحب کتاب رسول آسکتا ہے مسیلمۂ قادیان کے نزدیک خاتم الانبیاء کے بعد صرف غیر تشریعی نبوت کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور تشریعی نبوت کا دروازہ اس کے نزدیک بھی بند ہے اور آیت مذکورہ یعنی ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ﴾ میں بظاہر ان رسولوں کا آنا مراد ہے جو صاحب شریعت اور صاحب کتاب اور صاحب معجزات ہوں پس اگر یہ آیت بقاء نبوت پر دلیل ہے تو اس سے تو ہر قسم کی نبوت و رسالت کی بقاء ثابت ہو جائے گی۔ خواہ وہ نبوت تشریعی ہو یا غیر تشریعی۔

قادیان کے دہقان یہ کہتے ہیں کہ نبوت ایک نعمت ہے۔ امت محمدیہ باوجود خیر الامم ہونے کے اس نعمت سے کیسے محروم رہے تو جواب یہ ہے کہ تشریعی نبوت سب سے ہی اعلیٰ اور اکمل نعمت ہے تو جب سابقہ امتوں کو تشریعی نبی اور رسول ملتے رہے تو یہ امت تشریعی نبوت ورسالت کی نعمت سے کیوں محروم رہے اس لیے قادیانیوں کو چاہیے کہ کھل کر یہ اعلان کریں کہ تشریعی نبوت کا دروازہ بھی کھلا ہوا ہے اور خاتم الانبیاء کے بعد مستقل رسول اور صاحب شریعت اور صاحب کتاب نبی بھی آسکتے ہیں۔ ظلی اور بروزی نبوت کا نام لینے کی ضرورت نہیں غرض یہ کہ یہ آیت اگر بالفرض والتقدیر بقاء نبوت پر دلالت کرتی ہے تو اس آیت سے ہر قسم کے نبوت کے بقاء کا امکان ثابت ہو جائے گا۔ خواہ وہ نبوت تشریعی ہو یا غیر تشریعی سو یہ آیت بہائی فرقہ والوں کے لیے دلیل ہوگی جو اپنے اعتقاد میں قرآن کو منسوخ

سمجھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اب بہاء اللہ کی نبوت و رسالت کا دور شروع ہو گیا اور اسی آیت سے وہ دلیل پکڑتے ہیں۔ نیز اگر خاتم النبیین کے بعد کوئی نبی ہو سکتا ہے تو مرزائے قادیان کے بعد بھی نبی آسکتا ہے اور مرزا کا بھی ظل اور بروز ہو سکتا ہے۔

تفصیل سزائے مکذبین و متکبرین

گزشتہ آیت میں جس عہد کا ذکر کیا گیا اس میں نعیم و جحیم کا اجمالاً ذکر تھا اب قدرے اس کی تفصیل کرتے ہیں۔ اول اہل جحیم کا حال بیان کرتے ہیں پھر اہل نعیم کا حال اور مآل بیان کریں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں پس اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا۔ جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یعنی جو بات خدا تعالیٰ نے نہیں کہی وہ اس کی طرف منسوب کی مثلاً اس کا شریک ٹھہرایا یا اس کی آیتوں کو جھٹلایا یعنی جو بات خدا نے کہی تھی اس کا انکار کر دیا ایسے لوگوں کو نوشتۂ خداوندی سے حصہ پہنچے گا۔ یعنی خدا تعالیٰ نے ان کے لیے جو عمر اور مال و جاہ مقدر کیا ہے وہ ان کو دنیا میں مل جائے گا اور ایک وقت تک ان کو ملتا رہے گا۔ یہاں تک کہ جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی روحیں نکالنے آئیں گے تو وہ ان سے کہیں گے بتلاؤ کہاں ہیں وہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے۔ یعنی ان کو پکارو اور بلاؤ کہ تمہاری مدد کریں اور تم کو عذاب سے بچائیں کفار جواب دیں گے کہ وہ معبود تو ہم سے غائب ہو گئے۔ واقعی کوئی ہمارے کام نہیں آیا اور اس وقت مجبور ہو کر وہ کافر اپنی جانوں پر گواہی دیں گے کہ بیشک وہ کافر تھے یعنی وہ اپنے کفر کا اقرار کریں گے اور بعض آیات میں جو یہ آیا ہے کہ وہ اپنے کفر و شرک کا انکار کریں گے سو وہ اس آیت کے منافی نہیں اس لیے کہ قیامت کے دن مختلف مواقف اور مختلف احوال ہوں گے کسی جگہ انکار کریں گے اور کسی جگہ اقرار کریں گے خدا تعالیٰ فرمائے گا کہ تم سب آگ میں ان امتوں کے ساتھ شامل ہو جاؤ جو جنوں اور انسانوں میں سے تم سے پہلے گزری ہیں یعنی جس آگ میں پہلے زمانوں کے کفار جن و انس ہیں تم بھی انہی میں داخل اور شامل ہو جاؤ اور اس وقت کیفیت یہ ہوگی کہ جب کبھی کوئی جماعت داخل ہوگی تو لعنت کرے گی اپنی دوسری ہم جنس جماعت پر یہودی یہودیوں پر لعنت کریں گے۔ عیسائی عیسائیوں پر۔ مجوسی مجوسیوں پر غرض یہ کہ اس مصیبت میں ایک دوسرے کی ہمدردی تو کیا ہوتی ایک دوسرے پر لعنت کریں گے یہاں تک کہ جب وہ سب دوزخ میں گر کر ایک دوسرے سے مل جائیں گے تو ان کی پچھلی جماعت جو بعد میں داخل ہوئی ہوگی ان کی پہلی جماعت کے حق میں یہ کہے گی پچھلی جماعت سے عوام الناس مراد ہیں جو اپنے سرداروں کے تابع تھے اور ان کے حکم پر چلتے تھے اور پہلی جماعت سے ان کے سردار اور روساء مراد ہیں۔ اے ہمارے پروردگار انہی لوگوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا یعنی یہ ہمارے مقتداء اور پیشوا تھے جو راہ انہوں نے ہمارے لیے تجویز کی ہم اس پر چلے ہم ان کو بڑا سمجھتے تھے ہمیں کیا خبر تھی کہ یہ خود بھی گمراہ ہیں اور ہم کو بھی گمراہ کر رہے ہیں غرض یہ کہ ہماری گمراہی کا سبب یہ لوگ ہوئے ہیں سو آپ ان لوگوں کو بہ نسبت ہمارے دوزخ کا عذاب دو چند دیجئے کیونکہ ان کا دُہرا قصور ہے یہ خود بھی گمراہ تھے اور ہم کو بھی گمراہ کیا۔ خدا تعالیٰ فرمائے گا دونوں کا دونا عذاب ہے پہلی جماعت کو اس لیے دو گنا عذاب ہے کہ خود بھی گمراہ ہوئے اور باوجود اس کے کہ انبیاء اور ان کے وارثوں نے براہین قاطعہ اور دلائل ساطعہ سے تم پر حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا واضح کر دیا۔ پھر بھی تم نے ان گمراہوں کا اتباع کیا اور اہل حق کو چھوڑ کر ان کے پیچھے ہوئے اور انبیاء اور ان کے وارثوں نے پچھلی قوموں کی تباہی اور بربادی کا حال تم کو سنا دیا۔ پھر بھی تم نے عبرت حاصل نہ کی ولیکن تم جانتے نہیں

کہ ہر فریق کس درجہ عذاب کا مستحق ہے اور آئندہ چل کر اس کے عذاب میں کس قدر زیادتی ہوگی اور حق تعالیٰ کے اس جواب کے بعد ان کی پہلی جماعت ان کی پچھلی جماعت سے یہ کہے گی پس اس حساب سے تو تم کو ہم پر کوئی فضیلت اور فوقیت نہ ہوئی ہم دو چند عذاب میں مبتلا ہوئے اسی طرح تم بھی دو چند عذاب میں مبتلا ہوئے۔ گمراہی اور کفر میں ہم تم دونوں برابر ہیں۔ اچھا تو اب ہماری طرح تم بھی عذاب کا مزہ چکھو بدلہ میں اس کفر کے جو تم کماتے تھے۔ الغرض ہر ایک اپنے کرتوت کا مزہ چکھے گا۔ اس میں شک نہیں کہ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان کے قبول کرنے سے تکبر کیا ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ یعنی ان کی زندگی میں ان کے اعمال وافعال آسمان پر نہیں چڑھیں گے یعنی ان کے اعمال کو آسمانی قبول ورفعت حاصل نہ ہوگی اور نہ مرنے کے بعد ان کی روحیں آسمان پر چڑھ سکیں گی کیونکہ ان کے اعمال گندے ہیں اور ان کی روحیں نجس ہیں اور اللہ کی طرف اعمال صالحہ اور کلمات طیبہ اور پاک روحیں ہی چڑھتی ہیں۔ آسمان کا دروازہ ان لوگوں کے لیے کھلتا ہے۔ جنہوں نے انبیاء کرام کی بے چون وچرا تصدیق کی اور سر تسلیم ان کے سامنے خم کیا۔ اور جنہوں نے بجائے تصدیق کے انبیاء کی تکذیب کی اور بجائے تواضع کے ان سے تکبر کیا ان کے لیے آسمان کا دروازہ نہیں کھل سکتا جیسا کہ احادیث میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے کہ فرشتے جب کافر کی روح کو قبض کر کے آسمان کی طرف چڑھتے ہیں تو آسمان اور زمین کے درمیان رہنے والے فرشتوں کی جس جماعت پر گزرتے ہیں تو وہ جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ خبیث روح کس کی ہے جس سے مردار کی بدبو آرہی ہے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں ہے اور دنیا میں جو اس کا بہت برا نام تھا وہ لے کر بتاتے ہیں یعنی اس خبیث کا اسم اور مسمی دونوں ہی گندہ اور پلید ہیں جب آسمان پر پہنچتے ہیں تو اس کے لیے دروازہ کھولنے کی درخواست کرتے ہیں۔ مگر اس کے لیے دروازہ نہیں کھولا جاتا اور اس کی روح کو آسمان سے سجین کی طرف پھینک دیا جاتا ہے اور مومن کی روح کے لیے آسمان کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور ہر آسمان کے مقرب فرشتے دوسرے آسمان تک اس کے ساتھ جاتے ہیں۔ تفصیل کے لیے احادیث کا مطالعہ کریں۔ غرض یہ کہ کافروں کی ارواح کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے تو یہ مرنے کے بعد کا حال ہوا اور قیامت کے حساب وکتاب کے بعد یہ لوگ جنت میں داخل نہیں ہونگے۔ یہاں تک کے اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو جائے اور ظاہر ہے کہ یہ ناممکن اور محال ہے لہذا ان کا جنت میں داخل ہونا بھی ناممکن اور محال ہے۔ اس قسم کے کلام کو تعلیق بالمحال کہتے ہیں حاصل یہ ہے کہ جس طرح اونٹ کا سوئی کے ناکہ میں داخل ہونا محال ہے۔ اسی طرح ان کا جنت میں داخل ہونا بھی محال ہے اور اسی طرح ہم مجرموں کو سزا دیا کرتے ہیں یعنی کفار کو جو ہم نے یہ سزا دی کہ جنت میں ان کا داخل ہونا ناممکن اور محال بنا دیا وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ مجرم ہیں اور مجرم کی یہی سزا ہے اور جرم یہ ہے کہ احکام خداوندی کی تکذیب کی اور ان کے قبول کرنے سے تکبر کیا مقصود یہ ہے کہ کافر دخول جنت سے قطعاً مایوس اور ناامید ہو جائیں ان کی تکذیب اور تکبر نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان پر جنت کا دروازہ بند کر دیا۔ اور عذاب محیط کو ان پر ایسا مسلط کر دیا کہ ان کے لیے دوزخ ہی کا فرش ہوگا اور ان کے اوپر اسی کے بالاپوش ہوں گے یعنی آگ ہی ان کا اوڑھنا اور بچھونا ہوگی۔ جس طرح دنیا میں ان کو کفر اور تکذیب اور تکبر احاطہ کیے ہوئے تھا اسی طرح آخرت میں ان کو عذاب خداوندی احاطہ کیے ہوئے ہوگا اور اسی طرح ہم ظالموں کو سزا دیا کرتے ہیں اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ بولے یا اس

کے احکام کو جھٹلائے جس کا ذکر ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا﴾ الخ میں ابھی گزرا ہے ظلم ہی سے کلام کا آغاز ہوا اور ظلم ہی پر اس کا اختتام ہوا۔

تفصیل جزاء مومنین صالحین

گزشتہ آیات میں مکذبین اور متکبرین کی سزا کی تفصیل تھی اب آگے مومنین صالحین کی جزاء کی تفصیل ہے جس میں اشارۃً یہ بتلایا ہے کہ آسمان اور جنت کے دروازوں کا کھلنا اعمال شاقہ پر موقوف نہیں کہ کوئی شخص کسی درجہ میں مشقت یا تکلیف مالایطاق کا عذر کر سکے چنانچہ فرماتے ہیں اور جو لوگ آیات الٰہیہ پر ایمان لائے اور انبیاء کی ہدایت کے مطابق انہوں نے نیک عمل کیے اور ایمان لانا اور اعمال صالحہ کا کرنا کوئی مشکل کام نہیں کیونکہ ہماری عادت یہ ہے کہ ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور اس کے مقدرت سے بڑھ کر اس پر بوجھ نہیں ڈالتے مطلب یہ ہے کہ ایمان اور عمل صالح کی تکلیف ایسا بوجھ نہیں جو نا قابل برداشت ہو اور طاقت بشری سے باہر ہو سو ایسے لوگ بہشتی ہیں بہشت میں داخل ہونگے وہ ہمیشہ بہشت ہی میں رہیں گے عمل ان کا اگرچہ محدود تھا مگر اس کی جزاء غیر محدود ہوگی اور جنت میں داخل ہونے کے بعد اہل جنت کے مابین اہل نار کی طرح باہمی عداوت اور ایک دوسرے پر لعنت اور ایک دوسرے سے نفرت نہ ہوگی بلکہ ان مومنین صالحین کے سینوں میں جو ایک دوسرے کی طرف سے دنیا میں بمقتضائے بشریت کسی غلط فہمی کی بناء پر کسی قسم کی کوئی خفگی اور رنجش اور ناخوشی ہوگی تو جنت میں جانے کے بعد اس کو ہم ان کے سینوں سے کھینچ کر باہر نکال دیں گے جنت میں پہنچ جانے کے بعد نہ ایک کو دوسرے سے عداوت ہوگی اور نہ شکوہ و شکایت سب بھائی بھائی بن کر رہیں گے کیونکہ رنج و غم عیش کو مکدر کر دیتا ہے اور جنت میں تکدر کا نام و نشان نہ ہوگا اس آیت سے معلوم ہوا کہ دنیا میں کبھی اس درجہ کے نیکوں میں بھی باہم رنجش اور کدورت پیش آ جایا کرتی ہے جو خدا کے نزدیک بھی ﴿الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ اور اصحاب الجنۃ کا مصداق ہوتے ہیں اور ان کی اس باہمی رنجش سے اللہ کے نزدیک ان کے مرتبہ میں کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ ان کی رنجش اور کدورت کی بنیاد حسد اور طمع پر نہیں ہوتی بلکہ محض للہ اور فی اللہ ہوتی ہے گو نفس الامر میں ان دونوں میں سے ایک خطا پر ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ اپنی طرف سے طلب حق میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے ان سے جو خطا اور غلطی ہوتی ہے وہ اجتہادی ہوتی ہے جس پر کوئی مواخذہ نہیں جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا﴾۔ بلکہ اس پر اجر ملتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے "من اجتھد فاصاب فلہ اجران و من اخطأ فلہ اجر واحد۔" جس نے اجتہاد کیا اور صواب کو پہنچا اس کو دو اجر ہیں اور جس نے اجتہاد میں خطا کی اس کو ایک اجر ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ہم اہل بدر کے بارہ میں نازل ہوئی۔ نیز آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ مجھے امید ہے کہ میں اور عثمان اور طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم قیامت کے دن انہی لوگوں میں سے ہونگے جن کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ﴾ (تفسیر ابن کثیر: ۲/۲۱۵، وتفسیر قرطبی: ۷/۲۰۸)

کہتے ہیں کہ جنتی جب جنت کی طرف دوڑیں گے تو اس کے دروازے کے پاس ایک درخت پائیں گے جس کے

نیچے دو چشمے جاری ہونگے جس میں سے ایک چشمے کا پانی وہ پئیں گے تو ان کے سینوں کا کینہ دور ہو جائیگا۔ وہی شراب طہور ہے کما قال تعالیٰ: ﴿وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا﴾ دوسرے چشمے سے وہ غسل کریں گے جس سے ان پر تازگی اور خوشحالی آجائے گی۔ (روح المعانی: ۸/ ۱۰۴، وتفسیر ابن کثیر: ۲/ ۲۱۵)

اور بعض علماء نے ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ﴾ کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ باوجودیکہ جنتیوں کے مدارج مختلف ہوں گے کوئی اعلیٰ درجہ میں ہوگا اور کوئی ادنیٰ درجہ میں مگر با ایں ہمہ ان کے دلوں میں ایک دوسرے پر حسد نہ ہوگا ہر ایک اپنے درجہ میں خوش ہوگا اور سب ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور اخلاص رکھیں گے بخلاف دوزخیوں کے کہ وہ ایک دوسرے پر لعنت کریں گے (تفسیر قرطبی: ۷/ ۲۰۸) ان کے مکانات کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ لوگ غایت مسرت سے حق تعالیٰ کے شکر میں یہ کہیں گے کہ سپاس بے قیاس ہے اس خداوند کریم کے لیے جس نے اپنے لطف وکرم سے ہم کو دنیا میں ایمان صحیح اور عمل صالح کی توفیق دی جس کی بدولت آج ہم کو جنت کی یہ عزت وکرامت نصیب ہوئی اور ہم بذات خود رہ یاب نہ ہوتے اگر اللہ ہم کو توفیق نہ دیتا اس کی توفیق اور عنایت سے ہم کو ہدایت میسر ہوئی

والله لولا الله ما اهتدينا ولا تصدقنا ولا صلينا
فانزلن سكينة علينا ونحن عن فضلك ما استعنيا

گر بدرقۂ لطف تو نماید راہ از راہ تو ہیچ کس نگردد آگاہ
آنکہ برہ رسند وباید رفتن توفیق رفیق نشد واویلاہ!

اہل ایمان دخول جنت کے بعد اول حق تعالیٰ کی نعمت ہدایت اور نعمت توفیق کا شکر ادا کریں گے بعد ازاں حضرات انبیاء ورسل کا ذکر کریں گے جو خدا اور بندوں کے درمیان میں واسطہ فی الہدایت اور واسطہ فی الانعام ہیں اور یہ کہیں گے البتہ تحقیق ہمارے پروردگار کے رسول حق لے کر آئے تھے اگر یہ حضرات ہماری رہبری اور رہنمائی نہ کرتے تو ہم خدا تک نہیں پہنچ سکتے تھے یہ نعمت وکرامت جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں وہ سب ان کا فیض صحبت اور ان کے اتباع کی برکت ہے اور ان حضرات نے ایمان اور عمل صالح اور اتباع شریعت پر جو جو وعدے ہم سے لیے تھے وہ سب سچ نکلے اور نعمائے آخرت کی جو بشارتیں ان حضرات نے ہم کو دی تھیں آج ہم نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا۔ ہم کو جو کچھ ملا وہ حضرات انبیاء کے واسطے سے ملا بغیر انبیاء کرام کے توسط کے بارگاہ خداوندی میں رسائی ممکن نہیں۔

صلوات الله وسلامه عليهم اجمعين وعلى خاتم الانبياء والمرسلين وعلى آله واصحابه اجمعين وعلينا معهم يا ارحم الراحمين۔

خلاصۂ مطلب یہ کہ محض حق تعالیٰ کی توفیق اور دستگیری اور پھر حضرات انبیاء کرام کی رہنمائی اور رہبری سے ہم کو یہ اعلیٰ مقام نصیب ہوا ورنہ ہم کہاں اور یہ مقام کہاں اور اہل جنت جب ان تمام نعمتوں اور کرامتوں کو اللہ تعالیٰ کی توفیق اور ہدایت اور اس کے لطف وعنایت کا کرشمہ سمجھ کر اس کا شکر کریں گے اور اس کو اپنے ایمان اور عمل صالح کا ثمرہ اور صلہ نہیں سمجھیں گے۔ تو اس وقت ان کو خدا کی طرف سے نداء دی جائے گی۔ کہ یہ جنت ہے جس کے تم اپنے عملوں کے عوض وارث

بنائے گئے ہو یعنی یہی وہ جنت ہے جس کا تم سے دنیا میں رسولوں نے وعدہ کیا تھا اب تم اس کے مالک ہو گئے حق تعالیٰ کے فضل سے اور پھر ایمان اور عمل صالح کی برکت سے تم نے اپنے باپ آدم علیہ السلام کی میراث ہمیشہ کے لیے حاصل کر لی۔

ف:...... اور یہ نداء کرنے والا خدا کی طرف سے کوئی فرشتہ ہوگا جیسا کہ تفسیر درمنثور میں ابومعاذ بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مرفوعاً منقول ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "فیذھب الملك فیقول سلام علیکم تلکم الجنۃ اورثتموھا بما کنتم تعملون"۔

نکتہ:...... اہل جنت نے اپنے اعمال کو حقیر اور ہیچ سمجھا اور جنت کو محض اللہ کا فضل سمجھا اور اس کا شکر کیا اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آوازہ پڑا کہ چونکہ تم نے اعمال کو حقیر اور ہیچ سمجھا اور ان کو قابل جزا اور انعام نہ جانا اور ہماری بارگاہ میں تذلل اور تواضع اور ادب کو ملحوظ رکھا اس لیے اعلان کیا جاتا ہے کہ یہ جنت تمہاری عملی جدوجہد کا ثمرہ اور نتیجہ ہے اور ہمیشہ کے لیے تم اس کے مالک بنا دیئے گئے۔

نکتہ دیگر:...... ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمل صالح دخول جنت کا سبب ہے اور ایک حدیث میں یہ آیا ہے کہ کوئی شخص بسبب عمل کے جنت میں نہ جائے گا بلکہ رحمت الٰہی کے سبب سے جنت میں جائیں گے سو جاننا چاہیے کہ آیت اور حدیث میں کوئی تعارض نہیں دخول جنت کا سبب ظاہری بندہ کا عمل ہے اور سبب حقیقی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے آیت میں سبب ظاہری کا ذکر ہے اور حدیث میں سبب حقیقی مراد ہے پس آیت اور حدیث میں کوئی تعارض نہیں رہا۔

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ

اور پکاریں گے جنت والے دوزخ والوں کو کہ ہم نے پایا جو ہم سے وعدہ کیا تھا ہمارے رب نے سچا سو تم نے بھی پایا

اور پکارا جنت والوں نے آگ والوں کو کہ ہم پاچکے جو ہم کو وعدہ دیا تھا ہمارے رب نے تحقیق، سو تم نے بھی پایا

مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى

اپنے رب کے وعدہ کو سچا وہ کہیں گے کہ ہاں پھر پکارے گا ایک پکارنے والا ان کے بیچ میں کہ لعنت ہے اللہ کی

جو تمہارے رب نے وعدہ دیا تھا تحقیق، بولے، 'ہاں'۔ پھر پکارا ایک پکارنے والا ان کے بیچ میں، کہ لعنت ہے اللہ کی

الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۴ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ

ان ظالموں پر جو روکتے تھے اللہ کی راہ سے اور ڈھونڈھتے تھے اس میں کجی اور وہ آخرت سے

بےانصافوں پر۔ جو روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور ڈھونڈتے ہیں اس میں کجی ۔ اور وہ آخرت سے

كٰفِرُوْنَ ۝۴۵ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا ۢ بِسِيْمٰىهُمْ ۚ وَنَادَوْا

منکر تھے ف۱ اور دونوں کے بیچ میں ہوگی ایک دیوار ف۲ اور اعراف کے اوپر مرد ہوں گے کہ پہچان لیں گے ہر ایک کو اس کی نشانی سے اور وہ پکاریں گے

منکر ہیں۔ اور دونوں کے بیچ میں ہے ایک دیوار، اور اس کے سرے پر مرد ہیں کہ پہچانتے ہیں ہر ایک کو اس کے نشان سے، اور پکارے

ف۱ ان آیات میں ان مخاطبات و مکالمات کا ذکر ہے جو جنتیوں اور دوزخیوں یا ان دونوں اور اصحاب اعراف میں ہونگے۔ پہلی اور آخری گفتگو جو "اصحاب الجنۃ" اور "اصحاب النار" میں ادھر سے یا ادھر سے ہوگی صاف ظاہر کرتی ہے کہ یہ مخاطبات جنت یا دوزخ میں داخل ہونے کے بعد کے ہیں۔ اس لیے نظم کلام کا مقتضی یہ=

اَصۡحٰبَ الۡجَنَّةِ اَنۡ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ لَمۡ يَدۡخُلُوۡهَا وَهُمۡ يَطۡمَعُوۡنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا صُرِفَتۡ

جنت والوں کو کہ سلامتی ہے تم پر وہ ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے اور وہ امیدوار ہیں ف۱ اور جب پھرے گی

جنت والوں کو، کہ سلامتی ہے تم پر۔ داخل نہیں ہوئے جنت میں اور وہ امیدوار ہیں۔ جب پھری

اَبۡصَارُهُمۡ تِلۡقَآءَ اَصۡحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوۡا رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۴۷﴾ وَنَادٰۤى

ان کی نگاہ دوزخ والوں کی طرف تو کہیں گے اے رب ہمارے مت کر ہم کو گناہ گار لوگوں کے ساتھ ف۲ اور پکاریں گے

ان کی نگاہ دوزخ والوں کی طرف، بولے اے رب ہمارے! نہ کر ہم کو گنہگار لوگوں کے ساتھ۔ اور پکارے

اَصۡحٰبُ الۡاَعۡرَافِ رِجَالًا يَّعۡرِفُوۡنَهُمۡ بِسِيۡمٰهُمۡ قَالُوۡا مَاۤ اَغۡنٰى عَنۡكُمۡ جَمۡعُكُمۡ وَمَا

اعراف والے ان لوگوں کو کہ ان کو پہچانتے ہیں ان کی نشانی سے ف۳ کہیں گے نہ کام آئی تمہارے جماعت تمہاری اور جو

دیوار کے سرے والے ایک مردوں کو کہ ان کو پہچانتے ہیں نشان سے، بولے، کیا کام آیا تم کو جمع کرنا، اور جو

= ہے کہ اصحاب اعراف کی درمیانی گفتگو کو بھی اس کے بعد ہی مانا جائے۔ بہرحال جنتی جنت میں پہنچ کر اپنے حال پر اظہار مسرت اور دوزخیوں کی تقریع (و) نکایت کے لئے کہیں گے کہ جو کچھ وعدے حق تعالیٰ نے پیغمبروں کی زبانی ہم سے فرمائے تھے کہ ایمان لانے والوں کو نعیم دائم ملے گی؟ ہم تو انہیں سچا پا رہے ہیں اے اہل جہنم! تم بولو کہ تمہارے کفر و عصیان پر جو دھمکیاں دی گئی تھیں تم نے بھی ان کو سچا پایا؟ ظاہر ہے جواب میں بجز "نعم" کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ اس وقت خدا کا ایک منادی دونوں کے درمیان کھڑے ہو کر پکارے گا کہ (یوں تو گنہگار بہت سے ہیں مگر) خدا کی بڑی پھٹکار ان ظالموں پر ہے جو خود گمراہ ہوئے اور آخرت کے انجام سے بالکل بے فکر ہو کر دوسروں کو بھی راہ حق سے روکتے رہے اور اپنی کج بحثیوں سے رات دن اسی فکر میں تھے کہ صاف اور سیدھے راستہ کو ٹیڑھا ثابت کریں۔

ف۲ حجاب کے معنی پردہ اور آڑ کے ہیں۔ یہاں پردہ کی دیوار مراد ہے جس کی تصریح سورۂ حدید میں کی گئی ہے ﴿فَضُرِبَ بَيۡنَهُمۡ بِسُوۡرٍ لَّهٗ بَابٌ﴾ یہ دیوار جنت کی لذتوں کو دوزخ تک اور دوزخ کی کلفتوں کو جنت تک پہنچنے سے مانع ہوگی اس کی تفصیلی کیفیت کا ہم کو علم نہیں۔

ف۱ اسی درمیانی دیوار کی بلندی پر جو مقام ہوگا اس کو "اعراف" کہتے ہیں۔ اصحاب اعراف کون لوگ ہیں؟ قرطبی نے اس میں بارہ قول نقل کئے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان میں راجح وہی قول ہے جو حضرت حذیفہ، ابن عباس، ابن مسعود رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ اور اکثر سلف و خلف سے منقول ہے۔ یعنی وزن اعمال کے بعد جن کے حسنات بھاری ہوں گے وہ جنتی ہیں اور جن کے سیآت غالب ہوئے وہ دوزخی۔ اور جن کے حسنات و سیآت بالکل مساوی ہوں گے وہ اصحاب اعراف ہیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انجام کار اصحاب اعراف جنت میں چلے جائیں گے اور یہ ویسے بھی ظاہر ہے کہ جب عصاۃ مومنین جن کے سیآت غالب تھے جہنم سے نکل کر آخرکار جنت میں داخل ہوں گے، تو اصحاب اعراف جن کے حسنات اور سیآت برابر ہیں وہ ان سے پہلے داخل ہونے چاہئیں گویا اصحاب اعراف کو اصحاب الیمین کی ایک کمزور قسم سمجھنا چاہئے۔ جس طرح "سابقین مقربین" فی الحقیقت اصحاب یمین کی ایک ایسی قسم ہے جو اپنی اولو العزمیوں کی بدولت عام "اصحاب یمین" سے کچھ آگے نکل گئے ہیں، اس کے بالمقابل "اصحاب اعراف" گری ہوئی قسم ہے جو اپنے اعمال کی کثافت کی وجہ سے عام اصحاب یمین سے کچھ پیچھے رہ گئے ہیں یہ لوگ "اہل جہنم" اور "اہل جنت" کے درمیان میں ہونے کی وجہ سے دونوں طبقے کے لوگوں کو ان کی مخصوص نشانیوں سے پہچانتے ہوں گے، جنتیوں کو ان کے سفید اور نورانی چہروں سے اور دوزخیوں کو ان کی روسیاہی اور بدرونقی سے۔ بہرحال جنت والوں کو دیکھ کر سلام کریں گے جو بطور مبارکباد ہوگا اور چونکہ خود ابھی جنت میں داخل نہیں ہو سکے اس کی طمع اور آرزو کریں گے جو آخرکار پوری کر دی جائے گی۔

ف۲ جنت و دوزخ کے درمیان میں ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کی حالت خوف و رجاء کے بیچ ہوگی ادھر دیکھیں گے تو امید کریں گے اور ادھر نظر پڑے گی تو خدا سے ڈر کر پناہ مانگیں گے کہ ہم کو ان دوزخیوں کے زمرہ میں شامل نہ کیجئے۔

ف۳ یعنی علاوہ دوزخ میں معذب ہونے کے ان کے چہروں سے دوزخی ہونے کی علامات ہویدا ہوں گی۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ ایسے لوگ ہوں گے جن کو اصحاب اعراف نے دنیا میں دیکھا ہوگا۔ اس لئے وہاں صورت دیکھ کر پہچان لیں گے۔

كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ۭ اُدْخُلُوا

تم تکبر کیا کرتے تھے ف۱ اب یہ وہی ہیں کہ تم قسم کھایا کرتے تھے کہ نہ پہنچے گی ان کو اللہ کی رحمت چلے جاؤ

تم تکبر کرتے تھے؟ اب یہ وہی ہیں؟ کہ تم قسمیں کھاتے تھے، نہ پہنچاوے گا ان کو اللہ کچھ مہر۔ چلے جاؤ

الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ

جنت میں نہ ڈر ہے تم پر اور نہ تم غمگین ہو گے ف۲ اور پکاریں گے دوزخ والے جنت والوں کو کہ

جنت میں، نہ ڈر ہے تم پر، نہ تم غم کھاؤ۔ اور پکارے آگ والے، جنت والوں کو،

اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۭ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾

بہاؤ ہم پر تھوڑا سا پانی یا کچھ اس میں سے جو روزی تم کو دی اللہ نے کہیں گے اللہ نے ان دونوں کو روک دیا ہے کافروں سے

بہاؤ ہم پر تھوڑا پانی، جو روزی تم کو دی اللہ نے۔ بولے اللہ نے یہ دونوں بند کئے ہیں منکروں سے۔

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا

جنہوں نے ٹھہرایا اپنا دین تماشا اور کھیل اور دھوکے میں ڈالا ان کو دنیا کی زندگی نے سو آج ہم ان کو بھلا دیں گے جیسا انہوں نے

جنہوں نے ٹھہرایا ہے اپنا دین تماشا اور کھیل اور بہکے دنیا کی زندگی پر۔ سو آج ہم ان کو بھلا دیں گے، جیسے وہ

نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ

بھلا دیا اس دن کے ملنے کو اور جیسا کہ وہ ہماری آیتوں سے منکر تھے ف۳ اور ہم نے ان لوگوں کے پاس پہنچا دی ہے کتاب

بھولے تھے اپنے اس دن کا ملنا، اور جیسے تھے ہماری آیتوں سے جھگڑتے۔ اور ہم نے ان کو پہنچا دی ہے کتاب،

فَصَّلْنٰهُ عَلٰي عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ

جس کو مفصل بیان کیا ہے ہم نے خبرداری سے راہ دکھلانے والی اور رحمت ہے ایمان والوں کے لئے ف۴ کیا اب اسی کے منتظر ہیں کہ اس کا مضمون ظاہر ہو جائے جس دن

جو کھول کر بیان کی ہے خبرداری سے، راہ بتاتی اور مہربانی ایمان والے لوگوں کو۔ کیا راہ دیکھتے ہیں؟ مگر یہی کہ وہ ٹھیک پڑے۔ جس دن

ف۱ یعنی اس مصیبت کے وقت تمہاری وہ جماعتیں اور جتھے کہاں گئے اور دنیا میں جو بڑھ بڑھ کر شیخیاں مارتے تھے، وہ اب کیا ہوئیں۔

ف۲ یہ "اہل جنت" کی طرف اشارہ کر کے دوزخیوں سے کہیں گے کہ وہ ٹوٹے پھوٹے مساکین اور ضعیف الحال جن کو تم حقیر سمجھ کر کہا کرتے تھے کہ کیا خدا کی مہربانی سب کو چھوڑ کر ان جیسوں پر ہو سکتی ہے۔ ﴿اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا﴾۔ ان کو تو آج کہہ دیا گیا کہ ﴿اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ﴾۔ الخ۔ (چلے جاؤ جنت میں بے خوف وخطر) حالانکہ تم اس عذاب میں مبتلا ہو۔

ف۳ دوزخی بدحواس اور مضطرب ہو کر اہل جنت کے سامنے دست سوال دراز کریں گے کہ ہم جلے جاتے ہیں تھوڑا سا پانی ہم پر بہاؤ یا جو نعمتیں تم کو خدا نے دے رکھی ہیں کچھ ان سے ہمیں بھی فائدہ پہنچاؤ۔ جواب ملے گا کہ کافروں کے لئے ان چیزوں کی بندش ہے، یہ کافر وہی تو ہیں جو دین کو کھیل تماشہ بناتے تھے اور دنیا کے تنعم پر پھولے ہوئے تھے۔ سو جیسا ان کو دنیا کے مزوں میں پڑ کر کبھی آخرت کا خیال نہیں آیا آج ہم بھی ان کا کچھ خیال نہ کریں گے اور جس طرح انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا تھا آج ہم بھی ان کی درخواست منظور کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

ف۴ قرآن جیسی کتاب کی موجودگی میں جس میں تمام ضروریات کی عالمانہ تفصیل موجود ہے اور ہر بات کو پوری آگاہی سے کھول کر بیان کر دیا گیا ہے چنانچہ =

تَاۡوِیۡلَہٗ یَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ نَسُوۡہُ مِنۡ قَبۡلُ قَدۡ جَآءَتۡ رُسُلُ رَبِّنَا بِالۡحَقِّ ۚ فَہَلۡ لَّنَا مِنۡ

ظاہر ہو جائے گا اس کا مضمون کہنے لگیں گے وہ لوگ جو اس کو بھول رہے تھے پہلے سے بیشک لائے تھے ہمارے رب کے رسول سچی بات سو اب کوئی

وہ ٹھیک پڑے گی، کہنے لگیں گے جو اس کو بھول رہے تھے پہلے، سچی بات لائے تھے ہمارے رب کے رسول، اب کوئی ہیں

شُفَعَآءَ فَیَشۡفَعُوۡا لَنَاۤ اَوۡ نُرَدُّ فَنَعۡمَلَ غَیۡرَ الَّذِیۡ کُنَّا نَعۡمَلُ ؕ قَدۡ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ

ہماری سفارش والے ہیں تو ہماری سفارش کریں یا ہم لوٹا دیے جائیں تو ہم عمل کریں خلاف اس کے جو ہم کر رہے تھے بیشک تباہ کیا انہوں نے اپنے آپ کو

سفارش والے؟ تو ہماری سفارش کریں، یا ہم کو پھر جانا ہو تو ہم کام کریں سوا اس کے جو کر رہے تھے۔ تحقیق ہارے اپنی جان،

وَضَلَّ عَنۡہُمۡ مَّا کَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ ﴿۵۳﴾ ع ۱۴

اور گم ہو جائے گا ان سے جو وہ افترا کیا کرتے تھے ف ۱

اور بھول گیا جو جھوٹ بناتے تھے۔

اہل جنت اور اہل دوزخ اور اہل اعراف کی باہمی گفتگو کا ذکر

قال تعالیٰ: ﴿وَنَادٰۤی اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ اَصۡحٰبَ النَّارِ ... الی ... وَضَلَّ عَنۡہُمۡ مَّا کَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں اہل جنت اور اہل نار کی جزاء وسزا کا بیان تھا اب ان آیات میں ان مخاطبات اور مکالمات کا ذکر ہے جو دخول جنت وجہنم کے بعد جنتیوں اور دوزخیوں کے مابین ہوں گے اور ان کے ساتھ اہل اعراف کا بھی ذکر فرمایا جن کی حالت ابتدا میں بین بین ہوگی اور بعد میں ان کو جنت میں داخل ہونے کا حکم ہو جائے گا اور اس تمام تذکرہ سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ اس روز اہل ایمان کو سعادت کاملہ حاصل ہوگی اور اسلام کے دشمنوں کو انتہائی رنج وغم اور انتہائی حسرت پیش آئے گی جس کی کوئی تلافی ممکن نہیں جو کچھ کرنا ہے وہ اب کر لو چنانچہ فرماتے ہیں اور جب جنت والے جنت میں اور آگ والے آگ میں جا چکیں اور اپنے اپنے ٹھکانہ پر پہنچ جائیں گے تو جنت والے آگ والوں کو پکاریں گے اور یہ پکارنا محض خبر دینے کے لیے نہ ہوگا بلکہ اپنی حالت پر اظہار مسرت کے لیے اور ان کی توبیخ اور حسرت بڑھانے کے لیے ہوگا۔ اور وہ نداء اور پکار یہ ہوگی کہ تحقیق ہم سے جو دنیا میں ہمارے پروردگار نے اپنے رسولوں کی زبانی ایمان اور عمل صالح پر بہشت کا وعدہ کیا تھا اس کو ہم نے ٹھیک پایا یعنی وہ وعدے جو ہمارے ساتھ کیے گئے تھے وہ پورے کر دیئے گئے سو تم بتلاؤ کہ تم نے اس وعدہ کو ٹھیک پایا جو تمہارے پروردگار نے تم سے کیا تھا یعنی خدا کا وعدہ تم سے کفر پر عذاب الیم کا تھا جس کی خبر تم کو انبیاء کرام دیا

= ایمان لانے والے اس سے خوب متمتع ہو رہے ہیں، غضب ہے کہ ان متکبر معاندوں نے کچھ بھی اپنے انجام پر غور نہ کیا۔ پھر اب پچھتاتے سے کیا حاصل۔

ف ۱ کتاب اللہ میں جو دھمکیاں عذاب کی دی گئی ہیں کیا یہ اس کے منتظر ہیں کہ جب ان دھمکیوں کا مضمون (مصداق) سامنے آ جائے تب حق کو قبول کریں۔ حالانکہ وہ مضمون جب سامنے آ جائے گا یعنی عذاب الٰہی میں گرفتار ہوں گے تو اس وقت کا قبول کرنا کچھ کام نہ دے گا۔ اس وقت تو سفارشیوں کی تلاش ہوگی جو خدا کی سزا سفارش کر کے معاف کرا دیں اور چونکہ ایسا سفارشی کافروں کو کوئی نہ ملے گا تو یہ تمنا کریں گے کہ ہم کو دوبارہ دنیا میں بھیج کر امتحان کر لیا جائے کہ اس مرتبہ اپنے جرائم کے خلاف ہم کیسی نیکی اور پرہیزگاری کے کام کرتے ہیں۔ لیکن اب اس تمنا سے کیا حاصل؟ جبکہ پہلے خود اپنے ہاتھوں اپنے کو برباد کر چکے اور جو جھوٹے خیالات پکار رکھے تھے وہ سب رفوچکر ہو گئے۔

کرتے تھے بتلاؤ کہ تم بھی اپنے وعدۂ عذاب کو پہنچے یا نہیں اور انبیاء نے جس چیز کی خبر دی تھی اب بھی اس کا یقین آیا یا نہیں اہل دوزخ جواب میں کہیں گے کہ ہاں ہم نے بھی اس وعدے کو ٹھیک پایا جو ہمارے پروردگار نے رسولوں کی معرفت ہم سے کیا تھا اسی وعدہ کے بناء پر ہم عذاب میں پڑے ہیں جنتیوں کا دوزخیوں سے یہ سوال بطور تقریع وتوبیخ کے ہوگا کہ ہم نے تو اپنے رب کا وعدہ سچا پایا تم کہو کہ تم نے بھی سچا پایا یا نہیں۔ جھک مار کر کہیں گے کہ ہاں ہم نے سچا پایا جیسا کہ سورۂ صافات میں ہے کہ ایک شخص اپنے کافر یار سے کہے گا۔ ﴿فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ۝ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ ۝ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ ۝ اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ ۝ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ﴾ بعد ازاں فرشتے کہیں گے، ﴿هٰذِهِ النَّارُ الَّتِیْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝ اَفَسِحْرٌ هٰذَاۤ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۝ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْۤا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَیْكُمْ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾۔ اور اسی طرح آنحضرت ﷺ نے بدر کے دن کنویں پر کھڑے ہو کر سرداران قریش کو نام بنام پکار کر بطور توبیخ اور سرزنش فرمایا۔ اے ابوجہل بن ہشام اے عتبہ بن ربیعہ اور اے شیبہ بن ربیعہ اور اے فلاں اور اے فلاں هل وجدتم ما وعدکم ربکم حقا فانی وجدت ما وعدنی ربی حقا۔ سو جس طرح آنحضرت ﷺ کی یہ ندا اور نام بنام خطاب مقتولین بدر کی توبیخ اور سرزنش کے لیے تھا اسی طرح اہل جنت کی اہل نار سے یہ گفتگو بطور تقریع اور توبیخ ہوگی تاکہ ان کی حسرت اور ندامت حد کمال کو پہنچ جائے اس وقت دوزخیوں کو جواب میں بجز نعم (ہاں) کہنے کے کوئی چارہ نہ ہوگا مگر لاچاری اور مجبوری کا یہ اقراء یعنی نعم اجمالی اقرار ہے جس میں اپنے جرم کی تفصیل نہیں پس اس وقت ان دوزخیوں اور بہشتیوں کے درمیان ایک پکارنے والا یعنی ایک فرشتہ باآواز بلند پکار کر یہ کہے گا کہ خدا کی لعنت ہو ظالموں پر جو لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے تھے اور خدا کی راہ میں کجی کے متلاشی رہتے تھے۔ یعنی اس میں عیب نکالتے رہتے تھے اور اپنی کج بحثیوں سے دن رات اس فکر میں رہتے تھے کہ صاف اور سیدھے راستہ کو ٹیڑھا ثابت کردیں تاکہ کوئی اس راہ پر نہ چل سکے۔ ملاحدہ اور زنادقہ کا طریقہ یہی ہے کہ دین کی باتوں میں شکوک اور شبہات نکالتے رہتے ہیں تاکہ لوگ دین سے بدظن اور متنفر ہوجائیں اور وہ آخرت کے منکر تھے صرف دنیاوی زندگانی ان کی منتہائے نظر تھی عالم دنیا جو ان کو آنکھوں سے نظر آ گیا تھا۔ صرف اس کے قائل تھے اور عالم آخرت جو مرنے کے بعد نظر آتا ہے وہ اس کے قائل نہ تھے غرض یہ کہ ان کے نعم (ہاں) کہنے کے بعد فرشتہ ان ظالموں پر باآواز بلند لعنت کی اذان دے گا تاکہ سب اولین اور آخرین سن لیں کہ یہ ظالم بلاشبہ قابل لعنت ہیں اور ان ظالموں نے جو مجبور ہو کر نعم کہا اس میں اپنے جرم کی تفصیل نہیں۔ خدا کے مؤذن یعنی فرشتہ نے جب ﴿لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ﴾ الخ کی اذان دی اور باآواز بلند اس کا اعلان کیا تو ان کا مجرم ہونا سب کو معلوم ہوگیا کہ ان کا جرم ظلم یعنی کفر اور شرک ہے۔

اہل اعراف کا ذکر

جب اللہ تعالیٰ جنت اور دوزخ والوں کا ذکر کر چکے تو اب یہ بتلاتے ہیں کہ دوزخ اور جنت کے درمیان ایک حجاب یعنی ایک بلند دیوار ہے جس کا خاصہ یہ ہوگا کہ جنت کا اثر دوزخ تک اور دوزخ کا اثر جنت تک نہیں پہنچنے دے گی کیونکہ اگر اہل

جنت کو نار کا کوئی اثر پہنچے تو ان کے لیے باعث ایذاء ہے اور اگر اہل جنت کا کوئی اثر اہل دوزخ تک پہنچے تو ان کے عذاب اور مصیبت میں کمی آ جائے اس لیے درمیان میں ایک پردہ قائم کر دیا گیا کہ ادھر کا اثر ادھر نہ پہنچ سکے اور یہ وہی حجاب ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے سورۂ حدید میں ذکر فرمایا ہے۔ ﴿فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ﴾ چنانچہ فرماتے ہیں اور ان دونوں کے درمیان یعنی جنت اور دوزخ کے درمیان ایک دیوار حائل ہے جس کا نام اعراف ہے اعراف کو اعراف کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اہل اعراف ہر شخص کو اوپر سے دیکھ کر پہچان لیں گے کہ یہ جنتی ہے اور یہ دوزخی ہے۔ اعراف، عرف کی جمع ہے جس کے معنی بلند جگہ کے ہیں چونکہ وہ دیوار اونچی ہے اس لیے اس کا نام اعراف رکھا گیا جس کی بلندی پر سے جنتی اور دوزخی سب نظر آئیں گے اور اس دیوار اعراف پر کچھ مرد ہوں گے جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہونگی اس لیے یہ لوگ نہ جنت کے مستحق ہیں اور نہ دوزخ کے اس لیے فی الحال اور سردست اعراف میں رکھے جائیں گے پھر آخر میں اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے بہشت میں داخل فرمائے گا۔ غرض یہ کہ اہل اعراف جنت اور جہنم کے درمیان میں ایک بلند دیوار ہونے کی وجہ سے جنتیوں اور دوزخیوں میں سے ہر ایک کو ان کی علامت اور چہرے کی نشانی سے پہچان لیں گے چونکہ یہ لوگ بلندی پر ہونگے اس لیے دونوں فریقوں کو آسانی سے دیکھ سکیں گے جنتیوں کو ان کے سفید اور نورانی چہروں سے اور دوزخیوں کو ان کے چہروں کی بدروئی اور سیاہی اور بدرونقی سے پہچانیں گے۔ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ اہل اعراف جنتیوں کو ان کے چہروں کے سفیدی سے پہچانیں گے اور دوزخیوں کو ان کی روسیاہی سے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے، ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ مُّسْفِرَةٌ ۙ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۚ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۙ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ﴾ اور یہ اہل اعراف جب جنتیوں کی طرف دیکھیں گے تو جنتیوں کو پکار کر کہیں گے سلام علیکم یعنی تم کو مبارک ہو اللہ تعالیٰ کی سلامتی تم پر قائم اور دائم رہے ابھی تک یہ اہل اعراف جنت میں داخل نہ ہوئے ہونگے اور وہ امید اور توقع رکھتے ہونگے یعنی اہل اعراف جس وقت بہشتیوں کو بطور مبارک باد سلام کریں گے تو اس وقت تک وہ خود بہشت میں نہیں ہونگے مگر ان کو بہشت میں داخل ہونے کی توقع ہوگی کیونکہ وہ اپنے اعراف میں ہونے کی وجہ سے جان جائیں گے کہ دوزخ سے تو ہم نجات پا ہی چکے ہیں اب ہم بہشت میں ضرور داخل ہو جائیں گے اس لیے کہ اعراف کوئی دائمی مقام نہیں۔ آخرت میں دائمی قیام کی جگہ دوزخ ہے یا بہشت نیز عجب نہیں کہ اصحاب اعراف کی نظر اللہ کے لطف و کرم پر ہو اور دل میں یہ طمع ہو کہ اگرچہ ہماری حسنات اور سیئات کے دونوں پلے برابر ہیں لیکن حسنات کا پلہ بھاری ہو جائے حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

ہست امیدم علی رغم عدو روز جزا ۔۔۔ فیض عفوش نہ نہد بار گنہ بردوشم

اور جب اہل اعراف کی نظریں دوزخیوں کی طرف پھیری جائیں گی اور ان کے عذاب اور ان کی روسیاہی کو دیکھیں گے تو کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہم کو ان ظالم لوگوں کے ساتھ دوزخ میں شامل نہ کر۔ ان کی ہمراہی سراسر تباہی ہے اہل اعراف کی حالت حسنات اور سیئات کے برابر ہونے کی وجہ سے اور دوزخ اور جنت کے درمیان میں ہونے کی وجہ سے خوف اور رجاء اور طمع اور یاس کے بین بین ہوگی۔ ادھر دیکھیں گے تو امید کریں گے اور ادھر نظر پڑے گی تو خدا سے ڈر کر پناہ مانگیں گے کہ ہم کو ان دوزخیوں میں شامل نہ کیجیے مگر پلۂ رجاء اور طمع یعنی امید کا غالب ہوگا بالآخر ان کی امید پوری

ہو جائے گی اور ان کو جنت میں جانے کا حکم ہو جائے گا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

نکتہ:...... اہل اعراف کا منہ جہنم کی طرف اس لیے پھیرا جاوے گا تا کہ اللہ کا شکر کریں کہ اس عذاب سے خلاصی ہی بہت بڑی نعمت ہے۔

ف:...... حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ دوزخ اور جنت کے درمیان جو حجاب ہے اسی کا نام اعراف ہے قیامت میں تین قسم کے آدمی ہوں گے ایک وہ جن کی نیکیاں بدیوں پر غالب ہونگی انہیں جنت میں جانے کا حکم ہو جائے گا۔ دوسرے وہ جن کی برائیاں ان کی نیکیوں پر غالب ہوں گی انہیں دوزخ میں جانے کا حکم ہو جائے گا اور تیسرے وہ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی انہیں اس مقام میں جس کا نام اعراف ہے ٹھہرنے کا حکم ہو گا یہاں تک کہ جب اللہ کو منظور ہو گا تو ان کی خطائیں معاف کر دے گا اور انہیں جنت میں داخل ہونے کا حکم دے گا۔ حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ اصحاب اعراف کون ہیں کہا کہ وہ لوگ ہیں جن کے حسنات اور سیئات برابر ہیں۔ سیئات نے جنت میں جانے سے روکا اور حسنات نے آگ سے بچایا سو وہ اس دیوار پر ٹھہریں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے حق میں فیصلہ کرے۔ جمہور سلف اور خلف کا مذہب یہی ہے کہ اصحاب اعراف وہ لوگ ہوں گے جن کی حسنات اور سیئات برابر ہوں گی عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس اور حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ سے اسی طرح منقول ہے اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ اصحاب اعراف وہ لوگ ہوں گے جو جہاد میں بغیر والدین کی اجازت کے نکلے اور خدا کی راہ میں شہید ہوئے اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں تفصیل اگر درکار ہو تو تفسیر قرطبی: ۷/۲۱۱، اور تفسیر ابن کثیر: ۲/۲۱۶ دیکھیں۔

اور جیسے اہل اعراف نے اہل جنت سے سلام وکلام کیا اسی طرح یہ اہل اعراف دوزخیوں میں سے کچھ مردان کفر کو یعنی کافروں کے سرداروں کو جنہیں وہ ان کی علامت سے پہچانتے ہوں گے پکاریں گے اور یہ کہیں گے کیا کام آیا تمہارا مال جمع کرنا اور وہ جو تم دنیا میں تکبر کرتے تھے۔ اور انبیاء کرام کی اتباع اور پیروی کو اپنے لیے عار سمجھتے تھے یعنی تمہارے مال و دولت اور تکبر نے آج تم کو نفع نہ پہنچایا آخر تم اس عذاب اور وبال میں پھنسے یا جمع سے جمعیت یعنی نوکر چاکر اور برادری اور فوج اور لشکر مراد ہے کہ جس جتھے پر تم کو گھمنڈ تھا وہ کچھ کام نہ آئی بعد ازاں اہل اعراف ان غریب اور بیچارے مسلمانوں کی طرف اشارہ کر کے جو جنت میں ہونگے یہ کہیں کیا یہ غریب مسلمان وہی لوگ نہیں کہ جنہیں تم دنیا میں حقیر سمجھ کر ان کے بارہ میں قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ان لوگوں کو اللہ کی رحمت نہیں پہنچے گی اب دیکھو کہ ان پر اللہ کی کیسی رحمت ہو رہی ہے۔ ان کے لیے حکم ہو چکا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ نہ تم پر کچھ خوف ہے اور نہ تم غمگین ہو گے اب دیکھ لو پس جن کو تم بہ نظر حقارت دیکھ کر یہ کہا کرتے تھے ﴿أَهَٰؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّن بَيْنِنَا﴾۔ دیکھ لو ان پر اللہ کا کیسا فضل اور کیسی رحمت ہو رہی ہے اور تم کس عذاب اور مصیبت میں مبتلا ہو اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ قول فرشتوں کا ہے جو اہل اعراف سے متعلق ہے یعنی فرشتے اہل اعراف سے کہیں گے۔ اے اہل اعراف فریقین کا فیصلہ ہو چکا، لو! اب تم بھی جنت میں داخل ہو جاؤ وہاں تمہیں نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ غم۔ اہل اعراف دوزخ کے درمیان ایک بلند جگہ پر ہونے کی وجہ سے فریقین کا حال دیکھیں گے دوزخیوں کو دیکھ کر ڈریں گے اور پناہ مانگیں گے کہ اے اللہ ہمیں ان کے ساتھ نہ شامل کرنا اور اہل جنت کو دیکھ کر ایک عجیب طمع اور آرزو

کے ساتھ ان کو سلام کریں گے زبان سے سلام کریں گے اور دل میں یہ طمع اور آرزو ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم کو ان کی طرح جنت میں جگہ دے اللہ تعالیٰ ان کی یہ طمع اور آرزو پوری کرے گا اور حکم ہوجائے گا۔ ﴿اُدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡكُمۡ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ تَحۡزَنُوۡنَ﴾۔

دوزخیوں کا اہل جنت کے سامنے دستِ سوال

گزشتہ آیات میں اہل جنت کی گفتگو کا اہل جہنم سے ذکر تھا اب ان آیات میں دوزخیوں کی جنتیوں سے گفتگو کا ذکر کرتے ہیں اور دوزخ والے بھوک اور پیاس سے بدحواس ہوکر جنت والوں کو پکاریں گے کہ خدارا پانی کا کوئی قطرہ ہم پر ڈال دو یا جو روزی اللہ نے تم کو دی ہے اس میں سے کچھ ہم کو بھی دے دو جن فقراء مومنین کے بارہ میں قسم کھا کر کہا کرتے تھے۔ ﴿لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحۡمَةٍ﴾ اور تکبر کی وجہ سے ان سے بات کرنا بھی پسند نہ کرتے تھے آخرت میں پہنچ کر ان کے سامنے دست سوال دراز کریں گے۔ اہل جنت جواب میں کہیں گے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کو کافروں پر حرام کر دیا ہے یہ کافر وہی تو ہیں جنہوں نے (دنیا میں) اپنے دین کو تماشا اور کھیل بنا رکھا تھا اور دنیاوی زندگانی نے ان کو ایسا فریب دیا کہ آخرت کو بالکل بھول گئے پس آج ہم بھی ان کو بھول جائیں گے جیسا کہ وہ دنیا میں اس دن کی پیشی اور ملنے کو بھولے ہوئے تھے۔ خدا تعالیٰ نسیان سے منزہ ہے یہاں مجازاً اس کو خدا کی طرف منسوب کر دیا مطلب یہ ہے کہ آج ہم ان کو اپنی رحمت سے نظر انداز کر دیں گے بھول جانا کنایہ ہے بے التفاتی اور بے توجہی سے اور اس کے راحت و آرام کی خبر نہ لینے سے ورنہ نسیان کے حقیقی معنی جناب باری تعالیٰ میں متصور نہیں ہوسکتے پس جس طرح یہ لوگ ہماری ہی دی ہوئی نعمتوں میں مست ہوکر ہم کو بھول گئے اور پیغمبروں کے ذریعے ہم نے احکام بھیجے ان کا خیال بھی نہ کیا اور ہمارے دین کا کھیل اور تماشہ بنایا اسی طرح آج ہم بھی ان کا خیال نہ کریں گے اور جن لوگوں نے ہمارے دین کا کھیل اور تماشہ بنایا آج ہم ان کی ذلت و خواری کا تماشہ دکھلائیں گے اور جیسا کہ یہ لوگ ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہتے تھے۔ اسی طرح آج ہم بھی ان کی درخواست قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں اور ان لوگوں کا انکار کسی شبہ پر مبنی نہ تھا بلکہ عناد کی بناء پر تھا اس لیے کہ تحقیق ہم نے ان کفار کے پاس ایسی کتاب پہنچا دی جس میں تمام عقائد اور احکام اور امور آخرت کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا جو ایسے علم یقینی اور قطعی پر مشتمل ہے جس میں سہو اور خطاء کا احتمال بھی نہیں اور یہ کتاب ایسے عجیب وغریب علم پر مشتمل ہے کہ اس جیسا علم کسی اور کتاب میں نہیں (روح المعانی: ۸/۱۱۱) اور اس مفصل کتاب کو ہم نے اس لیے نازل کیا تاکہ سب پر حق واضح ہوجائے اور یہ کتاب ان لوگوں کے لیے ذریعۂ ہدایت اور رحمت ہے جو اس کو سن کر ایمان لاتے ہیں اور ایمان لا کر اس کی برکتوں سے حصہ پاتے ہیں برخلاف ان بدنصیبوں کے کہ جن کے دل تکبر اور نخوت اور مال و دولت کی محبت سے بھرے ہوئے اور لذات نفسانیہ پر فریفتہ ہیں وہ اس کا سننا بھی پسند نہیں کرتے ان کی حالت سے بظاہر ایسا مترشح ہوتا ہے کہ یہ کافر لوگ نہیں انتظار کر رہے ہیں مگر اس وعدۂ عذاب کی حقیقت اور مصداق کے ظاہر ہوجانے کا یعنی یہ کافر جو اس قرآن کی تکذیب پر اڑے ہوئے ہیں کیا وہ اسی بات کے منتظر ہیں کہ قرآن میں جو عذاب کے وعدے کیے گئے ہیں وہ وقوع اور ظہور میں

آجائیں اور اپنی آنکھوں سے ان کو دیکھ لیں تب ایمان لائیں تو خوب سمجھ لو جس دن اس وعدۂ عذاب کی حقیقت سامنے آجائے گی یعنی قیامت کے دن جب اس تکذیب اور تکبر کا نتیجہ آنکھوں سے دیکھ لیں گے سو وہ لوگ جو اس دن کو پہلے سے بھولے ہوئے تھے اور اس پر ایمان نہیں لاتے تھے اس دن کو دیکھ کر یہ کہیں گے کہ بیشک ہمارے رب کے رسول دنیا میں حق لے کر آئے تھے ہم نے اپنی حماقت اور تکبر سے انہیں ناحق جھٹلایا پس کیا ہمارے لیے یہاں کوئی سفارشی ہو سکتے ہیں کہ وہ ہمارے لیے اللہ سے سفارش کریں یا یہ ہو سکتا ہے کہ ہم دنیا میں پھر واپس لوٹا دیئے جائیں۔ پس وہاں جا کر ان عملوں کے خلاف عمل کریں جو ہم پہلے کرتے تھے یعنی ہم پہلے برے عمل کرتے تھے اب اچھے عمل کریں گے عذاب خداوندی کو دیکھ کر یہ تمنا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اب نجات کی کوئی صورت نہیں جو وقت تم کو آخرت کی تجارت کے لیے دیا گیا تھا وہ سب تم نے اپنے تکبر اور حماقت سے ضائع کر دیا بیشک ان لوگوں نے انبیاء کی تکذیب کر کے اپنی جانوں کو خسارہ میں ڈالا اب اس کا نتیجہ بھگتیں اور ان سے وہ سب کچھ گم ہو گیا جو وہ دنیا میں افتراء کرتے رہتے تھے سوائے عذاب کے کچھ نظر نہ آیا۔ ''خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم'' عجیب عجیب باتیں کرتے تھے جب آنکھ کھلی تو کچھ اور ہی دیکھا۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى

بیشک تمہارا رب اللہ ہے جس نے پیدا کئے آسمان اور زمین ف۱ چھ دن میں ف۲ پھر قرار پکڑا

تمہارا رب اللہ ہے، جس نے بنائے آسمان و زمین چھ دن میں پھر بیٹھا

الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ

عرش پر ف۳ اڑھاتا ہے رات پر دن کہ وہ اس کے پیچھے لگا آتا ہے دوڑتا ہوا اور پیدا کئے سورج اور چاند اور تارے ف۴

تخت پر۔ اوڑھاتا ہے رات پر دن، اس کے پیچھے لگا آتا ہے دوڑتا، اور سورج اور چاند اور تارے،

ف۱ گزشتہ آیت میں معاد کا ذکر تھا، اس رکوع میں مبدا کی معرفت کرائی گئی ہے۔ وہاں ﴿قَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ﴾ سے بتلایا گیا تھا کہ جو لوگ دنیا میں انبیاء اور رسل سے منحرف رہتے تھے ان کو بھی قیامت کے دن پیغمبروں کی سچائی کی ناچار تصدیق کرنی پڑے گی۔ یہاں نہایت لطیف پیرایہ میں خدا کی حکومت یاد دلانے اور انبیاء و رسل کی ضرورت کی طرف اشارہ کرنے کے بعد بعض مشہور پیغمبروں کے احوال و واقعات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے کہ ان کی تصدیق یا تکذیب کرنے والوں کا آخرت سے پہلے دنیا ہی میں کیا انجام ہوا گویا یہ رکوع آنے والے کئی رکوعات کی تمہید ہے۔

ف۲ یعنی اتنے وقت میں جو چھ دن کے برابر تھا پیدا کیا۔ کیونکہ یہ متعارف دن اور رات تو آفتاب کے طلوع و غروب سے وابستہ ہیں جب اس وقت آفتاب ہی پیدا نہ ہوا تھا تو دن رات کہاں سے ہوتا۔ یا یہ کہا جائے کہ عالم شہادت کے دن رات مراد نہیں، عالم غیب کے دن رات مراد ہیں جیسے کسی عارف نے فرمایا ہے

غیب را ابرے و آبے دیگر است آسمان و آفتابے دیگر است

پہلی صورت میں پھر علماء کا اختلاف ہے کہ یہاں چھ دن سے ہمارے چھ دن کی مقدار مراد ہے۔ یا ہزار برس کا ایک ایک دن جسے فرمایا ہے ﴿وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ﴾ میرے نزدیک یہ آخری قول راجح ہے۔ بہر حال مقصود یہ ہوا کہ آسمان و زمین دفعۃً بنا کر نہیں کھڑے کئے گئے۔ شاید اول ان کا مادہ پیدا فرمایا ہو پھر اسکی استعداد کے موافق بتدریج مختلف اشکال و صورت میں متشکل کرتے رہے ہوں۔ حتی کے چھ دن (چھ ہزار سال) میں وہ مجمع متعلقہا موجودہ مرتب شکل میں موجود ہوئے جیسا کہ آج بھی انسان اور کل حیوانات و نباتات وغیرہ کی تولید و تخلیق کا سلسلہ تدریجی طور پر جاری ہے اور یہ اسکی شان "كُنْ فَيَكُونُ" کے منافی نہیں کیونکہ "كُنْ فَيَكُونُ" کا مطلب تو صرف اس قدر ہے کہ خدا جس چیز کو وجود کے جس درجہ میں لانا چاہے اس کا ارادہ ہوتے ہی وہ اس درجہ میں آجاتی ہے یہ مطلب نہیں کہ خدا کسی چیز کو وجود کے مختلف مدارج سے گزارنے کا ارادہ نہیں کرتا بلکہ ہر شے کو بدون توسط =

مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ

تابعدار اپنے حکم کے ف۱ سن لو اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور حکم فرمانا بڑی برکت والا ہے اللہ جو رب ہے سارے جہان کا ف۲ پکارو اپنے رب کو

کام لگے اس کے حکم پر، سن لو! اسی کا کام ہے بنانا اور حکم فرمانا۔ بڑی برکت اللہ کی جو صاحب سارے جہان کا۔ پکار اپنے رب کو

= اسباب وعلل کے دفعۃً موجود کرتا ہے۔

ف۳ خدا تعالیٰ کی صفات وافعال کے متعلق یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ نصوص قرآن وحدیث میں جو الفاظ حق تعالیٰ کی صفات کے بیان کرنے کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں۔ ان میں اکثر وہ ہیں جن کا مخلوق کی صفات پر بھی استعمال ہوا ہے مثلاً خدا کو "حی"، "سمیع"، "بصیر"، "متکلم" کہا گیا اور انسان پر بھی یہ الفاظ اطلاق کئے گئے، تو ان دونوں مواقع میں استعمال کی حیثیت بالکل جداگانہ ہے کسی مخلوق کو سمیع وبصیر کہنے کا یہ مطلب ہے کہ اس کے پاس دیکھنے والی آنکھ اور سننے والے کان موجود ہیں۔ اس میں دو چیزیں ہوئیں۔ ایک وہ آلہ جسے "آنکھ" کہتے ہیں اور جو دیکھنے کا مبدا اور ذریعہ بنتا ہے۔ دوسرا اس کا نتیجہ اور غرض وغایت (دیکھنا) یعنی وہ خاص علم جو رویت بصری سے حاصل ہوا۔ مخلوق کو جب "بصیر" کہا تو یہ مبدا اور غایت دونوں چیزیں معتبر ہوئیں۔ اور دونوں کی کیفیات ہم نے معلوم کر لیں۔ لیکن یہی لفظ جب خدا کی نسبت استعمال کیا گیا تو یقیناً وہ مبادی اور کیفیات جسمانیہ مراد نہیں ہوسکتیں جو مخلوق کے خواص میں سے ہیں اور جس سے خداوند قدوس قطعاً منزہ ہے البتہ یہ اعتقاد رکھنا ہوگا کہ ابصار (دیکھنے) کا مبدا اس کی ذات اقدس میں موجود ہے اور اس کا نتیجہ یعنی وہ علم جو رویت بصری سے حاصل ہوسکتا ہے اس کو بدرجہ کمال حاصل ہے۔ آگے یہ کہ وہ مبدا کیسا ہے اور دیکھنے کی کیا کیفیت ہے تو بجز اس بات کے کہ اس کا دیکھنا مخلوق کی طرح نہیں ہم اور کیا کہہ سکتے ہیں ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ نہ صرف سمع وبصر بلکہ اس کی تمام صفات کو اسی طرح سمجھنا چاہیے کہ صفت باعتبار اپنے اصل مبدأ وغایت کے ثابت ہے مگر اس کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی اور نہ شرائع سماویہ نے اس کا مکلّف بنایا ہے کہ آدمی اس طرح کی ماوراء عقل حقائق میں خوض کر کے پریشان ہو۔ اس کا کچھ خلاصہ ہم سورہ مائدہ میں زیر فائدہ ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ﴾ بیان کر چکے ہیں۔ "استواء علی العرش" کو بھی اسی قاعدہ سے سمجھو "عرش" کے معنی تخت اور بلند مقام کے ہیں۔ "استواء" کا ترجمہ اکثر محققین نے "استقرار و تمکن" سے کیا ہے (جسے مترجم رحمہ اللہ نے قرار پکڑنے سے تعبیر فرمایا) گویا یہ لفظ حکومت پر ایسی طرح قابض ہونے کو ظاہر کرتا ہے کہ اس کا کوئی حصہ اور گوشہ حیطۂ نفوذ واقتدار سے باہر نہ رہے اور نہ قبضہ وتسلط میں کسی قسم کی مزاحمت اور گڑبڑ پائی جائے۔ سب کام اور انتظام برابر ہو۔ اب دنیا میں بادشاہوں کی تخت نشینی کا ایک تو مبدا اور ظاہری صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت یا غرض وغایت یعنی ملک پر پورا تسلط واقتدار اور نفوذ وتصرف کی قدرت حاصل ہونا۔ حق تعالیٰ کے "استواء علی العرش" میں یہ حقیقت اور غرض وغایت بدرجہ کمال موجود ہے یعنی آسمان وزمین (کل علویات وسفلیات) کو پیدا کرنے کے بعد ان پر کامل قبضہ واقتدار اور ہر قسم کے مالکانہ وشہنشاہانہ تصرفات کا حق بے روک ٹوک اسی کو حاصل ہے جیسا کہ دوسری جگہ ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ کے بعد ﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ﴾ وغیرہ الفاظ اور یہاں ﴿يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ﴾ الخ سے اسی مضمون پر متنبہ فرمایا ہے۔ رہا "استواء علی العرش" کا مبدا اور ظاہری صورت، اس کے متعلق وہی عقیدہ رکھنا چاہیے جو ہم "سمع وبصر" وغیرہ صفات کے متعلق لکھ چکے ہیں کہ اس کی کوئی ایسی صورت نہیں ہوسکتی جس میں صفات مخلوقین اور سمات حدوث کا ذرا بھی شائبہ ہو۔ پھر کیسی ہے؟ اس کا جواب وہی ہے کہ

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم — وز ہر چہ گفتہ اند شنید یم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر — ما ہمچناں دراول وصف تو ماندہ ایم

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾

ف۴ یعنی رات کے اندھیرے کو دن کے اجالے سے یا دن کے اجالے کو رات کے اندھیرے سے ڈھانپتا ہے۔ اس طرح کے ایک دوسرے کا تعاقب کرتا ہوا تیزی سے چلا آتا ہے۔ ادھر رات ختم ہوئی ادھر دن آموجود ہوا، یا دن تمام ہوا تو فوراً رات آگئی۔ درمیان میں ایک منٹ کا وقفہ بھی نہیں ہوتا۔ شاید اس پر بھی تنبیہ فرمادی کہ اس طرح کفر وضلالت اور ظلم وعدوان کی شب دیجور جب عالم پر محیط ہوجاتی ہے اس وقت خدا تعالیٰ ایمان وعرفان کے آفتاب سے ہر چہار طرف روشنی فرمادیتا ہے اور جب تک آفتاب عالمتاب کی روشنی نمودار نہ ہو نبوت کے چاند تارے رات کی تاریکی میں اجالا اور راہنمائی کرتے ہیں۔

ف۱ کوئی سیارہ اس کے حکم کے بدون حرکت نہیں کرسکتا۔

ف۲ پیدا کرنا "خلق" ہے اور پیدا کرنے کے بعد تکوینی یا تشریعی احکام دینا یہ "امر" ہے اور دونوں اسی کے قبضہ واختیار میں ہیں۔ اس طرح وہی ساری خوبیوں اور برکتوں کا سرچشمہ ہوا۔

تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا

گڑگڑا کر اور چپکے چپکے ف۱ اس کو خوش نہیں آتے حد سے بڑھنے والے ف۲ اور مت خرابی ڈالو زمین میں اس کی اصلاح کے بعد

گڑگڑاتے اور چپکے۔ اس کو خوش نہیں آتے حد سے بڑھنے والے۔ اور مت خرابی مچاؤ زمین میں، اس کے سنوارے پیچھے

وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِىْ يُرْسِلُ

اور پکارو اس کو ڈر اور توقع سے ف۳ بیشک اللہ کی رحمت نزدیک ہے نیک کام کرنے والوں سے اور وہی ہے کہ چلاتا ہے ہوائیں

اور پکارو اس کو ڈر اور توقع سے۔ بیشک مہر اللہ کی نزدیک ہے نیکی والوں سے۔ اور وہی ہے کہ چلاتا ہے بادیں (ہوائیں)

الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَىْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ

خوشخبری لانے والی مینہ سے پہلے یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں اٹھا لاتی ہیں بھاری بادلوں کو تو ہانک دیتے ہیں ہم اس بادل کو ایک شہر مردہ کی طرف

خوشخبری لاتیں، آگے اس کی مہر سے۔ یہاں تک کہ جب اٹھا لائیں بدلیاں بھاری، ہانکا ہم نے اس کو ایک شہر مردے کی طرف،

فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ

پھر ہم اتارتے ہیں اس بادل سے پانی پھر اس سے نکالتے ہیں سب طرح کے پھل اسی طرح ہم نکالیں گے مردوں کو تاکہ تم

پھر اس میں اتارا پانی، پھر اس سے نکالے سب طرح کے پھل۔ اسی طرح نکالیں گے مردوں کو، شاید تم

تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِىْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا

غور کرو اور جو شہر پاکیزہ ہے اس کا سبزہ نکلتا ہے اس کے رب کے حکم سے اور جو خراب ہے اس میں نہیں نکلتا مگر

دھیان کرو۔ اور جو موضع ستھرا ہے، اس کا سبزہ نکلتا ہے اس کے رب کے حکم سے۔ اور جو خراب ہے۔ اس میں نکلے سو

نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ۝ ع

ناقص یوں پھیر پھیر کر بتلاتے ہیں ہم آیتیں حق ماننے والے لوگوں کو ف۴

ناقص۔ یوں پھیر پھیر بتاتے ہیں ہم آیتیں حق ماننے والے لوگوں کو۔

ف۱ جب "عالم خلق و امر" کا مالک اور تمام برکات کا منبع وہی ذات ہے تو دنیاوی و اخروی حوائج میں اسی کو پکارنا چاہیے۔ الحاح و اخلاص اور خشوع کے ساتھ بدون ریاکاری کے ساتھ آہستہ آہستہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعاء میں اصل اخفاء ہے اور یہی سلف کا معمول تھا، بعض مواضع میں جہر و اعلان کسی عارض کی وجہ سے ہوگا جس کی تفصیل روح المعانی وغیرہ میں ہے۔

ف۲ یعنی دعاء میں حد ادب سے نہ بڑھے۔ مثلاً جو چیزیں عادۃً یا شرعاً محال ہیں وہ مانگنے لگے یا معاصی اور لغو چیزوں کی طلب کرے، یا ایسا سوال کرے جو اس کی شان و حیثیت کے مناسب نہیں یہ سب "اعتداء فی الدعاء" میں داخل ہے۔

ف۳ پچھلی آیتوں میں ہر حاجت کے لئے خدا کو پکارنے کا طریقہ بتلایا تھا۔ اس آیت میں مخلوق اور خالق دونوں کے حقوق کی رعایت سکھلائی۔ یعنی جب دنیا میں معاملات کی سطح درست ہو تو تم اس میں گڑبڑ نہ ڈالو، اور خوف و رجاء کے ساتھ خدا کی عبادت میں مشغول رہو۔ نہ اس کی رحمت سے مایوس ہو اور نہ اسکے عذاب سے مامون اور بے فکر ہو کر گناہوں پر دلیر بنو۔ میرے نزدیک یہی راجح ہے کہ یہاں وادعوہ الخ میں دعاء سے عبادت مراد لی جائے جیسا کہ صلوٰۃ تہجد کے بارے میں فرمایا تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا .... —

ذکر تخلیقِ عالم برائے اثبات ربوبیّت والوہیّت برائے اثبات قیامت

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ... الی ... كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں معاد اور جزاء وسزا کا بیان تھا جس کا مشرکین انکار کرتے تھے اب ان آیات میں تخلیق عالم کا ذکر فرماتے ہیں جو حق جل شانہ کی ربوبیت اور الوہیت اور کمال قدرت کے دلائل پر مشتمل ہے جس کو سماوات اور ارضین کی تخلیق سے شروع فرمایا اور بارش اور ارض میتتہ کی حیات یعنی مردہ زمین کی زندگی پر کلام کو ختم فرمایا کہ بارش سے کس طرح زمین زندہ ہوجاتی ہے جس سے مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے پر استدلال فرمایا اور یہ فرمایا، ﴿كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ تاکہ منکرین حشر کا استبعاد رفع ہوجائے اور اس کے بعد بعض مشہور پیغمبروں کے حالات اور واقعات ذکر فرمائے تاکہ معلوم ہوجائے کہ انبیاء کرام کی تصدیق اور تکذیب کا قیامت کے آنے سے پہلے ہی دنیا میں کیا انجام ہوا تقریبا پارہ نہم کے نصف تک یہی مضمون چلا گیا ہے غرض یہ کہ ان آیات میں اولاً مبداء اور معاد کے دلائل کو بیان کیا اور بعد ازاں حضرات انبیاء کے واقعات سے دلائل نبوت اور براہین رسالت کو بیان فرمایا اور اسی طرح توحید اور رسالت اور قیامت کا بیان یکے بعد دیگرے اخیر سورت تک چلا گیا تاکہ ان خاسرین پر جنہوں نے اپنے دین کو لہو ولعب بنا رکھا ہے (جیسا کہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا﴾ میں گزرا) سعادت اور شقاوت فلاح اور خسران کی حقیقت واضح ہوجائے چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق اے لوگو حقیقت میں تمہارا رب وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور ان مشرکین نے جو شرکاء اور ارباب تراش رکھے ہیں ان میں کوئی بھی تمہارا رب نہیں انہوں نے آسمان اور زمین کا کوئی

= ف ۲ پچھلی آیات میں "استواء علی العرش" کے ساتھ فلکیات (چاند، سورج وغیرہ) میں جو خدائی تصرفات ہیں، ان کا بیان تھا، درمیان میں بندوں کو کچھ مناسب ہدایات کی گئیں۔ اب سفلیات اور "کائنات الجو" کے متعلق اپنے بعض تصرفات کا ذکر فرماتے ہیں تاکہ لوگ معلوم کرلیں کہ آسمان زمین اور ان دونوں کے درمیانی حصہ کی کل حکومت صرف اسی رب العالمین کے قبضہ قدرت میں ہے۔ ہوائیں چلانا، مینہ برسانا، قسم قسم کے پھول پھل پیدا کرنا، ہر زمین کی استعداد کے موافق کھیتی اور سبزہ اگانا، یہ سب اسی کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے نشان ہیں۔ اسی ذیل میں مردوں کا موت کے بعد جی اٹھنا اور قبروں سے نکلنا بھی سمجھا دیا۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ "ایک تو مردوں کا نکلنا قیامت میں ہے اور ایک دنیا میں یعنی جاہل ادنیٰ لوگوں میں (جو جہالت و ذلت کی موت سے مر چکے تھے) عظیم الشان نبی بھیجا اور انہیں علم دیا اور دنیا کا سردار کیا، پھر ستھری استعداد والے کمال کو پہنچے اور جن کی استعداد خراب تھی ان کو بھی فائدہ پہنچ رہا ناقص سا۔" گویا اس پورے رکوع میں بتلا دیا گیا کہ جب خدا اپنی رحمت وشفقت سے رات کی تاریکی میں ستارے چاند، سورج سے روشنی کرتا ہے اور خشکی کے وقت زمین کو سرسبز وشاداب کرنے اور انسان وحیوانات کی زندگی کا سامان مہیا فرمانے کے لئے اوپر سے بارش بھیجتا ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایسا مہربان خدا اپنی مخلوق کو جہل وظلم کی اندھیریوں سے نکالنے کے لئے کوئی چاند اور سورج پیدا نہ کرے اور بنی آدم کی روحانی غذا تیار کرنے اور قلوب کے کھیتوں کو سیراب کرنے کے لئے باران رحمت نازل نہ فرمائے۔ بلاشبہ اس نے ہر زمانہ کی ضرورت اور اپنی حکمت کے موافق پیغمبروں کو بھیجا جن کے منور سینوں سے دنیا میں روحانی روشنی پھیلی اور وحی الٰہی کی لگاتار بارشیں ہوئیں۔ چنانچہ آئندہ کئی رکوع میں ان ہی پیغمبروں کے بھیجنے کا ذکر کیا گیا ہے اور جیسا کہ بارش اور زمین کی مثال میں اشارہ کیا گیا کہ مختلف زمینیں اپنی اپنی استعداد کے موافق بارش کا اثر قبول کرتی ہیں، اسی طرح سمجھ لو کہ انبیاء علیہم السلام جو خیر و برکت لے کر آتے ہیں، اس سے متمتع ہونا بھی حسن استعداد پر موقوف ہے جو لوگ ان سے انتفاع نہیں کرتے انہیں اپنی سوء استعداد پر رونا چاہیے۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست   در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

ذرہ بھی پیدا نہیں کیا۔ یہ چھ دن یہ ہیں یکشنبہ دوشنبہ سہ شنبہ چہارشنبہ پنجشنبہ، جمعہ اور جمعہ کے دن حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ہفتہ کے دن کوئی چیز پیدا نہیں کی یہ دن پیدائش سے خالی رہا اسی وجہ سے اس دن کو یوم سبت کہتے ہیں سبت کے معنی قطع کے ہیں یعنی اس دن آفرینش منقطع ہو چکی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اتنی مدت اور اتنے وقت میں پیدا کیا جو دنیا کے چھ دنوں کے برابر تھا کیونکہ زمین اور آسمان کی پیدائش سے پہلے یہ متعارف دن اور رات ہی نہ تھے کہ جو طلوع آفتاب سے غروب تک اور غروب سے طلوع آفتاب تک ہے اور بعضوں نے کہا کہ اس سے آخرت کے دن مراد ہیں کہ ہر دن ہزار سال کا ہے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾ اور پہلا ہی قول صحیح ہے (ماخوذ از موضح القرآن للشاہ عبدالقادر الدہلوی رحمہ اللہ)

اس پر زمانہ حال کے بعض فلاسفہ اعتراض کرتے ہیں کیونکہ ان کی تحقیق یہ ہے کہ یہ کائنات آہستہ آہستہ اور بتدریج لاکھوں اور کروڑوں برس میں پیدا ہوئی ہے لیکن یہ تحقیق خود مشکوک ہے جس پر کوئی دلیل نہیں مگر جو لوگ یورپ کی تقلید پر مٹے ہوئے ہیں وہ تو اس کو وحی آسمانی سے بھی زیادہ سمجھتے ہیں اور قرآن کریم کی خبر کہ آسمان اور زمین چھ دن میں پیدا ہوئے اس کو غلط سمجھتے ہیں حق یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو خبر دی ہے وہ حق اور صدق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور اس کے بعد بیشمار مخلوق اس کے ارادہ اور قدرت سے پیدا ہوئی اور جب تک چاہے گا پیدا ہوتی رہے گی اور یہ خیال کہ کائنات عالم آہستہ آہستہ اور بتدریج لاکھوں اور کروڑوں برس میں پیدا ہوئی۔ یہ خیال خام ان دہریوں کا ہے کہ جو خدا کے منکر ہیں اور سلسلۂ عالم کو قدیم اور ازلی مانتے ہیں اور یہ بالکل غلط ہے تمام انبیاء و مرسلین کا اس پر اجماع ہے کہ تمام عالم حادث ہے خدا تعالیٰ کے ارادہ اور قدرت سے عدم کے پردہ سے نکل کر وجود میں آیا ہے پھر بعد ازاں اللہ تعالیٰ بلا کسی نقل و حرکت کے عرش پر بلا کسی حلول اور بلا تمکن اور بلا استقرار کے قائم ہوا جیسا قیام اس کی شان کے لائق اور مناسب تھا اور حکمرانی شروع کی اور علویات اور سفلیات میں اپنی تدبیر اور تصرف اور احکام کو جاری فرمایا جیسا کہ دوسری جگہ ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ کے بعد یدبر الامر وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں جو استواء علی العرش کی تفسیر ہیں۔

اور یہود بے بہود یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین پیدا کرنے کے بعد تھک گیا اور درماندگی کی وجہ سے عرش پر لیٹ گیا تمام اہل اسلام کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے نہ کوئی حد ہے اور نہ کوئی نہایت ہے اور نہ اس کے لیے کوئی مکان اور سمت اور جہت ہے اس کی ہستی، سمت اور جہت اور مکان اور زمان کے قیود اور حدود سے پاک اور منزہ ہے اس کی ہستی کسی زمان یا مکان کی ہستی پر موقوف نہیں بلکہ مکان اور زمان کی ہستی اس کی ایجاد اور تکوین پر موقوف ہے کیونکہ جب مکان و زمان موجود نہ تھے وہ اس وقت بھی تھا اور اب جبکہ زمان اور مکان موجود ہیں تب بھی موجود ہے وہ خداوند ذوالجلال زمین اور آسمان اور عرش اور کرسی کے پیدا کرنے سے پہلے جس صفت اور شان پر تھا اب بھی اسی صفت اور شان پر ہے۔ معاذ اللہ عرش عظیم خداوند کریم کا حامل نہیں کہ خدا تعالیٰ کو اپنے اوپر اٹھائے ہوئے یا تھامے ہوئے ہو بلکہ خدا تعالیٰ کی قدرت اور رحمت عرش کو اٹھائے ہوئے اور تھامے ہوئے ہے وہ ذرہ برابر کسی عرش اور فرش کا محتاج نہیں بلکہ سب اسی کے محتاج ہیں معلوم ہوا کہ استواء علی العرش سے عرش پر بیٹھنا اور متمکن اور مستقر ہونا مراد نہیں بلکہ کائنات عالم کے تدبیر اور تصرف

کی طرف متوجہ ہونا مراد ہے اور یہ جملہ (یعنی استواء علی العرش) قرآن کریم میں سات جگہ آیا ہے ایک تو یہ جگہ کہ آپ کے سامنے ہے دوم سورۂ یونس میں سوم سورۂ رعد میں چہارم سورۂ طٰہٰ میں پنجم سورۂ فرقان میں ششم سورۂ سجدہ میں ہفتم سورۂ حدید میں اور سب جگہ اس کی شان شہنشاہی اور تدبیر اور تصرف کو بیان کرنا مقصود ہے کہ وہی سارے عالم کا خالق ہے اور وہی تمام کائنات کا مدبر اور ان میں متصرف ہے یہی فی الحقیقت تمہارا رب ہے جس کا حکم آسمانوں اور زمینوں میں جاری ہوتا ہے۔

متشابہات:...... اور اس قسم کی تمام آیتیں اور حدیثیں جن سے بظاہر یہ وہم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مکان یا جہت میں ہے جیسے آیات استواء علی العرش اور احادیث نزول باری تعالیٰ اس قسم کی آیات اور احادیث کو متشابہات کہتے ہیں ان کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے۔

فرقۂ مجسمیہ اور مشبہہ اور کرامیہ:...... اس قسم کی آیات اور احادیث کو ظاہری اور حسی معنی پر محمول کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ استواء علی العرش کے معنی تخت پر بیٹھنے کے ہیں اور جس طرح دنیا کا بادشاہ تخت پر بیٹھتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہے اس گروہ کے نزدیک استواء کے معنی تمکن اور استقرار اور قعود کے ہیں ظاہر پرست اس قسم کے الفاظ کو ظاہری اور عرفی معنی میں لیکر خدا تعالیٰ کے لیے عرش (تخت) پر بیٹھنا ثابت کرتے ہیں۔

اہل حق:...... اہل حق یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک اور منزہ ہے کہ وہ کسی عرش اور تخت پر یا کسی جسم پر متمکن اور مستقر ہو یعنی جس طرح کسی بادشاہ کو یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ تخت پر بیٹھا ہوا ہے یا ایک چارپائی پر بیٹھا ہوا ہے مگر خدا تعالیٰ کو ایسا کہنا ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ اگر (۱) خدا تعالیٰ کسی جسم اور محل پر متمکن اور مستقر ہو تو اس کا مقداری ہونا لازم آئے گا کیونکہ جو چیز کسی جسم پر متمکن ہوتی ہے وہ یا تو اس سے بڑی ہوتی ہے یا چھوٹی ہوتی ہے یا برابر ہوتی ہے اور کمی اور بیشی اور مساوات کے ساتھ وہی شئے موصوف ہوسکتی ہے جو مقداری ہو اور اللہ تعالیٰ کمیت اور کیفیت اور مقدار سے پاک اور منزہ ہے۔ (۲) نیز جو چیز کسی مکان یا جہت میں ہوگی وہ محدود اور متناہی ہوگی اور اطراف اور جوانب میں محصور ہوگی اور جو محدود اور محصور ہے وہ مخلوق اور حادث ہے۔ (۳) نیز خدا تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ﴾ ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ سو ان آیات کو اگر ظاہری معنی پر محمول کیا جائے کہ خدا کی ذات ہر مکان میں موجود ہے اور تمام آسمانوں اور زمینوں میں موجود ہے تو یہ آیتیں استواء علی العرش کی آیت کے معارض پڑیں گی اس لیے کہ جب خدا کی ذات آسمان اور زمینوں میں موجود ہے تو عرش کی خصوصیت باطل ہوئی۔ (۴) نیز حدیث میں آیا ہے "ینزل اللّٰہ کل لیلۃ الی سماء الدنیا۔" خدا تعالیٰ ہر رات آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے اگر اس حدیث کو اپنے ظاہر پر محمول کیا جائے تو لازم آئے گا کہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ کبھی عرش پر بیٹھتا ہے اور کبھی نیچے اترتا ہے اور سب کو معلوم ہے کہ حق تعالیٰ نقل وحرکت سے پاک اور منزہ ہے۔ (۵) اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین پر نمازی کے سامنے کھڑا ہوجاتا ہے کیا کوئی موحد اس بات کی جرأت کرسکتا ہے کہ اس حدیث کو ظاہری معنی پر محمول کرے۔

معاذ اللہ کیا خدا تعالیٰ کبھی عرش پر بیٹھتا ہے اور کبھی آسمان دنیا پر اترتا ہے اور کبھی نمازی کے سامنے آکر کھڑا ہوجاتا ہے

جس کا اہل اسلام میں سے کوئی بھی قائل نہیں۔(۶) بیشمار آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے حق تعالیٰ کی تنزیہ اور تقدیس صراحۃً ثابت ہے اور تمام انبیاء ومرسلین اپنی اپنی امتوں کو ایمان تنزیہی ہی کی دعوت دیتے چلے گئے ایمان تشبیہی وتمثیلی اور اسلام تجسیمی ومقداری کی کسی نبی نے دعوت نہیں دی۔(۸) اور اسی پر تمام صحابہ وتابعین اور سلف اور خلف کا اجماع ہے۔ (۹) اور خدا تعالیٰ کا مکان اور جہت سے پاک اور منزہ ہونا دلائل عقلیہ اور قطعیہ سے ثابت ہے۔(۱۰) اور شریعت کے مسلمات میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے نہ کوئی مکان ہے اور نہ کوئی زمان ہے اور نہ کوئی حد اور نہایت ہے اس خداوند قدوس کی ذات والا صفات مکان اور جہت اور سمت سے مبرا ہے اور کیوں نہ ہو کیونکہ مکان اور جہت کو اسی نے پیدا کیا ہے وہ مکان کے پیدا کرنے سے پہلے بغیر مکان کے تھا۔ بعد میں اس نے اپنی قدرت سے مکان اور جہت کو پیدا کیا۔ پس جس صفت اور شان پر وہ مکان اور جہت کے پیدا کرنے سے پہلے تھا پیدا کرنے کے بعد بھی وہ اسی صفت اور شان پر ہے ھو الاول والاخر۔

متشابہات میں سلف اور خلف کے مسلک کی تشریح

لہٰذا اس قسم کی آیات متشابہات جن سے مکان یا جہت یا تشبیہ اور تمثیل کا شبہ ہوتا ہو سلف اور خلف کے نزدیک بالاجماع ان سے ظاہری اور حسی معنی مراد نہیں اور کلام کو اپنے ظاہر سے ہٹانا اور پھیرنا اسی کا نام تاویل ہے کیونکہ تمام آیتیں اور حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ مکان اور جہت اور سمت سے پاک ہے اور یہ تمام کی تمام نصوص صریحہ اور قطعیہ ہیں اور محکمات ہیں اور شریعت کے مسلمات ہیں جن میں تاویل کی ذرہ برابر گنجائش نہیں اور آیات متشابہات جن سے مکان اور جہت کا شبہ ہوتا ہے وہ ظنی الدلالت ہیں لہٰذا ان میں تاویل کی جائے گی تاکہ قطعیات اور محکمات اور مسلمات کے مخالف نہ رہیں اور محکمات اور متشابہات میں جب بظاہر تعارض نظر آئے تو محکمات کا اتباع واجب ہے اور متشابہ کا اتباع زیغ ہے۔

تاویل اجمالی وتاویل تفصیلی

اب اس تاویل کے دو طور ہیں ایک اجمالی اور ایک تفصیلی اب اس کی تفصیل سنئے!

تاویل اجمالی:......تاویل اجمالی تو یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ ان آیات سے ظاہری اور حسی معنی مراد نہیں اور استواء علی العرش کا یہ مطلب نہیں کہ خدائے قدوس کی ذات مقدس عرش سے متصل اور اس سے ملاقی ہے اور اس پر متمکن اور جاگزیں ہے جس سے جسمیت لازم آئے۔ رہا یہ امر کہ پھر ان سے کیا مراد ہے سو اس کو حق تعالیٰ کے سپرد کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ان سے مراد لیا ہے وہ حق ہے اور ہم بلا تشبیہ اور بلا تمثیل اور بلا کیفیت اللہ کی مراد پر ایمان لاتے ہیں یہ مذہب سلف صالحین اور فقہاء اور محدثین اور اصولیین محققین کا ہے جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ ان سے کسی شخص نے استواء علی العرش کے معنی پوچھے اور سوال کیا کہ حق تعالیٰ عرش پر کیسے مستوی ہے اور اس کا استواء کیسا ہے تو امام مالک رحمہ اللہ نے (حق تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت کی بناء پر) سر نیچے جھکا لیا اور خوف سے پسینہ پسینہ ہو گئے پھر سر اٹھایا اور فرمایا کہ استواء معلوم ہے اور کیفیت مجہول اور غیر معقول ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس سے سوال کرنا بدعت ہے اور اے سائل تو بلاشبہ ایک برا آدمی اور بدعتی شخص ہے پھر اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اس کو یہاں سے نکال دو اس پر آپ کے

اصحاب نے اس کو نکال دیا۔

اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے جیسا کہ شرح فقہ اکبر اور شرح قصیدہ بدء الامالی میں ملا علی قاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کا مطلب یہ تھا کہ استواء کے معنی لغت میں معلوم ہیں عربی زبان میں لفظ استواء متعدد معنی کے لیے مستعمل ہوتا ہے مثلاً کبھی استقرار اور تمکن اور قعود کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور کبھی قصد اور ارادہ اور اقبال اور توجہ اور اکمال اور اتمام اور اعتدال اور استیلاء اور قہر اور غلبہ کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے جس میں سے بعض معنی شان خداوندی کے مناسب ہیں اور بعض غیر مناسب اور حق تعالیٰ نے ہمیں اپنے معنی مرادی کی تعیین سے مطلع نہیں کیا پس ہم قطعی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ معنی مراد ہیں اور وہ معنی مراد نہیں اس لیے مذہب اسلم تفویض و تسلیم ہے کہ ان کی مراد کو اللہ کے سپرد کیا جائے پس استواء علی العرش جو قرآن سے ثابت ہے اس پر ایمان لانا واجب ہے جو خدا کی شان تنزیہ و تقدیس کے شایان ہوں ایسے معنی کے اعتبار سے استواء ثابت کرنا جس میں اجسام کی طرح خدا تعالیٰ کے لیے مکان اور محل لازم آئے یہ جائز نہیں اور خدا تعالیٰ کے لیے جس معنی کا استواء ثابت ہوگا اس میں کیفیت اور کمیت کا شائبہ بھی نہ ہوگا کیونکہ خدا تعالیٰ کمیت اور کیفیت سے پاک اور منزہ ہے۔ قرآن کریم میں نوح علیہ السلام کے قصہ میں آیا ہے ﴿فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ﴾ سو اس آیت میں استواء سے نوح علیہ السلام کا اور ان کے اصحاب کا کشتی میں سوار ہونا اور بیٹھنا مراد ہے تو کیا معاذ اللہ حق تعالیٰ شانہ کے حق میں استواء علی العرش سے عرش پر سوار ہونے اور بیٹھنے کے معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ ﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾ اور امام مالک رحمہ اللہ کا یہ لفظ والکیف غیر معقول اس امر کی واضح دلیل ہے کہ بارگاہ خداوندی میں استواء سے ظاہری اور عرفی معنی مراد نہیں جو لوگوں کی عقل میں آسکیں بلکہ ایسے معنی مراد ہیں کہ جو عقل اور ادراک سے بالاتر ہیں اور ظاہر ہے کہ استواء کے معنی جلوس اور قعود اور استقرار اور تمکن کے ایسے معنی ہیں کہ عامۃ الناس کی عقلیں بھی اس کو جانتی اور سمجھتی ہیں اس معنی پر استواء کو کیسے غیر معقول کہا جا سکتا ہے اور امام مالک رحمہ اللہ نے بیٹھنے اور سوار ہونے کے معنی کے لحاظ سے استواء علی العرش پر ایمان لانے کو واجب قرار نہیں دیا بلکہ اس معنی پر ایمان لانا واجب قرار دیا جو خداوند قدوس کی شان تنزیہ اور تقدیس کے لائق اور مناسب ہو اور آنحضرت ﷺ نے صحابہ کے سامنے ان آیات متشابہات کی تلاوت فرمائی صحابہ سن کر ان پر ایمان لائے اور بلا تشبیہ و تمثیل کے ان امور کو خدا تعالیٰ کے لیے ثابت کیا اور سن کر خاموش ہو گئے اور کیفیت دریافت کرنے کے درپے نہ ہوئے اس لیے ان کے بارہ میں سوال کرنا اور درپے حقیقت و کیفیت ہونا یہ بدعت ہے۔

تاویل تفصیلی: ...... اور تاویل تفصیلی یہ ہے کہ جب ان متشابہات کو بوجہ آیات تنزیہ و تقدیس ظاہری اور حسی معنی پر محمول کرنا ناممکن ہوا تو ضرورت اس کی ہوئی کہ معنی مجازی کی تعیین کی جائے کہ جو اس آیت سے قواعد شریعت اور قواعد عربیت کے تحت رہ کر مراد لیے جا سکتے ہیں مثلاً استواء علی العرش سے علو اور ارتفاع کے معنی مراد لینا یا استیلاء و قہر اور غلبہ کے معنی مراد لینا اور مثلاً وجہ اور نفس سے ذات مراد لینا وغیرہ یہ تاویل تفصیلی ہوئی یہ مذہب جمہور متکلمین کا ہے اور راسخین فی العلم وہ لوگ ہیں جو محکمات کو اصل قرار دے کر متشابہات میں تاویل کرتے ہیں اور جو شخص محکمات کو نظر انداز کر کے متشابہات کو ظاہری اور حسی اور عرفی معنی پر محمول کرے اور اسی کو حقیقت سمجھے تو یہ شخص زائغین میں سے ہے یعنی کج فہم اور جاہل ہے جس کو اپنی جہالت کی بھی خبر

نہیں سلف اور خلف کا حق تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس پر ایمان ہے اور سب اس پر متفق ہیں کہ استواء اور نزول سے ظاہری اور حسی طور پر اترنا اور چڑھنا اور بیٹھنا مراد نہیں۔ رہا یہ امر کہ پھر کیا مراد ہے۔ سو سلف نے معنی مرادی کو اللہ کے سپرد کیا اور خلف نے عوام کو تشبیہ اور تمثیل کے فتنہ سے بچانے کے لیے قواعد عربیت اور قواعد شریعت کے تحت ان متشابہات کے معنی بیان کیے اور محاورات عرب میں جو مجازات کثیر الاستعمال تھے ان پر متشابہات کو محمول کیا اب ہم اس بارہ میں حضرات متکلمین سے جو مختلف تاویلیں منقول ہیں وہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

تاویل اول:...... استواء کے معنی علو اور ارتفاع کے ہیں اور استواء علی العرش سے علو مرتبت اور رفعت شان خداوندی کو بیان کرنا مقصود ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع صحیح میں اسی تاویل کو اختیار فرمایا۔

امام ابوبکر بن فورک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ استواء کے معنی علو اور ارتفاع کے ہیں مگر یہ علو، حاشا باعتبار سمت کے اور مسافت کے نہیں بلکہ باعتبار شان اور مرتبہ کے ہے اور جس شخص نے استواء کو تمکن اور استقراء کے معنی پر محمول کیا اس نے خطاء کی۔ دیکھو مشکل الحدیث صفحہ: ۱۴۶۔

تاویل دوم:...... قفال مروزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ استواء علی العرش کے معنی یہ ہیں کہ آسمان و زمین کے پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ تمام کائنات کی تدبیر اور تصرف کی طرف متوجہ ہوا جیسا کہ سورۂ یونس میں ہے ﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مَا مِن شَفِيعٍ إِلَّا مِن بَعْدِ إِذْنِهِ﴾ الآیۃ۔

سو اس آیت میں استواء علی العرش کے بعد تدبیر عالم کا ذکر فرمایا اور بتلایا کہ تمام عالم میں مدبر اور متصرف وہی خالق سموات وارضین ہے اور وہی فی الحقیقت تمہارا رب ہے لہٰذا تم اسی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کی ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ اور کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ کائنات عالم میں عرش سے بڑی کوئی مخلوق نہیں۔ عرش عظیم اس قدر عظیم ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے اور خداوند ذوالجلال کی اول مخلوقات سے ہے اور اس کی شان شہنشاہی کا مظہر اور تجلی گاہ ہے۔ تمام احکام اور تدابیر کا نزول عرش ہی سے ہوتا ہے استواء علی العرش سے دنیاوی بادشاہوں کی طرح ظاہری اور حسی طور پر تخت نشینی مراد نہیں بلکہ بطور کنایہ اپنی شاہنشاہی اور احکم الحاکمینی کو بیان کرنا ہے کہ آسمان و زمین پیدا کرنے کے بعد تمام کائنات میں اس کے مالکانہ اور شاہنشاہانہ تصرفات اور تدبیرات اور احکام جاری ہو رہے ہیں جیسا کہ سورۂ رعد میں ﴿اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ﴾ کے بعد ﴿يُدَبِّرُ الْأَمْرَ﴾ کا لفظ آیا ہے سو یہ جملہ استواء علی العرش کی تفسیر ہے اور اس آیت میں استوی علی العرش کے بعد یغشی اللیل النہار کا لفظ آیا ہے۔ یہ بھی تدبیر اور تصرف اور اقتدار کامل بیان کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہے کہ آفتاب اور ماہتاب اور تمام ستارے سب ہی اس کے حکم کے سامنے مسخر ہیں اور اس کے علاوہ جہاں کہیں بھی استوی علی العرش کا ذکر آیا ہے سب جگہ اس کے بعد تدبیر اور تصرف ہی کا ذکر ہے گویا کہ بعد کی تمام آیتیں استوی علی العرش کی تفسیر ہیں۔ قفال مروزی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی مزید تفصیل درکار ہو تو امام رازی کی تفسیر کبیر: ۳/ ۲۲۴، دیکھیں نیز تفسیر روح المعانی: ۸/ ۱۱۸ دیکھیں۔

تاویل سوم:...... امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا۔ بعد ازاں عرش میں کوئی فعل اور تصرف فرمایا جس کا نام استواء رکھا اور قرینہ اس کا یہ ہے کہ ﴿خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ﴾ کے بعد ﴿ثُمَّ

﴿اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ کو بصیغۂ ماضی اور بلفظ ''ثم'' ذکر فرمایا ہے جو کلام عرب میں تراخی کے بیان کرنے کے لیے مستعمل ہوتا ہے پس استواء کو فعل ماضی یعنی بلفظ ''استوی'' لانے سے معلوم ہوتا ہے کہ ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ کی طرح یہ کوئی فعل خداوندی تھا اور لفظ ''ثم'' کلام عرب میں تراخی کے بیان کرنے کے لیے مستعمل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ تراخی افعال ہی میں ہوتی ہے صفات خداوندی میں تراخی ممکن نہیں حق تعالیٰ کا ایک فعل دوسرے فعل سے متراخی اور مؤخر ہوسکتا ہے مگر یہ ناممکن ہے کہ ایک صفت دوسری صفت سے متراخی اور مؤخر ہو اللہ تعالیٰ کی تمام صفات ازلی ہیں۔

غرض یہ کہ استواء علی العرش سے حق جل شانہٗ کا کوئی فعل اور تصرف مراد ہے جو اس نے عرش میں کیا اور اس کا نام استواء رکھا جیسے اللہ تعالیٰ ہر شب میں آسمان دنیا میں کوئی فعل اور تصرف فرماتے ہیں جس کا اللہ نے نزول نام رکھا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے ''ینزل ربنا تبارك وتعالیٰ کل لیلة سماء الدنیا'' (ہر رات میں اللہ تعالیٰ سبحانہ آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتے ہیں) سو یہ نزول جس کا حدیث میں ذکر ہے معاذ اللہ یہ نزول جسمانی اور حسی نہیں کہ جس طرح ایک جسم بلندی سے پستی کی طرف اترتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح عرش سے آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے اللہ تعالیٰ حرکت اور انتقال سے پاک اور منزہ ہے بلکہ نزول سے حق تعالیٰ کا کوئی فعل مراد ہے جس کا ظہور اور صدور بوقت شب ہوتا ہے مثلاً نزول رحمت مراد ہے یا نزول ملائکہ وغیرہ مراد ہے (روح المعانی: ۸/۱۱۸) اور حضرات صوفیہ فرماتے ہیں کہ استواء علی العرش سے اللہ کی کوئی خاص تجلی مراد ہے ﴿يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ﴾ رات کو دن پر ڈھانپ دیتا ہے یعنی ظلمت شب، دن پر مثل پردے کے پڑ جاتی ہے اور دن اس سے چھپ جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ دن کے بعد جب رات آتی ہے تو دن اس سے چھپ جاتا ہے گویا کہ دن نے اپنے اوپر ظلمت شب کا لباس پہن لیا ہے اور اسی طرح جب رات کے بعد دن آتا ہے تو رات غائب ہوجاتی ہے۔ حق جل شانہ نے اس آیت میں رات کے بعد دن کے آنے کا ذکر دوسری آیتوں میں فرمادیا ہے جیسے ﴿يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ﴾ لیکن اس آیت میں صرف رات کے دن کو ڈھانک لینے کے ذکر پر اکتفا فرمایا کہ اس کا عکس اور ضد خود بخود سمجھ میں آجائے گی نیز اسی آیت میں حمید بن قیس کی قراءت میں اس طرح آیا ہے ﴿يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ﴾۔ امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ ''معناه ان النهار یغشی اللیل'' (۷/۲۲۱) یعنی دن رات کو ڈھانپ لیتا ہے۔

﴿يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا﴾ طلب کرتی رہے رات دن کو نہایت سرعت اور تیزی کے ساتھ یعنی رات دن کے پیچھے دوڑی چلی آتی ہے دن ختم ہوا تو فوراً رات آپہنچی اور رات ختم ہوئی تو فوراً دن آپہنچا درمیان میں ایک منٹ کا بھی وقفہ نہیں گویا کہ ایک، دوسرے کے تعاقب میں تیزی سے چلا آرہا ہے۔ ﴿وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ۭ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور اسی نے سورج اور چاند ستاروں کو پیدا کیا جو اس کے حکم کے تابع ہیں۔ جب وہ چاہتا ہے طلوع اور جب وہ چاہتا ہے غروب ہوجاتے ہیں۔ ان کی سیر اور ان کا رجوع اور ان کی حرکت کی مقدار اور کیفیت سب اس کے حکم کے تابع ہے آگاہ ہوجاؤ یعنی اچھی طرح سن لو کہ پیدا کرنا اور بنانا اسی کا کام ہے اور اسی کا حکم اور فرماں روائی ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی پیدا کرسکتا ہے اور نہ کسی کا حکم جاری اور نافذ ہے۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے سب قادر مطلق کے حکم سے ہو رہا ہے اور یہ اتفاقی اور طبعی امور نہیں، جیسا کہ ملاحدہ اور دہریہ کا گمان ہے۔ انتہائی بزرگی والا اللہ جو پروردگار ہے سب جہانوں کا اس کی

عظمت اور جلال کی کوئی انتہا نہیں اور اس کے خزانے میں کسی چیز کی کوئی کمی نہیں۔ پس اے لوگو جب تم کو معلوم ہوگیا کہ فی الحقیقت تمہارا رب وہ ہے جو تمام کائنات کا خالق اور ان میں مدبر اور متصرف ہے اور تمام کارخانہ اسی کے حکم سے چل رہا ہے لہٰذا تم ہر حالت اور ہر حاجت میں اپنے ایسے ہی پروردگار سے دعا کیا کرو عاجزی سے اور چپکے چپکے۔ یعنی دعا کا ادب یہ ہے کہ عاجزی اور فروتنی کے ساتھ ہو اور آہستہ آہستہ ہو معلوم ہوا کہ دعا میں اخفاء بہ نسبت جہر کے اولیٰ ہے۔ خدا تعالیٰ نے حضرت زکریا کے اوصاف میں بیان فرمایا ہے، ﴿اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا﴾ کہ اس نے اپنے پروردگار کو آہستہ اور چپکے سے پکارا۔ عطاء رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آمین ایک دعا ہے اور سب کو معلوم ہے کہ دعا کا آہستہ اور خفیہ کرنا بہتر ہے اس لیے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز میں آمین آہستہ کہنا بہتر ہے اور جمہور صحابہ و تابعین کا یہی مذہب کیونکہ دعا میں اخفاء اقرب الی الادب ہے تحقیق اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو دعا میں حد ادب سے نکل جاتے ہیں مثلاً چلا چلا کر دعا مانگنا۔ یا مثلاً یہ دعا مانگنا کہ اے اللہ مجھ کو جنت الفردوس کے دائیں جانب سفید محل عطاء کر اس قسم کی دعائیں خلاف ادب ہیں اور زمین میں اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تلقین سے ملک کا حال درست ہوگیا تو اب ان کی نافرمانی کر کے ملک میں فساد نہ کرو اور نہ خرابی مچاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ نبی کا اتباع اصلاح ہے اور اس کی مخالفت فساد اور خرابی ہے اور سب سے بڑا فساد کفر اور شرک کا ہے باقی ہر معصیت اپنے درجہ کے مطابق فساد اور خرابی ہے اور پکارو اس کو امید و بیم کے ساتھ یعنی قبول ہونے کی امید رکھو اور نہ قبول ہونے سے ڈرتے رہو۔ خلاصہ یہ کہ دعا اور عبادت خوف اور رجاء کے ساتھ ہونی چاہئے بیشک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں سے قریب ہے یعنی ثواب آخرت کے مستحق نیک ہی لوگ ہیں۔ بدکار اس سے دور رہیں گے۔

ذکر تصرفات خداوندی در عالم سفلی وارضی

گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ نے فلکیات اور علویات میں اپنی تدبیر اور تصرف کو بیان کیا اب ان آیات میں سفلیات اور ارضیات اور کائنات الجو میں اپنی تدابیر اور تصرفات کا ذکر کرتے ہیں کہ تمام علویات اور سفلیات میں وہی مدبر اور متصرف ہے اور سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے لہٰذا جو کچھ مانگنا ہے اسی سے مانگو۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور وہ (اللہ) وہ ہے جو اپنی باران رحمت سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لیے بھیجتا ہے۔ باران رحمت کے نزول سے پہلے نرم نرم ہوائیں چلتی ہیں جو بارش کی آمد کی خوشخبری سناتی ہیں یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں پانی کے بوجھ سے بھاری بادلوں کو اٹھاتی ہیں جو بارش کی آمد کی بادل کو ایک مردہ شہر یعنی مردہ اور خشک زمین کی طرف ہانک دیتے ہیں جو ایک عرصہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے بے جان پڑی تھی۔ پھر ہم اس بادل سے پانی برساتے ہیں پھر ہم اس پانی سے ہر قسم کے پھل زمین سے نکالتے ہیں یوں ہی ہم مردوں کو قبروں سے نکالیں گے شاید تم اس مشاہدہ سے نصیحت پکڑو کہ جو اللہ خشک اور بے جان زمین سے اس کو زندہ کر کے اس سے تر و تازہ پھل نکالتا ہے تو وہ مردوں کو جلانے پر قادر ہے جس طرح ہم اپنی قدرت کاملہ سے مردہ زمین کو زندہ اور سرسبز کر سکتے ہیں اسی طرح ہم قیامت کے دن تم کو بھی زمین سے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہیں۔ اس کی قدرت کے اعتبار سے مردہ انسان اور مردہ زمین کا زندہ کرنا سب یکساں ہے اور ہمارا یہ کلام ہدایت التیام اگرچہ مثل باران

رحمت کے فیض رسانی میں یکساں ہے اس کی ذات میں کوئی فرق نہیں مگر جن قلوب کی زمینوں پر یہ بارش نازل ہوتی ہے وہ اپنی استعدادوں اور صلاحیتوں کے اعتبار سے مختلف ہیں جس طرح ہر زمین اپنی صلاحیت اور استعداد کے موافق بارش کا اثر قبول کرتی ہے اسی طرح ہر زمینِ قلب اپنے استعداد اور صلاحیت کے مطابق باران ہدایت کا اثر قبول کرتی ہے عمدہ اور پاکیزہ زمین جب اس پر مینہ برستا ہے تو خدا کے حکم سے اس کا سبزہ خوب نکلتا ہے اور جو زمین خراب ہے یعنی شور اور بنجر ہے سو اول تو اس میں سے کچھ نکلتا نہیں اور اگر نکلتا ہے تو سوائے ناقص اور خراب کے کچھ نہیں نکلتا۔ عمدہ اور پاکیزہ زمین سے مومن کا دل مراد ہے اور ناکارہ اور خراب زمین سے کافر کا دل مراد ہے اور قرآن کریم بمنزلہ باران رحمت اور آب حیات ہے یہ بارش جو مومن کی زمین دل پر برسی تو اس سے طرح طرح کے ثمرات و برکات کا ظہور ہوا اس نے قرآن کریم کے مواعظ سے خوب فائدہ اٹھایا اور کافر کی زمین دل شور تھی اس نے باران ہدایت کا کوئی اثر قبول نہیں کیا بلکہ اس میں سے کفر اور الحاد کے کانٹے اور جھاڑ جھنکاڑ ہی نکلے۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید ودر شورہ بوم خس

ہم اسی طرح نشانیاں بار بار ان لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں جو شکر کرتے ہیں اور نعمتِ ہدایت کی قدر کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مردہ زمین کا زندہ کرنا اور ہر زمین سے الگ الگ نباتات کو اگانا یہ اس کی کمال قدرت اور کمال حکمت کی دلیل ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْۤ

بیشک بھیجا ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف پس اس نے کہا اے میری قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا معبود اس کے سوا

ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کی طرف تو بولا، اے قوم! بندگی کرو اللہ کی، کوئی نہیں تمہارا صاحب اس کے سوا۔

اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ

میں خوف کرتا ہوں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے بولے سردار اس کی قوم کے ہم دیکھتے ہیں تجھ کو صریح بہکا

میں ڈرتا ہوں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے۔ بولے سردار اس کی قوم کے، ہم دیکھتے ہیں تجھ کو صریح بہکا

مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ

ہوا ف۱ بولا اے میری قوم میں ہرگز بہکا نہیں و لیکن میں بھیجا ہوا ہوں جہان کے پروردگار کا پہنچاتا ہوں

ہے۔ بولا، اے قوم! میں کچھ بہکا نہیں ہوں، مگر میں بھیجا ہوں جہان کے صاحب کا۔ پہنچاتا ہوں

ف۱ آدم علیہ السلام کا قصہ ابتدائے سورت میں گزر چکا۔ ان کے بعد نوح علیہ السلام پہلے اولو العزم اور مشہور رسول ہیں جو زمین والوں کی طرف مشرکین کے مقابلے میں بھیجے گئے گو باعتبار اپنی خاص شریعت کے ان کی بعثت خاص اپنی قوم کی طرف مانی جائے تاہم ان اساسی اصولوں کے اعتبار سے جو تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں مشترک ہیں کہا جا سکتا ہے کہ تمام انسان ہر نبی کے مخاطب ہوتے ہیں مثلاً توحید اور اقرار معاد کی تعلیم پر سارے پیغمبر متفق اللسان ہیں تو ایسی چیزوں کی تکذیب کرنا فی الحقیقت تمام انبیاء کی تکذیب کرنا ہے۔ بہر حال نوح علیہ السلام نے توحید وغیرہ کی عام دعوت دی۔ کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے بعد =

رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ

تم کو پیغام اپنے رب کے اور نصیحت کرتا ہوں تم کو اور جانتا ہوں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جو تم نہیں جانتے ف۱ کیا تم کو تعجب ہوا کہ آئی تمہارے پاس

تم کو پیغام اپنے رب کے، اور نصیحت کرتا ہوں اور جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے۔ کیا تم کو تعجب ہوا کہ آئی تم کو

ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ

نصیحت تمہارے رب کی طرف سے ایک مرد کی زبانی جو تم ہی میں سے ہے تاکہ وہ تم کو ڈرائے اور تاکہ تم بچو اور تاکہ تم پر رحم ہو ف۲ پھر انہوں نے اس کو جھٹلایا

نصیحت تمہارے رب کی طرف سے، ایک مرد کے ہاتھ تمہارے بیچ میں سے، کہ تم کو ڈر سنائے اور تم بچو، اور شاید تم پر رحم ہو۔ پھر اس کو جھٹلایا،

فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِی الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا

پھر ہم نے بچا لیا اس کو اور ان کو جو اس کے ساتھ تھے کشتی میں اور غرق کر دیا ان کو جو جھٹلاتے تھے ہماری آیتوں کو بیشک وہ لوگ تھے

پھر ہم نے بچا لیا اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے کشتی میں، اور غرق کیے جو جھٹلاتے تھے ہماری آیتیں۔ وہ لوگ تھے

عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ ع ۸ / ۱۵

اندھے ف۳

اندھے۔

قصۂ اول نوح علیہ السلام

قَالَ تَعَالٰی: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ... الی... اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ﴾

= دس قرن ایسے گزرے کہ ساری اولاد آدم کلمہ توحید پر قائم تھی۔ بت پرستی کی ابتداء ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بیان کے موافق یوں ہوئی کہ بعض صالحین کا انتقال ہو گیا جن کے نام وَدّ، سواع، یغوث، یعوق، نسر تھے، جو سورۂ نوح میں مذکور ہیں۔ لوگوں نے ان کی تصویریں بنالیں تاکہ ان کے احوال و عبادات وغیرہ کی یاد تازہ رہے کچھ مدت کے بعد ان صورتوں کے موافق مجسمے تیار کر لئے حتی کہ کچھ دنوں کے بعد ان کی عبادت ہونے لگی اور یہ بت انہی بزرگوں کے نام سے موسوم کئے گئے۔ جب بت پرستی کی وبا پھیل گئی تو حق تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا۔ انہوں نے طوفان سے پہلے اپنی قوم کو ساڑھے نو سو برس تک توحید و تقویٰ کی طرف بلایا۔ اور دنیا و آخرت کے عذاب سے ڈرایا مگر لوگوں نے ان کی تضلیل و تجہیل کی اور کوئی بات نہ سنی آخر طوفان کے عذاب نے سب کو گھیر لیا اور جیسا کہ نوح نے دعا کی تھی رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا۔ روئے زمین پر کوئی کافر عذاب الٰہی سے نہ بچا۔ بستانی نے "دائرۃ المعارف" میں یورپین محققین کے اقوال طوفان اور عموم طوفان کے متعلق نقل کئے ہیں۔

ف۱ یعنی میں تو ذرا بھی نہیں بہکا، ہاں تم بہک رہے ہو کہ خدا کے پیغامبر کو نہیں پہچانتے جو نہایت فصاحت سے خدائی پیغام تم کو پہنچا رہا ہے اور تمہاری بھلائی چاہتا ہے تم کو عمدہ نصیحتیں کرتا ہے۔ اور خدا کے پاس سے وہ علوم و ہدایت لے کر آیا ہے جن سے تم جاہل ہو۔

ف۲ یعنی اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ تم ہی میں سے خدا کسی ایک فرد کو اپنی پیغام رسانی کے لئے چن لے۔ آخر اس نے ساری مخلوق میں سے منصب خلافت کے لئے آدم علیہ السلام کو کسی مخصوص استعداد کی بنا پر چن لیا تو کیوں نہیں ہو سکتا کہ اولاد آدم میں سے بعض کامل الاستعداد لوگوں کا منصب نبوت و رسالت کے لئے انتخاب کر لیا جائے تاکہ وہ لوگ براہ راست خدا سے فیض پا کر دوسروں کو ان کے انجام سے آگاہ کریں اور یہ اس پر آگاہ ہو کر بدی سے بچ جائیں اور اس طرح خدا کے رحم و کرم کے مورد بنیں۔

ف۳ یعنی حق و باطل اور نفع و نقصان کچھ نہ سوجھا۔ اندھے ہو کر برابر سرکشی اور تکذیب و بغاوت پر قائم رہے اور بت پرستی وغیرہ حرکات سے باز نہ آئے، تو ہم نے معدودے چند مومنین کو بچا کر جو نوح علیہ السلام کے ہمراہ کشتی پر سوار ہوئے تھے، باقی سب مکذبین کا بیڑا غرق کر دیا۔ اب جس قدر انسان دنیا میں موجود ہیں وہ =

ربط:...... اس سورت کے شروع میں حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا اور پھر اسی ذیل میں فتنۂ شیطان سے بچنے کی تاکید اکید فرمائی اور بعد ازاں اس عہد قدیم کو یاد دلایا کہ جو حق تعالیٰ نے اولاد آدم سے عالم ارواح میں لیا تھا اب اس کے بعد دیگر حضرات انبیاء کرام کے قصے برعایت ترتیب بیان کرتے ہیں جو متعدد فوائد کو متضمن ہیں۔ (اول) یہ کہ حضرات انبیاء سے سرکشی اور سرتابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں قدیم زمانہ سے یہ سلسلہ چلا آ رہا ہے کہ لوگ اپنے اپنے زمانے کے پیغمبروں کی تکذیب کرتے رہے۔ (دوم) یہ کہ انبیاء کرام کے مخالفین کا انجام ہمیشہ خراب ہی رہا دنیا میں بھی خوار و ذلیل ہوئے اور آخرت کا عذاب اس کے علاوہ رہا۔ (سوم) یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا باوجود اُمّی ہونے کے انبیاء سابقین کے واقعات اور حالات کو صحیح صحیح بیان کرنا یہ آپ کے ملہم من اللہ ہونے کی دلیل ہے بغیر وحی ربانی کے ہزار ہا اور صد ہا سال قبل کے واقعات کا علم عقلاً محال ہے۔

۲- نیز یہ بتلانا ہے کہ آپ جو توحید اور رسالت اور قیامت کی تعلیم دے رہے ہیں۔ انبیاء سابقین بھی اپنی امتوں کو یہی تعلیم دیتے رہے جس کو انہوں نے نہ مانا تو انہوں نے اس کا خمیازہ بھی بھگتا۔

۳- نیز گزشتہ آیات میں بنی آدم کو یہ خطاب فرمایا تھا۔ ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ﴾ الآیۃ۔ اس لیے حسب وعدۂ سابق انبیاء کرام کے واقعات بیان فرماتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد بہت دنوں تک لوگ شریعت الٰہیہ پر قائم رہے ایک عرصہ کے بعد بت پرستی شروع ہوئی تو نوح علیہ السلام پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ان کو اپنی قوم سے بہت تکلیفیں پہنچیں ساڑھے نو سو برس تک آپ ان کو تبلیغ کرتے رہے اور وہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے رہے بالآخر اللہ پاک نے ان کی قوم پر عذاب نازل کیا پانی کا طوفان بھیجا جس سے ایک کافر بھی جانبر نہ ہو سکا۔ صرف حضرت نوح علیہ السلام اور جو لوگ ان پر ایمان لائے تھے وہ بچ گئے باقی سب ہلاک اور برباد ہوئے اور نوح علیہ السلام کی کشتی بنانے اور طوفان عام کے آنے کا مفصل قصہ ان شاء اللہ سورۂ ہود میں آئے گا۔

نوح علیہ السلام چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے اور ساڑھے نو سو برس قوم کو تبلیغ کرتے رہے یہاں تک کہ طوفان آیا اور سوائے اہل ایمان کے سب غرق ہوئے طوفان کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے یہاں تک کہ آبادی کثیر ہو گئی۔ (تفسیر قرطبی: ۷ر۲۳۳)

البتہ تحقیق ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا تا کہ ان کی باران موعظت سے دلوں کی زمین بقدر اپنی صلاحیت کے زندہ اور سرسبز اور شاداب ہو سکے پس نوح علیہ السلام نہایت شفقت سے بولے اے میری قوم تم صرف اللہ کی عبادت کرو تمہارے لیے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بت پرستی کو چھوڑ کر ہمہ تن اسی معبود برحق کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ تحقیق میں ڈر رہا ہوں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے اگر تم نے میرا کہنا نہ مانا بڑے دن سے قیامت کا دن مراد ہے یا طوفان کا دن مراد ہے۔ ان کی قوم کے سرداروں نے جواب دیا اے نوح تحقیق ہم تجھ کو کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں یعنی جو ہم کو بتوں کی پرستش سے چھڑاتا ہے اور صرف ایک خدا کی عبادت کی دعوت دیتا ہے۔ تیری عقل ماری گئی۔ نوح علیہ السلام نے کہا اے

=ان ہی اہل سفینہ بلکہ صرف حضرت نوح کی ذریت ہیں۔

میری قوم مجھ میں ذرہ برابر گمراہی نہیں۔ گمراہی نے تو مجھے مَس ● بھی نہیں کیا۔ معبود کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ حیطۂ ادراک واحساس سے بالاتر اور برتر ہو اور اپنے پرستاروں کا تراشیدہ نہ ہو لیکن میں پروردگار عالم کا فرستادہ ہوں جس میں کسی قسم کی گمراہی کا احتمال اور امکان نہیں۔ میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہہ رہا ہوں۔ تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں تاکہ تم لوگ گمراہی سے نجات پاؤ اور محض تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں اور عقل کا تقاضہ ہے کہ خیر خواہ کی بات کو سنا جائے خاص کر ایسا خیر خواہ جس میں اس کی کوئی دنیوی غرض نہ ہو اور علاوہ ازیں میں خدا کی طرف سے ان چیزوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے یعنی مجھ پر وحی آتی ہے جس کے ذریعے مجھے آئندہ پیش آنے والے امور کی اطلاع ہو جاتی ہے۔ منجملہ اس کے مجھے بذریعہ وحی کے یہ خبر دے دی گئی ہے کہ جو ایمان نہیں لائیگا اس پر عذاب الٰہی نازل ہوگا میں بحق خیر خواہی تم کو اس آنے والے عذاب سے خبردار کر دیا کیا تم میری نبوت ورسالت اور نزول وحی کے منکر ہو اور تم کو اس سے تعجب ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک مرد کی معرفت جو تمہاری ہی جنس میں سے ہے ایک نصیحت اور ہدایت آگئی۔ سو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں جب تم آدمی ہو تو تمہارے ڈرانے کے لیے پیغمبر بھی آدمیوں میں سے ہی ہوگا۔ اگر فرشتوں میں سے پیغمبر ہوتا تو تم اسے دیکھ بھی نہ سکتے اس لیے تمہیں میں کا ایک مرد کامل خدا کا پیغام لے کر تمہارے پاس آیا تاکہ وہ مرد تم کو عذاب الٰہی سے ڈرائے اور تاکہ تم اس کے ڈرانے سے ڈر جاؤ اور تقویٰ کو اختیار کرو۔ اور تاکہ تم پر مہربانی کی جائے۔ تقویٰ رحمت اور سعادت کا ذریعہ ہے۔ کفار کی قدیم عادت ہے کہ وہ اپنے جیسے بشر کو وحی الٰہی اور رسالت خداوندی کا مستحق خیال نہ کرتے تھے۔ نوح علیہ السلام نے اسی اعتراض کے جواب میں یہ کہا مطلب یہ ہے کہ ارسال رسل سے مقصود انذار ہے اور انذار، بشریت کے منافی نہیں پس منذر کے بشر ہونے سے تعجب کرنا حماقت ہے تم لوگ ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کی پرستش کرتے ہو اور باوجود حجریت کے ان کی الوہیت کے قائل ہو۔ حجریت (پتھر ہونا) تو الوہیت کے منافی نہ ہوئی عجیب بات کہ بشریت کو نبوت ورسالت کے منافی سمجھتے ہو۔ پس وہ لوگ باوجود اس ہدایت اور نصیحت کے ان کی تکذیب پر جمے رہے اور برابر ان کو جھٹلاتے رہے پس اس وقت ہم نے نوح علیہ السلام کی صداقت کو ظاہر کرنے کے لیے وہ عذاب بھیج دیا جس کی انہوں نے پہلے خبر دے دی تھی اور نوح علیہ السلام کو اور ان کے صحابہ کو جو کشتی میں ان کے ساتھ تھے طوفان اور غرق سے بچا لیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں اور ہدایتوں اور نصیحتوں کو جھٹلایا تھا ان سب کو طوفان میں غرق کر دیا تحقیق وہ لوگ دل کے اندھے تھے ان کو حق اور باطل کا فرق نظر نہ آیا۔ زجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عمین سے مراد یہ ہے کہ وہ دل کے اندھے تھے نہ کہ آنکھوں کے ان کو ایمان اور حق نظر نہ آیا یا یہ معنی ہیں کہ نزول عذاب سے اندھے تھے۔ مفصل قصہ ان شاء اللہ تعالیٰ سورۂ ہود میں آئے گا۔

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۚ أَفَلَا

اور قوم عاد کی طرف بھیجا ان کے بھائی ہود کو ف۱ بولا اے میری قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا معبود اس کے سوا کیا تم

اور عاد کی طرف بھیجا ان کا بھائی ہود۔ بولا، اے قوم! بندگی کرو اللہ کی، کوئی نہیں تمہارا صاحب اس کے سوا، کیا تم کو

ف۱ "عاد" حضرت نوح علیہ السلام کے پوتے ارم کی اولاد میں ہیں۔ یہ قوم اسی کی طرف منسوب ہے ان کی سکونت "احقاف" (یمن) میں تھی۔ حضرت ہود علیہ السلام اسی =

● یہ ترجمہ "لیس بی ضلالۃ" کی با کا ہے اس لیے کہ باء الصاق کے لیے ہوتی ہے۔ منہ عفا اللہ عنہ

تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ

ڈرتے نہیں ف۱ بولے سردار جو کافر تھے اس کی قوم میں ہم تو دیکھتے ہیں تجھ کو عقل نہیں اور ہم تو

ڈر نہیں ؟ بولے سردار جو منکر تھے اس کی قوم میں، ہم تو دیکھتے ہیں تجھ کو عقل نہیں، اور ہماری اٹکل میں تو

الْكٰذِبِیْنَ ﴿۶۶﴾ قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۷﴾

تجھ کو جھوٹا گمان کرتے ہیں ف۲ بولا اے میری قوم میں کچھ بےعقل نہیں لیکن میں بھیجا ہوا ہوں پروردگار عالم کا

جھوٹا ہے۔ بولا، اے قوم ! میں کچھ بےعقل نہیں، لیکن میں بھیجا ہوں جہان کے صاحب کا۔

اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ﴿۶۸﴾ اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

پہنچاتا ہوں تم کو پیغام اپنے رب کے اور میں تمہارا خیرخواہ ہوں اطمینان کے لائق ف۳ کیا تم کو تعجب ہوا کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی

پہنچاتا ہوں تم کو پیغام اپنے رب کے اور میں تمہارا خیرخواہ ہوں معتبر۔ کیا تم کو تعجب ہوا کہ آئی تم کو نصیحت تمہارے رب کی

عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ ؕ وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ

طرف سے ایک مرد کی زبانی جو تم ہی میں سے ہے تاکہ تم کو ڈرائے اور یاد کرو جب تم کو سردار کردیا پیچھے قوم نوح کے ف۴

ایک مرد کے ہاتھ تمہارے بیچ میں سے، کہ تم کو ڈر سنائے ؟ اور یاد کرو کہ تم کو سردار کردیا پیچھے قوم نوح کے،

وَّ زَادَكُمْ فِی الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا

اور زیادہ کردیا تمہارے بدن کا پھیلاؤ ف۵ سو یاد کرو اللہ کے احسان تاکہ تمہارا بھلا ہو ف۶ بولے کیا تو اس واسطے ہمارے پاس آیا

اور زیادہ دیا تم کو بدن میں پھیلاؤ، سو یاد کرو احسان اللہ کا، شاید تمہارا بھلا ہو۔ بولے، کیا تو اس واسطے آیا

=قوم سے ہیں۔ اس لحاظ سے وہ ان کے قومی اور وطنی بھائی ہوئے۔

ف۱ ان لوگوں میں بت پرستی پھیل گئی تھی۔ روزی دینے، مینہ برسانے، تندرست کرنے اور مختلف مطالب وحاجات کے لئے الگ الگ دیوتا بنا رکھے تھے۔ جن کی پرستش ہوتی تھی۔ ہود علیہ السلام نے اس سے روکا اور اس جرم عظیم کی سزا سے ان کو ڈرایا۔

ف۲ یعنی معاذ اللہ ! تم بےعقل ہو کہ باپ دادا کی روش چھوڑ کر ساری برادری سے الگ ہوتے ہو اور جھوٹے بھی ہو کہ اپنے اقوال کو خدا کی طرف منسوب کرکے خوامخواہ عذاب کا ڈراوا دیتے ہو۔

ف۳ یعنی میری کوئی بات بےعقلی کی نہیں، ہاں جو منصب رسالت مجھ کو خدا کی طرف سے تفویض ہوا ہے اس کا حق ادا کرتا ہوں۔ یہ تمہاری بےعقلی ہے کہ اپنے حقیقی خیرخواہوں کو جن کی امانت و دیانت پہلے سے لائق اطمینان ہے بےعقل کہہ کر خود اپنا نقصان کرتے ہو۔

ف۴ یعنی قوم نوح کے بعد دنیا میں تمہاری حکومتیں قائم کیں اور اس کی جگہ تم کو آباد کیا۔ شاید یہ احسان یاد دلا کر اس پر بھی متنبہ کرنا ہے کہ بت پرستی اور تکذیب رسول کی بدولت جو حشر ان کا ہوا وہ کہیں تمہارا نہ ہو۔

ف۵ جسمانی قوت اور ڈیل ڈول کے اعتبار سے یہ قوم مشہور تھی۔

ف۶ جو احسانات مذکور ہوئے وہ اور ان کے علاوہ خدا کے دوسرے بےشمار احسانات یاد کرکے اس کے شکرگذار اور فرمانبردار بننا چاہیے نہ یہ کہ منعم حقیقی سے بغاوت کرنے لگو۔

لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ

کہ ہم بندگی کریں اللہ اکیلے کی اور چھوڑ دیں جن کو پوجتے رہے ہمارے باپ دادے پس تو لے آ ہمارے پاس جس چیز سے تو ہم کو ڈراتا ہے اگر تو

ہم پاس کہ بندگی کریں نری اللہ کی، اور چھوڑ دیں جن کو پوجتے تھے ہمارے باپ دادے، تو لے آ جو وعدہ دیتا ہے ہم کو، اگر تو

الصّٰدِقِيْنَ ۝ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ

سچا ہے ف۱ کہا تم پر واقع ہوچکا ہے تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور غصہ ف۲ کیوں جھگڑتے ہو مجھ سے

سچا ہے۔ کہا تم پر پڑچکی ہے تمہارے رب کے ہاں سے، بلا اور غصہ۔ کیوں جھگڑتے ہو مجھ سے

اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ

ان ناموں پر کہ رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے نہیں اتاری اللہ نے ان کی کوئی سند سو منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ

کئی ناموں پر کہ رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے، نہیں اتاری اللہ نے ان کی کچھ سند۔ سو راہ دیکھو، میں بھی تمہارے ساتھ

مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

منتظر ہوں ف۳ پھر ہم نے بچا لیا اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے اپنی رحمت سے اور جڑ کاٹی ان کی جو جھٹلاتے تھے

راہ دیکھتا ہوں۔ پھر جب ہم نے بچا دیا اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے اپنی مہر سے۔ اور پچھاڑی کاٹی ان کی جو جھٹلاتے تھے

بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ ع ۸ / ۱۲

ہماری آیتوں کو اور نہیں مانتے تھے ف۴

ہماری آیتیں، اور نہ تھے ماننے والے۔

قصہ دوم حضرت ہود علیہ السلام با قوم عاد

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ... الى ... وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾

ربط:...... اب دوسرا قصہ قوم عاد کا بیان کرتے ہیں یہ قوم طوفان نوح کے بعد ملک عرب کے جنوبی حصہ یعنی یمن میں آباد تھی۔ یمن میں ایک مقام احقاف تھا وہاں یہ لوگ رہتے تھے اور اس قوم کے لوگ بڑے قدآور اور تناور تھے اور حضرت نوح علیہ السلام کے بعد

ف۱ یعنی جس عذاب کی ہم کو دھمکی دیتے ہیں، اگر آپ سچے ہیں تو وہ لے آئیے۔

ف۲ یعنی جب تمہاری سرکشی اور گستاخانہ بے حیائی اس حد تک پہنچ چکی تو سمجھ لو خدا کا عذاب اور غضب تم پر نازل ہی ہوچکا اس کے آنے میں اب کچھ دیر نہیں۔

ف۳ بتوں کو جو کہتے تھے کہ فلاں رزق دینے والا ہے اور فلاں مینہ برسانے والا اور فلاں بیٹا عطاء کرنے والا وعلٰی ہذا القیاس، یہ محض نام ہی نام ہیں جن کے نیچے کوئی حقیقت اور واقعیت نہیں، خدائی صفات پتھروں میں کہاں سے آئیں۔ پھر ان نام کے معبودوں کے پیچھے جن کی معبودیت کی کوئی عقلی یا نقلی سند نہیں، بلکہ کل عقلی و نقلی دلائل جسے مردود ٹھہراتے ہیں، تم دعوئ توحید میں مجھ سے جھگڑے اور بحثیں کرتے ہو۔ جب تمہارے جہل اور شقاوت و عناد کا پیمانہ اس قدر لبریز ہوچکا ہے تو انتظار کرو کہ خدا ہمارے تمہارے ان جھگڑوں کا فیصلہ کردے۔ میں بھی اسی فیصلہ کا منتظر ہوں۔

ف۴ یعنی ان پر سات رات اور آٹھ دن تک مسلسل آندھی کا طوفان آیا جس سے تمام کفار ٹکرا ٹکرا کر اور پٹک پٹک کر ہلاک کر دیئے گئے۔ یہ تو "عاد اولیٰ" کا انجام ہوا۔ اور اسی قوم کی دوسری شاخ (ثمود) جسے "عاد ثانیہ" کہتے ہیں، اس کا ذکر آگے آتا ہے۔

ہود علیہ السلام اس قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے یہ قوم اپنی قوت بت پرست تھی اور صنم تراشی میں ماہر تھی اور اس قوم کے لوگ نہایت سرکش اور ظالم تھے اور ان کو پر ناز تھا اور یہ کہا کرتے تھے کہ دنیا میں ہم سے زیادہ کوئی قوی نہیں ﴿وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً﴾۔

ہود علیہ السلام نے ان کو نصیحت کی اور شرک اور ظلم سے منع کیا اور عذاب الٰہی سے ڈرایا مگر کچھ اثر نہ ہوا جسم کی طرح ان کے دل بھی سخت تھے کچھ اقل قلیل لوگ ان پر ایمان لائے اور اکثروں نے ان کی تکذیب کی اور ملک میں فساد برپا کیا اور شرارت حد سے گزر گئی تو اللہ تعالیٰ نے تین سال تک ان سے بارش کو روک لیا جس سے ان کا ناک میں دم آ گیا اس زمانے میں لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب ان پر کوئی بلا یا مصیبت نازل ہوئی تو سب کے سب مکہ معظمہ میں بیت اللہ کے مقام پر جمع ہو کر خدا تعالیٰ سے اس مصیبت کے دفعیہ کی دعا کرتے اس دستور کے مطابق یہاں کے لوگوں نے کچھ لوگوں کو مکہ معظمہ بھیجا کہ وہاں جا کر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ یہ قحط دور کرے اور پانی برسائے اس زمانے میں مکہ معظمہ میں عمالقہ کی قوم کے کچھ لوگ رہتے تھے ان دنوں عمالقہ کا سردار اور رئیس معاویہ بن بکر تھا یہ لوگ وہاں جا کر ٹھہرے معاویہ نے ان کی خوب مہمانداری کی یہ قحط زدہ بھوکے جب وہاں پہنچے اور کھانے پینے کو خوب ملا تو دعا وغیرہ سب بھول گئے۔ ایک ماہ تک یہ لوگ اس کے یہاں پڑے رہے اور خوب شرابیں پیتے رہے جب معاویہ بن بکر نے یکھا کہ یہ لوگ اس کے یہاں سے کسی طرح نکلتے ہی نہیں اور جس کام کے لیے ان کی قوم نے بھیجا ہے اس سے بالکل غافل ہو گئے ہیں تو معاویہ بوجہ شرم کے خود تو کچھ کہہ نہ سکا مگر اس نے گانے والی چھوکریوں کو چند اشعار سکھا دیئے جن کا مطلب یہی تھا کہ "اے لوگو قوم عاد کے لیے دعا کرو شاید اللہ کی رحمت ان پر نازل ہو تم تو یہاں عیش وعشرت میں مبتلا ہو مگر قوم عاد کی حالت وہاں بہت خراب اور خستہ ہے" یہ سن کر وہ لوگ چونکے اور دعا کرنے کے لیے کعبہ کے سامنے جب حاضر ہوئے جا کر دعا کی اس وقت تین ابر نمودار ہوئے ایک سفید اور ایک سیاہ اور یک سرخ پھر آسمان سے ایک آواز آئی کہ اپنی قوم کے لیے ان تین بادلوں سے جس بادل کو چاہو اختیار کر لو۔ تو ان لوگوں نے اس خیال سے کہ سیاہ بادل میں پانی زیادہ ہوگا سیاہ کو اختیار کر لیا وہ بادل قوم عاد کی طرف چل دیا جب وہ بادل، عاد کے قریب پہنچا تو اسے دیکھ کر خوش ہوئے اور سمجھے کہ بادل ہم پر پانی برسائے گا ﴿فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۔ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا﴾۔ مگر وہ بادل درحقیقت مجسم قہر الٰہی تھا۔ جب ان کے قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ بادل تو آندھی ہے اس اس میں سے آندھی نمودار ہوئی کہ آدمیوں کو اوپر لے جاتی تھی پھر انہیں سر کے بل زمین پر گرا دیتی تھی اور سر بدن سے ٹوٹ کر علیحدہ ہو جاتا تھا۔ ﴿بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۔ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا﴾ وہ آندھی ان لوگوں پر سات آٹھ دن رہی جس نے قوم عاد کا خاتمہ کر دیا۔ بڑے بڑے قد آور اور شہ زور ایسے پڑے تھے جیسے جڑ سے اکھڑے ہوئے درخت۔ ﴿سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۔ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۔ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ﴾ الآیۃ۔ مگر مومنوں کو خدا تعالیٰ نے اس آندھی سے بچا لیا صرف حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے اصحاب اور اہل ایمان اس قہر الٰہی سے محفوظ رہے۔

(دیکھو تفسیر ابن کثیر: ۲/۲۲۵ و ۲/۲۲۶ روح المعانی: ۸/۱۴۰ و ۱۴۱)

بعض علماء کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہود علیہ السلام مکہ میں آ کر آباد ہو گئے اور ڈیڑھ سو برس کی عمر میں یہیں انتقال ہوا اور مطاف کعبہ میں مدفون ہوئے یہ تو عاد اولیٰ کا انجام ہوا اور اسی قوم کی دوسری شاخ ثمود ہے جسے عاد ثانیہ کہتے ہیں اس کا ذکر

آئندہ آیات میں آتا ہے۔

تفسیر:...... اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے برادری یا وطنی بھائی ہود علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا ان آیتوں میں قوم عاد کا ذکر ہے جو عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح کی طرف منسوب ہے۔ یہ ایک بڑی مغرور اور متکبر قوم تھی جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہود بن عبداللہ بن رباح بن الخلود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح کو پیغمبر بنا کر بھیجا تھا یہ لوگ یمن کے مشہور ریگستان احقاف میں عمان اور حضر موت کے درمیان آباد تھے انہی کو عاد اولیٰ کہتے ہیں اور یہ قوم، قوم نوح کے بعد سب سے پرانی قوم ہے ان کے بعد ایک قوم عاد اور بھی ہوئی ہے جو عاد ثانیہ کے نام سے مشہور ہے جن کا قصہ اس کے بعد آئے گا۔

حضرت ہود علیہ السلام اگرچہ ملت اور مذہب کے اعتبار سے اس قوم سے بالکل جدا تھے مگر چونکہ نسب اور خاندان میں ان کے شریک تھے اس لیے حق تعالیٰ نے ہود علیہ السلام کو ان کا بھائی کہا۔ اور تاکہ معلوم ہو جائے کہ ہود علیہ السلام کی بعثت اپنی قوم تک محدود تھی عام نہ تھی جیسا کہ ﴿وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ﴾ سے یہ بتلانا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام فقط بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے ہمارے نبی اکرم ﷺ کی طرح سارے عالم کی طرف مبعوث نہیں ہوئے۔ ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم تم کو چاہئے کہ میرے مثل خدا کے پرستار ہو جاؤ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں کیا تم اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے جو یوں بے باکانہ کفر اور شرک کر رہے ہو۔ ان کی قوم کے سرداروں نے جواب دیا کہ ہم تجھ کو بے عقلی اور بے وقوفی میں مبتلا دیکھتے ہیں۔ کہ تو نے آباء و اجداد کے دین کو ترک کر دیا جو عقلاء کا دین تھا اور اگر بالفرض ہم تجھ کو کمال عقل کے ساتھ بھی موصوف دیکھتے تب بھی تیرا اتباع نہ کرتے اس لیے کہ ہم اپنے گمان اور خیال میں یہ سمجھتے ہیں کہ تو جھوٹوں میں سے ہے یعنی تو جو ہم کو ایک خدا کے پوجنے کی دعوت دیتا ہے اور بتوں کی پرستش سے منع کرتا ہے اور آبائی دین کی مخالفت کرتا ہے یہ تیری جہالت اور حماقت ہے اور یہ جو تو پیغمبری کا دعویٰ کرتا ہے اس میں تو جھوٹا ہے ایک بشر کیسے نبی اور رسول ہو سکتا ہے اور تم جھوٹ موٹ ہم کو عذاب الٰہی سے ڈراتے ہو۔ ہود علیہ السلام بولے اے قوم بحمدہ تعالیٰ مجھ میں تو ذرہ برابر بے عقلی اور بے وقوفی نہیں بیوقوف تو تم ہو کہ اپنے خود تراشیدہ پتھروں کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہو۔ ولیکن میں تو جہانوں کے پروردگار کی طرف سے پیغمبر ہوں تمہاری صلاح اور فلاح کا پیغام لے کر آیا ہوں اور خدا کا فرستادہ اور پیغامبر کبھی بے عقل ہو ہی نہیں سکتا میں تم کو اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچاتا ہوں تاکہ تمہاری اصلاح ہو اور میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں اور خدا کے پیغام میں امانت دار اور معتبر ہوں میری نصیحت اور خیر خواہی اور امانت اور دیانت تم کو بھی معلوم ہے کیا اس کے بعد بھی تم مجھ کو جھوٹا سمجھتے ہو اور تم کو اس سے تعجب ہے کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے تم ہی کے ایک مرد کی زبانی ایک نصیحت اور ہدایت آئی تاکہ تم کو عذاب الٰہی سے ڈرائے سو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ خدا تعالیٰ نے آدم اور ادریس اور نوح علیہم السلام پر وحی نازل کی جو تمہاری ہی جنس سے تھے۔ اور عذاب الٰہی سے ڈراتے تھے اور یاد کرو تم اللہ کے اس احسان کو کہ اس نے تم کو قوم نوح کے ہلاک کرنے کے بعد ان کا جانشین بنایا اور ان سے زیادہ تم پر انعام کیا کہ جسامت میں تم کو زیادہ پھیلا دیا کہ جسمانی قوت اور ڈیل ڈول اور تن توش میں تم کو ان سے زیادہ بنایا پس تم اللہ کی نعمتوں کو زیادہ یاد کرو۔ اور زیادہ شکر کرو تاکہ تم زیادہ فلاح پاؤ اس لیے کہ ذکر اور شکر ہی فلاح اور نجات کا ذریعہ ہے وہ لوگ جواب میں بولے اے ہود! کیا تو

ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم صرف ایک خدا کی بندگی کریں اور ان بتوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباء واجداد پرستش کیا کرتے تھے۔ پس تو ہمارے پاس وہ عذاب اور قہر لے آ جسکا تو ہم سے وعدہ کرتا ہے اگر تو سچوں میں سے ہے۔ ہود نے کہا کہ جب تمہاری سرکشی اور ڈھٹائی یہاں تک پہنچ گئی ہے تو سن لو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب نازل ہوا ہی چاہتا ہے جو عنقریب آ کر تمہاری اس سرکشی اور ڈھٹائی کو ختم کردے گا کیا تم مجھ سے ایسے بے حقیقت ناموں کے بارہ میں جھگڑتے ہو جنہیں تم نے اور تمہارے آباء واجداد نے رکھ لیے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے جن کے بارہ میں اللہ نے کوئی دلیل اور سند نہیں اتاری یعنی واقع میں وہ معبود نہیں مگر تم نے بلا دلیل ان کا نام معبود رکھ لیا ہے پس اب تم نزول عذاب کے منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ اس کا منتظر ہوں پس چندے انتظار کے بعد عذاب آیا اور ہم نے ہود علیہ السلام کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ تھے یعنی مومنین تھے اپنی رحمت اور مہربانی سے عذاب سے بچالیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کی جڑ کاٹ دی یعنی ان کو بالکل ہلاک کردیا اور وہ لوگ ایمان لانے والے نہ تھے ان کی قساوت قلبی انتہا کو پہنچ چکی تھی یعنی بالفرض اگر وہ ہلاک نہ بھی ہوتے تب بھی وہ ماننے والے نہ تھے ان کی سنگ دلی انتہاء کو پہنچ چکی تھی۔ اس لیے ہم نے بمقتضائے حکمت ان کا خاتمہ ہی کردیا اور بیخ وبنیاد سے اکھاڑ کر ان کو پھینک دیا۔

فالحمد للہ رب العلمین۔ کما قال تعالیٰ: ﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾۔

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ قَدْ

اور ثمود کی طرف بھیجا ان کے بھائی صالح کو بولا اے میری قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا معبود اس کے سوا

اور ثمود کی طرف بھیجا ان کا بھائی صالح، بولا، اے قوم! بندگی کرو اللہ کی، کوئی نہیں تمہارا صاحب اس کے سوا۔

جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا

تم کو پہنچ چکی ہے دلیل تمہارے رب کی طرف سے فـ۱ یہ اونٹنی اللہ کی ہے تمہارے لیے نشانی سو اس کو چھوڑ دو کہ کھائے اللہ کی زمین میں اور اس کو

تم کو پہنچ چکی ہے دلیل تمہارے رب کی طرف سے۔ یہ اونٹنی اللہ کی، اس سے ہے تم کو نشانی، سو اس کو چھوڑ دو، کھاوے اللہ کی زمین میں، اور اس کو

تَمَسُّوْهَا بِسُوْۗءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاۗءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ

ہاتھ نہ لگاؤ بری طرح پھر تم کو پکڑے گا عذاب دردناک فـ۲ اور یاد کرو جب کہ تم کو سردار کردیا عاد کے پیچھے

ہاتھ نہ لگاؤ بری طرح، پھر تم کو پکڑے گی دکھ کی مار۔ اور وہ یاد کرو، جب تم کو سردار کیا، عاد کے پیچھے،

فـ۱ یعنی جو دلیل تم مانگ رہے تھے وہ پہنچ گئی۔ صالح علیہ السلام کی قوم نے ان سے عہد واقرار کیا تھا کہ آپ پتھر کی ایک ٹھوس چٹان میں سے حاملہ اونٹنی نکال دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے خدا نے حضرت صالح علیہ السلام کی دعا سے ویسا ہی کر دیا۔ ان کو کہا جارہا ہے کہ تمہارا فرمائشی معجزہ تو خدا نے دکھلا دیا۔ اب ایمان لانے میں کیا تامل ہے۔

فـ۲ یعنی یہ اونٹنی خدا کی قدرت اور میری صداقت کی نشانی ہے، جو میری دعا پر غیر معتاد طریقہ سے خدا نے پیدا کی، اس کے حقوق کی رعایت کرو۔ مثلاً خدا کی زمین میں مباح گھاس کھانے اور اس کی باری میں پانی پینے سے نہ روکو۔ غرض خدا کے اس نشان کے ساتھ جو تم نے خود مانگ کر حاصل کیا ہے، برائی سے پیش =

وَبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ

اور ٹھکانا دیا تم کو زمین میں کہ بناتے ہو نرم زمین میں محل اور تراشتے ہو پہاڑوں کے گھر

اور ٹھکانا دیا زمین میں، بناتے ہو نرم زمین میں محل، اور تراشتے ہو پہاڑوں کے گھر۔

فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝۷۴ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا

سو یاد کرو احسان اللہ کے اور مت مچاتے پھرو زمین میں فساد ف۱ کہنے لگے سردار جو متکبر تھے

سو یاد کرو احسان اللہ کے اور مت مچاتے پھرو زمین میں فساد۔ کہنے لگے سردار جو بڑائی رکھتے تھے

مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ

اس کی قوم میں غریب لوگوں کو کہ جو ان میں ایمان لا چکے تھے کیا تم کو یقین ہے کہ صالح کو بھیجا ہے اس کے رب نے

اس کی قوم میں سے، غریب لوگوں کو جو ان میں یقین رکھتے تھے، یہ تم کو معلوم ہے کہ صالح بھیجا ہے اپنے رب کا۔

قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝۷۵ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ

بولے ہم کو تو جو وہ لے کر آیا اس پر یقین ہے کہنے لگے وہ لوگ جو متکبر تھے جس پر تم کو یقین ہے ہم

بولے، ہم کو جو اس کے ہاتھ بھیجا، یقین ہے۔ کہنے لگے بڑائی والے، جو تم نے یقین کیا سو ہم

كٰفِرُوْنَ ۝۷۶ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ

ان کو نہیں مانتے ف۲ پھر انہوں نے کاٹ ڈالا اونٹنی کو اور پھر گئے اپنے رب کے حکم سے ف۳ اور بولے اے صالح لے آ ہم پر جس سے تو ہم کو ڈراتا تھا اگر

نہیں مانتے۔ پھر کاٹ ڈالی اونٹنی، اور پھرے اپنے رب کے حکم سے، اور بولے، اے صالح! لے آ ہم پر جو وعدہ دیتا ہے اگر

كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۷۷ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝۷۸ فَتَوَلّٰى

تو رسول ہے ف۴ پس آ پکڑا ان کو زلزلہ نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھر میں اوندھے پڑے ف۵ پھر صالح الٹا پھرا

تو بھیجا ہے۔ پھر پکڑا ان کو زلزلے نے، پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھر میں اوندھے پڑے۔ پھر الٹا پھرا

= مت آؤ، ورنہ تمہاری بھی خیر نہیں۔

ف۱ یعنی احسان فراموشی اور شرک وکفر کر کے زمین میں خرابی مت پھیلاؤ۔

ف۲ قوم میں جو بڑے بڑے متکبر سردار اور معاندین تھے وہ غریب اور کمزور مسلمانوں سے استہزاء کہتے تھے کہ (کیا بڑے آدمی تو آج تک نہ سمجھے؟ مگر) تمہیں معلوم ہو گیا کہ صالح خدا کا بھیجا ہوا ہے؟ مسلمانوں نے جواب دیا کہ (معلوم ہونا کیا معنیٰ۔ معلوم تو تم کو بھی ہے) ہاں ہم دل سے قبول کر کے اس پر ایمان لا چکے ہیں۔ متکبرین اس حکیمانہ جواب سے کھسیانے ہو کر بولے کہ جس چیز کو تم نے مان لیا ہے ہم ابھی تک اسے نہیں مانتے۔ پھر بھلا تمہارے جیسے چند خستہ حال آدمیوں کا ایمان لے آنا کونسی بڑی کامیابی ہے۔

ف۳ کہتے ہیں کہ وہ اونٹنی اس قدر عظیم الجثہ اور ڈیل ڈول کی تھی کہ جس جنگل میں چرتی دوسرے مویشی ڈر کر بھاگ جاتے اور اپنی باری کے دن جس کنوئیں سے پانی پیتی کنواں خالی کر دیتی۔ گویا جیسے اس کی پیدائش غیر معمولی طریقہ سے ہوئی لوازم و آثار حیات بھی غیر معمولی تھے۔ آخر لوگوں نے عِناد میں آ کر اس کے قتل پر اتفاق کر لیا۔ اور بدبخت "قدار" نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ بعدہٗ خود حضرت صالح علیہ السلام کے قتل پر بھی تیار ہونے لگے اور اس طرح خدا کے احکام کو جو "صالح" اور =

عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ

ان سے اور بولا اے میری قوم میں پہنچا چکا تم کو پیغام اپنے رب کا اور خیرخواہی کی تمہاری لیکن تم کو محبت نہیں

ان سے، اور بولا، اے قوم ! میں پہنچا چکا تم کو پیغام اپنے رب کا اور بھلا چاہا تمہارا، لیکن تم نہیں چاہتے، بھلا

النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾

خیرخواہوں سے ف ۱

چاہنے والوں کو۔

قصہ سوم حضرت صالح علیہ السلام با قوم ثمود

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ... الی ... وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ﴾

ربط : ...... اب یہ تیسرا قصہ قوم ثمود اور حضرت صالح علیہ السلام کا بیان فرماتے ہیں، ثمود، قوم عاد کے بعد ہوئے ہیں یہ لوگ عرب کے رہنے والے تھے مدینہ اور شام کے درمیان ان کا وطن تھا۔ آنحضرت ﷺ جب ۹ ھ میں تبوک کی طرف تشریف لے گئے تو راستہ میں ان کے شہر اور مکانات پر سے گزر ہوا اور وہاں کچھ قیام کا بھی اتفاق ہوا لوگوں نے ان کے کنوئیں سے پانی بھرا اور اس سے آٹا گوندھا۔ جب آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ جس قدر پانی بھرا گیا ہے پھینک دیا جائے پھر آپ نے وہاں سے کوچ فرمایا اور اس کنوئیں کے قریب جا کر قیام کیا جہاں سے صالح علیہ السلام کی ناقہ پانی پیتی تھی۔ اس کنوئیں سے آپ ﷺ نے پانی پینے کا حکم دیا۔ یہ قوم نہایت مرفہ الحال تھی مگر یہ بدنصیب بت پرست اور بدکار تھے اور علانیہ فواحش کے مرتکب تھے ان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا صالح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو توحید اور احکام الٰہی کی دعوت دی تو انہوں نے امتحاناً ایک خاص معجزہ کا سوال کیا کہ اگر تم اس صخرہ (سنگ سخت یعنی چٹان) سے ایک حاملہ اونٹنی نکال دو تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے نماز پڑھ کر دعاء کی یکا یک وہ پتھر ہلا اور پھٹا اور اس میں سے ایک حاملہ اونٹنی نمودار ہوئی جسکے شکم میں اس کا بچہ جنبش کرتا تھا اس معجزہ کے ظاہر ہونے پر کچھ لوگ تو ایمان لے آئے اور اکثر لوگ کفر پر قائم رہے پھر اس اونٹنی کے ایک بچہ پیدا ہوا حضرت صالح علیہ السلام نے لوگوں سے کہہ دیا کہ دیکھو اس اونٹنی کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچانا ورنہ تم پر عذاب الٰہی نازل ہوگا۔ وہ اونٹنی نہایت قوی ہیکل اور ہیبت ناک تھی لوگوں کے جانور اس کو

=" ناقہ" کے متعلق تھے پس پشت ڈال دیا۔

ف ۴ ایسے کلمات انسان کی زبان سے اس وقت نکلتے ہیں جب خدا کے قہر و غضب سے بالکل بے خوف ہو جاتا ہے۔ "عاد اولیٰ" کی طرح "ثمود" بھی اس مرتبہ پر پہنچ کر عذاب الٰہی کے مورد بنے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

ف ۵ دوسری آیت میں ان کا "صیحہ" (چیخ) سے ہلاک ہونا بیان فرمایا ہے۔ شاید نیچے سے زلزلہ اور اوپر سے ہولناک آواز آئی ہوگی۔

ف ۱ کہتے کہ حضرت صالح قوم کی ہلاکت کے بعد مکہ معظمہ یا ملک شام کی طرف چلے گئے اور جاتے ہوئے ان لاشوں کے انبار دیکھ کر یہ خطاب فرمایا، یا تو اسی طرح جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولین بدر کو فرمایا تھا اور یا محض بطور تحسر فرضی خطاب تھا۔ جیسے شعراء دیار و اطلال (کھنڈرات) وغیرہ کو خطاب کرتے ہیں۔ اور بعض نے کہا کہ یہ خطاب ہلاکت سے پہلے تھا اس صورت میں بیان میں ترتیب واقعات مرعیٰ نہ ہوگی۔ بہرحال اس خطاب میں دوسروں کو سنانا تھا کہ اپنے معتبر خیرخواہوں کی بات ماننی چاہیے۔ جب کوئی شخص خیرخواہوں کی قدر نہیں کرتا تو ایسا نتیجہ دیکھنا پڑتا ہے۔

دیکھ کر بھاگ جاتے تھے، جس دن وہ پانی پیتی اس دن کوئی جانور پانی نہیں پیتا تھا اور ایک دن اس کے پانی پینے کا مقرر تھا اور دوسرے دن اور لوگوں کے مواشی کا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ﴿لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ﴾۔ جاننا چاہئے کہ خدا کی قدرت کے اعتبار سے ماں کا بطن اور صخرہ (چٹان) کا باطن سب برابر ہیں۔ جو خدا اپنی قدرت سے ایک انڈے میں سے چوزہ نکال سکتا ہے وہ پتھر میں سے اونٹنی بھی نکال سکتا ہے اس کی قدرت کے لحاظ سے چوزہ اور ناقہ سب برابر ہیں خوب سمجھ لو کہ ملاحدہ اور زنادقہ کے وسوسوں میں نہ پڑو۔

اس معجزے کو دیکھ کر جندع بن عمرو جو کہ روساء ثمود میں سے تھا وہ اور اس کے رفقاء ایمان لے آئے اور بقیہ اشراف اور رؤساء اور اکثر لوگ ایمان نہیں لائے بلکہ کفر اور عداوت میں اور شدید ہو گئے اور دشمنی پر تل گئے بالآخر لوگوں نے جوش عداوت میں اس اونٹنی کے پیر کاٹ ڈالے اور اس کو ذبح کر ڈالا اونٹنی کے بچہ نے جب یہ حال دیکھا تو بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا اور جس پتھر سے صالح علیہ السلام کا ناقہ نکلا تھا وہ کشادہ ہو گیا وہ بچہ اس کے اندر گھس گیا اور غائب ہو گیا حضرت صالح علیہ السلام کو جب یہ خبر ملی تو سخت ملول ہوئے اور قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تمہارا وقت اب پورا ہو چکا ہے اب تم تین دن تک جو چاہو کر و چوتھے دن تم پر عذاب آئے گا بعض لوگوں نے یہ ارادہ کیا کہ عذاب آنے سے پہلے ہی صالح کو مار ڈالا جائے کہ اگر یہ سچا ہے تو ہم سے پہلے مارا جائے اور اگر جھوٹا ہے تو اس کو اس کی ناقہ سے ملا دیا جائے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾۔

چنانچہ انہوں نے جب یہ فعل کیا تو پنجشنبہ کی صبح کے وقت ان کے چہرے زرد ہو گئے اور جمعہ کے دن ان کے چہرے سرخ ہو گئے اور شنبہ کے روز ان کے چہرے سیاہ ہو گئے تین دن گزرنے کے بعد چوتھے روز، بروز یکشنبہ ان پر عذاب اس طرح آیا کہ آسمان کی طرف سے ایک صیحہ (چنگھاڑ) یعنی ایک سخت ہولناک آواز آئی اور زمین کی طرف سے ایک رجفہ (سخت زلزلہ) نمودار ہوا جس سے ایک دم میں سب کی جانیں نکل گئیں کوئی شخص ان میں سے نہ بچا چھوٹا بڑا مرد عورت بوڑھے جوان بچے سب کے سب مر کر رہ گئے سب اوندھے منہ پڑے ہوئے تھے اس عذاب سے اس قوم میں کا صرف ایک شخص ابو رغال نامی بچا جو حرم میں رہ گیا تھا لیکن جب وہ حدود حرم سے باہر نکلا تو وہ بھی عذاب سے ہلاک ہو گیا (تفسیر ابن کثیر: ۲/۲۲۷ تا ۲۲۹ و روح المعانی: ۸/۱۴۵۔۱۴۷)

قوم ثمود کی ہلاکت اور بربادی کے بعد صالح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے مسلمان مکہ معظمہ آ کر مقیم ہو گئے اور وہیں صالح علیہ السلام کا انتقال ہوا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ثمود کی ہلاکت کے بعد انہیں بستیوں میں آباد رہے۔

تنبیہ:...... قوم ثمود کی ہلاکت کے بارہ میں اس جگہ تو ''رجفہ'' کا لفظ آیا ہے یعنی ایک عظیم اور شدید زلزلہ آیا جس سے وہ ہلاک ہو گئے اور سورۂ ہود میں ''صیحہ'' کا لفظ آیا ہے یعنی ایک چنگھاڑ اور سخت ہولناک آواز آئی جس سے ان کے دل پھٹ گئے چنانچہ سورۂ ہود میں اس طرح آیا ہے: ﴿فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ۝ فَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِىِٕذٍ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ﴾۔

اور سورۂ الحاقہ میں لفظ طاغیہ آیا ہے، ﴿فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ﴾۔ سو ان آیات میں کوئی تعارض اور

اختلاف نہیں اس قوم پر نیچے سے یعنی زمین سے زلزلہ آیا اوپر سے یعنی آسمان سے ایک سخت ہولناک آواز آئی یا یوں کہو کہ اس زلزلہ ہی میں سخت آواز تھی جس سے ان کے دل پھٹ گئے اور یہ دونوں باتیں ان کی ہلاکت کا سبب بنیں اور لفظ "طا" غیہ جس کے معنی حد سے گزرنے والی چیز کے ہیں سو وہ دونوں باتوں کو شامل ہے زلزلہ کو بھی اور ہولناک آواز کو بھی (دیکھو روح المعانی: ۸ / ۱۴۴)

تفسیر:...... اور قوم ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ صالح نے کہا اے میری قوم اللہ کو پوجو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ان کی قوم نے ایک خاص معجزہ کی درخواست کی کہ آپ پتھر کی اس ٹھوس چٹان میں سے حاملہ اونٹنی نکال دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں چنانچہ آپ نے خدا تعالیٰ سے دعا کی۔ خدا تعالیٰ نے ان کی دعا سے ایسا ہی کر دیا کہ وہ پتھر پھٹا اور اس میں سے ایک بڑی اونٹنی نکلی (رواہ محمد بن اسحاق) صالح علیہ السلام نے قوم کو اول دعوت توحید دی اور بعد ازاں ان کی فرمائش کے مطابق ایک معجزہ ظہور میں آیا جو ان کی نبوت کی دلیل تھی۔ اس فرمائشی معجزے کے ظہور کے بعد صالح علیہ السلام نے فرمایا اے قوم تحقیق تمہارے پروردگار کی طرف سے میری نبوت کی ایک واضح دلیل آ چکی ہے وہ یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے میری نبوت کی ایک نشانی ہے جو بغیر نر اور مادہ کے ایک ٹھوس پتھر سے نکلی ہے اور کامل الخلقت ہے اور بغیر حمل اور بغیر تدریج کے ظاہر ہوئی ہے اور میری دعا سے خدا تعالیٰ نے غیر معتاد طریقہ سے اس کو پتھر سے نکالا ہے تم اس کے حقوق کی رعایت کرو مثلاً خدا کی زمین میں مباح گھاس سے اس کو نہ روکو۔ غرض یہ کہ جس نشان کو تم نے خدا تعالیٰ سے خود مانگ کر حاصل کیا ہے اس کے ساتھ برائی سے نہ پیش آؤ ورنہ تمہاری خیر نہیں۔

نکتہ:...... اس معجزہ میں اشارہ اس طرف تھا کہ جو خدا اپنی قدرت سے اور اپنے رسول کی دعا کی برکت سے ایک سخت چٹان میں حیات اور زندگی کے آثار پیدا کر سکتا ہے۔ اسی طرح جو دل پتھر کی طرح سخت ہو چکے ہیں۔ نبی کی دعا و برکت سے اور ان کی متابعت سے ان میں بھی زندگی کے آثار نمایاں ہو سکتے ہیں۔ پس تم اس اونٹنی کو چھٹا چھوڑ دو کہ وہ اللہ کی زمین میں جہاں چاہے کھاتی اور چرتی پھرے کیونکہ یہ اونٹنی اللہ کی ہے اور یہ زمین اور گھاس بھی اللہ ہی کی ہے۔ تمہیں روکنے کا کوئی حق نہیں۔ اور تم اس کو برے ارادہ سے ہاتھ بھی نہ لگانا ورنہ تم کو دردناک عذاب آ پکڑے گا۔ اس لیے کہ جو شخص اس درجہ سنگدل ہو کہ اللہ کی نشانی کو مٹانا چاہے وہ بلاشبہ دردناک عذاب کا مستحق ہے اور اللہ کے اس احسان کو یاد کرو کہ قوم عاد کے ہلاکت کے بعد تم کو ان کا جانشین کیا۔ تاکہ اس حیات دنیویہ کو حیات اخرویہ کا ذریعہ بناؤ اور زمین میں تم کو ٹھکانہ دیا کہ اس کی نرم زمینوں میں تم محل بناتے ہو اور پہاڑوں میں پتھروں میں سے گھر تراشتے ہو قوم ثمود بڑی مالدار اور خوشحال اور صناع تھی گرمیوں میں رہنے کے لیے نرم زمینوں میں گھر بناتے تھے اور جاڑوں کے لیے پہاڑوں میں پتھر کے گھر تراشتے تھے۔ پس تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور ان کا شکر کرو۔ اور کم از کم زمین میں فساد تو نہ مچاتے پھرو۔ اور کفر اور شرک اور نبی کی مخالفت سے بڑھ کر کوئی فتنہ اور فساد نہیں ان کی قوم کے سرداروں نے جو متکبر تھے ان ناتواں اہل ایمان سے جو ضعیف اور ناتواں سمجھے جاتے تھے یہ کہا کہ کیا تم کو یہ یقین ہے کہ صالح اپنے پروردگار کی طرف سے ہماری جانب پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اہل ایمان نے جواب میں کہا کہ ان کی نبوت میں کوئی شبہ ہی نہیں۔ تحقیق ہم ان تمام چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں جو وہ منجانب اللہ دے کر بھیجے گئے تم

مسئلہ ان کی نبوت کا نہ پوچھو وہ تو بالکل بدیہی ہے تم تو مسئلہ ایمان کا پوچھو اور ان پر ایمان لانے کی سوچو ہم تو ان کی ہدایتوں پر بے چون وچرا ایمان لا چکے ہیں چاہے ان کی باتیں ہماری عقلوں میں آئیں یا نہ آئیں۔ جو لوگ متکبر اور سرکش تھے وہ بولے کہ ہم ان تمام چیزوں کے جن پر تم ایمان اور اعتقاد رکھتے ہو ہم اس کے کافر اور منکر ہیں۔ ہم نہ ان کی نبوت رسالت کو مانتے ہیں اور نہ ان کے اس معجزہ یعنی ناقہ کے معجزہ کو مانتے ہیں اور نہ اس کو مانتے ہیں کہ ناقہ کو مار ڈالنے سے کوئی عذاب آ جائے گا پھر انہوں نے صلاح اور مشورہ کر کے اس اونٹنی کے پیر کاٹ ڈالے اور خدا تعالیٰ کے حکم سے سرکشی کی اور صالح علیہ السلام کو جھٹلا دیا اور کہا اے صالح تو اس عذاب کو لے آ جس کا تو ہم سے وعدہ کرتا ہے اگر تو واقعی رسولوں میں سے ہے اور تیرا گمان یہ ہے کہ خدا اپنے رسولوں کی، دشمنوں کے مقابلے میں مدد کرتا ہے پس جب ان کی جرأت اس درجہ پہنچ گئی کہ خدا کے پیغمبر کا برملا مذاق اڑانے لگے تو غیرت خداوندی جوش میں آ گئی اور ایک زلزلے نے ان کو آ پکڑا نیچے سے ایک زلزلہ آیا اور اوپر سے ایک "صیحہ" (چنگھاڑ یعنی سخت آواز) آئی جس سے سب کا دم نکل گیا۔ پس صبح کے وقت اپنے گھروں میں اپنے گھٹنوں پر اوندھے پڑے ہوئے تھے یعنی جب صبح ہوئی تو جو جہاں تھا وہیں اپنے گھٹنوں پر مرا پڑا تھا۔ پس صالح علیہ السلام نے ان کے مرنے کے بعد ان سے منہ پھیرا اور ان مردودوں سے بطور ملامت یہ کہا اے میری قوم میں نے تم کو اپنے پروردگار کا حکم پہنچا دیا تھا اور میں نے تمہاری پوری خیر خواہی کی لیکن تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔ اپنے ناصح کی ایک نہ سنی بالآخر یہ روز بد دیکھا صالح علیہ السلام کا اپنی قوم سے ہلاکت کے بعد یہ خطاب ایسا تھا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولین بدر سے کہا تھا ھل وجدتم ما وعد ربکم حقاً۔ مقصود اس سے دوسروں کو سنانا تھا۔ تا کہ ماننے والوں کے ایمان میں زیادتی ہو اور دوسرے لوگ عبرت پکڑیں۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾

اور بھیجا لوط کو جب کہا اس نے اپنی قوم کو کیا تم کرتے ہو ایسی بے حیائی کہ تم سے پہلے نہیں کیا اس کو کسی نے جہان میں ف ۱

اور لوط کو بھیجا، جب کہا اپنی قوم کو، کیا کرتے ہو بے حیائی؟ تم سے پہلے نہیں کی یہ کسی نے جہان میں۔

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَمَا

تم تو دوڑتے ہو مردوں پر شہوت کے مارے عورتوں کو چھوڑ کر بلکہ تم لوگ ہو حد سے گزرنے والے ف ۲ اور کچھ

تم تو دوڑتے ہو مردوں پر، شہوت کے مارے، عورتیں چھوڑ کر۔ بلکہ تم لوگ حد پر نہیں رہتے۔ اور کچھ

ف ۱ لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے بھتیجے ہیں جو ان کے ساتھ عراق سے ہجرت کر کے ملک شام میں تشریف لائے اور خدا کی طرف سے سدوم اور ان کے گردونواح کی بستیوں کی طرف مبعوث ہوئے تا کہ ان کی اصلاح فرمائیں اور ان گندے، خلاف فطرت اور بے حیائی کے کاموں سے باز رکھیں جن میں وہاں کے لوگ مبتلا تھے۔ نہ صرف مبتلا بلکہ اس بے حیائی کے موجد تھے۔ ان سے پیشتر عالم میں اس بیماری سے کوئی واقف نہ تھا۔ اولاً یہ ملعون حرکت شیطان نے سدوم والوں کو سکھائی اور وہیں سے دوسرے مقامات میں پھیلی۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اس ملعون و شنیع حرکت کے عواقب پر متنبہ کیا۔ اور گندگی کو دنیا سے مٹانا چاہا موجودہ بائبل کے جمع کرنے والوں کی شرمناک جسارت پر ماتم کرنا پڑتا ہے کہ ایسے پاکباز اور معصوم پیغمبر کی نسبت جو دنیا کو بے حیائی اور گندگی سے پاک کرنے کے لیے آیا تھا۔ ایسی سخت ناپاک حرکات منسوب کیں جن کے سننے سے حیادار آدمی کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ﴾۔

كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾

جواب نہ دیا اس کی قوم نے مگر یہی کہا کہ نکالو ان کو اپنے شہر سے یہ لوگ بہت ہی پاک رہنا چاہتے ہیں

جواب نہ دیا اس کی قوم نے، مگر یہی کہا نکالو ان کو اپنے شہر سے، یہ لوگ ہیں ستھرائی چاہتے۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۭ

پھر بچادیا ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو مگر اس کی عورت کہ رہ گئی وہاں کے رہنے والوں میں ف۱ اور برسایا ہم نے ان کے اوپر مینہ یعنی پتھروں کا ف۲

پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو مگر اس کی عورت رہ گئی رہنے والوں میں۔ اور برسایا ان پر برساؤ،

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ ع ۱۰

پھر دیکھ کیا ہوا انجام گناہ گاروں کا ف۳

پھر دیکھ آخر کیسا ہوا حال گنہگاروں کا۔

قصہ چہارم حضرت لوط علیہ السلام باقوم او

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ... الى... فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ﴾

ربط:...... یہ چوتھا قصہ لوط علیہ السلام کا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور شہر سدوم کے رہنے والوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے یہ شہر، شرق اردن کے علاقہ سے قریب ہے یہ لوگ بت پرست اور نہایت بدکار تھے لڑکوں سے بدفعلی کیا کرتے تھے۔ یہی بدبخت قوم اس ناپاک عمل کی موجد تھی ان سے پہلے دنیا کی کسی قوم نے یہ خبیث فعل نہیں کیا تھا اور یہ لوگ لٹیرے بھی تھے تاجروں کو لوٹ لیتے تھے اور بے حیا اس قدر تھے کہ بھری مجلسوں میں بے حیائیوں کے مرتکب ہوتے حضرت لوط علیہ السلام نے

=یُغْوُلُوْنَ اِلَّا کَذِبًا﴾

ف۴ یعنی صرف یہ ہی نہیں کہ ایک گناہ کے تم مرتکب ہو رہے ہو بلکہ اس خلاف فطرت فعل کا ارتکاب اس کی دلیل ہے کہ تم انسانیت کی حدود سے بھی باہر نکل چکے ہو۔

ف۱ یعنی آخری بات انہوں نے یہ کہی کہ جب ہم سب کو یہ گندہ سمجھتے ہیں اور آپ پاک بننا چاہتے ہیں تو گندوں میں پاکوں کا کیا کام۔ لہٰذا انہیں اپنی بستی ہی سے نکال دینا چاہیے کہ یہ روز روز کی رکاوٹ ختم ہو۔ خیر وہ ملعون تو کیا نکالتے ہاں حق تعالیٰ نے لوط علیہ السلام اور ان کے متعلقین کو عزت و عافیت کے ساتھ صحیح و سالم ان بستیوں سے نکال لیا اور ان بستیوں پر عذاب مسلط کر دیا۔ جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ لوط علیہ السلام کے متعلقین میں سے صرف ان کی بیوی آپ سے علیحدہ رہی اور معذبین کے ساتھ ہلاک ہوئی کیونکہ اس کا ساز باز ان معذبین سے تھا۔ لوط علیہ السلام کے یہاں جو مہمان وغیرہ آتے ان کی اطلاع یہ ہی کیا کرتی اور ان کو بدکاری کی ترغیب دیتی تھی۔ یا جیسا کہ بعض نے لکھا ہے مردوں کی طرح عورتوں میں بھی "مساحقہ" کا رواج ہوگیا تھا۔ یہ عورت اس میں مبتلا تھی۔ بہر حال عذاب ان سب پر آیا جو اس مہلک مرض میں مبتلا تھے اور نہایت ڈھٹائی کے ساتھ نبی کا مقابلہ اور تکذیب کرتے تھے، یا جو کفر و فحش کے سسٹم میں ان کے معین و مددگار تھے۔

ف۲ دوسری جگہ مذکور ہے کہ بستیاں الٹ دی گئیں اور پتھروں کا مینہ برسایا گیا بعض ائمہ کے نزدیک آج بھی لوطی کی سزا یہ ہے کہ کسی پہاڑ وغیرہ بلند مقام سے اسے گرایا جائے اور اوپر سے پتھر مارے جائیں، اور سخت بدبودار گندی جگہ میں مقید کیا جائے۔

ف۳ یعنی گناہ کرتے وقت اس کا بد انجام سامنے نہیں آتا۔ عامل شہوت و لذت کے غلبہ میں وہ بات کر گزرتا ہے جو عقل و انسانیت کے خلاف ہے لیکن عقلمند کو چاہیے کہ دوسروں کے واقعات سن کر عبرت حاصل کرے اور بدی کے انجام کو ہمیشہ پیش نظر رکھے۔

انہیں بہت سمجھایا اور اس بدکاری اور بے حیائی سے منع کیا۔ ﴿اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ﴾ مگر بدنصیبوں نے کچھ نہ سنا تب ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا اور چند فرشتے حسین لڑکوں کی صورت میں بن کر حضرت لوط علیہ السلام کے مہمان ہوئے جب ان کی قوم کو یہ خبر ہوئی تو لوط علیہ السلام کا مکان آ کر گھیر لیا اور ان سے کہا کہ اپنے مہمانوں کو ہمارے حوالہ کرو۔ لوط علیہ السلام نے کہا کہ ایسا ظلم نہ کرو میری لڑکیاں موجود ہیں ان سے نکاح کر لو مگر میرے مہمانوں کو نہ ستاؤ انہوں نے بالکل نہ مانا تب فرشتوں نے کہا اے لوط! تم گھبراؤ نہیں ہم خدا کے فرشتے ہیں انہیں غارت کرنے کے لیے آئے ہیں تم اپنے تمام کنبے کو اور مسلمانوں کو لے کر نکل جاؤ چنانچہ وہ نکل گئے مگر ان کی بیوی جو کافرہ تھی وہ پیچھے رہ گئی اور عذاب میں مبتلا ہوئی حسب وعدۂ خداوندی صبح کے وقت اس قوم پر یہ عذاب آیا کہ وہ تمام بستیاں الٹادی گئیں اور پھر اوپر سے ان پر پتھروں کا مینہ برسایا گیا۔ جبریل علیہ السلام نے قوم لوط کی بستیوں کو جڑ سے اکھاڑا اور آسمان کی طرف لے جا کر ان کو اوپر سے نیچے گرایا پھر اوپر سے ان پر پتھروں کا مینہ برسایا یہ قصہ ان شاء اللہ تعالیٰ سورۂ ہود میں تفصیل کے ساتھ آئے گا۔

تفسیر:...... اور ہم نے لوط علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے آپ کا نسب نامہ یہ ہے لوط بن ہاران بن تارخ جب اس نے اپنی قوم اہل سدوم سے کہا جن کی طرف وہ نبی بنا کر بھیجے گئے تھے کیا تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جو قباحت میں انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔ جس کو تم سے پہلے جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا۔ اس گناہ کے تم ہی موجد ہو تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں (یعنی لڑکوں) کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو۔ تمہارا مقصود صرف شہوت رانی ہے نسل اور اولاد تمہارا مقصود نہیں نسل کے لیے اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو پیدا کیا ہے کہ مرد اوپر رہوں اور عورتیں نیچے اور تم نے جو طریقہ اختیار کیا وہ سراسر خلاف فطرت ہے بلکہ تم حد سے نکل جانے والی قوم ہو۔ یعنی صرف اتنا ہی نہیں کہ تم اس فعل سے گناہ یا غلطی کے مرتکب ہو رہے ہو بلکہ تمہارا یہ خلاف فطرت فعل اس کی دلیل ہے کہ تم انسانیت کی حدود سے بھی باہر نکل چکے ہو اور اس نصیحت کے بعد ان کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ بعض بعض سے کہنے لگے کہ لوط علیہ السلام اور ان کے پیروؤں کو اپنی بستی سے نکال دو یہ لوگ بڑے پاکباز بنتے ہیں کہ ہم کو گندہ بتلاتے ہیں یعنی یہ لوگ جب اپنی پاکی کے مدعی ہیں تو ہم ناپاکوں میں ان پاکوں کا کیا کام ان کو یہاں سے نکال دو۔ خیر وہ ملعون تو کیا نکالتے خدا تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے اصحاب کو عزت اور راحت کے ساتھ صحیح و سالم ان بستیوں سے نکال لیا اور ان نکالنے والوں پر عذاب مسلط کر دیا۔ پس جب ان کے تمسخر کی نوبت یہاں تک پہنچی تو ہم نے لوط کو اور ان کے متعلقین کو عذاب سے بچا لیا مگر ان کی بیوی ان لوگوں میں رہ گئی جو عذاب میں رہ گئے تھے اور ہم نے ان پر پتھروں کا مینہ برسایا اور دوسری جگہ یہ آیا ہے کہ وہ بستیاں الٹ دی گئیں اور پتھروں کا مینہ ان پر برسایا گیا کما قال تعالیٰ: ﴿فَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ﴾۔ چونکہ ان لوگوں نے بھی عالی (مرد) کو سافل بنایا اور نیچے لٹا کر اس سے لواطت کی اس لیے اس فعل شنیع کی سزا میں پوری بستی کو زیر و زبر، تہہ و بالا کیا گیا اسی بناء پر ان بستیوں کو مؤتفکات کہتے ہیں، اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسے شخص کی سزا یہ ہے کہ اس کو کسی بلند مقام پہاڑ یا منارہ وغیرہ سے گرا دیا جائے یا اسے سنگسار کیا جائے اور اوپر سے پتھر مارے جائیں تا آنکہ وہ مرجائے جیسا کہ قوم لوط کے ساتھ کیا گیا اور بعض علماء کے نزدیک اس کی سزا مثل زنا کے ہے کہ اگر

لوطی محصن ہے تو رجم یعنی سنگسار کیا جائیگا اور اگر محصن نہیں تو سو کوڑے لگائے جائیں گے اور بعض علماء کے نزدیک صرف قتل کر دینا کافی ہے جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب تم کسی کو قوم لوط جیسا عمل کرتے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر ڈالو (رواہ احمد وابوداود والترمذی وابن ماجہ تفسیر ابن کثیر: ۲/۲۳۱) اور اسی طرح یہ فعل عورتوں کے ساتھ بھی بالاجماع حرام ہے۔ پس اے دیکھنے والے دیکھ تو سہی ان مجرموں کا انجام کیسا خراب ہوا اس لیے فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں کہ لواطت کی حرمت زنا کی حرمت سے کہیں زیادہ شدید ہے اس لیے لواطت کی سزا حنفیہ کے نزدیک زنا کی سزا سے بڑھ کر ہے جیسا کہ ابھی بیان ہوا۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ

اور مدین کی طرف بھیجا ان کے بھائی شعیب کو ف۱ بولا اے میری قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا معبود اس کے سوا

اور مدین کو بھیجا ان کا بھائی شعیب۔ بولا، اے قوم! بندگی کرو اللہ کی، کوئی نہیں تمہارا صاحب اس کے سوا۔ پہنچ

جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ

تمہارے پاس پہنچ چکی ہے دلیل تمہارے رب کی طرف سے ف۲ سو پوری کرو ناپ اور تول اور مت گھٹا کر دو لوگوں کو

چکی تم کو دلیل تمہارے رب کی طرف سے، سو پوری کرو ماپ اور تول، اور مت گھٹا دو لوگوں کو

اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

ان کی چیزیں اور مت خرابی ڈالو زمین میں اس کی اصلاح کے بعد یہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم

ان کی چیزیں، اور مت خرابی ڈالو زمین میں اس کے سنوارے پیچھے۔ یہ بھلا ہے تمہارا، اگر تم کو

مُّؤْمِنِيْنَ ۝۸۵ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ

ایمان والے ہو ف۳ اور مت بیٹھو راستوں پر کہ ڈراؤ اور روکو اللہ کے راستہ سے اس کو جو کہ ایمان لائے

یقین ہے۔ اور مت بیٹھو ہر راہ پر ڈر کے، اور روکتے اللہ کی راہ سے، اس کو جو کوئی یقین لاوے

ف۱ قرآن میں دوسری جگہ حضرت شعیب علیہ السلام کا "اصحاب ایکہ" کی طرف مبعوث ہونا مذکور ہے اگر اہل مدین اور اصحاب ایکہ ایک ہی قوم ہے فبہا نعمت۔ اور دو جدا گانہ قومیں ہیں تو دونوں کی طرف مبعوث ہوئے ہوں گے اور دونوں میں کم تولنے ناپنے کا مرض مشترک ہوگا۔ بہر حال حضرت شعیب علیہ السلام نے علاوہ توحید وغیرہ کی عام دعوت کے خاص معاشرتی معاملات کی اصلاح اور حقوق العباد کی حفاظت کی طرف بڑے زور سے توجہ دلائی جیسا کہ آئندہ آیات میں مذکور ہے حضرت شعیب علیہ السلام کو کمال فصاحت کی وجہ سے "خطیب الانبیاء" کہا جاتا ہے۔

ف۲ یعنی میری صداقت کی دلیل ظاہر ہو چکی اب جو نصیحت کی بات تم سے کہوں اسے قبول کرو اور جن خطرناک عواقب پر متنبہ کروں، ان سے ہوشیار ہو جاؤ۔

ف۳ بندوں کے حقوق کی رعایت اور معاملات باہمی کی درستی جس کی طرف ہمارے زمانے کے پرہیزگاروں کو بھی بہت کم توجہ ہوتی ہے خدا کے نزدیک اس قدر اہم چیز ہے کہ اسے ایک جلیل القدر پیغمبر کا مخصوص وظیفہ قرار دیا گیا، جس کی مخالفت پر ایک قوم تباہ کی جا چکی ان آیات میں حضرت شعیب علیہ السلام کی زبانی آگاہ فرما دیا کہ لوگوں کو ادنیٰ ترین مالی نقصان پہنچانا اور ملک میں اصلاحی حالت قائم ہو چکنے کے بعد خرابی اور فساد پھیلانا خواہ کفر و شرک کر کے یا ناحق قتل و نہب وغیرہ سے۔ یہ کسی ایماندار کا کام نہیں ہو سکتا۔

بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ

اس پر اور ڈھونڈو اس میں عیب ف۱ اور یاد کرو جب کہ تھے تم بہت تھوڑے پھر تم کو بڑھا دیا اور دیکھو کیا ہوا

اس پر، اور ڈھونڈتے اس میں عیب۔ اور وہ یاد کرو، جب تھے تم تھوڑے، پھر تم کو بہت کیا، اور دیکھو! آخر کیسا ہوا ہے

عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ

انجام فساد کرنے والوں کا ف۲ اور اگر تم میں سے ایک فرقہ ایمان لایا اس پر جو میرے ہاتھ بھیجا گیا اور ایک فرقہ

حال بگاڑنے والوں کا۔ اور اگر تم میں ایک فرقہ نے مانا ہے جو میرے ہاتھ بھیجا، اور ایک فرقے نے نہیں،

يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

ایمان نہیں لایا تو صبر کرو جب تک اللہ فیصلہ کرے درمیان ہمارے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ف۳

تو صبر کرو، جب تک اللہ فیصلہ کرے ہمارے بیچ۔ اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا۔

قصہ پنجم شعیب علیہ السلام با قوم او

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ... الی ... وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ﴾

ربط:...... یہ پانچواں قصہ حضرت شعیب علیہ السلام کا ہے جو قوم لوط کی تباہی کے بعد پیش آیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام مدین کی طرف مبعوث ہوئے۔ مدین اصل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام ہے جو ملک عرب میں آ کر آباد ہو گئے تھے ان کی نسل کے لوگ اس جگہ رہتے تھے اس لیے اس بستی کو یا اس قبیلہ کو مدین کہا جاتا ہے مدین کا اطلاق قبیلہ اور شہر دونوں پر آتا ہے اور یہ قبیلہ حجاز میں شام کے قریب آباد تھا یہ حجاز کا آخری حصہ ہے اسی قبیلہ میں سے اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کو ان کی طرف نبی بنا کر بھیجا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا لقب خطیب الانبیاء ہے کیونکہ آپ نہایت فصیح اللسان اور بلیغ البیان تھے۔ اس لیے اس لقب سے ملقب ہوئے۔ محمد بن اسحاق نے ان کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے شعیب بن میکائیل بن یشجر بن مدین بن ابراہیم۔ یہ وہی شعیب علیہ السلام ہیں جن کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے بھاگ کر آئے تھے اور دس برس ان کے پاس رہے اور ان کی صاحبزادی سے نکاح ہوا پھر مصر کی طرف واپس ہوئے اور راستہ میں کوہ طور کے قریب اللہ کی تجلی دیکھی اور نبوت ملی۔

مدین کے لوگ بڑے شریر اور بت پرست تھے ماپ تول میں کمی کرتے تھے اور معاملات میں دغابازی ان کا عام

ف۱ راستوں پر بیٹھنا دو وجہ سے تھا۔ راہ گیروں کو ڈرا دھمکا کر ظلماً مال وصول کریں اور مومنین کو شعیب علیہ السلام کے پاس جانے اور خدا کا دین اختیار کرنے سے روکیں اور خدائی مذہب کے متعلق نکتہ چینی اور عیب جوئی کی فکر میں رہیں۔

ف۲ یعنی تعداد اور دولت دونوں میں کم تھے خدا نے دونوں طرف تم کو بڑھایا۔ مردم شماری بھی بڑھ گئی اور دولت مند بھی ہو گئے۔ خدا کے ان احسانات کا شکر ادا کرو۔ اور وہ جب ہی ادا ہو سکتا ہے کہ خدا کے اور بندوں کی حقوق پہچان کر عملی درستی اور اصلاح میں مشغول رہو اور ان نعمتوں پر مغرور نہ ہو بلکہ خرابی اور فساد مچانے والوں کا جو انجام پہلے ہو چکا ہے اسے پیش نظر رکھ کر خدائی گرفت سے ڈرتے رہو۔

ف۳ یعنی جو چیز میں لے کر آیا ہوں اگر تم متفقہ طور پر قبول نہیں کرتے بلکہ اختلاف ہی کی ٹھان رکھی ہے تو تھوڑا صبر کرو یہاں تک کہ آسمان ہی سے میرے تمہارے اختلافات کا فیصلہ ہو جائے۔

دستور تھا، راہزن تھے راستہ چلنے والوں کو لوٹ لیتے تھے اور کھوٹے سکے چلاتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو راہ راست کی طرف بلایا توحید کی دعوت دی اور حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کی ان کو تعلیم دی تو ان لوگوں نے یہ ناشائستہ جواب دیا کہ ہم آپ کو اور آپ کے متبعین کو اپنے شہر سے نکال دیں گے نہیں تو آپ ہمارے مذہب میں آجائیے۔ شعیب علیہ السلام نے ان کو بہت سمجھایا۔ بہت تھوڑے لوگ ان پر ایمان لائے اور اکثر اپنے اعمال بد پر مصر رہے بالآخر ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا جس سے وہ سب ہلاک ہوگئے اس جگہ اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا۔ ﴿فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ﴾ یعنی اس قوم کو ایک عظیم زلزلہ نے پکڑ لیا جس سے وہ اوندھے منہ گر کر مر گئے اور دوسرے مقام پر یہ ہے ﴿فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾ یعنی ان کو ایک سخت اور تاریک دھوئیں نے پکڑ لیا اس قوم پر جب عذاب کا وقت قریب آیا تو اللہ نے ان پر ایک سخت اور تاریک دھواں اٹھایا جس کی گرمی اور ظلمت نہایت مہیب تھی اس دھوئیں کو اللہ تعالیٰ نے "ظُلَّہ" سے تعبیر کیا ہے یعنی ان کو بادل والے عذاب نے پکڑ لیا۔ جس میں آگ تھی۔ اور تیسری جگہ یہ آیا ہے ﴿وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ﴾ ان ظالموں کو ایک سخت عذاب اور ہولناک آواز نے آ پکڑا سو جاننا چاہئے کہ ان تینوں عذابوں میں کوئی تعارض نہیں زمین سے ایک زلزلہ آیا جس میں ہیبت ناک آواز تھی اور آسمان کی طرف سے ایک ابر آتشیں آیا اس میں دھواں اور چنگاریاں اور بھڑکتی ہوئی آگ اور لپٹ تھی جب اس طرح اوپر اور نیچے سے عذاب آیا تو سب کا دم نکل گیا اور اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے اور اللہ نے دکھلا دیا کہ جو لوگ رسول کو شہر سے نکالنے کا ارادہ کر رہے تھے وہ سب کے سب نہایت ذلت و خواری سے تباہ ہو گئے اور حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کے متبعین اس عذاب سے محفوظ رہے (دیکھو تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۲۳۲)

تنبیہ: ...... قرآن کریم میں کسی جگہ حضرت شعیب علیہ السلام کا اہل مدین کی طرف مبعوث ہونا آیا ہے اور کسی جگہ اصحاب ایکہ کی طرف مبعوث ہونا آیا ہے اس لیے بعض علماء دونوں کو ایک ہی قرار دیتے ہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں دونوں الگ الگ ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو دو قبیلوں کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا مدین کے قریب گنجان درختوں سے گھری ہوئی ایک آبادی تھی جس کا نام ایکہ تھا اور شرک اور بت پرستی اور تولنے اور ناپنے میں کمی کرنے کی بیماری میں دونوں شریک تھے شعیب علیہ السلام اول اہل مدین کی طرف مبعوث ہوئے اور ان کے ہلاک ہونے کے بعد اصحاب ایکہ کی طرف مبعوث ہوئے اور سورۂ فرقان و سورۂ قاف میں اصحاب الرس کا لفظ آیا ہے کہ شعیب علیہ السلام اصحاب رس کی طرف مبعوث ہوئے یہ کنوئیں والے اہل مدین اور اصحاب ایکہ کے علاوہ کوئی جدا قبیلہ ہے اس لیے بعض علماء کا یہ قول ہے کہ شعیب علیہ السلام تین قبیلوں کی طرف مبعوث ہوئے اور قرآن کریم میں جو قوم شعیب کے لیے تین عذابوں کا ذکر آیا ہے۔ رجفہ، صیحہ اور ظلہ یہ تین قسم کے عذاب تین قبیلوں کے لیے علیحدہ علیحدہ تھے یا سب پر یہ تینوں عذاب نازل ہوئے اس لیے کہ شرک اور بت پرستی اور بد معاملگی کا مرض سب میں مشترک تھا۔ واللہ اعلم (دیکھو روح المعانی: ۸/ ۱۵۳)

تفسیر: ...... اور اہل مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کا نام ہے جو قطورہ کے بطن سے تھا۔ جہاں اس نے سکونت اختیار کی تھی وہاں رفتہ رفتہ ایک شہر آباد ہو گیا تھا۔ اور وہ شہر مدین ہی

کے نام سے مشہور ہو گیا تھا یہ شہر حجاز عرب میں کوہ سینا کے جنوب مشرق میں بحر قلزم کے کنارے سے کسی قدر فاصلہ پر واقع تھا اب وہ بالکل ویران اور غیر آباد ہے البتہ اس کے کھنڈرات اور نشانات اب تک موجود ہیں۔ خدا تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کو اس شہر کے لوگوں کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو نصیحت کی کہا اے قوم اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔ تمہارے پاس، تمہارے پروردگار کی جانب سے میری نبوت کی نشانی آ چکی ہے یعنی میرے معجزات تم دیکھ ہی چکے ہو اور یہ سمجھ چکے ہو کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں پس جو حکم دوں اس کی اطاعت کرو۔ پیمانہ اور ترازو کو پورا رکھو اور ماپ تول میں لوگوں کو چیزیں کم نہ دو اور ملک میں درستی کے بعد خرابی نہ ڈالو۔ یعنی دین خداوندی کی مخالفت نہ کرو یہی تمہارے لیے بہتر ہے یعنی توحید اور ناپ تول میں عدل دین و دنیا میں تمہارے لیے نافع ہے۔ اگر تم کو آخرت اور میری نبوت کا یقین ہے اور نہ بیٹھو ہر راہ پر کہ چلنے والوں کو ڈراؤ اور جو اللہ پر ایمان لائے ہیں ان کو اللہ کی راہ سے روکو اور اللہ کی راہ میں کجی نکالو ان لوگوں کی عادت تھی کہ وہ دو دو چار چار اشخاص راستوں پر بیٹھ جاتے تو راہ گیروں کو ڈراتے دھمکاتے اور جو ان کے پاس ہوتا وہ ان سے چھین لیتے اور جو شخص شعیب علیہ السلام کے پاس جانا چاہتا اس سے کہتے کہ جس کے پاس تو جانا چاہتا ہے وہ جھوٹا ہے اور خدائی مذہب کے متعلق نکتہ چینی اور عیب جوئی کرتے اور طرح طرح کے شبہات نکالتے اور یہ باور کرانے کی کوشش کرتے کہ مذہب کا راستہ سیدھا نہیں بلکہ ٹیڑھا ہے اور یاد کرو اس وقت کہ تم بہت تھوڑے تھے پھر اللہ نے تم کو کثرت بخشی تو اس کا شکریہ ادا کرو اور دیکھو کہ فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا۔ لہٰذا تم کو چاہئے کہ خدا کی نعمتوں پر مغرور نہ ہو بلکہ خدا کی گرفت سے ڈرتے رہو قوم نوح اور قوم عاد اور قوم ثمود اور قوم لوط کے حالات سے عبرت پکڑو کہ ان لوگوں نے اپنے پیغمبروں کی نافرمانی کی تو کس طرح ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا اور اگر تم میں سے ایک فریق ان باتوں پر ایمان لے آیا ہے جن کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں اور ایک فریق ایمان نہیں لایا تو ذرا صبر کرو یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے یعنی حق تو یہ تھا کہ تم سب حق پر متفق ہو جاتے لیکن جب تم نے اختلاف ہی کی ٹھان لی تو فیصلہ کا انتظار کرو کہ منجانب اللہ آسمان سے میرے اور تمہارے اختلافات کا فیصلہ ہو جائے کہ عذاب الٰہی سے تم کافر تو ہلاک ہو جاؤ اور ہم مسلمان نجات پا جائیں اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے اس کے فیصلہ میں نہ ظلم کا امکان ہے اور نہ اس کے فیصلہ کو کوئی رد کر سکتا ہے۔

الحمد للہ آٹھویں پارے کی تفسیر مکمل ہوئی۔

❁❁❁

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ

بولے سردار جو متکبر تھے اس کی قوم میں ہم ضرور نکال دیں گے اے شعیب تجھ کو اور ان کو جو کہ ایمان لائے تیرے ساتھ

بولے سردار، جو بڑائی رکھتے تھے اس کی قوم کے، ہم نکال دیں گے اے شعیب ! تجھ کو اور جو یقین لائے ہیں تیرے ساتھ

مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ

اپنے شہر سے یا یہ کہ تم لوٹ آؤ ہمارے دین میں ف۱ بولا کیا ہم بیزار ہوں تو بھی ف۲ بیشک ہم نے بہتان باندھا اللہ پر

اپنے شہر سے، یا تم پھر آؤ ہمارے دین میں، بولا، کیا ہم بیزار ہوں تو بھی ؟ ہم نے جھوٹ باندھا اللہ پر،

كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ

جھوٹا اگر لوٹ آئیں تمہارے دین میں ف۳ بعد اس کے کہ نجات دے چکا ہم کو اللہ اس سے ف۴ اور ہمارا کام نہیں کہ لوٹ آئیں اس میں مگر

اگر پھر آویں تمہارے دین میں، جب اللہ ہم کو خلاص کر چکا اس سے۔ اور ہمارا کام نہیں کہ پھر آویں اس میں مگر

اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا

یہ کہ چاہے اللہ رب ہمارا گھیرے ہوئے ہے ہمارا پروردگار سب چیزوں کو اپنے علم میں اللہ ہی پر ہم نے بھروسا کیا اے ہمارے رب فیصلہ کر

کبھی اللہ چاہے رب ہمارا۔ ہمارے رب کی سمائی میں ہے، سب چیز کی خبر۔ اللہ پر ہم نے بھروسہ کیا ہے۔ اے رب فیصلہ کر ہمارے

وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ

ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کے ساتھ اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ف۵ اور بولے سردار جو کافر تھے اس کی قوم میں اگر

اور ہماری قوم کے بیچ انصاف کا، اور تو ہے بہتر فیصلہ کرنے والا۔ اور بولے سردار جو منکر تھے اس کی قوم کے، اگر

ف۱ "عود" کے معنی کسی چیز سے نکل کر اس کی طرف جانے کے ہیں۔ حضرت شعیب کے ساتھیوں کی نسبت تو یہ لفظ حقیقۃً صادق ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ لوگ کفر سے نکل کر اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ باقی خود حضرت شعیب علیہ السلام کی نسبت تصور نہیں ہو سکتا کہ وہ پہلے (معاذ اللہ) ملت کفار میں داخل تھے پھر مسلمان ہوئے۔ لامحالہ یا تو ان کے اعتبار سے یہ خطاب تغلیباً ہوگا۔ یعنی عام مؤمنین کے حق میں جو الفاظ استعمال ہوئے اکثریت غالبہ کو مرجع سمجھ کر حضرت شعیب کے لیے علیحدہ الفاظ اختیار نہیں کیے۔ اور یا یہ لفظ ان کے حق میں کفار کے زعم کے موافق کہا گیا۔ کیونکہ بعثت سے پہلے جب تک حضرت شعیب علیہ السلام نے دعوت و تبلیغ شروع نہ کی تھی اہل مدین کی کفریات کے متعلق ان کی خاموشی دیکھ کر شاید وہ یہی گمان کرتے ہوں کہ یہ بھی ہمارے شامل حال اور ہمارے طور و طریق پر راضی ہیں۔ اور یا عود کو مجازاً بمعنی مطلق ضرورت کے لیا جائے۔ "کما قالہ بعض المفسرین"

ف۲ یعنی دلائل و براہین کی روشنی میں تمہاری ان مہلک کفریات سے خواہ ہم کتنے ہی بیزار اور کارہ ہوں کیا تم پھر بھی یہ زہر کا پیالہ ہمیں زبردستی پلانا چاہتے ہو۔

ف۳ باطل اور جھوٹے مذہب کو سچا کہنا ہی خدا پر افتراء کرنا اور بہتان باندھنا ہے۔ پھر بھلا ایک جلیل القدر پیغمبر اور اس کے مخلص متبعین سے یہ کب ممکن ہے کہ وہ معاذ اللہ سچائی سے نکل کر جھوٹ کی طرف واپس جائیں اور جو سچے دعوے اپنی حقانیت یا مامور من اللہ ہونے کے کر رہے تھے ان سب کا بھی جھوٹ اور افتراء ہونا تسلیم کریں۔

ف۴ کسی کو تو ابتداءً نجات دے چکا کہ اس میں داخل ہی نہ ہونے دیا۔ جیسے حضرت شعیب علیہ السلام اور بعضوں کو داخل ہونے کے بعد اس سے نکالا جیسے عامہ مومنین۔

ف۵ یعنی اپنے اختیار یا تمہارے اکراہ و اجبار سے ممکن نہیں کہ ہم معاذ اللہ کفر کی طرف جائیں۔ ہاں اگر فرض کرو خدا ہی کی مشیت ہم میں سے کسی کی نسبت ایسی ہو جائے تو اس کے ارادہ کو کون روک سکتا ہے۔ اگر اس کی حکمت اسی کو مقتضی ہو تو وہاں کوئی نہیں بول سکتا کیونکہ اسی کا علم تمام مصالح اور حکمتوں پر محیط ہے۔ =

اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ

پیروی کرو گے تم شعیب کی تو تم بیشک خراب ہو گے ف۱ پھر آپکڑا ان کو زلزلہ نے پس صبح کو رہ گئے اپنے گھروں کے اندر

چلے تم شعیب کی راہ، بیشک تو تم خراب ہوئے۔ پھر پکڑا ان کو زلزلے نے، پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھر میں

جٰثِمِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا

اوندھے پڑے ف۲ جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو گویا کبھی بسے ہی نہ تھے وہاں جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو وہی

اوندھے پڑے۔ جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو، جیسے کبھی نہ رہے تھے وہاں۔ جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو وہی

هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ۝ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ

ہوئے خراب ف۳ پھر الٹا پھرا ان لوگوں سے اور بولا اے میری قوم میں پہنچا چکا تم کو پیغام اپنے رب کے اور خیر خواہی کر چکا

ہوئے خراب۔ پھر الٹا پھرا ان سے اور بولا، اے قوم! پہنچا چکا تم کو پیغام اپنے رب کے اور بھلا چاہا

لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۝

تمہاری اب کیا افسوس کروں کافروں پر ف۴

تمہارا۔ اب کیا غم کھاؤں نہ مانتے لوگوں پر۔

ع ۱

بقیہ قصہ شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام

قال اللہ تعالیٰ: ﴿قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ ... الی ... فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ﴾

شعیب علیہ السلام کی قوم کے متکبر سرداروں نے جواب دیا کہ اے شعیب علیہ السلام ہمیں صبر کرنے کی اور فیصلہ کی انتظار کی ضرورت نہیں خدا تعالیٰ نے ہم کو تم پر غلبہ دیا ہے اور ہم کو تمہارے نکالنے کی قدرت دی ہے۔ اے شعیب علیہ السلام یاد رکھو ہم تجھ کو

= بہرحال تمہاری دھمکیوں سے ہم کو کوئی خوف نہیں کیونکہ ہمارا بالکلیہ اعتماد اور بھروسہ اپنے خدائے واحد پر ہے کسی کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جو ہوگا اسی کی مشیت اور علم محیط کے تحت میں ہوگا۔ اسی لیے ہم اپنے اور تمہارے فیصلے کے لیے بھی اس سے دعا کرتے ہیں کیونکہ ایسے قادر اور علیم و حکیم سے بہتر کسی کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت شعیب کے ان الفاظ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ انبیاء کے قلوب حق تعالیٰ کی عظمت و جبروت اور اپنی عبودیت و افتقار کے کس قدر عظیم و عمیق احساس سے معمور ہوتے ہیں اور کس طرح ہر آن اور ہر حال میں ان کا توکل و اعتماد تمام وسائط سے منقطع ہو کر اسی وحدہ "لا شریک لہ" پر پہاڑ سے زیادہ مضبوط اور غیر متزلزل ہوتا ہے۔

ف۱ یعنی باپ دادا کا مذہب چھوٹا، یہ تو دین کی خرابی ہوئی اور تجارت میں ناپ تول ٹھیک رکھی، یہ دنیا کا نقصان ہوا۔

ف۲ متعدد آیات کے جمع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان پر ظلہ، صیحہ، رجفہ تین طرح کے عذاب آئے یعنی اول بادل نے سایہ کر لیا جس میں آگ کے شعلے اور چنگاریاں تھیں۔ پھر آسمان سے سخت ہولناک اور جگر پاش آواز ہوئی اور نیچے سے زلزلہ آیا (ابن کثیر)

ف۳ انہوں نے شعیب اور ان کے ہمراہیوں کو بستی سے نکالنے کی دھمکی دی تھی۔ سو وہ ہی نہ رہے نہ ان کی بستیاں رہیں، اور وہ جو کہتے تھے کہ شعیب علیہ السلام کے اتباع کرنے والے خراب ہوں گے، سو خود ہی خراب اور خائب و خاسر ہو کر رہے۔

ف۴ یعنی اب ہلاک ہوئے پیچھے ایسی قوم پر افسوس کرنے سے کیا حاصل، جس کو ہر طرح سمجھایا جا چکا۔ موثر نصیحتیں کی گئیں، آنے والے عواقب و نتائج سے ڈرایا گیا، مگر انہوں نے کسی کی ایک نہ سنی بلکہ مخلص خیر خواہوں سے دست و گریباں ہی رہے۔

اور جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کو اپنی بستی سے نکال کر رہیں گے یا یہ کہ تم ہمارے دین میں واپس آ جاؤ۔ تو پھر ہم تم سے کوئی تعرض نہ کریں گے یہ بات حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھیوں کے اعتبار سے ہے کہ جو شعیب علیہ السلام پر ایمان لانے سے پہلے کفر کے طریقہ پر تھے اور کفر سے نکل کر اسلام میں داخل ہوئے تھے باقی خود حضرت شعیب علیہ السلام کی نسبت یہ تصور بھی نہیں ہو سکتا کہ معاذ اللہ وہ پہلے ملت کفار میں داخل تھے پھر مسلمان ہوئے۔ اس لیے کہ انبیاء کرام ابتداء ولادت ہی سے کفر اور شرک سے معصوم ہوتے ہیں یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص نبوت سے پہلے کفر اور شرک کی نجاستوں میں ملوث ہو اور بعد میں نبی بنا دیا گیا ہو۔ بہر حال یہ خطاب تغلیبی ہے۔ عام مومنین کے اعتبار سے یہ الفاظ استعمال کیے گئے یا یوں کہو کہ یہ لفظ ان کے حق میں کفار کے زعم کے مطابق کہا گیا کیونکہ بعثت سے پہلے حضرت شعیب علیہ السلام نے دعوت و تبلیغ شروع نہ کی تھی اس لیے ان کی خاموشی اور سکوت سے اہل مدین یہ سمجھے کہ یہ ہمارے ہی دین اور مذہب پر ہیں یا یوں کہو کہ لتعودن میں عود سے مطلق صیرورت (ہو جانے) کے معنی مراد ہیں یعنی تم ہمارے ہم مذہب بن جاؤ۔ شعیب علیہ السلام نے جواب دیا کہ کیا ہم تمہارے دین میں داخل ہو جائیں۔ اگرچہ ہم تمہارے دین سے ناخوش اور بیزار ہوں یعنی دلیل اور حجت اور چشم بصیرت سے ہم پر یہ واضح ہو چکا ہے کہ جن کفریات میں تم مبتلا ہو وہ سم قاتل ہیں پھر جان بوجھ کر یہ زہر کا پیالہ کیسے پی لیں بالفرض اگر ہم تمہارے دین میں داخل ہو جائیں بعد اس کے کہ اللہ ہم کو اس سے نجات دے چکا ہے تو ضرور ہم نے اللہ پر بہتان باندھا یعنی اگر ہم تمہارے دین میں شامل ہو جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اب تک جو ہم پیغمبری کا دعویٰ کرتے تھے اور تم کو اللہ کے پیغامات سناتے تھے اور تمہارے دین کو برا کہتے تھے اور اپنے دین کو خدا کا دین کہتے تھے اس میں ہم نے خدا پر بہتان باندھا اور گویا ہم نے یہ تسلیم کر لیا کہ اب تک جو ہم اپنی حقانیت کا دعویٰ کر رہے تھے وہ سب کا سب جھوٹ اور افتراء تھا اور ہم سے یہ ممکن نہیں کہ کفر و شرک کی ملت میں داخل ہو جائیں۔ مگر یہ کہ خداوند پروردگار ہی کسی کو گمراہ کرنا چاہے تو وہ اور بات ہے اس کی قضاء و قدر کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ جب ہم کفر کی قباحت اور شناعت اور اس کے انجام بد سے بخوبی واقف ہیں تو پھر کفر کیونکر اختیار کر سکتے ہیں ہاں اگر اللہ ہی کو ہماری ہدایت منظور نہ ہو اور اسی نے ہماری قسمت میں کفر لکھ دیا ہو تو ہم مجبور ہیں۔ اشارہ اس طرف ہے کہ ہدایت اور گمراہی سب اللہ ہی کی طرف سے ہے اور اس کی مشیت انسان کے ارادہ پر غالب ہے انسان کی سعادت اور شقاوت اس کے اختیار میں ہرگز نہیں دل جو تمام افعال انسانی کا محرک ہے وہ خدا ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے جس طرف چاہے اس کو پھیر دے چاہے ہدایت کی طرف اور چاہے گمراہی کی طرف ہمارا پروردگار علم کے لحاظ سے ہر چیز کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ قضاء و قدر کی حکمتیں اور مصلحتیں اسی کو معلوم ہیں ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا وہی اپنی عنایت سے ہم کو اپنے دین پر قائم رکھے گا۔ اے ہمارے پروردگار ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق فیصلہ کر دیجئے یعنی کافروں پر عذاب نازل فرما تاکہ انکا باطل پر ہونا اور ہمارا حق پر ہونا علانیہ طور پر واضح ہو جائے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ یہ دعا شعیب علیہ السلام نے اس وقت کی کہ جب وہ قوم کے ایمان سے ناامید ہو گئے اور ان کی یہ تقریر دلپذیر سن کر ان کی قوم کے سرداروں نے مسلمانوں سے کہا کہ اگر تم نے شعیب علیہ السلام کا اتباع کیا تو تم بڑے خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ یعنی اگر تم نے باپ دادا کا دین چھوڑا تو یہ دین کا خسارہ ہوگا اور تجارت ماپ

تول پورا رکھا تو یہ دنیا کا خسارہ ہوگا۔ غرض یہ کہ وہ اپنے کفر اور ظلم پر جمے رہے پس اللہ کا عذاب آیا اور ان کو ایک زلزلہ نے آ پکڑا پس صبح کو اٹھے اس حال میں کہ اپنے گھروں میں اپنے زانوؤں پر اوندھے مرے پڑے تھے جنہوں نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا ایسے ہوگئے کہ گویا وہ کبھی وہاں تیسے بھی نہ تھے۔ جنہوں نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا وہی خسارہ میں رہے دنیا میں برباد اور آخرت میں دائمی عذاب کے ہمیشہ کے لیے مستحق ہوئے مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے شعیب علیہ السلام اور ان کے اصحاب کو نکالنے کی دھمکی دی تھی نہ وہ رہے اور نہ ان کی بستیاں رہیں اور جو یہ کہتے تھے کہ شعیب علیہ السلام کے اتباع کرنے والے خراب ہونگے سو خود ہی خائب و خاسر ہو کر رہ گئے زلزلہ نے ان کو اتنی بھی مہلت نہ دی کہ کہیں کو نکل بھاگیں۔ پھر شعیب علیہ السلام نے ان سے منہ پھیرا اور کہا اے قوم میں نے تم کو اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دیئے اور تمہاری خیر خواہی کی اور دنیا اور آخرت کے نفع نقصان سے تم کو آگاہ کر دیا مگر تم نے ایک نہ مانی اور کیفر کردار کو پہنچے پس میں کافر قوم کی ہلاکت پر کیوں غم کھاؤں۔ خود اپنے کرتوتوں سے ہلاک ہوئے نہ شعیب علیہ السلام کی تکذیب پر اصرار کرتے نہ ہلاک اور برباد ہوتے کافروں کی ظلم اور شرک پر ہٹ دھرمی کرنے والوں کی اور انبیاء کے ساتھ تمسخر کرنے والوں کی تباہی اور بربادی لائق حزن و غم نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے کہ زمین اللہ کے نافرمانوں سے پاک ہوئی اور اہل ایمان کی نگاہیں کفر و شرک کی نجاستیں دیکھنے سے محفوظ ہوگئیں ﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾۔ کافر خدا کی نظر میں ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں۔ لہٰذا کسی مچھر کے مرنے پر غم کرنا اور کسی مچھر کے مرنے یا مارے جانے پر تار دینا۔ عاقل اور دانا کا تو کام نہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ لَعَلَّهُمْ

اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی کہ نہ پکڑا ہو ہم نے وہاں کے لوگوں کو سختی اور تکلیف میں تاکہ

اور نہیں بھیجا ہم نے، کسی بستی میں کوئی نبی کہ نہ پکڑا وہاں کے لوگوں کو سختی اور تکلیف میں، شاید

يَضَّرَّعُوْنَ ۞ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَاۗءَنَا

وہ گڑگڑائیں پھر بدل دی ہم نے برائی کی جگہ بھلائی یہاں تک کہ وہ بڑھ گئے اور کہنے لگے کہ پہنچتی رہی ہمارے باپ دادوں کو بھی

وہ گڑگڑائیں۔ پھر بدل دی ہم نے برائی کی جگہ بھلائی، جب تک کہ بڑھ گئے اور کہنے لگے، پہنچتی رہی ہمارے باپ دادوں کو بھی

الضَّرَّاۗءُ وَالسَّرَّاۗءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۞ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا

تکلیف اور خوشی پھر پکڑا ہم نے ان کو ناگہاں اور ان کو خبر نہ تھی ف۱ اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے

تکلیف اور خوشی، پھر پکڑا ہم نے ان کو ناگہاں، اور وہ خبر نہ رکھتے تھے۔ اور کبھی بستیوں والے یقین لاتے

ف۱ پیغمبروں کی بعثت کے وقت جب عموماً لوگ تکذیب و مقابلہ سے پیش آتے ہیں تو خدا کی طرف سے ابتدائی تنبیہ کے طور پر بیماری، قحط اور مختلف قسم کی سختیاں اور تکلیفیں مسلط کی جاتی ہیں۔ تاکہ مکذبین تازیانے کھا کر شرارتوں سے باز آ جائیں اور بارگاہ الٰہی کی طرف جھکیں۔ جب ان تنبیہات کا اثر قبول نہیں کرتے تو سختیوں اور مصیبتوں کو ہٹا کر ان پر فراخی اور عیش و خوشحالی وغیرہ بھیجی جاتی ہے کہ یا احسانات سے متاثر ہو کر کچھ شرمائیں اور حضرت ربوبیت کی طرف متوجہ ہوں یا عیش و ثروت کے نشہ میں چور ہو کر بالکل ہی غافل و بدمست بن جائیں۔ گویا جہاں تک صحت، اولاد اور دولت و حکومت بڑھتی جائے اسی کے ساتھ ان کی نخوت و غفلت =

وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا

اور پرہیزگاری کرتے تو ہم کھول دیتے ان پر نعمتیں آسمان اور زمین سے لیکن جھٹلایا انہوں نے پس پکڑا ہم نے ان کو ان کے

اور بچ چلتے تو ہم کھول دیتے ان پر خوبیاں آسمان اور زمین سے، لیکن جھٹلانے لگے، تو پکڑا ہم نے ان کو بدلہ

كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾

اعمال کے بدلے ف۱ اب کیا بے ڈر ہیں بستیوں والے اس بات سے کہ آپہنچے ان پر آفت ہماری راتوں رات جب سوتے ہوں

ان کی کمائی کا۔ اب کیا نڈر ہیں بستیوں والے کہ آپہنچے ان پر آفت ہماری راتی رات جب سوتے ہوں۔

اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا

یا بے ڈرے ہیں بستیوں والے اس بات سے کہ آپہنچے ان پر عذاب ہمارا دن چڑھے جب کھیلتے ہوں ف۲ کیا بے ڈر ہوگئے

یا نڈر ہیں بستیوں والے کہ آپہنچے ان پر آفت ہماری دن چڑھتے جب کھیلتے ہوں۔ کیا نڈر ہوئے؟ اللہ کے ڈر سے سو نڈر

ع يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ

اللہ کے داؤ سے سو بے ڈر نہیں ہوتے اللہ کے داؤ سے مگر خرابی میں پڑنے والے ف۳ کیا نہیں ظاہر ہوا ان لوگوں پر جو وارث ہوئے زمین کے وہاں کے

نہیں اللہ کے داؤ سے مگر جو لوگ خراب ہوں گے۔ اور کیا سوجھ نہیں آئی ان کو جو قائم ہوتے ملک پر، پیچھے وہاں کے

= میں بھی ترقی ہو حتیٰ کہ پچھلی سختیوں کو یہ کہہ کر فراموش کردیں کہ تکلیف و راحت کا سلسلہ تو پہلے ہی سے چلا آتا ہے۔ ہمارے کفر و تکذیب کو اس میں کچھ دخل نہیں۔ ورنہ اب خوشحالی کیوں حاصل ہوتی۔ یہ سب زمانہ کے اتفاقات ہیں جو ہمارے اسلاف کو بھی اسی طرح پیش آتے رہے ہیں۔ اس حد پر پہنچ کر ناگہاں خدا کا عذاب آ دباتا ہے جس کی اپنے عیش و آرام میں انہیں خبر بھی نہیں ہوتی۔ حضرت شاہ صاحب نے کیا خوب لکھا ہے کہ "بندہ کو دنیا میں گناہ کی سزا پہنچتی رہے تو امید ہے کہ توبہ کرے اور جب گناہ راست آ گیا تو یہ اللہ کا بھلاوا ہے۔ پھر ڈر ہے ہلاکت کا جیسے کسی نے زہر کھایا اگل دے تو امید ہے اور پچ گیا تو کام آخر ہوا"۔

ف۱ یعنی ہم کو بندوں سے کوئی ضد نہیں جو لوگ عذاب الٰہی میں گرفتار ہوتے ہیں یہ انہی کی کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔ اگر یہ لوگ ہمارے پیغمبروں کو مانتے اور حق کے سامنے گردن جھکاتے اور کفر و تکذیب وغیرہ سے بچ کر تقویٰ کی راہ اختیار کرتے تو ہم ان کو آسمانی و زمینی برکات سے مالا مال کر دیتے۔ امام رازی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ برکت کا لفظ دو معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ کبھی تو خیر باقی و دائم کو برکت سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی کثرت آثار فاضلہ پر یہ لفظ اطلاق کیا جاتا ہے۔ لہٰذا آیت کی مراد یہ ہوگی کہ ایمان و تقویٰ اختیار کرنے پر ان آسمانی و زمینی نعمتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے جو دائمی اور غیر منقطع ہوں یا جن کے آثار فاضلہ بہت کثرت سے ہوں۔ ایسی خوشحالی نہیں، جو مکذبین کو چند روز کے لیے بطور امہال و استدراج حاصل ہوتی ہے اور انجام کار دنیا میں ورنہ آخرت میں تو ضرور ہی وبال جان بنتی ہے۔

ف۲ یعنی جب عیش و آرام میں غافل پڑے سو رہے ہوں یا دنیا کے کاروبار اور لہو و لعب میں مشغول ہوں اس وقت خدا کا عذاب ان کو دفعتاً آ گھیرے۔ اس بات سے یہ لوگ کیوں نڈر اور بےفکر ہو رہے ہیں۔ حالانکہ جن اسباب کی بنا پر گزشتہ اقوام پر عذاب آئے ہیں، وہ ان میں بھی موجود ہیں۔ یعنی کفر و تکذیب اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقابلہ و محاربہ۔

ف۳ دنیاوی خوشحالی اور عیش کے بعد جو خدا کی ناگہانی پکڑ ہے، اس کو "مکر اللہ" (خدا کا داؤ) فرمایا عیش و تنعم میں پڑ کر وہی لوگ خدا کی ناگہانی گرفت سے بےفکر ہوتے ہیں جن کی شامت اعمال نے انہیں دھکا دے دیا ہو۔ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ کسی حال میں خدا کو نہ بھولے

ظفر اس کو آدمی نہ جانئے گا ... گو ہو کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی ... جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

اَهْلِهَاۤ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

لوگوں کے ہلاک ہونے کے بعد کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو پکڑ لیں ان کے گناہوں پر ف۱ اور ہم نے مہر کر دی ہے ان کے دلوں پر سو وہ نہیں سنتے

لوگ جا کر، کہ ہم چاہیں تو ان کو پکڑیں ان کے گناہوں پر۔ اور ہم مہر کرتے ہیں ان کے دل پر، سو وہ نہیں سنتے۔

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا

یہ بستیاں ہیں کہ سناتے ہیں ہم تجھ کو ان کے کچھ حالات اور بیشک ان کے پاس پہنچ چکے ان کے رسول نشانیاں لے کر پھر ہرگز نہ ہوا

یہ بستیاں ہیں کہ سناتے ہیں ہم تجھ کو کچھ احوال ان کا۔ اور ان پاس پہنچ چکے ان کے رسول نشانیاں لے کر، پھر ہرگز نہ ہوا

كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَمَا

کہ ایمان لائیں اس بات پر جس کو پہلے جھٹلا چکے تھے یوں مہر کر دیتا ہے اللہ کافروں کے دل پر ف۲ اور نہ

کہ یقین لاویں جو پہلے بات جھٹلا چکے۔ یوں مہر کرتا ہے اللہ منکروں کے دل پر۔ اور نہ

وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَاۤ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

پایا ان کے اکثر لوگوں میں ہم نے عہد کا نباہ اور اکثر ان میں پائے نافرمان ف۳

پایا ان کے اکثروں میں ہم نے نباہ۔ اور اکثر ان میں پائے بےحکم۔

بیان اجمالی حال و مآل امم سابقہ برائے عبرت و نصیحت امم حاضرہ

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ... الی... وَاِنْ وَّجَدْنَاۤ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ رکوعات میں امم سابقہ کے واقعات قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیے اب ان کا اجمالی خلاصہ بیان کرتے ہیں تاکہ موجودہ زمانے کے لوگوں کے لیے عبرت اور نصیحت کا ذریعہ بنیں کہ اے لوگو تمہیں ان واقعات سے انبیاء کرام کی تکذیب کے برے نتائج کا علم ہو گیا مگر یہ یاد رکھو کہ یہ سزائیں ان کو دفعۃً نہیں دی گئیں بلکہ تنبیہات کے بعد دی گئیں کیونکہ ہماری عادت یہ ہے کہ لوگ جب انبیاء کی تکذیب کرتے ہیں تو ہم شروع میں تنبیہ کے طور پر بیماری اور قحط اور مختلف قسم کی

ف۱ جیسے پہلوں کو پکڑ لیا تمہیں بھی پکڑ سکتے ہیں۔

ف۲ یعنی جس چیز کا ایک دفعہ انکار کر بیٹھے، پھر کتنے ہی نشان دیکھیں، دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے ممکن نہیں کہ اس کا اقرار کر لیں۔ جب حق تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی قوم کی ضد اور ہٹ دھرمی اس درجہ تک پہنچ جاتی ہے تب عادتاً اصلاح حال و قبول حق کا امکان باقی نہیں رہتا۔ یہی صورت دلوں پر مہر لگ جانے کی ہوتی ہے۔ یہاں واضح فرمایا کہ اللہ کی طرف سے دلوں پر مہر لگا دینے کا کیا مطلب ہے۔

(تنبیہ) ﴿وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ سے معلوم ہو گیا کہ جو انبیاء علیہم السلام قوم نوح، عاد، ثمود، قوم لوط، اہل مدین کی بستیوں کی طرف مبعوث ہوئے وہ سب بینات (واضح نشان) دے کر بھیجے گئے۔ پس ہود علیہ السلام کی قوم کا یہ کہنا ﴿يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ﴾ الخ محض تعنت و عناد کی راہ سے تھا۔

ف۳ "عہد" سے ممکن ہے عام عہود مراد ہوں یا خاص "عہد الست" کا ارادہ کیا گیا ہو، یا وہ عہد جو مصائب اور سختیوں کے وقت کرتے تھے کہ فلاں سختی اٹھالی جائے تو ہم ضرور ایمان لے آئیں گے جیسے فرعونیوں نے کہا تھا ﴿لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ... فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰۤى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ﴾

سختیوں اور تکلیفوں کو ان پر مسلط کرتے ہیں تا کہ یہ مکذبین اپنی شرارتوں سے باز آ جائیں اور بارگاہ الٰہی کی طرف جھکیں اور جب ان کی سخت طبیعتیں تنبیہات کا اثر قبول نہیں کرتیں تو ہم ان سے مصیبتوں اور سختیوں کو ہٹا کر ان پر اپنی نعمتوں اور احسانات کے دروازے کھول دیتے ہیں کہ شاید ان احسانات سے شرما کر ہماری طرف متوجہ ہوں اور سمجھیں کہ خدا تعالیٰ نے ہماری مصیبتوں کو دور کیا اور ہم کو اپنی نعمتوں سے نوازا اور خوشحالی بخشی مگر وہ عیش وعشرت میں اس قدر مست ہو جاتے ہیں کہ تضرع اور زاری کی طرف آنے کے بجائے اپنے حال کو یوں تاویل کرنے لگتے ہیں کہ یہ کوئی نئی بات نہیں زمانہ کی گردش ہے کبھی یوں ہے اور کبھی ووں اور یہ نہ سمجھے کہ یہ سب اللہ کی آزمائش ہے زمانہ کے اتفاقات نہیں۔

پس جب لوگ غفلت کی اس منزل پر پہنچ جاتے ہیں تو اس وقت ناگہانی طور پر خدا کا عذاب غافلوں کو بحالت غفلت آ کر پکڑ لیتا ہے جبکہ وہ عیش وعشرت میں غافل اور مست ہوتے ہیں۔ پس اے گروہ قریش تم کو ہوشیار رہنا چاہئے کہ امم سابقہ کی طرح ناگہانی عذاب الٰہی تم کو نہ آ دبائے یہ نہ سمجھنا کہ عذاب الٰہی صرف انبیاء سابقین کے منکرین پر ہوا تھا تم پر بھی انکار وتکذیب کے بعد اسی قسم کا عذاب آ سکتا ہے۔ ہوشیار ہو جاؤ۔ ان واقعات کے ذکر کرنے سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ تم عبرت پکڑو۔ یا یوں کہو کہ گزشتہ رکوعات میں امم سابقہ کا حال اور ان کی تکذیب کا عبرت ناک مآل ذکر کیا اب یہ بتلاتے ہیں کہ منکرین اور مکذبین کے بارے میں سنت الٰہیہ اور طریقۂ خداوندی یہ ہے کہ اول ان کو تنگی اور سختی میں مبتلا کرتے ہیں تا کہ عبرت پکڑیں اور ہوش میں آ جائیں اور پھر ان پر رزق کے دروازے کھولتے ہیں تا کہ شکر کریں اور اطاعت کی طرف مائل ہوں لیکن جب ان پر کسی طرح اثر نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کو یکایک پکڑ لیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ امم سابقہ کو فقط تنبیہ قولی کے بعد ہلاک نہیں کیا گیا بلکہ فعلی اور عملی تنبیہات کے بعد بھی جب وہ متنبہ نہ ہوئے تب ہلاک کئے گئے چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے نہیں بھیجا کسی بستی میں کوئی نبی اور اس بستی والوں نے اس نبی کو جھٹلایا مگر یہ کہ ہم نے اس بستی کو بالکلیہ تباہ اور برباد کرنے سے پہلے اس کے باشندوں کو بطور تنبیہ تنگی اور سختی میں یعنی فقر اور تنگدستی میں اور رنج اور بیماری میں مبتلا کیا کہ شاید وہ اس سے ڈر کر ہمارے آگے گڑگڑائیں اور ہمارے نبی کی نصیحت اور دعوت کو قبول کریں تا کہ ان سے یہ بلا دفع کر دی جائے پھر جب وہ ان بلاؤں اور مصیبتوں سے بھی متنبہ نہ ہوئے اور اسی طرح اپنے تکبر اور تکذیب پر قائم رہے تو ہم نے بطور استدراج اور بطریق مکر ان پر مال و دولت کے دروازے کھول دیئے اور بجائے شدت اور محنت کے ان کو صحت اور سلامتی اور راحت دے دی یہاں تک کہ وہ لوگ مال اور اولاد میں بہت زیادہ ہو گئے اور اپنی گزشتہ تنگی اور سختی کو بالکل بھول گئے اور اپنی غفلت اور سخت دلی کے باعث یہ کہنے لگے کہ اسی طرح کی تکلیف اور راحت ہمارے بڑوں کو پہنچتی رہی ہے۔ یعنی ہم جس تکلیف میں مبتلا تھے وہ کچھ ہم پر خدا کا عتاب نہ تھا اور اب جو ہم سے وہ تکلیف جاتی رہی اور اس کے بدلہ ہم کو راحت ملی وہ ہم پر خدا کا کچھ انعام نہیں یہ سب زمانہ کے اتفاقات اور انقلابات ہیں قدیم زمانے سے یہی دستور چلا آ رہا ہے کہ آدمی کو کبھی راحت پہنچتی ہے اور کبھی تکلیف اس میں ایمان اور کفر کو کوئی دخل نہیں جیسے موسم کبھی اچھا آتا ہے اور کبھی خراب اس میں اچھے اور برے اعمال کو کوئی دخل نہیں اور یہ نہ سمجھے کہ راحت اور مصیبت سب اللہ کے حکم سے ہے پس جب یہ لوگ ان ضراء اور سراء کے عملی تنبیہات کے بعد بھی اپنے تمرد اور تکبر پر قائم اور مضبوط رہے تو ہم نے ان کو اچانک پکڑا یعنی ایسی حالت میں ان کو پکڑا کہ ان کو کسی قسم

کا خوف نہ تھا اور وہ جانتے نہ تھے کہ ان پر عذاب نازل ہوگا ان کو یہ گمان بھی نہ تھا کہ ہم یکا یک اس عیش وعشرت سے محروم ہوجائیں گے اور یہ حسرت اور ارمان لے کر مرے کہ کاش اگر نزول عذاب کے کچھ آثار پہلے نظر آجاتے تو شاید توبہ کر لیتے اور یہ ساری بلا کفر اور تکذیب کی وجہ سے آئی اگر ان بستیوں کے لوگ پیغمبروں پر ایمان لے آتے اور ان کی تکذیب اور مخالفت سے پرہیز کرتے تو ہم ضرور ان پر آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن انہوں نے ہمارے پیغمبروں کو جھٹلایا اس لیے ہم نے ان پر قہر اور عذاب کے دروازے کھول دیئے پس ہم نے ان کو ان کے اعمال خبیثہ کی سزا میں پکڑ لیا اور عذاب مہلک سے ان کو ہلاک اور برباد کر دیا کیا ان عبرتناک قصوں کے سننے کے بعد پھر بھی ان موجودہ بستیوں کے رہنے والے جو نبی اکرم ﷺ کے دور نبوت میں موجود ہیں اور عیش وعشرت میں مست ہیں اور نبی اکرم ﷺ کی تکذیب پر تلے ہوئے ہیں پس کیا یہ موجودہ بستیوں والے اس بات سے نڈر اور بےخوف ہوگئے ہیں کہ سابقین کی طرح رات کے وقت ان پر ہمارا عذاب آئے اور یہ سوتے ہوئے ہوں یعنی غفلت کے وقت میں عذاب کا شب خون ان پر آئے کیا یہ بستیوں والے اس بات سے بےخوف ہوگئے کہ دن چڑھے ان پر ہمارا عذاب آجائے درآنحالیکہ وہ کھیل تماشہ میں مشغول ہوں مطلب یہ ہے کہ پیغمبروں کی تکذیب کے بعد عذاب کے خوف سے بےخوف نہ رہنا چاہیے نہ رات کو نہ دن کو نہ معلوم کہ رات اور دن میں کس وقت ان پر عذاب آجائے اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔ خدا سے غفلت برتی۔ غفلت کی حالت میں پکڑے گئے۔ کیا یہ تکذیب کرنے والے خدا کے داؤ اور مکر سے بےخوف ہوگئے ہیں۔ عیش وعشرت اور خواب استراحت میں یکا یک پکڑ لینا کہ جہاں سے کسی مصیبت کا وہم وگمان بھی نہ ہو یہ اللہ کا مکر یعنی اس کا داؤ ہے۔ پس نہیں بےخوف ہوتے مکر الٰہی سے مگر وہی لوگ جو زیاں کار ہیں اور نقصان کے مارے ہوئے ہیں کیا واضح نہیں ہوا ان لوگوں کے لیے کہ جو زمین کے پہلے باشندوں کے ہلاک ہونے کے بعد زمین کے وارث ہو رہے ہیں۔ کہ اگر ہم چاہیں تو پہلے ہلاک شدہ لوگوں کی طرح ان کو بھی ان کے گناہوں کی سزا میں پکڑ لیں اور پہلوں کی طرح ان کو بھی کفر کا مزہ چکھا دیں اور اصل بات یہ ہے کہ ہماری سنت یہ ہے کہ ہم ایسے لوگوں کے دلوں پر مہر کر دیتے ہیں جو حق سے دیدہ ودانستہ اعراض کرتے ہیں پس ایسے لوگ حق کو سنتے ہی نہیں چہ جائیکہ اس کی طرف توجہ اور التفات کریں اگر دل کھلا ہوا ہوتا تو حق کو سنتا اور سمجھتا اور جب دل پر مہر لگ گئی تو گوش دل کیا سنے اور کیا سمجھے۔ کلام حق کا سننا اصل کام دل کے کان کا ہے اس آب وگل کے کان کا کام نہیں۔

این سخن از گوش دل باید شنود ۔۔۔ گوش گل ایں جاندارد، ہیچ سود
گوش سر باجملہ حیوان ہمدم است ۔۔۔ گوش سر مخصوص نسل آدم است
گوش سر چوں جانب گویندہ است ۔۔۔ گوش سر سہل است گر آگندہ است

اب آئندہ آیات میں جناب رسالت مآب ﷺ کی تسلی کے لیے فرماتے ہیں جو تمام گزشتہ مضمون کا خلاصہ ہے یہ مذکورہ بستیاں یعنی قوم نوح اور عاد وثمود اور قوم لوط اور قوم شعیب کی بستیاں جن کا اوپر ذکر ہوا جیسے احقاف اور حجر اور مؤتفکات وغیرہ ان کی بعض خبریں ہم تجھ سے بیان کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ مکذبین کا اخیر انجام ہلاکت ہے اور تحقیق ان کے پاس ان کے رسول اپنی نبوت ورسالت کی کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے پس نہ تھے ایسے کہ ایمان لے آتے اس بات پر جس

کو وہ پہلی ہی بار جھٹلا چکے تھے اللہ تعالیٰ یونہی کافروں کے دل پر مہر کر دیتا ہے جسے نمونہ دیکھنا ہو وہ ان بدبختوں کو دیکھ لے اور ہم نے ان میں سے اکثر میں عہد کی وفاء اور نباہ نہیں پائی عہد سے مراد یا تو ''عہد الست'' ہے یا وہ عہد مراد ہے کہ جو مصیبت آنے کے وقت یہ لوگ کر لیا کرتے تھے۔ کہ اگر ہم نجات پائیں تو ایمان لے آئیں گے اور تحقیق ہم نے ان میں سے اکثر کو بد عہد اور بدکردار پایا جب مصیبت ٹلی تو سب عہد و پیمان ختم ہوا اور جیسے پہلے تھے ویسے ہی ہو گئے الغرض ہمیشہ سے کافروں کا یہ طریقہ اور شیوہ ہے پس آپ ان کی تکذیب اور اعراض سے اور ان کی عہد شکنی سے غم نہ کریں۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ

پھر بھیجا ہم نے ان کے پیچھے ف۱ موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس پس کفر کیا انہوں نے ان کے مقابلہ میں، سو دیکھ کیا

پھر بھیجا ہم نے ان کے پیچھے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں پاس پھر زبردستی کی ان کے سامنے سو دیکھ! آخر کیا

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

انجام ہوا مفسدوں کا ف۲ اور کہا موسیٰ نے اے فرعون میں رسول اللہ ہوں پروردگار عالم کا

ہوا حال بگاڑنے والوں کا اور کہا موسیٰ نے اے فرعون میں بھیجا ہوں جہان کے صاحب کا۔

حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ

قائم ہوں اس بات پر کہ نہ کہوں اللہ کی طرف سے مگر جو سچ ہے لایا ہوں تمہارے پاس نشانی تمہارے رب کی ف۳ سو بھیج دے

قائم ہوں اس پر کہ نہ کہوں اللہ کی طرف سے مگر جو سچ ہے کہ لایا ہوں تم پاس نشانی تمہارے رب کی سو رخصت دے

مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

میرے ساتھ بنی اسرائیل کو ف۴ بولا اگر تو آیا ہے کوئی نشانی لے کر تو لا اس کو اگر تو سچا ہے

میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بولا اگر تو آیا ہے کچھ نشان لے کر تو وہ لا اگر تو سچا ہے

ف۱ یعنی جن انبیاء کا پہلے ذکر ہوا (نوح، ہود، صالح، لوط، شعیب علیہم السلام) موسیٰ علیہ السلام ان سب کے بعد تشریف لائے۔ ان پیغمبروں کا ذکر فرمانے کے بعد درمیان میں ''سنت اللہ'' بیان فرمائی تھی جو مکذبین کے متعلق جاری رہی ہے جس کے ضمن میں موجودہ جماعت کفار کو متنبہ فرمادیا گیا۔ اس درمیانی مضمون سے فارغ ہو کر پھر سلسلہ بعثت رسل کی ایک عظیم الشان کڑی کا ذکر شروع کرتے ہیں۔

ف۲ اس سے زیادہ مفسد کون ہوگا جو خدا کے سفراء کو جھٹلائے۔ آیات اللہ کی تکذیب اور حق تلفی کرے۔ مخلوق خدا سے اپنی پرستش کرائے۔ آگے ضروری واقعات ذکر فرما کر اس انجام کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

ف۳ اکثر مفسرین نے "حقیق" کے معنی جدیر (لائق) کے لیے ہیں۔ اسی لیے ''علیٰ'' کو بمعنی ''باء'' لینا پڑا ہے یعنی میری شان کے یہی لائق ہے کہ خدا کی طرف سے کوئی ناحق اور غلط بات نہ کہوں۔ بعض نے "حقیق" کو بمعنی "حریص" لیا ہے۔ لیکن مترجم محقق رحمہ اللہ نے ''حقیق'' کو ''قائم و ثابت'' کے معنی میں لیا۔ جس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں بدون ادنیٰ تزلزل اور تذبذب کے پوری مضبوطی اور استقلال کے ساتھ اس پر قائم ہوں کہ سچ کے سوا کوئی چیز زبان سے نہ نکالوں، خدا کا پیام بلا کم و کاست تم کو پہنچا دوں اور تمہاری تکذیب و تخویف کی وجہ سے ذرا بھی نہ ڈگمگاؤں۔

ف۴ یوں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو کئی طرح کی نصیحتیں کیں جیسا کہ دوسری آیات میں مذکور ہیں ﴿فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى﴾ ﴿وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى﴾ مگر ایک بڑی مہم چیز یہ تھی کہ بنی اسرائیل کو جو انبیائے کرام کی اولاد میں سے تھے اور جنہیں فرعونیوں نے ذلیل جانوروں کی طرح غلام بنا رکھا ▪

فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ﴿١٠٧﴾ وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ ﴿١٠٨﴾

تب ڈال دیا اس نے اپنا عصا تو اسی وقت ہوگیا اژدہا صریح ف۱ اور نکالا اپنا ہاتھ تو اسی وقت وہ سفید نظر آنے لگا دیکھنے والوں کو ف۲

تب ڈالا اپنا عصا تو اسی وقت وہ ہوا اژدہا صریح اور نکالا اپنا ہاتھ تو اسی وقت وہ سفید نظر آیا دیکھنوں کو۔

قصہ ششم حضرت موسیٰ علیہ السلام باسبطیان وقبطیان

ربط:...... گزشتہ رکوعات میں پانچ پیغمبروں کے قصے بیان ہوئے اور ان کے بعد بطور نتیجہ اور خلاصہ یہ بتلایا کہ مکذبین کے متعلق سنت الٰہی کیا ہے اب ان پانچ قصوں کے بعد چھٹا قصہ موسیٰ علیہ السلام کا بیان کرتے ہیں جو ان سب انبیاء کے بعد تشریف لائے یہ قصہ بظاہر ایک قصہ ہے مگر اپنے اندر بہت سے قصوں کو لیے ہوئے ہے اور یہ قصہ بہ نسبت اور قصوں کے زیادہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے چنانچہ اس مقام پر بھی یہ قصہ بہ نسبت اور قصوں کے زیادہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے چنانچہ اس مقام پر یہ قصہ نصف پارہ تک چلا گیا ہے اور صرف اس مقام پر نہیں قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر اکثر و بیشتر آیا ہے اور یہ قصہ متعدد مطالب اور مختلف مقاصد کے بیان کرنے کے لیے قرآن کریم میں بہت جگہ آیا ہے اور تکرار اور تفصیل کی وجہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات انبیاء سابقین کے معجزات سے زیادہ قوی ہیں اور نہایت عظیم اور عجیب ہیں جن سے سحر اور معجزہ کا فرق خوب واضح ہوجاتا ہے اور فرعون اور فرعونیوں کا ظلم وعناد اور تکبر بھی شدید ہے جس سے ظلم کے انجام بد کا بخوبی علم ہوجاتا ہے اور بنی اسرائیل کی جہالتیں بھی عجیب ہیں جن سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ نبی کے سامنے لب کشائی جہالت اور حماقت ہے اس لیے یہ امور اس قصہ کی تکریر اور تفصیل کو مقتضی ہوئے۔

نیز موسیٰ علیہ السلام کا قصہ آنحضرت ﷺ کے قصہ سے بہت مشابہت رکھتا ہے جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے بنی اسرائیل کو دین و دنیا کی عزتیں ملیں اور آپ کے دشمن ذلیل وخوار ہوئے اسی طرح آنحضرت ﷺ کی برکت سے امت محمدیہ کو دین و دنیا کی عزتیں ملیں اور داؤد اور سلیمان علیہما السلام جیسی بادشاہت ملی۔

موسیٰ علیہ السلام کا نسب نامہ چند واسطوں سے یعقوب علیہ السلام تک پہنچتا ہے آپ کے والد کا نام عمران تھا قبطی زبان میں مُو کے معنی ماء یعنی پانی کے ہیں اور ''سا'' کے معنی شجر یعنی درخت کے ہیں چونکہ موسیٰ علیہ السلام پانی اور درخت کے درمیان پائے گئے

= تھا، مظالم وشدائد سے نجات دلائیں۔ اس موقع پر فرعون کو مخاطب کرتے ہوئے اسی چیز کی طرف توجہ دلائی ہے۔ یعنی بنی اسرائیل کو اپنی قید بیگار سے نجات دے تاکہ وہ آزادی کے ساتھ اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول ہوں اور میرے ساتھ اپنے وطن مالوف (ملک شام) میں چلے جائیں کیونکہ ان کے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے عراق سے ہجرت کرکے شام ہی میں قیام فرمایا تھا۔ بعدہ، حضرت یوسف علیہ السلام کی وجہ سے بنی اسرائیل مصر میں آباد ہوگئے۔ اب چونکہ یہاں کی قوم قبطیوں نے ان پر طرح طرح کے مظالم کر رکھے ہیں، ضرورت ہے کہ ان کو قبطیوں کی ذلیل غلامی سے آزادی دلا کر آبائی وطن کی طرف واپس کیا جائے۔

ف۱ جس کے اژدہا ہونے میں کسی طرح کی شک وشبہ کی گنجائش نہ تھی کہتے ہیں کہ وہ اژدہا منہ کھول کر فرعون کی طرف لپکا آخر فرعون نے بدحواس ہوکر موسیٰ علیہ السلام سے اس کے پکڑنے کی درخواست کی۔ موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ لگنا تھا کہ پھر عصا بن گیا۔

ف۲ یعنی ہاتھ گریبان میں ڈال کر اور بغل میں دبا کر نکالا تو لوگوں نے کھلی آنکھوں دیکھ لیا کہ غیر معمولی طور پر سفید اور چمکدار تھا۔ یہ روشنی اور چمک کسی مرض برص وغیرہ کی وجہ سے نہ تھی، بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قلب منور کی روشنی بطریق اعجاز ہاتھ میں سرایت کر جاتی تھی۔

اس لیے ان کا نام موسیٰ ہو گیا۔

موسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال کی ہوئی اور ان کے اور یوسف علیہ السلام کے درمیان چار سو سال کا فاصلہ تھا۔ ابراہیم علیہ السلام سے سات سو سال بعد ہوئے اور فرعون اس بادشاہ کا نام نہ تھا بلکہ اس زمانہ میں ہر شاہ مصر کا یہ لقب تھا جیسا کہ بادشاہان فارس کا لقب کسریٰ اور شاہان روم کا لقب قیصر تھا اس طرح اس بادشاہ کا لقب تو فرعون تھا اور اصل نام قابوس تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام ولید بن مصعب بن ریان تھا یہ قوم قبط کا بادشاہ تھا جو مصر میں رہتی تھی کہا جاتا ہے کہ یہ بادشاہ تین سو سال تک زندہ رہا واللہ اعلم۔ فرعون مصر کا بادشاہ تھا ربوبیت اور الوہیت کا مدعی تھا اور کہتا تھا کہ میں اپنے سوا کسی کو تمہارا خدا اور معبود نہیں جانتا جب اس نے خدائی کا دعویٰ کیا تو اہل مصر نے اس کو قبول کیا مگر بنی اسرائیل نے اس کو قبول نہ کیا فرعون بنی اسرائیل سے یہ کہتا کہ تمہارا باپ یوسف تھا جو میرے آباء واجداد کا زرخرید غلام تھا اور تم سب میرے غلام زادے ہو یہ کہہ کر بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا لیا اور ان سے ذلت آمیز خدمتیں لینے لگا۔ فرعون اپنی ظاہری شان وشوکت پر مغرور تھا حق تعالیٰ نے اس کی طرف ایک نبی کو مبعوث کیا جو بالکل درویش تھا اور ظاہری شان وشوکت سے بالکل خالی تھا صوف کا عمامہ اور صوف کا جبہ اس کا لباس تھا جیسا کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاسماء والصفات میں کئی جگہ ذکر فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ ان کو ایک عصا عطاء فرمایا جس سے فرعون جیسے سراپا عصیان وطغیان کی تنبیہ مقصود تھی اور تاکہ جب معجزہ عصا ظاہر ہو تو متکبرین اور مغرورین سمجھ جائیں کہ یہ شخص خدا تعالیٰ کا فرستادہ ہے جس کے ہاتھ سے ایسے افعال کا ظہور ہوتا ہے جو طاقت بشریہ کی حدود سے باہر ہیں یہ دنیا دار امتحان ہے اور حق اور باطل کے معرکہ کا میدان ہے اس لیے من جانب اللہ تعالیٰ اکثر وبیشتر نبوت ورسالت کا ظہور برنگ فقیری ودرویشی ہوتا ہے اور ظاہری اور مادی شان وشوکت باطل کی جانب ہوتی ہے مقصود امتحان ہوتا ہے کہ کون ظاہری اور مادی شان وشوکت دیکھ کر باطل کی جانب جاتا ہے اور کون حق کے حقیقی اور باطنی حسن وجمال کو دیکھ کر حق کو قبول کرتا ہے اگر موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دنیاوی شان وشوکت ہوتی تو پھر فرعون کو کون پوچھتا۔

ذکر بعثت موسیٰ علیہ السلام ومکالمۂ او با فرعون

قَالَ اللهُ تَعَالَىٰ: ﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنۢ بَعْدِهِم مُّوسَىٰ... الى... فَإِذَا هِىَ بَيْضَآءُ لِلنَّٰظِرِينَ﴾

ربط:...... موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں سب سے پہلے ان کی بعثت کا واقعہ اور فرعون کے ساتھ ان کے مناظرہ اور مکالمہ کا ذکر فرماتے ہیں پھر ہم نے ان انبیاء مقدم الذکر کے بعد موسیٰ بن عمران کو اپنی نشانیاں دیکر یعنی معجزات اور دلائل نبوت دیکر فرعون اور اس کے قوم کے بڑے لوگوں کی طرف دعوت وتبلیغ کی خاطر بھیجا پس انہوں نے دلائل اور براہین رسالت یعنی معجزات کے ساتھ ظلم کیا معجزات کا حق یہ تھا کہ ان پر ایمان لاتے اور ان کی تصدیق سے اپنی اصلاح کرتے لیکن بجائے تصدیق کے ان کی تکذیب کی۔ پس دیدۂ بصیرت اور چشم عبرت سے دیکھ کہ حق کے ساتھ بے انصافی کرنے کے بعد

مفسدوں کا کیسا انجام ہوا کہ آخر کار سب غرق ہوئے اور ان کی زمین اور ملک کا ان کے دشمنوں کو وارث بنا دیا گیا۔ مفسدین سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے انبیاء کرام کی تکذیب کی اور ان کے آیات اور معجزات کے ساتھ ظلم کیا۔ موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے روپوش ہوئے تو مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے اور وہاں ان کی صاحبزادی صفورا سے نکاح فرمایا ایک عرصہ بعد پھر مصر جانے کا قصد فرمایا اثناء راہ میں خلعت پیغمبری ملا اور عصا اور ید بیضاء کا معجزہ عطاء ہوا اور حق تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ مصر جا کر فرعون کو راہ خداوندی کی دعوت دیں اور تکبر اور دعوائے خداوندی سے منع کریں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام مصر آئے اور مدت کے بعد جب فرعون سے ملاقات ہوئی تو اس کو حق کی دعوت دی اور موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے فرعون اس میں شک نہیں کہ میں تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ تمہاری ہدایت کے لیے آیا ہوں اور جو خداوند پروردگار کی طرف سے پیغمبر ہو کر آیا ہو اس کی بات کا قبول کرنا ضروری ہے۔ میں لائق اور سزاوار ہوں اس بات کے کہ خدا پر سوائے حق اور سچ بات کے کچھ نہ کہوں۔ یعنی میری شان کے لائق نہیں کہ میں خدا کی طرف کوئی غلط بات منسوب کروں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ حقیق کے معنی قائم اور ثابت کے ہیں یعنی میں بلا کسی تزلزل اور تذبذب کے قول حق پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہوں کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں اور رسول کبھی کوئی بات خلاف حق نہیں کہہ سکتا اور نہ ان کے پائے ثبات و استقامت میں کبھی تزلزل آ سکتا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ حقیق کے معنی حق لازم اور حق مؤکدہ اور واجب کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ میں من جانب اللہ قول حق پر واجب اور لازم کر دیا گیا ہوں یعنی قول حق کو اس بات کا پابند کر دیا گیا ہے کہ وہ میری ہی زبان سے نکلے کسی اور زبان سے اس کو نکلنے کی اجازت نہیں اور جس کی شان یہ ہو اس کی زبان سے خلاف حق کیسے نکل سکتا ہے یہ تو اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور ربوبیت کا ذکر ہوا اب آگے اپنی نبوت و رسالت کا ذکر فرماتے ہیں۔

تحقیق میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے اپنی نبوت و رسالت کی روشن دلیل لے کر آیا ہوں پیغمبری کا خالی دعویٰ ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ دلیل اور برہان بھی ہے یعنی معجزات بھی ہیں جو میری رسالت کی صحت پر گواہ ہیں۔ سو جب میں رسول مع الدلیل ہوں اور بدون وحی الٰہی کے کچھ نہیں کہتا تو میں جو کہوں اس کو دل و جان سے قبول کرو چنانچہ منجملہ ان امور کے ایک امر یہ ہے کہ تو بنی اسرائیل کو جن کو تو نے ناحق غلام بنا رکھا ہے اور اپنی بیگار لینے کی وجہ سے ان کو اپنے اصلی وطن ملک شام جانے سے روک رکھا ہے ان کو میرے ساتھ بھیج دے تاکہ [1] میں ان کو ارض مقدسہ جو ان کے آباء واجداد کا وطن ہے وہاں لے جاؤں فرعون نے بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا تھا ان سے اینٹیں پتھواتا اور مٹی ڈھلواتا اور پانی بھرواتا اور طرح طرح کی خدمتیں لیتا اس کا سبب یہ تھا کہ یعقوب علیہ السلام مع اپنے بیٹوں اور پوتوں کے مصر میں آئے اور وہیں آباد ہو گئے اور اولاد بہت ہو گئی اور یعقوب علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام انتقال فرما گئے اور ان کے زمانہ کا فرعون جس کا نام ریان تھا وہ بھی انتقال کر گیا۔ ریان کے بعد اس کا بیٹا مصعب فرعون مصر ہوا وہ بنی اسرائیل کی عزت اور توقیر کرتا تھا وہ بھی مر گیا اس کے بعد

[1] قال ابو السعود قوله تعالیٰ فارسل معی بنی اسرائیل ای فخلھم حتی یذھبوا معی الی الارض المقدسة التی ھی وطن آباءھم وکان قد استعبدھم بعد انقراض الاسباط یستعملھم ویکلفھم الاعمال الشاقة فانقذھم اللہ تعالیٰ بموسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تفسیر ابی السعود: ۲۹۲/۴، بر حاشیۃ تفسیر کبیر و روح المعانی: ۱۸/۹۔

موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا فرعون ولید تخت سلطنت پر متمکن ہوا اور ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ کی ڈینگ ماری بنی اسرائیل نے یہ دعویٰ قبول نہ کیا تو بولا کہ تم ہمارے بزرگوں کے زرخرید غلام ہو موسیٰ علیہ السلام نے بحکم خداوندی فرعون کو حق کی دعوت دی اور یہ کہا کہ اے فرعون بنی اسرائیل کو اس ظلم وستم سے آزاد کر اور ان کو میرے ساتھ کرتا کہ میں انہیں ارض شام لے جاسکوں جوان کا آبائی وطن ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمانا ﴿فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ (تو بنی اسرائیل کو اپنی قید سے چھوڑ دے اور میرے ساتھ ان کو ملک شام بھیج دے) بحکم خداوندی تھا معاذ اللہ کوئی قومی تحریک نہ تھی بعض دلدادگان قومیت وحریت اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کا مقصد قومی اور وطنی آزادی تھا سو یہ ایک مجنونانہ اور مخبوطانہ خیال ہے۔ فرعون اسی ملک کا باشندہ تھا اور قوم قبط بھی اسی ملک کی باشندہ تھی اور انہی کی اکثریت تھی اور بنی اسرائیل اقلیت میں تھے قومی اور وطنی نظریہ کے لحاظ سے فرعون کی حکومت قومی اور وطنی حکومت تھی۔ اس سے معارضہ کی کیا ضرورت تھی موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت کا وہی مقصد تھا جو تمام انبیاء کی نبوت ورسالت کا مقصد رہا ہے منجملہ ان مقاصد کے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ بنی اسرائیل (جو کہ اس زمانہ کے مسلمان تھے) ان کو ایک ظالم کے پنجہ سے نکال کر ملک شام لے جائیں تاکہ وہاں جا کر بلا کسی خوف وخطرہ کے خدائے وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کر سکیں باقی جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا مقصد صرف بنی اسرائیل کو آزادی دلانا تھا سو وہ سراسر تحریف ہے۔ اعاذنا اللہ من سوء الفهم۔

فرعون نے کہا کہ آپ اگر من جانب اللہ اپنے دعوائے نبوت ورسالت کی کوئی واضح اور روشن دلیل لے کر آئے ہیں تو اس کو پیش کیجئے اگر آپ اپنے دعوے میں سچے ہیں یعنی اگر آپ اپنے دعوائے رسالت میں سچے ہیں تو کوئی معجزہ دکھلایئے جس سے یہ ثابت ہو کہ پروردگار عالم کے پیغمبر اور فرستادہ ہیں اور اس نشانی کو دیکھ کر میں سمجھ لوں کہ آپ سچے ہیں۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے سنتے ہی فوراً اپنا عصا زمین پر ڈال دیا جو کہ لکڑی کا تھا سو وہ ڈالتے ہی دفعۃً بلا کسی سبب کے ایک صریح اژدہا تھا جس کے اژدہا ہونے میں کوئی شک وشبہ نہ تھا۔ دم کے دم میں ایک بے جان لکڑی حقیقۃً حیوان بن گئی اور یہ اژدہا صریح اژدہا تھا کوئی خیال یا شبیہ اور مثال نہ تھا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر اور سدی اور قتادہ رحمہم اللہ سے مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب وہ عصا زمین پر ڈالا تو وہ ایک مار عظیم بن گیا اور منہ کھول کر فرعون کی طرف متوجہ ہوا فرعون ڈر کر اپنے تخت سے بھاگا اور ڈر کے مارے اس کا پیشاب اور پاخانہ بھی خطا ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام سے فریاد چاہی تب موسیٰ علیہ السلام نے اس کو اٹھالیا تو وہ پھر حسب سابق عصا ہو گیا۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر: ۲/۲۳۶) اور فرعون کا خوف دور ہوا تو آ کر پھر اپنے تخت پر بیٹھا۔ ایک عصا نے فرعون کی ساری الوہیت کا خاتمہ کر دیا خیر ایک نشانی تو یہ ہوئی اور دوسری نشانی یہ ہوئی کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا پس وہ ناگہاں دیکھنے والوں کے لیے ایسا سفید تھا کہ دیکھنے والوں نے جان لیا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کی اندرونی نورانیت کا ایک نمونہ اور کرشمہ ہے اور "لِلنّٰظِرِيْنَ" کا مطلب یہ ہے کہ ید بیضاء کا معجزہ سب دیکھنے والوں نے دیکھا اور بلا کسی اشتباہ کے سب نے اس کو آنکھوں سے دیکھا کہ کسی شک اور شبہ کی گنجائش ہی نہ رہی دیکھ کر سب حیران رہ گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا تو جیسا پہلے تھا ویسا ہی ہو گیا۔ ان آیتوں میں حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے دو معجزوں کا ذکر فرمایا ان دو کے علاوہ اور بھی

معجزات ہیں جو دوسری آیات میں مذکور ہیں۔

ف: ...... اس آیت میں معجزہ عصاء کے متعلق یہ فرمایا ﴿فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ﴾ یعنی بڑا اژدہا ہو گیا اور دوسری آیت میں ﴿كَأَنَّهَا جَانٌّ﴾ فرمایا اور "جَانٌّ" چھوٹے سانپ کو کہتے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ وہ بڑائی میں تو مثل اژدہا کے تھا اور تیز رفتاری میں چھوٹے سانپ کی مانند تھا۔ یا شروع میں سانپ بنا پھر بعد میں اژدہا بن گیا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو منجملہ دیگر معجزات کے یہ دو بڑے معجزے عطا فرمائے ایک عصاء کا اور ایک ید بیضاء کا۔ معجزہ عصاء ان کی نبوت کی خارجی نشانی تھی اور معجزہ ید بیضاء ان کی نبوت کی ذات اور داخلی اور باطنی نشانی تھی جو ان کی ذات بابرکات میں تھی کہ ہاتھ جب گریبان میں ڈال کر نکالا تو روشن نکلا یہ ان کے نور باطن کا نمونہ تھا۔

قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٠٩﴾ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ

بولے سردار فرعون کی قوم کے یہ تو کوئی بڑا واقف جادوگر ہے ف۱ نکالنا چاہتا ہے تم کو

بولے سردار فرعون کی قوم کے، یہ بیشک کوئی پڑھا جادوگر ہے۔ نکالا چاہتا ہے تم کو

أَرْضِكُمْ ۖ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿١١٠﴾ قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَأَرْسِلْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿١١١﴾

تمہارے ملک سے اب تمہاری کیا صلاح ہے ف۲ بولے ڈھیل دے اس کو اور اس کے بھائی کو اور بھیج پرگنوں میں جمع کرنے والوں کو

تمہارے ملک سے، اب کیا مشورہ دیتے ہو؟ بولے، ڈھیل دے اس کو اور اس کے بھائی کو، اور بھیج پرگنوں میں نقیب۔

يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَاحِرٍ عَلِيمٍ ﴿١١٢﴾ وَجَاءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوا إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِنْ كُنَّا نَحْنُ

کہ جمع کر لائیں تیرے پاس جو ہو کامل جادوگر ف۳ اور آئے جادوگر فرعون کے پاس بولے ہمارے لیے کچھ مزدوری ہے اگر ہم

کہ لادیں تم پاس جو ہو پڑھا جادوگر۔ اور آئے جادوگر فرعون پاس، بولے، ہماری کچھ مزدوری ہے؟ اگر ہم

الْغَالِبِينَ ﴿١١٣﴾ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿١١٤﴾ قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِمَّا أَنْ تُلْقِيَ وَإِمَّا أَنْ

غالب ہوئے ف۴ بولا ہاں اور بیشک تم مقرب ہو جاؤ گے ف۵ بولے اے موسیٰ یا تو تو ڈال اور یا

غالب ہوئے۔ بولا، ہاں اور تم پاس رہا کرو گے۔ بولے، اے موسیٰ! یا تو ڈال یا

ف۱ معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے ہیبت زدہ ہو کر پبلک کو جمع کیا اور پہلے اس نے بذات خود (کمافی الشعراء) پھر اس کی طرف سے بڑے بڑے لیڈروں نے اس رائے کا اظہار کیا کہ موسیٰ علیہ السلام (معاذ اللہ) کوئی بڑے ماہر جادوگر معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ جو خوارق موسیٰ علیہ السلام سے ظاہر ہوئے ان کی حسیات کے موافق جادو سے بہتر ان کی کوئی توجیہ نہ ہو سکتی تھی۔

ف۲ یعنی عجیب و غریب ساحرانہ کرشمے دکھلا کر مخلوق کو اپنی طرف مائل کرنے اور انجام کار ملک میں اثر و اقتدار پیدا کر کے اور بنی اسرائیل کی حمایت و آزادی کا نام لے کر قبطیوں کو جو یہاں کے اصل باشندے ہیں، ان کے ملک و وطن (مصر) سے بے دخل کر دے۔ ان حالات کو پیش نظر رکھ کر مشورہ دو کہ کیا ہونا چاہیے۔

ف۳ مشاورت باہمی کے بعد یہ پاس ہوا کہ فرعون سے درخواست کی جائے کہ وہ ان دونوں (موسیٰ و ہارون) کے معاملہ میں جلدی نہ کرے۔ ان کا بہترین توڑ اور موثر جواب یوں ہو سکتا ہے کہ چپڑاسی بھیج کر تمام قلمرو میں سے فن سحر کے جاننے والے جو ان سے بھی بڑھ کر اس فن کے ماہر (سحار) ہوں جمع کر لیے جائیں، ان سے ان کا مقابلہ کرایا جائے۔ چنانچہ یوں ہی کیا گیا۔ =

نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ

ہم ڈالتے ہیں ف۱ کہا ڈالو ف۲ پھر جب انہوں نے ڈالا باندھ دیا لوگوں کی آنکھوں کو اور ان کو ڈرایا

ہم ڈالتے ہیں۔ کہا ڈالو! پھر جب ڈالا، باندھ دیں لوگوں کی آنکھیں اور ان کو ڈرا دیا

وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا

اور لائے بڑا جادو ف۳ اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کو کہ ڈال دے اپنا عصا سو وہ جب ہی لگا نگلنے جو سانگ

اور کر لائے بڑا جادو۔ اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کو، ڈال اپنا عصا۔ تبھی وہ لگا نگلنے جو سانگ

يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا

انہوں نے بنایا تھا پس ظاہر ہوگیا حق اور غلط ہوگیا جو کچھ انہوں نے کیا تھا پس ہار گئے اس جگہ اور لوٹ گئے

وہ بناتے تھے۔ تب داؤ پڑا حق کا، اور غلط ہوا جو وہ کرتے تھے۔ تب ہارے اس جگہ اور پھرے

صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى

ذلیل ہو کر اور گر پڑے جادوگر سجدہ میں ف۴ بولے ہم ایمان لائے پروردگار عالم پر جو رب ہے موسیٰ

ذلیل ہو کر۔ اور ڈالے گئے ساحر سجدہ میں۔ بولے، ہم نے مانا جہان کے صاحب کو۔ جو صاحب موسیٰ

= ف۴ ساحرین فرعون نے اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا کہہ کر پہلے ہی قدم پر جتلا دیا کہ انبیاء علیہم السلام جن کا پہلا لفظ ﴿مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ﴾ ہوتا ہے، کوئی پیشہ ور لوگ نہیں ہوتے۔

ف۵ یعنی مزدوری کیا چیز ہے وہ تو ملے گی، اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ تم ہمارے مقربین بارگاہ اور مصاحبین خاص میں داخل کر لیے جاؤ گے۔

ف۱ یہ شاید اس بناء پر کہا کہ پیشتر حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے روبرو عصا ڈال کر باذن اللہ اژدھا بنا چکے تھے۔

ف۲ یعنی جب تم کو یہ مقابلہ ہی منظور ہے اور اسی پر آخری فیصلہ کا انحصار کرتے ہو تو پہلے تم ہی ڈال کر پوری قوت آزمائی کر لو۔ کیونکہ باطل کی پوری نمائش اور زور آزمائی کے بعد جو حق کا غلبہ مشاہد ہوگا، وہ امید ہے کہ زیادہ موثر اور اوقع فی النفوس ہو تو فی الحقیقت یہ موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے سحر کے ساتھ معجزہ کا مقابلہ کرنے کی اجازت نہ تھی بلکہ دو صورتوں میں سے ایک ایسی صورت کا انتخاب تھا جو باطل کے خمود اور حق کے غلبہ و وضوح کی موثر ترین صورت ہو سکتی تھی۔

ف۳ یعنی جادو کے زور سے نظر بندی کر کے مجمع پر چھا گئے اور لوگوں کو مرعوب کر لیا۔ دوسری آیت میں ہے کہ انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر پھینک دیں جس سے زمین پر سانپ ہی سانپ دوڑتے معلوم ہونے لگے ﴿يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى﴾ ان آیات سے ظاہر ہوا کہ ساحرین فرعون نے اس وقت جو شعبدہ دکھلایا تھا، اس میں فی الواقع قلب ماہیت نہیں ہوا بلکہ وہ محض تخییل اور نظر بندی تھی۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام اقسام سحر اسی میں منحصر ہوں، شاید انہوں نے یہ گمان کیا ہو کہ ہم اتنی ہی کارروائی سے موسیٰ علیہ السلام کو دبا لیں گے۔ اور کچھ گنجائش ملتی تو ممکن تھا کہ اس سحر عظیم سے بھی بڑا کوئی سحر اعظم دکھلاتے، مگر اعجاز موسوی نے سحر کو پہلے ہی مورچہ پر مایوس کن شکست دے دی، آگے موقع ہی نہ رہا کہ مزید مقابلہ جاری رکھا جاتا۔

ف۴ یعنی عصائے موسیٰ سانپ بن کر ان کی تمام لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل گیا اور سارا بنا بنایا کھیل ختم کر دیا۔ جس سے ساحرین کو متنبہ ہوا کہ یہ سحر سے بالا تر کوئی اور حقیقت ہے۔ آخر فرعون کے لوگ بھرے مجمع میں شکست کھا کر اور ذلیل ہو کر میدان مقابلہ سے لوٹے، اور ساحرین خدائی نشانی دیکھ کر بے اختیار سجدہ میں گر پڑے۔ کہتے ہیں کہ موسیٰ و ہارون نے ظہور حق پر سجدہ شکر ادا کیا۔ اسی وقت ساحرین بھی سربسجود ہو گئے۔ اُلْقِيَ السَّحَرَةُ کا لفظ بتلاتا ہے کہ کوئی ایسا قوی حال ان پر طاری ہوا جس کے بعد بجز خضوع و استسلام کوئی چارہ نہیں رہا۔ رحمت الہیہ کا کیا کہنا کہ جو لوگ ابھی ابھی پیغمبر خدا سے نبرد آزمائی کر رہے تھے سجدہ سے سر اٹھاتے ہی اولیاء اللہ اور عارف کامل بن گئے۔

وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي

اور ہارون کا ف۱ بولا فرعون کیا تم ایمان لے آئے اس پر میری اجازت سے پہلے یہ تو مکر ہے جو بنایا تم سب نے

اور ہارون کا۔ بولا فرعون، تم نے مان لیا اس کو، ابھی میں نے حکم نہیں دیا تم کو، یہ مکر ہے کہ باندھ لائے ہو

الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ

اس شہر میں تاکہ نکال دو اس شہر سے اس کے رہنے والوں کو سو اب تم کو معلوم ہو جائے گا ف۲ میں ضرور کاٹوں گا تمہارے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں

شہر میں، کہ نکالو یہاں سے اس کے لوگ۔ سو اب تم جانو گے۔ میں کاٹوں گا تمہارے ہاتھ اور دوسرے پاؤں

مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ

پھر سولی پر چڑھاؤں گا تم سب کو وہ بولے ہم کو تو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہی ہے ف۳ اور تجھ کو ہم سے یہی دشمنی ہے کہ مان لیا ہم نے

پھر سولی چڑھاؤں گا تم سب کو۔ بولے ہم کو اپنے رب کی طرف جانا ہے۔ اور تو ہم سے

مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا

اپنے رب کی نشانیوں کو جب وہ ہم تک پہنچیں اے ہمارے رب دہانے کھول دے ہم پر صبر کے اور ہم کو مار

یہی بیر کرتا ہے کہ مانیں ہم نے اپنے رب کی نشانیاں، جب ہم تک پہنچیں، اے رب! دہانے کھول دے ہم پر صبر کے اور ہم کو مار

مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ ع ۱۴/۱۸

مسلمان ف۴

مسلمان۔

ف۱ چونکہ فرعون بھی اپنی نسبت اَنَا رَبُّکُمُ الاَعْلٰی کہتا تھا، شاید اس لیے رَبُّ الْعَالَمِیْنَ کے ساتھ رَبِّ مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ کہنے کی ضرورت ہوئی۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہو گیا کہ بیشک جہان کا پروردگار وہی ہو سکتا ہے جس نے موسیٰ و ہارون کو اپنی خاص ربوبیت سے بدون توسط اسباب ظاہرہ دنیا کے متکبروں پر علیٰ رؤس الاشہاد اس طرح غالب کر کے دکھلا دیا۔

ف۲ یعنی یہ تم سب جادوگروں کی ملی بھگت ہے، غالباً موسیٰ تمہارا بڑا استاد ہو گا۔ اس کو آگے بھیج دیا پھر سب نے اپنی مغلوبیت کا اظہار کر دیا۔ تاکہ عام لوگ متاثر ہو جائیں۔ اس گہری سازش سے تمہارا مقصود یہ ہے کہ اس ملک کے اصلی باشندوں کو نکال باہر کرو اور خود مصر کی سلطنت پر قبضہ کر لو۔ یہ تقریر فرعون نے اپنی کھلی شکست پر پردہ ڈالنے اور لوگوں کو الّو بنانے کی غرض سے کی تھی ﴿فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ﴾ مگر جس چیز سے فرعون اور فرعونی ڈر رہے تھے، آخر تقدیر الٰہی سے وہی پیش آئی ﴿وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ﴾ (القصص، رکوع ۱)

ف۳ ساحرین، توحید اور تمنائے لقاء اللہ کی شراب سے مخمور ہو چکے تھے، جنت و دوزخ گویا آنکھوں کے سامنے تھیں۔ بھلا وہ ان دھمکیوں کی کیا پرواہ کر سکتے تھے انہوں نے صاف کہہ دیا کہ کچھ مضائقہ نہیں جو کرنا ہو کر گزر پھر ہم کو اپنے خدا کے پاس جانا ہے تیرے سر ہو کر ہی۔ وہاں کے عذاب سے یہاں کی تکلیف آسان ہے اور اس کی رحمت و خوشنودی کے راستہ میں دنیا کی بڑی سے بڑی تکالیف و مصائب کا برداشت کر لینا بھی عاشقوں کے لیے سہل ہے۔

"ھنیئا لارباب النعیم نعیمھم — وللعاشق المسکین ما یتجرّع"

ف۴ یعنی جس رب کی نشانیوں کو مان لینے سے ہم تیری نگاہ میں مجرم ٹھہرے ہیں، اسی رب سے ہماری دعا ہے کہ وہ تیری زیادتیوں اور سختیوں پر ہم کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور مرتے دم تک اسلام پر مستقیم رکھے ایسا نہ ہو کہ گھبرا کر کوئی بات تسلیم و رضا کے خلاف کر گزریں۔

ذکر مقابلۂ ساحران فرعون با موسیٰ علیہ السلام

قَالَ اللهُ تَعَالیٰ : ﴿قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ... الی... وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ﴾

ربط:...... فرعون نے جب یہ دونوں معجزے دیکھے تو گھبرا گیا اور مشورہ کے لیے اپنی قوم کے سرداروں کو بلایا اور پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہیے لوگوں نے یہ خیال کر کے کہ موسیٰ علیہ السلام سے جو کرشمہ ظاہر ہوا ہے وہ کوئی شعبدہ یا جادو ہے اس لیے مشورہ یہ دیا کہ مقابلہ کے لیے جادوگروں کو جمع کیا جائے تاکہ جادو کا مقابلہ جادو سے کیا جائے ﴿أَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ أَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يَا مُوسَىٰ ۞ فَلَنَأْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهِ﴾ الآیات.

اس قصہ کے ذکر کرنے سے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ورسالت کا اثبات مقصود ہے اور فرعون کے دعوائے الوہیت کا ابطال مطلوب ہے کہ فرعون کا یہ دعویٰ ﴿أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ﴾ بالکل غلط تھا وہ تو خدا کا پیدا کردہ ایک عاجز اور ناتواں انسان تھا اور اگر وہ خدا ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام سے کیوں ڈرتا اور گھبراتا اور جادوگروں سے کیوں مدد چاہتا۔ غرض یہ کہ فرعون نے یہ دونوں معجزے دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں مشورہ کرنے کے لیے اپنی قوم کے سرداروں کو بلایا تو قوم فرعون کے سرداروں نے کہا کہ بیشک یہ موسیٰ بڑا دانا جادوگر ہے یعنی یہ جو اس نے لاٹھی کو سانپ بنا دیا اور اپنے ہاتھ کو سفید دکھایا۔ یہ سب اس کے جادو کا کرشمہ ہے اور اپنے فن میں ماہر ہے فقط دعوائے نبوت ورسالت پر ہی اکتفا نہیں کرنا چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ اپنے سحر کے زور سے تم کو تمہارے ملک سے نکال دے اور خود بادشاہ بن جائے۔ فرعون نے کہا اب تم کیا مشورہ دیتے ہو یعنی کیا تدبیر کریں جس سے یہ شخص اپنے مقصد میں ناکامیاب ہو جائے اے ارکان دولت جو مجھے مشورہ دو گے اس پر عمل کروں گا۔ انہوں نے مشورہ یہ دیا کہ سردست موسیٰ کو اور ان کے بھائی کو ذرا ڈھیل دو اور ان کے معاملہ میں جلدی نہ کرو۔ اور یہ مشورہ مجبوری کا تھا۔ فرعون کو باوجود غیظ وغضب کے موسیٰ علیہ السلام کے نہ قتل پر قدرت ہوئی اور نہ ان کے قید کرنے پر قدرت ہوئی حالانکہ فرعون نے ان کو دھمکی دی تھی۔ ﴿لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ﴾ اور ارکان دولت نے فرعون کو مشورہ دیا کہ اپنی سلطنت کے تمام شہروں میں نقیب بھیج دو کہ ہر دانا جادوگر کو آپ کے پاس لے کر آئیں ان سے اس کا مقابلہ کرایئے وہ اسے نیچا دکھائیں گے چنانچہ اس رائے پر عمل کیا گیا اور شہروں میں آدمی بھیج دیئے گئے اور جادوگر فرعون کے پاس آئے تو بولے کہ ہم کو کچھ صلہ اور انعام بھی ملے گا۔ اگر ہم اس شخص پر غالب آ گئے اور اس کو نیچا دکھا دیا فرعون بولا ہاں ضرور تم کو اس کا انعام بھی ملے گا اور مزید برآں یہ ہوگا کہ تم بلاشبہ میرے خاص مقربین میں سے ہو جاؤ گے یعنی اگر تم غالب آ گئے تو صرف انعام اور اجرت پر اکتفا نہ ہوگا بلکہ قرب شاہی کی عزت و وجاہت بھی تم کو ملے گی مال و دولت اور عزت و وجاہت دونوں جمع ہو جائیں گے جو دنیا میں کامل ترین خوش نصیبی سمجھی جاتی ہے اس گفتگو کے بعد ایک دن مقابلہ کے لیے طے ہو گیا اور جب وقت مقابلہ کا آیا تو ساحروں نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا اے موسیٰ یا تو آپ پہلے اپنی لاٹھی ڈالیں یا ہم ہی پہلے ڈالنے والے ہو جائیں۔ ان کا گمان یہ تھا کہ جب ہم سب مل کر اپنی لاٹھیاں ڈالیں گے تو موسیٰ علیہ السلام حیران اور دنگ رہ جائیں گے موسیٰ علیہ السلام نے از راہ خلق وکرم فرمایا اچھا تم ہی پہلے ڈالو مجھے اس کی کچھ فکر اور پرواہ نہیں کہ کون پہلے ڈالے موسیٰ علیہ السلام کو یقین کامل تھا کہ غلبہ اللہ کے رسول ہی کو ہوگا خواہ

ابتداء کسی جانب سے ہو اور سحر کسی حال میں بھی معجزہ پر غالب نہیں آسکتا اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اچھا پہلے تم ہی اپنے کمال کا مظاہرہ کر لو اور دل کی حسرت نکال لو پس جب ان ساحروں نے اپنی لاٹھیوں اور رسیوں کو زمین پر ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا۔ یعنی لوگوں کو ان کی رسیاں اور لاٹھیاں سانپ دکھلائی دیں ورنہ حقیقت اور اصلیت کچھ نہ تھی اور لوگوں کو اپنے جادو سے ڈرایا اور بڑا بھاری جادو لائے جسے دیکھ کر لوگ اول وہلہ میں ڈر گئے اور یہ خیال کیا کہ ایسے سحر کا کون مقابلہ کر سکتا ہے کہا جاتا ہے کہ تیس ہزار جادوگر تھے۔ ہر ایک کے پاس عصا اور رسن تھا انہوں نے ایک میل طول میں اور ایک میل عرض میں سانپ ہی سانپ بھر دیئے تھے اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اے موسیٰ اب تو اپنا عصا زمین پر ڈال دے جیسا کہ آپ ڈالا کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اعجاز موسوی سحر فرعونی کو کس طرح نگل جاتا ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے بحکم خداوندی اپنا عصا زمین پر ڈالا پس وہ ڈالتے ہی اژدہا بن گیا اور ان کے بنے بنائے سانگ اور ڈھونگ کو نگلنے لگا دم کے دم میں عصائے موسیٰ سانپ بن کر ان کی تمام لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل گیا پس حق کا حق ہونا ثابت ہو گیا اور ان کے عمل سحر کا غلط اور باطل ہونا ظاہر ہو گیا اور سب نے بچشم سر دیکھ لیا کہ نبی کا معجزہ سحر عظیم کو کس طرح یک لخت نگل جاتا ہے۔ پس اس جگہ فرعون کی تمام قوم مغلوب ہو گئی اور نہایت ذلیل وخوار ہو کر اپنے گھروں کو واپس ہوئے تکبر اور غلبہ کے خیال کو لے کر میدان مقابلہ میں آئے تھے مگر ذلت اور ناکامی اور نامرادی کو لے کر واپس ہوئے اور چوں کہ جادوگروں نے بوقت مقابلہ موسیٰ علیہ السلام کے ادب کو ملحوظ رکھا اور موسیٰ علیہ السلام کو یہ اختیار دیا کہ ڈالنے میں آپ ابتداء کریں یا ہم۔ تو اس ادب کی برکت سے توفیق ایزدی نے ان کی دستگیری کی اور تکوینی طور پر یہ جادوگر جبراً وقہراً سجدہ میں ڈال دیئے گئے گویا کہ توفیق ایزدی نے سر پکڑ کر ان کو سجدہ میں ڈال دیا۔ ساحروں نے جب یہ دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہمارے اس سحر عظیم کو یک لخت نگل گیا تو سمجھ گئے کہ یہ امر آسمانی ہے سحر نہیں سحر سحر پر غلبہ پا سکتا ہے لیکن سحر کو نیست اور نابود نہیں کر سکتا اور موسیٰ علیہ السلام کے دست مبارک سے جو کرشمہ ظاہر ہوا ہے وہ کوئی سحر سے بالا اور برتر حقیقت ہے اور سحر کی حد اور احاطہ سے بالکل باہر ہے اس لیے فوراً ایمان لے آئے اور اس خدائی نشان کو دیکھ کر بے اختیار سجدہ میں گر پڑے لفظ ﴿أُلْقِيَ السَّحَرَةُ﴾ (جادوگر ڈال دیئے گئے) اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ ان پر غیبی طور پر کوئی خاص حالت اور خاص کیفیت طاری ہوئی کہ جس کے بعد بجز خضوع اور استسلام کے کوئی چارہ نہ رہا ابھی نبی کے مقابلہ پر کھڑے تھے ایک گھڑی نہ گزری کہ سجدہ میں گرے اور سر اٹھانے سے پہلے ولی کامل عارف باللہ بن گئے اور سجدہ ہی کی حالت میں ان کو جنت اور جہنم دکھلا دی گئی۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۲۳۷۔ ﴿ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾

غرض یہ کہ جادوگر اس حالت کو دیکھ کر سجدہ میں گر پڑے اور بطور لذت یہ کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے رب العالمین پر جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا جس نے ان کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے جادوگروں نے رب العلمین کے ساتھ رب موسیٰ وھارون کا لفظ اس لیے بڑھایا تاکہ قوم فرعون میں سے کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ انہوں نے یہ سجدہ فرعون کو کیا ہے کیونکہ فرعون بھی اپنے آپ کو رب اعلیٰ کہتا تھا فرعون نے جب یہ دیکھا کہ میرا دام فریب تو سارا تار تار ہو گیا تو ذرا بہادر بن کر بولا کہ تم میری

اجازت سے پہلے ہی رب موسیٰ اور ہارون پر ایمان لے آئے بیشک ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب تمہارا مکر ہے جو اس شہر میں تم سب نے (آپس میں مل کر) کیا ہے یعنی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اس سے پہلے ہی موسیٰ کے ساتھ سازش کر لی تھی جب ہی تو تم جلدی سے اس پر ایمان لے آئے۔ یہ اس ملعون کا صریح جھوٹ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام تو ابھی مدین سے آئے تھے اور سیدھے فرعون کے پاس گئے اور اس کو حق کی دعوت دی اور معجزے ظاہر فرمائے وہ تو ان جادوگروں کو پہچانتے بھی نہ تھے اور نہ ان میں سے پہلے کسی کو دیکھا تھا یہ سب فرعون کے حکم سے جمع ہوئے تھے فرعون نے یہ لفظ اپنی کمزوری کی پردہ پوشی اور قوم کو فریب دینے کے لیے کہا کما قال تعالیٰ: ﴿فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ﴾۔ اور تم نے یہ سازش اس لیے کی ہے کہ تم اس شہر سے اس کے باشندوں کو نکال دو اور اپنی سلطنت قائم کرو اچھا اب عنقریب تم اپنی سازش کا نتیجہ معلوم کر لو گے وہ یہ کہ میں ضرور تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کٹواؤں گا۔ مثلاً دایاں ہاتھ اور بایاں پیر کہ اس سے سارا دھڑ بیکار ہو جاتا ہے پھر تم کو ضرور سولی پر لٹکا دوں گا تا کہ لوگوں کو عبرت ہو ساحروں نے جواب دیا کہ تو ہمیں موت اور قتل سے کیا ڈراتا ہے ہم تو موت کے مشتاق ہیں اس لیے کہ تحقیق ہم تو اپنے پروردگار کی طرف جانے والے ہیں اور اس کی لقاء کے مشتاق ہیں اور موت اس کا بہترین ذریعہ ہے اور اس کی لقاء کے بعد ہم کو ایسی پاکیزہ اور لذیذ حیات ملے گی۔ جو اس دنیوی حیات سے کہیں بہتر اور برتر ہوگی جو تجھ سے ہو سکے وہ کر گزر ہم مرنے سے نہیں ڈرتے۔

عارف رومی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جانہائے بستہ اندر آب وگل	چوں رہند از آب و گلہا شاد دل
در ہوائے مہر حق رقصاں شوند	ہمچوں قرص بدر بے نقصاں شوند
چوں نقاب تن برفت از روئے روح	از لقائے دوست دارند صد فتوح
میزند جاں در جہان آ ہنگوں	نعرۂ یا لَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ

اور اے فرعون تجھے ہم سے کیا عیب نظر آتا ہے سوائے اس کے کہ ہم اپنے پروردگار کی نشانیوں پر ایمان لے آئے جبکہ اس کی قدرت کی نشانیاں ہمارے پاس آ گئیں اور ہم نے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ محض سنا نہیں بلکہ آنکھوں سے ان کا مشاہدہ کر لیا۔ بعد ازاں یک لخت ان ساحروں نے فرعون سے منہ پھیر لیا اور حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا اے ہمارے پروردگار پانی کی طرح ہم پر صبر ڈال دے کہ سر سے پیر تک صبر میں نہا جائیں تا کہ بلا اور مصیبت کے وقت بے صبری نہ کریں اور ہم کو مسلمان مار یعنی مرتے دم تک اسلام پر قائم رہیں اور کسی فتنہ اور بلا سے ہمارے پائے استقلال میں تزلزل نہ آئے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کلبی اور سدی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ فرعون نے ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر ان کو سولی پر چڑھا دیا اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ فرعون ان کے عذاب دینے پر قدرت نہ پا سکا کیونکہ خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ وعدہ کیا تھا۔ ﴿فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا بِاٰيٰتِنَآ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ﴾ یعنی فرعون والے تم دونوں بھائیوں پر دست درازی نہ کر سکیں گے۔ ہماری نشانیاں لے کر جاؤ۔ تم دونوں اور تمہارے پیرو غالب رہیں گے۔ (روح المعانی: ۹/ ۲۵)

نکتہ:......اس آیت میں بجائے "انزل علینا صبرا" کے ﴿اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا﴾ کہا گیا سو لفظ "افراغ" بہ نسبت لفظ "انزال" کے زیادہ بلیغ ہے اس لیے کہ انزال کے معنی اتارنے کے ہیں اور افراغ کے معنی برتن سے اس طرح پانی بہا دینے کے ہیں کہ برتن میں کچھ نہ رہے اور علی کا لفظ استعلاء اور احاطہ کے لیے ہے سو مطلب یہ ہوگا کہ ہم پر صبر کامل کا ایسا پانی بہا دے کہ جو سر سے پیر تک یہ صبر کا پانی ہمارے تمام بدن پر سے گزر جائے اور کوئی حصہ بدن کا ایسا نہ رہ جائے کہ جس میں بے صبری کی کوئی کدورت باقی رہ جائے اور سر سے پیر تک صبر کے پانی میں ایسے نہا جائیں کہ کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے اور صبر اگرچہ بندہ کا فعل ہے مگر حق تعالیٰ سے درخواست کرنے میں اشارہ اس طرف ہے کہ بندے کے افعال کا خالق بھی حق تعالیٰ ہی ہے اور ﴿تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ﴾ میں اشارہ اس طرف ہے کہ اصل اعتبار خاتمہ کا ہے۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰی وَقَوْمَهٗ لِیُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَیَذَرَكَ

اور بولے سردار قوم فرعون کے کیوں چھوڑتا ہے تو موسیٰ کو اور اس کی قوم کو کہ دھوم مچائیں ملک میں ف۱ اور موقوف کر دے تجھ کو

اور بولے سردار قوم فرعون کے، کیوں چھوڑتا ہے موسیٰ کو اور اس کی قوم کو؟ کہ دھوم اٹھاویں ملک میں اور موقوف کرے تجھ کو

وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ قَالَ

اور تیرے بتوں کو ف۲ بولا اب ہم مار ڈالیں گے ان کے بیٹوں کو اور زندہ رکھیں گے ان کی عورتوں کو اور ہم ان پر زور آور ہیں ف۳

اور تیرے بتوں کو۔ بولا، اب ہم ماریں گے ان کے بیٹے اور جیتی رکھیں گے ان کی عورتیں۔ اور ان پر ہم زور کریں گے۔

مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۫ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ

موسیٰ نے کہا اپنی قوم سے مدد مانگو اللہ سے اور صبر کرو بیشک زمین ہے اللہ کی اس کا وارث کر دے جس کو وہ چاہے اپنے

موسیٰ نے کہا اپنی قوم کو، مدد مانگو اللہ سے اور ثابت رہو۔ زمین ہے اللہ کی، اس کا وارث کرے جس کو چاہے اپنے

ف۱ جب حق کے نشان دیکھ کر ساحرین سجدہ میں گر پڑے اور بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دینا شروع کر دیا بلکہ بعض قبطیوں کا میلان بھی ان کی طرف ہونے لگا تو فرعونی لیڈر گھبرائے اور فرعون کو یہ کہہ کر تشدد پر آمادہ کرنے لگے کہ موسیٰ اور اس کی قوم بنی اسرائیل کو یہ موقع نہ دینا چاہیے کہ وہ آزاد رہ کر ملک میں اودھم مچاتے پھریں اور عام لوگوں کو اپنی طرف مائل کر کے حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیں اور آئندہ تیری اور تیرے تجویز کئے ہوئے معبودوں کی پرستش ملک سے موقوف کرا دیں۔

ف۲ فرعون اپنے کو "رب اعلیٰ" بڑا پروردگار کہتا تھا۔ غالباً اسی "اعلیٰ" کو نباہنے کے لیے کچھ ادنیٰ پروردگار بھی تجویز کئے ہوں گے۔ ان کو یہاں ﴿اٰلِهَتَكَ﴾ کہا۔ بعض نے کہا کہ وہ گائے وغیرہ کی مجسم تصویریں تھیں بعض نے سورج اور ستاروں کا ارادہ کیا ہے بعض کے نزدیک خود فرعون نے اپنی تصویر کے مجسمے پرستش کے لیے تقسیم کر دیے تھے کچھ ہی ہو بہر حال بڑا معبود اپنے ہی کو کہلواتا تھا۔ اور ﴿مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ﴾ کہہ کر خدا کے وجود کی نفی کرتا تھا۔ العیاذ باللہ۔

ف۳ موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے بھی فرعون نے بنی اسرائیل پر ظلم کر رکھا تھا کہ لڑکوں کو قتل کر دیتا۔ اس خوف سے کہ کہیں یہ وہ بنی اسرائیلی نہ ہو جس کے ہاتھ پر اس کی سلطنت کے زوال کی خبر نجمین نے دی تھی۔ اور لڑکیوں کو خدمت وغیرہ کے لیے زندہ رہنے دیتا۔ اب موسیٰ علیہ السلام کا اثر دیکھ کر اندیشہ ہوا کہ کہیں اس کی تربیت و اعانت سے بنی اسرائیل زور نہ پکڑ جائیں اس لیے انہیں خوفزدہ اور عاجز کرنے کے لیے اپنے زور و قوت کے نشہ میں پھر اسی پرانی اسکیم پر عمل کرنے کی ٹھہرائی۔ بنی اسرائیل اس سفاکانہ تجویز کو سن کر طبعی طور پر پریشان اور دہشت زدہ ہوئے ہوں گے۔ اس کا علاج موسیٰ علیہ السلام نے آئندہ آیت میں بتلایا۔

عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا

بندوں میں اور آخر میں بھلائی ہے ڈرنے والوں کے لیے ف۱ وہ بولے ہم پر تکلیفیں رہیں تیرے آنے سے پہلے اور تیرے

بندوں میں۔ اور آخر بھلا ہے ڈر والوں کا۔ بولے، ہم پر تکلیف رہی تیرے آنے سے پہلے اور جب تو ہم میں

جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ

آنے کے بعد ف۲ کہا نزدیک ہے کہ رب تمہارا ہلاک کر دے تمہارے دشمن کو اور خلیفہ کر دے تم کو ملک میں پھر دیکھے

آ چکا۔ کہا، نزدیک ہے کہ رب تمہارا کھپا دے تمہارے دشمن کو اور نائب کرے تم کو ملک میں، پھر دیکھے

كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۵

تم کیسے کام کرتے ہو ف۳

تم کیسا کام کرتے ہو۔

ذکر اضطراب و پریشانی قبطیان از اندیشۂ غلبۂ سبطیان

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى... الی... فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ﴾

اور جب موسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ عظیمہ ظاہر ہوا اور حق کے اس نشان کو دیکھ کر ساحرین سجدہ میں گر پڑے اور عام طور پر قبطیوں کا میلان بھی ان کی طرف ہونے لگا تو فرعون ڈر گیا۔ اور اس کی قوم کے سردار گھبرا گئے اور اسی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام سے کوئی تعرض نہ کیا اور نہ درپئے آزار ہوا۔ نہ قتل کیا اور نہ قید کیا تو اس وقت قوم فرعون کے سرداروں نے فرعون سے کہا کیا تو موسیٰ کو اور اس کی قوم (بنی اسرائیل) کو اسی حالت میں چھوڑے رکھے گا۔ کہ وہ زمین مصر میں فساد پھیلاتے پھریں یعنی تیری مخالفت اور بغاوت پر لوگوں کو آمادہ کریں اور تیری اطاعت سے برگشتہ کریں اور وہ موسیٰ تجھے اور تیرے مقرر کردہ معبودوں کو چھوڑ دے اور لوگ تیری عبادت سے اور تیرے تجویز کردہ بتوں کی عبادت سے منہ پھیر لیں۔ فرعون دہری تھا اور صانع عالم کا منکر تھا اور تاثیر کواکب کا قائل تھا خود چاند اور سورج اور ستاروں کو پوجتا تھا اور لوگوں سے اپنی عبادت کراتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ زمین میں، میں ہی تمہارا سردار اور پروردگار اور رب اعلیٰ ہوں اور اپنی صورت کے بت بنوا کر لوگوں میں تقسیم کر دیئے تھے اور

ف۱ یعنی گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ اللہ کے سامنے کسی کا زور نہیں چلتا، ملک اسی کا ہے جس کو مناسب جانے عطا فرمائے۔ لہٰذا ظالم کے مقابلہ میں اسی سے مدد مانگو۔ اسی پر نظر رکھو، اسی سے ڈرو، صبر و تقویٰ کی راہ اختیار کرو، اور یقین رکھو، کہ آخری کامیابی صرف متقین کے لیے ہے۔

ف۲ یعنی ہم تو ہمیشہ مصیبت ہی میں رہے۔ تمہاری تشریف آوری سے قبل ہم سے ذلیل بیگار لی جاتی تھی۔ اور ہمارے لڑکے قتل کیے جاتے تھے۔ تمہارے آنے کے بعد طرح طرح کی سختیاں کی جارہی ہیں اور قتل ابناء کے مشورے ہو رہے ہیں۔ دیکھئے کب ہماری مصیبتوں کا خاتمہ ہو۔

ف۳ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تسلی دی کہ زیادہ مت گھبراؤ۔ خدا کی مدد قریب آ گئی ہے۔ تم دیکھ لوگے کہ تمہارا دشمن ہلاک کر دیا جائے گا اور تم کو ان کے اموال کا مالک بنا دیا جائے گا تاکہ جس طرح آج سختی و غلامی میں تمہارا امتحان ہو رہا ہے، اس وقت خوشحالی اور آزادی دے کر آزمایا جائے کہ کہاں تک اس کی نعمتوں کی قدر اور احسانات کی شکر گزاری کرتے ہو۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ کلام مسلمانوں کے سنانے کو نقل فرمایا، یہ سورت مکی ہے، اس وقت مسلمان بھی ایسے ہی مظلوم تھے "گفتہ آید در حدیث دیگراں" کے رنگ میں یہ بشارت ان کو پہنچائی۔

ان سے ان کی عبادت کراتا تھا۔ اور اپنے کو سب کا سردار بتاتا تھا اور اسی وجہ سے ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ یعنی یہ بت تمہارے چھوٹے خدا ہیں اور میں تمہارا بڑا خدا ہوں بہر حال وہ اپنے آپ کو بڑا معبود کہلواتا تھا اور ﴿مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ﴾ کہہ کر وجود باری تعالیٰ کی نفی کرتا تھا۔ غرض یہ کہ ارکانِ سلطنت نے فرعون کو یہ مشورہ دیا کہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو اس طرح بے دار و گیر چھوڑنا مناسب نہیں اس کا انسداد اور انتظام ضروری ہے۔ فرعون نے کہا ہم عنقریب ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے تاکہ ان کی نسل منقطع ہو جائے اور ان کی بیٹیوں کو اپنی خدمت کے لیے زندہ رکھیں گے۔ جیسا کہ ہم پہلے کیا کرتے تھے اور یہ حکم (یعنی قتل ابناء اور استحیاء نساء) جو چند روز سے ملتوی تھا اس کو پھر جاری کر دیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے فرعون نے قتل ابناء اور استحیاء نساء کا حکم دیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کا تابوت جب غیبی طور پر فرعون کے گھر پہنچ گیا اور فرعون کی بیوی نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنا بیٹا بنا لیا اور موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلانا ایک اسرائیلی عورت کے سپرد ہو گیا تو اس وجہ سے بنی اسرائیل کا قتل ترک کر دیا پھر ایک عرصہ دراز کے بعد موسیٰ علیہ السلام جب پیغام رسالت لے کر آئے اور ساحروں سے مقابلہ ہوا تو فرعون نے حسب سابق پھر اس حکم کو دوبارہ جاری کیا اور یہ کہا کہ تحقیق ہم بنی اسرائیل پر غالب ہیں اور وہ مغلوب ہیں اور ہمارے زیر حکم ہیں ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں مگر یہ نہیں کہا کہ ہم موسیٰ کو قتل کر ڈالیں گے کیونکہ اس کو یقین ہو گیا تھا کہ مجھے موسیٰ علیہ السلام کے قتل پر قدرت نہیں۔ جب اس گفتگو اور مشورہ کی خبر بنی اسرائیل کو پہنچی تو مضطرب اور پریشان ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام سے آ کر اپنی پریشانی بیان کی تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی تسلی کے لیے فرمایا کہ اس کے ظلم و تشدد کے مقابلہ میں اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو اور گھبراؤ مت جو شخص اللہ سے مدد مانگتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اس کو قہر اور غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ اور اللہ صابروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ بیشک تمام زمین اللہ ہی کی ہے وہی وقتاً فوقتاً جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اس کو وارث بناتا رہتا ہے کبھی صالح سے لے کر طالح کو دیتا ہے اور کبھی طالح سے چھین کر صالح کو دیتا ہے اور وہ زمین مصر فی الحال اگرچہ ایک طالح کے قبضہ میں ہے لیکن تم صبر کرو اور تقویٰ پر قائم رہو عنقریب تم اس زمین کے وارث بنا دیئے جاؤ گے۔ اس لیے کہ اخیر کامیابی اور نیک انجام متقیوں کے لیے ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اشارۃً اور کنایۃً بنی اسرائیل کو خوشخبری سنائی مگر وہ نہ سمجھے اور حکایات اور شکایات کا سلسلہ شروع کیا اور بولے کہ اب ہم میں صبر کی طاقت نہیں رہی۔ بلا اور مصیبت بہت شدید اور مدید ہو چکی ہے اے موسیٰ ہم آپ کے آنے سے پہلے بھی ستائے گئے اور آپ کے آنے کے بعد بھی آخر کہاں تک صبر کریں۔

مطلب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے بھی فرعون نے بنی اسرائیل پر ظلم ڈھا رکھا تھا۔ جبکہ منجموں نے اس کو یہ خبر دی تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک صاحب جاہ و جلال لڑکا پیدا ہوگا جو تیری سلطنت کے زوال کا باعث ہوگا اس خوف کی بناء پر اس نے یہ حکم جاری کر دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو اس کو قتل کر دیا جائے اور لڑکیوں کو چھوڑ دیا جائے۔ خدا کی قدرت کہ جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور ان کی والدہ ماجدہ نے بادشاہ کے خوف سے ان کو ایک صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا اور وہ صندوق بادشاہ کی بیٹی کے ہاتھ لگا۔ اور وہ اپنی ماں کے پاس لے گئی اور اس پاکیزہ بی بی نے بادشاہ کی اجازت سے موسیٰ علیہ السلام کو اپنا بیٹا بنا لیا چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جوان ہوئے تو بنی اسرائیل سے ان مظالم کو دور کر دیا، جو پہلے سے

چلے آرہے تھے۔ بادشاہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہت خاطر کرتا تھا اور ان کے احکام ملک میں شہزادہ کی طرح جاری ہوتے تھے ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک مظلوم اسرائیلی کی حمایت میں ایک قبطی کو مار دیا اس واقعہ کے بعد موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ڈر سے مصر سے مدین چلے گئے اور وہاں شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے اور ان کی صاحبزادی سے نکاح ہوا جب ایک عرصہ کے بعد مدین سے واپس ہوئے تو راستہ میں نبوت و رسالت کا خلعت ملا۔ اور فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا چنانچہ فرعون کے پاس آئے اور اس کو احکام الٰہی سنائے اور معجزات دکھائے جن کو دیکھ کر جادوگر ایمان لے آئے اس وقت فرعون کو اندیشہ ہوا کہ ملک میں موسیٰ علیہ السلام کا اثر، زور اور قوت نہ پکڑ جائے اس لیے فرعون نے اسی اگلے ظلم کی دھمکی کہ جو درمیان میں ملتوی ہوگیا تھا اور یہ کہا کہ جیسے میں پہلے تمہارے لڑکوں کو قتل کراتا تھا اب بھی اسی طرح کرونگا اور قتل ابناء کا حکم جو ایک عرصہ ملتوی تھا اب دوبارہ اس کو جاری کردوں گا بنی اسرائیل اس ظالمانہ اور سفاکانہ تجویز کو سن کر ڈر گئے مگر موسیٰ علیہ السلام نے ان کو تسلی دی اور کہا کہ گھبراؤ نہیں امید ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو یعنی فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک کرے اور ان کے بجائے تم کو اس زمین میں حکمران بنادے پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو کہ اس نعمت کا شکر کرتے ہو یا معصیت اور غفلت کی راہ اختیار کرتے ہو۔

لطائف و معارف

۱- خداوند ذوالجلال کی سنت یہ ہے کہ جب کسی برگزیدہ بندہ کو خلعت نبوت و رسالت سے سرفراز فرماتے ہیں تو اس کے ہاتھ پر ایسے خارق عادت افعال ظاہر فرماتے ہیں کہ جو قوت بشریہ کی حدود سے بالکل خارج ہوتے ہیں اور تمام افراد بشر اس کے مثل لانے سے عاجز ہوتے ہیں۔ ایسے افعال کو معجزہ کہتے ہیں جیسے آگ کا ابراہیم علیہ السلام کے حق میں برد اور سلام ہوجانا اور موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا سانپ بن جانا اور عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پھیر دینے سے کوڑھی اور مادرزاد اندھے کا اچھا ہوجانا اور صالح علیہ السلام کی دعا سے صخرہ میں سے ایک حاملہ اونٹنی کا برآمد ہوجانا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے ہوجانا۔

پس جب اس قسم کے افعال انبیاء کرام سے صادر ہوتے ہیں کہ جن کا مثل صادر کرنے سے کل عالم عاجز ہوتا ہے اور وہ افعال حد بشریت اور امکان مخلوقیت سے بالا اور برتر ہوتے ہیں تو لوگوں پر یہ بات روشن ہوجاتی ہے کہ یہ لوگ فرستادگان خدا ہیں اور اس قسم کے خوارق۔ ان کی صداقت کے نشان ہوتے ہیں۔ پس جو امر خارق للعادت بلا کسی سبب کے محض اللہ کی قدرت اور مشیت سے خدا کے کسی برگزیدہ بندے کے ہاتھ پر اس کی صداقت ظاہر کرنے کے لیے ظہور میں آئے اس کو معجزہ کہتے ہیں کہ کل عالم اس کے مثل لانے سے عاجز ہوجاتا ہے رسول اور نبی چونکہ انسان ہی ہوتے تھے اور ان کی صورت اور دوسرے انسانوں کی صورت میں بظاہر فرق نہیں ہوتا تھا اس لیے اللہ پاک ان کو معجزات عطاء کرتا تھا تاکہ وہ ان کی صداقت کی دلیل بنیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا ہے۔

﴿فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ﴾ (یعنی تیرے رب کی طرف سے تیری نبوت و رسالت کی یہ دو روشن دلیلیں ہیں)

۲-سحر کی حقیقت یہ ہے کہ جو خارق عادت امر ایسے اسباب خفیہ کے استعمال سے ظاہر ہو کہ جسے دیکھ کر عام طور پر عقل اور اوروہم وحیران رہ جائے۔

جمہور علماء اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ سحر کی چند اقسام ہیں۔ بعض قسمیں وہ ہیں جن کی نفس الامر میں کوئی حقیقت ہوتی ہے اور بعض قسمیں وہ ہیں کہ جن کی واقع میں کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ محض خیال اور نظر بندی ہوتی ہے اور جمہور معتزلہ اور بعض علماء اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ سحر بالکل ایک بے حقیقت شے ہے۔ واقع میں اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی وہ محض تمویہ اور تخییل ہوتی ہے یعنی محض ملمع کاری اور نظر بندی ہوتی ہے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی: ۲/۴۶، وفتح الباری)

اور حق جل شانہ کے اس ارشاد ﴿فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ﴾ سے بظاہر یہ معلوم ہے کہ سحر ایک بے حقیقت شئے ہے اس لیے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب ان ساحروں نے اپنی لاٹھیوں اور رسیوں کو ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ساحرین فرعون نے جو شعبدہ دکھلایا فی الواقع اس سے حقیقت میں کوئی انقلاب نہیں ہوا تھا بلکہ وہ محض تخییل اور نظر بندی تھی جیسا کہ دوسری جگہ آیا ہے، ﴿فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى﴾ سو جاننا چاہئے کہ اس سے یہ لازم نہیں کہ ہر قسم کا سحر محض خیال اور نظر بندی ہی ہو۔ سحر کی بعض قسمیں ایسی ہیں جن سے حقیقت ہی بدل جاتی ہے۔ اور بعض ایسی ہیں جو محض خیال اور نظر بندی ہوتی ہیں ایک قسم کے ذکر کرنے سے دوسری قسم کی نفی نہیں ہوجاتی۔ شاید ساحروں نے سحر کی اس قسم کو اس لیے اختیار کیا ہو کہ ظاہر نظر میں یہ سحر عظیم ہے اور لوگ جب دیکھیں گے کہ رسیاں اور لاٹھیاں سانپ بن کر دوڑ رہی ہیں تو مرعوب ہوجائیں گے اور موسیٰ علیہ السلام اس عجیب وغریب سحر کا مقابلہ نہیں کرسکیں گے اور اگر بالفرض کیا بھی تو پھر ہم اس سحر عظیم سے بڑھ کر سحر اعظم کا شعبدہ دکھلائیں گے مگر موسیٰ علیہ السلام نے ان کو پہلے ہی مورچہ پر مایوس کن شکست دے دی آگے موقع ہی نہ رہا کہ مزید مقابلہ جاری رکھا جاتا۔

۳-سحر اور معجزے میں فرق

سحر اور شعبدہ اور مسمریزم ایک فن ہے جو سیکھنے اور سکھانے سے حاصل ہوسکتا ہے اور معجزہ کوئی فن نہیں کہ جو تعلیم وتعلم سے حاصل ہوسکے حتی کہ معجزے میں نبی کا اختیار ہی نہیں اور بسا اوقات نبی کو پہلے سے اس کا علم نہیں ہوتا جس طرح قلم بظاہر لکھتا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن فی الحقیقت لکھنا قلم کا فعل اختیاری نہیں بلکہ کاتب کا فعل ہے اسی طرح معجزہ درحقیقت فعل اللہ کا ہے مگر اس کا ظہور نبی کے ہاتھ سے ہوتا ہے

نقش باشد پیش نقاش وقلم
عاجز وبستہ چو کودک در شکم

نبی کے اختیار میں نہیں کہ جب چاہے اپنی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری کردے برخلاف فنون سحریہ کے کہ وہ جس وقت چاہیں قواعد مقررہ اور اعمال مخصوصہ کے ذریعے اس کے نتائج ظاہر کرسکتے ہیں مگر آج تک معجزہ کے متعلق نہ کوئی کتاب لکھی گئی اور نہ کوئی قاعدہ اور ضابطہ مقرر ہوا اور نہ معجزے کی تعلیم کے لیے کوئی درسگاہ کھولی گئی دیکھئے موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر

آگ لینے کے لیے گئے یکایک پیغمبری ملی اور اس کی تصدیق کے لیے عصا اور ید بیضاء کا معجزہ عطاء ہوا اور جب ساحران فرعون سے مقابلہ ہوا اور انہوں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں زمین پر ڈالیں اور وہ چلتے ہوئے سانپ نظر آنے لگے تو موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں ڈرے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً﴾ پس اگر موسیٰ علیہ السلام خود ساحر ہوتے تو ڈرنے کی کوئی وجہ نہ تھی اس لیے کہ انسان اپنے اختیاری فعل سے نہیں ڈرتا اور یہی وجہ ہے کہ جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام پر گھبراہٹ اور خوف کے آثار دیکھے تو سمجھ گئے کہ یہ شخص ہمارا ہم پیشہ نہیں اور جب موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے ان کے سانپوں کو نگل لیا تو سمجھ گئے کہ یہ سحر نہیں بلکہ خدائی فعل اور کرشمۂ قدرت ہے۔ جس کے سامنے سحر کی کوئی حقیقت نہیں اور بے اختیار سجدہ میں گر پڑے اور چلا اٹھے کہ ہم رب موسیٰ وہارون علیہما السلام پر ایمان لاتے ہیں۔

حکایت بامزہ مشتمل بر بیان فرق درمیان سحر و معجزہ

یک ❶ حکایت بشنو اکنوں بامزہ
تابدانی فرق سحر و معجزہ

عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ قدس سرہ السامی نے مثنوی کے دفتر سوم از صفحہ ۹۷ تا ص ۱۰۰ میں ایک عجیب حکایت لکھی ہے جس سے سحر اور معجزہ کا فرق واضح ہو جاتا ہے ہم اس حکایت کا خلاصہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں وہ حکایت یہ ہے کہ

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے تمام جادوگروں کو جمع کرنے کا حکم دیا دو نوجوان جادوگری میں بہت مشہور تھے ان کے پاس بادشاہ کا قاصد خاص طور پر پیغام لے کر پہنچا کہ بادشاہ کی مصیبت دفع کرنے کے لیے کوئی تدبیر کرو اس لیے کہ دو فقیر موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام ملک مصر میں آئے ہوئے ہیں اور انہوں نے بادشاہ اور اس کے قلعہ پر حملہ کیا ہے۔ اور ان دو فقیروں کے پاس سوائے ایک عصا کے (لاٹھی) کے کچھ نہیں نہ کوئی فوج و سپاہ ہے اور نہ کوئی لاؤ لشکر ہے صرف ایک عصا ہے جو ایک درویش کے ہاتھ میں ہے اور وہ عصا نہایت عجیب و غریب عصا ہے جو اس کے حکم سے اژدہا بن جاتا ہے ان درویشوں سے بادشاہ اور اس کا لشکر عاجز آ گیا ہے۔ قاصد نے یہ پیغام پہنچایا اور یہ کہا کہ بادشاہ نے کہا ہے کہ اگر تم اس مصیبت کے دفع کرنے کی کوئی تجویز تدبیر کرو تو تم کو اس صلہ میں بہت کچھ انعام ملے گا۔

فرستادہ فرعون بہ مدائن در طلب ساحران

(فرعون کا شہروں میں جادوگروں کے بلانے کے لیے قاصد روانہ کرنا)

چوں کہ موسیٰ باز گشت واو بماند
اہل رائے و مشورت را پیش خواند

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام معجزۂ عصا دکھا کر فرعون کے پاس سے واپس آئے اور فرعون اکیلا رہ گیا تو اس نے مشورہ کے لیے اپنے مشیروں کو بلایا اور ان سے کہا کہ یہ شخص بڑا دانا جادوگر معلوم ہوتا ہے اور تم کو تمہارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے

❶ یہ شعر اس ناچیز مؤلف کی طرف سے ہے جو بمنزلہ عنوان کے ہے۔

مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے قتل میں جلدی نہ کی جائے اور قبل اس کے کہ اس کا جادو اور جھوٹ لوگوں پر چلے ملک کے جادوگروں کو بلا کر اس کا مقابلہ کرایا جائے۔

مجتمع گشتند و بہ فشردند پائے
ہر کسے کردند عرض فکر ورائے

ارکان دولت جمع ہو گئے اور مضبوطی کے ساتھ جم کر کھڑے ہو گئے اور ہر ایک نے اپنی رائے اور تجویز پیش کی۔

عاقبت ہامان بے سامان دوں
رائے پیش آورد کردش رہ نموں

بالآخر فرعون کے وزیر ہامان بے سامان کمینے نے فرعون کے سامنے اپنی رائے پیش کی اور فرعون کی رہنمائی کی۔

کا ئے شہ صاحب ظفر چوں غم فزود
ساحراں را جمع باید کرد زود

اے فتح مند بادشاہ چونکہ پریشانی برابر بڑھتی جا رہی اس لیے اس درویش کے مقابلہ کے لیے جلدی ہی جادوگروں کو جمع کرنا چاہئے

در ممالک ساحراں داریم ما ہر یکے در سحر فرد و پیشوا

ہم اپنی قلمرو میں بہت سے جادوگر رکھتے ہیں جن میں سے ہر ایک فن سحر میں یکتا اور پیشوا ہے۔

مصلحت آنست کز اطراف مصر جمع آرد شان شہ و صراف مصر

مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ اطراف مصر سے بادشاہ اور اس کے نائب جو اس ملک میں متصرف اور حکمران ہیں جادوگروں کو جمع کریں۔

او بسے مردم فرستاد آں زماں در نواحی بہر جمع جادواں ساحراں

فرعون نے اسی وقت تمام اطراف و جوانب میں جادوگروں کے جمع کرنے کے لیے قاصد روانہ کر دیئے۔ کہ ان کو بلا کر لائیں۔

دو جواں بودند ساحر مشتہر سحر ایشاں در دل شہ مستمر

دو جوان ملک مصر میں فن ساحری میں بہت مشہور تھے اور ان کا سحر بادشاہ کے دل میں خوب راسخ تھا۔

چوں بر ایشاں آمد آن پیغام شاہ کز شما شاہ است اکنوں چارہ خواہ

چنانچہ ان کے پاس بادشاہ کا پیغام پہنچا کہ بادشاہ تم سے چارہ خواہ ہے اور مدد چاہتا ہے۔

از پئے آنکہ دو درویش آمدند بر شہ و بر قصر او موکب زدند

اس لیے کہ بادشاہ کے پاس دو درویش آئے اور انہوں نے بادشاہ اور اس کے محل پر حملہ کر دیا اور قصر شاہی میں آ کر اپنا ڈیرہ جما لیا جس وجہ سے بادشاہ سخت پریشان ہے۔

نیست با ایشاں بغیر یک عصا ۔ کہ ہمی گردد بامرش اژدہا

اس درویش کے پاس سوائے ایک عصا (لاٹھی) کے کچھ نہیں اور وہ عصا اس درویش کے حکم سے اژدہا بن جاتا ہے۔

شاہ و لشکر جملہ بے چارہ شدند ۔ زیں دو کس جملہ بافغاں آمدند

ان دونوں درویشوں سے سب نالاں ہیں اور بادشاہ اور اس کا لشکر ان کے سامنے مجبور اور لاچار ہیں حالانکہ ان درویشوں کے پاس نہ کوئی فوج ہے اور نہ کوئی لشکر ہے۔

چارہ جویاں بندہ از پیش شما ۔ شاہ ازاں ارسال فرمود است تا

قاصد نے کہا کہ بادشاہ نے اس مشکل کی چارہ جوئی کے لیے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔

چارۂ سازید اندر دفع شاں ۔ گنج ہا بخشد عوض شہ بیکراں

تاکہ تم اس مشکل کو دفع کرنے میں بادشاہ کی چارہ سازی کرو بادشاہ اس کے صلہ میں تم کو بیشمار خزانے بخشے گا۔

آن دو ساحر را چو ایں پیغام داد ۔ ترس ومہرے درد دل ہر دو فتاد

جب قاصد نے ان دونوں ساحروں کو فرعون کا یہ پیغام پہنچایا تو یہ پیغام سن کر ان کے دل میں موسیٰ علیہ السلام کا کچھ خوف وہراس بھی اور کچھ محبت بھی دل میں پیدا ہوئی اور خوف تو اس لیے پیدا ہوا کہ جن درویشوں نے بادشاہ کو ناک چنے چبوا دیئے نہ معلوم ان میں کس بلا کی طاقت ہوگی اور یہ سن کر کہ ان درویشوں کا عصا اژدہا بن جاتا ہے خوف زدہ ہو گئے اور محبت اس لیے ہوئی کہ باوجود درویشی اور فقیری کے بادشاہ ان سے لرزاں اور ترساں ہے تو ضرور یہ خدا کے خاص بندے ہوں گے۔

یہ دونوں جادوگر اس پیغام کو سن کر اپنے گھر آئے اور اپنی ماں سے کہا کہ اے ماں ہمیں ہمارے بابا کی قبر بتاؤ کہ ہم اس کی روح سے کچھ ضروری باتیں دریافت کریں۔ ماں ان کو باپ کی قبر پر لے گئی۔ وہاں جا کر دونوں نے فرعون کے نام کے تین روزے رکھے۔ تین روزے رکھنے کے بعد باپ کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر بولے اے بابا یعنی اے بابا کی روح بادشاہ نے ہمارے پاس یہ پیغام بھیجا ہے کہ ان دو درویشوں نے مجھے سخت پریشان اور حیران کر رکھا ہے اور سارے لشکر کے سامنے مجھے بے آبرو کر دیا ہے اور یہ دونوں عجیب درویش ہیں نہ ان کے پاس کوئی ہتھیار ہے اور نہ فوج۔ بجز ایک عصا کے اور کچھ بھی نہیں اور سارا شور وشر اسی ایک عصا کے اندر ہے اے بابا آپ سچوں کے ملک میں گئے ہیں اگرچہ بظاہر آپ مٹی میں سوتے ہیں آپ سے ہماری یہ درخواست ہے کہ آپ ہم کو ان درویشوں کی سچی حقیقت سے آگاہ فرما دیں۔ اگر ان کا یہ عصا کوئی جادو ہے تو یہ بتا دیجئے اور اگر خدائی قوت اور کرشمۂ ایزدی ہے تو وہ بتلا دیجئے تاکہ ہم بھی اسی خدا کے مطیع ہو جائیں جس خدا نے یہ کرشمہ ان درویشوں کو عطا کیا ہے اور کیمیائے خداوندی سے مل کر کیمیا ہو جائیں ہم اس وقت ناامیدی کی حالت میں ہیں شاید کوئی امید نظر آئے اور ضلالت کی شب تاریک میں شاید کوئی آفتاب ہدایت طلوع کر آئے اور ہم ہدایت پر آ جائیں اور اللہ تعالیٰ کا کرم ہم کو اپنی طرف کھینچ لے، غرض یہ کہ آپ ہم کو اس حقیقت سے آگاہ فرمایئے آپ اس وقت سچوں کے ملک میں ہیں جو بتلائیں گے وہ سچ ہوگا۔

بعد ازاں گفتند اے مادر بیا ۔ گور بابا کو تو مارا راہ نما

جب ان دونوں جادوگروں کو بادشاہ کا پیغام پہنچا تو یہ دونوں پیغام سن کر اپنے گھر آئے اور اپنی ماں سے کہا کہ اے ماں آ اور چل کر ہمیں ہمارے باپ کی قبر بتلا کہ وہ کہاں ہے اور تو ہماری رہنما ہے قبر کی رہنمائی کر۔

برد شاں برگور او بنمود راہ پس سہ روزہ داشتند از بہر شاہ

پس ان کی ماں ان کو ان کے باپ کی قبر پر لے گئی وہاں جا کر ان دونوں نے بادشاہ کے نام کے تین روزے رکھے۔

بعد ازاں گفتند اے بابا بما شاہ پیغامے فرستاد از وحا

اس کے بعد انہوں نے کہا اے بابا۔ بادشاہ نے خوفزدہ ہو کر ہمیں ایک پیغام بھیجا ہے۔

کہ دو مرد اورا بہ تنگ آوردہ اند آبرویش پیش لشکر بردہ اند

کہ دو درویشوں نے اس کو تنگ کر رکھا ہے اور سارے لشکر کے سامنے بے آبرو کر دیا ہے۔

نیست با ایشاں سلاح ولشکرے جز عصا و در عصا شورے شرے

ان کے پاس کوئی ہتھیار اور لشکر نہیں صرف ایک عصاء ہے اور اسی ایک عصاء میں سارا شور و شر بھرا ہوا ہے۔

تو جہان راستاں در رفتہ گرچہ در صورت بخاکے خفتہ

تو سچوں کے جہان میں چلا گیا ہے اگرچہ بظاہر تو خاک میں سو رہا ہے تو جو کہے گا وہ سچ ہوگا۔

آن اگر سحر است دہ مارا خبر در خدائی باشد اے جان پدر

ہم خبر دہ تا کہ ما سجدہ کنیم خویش را بر کیمیائے بر زنیم

یعنی کوئی کرشمۂ خداوندی ہے تو اس کی بھی ہم کو خبر دے تاکہ ہم اس کے سامنے سجدہ کریں اور اپنے آپ کو اس کیمیاء الٰہی پر لگا کر کیمیا بن جائیں کیمیا کا خاصہ ہے کہ اس پر اگر تانبے کو لگائیں تو وہ تانبہ بھی کیمیا بن جاتا ہے۔

نا امید انیم امیدے رسد در شب دیجور خورشیدے رسد

ہم اس وقت نامیدی کی حالت میں ہیں۔ شاید کوئی امید آن پہنچے اور حیرت کی شب تاریک میں کوئی آفتاب ہماری رہنمائی کے لیے پہنچے۔

از ضلال آئیم در راہ رشد راندگانیم وکرم مارا کشد

اور شاید گمراہی سے نکل کر راہ راست پر آ جائیں اور ہم راندۂ درگاہ ہیں شاید خدا کا کرم ہم کو اپنی طرف کھینچ لے۔

جواب گفتن ساحر مردہ با فرزندان خود

مردہ ساحر کا اپنے بیٹوں کو ان کے استفسار کا جواب دینا۔

گفت شاں در خواب کائے اولادِ من نیست ممکن ظاہر ایں را دم مزن

فاش مطلق گفتنم دستور نیست لیک راز از پیش چشم دور نیست

اس مردہ ساحر نے خواب میں کہا اے میرے بیٹو اس راز کا صاف صاف کہنا ممکن نہیں۔ میں اس کام کی حقیقت

سے بخوبی واقف ہوں یہ راز میری آنکھوں سے پوشیدہ نہیں مگر مجھے صاف صاف کہنے کی اجازت نہیں۔

یک نشانے وا نمایم با شما تا شود پیدا شمارا ایں خفا

لیکن میں تم کو ایک نشانی اور علامت بتلاتا ہوں جس سے یہ پوشیدہ راز تم پر ظاہر ہو جائے گا۔

نور چشمانم چو آنجا می روید از مقام خواب شاں آ گہ شوید

اے میرے نور چشمو تم دونوں جاؤ اور اس درویش کی خواب گاہ معلوم کرو کہ کس جگہ سوتا ہے۔

آن زماں کہ خفتہ باشد آں حکیم آن عصا گیرید وبگذارید بیم

جب تم اس عصا والے دانا اور حکیم کو سوتا ہوا پاؤ تو اس کی کوشش کرو کہ کسی طرح ان کی عصا کو چرالو یا اٹھالو اور دیکھو ڈرنا نہیں ورنہ راز منکشف ہو جائے گا۔

گر بدز دیدش عصا آں ساحر است چارۂ ساحر شما را حاضر است

پس اگر تم اس عصا کے چرانے میں کامیاب ہو گئے تو سمجھ لو کہ موسیٰ علیہ السلام ساحر اور جادوگر ہے اور سحر کا رد اور توڑ تمہارے لیے کوئی مشکل نہیں ہر سحر کا علاج تمہارے پاس موجود ہے۔

ورنہ بتوانید ہاں آن ایزدی است اور رسول ذوالجلال و مہتدی است

اور اگر تم اس عصا کے چرانے میں کامیاب نہ ہو سکے تو خوب سمجھ لینا کہ وہ کوئی خدائی قوت اور غیبی کرشمہ ہے اور یقین کر لینا کہ وہ شخص جادوگر نہیں بلکہ خداوند ذوالجلال کا فرستادہ اور ہدایت یافتہ ہے کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

گر جہاں فرعون گیرد شرق وغرب سرنگوں آید خدا را گاہ حرب

فرعون اگر مشرق و مغرب پر بھی قبضہ کرے تب بھی وہ خدا سے نہیں لڑ سکتا جنگ کے وقت وہ سر کے بل گریگا۔

ایں نشان راست دادم جاں تاب بر نویس اللہ اعلم بالصواب

اے باپ کی جان یہ میں نے تم کو ٹھیک اور سچی نشانی بتلا دی ہے اس کو لکھ لو یعنی خوب یاد کر لو آگے اللہ ہی بہتر جانتا ہے مطلب یہ ہے کہ سحر اور جادو ساحر اور جادوگر کا ایک فعل اور تصرف ہے جو اس کی توجہ اور ہمت پر موقوف ہے۔ جادوگر جب سو جاتا ہے تو اس جادو کا کوئی رہبر نہیں رہتا لہٰذا وہ سحر معطل اور بیکار ہو جاتا ہے جیسا کہ چرواہا جب سو جاتا ہے تو بھیڑیا نڈر ہو جاتا ہے اس لیے کہ چرواہے کے سونے سے اس کی تدبیر رک جاتی ہے بخلاف اس شئے کے کہ جسکا محافظ اور نگہبان خدا تعالیٰ ہو۔ وہاں بھیڑیے کی رسائی ممکن نہیں اس لیے کہ حق تعالیٰ پر غفلت طاری نہیں ہو سکتی پس اگر تم ان کے عصا کو نہ چرا سکے تو سمجھ لینا کہ یہ خدائی طلسم ہے جس کا کوئی توڑ نہیں اور یقین کر لینا کہ وہ سچے نبی ہیں اور یہ ان کی نبوت کی قطعی نشانی ہے اور ایسی قطعی ہے کہ سونا تو درکنار اگر ان کی وفات بھی ہو جائے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو بلند ہی فرمائیں گے اور کبھی بھی مغلوب نہ ہونگے۔ بیٹا جاؤ یہ سچی نشانی ہے جو میں نے تم کو بتا دی ہے تم اسے دل پر نقش کر لو۔ واللہ اعلم بالصواب

دونوں بیٹے باپ کا یہ حکم سن کر موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں نکلے معلوم ہوا کہ وہ دونوں ایک درخت کے نیچے سو رہے ہیں اور عصا قریب رکھا ہوا ہے ان دونوں نے موقع غنیمت جانا اور عصا چرانے کے لیے آگے بڑھے عصا نے یکا یک حرکت کی اور

اژدھابن کران پر حملہ آور ہوا یہ دیکھ کر دونوں بھاگ گئے۔

مولانا بحر العلوم شرح مثنوی: ۲۹/۳ میں فرماتے ہیں کہ مولانا روم نے ان اشعار میں سحر اور معجزہ کے فرق کو واضح فرمایا ہے وہ یہ کہ سحر ساحر کی غفلت کی حالت میں باقی نہیں رہتا کیونکہ سحر، ساحر کا فعل ہے اور اس کی توجہ اور ہمت پر موقف ہے جب ساحر اپنے سحر سے غافل ہوا تو سحر بھی ختم ہوا بخلاف معجزے کے کہ وہ اللہ کا فعل ہے جس کو اس نے محض اپنی قدرت سے بلا کسی سبب کے نبی کے ہاتھ پر پیدا کیا ہے تا کہ اس کی صداقت ظاہر ہو اور خدا کی پیدا کی ہوئی چیز کبھی ختم نہیں ہوتی جب تک کہ ارادۂ الٰہی اس کو باقی رکھنا چاہے وہ باقی رہے گی رسول کی غفلت کو معجزہ کی بقاء اور عدم بقاء میں کوئی دخل نہیں۔ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور وہی اسکا نگہبان ہے۔ رسول کے دشمنوں کو عاجز کرنے کے لیے خدا نے یہ اعجاز ظاہر فرمایا۔ معجزہ نبی کا فعل نہیں ہوتا کہ اس میں نبی کے تصرف اور ہمت کو دخل ہو توجہ تو درکنار نبی کو تو بسا اوقات اس کا علم بھی نہیں ہوتا رسول کو کبھی اس کا علم ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ اے موسیٰ تیرے ہاتھ میں کیا ہے۔ عرض کیا کہ میرا عصا ہے فرمایا اس کو زمین پر ڈال دو، وہ اژدہا بن گیا۔ موسیٰ علیہ السلام بمقتضائے بشریت ڈر کر بھاگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ڈرومت پس اگر عصا کا سانپ ہونا موسیٰ علیہ السلام کی توجہ اور ہمت سے ہوتا تو اس کو ڈر کر بھاگنے کی کیا ضرورت تھی۔ انبیاء کرام علیہم السلام سے جس قدر معجزات ظاہر ہوئے ان میں نبی کی توجہ اور ہمت کو کوئی دخل نہیں وہ سب اللہ کی قدرت کے کرشمے تھے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾۔

خلاصۂ کلام یہ کہ سحر ساحر کی غفلت کی حالت میں باقی نہیں رہتا اس لیے کہ وہ اس کی ہمت اور توجہ پر موقوف ہوتا ہے اور جو چیز مخلوق کی ہمت اور توجہ سے ظہور میں آئے گی اس کے لیے یہ شرط ہے کہ صاحب ہمت اس چیز سے غافل نہ ہو ورنہ وہ چیز نیست اور معدوم ہو جائے گی بخلاف معجزے کے کہ اس کے باقی رہنے کے لیے صاحب معجزہ کی بیداری اور عدم غفلت شرط نہیں۔ اس لیے کہ معجزہ اللہ کا فعل ہے۔ اللہ کے ارادہ سے ظاہر ہوتا ہے نبی کی توجہ اور ہمت سے اس کا ظہور نہیں ہوتا پس معجزہ اس امر الٰہی کو کہتے ہیں جو امر، اللہ تعالیٰ نبی کے ہاتھ پر بغیر نبی کے کسی تصرف اور توجہ کے پیدا فرمادیں اس امر کا پیدا ہونا نبی کی دعا کے بعد ہو یا بلا دعا کے بہر حال معجزہ محض اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے نبی کو یہ معلوم نہیں کہ دریا پر عصا مارنے سے کس طرح دریا میں راستے بن جاتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے دریا پر عصا مارا اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت سے بارہ راستے پیدا کر دیئے اور موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر گزر گئے مگر ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ کس طرح عصا مارنے سے دریا میں بارہ سڑکیں بن گئیں۔ آنحضرت ﷺ نے اللہ کے حکم سے چاند کی طرف انگلی کا اشارہ کیا اللہ کی قدرت سے چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے مگر حضور ﷺ کو چاند کے دو ٹکڑے کرنے کا طریقہ معلوم نہ تھا اور نہ آپ کو یہ قدرت تھی کہ بذات خود جس وقت چاہیں اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کر لیں غرض یہ کہ سحر، ساحر کا فعل ہے اور معجزہ، اللہ کا فعل ہے۔ اس میں نبی کی قدرت اور تصرف اور ہمت کو دخل نہیں بسا اوقات نبی کو پہلے سے اس کا علم بھی نہیں ہوتا۔ خدائے تعالیٰ جب اور جس طرح چاہتا ہے اس کو رسول کے ہاتھ پر ظاہر کر دیتا ہے اور سحر، ساحر کا فعل اور تصرف ہوتا ہے پہلے سے اس کو اس کا علم ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

جان بابا چوں بخسپد ساحرے سحر ومکرش را نباشد رہبرے

اے جان پدر خوب سمجھ لو کہ جب جادوگر سو جاتا ہے تو پھر اس کے سحر اور مکر کا کوئی رہنما باقی نہیں رہتا جس کے سہارے سے وہ سحر اور مکر چل سکے۔

چوں کہ چوپاں خفت گرگ ایمن شود چونکہ خفت آن جہدِ آن ساکن شود

جب گڈریا سو جاتا ہے تو اس کی نگرانی بھی سو جاتی ہے سو ایسی حالت میں بھیڑیا بے خوف ہو جاتا ہے۔ جب چرواہا سو گیا تو اس کی کوشش اور نگرانی بھی ساکن ہو گئی۔

لیک حیوانی کہ چوپانش خدا ست
گرگ را آنجا امید و رہ کجا ست

لیکن جس حیوان اور جانور کا رکھوالا خدا ہے وہاں بھیڑیئے کو کوئی امید اور طمع نہیں اور نہ وہاں اس کے لیے کوئی راہ ہے۔

جادوئی کہ حق کند است وراست
جادوے خواندن مرآں حق را خطا است

جو جادو حق تعالیٰ کرے وہ درحقیقت حق اور درست ہے اس فعل حق کو جادو کہنا غلطی ہے۔

جان بابا ایں نشان قاطع است
گر بمیرد نیز حقش رافع است

اے جان پدر یہ نشان قطعی ہے صاحب نشان اگر مر بھی جائے تو حق تعالیٰ اس نشان کو بلند کرنے والا اور قائم رکھنے والا ہے کیونکہ یہ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے وہ جب تک چاہے گا اس کو باقی رکھے گا اس کے بقاء اور عدم بقاء میں نبی کے خواب اور وفات کو دخل نہیں کیونکہ جب اس معجزہ کے وجود اور ظہور میں نبی کی ہمت اور تصرف کو دخل نہیں تو اس کی بقاء اور محفوظیت میں بھی نبی کے تصرف اور ہمت و بیداری اور غفلت کو بھی دخل نہ ہوگا۔ دیکھو حاشیہ مثنوی مولانا روم دفتر سوم، ص: ۱۰۰ و ۱۰۱۔ اور دیکھو حاشیہ بحر العلوم بر مثنوی، ص: ۵۰، دفتر سوم۔ بقیہ حکایت کے لیے مثنوی کی مراجعت کریں۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا

اور ہم نے پکڑ لیا فرعون والوں کو قحطوں میں اور میووں کے نقصان میں تاکہ وہ نصیحت مانیں پھر جب

اور ہم نے پکڑا فرعون والوں کو قحطوں میں اور میووں کے نقصان میں، شاید وہ دھیان کریں۔ پھر جب

جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ

پہنچی ان کو بھلائی کہنے لگے یہ ہے ہمارے لائق اور اگر پہنچی برائی تو نحوست بتلاتے موسیٰ کی اور اس کے ساتھ والوں کی

پہنچی ان کو بھلائی کہنے لگے، یہ ہے ہمارے واسطے، اور اگر پہنچے برائی شوی بتاتے موسیٰ کی، اور اس کے ساتھ والوں کی،

اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ

سن لو ان کی شومی تو اللہ کے پاس ہے پر اکثر لوگ نہیں جانتے ف۱ اور کہنے لگے جو کچھ تو لائے گا ہمارے پاس

سن لو شومی ان کی اللہ ہی پاس ہے، پر اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور کہنے لگے، جو تو لاوے گا ہم پاس

اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ

نشانی کہ ہم پر اس کی وجہ سے جادو کرے، سو ہم ہرگز تجھ پر ایمان نہ لائیں گے ف۲ پھر ہم نے بھیجا ان پر طوفان ف۳ اور ٹڈی

نشانی کہ ہم کو اس سے جادو کرے، سو ہم تجھ کو نہ مانیں گے۔ پھر بھیجا ان پر غرقاب اور ٹڈی

وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۚ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

اور چچڑی ف۴ اور مینڈک اور خون بہت سی نشانیاں جدی جدی پھر بھی تکبر کرتے رہے اور تھے وہ لوگ گناہ گار ف۵

اور چچڑی اور مینڈک اور لہو، کتنی نشانیاں جدا جدا۔ پھر تکبر کرتے رہے اور تھے وہ لوگ گنہگار۔

ف۱ گزشتہ آیت میں فرمایا تھا "قریب ہے کہ خدا تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے" یہاں سے اسی ہلاک موعود کے بعض مبادی کی تفصیل شروع کی گئی ہے۔ یعنی اسی سنۃ اللہ کے موافق جس کا بیان اسی پارہ کے شروع میں آیت ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ﴾ الخ کے تحت میں گزر چکا، خدا تعالیٰ نے فرعونیوں کو ابتدائی تنبیہ کے طور پر قحط، خشک سالی وغیرہ معمولی تکالیف اور سختیوں میں مبتلا کیا تا کہ وہ خواب غفلت سے چونکیں اور موسیٰ علیہ السلام کی پیغمبرانہ نصیحتوں کو قبول کریں۔ مگر وہ ایسے کاہے کو تھے، انہوں نے ان تنبیہات کی کچھ پروا نہ کی بلکہ پہلے سے زیادہ ڈھیٹ اور گستاخ ہو گئے۔ چنانچہ ﴿ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ﴾ کے قاعدہ سے جب قحط وغیرہ دور ہو کر ارزانی اور خوشحالی حاصل ہوتی تو کہنے لگتے کہ دیکھو ہماری خوش طالعی اور اقبال مندی کے لائق تو یہ حالات ہیں پھر اگر درمیان میں کبھی کسی ناخوشگوار اور بری حالت سے دو چار ہونا پڑ جاتا تو کہتے کہ یہ سب (معاذ اللہ) موسیٰ اور اس کے رفقاء کی شومئ تقدیر اور نحوست ہے۔ حق تعالیٰ نے اسی کا جواب دیا اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ الخ یعنی اپنی بدبختی اور نحوست کو مقبول بندوں کی طرف کیوں نسبت کرتے ہو۔ تمہاری اس نحوست کا واقعی سبب تو خدا کے علم میں ہے۔ اور وہ تمہارا ظلم و عدوان اور بغاوت و شرارت ہے۔ اسی سبب کی بناء پر خدا کے یہاں سے کچھ حصہ نحوست کا وقتی سزا اور تنبیہ کے طور پر تم کو پہنچ رہا ہے۔ باقی رہی تمہارے ظلم و کفر کی اصلی شومئ و نحوست یعنی پوری پوری سزا تو وہ ابھی اللہ کے پاس محفوظ ہے جو دنیا میں یا آخرت میں اپنے وقت پر تم کو پہنچ کر رہے گی۔ جس کی ابھی اکثر لوگوں کو خبر نہیں۔

ف۲ یہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات و نشانات دیکھ کر کہتے تھے کہ خواہ کیسا ہی جادو آپ ہم پر چلائیں اور اپنے خیال کے موافق کتنے ہی نشان دکھلائیں، ہم کسی طرح تمہاری بات ماننے والے نہیں۔ جب انہوں نے یہ آخری فیصلہ سنا دیا اور قبول حق کے سب دروازے اپنے اوپر بند کر لیے، تب خدا نے ان پر چند قسم کی عظیم الشان بلائیں یکے بعد دیگرے مسلط کر دیں۔ جن کی تفصیل اگلی آیت میں آتی ہے۔

ف۳ یعنی بارش اور سیلاب کا طوفان یا طاعون کی وجہ سے موت کا طوفان علیٰ اختلاف الاقوال۔

ف۴ "قمل" سے مراد چچڑیاں ہیں، جیسا کہ مترجم رحمۃ اللہ نے اختیار کیا۔ یا جوئیں یا گیہوں وغیرہ غلہ میں جو کیڑا لگ جاتا ہے جس سے غلہ خراب ہو جاتا ہے یعنی بدن اور کپڑوں میں چچڑیاں اور جوئیں پڑ گئیں۔ غلہ میں گھن لگ گیا۔

ف۵ یعنی تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ یہ سب آیات دکھلائی گئیں مگر وہ کچھ ایسے متکبرانہ، جرائم پیشہ اور پرانے گنہگار تھے کہ کسی طرح مان کر نہ دیا۔ سعید بن جبیر سے منقول ہے کہ جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے مطالبہ (بنی اسرائیل کی آزادی) کو تسلیم نہ کیا تو حق تعالیٰ نے بارش کا طوفان بھیجا، جس سے کھیتیوں وغیرہ کی تباہی کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ آخر گھبرا کر حضرت موسیٰ سے درخواست کی کہ تم اپنے خدا سے کہہ کر یہ بلائے طوفان دور کرا دو تو ہم بنی اسرائیل کو آزادی دے کر تمہارے ساتھ روانہ کر دیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے بارش بند ہو گئی اور بجائے نقصان کے پیداوار بہت کثرت سے ہوئی۔ فرعونی عذاب سے بے فکر ہو کر اپنے عہد پر قائم نہ رہے، تب اللہ تعالیٰ نے تیار کھیتیوں پر ٹڈی دل بھیج دیا جسے دیکھ کر پھر گھبرائے کہ یہ نئی آفت کہاں سے آ گئی پھر موسیٰ علیہ السلام سے دعاء کی درخواست کی اور پکے وعدے کئے کہ اگر یہ عذاب ٹل گیا تو ہم ضرور بنی اسرائیل کو آزاد کر دیں گے۔ جب یہ عذاب بھی اٹھا لیا گیا تو پھر مطمئن ہو گئے اور سب =

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يٰمُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ

اور جب پڑتا ان پر کوئی عذاب تو کہتے اے موسیٰ دعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے جیسا کہ اس نے بتلا رکھا ہے تجھ کو ف۱ اگر تو نے دور کردیا

اور جس بار پڑا ان پر عذاب، بولے، اے موسیٰ پکار ہمارے واسطے اپنے رب کو جیسا سکھا رکھا ہے تجھ کو۔ اور تو نے اٹھایا

عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ

ہم سے یہ عذاب تو بیشک ہم ایمان لے آئیں گے تجھ پر اور جانے دیں گے تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو پھر جب ہم نے اٹھالیا ان سے

ہم سے عذاب، تو بیشک تجھ کو مانیں گے اور رخصت کریں گے تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو۔ پھر جب ہم نے اٹھا لیا ان سے

الرِّجْزَ إِلَىٰٓ أَجَلٍ هُمْ بَالِغُوهُ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ﴿۱۳۵﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ

عذاب ایک مدت تک کہ ان کو اس مدت تک پہنچنا تھا اسی وقت عہد توڑ ڈالتے ف۲ پھر ہم نے بدلہ لیا ان سے سو ڈبو دیا ہم نے ان کو دریا میں

عذاب، ایک وعدے تک کہ ان کو پہنچنا تھا، تبھی منکر ہوجاتے۔ پھر ہم نے بدلا لیا ان سے، پھر ڈبا دیا گہرے پانی میں،

بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غٰفِلِينَ ﴿۱۳۶﴾ وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا

اس وجہ سے کہ انہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور ان سے تغافل کرتے تھے ف۳ اور وارث کردیا ہم نے ان لوگوں کو جو

اس پر کہ جھٹلائیں ہماری آیتیں، اور کر رہے ان سے تغافل۔ اور وارث کئے ہم نے جو لوگ

يُسْتَضْعَفُونَ مَشٰرِقَ الْأَرْضِ وَمَغٰرِبَهَا الَّتِي بٰرَكْنَا فِيهَا ۖ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ

کمزور سمجھے جاتے تھے ف۴ اس زمین کے مشرق اور مغرب کا کہ جس میں برکت رکھی ہے ہم نے ف۵ اور پورا ہوگیا نیکی کا وعدہ

کمزور ہو رہے تھے، اس زمین کے مشرق کے اور مغرب کے، جس میں برکت رکھی ہے ہم نے۔ اور پورا ہوا نیکی کا وعدہ

= وعدے فراموش کردیئے۔ آخر جس وقت غلہ اٹھا کر مکانوں میں بھرلیا تو خدا کے حکم سے غلہ میں گھن لگ گیا۔ پھر موسیٰ سے دعاء کرائی اور بڑے پکے عہد و پیمان کیے۔ لیکن جہاں وہ حالت ختم ہوئی بدستور سابق سرکشی اور بدعہدی کرنے لگے تو خدا نے ان کا کھانا پینا بے لطف کردیا مینڈک اس قدر کثرت سے پیدا کردیئے گئے کہ ہر کھانے اور برتن میں مینڈک نظر آتا تھا۔ جب بولنے یا کھانے کے لیے منہ کھولتے مینڈک جست کرکے منہ میں پہنچتا تھا اور ویسے بھی اس جانور کی کثرت نے رہنا سہنا مشکل کردیا۔ ادھر پینے کے لیے جو پانی لینا چاہتے تھے وہ خدا کے حکم سے برتنوں میں یا منہ میں پہنچ کر خون بن جاتا۔ غرض کھانے پینے تک سے عاجز ہو رہے تھے اس پر بھی شیخی اور اکڑفوں وہی تھی۔

ف۱ یعنی اس نے دعاء کا جو موثر طریقہ تجھ کو بتلا رکھا ہے، اسی طرح دعاء کردیجئے۔ ﴿بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ "نبی اللہ" ہونے کی حیثیت سے دعاء فرمادیجئے۔ گویا "عہد" کا اطلاق نبوت پر ہوا، کیونکہ خدا اور نبی کے درمیان ایک طرح کا معاہدہ ہوتا ہے کہ خدا نبی کو خلعت اکرام و اعانت سے سرفراز فرمائے گا اور نبی اس کی پیغام رسانی میں کوتاہی نہ کرے گا۔ اور ممکن ہے ﴿بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ﴾ سے وہ عہد مراد ہو جو بتوسط انبیاء علیہم السلام، اقوام سے کیا جاتا ہے کہ اگر تم کفر و تکذیب سے باز آجاؤ گے تو عذاب الٰہی اٹھالیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

ف۲ اس مدت سے یا تو موت اور غرق ہونے تک کی مدت مراد ہے۔ یا ممکن ہے ایک بلا کے بعد دوسری بلا کے آنے تک کا وقت مراد ہو۔

ف۳ "رجز" بعض مفسرین کے نزدیک طاعون مراد ہے جیسا کہ بعض احادیث میں یہ لفظ طاعون پر اطلاق کیا گیا ہے لیکن اکثر مفسرین ان آیات کو پچھلی آیات ہی کا بیان قرار دیتے ہیں موضح القرآن میں ہے کہ "یہ سب بلائیں ان پر آئیں ایک ایک ہفتہ کے فرق سے۔ اول حضرت موسیٰ فرعون کو کہہ آتے کہ اللہ تم پر یہ بلا بھیجے گا وہ ہی بلا آتی۔ پھر مضطر ہوتے، حضرت موسیٰ کی خوشامد کرتے، ان کی دعاء سے دفع ہوتی، پھر منکر ہوجاتے، آخر کو دہاپڑی۔ نصف شب کو سارے شہر میں ہر شخص کا =

الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ۭ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا

تیرے رب کا بنی اسرائیل پر بسبب ان کے صبر کرنے کے اور خراب کردیا ہم نے جو کچھ بنایا تھا فرعون اور اس کی قوم نے اور جو

تیرے رب کا بنی اسرائیل پر، اس پر کہ وہ ٹھہرے رہے۔ اور خراب کیا ہم نے جو بنایا تھا فرعون اور اس کی قوم نے، اور انگور

كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

اونچا کر کے چھایا تھا ف۱

چڑھاتے چھتریوں پر۔

ذکر نزول مصائب عبرت بر قبطیان تا آخر ہلاکت

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ... الی... وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیت میں حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم سے یہ وعدہ ذکر فرمایا، ﴿عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ﴾۔ عنقریب خدا تعالیٰ تمہارے دشمن کو ہلاک کریگا۔ اب ان آیات میں اس اہلاک موعود کی تفصیل بیان کرتے ہیں کہ قوم فرعون کس طرح بتدریج ہلاک کی گئی اور وقتاً فوقتاً ان پر کیا کیا مصیبتیں اور کیا کیا بلائیں یکے بعد دیگرے نازل کی گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے ان پر بلائیں نازل کیں تاکہ متنبہ ہو جائیں اور عبرت اور نصیحت پکڑیں کہ انبیاء کرام کی تکذیب اور مقابلہ کا انجام ایسا ہوتا ہے یہاں تک کہ جب کسی طرح متنبہ نہ ہوئے تو بالآخر غرق کردیئے گئے۔ یہ غرقابی ان کی ہلاکت کی

= پہلا بیٹا مر گیا، وہ لگے مردوں کے غم میں، حضرت موسیٰ اپنی قوم کو لے کر شہر سے نکل گئے پھر کئی روز کے بعد فرعون پیچھے لگا۔ دریائے قلزم پر جا پکڑا۔ وہاں یہ قوم سلامت گزر گئی اور فرعون ساری فوج سمیت غرق ہوا۔

ف۴ یعنی بنی اسرائیل کو۔

ف۵ اکثر مفسرین کے نزدیک اس زمین سے مراد ملک شام ہے جس میں حق تعالیٰ نے بہت سی ظاہری و باطنی برکات ودیعت کی ہیں۔ ظاہری تو یہ ہے کہ نہایت سرسبز و شاداب، سیر حاصل، خوش منظر اور زرخیز ملک ہے اور باطنی اس لیے کہ بہت سے انبیاء علیہم السلام کا مسکن و مدفن بنایا گیا ہے۔ بنی اسرائیل مصر سے نکل کر ایک عرصہ تک صحرائے تیہ میں سرگرداں پھرتے رہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا، بعدہ، حضرت یوشع کے ساتھ ہو کر "عمالقہ" سے جہاد کیا، اور اپنے آبائی وطن ملک شام کے وارث بنے۔ بعض مفسرین نے اس زمین سے مصر مراد لیا ہے۔ یعنی فرعونیوں کو غرق کر کے ہم نے بنی اسرائیل کو مصر کی دولت کا وارث بنا دیا کہ آزادی کے ساتھ اس سے متمتع ہوں کما قال تعالیٰ ﴿كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ﴾ ﴿وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ﴾ ﴿وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ﴾ ﴿كَذٰلِكَ ۣ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ﴾ (دخان، رکوع ۱) ﴿وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۙ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ﴾ (القصص، رکوع ۱) اس تقدیر پر مصر کی ظاہری برکات تو ظاہر ہیں، باطنی اس حیثیت سے ہوں گی کہ حضرت یوسف علیہ السلام وہیں مدفون ہوئے، حضرت یعقوب علیہ السلام وہاں تشریف لے گئے اور آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بچپن سے لے کر بڑی عمر تک طویل مدت اسی ملک میں گزاری۔ امام بغوی نے مفسرین کے دونوں قول جمع کر کے اس جگہ مصر و شام دونوں کا ارادہ کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۱ یعنی بنی اسرائیل نے جب فرعونیوں کے سخت تباہ کن شدائد پر صبر کیا، موسیٰ علیہ السلام کی ہدایت کے موافق خدا سے استعانت کی اور پیغمبر خدا کا ساتھ دیا خدا نے جو نیک وعدہ ان سے کیا تھا ﴿عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ﴾ اور "نريد أن نمن على الذين استضعفوا الخ" وہ پورا کر دکھایا۔ فرعون اور اس کی قوم نے اپنے اپنے کبر و نخوت کے اظہار کے لیے جو ڈھونگ بنا رکھا تھا وہ سب تباہ و برباد ہو گیا۔ اور ان کی اونچی اونچی عمارتیں تہ و بالا کر دی گئیں۔ سچ ہے ﴿اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً﴾۔

آخری منزل تھی (تفسیر کبیر: ۴/۲۸۶)

مطلب یہ ہے کہ جب فرعون اور قوم فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت سے انحراف کیا تو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ کے لیے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے بتدریج ان پر سات بلائیں اور مصیبتیں نازل کیں سب سے پہلے قحط سالی اور پھلوں کی کمی میں مبتلا کیا۔ پھر پانی کا طوفان آیا پھر ٹڈیاں مسلط کیں تاکہ ملکیت تباہ ہو جائیں پھر گھن کا کیڑا پیدا کر دیا کہ گھروں میں جو غلہ کا ذخیرہ تھا گھن کے کیڑوں نے اس کو ختم کر دیا پھر مینڈک پیدا کر دیئے مینڈکوں کی اس قدر کثرت ہوئی کہ تمام مکانات اس سے بھر گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ملک کے تمام پانیوں کو قبطیوں کے حق میں خون کر دیا۔ چنانچہ قبطی جس کنوئیں اور دریا سے پانی بھرتے تو وہ پانی خون ہو جاتا۔ اس طرح یکے بعد دیگرے یہ بلائیں ان پر نازل ہوئیں جب کبھی کوئی بلا ان پر نازل ہوتی تو گھبرا کر موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرتے اور یہ کہتے کہ اگر آپ کی دعا سے یہ بلا دور ہو جائے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا فرماتے اور آپ کی دعا سے وہ بلا دور ہو جاتی اور جب وہ مصیبت ٹل جاتی تو پھر وہ اپنی سابق سرکشی کی طرف رجوع کرتے۔ سچ ہے کہ جس کے دل پر مہر کر دیں اسے کون ہدایت کر سکتا ہے غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تنبیہ کے لیے چند بار عذاب نازل کیا مگر پھر بھی ان کو تنبہ نہ ہوا بلکہ سرکشی میں اور زیادتی ہوتی رہی تب اللہ تعالیٰ نے ان کو دریا میں غرق کر دیا اور ان کا کام تمام کیا۔ اور ان کے تمام ملک کا بنی اسرائیل کو وارث بنا دیا اور حق تعالیٰ نے جو وعدہ کیا تھا۔ ﴿عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ﴾ اور ﴿وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ وہ دونوں وعدے پورے کر دیئے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ گزشتہ آیت میں حق تعالیٰ نے دشمنوں کے ہلاک کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ ﴿عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ﴾۔ اب ان آیات میں ان مصیبتوں اور آفتوں کا بیان ہے جو ان کو آخری ہلاکت سے پہلے یکے بعد دیگرے پیش آئیں چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے قوم فرعون کو قحطوں میں اور میووں کے نقصان میں مبتلا کر دیا۔ کہ آسمان سے مینہ برسنا بند ہو گیا اور درختوں پر آفتیں ڈالیں کہ جن سے پھلوں کی پیداوار کم ہو گئی حتی کہ کسی نخلہ میں کھجور کا ایک ہی دانہ لگتا مطلب یہ ہے کہ کھیتیاں بھی برباد ہوئیں اور باغات بھی تباہ ہوئے شاید وہ متنبہ ہو جائیں اور اپنی سرکشی سے رجوع کریں مگر ان کو کچھ تنبہ نہ ہوا بلکہ اور سخت دل ہو گئے سو جب ان کو کوئی بھلائی اور خوشحالی اور فراغت اور ارزانی پہنچتی تو یہ کہتے کہ یہ تو ہمارے ہی لیے ہے یعنی ہم اس کے مستحق ہیں بجائے شکر کے اس نعمت کو اپنی خوش بختی سمجھتے اور جب ان کو کوئی برائی پہنچتی جیسے قحط اور بیماری وغیرہ تو موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھ والوں کی نحوست بتلاتے اور یہ خیال نہ کرتے کہ یہ سب ہمارے کفر اور برے اعمال کی نحوست ہے آگاہ ہو جاؤ کہ یہ نحوست موسیٰ علیہ السلام کی نہیں بلکہ ان کی نحوست اور شومئ قسمت کا سبب اللہ کے علم میں ہے یعنی ان کو جو تکلیفیں پہنچیں یہ ان کے برے اعمال کی نحوست ہے موسیٰ علیہ السلام کا اس میں کوئی دخل نہیں اس لیے کہ وہ تو اللہ کے مقبول اور برگزیدہ بندے ہیں ان کی طرف نحوست کی نسبت ممکن نہیں تمہاری نحوست کا اصلی اور واقع سبب خدا کے علم میں ہے اور وہ تمہاری سرکشی اور بغاوت ہے جس کی وجہ سے دنیا میں نحوست کا کچھ حصہ وقتی طور پر بطور سزا و تنبیہ تم کو پہنچ رہا ہے کیونکہ سختیوں سے دل نرم ہو جاتا ہے اور سرکشی سے عاجزی کی طرف مائل ہو جاتا ہے باقی تمہارے کفر اور ظلم کی نحوست خدا کے پاس محفوظ ہے وہ تم کو آخرت میں پہنچے گی لیکن ان میں سے اکثر اس بات کو جانتے نہیں ان کا گمان یہ ہے کہ یہ آیت اور معجزات

سب سحر ہیں اور یہ ان کی نحوست ہے اور یہ کہتے ہیں کہ اے موسیٰ تو جب کبھی بھی ہمارے پاس کوئی نشانی لے کر آئے گا تا کہ اس سے ہم پر جادو کرے تو ہم تیرے لیے باور کرنے والے نہیں یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو سحر سمجھتے تھے اور بطور تمسخر یہ کہتے تھے کہ ہم ان پر ایمان نہیں لائیں گے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر اس کے علاوہ دوسری عقوبتیں نازل کیں۔ پس ہم نے ان پر پانی کا طوفان بھیجا یعنی ان پر ایک ہفتہ متواتر بارش ہوئی۔ جس سے جان اور مال اور کھیتوں کی تباہی کا اندیشہ ہو گیا اور بھیجی ہم نے ان پر ٹڈیاں جنہوں نے ان کے کھیتوں کو خراب کر ڈالا اور بھیجی ہم نے ان پر جوئیں یا گھن کے کیڑے، اتنی جوئیں پیدا ہو گئیں کہ تمام مکانوں اور کھانے کی چیزوں میں بھر گئیں یا یہ معنی ہیں کہ اللہ نے گھن کے کیڑے پیدا کر دیئے کہ جو غلہ ان کے مکانوں میں بھرا ہوا تھا اسے خدا کے حکم سے گھن کا کیڑا لگ گیا جس سے سارا غلہ تباہ ہو گیا اور بھیجے ہم ان پر مینڈک یعنی مینڈک اس قدر پیدا کر دیئے گئے کہ ہر کھانے اور برتن میں مینڈک نظر آتا تھا مینڈکوں کی اتنی کثرت ہوئی کہ کھانا اور پینا اور گھر میں بیٹھنا مشکل ہو گیا اور خون کا عذاب ان پر مسلط کیا یعنی اللہ تعالیٰ نے قبطیوں کے حق میں تمام ملک کے پانی کو خون بنا دیا کنوئیں سے پانی بھرتے تو وہ خون اور دریا سے پانی لیتے تو وہ خون قبطی جو پانی لیتا وہ اس کے منہ میں جا کر خون ہو جاتا غرض یہ کہ سات عذاب ہم نے ان پر مسلط کیے درآنحالیکہ یہ سب ہماری قدرت اور قہر کی کھلی کھلی نشانیاں تھیں جن میں سحر کا شائبہ بھی نہ تھا جیسا کہ وہ کہتے تھے۔ ﴿لِّتَسْحَرَنَا بِهَا﴾ یا یہ معنی ہیں کہ یہ نشانیاں جدا جدا تھیں یعنی ان جدا جدا عذابوں میں سے ہے۔ ایک عذاب ان پر ایک ہفتہ تک رہا اور ہر دو عذابوں کے درمیان ایک ہفتہ کا وقفہ تھا مطلب یہ ہے کہ خدا کی جانب سے ان پر قہر کی یہ نشانیاں جدا جدا آئیں تا کہ ان پر اللہ کی حجت قائم ہو۔ پس باوجود ان واضح نشانیوں کے اور مختلف قسم کے عذابوں کے بھی ان لوگوں نے ایمان لانے سے تکبر کیا اور تھے ہی یہ لوگ جرائم پیشہ جرم اور سرکشی کے خوگر اور عادی ہو چکے تھے کہ باوجود سختی کے بھی جرم سے باز نہ آئے غرض یہ کہ یہ سات بلائیں موسیٰ علیہ السلام کے سات معجزے تھے اور یہ ساتوں عصا اور ید بیضاء کے ساتھ مل کر آیات تسعہ کہلاتے ہیں اور ان کے مجرم ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جب کبھی ان پر مذکورہ بالا عذابوں میں سے کوئی عذاب نازل ہوتا تو اس وقت مجبور ہو کر یہ کہتے اے موسیٰ ہمارے لیے اپنے رب سے اس قہر کے ٹلنے کی دعا کیجئے جیسا کہ خدا نے تجھ سے قبولیت کا عہد کیا ہے یعنی خدا تعالیٰ نے تجھ سے وعدہ کیا ہے کہ جب تو اس سے دعا کریگا تو وہ اسے قبول فرمائے گا البتہ ہم تجھ سے وعدہ کرتے ہیں کہ اگر تو نے اپنی دعا سے اس عذاب کو ہم سے ہٹا دیا تو ہم ضرور تجھ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو ضرور تیرے ساتھ بھیج دیں گے۔ جب بھی کوئی عذاب آتا تو موسیٰ علیہ السلام سے آکر دعا کی درخواست کرتے اور پختہ وعدہ کرتے کہ اگر یہ عذاب ٹل گیا تو ہم ضرور ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے ہمراہ کر دیں گے۔ پھر جب ہم موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ایک خاص مدت تک کے لیے جس کو وہ پہنچنے والے تھے عذاب کو ہٹا لیتے تو وہ فوراً ہی اپنے عہد کو توڑ ڈالتے۔ اس اجل سے وہ مدت مراد ہے جو دو عذابوں کے نزول کے درمیان گزرتی تھی۔ اور جس میں وہ چین اور امن سے رہتے تھے۔ جب وہ وقت گزر جاتا تو حسب سابق سرکشی اور بدعہدی کرنے لگتے پس اب تک تو ہم نے تنبیہ کے لیے وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا عذاب نازل کیا لیکن جب باوجود ان سخت تنبیہوں کے بھی سرکشی سے باز نہ آئے اور برابر بدعہدی کرتے رہے تو ہم نے ان کے دائمی عذاب اور ابدی ہلاکت کا ارادہ کر لیا اور ان

مجرمین سے ان کی سرکشی اور بدعہدی کا پورا پورا بدلہ لے لیا سو ہم نے ان کو دریا میں غرق کر دیا اس لیے کہ انہوں نے ہماری قدرت کی نشانیوں کو جھٹلایا اور اور تھے یہ لوگ ہماری آیتوں سے تغافل برتنے والے کہ تکبر کی وجہ سے ان میں غور و فکر بھی نہ کیا اور ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور اور ناتواں سمجھے جاتے تھے یعنی بنی اسرائیل کو اس زمین کے مشرق اور مغرب کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی ہے بظاہر اس برکت والی سرزمین سے مصر کی زمین مراد ہے۔ یعنی فرعونیوں کو غرق کر کے ہم نے بنی اسرائیل کو زمین مصر کا وارث بنا دیا اور اے نبی تیرے پروردگار کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہوا کہ انہوں نے شدت اور مصیبتوں پر صبر کیا اور ہم نے خراب اور برباد کر دیا اس چیز کو جس کو فرعون اور اس کی قوم بناتی تھی اور جو بلند عمارت وہ بناتے تھے اس کو بھی ہم نے ملیامیٹ کر دیا یعنی ان کے محلات اور مکانات سب کو منہدم کر دیا۔

خلاصہ: مطلب یہ ہے کہ جب ان کی سرکشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور باوجود اس قدر متواتر تنبیہات کے بھی وہ متنبہ نہ ہوئے تو ہم نے ان کو دریا میں غرق کر دیا اور ان کے تمام ملک کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا اور جو سچا وعدہ ہم نے ان سے کیا تھا وہ پورا کر دیا اور بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ ﴿مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا﴾ سے زمین شام کے مشرقی اور مغربی حصے مراد ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤی اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا

اور پار اتار دیا ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے تو پہنچے ایک قوم پر جو پوجنے میں لگ رہے تھے اپنے بتوں کے ف۱ کہنے لگے

اور پار اتارا ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے، تو وہ پہنچے ایک لوگوں پر، کہ پوجنے میں لگ رہے تھے اپنے بتوں پر۔ بولے،

یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ

اے موسیٰ بنا دے ہماری عبادت کے لیے بھی ایک بت جیسے ان کے بت ہیں کہا تم لوگ تو جہل کرتے ہو ف۲ یہ لوگ تباہ ہونے والی ہے

اے موسیٰ بنا دے ہم کو بھی ایک بت، جیسے ان کے بت ہیں۔ کہا، تم لوگ جہل کرتے ہو۔ یہ لوگ جو ہیں، تباہ ہونا ہے

مَّا هُمْ فِیْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَی

وہ چیز جس میں وہ لگے ہوئے ہیں، اور غلط ہے جو وہ کر رہے ہیں ف۳ کہا کیا اللہ کے سوا ڈھونڈوں تمہارے واسطے کوئی اور معبود حالانکہ اس نے تم کو بڑائی دی

ان کو جس کام میں لگے ہیں۔ اور غلط ہے جو کر رہے ہیں۔ کہا کیا اللہ کے سوا لا دوں تم کو کوئی معبود؟ اور اس نے تم کو بزرگی دی

ف۱ بعض نے کہا کہ یہ قبیلہ لخم کے لوگ تھے اور بعض نے کنعانی عمالقہ کو اس کا مصداق قرار دیا ہے کہتے ہیں کہ ان کے بت گائے کی شکل پر تھے۔ واللہ اعلم۔

ف۲ یعنی حق تعالیٰ کی عظمت شان اور تنزیہ و تقدیس سے تم بالکل جاہل معلوم ہوتے ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ مدت دراز تک قبطی بت پرستوں کے زیر سایہ رہنے کی وجہ سے بنی اسرائیل کا میلان بار بار اس طرح کے افعال و رسوم شرکیہ کی طرف ہوتا تھا۔ یہ بیہودہ جاہلانہ درخواست بھی مصر کی آب و ہوا اور وہاں کے بت پرستوں کی صحبت کے تاثرات کو ظاہر کرتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "جاہل آدمی نرے بے صورت معبود کی عبادت سے تسکین نہیں پاتا جب تک سامنے ایک صورت نہ ہو۔ وہ قوم دیکھی کہ گائے کی صورت پوجتی تھی ان کو بھی یہ ہوس آئی۔ آخر سونے کا بچھڑا بنایا اور پوجا۔"

ف۳ یعنی ان کا بت پرستی کا مذہب میرے اور اہل حق کے ہاتھوں سے آئندہ تباہ ہونے والا ہے اور جو کچھ سوانگ یہ اب تک بناتے رہے ہیں وہ محض باطل، غلط، بیکار اور بے حقیقت ہے۔

الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ

تمام جہان پر ف۱ اور وہ وقت یاد کرو جب نجات دی ہم نے تم کو فرعون والوں سے کہ دیتے تھے تم کو برا عذاب کہ مار ڈالتے تھے

سب جہان پر۔ اور وہ وقت یاد کرو، جب بچا لیا ہم نے تم کو فرعون والوں سے، دیتے تھے تم کو بری مار۔ مار ڈالتے

اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝

تمہارے بیٹوں کو اور جیتا رکھتے تھے تمہاری عورتوں کو اور اس میں احسان ہے تمہارے رب کا بڑا ف۲

تمہارے بیٹے، اور جیتی رکھتے تمہاری عورتیں، اور اس میں احسان ہے تمہارے رب کا بڑا۔

ذکر بعض جہالت بنی اسرائیل باایں ہمہ انعام جلیل

قَالَ اللهُ تَعَالٰى : ﴿وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ... الى ... وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ﴾

ربط :...... گزشتہ آیات میں بنی اسرائیل پر حق تعالیٰ کے انعامات جلیلہ کا ذکر تھا۔ اب ان آیتوں میں ان کی بعض جہالتوں کا ذکر ہے کہ بت پرستوں کو دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام سے ویسی ہی درخواست کرنے لگے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس جاہلانہ درخواست پر انہیں سخت سرزنش کی اور حق جل شانہ کے انعامات اور احسانات یاد دلائے کہ باوجود ان احسانات کے تم یہ چاہتے ہو کہ ایسے عظیم الشان منعم اور محسن کو چھوڑ کر بتوں کو اپنا معبود بناؤ اور پتھروں کے سامنے اپنا سر جھکاؤ۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کے ہلاک کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو صحیح سالم سمندر کے پار اتار دیا۔ پس ان کا ایک ایسی قوم پر گزر ہوا جو اپنے بتوں کی پرستش پر جمے بیٹھے تھے۔ کہ اس بت کدے کے مجاور اور معتکف بنے ہوئے تھے ان بتوں کو دیکھ کر بنی اسرائیل نے کہا اے موسیٰ ہمارے لیے بھی ایک مورت اور بت بنا دیجئے جیسے اس قوم کے لیے معبود ہیں کہ انہیں یہ لوگ پوجتے ہیں یعنی جس طرح اس قوم کا معبود مجسم ہے اسی طرح ہمارے لیے بھی ایک مجسم معبود بنا دیجئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا تحقیق تم عجیب قوم ہو کہ وقتاً فوقتاً نئی نئی جہالتوں کا ارتکاب کرتے رہتے ہو تم جاہلوں کو اللہ کی عظمت اور جلال کی خبر نہیں کہ اللہ ہر شبیہ اور مثال سے پاک اور منزہ ہے۔ امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بنی اسرائیل موحد تھے ان کو توحید میں شک نہ تھا مگر اپنی جہالت سے یہ خیال کر بیٹھے کہ جب تک کوئی صورت اور مجسم شئے سامنے نہ ہو اس وقت تک خدا کی عبادت نہیں ہو سکتی اس لیے انہوں نے یہ درخواست کی کہ آپ ہمارے لیے کوئی بت یا کوئی صورت بنا دیجئے جس کو ہم اپنے آگے رکھ کر خدا کی عبادت کیا کریں اس لیے کہ انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ وہ ایک محسوس چیز کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہے اور ان لوگوں نے اپنی جہالت اور حماقت سے یہ خیال کیا کہ یہ امر دیانت اور وحدانیت کے منافی نہیں۔ چنانچہ شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جاہل آدمی نرے بے صورت معبود کی عبادت سے تسکین نہیں پاتا جب تک سامنے ایک صورت نہ ہو۔ (ان لوگوں نے) وہ قوم

ف۱ یعنی خدا کے انعامات عظیمہ کی شکر گزاری اور حق شناسی کیا یہی ہو سکتی ہے کہ غیر اللہ کی پرستش کر کے اللہ سے بغاوت کی جائے۔ پھر بڑی شرم کا مقام ہے کہ جس مخلوق کو خدا نے سارے جہان پر فضیلت دی وہ اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی مورتوں کے سامنے سربسجود ہو جائے؟ کیا مفضول افضل کا معبود بن سکتا ہے؟

ف۲ اس کی تفسیر پارہ الٓمٓ کے ربع کے بعد ملاحظہ کی جائے۔ یہ مضمون وہاں گزر چکا ہے۔ یعنی جس خدا نے ابھی ابھی تم پر ایسا عظیم الشان احسان فرمایا، کیا اسے چھوڑ کر لکڑیوں اور پتھروں کے سامنے جھکتے ہو؟

دیکھی کہ گائے کی صورت پوجتی تھی۔ ان کو بھی یہ ہوس آئی آخر سونے کا بچھڑا بنایا اور پوجا۔ (موضح القرآن)

بنی اسرائیل مدت تک مصری بت پرستوں کے ساتھ رہے ان کی بری صحبت کے اثر سے یہ جاہلانہ خیال دل میں آیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ تم بڑے ہی سخت جاہل ہو جو ایسی درخواست کرتے ہو تم نادانوں کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی صورت نہیں بن سکتی اور نہ اس کی عبادت کے وقت کسی محسوس اور مجسم شئے کو سامنے رکھا جاسکتا ہے یہ سب مشرکانہ اور جاہلانہ خیالات ہیں۔

تنبیہ:...... جاننا چاہئے کہ یہ بے ہودہ بات بنی اسرائیل کے بعض جاہلوں کے منہ سے نکلی تھی نہ کہ سب کی طرف سے یہ درخواست کی گئی تھی کیونکہ بنی اسرائیل میں احبار اور ربانیین بھی تھے ان کی زبان سے ایسی بے وقوفی کی بات کا نکلنا ممکن نہیں تحقیق بت پرستوں کی یہ جماعت جس مذہب میں لگی ہوئی ہے وہ تباہ اور برباد ہونے والا ہے۔ عنقریب حق تعالیٰ اس دین باطل کو حق کے غلبہ سے تباہ و برباد کریں گے اور جو کام یہ کر رہے ہیں وہ بھی سرتاپا غلط اور لغو ہے کیونکہ شرک کے باطل اور غلط ہونے میں کیا شبہ ہے موسیٰ علیہ السلام نے کہا کیا خدا کے سوا تمہارے لیے کوئی اور معبود ڈھونڈوں حالانکہ اس نے تم کو تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے خدا تعالیٰ نے انواع و اقسام کی جو نعمتیں خاص تم کو دیں وہ اہل عالم میں اور کسی کو نہیں دیں۔ پس ایسے محسن معبود کو چھوڑ کر دوسرے معبود تلاش کرنے کی درخواست بڑی ہی حماقت ہے اور اے بنی اسرائیل وہ وقت یاد کرو جبکہ ہم نے تم کو فرعون والوں سے نجات دی کہ وہ تم کو بری طرح سے عذاب دیتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ چھوڑتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔ ان احسانات کی یاد دلانے سے مقصود توبیخ اور سرزنش ہے کہ جس خدا نے تم پر یہ احسانات کیے اسے چھوڑ کر دوسرے معبود کو کیوں تلاش کرتے ہو۔

وَوٰعَدۡنَا مُوۡسٰى ثَلٰثِيۡنَ لَيۡلَةً وَّاَتۡمَمۡنٰهَا بِعَشۡرٍ فَتَمَّ مِيۡقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرۡبَعِيۡنَ لَيۡلَةً ۚ وَقَالَ

اور وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا اور پورا کیا ان کو اور دس سے پس پوری ہوگئی مدت تیرے رب کی چالیس راتیں ف۱ اور کہا

اور وعدہ ٹھہرایا ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا، اور پورا کیا ان کو دس سے، تب پوری ہوئی مدت تیرے رب کی، چالیس رات۔ اور کہا

ف۱ جب بنی اسرائیل کو طرح طرح کی پریشانیوں سے اطمینان نصیب ہوا تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ اب ہمارے لیے کوئی آسمانی شریعت لائیے جس پر ہم دلجمعی کے ساتھ عمل کرکے دکھلائیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کا معروضہ بارگاہ الٰہی میں پیش کردیا۔ خدا تعالیٰ نے ان سے کم از کم تیس دن اور زائد از زائد چالیس دن کا وعدہ فرمایا کہ جب اتنی مدت تم پے بہ پے روزے رکھو گے اور کوہ طور پر معتکف رہو گے تو تم کو تورات شریف عنایت کی جائے گی، دو مدتیں (کم اور زیادہ) ٹھہرانے کا شاید یہ مطلب تھا کہ اگر اثنائے ریاضت میں وظائف عبودیت اور آداب تقرب ادا کرنے کے اعتبار سے کسی قسم کی کوتاہی اور تقصیر ظاہرہ کی تو اقل مدت تیس دن کافی ہوں گے ورنہ اکثر الاجلین چالیس روزے پورے کرنے پڑیں گے۔ یا شروع سے تیس دن ضروری و لازمی میعاد کے طور پر ہوں اور چالیس دن پورے کرنا اختیاری و استحبابی حیثیت سے اصل میعاد کی تکمیل و تتمیم کے طور پر رکھے گئے ہوں۔ جیسے شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی بیٹی دیتے وقت فرمایا تھا ﴿عَلٰۤى اَنۡ تَاۡجُرَنِىۡ ثَمٰنِىَ حِجَجٍ‌ ۚ فَاِنۡ اَتۡمَمۡتَ عَشۡرًا فَمِنۡ عِنۡدِكَ‌ ۚ وَمَاۤ اُرِيۡدُ اَنۡ اَشُقَّ عَلَيۡكَ‌ ؕ﴾ (القصص، رکوع ۳) اور ہمارے زمانہ کے بعض مصنفین نے یہ کہا ہے کہ اصل میعاد چالیس ہی دن کی تھی جیسا کہ سورۂ بقرہ میں مذکور ہے اور یہاں بھی فَتَمَّ مِيۡقَاتُ رَبِّهٖۤ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ اس چالیس دن کے بیان کا ایک پیرایہ ہے کہ ہم نے تیس دن کا وعدہ کیا تھا جن کا تتمہ دس دن اور تھے۔ تاکہ اشارہ ہو جائے کہ ایک مہینہ سالم (ذیقعدہ) پورا کرکے دوسرے مہینہ (ذی الحجہ) میں سے دس دن اور بڑھائے گئے۔ اس طرح یکم ذی القعدہ سے شروع ہوکر ۱۰ ذی الحجہ کو چلہ پورا ہوا جیسا کہ اکثر سلف سے منقول ہے۔ واللہ اعلم۔ موضح القرآن میں ہے کہ "حق تعالیٰ نے وعدہ دیا حضرت موسیٰ کو کہ پہاڑ پر تیس رات خلوت کرو کہ تمہاری قوم کو "تورات" دوں۔ اس مدت میں انہوں نے ایک =

مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَمَّا

موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہ میرا خلیفہ رہ میری قوم میں اور اصلاح کرتے رہنا اور مت چلنا مفسدوں کی راہ ف۱ اور جب

موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون کو، میرا خلیفہ رہ میری قوم میں، اور سنوار، اور نہ چل بگاڑنے والوں کی راہ۔ اور جب

جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ

پہنچا موسیٰ ہمارے وعدہ پر اور کلام کیا اس سے اس کے رب نے بولا اے میرے رب تو مجھ کو دکھا کہ میں تجھ کو دیکھوں ف۲ فرمایا تو مجھ کو ہرگز

پہنچا موسیٰ ہمارے وقت پر اور کلام کیا اس سے اس کے رب نے، بولا، اے رب! تو مجھ کو دکھا کہ میں تجھ کو دیکھوں۔ کہا، تو مجھ کو ہرگز

انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا

نہ دیکھے گا ف۳ لیکن تو دیکھتا رہ پہاڑ کی طرف اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہا تو تو مجھ کو دیکھ لے گا ف۴ پھر جب تجلی کی اس کے رب نے پہاڑ کی طرف کر دیا اس کو ڈھا کر برابر

نہ دیکھے گا، لیکن دیکھتا رہ پہاڑ کی طرف، جو وہ ٹھہرا اپنی جگہ، تو آگے تو دیکھے گا مجھ کو۔ پھر جب نمودار ہوا رب اس کا پہاڑ کی طرف، کیا اس کو ڈھا کر برابر

= دن مسواک کی۔ فرشتوں کو ان کے منہ کی بو سے خوشی تھی وہ جاتی رہی اس کے بدلے دس رات اور بڑھا کر مدت پوری کی۔"

ف۱ یعنی میری غیبت میں میرے حصہ کا کام بھی تم ہی کرو۔ گویا حکومت و ریاست کے جو اختیارات موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مخصوص تھے، وہ ہارون علیہ السلام کو تفویض کر دیئے گئے اور چونکہ بنی اسرائیل کی تلون مزاجی اور سست اعتقادی کا پورا تجربہ رکھتے تھے، اس لیے بڑی تصریح و تاکید سے ہارون علیہ السلام کو متنبہ کر دیا کہ اگر میرے پیچھے یہ لوگ کچھ گڑبڑ مچائیں تو تم اصلاح کرنا اور میرے طریق کار پر کاربند رہنا۔ مفسدہ پردازوں کی راہ پر مت چلنا۔ خدا کی مشیت کہ موسیٰ علیہ السلام یہ وصیت کر کے ادھر گئے۔ ادھر بنی اسرائیل نے گوسالہ پرستی شروع کر دی مگر حضرت ہارون نے موجودہ بائبل نویسوں کے علی الرغم ﴿يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ﴾ کہہ کر ان کی گمراہی اور اپنی بیزاری کا صاف صاف اعلان کر دیا، اور وصیت موسوی۔ کے موافق اصلاح حال کی امکانی کوشش کی۔

ف۲ چالیس دن کی معیاد پوری ہو چکنے پر حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کسی مخصوص و ممتاز رنگ میں شرف مکالمہ بخشا۔ اس وقت حضرت موسیٰ کو بلاواسطہ کلام الٰہی سننے کی لذت بے پایاں حاصل ہوئی تو کمال اشتیاق سے متکلم کے دیدار کی آرزو کرنے لگے اور بے ساختہ درخواست کر دی۔ ﴿رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ﴾ اے پروردگار! میرے اور اپنے درمیان سے حجاب اور موانع اٹھا دیجئے اور روئے انور بے حجاب سامنے کر دیجئے کہ ایک نظر دیکھ سکوں۔

ف۳ یعنی دنیا میں کسی مخلوق کا یہ فانی وجود اور فانی قویٰ اس ذوالجلال والاکرام لم یزل ولایزال کے دیدار کا تحمل نہیں کر سکتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ دنیا میں کسی کو موت سے پہلے دیدار خداوندی کا شرف حاصل ہونا شرعاً ممتنع ہے گو عقلاً ممکن ہو کیونکہ اگر امکان عقلی بھی نہ مانا جائے تو موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کی نسبت یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ایک محال عقلی کی درخواست کرتے۔ اہل السنت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ رویت باری دنیا میں عقلاً ممکن، شرعاً ممتنع الوقوع ہے اور آخرت میں اس کا وقوع نصوص قطعیہ سے ثابت ہے، رہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت شب معراج میں، وہ اختلافی مسئلہ ہے جس کا ذکر ان شاء اللہ "سورۂ نجم" میں آئے گا۔

ف۴ یعنی تم پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو، ہم اپنے جمال مبارک کی ایک ذرا سی جھلک اس پر ڈالتے ہیں۔ اگر پہاڑ جیسی سخت اور مضبوط چیز اس کو برداشت کر سکے تو ممکن ہے تم کو بھی اس کا تحمل کرا دیا جائے۔ ورنہ سمجھ لیجئے کہ جس چیز کا تحمل پہاڑ سے نہ ہو سکے بھی انسان کی مادی ترکیب اور جسمانی آنکھیں اسے کیسے برداشت کر سکتی ہیں اگرچہ قلبی اور روحانی طاقت کے اعتبار سے زمین، آسمان، پہاڑ، سب چیزوں سے انسان فائق ہو۔ اور اسی لیے موسیٰ علیہ السلام جس وحی الٰہی کے حامل تھے، بلکہ دوسرے انسان بھی جس امانت عظیمہ کے حامل ہیں، پہاڑ وغیرہ اس کے اٹھانے پر قادر نہیں۔ ﴿فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ﴾ (احزاب، رکوع ۹) ﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰي جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾ (الحشر، رکوع ۳) تاہم جس چیز کا تعلق ظاہری آنکھوں یا بدن کی مادی قوت سے ہو، اس میں انسان دوسری عظیم الخلقت چیزوں سے بہت کمزور واقع ہوا ہے ﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (المومن، رکوع ۶) ﴿وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا﴾ (نساء، رکوع ۵) =

وَخَرَّ مُوسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ قَالَ

اور گر پڑا موسیٰ بیہوش ہو کر ف۱ پھر جب ہوش میں آیا بولا تیری ذات پاک ہے میں نے توبہ کی تیری طرف اور میں سب سے پہلے یقین لایا ف۲ فرمایا

اور گر پڑا موسیٰ بے ہوش۔ پھر جب چونکا، بولا، تیری ذات پاک ہے، میں نے توبہ کی تیرے پاس، اور میں سب سے پہلے یقین لایا۔ فرمایا،

يٰمُوسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ

اے موسیٰ میں نے تجھ کو امتیاز دیا لوگوں سے اپنے پیغام بھیجنے کا اور اپنے کلام کرنے کا سو لے جو میں نے تجھ کو دیا اور

اے موسیٰ! میں نے تجھ کو امتیاز دیا، لوگوں سے، اپنے پیغام بھیجنے کا، اور اپنے کلام کرنے کا۔ سو لے جو میں نے تجھ کو دیا، اور

الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ

شاکر رہ ف۳ اور لکھ دی ہم نے اس کی تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور تفصیل ہر چیز کی ف۴

شاکر رہ۔ اور لکھ دی ہم نے اس کو تختوں پر، ہر چیز میں سے سمجھوتی، اور بیان ہر چیز کا۔

فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۭ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ سَاَصْرِفُ

سو پکڑ لے ان کو زور سے اور حکم کر اپنی قوم کو کہ پکڑے رہیں اس کی بہتر باتیں عنقریب میں تم کو دکھلاؤں گا گھر نافرمانوں کا ف۵ میں پھیر دونگا

سو پکڑ ان کو زور سے، اور کہہ اپنی قوم کو کہ پکڑے رہیں اس کی بہتر باتیں۔ اب میں تم کو دکھاؤں گا گھر بے حکم لوگوں کا۔ میں پھیر دوں گا

= اس جگہ موسیٰ علیہ السلام کو انسانی وجود کی اسی کمزوری کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

ف۱ حق تعالیٰ کی تجلیات بہت طرح کی ہیں اور یہ خدا کا ارادی فعل ہے کہ جس چیز پر جس طرح چاہے تجلی فرمائے۔ پہاڑ پر جو تجلی ہوئی اس نے معاً پہاڑ کے خاص حصہ کو ریزہ ریزہ کر ڈالا، اور موسیٰ علیہ السلام چونکہ محل تجلی سے قریب تھے، ان پر ایسے قرب محل اور پہاڑ کے ہیبت ناک منظر دیکھنے کا اثر ہوا کہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ بلاتشبیہ یوں سمجھ لیجئے کہ بجلی جس چیز پر گرتی ہے اسے جلا کر ایک آن میں کس طرح خاک سیاہ کر دیتی ہے اور جو لوگ اس مقام کے قریب ہوتے ہیں بسا اوقات انہیں بھی کم و بیش صدمہ پہنچ جاتا ہے۔

ف۲ یعنی پاک ہے اس سے کہ کسی مخلوق کے مشابہ ہو اور یہ فانی آنکھیں اس کے دیدار کا تحمل کر سکیں۔ تیری پاکی اور برتری کا اقتضاء یہ ہے کہ کسی چیز کی طلب تیری اجازت کے بدون نہ کی جائے، میں توبہ کرتا ہوں کہ فرط اشتیاق میں بدون اجازت کے ایک ناز یا درخواست کر گزرا۔ میں اپنے زمانہ کے سب لوگوں سے پہلے تیری عظمت و جلال کا یقین رکھتا ہوں اور پہلا وہ شخص ہوں جسے ذوقی وعیانی طریق پر منکشف ہوا کہ خداوند قدوس کی رویت دنیا میں ان ظاہری آنکھوں سے واقع نہیں ہو سکتی۔

ف۳ یعنی دیدار نہ ہو سکا نہ سہی، یہ شرف و امتیاز کیا تھوڑا ہے کہ ہم نے تجھ کو پیغمبر بنایا اور تورات عطا کی اور بلا واسطہ کلام فرمایا۔ سو جس قدر بخشش ہماری طرف سے ہوئی، اسے پلے باندھو اور ان بندوں میں شامل رہو جنہیں خدا نے ﴿شٰكِرِيْنَ﴾ کے امتیازی لقب سے ملقب فرمایا ہے۔

ف۴ بعض کہتے ہیں کہ تورات شریف ان تختیوں پر لکھی ہوئی تھی۔ اور بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ تختیاں تورات کے علاوہ تھیں جو نزول تورات سے پہلے مرحمت ہوئیں۔ بہرحال دیدار نہ ہو سکنے سے جو شکستگی موسیٰ علیہ السلام کو ہوئی اس کی تلافی اور جبر مافات کے طور پر الواح عطا کی گئیں۔ جن میں ہر قسم کی نصیحتیں اور تمام ضروری احکام کی تفصیل تھی (ابن کثیر)

ف۵ یعنی خود بھی ان الواح کو مضبوطی اور احتیاط سے پکڑے رہو کہیں ہاتھ سے چھوٹ نہ جائیں اور اپنی قوم کو سمجھاؤ کہ وہ ان الواح کی بہترین ہدایات پر پختگی سے عمل کرتے رہیں اور ایسی اچھی چیز کو ہاتھ سے نہ دیں۔ (تنبیہ) لفظ ﴿احسنها﴾ سے یا تو اس پر متنبہ فرمانا ہے کہ ان میں "احسن" کے سوا اور کچھ نہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ جو احکام دیئے گئے تھے یوں تو سب فی حد ذاتہ "حسن" ہیں۔ مگر بعض بعض سے احسن ہوتے ہیں مثلاً ظالم سے بدلہ لینا جائز اور حسن ہے۔ لیکن صبر کرنا اور =

عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ

اپنی آیتوں سے ان کو جو تکبر کرتے ہیں زمین میں ناحق اور اگر دیکھ لیں ساری نشانیاں ایمان نہ لائیں ان پر

اپنی آیتوں سے ان کو، جو ڈھونڈتے ہیں ملک میں ناحق۔ اور دیکھیں ساری نشانیاں یقین نہ کریں ان کو۔

وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ

اور اگر دیکھیں راستہ ہدایت کا تو نہ ٹھہرائیں اس کو راہ اور اگر دیکھیں رستہ گمراہی کا تو اس کو ٹھہرا لیں

اور اگر دیکھیں راہ سنوار کی، وہ نہ ٹھہراویں راہ۔ اور اگر دیکھیں راہ الٹی، اس کو ٹھہراویں

سَبِيْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

راہ یہ اس لیے کہ انہوں نے جھوٹ جانا ہماری آیتوں کو اور رہے ان سے بے خبر ف۱ اور جنہوں نے جھوٹ جانا ہماری آیتوں کو

راہ۔ یہ اس واسطے کہ انہوں نے جھوٹ جانیں ہماری آیتیں، اور ہو رہے ان سے بے خبر۔ اور جنہوں نے جھوٹ جانیں ہماری آیتیں،

وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع

اور آخرت کی ملاقات کو برباد ہوئیں ان کی محنتیں وہی بدلہ پائیں گے جو کچھ عمل کرتے تھے ف۲

اور آخرت کی ملاقات، ضائع ہوئیں ان کی محنتیں، وہی بدلہ پاویں گے جو کچھ عمل کرتے تھے۔

ذکر مکالمہ خداوندی با موسیٰ علیہ السلام وعطاء تورات

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً ... الی ... هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

ربط:...... حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے وعدہ فرمایا تھا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو ہلاک کرے گا اور تمہیں ان کا جانشین اور ان کے ملک کا وارث بنائے گا اور اس وقت میں تم کو حق تعالیٰ کی طرف سے ایک کتاب ہدایت مآب لا کردوں گا جو تمہارے لیے دستور العمل ہوگی چنانچہ جب فرعون ہلاک ہوگیا اور بنی اسرائیل کو اس کے پنجۂ ظلم سے نجات ملی تو

= معاف کردینا عزیمت اور احسن ہے۔ گویا بنی اسرائیل کو اس پر آمادہ کرنا تھا کہ عزائم ومندوبات کے اکتساب میں سعی کریں اور خدا کے کامل فرمانبردار بنیں۔ اگر نافرمانی کریں گے، تو انہیں نافرمانوں کا گھر دکھلا دیا جائے گا۔ یعنی آخرت میں دوزخ اور دنیا میں تباہی ورسوائی۔ اعاذنا اللہ منہما (ابن کثیر و بغوی) اور بعض نے نافرمانوں کے گھر سے شام یا مصر مراد لیا ہے۔ جو نافرمان عمالقہ یا فرعونیوں کا ملک تھا۔ اس صورت میں یہ آیت بنی اسرائیل کے لیے بشارت ہوگی کہ اگر پوری طرح فرمانبرداری کرو گے تو نافرمانوں کے ملک تم کو دے دیئے جائیں گے۔ والراجح ھو الاول کما رجحہ ابن کثیر۔

ف۱ جو لوگ خدا اور پیغمبروں کے مقابلہ میں ناحق کا تکبر کرتے ہیں اور نخوت وغرور اجازت نہیں دیتا کہ احکام الٰہی کو قبول کریں، ہم بھی ان کے دل اپنی آیات کی طرف سے پھیر دیں گے کہ آئندہ ان سے منتفع ہونے کی توفیق نہ ہوگی۔ ایسے لوگوں کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ خواہ کتنے ہی نشان دیکھیں اور کتنی ہی آیتیں سنیں ٹس سے مس نہ ہوں، ہدایت کی سڑک کیسی ہی صاف اور کشادہ ہو، اس پر نہ چلیں ہاں گمراہی کے راستہ پر نفسانی خواہشات کی پیروی میں دوڑے چلے جائیں۔ تکذیب کی عادت اور غفلت کی تمادی سے جب دل مسخ ہو جاتا ہے، اس وقت آدمی اس حالت کو پہنچتا ہے۔

ف۲ یعنی احکام الٰہی پر چلنے کی توفیق نہ ہوگی۔ اور جو کچھ کام اپنی عقل سے کریں گے وہ خدا کے یہاں قبول نہ ہوگا۔ جیسا کریں گے ویسا بھگتیں گے۔ باقی ان کی بے جان اور مردہ نیکیوں کا جو بدلہ ملنا ہوگا دنیا میں مل رہے گا۔

انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس کتاب کی درخواست کی۔ حکم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر آ کر اعتکاف کریں اور تیس روزے رکھیں اس کے بعد کتاب عنایت ہوگی۔ موسیٰ علیہ السلام نے آخری روزہ میں منہ کی بو دفع کرنے کے لیے مسواک کر لی تو فرشتوں نے کہا کہ اے موسیٰ تمہارے منہ سے جو مشک کی خوشبو آتی تھی وہ جاتی رہی اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آیا کہ دس دن اور روزے رکھیں تا کہ چلہ پورا ہو جائے۔

اکثر اسلاف کے نزدیک یہ چلہ یکم ذیقعدہ سے شروع ہو کر دس ذی الحجہ کو پورا ہوا غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر چالیس دن ٹھہرے اس کے بعد ان کو توریت عطاء ہوئی ان آیات میں عطاء تورات اور مکالمۂ خداوندی کا قصہ ذکر کیا جاتا ہے اور جب بنی اسرائیل کو طرح طرح کی پریشانیوں سے اطمینان نصیب ہوا تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپ ہمارے لیے کوئی آسمانی شریعت لائیے تا کہ اب ہم فراغ خاطر کے ساتھ اس پر عمل کریں اس پر موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس وقت ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے توریت دینے کے لیے تیس رات کا وعدہ کیا کہ کوہ طور پر آ کر اعتکاف کرو اور تیس روزے رکھو تو ہم تم کو تورات دیں گے اور بعد ازاں ان میں دس اور ملا کر پورا چالیس کر دیا۔ جمہور مفسرین کے نزدیک وہ تیس راتیں ذیقعدہ کی تھیں اور دس راتیں ذی الحجہ کی تھیں اس بناء پر دسویں تاریخ ذی الحجہ کو کلام الٰہی نصیب ہوا۔ اور اسی روز اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دین کو مکمل کیا۔ کما قال تعالیٰ: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾.

جب موسیٰ علیہ السلام تیس روزے رکھ چکے تو روزے میں خشکی کی وجہ سے منہ میں جو بدبو پیدا ہو جاتی ہے تو وہ بو ناگوار معلوم ہوئی اس بو کے دفع کرنے کے لیے مسواک کر لی۔ فرشتوں نے کہا اے موسیٰ! ہم تمہارے منہ سے مشک کی خوشبو سونگھتے تھے مسواک کرنے سے وہ خوشبو جاتی رہی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ دس روزے اور رکھیے تا کہ چلہ پورا ہو جائے پس اس طرح ان کے پروردگار کا مقرر کردہ وقت چالیس رات پورا ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور کو جاتے وقت اپنے بھائی ہارون علیہ السلام سے کہا کہ میں توریت لینے کے لیے طور سینا کی طرف جا رہا ہوں میں جب تک واپس آؤں میری قوم میں تو میرا قائم مقام رہ اور ان کی اصلاح کرتا رہ یعنی صلاح اور تقویٰ کے کاموں میں ان کو لگائے رکھ اور مفسدوں کی راہ پر نہ چلنا یعنی اگر میرے پیچھے یہ لوگ کسی قسم کا فتنہ وفساد برپا کریں اور تیرا کہنا نہ مانیں تو اس وقت تو ان سے علیحدہ ہو جانا اور ان کی پیروی نہ کرنا۔ اور نہ کسی بات میں ان کی موافقت کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ان کی اصلاح ممکن نہ ہو تو ان سے علیحدگی اختیار کر لینا اور اسکے بعد جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے وعدے کے مطابق وقت مقررہ پر پہنچے اور ان کے پروردگار نے بلا واسطہ فرشتہ کے ان سے کلام کیا جیسا کہ وہ خداوند قدوس جبرئیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام سے بلا واسطہ کلام کرتا ہے تو موسیٰ علیہ السلام کو غایت حلاوت کی وجہ سے اللہ کا کلام سن کر شوق پیدا ہوا کہ اس کلام کے متکلم کو دیکھوں تو زیادتی شوق سے مجبور ہو کر بولے اے میرے پروردگار مجھے اپنے جمال بے مثال کا ایک جلوہ دکھا کہ تیری طرف ایک نظر اٹھا سکوں۔ تا کہ کلام اور گفتار کے ساتھ دیدار کی نعمت اور کرامت بھی جمع ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب [1] میں کہا کہ اے موسیٰ تو مجھے اس دار فانی میں ان کمزور آنکھوں کے ساتھ ہرگز نہیں

[1] فرمود پروردگار ہرگز بچشم فانی مرا نتوانی دید کہ قوائے عنصری تحمل آں ندارند (دیکھو تیسیر القاری شرح بخاری: ۳/ ۳۴۰)

دیکھ سکے گا یعنی تجھ سے میرے جمال بے مثال کا تحمل نہیں ہو سکے گا۔ انسان ضعیف البنیان ہے اس دار فانی میں خداوند ذوالجلال کے جلوہ کو برداشت نہیں کر سکتا اور اس کے جمال بے مثال کی تاب نہیں لا سکتا ولیکن تمہاری تسلی اور تشفی کے لیے یہ کرتا ہوں کہ پہاڑ پر تھوڑی سی تجلی کرتا ہوں پس تم پہاڑ کی طرف نظر کرو کہ جو وجود جسمانی میں تم سے کہیں زیادہ قوی ہے اور تحمل کی قوت اس میں تم سے زیادہ ہے پس اگر ہماری اس تجلی کے بعد یہ پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہا تو قریب ہے یعنی ممکن ہے کہ تو بھی مجھے دیکھ سکے گا اور میری تجلی کا تحمل کر سکے گا۔ مطلب یہ ہے کہ کسی مخلوق کا فانی اور کمزور وجود اس دار فانی میں اس کے دیدار کا تحمل نہیں کر سکتا لیکن خیر ہم تھوڑی دیر کے لیے اپنے جمال دلربا کی ایک جھلک اس پہاڑ پر ڈالتے ہیں پس اگر پہاڑ جیسی سخت اور مضبوط چیز اس کو برداشت کر سکی تو ممکن ہے کہ تم بھی اس کو برداشت کر سکو۔ جیسے انسان ضعیف البنیان نے اس امانت کے بوجھ کو اٹھا لیا جس کو آسمان اور زمین نہ اٹھا سکے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ﴾ وقال تعالیٰ: ﴿لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ﴾۔ اور اگر پہاڑ جیسی قوی اور مضبوط چیز بھی تحمل نہ کر سکے تو سمجھ لیجئے کہ جس چیز کا تحمل پہاڑ سے نہ ہو سکے تو انسان ضعیف البنیان سے اس کا تحمل کیسے ہو سکتا ہے اس لیے کہ دیدار کا تعلق ظاہری آنکھوں سے ہے اور ظاہری وجود کے اعتبار سے انسان بہت کمزور ہے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا﴾ وقال تعالیٰ: ﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾۔ مطلب یہ ہے کہ اے موسیٰ انسان کے اعتبار سے تمہارا وجود کمزور ہے تم سے اس کا تحمل نہ ہو سکے گا۔ دیدار کے حق میں ہماری طرف سے کوئی مانع نہیں مانع تمہاری طرف سے ہے یعنی تمہارا ضعف رؤیت باری کے تحمل سے مانع ہے پھر جب ان کے پروردگار نے اس پہاڑ پر اپنی تجلی فرمائی یعنی اس پر اپنے نور کی ایک جھلک ڈالی تو اس تجلی کے سبب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کے اس حصے کو جس پر تجلی ہوئی ریزہ ریزہ کر دیا یعنی اس تجلی کی عظمت سے پہاڑ کا ایک حصہ پارہ پارہ ہو گیا اور پہاڑ کا ایک حصہ زمین کے برابر ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام اس ہیبت ناک منظر کو دیکھ کر بے ہوش ہو گئے بلا تشبیہ و تمثیل یوں سمجھئے کہ جس چیز پر بجلی گرتی ہے وہ چیز جل کر ایک آن میں خاک ہو جاتی ہے اور جو لوگ اس کے قریب ہوتے ہیں کم و بیش ان کو صدمہ پہنچتا ہے۔ پھر جب موسیٰ علیہ السلام کو ہوش آیا تو یہ بولے ﴿سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ یعنی اے اللہ تو پاک ہے اس سے کہ دنیا میں تجھے کوئی دیکھ سکے اگر دیکھے تو مر جائے دنیا کی فانی آنکھوں میں یہ طاقت نہیں کہ تیرے دیدار کا تحمل کر سکیں میں فرط شوق میں یہ درخواست کر گزرا لیکن آئندہ کے لیے میں توبہ کرتا ہوں کہ اس دار فانی میں آئندہ کبھی رؤیت کا سوال نہ کروں گا اور میں سب سے پہلے تیرے عظمت اور جلال پر یا تیرے ارشاد ﴿لَنْ تَرٰىنِيْ﴾ پر ایمان لانے والا ہوں یا اس بات پر ایمان لانے والا ہوں کہ دار فانی میں کسی بشر کی یہ طاقت نہیں کہ وہ تجھے دیکھ سکے اور میں پہلا ایمان لانے والا ہوں کہ دار دنیا میں قیامت تک تجھ کو کوئی نہیں دیکھ سکتا یعنی مجھ پر شہودی اور عیانی طور پر یہ امر منکشف ہو گیا کہ اس دار فانی میں ان ظاہری آنکھوں سے تیرا دیدار ممکن نہیں اور میں پہلا مومن ہوں جو اس بات کا قائل ہوا کہ اس دار فانی میں اس چشم فانی سے کوئی شخص بھی قیامت تک اپنے پروردگار کو نہیں دیکھ سکتا۔

بےفناء خود میسر نیست دیدار شما
می فروشد خویش را اول خریدار شما

ف:...... حضرات انبیاء علیہم السلام سے اگر کوئی ذرا سی بھی لغزش اور سہو سے برائے نام خلاف ادب کوئی امر سرزد ہو جاتا ہے تو حضرات انبیاء اس بھول چوک سے گناہوں کی طرح توبہ اور استغفار کرتے ہیں۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے سوال دیدار سے توبہ اور معذرت کی اور کہا کہ پہاڑ کے حال کے مشاہدہ سے مجھ کو اس بات کا ایمان شہودی حاصل ہو گیا کہ بشر کی چشم حادث میں یہ قوت اور طاقت نہیں کہ وہ آپکے جلوہ کا تحمل کر سکے بندہ آپ کو اس دار فانی میں اپنی قوت اور طاقت سے نہیں دیکھ سکتا البتہ جب آخرت میں آپ اس کو قوت اور قدرت عطاء کریں گے تو وہ آپ کو آپ کی قدرت سے دیکھ سکے گا۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ حدوث کے قدم بارگاہ قدم میں بدون خداوند قدیم کی تائید اور تقویت کے نہیں ٹھہر سکتے۔

موسیٰ علیہ السلام کی تسلی

موسیٰ علیہ السلام کو چونکہ ﴿لَنۡ تَرٰىنِیۡ﴾ کے جواب سے اور دیدار کی محرومی سے رنج اور قلق ہوا اس لیے اب آئندہ آیت میں ان کی تسلی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ تم ہمارے اس جواب ﴿لَنۡ تَرٰىنِیۡ﴾ سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہونا اگر اس وقت تجھے میرا دیدار میسر نہ ہو سکا تو نہ سہی کیا تیرے شرف اور امتیاز کے لیے یہ کافی نہیں کہ تحقیق میں نے تجھ کو اپنے پیغامات اور بلا واسطہ کلام کے ذریعے لوگوں پر برگزیدگی اور برتری کی یعنی تجھ کو اپنی نبوت و رسالت کا خلعت پہنایا اور بلا واسطہ تجھ سے کلام کیا اور تجھ کو توریت عطاء کی۔ پس کیا یہ شرف و امتیاز کچھ کم ہے۔ پس جو شرف اور امتیاز میں نے تجھ کو عطاء کیا اس کو لے لے اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جا۔ یعنی خدا کے خاص الخاص شکر گزاروں میں سے ہو جا جو دیا اسکا شکر کر و اور جو نہیں دیا اس کے رنج و فکر میں نہ پڑ اور جو چیز تیری طاقت اور تحمل سے باہر ہے اس کا سوال نہ کر اور رؤیت کے حاصل نہ ہونے کا افسوس نہ کر یہ نعمت صرف آخرت کے لیے مخصوص ہے۔

لن ترانی می رسد از طور موسیٰ را جواب
ہر چہ آں از دوست آید سر بنہ گردن بیتاب

اور علاوہ رسالت اور کلام کے ہم نے یہ شرف بخشا کہ ہم نے چند تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ کر ان کو دی یعنی دین کے بارے میں جتنی نصیحتوں کی ضرورت تھی وہ سب لکھ کر دی اور ہر چیز میں اوامر اور نواہی کی تفصیل کر دی پھر ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ ان تختیوں کو مضبوطی سے پکڑ و اور اپنی قوم کو حکم دو کہ صدق اور عزیمت کے ساتھ الواح توریت میں جو چیزیں لکھی ہوئی ہیں ان میں سے بہتر چیز کو پکڑیں یعنی جس چیز کا اجر اور ثواب دوسرے سے بڑھ کر اور بیشتر ہے اس کو لیویں اور اختیار کریں۔ منجملہ احسن کے ایک یہ ہے کہ عزیمت اور افضل پر عمل کریں اور حتی الوسع رخصت اور مفضول یعنی کمتر کو اختیار نہ کریں۔

اور میں عنقریب تم کو نافرمانوں کے مکانات دکھلاؤں گا اور قوم ثمود کی بستیاں دکھلاؤں گا کہ کیسی ویران اور تباہ پڑی

ہیں تاکہ ان کو دیکھ کر عبرت پکڑو

قطعہ

چشم عبرت بیں چرا در قصر شاہاں ننگرد تاچہ ساں از حادثات دور گردوں شد خراب
پردہ داری می کند بر طاق کسریٰ عنکبوت چغد نوبت می زند بر قلعۂ افراسیاب

مطلب یہ ہے کہ میں عنقریب تجھ کو دکھلاؤں گا کہ فاسق اور فاجر فسق وفجور کر کے کس بربادی اور تباہی کے گھر میں بستے ہیں۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ دار فاسقین سے فرعونیوں کے مکانات مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ میں عنقریب تم کو فرعون اور قبطیوں کے مکانات کا وارث بناؤں گا اور تم کو یہ دکھلا دوں گا کہ خدا دشمنوں کے مکانات کا دوستوں کو کیسے وارث بناتا ہے۔

ان آیات میں اطاعت کی ترغیب تھی اب آئندہ آیات میں تکبر اور سرکشی سے ترہیب ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ عنقریب اپنی آیتوں کے قبول کرنے اور ان کے سمجھنے سے ان لوگوں کے دلوں کو پھیر دوں گا اور اپنے احکام سے برگشتہ کردوں گا جو زمین میں ناحق اور بلا وجہ کے تکبر کرتے ہیں یعنی ہمارا طریقہ یہ ہے کہ ہم متکبروں کے دل پر مہر کر دیتے ہیں تاکہ وہ حق بات کو نہ سمجھ سکیں۔ کما قال تعالیٰ: ﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾۔ اور تکبر کی وجہ سے وہ عقل اور فہم سے اس قدر دور ہو جاتے ہیں کہ اگر وہ ساری نشانیاں بھی آنکھوں سے دیکھ لیں تب بھی ان کا یقین نہ کریں اور اگر ہدایت کی راہ دیکھیں تو اس راہ کو نہ پکڑیں اور اگر یہ متکبر الٹی راہ دیکھ لیں تو اسکو پکڑ لیں یہ ان کے دلوں کی کجی اور بے راہی اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے تکبر کی وجہ سے ہماری آیتوں کی تکذیب کی اور عناد کی وجہ سے دیدہ و دانستہ ہماری آیتوں سے غافل بن گئے اس لیے ان کو یہ سزا ملی کہ ان کے دل حق سے پھیر دیئے گئے اور ان کی عقل الٹی ہوگئی یہ سزا تو دنیا میں ملی اور آخرت میں یہ سزا ملے گی کہ جنہوں نے ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات اور پیشی کو جھٹلایا یعنی جزاء و سزا کے منکر ہوئے ان کے وہ سب کام جن پر وہ نفع کی امید لگائے بیٹھے تھے، سب تباہ اور غارت ہوئے نہیں بدلہ پاویں گے آخرت میں مگر جو دنیا میں کرتے تھے۔ ان آیات سے مقصود تنبیہ ہے کہ آیات خداوندی کے مشاہدہ کے بعد ان سے غفلت اور اعراض تباہی اور بربادی کا موجب ہے۔

لطائف ومعارف

۱۔ اس آیت ﴿وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ﴾ سے خداوند تعالیٰ کا متکلم ہونا ثابت ہوا مگر خدا کے کلام کی اصل صفت اور کیفیت سوائے اس خدا کے اور جس نے اس سے کلام کیا ہو اور کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ جس طرح خدا کی ذات بے چون و چگون اور بے مثال ہے، ہم نہ اس کی ذات کی کُنہ کو پہنچ سکتے ہیں اور نہ اس کی صفات کی کُنہ کو۔ سعدی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب کہا ہے۔

نہ ادراک درکنہ ذاتش رسد نہ غورت بفکر صفاتش رسد

اس لیے اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ قرآن اور حدیث بلکہ تمام کتب سماویہ سے خدا تعالیٰ کا متکلم ہونا ثابت ہے اور کلام اس کی صفت قدیمہ اور ازلیہ ہے اور اس کے کلام میں حرف اور صوت نہیں اللہ کا کلام انسان کے کلام کے مشابہ نہیں جو حرف اور صوت کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے اور زبان اور ہونٹ اور حلقوم سے نکلتا ہے۔ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ﴾ اور حنابلہ اور اہل حدیث کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ خدا کا کلام حروف اور الفاظ اور اصوات سے مرکب ہے اور یہ الفاظ اور اصوات سب قدیم ہیں اور ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہیں اور معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ خدا کے متکلم ہونے کے یہ معنی نہیں کہ کلام اس کی صفت ہے اور اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے بلکہ اس کے متکلم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ اپنے کلام کو کسی دوسری چیز مثلاً درخت یا لوح محفوظ یا فرشتہ یا نبی میں پیدا کر دیتا ہے اس مسئلہ کی تفصیل ہم نے بخاری کی کتاب التوحید کی شرح میں کر دی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

حضرات متکلمین اور اولیاء اور عارفین فرماتے ہیں کہ کلام دراصل ان حروف اور اصوات کا نام نہیں۔ بلکہ کلام اصل میں "ما به افادة ما فی علمه" کا نام ہے یعنی جس شئے کے ذریعے سے اپنے علم میں آئی ہوئی چیز کا افادہ اور افاضہ کی جائے تو اس کو کلام کہتے ہیں اور ہماری زبان سے نکلے ہوئے حروف اور اصوات یا کاغذ پر لکھے ہوئے نقوش یہ کلام خداوندی کے لیے بمنزلہ لباس کے ہیں۔ ہماری زبان سے نکلے ہوئے حروف اور الفاظ کو اور ہمارے ہاتھ کے لکھے ہوئے نقوش کو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ عین کلام قدیم ہیں جو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ قائم ہیں جس طرح ہماری سخن اور ہماری آواز ہمارے تصورات یا صور ذہنیہ کی ترجمان ہے ان کا عین نہیں اسی طرح ہمارے حروف اور ہماری اصوات خداوند قدوس کے کلمات قدسیہ وغیبیہ کے ترجمان ہیں اور اس بے نشان کے ایک قسم کے نشان ہیں اور کلام الٰہی کی دلالات اور عبارات ہیں۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے قرآن کریم کے مرتب ہو جانے کے بعد ان اوراق منتشرہ کو جلا دیا کہ جن میں آیات قرآنیہ لکھی ہوئی تھیں کیا کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ جب صحابہ نے قرآن کو ایک مصحف میں جمع کرنے کے بعد قدیم نوشتوں کو جلا یا تو کیا معاذ اللہ صحابۂ کرام نے عین کلام خداوندی کو جلا دیا یا فنا کر دیا۔ اللہ کا کلام قدیم اور غیر مخلوق ہے کسی مخلوق کی کیا مجال کہ قدیم اور غیر مخلوق کو جلا دے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ ہماری زبان سے نکلے ہوئے حروف اور الفاظ اور ہمارے قلم سے لکھے ہوئے نقوش جو اصل کلام قدیم کا آئینہ اور مظہر ہیں جن کے پردے میں کلام قدیم کا جلوہ نظر آتا ہے وہ جلا دیئے گئے آئینہ کے جل جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس چیز کا عکس آئینہ میں پڑ رہا ہے وہ شئی بھی جل جائے۔

اللہ جل شانہ کی ذات بابرکات صورت اور شکل سے پاک اور منزہ ہے مگر قیامت کے دن لوگ اس بے چون وچگون ذات کو صورت کے پردہ اور لباس میں دیکھیں گے اسی طرح اللہ کا کلام بے چون وچگون ہے اور حروف اور اصوات سے پاک ہے مگر اس کا ظہور اور اس کا جلوہ حروف اور الفاظ کے لباس اور پردہ میں ہوتا ہے۔ اللہ کا کلام انسان کی زبان سے سنا جائے یا پلیٹوں سے سنا جائے یا کاغذ پر لکھا ہوا دیکھا جائے تو یہی کہا جائے گا کہ کلام کی حقیقت سب جگہ ایک ہے مگر ہر جگہ صورت اور لباس بدلا ہوا ہے لہٰذا نہ تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ مختلف صورتیں اور مختلف قسم کے لباس اس اصل حقیقت کا بالکل عین ہیں اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا غیر ہیں تمام متکلمین اور سلف صالحین کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ کا جو کلام انسان کی زبان سے سنا جائے

اس کے متعلق یہ کہہ دینا کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ایسا کہنا ہرگز ہرگز جائز نہیں یہ جو کچھ سنا جارہا ہے وہ بلاشبہ اللہ کا کلام ہے جو انسانی حروف اور اصوات کے پردہ میں ظاہر ہورہا ہے۔

دم مزن چوں در عبارت نایدست آن مگو چوں در اشارت ناید است

عارف جامی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں:

شنید آنکہ کلامے نے باآواز معانی در معانی راز در راز

نہ آگاہی از و کام وزباں را نہ ہمراہی بہ او نطق و بیاں را

۲- اہلسنت والجماعت کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ آخرت میں مومنین حق تعالیٰ کو بلا کیف اور بلا جہت کے دیکھیں گے اور حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے اہل ایمان کو دیدار کی نعمت نصیب ہوگی۔ چنانچہ اس عقیدہ پر کتاب اور سنت اور اجماع امت سے کافی دلائل بیان کئے گئے ہیں جو تفصیل کے ساتھ علم کلام کی کتابوں میں مذکور ہیں اور مختصراً بقدر ضرورت ہم آیت ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾ کی تفسیر میں ان کا ذکر کرچکے ہیں اور معتزلہ اور ان کے پیرو جنت میں بھی دیدار الٰہی کے منکر ہیں اور اس کو محال قرار دیتے ہیں اور اس آیت ﴿لَنْ تَرٰىنِيْ﴾ سے دنیا اور آخرت میں نفی رؤیت پر استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لن نفی تابید کے لیے وضع کیا گیا ہے اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے حقیقت یہ ہے کہ لفظ لن کلام عرب میں نفی تاکید کے لیے وضع کیا گیا ہے نہ کہ نفی تابید کے لیے اور اگر بالفرض یہ لفظ نفی تابید کے لیے بھی ہو تو نفی تابید باعتبار دنیا کے ہے نہ باعتبار آخرت کے اس لیے کہ آخرت میں مومنین کا خدا تعالیٰ کو دیکھنا آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ اور اجماع صحابہ وتابعین سے ثابت ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے حق میں فرمایا ہے ﴿وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا﴾ یہ لوگ کبھی بھی موت کی آرزو نہ کریں گے حالانکہ وہ قیامت کے دن موت کی تمنا کریں گے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ﴾ وقال تعالیٰ: ﴿يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ﴾ وغیرہ ذالک من الآیات۔

معلوم ہوا کہ یہ دعویٰ کرنا کہ حرف لن، لغت میں تابید اور دوام کے لیے ہے غلط ہے۔ بلکہ اہلسنت والجماعت اس آیت سے رویت باری تعالیٰ کا جواز اور امکان ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ آیت یعنی ﴿رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ﴾ اے اللہ مجھے اپنی ذات بابرکات دکھلا دے تاکہ تجھے ایک نظر دیکھ سکوں۔ معتزلہ پر حجت ہے اس لیے کہ اگر خدا تعالیٰ کی رؤیت ناممکن اور محال ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم اس کا سوال ہی کیوں کرتے یہ بات کیسے قیاس میں آسکتی ہے کہ نبی معصوم خدا تعالیٰ سے ناممکن اور محال کی درخواست کرے۔

اس موقع پر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے کافر بیٹے کی نجات کے لیے دعا کی تو خدا تعالیٰ نے ان کی نسبت یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ ﴿اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾ (اے نوح میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم نادانوں جیسی بات نہ کرو) بخلاف اس کے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب خدا تعالیٰ سے رؤیت کی درخواست کی تو خدا نے ان کو کسی قسم کا عتاب نہیں فرمایا بلکہ ان کو تسلی دی اور یہ فرمایا کہ تو مجھ کو ہرگز نہ دیکھ سکے گا یعنی میری رؤیت سراپا عظمت وہیبت کا اس

دار فانی میں تجھ سے تحمل نہ ہو سکے گا۔ اور بعد ازاں رؤیت کو ایک امر جائز الوقوع پر معلق کیا اور تسلی کے لیے یہ فرمایا کہ اے موسیٰ تو پہاڑ کی طرف نظر کر اگر میری تجلی کے بعد وہ اپنی جگہ پر قائم رہا تو ممکن ہے کہ تو بھی دیکھ سکے اور ظاہر ہے کہ پہاڑ کا اپنی جگہ پر قائم رہنا ممکن ہے اور جو چیز ممکن پر موقوف اور معلق ہو گی وہ بھی ممکن ہو گی معلوم ہوا کہ ﴿لَنْ تَرٰىنِیْ﴾ سے مراد یہ ہے کہ اس دار فانی میں تو مجھے نہیں دیکھ سکے گا۔ اس دار فانی میں چشم فانی سے کوئی بشر مجھ کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا بلکہ آخرت میں چشم باقی سے میرے دیدار کا تحمل کر سکے گا۔

کیا معتزلہ اپنی عقل کو موسیٰ علیہ السلام کی عقل سے زائد جانتے ہیں کہ معتزلہ کو تو خدا تعالیٰ کے متعلق ممکن اور محال کا علم ہو اور موسیٰ علیہ السلام کو اس کا علم نہ ہو۔ اگر رؤیت باری فی نفسہ محال تھی تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کا سوال کیوں کیا؟ معتزلہ کے پاس بجز اس کے کوئی جواب نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو خدا کی رؤیت کا محال ہونا معلوم نہ تھا لیکن ان بندگان خدا سے کوئی پوچھے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو باوجود رسول اور کلیم ہونے کے رؤیت خداوندی کا محال ہونا معلوم نہ ہو تو تم کو کس طرح معلوم ہو گیا۔ آخر تم نے اس بات کو اپنی عقل ہی سے معلوم کیا۔ کیا اس خدا کے اس برگزیدہ نبی کی عقل تمہاری عقل سے کم تھی؟ پس موسیٰ علیہ السلام کے سوال سے معلوم ہوا کہ دنیا میں رؤیت باری عقلاً ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ کے جواب ﴿لَنْ تَرٰىنِیْ﴾ سے معلوم ہوا کہ شرعاً ممتنع الوقوع ہے۔

نیز ﴿لَنْ تَرٰىنِیْ﴾ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں کسی بصر میں یہ قابلیت اور صلاحیت نہیں کہ دنیا میں خدا کو دیکھ سکے ہاں اگر لن اری بصیغہ مجہول ہوتا تو ممکن تھا کہ یہ خیال کیا جا سکے کہ خدا کی رؤیت نہیں ہو سکتی اور آیت ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ﴾ یعنی آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ میں ''ادراک'' کی نفی کی گئی ہے جس کے معنی دریافت کرنے کے ہیں رؤیت کی نفی نہیں کی گئی ادراک (کسی چیز کو پالینا) اور چیز ہے اور رؤیت (کسی چیز کو دیکھ لینا) اور چیز ہے اگر بالفرض ادراک سے رؤیت ہی کے معنی مراد لیے جائیں تو اس سے ظاہری اور عادی طریقہ پر دیکھنے کی نفی مراد ہو گی اور مطلب یہ ہو گا کہ ظاہری طور پر اور بطریق عادت کوئی خدا کو نہیں دیکھ سکتا جب تک خدا تعالیٰ اپنے آپ کو ظاہر نہ کرے کوئی اس کو نہیں دیکھ سکتا جیسا کہ ﴿اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ﴾ سے شیاطین اور جنات کے دیکھنے کی نفی کی گئی ہے سو اس کا مطلب یہی ہے کہ عادی طریقہ اور ظاہر طور پر کوئی شخص شیطان اور جنات کو نہیں دیکھ سکتا جب تک خدا تعالیٰ بطور خرق عادت اپنے کسی برگزیدہ اور مقبول بندہ کو نہ دکھائے تو جنات اور شیاطین اور فرشتوں کو کوئی شخص خود بخود ظاہری طور پر نہیں دیکھ سکتا مگر بطور خرق عادت انبیاء اور بعض اولیاء کے لیے شیاطین اور ملائکہ کا دیدار بچشم سر ثابت ہے اور مرتے وقت تو کافر بھی فرشتہ اور شیطان کو دیکھ لیتا ہے۔

۳۔ بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو جو الواح یعنی تختیاں عطاء کی گئیں وہی توریت پر مشتمل تھیں یعنی انہی میں توریت لکھی ہوئی تھی کما قال تعالیٰ: ﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآىِٕرَ لِلنَّاسِ﴾ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ تختیاں توریت کے علاوہ تھیں جو نزول توریت سے پہلے عطا ہوئی تھیں۔ (تفسیر ابن کثیر: ۲ / ۲۶۴)

ان الواح (تختیوں) کی تعداد کے بارے میں بھی اختلاف ہے بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ دس تھیں اور بعض کہتے ہیں سات تھیں اور بعض کہتے ہیں دو تھیں اور الواح جو صیغہ جمع کا ہے اس سے مافوق الواحد مراد ہے (تفسیر روح المعانی: ۹ / ۵۱)

نیز اس میں اختلاف ہے کہ وہ تختیاں کس چیز کی تھیں بعض کہتے ہیں کہ سبز زمرد کی تھیں اور بعض کہتے ہیں کہ ٹھوس پتھر کی تھیں اور بعض کہتے ہیں کہ جنت کی بیری کی خشک لکڑی کی تھیں جیسا کہ بعض ضعیف روایات سے معلوم ہوتا ہے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے کہ وہ بیری کی لکڑی کی تھیں۔ (روح المعانی: ۹/۵۱)

بہر حال جس چیز کی بھی ہوں وہ آسمان سے ہی لکھی ہوئی نازل ہوئی تھیں جیسا کہ ﴿وَ كَتَبْنَا لَهٗ﴾ سے ظاہر ہوتا ہے رہا یہ امر کہ ان کی کتابت خود دست قدرت نے کی تھی یا بحکم خداوندی کسی فرشتے نے کی تھی اس بارے میں سند صحیح سے کوئی بات ثابت نہیں اس بارے میں جس قدر روایتیں کتب تفسیر میں مذکور ہیں وہ اسرائیلیات ہیں اور حدیث میں ہے کہ بنی اسرائیل کی روایتوں کی نہ تم تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو لہٰذا آج کل کے مصنفین نے جو قاعدہ بنالیا ہے کہ جو اسرائیلی روایت ہو وہ بالکل غلط اور نا قابل اعتبار ہے۔ یہ ان کا بنایا ہوا قاعدہ غلط ہے جو احادیث صحیحہ کے خلاف ہے حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: بنی اسرائیل سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں اگر کوئی اسرائیلی روایت قرآن اور حدیث کے مطابق ہوگی تو اس کی تصدیق کی جائیگی اور جو قرآن اور حدیث اور اصول اسلام کے خلاف ہوگی اس کی تکذیب کی جائے گی اور جو اسرائیلی روایت قرآن اور حدیث کے نہ موافق ہو اور نہ مخالف ہو بلکہ ایسی شئے کے متعلق ہو کہ جس کے بیان سے کتاب وسنت ساکت ہیں تو ایسی اسرائیلی روایت کی بابت ہمیں حدیث نبوی میں یہ حکم آیا ہے کہ ایسی روایت کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو۔ بلکہ سکوت کرو لہٰذا الواح توریت کے بارے میں جب اسرائیلی روایت شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر در منثور میں ذکر کی ہیں وہ حسب ارشاد نبوی حدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج ذکر کی ہیں اور ان کا حکم یہ ہے لا تصدقوا اھل الکتاب ولا تکذبوھم یعنی ان پر سکوت واجب ہے اور زبان طعن و تشنیع کا دراز کرنا نا جائز ہے۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد ۔۔۔ میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا

اور بنالیا موسیٰ کی قوم نے اس کے پیچھے اپنے زیور سے بچھڑا ف۱ ایک بدن کہ اس میں گائے کی آواز تھی، کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ

اور بنالیا موسیٰ کی قوم نے اس کے پیچھے اپنے زیور سے بچھڑا ایک دھڑ، اس میں گائے کی آواز۔ یہ نہ دیکھا انہوں نے کہ وہ

يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝۱۴۸ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ

ان سے بات بھی نہیں کرتا، اور نہیں بتلاتا رستہ معبود بنا لیا اس کو اور وہ تھے ظالم ف۲ اور جب پچتائے

ان سے بات نہیں کرتا اور نہ دکھادے راہ۔ اس کو ٹھہرا لیا (معبود)، اور وہ تھے بے انصاف۔ اور جب پچھتائے

ف۱ یہ زیور جسے گلا کر اور ڈھال کر بچھڑا بنایا اصل میں فرعون کی قوم قبطیوں کا تھا۔ ان کے پاس سے بنی اسرائیل کے قبضے میں آیا۔ جیسا کہ سورۃ "طٰہٰ" میں ہے ﴿حُمِّلْنَاۤ اَوْزَارًا مِّنْ زِیْنَةِ الْقَوْمِ﴾۔

ف۲ سورۃ "طٰہٰ" میں اس بچھڑے کا مفصل قصہ آئے گا۔ یہاں ان کی حماقت وسفاہت پر متنبہ فرمایا ہے کہ ایک خود ساختہ ڈھانچہ میں سے گائے کی آواز سن لینے پر مفتون ہو گئے اور بچھڑے کو خدا سمجھ بیٹھے۔ حالانکہ اس کی بے معنی آواز میں نہ کوئی کلام وخطاب تھا نہ دینی یا دنیاوی راہنمائی اس سے ہوتی تھی۔ اس طرح کی صورت محض تو کسی چیز کو انسانیت کے درجہ تک بھی نہیں پہنچا سکتی، چہ جائیکہ خالق جل وعلا کے مرتبہ پر پہنچا دے۔ یہ کتنا بڑا ظلم اور بے موقع کام ہے کہ ایک معمولی =

وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ

اور سمجھے کہ ہم بیشک گمراہ ہوگئے تو کہنے لگے اگر نہ رحم کرے ہم پر ہمارا رب اور نہ بخشے ہم کو تو بیشک ہم

اور سمجھے کہ ہم بہکے، کہنے لگے، اگر نہ رحم کرے ہم کو رب ہمارا اور نہ بخشے، تو بیشک ہم

الْخٰسِرِيْنَ ﴿١٤٩﴾ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ

تباہ ہوں گے ف۱ اور جب لوٹ آیا موسیٰ اپنی قوم میں غصہ میں بھرا ہوا افسوس ناک ف۲ بولا کیا بری نیابت کی تم نے میری

خراب ہوں گے۔ اور جب پھر آیا موسیٰ اپنی قوم میں، غصے بھرا اور افسوس، بولا، کیا بری جگہ رکھی تم نے میری

بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ۭ قَالَ

میرے بعد ف۳ کیوں جلدی کی تم نے اپنے رب کے حکم سے ف۴ اور ڈال دیں وہ تختیاں اور پکڑا سر اپنے بھائی کا لگا کھینچنے اس کو اپنی طرف ف۵ وہ بولا کہ

میرے بعد۔ کیوں جلدی کی اپنے رب کے حکم سے؟ اور ڈال دیں وہ تختیاں اور پکڑا سر اپنے بھائی کا، لگا کھینچنے اپنی طرف۔ وہ بولا کہ

= جانور کی صورت کو خدا کہہ دیا جائے۔ بات یہ ہے کہ اس قوم کو پہلے ہی سے ایسی بے موقع باتیں کرنے کی عادت تھی چنانچہ پیشتر ﴿اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ﴾ کی درخواست موسیٰ علیہ السلام سے کر چکے تھے۔

ف۱ اپنی بدعقلی اور کج روی سے انہوں نے ایسا بے ڈھنگا اور بھونڈا کام کیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی تنبیہ کے بعد جب باطل کا جوش ٹھنڈا ہوا اور عقل و ہوش ٹھکانے ہوئے تو خود بھی اپنی حرکت پر بہت شرمائے۔ گویا مارے ندامت کے ہاتھ کاٹنے لگے اور خوف و ہراس کی وجہ سے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ گھبرا کر کہنے لگے اب کیسے بنے گی۔ اگر خدا نے ہم پر رحم فرما کر توبہ اور مغفرت کی کوئی صورت نہ نکالی تو یقیناً ہم ابدی خسران اور دائمی ہلاکت میں جا پڑیں گے۔

ف۲ کیونکہ حق تعالیٰ نے طور ہی پر اطلاع دی تھی کہ سامری نے تیری قوم کو گمراہ کر دیا ہے۔ یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام سخت متأسف اور غضبناک تھے۔

ف۳ یہ خطاب عباد عجل (گوسالہ پرستوں) کو تھا۔ یعنی میرے پیچھے تم نے خوب میری قائم مقامی کی۔ جس بات پر میں سب سے زیادہ زور دیتا تھا (خدا کی توحید تفرید) اس کی جگہ تم نے بچھڑے کی پوجا یہ کہہ کر کھڑی کر دی کہ ﴿هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى﴾ (فی الحقیقت یہ ہی تمہارا اور موسیٰ کا معبود ہے) اور ممکن ہے خطاب ہارون علیہ السلام کو بھی ہو کہ تم نے میری نیابت کا حق جو ﴿اُخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ﴾ کہہ کر سپرد کر گئے تھے، اچھی طرح ادا نہ کیا کہ ان کو روکتے اور مضبوطی سے اس فتنہ کا مقابلہ کرتے جیسا کہ سورۃ "طٰہٰ" میں مفصل آئے گا۔

ف۴ یعنی میں پروردگار سے تمہارے لیے احکام ہی لینے تو گیا تھا اور چالیس روز کی معیاد بھی خدا نے مقرر کر دی تھی تم نے خدا کی مقرر کی ہوئی مدت پوری ہونے اور اس کے احکام لے آنے کا بھی انتظار نہ کیا۔ کچھ بہت زمانہ تو نہیں گزر گیا تھا جو تم نے گھبرا کر اس قدر جلد خدا کے قہر و غضب کو اپنی طرف آنے کی دعوت دی۔ ﴿اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ﴾ (طٰہٰ، رکوع ۴)

ف۵ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس مشرکانہ ڈھونگ کو دیکھ کر اور ہارون علیہ السلام کی نرمی و تساہل کا گمان کر کے اس قدر افروختہ اور دینی حمیت و غیرت کے جوش سے اس قدر بے قابو ہو رہے تھے کہ ہارون علیہ السلام کی طرف لپکے اور حرارت ایمانی کے بے اندازہ جوش میں ان کی ڈاڑھی اور سر کے بال پکڑ لیے۔ معاذ اللہ ہارون کی اہانت کی نیت سے نہیں کیونکہ ہارون خود مستقل نبی اور عمر میں موسیٰ علیہ السلام سے تین سال بڑے تھے۔ پھر ایک اولو العزم پیغمبر سے یہ کیسے ممکن تھا کہ دوسرے نبی کو جو اس کا بڑا بھائی بھی ہو ذرہ برابر توہین کا ارادہ کرے۔ نہیں موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے یہ معاملہ اس وقت ہوا جب کہ وہ قوم کی سخت بدعنوانی کی بنا پر بغض فی اللہ اور غصہ سے بے اختیار ہو رہے تھے حضرت ہارون کی نسبت یہ خیال گزر رہا تھا کہ شاید انہوں نے اصلاح حال کی پوری کوشش نہیں کی۔ حالانکہ ان کو اصلاح کی بھی تاکید کر گئے تھے۔ بیشک ہارون نبی اور عمر میں بڑے تھے، مگر رتبہ میں موسیٰ علیہ السلام ان سے بڑے تھے اور سیاسی و انتظامی حیثیت سے ہارون کو ان کا وزیر اور تابع بنایا گیا تھا۔ اس موقع پر موسیٰ علیہ السلام کی شان سیادت و حکمت کا ظہور ہوا۔ گویا ان کی طرف سے یہ دارو گیر اور سخت باز پرس حضرت ہارون کی تقصیر مظنون پر ایک قسم کی فعلی ملامت تھی جس سے قوم کو بھی پوری طرح متنبہ کر دیا گیا کہ پیغمبر کا قلب نشہ توحید سے کس قدر سرشار اور دسیسہ شرک و کفر سے کس قدر نفور و بیزار ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں ادنیٰ ترین تساہل یا خاموشی کو بھی برداشت نہیں کر سکتے حتیٰ کہ ایک نبی کی نسبت اگر ایسا وہم ہو جائے کہ اس نے =

ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ وَلَا

اے میری ماں کے جنے لوگوں نے مجھ کو کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھ کو مار ڈالیں سو مت ہنسا مجھ پر دشمنوں کو اور نہ

اے میری ماں کے جنے! لوگوں نے مجھے بودا سمجھا اور نزدیک تھے کہ مجھ کو مار ڈالیں، سو مت ہنسا مجھ پر دشمنوں کو اور نہ

تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿١٥٠﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ ۖ

ملا مجھ کو گناہ گار لوگوں میں ف۱ بولا اے میرے رب معاف کر مجھ کو اور میرے بھائی کو اور داخل کر ہم کو اپنی رحمت میں

ملا مجھ کو گنہگار لوگوں میں۔ بولا، اے رب! معاف کر مجھ کو اور میرے بھائی کو، اور ہم کو داخل کر اپنی رحمت میں۔

وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿١٥١﴾ إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِنْ رَبِّهِمْ ع ۱۸

اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے ف۲ البتہ جنہوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا ان کو پہنچے گا غضب ان کے رب کا

اور تو ہے سب سے زیادہ رحم کرنے والا۔ البتہ جنہوں نے بچھڑا بنا لیا، ان کو پہنچے گا غضب ان کے رب کا،

وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ﴿١٥٢﴾ وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ

اور ذلت دنیا کی زندگی میں اور یہی سزا دیتے ہیں ہم بہتان باندھنے والوں کو ف۳ اور جنہوں نے کیے برے کام پھر

اور ذلت دنیا کی زندگی میں۔ اور یہی سزا دیتے ہیں ہم جھوٹ باندھنے والوں کو۔ اور جنہوں نے کیے برے کام، پھر

تَابُوا مِنْ بَعْدِهَا وَآمَنُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٥٣﴾ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ

توبہ کی اس کے بعد اور ایمان لائے تو بیشک تیرا رب توبہ کے پیچھے البتہ بخشنے والا مہربان ہے ف۴ اور جب تھم گیا

بعد اس کے توبہ کی، اور یقین لائے، تیرا رب اس کے پیچھے بخشتا ہے مہربان۔ اور جب چپ ہوا

=شرک کے مقابلہ پر آواز بلند کرنے میں ذرا سی کوتاہی کی ہے تو اس کی بزرگی اور وجاہت عند اللہ بھی ایسی سخت باز پرس سے ان کو نہیں روک سکتی۔ بہر حال موسیٰ علیہ السلام اس حالت میں شرعاً معذور تھے۔ اسی فرط غضب اور ہنگامہ دارو گیر میں الواح (وہ تختیاں جو خدا کی طرف سے مرحمت ہوئی تھیں) ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئیں جسے عدم تحفظ کی وجہ سے تغلیباً "القاء" سے تعبیر فرمایا، کیونکہ بظاہر ﴿فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ﴾ کا امتثال نہ کر سکے، یا جیسا کہ بعض مفسرین کا خیال ہے ہارون کی طرف بڑھتے وقت ہاتھ خالی کرنے کے لیے بہت تیزی اور عجلت کے ساتھ تختیاں ایک طرف رکھ دیں مگر چونکہ ان دونوں معاملات کی سطح جو ہارون یا الواح کے متعلق ظہور میں آئے صورۃً پسندیدہ نہ تھی، گو موسیٰ علیہ السلام نیۃً معذور تھے۔ اس لیے آئندہ رب اغفرلی الخ کہہ کر حق تعالیٰ سے عفو کی درخواست کی۔ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ف۱ گو ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ کے عینی بھائی ہیں۔ مگر ماں کی طرف نسبت کرنے سے ان کو نرمی اور شفقت پر آمادہ کرنا تھا۔ اس آیت میں ہارون کی معذرت کا بیان ہے۔ حاصل یہ ہے کہ میں اپنے مقدور کے موافق ان کو سمجھا چکا۔ لیکن انہوں نے میری کچھ حقیقت نہ سمجھی۔ الٹے مجھے قتل کرنے پر آمادہ ہونے لگے۔ اب آپ ایسا معاملہ کر کے ان کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیجئے اور عتاب وغصہ کا اظہار کرتے وقت مجھ کو ظالموں کے ذیل میں شامل نہ کیجئے۔

ف۲ یعنی شدت غضب میں جو بے اعتدالی یا اجتہادی غلطی مجھ سے ہوئی خواہ میں اس میں کتنا ہی نیک نیت ہوں، آپ معاف فرما دیجئے اور میرے بھائی ہارون سے اگر ان کے درجہ اور شان کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی طرح کی کوتاہی قوم کی اصلاح میں ہوئی، اس سے بھی درگزر فرمائیے۔

ف۳ یہ غضب وہی ہے جس کا ذکر سورۂ بقرہ میں ربع پارہ الٓم کے بعد گزر چکا۔ یعنی "گوسالہ پرستوں کو وہ لوگ قتل کریں جنہوں نے یہ حرکت نہیں کی اور دوسروں کو روکنے میں حصہ بھی نہ لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرتد کی سزا دنیا میں قتل ہے۔

مُّوسَى الْغَضَبُ أَخَذَ الْأَلْوَاحَ ۖ وَفِي نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ

موسیٰ کا غصہ تو اس نے اٹھا لیا تختیوں کو اور جو ان میں لکھا ہوا تھا اس میں ہدایت اور رحمت تھی ان کے واسطے جو اپنے رب سے

موسیٰ سے غصہ، اٹھائیں تختیاں، اور ان کی نقل جو لکھی اس میں راہ کی سوجھ ہے، اور مہر ان کے واسطے جو اپنے رب سے

يَرْهَبُونَ ﴿۱۵۴﴾

ڈرتے ہیں۔

ڈرتے ہیں۔

قصہ اتخاذ عجل وانجام آں

قَالَ اللهُ تَعَالىٰ: ﴿وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسٰى مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا ... الى ... لِلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ﴾

ربط: ...... گزشتہ رکوع میں بنی اسرائیل کی ایک جہالت کا بیان تھا کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے ﴿اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ﴾ کی جاہلانہ درخواست کی۔ اب ان آیات میں ان کی ایک اور حماقت اور سفاہت کو بیان کرتے ہیں کہ یہ نادان اپنے ایک خود ساختہ ڈھانچہ کی آواز پر ایسے مفتون ہوئے کہ اسے خدا سمجھ بیٹھے۔

ربط دیگر: ...... گزشتہ آیت یعنی ﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ﴾ میں اس امر کا بیان تھا کہ تکذیب آیات کی وجہ سے ان کے اعمال حبط ہو گئے اب ان آیات میں حبط اعمال کے ایک اور سبب کا بیان ہے وہ یہ کہ اتخاذ عجل بھی حبط اعمال کا سبب ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے یعنی سامری اور اس کے متبعین نے موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر جانے کے بعد اپنے ان زیوروں سے جو انہوں نے مصر سے نکلتے وقت قبطیوں سے عید یا شادی کے بہانہ سے مستعار لیے تھے م بچھڑے کی ہیئت پر ایک بدن بلا روح کے بنا کر کھڑا کیا جس میں سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی یعنی جس کی حقیقت صرف اتنی تھی کہ ایک قالب بلا روح تھا جس سے بچھڑے کی مانند آواز نکلتی تھی حیوان بھی نہ تھا بلکہ حیوان کے مشابہ تھا۔ ان نادانوں نے اس کو خدا بنا لیا۔ بنی اسرائیل کی ایک عید تھی انہوں نے قبطیوں سے چاندی اور سونے کے بہت سے زیورات مستعار مانگ لیے تھے مگر جب فرعون اور اس کی قوم غرق ہو گئی تو جہاں بنی اسرائیل ان کی دیگر املاک کے وارث ہوئے تو ان کے زیوروں کے بھی وہی مالک اور وارث ہوئے بنی اسرائیل میں سامری نامی ایک شخص بڑا کاریگر تھا اس نے بنی اسرائیل سے وہ زیورات لیکر بچھڑے کا بت ڈھال لیا اور حضرت جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدم کی خاک اس کو مل گئی تھی وہ اس نے اس کے شکم میں ڈال دی اس لیے اس میں بیل کی آواز پیدا ہو گئی اور

ف ۱ یعنی برا کام حتیٰ کہ شرک وکفر کر کے پھر توبہ کر لے اور ایمان لے آئے تو "غفور رحیم" کے یہاں رحمت اور معافی کی کچھ کمی نہیں یہ معافی وغیرہ آخرت سے متعلق ہے۔ گویا اشارہ فرما دیا کہ گوسالہ پرستوں کو جو سزائے قتل دی گئی وہ ان کے حق میں شرط قبول توبہ سمجھی گئی تھی ﴿فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ (بقرہ) اب ان پر اخروی مواخذہ باقی نہیں رہا۔ دنیاوی سزا کے بعد اخروی حالت کا بیان اس جگہ ایسا ہی ہے جیسے دوسری جگہ ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا﴾ الخ کے بعد ﴿فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ فرما دیا گیا۔

بنی اسرائیل سے کہا کہ تمہارا اور موسیٰ کا معبود یہ ہے کہ تم اس کو پوجو چنانچہ سب اس کی پرستش کرنے لگے اس بچھڑے کے بدن کے بارے میں مفسرین کے دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ وہ حقیقۃً بچھڑا بن گیا تھا اور اس کا دھڑ گوشت اور پوست والا ہو گیا تھا۔ اور اصل گائے کی طرح وہ جاندار بن گیا تھا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا جسم تو سونے اور چاندی کا تھا لیکن اس میں روح وغیرہ کچھ نہ تھی اس کے منہ میں ہوا کی آمد ورفت سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی۔ (دیکھو تفسیر قرطبی: ۷/۲۸۴ و تفسیر ابن کثیر: ۲/۲۴۷)

اور دونوں صورتیں اللہ تعالیٰ کی قدرت میں داخل ہیں۔ "وھو علی مایشاء قدیر"۔

اب آئندہ آیت میں ان کی جہالت اور حماقت کو بتلاتے ہیں کیا ان لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ تحقیق یہ بچھڑا ان سے بات بھی نہیں کرتا اور نہ ان کو راہ دکھاتا ہے کہ راہ کی جگہ پر پہنچیں کیسے بے عقل ہیں کہ ایک مصنوعی دھڑ کو خدا بنا لیا اور بڑے ہی ظالم تھے کہ اپنی عبادت کو بے محل رکھ دیا کسی چیز کو بے موقع رکھ دینا یہ ظلم ہے لہٰذا بجائے خدا برحق کے بچھڑے پر اپنی عبادت کو رکھ دیا اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا اور جب وہ ہوش میں آئے اور اپنی حماقت پر متنبہ ہوئے اور اپنی اس حرکت پر نادم اور پشیمان ہوئے گویا کہ ندامت اور پشیمانی ان کے ہاتھوں میں آ کر اس طرح گری کہ جیسے کوئی چیز سامنے ہو اور سمجھ گئے کہ تحقیق وہ اس حرکت سے گمراہ ہو گئے تب انہوں نے ندامت کے مارے یہ کہا کہ اگر ہم پر ہمارے پروردگار نے رحم نہ کیا اور ہم کو نہ بخشا تو ہم ضرور گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے اور یہ قول انہوں نے اس وقت کہا کہ جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے واپس آئے اور اس جہالت اور حماقت پر ان کو ملامت کی تو عقل اور ہوش ٹھکانے آئے اور گھبرا کر کہنے لگے کہ اگر خدا نے ہم پر رحم نہ کیا تو ہم ابدی خسران اور دائمی ہلاکت میں جا پڑیں گے۔ چنانچہ آئندہ آیت میں موسیٰ علیہ السلام کی اسی تنبیہ اور توبیخ اور غصہ کا ذکر فرماتے ہیں اور جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے اپنی قوم کی طرف واپس آئے تو غصہ اور افسوس میں بھرے ہوئے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور ہی پر یہ خبر دے دی تھی کہ ہم نے تیرے پیچھے تیری قوم کو فتنہ میں مبتلا کر دیا ہے اور سامری نے ان کو بہکا کر گمراہ کر دیا ہے اس لیے اس خبر کو سن کر غصہ میں بھرے ہوئے اور افسوس کرتے ہوئے لوٹے کہ میری قوم فتنہ میں مبتلا ہو گئی۔ یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئے کہ کیسے بے عقل ہیں ایک بیل کو خدا بنا بیٹھے معاذ اللہ۔ معاذ اللہ خدا تو بیل نہیں ہو سکتا۔ یہی بیل بن گئے ہیں تو غصہ سے کہا کہ تم نے میرے بعد میری بری جانشینی کی کہ توحید کو چھوڑ کر گوسالہ پرستی میں پڑ گئے کیا تم نے اپنے پروردگار کے حکم سے جلدی کی یعنی خدا کا حکم جو میں تمہارے پاس لانے والا تھا اس کا انتظار نہ کیا اور اس سے پہلے گوسالہ کو اپنا معبود بنا بیٹھے اور اس کے غضب کے مستحق ہوئے اور یہ کہہ کر جوش غضب میں وہ تختیاں جن میں احکام الٰہی لکھے ہوئے تھے ایک طرف ڈالیں اور یہ غصہ محض خدا کے لیے تھا۔ جب آ کر قوم کو شرک میں مبتلا دیکھا تو دینی حمیت اور غیرت جوش میں آ گئی اور جلدی میں زور سے وہ تختیاں ایک طرف ڈال دیں یا ایک طرف رکھ دیں جس سے دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ ڈال رہا ہے ورنہ فی الحقیقت وہ تختیاں پھینکی نہ تھیں بلکہ عجلت میں ایک طرف رکھ دیں۔ غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے قوم پر غصہ ہونے کے بعد تختیاں ایک طرف رکھ دیں اور اس کے بعد اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کی

طرف متوجہ ہوئے تا کہ ان سے دارو گیر کریں کہ یہ گوسالہ پرستی کیسے ظہور میں آئی۔ موسیٰ علیہ السلام کو گمان یہ ہوا کہ ہارون علیہ السلام سے اس بارے میں کوئی تقصیر یا تساہل ہوا۔ اس لیے ان کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے موسیٰ علیہ السلام چونکہ نشۂ توحید سے سرشار تھے اس لیے ان سے یہ شرک کا منظر برداشت نہ ہوا اور گمان یہ کیا کہ ہارون علیہ السلام نے نہی عن المنکر میں کوتاہی کی اس لیے دارو گیر میں سختی کی اور یہ سختی بطور اہانت نہ تھی بلکہ اس گمان اور خیال کی بناء پر تھی کہ ہارون علیہ السلام نے ان کو بچھڑے کے پوجنے سے کیوں نہیں روکا۔

ہارون علیہ السلام نے کہا اے میری ماں کے بیٹے تم یہ خیال نہ کرو کہ میں نے وعظ اور نصیحت میں کوئی کمی کی میں نے ان کو سمجھانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا مگر کچھ کارگر نہ ہوا وجہ اس کی یہ ہوئی کہ تحقیق ان لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا ان لوگوں کی نظر میں میری وہ وقعت اور ہیبت نہ تھی جو آپ کی تھی اور نہ آپ جیسا ان پر رعب تھا اور جب میں نے ان پر سختی کی تو قریب تھے کہ وہ مجھے مار ہی ڈالیں کیونکہ میں نے ان کو گوسالہ پرستی سے منع کرنے میں اس قدر مبالغہ اور اصرار کیا کہ وہ میرے قتل کے درپے ہو گئے اگر زیادہ سختی کرتا تو بالکل ہی مار ڈالتے بہر حال میں نے اپنی جانب سے کوئی کوتاہی نہیں کی ان لوگوں کو روکنے میں اپنی پوری طاقت خرچ کر دی یہاں تک کہ میں مقہور اور مجبور ہو گیا پس اے میرے بھائی مجھ پر سختی کر کے دشمنوں کو ہنسنے کا موقعہ نہ دو اور مجھ کو ان ظالموں کے ساتھ شامل نہ کرو مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ پہلے ہی سے میری تذلیل اور اہانت چاہتے تھے بلکہ میرے قتل کے درپے تھے لہٰذا آپ میرے ساتھ ایسی سختی کا معاملہ نہ کیجئے کہ جس سے ان کی آرزو پوری ہو اور مجھے ان ظالموں کے زمرہ میں شمار نہ کیجئے میں ان سے بری اور بیزار ہوں یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے کہ ہارون علیہ السلام معذور اور بالکل بے قصور ہیں اور مجھ سے اپنے بھائی کو پکڑ کر کھینچنے میں اور الواح توریت کو ڈال دینے میں کوتاہی ہوئی اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں کہا اے میرے پروردگار مجھ سے جو بھول ہو گئی اور جوش ایمانی میں بھائی کے معاملہ میں یا توریت کے ادب اور احترام میں جو بے اعتدالی یا کوئی کوتاہی یا غلطی ہو گئی وہ مجھے معاف فرما اور میرے بھائی کو بھی معاف فرما۔ اگر اس سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کسی قسم کی کوتاہی اور کمی ہوئی ہے اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل فرما کہ آئندہ کو سہو اور غفلت سے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں تقصیر اور کوتاہی سے محفوظ ہو جائیں اور اپنی غفلت اور کوتاہی کی وجہ سے ہم کو تیرا غضب اور غصہ نہ پہنچے اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ دنیا میں جو بھی رحم ہے وہ تیری ہی رحمت کا اثر ہے

قطعہ

تو بر اہل سخا انعام کردی
کہ بر بے چارگاں اکرام کردند
بہ ہر جا جوئے از رحمت روان است
ز دریا ہائے جودت دام کردند

بھائی کو خوش کرنے کے لیے بھائی کو بھی دعائے مغفرت و رحمت میں شریک کیا تحقیق جن لوگوں نے بچھڑے کو اپنا معبود بنایا اور اس کی محبت ان کے دلوں میں پلا دی گئی اور وہ برابر اس کی عبادت پر قائم ہیں اور گوسالہ پرستی سے توبہ نہیں کی عنقریب ان کو پہنچے گا ان کے رب کا غضب اور دنیا میں عظیم ذلت یعنی دنیا میں ان سے بہت سے قتل کیے جائیں گے اور بہت سے جلاوطن کیے جائیں گے جہاں جائیں گے ذلیل اور خوار ہو کر رہیں گے اور کچھ انہیں کی خصوصیت نہیں۔ ہم اسی طرح افتراء پردازوں کو سزا دیا کرتے ہیں کہ ان پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے اور ذلت بھی ان پر نازل ہوتی ہے اور جن لوگوں نے برے کام کیے اور پھر بعد میں توبہ کی اگرچہ وہ کتنے ہی زمانہ بعد کی ہو اور صحیح طریقہ پر ایمان لے آئے تو اے توبہ کرنے والے! بیشک تیرا پروردگار اس توبہ کے بعد البتہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے کہ توبہ سے گزشتہ گناہ کو معاف کرتا ہے اور آئندہ کے لیے رحمتوں کا دروازہ کھولتا ہے اور جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ خاموش ہو گیا تو ان تختیوں کو اٹھالیا۔ جن کو ڈالا تھا اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام کے غصہ کو ایک انسان ناطق کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب گوسالہ پرستی کو دیکھا تو ان کا غصہ جوش میں آ گیا اور ان کو یہ حکم دینے لگا کہ ان لوگوں پر سختی کی جائے لیکن ہارون علیہ السلام کی معذرت سے اور قوم کی توبہ سے غصہ خاموش ہوا تو ان تختیوں کو اٹھایا جن کو غصہ کی حالت میں ایک طرف ڈال دیا تھا معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کا غصہ بالکل زائل نہ ہوا تھا بلکہ خاموش ہو گیا تھا۔

ف:...... ﴿اَخَذَ الْاَلْوَاحَ﴾ کے لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو تختیاں موسیٰ علیہ السلام نے ڈالی تھیں ان میں سے کوئی تختی نہ ٹوٹی اور نہ کوئی آسمان پر اٹھائی گئی جیسا کہ بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ وہ تختیاں ڈالنے کے وقت ٹوٹ گئیں تھیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو سمیٹ کر جمع کیا۔ واللہ اعلم۔

(دیکھو تفسیر ابن کثیر: ۲/۲۴۹ و روح البیان: ۳/۲۴۹ و تفسیر قرطبی: ۷/۲۸۸)

اور جو مضامین ان تختیوں میں لکھے ہوئے تھے ان میں ہدایت اور رحمت تھی ان ان لوگوں کے لیے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں نسخۂ ہدایت سے شفاء اسی کو ہوتی ہے جس کے دل میں خدا کا خوف ہو۔

وَاخْتَارَ مُوْسٰی قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ

اور چن لیے موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر مرد ہمارے وعدہ کے وقت پر لانے کو پھر جب ان کو زلزلہ نے پکڑا تو بولا اے رب میرے اگر

اور چنے موسیٰ نے اپنی قوم سے ستر مرد لانے کو ہمارے وعدے کے وقت۔ پھر جب ان کو لرزے نے پکڑا، بولا اے رب! اگر

شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا

تو چاہتا تو پہلے ہی ہلاک کر دیتا ان کو اور مجھ کو کیا ہم کو ہلاک کرتا ہے اس کام پر جو کیا ہماری قوم کے احمقوں نے یہ سب تیری

تو چاہتا پہلے ہی ہلاک کرتا ان کو اور مجھ کو۔ کیا ہم کو ہلاک کریگا ایک کام پر، جو کیا ہمارے احمقوں نے؟ یہ سب تیرا

فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ۭ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا

آزمایش ہے بچلادے اس میں جس کو تو چاہے اور سیدھا رکھے جس کو چاہے تو ہی ہے ہمارا تھامنے والا سو بخش دے ہم کو اور رحمت کر ہم پر

آزمانا ہے۔ بچلادے (بھٹکا دے) اس میں جس کو چاہے اور راہ دے جس کو چاہے۔ تو ہی ہمارا تھامنے والا، سو بخش ہم کو اور مہر کر ہم پر،

وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ۝ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ

اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے ف۱ اور لکھ دے ہمارے لیے اس دنیا میں بھلائی اور آخرت میں ہم نے رجوع کیا

اور تو سب سے بہتر بخشنے والا۔ اور لکھ دے ہمارے واسطے اس دنیا میں نیکی اور آخرت میں ہم رجوع ہوئے

اِلَيْكَ ؕ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا

تیری طرف فرمایا میرا عذاب ڈالتا ہوں میں اس کو جس پر چاہوں اور میری رحمت شامل ہے ہر چیز کو سو اس کو لکھ دوں گا

تیری طرف۔ فرمایا، میرا عذاب جو ہے سو ڈالتا ہوں جس پر چاہوں۔ اور میری مہر شامل ہے ہر چیز کو، سو وہ لکھ دوں گا

لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ

ان کے لیے جو ڈر رکھتے ہیں اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور جو ہماری باتوں پر یقین رکھتے ہیں ف۲ وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں

ان کو، جو ڈر رکھتے ہیں، اور دیتے ہیں زکوٰۃ، اور جو ہماری باتیں یقین کرتے ہیں۔ وہ جو تابع ہوتے ہیں

الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ

اس رسول کی جو نبی امی ہے ف۳ کہ جس کو پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تورات

اس رسول کے، جو نبی ہے امّی، جس کو پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس، توریت

ف۱ راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ میقات اس میقات کے علاوہ ہے، جو موسیٰ علیہ السلام کو "تورات" عطا فرمانے کے لیے مقرر ہوا تھا۔ نیز آیات حاضرہ کی ترتیب سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ گوسالہ پرستی اور سزایابی کے بعد پیش آیا لیکن سورۂ نساء کی آیت ﴿فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ﴾ الخ زیادہ صفائی سے بتلاتی ہے کہ گوسالہ پرستی اس واقعہ کے بعد ہوئی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اس واقعہ کا خلاصہ سورۂ بقرہ میں ربع پارہ "الٓم" کے بعد گزر چکا ہے۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ تمہاری باتیں اس وقت تسلیم کر سکتے ہیں جب خدا تعالیٰ سے خود سن لیں۔ حضرت موسیٰ ان میں سے ستر آدمیوں کو جو سردار تھے منتخب کر کے طور پر لے گئے۔ آخر انہوں نے حق تعالیٰ کا کلام سن لیا کہنے لگے کہ جب تک ہم خدا کو اپنی آنکھوں سے بے حجاب دیکھ نہ لیں ہم کو یقین نہیں آسکتا۔ اس گستاخی پر نیچے سے سخت بھونچال آیا اور اوپر سے بجلی کی کڑک ہوئی، آخر کانپ کر مر گئے، یا مردوں کی سی حالت کو پہنچ گئے۔ موسیٰ نے اپنے آپ کو ان کے ساتھ تھی کر کے نہایت موثر انداز میں دعا کی جس کا حاصل یہ تھا کہ خداوند! اگر تو ہلاک کرنا ہی چاہتا تو ان سب کو بلکہ ان کے ساتھ مجھ کو بھی کہ میں ہی انہیں لے کر آیا یہاں بلانے اور کلام سنانے سے پہلے ہی ہلاک کر دیتا کس کی مجال تھی کہ آپ کی مشیت کو روک سکتا؟ جب آپ نے ایسا نہیں چاہا، بلکہ مجھے لانے کی اور ان کو کلام الٰہی سننے کے لیے یہاں آنے کی اجازت دی، تو یہ کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ اپنے یہاں بلا کر محض بعض بیوقوفوں کی حماقت کی سزا میں ہم سب کو ہلاک کر دینا چاہیں یقیناً یہ (رجفہ وصاعقہ کا) منظر سب آپ کی طرف سے ہماری آزمائش و امتحان ہے اور ایسے سخت امتحانات میں ثابت قدم رکھنا یا نہ رکھنا بھی آپ ہی کے قبضے میں ہے۔ اس قسم کے خطرناک اور مزلت الاقدام مواقع میں آپ ہی ہمارے تھامنے اور دستگیری کرنے والے ہیں اور صرف آپ ہی کی ذات منبع الخیرات سے یہ امید ہو سکتی ہے کہ ہم سب کی گزشتہ تقصیرات اور بے اعتدالیوں سے درگزر فرمائیں اور آئندہ اپنی رحمت سے ایسی خطاؤں اور غلطیوں کا شکار نہ ہونے دیں۔ حضرت موسیٰ کی اس دعا پر وہ لوگ بخشے گئے اور خدا نے ان کو از سر نو زندگی مرحمت فرمائی۔ ﴿ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾۔

ف۲ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ" شاید حضرت موسیٰ نے اپنی امت کے حق میں دنیا اور آخرت کی بھلائی جو مانگی، مراد یہ تھی کہ سب امتوں پر مقدم اور فائق رہیں دنیا اور آخرت میں، جواباً خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا عذاب اور رحمت کسی فرقہ پر مخصوص نہیں، سو عذاب تو اسی پر ہے جس کو اللہ چاہے اور رحمت عامہ سب مخلوق کو شامل ہے لیکن وہ رحمت خاص جو تم طلب کر رہے ہو، لکھی ہے ان کے نصیب میں جو اللہ کا ڈر رکھتے ہیں اور اموال میں زکوٰۃ ادا کرتے یا نفس کا تزکیہ کرتے ہیں اور=

وَالۡاِنۡجِيۡلِ يَاۡمُرُهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهٰهُمۡ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ

اور انجیل میں ف۱ وہ حکم کرتا ہے ان کو نیک کام کا اور منع کرتا ہے برے کام سے اور حلال کرتا ہے ان کے لیے سب پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے

اور انجیل میں، بتاتا ہے ان کو نیک کام، اور منع کرتا ہے برے کام سے، اور حلال کرتا ہے ان کے واسطے سب پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے

عَلَيۡهِمُ الۡخَبٰۤئِثَ وَيَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِىۡ كَانَتۡ عَلَيۡهِمۡ ؕ فَالَّذِيۡنَ

ان پر ناپاک چیزیں اور اتارتا ہے ان پر سے ان کے بوجھ اور وہ قیدیں جو ان پر تھیں ف۲ سو جو لوگ اس پر

ان پر ناپاک، اور اتارتا ہے ان سے بوجھ ان کے، اور پھانسیاں جو ان پر تھیں۔ سو جو اس پر

اٰمَنُوۡا بِهٖ وَعَزَّرُوۡهُ وَنَصَرُوۡهُ وَاتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِىۡۤ اُنۡزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰۤئِكَ هُمُ

ایمان لائے اور اس کی رفاقت کی اور اس کی مدد کی، اور تابع ہوئے اس نور کے جو اس کے ساتھ اترا ہے ف۳ وہی لوگ پہنچے

یقین لائے، اور اس کی رفاقت کی اور مدد کی، اور تابع ہوئے اس نور کے جو اس کے ساتھ اترا ہے، وہی پہنچے

الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝۱۵۷ ع ۱۹

اپنی مراد کو۔

مرادکو۔

ذکر میقات توبہ ومعذرت از عبادت عجل

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿وَاخۡتَارَ مُوۡسٰى قَوۡمَهٗ سَبۡعِيۡنَ رَجُلًا ... الی ... اُولٰۤئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ﴾

ربط:...... گزشتہ رکوع میں میقات مناجاۃ وتکلیم کا ذکر کیا اور اس کے بعد گوسالہ پرستی کا قصہ ذکر کیا اب ان آیات میں

= خدا کی ساری باتوں پر یقین کامل رکھتے ہیں۔ یعنی آخری امت کہ سب کتابوں پر ایمان لاوے گی، سو حضرت موسیٰ کی امت میں سے جو کوئی آخری کتاب پر یقین لائے وہ پہنچے اس نعمت کو اور حضرت موسیٰ کی دعا ان کو لگی۔

ف۱ "امی" یا تو "ام" (بمعنی والدہ) کی طرف منسوب ہے، جس طرح بچہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے اور کسی کا شاگرد نہیں ہوتا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری عمر کسی مخلوق کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا۔ اس پر کمال یہ ہے کہ جن علوم ومعارف اور حقائق واسرار کا آپ نے افاضہ فرمایا کسی مخلوق کا حوصلہ نہیں کہ اس کا عشر عشیر پیش کر سکے۔ پس "نبی امی" کا لقب اس حیثیت سے آپ کے لیے مایہ صد افتخار ہے، اور یا "امی" کی نسبت "ام القریٰ" کی طرف ہو جو "مکہ معظمہ" کا لقب ہے جو آپ کا مولد شریف تھا۔

ف۱ یعنی آپ کی تشریف آوری کی بشارات اور نعوت وصفات کتب سماویہ سابقہ میں مذکور ہیں۔ حتیٰ کہ اس وقت سے لے کر آج تک ساڑھے تیرہ سو برس کی کاٹ چھانٹ کے بعد بھی موجودہ بائبل میں بہت سی بشارات واشارات پائے جاتے ہیں۔ جن کو ہر زمانہ کے علماء بحوالہ کتب دکھلاتے چلے آئے ہیں۔ وللہ الحمد علی ذلک۔

ف۲ یعنی یہود پر جو سخت احکام تھے اور کھانے کی چیزوں میں ان کی شرارتوں کی وجہ سے تنگی تھی، ﴿فَبِظُلۡمٍ مِّنَ الَّذِيۡنَ هَادُوۡا حَرَّمۡنَا عَلَيۡهِمۡ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتۡ لَهُمۡ﴾ (نساء، رکوع ۲۲) اس دین میں وہ سب چیزیں آسان ہوئیں۔ اور جو ناپاک چیزیں مثلاً لحم خنزیر، یا گندی باتیں مثلاً سود خوری وغیرہ، انہوں نے حلال کر رکھی تھیں، ان کی حرمت اس پیغمبر نے ظاہر فرمائی۔ غرض ان سے بہت سے بوجھ ہلکے کر دیئے اور بہت سی قیدیں اٹھا دی گئیں۔ جیسا کہ حدیث میں فرمایا۔ "بُعِثۡتُ بِالۡحَنِيۡفِيَّةِ السَّمۡحَةِ۔"

ف۳ "نور" سے مراد وحی ہے متلو ہو یا غیر متلو یعنی قرآن وسنت۔

میقات توبہ ومعذرت کا ذکر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ستر آدمیوں کو منتخب کیا کہ وہ کوہ طور پر حاضر ہوں اور عبادت عجل سے معذرت کریں جب یہ لوگ کوہ طور پر پہنچے تو ایک ابر نمودار ہوا جس نے سارے پہاڑ کو ڈھانپ لیا۔ سب سے پہلے اس ابر میں موسیٰ علیہ السلام داخل ہوئے اور قوم سے کہا کہ تم قریب آ جاؤ۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا جب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے کلام اور پیغام سے ان کو خبردار کیا تو یہ کہنے لگے کہ اے موسیٰ ہم کو تو یقین نہیں آتا کہ واقع میں خدا تم سے باتیں کر رہا ہے۔ اس کہنے پر ان پر ایک بجلی گری جس سے سب مر کر رہ گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ یہ سب عذاب الٰہی میں پکڑے گئے تو نہایت عاجزی سے ان کی رہائی کی درخواست کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو دوبارہ زندگی عطاء فرمائی۔ (تفسیر کبیر)

خلاصۂ کلام یہ کہ یہ میقات اس میقات کے علاوہ ہے جو من جانب اللہ عطاء توریت کے لیے مقرر ہوا تھا۔ اور آیت حاضرہ کی ترتیب سے بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ گوسالہ پرستی کے بعد پیش آیا اور یہ میقات گوسالہ پرستی سے معذرت کے لیے مقرر ہوا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اولاً میقات کلام کا ذکر فرمایا پھر اس کے بعد قصہ اتخاذ عجل ذکر کیا اور پھر گوسالہ پرستی کے واقعہ کے بعد یہ قصہ ذکر کیا معلوم ہوا کہ یہ قصہ گزشتہ قصہ کے مغائر ہے اور اسی ترتیب کے ساتھ یہ قصہ اور سورتوں میں بھی مذکور ہوا ہے اور اکثر وبیشتر، ترتیب ذکری وبیانی میں باعتبار وقوع کے ترتیب زمانی بھی ملحوظ ہوتی ہے۔

اور چونکہ یہ میقات عبادت عجل سے معذرت کے لیے مقرر ہوا اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس میقات کو میقات التوبہ والمعذرۃ کے نام سے موسوم کیا جائے اور پہلے میقات کو میقات کلام ومناجاۃ سے تعبیر کیا جائے تاکہ فرق واضح ہو جائے۔

اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ یہ واقعہ بھی میقات اول ہی کا ہے اور اسی کا بقیہ اور تتمہ ہے اور یہ قصہ اسی وقت کا ہے جبکہ موسیٰ علیہ السلام توریت لینے کے لیے گئے تھے تو اسی وقت ستر لوگوں کو اس لیے اپنے ہمراہ لے گئے تھے کہ یہ بھی خدا کا کلام سنیں اور واپس آ کر بنی اسرائیل کے سامنے شہادت دیں مگر جب ان لوگوں نے وہاں جا کر یہ گستاخی کی کہ ﴿لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهۡرَةً﴾ کہا تو منجانب اللہ ان کو ایک صاعقہ نے پکڑ لیا بعد میں موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے معافی ہوئی اور سورۂ نساء کی یہ آیت ﴿فَقَالُوۡۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهۡرَةً فَاَخَذَتۡهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلۡمِهِمۡ ثُمَّ اتَّخَذُوا الۡعِجۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنٰتُ﴾ صراحۃً اس پر دلالت کرتی ہے کہ گوسالہ پرستی اس واقعہ کے بعد ہوئی۔

امام رازی رحمہ اللہ اور دیگر محققین کی رائے یہ ہے کہ یہ میقات، گزشتہ میقات کے علاوہ اور مغائر ہے۔ تفصیل کے لیے تفسیر کبیر دیکھیں اور شیخ الاسلام ابو السعود رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ اور جو لوگ امام رازی رحمہ اللہ کی طرح اس واقعہ کو گوسالہ پرستی کے بعد بتلاتے ہیں وہ آیت نساء کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں یعنی ﴿ثُمَّ اتَّخَذُوا الۡعِجۡلَ﴾ میں "ثُمَّ" ترتیب زمانی کے لیے نہیں بلکہ ترتیب رتبی یعنی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کے لیے کہ بے محابا اللہ کی رؤیت کی درخواست اگرچہ ظلم عظیم ہے لیکن فی حد ذاتہٖ دیدار خداوندی ممکن ہے محال نہیں مگر اتخاذ عجل تو اس درجہ قبیح اور شنیع ہے کہ جس کی کوئی حد اور انتہاء نہیں۔ اس لیے کہ شریک باری تو عقلاً ونقلاً محال اور ممتنع بالذات ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام نے

ہمارے مقررہ وقت پر لانے کے لیے ستر آدمی منتخب کیے تا کہ وہ طور پر موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ جا کر گوسالہ پرستی سے توبہ کریں اور یہ ستر اشخاص وہ تھے جنہوں نے خود تو گوسالہ پرستی نہیں کی تھی لیکن گوسالہ پرستی [1] پر انکار بھی نہ کیا تھا اور نہ اس سے علیحدگی اختیار کی۔

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں یعنی "تاعذر گویند از عبادت گوسالہ ایں جماعت اگرچہ عبادت نکردہ بودند بر عبادت کنندگاں انکار ہم نکردند پس خدا تعالیٰ ہلاک ساخت" واللہ اعلم (کذا فی فتح الرحمن)

اور وہب [2] بن منبہ رحمہ اللہ سے یہ منقول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب الواح توریت لے کر آئے تو بنی اسرائیل کے ایک گروہ نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کوئی کلام نہیں کیا اور نہ ہم کو اس بات کا یقین ہے کہ یہ الواح توریت اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ ہیں۔ ہم آپ کی بات کا جب یقین کریں گے کہ جب آپ ہمارے بزرگوں کا ایک گروہ اپنے ساتھ لے جائیں اور وہ خود جا کر اللہ کا کلام سن لیں اور واپس آ کر گواہی دیں تب ہم یقین کریں گے۔ (دیکھو تفسیر البحر المحیط: ۳۹۹/۴ لابی حیان رحمہ اللہ)

مطلب یہ ہے کہ توریت لانے کے بعد قوم نے مطالبہ کیا کہ اے موسیٰ ہم تمہاری بات کا اس وقت یقین کریں گے جب تم ہمارے منتخب آدمیوں کو لے جا کر اللہ کا کلام سناؤ جب وہ آ کر گواہی دیں گے تب ہم آپ کا یقین کریں گے۔

چنانچہ موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کو کوہ طور پر لے گئے وہاں پہنچ کر انہوں نے اللہ کا کلام سنا تو اب اس میں یہ شاخسانہ نکالا کہ معلوم نہیں پس پردہ کون کلام کر رہا ہے ہم تو جب ایمان لائیں گے کہ جب خدا تعالیٰ کو کھلم کھلا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کما قال تعالیٰ حاکیا عنہم ﴿لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ اس پر ایک زلزلہ آیا جس سے سب ہلاک ہو گئے۔ پس جب ان ستر آدمیوں کو زلزلہ نے پکڑ لیا جس سے وہ سب مر گئے۔ موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر ڈرے کہ بنی اسرائیل مجھ پر تہمت لگائیں گے کہ اس نے لے جا کر مروا دیا۔ تو کہا کہ اے میرے پروردگار آپ چاہتے تو ان کو اور مجھ کو یہاں آنے سے پہلے ہی ہلاک کر دیتے اور بنی اسرائیل مجھ کو متہم نہ کرتے کیا تو ہم کو اس کام پر ہلاک کرتا ہے جو ہم میں سے بیوقوفوں نے

[1] قال ابن عباس انما اخذتهم الرجفة لانهم لم ینهوا من عبد العجل ولم یرضوا عبادته وقیل ہؤلاء السبعون غیر من قالوا ارنا اللہ جهرة۔ (تفسیر قرطبی: ۲۹۵/۷)

[2] قال ابو حیان اختلفوا فی هذا المیقات اهو میقات المناجات ونزول التوراة او غیره فقیل هو الاول بین فیه بعض ماجری من احواله وروی هذا عن ابن عباس وقیل هو میقات آخر غیر میقات المناجاة ونزول التوراة فقال وهب بن منبه رحمه اللہ قال قال بنو اسرائیل لموسی ان طائفة تزعم ان اللہ لا یکلمك فخذ منا من یذهب معك لیسمعوا کلامه فیؤمنوا فاحی اللہ تعالیٰ الیه ان یختار من قومه سبعین من خیارهم ثم ارتق بهم الجبل انت وهارون واستخلف یوشع ففعل فلما سمعوا سألوا موسیٰ ان یریهم اللہ جهرة فاخذتهم الرجفة الی ان قالوا ابو حیان۔ والذی یظهر ان هذا ربه بظاهر تغائر القصتین وما جری فیها اذ فی تلك ان موسیٰ کلمه اللہ وسله الرؤیة واحاله فی الرؤیة علی تجلیه للجبل۔ وثبوته فلم یثبت وصار وکاد صعق موسیٰ وفی هذه اختیر السبعون لمیقات اللہ واخذتهم الرجفة ولم تاخذ موسیٰ وللفصل الکثیر الذی بین اجزاء الکلام لو کانت قصة واحدة کذا فی البحر المحیط، ص: ۳۹۹، اور ابو حیان رحمہ اللہ کا یہ کلام امام رازی رحمہ اللہ کے کلام کا خلاصہ ہے۔ حضرات اہل علم تفصیل کے لیے تفسیر کبیر: ۳۰۶/۴ کی مراجعت کریں۔

کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ بیوقوف اور نادان ہیں ان کی خطاء معاف فرما دیجئے۔ نہیں ہے یہ واقعہ مگر آپ کی آزمائش اور امتحان کہ آپ نے ان کو اپنا کلام سنایا جس سے وہ دیدار کی طمع میں پڑے اور دائرہ ادب سے باہر نکل گئے یا یہ مطلب ہے کہ آپ نے اپنی قدرت سے ان کے ایک خودساختہ بچھڑے میں آواز پیدا کردی جس سے یہ بیوقوف فتنہ میں مبتلا ہوگئے یہ آپ ہی کی طرف سے فتنہ اور امتحان تھا۔ اس قسم کے فتنہ اور امتحان سے آپ جس کو چاہتے ہیں گمراہ کرتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں آپ کی مشیت اور حکمت کا کسی کو علم نہیں تو، تو ہمارا آقا ہے پس تو ہماری خطا کو معاف کر اور ہم پر مہربانی کر اور تو سب معاف کرنے والوں سے بہتر معاف کرنے والا ہے تو بغیر کسی غرض اور نفع کے محض اپنے فضل وکرم سے معاف کرتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی دوسری دعاء

﴿وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ﴾

یہ موسیٰ علیہ السلام کی دوسری دعا کا ذکر ہے پہلی دعا دفع مضرت اور رفع مصیبت کے لیے تھی اور یہ دعا تحصیل منفعت کے لیے ہے جس میں دنیا اور آخرت کی بھلائی کی درخواست ہے اور اے اللہ اس دعا کے ساتھ ایک دعا یہ ہے کہ لکھ دے تو ہمارے لیے اس دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھی بھلائی دنیا اور آخرت کی بھلائی کی دستاویز اور قبالہ میری امت کے لیے لکھ دیجئے۔ مطلب یہ تھا کہ میری امت سب امتوں پر فائق رہے اس لیے کہ ہم تیری طرف رجوع ہوئے ہیں تجھ سے ہر خیر کے امیدوار ہیں۔

جواب خداوندی

حق تعالیٰ نے جواب میں فرمایا میرا عذاب جو ہے اس کو میں جس پر چاہتا ہوں نازل کرتا ہوں کوئی مجھ پر اعتراض نہیں کرسکتا سب میری ملک اور سب میرے غلام ہیں اور مالک کو اپنے ملک پر ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہے اور میری رحمت اور مہربانی ہر چیز کو اپنے اندر سمائے ہوئے ہے اللہ کی رحمت دنیا میں مومن اور کافر کو شامل ہے اگر اللہ کی یہ رحمت عامہ نہ ہوتی تو کوئی کافر و فاجر اور کوئی نافرمان زندہ نہ رہتا کما قال تعالیٰ: ﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ﴾۔ اللہ کی اس رحمت عامہ سے مومن و کافر سب کو حصہ مل رہا ہے اور اس رحمت عامہ کا دروازہ سب کے لیے کھلا ہوا ہے اور اس رحمت عامہ میں سے آپ کی امت کو بھی حصہ مل چکا ہے یہ رحمت عامہ بلا سوال کے اور بلا استحقاق کے سب کو پہنچ رہی ہے۔

اے بدادہ رائگاں صد چشم و گوش
نے ز رشوت بخش کردہ عقل و ہوش

در عدم ما مستحقاں کے بدیم
کہ بدیں جان و بدیں دانش شدیم

ما نبودیم و تقاضا ما نبود
لطف تو ناگفتہ ما می شنود

اور اس رحمت عامہ کے علاوہ خداتعالیٰ کی ایک رحمت خاصہ بھی ہے جس کا خاصان خاص پر نزول ہوتا ہے اس رحمت

خاصہ کے حصول کے لیے تین شرطیں ہیں تقویٰ اور ایتاء زکوٰۃ اور ایمان بالآیات یعنی اللہ کے تمام احکام کو ماننا جس میں یہ اوصاف مذکورہ پائے جائیں گے وہ اس رحمت خاصہ کا مستحق ہوگا۔ حاصل کلام یہ کہ اے موسیٰ علیہ السلام میری ایک رحمت تو عام ہے جس میں کوئی قید وشرط نہیں اس میں سے آپ کی قوم کو بھی حصہ مل رہا ہے اور میری ایک رحمت خاص ہے جو چند شرطوں کے ساتھ مشروط ہے پس البتہ میں اس رحمت خاصہ کو جو دین اور دنیا دونوں کی بھلائی کو جامع ہو۔ جس کا آپ سوال کر رہے ہیں ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں یعنی ان کے قلوب خدا کی عظمت اور جلال سے لبریز ہیں اور زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں یعنی ان کے نفوس مال کی محبت سے پاک اور صاف ہو چکے ہیں اور ہماری تمام آیتوں پر یقین رکھتے ہیں ایسا نہ ہو کہ بعض آیتوں کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں۔ پس اس رحمت خاصہ اور کاملہ میں سے بنی اسرائیل میں سے اس شخص کو حصہ ملے گا جو متقی اور پرہیزگار رہا ہو اور زکوٰۃ گزار رہا ہو اور ایمان کامل رکھتا ہو یعنی اللہ کے تمام احکام کو مانتا ہو ان لوگوں میں سے نہ ہو جن کے بارے میں ﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ﴾۔ نازل ہوئی رحمت خاصہ کے یہ شرائط تو ان لوگوں کے لیے ہیں جو خاتم الانبیاء کی بعثت سے پہلے ہوں گے اور خاتم الانبیاء کی بعثت کے بعد یہ رحمت خاصہ ان لوگوں کے لیے ہوگی جو توریت اور انجیل کی پیشین گوئیوں کے مطابق اس نبی آخر الزمان پر ایمان لائیں گے۔ اور اس کی مدد کریں گے ان کو اس رحمت خاصہ میں سے حصہ ملے گا (دیکھو البحر المحیط: ۴/ ۴۰۲) چنانچہ فرماتے ہیں کہ رحمت خاصہ اور کاملہ جس کا آپ نے سوال کیا ہے میں اس رحمت خاصہ کو خاص متقیوں اور مومنوں کے لیے لکھوں گا اور اخیر زمانہ میں اس کا مصداق وہ لوگ ہونگے جو صدق دل سے اس رسول کی پیروی کریں گے جو نبی امی ہے یعنی وہ نبی نہ لکھنا جانتا ہے اور نہ پڑھنا جانتا ہے اور باوجود بے پڑھے لکھے ہونے کے علم وحکمت کے چشمے اس کی زبان سے جاری ہونگے اور یہ اس کی نبوت ورسالت کی دلیل ہوگی حافظ شیرازی نے کیا خوب کہا

نگار من کہ بہ مکتب نرفت و خط ننوشت بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

جس کو وہ یہاں توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اے موسیٰ علیہ السلام جس رحمت خاصہ اور دینی اور دنیوی بھلائی کا تو خواستگار ہے۔ اخیر زمانہ میں اس رحمت خاصہ میں ان لوگوں کو حصہ ملے گا جو توریت اور انجیل کے پیش گوئیوں کے مطابق اس نبی امی کا اتباع کریں گے جس کے اوصاف وہ اپنے یہاں توریت اور انجیل میں لکھے ہوئے پائیں گے حالانکہ اس وقت تک انجیل نازل نہیں ہوئی تھی اشارہ اس طرف تھا کہ جب انجیل نازل ہوگی تو اس میں بھی آپ کا ذکر ہوگا چنانچہ ورقہ بن نوفل اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور مخریق اور بحیرا راہب اور نسطورا راہب اور نجاشی شاہ حبشہ رحمۃ اللہ علیہ مع قسیسین اور رہبان یہ سب انہی بشارات کی بناء پر مسلمان ہوئے اور ضفاطر رومی یعنی بشپ روم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچی دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر یہ کہہ کر مشرف باسلام ہوا کہ یہ وہی نبی آخر الزمان ہیں جن کی توریت اور انجیل میں بشارت دی گئی۔ مگر رومیوں نے اس کو شہید کر دیا ہرقل شاہ روم نے بھی اس کی تصدیق کی مگر سلطنت کی خاطر اسلام قبول نہیں کیا۔ مقوقس شاہ مصر نے بھی اس کا اقرار کیا اسلام تو نہیں لایا مگر ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا وغیرہ تحفے بھیجے اور وہ نبی امی ان کو ہر پسندیدہ کام کا حکم دیگا اور ہر ناپسندیدہ کام سے ان کو منع کرے گا۔ اور تمام پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال کر دے گا۔ مراد وہ پاکیزہ چیزیں ہیں جو بنی اسرائیل کی

نافرمانیوں کی سزا میں توریت میں ان پر حرام کی گئی تھیں جیسے اونٹ کا گوشت اور بھیڑ اور بکری اور گائے کی چربی اور تمام ناپاک اور گندی چیزوں کو ان پر حرام کردے گا۔ جیسے مردار اور خون اور سور کا گوشت اور جیسے رشوت اور سود اور ان سے وہ بوجھ اور مشقتوں کے طوق دور کردے گا جو موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ان پر تھے جیسے توبہ میں جان کا مارنا اور قصاص کا واجب ہونا اور دیت کا ممنوع ہونا اور مال غنیمت کا جلا دینا مطلب یہ ہے کہ اگلی شریعتوں میں جو سختیاں تھیں انہیں دور کردیگا۔ اور شریعت کو ان پر آسان اور ہلکا کردیگا۔ پس جو لوگ اس نبی امی موصوف بصفات مذکورہ پر ایمان لائیں گے اور اس کی تعظیم کریں گے اور اس کے دشمنوں کے مقابلہ پر اس کی مدد کریں گے اور اس نور ہدایت یعنی کلام الٰہی کی پیروی کریں گے جو اس کے ساتھ آسمان سے زمین پر اتارا گیا ہے ایسے لوگ فلاح پانے والے ہیں اخیر زمانے میں دین و دنیا دونوں کی بھلائی ایسے ہی لوگوں کو ملے گی۔ یہ صحابۂ کرام اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا گروہ ہے جن کے لیے دنیا اور آخرت کی بھلائی پہلے ہی سے مقدر ہو چکی تھی دنیا میں فتح و نصرت حاصل ہوئی اور شام اور ایران کی سلطنتوں پر قابض ہوئے اور آخرت میں نجات اور مغفرت اور درجات عالیہ کی بشارتوں سے سرفراز کیے گئے۔ ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾

لطائف و معارف

۱- حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شاید حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کے حق میں دنیا اور آخرت کی بھلائی جو مانگی تھی مراد یہ تھی کہ میری امت سب امتوں پر مقدم اور فائق رہے دنیا اور آخرت میں خدا تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ میرا عذاب اور میری رحمت کسی فرقہ پر مخصوص نہیں سو عذاب تو اسی پر ہے جس کو اللہ چاہے اور رحمت عامہ سب مخلوق کو شامل ہے۔ لیکن وہ رحمت خاصہ جو تم طلب کر رہے ہو وہ ان لوگوں کے نصیب میں لکھی ہے جو اللہ کا ڈر رکھتے ہیں اور اپنے مال کی زکوٰۃ دیتے ہیں یا اپنے نفس کا تزکیہ کرتے ہیں اور خدا کی ساری باتوں پر یقین کامل رکھتے ہیں یعنی آخری امت کو جو سب کتابوں پر ایمان لادے گی سو حضرت موسیٰ کی امت میں سے جو کوئی آخری کتاب پر یقین لایا اس کو یہ نعمت پہنچی اور حضرت موسیٰ کی دعا ان کو لگی۔ انتھی کلامہ بتوضیح یسیر۔ (منقول از تفسیر عثمانی)

چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی امت کے لیے جو مانگا تھا وہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو عطاء کردیا۔ (تفسیر قرطبی: ۷/۲۹۶-۲۹۷)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو دعا اپنی امت کے لیے مانگی تھی وہ ان کی امت کے حق میں قبول نہ ہوئی بلکہ بجائے ان کی امت کے امت محمدیہ کے حق میں قبول ہوگئی اور مطلب یہ ہوا کہ اے موسیٰ علیہ السلام جس دنیا اور آخرت کی بھلائی کا تم سوال کر رہے ہو وہ امت محمدیہ کو ملے گی اور تمہاری یہ دعا خلفاء راشدین کے ہاتھوں پر پوری ہوگی کہ وہ ولی کامل بھی ہونگے اور بادشاہ عادل بھی ہونگے اور ولایت آخرت کی نیکی ہے اور بادشاہت دنیا کی بھلائی ہے اور اس کے مجموعہ کا نام خلافت راشدہ ہے اور علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی اپنی امت کے لیے یہ دعا ایسی ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ذریت کے لیے یہ دعا کی ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ﴾ کہ اے اللہ میری ذریت کو بھی امامت میں حصہ ملے تو حق تعالیٰ نے جواب میں یہ فرمایا،

﴿لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ﴾۔ مطلب یہ تھا کہ تمہاری دعا اور درخواست قبول ہے مگر اس منصب امامت کے حصول کے لیے عدالت اور تقویٰ شرط ہے ظالم اور فاسق کو یہ منصب نہیں ملے گا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیا کہ تم نے اپنی امت کے لیے جو دنیا اور آخرت کی بھلائی کی دعا کی ہے وہ منظور ہے مگر اس رحمت خاصہ کے حصول کے لیے تقوی اور زکوۃ اور ایمان بالآیات شرط ہے پس آپ کی امت میں سے جو اس رحمت خاصہ کے مستحق ہو جائیں جس درجہ کا ایمان اور تقوی ہوگا اسی درجہ کی رحمت کے مستحق ہونگے۔ رحمت کاملہ کا استحقاق اہل اطاعت کاملہ ہی کو ہے اس کے بعد یہ بتلایا کہ اخیر زمانہ میں جب نبوت محمدیہ کا دور دورہ ہوگا اس وقت اس رحمت کاملہ اور خاصہ کے مستحق وہ لوگ ہونگے جو اس نبی امی فداہ نفسی وابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے اور دل وجان سے اس کی مدد کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک کے اہل کتاب کو سنانے کے لیے یہ مضمون ذکر کیا گیا کہ اس زمانے کے اہل کتاب اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو ان کو چاہئے کہ اس نبی امی پر ایمان لائیں جس کو توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں اللہ کی رحمت خاصہ ان لوگوں کے واسطے جو نبی امی کا اتباع کریں گے خواہ وہ بنی اسرائیل میں سے ہوں یا غیروں سے ہوں۔

۲- آیت ﴿الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ﴾۔ کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں سے جو لوگ اس نبی آخر الزمان کا عہد مبارک پائیں ان کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اس نبی آخر الزمان پر ایمان لائیں تا کہ ان کو رحمت خاصہ میں بقدر ایمان اور تقوی کے حصہ مل جائے۔

۳- اس آیت میں اس نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے نو وصف تو صراحۃً ذکر کیے اور ایک وصف ضمناً ذکر فرمایا یعنی اس نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک کتاب نازل ہوگی جو نور ہدایت ہوگی اور رہروان آخرت کے لیے مشعل ہوگی مطلب یہ ہے کہ اس نبی امی پر آسمان سے ایک کتاب نازل ہوگی جسے وہ پڑھ کر سنائے گا توریت کی طرح لکھی ہوئی کتاب اس کو عطا نہ ہوگی۔ اور وہ نو صفتیں یہ ہیں:

(۱) وہ رسول ہوگا۔

(۲) وہ نبی ہوگا۔

(۳) وہ امی ہوگا یعنی نوشت وخواند سے ناواقف ہوگا مگر علم اور حکمت کا چشمہ اس کی زبان سے جاری ہوگا۔ اور یہ اس کی نبوت کی بڑی دلیل ہوگی ورنہ مخالفین کو یہ گنجائش ہوتی کہ وہ یہ کہتے آپ کتب سابقہ کو دیکھ کر اگلے زمانے کے حالات بیان کرتے ہیں اور انبیاء سابقین کے صحیفوں کی مدد سے آپ اپنے دین کے قواعد اور احکام مرتب کرتے ہیں سو سز اوار رحمت خاصہ وہی لوگ ہونگے جو اس نبی امی کا اتباع کریں گے۔

(۴) علماء یہود اور نصاری اس نبی امی کو توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پائیں گے۔ توریت اور انجیل میں آپ کی بالتفصیل صفات مذکور تھیں اور اس وقت کے یہود اور نصاری ان مضامین سے واقف تھے اور اگر یہ مضامین توریت وانجیل میں

موجود نہ ہوتے تو تمام یہود اور نصاریٰ شور مچاتے اور قرآن کریم کی اس قسم کی آیتوں کی تکذیب کرتے اور یہ کہتے کہ یہ سراسر افتراء ہے اور یہ شخص کذاب اور مفتری ہے توریت وانجیل میں کہیں بھی آپ کا ذکر نہیں اور جن مجلسوں میں ﴿النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ﴾ جیسی آیتوں کی تلاوت کی جاتی، وہاں جا کر علماء اہل کتاب کھلم کھلا یہ کہتے کہ یہ سب غلط ہے اور تمام یہود ونصاریٰ مشرکین مکہ کو جو آپ کے دشمن خاص تھے اس سے آگاہ کرتے نیز آپ کا علماء یہود ونصاریٰ کے مدارس میں جا کر تحدی کے ساتھ یہ بیان کرنا کہ میں وہی نبی ہوں جس کی توریت اور انجیل میں خبر دی گئی یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ آپ کو ان بشارتوں کا جزم اور یقین تھا چنانچہ بہت سے علماء یہود اور علماء نصاریٰ اور بہت سے راہب اور عابد وزاہد اسی بناء پر ایمان لائے جیسے شاہ حبشہ اور جو ایمان نہیں لائے جیسے ہرقل شاہ روم وغیرہ سو انہوں نے اس بات کی تصدیق کہ آپ وہی نبی ہیں جن کی توریت اور انجیل میں خبر دی گئی ہے۔

حق یہ ہے کہ کتب سابقہ میں آپ کا ذکر موجود تھا مگر معاندین نے ان میں تحریف کر دی اور اس قسم کی تمام عبارتیں توریت اور انجیل سے نکال دیں اگرچہ اب بھی بعض اناجیل قدیمہ میں فارقلیط کا لفظ موجود ہے جو لفظ احمد کا ترجمہ ہے اور انبیاء سابقین کی بشارات کے متعلق اس ناچیز نے ایک مستقل رسالہ بھی لکھ دیا ہے اہل علم اس کو دیکھیں جو چھپ چکا ہے۔

چنانچہ عارف رومی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں:

بود در انجیل نام مصطفیٰ — واں سر پیغمبراں بحر صفا

بود ذکر حلیہا وشکل او — بود ذکر غز و صوم واکل او

طائفہ نصرانیاں بہر ثواب — چوں رسیدندے بداں نام و خطاب

بوسہ دادندے بداں نام شریف — رو نہادندے بداں وصف لطیف

(۵) پانچویں صفت آپ کی یہ بیان کی کہ آپ لوگوں کو تمام نیک باتوں کا حکم دیں گے۔

(۶) چھٹی صفت آپ کی یہ بیان فرمائی کہ آپ لوگوں کو تمام بری باتوں سے منع کریں گے۔ یہ دونوں صفتیں اگرچہ تمام انبیاء میں مشترک ہیں مگر علی وجہ الکمال آپ میں پائی جائیں گی۔ آپ کی تعلیم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تمام جزئیات کو حاوی ہوگی۔

(۷) ساتویں صفت آپ کی یہ بیان کی کہ آپ لوگوں کے لیے پاکیزہ اور ستھری چیزوں کو حلال کریں گے جس سے انسانی طبیعت کراہت اور نفرت نہیں کرتی بلکہ انسان کے لیے موجب لذت اور منفعت ہے اگرچہ مشرکین نے اپنی جہالت سے ان پاکیزہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر رکھا ہے۔

(۸) اور آٹھویں صفت آپ کی یہ فرمائی کہ وہ نبی گندی اور ناپاک چیزوں کو حرام کرے گا جن کے استعمال میں سراسر مضرت اور نقصان ہے جیسے مردار اور خنزیر اور قمار اور شراب وغیرہ اگرچہ مشرکوں نے اپنی جہالت سے ان چیزوں کو اپنے اوپر حلال کر رکھا ہے۔

(۹) اور نویں صفت آپ کی یہ بیان فرمائی کہ آپ یہودیوں پر سے ان کے بوجھ اتاریں گے اور ان کے طوقوں کو

دور کریں گے یعنی ان کی شریعت میں جو سخت احکام جوان کی پیٹھوں پر بمنزلہ بھاری بوجھوں کے تھے اور گلوں میں بمنزلہ طوق اور پھندوں کے تھے۔ ان کو منسوخ کر کے ان کی جگہ سہل احکام دیں گے یعنی اس کی شریعت سہل اور آسان ہوگی

مثلاً توریت میں بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اگر تم سے گناہ ہو جائے تو اس کی توبہ قتل ہے کہ تم اپنے آپ کو قتل کر ڈالو اسلام میں یہ حکم منسوخ ہو گیا اور یہ حکم دیا گیا کہ توبہ کے لیے گزشتہ گناہ پر ندامت اور شرم ساری اور آئندہ کے لیے یہ عزم کہ اب یہ کام نہیں کروں گا توبہ کے لیے فقط اتنا کافی ہے۔

توریت میں یہ حکم تھا کہ اگر کپڑا ناپاک ہو جائے تو جتنا ناپاک ہوا ہے اتنے کو قینچی سے کاٹ ڈالا جائے۔ یہ حکم اسلام میں منسوخ ہو گیا اور کپڑے کا پانی سے دھونا کافی قرار دیا گیا۔

توریت میں قصاص فرض تھا اور دیت حرام تھی اسلام نے اس کی جگہ یہ حکم دیا کہ اگر ورثاء قصاص معاف کر دیں اور اس کی جگہ دیت پر راضی ہو جائیں تو پھر قصاص ضروری نہیں

توریت میں حکم تھا کہ ہفتہ کے دن دنیا کا کوئی کاروبار نہ کرو۔ اسلام نے اس کو منسوخ کر دیا۔

توریت میں حکم تھا کہ کنائیس (یعنی مسجد اور معبد) سے باہر نماز نہ پڑھو اسلام نے اس کی جگہ حکم دیا کہ نماز ہر جگہ صحیح ہے۔

۱۰- دسویں صفت اس نبی امی کی یہ بیان کی کہ اس نبی پہ ایک نور ہدایت یعنی قرآن نازل ہوگا جو اس کا اتباع کرے گا وہ فلاح پائے گا اور ﴿وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ﴾ میں اسی صفت کے ساتھ اشارہ ہے اور توریت سفر پنجم باب ۱۸ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ خبر دی کہ میں بنی اسرائیل کے بھائیوں میں تجھ جیسا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا الخ۔

اس آخری جملہ میں قرآن کریم کے نزول کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ان آیات کا مطلب بالاختصار یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ اے پروردگار ملاء اعلیٰ میں میری امت کے لیے دنیا اور آخرت کی نیکی مقدر کر دے۔ رب الارباب سے جواب ملا یہود ایک حال پر نہ رہیں گے بلکہ ان میں سے بعض کو میرا عذاب پہنچے گا اور یہ وہ لوگ تھے جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، ﴿وَقَضَیْنَآ اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ فِی الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ مَرَّتَیْنِ﴾ اور بعض رحمت الٰہی کے مورد ہونگے اور یہ وہ لوگ ہیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ اَنْۢبِیَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ﴾ پھر فرمایا ﴿فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ﴾۔

یعنی پس ان لوگوں کے لیے میں دنیا اور آخرت کی نیکی لکھ دوں گا جن کی صفت یہ ہے کہ وہ متقی ہونگے زکوۃ دیں گے اور اسکی نشانیوں پر ایمان رکھیں گے۔

پس ان آیات سے مفہوم ہوا کہ یہ لوگ جو مذکورہ بالا اوصاف سے موصوف ہوں زمانہ آئندہ میں پیدا ہونے والے تھے دنیا میں فتح و نصرت حاصل ہو اور دیگر سلطنتیں ان کی مطیع اور باج گزار ہوں اور آخرت میں نجات اور مغفرت حاصل ہو اور درجات اور مناصب عالیہ ان کو حاصل ہوں۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خصوصاً یہ وہ لوگ ہونگے جو نبی امی

کے تابعدار ہوں گے جس کی تعریف وتوصیف کتاب الٰہیہ میں پائی گئی اور انبیاء سابقین نے ان کی بعثت کی خبر دی جس سے کافہ انام پر حجت پوری ہوئی اور منکرین عند اللہ معذور نہ رہے اور کتب الٰہیہ میں اللہ نے جو آنحضرت ﷺ کی تعریف کی وہ یہ ہے کہ وہ نبی امی نیکی کا حکم کرے گا اور برائی سے منع کرے گا تمام پاک چیزیں حلال کرے گا اور خبائث حرام کریگا اور ان کے سر سے بارگراں اور گردن سے ان کے طوق اتار دے گا یعنی شرائع شاقہ کو منسوخ کر دے گا اور ملت حنفیہ اور شریعت سہلہ کو جاری کرے گا۔ پس آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کمال رافت ورحمت الٰہیہ ہے۔

ان آیات میں ضمناً اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی اتباع کرنے والوں کی اور آپ کے اعوان وانصار کی مدح فرمائی اور ان کی صلاح کونین اور فلاح دارین کی خبر دی ہے اور شک نہیں کہ خلفاء راشدین آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے اور جان ومال سے آپ کی مدد کی پھر آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد تازیست اسی طرح ساعی اور کوشاں رہے اس سے زیادہ اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے۔ وھذا ھو المقصود۔ (ازالۃ الخفاء)

خلاصۂ کلام یہ کہ اس دعاء موسوی کا ظہور خلفاء راشدین کے ہاتھوں پر ہوا اور صحابہ کرام ؓ اس رحمت خاصہ کے مورد بنے اور یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ کتب الٰہیہ میں اس نبی امی کے تابعداروں اور مددگاروں کی جو تعریف وتوصیف کی گئی اس کا مصداق صحابہ کرام اور خلفائے راشدین ہیں۔ جن کو دنیا کی نیکی تو یہ ملی کہ فتح ونصرت ہوئی اور دنیا کی سلطنتیں اور ریاستیں ان کی باج گزار بنیں اور آخرت کی نیکی یہ ملی کہ خوشنودی اور رضاء خداوندی اور جنت اور مغفرت اور قسم قسم کی عزت وکرامت کا پروانہ ان کو دنیا ہی میں مل گیا اور اخیر آیات میں مہاجرین اور انصار کی خاص طور پر مدح فرمائی۔ ﴿فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾۔ اور ان کے صلاح اور فلاح دارین کی خبر دی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَۨا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ

تو کہہ اے لوگو میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف جس کی حکومت ہے آسمانوں اور زمین میں

تو کہہ، لوگو! میں رسول ہوں اللہ کا، تم سب کی طرف، جس کی حکومت ہے آسمان اور زمین میں۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ

کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے نبی امی پر جو کہ یقین رکھتا ہے اللہ پر

کسی کی بندگی نہیں سوائے اس کے، جلاتا ہے اور مارتا ہے، سو مانو اللہ کو، اور اس کے بھیجے نبی امی کو، جو یقین کرتا ہے اللہ پر،

وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

اور اس کے سب کلاموں پر اور اس کی پیروی کرو تاکہ تم راہ پاؤ ؂۱

اور اس کے سب کلام پر، اور اس کے تابع ہو، شاید تم راہ پاؤ۔

؂۱ یعنی آپ کی بعثت تمام دنیا کے لوگوں کو عام ہے۔ عرب کے امیین یا یہود ونصاریٰ تک محدود نہیں۔ جس طرح خداوند تعالیٰ شہنشاہ مطلق ہے، آپ اس کے

ذکر عموم بعثت نبی آخر الزمان ﷺ

قال اللہ تعالیٰ : ﴿قُلْ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنِّى رَسُولُ ٱللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ... الی ... لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾

ربط :...... گزشتہ آیت میں نبی آخر الزمان ﷺ کی بشارت کا ذکر تھا اور یہ بتلایا تھا کہ ﴿فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ﴾ الخ میں متقین کے لیے جس رحمت خاصہ کا وعدہ ہے وہ ان متقین کے لیے مخصوص ہے کہ جو اس نبی امی کے متبع ہوں جس کا ظہور آخر زمانہ میں ہوگا اب اس آیت میں نبی امی ﷺ کی عموم بعثت کا ذکر ہے کہ اس نبی آخر الزمان ﷺ کی بعثت عام ہوگی یعنی تمام عالم کے لیے آپ ﷺ نبی اور رسول ہوں گے انبیاء سابقین ﷺ کی طرح آپ کی بعثت کسی قوم اور قبیلہ کے ساتھ مخصوص نہ ہوگی آپ ﷺ کی اطاعت سب پر لازم ہوگی اہل کتاب میں سے جو شخص اس رحمت خاصہ میں شامل ہونا چاہے جس کی موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی اس کو چاہئے کہ اس رسول برحق پر ایمان لائے اور سمجھ لے کہ بغیر آپ کے نور کے اتباع کیے فلاح نہیں پاسکتا نیز آئندہ آیات میں یہ بتلانا ہے کہ اس پیغمبر آخر الزمان ﷺ کی صفت اگرچہ توریت اور انجیل میں یہ ذکر کی گئی ہے کہ وہ نبی امی ہوگا مگر اس نبی امی کی بعثت فقط امیین یعنی عرب کے ساتھ مخصوص نہ ہوگی جیسا کہ بعض اہل کتاب کا خیال ہے بلکہ اس کی بعثت کل عالم کی طرف ہوگی چنانچہ حدیث میں ہے کہ جو یہودی یا نصرانی میری خبر پا کر مجھ پر ایمان نہیں لائیگا وہ جہنم میں جائے گا۔ (رواہ مسلم)

اے نبی امی آپ لوگوں سے علی العموم اور علی الاعلان یہ کہہ دیجئے کہ اے دنیائے جہان کے لوگو تحقیق میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں بخلاف پہلے پیغمبروں کے کہ وہ کسی خاص فرقہ یا خاص امت کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور میں تمام مخلوق اور کافۃ الناس کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں خواہ وہ عرب ہوں یا عجم، روم ہوں یا فارس چینی ہوں یا ہندی غرض یہ کہ میری بعثت تمام دنیا کے لیے ہے۔ احادیث صحیحہ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو چند باتیں ایسی عنایت کی ہیں جو کسی اور نبی کو عنایت نہیں فرمائیں۔

۱- ہر نبی خاص اپنی قوم کی ہدایت کے لیے بھیجا جاتا تھا مجھ کو اللہ نے ہر سیاہ و سفید یعنی عرب و عجم کے لیے بھیجا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

۲- مجھ پر نبوت ختم ہوگئی یعنی میرے بعد کسی کو منصب نبوت عطاء نہیں ہوگا اور عیسیٰ علیہ السلام جو اخیر زمانہ میں آسمان سے نازل ہوں گے ان کو منصب نبوت آپ سے چھ سو سال پہلے مل چکا ہے ان کا نزول ختم نبوت کے منافی نہیں

۳- مجھ کو شفاعت کا مقام عطاء کیا گیا کہ قیامت کے دن اولین اور آخرین کے لیے شفاعت کروں گا۔

۴- میرے لیے غنیمتیں حلال کر دی گئیں مجھ سے پہلے کسی نبی کے لیے حلال نہیں کی گئیں۔

۵- تمام روئے زمین میرے لیے پاک اور موضع صلوٰۃ قرار دے دی گئی میری امت کو جہاں نماز کا وقت ہو جائے وہیں نماز پڑھ لے۔

= رسول مطلق ہیں۔ اب ہدایت و کامیابی کی صورت بجز اس کے کچھ نہیں کہ اس جامع ترین عالمگیر صداقت کی پیروی کی جائے جو آپ لے کر آئے ہیں۔ یہی پیغمبر ہیں، جن پر ایمان لانا تمام انبیاء و مرسلین اور تمام کتب سماویہ پر ایمان لانے کا مرادف ہے۔

۶- ایک مہینہ کے راہ کے فاصلہ پر میرے دشمنوں کے دلوں میں میرا رعب ڈال دیا گیا۔

۷- اور مجھ کو جوامع الکلم عطاء کیے گئے یعنی ایسے جامع کلمات کہ جن کے لفظ تو بہت تھوڑے اور معنی بہت، یہ مضمون بخاری اور مسلم کی روایتوں سے ثابت ہے غرض یہ کہ میری بعثت تمام جہان کے لیے ہے میں تم سب کی طرف اس خدائے برحق کی طرف سے رسول بن کر آیا ہوں۔ جس کے لیے آسمان اور زمین کی بادشاہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی جلاتا اور مارتا ہے پس اے لوگو! ایمان لاؤ اس خدا پر جس کی صفت تم نے سن لی اور نیز ایمان لاؤ اس کے اس رسول پر جو نبی امی ہے یعنی محمد رسول اللہ ﷺ پر جو اللہ پر اور اس کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتا ہے اور بے چون و چرا اس نبی امی کی پیروی اور فرمانبرداری کرو تا کہ تم ہدایت پا جاؤ معلوم ہوا کہ جو نبی امی کا اتباع نہ کرے وہ گمراہ ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے ہدایت اور فلاح کو آپ ﷺ کے اتباع میں منحصر فرما دیا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ گزشتہ آیات میں اسی نبی اُمی ﷺ کے اوصاف بیان کیے تھے اب ان آیات میں اس نبی کے اتباع اور پیروی کا حکم دیا کہ بغیر اس کے اتباع کے ہدایت حاصل نہیں ہو سکتی۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ

اور موسیٰ کی قوم میں ایک گروہ ہے جو راہ بتلاتے ہیں حق کی اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں ف۱ اور جدا جدا کر دیئے ہم نے ان کو بارہ

اور موسیٰ کی قوم میں ایک فرقہ راہ بتاتے ہیں حق کی، اور اسی پر انصاف کرتے ہیں۔ اور بانٹ کر ان کو ہم نے کیا کئی فرقے، بارہ

اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ

دادوں کی اولاد بڑی بڑی جماعتیں ف۲ اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو جب پانی مانگا اس سے اس کی قوم نے کہ مار اپنی لاٹھی اس پتھر پر

دادوں کے پوتے۔ اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو، جب پانی مانگا اس سے اس کی قوم نے، کہ مار اپنی لاٹھی سے اس پتھر کو،

فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا

تو پھوٹ نکلے اس سے بارہ چشمے پہچان لیا ہر قبیلہ نے اپنا گھاٹ اور سایہ کیا ہم نے ان پر ابر کا اور اتارا ہم نے

تو پھوٹ نکلے اس سے بارہ چشمے، پہچان لیا ہر ایک لوگوں نے اپنا گھاٹ۔ اور سایہ کیا ہم نے

عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ

ان پر من اور سلویٰ کھاؤ ستھری چیزیں جو ہم نے روزی دی تم کو

ان پر ابر کا، اور اتارا ان پر من اور سلویٰ۔ کھاؤ ستھری چیزیں جو ہم نے روزی دی تم کو،

ف۱ گو اکثر یہود سرکشی اور ناانصافی کی راہ اختیار کر رہے ہیں تاہم کچھ ایسی سعید روحیں بھی ہیں، جو دوسروں کو حق کی طرف دعوت دیتی ہیں اور بذات خود حق و انصاف کے راستوں پر گامزن ہیں۔ مثلاً عبد اللہ بن سلام وغیرہ۔

ف۲ یعنی اصلاح و انتظام کے لیے ان کی بارہ جماعتیں جو بارہ دادوں کی اولاد تھی الگ الگ کر دی گئیں تھی۔ پھر ہر ایک جماعت کا ایک نقیب مقرر فرما دیا جو اس کی نگرانی اور اصلاح کا خیال رکھے۔ ﴿وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا﴾

وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ

اور انہوں نے ہمارا کچھ نہ بگاڑا لیکن اپنا ہی نقصان کرتے رہے اور جب حکم ہوا ان کو کہ بسو اس شہر میں ف۱

اور ہمارا کچھ نہ بگاڑا، لیکن اپنا برا کرتے رہے۔ اور جب حکم ہوا ان کو کہ بسو اس شہر میں،

وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ

اور کھاؤ اس میں جہاں سے چاہو اور کہو ہم کو بخش دے اور داخل ہو دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے تو بخش دیں گے ہم

اور کھاؤ اس میں جہاں سے چاہو، اور کہو گناہ اترے، اور پیٹھو (داخل ہو) دروازے میں سجدہ کرتے، تو بخشیں ہم

خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ

تمہاری خطائیں البتہ زیادہ دیں گے ہم نیکی کرنے والوں کو ف۲ سو بدل ڈالا ظالموں نے ان میں سے دوسرا لفظ اس کے سوا

تمہاری تقصیریں، آگے اور (بہت) دیں گے نیکی والوں کو۔ سو بدل لیا بےانصافوں نے ان میں سے، اور لفظ سوا اس کے

قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ ع ۲۰/۱۰

جو ان سے کہہ دیا گیا تھا پھر بھیجا ہم نے ان پر عذاب آسمان سے بسبب ان کی شرارت کے ف۳

جو کہہ دیا تھا، پھر بھیجا ہم نے ان پر عذاب آسمان سے، بدلہ ان کی شرارت کا۔

ذکر احوال بنی اسرائیل

قَالَ اللہُ تَعَالٰی : ﴿وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ... الٰی ...مَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ﴾

ربط:...... اوپر سے سلسلۂ کلام موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں چلا آ رہا ہے اب یہ بتاتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں اب بھی بعضے لوگ خدا پرست اور انصاف دوست ہیں جو لوگوں کو راہ راست کی ہدایت کرتے ہیں جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور اس بات کی شہادت دی کہ یہ وہی نبی امی ہیں جن کی توریت اور انجیل میں خبر دی گئی ہے اور ایسے ہی حق پرست اس رحمت خاصہ میں داخل ہوئے جس کی موسیٰ علیہ السلام نے ﴿وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ﴾ میں دعا کی تھی اور انہی اہل کتاب میں سے کچھ لوگ ظالم اور سرکش بھی ہیں باوجودیکہ ان پر اللہ کے بڑے بڑے انعامات ہوئے مگر پھر بھی دن بدن، نافرمانیاں اور سرکشیاں ہی کرتے رہے چنانچہ فرماتے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو حق کی راہ بتاتا ہے اور اسی حق کے ساتھ انصاف کرتا ہے جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ اور ہم نے بنی اسرائیل کو بارہ قبیلوں پر بانٹ دیا گروہ گروہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے ہر بیٹے کی نسل کو سبط کہتے تھے مطلب

ف۱ اس شہر سے مراد اکثر نے "اریحاء" لیا ہے۔

ف۲ یعنی ابھی ایک شہر فتح ہوا، آگے سارا ملک ملے گا کذا فی الموضح۔ یا یہ مطلب ہے کہ خطا معاف کر کے نیکوکاروں کے اجر و ثواب بڑھائیں گے کذا فی عامة الکتب۔

ف۳ یہ واقعات "وادی تیہ" کے ہیں۔ جن کا بیان سورۃ "بقرۃ" ربع پارہ الٓمٓ کے بعد گزر چکا، وہاں کے فوائد میں تفصیل ملاحظہ کی جائے۔

یہ ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو ایک دادا کی اولاد پر تقسیم کر دیا جس سے ان کے بارہ گروہ ہو گئے۔ اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف جب ان کی قوم نے جنگل میں ان سے پانی مانگا کہ اے موسیٰ تو اپنی لاٹھی کو پتھر پر مار پس ان کے مارتے ہی اس پتھر سے بارہ چشمے جاری ہو گئے کیونکہ بارہ ہی سبط تھے اس لیے بارہ چشمے جاری ہو گئے۔ ہر سبط کے لیے علیحدہ علیحدہ چشمہ متعین ہو گیا۔ سب آدمیوں نے یعنی ہر سبط نے اپنا جدا جدا گھاٹ معلوم کر لیا۔ ایک سبط دوسرے سبط کے گھاٹ سے پانی نہیں لیتا تھا اور ایک انعام ہم نے ان پر یہ کیا کہ جنگل میں ابر کو ان پر سائبان بنا دیا تاکہ بنی اسرائیل کو آفتاب کی گرمی کی تکلیف نہ ہو۔ اور ایک انعام ان پر یہ کیا کہ خزانہ غیب سے ان پر من وسلویٰ اتارا۔ ''من'' ترنجبین کے مانند ایک میٹھی چیز تھی اور ''سلویٰ'' مرغ اور بٹیر کے مانند کوئی جانور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے یہ کھانا اتارا جن میں سے ایک شیریں اور دوسرا نمکین تھا اور ان سے یہ کہہ دیا کہ جو پاکیزہ روزی ہم نے محض اپنی عنایت سے بلا سبب ظاہری کے تم کو دی ہے اس میں سے کھاؤ اور شکر کرو اور ذخیرہ نہ کرو اور ان لوگوں نے ذخیرہ کر کے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا ولیکن ذخیرہ کر کے وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے نافرمانی کر کے اپنا ہی نقصان کیا اور یاد کرو اس وقت کو کہ جب بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا گیا کہ اس بستی یعنی بیت المقدس یا اریحاء میں جا کر رہو اور اس کے پھل اور کھیتی اور پیداوار کھاؤ جہاں سے چاہو جتنی رغبت ہو کھاؤ کوئی پابندی نہیں اور یہ بھی حکم دیا گیا کہ جب اس شہر میں جانے لگو تو زبان سے لفظ حِطَّةٌ کہو یعنی اے اللہ ہماری درخواست حطہ ذنوب اور وضع معاصی ہے یعنی اے اللہ ہمارے کاندھوں سے گناہوں کا بوجھ اتار دے اور اس شہر کے دروازے میں تواضع اور عاجزی کے ساتھ جھکے جھکے داخل ہونا تو ہم تمہاری اس توبہ اور نیازمندی کی بناء پر تمہاری خطائیں بخش دیں گے اور جو تم میں سے نیکوکار اور مخلص ہیں ان کو مزید انعام اور ثواب سے نوازیں گے پس جو ان میں سے ظالم اور سرکش تھے وہاں پہنچ کر سرکشی کرنے لگے اور جو قول اور لفظ ان کو بتلایا گیا اس کو دوسرے قول سے بدل دیا۔ جو اس کے بالکل برعکس تھا یعنی انہوں نے بجائے حِطَّةٌ کے ''حنطة فی شعرة'' کہا جس کے معنی یہ ہیں کہ بالوں میں گیہوں دے اور بجائے سجدہ کرنے کے سرین کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے پس اس سرکشی کی سزا میں ہم نے ان پر آسمان سے عذاب بھیجا یعنی طاعون آیا یا کوئی اور عذاب آیا جس سے ایک وقت میں ستر ہزار آدمی مر گئے اس لیے کہ وہ لوگ ظلم کرتے تھے یعنی انکا قول اور فعل سب بے محل تھا اس لیے آسمان سے ان پر بلا نازل ہوئی اور برمحل نازل ہوئی یہ واقعہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِى السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ

اور پوچھ ان سے حال اس بستی کا جو تھی دریا کے کنارے ف۱ جب حد سے بڑھنے لگے ہفتہ کے حکم میں جب

اور پوچھ ان سے احوال اس بستی کا کہ تھی کنارے دریا کے، جب حد سے بڑھنے لگے ہفتے کے حکم میں، جب

ف۱ یعنی اپنے زمانہ کے یہود سے بطور تنبیہ و توبیخ اس بستی میں رہنے والے یہود کا قصہ دریافت کیجئے جو داؤد علیہ السلام کے عہد میں پیش آیا۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس بستی سے شہر ''ایلہ'' مراد ہے جو بحر قلزم کے کنارے مدین اور طور کے درمیان واقع تھا وہاں کے لوگ دریا کے قرب کی وجہ سے مچھلی کے شکار کی عادت رکھتے تھے۔

حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ

آنے لگیں ان کے پاس مچھلیاں ہفتہ کے دن پانی کے اوپر اور جس دن ہفتہ نہ ہو تو نہ آتی تھیں اس طرح ہم نے ان کو

آنے لگیں ان پاس مچھلیاں ہفتے کے دن پانی کے اوپر، جس دن ہفتہ نہ ہو نہ آویں۔ یوں ہم آزمانے لگے ان کو،

بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ

آزمایا اس لیے کہ وہ نافرمان تھے ف۱ اور جب بولا ان میں سے ایک فرقہ کیوں نصیحت کرتے ہو ان لوگوں کو جن کو اللہ چاہتا ہے کہ ہلاک کرے یا

اس واسطے کہ بے حکم تھے۔ اور جب بولا ایک فرقہ ان میں، کیوں نصیحت کرتے ہو ایک لوگوں کو، کہ اللہ چاہتا ہے ان کو ہلاک کرے یا

مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا

ان کو عذاب دے سخت ف۲ وہ بولے الزام اتارنے کی غرض سے تمہارے رب کے آگے اور اس لیے کہ شاید وہ ڈریں ف۳ پھر جب وہ بھول گئے اس کو جو

ان کو عذاب کرے سخت؟ بولے، الزام اتارنے کو تمہارے رب کے آگے اور شاید وہ ڈریں۔ پھر جب بھول گئے جو

ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ

ان کو سمجھایا تھا تو نجات دی ہم نے ان کو جو منع کرتے تھے برے کام سے اور پکڑا گناہ گاروں کو برے عذاب میں

ان کو سمجھایا تھا، بچا لیا ہم نے جو منع کرتے تھے برے کام سے، اور پکڑا گنہگاروں کو برے عذاب میں،

بَئِيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً

بسبب ان کی نافرمانی کے ف۴ پھر جب بڑھنے لگے اس کام میں جس سے وہ روکے گئے تھے تو ہم نے حکم کیا کہ ہو جاؤ بندر

بدلہ ان کی بے حکمی کا۔ پھر جب بڑھنے لگے جس کام سے منع ہوا تھا، ہم نے حکم کیا کہ ہو جاؤ بندر

ف۱ حق تعالیٰ نے یہود پر ہفتہ کے دن شکار کرنا حرام کیا تھا۔ باشندگان "ایلہ" کو عدول حکمی اور نافرمانی کی عادت تھی۔ خدا کی طرف سے سخت آزمائش ہونے لگی کہ ہفتہ کے دن دریا میں مچھلیوں کی بے حد کثرت ہوتی۔ جو سطح دریا کے اوپر تیرتی تھیں۔ باقی دنوں میں غائب رہتیں۔ ان لوگوں سے صبر نہ ہو سکا صریح حکم الٰہی کے خلاف حیلے کرنے لگے۔ دریا کا پانی کاٹ لائے، جب ہفتہ کے دن مچھلیاں ان کے بنائے ہوئے حوض میں آجاتیں تو نکلنے کا راستہ بند کر دیتے اور اگلے دن اتوار کو جا کر پکڑ لاتے تا کہ ہفتہ کے دن شکار کرنا صادق نہ آئے۔ گویا اس حرکت سے معاذ اللہ خدا کو دھوکا دینا چاہتے تھے۔ آخر دنیا ہی میں اس کی سزا بھگتی کہ مسخ کر کے ذلیل بندر بنا دیئے گئے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ حیلہ سازی اور مکاری خدا کے آگے پیش نہیں جاتی۔

ف۲ معلوم ہوتا ہے کہ جب انہوں نے حکم الٰہی کے خلاف حیلہ بازی شروع کی تو شہر کے باشندے کئی قسموں پر منقسم ہو گئے جیسا کہ عموماً ایسے حالات میں ہوا کرتا ہے۔ ایک وہ لوگ جنہوں نے اس حیلہ کی آڑ لے کر صریح حکم الٰہی کی خلاف ورزی کی۔ دوسرے نصیحت کرنے والے جو اخیر تک فہمائش اور امر بالمعروف میں مشغول رہے۔ تیسرے جنہوں نے ایک آدھ مرتبہ نصیحت کی پھر مایوس ہو کر اور ان کی سرکشی سے تھک کر چھوڑ دی۔ چوتھے وہ ہوں گے جو نہ اس عمل شنیع میں شریک ہوئے اور نہ منع کرنے کے لیے زبان کھولی، بالکل علیحدہ اور خاموش رہے۔ موخر الذکر دو جماعتوں نے انتھک نصیحت کرنے والوں سے کہا ہوگا کہ ان متمردین کے ساتھ کیوں مغز زنی کر کے دماغ کھپاتے ہو جن سے کوئی توقع قبول حق کی نہیں۔ ان کی نسبت تو معلوم ہوتا ہے کہ دو باتوں سے ایک بات ضرور پیش آنے والی ہے۔ یا خدا ان کو بالکل تباہ و ہلاک کر دے اور یا کسی سخت ترین عذاب میں مبتلا کرے۔ کیونکہ یہ لوگ اب کسی نصیحت پر کان دھرنے والے نہیں۔

ف۳ یعنی شاید سمجھاتے رہنے سے کچھ ڈر جائیں اور اپنی حرکات شنیعہ سے باز آجائیں۔ ورنہ کم از کم ہم پروردگار کے سامنے عذر تو کر سکتے ہیں کہ خدایا ہم نے آخر دم تک نصیحت و فہمائش میں کوتاہی نہیں کی۔ یہ نہ مانے تو ہم پر اب کیا الزام ہے؟ گویا یہ ناصحین اول تو بالکلیہ مایوس نہ تھے، دوسرے "عزیمت" پر عمل کر رہے تھے کہ =

خٰسِئِیْنَ ⑯
ذلیل فا
پھٹکارے۔

قصۂ اصحاب سبت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ... الی ... كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں بنی اسرائیل کے حالات اور واقعات کو بیان کیا اب ان آیات میں بنی اسرائیل کے آباء واجداد کی کفران نعمت اور ان کی سرکشی اور تمرد کا ایک قصہ ذکر کرتے ہیں جو یہود کو بخوبی معلوم ہے جس سے غرض یہ بتلانا ہے کہ احکام خداوندی سے دیدہ ودانستہ انحراف ان کی جبلی اور آبائی خصلت ہے جس کی ہمیشہ ان کو سزا ملتی رہی اور اسی وجہ سے ان کو بندر بنایا گیا اور انسانی صورت سے حیوانی صورت میں مسخ کیے گئے جو انتہائی ذلت ہے اور عبرتناک سزا ہے اور یہ قصہ داود علیہ السلام کے زمانے میں پیش آیا جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گزرا۔ یہود پر ہفتہ کے دن شکار کرنا منع تھا اس وقت ان میں تین قسم کے لوگ تھے ایک وہ کہ جو نافرمانی کرتے تھے دوسرے یہ کہ وہ جو خود نافرمانی نہیں کرتے تھے مگر دوسروں کو منع بھی نہ کرتے تھے۔ تیسرے وہ لوگ جو خود بھی نافرمانی نہیں کرتے تھے اور دوسروں کو نافرمانی کرنے سے منع کرتے تھے حتیٰ کہ منع کرنے والوں نے شکار کرنے والوں سے ملنا بھی چھوڑ دیا تھا اور بستی کے درمیان ایک دیوار بھی قائم کر لی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان بستی والوں کے حال سے خبر دی کہ کس گروہ پر عذاب آیا اور کس گروہ نے عذاب الٰہی سے نجات پائی چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی آپ ان ظالم یہودیوں سے جو اپنے ظلم اور فسق کے منکر ہیں بطور تہدید وتوبیخ اس شہر کا حال پوچھیے کہ جو دریا کے روبرو تھا اس شہر کا نام ایلہ تھا جو بحر قلزم کے کنارہ پر واقع تھا ان پر ہفتہ کے دن کی تعظیم فرض تھی اور اس دن مچھلیوں کا شکار ان پر حرام تھا۔ ان کو یہ حکم تھا کہ اس دن دنیا کے کاموں میں مشغول نہ رہیں۔ مگر ان لوگوں نے حکم کی خلاف ورزی کی اور داود علیہ السلام کی زبان پر

= مایوسی کے باوجود بھی ان کا تعاقب نہیں چھوڑتے۔

ف۱۴ یعنی جب ان نالائقوں نے تمام نصیحتوں کو بالکل ایسا بھلا دیا گویا سنا ہی نہیں، تو ہم نے ناصحین کو بچا کر ظالمین کو سخت عذاب میں گرفتار کر دیا۔ اَلَّذِیْنَ یَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ کا عموم الفاظ دلالت کرتا ہے کہ جو نصیحت سے تھک کر ﴿لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا﴾ الخ کہنے لگے اور جنہوں نے اخیر تک سلسلہ وعظ ونصیحت کا جاری رکھا، ان دونوں کو نجات ملی۔ صرف ظالم پکڑے گئے۔ یہی عکرمہ سے منقول ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کے فہم کی داد دی ہے۔ باقی جو لوگ اول سے آخر تک بالکل ساکت رہے، خدا نے بھی ان کے ذکر سے سکوت فرمایا۔ ابن کثیر نے خوب لکھا ہے۔ فَنَصَّ عَلٰی نجاۃ الناھین وَھلاک الظَّالِمِیْنَ وَسَکَتَ عن الساکتین لان الجزاء من جنس العمل فھم لا یستحقون مدحا فیمدحوا ولا ارتکبوا عظیما فیذموا (ابن کثیر ۵۷۶) ورجع بعد ذلک قول عکرمۃ واللّٰہ اعلم۔

ف۱ شاید پہلے اور عذاب آیا ہوگا، جب بالکل حد سے گزر گئے تب ذلیل بندر بنائے گئے، یا فَلَمَّا عَتَوْا الخ کو گزشتہ آیت ﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ﴾ الخ کی تفسیر قرار دیا جائے یعنی وہ ﴿عَذَابٍۭ بَئِيْسٍ﴾ یہی بندر بنا دینا تھا۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ "منع کرنے والوں نے شکار والوں سے ملنا چھوڑ دیا اور بیچ میں دیوار اٹھائی۔ ایک دن صبح کو اٹھے تو دوسروں کی آواز نہ سنی، دیوار پر سے دیکھا، ہر گھر میں بندر تھے وہ آدمیوں کو پہچان کر اپنے قرابت والوں کے پاؤں پر سر رکھنے لگے اور رونے لگے۔ آخر برے حال سے تین دن میں مر گئے۔"

ملعون اور بندر اور لنگور بنے اور " وسئلھم " میں جو استفہام کا حکم دیا گیا وہ بغرض حصول علم نہیں بلکہ اس سے مقصود یہودیوں کو ملامت اور سرزنش کرنا ہے اور ان کے تمرد اور سرکشی کے ایک واقعہ کو یاد دلانا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے نبی کریم (ﷺ) آپ ان یہود بے بہبود سے (جن میں ظلم اور فسق پشت ہا پشت سے چلا آ رہا ہے)۔

اس بستی والوں کا حال پوچھئے جو کہ سمندر کے کنارہ پر تھی کہ جب وہ ہفتہ کے بارہ میں حد سے تجاوز کرنے لگے یعنی ان کو ہفتہ کے دن شکار کرنے کی ممانعت تھی ان لوگوں نے اس کی حرمت کو توڑ ڈالا۔ جبکہ آتی تھیں ان کے پاس انکی مچھلیاں ان کے ہفتہ کے دن جس دن انہیں مچھلی کا شکار منع تھا۔ اسی دن مچھلیاں آتیں ظاہر ہو کر کہ پانی کے اوپر اپنا سر اٹھائے ہوئے۔ تا کہ وہ ان کو دیکھ کر للچائیں اور جس دن ہفتہ نہ ہوا اس دن نہیں آتی تھیں یوں ہی ہم ان کا امتحان لینے لگے کہ جب ہفتہ کا دن ہوتا تو مچھلیاں آتیں اور جب ہفتہ کا دن نہ ہوتا تو مچھلی کی صورت بھی نظر نہ آتی اس لیے یہ لوگ نافرمان تھے۔ یعنی چونکہ یہ لوگ نافرمانی کے عادی ہو گئے تھے اس لیے ہم نے ان کا امتحان لیا۔ تا کہ حجت پوری ہو جائے۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ جب ہفتہ کا دن ہوتا تو مچھلیاں بکثرت پانی پر ظاہر ہوتیں اور ہفتہ کے بعد غائب ہو جاتیں یہ دیکھ کر صبر کرنا مشکل ہوا اور سوچا کہ ہفتہ کے دن کہ جب مچھلیاں پانی پر ظاہر ہو جاتی ہیں اس دن شکار کرنا ممنوع ہے اس لیے متردد ہوئے اور حیران ہو کر یہ حیلہ نکالا کہ سمندر کے کنارے حوض بنا دیئے اور سمندر سے حوضوں میں پانی آنے کے لیے چھوٹی چھوٹی نالیاں بنا دیں جب ہفتہ کی صبح ہوتی چھوٹی چھوٹی نالیوں کے ذریعہ سمندر کا پانی ان حوضوں میں بھر لیتے پانی کے ساتھ بیشمار مچھلیاں بھی ان حوضوں میں جمع ہو جاتیں شام کو حوضوں کا منہ بند کر کے نالیوں کا سلسلہ ان سے منقطع کر دیتے تا کہ مچھلیاں پھر نہ سمندر میں چلی جائیں۔ دوسرے دن جب اتوار آتا تو ان مچھلیوں کو پکڑ لیتے اور تاویل یہ کرتے کہ ہم نے ہفتہ کے دن شکار نہیں کیا۔

قاعدہ ہے کہ بستی کے تمام آدمی یکساں نہیں ہوتے۔ اس بستی کے آدمی بھی تین فریق ہو گئے ایک فریق تو وہ کہ جو ہفتہ کے دن شکار کرتا تھا۔ دوسرا فریق وہ کہ جو ان کو اس برے عمل سے منع کرتا تھا حتی کہ جب وہ نہ مانے تو شہر کے اندر دیوار قائم کر کے اپنا ٹکڑا الگ کر لیا۔ تیسرا فریق وہ کہ جو نہ شکار کرتا تھا اور نہ شکار کرنے والوں کو منع کرتا تھا۔ جیسا کہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو کہ جب بستی والوں کے ایک گروہ نے جو نہ شکار کرتا تھا اور نہ شکار کرنے والوں کو منع کرتا تھا، اس گروہ سے جو اوروں کو شکار کرنے سے منع کرتا تھا ناامید ہو کر یہ کہا کہ تم ان لوگوں کو نصیحت کرتے ہو جن پر تمہاری نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کرنے والا ہے یا اگر بالکلیہ ان کو ہلاک نہ کیا تو ان کو سخت عذاب دینے والا ہے۔ ایسے لوگوں کو نصیحت کرنے سے کیا فائدہ؟ تو منع کرنے والے گروہ نے کہا کہ ہمارا یہ نصیحت کرنا پروردگار کے سامنے عذر کرنے کے لیے ہے کہ پروردگار نے ہم پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کیا ہے سو ہم اس لیے نصیحت کرتے ہیں کہ ہم اللہ کے روبرو یہ کہہ سکیں کہ اے پروردگار ہم معذور ہیں اور شاید وہ کسی وقت اس فعل سے باز آ جائیں اور ہماری نصیحت کا اثر آئندہ کسی وقت میں ظاہر ہو کر وہ خدا سے ڈر جائیں اور گناہ کو چھوڑ دیں مگر وہ کب باز آنے والے تھے پس بالآخر جب انہوں نے اس نصیحت کو بھلا دیا جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ان کو برے کام سے منع کرتے تھے اور ظالموں کو سخت عذاب میں پکڑ لیا بسبب اس کے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے پس جب انہوں نے سرکشی کی اور جس بات کی ان

کو ممانعت کی گئی تھی اس میں حد سے بڑھ گئے۔ یعنی مچھلی کے شکار کو نہ چھوڑا تو ہم نے ازراہ قہر و غضب ان کے لیے حکم دے دیا کہ ہوجاؤ بندر ذلیل چنانچہ وہ بندر اور لنگور بن گئے۔

اور شیخ جلال الدین سیوطی نے درمنثور میں روایتیں نقل کی ہیں کہ تین دن کے بعد یہ سب بندر مر گئے اور ان کی نسل نہیں چلی۔ ان آیات کے ظاہری سیاق سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ظالموں اور فاسقوں کو اولاً کسی ﴿عذاب بئیس﴾ (عذاب شدید) میں پکڑا تا کہ متنبہ ہوجائیں اور باز آجائیں مگر جب یہ دلیر ہوگئے اور سرکشی میں حد سے نکل گئے تو ان کو بندر بنا دیا گیا۔ سو یہ عذاب مسخ اس عذاب بئیس کے علاوہ ہے جس کا پہلی آیت میں ذکر ہے۔

اور بعض علماء تفسیر یہ کہتے ہیں کہ یہ دوسری آیت پہلی آیت کی تفسیر اور تفصیل ہے اور گزشتہ آیت میں جو ﴿عذاب بئیس﴾ کا ذکر تھا اس سے یہی عذاب مسخ مراد ہے۔

لطائف ومعارف

۱- اس آیت سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض ہے البتہ اگر ناصح بالکل مایوس ہوجائے اور اس کو نصیحت کے اثر کی امید نہ رہے تو پھر نصیحت واجب نہیں رہتی مگر عزیمت اور فضیلت اسی میں ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو جاری رکھا جائے اس زمانے میں جو لوگ بے باک لوگوں اور آزاد منشوں کے ساتھ خلا ملا رکھتے ہیں ان کو اس سے عبرت پکڑنی چاہئے۔

۲- جو لوگ ڈارون کی تھیوری پر بلا دلیل ایمان رکھتے ہیں کہ انسان اصل میں بندر تھا ترقی کر کے انسان بن گیا ان کے سامنے جب خدا کے نافرمانوں اور سرکشوں کے بندر بنائے جانے کی خبر دی جاتی ہے تو ان کی تیوریوں پر بل پڑ جاتے ہیں۔ کیونکہ صاحب آپ کے نزدیک جب بندر ترقی کر کے انسان بن سکتا ہے تو انسان تنزلی کر کے بندر بھی بن سکتا ہے خاص کر آپ کے نزدیک کہ جب انسان کی اصل ہی بندر ہے تو شئی کا اپنی اصل کی طرف لوٹ جانا کیوں محال ہے۔ جس دلیل سے حیوان کا انسان بننا ممکن ہے اسی دلیل سے انسان کا حیوان بننا بھی ممکن ہے دلیل بیان کیجئے کہ کس دلیل سے انسان کا بندر بن جانا عقلاً محال ہے۔ کوئی عقلی دلیل پیش کیجئے یا کسی زمانہ کا تجربہ اور مشاہدہ پیش کیجئے کہ فلاں زمانے میں اتنے بندر انسان بنے تھے۔

کہ برہاں قوی باید ومعنوی
نہ رگ ہائے گردن نہ حجت قوی

اور مسخ کی تحقیق سورۂ بقرہ کے اس آیت کی تفسیر میں یعنی ﴿قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ﴾ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

۳- اس آیت میں حق جل شانہ نے ظالمین کے عذاب اور واعظین اور ناصحین کی نجات کا ذکر فرمایا مگر جو لوگ از اول تا آخر ساکت رہے حق تعالیٰ نے ان کے ذکر سے سکوت فرمایا نہ ان کے عذاب کا ذکر کیا نہ ان کی نجات کا ذکر کیا اس لیے

کہ جزاء جنس عمل سے ہوتی ہے یہ ساکتین کا گروہ نہ مستحق مدح کا ہوا کہ ان کی مدح کی جاتی اور نہ مرتکب نہی کا ہوا جو ان کی مذمت کی جاتی۔ اس لیے علماء نے اختلاف کیا کہ ساکتین کا گروہ ناجین (نجات پانے والوں میں) رہا یا ہالکین اور معذبین میں رہا۔ اس لیے ادب کا مقتضا یہ ہے کہ جس کے ذکر سے حق تعالیٰ نے سکوت کیا ہم بھی اس کے ذکر سے سکوت کریں۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر: ۲/۲۵۸)

۴- واعظین نے اپنے اور سرکشوں کے درمیان شہر میں ایک دیوار قائم کر لی تھی جس سے شہر اس طرح تقسیم ہو گیا تھا مگر اس درمیانی دیوار میں آمدورفت کے لیے ایک دروازہ کھول لیا تھا جو رات کے وقت بند کر دیا جاتا تھا جس رات کو نافرمان لوگ ذلیل وخوار بندر بنا دیئے گئے تو وہ دروازہ بند تھا صبح ہوئی تو دوسری جانب سے کوئی آواز نہ آئی صالحین نے ایک شخص کو دیوار پر چڑھایا دیکھا تو دم دار بندر بنے ہوئے ہیں پس جب یہ لوگ اندر داخل ہوئے تو یہ لوگ تو اپنے کسی رشتہ دار کو نہیں پہچانتے تھے مگر وہ بندر اپنے اہل قرابت کو پہچان کر آتے اور ان کے کپڑے سونگھتے اور روتے اور یہ لوگ کہتے کہ کیا ہم نے تم کو منع نہیں کیا تھا تو سر ہلاتے کہ ہاں بیشک تم نے منع کیا تھا۔ بالآخر تین روز کے بعد سب ہلاک ہو گئے (دیکھو تفسیر قرطبی: ۷/۳۰۶)

۵- جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں تین فرقے تھے ایک ظالمین اور فاسقین کا یعنی نافرمانوں کا دوسرا واعظین اور ناصحین کا اور تیسرا ساکتین کا، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ جو فرقہ ساکت رہا اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ وہ ہلاک نہیں ہوا کیونکہ اس نے ان نافرمانوں کے فسق اور معصیت کو برا جانا اور ان کی مخالفت کی اور اسی وجہ سے یہ کہا ﴿لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا﴾ الخ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول پسند آیا اور خوش ہو کر ان کو ایک خلعت پہنایا۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ﴿وَاَخَذْنَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا﴾ سے اور ﴿وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِیْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِی السَّبْتِ﴾ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ صرف فرقہ عادیہ اور عاصیہ ہلاک ہوا۔ باقی دو فرقے ہلاک نہیں ہوئے۔ واللہ اعلم (دیکھو تفسیر قرطبی: ۷/۳۰۷)

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْهِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ یَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ

اور اس وقت کو یاد کرو جب خبر کر دی تھی تیرے رب نے کہ ضرور بھیجتا رہے گا یہود پر قیامت کے دن تک ایسے شخص کو کہ دیا کرے ان کو برا عذاب ف۱۔

اور وہ وقت یاد کر کہ خبر دی تیرے رب نے، البتہ کھڑا رکھے گا یہود پر قیامت کے دن تک کوئی شخص کہ دیا کرے ان کو بری مار۔

ف۱ یعنی خدا کی طرف سے بحتہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ یہود اگر احکام تورات پر عمل کرنا چھوڑ دیں گے تو حق تعالیٰ قرب قیامت تک وقتاً فوقتاً ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو برے عذاب میں مبتلا رکھیں گے۔ برا عذاب یہاں محکومانہ زندگی کو فرمایا۔ چنانچہ قوم یہود کبھی یونانی اور کلدانی بادشاہوں کے زیر حکومت رہی۔ کبھی "بخت نصر" وغیرہ کے شدائد کا تختہ مشق بنی۔ آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک تک مجوسیوں کی باج گزار رہی۔ پھر مسلمان حکمرانوں کو ان پر مسلط فرما دیا۔ غرض اس وقت سے آج تک ان کو من حیث القوم عزت و آزادی کی زندگی نصیب نہیں ہوئی۔ بلکہ جہاں کہیں رہے اکثر ملوک وحکام کی طرف سے سخت ذلت اور خطرناک تکلیفیں اٹھاتے رہے۔ ان کا مال و دولت وغیرہ کوئی چیز اس غلامی ومحکومیت کی لعنت سے نجات نہ دے سکی اور نہ قیامت تک دے سکے گی۔ آخر میں جب یہ لوگ دجال کے مددگار ہو کر نکلیں گے تو حضرت مسیح علیہ السلام کے مسلمان رفقاء کے ہاتھوں سے تہ تیغ کیے جائیں گے۔ کما ورد فی الحدیث۔

رَبَّكَ لَسَرِيۡعُ الۡعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۶۷﴾ وَقَطَّعۡنٰهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ اُمَمًا ۚ مِنۡهُمُ

بیشک تیرا رب جلد عذاب کرنے والا ہے اور وہ بخشنے والا مہربان ہے ف۱ اور متفرق کر دیا ہم نے ان کو ملک میں فرقے فرقے ف۲ بعضے ان میں

تیرا رب شتاب سزا دیتا ہے، اور وہ بخشتا بھی ہے مہربان۔ اور متفرق کیا ہم نے ان کو ملک میں فرقے فرقے۔ بعضے ان میں

الصّٰلِحُوۡنَ وَمِنۡهُمۡ دُوۡنَ ذٰلِكَ ۫ وَبَلَوۡنٰهُمۡ بِالۡحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۱۶۸﴾

نیک اور بعضے اور طرح کے اور ہم نے ان کی آزمائش کی خوبیوں اور برائیوں میں تاکہ پھر آئیں ف۳

نیک اور بعضے اور طرح کے۔ اور آزمایا ان کو خوبیوں میں اور برائیوں میں، شاید وہ پھر آویں۔

فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ وَّرِثُوا الۡكِتٰبَ يَاۡخُذُوۡنَ عَرَضَ هٰذَا الۡاَدۡنٰى وَيَقُوۡلُوۡنَ

پھر ان کے پیچھے آئے ناخلف جو وارث بنے کتاب کے لے لیتے ہیں اسباب اس ادنیٰ زندگانی کا اور کہتے ہیں کہ

پھر ان کے پیچھے آئے ناخلف وارث کتاب کے، لیتے اسباب ادنیٰ زندگی کا، اور کہتے ہیں کہ

سَيُغۡفَرُ لَنَا ۚ وَاِنۡ يَّاۡتِهِمۡ عَرَضٌ مِّثۡلُهٗ يَاۡخُذُوۡهُ ؕ اَلَمۡ يُؤۡخَذۡ عَلَيۡهِمۡ مِّيۡثَاقُ الۡكِتٰبِ

ہم کو معاف ہو جائے گا اور اگر ایسا ہی اسباب ان کے سامنے پھر آئے تو اس کو لے لیویں ف۴ کیا ان سے کتاب میں

ہم کو معاف ہوگا۔ اور اگر ایسا ہی اسباب پھر آوے تو لے لیویں۔ کیا ان پر عہد نہیں لیا ؟ کتاب کے حق میں

اَنۡ لَّا يَقُوۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الۡحَـقَّ وَدَرَسُوۡا مَا فِيۡهِ ؕ وَالدَّارُ الۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لِّـلَّذِيۡنَ

عہد نہیں لیا گیا کہ نہ بولیں اللہ پر سوا سچ کے اور انہوں نے پڑھا ہے جو کچھ اس میں لکھا ہے اور آخرت کا گھر بہتر ہے

کہ نہ بولیں اللہ پر سوا سچ کے، اور پڑھا انہوں نے جو لکھا ہے اس میں۔ اور پچھلا گھر بہتر ہے

ف۱ یعنی جو شرارت سے باز نہ آئے۔ بعض اوقات اس پر جلدی دنیا ہی میں عذاب بھیجنا شروع کر دیتا ہے اور کیسا ہی کٹر مجرم توبہ کرلے اور نادم ہو کر خدا کی طرف رجوع ہو تو اس کی بخشش و رحمت بھی بے پایاں ہے معاف کرتے ہوئے بھی دیر نہیں لگتی۔

ف۲ یہود کی دولت برہم ہوئی تو آپس کی مخالفت سے ہر طرف نکل گئے۔ کوئی اجتماعی قوت و شوکت نہ رہی اور مذہب مختلف پیدا ہوئے۔ یہ احوال اس امت کو عبرت کے لیے سنائے جا رہے ہیں۔

ف۳ یعنی کچھ افراد ان میں نیک بھی تھے۔ مگر اکثریت کافروں اور فاسقوں کی تھی۔ ان اکثروں کے لیے بھی ہم رجوع و انابت الی اللہ کے مواقع بہم پہنچاتے رہے۔ کبھی ان کو عیش و تنعم میں رکھا، کبھی سختی اور تکلیف میں مبتلا کیا کہ ممکن ہے احسان مان کر یا سختیوں سے ڈر کر توبہ کریں اور خدا کی طرف رجوع ہوں۔

ف۴ یعنی اگلوں میں تو کچھ صالحین بھی تھے پچھلے ایسے ناخلف ہوئے کہ جس کتاب (تورات شریف) کے وارث و حامل بنے تھے، دنیا کا تھوڑا سامان لے کر اس کی آیات میں تحریف و کتمان کرنے لگے اور رشوتیں لے کر احکام تورات کے خلاف فیصلے دینے لگے۔ پھر اس پر ستم ظریفی دیکھئے کہ ایسے نالائق اور پاجیانہ حرکات کا ارتکاب کرتے ہوئے یہ عقیدہ اور دعویٰ رکھتے ہیں کہ ان باتوں سے ہم کو مضرت کا کچھ اندیشہ نہیں۔ ہم تو خدا کی اولاد اور اس کے محبوب ہیں۔ کچھ بھی کریں وہ ہماری بے اعتدالیوں سے ضرور درگزر کرے گا۔ اسی عقیدہ کی بناء پر تیار رہتے ہیں کہ آئندہ جب موقع ہو پھر رشوت لے کر اسی طرح کی بے ایمانی کا اعادہ کریں۔ گویا بجائے اس کے کہ گزشتہ حرکات پر نادم ہوتے اور آئندہ کے لیے عزم رکھتے کہ ایسی حرکات کا اعادہ نہ کریں گے۔ مگر اللہ سے مامون ہو کر ان ہی شرارتوں اور بے ایمانیوں کے اعادہ کا عزم رکھتے ہیں، اس سے زیادہ حماقت اور بے حیائی کیا ہو گی؟

يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ

ڈرنے والوں کے لیے کیا تم سمجھتے نہیں ف۱ اور جو لوگ خوب پکڑ رہے ہیں کتاب کو اور قائم رکھتے ہیں نماز کو، بیشک ہم ضائع نہ کریں گے

ڈر والوں کو، کیا تم کو بوجھ نہیں ؟ اور جو لوگ پکڑ رہے ہیں کتاب اور قائم رکھتے ہیں نماز۔ ہم ضائع نہ کریں گے

اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ

ثواب نیکی والوں کا ف۲ اور جس وقت اٹھایا ہم نے پہاڑ ان کے اوپر مثل سائبان کے اور ڈرے کہ وہ ان پر

ثواب نیکی والوں کا۔ اور جس وقت اٹھایا ہم نے پہاڑ ان کے اوپر جیسے سائبان، اور ڈرے کہ وہ گرے گا ان پر،

خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ ع ۲۱/۹ ۱۱

گرے گا ہم نے کہا پکڑو جو ہم نے تم کو دیا ہے زور سے اور یاد رکھو جو اس میں ہے تاکہ تم بچتے رہو ف۳

پکڑو جو ہم نے دیا ہے زور سے، اور یاد کرتے رہو جو اس میں ہے شاید تم کو ڈر ہو۔

ذکر تسلیط عذاب ذلت بر یہود تا روز قیامت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ... الى ... لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں یہود کے بعض شنائع اور قبائح کا بیان تھا اور یہود کی ایک خاص جماعت کی ایک وقتی ذلت کا ذکر تھا کہ ذلیل وحقیر بندر اور لنگور بنا دیئے گئے اب ان آیات میں تمام یہود کی دائمی ذلت کا بیان ہے کہ تمرد اور سرکشی کی وجہ سے قیامت تک ان پر ذلت اور حقارت کی مہر لگا دی گئی۔ قیامت تک دوسرے لوگ ان پر مسلط رہیں گے اور ان کی کہیں حکومت نہ ہوگی۔ دوسروں کی حکومتوں میں رہیں گے اور طرح طرح کی ذلتیں سہتے رہیں گے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کم بختوں سے یہ

ف۱ یعنی تورات میں جو عہد لیا گیا تھا کہ "خدا کی طرف سچ کے سوا کسی چیز کی نسبت نہ کریں۔" کیا وہ انہیں معلوم نہیں جو اس کی کتاب اور احکام میں قطع و برید کر کے اس پر افتراء کرنے لگے، حالانکہ "کتاب اللہ" (تورات) کو یہ لوگ پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس کا مضمون انہیں معلوم نہیں یا یاد نہیں رہا حقیقت وہی ہے کہ دنیا کی فانی متاع کے عوض انہوں نے دین وایمان بیچ ڈالا اور آخرت کی تکلیف وراحت سے آنکھیں بند کر لیں۔ اتنا نہ سمجھے کہ جو لوگ خدا سے ڈرتے اور تقویٰ کی راہ اختیار کرتے ہیں ان کے لیے آخرت کا گھر اور وہاں کا عیش وتنعم دنیا کی خوشحالی سے کہیں بہتر اور فائق ہے۔ کاش کہ اب بھی انہیں عقل آجائے۔

ف۲ یعنی توبہ اور اصلاح حال کا دروازہ اب بھی کھلا ہے جو لوگ شریروں کی راہ چھوڑ کر تورات کی اصلی ہدایات کو تھامے رہیں اور اسی کی ہدایت وپیشین گوئی کے موافق اس وقت قرآن کریم کا دامن مضبوط پکڑے رہیں اور خدا کی بندگی (نماز وغیرہ) کا حق ٹھیک ٹھیک ادا کریں۔ غرض اپنی اور دوسروں کی اصلاح پر متوجہ ہوں۔ خدا ان کی محنت ضائع نہ کرے گا وہ بلاشبہ اپنی محنت کا میٹھا پھل چکھیں گے۔

ف۳ یعنی جو "میثاق الکتاب" (عہد واقرار) انہیں یاد دلایا جا رہا ہے، وہ ایسے اہتمام سے لیا گیا تھا کہ پہاڑ اٹھا کر ان کے سروں پر لٹکا دیا گیا اور کہا گیا کہ جو کچھ تم کو دیا جا رہا ہے (تورات وغیرہ) اسے پوری مضبوطی اور عزم سے تھامو اور جو نصیحتیں کی گئیں انہیں ہمیشہ یاد رکھو۔ ورنہ بصورت انکار سمجھ لو کہ خدا تم پر یہ پہاڑ گرا کر ہلاک کر سکتا ہے۔ اس قدر اہتمام اور تخویف وتاکید سے جو قول وقرار لیا گیا تھا، افسوس ہے وہ بالکل فراموش کر دیا گیا۔ یہ "رفع جبل" کا قصہ سورۂ بقرہ میں ربع پارہ الم کے بعد گزر چکا ہے، ملاحظہ فرما لیا جائے۔

عہد لیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ پر افتراء نہ کرنا اور یہ عہد ان کی کتاب میں موجود ہے اور ان کو خوب معلوم ہے مگر باوجود اس کے اس عہد کو توڑا اور محض دنیاوی طمع کی وجہ سے احکام میں تحریف کی اور خدا کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کیں اور دن رات اسی میں مشغول رہے اس لیے یہود پر یہ عذاب مسلط کیا گیا کہ ہمیشہ مقہور اور مغلوب اور محکوم رہیں گے چنانچہ ابتداء میں یہود، یونانی اور کلدانی بادشاہوں کے محکوم رہے اور بعد میں بخت نصر کے مظالم کا تختۂ مشق بنے آخر میں نبی اکرم ﷺ کے عہد تک مجوسیوں کے باج گزار رہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو مسلمانوں کا محکوم بنا دیا اور تقریباً چودہ سو سال تک مسلمان حکومتوں کے باج گزار رہے اور اب بیس سال جو فلسطین میں برائے نام اسرائیل کے نام سے حکومت قائم ہوئی ہے وہ یہودیوں کی حکومت نہیں بلکہ امریکہ اور برطانیہ کی ایک چھاؤنی ہے اور اس مختصر رقبہ کے یہودی باشندے امریکہ اور برطانیہ کے سہارے سے زندہ ہیں۔ اور امریکی حکومت کے غلام ہیں۔ اور عجب نہیں کہ فلسطین میں یہودیوں کا یہ اجتماع خروج دجال اور نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا پیش خیمہ ہو۔ کیونکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ دجال قوم یہود سے ہوگا اور جب وہ ظاہر ہوگا تو یہودی اس کے مددگار ہوں گے۔ اس وقت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کریں گے اور تمام یہود، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مسلمان رفقاء کے ہاتھوں تہ تیغ کیے جائیں گے جیسا کہ یہ مضمون احادیث متواترہ سے ثابت ہے جس میں نہ کسی شک اور شبہ کی گنجائش ہے اور نہ کسی تاویل کی گنجائش ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی کریم ﷺ وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے کہ تیرے پروردگار نے انبیاء بنی اسرائیل کی معرفت اس بات سے آگاہ کر دیا کہ ان یہودیوں پر ان کی نافرمانیوں اور سرکشیوں کی سزا میں قیامت تک ایسے لوگوں کو مسلط رکھے گا جو ان کو بری طرح کا عذاب پہنچاتے رہیں یعنی ان کی شرارت اور خباثت کی وجہ سے ہم نے یہ لکھ دیا ہے کہ وہ ہمیشہ ذلیل اور دوسروں کے محکوم رہیں گے بعث سے یہاں تسلط کے معنی مراد ہیں کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ﴾ چنانچہ ابتداء سے لے کر اب تک یہودی کسی نہ کسی سلطنت کے محکوم اور مقہور ہی چلے آتے ہیں بیشک تیرا پروردگار جب چاہے جلد سزا دینے والا ہے کہ جب گستاخی اور سرکشی میں حد سے گزر گئے تو دم کے دم میں بندر اور لنگور بنا دیا اور بیشک وہ توبہ کرنے والوں کے لیے بخشنے والا مہربان ہے کہ مغفرت کے بعد مہربانی بھی فرماتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کفار پر دنیا میں عذاب نازل کرتا ہے اور اہل ایمان کو اپنی مغفرت اور رحمت سے نوازتا ہے اور ہم نے بنی اسرائیل کو دنیا میں متفرق اور پراگندہ کر دیا فرقے فرقے تاکہ ان کی شوکت باقی نہ رہے دنیا میں متفرق ہو گئے کوئی کسی طرف نکل گیا اور کوئی کسی طرف کوئی اجتماعی قوت اور شوکت نہ رہی اور مختلف جماعتیں اور مختلف مذاہب بن گئے بعضے ان میں سے شائستہ اور نیکوکار تھے جنہوں نے دین میں کوئی تحریف و تبدیلی نہیں کی تھی۔ یہ لوگ زیادہ تر حضرت عیسیٰ کے زمانے سے پہلے تھے اور بعض ان میں سے اس کے برعکس اور برخلاف تھے جنہوں نے دین موسوی کو بدل دیا تھا اور تنبیہ کے لیے ہم نے ان کو راحتوں اور تکلیفوں سے آزمایا تاکہ وہ ہماری طرف رجوع کریں۔ راحت اور مصیبت دونوں میں انسان کی آزمائش ہے نعمت اور راحت کی حالت میں اللہ کا شکر کرنا چاہئے اور مصیبت کے وقت میں اللہ سے ڈرنا چاہئے یہ حالت تو ان کے سلف کا ہوا پھر ان کے بعد برے جانشین آئے جو توریت کے وارث ہوئے یعنی توریت کے عالم کہلائے لیکن حالت یہ ہوئی کہ علم دین کو فروخت کرنے لگے کہ اس خسیس اور حقیر دنیا کا مال و متاع

حاصل کرتے ہیں یعنی لوگوں سے رشوت لے کر ان کی خاطر احکام الٰہی میں تبدیلی کرتے ہیں اس سے آنحضرت ﷺ کے زمانے کے احبار یہود مراد ہیں اور اس درجہ بے باک ہوگئے ہیں کہ جرم کرتے جاتے ہیں اور ساتھ ساتھ یہ کہتے ہیں کہ ہماری مغفرت ہوجائے گی اور ہمارے گناہ معاف ہوجائیں گے ان کا گمان یہ تھا کہ ہم ابناء اللہ اور احباء اللہ ہیں اور اس کے مقبول بندے ہیں ہمارے دن کے گناہ رات کو اور رات کے گناہ دن کو معاف ہوجاتے ہیں۔ غرض یہ کہ رشوت لینے کو گناہ جانتے تھے اور حال یہ تھا کہ اگر ان کے پاس پھر اسی قسم کا حرام مال آجائے تو اس کو بھی بے دھڑک لے لیں گے مطلب یہ کہ گناہ پر دلیر ہیں اور کبھی اس کے چھوڑنے کا خیال بھی نہیں آتا اور باایں ہمہ خدا سے یہ باطل امید لگائے بیٹھے ہیں کہ ہم جو گناہ کریں گے وہ معاف ہوجائیں گے۔ کیا ان رشوت لینے والوں سے کتاب (توریت) میں یہ عہد نہیں لیا گیا کہ اللہ کی طرف سوائے حق کے کوئی بات منسوب نہ کریں اور یہ لوگ دن رات اللہ کے کلام میں تحریف کرتے ہیں اور اس کلام کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ وہ اللہ کا کلام نہیں نیز یہ لوگ اللہ پر یہ بہتان باندھتے ہیں کہ وہ ان بدکاروں کو بخش دیگا اور حالانکہ ان لوگوں نے اس مضمون کو پڑھا بھی ہے جو اس کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کو اس امر کا بخوبی علم ہے کہ اللہ کے کلام میں تحریف کفر ہے اور معصیت خداوندی کو ضعیف اور حقیر سمجھنا اور بے دھڑک اس کو کیے چلے جانا یہی کفر ہے اور یہ کہنا کہ اللہ ہمارے ان جرائم کو بخش دے گا۔ یہ اللہ پر بہتان باندھنا ہے یہ سب باتیں ان کو معلوم ہیں اور خوب مستحضر ہیں۔ جاہل اور بے خبر نہیں اس لیے کہ اللہ کی کتاب یعنی توریت کو پڑھتے اور پڑھاتے رہتے ہیں مگر باوجود اس علم کے دیدہ و دانستہ جرائم پر دلیر اور بے باک بنے ہوئے ہیں صرف دنیا ہی دنیا ان کے پیش نظر ہے اور یہ نہیں سمجھتے کہ دار آخرت کا ثواب ان لوگوں کے لیے جو حرام سے بچتے ہیں دنیائے فانی کے مال و متاع سے کہیں بہتر ہے۔ اے یہود بے بہود! کیا تم اس بات کو نہیں سمجھتے کہ دار بقاء کا ثواب اس دار فانی کے مال و متاع سے بدرجہا بہتر ہے جسے تم خدا کی نافرمانی کر کے حاصل کرتے ہو بڑے ہی نادان ہیں کہ انجام پر نظر نہیں اور ارتکاب معاصی پر مغفرت کی امید لگائے بیٹھے ہیں۔

واگہے پندارد آں تاریک رائے
خواہد آمرزیدنش آخر خدائے

اور ان میں سے جو لوگ کتاب توریت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے ہوئے ہیں یعنی اس میں تحریف نہیں کرتے اور اس کی ہدایت کے مطابق نبی آخر الزمان پر ایمان لاتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وغیرہ تو ہم ایسے نیکوکاروں کا ثواب ضائع نہ کریں گے بلکہ ان کو ہم مزید انعام دیں گے۔ گزشتہ آیات میں جس عہد اور میثاق کا ذکر کیا تھا اب آئندہ آیت میں اس کی کیفیت بیان کرتے ہیں کہ وہ کس شد و مد سے لیا گیا تھا کہ ان کے سروں پر پہاڑ مثل سائبان کے اٹھالیا گیا اور یہ سمجھے کہ اب پہاڑ ہم پر گرا اس وقت ان سے عہد لیا گیا مگر انہوں نے اس عہد کو بھی توڑ ڈالا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور وہ وقت قابل ذکر ہے کہ جب ان لوگوں نے توریت کے عہد اور میثاق کو پس پشت ڈال دیا تو اس وقت ہم نے پہاڑ کو اکھاڑ کر ان کے سروں پر ایسا معلق کر دیا کہ گویا وہ ایک سائبان تھا اور انہوں نے گمان کیا کہ اگر انہوں نے توریت کے حکم کو نہ مانا تو وہ پہاڑ ان کے سروں پر گر پڑے گا اس وقت ہم نے ان سے کہا کہ جو کتاب یعنی توریت ہم نے تم کو دی ہے اس کو

مضبوطی کے ساتھ پکڑو اور جو اس میں لکھا ہے اس پر عمل کرو تا کہ تم پرہیزگار ہو جاؤ اور گستاخوں اور بے باکوں کی فہرست سے تمہارا نام کٹ جائے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ بڑے سرکش لوگ ہیں جب تک خدا کا قہر نازل نہیں ہوتا اس وقت تک سیدھے نہیں ہوتے اور یہ نتق جبل کا واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد مبارک کا ہے جس کی تفصیل سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

نکتہ:...... جاننا چاہئے کہ پہاڑ کو کسی کے سر پر معلق کھڑا کر دینا عقلاً محال نہیں جو خدا آسمان جیسے عظیم پہاڑ خواہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو مگر آسمان سے تو بڑا نہیں نیز موسم برسات میں بسا اوقات ایسا کہر اور غلیظ بادل سر پر معلق ہوتا ہے جو میلوں تک دکھائی دیتا ہے اور اتنا کثیر پانی بادلوں میں بھرا ہوتا ہے جس کا اندازہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے اور ایک ہفتہ تک لوگوں پر برستا رہتا ہے۔ بسا اوقات بلدیہ کی ٹنکی ٹوٹ کر گر جاتی ہے مگر کیا مجال کہ کوئی بادل اوپر سے نیچے گر پڑے حالانکہ ایک بادل میں جو پانی بھرا ہوا ہے وہ ہزار ہا ہزار ٹنکیوں سے کہیں زیادہ ہے مگر دست قدرت اس کو تھامے ہوئے ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ جو بادل ہزار ہا بلکہ لکھو کہا ٹن پانی سے بھرا ہوا ہے اور تین تین چار چار میل تک پھیلا ہوا ہے وہ خلاء میں لوگوں کے سروں پر معلق ہے کیا اتنا طویل عریض بادل پہاڑ سے کم ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ ۚ

اور جب نکالا تیرے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو اور اقرار کرایا ان سے ان کی جانوں پر

اور جس وقت نکالی تیرے رب نے آدم کے بیٹوں سے ان کی پیٹھ میں سے ان کی اولاد، اور اقرار کروایا ان سے ان کی جان پر۔

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛۚ شَهِدْنَا ۛۚ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا

کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب بولے ہاں ہے ہم اقرار کرتے ہیں کبھی کہنے لگو قیامت کے دن ہم کو تو اس کی

کیا میں نہیں ہوں رب تمہارا ؟ بولے البتہ ! ہم قائل ہیں۔ کبھی کہو قیامت کے دن، ہم کو اس کی

غٰفِلِیْنَ ﴿۱۷۲﴾ اَوْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا

خبر نہ تھی یا کہنے لگو کہ شرک تو نکالا تھا ہمارے باپ دادوں نے ہم سے پہلے اور ہم ہوئے ان کی اولاد ان کے پیچھے تو کیا تو ہم کو ہلاک کرتا ہے

خبر نہ تھی۔ یا کہو، کہ شریک تو کیا ہمارے باپ دادوں نے پہلے، اور ہم ہوئے اولاد ان کے پیچھے، تو ہم کو کیوں ہلاک کرتا ہے

بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَلَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾

اس کام پر جو کیا گمراہوں نے ف۱ اور یوں ہم کھول کر بیان کرتے ہیں باتیں تاکہ وہ پھر آئیں ف۲

ایک کام پر، کہ کیا ہے خطا والوں نے۔ اور یوں ہم کھولتے ہیں باتیں، شاید وہ لوگ پھر آویں۔

ف۱ "میثاق خاص" کے بعد یہاں سے "میثاق عام" کا ذکر کرتے ہیں۔ تمام عقائد حقہ اور ادیان سماویہ کا بنیادی پتھر یہ ہے کہ انسان خدا کی ہستی اور ربوبیت عامہ پر اعتقاد رکھے۔ مذہب کی ساری عمارت اسی سنگ بنیاد پر کھڑی ہوتی ہے۔ جب تک یہ اعتقاد نہ ہو، مذہبی میدان میں عقل و فکر کی راہنمائی اور انبیاء و مرسلین کی ہدایات کچھ نفع نہیں پہنچا سکتیں۔ اگر پورے غور و تامل سے دیکھا جائے تو آسمانی مذہب کے تمام اصول و فروع بالآخر خدا کی "ربوبیت عامہ" کے اسی عقیدہ پر منتہی ہوتے بلکہ اسی کی تہ میں لپٹے ہوئے ہیں۔ عقل سلیم اور وحی والہام اسی اجمال کی شرح کرتے ہیں پس ضروری تھا کہ یہ تخم ہدایت جسے کل آسمانی تعلیمات کا=

عہد الست

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ... الی... وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ نے اس عہد کا ذکر فرمایا تھا جو خاص بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا اور جس کی خلاف ورزی سے وہ عذاب الٰہی کے مستحق ہوئے کما قال تعالیٰ: ﴿يٰاَخُذُوْهُ. اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ﴾ ﴿وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ﴾ ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ﴾۔

اب ان آیات میں اس عہد کا ذکر فرماتے ہیں جو عالم ارواح میں تمام بنی آدم سے لیا گیا تھا کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی تمام اولاد کو جو تا قیام قیامت پیدا ہونے والی ہے نکالا اور انہیں عقل اور تکلم کی قوت عنایت فرمائی اور ان سے پوچھا ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾۔ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں۔ ﴿قَالُوْا بَلٰى﴾۔ سب نے کہا کیوں نہیں بیشک آپ

=مبداء وحی اور تمام ہدایات ربانیہ کا وجود مجمل کہنا چاہیے، عام فیاضی کے ساتھ نوع انسانی کے تمام افراد میں بکھیر دیا جائے تاکہ ہر آدمی عقل وفہم اور وحی والہام کی آبیاری سے اس تخم کو شجر ایمان وتوحید کے درجہ تک پہنچا سکے۔ اگر قدرت کی طرف سے قلوب بنی آدم میں ابتداءً یہ تخم ریزی نہ ہوتی اور اس کی سب سے زیادہ اساسی وجوہری عقدہ کا حل ناخن عقل وفکر کے سپرد کر دیا جاتا، تو یقیناً یہ مسئلہ بھی منطقی استدلال کی بھول بھلیوں میں پھنس کر ایک نظری مسئلہ بن کر رہ جاتا، جس پر سب تو کیا اکثر آدمی بھی متفق نہ ہو سکتے جیسا کہ تجربہ بتلاتا ہے کہ فکر واستدلال کی ہنگامہ آرائیاں اکثر اتفاق سے زیادہ اختلاف آراء پر منتج ہوتی ہیں۔ اس لیے قدرت نے جہاں غور وفکر کی قوت اور نور وحی والہام کے قبول کرنے کی استعداد بنی آدم میں ودیعت فرمائی، وہیں اس اساسی عقیدہ کی تعلیم سے ان کو فطرۃً بہرہ ور کیا جس کے اجمال میں کل آسمانی ہدایات کی تفصیل منطوی ومندمج تھی اور جس کے بدوں مذہب کی عمارت کا کوئی ستون کھڑا نہیں رہ سکتا۔ یہ اسی ازلی اور خدائی تعلیم کا اثر ہے کہ آدم کی اولاد ہر قرن اور ہر گوشہ میں حق تعالیٰ کی ربوبیت عامہ کے عقیدہ پر کسی نہ کسی حد تک متفق رہی ہے۔ اور جن معدود افراد نے کسی عقلی وروحانی بیماری کی وجہ سے اس عام فطری احساس کے خلاف آواز بلند کی ہے وہ انجام کار دنیا کے سامنے بلکہ خود اپنی نظر میں بھی اسی طرح جھوٹے ثابت ہوئے جیسے ایک بخار وغیرہ کا مریض لذیذ اور خوشگوار غذاؤں کو تلخ اور بد مزہ بتلانے میں جھوٹا ثابت ہوتا ہے۔ بہرحال ابتدائے آفرینش سے آج تک ہر درجہ اور طبقہ کے انسانوں کا خدا کی ربوبیت کبریٰ پر عام اتفاق واجماع اس کی زبردست دلیل ہے کہ یہ عقیدہ عقول وافکار کی دوادوش سے پہلے ہی فاطر حقیقی کی طرف سے اولاد آدم کو بلا واسطہ تلقین فرما دیا گیا ورنہ فکر واستدلال کے راستہ سے ایسا اتفاق پیدا ہو جانا تقریباً ناممکن تھا۔ قرآن کریم کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ اس نے آیات حاضرہ میں عقیدہ کی اس فطری یکسانیت کے اصلی راز پر روشنی ڈالی۔ بلاشبہ ہم کو یاد نہیں کہ اس بنیادی عقیدہ کی تعلیم کب اور کہاں اور کس ماحول میں دی گئی۔ تاہم جس طرح ایک لیکچرار اور انشاء پرداز کو یقین ہے کہ ضرور اس کو ابتدائے عمر میں کسی نے الفاظ بولنے سکھلائے، جس سے ترقی کر کے آج اس رتبہ کو پہنچا۔ گو پہلا لفظ سکھلانے والا اور سکھلانے کے وقت، مکان اور دیگر خصوصیات مقامی بلکہ نفس سکھلانا بھی یاد نہیں۔ تاہم اس کے موجودہ آثار سے یقین ہے کہ ایسا واقعہ ضرور ہوا ہے۔ اسی طرح بنی نوع انسان کا علیٰ اختلاف الاقوام والاجیال "عقیدہ ربوبیت الٰہی" پر متفق ہونا اس کی کھلی شہادت ہے کہ یہ چیز بدء فطرت میں کسی معلم کے ذریعہ سے ان تک پہنچی ہے۔ باقی تعلیمی خصوصیات واحوال کا محفوظ نہ رہ سکنا اس کی تسلیم میں خلل انداز نہیں ہو سکتا۔ اسی ازلی وفطری تعلیم نے جس کا نمایاں اثر آج تک انسانی سرشت میں موجود چلا آتا ہے، ہر انسان کو خدا کی حجت کے سامنے ملزم کر دیا ہے۔ جو شخص اپنے الحاد وشرک کو حق بجانب قرار دینے کے لیے غفلت، بے خبری یا آباء واجداد کی کورانہ تقلید کا عذر کرتا ہے، اس کے مقابلہ پر خدا کی یہی حجت قاطعہ جس میں اصل فطرت انسانی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، بطور فیصلہ کن جواب کے پیش کی جا سکتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے ان کی اولاد اور ان سے ان کی اولاد نکالی، سب سے اقرار کروایا اپنی خدائی کا۔ پھر پشت میں داخل کیا۔ اس سے مدعا یہ ہے کہ خدا کے رب مطلق ماننے میں ہر کوئی آپ کفایت کرتا ہے، باپ کی تقلید نہ چاہیے۔ اگر باپ شرک کرے بیٹے کو چاہیے ایمان لاوے۔ اگر کسی کو شبہ ہو کہ وہ عہد تو یاد نہیں رہا پھر کیا حاصل؟ تو یوں سمجھے کہ اس کا نشان ہر کسی کے دل میں ہے اور ہر زبان پر مشہور ہو رہا ہے کہ سب کا خالق اللہ ہے سارا جہان قائل ہے اور جو کوئی منکر ہے یا شرک کرتا ہے سو اپنی عقل ناقص کے دخل سے، پھر آپ ہی جھوٹا ہوتا ہے۔"

ف۲ موضح القرآن میں ہے کہ "یہ قصہ یہود کو سنایا کہ وہ بھی عہد سے پھرے ہیں جیسے مشرک پھرتے ہیں۔"

ہمارے پروردگار ہیں جس سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ توحید امر فطری ہے ہر فرد بشر کی فطرت اور جبلت میں داخل ہے اللہ تعالیٰ نے ذریت کو پشت آدم سے نکالا اور ان سے اپنی خالقیت اور ربوبیت کا قول وقرار لیا اور خود ان کی جانوں کو اس قول وقرار پر گواہ ٹھہرایا کہ ان کا رب وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں چونکہ یہ عہد عالم ارواح میں لیا گیا تھا دار دنیا میں آنے کے بعد اور عرصہ دراز گزر جانے کی وجہ سے اکثر کو اس عہد سے ذہول ہو گیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو اس عہد قدیم کی تذکیر اور یاددہانی کے لیے مبعوث فرمایا تاکہ قیامت کے دن، ذہول اور غفلت کا عذر نہ کرسکیں۔ کما قال تعالیٰ: ﴿اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ﴾۔ یعنی اگر بالفرض والتقدیر قیامت کے دن کافر یہ عذر کریں کہ یہ عہد ہم کو یاد نہیں رہا تو جواب ملے گا کہ اے غافلو! اگر تم اس عہد کو بھول گئے تھے تو کیا ہم نے اس عہد کی یاددہانی کے لیے پیغمبروں کو نہیں بھیجا اور علاوہ ازیں کائنات کا ہر ہر ذرہ ہماری الوہیت اور وحدانیت کی گواہی دے رہا تھا اور تم کو یہ بھولا ہوا سبق یاد دلا رہا تھا پھر بھی تم نے کوئی توجہ نہ کی نہ انبیاء کرام علیہم السلام کی سنی اور نہ دلائل اور براہین کی طرف التفات کیا۔ غرض یہ کہ یہ آیت غافلوں کو ''عہد الست'' کا بھولا ہوا سبق یاد دلانے کے لیے نازل ہوئی۔ باقی جو بڑے ہوشمند اور بیدار دل تھے وہ دنیا میں آنے کے بعد اس عہد سے غافل نہیں ہوئے۔

الست　از　ازل　ہمچنانش　بگوش
بفریاد　قالوا　بلیٰ　در　خروش

عالم دنیا میں انسان پر سینکڑوں حالات اور واقعات گزرتے ہیں اور انسان ان کو بھول جاتا ہے انسان بسا اوقات کوئی دستاویز لکھتا ہے اور عدالت میں اس کی رجسٹری بھی کرا لیتا ہے مگر بعض اوقات مرور زمانہ کی وجہ سے بالکل بھول جاتا ہے اور بعد میں جب عدالت میں مقدمہ پیش ہوتا ہے اور گواہ گواہی دیتے ہیں تو اس وقت یہ عذر مسموع نہیں ہوتا کہ میں بھول گیا تھا اور مجھ کو یہ بات یاد نہ رہی تھی۔ انسان کو اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہونا بھی یاد نہیں لوگوں کے کہنے سے ماں کو ماں سمجھتا ہے اگر کوئی شخص ماں کا حق ادا نہ کرے اور عذر یہ کرے کہ مجھے اپنا پیدا ہونا یاد نہیں تو میں اس کو کیسے ماں جانوں تو سب اس کو احمق کہیں گے۔

اسی طرح ''عہد الست'' کو سمجھو کہ انسان سے عالم ارواح میں جو عہد لیا گیا تھا وہ اس قفس عنصری میں آنے کے بعد اسے بھول گیا اور جب اس قفس عنصری سے رہا ہوگا اور یہ حجابات جسمانی مرتفع ہو جائیں گے تو وہ بھولا ہوا سبق اس کو یاد آ جائے گا اور یادداشت اور سہو ونسیان اور بھول چوک سب اللہ کے ارادے اور مشیت سے ہے اور اس کی حکمت سے ہے وہ اپنی حکمت سے ہزاروں چیزیں ہمارے حافظہ سے نکال دیتا ہے اسی طرح اگر وہی خدا اپنی کسی حکمت سے عہد الست کو بھلا دے اور پھر اس پر باز پرس کرے تو اسے حق ہے۔ عہد الست کا یہ مضمون احادیث صحیحہ اور متواترہ سے ثابت ہے اور یہی جمہور اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔ معتزلہ جو عقل کو نقل پر ترجیح دیتے ہیں وہ اس واقعہ کو بعید از عقل سمجھتے ہیں اور آیت میں نہایت رکیک تاویلیں کرتے ہیں جو مع جوابات کے تفسیر کبیر میں مذکور ہیں اہل علم تفسیر کبیر کی مراجعت کریں۔

عہد الست کے بارے میں معتزلہ کا مذہب:...... معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ انسان سے عالم ارواح میں کوئی عہد نہیں لیا گیا اور اس آیت کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں توحید اور ربوبیت کا اقرار

ودیعت رکھا ہے اور اپنی ربوبیت اور وحدانیت پر بیشمار دلائل قائم کر دیئے ہیں تو گویا کہ یہ سب دلائل خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کی ربوبیت کے لیے بمنزلہ عہد کے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا ان دلائل کو تمہارے انفس اور آفاق میں پیدا کرنا گویا کہ تم سے اس کا عہد لینا اور تم کو اس پر گواہ بنانا ہے۔

اہلسنت والجماعت کا مذہب:...... اہلسنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ معتزلہ کی یہ تاویل احادیث صحیحہ اور صریحہ کے صریح خلاف ہے اور اجماع صحابہ وتابعین کے خلاف ہے اس لیے کہ صحابہ وتابعین سے بالاتفاق عالم ارواح میں عہد لینا ثابت ہے لہٰذا معتزلہ کی یہ تاویل کسی طرح بھی قابل التفات نہیں۔

نیز میثاق حالی، میثاق قالی اور ازلی کے منافی نہیں۔ میثاق حالی اور عقلی، دلائل عقلیہ اور فطریہ سے معلوم ہوسکتا ہے مگر میثاق قالی اور ازلی، طور عقل سے بالا اور برتر ہے جہاں عقل کی رسائی نہیں اس قسم کی چیز انبیاء کرام ہی کی تعلیم اور بیان سے معلوم ہوسکتی ہے اس لیے احادیث میں اسی میثاق قالی اور ازلی کو بیان کیا گیا جو عقل سے معلوم نہیں ہوسکتا تھا۔ معتزلہ میثاق حالی اور عقلی کے تو قائل ہیں لیکن کتاب وسنت نے جس میثاق کی خبر دی ہے وہ میثاق قالی ہے اور دلائل ربوبیت کا میثاق، میثاق حالی اور عقلی ہے جو اس میثاق قالی اور ازلی کا مؤید اور مذکر ہے۔ اور کتاب وسنت نے اس میثاق قدیم کی خبر دی ہے کہ جہاں عقل کی رسائی نہیں اور معتزلہ کے نزدیک اگر میثاق قالی اور ازلی کے انکار کی وجہ یہ ہے کہ وہ یاد نہیں رہا تو بہت سے لوگوں کو میثاق عقلی اور حالی بھی یاد نہیں۔ میثاق حالی کے دلائل عقلیہ یعنی دلائل آفاقیہ اور دلائل انفسیہ ان کی نظروں کے سامنے ہیں مگر وہ ان کو نظر نہیں آتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی آپ لوگوں کو وہ واقعہ یاد دلائیے کہ جب تیرے پروردگار نے آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی ذریت کو نکالا اور پھر اولاد آدم کی پشتوں سے ان کو توالد اور تناسل کی ترتیب کے مطابق نکالا یعنی جس ترتیب سے دنیا میں نسلاً بعد نسلٍ پیدا ہونگے اسی ترتیب سے ان کی پیٹھوں سے ان کی نسل کو نکالا اور ان کو عقل وشعور عطا کیا اور جس قدر ملائکہ اور مخلوقات اس وقت موجود تھے سب کے سامنے یہ عہد لیا تاکہ سب گواہ رہیں اور حجت قائم کرنے کے لیے خود انہی کو ان کی ذات پر گواہ بنایا اور ان سے پوچھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں انہوں نے کہا کیوں نہیں بیشک تو ہمارا رب ہے اور ہم فقط مقر اور معترف نہیں بلکہ ہم اپنے اس اقرار کے خود ہی گواہ بھی ہیں اور بنی آدم سے یہ اقرار اور شہادت ہم نے اس لیے لیا کہ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن یہ کہنے لگو کہ تحقیق ہم تیری ربوبیت اور الوہیت اور وحدانیت سے بے خبر تھے یا یہ کہنے لگو کہ شرک تو ہم سے پہلے ہمارے آباء واجداد نے کیا اور ہم ان کے بعد ان کی نسل تھے جیسا ہم نے ان کو کرتے دیکھا ویسا ہی ہم نے کیا ہمیں کیا معلوم تھا کہ تو رب العالمین اور وحدہ لاشریک لہ ہے پس کیا تو ہم کو دوزخ میں ڈال کر اس جرم کی پاداش میں ہلاک کرتا ہے جو ہم سے اگلے ناحق پرستوں نے کیا سو اس عہد اور اقرار اور ذاتی شہادت کے بعد تمہارا یہ عذر ختم ہوا۔ اب قیامت کے دن تم یہ عذر نہیں کرسکتے کہ ہم سے غفلت ہوئی اس لیے کہ جب خدا تعالیٰ نے پیغمبروں کی زبانی اس عہد کو یاد دلا دیا تو پھر عذر کی گنجائش باقی نہیں رہی کیونکہ جب دلائل قطعیہ سے یاد دہانی کرا دی گئی تو بمنزلہ تذکرہ ہی کے ہے انبیاء کرام کی یاد دہانی کے بعد نہ انکار کی مجال ہے اور نہ شک وشبہ کی گنجائش ہے اور جس طرح ہم نے عہد الست کو بیان کیا اسی طرح ہم کھول کھول کر اپنی ربوبیت اور الوہیت کی نشانیاں بیان کرتے ہیں تاکہ ان میں غور وفکر کریں اور تاکہ معلوم ہوجانے کے بعد ہماری

ربوبیت اورالوہیت کے اقرار کی طرف رجوع کریں اور کفروشرک سے باز آ جائیں اور فطرت سابقہ کی طرف لوٹ جائیں۔

لطائف ومعارف

۱- یہ آیت عام اصطلاح میں آیت میثاق کہلاتی ہے اور جس عہد کا اس میں ذکر ہے اس کو عہد الست کہتے ہیں۔

۲- جمہور مفسرین اور محدثین اس آیت کی تفسیر یوں بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں حضرت آدم علیہ السلام کی تمام اولاد کو جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھی ان کی پشت سے نکالا اور ان سے پوچھا کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں۔ سب نے اقرار کیا اور ''بلیٰ'' کہا کہ بیشک تو ہمارا پروردگار ہے پھر ان کو آدم علیہ السلام کی پشت میں واپس کر دیا اور یہی مضمون بے شمار احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور یہی اہلسنت والجماعت کا مذہب ہے اور مقصود یہ ہے کہ اللہ کی محبت اور اس کی معرفت انسان کی فطرت میں داخل ہے۔

معتزلہ اور مدعیان عقل اس آیت کی تفسیر دوسری طرح کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے آدم علیہ السلام کی پشت سے اس کی ذریت کو نکالا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ ہم نے بنی آدم کی پشت سے ان کی ذریات کو نکالا۔ پس آیت کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہم نے بنی آدم کی پشتوں سے توالد اور تناسل کے طریقہ پر ان کی اولاد کو نکالا اس طرح پر کہ ان کے نطفے عورتوں کے رحم میں واقع ہوئے پھر وہ خون بنے پھر گوشت کا لوتھڑا پھر اور کئی تغیرات کے بعد وہ انسانی صورت میں رحم مادر سے باہر آئے پھر جب وہ سن تمیز کو پہنچے تو خدا تعالیٰ نے ان میں عقل پیدا کی جس سے وہ نیک و بد میں تمیز کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ کے دلائل ربوبیت اور وحدانیت کو پہچاننے لگے اور ان کے دل نے اس بات کی شہادت دی کہ بیشک کوئی ان کا خالق اور پروردگار ہے گویا خدا تعالیٰ نے بواسطہ ان دلائل قدرت کے جو ان کی نظروں کے سامنے تھے ان سے یہ سوال کیا کہ میں تمہارا پروردگار نہیں۔ سب نے بزبان حال اس کا جواب دیا کہ بلیٰ! بیشک تو ہمارا پروردگار ہے اور ہم اپنے اس اقرار پر گواہ ہیں پس ان لوگوں کے نزدیک اس آیت کا تمام مضمون بطور تمثیل ہے نہ بطور حقیقت اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسانی فطرت ایسی بنائی ہے کہ اگر وہ اپنی خلقت کے عجائب اور اپنی صنعت کے غرائب پر نظر کرے جو خود اس کے اندر موجود ہیں تو اس کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ سب چیزیں خدا تعالیٰ کی ربوبیت اور وحدانیت پر گواہ ہیں۔

اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ معتزلہ کی یہ تمام تاویلات نہایت رکیک اور بے معنی ہیں۔ جن کی احادیث صحیحہ اور صریحہ اور اجماع صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

۳- اس آیت میں بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد اور ذریت کا نکالنا ذکر کیا ہے اور آدم علیہ السلام کا ذکر نہیں کیا اس لیے کہ سب کو معلوم ہے کہ آدم علیہ السلام سب کے باپ ہیں اور سب انہی کی پشت سے نکلے ہیں اور مسند احمد اور نسائی اور مستدرک حاکم میں باسناد صحیح عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی ذریت کو نکالا اور سامنے بکھیر دیا جیسے چیونٹیاں اور پھر ان سے بالمشافہ کلام کیا ''الست بربکم'' سب نے جواب میں ''بلی'' کہا۔ الی آخر الایۃ (دیکھو تفسیر ابن کثیر: ۲/۲۶۱) اور یہی مضمون حضرت عمر اور حضرت علی اور

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی احادیث میں آیا ہے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی: ۷/ ۳۱۵)

اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو قیامت تک پیدا ہونے والی ذریت ان کی پشت سے نکل پڑی اور ہر شخص کی دو آنکھوں کے درمیان نور کی ایک چمک رکھی پھر سب کو آدم علیہ السلام پر پیش کیا گیا آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب یہ کون ہیں۔ فرمایا یہ تیری ذریت ہے پھر آدم علیہ السلام کی ایک انسان پر نظر پڑی جس کی آنکھوں کے درمیان کا نور بہت چمک رہا تھا پوچھا کہ اے پروردگار یہ کون ہے فرمایا کہ یہ ایک آدمی ہے جو تیری ذریت کی پچھلی امتوں میں ہوگا اس کا نام داؤد ہے عرض کیا کہ اے پروردگار اس کی عمر کتنی مقرر کی ہے فرمایا ساٹھ سال عرض کیا اے پروردگا میری عمر میں سے اس کو چالیس سال دے دیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی درخواست قبول کی۔ الی آخر الحدیث رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث حسن صحیح۔

نکتہ:...... حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت داود علیہ السلام کی پیشانی میں جو نور دیکھا شاید وہ نور خلافت الٰہیہ کا ہوگا۔ جو حضرت آدم علیہ السلام کے نور خلافت سے ملتا جلتا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے ان ارواح کو اصلاب آباء میں لوٹا دیا جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے "ثم ردھم فی اصلاب آبائھم حتی اخرجھم قرنا بعد قرن اخرجہ ابو الشیخ"۔

۴- بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں جانب سے جو ذریت نکالی گئی وہ سفید اور نورانی تھی اور بائیں جانب سے جو ذریت نکالی گئی وہ سیاہ اور ظلماتی تھی اور آیت ﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے دائیں جانب سے جو نکالے گئے وہ اصحاب الیمین ہیں اور بائیں جانب سے جو نکالے گئے وہ اصحاب الشمال ہیں۔ ابو طاہر قزوینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اصحاب یمین پر تجلی رحمت تھی انہوں نے شوق اور رغبت سے "بلی" کہا اور اصحاب شمال پر تجلی ہیبت وقہر تھی اس لیے انہوں نے جبراً وقہراً بلی کہا اس لیے دنیا میں آکر دوسری راہ پر پڑ گئے۔

۵- جمہور مفسرین رحمہم اللہ اس طرف گئے ہیں کہ یہ عہد حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے کے بعد اور جنت میں داخل ہونے سے پہلے لیا گیا اور بعض کہتے ہیں کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد ہبوط من السماء سے پہلے لیا گیا اور بعض کہتے ہیں کہ ہبوط یعنی آسمان سے اترنے کے بعد زمین پر لیا گیا۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان روایات میں تطبیق وتوفیق مشکل ہے حضرات صوفیائے کرام رحمہم اللہ یہ فرماتے ہیں کہ مختلف مواضع میں مختلف قسم کے عہد اور میثاق لیے گئے۔ واللہ اعلم (دیکھو روح المعانی: ۹/ ۹۳)

۶- اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ وہ عہد تو یاد نہیں رہا تو پھر کیا حاصل تو اس کو یوں سمجھئے کہ وہ عہد اگرچہ یاد نہیں رہا مگر اس کا نشان تو ہر ایک دل میں موجود ہے انسان کے دل میں قدرتی طور پر حق تعالیٰ کی طرف ایک میلان پایا جاتا ہے جب کبھی کوئی پریشانی پیش آتی ہے تو دل خدا کی طرف دوڑتا ہے اور اس سے اس مصیبت کے دفعیہ کا طلبگار اور امیدوار ہوتا ہے پس انسان کا دل خود اندر سے گواہی دیتا ہے کہ کوئی میرا پروردگار ضرور ہے بہرحال یہ میلان تمام طبیعتوں میں پایا جاتا ہے کسی میں کم اور کسی میں زیادہ خواہ وہ اس میلان کے منشاء کو سمجھے یا نہ سمجھے اور اس کے مقتضاء پر عمل کرنے کو آمادہ ہو یا نہ ہو اب رہا یہ امر کہ اس طبعی

اور فطری میلان کا منشاء کیا ہے سو معلوم یوں ہوتا ہے کہ اس پیدائش سے پہلے انسان کو جناب باری تعالیٰ کی کسی قسم کی تجلی ضرور میسر آئی ہے جس کے سبب اس کے دل میں خدا کی محبت اس قدر جم گئی ہے کہ صدہا تکالیف اٹھاتا ہے اور پھر بھی خداہی کی طرف جھکتا ہے ورنہ کسی چیز کی محبت بے دیکھے اور بے برتے پیدا نہیں ہوسکتی بس یہ طبعی میلان روز الست یا یوم میثاق کا ایک نشان ہے کہ اس وقت اپنے پروردگار کو دیکھا ہے اور اسی ایک جلوہ نے سب کو پروردگار کا عاشق بنادیا ہے تمام افراد بشر کا اقرار ربوبیت پر متفق ہونا اور یقین کے ساتھ اقرار کرنا کہ کوئی ہمارا پروردگار ہے سو یہ طبعی میلان اور فطری اذعان اسی پرانے عہد میثاق کا دھندلا سا نشان ہے کہ جو ایک لمحہ دو لمحہ یا ایک گھڑی دو گھڑی کے لیے پیش آیا سو ظاہر ہے کہ ایک گھڑی یا دو گھڑی کے قصہ کو مرور زمانہ اور انتقال مکانی سے بھول جانا کوئی مستبعد نہیں تھوڑی دیر کے لیے عہد الست کے وقت سب نے اپنے خدائے پروردگار کے جمال بے مثال کو دیکھا ہے اس لیے خدا کی محبت فطری طور پر دلوں میں ایسی راسخ اور پختہ ہوگئی کہ کسی طرح نکالے نہیں نکلتی اور اگر کسی شخص میں یہ دیکھو کہ اس میں خدا کا میلان بالکل نہیں تو سمجھ لو کہ اس کی انسانی فطرت بالکل مسخ ہوچکی ہے اور خارجی اثرات کی وجہ سے انسانی خصلتیں سلب اور نابود ہوجاتی ہیں جیسے بعض اوقات خارجی اثرات سے خدا کا میلان طبیعت سے بالکل نکل جاتا ہے جو اس بات کی نشانی ہے کہ اس منکر خدا کی فطرت انسانی مسخ ہوچکی ہے اکثر عالم بلکہ تمام عالم کا اس میلان پر متفق ہوجانا اس امر کی نشانی ہے کہ کبھی نہ کبھی یہ بات کان میں پڑی ہے جو ہر ایک کی زبان پر آتی ہے مگر یہ امر کہ یہ بات کس موقعہ اور محل پر کان میں پڑی ہے وہ یاد نہیں رہا مکان اور زمان اگرچہ یاد نہیں رہا مگر اس کا نشان تو موجود ہے مرور زمانہ کی وجہ سے یہ عہد یاد نہیں رہا جس وقت عہد لیا گیا تھا اس وقت ذریت چھوٹے چھوٹے ذرات کی مقدار میں تھی اس وقت سے لے کر توالد اور تناسل تک ایک طویل عرصہ گزرا اور ذرات مختلف اطوار اور ادوار سے گزرتے رہے یہاں تک کہ اس عالم فانی میں داخل ہوئے تو مدت مدیدہ کا یہ عہد بھول گئے (دیکھو الیواقیت والجواہر: ۱/۱۱۵)

اور حق جل شانہ کا یہ ارشاد ﴿وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ﴿فَذَكِّرْ ۣاِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ﴾ اسی طرف مشیر معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ اس قسم کی آیتوں میں تذکیر کا حکم دیا گیا ہے اور تذکیر کے اصل معنی لغت میں بھولی ہوئی بات کو یاد دلانے کے ہیں اسی طرح سمجھو کہ عہد الست کے بھولے ہوئے سبق کو انبیاء کرام ﷺ نے یاد دلایا اس وجہ سے علماء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ کافر کا جو بچہ شعور وادراک سے پہلے مرجائے وہ جنت میں جائے گا اس لیے کہ اس کے عہد اور میثاق میں کوئی تغیر نہیں آیا البتہ کافر کی جو اولاد بالغ ہوکر یہودی یا نصرانی ہوجائے اور اسی پر وہ مرجائے تو وہ جہنم میں جائے گی اس لیے کہ اس نے روز اول کے میثاق کو توڑ دیا۔

۷- اور عہد الست میں سب سے پہلا خطاب حق تعالیٰ کی طرف سے یہ تھا۔ ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ ربوبیت کے متعلق سوال تھا اسی طرح مرنے کے بعد قبر میں پہلا سوال اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ہی کے متعلق ہوتا ہے قبر میں منکر نکیر سب سے پہلے یہی سوال کرتے ہیں من ربك تیرا رب کون ہے ازل میں بھی ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ فرمایا اور قبر میں بھی رب ہی کے متعلق سوال ہوا۔

۸-نفحات میں مذکور ہے کہ علی سہیل اصفہانی قدس سرہ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو روز "بلیٰ" یاد ہے تو فرمایا کیوں نہیں مجھے روز "بلیٰ" ایسا یاد ہے جیسے کل گزشتہ۔ کسی نے یہ کلام شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا تو فرمایا کہ اس جواب میں نقصان ہے جو کل گزر گئی یا جو کل آئے گی اس سے صوفی اور درویش کو کیا مطلب اس روز کی تو ابھی شام بھی نہیں ہوئی اور صوفی اور درویش تو ابھی اسی دن میں ہے۔

روز امروز است اے صوفی وشان — کے بود از دی و از فردا نشان
آنکہ از حق نیست غافل یکنفس — ماضی و مستقبلش حال است وبس

۹-شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو آدم علیہ السلام کی پشت کے بالوں کے مسامات کی راہ سے نکالا پھر ان سے کہا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں انہوں نے گویائی کے ذریعے سے جواب دیا اور "بلیٰ" کہا اور وہ اسی حالت میں زندہ اور صاحب عقل تھے اور عقلاً یہ امر محال نہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں باوجود اس قدر چھوٹے ہونے کے حیات اور عقل دے دے۔ آخر وہ حیوانات جو بذریعہ خوردبین نظر آتے ہیں کسی قدر ادراک اور شعور ان کو بھی حاصل ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے رزق حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں اور ان میں توالد اور تناسل بھی ہے اور وہ ایذا رساں چیزوں سے بچتے بھی ہیں اور اگر کوئی ان کی راہ میں آ جاتا ہے تو اس سے کترا جاتے ہیں تو جب یہ باتیں اہل سائنس کے نزدیک بھی مسلم ہیں تو عہد الست کے واقعہ سے کیوں تعجب کرتے ہیں۔ خدا کی قدرت کے لحاظ سے اس میں کوئی استبعاد نہیں اور ظاہر یہ ہے کہ وہ ذرات انسان کی صورت پر ہونگے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ذریت کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ ذرات کا لفظ نہیں فرمایا اور لغت میں ذریت کا اطلاق اسی چیز پر آتا ہے جس کی صورت بن چکی ہو باہمی امتیاز کا ذریعہ یہی صورت اور شکل ہے۔

۱۰-امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بدن انسانی میں دو قسم کے اجزاء ہوتے ہیں کیونکہ یہ امر مشاہدہ اور بداہت سے ثابت ہے کہ ابتداء ولادت سے لے کر اخیر عمر تک بدن کے اجزاء میں کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے ابتداء ولادت کے وقت بدن دو بالشت تھا اور اخیر عمر میں سات آٹھ بالشت کا ہو گیا۔ بدن کبھی فربہ ہوتا ہے اور کبھی لاغر مگر ہر حال میں یہ شخص وہی کہلاتا ہے کہ جو ابتداء ولادت کے وقت تھا پس جو اجزاء اول عمر سے اخیر عمر تک باقی رہتے ہیں وہ اجزاء اصلیہ ہیں اور جن اجزاء بدن میں کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے وہ اجزاء زائدہ ہیں پس اس آیت اور جن احادیث میں بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کا نکالنا آیا ہے سو وہ اجزاء اصلیہ کا نکالنا مراد ہے اور اصلی اور حقیقی انسان یہی اجزاء اصلیہ ہیں اور روح کا تعلق انہی اجزاء اصلیہ کے ساتھ ہوتا ہے پس حقیقی انسان جو احکام شرعیہ کا مخاطب اور مکلف ہے وہ یہی ذرات ہیں جن کے ساتھ روح متعلق ہے اور قیامت کے دن درحقیقت انہی اجزاء اصلیہ کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور انہی اجزاء اصلیہ کے ساتھ روح متعلق کر کے حساب و کتاب و عذاب و ثواب دیا جائے گا جس طرح دنیاوی زندگی میں روح کا اصل انہی اجزاء اصلیہ کے ساتھ تھا اسی طرح بعث بعد الموت کے وقت بھی زائد اجزاء ان کے ساتھ ملا دیئے جائیں گے۔ (امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ختم ہوا)

۱۱-حکمت جدیدہ نے کلاں بینوں اور مائیکرومیٹر سے (جو باریک اجسام کی مقدار معلوم کرنے کا آلہ ہے) یہ دریافت کیا ہے کہ پانی کے ایک چھوٹے قطرہ میں اتنے حیوانات ہوتے ہیں کہ تمام روئے زمین پر اتنے آدمی نہیں ہوتے اور

ان میں توالد اور تناسل بھی جاری ہے اور باوجود اس کثرت کے نہ ان میں اژدحام معلوم ہوتا ہے اور نہ کوئی کسی سے ٹکراتا ہے حالانکہ ان کی حرکت نہایت سریع ہے اور یہ وہ حیوانات ہیں جو موجودہ کلاں بینوں سے نظر آتے ہیں اگر ان کلاں بینوں سے زیادہ قوت والی کلاں بین ہو تو معلوم نہیں کہ اور کتنے محسوس ہونگے۔ (دیکھو! مقاصد الاسلام حصہ سوم: ۳/ ۳۲ وحصہ ہفتم: ۷/ ۳۹۔ مصنفہ مولانا انوار اللہ خان صاحب حیدر آبادی)

نیز حکمت جدیدہ کی رو سے ایک تخم میں کروڑہا کروڑ متمایز اجزاء موجود ہوتے ہیں جو آئندہ درختوں کا تخم بنتے ہیں اور ایک قطرہ منی میں کروڑہا کروڑ ایسے متمایز اجزاء موجود ہوتے ہیں جو صدہا سال کی آنے والی نسلوں کا مادہ بنتے ہیں یہ دلدادگان مغربیت یہ سب کچھ بلا دلیل ماننے کے لیے تیار ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ نے جو حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ذریت نکالنے کی خبر دی ہے اس کے ماننے کے لیے تیار نہیں۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ

اور سنا دے ان کو حال اس شخص کا جس کو ہم نے دی تھیں اپنی آیتیں پھر وہ ان کو چھوڑ نکلا پھر اس کے پیچھے لگا شیطان تو وہ ہوگیا

اور سنا ان کو احوال اس شخص کا کہ ہم نے اس کو دی ہیں اپنی آیتیں، پھر ان کو چھوڑ نکلا، پھر پیچھے لگا اس کو شیطان، تو وہ ہوا

الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ

گمراہوں میں اور ہم چاہتے تو بلند کرتے اس کا رتبہ ان آیتوں کی بدولت لیکن وہ تو ہو رہا زمین کا اور پیچھے ہو لیا اپنی خواہش کے تو اس کا حال ایسا

گمراہوں میں۔ اور ہم چاہتے تو اس کو اٹھا لیتے ان آیتوں سے، لیکن وہ گرا پڑے (جھک پڑا) زمین پر، اور چلا اپنی چاؤ پر۔ تو اس کا حال

كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۗ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ

جیسے کتا اس پر تو بوجھ لادے تو ہانپے اور چھوڑ دے تو ہانپے یہ مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے

جیسے کتا۔ اس پر تو لادے تو ہانپے اور چھوڑ دے تو ہانپے۔ یہ مثال ہے ان لوگوں کی، کہ

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَآءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ

جھٹلایا ہماری آیتوں کو سو بیان کر یہ احوال تاکہ وہ دھیان کریں ف۱ بری مثال ہے ان لوگوں کی

جھٹلائیں ہماری آیتیں۔ سو تو بیان کر احوال، شاید وہ دھیان کریں۔ بری کہاوت ان لوگوں کی کہ

ف۱ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ آیات بلعم بن باعوراء کے حق میں نازل ہوئیں جو ایک عالم اور صاحب تصرف درویش تھا۔ بعد ہٗ اللہ کی آیات اور ہدایات کو چھوڑ کر عورت کے اغواء اور دولت کے لالچ سے حضرت موسیٰ کے مقابلہ میں اپنے تصرفات چلانے اور ناپاک تدبیریں بتلانے کے لیے تیار ہوگیا۔ آخر موسیٰ علیہ السلام کا تو کچھ نہ بگاڑ سکا خود مردود ابدی بنا۔ آیات اللہ کا جو علم بلعم کو دیا گیا تھا، اگر خدا چاہتا تو اس کے ذریعہ سے بہت بلند مراتب پر اس کو فائز کر دیتا۔ اور یہ جب ہی ہوسکتا تھا کہ اسے اپنے علم پر چلنے اور آیات اللہ کا اتباع کرنے کی توفیق ہوتی۔ لیکن ایسا نہ ہوا کیونکہ وہ خود آسمانی برکات وآیات سے منہ موڑ کر زمینی شہوات و لذات کی طرف جھک پڑا۔ وہ نفسانی خواہشات کے پیچھے چل رہا تھا اور شیطان اس کا پیچھا (تعاقب) کرتا جا رہا تھا۔ حتیٰ کہ پکے کج رووں اور گمراہوں کی قطار میں جا داخل ہوا۔ اس وقت اس کا حال کتے کی طرح ہوگیا جس کی زبان باہر لٹکی ہو اور برابر ہانپ رہا ہو اگر فرض کرو اس پر بوجھ لادیں یا ڈانٹ بتلائیں یا کچھ نہ کہیں آزاد چھوڑ دیں، بہر صورت ہانپتا اور زبان لٹکائے رہتا ہے۔ کیونکہ طبعی طور پر دل کی کمزوری کی وجہ سے گرم ہوا کے باہر پھینکنے اور سرد و تازہ ہوا کے اندر کھینچنے پر بسہولت =

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ

کہ جھٹلایا انہوں نے ہماری آیتوں کو، اور وہ اپنا ہی نقصان کرتے رہے ف۱ جس کو اللہ رستہ دے وہ ہی راستہ پاوے اور جس کو وہ بچلا دے

جھٹلائیں ہماری آیتیں، اور اپنا ہی نقصان کرتے رہے۔ جس کو اللہ راہ دے، وہی پاوے راہ۔ اور جس کو وہ بھٹکا دے،

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ

سو وہی ہیں ٹوٹے میں ف۲ اور ہم نے پیدا کیے دوزخ کے واسطے بہت سے جن اور آدمی ف۳

سو وہی ہیں زیاں میں۔ اور ہم نے پھیلا رکھے دوزخ کے واسطے بہت جن اور آدمی، جن کو

قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ

ان کے دل ہیں کہ ان سے سمجھتے نہیں اور آنکھیں ہیں کہ ان سے دیکھتے نہیں اور کان ہیں کہ ان سے سنتے نہیں

دل ہیں ان سے سمجھتے نہیں، اور آنکھیں ہیں ان سے دیکھتے نہیں، اور کان ہیں ان سے سنتے نہیں۔

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى

وہ ایسے ہیں جیسے چوپائے بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ وہی لوگ ہیں غافل ف۴ اور اللہ کے لیے ہیں سب نام اچھے

وہ جیسے چوپائے، بلکہ ان سے زیادہ بے راہ۔ وہی لوگ ہیں غافل۔ اور اللہ کے ہیں سب نام خاصے،

= قادر نہیں ہے۔ اسی طرح سفلی خواہشات میں منہ مارنے والے کتے کا حال ہوا کہ اخلاقی کمزوری کی وجہ سے "آیات اللہ" کا دیا جانا اور نہ دیا جانا یا تنبیہ کرنا اور نہ کرنا دونوں حالتیں اس کے حق میں برابر ہو گئیں۔ ﴿سَوَاۗءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ حرص دنیا سے اس کی زبان باہر لٹک پڑی اور ترک آیات کی نحوست سے بدحواسی اور پریشانی خاطر کا نقشہ برابر ہانپتے رہنے کی مثال میں ظاہر ہوا۔ ممکن ہے کہ بلعم کی باطنی و معنوی کیفیت ظاہر کرنے کے لیے صرف ایک مثال کے طور پر یہ مضمون ﴿اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ﴾ ذکر کیا گیا ہو اور ہو سکتا ہے کہ دنیا یا آخرت میں اس کے لیے یہ سزا تجویز کی گئی ہو کہ ظاہری و حسی طور پر کتے کی طرح زبان باہر نکل پڑے اور ہمیشہ پریشان و بدحواس اور خوف زدہ آدمی کی طرح ہانپتا رہے۔ العیاذ باللہ۔ آیات کی شان نزول کچھ ہو، بہر حال ایسے ہوا پرستوں کا انجام بتلایا گیا ہے جو حق کے قبول کرنے یا پوری طرح سمجھ لینے کے بعد محض دنیاوی طمع اور سفلی خواہشات کی پیروی میں احکام الٰہیہ کو چھوڑ کر شیطان کے اشاروں پر چلنے لگیں۔ اور خدا کے عہد و میثاق کی کچھ پروانہ کریں۔ گویا یہود کو بھی متنبہ فرما دیا کہ صرف کتاب کا علم کچھ نافع نہیں ہو سکتا جب تک صحیح معنی میں اس کا اتباع نہ ہو ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا﴾ (الجمعہ، رکوع ۱) علماء سوء کے لیے ان آیات میں بڑا عبرتناک سبق ہے اگر دھیان کریں۔

ف۱ مشرکین وغیرہم کے رد میں جا بجا قرآن نے عنکبوت، ذباب، مکوی، مکھی وغیرہ کی مثالیں بیان فرمائی ہیں مگر ان لوگوں کی مثال ایسی بری ہے کہ کوئی غیرت مند آدمی حتی المقدور اس کو اپنے پر چسپاں نہیں ہونے دے گا۔ اور جو بے حیا خدا را اپنے احوال پر چسپاں ہونے دیتا ہے وہ صرف اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔

ف۲ علم و فضل بھی انسان کو جب ہی کام دیتا ہے کہ خدا کی ہدایت و دستگیری سے علم صحیح کے موافق چلنے کی توفیق ہو، جسے وہ سیدھے راستہ پر چلنے کے لیے موافق نہ کرے تو کتنی ہی بڑی علمی فضیلت و قابلیت رکھتا ہو کچھ لوکر ٹوٹے اور خسارے کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ اس لیے انسان اپنے علم و فضل پر مغرور نہ ہو بلکہ دائما خدا سے ہدایت و توفیق کا طلبگار رہے۔

ف۳ یہ آیت بظاہر آیہ ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ کے معارض معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے بعض مفسرین نے وہاں لیعبدون میں لام غایت اور یہاں لجہنم میں لام عاقبت مراد لیا ہے یعنی سب کے پیدا کرنے سے مطلب اصلی تو عبادت ہے لیکن بہت سے جن و انس چونکہ اس مطلب کو پورا نہ کریں گے =

فَادْعُوْهُ بِهَا ۠ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآىِٕهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

سو اس کو پکارو وہی نام کہہ کر اور چھوڑ دو ان کو جو کج راہ چلتے ہیں اس کے ناموں میں وہ بدلہ پا رہیں گے اپنے کیے کا ف۱

سو اس کو پکارو وہ کہہ کر، اور چھوڑ دو ان کو جو کج راہ چلتے ہیں اس کے ناموں میں۔ وہ بدلہ پا رہیں گے اپنے کئے کا۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

اور ان لوگوں میں کہ جن کو ہم نے پیدا کیا ہے ایک جماعت ہے کہ راہ بتلاتے ہیں سچی اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں ف۲ اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں

اور ہماری پیدائش میں سے ایک لوگ ہیں، کہ راہ بتاتے ہیں سچی اور اس پر انصاف کرتے ہیں۔ اور جنہوں نے جھٹلائیں ہماری آیتیں،

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۝

کو ہم ان کو آہستہ آہستہ پکڑیں گے ایسی جگہ سے جہاں سے ان کو خبر بھی نہ ہوگی اور میں ان کو ڈھیل دوں گا بیشک میرا داؤ پکا ہے ف۳

ان کو سہج سہج پکڑیں گے، جہاں سے وہ نہ جانیں گے۔ اور ان کو فرصت دوں گا۔ بیشک میرا داؤ پکا ہے۔

= اور انجام کار دوزخ میں بھیجے جائیں گے۔ اس انجام کے لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ گویا وہ دوزخ ہی کے لیے پیدا ہوئے۔ کما فی قولہ تعالیٰ ﴿فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا﴾ باقی محققین کے نزدیک اس تکلف کی حاجت نہیں۔ وہ دونوں جگہ "لام غایت" ہی کا ارادہ کرتے ہیں۔ مگر "لِيَعْبُدُوْنَ" میں "غایت تشریعی" اور یہاں "لجهنم" میں "غایت تکوینی" بیان کی گئی ہے۔

ف۹ یعنی دل، کان، آنکھ سب کچھ موجود ہیں لیکن نہ دل سے "آیات اللہ" میں غور کرتے ہیں نہ قدرت کے نشانات کا بنظر تعمق و اعتبار مطالعہ کرتے ہیں۔ اور نہ خدائی باتوں کو بسمع قبول سنتے ہیں۔ جس طرح چوپائے جانوروں کے تمام ادراکات صرف کھانے پینے اور نہمی جذبات کے دائرہ میں محدود رہتے ہیں۔ یہ ہی حال ان کا ہے کہ دل و دماغ، ہاتھ پاؤں، کان آنکھ غرض خدا کی دی ہوئی سب قوتیں محض دنیاوی لذائذ اور مادی خواہشات کی تحصیل و تکمیل کے لیے وقف ہیں۔ انسانی کمالات اور ملکوتی خصائل کے اکتساب سے کوئی سروکار نہیں بلکہ غور کیا جائے تو ان کا حال ایک طرح چوپائے جانوروں سے بھی بدتر ہے۔ جانور مالک کے بلانے پر چلا آتا ہے، اس کے ڈانٹنے سے رک جاتا ہے۔ یہ کبھی مالک حقیقی کی آواز پر کان نہیں دھرتے، پھر جانور اپنے فطری قویٰ سے وہ ہی کام لیتے ہیں جو قدرت نے ان کے لیے مقرر کر دیا ہے۔ زیادہ کی ان میں استعداد ہی نہیں۔ لیکن ان لوگوں میں روحانی و عرفانی ترقیات کی جو فطری قوت و استعداد ودیعت کی گئی تھی، اسے مہلک غفلت اور بے راہ روی سے خود اپنے ہاتھوں ضائع معطل کر دیا گیا۔

ف۱ غافلین کا حال ذکر کر کے مومنین کو متنبہ فرمایا ہے کہ تم غفلت اختیار نہ کرنا۔ غفلت دور کرنے والی چیز خدا کی یاد ہے، سو تم ہمیشہ اس کو اچھے ناموں سے پکارو اور اچھی صفات سے یاد کرو، جو لوگ اس کے اسماء و صفات کے بارہ میں کج روش اختیار کرتے ہیں انہیں چھوڑ دو وہ جیسا کریں گے ویسا بھگتیں گے۔ خدا کے ناموں اور صفتوں کے متعلق کج روی یہ ہے کہ خدا پر ایسے نام یا صفت کا اطلاق کرے جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی۔ اور جو حق تعالیٰ کی تعظیم و جلال کے لائق نہیں یا اس کے مخصوص نام اور صفت کا اطلاق غیر اللہ پر کرے، یا ان کے معانی بیان کرنے میں بے اصول تاویل اور کھینچ تان کرے یا ان کو معصیت (مثلاً سحر وغیرہ) کے مواقع میں استعمال کرنے لگے۔ یہ سب کج روی ہے۔

ف۲ یہ جماعت امت محمدیہ مرحومہ ہے علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم جس نے ہر قسم کی افراط اور تفریط اور کج روی سے علیحدہ ہو کر سچائی اور انصاف و اعتدال کا طریقہ اختیار کیا۔ اور اسی کی طرف دوسروں کو دعوت دیتی ہے۔ آگے اس امت کے مخالفین اور حق کی تکذیب کرنے والوں کا ذکر ہے۔

ف۳ جھٹلانے والے مجرموں کو بسا اوقات فوراً سزا نہیں ملتی بلکہ دنیاوی عیش اور فراخی کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ خدائی سزا سے بے فکر ہو کر ارتکاب جرائم پر اور زیادہ دلیر بن جاتے ہیں۔ اس طرح جو انتہائی سزا ان پر جاری کرنی ہے رفتہ رفتہ اپنے کو اعلانیہ اور کامل طور پر اس کا مستحق ثابت کر دیتے ہیں۔ یہ ہی خدا کی ڈھیل اور استدراج ہے۔ وہ حماقت اور بے حیائی سے سمجھتے ہیں کہ ہم پر مہربانی ہو رہی ہے اور حقیقت میں انتہائی عذاب کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔ خدا کا "کید" (داؤ یا خفیہ تدبیر) اسی کو کہا کہ ایسی کارروائی کی جائے جس کا ظاہر رحمت اور باطن قہر و عذاب ہو۔ بیشک خدا کی تدبیر بڑی مضبوط اور پختہ ہے جس کی کسی حیلہ اور تدبیر سے مدافعت نہیں ہو سکتی۔

دیدہ ودانستہ حق سے انحراف اور ہوا پرستی کا حال اور مآل اور اس کی مثال

قَالَ اللہُ تَعَالیٰ: ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا... الی... اُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ کے عہود اور مواثیق کا بیان تھا۔ اب ان آیات میں ایسے ہوا پرستوں اور گرفتاران حرص وطمع کا حال اور انجام اور مثال بیان کرتے ہیں جو حق کو قبول کر لینے اور پوری طرح سمجھ لینے کے بعد محض دنیوی طمع کی بناء پر احکام خداوندی سے منحرف ہو جائیں اور شیطان کے اشاروں پر چلنے لگیں اور خدا کے عہد اور میثاق کی پرواہ نہ کریں ایسوں کا انجام بہت برا ہوتا ہے۔ اس لیے بطور تذکیر اس سلسلہ میں ایک واقعہ ذکر فرمایا۔

شان نزول:...... اس آیت کے شان نزول میں مفسرین نے مختلف روایتیں نقل کی ہیں اکثر مفسرین کے نزدیک اس آیت میں بنی اسرائیل کے ایک شخص کا حال مذکور ہے جس کا نام بلعم بن باعوراء تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بہت کچھ علم دیا تھا اور مستجاب الدعوات بھی بنایا تھا آخر میں اس نے ایک عورت کے اغواء سے اور مال و دولت کی لالچ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سرکشی کی جس سے وہ مردود ہو گیا ساری کرامتیں اس کی چھن گئیں اور اس کی زبان کتے کی طرح باہر نکل آئی اور دنیا میں ذلیل اور آخرت میں عذاب عظیم کا مستحق ہوا۔ ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ اس آیت میں امیہ بن ابی الصلت کی طرف اشارہ ہے۔ یہ شخص توریت اور انجیل کا زبردست عالم تھا اور صاحب شعر وحکمت تھا اور اس کو معلوم تھا کہ اخیر زمانہ میں فارقلیط کا ظہور ہوگا اور آنحضرت ﷺ کے حالات اور صفات بخوبی جانتا تھا اور لوگوں میں یہ وعظ کہتا تھا کہ جس نبی آخر الزمان ﷺ کے ظہور کی انبیاء سابقین علیہم السلام نے خبر دی ہے اس کے ظہور کا زمانہ قریب آ گیا ہے مگر جب حضور پرنور ﷺ کا ظہور ہوا تو از راہ حسد آپ ﷺ سے برگشتہ ہو گیا اور کفار کا طرف دار بن گیا حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ امیہ کا شعر تو مسلمان ہے مگر اس کا دل کافر ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ اس آیت میں ابو عامر راہب کی طرف اشارہ ہے جو ایک نصرانی عالم تھا اس نے منافقوں کے بہکانے سے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کی غرض سے مسجد ضرار بنوائی۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں یہ تمام روایتیں اس کے شان نزول کے متعلق نقل کی ہیں اور لکھا ہے کہ مشہور یہی ہے کہ یہ آیت بلعم بن باعوراء کے بارے میں نازل ہوئی اور یہی مناسب ہے کیونکہ اس سے مقصود بنی اسرائیل کو سنانا ہے کہ ایک ایسا عالم اور صاحب تصرف درویش نبی کی مخالفت سے مردود ہو گیا پس تم نبی کی مخالفت نہ کرو ورنہ تمہارا بھی یہی حال ہوگا بہر حال شان نزول جو بھی ہو اس قصہ میں علماء کے لیے خاص تنبیہ ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ علم اور ہدایت سے نوازے اسے چاہئے کہ نفسانی خواہش کا ہرگز ہرگز اتباع نہ کرے اور یہ آیت اپنے عموم کے لحاظ سے ہر ہوا پرست عالم کو شامل ہے ہر عالم کو اس سے سبق لینا چاہئے اور خدا سے پناہ مانگنی چاہئے اللھم اعوذبک من علم لا ینفع ومن قلب لا یخشع ومن نفس لا تشبع ومن دعاء لا یسمع اعوذبک من شر ھؤلاء الاربع۔ آمین۔

اور اے نبی ﷺ آپ ان لوگوں کو نصیحت اور عبرت کے لیے اس شخص کا حال اور قصہ سنائیے جسے ہم نے اپنی

آیتوں کا علم عطاء کیا پس وہ ان آیات کے علم سے ایسا باہر نکل گیا جس طرح سانپ اپنی کینچلی سے باہر نکل آتا ہے اور کینچلی سے اس کو کوئی تعلق نہیں رہتا۔ پس شیطان اس کے پیچھے لگ گیا کہ وہ اس کو چھوڑتا ہی نہیں سو وہ آیتوں کا عالم ایسے گمراہوں میں سے ہو گیا جس کی ہدایت کی کوئی توقع نہیں رہی مشہور قول کی بناء پر ان آیات میں بلعم بن باعوراء کا ذکر ہے جو بنی اسرائیل میں ایک زبردست مستجاب الدعوات اور صاحب کرامات شخص تھا اس نے بعض شریروں کے بہکانے سے رشوت لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بددعا کی کہ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی کرامت چھن گئی اور راندہ درگاہ ہو گیا اور کتے کی طرح اس کی زبان باہر نکل آئی اور دنیا میں ذلیل اور آخرت میں عذاب عظیم کا مستحق ہوا اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کے سبب اس کو رفعت اور بلندی مرتبہ عطاء کرتے یعنی اگر وہ ان آیتوں پر عمل کرتا تو اس کا مرتبہ اور بلند ہوتا اور اتنا بلند ہوتا کہ شیطان وہاں تک نہ پہنچ سکتا ولیکن وہ بجائے بلندی کے پستی کی طرف یعنی دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور نفسانی خواہش کا پیرو بن گیا اس لیے ہم نے اس کو توفیق اور عنایت کے بلند مقام سے دناءت اور خست کی طرف پھینک دیا۔ پس خست اور ذلت میں اس کی مثال کتے کی سی مثال ہے اگر تو اس پر حملہ کرے یا اس پر کوئی بوجھ اور مشقت ڈالے تو وہ زبان باہر نکال دیتا ہے یا تو اس کو اس کے حال پر چھوڑ دے تو بھی زبان باہر لٹکا دیتا ہے اور ہانپتا ہے مطلب یہ ہے کہ کتا دونوں حالتوں میں یکساں ہے کسی حال میں اپنی عادت نہیں چھوڑتا تمام حیوانات کا قاعدہ ہے کہ جب ان پر کوئی مشقت پڑتی ہے یا پیاس اور تشنگی ان کو لاحق ہوتی ہے تو اپنی زبان باہر نکال دیتے ہیں ورنہ جب سکون اور آرام کی حالت میں ہوتے ہیں تو نہیں نکالتے بخلاف کتے کے کہ اس پر مشقت پڑے یا نہ پڑے وہ ہر حال میں اپنی زبان باہر لٹکائے رہتا ہے جو اس کی خست اور دناءت کی نشانی ہے اور یہ اس کا طبعی خاصہ ہے کتے کا زبان کو لٹکانا اور ہانپتے رہنا یہ اس کی اندرونی حرص اور طمع کی ظاہری نشانی ہے جو کسی وقت اس سے علیحدہ نہیں ہوتی پیاسا جانور تو فقط پیاس کے وقت زبان لٹکاتا ہے مگر کتا ہر وقت زبان کو لٹکائے رہتا ہے اور حرص اور طمع اور اضطراب کسی حال میں اس سے جدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح ہوا پرست عالم کی زبان حرص و طمع کی وجہ سے ہر وقت لٹکی پڑی رہتی ہے اور بدحواسی اور پریشانی سے ہر وقت ہانپتا رہتا ہے اور یہ قلق اور اضطراب اور بے آرامی کبھی اس سے جدا نہیں ہوتی۔ یہ آیت ہوا پرست عالم کے لیے غایت درجہ کی عبرت ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کو ایک نہایت خسیس اور ذلیل وحقیر حیوان کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ جو عالم علم اور ہدایت سے باہر نکل کر نفسانی شہوتوں کی طرف متوجہ ہوا وہ کتے کے مشابہ ہے جو خسیس ترین اور حریص ترین جانور ہے جسے نجاست اور مردار حلوے سے زیادہ لذیذ ہے۔ (اے اللہ تیری پناہ)

حکایت:...... کسی عارف باللہ کا قول ہے کہ ہواء تقدیر کا عجب حال ہے کسی کو معلوم نہیں کہ کدھر سے چلتی ہے اور کیا تماشہ دکھاتی ہے اگر فضل کی طرف سے چلتی ہے تو بہرام گبر کے زنار کو عشق خداوندی کا کمربند کر دیتی ہے اگر عدل کی طرف آتی ہے تو بلعم کی رسم توحید کو اڑا کر کتے کے برابر کر دیتی ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ رباعی

آنرا بری از صومعہ در دیر گبراں افگنی ۔۔۔ ویں راکشی از بتکدہ سرحلقہ مرداں کنی

چون وچرا درکار تو عقل زبوں را کے رسد ۔۔۔ فرماں دہ مطلق توئی حکمے کہ خواہی آں کنی

یہی حال اور مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے دیدہ ودانستہ از راہ تکبر وعناد ہماری آیتوں کو جھٹلایا یعنی کچھ علماء کی

کی خصوصیت نہیں یہ مثال تمام کفار معاندین اور مکذبین پر صادق آتی ہے جو حق واضح ہو جانے کے بعد بھی کتے کی طرح دنیا کی حرص اور طمع میں پڑے رہے اور ہوا پرستی کا شکار بنے رہے پس اے نبی آپ ان کو یہ قصے سنائیے شاید وہ کچھ غور و فکر کریں اور برے انجام سے ڈریں۔ بری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے جان بوجھ کر ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور یہ لوگ تکذیب کر کے اپنی ہی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں ہمارا کوئی نقصان نہیں۔ ہوا پرستی کی بناء پر یہ لوگ دنیا میں کتوں کے مشابہ بنے اور آخرت میں بھی کتوں جیسا معاملہ ہوگا۔ آگے یہ بتلاتے ہیں کہ آیات اگرچہ ہدایت کا سبب اور ذریعہ ہیں۔ مگر جب تک توفیق یزدانی اور عنایت ربانی دستگیری نہ کرے اس وقت تک ہدایت نہیں ہوتی۔

چنانچہ فرماتے ہیں جس کو اللہ توفیق دیتا ہے وہی آیات خداوندی سے راہ یاب ہوتا ہے اور جس کو وہ اپنی توفیق سے محروم کر دے سو ایسے ہی لوگ ابدی خسارہ میں پڑ جاتے ہیں اور باوجود علم و فضل کے ان کو ہدایت نہیں ہوتی اور آیات خداوندی ہدایت ہی کے لیے اتاری گئیں اور بظاہر ہدایت کا سبب ہیں لیکن ہدایت اور گمراہی کا اصل سبب قضا و قدر ہے اس لیے کہ تحقیق ہم نے دوزخ کے لیے بہت سے جن اور انسان پیدا کیے ہیں تاکہ وہ خدا کے تنور (دوزخ) کا ایندھن بنیں جس طرح ہم جنت کے رزاق ہیں اسی طرح ہم جہنم کے بھی رازق۔ ہم نے بہت سے جنوں اور انسانوں کو جہنم کے رزق کے لیے پیدا کیا ہے ہم مالک مطلق اور خالق مطلق ہیں جو چاہیں کریں بندہ کا فرض بندگی اور بے چون و چرا اطاعت ہے بندہ کو چاہئے کہ اس کو جو حکم دیا گیا ہے وہ بجا لائے قضاء و قدر کے اسرار کو خدا کے سپرد کرے۔ ان منکرین اور معاندین کے لیے دل ہیں مگر ان دلوں سے حق کو نہیں سمجھتے اور ان کے واسطے آنکھیں ہیں مگر ان سے آیات قدرت اور دلائل نبوت کو نہیں دیکھتے اور ان کے کان ہیں مگر ان سے کوئی حق بات سننا نہیں چاہتے دل بھی ہے اور آنکھ بھی ہے اور کان بھی ہے مگر توفیق نہ ہونے کی وجہ سے ہدایت گم ہے ایسے لوگ جو حواس اور قوائے ادراکیہ کو دنیائے فانی کی لذتوں اور شہوتوں کی طرف متوجہ رکھتے ہیں، مانند چوپاؤں کے ہیں۔ جن کا مقصود زندگی ہی کھانا اور پینا اور سونا ہے بلکہ یہ لوگ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں چوپائے اپنے مالک کو اور اپنے نفع اور ضرر کو تو پہچانتے ہیں اور یہ لوگ باوجود انسان ہونے کے آخرت کے نفع اور ضرر کو نہیں پہچانتے یہ لوگ وہ ہیں کہ جو باوجود توجہ دلانے کے آخرت سے بالکل غافل ہیں اس لیے کہ ان کی شہوت ان کی عقل پر غالب ہے ایسے ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے جن کی یہ صفات مذکور ہوئیں ان کے دوزخی ہونے کا سبب یہ صفات ہیں قضاء و قدر اللہ کا فعل ہے وہ جو چاہے مقدر کرے وہ مالک مختار ہے اس کی تقدیر کا کسی کو علم نہیں کہ اس نے تقدیر میں کیا لکھا اس نے انسان کو پیدا کیا اور اپنی عنایت سے اس کو عقل اور قدرت اور ارادہ عطاء فرمایا انسان دنیا کے مشکل سے مشکل کام اسی خداداد عقل اور قدرت سے کرتا ہے اور دنیا کے کاموں میں دوڑتا پھرتا ہے مگر جب آخرت کے کام کا ذکر آتا ہے تو مجبور بن جاتا ہے اور تقدیر کا حوالہ دینے لگتا ہے کہ میری تقدیر میں یوں ہی لکھا ہے یہ سب بہانے ہیں جو قابل شنوائی نہیں مسئلہ قضاء و قدر کی تحقیق بقدر ضرورت ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ کی تفسیر میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لیجائے۔

گزشتہ آیت میں غافلوں کا ذکر کیا اب اس آیت میں مومنوں کو ذکر الٰہی کی ترغیب دیتے ہیں اور متنبہ کرتے ہیں کہ تم غفلت نہ اختیار کرنا اور حکم دیتے ہیں کہ غفلت سے دور رہنے کا طریقہ یہ ہے کہ یاد الٰہی میں لگے رہو اور اللہ ہی کے لیے ہیں سب اچھے نام جو اس کی صفات کمالیہ پر دلالت کرتے ہیں کوئی نام اس کی عظمت و جلالت شان پر دلالت کرتا ہے اور کوئی اس کے جود و نوال پر اور کوئی اس کی تنزیہ و تقدیس پر بس اے مسلمانو! تم اللہ کو انہی اسماء حسنیٰ کے ساتھ پکارا کرو اور اس کے ہر نام سے وہ حاجت طلب کرو جو اس نام کے مناسب ہو مثلاً یا رحمن ارحمنی۔ یا رزاق ارزقنی۔ یا ھادی اھدنی۔ یا فتاح افتح لی۔ یا تواب تب علی۔ یعنی اے رحمن مجھ پر رحم فرما اور اے رزاق مجھ کو رزق عطاء فرما۔ اس طرح اسماء حسنیٰ کے ذریعہ سے دعائیں اور حاجتیں مانگو اور ان لوگوں کے طریقہ کو چھوڑو جو اللہ کے ناموں میں کج راہی کرتے ہیں یعنی ٹیڑھے چلتے ہیں اسماء الٰہیہ میں الحاد (کج روی) کی کئی صورتیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا غیر اللہ پر اطلاق کیا جائے جیسا کہ مشرکین، غیر اللہ کو الٰہ اور معبود کہتے ہیں۔ اور الٰہ سے لات اور عزیز سے عزیٰ وغیرہ بنا کر بتوں کے نام رکھتے ہیں دوم یہ کہ اللہ کو غیر مناسب اسماء و صفات کے ساتھ موسوم کیا جائے جیسا کہ نصاریٰ خدا تعالیٰ کو "اب" یعنی باپ کہتے ہیں سوم یہ کہ خدا تعالیٰ کو ایسے نام اور وصف سے پکارا جائے جو خلاف ادب ہو جیسے یوں کہہ کر پکارے اے ضرر رساں اے محروم کرنیوالے اے بندر کے خالق اے کیڑوں کے پیدا کرنے والے اگرچہ حق تعالیٰ سب چیزوں کے پیدا کرنے والے ہیں مگر دعا میں اس طرح کے الفاظ کا استعمال کرنا خلاف ادب ہے اور علی ہذا جو نام اور صفت شریعت سے ثابت نہیں یا نامعلوم المعنی ہیں ایسے ناموں کا اطلاق بھی کج روی میں داخل ہے مثلاً خدا تعالیٰ کو یا کریم کہنا تو صحیح ہے اور یا سخی کہنا صحیح نہیں۔ اور خدا تعالیٰ کو عالم اور حکیم کہنا صحیح ہے مگر عاقل اور طبیب کہنا صحیح نہیں شریعت میں خدا تعالیٰ پر ان ناموں کا اطلاق وارد نہیں ہوا عنقریب ان ملحدین کو اپنے کیے کی سزا ملے گی کہ اللہ کے اسماء و صفات میں کیوں کج راہی کرتے تھے مشرکین عرب اللہ پاک کو یا ابا المکارم اور یا ابیض الوجہ کہہ کر پکارتے تھے اور نصاریٰ یا ابا المسیح اور یا ابا الملائکۃ کہتے تھے اور حکماء فلاسفہ علت اُولیٰ بولتے تھے حق تعالیٰ نے اس قسم کے ناموں کے اطلاق کی ممانعت میں یہ آیت نازل فرمائی اور من جملہ ان لوگوں کے جن کو ہم نے جنت کے لیے پیدا کیا ہے ایک جماعت ایسی بھی ہے جو لوگوں کو حق کی راہ بتاتی ہے اور حق کے ساتھ لوگوں کا انصاف کرتی ہے یہ مہاجرین اور انصار کی جماعت ہے اور جو لوگ قیامت تک ان کے نقش قدم پر چلیں گے۔ یہ آیت امت محمدیہ کے حق میں ایسی ہے جیسا کہ ﴿وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ﴾ امت موسویہ کے حق میں ہے اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم ان کو درجہ بدرجہ یعنی آہستہ آہستہ اور بتدریج ہلاکت کے مقام تک پہنچائیں گے اس طرح سے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی کہ جب کوئی معصیت کریں گے تو ان کے واسطے دنیاوی نعمت اور کرامت اور زیادہ کر دیں گے جس سے وہ سمجھیں گے کہ خدا تعالیٰ ہم سے خوش ہے اور یہ نعمتیں کبھی ہم سے زائل نہ ہوں گی پھر جب وہ نعمتوں میں خوب مست ہو جائیں گے تب یک لخت ان کو پکڑ لیں گے اور غفلت کی حالت میں ان کو ہلاک کر دیں گے۔ استدراج کے معنی تدریج یعنی درجہ بدرجہ اور

آہستہ آہستہ پکڑنے کے ہیں کہ بتدریج ان کو ہلاکت کی طرف لے جایا جائے۔ امام قشیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نعمت عطاء کرنا اور شکر کا بھلا دینا یہ استدراج ہے اور میں ان لوگوں کو ڈھیل بھی دونگا یعنی ان کی شرارتوں پر فوراً نہیں پکڑوں گا بلکہ مہلت دوں گا کہ دل کھول کر دنیا کے مزے اڑالیں اور جرم کا پیمانہ لبریز ہوجائے۔ تحقیق میری تدبیر بڑی محکم اور مضبوط ہے۔ "کید" اس تدبیر کو کہتے ہیں جو پوشیدہ ہو استدراج کو کید اس لیے فرمایا کہ ظاہر میں انعام اور اکرام ہے اور باطن میں تذلیل وتحقیر ہے یعنی ناکامی اور رسوائی ہے۔

ف:...... گزشتہ آیت یعنی ﴿سَیُجۡزَوۡنَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ﴾ میں ملحدین کی سزا کا ذکر تھا اب ان آیات میں یہ بتلایا کہ جو لوگ حق جل شانہ کے نزدیک مبغوض ہوں۔ یہ ضروری نہیں کہ انہیں فوراً عذاب دیا جائے بلکہ بطور استدراج ان کو مہلت ملتی ہے۔

ایک شبہ:...... شبہ یہ ہے کہ اس جگہ تو یہ فرمایا ﴿وَلَقَدۡ ذَرَاۡنَا لِجَهَنَّمَ کَثِیۡرًا مِّنَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ﴾۔ ہم نے بہت سے جن اور انس کو دوزخ کے لیے پیدا کیا اور دوسری جگہ یہ ارشاد فرمایا ﴿وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ﴾۔ کہ جن اور انس سب کو صرف عبادت کے لیے پیدا کیا۔

جواب:...... یہ ہے کہ اس جگہ اپنی تقدیر اور تکوین کو بیان فرمایا کہ تکوینی اور تقدیری طور پر بہت سوں کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ اپنے معبود برحق کی عبادت اور اطاعت کریں اور خداوند قدوس نے جو ان کو عقل اور فہم اور قدرت اور اختیار دیا ہے اس کو اس کی عبادت اور اطاعت میں خرچ کریں خدا اور رسول ﷺ کے مقابلہ میں اس کو استعمال نہ کریں دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ایک جگہ غایت تشریعی کا بیان ہے اور ایک جگہ غایت تکوینی اور تقدیری کا بیان ہے۔

اَوَلَمۡ یَتَفَکَّرُوۡا ٜ مَا بِصَاحِبِهِمۡ مِّنۡ جِنَّةٍ ؕ اِنۡ هُوَ اِلَّا نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَلَمۡ یَنۡظُرُوۡا فِیۡ

کیا انہوں نے دھیان نہیں کیا کہ ان کے رفیق کو کچھ بھی جنون نہیں وہ تو ڈرانے والا ہے صاف کیا انہوں نے نظر نہیں کی

کیا دھیان نہیں کیا انہوں نے؟ ان کے رفیق کو کچھ جنون نہیں۔ وہ تو ڈرانے والا ہے صاف۔ کیا نگاہ نہیں کی

مَلَکُوۡتِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنۡ شَیۡءٍ ۙ وَّاَنۡ عَسٰۤی اَنۡ یَّکُوۡنَ قَدِ

سلطنت میں آسمان اور زمین کی اور جو کچھ پیدا کیا ہے اللہ نے ہر چیز سے اور اس میں کہ شاید قریب آگیا ہو ان کا

سلطنت میں آسمان اور زمین کے اور جو اللہ نے بنائی ہے کوئی چیز، اور یہ کہ شاید نزدیک پہنچا ہو ان کا

اقۡتَرَبَ اَجَلُهُمۡ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَهٗ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۸۵﴾ مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ ؕ

وعدہ ف۱ سو اس کے پیچھے کس بات پر ایمان لائیں گے ف۲ جس کو اللہ بچلائے اس کو کوئی نہیں راہ دکھانے والا،

وعدہ، سو اس کے پیچھے کس بات پر یقین لاویں گے؟ جس کو اللہ بھٹکا دے اسے کوئی نہیں راہ دینے والا۔

ف۱ یعنی آخر آیات اللہ کو جھٹلانے اور اس کے بدانجام سے غافل ہوجانے کا سبب کیا ہے۔ ان آیات کا لانے والا معاذ اللہ کوئی بے عقل و مجنون نہیں۔ وہ ساری عمر تمہارے پاس رہا، اس کے ہر چھوٹے بڑے حال سے تم واقف ہو۔ اس کی عقل و دانش اور امانت و دیانت پہلے سے مسلم و معروف ہے، جس کے پاس سے =

وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۱۸۶﴾

اور اللہ چھوڑے رکھتا ہے ان کو ان کی شرارت میں سرگرداں ف ۱

اور ان کو چھوڑ رکھتا ہے ان کی شرارت میں بہکتے۔

تہدید بر عدم نظر وفکر وتذکیر موت

قَالَ اللهُ تَعَالَىٰ : ﴿أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا مَا بِصَاحِبِهِم مِّن جِنَّةٍ ... الى ... وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں گمراہوں اور آخرت سے غافلوں کی تہدید وتوبیخ کا ذکر تھا اب ان آیات میں ان کی غفلت اور گمراہی کے سبب کا ذکر ہے وہ یہ ہے کہ غور وفکر سے کام نہیں لیتے اس لیے کبھی نبوت ورسالت کے بارہ میں ان کو شبہ لاحق ہوتا ہے اور کبھی خداوند ذوالجلال کی الوہیت اور ربوبیت میں شبہ پیش آتا ہے اگر یہ لوگ حضور پرنور ﷺ کے حال اور معجزات میں غور کرتے تو آپ کی نبوت ورسالت میں ان کو شبہ نہ ہوتا اور اگر آسمان وزمین کی خلقت میں غور کرتے تو خدا کی وحدانیت میں کوئی شبہ نہ رہتا ان کو چاہئے کہ اس بات میں غور کریں کہ شاید ان کی موت اور ہلاکت کا وقت قریب آ گیا ہے اس لیے ان کو چاہئے کہ موت آنے سے پہلے سنبھل جائیں اور مابعد الموت کی تیاری کریں۔

ربط دیگر:...... گزشتہ آیات میں ان کے قصور کا بیان تھا اب ان آیات میں ان کے بے ہودہ شبہات کا جواب ہے۔ ایک شبہ تو آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات کے متعلق کرتے تھے کہ یہ مدعی نبوت کوئی دیوانہ شخص معلوم ہوتا ہے اور دوسرا شبہ خدا تعالیٰ کی وحدانیت کے متعلق تھا اب ان آیات میں ان بے ہودہ شبہات کا جواب دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کیا یہ نادان آنحضرت ﷺ کی طرف جنون کی نسبت کرتے ہیں اور انہوں نے اس بات میں غور نہیں کیا کہ ان کے رفیق محمد ﷺ کو جنون سے ذرہ برابر کوئی مس بھی نہیں ہمیشہ سے آپ ﷺ کے ساتھ رہے اور یہ لوگ آپ ﷺ کے حال سے بخوبی واقف ہیں دنیاوی لذات سے کنارہ کش اور ہمہ تن آخرت کی طرف متوجہ ہیں دن رات حکمت وموعظت کی باتیں بتلاتے ہیں آپ تو صرف صاف طور پر آئندہ کے عذاب سے ڈرانے والے ہیں اور ایسی علم وحکمت کی باتیں ایک مجنون سے سرزد نہیں ہو سکتیں۔ جس کو یہ مجنون کہتے ہیں دل سے ان کو بھی یقین ہے کہ مجنون کی باتیں ایسی نہیں ہوتیں کیا ان لوگوں نے دیدۂ عقل سے آسمانوں اور زمین کے ملک عظیم میں نظر نہیں کی یعنی نجوم اور کواکب اور شمس وقمر اور کوہ ودریا میں نظر نہیں کی اور ان کے علاوہ خدا تعالیٰ نے قسم قسم کی جو

= لایاوہ تمام جہان کا مالک، شہنشاہ مطلق اور ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس کے نہایت ہی محکم ومضبوط نظام سلطنت بلکہ ہر چھوٹی بڑی چیز میں جو اس نے پیدا کی ہے غور کرو تو یہ "آیات تکوینیہ" "آیات تنزیلیہ" کی تصدیق کریں گی پھر آیات اللہ کی تسلیم میں کیا عذر باقی ہے۔ انہیں سمجھنا چاہیے کہ شاید ان کی موت د ہلاکت کا وقت قریب آلگا ہو لہٰذا بعد الموت کے لیے جو تیاری کرنی ہے جلد کرنا چاہیے۔

ف ۲ یعنی اگر آیات قرآنیہ پر ایمان نہ لائے تو دنیا میں اور کون سی بات اور کون سا کلام ہے جس پر ایمان لانے کی امید کی جاسکتی ہے سمجھ لو کہ ان بدبختوں کے لیے دولت ایمان مقدر ہی نہیں۔

ف ۱ ہدایت وضلالت، ہر چیز خدا کے قبضہ میں ہے۔ وہ نہ چاہے تو سارے سامان ہدایت رکھے کے رکھے رہ جائیں۔ آدمی کہیں سے بھی منتفع نہ ہو ہاں عادۃً وہ جب ہی ہدایت کی توفیق دیتا ہے جب بندہ خود اپنے کسب واختیار سے اس راستہ پر چلنا چاہے۔ باقی جو دیدہ و دانستہ بدی اور شرارت ہی کی ٹھان لے تو خدا بھی رستہ دکھلانے کے بعد اسی حال میں اسے چھوڑ دیتا ہے۔

چیزیں پیدا کی ہیں ان کو نہیں دیکھا جس سے صانع کی کمال قدرت اور مبدع کا جمال وحدت ان پر ظاہر ہوجاتا کیونکہ عالم کا ذرہ ذرہ اس کی وحدانیت کی گواہی دے رہا ہے اور نہ ان لوگوں نے اس بات کا خیال کیا کہ شاید ان کی موت قریب آگئی ہو اور اس ڈر سے توبہ کرلیں کہ کہیں کفر کی حالت میں نہ مرجائیں پس اس قرآن کے بعد کون سی بات پر ایمان لائیں گے اس کے بعد تو قیامت تک کوئی کتاب نازل ہوئی ہی نہیں کیونکہ محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں اور آپ کی کتاب آخری کتاب ہے جس سے تمام پہلی کتابیں منسوخ ہوگئیں جس کو اللہ گمراہ کرے اور توفیق سے اس کو محروم کرے پس اس کو کوئی راہ دکھانے والا نہیں اور ان معاندین کو خدا تعالیٰ گمراہی سے نکالتا نہیں بلکہ ان کو ان کی گمراہی اور سرکشی میں چھوڑ دیتا ہے کہ اسی میں برابر سرگرداں اور حیران پھرتے رہیں اور راہ راست پر نہ آئیں اور آخرت پر ایمان نہ لائیں ان آیتوں میں استدراج کو بیان کیا جس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں پر نعمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے یہاں تک کہ وہ عیش وعشرت میں ایسے مست ہوجاتے ہیں کہ دل کے اندھے ہوجاتے ہیں اور جس منعم حقیقی نے یہ نعمتیں دی ہیں اس سے آنکھیں پھیر لیتے ہیں بلکہ اس کو بھلا دیتے ہیں جب غفلت کی اس منزل میں پہنچ جاتے ہیں تو پکڑے جاتے ہیں اور ان کو یہ معلوم نہیں کہ یہ سارا ماجرا از اول تا آخر قضاء وقدر میں طے ہوچکا ہے۔ اب ائندہ آیت میں مشرکین کے ایک احمقانہ سوال کو ذکر کرکے اس کا جواب دیتے ہیں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ

تجھ سے پوچھتے ہیں قیامت کو کہ کب ہے اس کے قائم ہونے کا وقت تو کہہ اس کی خبر تو میرے رب ہی کے پاس ہے وہی کھول دکھائے گا اس کو اس کے وقت پر

تجھ سے پوچھتے ہیں قیامت (کی بابت) کس وقت ہے اس کا ٹھہراؤ؟ تو کہہ، اس کی خبر تو ہے میرے رب ہی پاس۔ وہی کھول دکھادے گا اس کو اپنے وقت۔

اِلَّا هُوَ ۭ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ

وہ بھاری بات ہے آسمانوں اور زمین میں جب تم پر آئے گی تو بے خبر آئے گی ف۱ تجھ سے پوچھنے لگتے ہیں کہ گویا تو اس کی تلاش میں لگا

بھاری بات ہے آسمان و زمین میں۔ تم پر آوے گی تو بے خبر آوے گی۔ تجھ سے پوچھنے لگتے ہیں گویا کہ تو اس کا تلاشی

عَنْهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ

ہوا ہے تو کہہ دے اس کی خبر ہے خاص اللہ کے پاس لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے ف۲ تو کہہ دے کہ میں مالک نہیں

ہے۔ تو کہہ، اس کی خبر ہے خاص اللہ پاس، لیکن اکثر لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔ تو کہہ، میں مالک نہیں

ف۱ پہلے ﴿عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ﴾ میں خاص اس قوم کی اجل (موت) کا ذکر تھا کہ انہیں کچھ معلوم نہیں کہ کب آجائے۔ یہاں تمام دنیا کی اجل (قیامت) کے متعلق متنبہ فرمادیا کہ جب کسی کو خاص اپنی موت کا علم نہیں کب آئے، پھر کل دنیا کی موت کو کون بتلا سکتا ہے کہ فلاں تاریخ اور فلاں سنہ میں آئے گی۔ اس کی تعیین کا علم بجز خدائے علام الغیوب کسی کے پاس نہیں۔ وہی وقت معین ومقدر پر اسے واقع کرکے ظاہر کردے گا کہ خدا کے علم میں اس کا یہ وقت تھا۔ آسمان وزمین میں وہ بڑا بھاری واقعہ ہوگا اور اس کا علم بھی بہت بھاری ہے جو خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ گو اس واقعہ کی امارات (بہت سی نشانیاں) انبیاء علیہم السلام خصوصاً ہمارے پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں۔ تاہم ان سب علامات کے ظہور کے بعد بھی جب قیامت کا وقوع ہوگا تو بالکل بے خبری میں اچانک اور دفعتاً ہوگا جیسا کہ بخاری وغیرہ کی احادیث میں تفصیلاً مذکور ہے۔

ف۲ ان لوگوں کے طرز سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ گویا وہ آپ کی نسبت یوں سمجھتے ہیں کہ آپ بھی اسی مسئلہ کی تحقیق وتفتیش اور کھوج لگانے میں مشغول رہے ہیں اور =

لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ

اپنی جان کے بھلے کا اور نہ برے کا مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں جان لیا کرتا غیب کی بات تو بہت کچھ

اپنی جان کے بھلے کا، نہ برے کا، مگر جو اللہ چاہے۔ اور اگر میں جانا کرتا غیب کی بات، تو بہت خوبیاں

عٓ الْخَیْرِ ۛ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۛ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۟

بھلائیاں حاصل کرلیتا اور مجھ کو برائی کبھی نہ پہنچتی ف۱ میں تو بس ڈر اور خوشخبری سنانے والا ہوں ایمان دار لوگوں کو

لیتا۔ اور مجھ کو برائی کبھی نہ پہنچتی۔ میں تو یہی ہوں ڈر اور خوشی سنانے والا، مانتے لوگوں کو۔

تذکیر آخرت وذکر قیامت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا ... الی ... اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیت ﴿عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ﴾ میں انفرادی قیامت کا ذکر تھا اس لیے کہ حدیث میں ہے "من مات فقد قامت قیامته" جو شخص مرگیا اس کی قیامت تو قائم ہوگئی اب ان آیات میں مجموعہ عالم کی قیامت کا ذکر ہے پس جس طرح کسی شخص کو اپنی شخصی قیامت یعنی اجل اور موت کا علم نہیں اسی طرح سمجھ لو کہ پوری دنیا کی اجل یعنی موت کا علم بھی کسی کو نہیں۔ کون بتلا سکتا ہے کہ قیامت کس تاریخ اور کس دن میں اور کس وقت میں آئے گی۔ اس کا علم سوائے خداوند علام الغیوب کے کسی کو نہیں قریش کے ایک گروہ نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ اے محمد ﷺ یہ بتلاؤ کہ قیامت کب آئے گی

= تلاش کے بعد اس کے علم تک رسائی حاصل کر چکے ہیں حالانکہ یہ علم حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ مخصوص ہے انبیاء علیہم السلام اس چیز کے پیچھے نہیں پڑا کرتے جس سے خدا نے اپنی مصلحت کی بناء پر روک دیا ہو۔ نہ ان کے اختیار میں ہے کہ جو چاہیں کوشش کر کے ضرور ہی معلوم کرلیا کریں۔ ان کا منصب یہ ہے کہ جن بیشمار علوم وکمالات کا خدا کی طرف سے افاضہ ہو، نہایت شکر گزاری اور قدر شناسی کے ساتھ قبول کرتے رہیں۔ مگر ان باتوں کو اکثر عوام کالانعام کیا سمجھیں۔

ف۱ اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ کوئی بندہ خواہ کتنا ہی بڑا ہو، نہ اپنے اندر "اختیار مستقل" رکھتا ہے نہ "علم محیط"۔ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جو علوم اولین وآخرین کے حامل اور خزائن ارضی کی کنجیوں کے امین بنائے گئے تھے، ان کو یہ اعلان کرنے کا حکم ہے کہ میں دوسروں کو کیا خود اپنی جان کو بھی کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا، نہ کسی نقصان سے بچا سکتا ہوں۔ مگر جس قدر اللہ چاہے اتنے ہی پر میرا قابو ہے اور اگر میں غیب کی ہر بات جان لیا کرتا تو بہت سی وہ بھلائیاں اور کامیابیاں بھی حاصل کر لیتا جو علم غیب نہ ہونے کی وجہ سے کسی وقت فوت ہو جاتی ہیں۔ نیز کبھی کوئی ناخوشگوار حالت مجھ کو پیش نہ آیا کرتی۔ مثلاً "افک" کے واقعہ میں کتنے دنوں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی نہ آنے کی وجہ سے اضطراب وقلق رہا۔ حجۃ الوداع میں تو صاف ہی فرمادیا "لو استقبلت من امری ما استدبرت لما سقت الهدی" (اگر میں پہلے سے اس چیز کو جانتا جو بعد میں پیش آئی تو ہرگز ہدی کا جانور اپنے ساتھ نہ لاتا) اسی قسم کے بیسیوں واقعات ہیں جن کی روک تھام "علم محیط" رکھنے کی صورت میں نہایت آسانی سے ممکن تھی۔ ان سب سے بڑھ کر عجیب تر واقعہ یہ ہے کہ "حدیث جبرائیل" کی بعض روایات میں آپ نے تصریحاً فرمایا کہ یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے جبرائیل کو واپسی کے وقت تک نہیں پہچانا۔ جب وہ اٹھ کر چلے گئے تب علم ہوا کہ جبرائیل تھے۔ یہ واقعہ بتصریح محدثین بالکل آخر عمر کا ہے۔ اس میں قیامت کے سوال پر "ما المسؤل عنها باعلم من السائل" ارشاد فرمایا، گویا بتلا دیا گیا کہ "علم محیط" خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ اور "علم غیب" تو درکنار، محسوسات ومبصرات کا پورا علم بھی خدا ہی کے عطا کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ وہ کسی وقت نہ چاہے تو ہم محسوسات کا بھی ادراک نہیں کر سکتے۔ بہر حال اس آیت میں کھول کر بتلا دیا گیا کہ "اختیار مستقل" یا "علم محیط" نبوت کے لوازم میں سے نہیں جیسا کہ بعض جہلاء سمجھتے تھے۔ ہاں شرعیات کا علم جو انبیاء علیہم السلام کے منصب سے متعلق ہے کامل ہونا چاہیے اور تکوینیات کا علم خدا تعالیٰ جس کو جس قدر مناسب جانے عطا فرماتا ہے۔ اس نوع میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام اولین وآخرین سے فائق ہیں۔ آپ کو اتنے بیشمار علوم ومعارف حق تعالیٰ نے مرحمت فرمائے ہیں جن کا احصاء کسی مخلوق کی طاقت میں نہیں۔

اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ مشرکین قیامت کو یعنی دوبارہ زندہ ہونے کو محال سمجھتے تھے یہ ان کا خیال خام تھا مرنا تو کوئی محال چیز نہیں رہا مر کر زندہ ہونا سو اس میں اگر کوئی اشکال ہو سکتا ہے تو صرف یہ ہے کہ نیست سے ہست ہونا کیونکر ممکن ہے سو یہ بھی دن رات مشاہد ہے اس میں بھی کوئی قابل اعتراض بات نہیں خداوند قدوس کی قدرت میں ذرا غور کریں تو سارے شبہات دور ہو جائیں چنانچہ فرماتے ہیں: یہ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ قیامت کس وقت قائم ہوگی تا کہ قیامت قائم ہونے سے کچھ دیر پہلے ایمان لے آئیں آپ جواب میں کہہ دیجئے کہ جز ایں نیست کہ قیامت کا علم صرف میرے پروردگار ہی کے پاس ہے جس کی خبر نہ کسی ملک مقرب کو ہے اور نہ نبی مرسل کو نہیں ظاہر کرے گا اس کو اس کے وقت پر مگر وہی جو اسے جانتا ہے قیامت کا حادثہ آسمانوں اور زمین میں بڑا بھاری اور گراں حادثہ ہے جس میں آسمان اور زمین سب کی فناء ہے اس لیے حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو مخفی رکھا جائے نہیں آئے گی تم پر قیامت مگر ناگہاں اس لیے تم کو اس سے ڈرتے رہنا چاہئے اور آنے سے پہلے اس کی تیاری کر لینی چاہئے اور پہلے سے بتلا دینے میں یہ بات نہ رہے گی۔ یہ لوگ آپ ﷺ سے قیامت کے متعلق اس طرح سے سوال کرتے ہیں کہ گویا آپ اس سے پورے باخبر اور واقف ہیں آپ کہہ دیجئے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت اور مصلحت سے اس کے علم کو اپنے ساتھ مخصوص کر لیا ہے جس میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ منکرین قیامت کو آخر وقت تک قیامت کی آمد کا پتہ نہ چلے جیسے انسان کو آخر وقت تک موت کا علم نہیں کہ کب آئے گی اسی طرح کسی کو قیامت کے آنے کا وقت بھی معلوم نہیں لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کہ بہت سی چیزیں ایسی بھی ہیں کہ جن کا علم حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ مخصوص ہے کسی حکمت اور مصلحت کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ان کا علم انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ علیہم السلام سے بھی روک لیا ہے۔ منجملہ ان کے ایک قیامت ہے جس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے اس کے سوا اور کسی کو نہیں مگر اکثر آدمی یعنی کفار اپنی بے علمی کے سبب یہ سمجھتے ہیں کہ نبیوں کو قیامت کا علم ہی ضروری ہے اور اگر کوئی نادان یہ کہے کہ نبی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ غیب دان ہو تو اے نبی آپ اس سے کہہ دیجئے کہ میں تو اپنی ذات کے لیے بھی چہ جائیکہ دوسروں کے لیے کسی نفع اور ضرر کا مالک نہیں مگر جتنا اللہ تعالیٰ چاہے فقط اتنی مقدار مجھے اختیار حاصل ہو جاتا ہے میں نہ اختیار مستقل رکھتا ہوں اور نہ علم محیط اور اگر میں غیب داں ہوتا تو میں اپنے لیے بہت سی بھلائی جمع کر لیتا اور مجھ کو کبھی کوئی برائی نہ پہنچتی یعنی اگر میں غیب داں ہوتا تو بہت سی بھلائیاں اور کامیابیاں حاصل کر لیتا جو علم غیب نہ ہونے کی وجہ سے مجھ سے فوت ہو جاتی ہیں۔ نیز بسا اوقات لاعلمی کی وجہ سے مجھ کو ناگوار حالت بھی پیش آتی ہے اگر پہلے ہی مجھے علم ہوتا تو یہ اضطراب اور پریشانی مجھ کو لاحق نہ ہوتی انسان کو اگر پہلے سے علم ہو جائے تو نہایت آسانی کے ساتھ بہت سی مشکلات کی روک تھام ممکن ہے میں نہ تو مجنون ہوں اور نہ غیب داں ہوں میں تو صرف عذاب الٰہی سے ڈرانے والا اور ایمان والوں کو ثواب کی بشارت دینے والا ہوں یعنی میری نبوت کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ میں احکام خداوندی کا بشیر اور نذیر ہوں نہ مجھے علم غیب ہے اور نہ میں کسی نفع اور ضرر کا مالک ہوں مشرکین عرب آنحضرت ﷺ کی نبوت میں جہاں اور شبہات نکالتے تھے وہاں یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہمیں دنیاوی مضرتوں سے بچانے کے لیے ہمیں غیب کی خبریں بتلائیے اور آنے والی مصائب سے ہمیں آگاہ کیجئے تا کہ ان سے بچنے کی تدبیر کر لی جائے ان سب مزخرفات کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اے نبی آپ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ میں خود اپنے

ہی نفع اور ضرر کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ میں عالم الغیب ہوں جو تمہیں غیب کی باتیں بتاؤں۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا ۚ فَلَمَّا

وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا ایک جان سے اور اسی سے بنایا اس کا جوڑا تاکہ اس کے پاس آرام پکڑے، پھر جب

وہی ہے جس نے تم کو بنایا ایک جان سے۔ اور اسی سے بنایا اس کا جوڑا کہ اس پاس آرام پکڑے۔ پھر جب

تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَیْتَنَا

مرد نے عورت کو ڈھانکا حمل رہا ہلکا سا حمل تو چلتی پھرتی رہی اس کے ساتھ، پھر جب بوجھل ہوگئی تو دونوں نے پکارا اللہ اپنے رب کو کہ اگر تو ہم کو بخشے

مرد نے عورت کو ڈھانکا، حمل رہا ہلکا سا حمل، پھر چلتی گئی اس سے۔ پھر جب بوجھل ہوئی، دونوں نے پکارا اللہ اپنے رب کو، اگر تو ہم کو بخشے

صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ۝۱۸۹ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَاۤ اٰتٰىهُمَا ۚ

چنگا بھلا تو ہم تیرا شکر کریں پھر جب ان کو دیا چنگا بھلا تو بنانے لگے اس کے لیے شریک اس کی بخشی ہوئی چیز میں

چنگا بھلا تو ہم تیرا شکر کریں۔ پھر جب دیا ان کو چنگا بھلا ٹھہرانے لگے اس کے شریک اس کی بخشی چیز میں۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝۱۹۰ اَیُشْرِكُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ ۝۱۹۱ وَلَا

سو اللہ برتر ہے ان کے شریک بنانے سے ف۱ کیا شریک بناتے ہیں ایسوں کو جو پیدا نہ کریں ایک چیز بھی اور وہ پیدا ہوئے ہیں ف۲ اور نہیں کر سکتے ہیں

سو اللہ اوپر ہے ان کے شریک بتانے سے۔ کن کو شریک بتاتے ہیں، جو پیدا نہ کریں ایک چیز، اور آپ پیدا ہوتے ہیں؟ اور نہ کر سکتے ہیں

ف۱ خدا نے سب انسانوں کو آدم سے پیدا کیا۔ آدم کے انس اور سکون وقرار حاصل کرنے کے لیے اسی کے اندر سے اس کا جوڑا (حواء) بنایا۔ پھر دونوں سے نسل چلی۔ جب مرد نے عورت سے فطری خواہش پوری کی تو عورت حاملہ ہوئی۔ حمل کی ابتدائی حالت میں کوئی گرانی نہ تھی۔ عورت حسب معمول چلتی پھرتی اور اٹھتی بیٹھتی رہی۔ جب پیٹ بڑھ گیا، اور یہ کون جان سکتا تھا کہ اس کے اندر کیا چیز پوشیدہ ہے، تب مرد وعورت دونوں نے حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا کہ اگر آپ اپنے فضل سے بھلا چنگا کارآمد بچہ عنایت فرمائیں گے تو ہم دونوں (بلکہ ہماری نسل بھی) تیرا شکر ادا کرتی رہے گی۔ خدا نے جب ان کی یہ تمنا پوری کر دی تو ہماری دی ہوئی چیز میں اوروں کے حصے لگانے شروع کر دیئے مثلاً کسی نے عقیدہ جما لیا کہ یہ اولاد فلاں زندہ یا مردہ مخلوق نے ہم کو دی ہے، کسی نے اس عقیدہ سے نہیں تو عملاً اس کی نذر ونیاز شروع کر دی، یا بچہ کی پیشانی اس کے سامنے ٹیک دی یا بچہ کا نام ایسا رکھا جس سے شرک کا اظہار ہوتا ہے۔ مثلاً عبدالعزیٰ یا عبدالشمس وغیرہ، غرض جو حق منعم حقیقی کا تھا وہ اعتقاداً یا فعلاً یا قولاً دوسروں کو دے دیا گیا۔ خوب سمجھ لو کہ حق تعالیٰ تمام انواع ومراتب شرک سے بالا وبرتر ہے۔ ان آیات میں حسن بصری وغیرہ کی رائے کے موافق خاص آدم وحوا کا نہیں بلکہ عام انسانوں کی حالت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ بیشک ابتداء ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ میں بطور تمہید آدم وحوا کا ذکر تھا، مگر اس کے بعد مطلق مرد وعورت کے ذکر کی طرف منتقل ہو گئے اور ایسا بہت جگہ ہوتا ہے کہ شخص کے ذکر سے جنس کے ذکر کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں جیسے ﴿وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ﴾ جن ستاروں کو "مصابیح" فرمایا ہے وہ ٹوٹنے والے ستارے نہیں جن سے "رجم شیاطین" ہوتا ہے۔ مگر شخص "مصابیح" سے جنس "مصابیح" کی طرف کلام کو منتقل کر دیا گیا۔ اس تفسیر کے موافق "جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ" میں کچھ اشکال نہیں۔ مگر اکثر سلف سے یہی منقول ہے کہ ان آیات میں صرف آدم وحوا کا قصہ بیان فرمایا ہے۔ کہتے ہیں کہ ابلیس ایک نیک مخلوق کی صورت میں حوا کے پاس آیا اور فریب دے کر ان سے وعدہ لے لیا کہ اگر لڑکا پیدا ہو تو اس کا نام عبدالحارث رکھیں حوا نے آدم کو بھی راضی کر لیا۔ اور جب بچہ پیدا ہوا تو دونوں نے عبدالحارث نام رکھا (حارث ابلیس کا نام تھا جس سے وہ گروہ ملائکہ میں پکارا جاتا تھا) ظاہر ہے کہ اسمائے اعلام میں لغوی معنی معتبر نہیں ہوتے اور ہوں بھی تو "عبد" کی اضافت "حارث" کی طرف اس کو مستلزم نہیں کہ "حارث" کو معاذ اللہ معبود سمجھ لیا جائے۔ ایک مہمان نواز آدمی کو عرب "عبدالضیف" کہہ دیتے ہیں۔ (یعنی مہمان کا غلام) اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ گویا میزبان مہمان کی پوجا کرتا ہے۔ پس اگر =

يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا

ان کی مدد اور نہ اپنی مدد کریں اور اگر تم ان کو پکارو رستہ کی طرف تو نہ

ان کو مدد اور نہ اپنی مدد کریں۔ اور اگر انکو پکارو راہ پر، نہ

يَتَّبِعُوْكُمْ ۭ سَوَاۗءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ

چلیں تمہاری پکار پر برابر ہے تم پر کہ ان کو پکارو یا چپکے رہو جن کو تم پکارتے ہو

چلیں تمہاری پکار پر۔ برابر ہے تم کو، کہ ان کو پکارو یا چپکے رہو۔ جن کو تم پکارتے ہو

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

اللہ کے سوا وہ بندے ہیں تم جیسے بھلا پکارو تو ان کو پس چاہیے کہ وہ قبول کریں تمہارے پکارنے کو، اگر تم سچے ہو

اللہ کے سوا، بندے ہیں تم سے، بھلا پکارو ان کو، تو چاہئے قبول کریں تمہارا پکارنا، اگر تم سچے ہو۔

اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ

کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے چلتے ہیں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے پکڑتے ہیں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے ہیں

کیا ان کو پاؤں ہیں جن سے چلتے ہیں، یا ان کو ہاتھ ہیں جن سے پکڑتے ہیں، یا ان کو آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے

بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَاۗءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا

یا ان کے کان ہیں جن سے سنتے ہیں تو کہہ دے کہ پکارو اپنے شریکوں کو پھر برائی کرو میرے حق میں اور

ہیں، یا ان کو کان ہیں جن سے سنتے ہیں؟ تو کہہ، پکارو اپنے شریکوں کو، پھر برا کرو میرے حق میں، اور

تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِيِّ ۦ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ڮ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِيْنَ

مجھ کو ڈھیل نہ دو ف۱ میرا حمایتی تو اللہ ہے جس نے اتاری کتاب اور وہ حمایت کرتا ہے نیک بندوں کی ف۲ اور جن کو

مجھ کو ڈھیل نہ دو۔ میرا حمایتی اللہ ہے، جس نے اتاری کتاب۔ اور وہ حمایت کرتا ہے نیک بندوں کی۔ اور جن کو

="عبدالحارث" نام رکھنے کا یہ واقعہ صحیح ہے تو نہیں کہا جاسکتا کہ آدم علیہ السلام نے معاذ اللہ حقیقۃً شرک کا ارتکاب کیا جو انبیاء کی شان عصمت کے منافی ہے۔ ہاں بچہ کا ایسا غیر موزوں نام رکھنا جس سے بظاہر شرک کی بو آتی ہو نبی معصوم کی شان رفیع اور جذبہ توحید کے مناسب نہ تھا۔ قرآن کریم کی عادت ہے کہ انبیائے مقربین کی چھوٹی سی لغزش اور ادنیٰ ترین ذلت کو "حسنات الابرار سیئات المقربین" کے قاعدہ کے مطابق اکثر سخت عنوان سے تعبیر کرتا ہے جیسے یونس علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا ﴿فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ﴾ یا فرمایا ﴿اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا﴾. علی توجیه بعض المفسرین اسی طرح یہاں بھی آدم علیہ السلام کے رتبہ کے لحاظ سے اس موہم شرک تسمیہ کو تغلیظاً ان الفاظ میں ادا فرمایا۔ ﴿جعلا له شرکاء فیما اٰتاهما﴾ (خدا کی دی ہوئی چیز میں حصہ دار بنانے لگے) یعنی ان کی شان کے لائق نہ تھا کہ ایسا نام رکھیں جس کی سطح سے شرک کا وہم ہوتا ہے۔ گو حقیقۃً شرک نہیں۔ شاید اسی لیے فَقَدْ اَشْرَكَ کا وغیرہ مختصر عبارت چھوڑ کر یہ طویل عنوان ﴿جَعَلَا لَهٗ شُرَكَاۗءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا﴾ اختیار فرمایا۔ واللہ اعلم۔

(تنبیہ) حافظ عماد الدین ابن کثیر نے جتلایا ہے کہ عبدالحارث نام رکھنے کی حدیث مرفوع جو ترمذی میں ہے، وہ تین وجہ سے معلول ہے۔ رہے آثار، وہ غالباً اہل کتاب کی روایت سے ماخوذ ہیں۔ واللہ اعلم۔

تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ نَصۡرَكُمۡ وَلَاۤ اَنۡفُسَهُمۡ يَنۡصُرُوۡنَ ﴿۱۹۷﴾ وَاِنۡ تَدۡعُوۡهُمۡ

تم پکارتے ہو اس کے سوا وہ نہیں کرسکتے تمہاری مدد اور نہ اپنی جان بچا سکیں اور اگر تم ان کو پکارو

تم پکارتے ہو اس کے سوا، نہیں کرسکتے تمہاری مدد، اور نہ اپنی جان بچا سکیں۔ اور اگر انکو پکارو

اِلَى الۡهُدٰى لَا يَسۡمَعُوۡا ؕ وَتَرٰٮهُمۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَيۡكَ وَهُمۡ لَا يُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۹۸﴾ خُذِ

رستہ کی طرف تو کچھ نہ سنیں اور تو دیکھتا ہے ان کو کہ تک رہے ہیں تیری طرف اور وہ کچھ نہیں دیکھتے ف۱ عادت کر

راہ کی طرف، کچھ نہ سنیں، اور تو دیکھے کہ تکتے ہیں تیری طرف، اور کچھ نہیں دیکھتے۔ خوب کر

الۡعَفۡوَ وَاۡمُرۡ بِالۡعُرۡفِ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡجٰهِلِيۡنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا يَنۡزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيۡطٰنِ نَزۡغٌ

درگزر کی اور حکم کر نیک کام کرنے کا اور کنارہ کر جاہلوں سے اور اگر ابھارے تجھ کو شیطان کی چھیڑ

معاف کرنا، اور کہہ نیک کام کو اور کنارہ کر جاہلوں سے۔ اور کبھی ابھار دے تجھ کو شیطان کی چھیڑ،

فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۲۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّهُمۡ طٰۤئِفٌ مِّنَ الشَّيۡطٰنِ

تو پناہ مانگ اللہ سے وہی ہے سننے والا جاننے والا ف۲ جن کے دل میں ڈر ہے جہاں پڑگیا ان پر شیطان کا گزر

تو پناہ پکڑ اللہ کی، وہی ہے سنتا جانتا۔ جو لوگ ڈر رکھتے ہیں، جہاں پڑگیا ان پر شیطان کا گزر،

ف۲ پہلے ایک طرح کے شرک کا ذکر تھا اس کی مناسبت سے ان آیات میں بت پرستی کارد فرماتے ہیں۔ یعنی جو کسی کو پیدا نہ کرسکے بلکہ خود تمہارا بنایا ہوا ہو وہ تمہارا خدا یا معبود کیسے بن سکتا ہے۔

ف۱ جن بتوں کو تم نے معبود ٹھہرایا ہے اور خدائی کا حق دیا ہے، وہ تمہارے کام تو کیا آتے، خود اپنی حفاظت پر بھی قادر نہیں اور باوجود مخلوق ہونے کے ان کمالات سے محروم ہیں جن سے کسی مخلوق کو دوسری پر تفوق وامتیاز حاصل ہوسکتا ہے۔ گو ان کے ظاہری ہاتھ پاؤں، آنکھ، کان سب کچھ تم بناتے ہو، لیکن ان اعضاء میں وہ قوتیں نہیں جن سے انہیں اعضاء کہا جاسکے۔ نہ تمہارے پکارنے پر مصنوعی پاؤں سے چل کر آسکتے ہیں، نہ ہاتھوں سے کوئی چیز پکڑ سکتے ہیں، نہ آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں، نہ کانوں سے کوئی بات سنتے ہیں۔ اگر پکارتے پکارتے تمہارا گلا پھٹ جائے گا تب بھی وہ تمہاری آواز سننے والے اور اس پر چلنے والے یا اس کا جواب دینے والے نہیں۔ تم ان کے سامنے چلاؤ یا خاموش رہو، دونوں حالتیں یکساں ہیں۔ نہ اس سے فائدہ نہ اس سے نفع۔ تعجب ہے کہ جو چیزیں مملوک ومخلوق ہونے میں تم ہی جیسی عاجز ودرماندہ، بلکہ وجود وکمالات وجود میں تم سے بھی گئی گزری ہوں انہیں خدا بنالیا جائے اور جو اس کا رد کرے اسے نقصان پہنچانے کی دھمکیاں دی جائیں۔ چنانچہ مشرکین مکہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے تھے کہ آپ ہمارے بتوں کی بے ادبی کرنا چھوڑ دیں ورنہ نہ معلوم وہ کیا آفت تم پر نازل کردیں۔ " ﴿وَيُخَوِّفُوۡنَكَ بِالَّذِيۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ﴾ (زمر، رکوع ۴) اسی کا جواب ﴿قُلِ ادۡعُوۡا شُرَكَآءَكُمۡ﴾ الخ سے دیا۔ یعنی تم اپنے سب شرکاء کو پکارو اور میرے خلاف اپنے سب منصوبے اور تدبیریں پوری کرلو، پھر مجھ کو ایک منٹ کی مہلت بھی نہ دو۔ دیکھوں تم میرا کیا بگاڑ سکو گے۔

ف۲ یعنی جس نے مجھ پر کتاب نازل کی اور منصب رسالت پر فائز کیا وہی ساری دنیا کے مقابلہ میں میری حمایت وحفاظت کرے گا۔ کیونکہ اپنے نیک بندوں کی حفاظت واعانت وہی کرتا ہے۔

ف۱ یعنی بظاہر آنکھیں بنی ہوئی ہیں پر ان میں بینائی کہاں؟

ف۲ ﴿خُذِ الۡعَفۡوَ﴾ کے کئی معنی کئے گئے ہیں۔ اکثر کا حاصل یہ ہے کہ سخت گیری اور تندخوئی سے پرہیز کیا جائے اسی کو مترجم محقق نے "درگزر کی عادت" سے تعبیر فرمایا ہے۔ گزشتہ آیات میں بت پرستوں کی جو تحمیق وتجہیل کی گئی تھی بہت ممکن تھا کہ جاہل مشرکین اس پر برہم ہو کر ناشائستہ حرکت کرتے یا برا الفاظ زبان سے نکالتے، اس لیے ہدایت فرمادی کہ عفو ودرگزر کی عادت رکھو، نصیحت کرنے سے مت رکو، معقول بات کہتے رہو اور جاہلوں سے کنارہ کرو یعنی ان کی جہالت آمیز حرکتوں پر ■

تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ وَاِخْوَانُهُمْ یَمُدُّوْنَهُمْ فِی الْغَیِّ ثُمَّ لَا یُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

چونک گئے، پھر اسی وقت ان کو سوجھ آ جاتی ہے اور جو شیطانوں کے بھائی ہیں وہ ان کو کھینچتے چلے جاتے ہیں گمراہی میں پھر وہ کمی نہیں کرتے ف ۱

چونک گئے، پھر تبھی ان کو سوجھ آ گئی۔ اور جو شیطانوں کے بھائی ہیں، وہ ان کو کھینچتے جاتے ہیں غلطی میں، پھر وہ کمی نہیں کرتے۔

اثبات توحید وابطال شرک

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ... الی... ثُمَّ لَا یُقْصِرُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور کمال علم وحکمت کا ذکر تھا کہ وہی ہر نفع اور ضرر کا مالک ہے اور وہی عالم الغیب ہے اور شروع سورت میں حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کا قصہ ذکر فرمایا اب سورت قریب الختم ہے اس لیے حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کا قصہ اجمالی طور پر دوبارہ ذکر فرماتے ہیں جس سے مقصود توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال ہے اگر چہ گزشتہ آیات میں بھی توحید خداوندی کا مختصر سا ذکر ہوا ہے لیکن ان آیات میں اس مضمون کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں وہی اللہ ہے جس نے تم سب انسانوں کو ایک ذات یعنی آدم علیہ السلام سے پیدا کیا اور پھر اسی ایک ذات سے اسکا جوڑ پیدا کیا۔

یعنی حواء علیہا السلام کو پیدا کیا تا کہ آدم اس جوڑے کے ساتھ سکون اور آرام حاصل کرے۔ یعنی عورت کو آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا پھر ان سے نسل کا سلسلہ چلا اور اولاد پیدا ہوئی اور ان میں بھی میاں بیوی ہوئے سو ان میں بعض کی یہ حالت ہوئی کہ جب مرد نے عورت سے مقاربت یعنی ہم بستری کی تو اس عورت نے ایک ہلکا سا بوجھ اٹھایا یعنی نطفہ نے اس کے رحم میں قرار پکڑا جو ایک ہلکا سا بوجھ تھا۔ سو وہ اس کے ساتھ چلتی پھرتی رہی۔ اول اول حمل کا بوجھ ہلکا رہا جس کی وجہ سے وہ بے تکلیف چلتی پھرتی رہی پس جب وہ بوجھل ہوئی اور میاں بیوی دونوں کو یقین ہو گیا کہ حمل ہے تو اس وقت دونوں کو طرح طرح کے خطرات اور توہمات پیش آنے لگے جیسا کہ پیش آیا کرتے ہیں تو اس وقت میاں اور بیوی دونوں اپنے پروردگار سے یہ دعا مانگنے لگے کہ اے پروردگار اگر تو نے ہم کو صحیح سالم بیٹا عطاء کیا تو ہم ضرور تیرے شکر گزاروں میں سے

= روز روز الجھنے کی ضرورت نہیں۔ جب وقت آئے گا ذرا سی دیر میں ان کا سب حساب بے باق ہو جائے گا۔ اور اگر کسی وقت بمقتضائے بشریت ان کی کسی نالائق حرکت پر غصہ آ جائے اور شیطان لعین چاہے کہ دور سے چھیڑ چھاڑ کر کے آپ کو ایسے معاملہ پر آمادہ کر دے جو خلاف مصلحت ہو یا آپ کے "خلق عظیم" اور حلم و متانت کے شایاں نہ ہو، تو آپ فوراً اللہ سے پناہ طلب کیجئے آپ کی عصمت و وجاہت کے سامنے اس کا کوئی کید نہیں چل سکے گا۔ کیونکہ خداوند قدیر جو ہر مستعیذ کی بات سننے والا اور ہر حالت کا جاننے والا ہے، اسی نے آپ کی صیانت کا تکفل فرمایا ہے۔

ف ۱ پہلے تو تنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب تھا گو حکم استعاذہ میں سب شامل تھے اب عام متقین (خدا ترس پرہیزگاروں) کا حال بیان فرماتے ہیں یعنی عام متقین کے حق میں یہ محال نہیں کہ شیطان کا گزر ان کی طرف ہو، اور کوئی چرکہ لگا جائے۔ البتہ متقین کی شان یہ ہوتی ہے کہ شیطان کے اغواء سے معہد غفلت میں نہیں بڑھتے بلکہ ذرا غفلت ہوئی اور خدا کو یاد کر کے چونک پڑے۔ ٹھوکر لگی اور معاً سنبھل گئے، سنبھلتے ہی آنکھیں کھل گئیں، غفلت کا پردہ اٹھ گیا۔ نیکی، بدی کا انجام سامنے نظر آنے لگا اور بہت جلد ناز یبا کام سے رک گئے۔ باقی غیر متقین (جن کے دل میں خدا کا ڈر نہ ہو، اور جنہیں شیطان کی برادری کہنا چاہیے) ان کا حال یہ ہے کہ شیاطین ہمیشہ انہیں گمراہی میں کھینچتے چلے جاتے ہیں اور رگیدنے میں ذرا کمی نہیں کرتے۔ ادھر یہ لوگ ان کی اقتداء و پیروی میں کوتاہی نہیں کرتے۔ اور اس طرح ان شیاطین کے غرور وسرکشی کو اور زیادہ بڑھاتے رہتے ہیں۔ بہر حال متقی کی شان یہ ہے کہ جب شیطان دق کرے، فوراً خدا سے پناہ مانگے ورنہ کرے ورد غفلت میں تمادی ہو کر رجوع الی اللہ کی توفیق بھی نہ رہے گی۔

ہو جائیں گے جیسا کہ عام عادت ہے کہ نعمت ملنے سے پہلے بڑے عہد اور میثاق کرتے ہیں پھر جب نعمت مل جاتی ہے تو حالت بدل جاتی ہے پس یوں ہی ہوا کہ جب اللہ نے ان کو صحیح سالم بیٹا دے دیا تو انہوں نے اس خدا داد بیٹے میں جو اللہ نے ان کو عطاء کیا شریک ٹھہرانے لگے اور یہ کہنے لگے کہ بیٹا تو تاثیر کواکب سے پیدا ہوا ہے اور کسی نے کہا کہ ہمارے بتوں نے ہم کو بخشا ہے وغیرہ وغیرہ اسی لیے کسی نے بچہ کا نام عبد العزیٰ اور عبد مناف رکھا اور کسی نے عبد شمس اور اور کسی نے عبد المسیح اور کسی نے عبد النبی اور کسی نے عبد الرسول اور کسی نے بندہ علی نام رکھا۔ سو اللہ پاک اور برتر ہے اس چیز سے جس کو یہ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں منعم حقیقی کے نام پر تو نام نہ رکھا اور غیر اللہ کی طرف اس کو منسوب کر دیا بجائے عبد اللہ اور عبد الرحمن نام رکھنے کے عبد الشمس اور عبد العزیٰ نام رکھ دیا۔

محققین مفسرین کی رائے یہ ہے کہ ابتداء آیت میں اگرچہ آدم اور حواء کا ذکر تھا مگر وہ بطور تمہید تھا مگر بعد میں مطلق مرد اور عورت کے ذکر کی طرف منتقل ہو گئے کیونکہ حضرت آدم اور حضرت حواء کے ذکر سے مقصود یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے آدمیوں میں نر اور مادہ کو پیدا کیا تاکہ ایک دوسرے سے مانوس ہوں جس کا ان کو شکر گزار ہونا چاہئے تھا مگر ان کی حالت یہ ہے کہ آڑے وقت میں تو صرف ہم کو پکارتے ہیں اور جب وقت نکل جاتا ہے تو ہمارے ساتھ اوروں کو شریک کرنے لگتے ہیں غرض یہ کہ اصل مقصود مطلق مرد اور عورت کا حال بتلانا ہے اس لیے محققین مفسرین کی رائے یہ ہے کہ ﴿فَلَمَّا اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَا اٰتٰهُمَا﴾ میں تثنیہ کی تینوں ضمیریں خاص حضرت آدم اور حواء علیہما السلام کی طرف راجع نہیں بلکہ ان دونوں کی اولاد کے مردوں اور عورتوں کی طرف راجع ہیں یا یوں کہو کہ ان کی نسل میں سے دو مختلف جنسوں کی طرف راجع ہیں اور تقدیر کلام الٰہی اس طرح سے ہے "فلما اتی الله ادم وحواء الولد الصالح الذی تمنیاه وطلباه۔ جعل کفار اولادهما ذلك مضافا الی غیر الله تعالی۔" یعنی جب اللہ تعالیٰ نے آدم اور حواء علیہما السلام کو فرزند صالح عطا فرمایا جس کی ان دونوں نے خواہش کی تھی تو آئندہ چل کر ان کی کافر اولاد نے اس کو غیر خدا کی طرف منسوب کیا اور اس تاویل کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ﴿فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ میں لفظ یشرکون صیغہ جمع کا لایا گیا ہے۔ اور یشرکان صیغہ تثنیہ کا نہیں لایا گیا معلوم ہوا کہ خود حضرت آدم اور حواء علیہما السلام مراد نہیں بلکہ یہ شرک کسی جماعت سے صادر ہوا ہے جو اولاد آدم علیہ السلام سے ہے اور مسلسل شرک میں گرفتار ہیں کیونکہ عما یشرکون مضارع کا صیغہ ہے دوام استمرار تجددی کے لیے لایا گیا ہے معاذ اللہ جس کا حضرت آدم اور حواء علیہما السلام کے بارہ میں تصور بھی نہیں ہو سکتا، معاذ اللہ۔ اگر آیت میں حضرت آدم اور حواء علیہما السلام کا شرک مراد ہوتا تو فتعالی عما یشرکان بصیغہ تثنیہ آتا معلوم ہوا کہ جعلا له شرکا کی ضمیر تثنیہ، دو جنسین یا نوعین مختلفین کی طرف راجع ہے نہ کہ آدم اور حواء علیہما السلام کی طرف۔

غرض یہ کہ ان آیات میں خاص آدم اور حواء کا حال بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ عام آدمیوں کے مرد اور عورت کا حال بیان کرنا مقصود ہے بیشک ابتداء کلام یعنی ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ میں بطور تمہید آدم اور حواء علیہما السلام کا ذکر تھا مگر اس کے بعد مطلق مرد اور عورت کے ذکر کی طرف منتقل ہو گئے اور قرآن کریم میں بکثرت ایسا ہے کہ شخص کے ذکر سے جنس کے ذکر کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں جیسے ﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا

﴿رُجُومًا لِّلشَّیٰطِینِ﴾ میں جن سیاروں کو مصابیح فرمایا آئندہ آیت ﴿وَجَعَلۡنَٰهَا رُجُومًا﴾ میں انہی کی طرف ضمیر راجع کی گئی ہے حالانکہ جن سیاروں کو مصابیح فرمایا وہ ٹوٹنے والے نہیں جن سے شیاطین کا رجم ہوتا ہے مگر محض مصابیح سے جنس مصابیح کی طرف راجع کی گئی۔ اب بحمدہ تعالیٰ ﴿جَعَلَا لَهُ شُرَكَآءَ﴾ کی تفسیر میں کوئی اشکال نہیں رہا اور بعض مفسرین رحمہم اللہ اس طرف گئے ہیں کہ اس آیت میں روئے سخن آدم اور حواء علیہما السلام کی طرف ہے اس لیے کہ بعض روایتوں میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ حضرت آدم اور حواء علیہما السلام کا حال ہے۔ حضرت حواء کے کئی بچے مر چکے تھے اس کے بعد وہ حاملہ ہوئیں تو شیطان نے ان سے آ کر کہا کہ اگر اس کا نام عبدالحارث رکھو تو یہ زندہ رہے گا، حضرت حواء شیطان کے فریب میں آ گئیں اور اس نام کے رکھنے کا وعدہ کر لیا، پھر حواء نے حضرت آدم کو راضی بھی کر لیا اور جب بچہ پیدا ہوا تو دونوں نے اس کا نام عبدالحارث رکھا اور حارث ابلیس کا نام تھا اور بظاہر حضرت حواء علیہا السلام کو اس کی خبر نہ تھی کہ حارث شیطان کا نام ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ یہ مشورہ دینے والا شیطان ہے یا بھیس بدل کر آیا ہوگا اور حضرت حواء نے پہچانا نہ ہوگا۔ اور اس قسم کا مکر حضرت آدم اور حواء نے نہ کبھی سنا تھا اور نہ دیکھا تھا یہ پہلا موقع تھا بے خبری سے دھوکہ میں آ گئے سو یہ روایت اگرچہ ترمذی میں مذکور ہے مگر متعدد وجوہ سے معلول ہے اور حضرات محدثین نے اس کی تضعیف کی ہے علاوہ ازیں اسماء اعلام میں لغوی معنی کا لحاظ اور اعتبار نہیں ہوتا اور اگر بالفرض کچھ لحاظ ہو بھی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس کی طرف لفظ عبد کو مضاف کیا جائے اس کو معبود سمجھ لیا جائے۔ عرب کا محاورہ ہے کہ میزبان کو عبدالضیف کہتے ہیں یعنی مہمان کا غلام اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ مہمان اس کا معبود ہے اور یہ اس کی پوجا کرتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے جدامجد کا نام عبدالمطلب تھا کوئی شخص اس کا مطلب نہیں سمجھتا تھا کہ وہ مطلب کے بندہ ہیں اور مطلب ان کا معبود ہے پس اگر عبدالحارث نام رکھنے کا واقعہ صحیح ہو تو اس سے شرک فی التسمیہ مراد ہوگا۔ معاذ اللہ یہ ممکن نہیں کہ حقیقۃً شرک کا ارتکاب کرے۔ لیکن ایسا نام رکھنا جس سے شرک کی بو آتی ہو یہ نبی کی شان رفیع کے مناسب نہیں اور قرآن کریم کی عادت ہے کہ انبیاء اور مقربین کی چھوٹی سے چھوٹی باتوں اور لغزشوں اور بھول چوک کو بھی سخت عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسا کہ یونس علیہ السلام کے قصہ میں ہے۔ ﴿فَظَنَّ أَن لَّن نَّقۡدِرَ عَلَيۡهِ﴾ اور دوسری جگہ ہے ﴿حَتَّىٰٓ إِذَا ٱسۡتَيۡـَٔسَ ٱلرُّسُلُ وَظَنُّوٓاْ أَنَّهُمۡ قَدۡ كُذِبُواْ﴾ اسی طرح یہاں بھی سمجھئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے رتبہ کے لحاظ سے اس تسمیہ کو جس میں شرک کا ایہام تھا تغلیظاً ان الفاظ میں ادا فرمایا، ﴿وَجَعَلَا لَهُ شُرَكَآءَ﴾۔ آخر درخت سے کچھ کھا لینا وہ بلاشبہ سہو اور نسیان سے تھا اور سہو و نسیان عقلاً و نقلاً قابل مواخذہ نہیں مگر حضرت آدم نے جو بھولے سے کھا لیا اس پر قرآن کریم میں کس قدر عتاب آیا۔ یہ عتاب ان کی شان رفیع کے لحاظ سے تھا۔

ابطال شرک و بت پرستی

گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ کی صفات کاملہ کا ذکر تھا جو اس کے استحقاق معبودیت کی دلیل تھیں اب آگے آلہہ باطلہ کے نقائص کا ذکر ہے جو ان کی عدم معبودیت کی دلیل ہیں بلکہ وہ تو اپنے پرستاروں سے بھی بدتر ہیں نہ ان کے ہاتھ ہیں نہ ان کے پیر نہ ان کی آنکھ نہ ان کے کان وہ اپنے پرستاروں کی آواز بھی نہیں سن سکتے پھر کیوں ان کی پرستش کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کیا یہ لوگ خالق کائنات کے ساتھ ایسوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے اور بلکہ وہ خود مخلوق ہیں اور خالق کے ساتھ شریک کرنا کمال بے عقلی ہے اور اپنے ہاتھ کی تراشیدہ چیز کو اپنا معبود بنانا کمال ابلہی ہے اور کسی چیز کا پیدا

کرنا تو بڑی بات ہے یہ تو اپنے پرستش کرنے والوں کی کسی قسم کی مدد بھی نہیں کر سکتے کہ ان کی مصیبت اور تکلیف ہی کو دور کر دیں اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں کہ کوئی انکو توڑنے پھوڑنے لگے تو اپنے آپ کو توڑ پھوڑ ہی سے بچالیں یا کوئی ان پر میل یا گندگی لگانے لگے تو اسی سے اپنے آپ کو دور کر سکیں ان سے بہتر تو انسان ہی ہے کہ دوسرے کی بھی مدد کر سکتا ہے اور اپنا بھی بچاؤ کر سکتا ہے حالانکہ عقل کا تقاضہ ہے کہ معبود عابد سے بہتر ہونا چاہئے یہاں ماجرا برعکس ہے اور اس سے بھی بڑھ کر سنو وہ یہ کہ اگر تم ان کو کسی بات کے بتلانے کے لیے پکارو تو وہ تمہاری پیروی نہ کریں تمہارا پکارنا اور خاموش رہنا سب برابر ہے پس ایسوں کو کیوں پکارتے ہو پس جو ذات اس درجہ عاجز ہو کہ پکار کو بھی نہ سنے وہ کیسے معبود ہو سکتی ہے حالانکہ پکار کو سن لینا نہایت سہل ہے اور کسی کی مدد کرنا یا اپنی حفاظت کرنا یہ اس سے مشکل ہے پس جو ذات ایسی آسان چیزوں سے عاجز ہوگی وہ پیدا کرنے سے بدرجۂ اولیٰ عاجز ہوگی تحقیق جن کو تم سوائے اللہ کے پکارتے ہو وہ تمہارے ہی مانند عاجز بندے ہیں بندہ سے مراد یہ ہے کہ وہ تمہاری طرح خدا کے مخلوق اور مملوک ہیں اور ایک مماثل اور مساوی دوسرے مماثل اور مساوی کے حق میں معبود نہیں ہو سکتا اور اگر تمہارا یہ گمان ہے کہ وہ تم سے افضل اور اکمل ہیں تو ان معبودوں کو پکارو تو سہی پس ان کو چاہئے کہ تمہاری پکار کا جواب دیں اور تمہاری عرض معروض کو قبول کریں اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ وہ تمہارے معبود برحق ہیں اس لیے کہ معبود برحق پر لازم ہے کہ وہ اپنے بندہ کی دعا کو قبول کرے اور اس کی نداء اور دعا کا جواب دے وہ تمہاری باتوں کا کیا جواب دے سکتے ہیں وہ تو ان کمالات سے بھی عاری ہیں جو ایک معمولی انسان کو حاصل ہوتے ہیں کیا ان کے لیے پیر ہیں جن سے وہ چل سکیں اور کسی قسم کی حرکت کر سکیں یا ان کے لیے ہاتھ ہیں جن سے وہ کوئی چیز پکڑ سکیں یا ان کے لیے آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھ سکیں یا ان کے لیے کان ہیں جن سے وہ سن سکیں پس ایسے لولوں اور لنگڑوں اور اندھوں اور بہروں کو خدا بنانا اعلیٰ درجہ کی حماقت ہے مطلب یہ ہے کہ تم خود قائل ہو کہ ان کے نہ پاؤں ہیں اور نہ ہاتھ ہیں اور نہ انکی آنکھیں ہیں بینا اور نہ کان ہیں شنوا اور تمہیں یہ سب چیزیں حاصل ہیں تو تم ان سے افضل اور بہتر ہو لہٰذا تمہارا بتوں کے آگے جھکنا جو تم سے بہت کمتر اور عاجز ہیں کمال درجہ کی بے وقوفی ہے۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم اپنے تجویز کردہ شریکوں کو بلاؤ پھر سب مل کر میری ضرر رسانی کی تدبیر کرو پھر مجھے مہلت بھی نہ دو مجھے تمہارے معبودوں کی ذرہ برابر پرواہ نہیں اس لیے کہ تحقیق میرا کارساز وہ اللہ ہے جس نے یہ مبارک کتاب مجھ پر نازل کی وہ خاص طور پر میرا کارساز اور معین اور مددگار ہے اور وہ تو عام طور پر سب نیکوکاروں کا کارساز ہے اور میں تو خدا تعالیٰ کا خاص الخاص پیغمبر ہوں وہ میری تو ضرور ہی مدد کرے گا۔ پھر مجھے کہاں کا ڈر ہے اور جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اور پوجتے ہو یعنی بتوں کو وہ نہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں جب کوئی ان کے توڑنے اور خراب کرنے کا قصد کرے تو وہ اپنی حفاظت نہیں کر سکتے اور مدد کرنا تو بڑی بات ہے ان کو تو اگر کسی بات بتلانے کے لیے پکارو تو وہ سنیں گے بھی نہیں کیونکہ ان کے کان ہی نہیں (اے نبی ﷺ) آپ ان بتوں کو دیکھیں گے کہ گویا وہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں کیونکہ ان پر آنکھوں کی شکل بنی ہوئی ہے حالانکہ وہ واقع میں کچھ نہیں دیکھتے کیونکہ وہ حقیقت میں آنکھ نہیں رکھتے اور اگر بالفرض والتقدیر، اس بیان واضح اور برہان ساطع کے بعد بھی آپ ﷺ سے اپنے شرکاء کے بارے میں مجادلہ کریں تو اے نبی

آپ ان مجادلین اور معاندین سے بجائے غصہ کے درگزر کو اختیار کرو شاید نصیحت قبول کریں اور ان کو نیک کام کا حکم دیجئے اگر ذرا بھی عقل ہوگی تو قبول کریں گے اور جاہلوں سے اعراض اور کنارہ کشی کرو یعنی وہ لوگ اگر جہالت سے پیش آئیں تو آپ ان سے اعراض کریں نہ ان پر غصہ کریں اور نہ ان کے در پے ہوں اور اگر اتفاقاً کسی وقت ان کی جہالت پر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آپ کو غصہ پر آمادہ کرے تو آپ ﷺ اس کے شر سے بچنے کے لیے خدا سے پناہ مانگئے بیشک اللہ تعالیٰ زبان کی بات کو سننے والا اور دل کی بات کو جاننے والا ہے جوش اور غصہ کے وقت اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم پڑھنا تریاق مجرب ہے تحقیق جو لوگ خدا ترس ہیں جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی ایسا خیال آتا ہے جو ان کے دل کے گرد گھوم [1] جائے اور ان کو غصہ پر آمادہ کرے تو وہ چونک جاتے ہیں پھر نا گہاں اسی دم وہ بینا ہوجاتے ہیں اور راہ صواب ان کو نظر آجاتی ہے اور اس بینائی کے ذریعہ وسوسۂ شیطانی کی ظلمت اور کدورت کو اپنے دل سے دور کرتے ہیں اور راہ صواب پر آجاتے ہیں اور اس سے وسوسہ کا اثر ان کے دل سے جاتا رہتا ہے اور اس کے برعکس برادران کفار یعنی شیاطین مشرکوں کو گمراہی میں کھینچے چلے جاتے ہیں پھر گمراہ کرنے میں کچھ کسر نہیں چھوڑتے مطلب یہ ہے کہ مومن کو گناہ کا خیال آتا ہے تو خدا کو یاد کر کے اس خیال سے باز آجاتا ہے اور شیطانی وسوسہ اس کے دل سے نکل جاتا ہے بخلاف کفار کے کہ ان کے برادران یعنی شیاطین جب ان کے ساتھ لگ جاتے ہیں تو ان کو خوب اپنے قابو میں کر لیتے ہیں اور ہمیشہ ان کو معصیت میں مبتلا رکھتے ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ متقین کو وسوسہ شیطانی سے اگر غفلت لاحق ہوتی ہے تو فوراً چونک پڑتے ہیں اور ٹھوکر لگتے ہی سنبھل جاتے ہیں اور غفلت کا پردہ فوراً ان کی آنکھوں سے اٹھ جاتا ہے بخلاف شیطانی برادری کے کہ اس کی غفلت اور معصیت میں برابر زیادتی ہوتی رہتی ہے۔

فائدہ:...... نبی اکرم ﷺ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام صغائر اور کبائر سے معصوم ہیں اور شیطان کی مجال نہیں کہ ان پر اپنا کوئی داؤ چلا سکے اور اس آیت یعنی ﴿وَاِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ﴾ کا مضمون عصمت نبوی کے منافی نہیں اس لیے کہ اوپر کی آیت میں آنحضرت ﷺ کو حلم اور درگزر کرنے کا حکم ہوا تھا اب اس آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ اگر کسی وقت بمقتضائے بشریت جاہلوں کی جہالت پر آپ کو غصہ وغیرہ آجائے اور حکم سابق کے خلاف خیال آپ کے دل میں گزرے تو فوراً اللہ پاک سے پناہ مانگئے اور اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھیے اور ظاہر ہے کہ ایسا خیال شان عصمت کے ذرہ برابر منافی نہیں۔

وَاِذَا لَمۡ تَاۡتِهِمۡ بِاٰيَةٍ قَالُوۡا لَوۡلَا اجۡتَبَيۡتَهَا ؕ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا يُوۡحٰۤى اِلَىَّ مِنۡ

اور جب تو لے کر نہ جاوے ان کے پاس کوئی نشانی تو کہتے ہیں کیوں نہ چھانٹ لایا تو کچھ اپنی طرف سے تو کہہ دے میں تو چلتا ہوں اس پر جو حکم آئے

اور جب تو لے کر نہ جاوے ان پاس کوئی آیت، کہیں کچھ چھانٹ کیوں نہ لایا؟ تو کہہ، میں چلتا ہوں اسی پر جو حکم آوے مجھ کو

[1] اس ترجمہ میں لفظ ﴿طائف﴾ کے اصل معنی کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ منہ عفا اللہ عنہ۔

رَبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

میری طرف میرے رب سے یہ سوجھ کی باتیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کو جو مومن ہیں ف۱

میرے رب سے۔ یہ سوجھ کی باتیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے، اور راہ اور مہر ہے ان لوگوں کو جو یقین لاتے ہیں۔

جواب شبہ کفار در بارۂ رسالت

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاِذَا لَمْ تَأْتِهِمْ بِاٰيَةٍ... الى... لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں توحید کے ساتھ رسالت کا بھی ذکر تھا اب اس آیت میں کفار کے ایک شبہ کا جواب دیتے ہیں۔ بعض لوگ کج بحثی اور شرارت کی بناء پر آنحضرت ﷺ سے خاص معجزات طلب کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور جب آنحضرت ﷺ ان کے فرمائشی معجزات میں سے کوئی خاص فرمائشی معجزہ ان کے سامنے ظاہر نہیں کرتے تو یہ کہتے ہیں کہ آپ نے اس معجزہ کو کیوں نہیں بنالیا جس طرح آپ اور طرح طرح کی نشانیاں بنا کر لاتے ہیں اسی طرح ہماری فرمائش کے مطابق بھی ایک نشان بنا کر دکھا دیجئے آپ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ معجزہ دکھلانا میرا کام نہیں۔ یہ سب اللہ کے اختیار میں ہے جز ایں نیست میرا اصلی کام یہ ہے کہ میں صرف اس چیز کی پیروی کروں جو میرے پروردگار کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔ آیتوں کا اتارنا اور معجزات کا ظاہر کرنا میرے اختیار میں نہیں وہ جب چاہتا ہے اتارتا ہے اور ظاہر کرتا ہے اور جب چاہتا ہے تو نہیں اتارتا اور نہیں ظاہر کرتا۔ ہاں البتہ یہ قرآن جو بذریعہ وحی مجھ پر نازل ہو رہا ہے یہ میرا سب سے بڑا معجزہ ہے۔ یہ قرآن تمہارے پروردگار کی طرف سے روشن دلیلیں ہیں جن سے راہ حق نظر آتی ہے اور خدا تک پہنچنے کا راستہ دکھلائی دیتا ہے اور اہل ایمان کے لیے مشعل ہدایت اور مژدۂ رحمت ہے کہ اس کے اتباع سے گمراہی سے نجات ملتی ہے اور خدا کی رحمت اور عنایت حاصل ہوتی ہے مگر افسوس ہے ان لوگوں پر جو اس ہدایت سے محروم ہیں۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگائے رہو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم ہو ف۲

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس طرف کان رکھو، اور چپ رہو، شاید تم پر رحم ہو۔

ف۱ جب کبھی وحی کے آنے میں تاخیر ہوتی تو کفار از راہ تمسخر کہتے تھے کہ اب کوئی آیت کیوں گھڑ کر نہیں لے آتے۔ آخر سارا قرآن تم نے بنایا ہی ہے (العیاذ باللہ)۔ اسی طرح کبھی دق کرنے کے لیے بعض ایسے نشان (معجزات) طلب کرتے جن کے دکھلانے کو خدا کی حکمت مقتضی نہ تھی۔ جب آپ دکھلانے سے انکار کرتے تو کہتے۔ "لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا" یعنی اپنے خدا سے کہہ کر ہمارا مانگا ہوا نشان کیوں چھانٹ کر نہ لے آئے دونوں باتوں کے جواب میں فرمایا۔ ﴿قُلْ اِنَّمَا اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ﴾ یعنی ان سے کہہ دو کہ (نبی کا یہ کام نہیں کہ اپنی طرف سے خدا پر افتراء کرے، یا لوگوں کے کہنے سننے پر اقدام کر کے خدا سے وہ چیز مانگے جس کا دینا اس کی حکمت کے منافی ہے یا جس کے طلب کرنے کی اجازت نہیں ہے) اس کا وظیفہ صرف یہ ہے کہ جو کچھ خدا وحی بھیجے، قبول کرے، اس پر عمل پیرا ہو اور دوسروں کو عمل پیرا ہونے کی دعوت دے۔ باقی آیات تنزیلیہ یا تکوینیہ جو مجھ سے طلب کرتے ہو، تو قرآن سے بڑھ کر کون سی آیات ہوں گی اور اس سے زیادہ عظیم الشان معجزہ کون سا ہوگا جو سارے جہان کے لیے بصیرت افروز حقائق و مواعظ کا خزانہ اور ایمان لانے والوں کے لیے خاص قسم کی ہدایت و رحمت کا ذخیرہ اپنے اندر رکھتا ہے۔ اسی کو تم کب ماننے کے لیے تیار ہوتے جو فرمائشی آیات کو تسلیم کرو گے۔

ف۲ جب قرآن ایسی دولت بے بہا اور علم و ہدایت کی کان ہے تو اس کی قرات کا حق سامعین پر یہ ہے کہ پوری فکر و توجہ سے ادھر کان لگائیں، اس کی ہدایات کو ▪

تعلیم ادب قرآن

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیت میں حق جل شانہ نے قرآن مجید کو بصیرت اور رحمت اور ہدایت فرمایا اب اس آیت میں اس کے ادب کی تعلیم دیتے ہیں کہ قرآن کا ادب اور اس کا حق یہ ہے کہ جب وہ پڑھا جائے تو تم ہمہ تن گوش بن جاؤ اور جب تک وہ پڑھا جائے اس وقت تک تم بالکل خاموش رہو تا کہ تم خدا کی رحمت اور عنایت کے مورد بن سکو۔ قرآن جو اللہ کا کلام ہے اس کا حق یہ ہے کہ کانوں سے اس کا استماع ہو اور زبان سے انصات یعنی خاموشی ہو تا کہ تم اس کی رحمت اور مہربانی کے مستحق بن سکو اس لیے کہ ﴿لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ میں رحمت خاصہ کا وعدہ مستمعین اور منصتین کے لیے ہے نہ کہ منازعین اور مخالجین کے لیے۔

ربط دیگر:...... نیز شروع سورت میں اتباع قرآن کا حکم دیا تھا۔ کما قال تعالیٰ: ﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾۔ اب سورت کے ختم پر قرآن کریم کے ایک خاص ادب کی تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ ادب بھی منجملہ اتباع کے ہے کیونکہ اس آیت میں قرآن کا حق اور ادب استماع اور انصات بتلایا گیا ہے اور قرآن کا استماع اور انصات یہی قرآن کا اتباع ہے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ﴾۔ اے نبی کریم ﷺ جب ہم آپ کے سامنے بلا واسطہ یا بالواسطہ قرآن پڑھیں تو آپ اس کا اتباع کیجئے صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فاتبع قرانہ کے معنی فاستمع لہ وانصت کے ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں فاتبع سے سننا اور خاموش رہنا مراد ہے۔

شان نزول:...... اس آیت کے شان نزول میں مختلف اقوال آئے ہیں اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اولاً تمام اقوال ذکر کردیئے جائیں تا کہ پوری حقیقت سامنے آجائے اور ترجیح اور تنقیح میں سہولت ہو۔

قول اول:...... بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت نماز میں باتیں کرنے کے متعلق نازل ہوئی لوگ نماز میں باتیں کیا کرتے تھے اس پر سکوت اور خاموشی کا حکم ہوا کہ نماز میں امام کی قراءت سنو اور خاموش رہو باتیں نہ کرو۔ مگر یہ قول صحیح نہیں اس لیے کہ یہ آیت مکی ہے اور نماز میں کلام کرنے کا نسخ مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد ہوا اور جس آیت سے نماز میں سلام و کلام منسوخ ہوا وہ یہ آیت ہے۔ ﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾ جیسا کہ کتب حدیث وتفسیر میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

قول دوم:...... بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بعض مسلمان اثناء نماز میں ایک دوسرے کو سلام کرتے تھے اس کی ممانعت کے لیے یہ آیت نازل ہوئی مگر یہ قول بھی ضعیف ہے اور اس قول کا مآل قول اول ہی کی طرف ہے غرض یہ کہ شان نزول کے بارہ میں یہ

= سمع قبول سے سنیں اور ہر قسم کی بات چیت، شور و شغب اور ذکر و فکر چھوڑ کر ادب کے ساتھ خاموش رہیں تا کہ خدا کی رحمت اور مہربانی کے مستحق ہوں۔ اگر کافر اس طرح قرآن سنے تو کیا بعید ہے کہ خدا کی رحمت سے مشرف بایمان ہو جائے۔ اور پہلے سے مسلمان ہے تو ولی بن جائے یا کم از کم اس فعل کے اجر و ثواب سے نوازا جائے۔ اس آیت سے بہت سے علماء نے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ نماز میں جب امام قراءت کرے تو مقتدی کو سننا اور خاموش رہنا چاہیے جیسا کہ ابوموسیٰ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "واذا قرأ فانصتوا" (جب نماز میں امام قراءت کرے تو چپ رہو) یہاں اس مسئلہ کی تفصیل کا موقع نہیں۔ صحیح مسلم کی شرح میں ہم نے نہایت شرح و بسط سے اس کے مالہٗ وماعلیہ پر بحث کی ہے۔

دونوں قول نہایت ضعیف ہیں۔

قول سوم:...... بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت جمعہ کے خطبہ کے بارہ میں نازل ہوئی لوگ اثناء خطبہ میں باتیں کیا کرتے تھے اس پر حکم ہوا کہ خاموش رہو باتیں نہ کرو (مگر) یہ قول بھی صحیح نہیں اس لیے کہ یہ آیت مکی ہے اور جمعہ مدینہ میں ہجرت کے بعد فرض ہوا کیونکہ سورۂ جمعہ بالاتفاق مدنی ہے۔ نیز خطبہ تو خطیب کا کلام ہے جب اس کا سننا اور اس کے لیے خاموش رہنا واجب ہوا تو کلام خداوندی کا سننا اور اس کے لیے خاموش رہنا بدرجۂ اولیٰ واجب ہوگا۔

قول چہارم:...... بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت کفار قریش کے بارے میں نازل ہوئی کہ جب قرآن پڑھا جاتا تھا تو کافر یہ کہتے تھے، ﴿لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾۔ (یعنی اس قرآن کی طرف کان نہ لگاؤ اور اس کے پڑھنے کے وقت شور مچادیا کرو شاید تم مسلمانوں پر غالب آجاؤ) تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں کفار قریش کو خطاب کیا گیا کہ اے قریش جب آنحضرت ﷺ تمہارے سامنے قرآن پڑھیں تو تم کان لگا کر اس قرآن کو سنو اور خاموش رہو اور شور نہ مچاؤ اور اس قول کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح شروع آیات میں کفار مخاطب ہیں اسی طرح مناسب ہے کہ آخر آیات میں بھی کفار ہی مخاطب ہوں اور لفظ ﴿لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ بھی اس پر دال ہے اس لیے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ شاید تم پر رحم کیا جائے اور یہ معنی کافروں کے مناسب ہیں اہل ایمان کے مناسب نہیں۔ کیونکہ اہل ایمان تو پہلے ہی سے اہل ہدایت اور مورد رحمت بن چکے ہیں پس اس آیت کا تعلق اہل ایمان سے نہیں جیسا کہ اس کے سیاق وسباق سے ظاہر ہے۔

اور اس قول کو امام رازی نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے جیسا کہ امام رازی کی عادت ہے کہ اپنی تفسیر میں تمام صحیح اور سقیم اقوال ذکر کر دیتے ہیں تا کہ ایک مرتبہ تمام اقوال نظروں کے سامنے آجائیں قطع نظر اس امر سے کہ یہ قول صحیح ہے یا فاسد وکاسد ہے۔

اور یہ قول بظاہر اگرچہ مناسب معلوم ہوتا ہے مگر درحقیقت یہ قول بدعت ظاہرہ ہے اجماع سلف کے سراسر خلاف ہے یہ قول صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین میں سے کسی سے منقول نہیں بلکہ ان کے خلاف ہے جیسا کہ عنقریب ظاہر ہو جائے گا۔

قول پنجم:...... جمہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ یہ آیت قراءت خلف الامام کے بارہ میں نازل ہوئی یعنی خاص مقتدی کے لیے یہ حکم نازل ہوا کہ مقتدی کے لیے یہ جائز ہی نہیں کہ امام کے پیچھے قراءت کرے بلکہ اس کے لیے استماع اور انصات یعنی سننا اور خاموش رہنا واجب اور ضروری ہے اور اسی کو امام ابن جریر اور حافظ ابن کثیر نے اختیار کیا کہ یہ آیت قراءت خلف الامام کے بارہ میں نازل ہوئی جیسا کہ ابن عباس ؓ وغیرہ سے مروی ہے کہ بعض لوگوں نے آپ ﷺ کے پیچھے نماز میں قراءت کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ گزشتہ آیت میں حق جل شانہ نے یہ ارشاد فرمایا ﴿هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ یعنی یہ قرآن اہل ایمان کے لیے بصیرت اور ہدایت اور رحمت ہے۔ اب اس آیت یعنی ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ میں اہل ایمان کو حکم دیا جاتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کا ادب اور احترام یہ ہے کہ تم اس وقت بالکل خاموش رہو اور پوری توجہ کے ساتھ سنو تا کہ تم پر رحمت الٰہی کا نزول ہو ایسا نہ کرو جیسا کہ کفار قریش کرتے تھے کہ قراءت قرآن کے وقت شور مچاتے تھے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا

بیبیہ﴾ خاص کر نماز کی حالت میں مقتدی پر انصات (یعنی خاموش رہنا) فرض اور نہایت ضروری ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا واذا قرا فانصتوا"۔

جز ایں نیست کہ امام اسی لیے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے پس جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو اور جب امام قراءت کرے تو تم بالکل خاموش رہو (دیکھو تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۲۸۰ و تفسیر ابن جریر: ۹/ ۱۱۲)

اور یہ حدیث مسند احمد بن حنبل میں بھی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں:

"اذا قمتم الی الصلاۃ فلیؤمکم احدکم واذا قرا الامام فانصتوا"۔ (مسند احمد: ۴/ ۴۱۵)

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد "اذا قرا فانصتوا" میں انصات کا حکم مقتدیوں ہی کو ہے اور حدیث میں جو انصتوا کا حکم آیا ہے وہ وہی حکم ہے جو قرآن کریم کی اس آیت میں آیا ہے۔ ﴿فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا﴾ قرآن اور حدیث دونوں کے الفاظ ایک ہیں پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم بیشک بصیرت اور ہدایت ہے مگر اس کے دو طریقے ہیں اول یہ کہ تم خود اس قرآن کو پڑھو اور اس کے حقائق اور معانی میں غور وفکر کرو اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جب اس قرآن کو کوئی دوسرا پڑھے تو تم اس کو کمال توجہ اور کمال ادب اور کمال احترام کے ساتھ خاموشی کے ساتھ سنو تاکہ تم پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں۔ خاص کر نماز کی حالت میں جو کہ مناجات خداوندی کی حالت ہے اس وقت تو استماع اور انصات کا لزوم اور بھی مؤکد ہو جاتا ہے پہلی آیت میں پہلے طریقہ کا ذکر تھا اور اس آیت یعنی ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا﴾ میں دوسرے طریقہ کا ذکر ہے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام لوگوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے بارہ میں نازل ہوئی (دیکھو[1] مغنی ابن قدامہ: ۱/ ۶۰۵۔ اور فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲/ ۱۴۳) اور عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مغفل اور سعید بن المسیب اور ابو العالیہ اور زہری اور زید بن اسلم اور شعبی اور ابراہیم نخعی اور حسن بصری اور مجاہد اور ضحاک اور قتادہ اور سدی وغیرہم رحمہم اللہ سے مروی ہے کہ یہ آیت نماز کے بارہ میں نازل ہوئی تفصیل اور تخریج کے لیے تفسیر ابن کثیر اور تفسیر درمنثور دیکھیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے مسلمانو جب تمہارے سامنے قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر پوری توجہ اور التفات سے سنو اور امام کے پیچھے کچھ نہ پڑھو بالکل خاموش کھڑے رہو اور اپنے گوش سر اور گوش سر یعنی گوش دل کو قرآن کے

[1] قال ابن قدامہ فی المغنی قال احمد اجمع الناس علی ان ھذہ فی الصلاۃ وقال احمد فی روایۃ ابی داود اجمع الناس علی ان ھذہ الایۃ فی الصلاۃ اھ: ۱/ ۶۰۵۔ اور حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ: ۲/ ۱۴۳ میں لکھتے ہیں وقال تعالیٰ ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ وقد استفاض عن السلف انها نزلت فی القرآۃ فی الصلاۃ وقال بعضھم فی الخطبۃ وذکر احمد بن حنبل رحمہ اللہ الاجماع علی انها نزلت فی ذلک وذکر الاجماع علی انہ لا تجب القراءۃ علی الماموم حال الجھر۔ اھ. ی۔

سننے کے لیے مخصوص [1] کردو اور زبان سے خاموش رہو اس لیے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے امام کا کلام نہیں۔ امام تو محض قاری ہے یعنی کلام خداوندی کا پڑھنے والا ہے پس جب امام قراءت قرآن کرتا ہے تو در پردہ متکلم اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ امام۔ بلا تشبیہ کے یوں سمجھو کہ نماز میں اللہ کا کلام بجائے کوہ طور کے درخت کے امام کی زبان سے جلوہ افروز ہو رہا ہے اور ظاہر ہے کہ جب کلام خداوندی جلوہ افروز ہو تو مجال دم زدنی نہیں کانوں سے سنو اور زبان سے خاموش رہو۔ کما قال تعالیٰ: ﴿وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا﴾۔ امید ہے کہ اس استماع اور انصات کی برکت سے تم پر اللہ کی خاص رحمت نازل ہوگی اور کلام خداوندی کے انوار و تجلیات کی وجہ سے تم کو ہدایت اور بصیرت بھی حاصل ہوگی اور نزغات [2] شیطانی سے بھی محفوظ رہو گے اور عقل اور فطرت کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ جب کلام خداوندی پڑھا جائے تو کوئی آواز اور سانس نہ نکلنے پائے کما قال تعالیٰ: ﴿وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا﴾۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے:

"من قرا خلف الامام فقد اخطا الفطرۃ"۔ (رواہ ابن ابی شیبۃ)

"جس نے امام کے پیچھے قراءت کی اس نے خلاف فطرت کام کیا۔"

کسی نے کیا خوب کہا:

عجب است کہ بوجودت وجود من بماند ۔۔۔ تو بگفتن اندر آئی و ما را سخن بماند

(سعدی رحمہ اللہ)

شیخ فرید الدین عطار رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ہر چہ فرماید مطیع امر باش ۔۔۔ طوطیائے دیدہ کن از خاک باش

اوچہ می گوید سخن تو گوش باش ۔۔۔ تا بگوید او، مگو خاموش باش

استماع اور انصات میں فرق

اس آیت میں حق تعالیٰ نے مقتدی کو دو حکم دیئے ہیں ایک استماع کا دوسرا انصات کا اس لیے ضروری ہے کہ استماع اور انصات کے فرق کو واضح کیا جائے تاکہ آیت کا صحیح مفہوم اور مدلول معلوم ہو سکے سو جاننا چاہئے کہ کلام عرب میں مطلق سننے کو سماع کہتے ہیں خواہ وہ بالقصد والارادہ ہو یا بلا قصد اور بلا ارادہ کے ہو۔

استماع:...... اور استماع اس سننے اور کان لگانے کو کہتے ہیں کہ جو بالقصد والارادہ ہو اور پوری توجہ کے ساتھ ہو اور جب استماع کا صلہ لام لایا جائے تو فائدہ اختصاص کا دیتا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحٰى﴾ (اے موسیٰ علیہ السلام اس وحی کو پوری توجہ کے ساتھ سنو جو تمہاری طرف بھیجی جا رہی ہے) اور "لِمَا يُوحٰى" میں جو لام اختصاص لایا گیا ہے

[1] یہ ترجمہ لام اختصاص کا ہے کیونکہ ﴿فَاسْتَمِعُوا لَهُ﴾ میں جو ﴿لَهُ﴾ آیا ہے وہ لام اختصاص کے لیے ہے یعنی اپنے استماع کو قرآن کے لیے ایسا مخصوص کردو کہ کسی دوسری جانب توجہ باقی نہ رہے۔ منہ عفا اللہ عنہ۔

[2] اس لفظ سے گزشتہ آیت ﴿وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ﴾ کی طرف اشارہ ہے تاکہ ماقبل سے مزید ربط ظاہر ہو جائے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی توجہ اور التفات کو ہماری وحی اور ہمارے کلام کے سننے کے لیے مخصوص کر دو کہ جب تک وحی کا نزول ہوتا رہے اس وقت تک توجہ اور التفات کسی دوسری جانب مبذول نہ ہو۔

اسی طرح ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ﴾۔ کا مطلب یہ ہوگا کہ جب تک امام کلام خداوندی کی قراءت کرتا رہے تو مقتدی کو چاہئے کہ پوری توجہ اور التفات کے ساتھ کلام خداوندی کو سنے اور اپنی توجہ اور التفات کو قرآن کے سننے کے لیے مخصوص کر دے۔

انصات:...... اور انصات کے معنی سکوت اور خاموشی کے ہیں مگر انصات کے معنی مطلق سکوت اور خاموشی کے نہیں بلکہ کسی متکلم کے ادب اور احترام کی بناء پر خاموش رہنے کا نام انصات ہے خواہ وہ کلام سنائی دے یا نہ دے۔ مثلاً کوئی شخص اپنی خلوت اور تنہائی میں خاموش بیٹھا ہے تو لغت میں اس کو سکوت اور صموت کہیں گے مگر انصات نہ کہیں گے۔ انصات لغت میں اس سکوت اور خاموشی کو کہتے ہیں کہ جو کسی متکلم کے کلام کے ادب اور احترام میں خاموشی اختیار کی جائے عام اس سے کہ متکلم کا کلام سن رہا ہو یا نہ سن رہا ہو جیسا کہ حدیث میں ہے، "اقیموا الصفوف وحاذوا بالمناکب وانصتوا فان اجر المنصت الذی لا یسمع کا جر المنصت الذی یسمع رواہ عبدالرزاق مرسلا" (فیض القدیر للمناوی: ۲/۷۵ والسراج المنیر: ۱/۲۶۶)

یعنی صفوں کو سیدھا کرو اور مونڈھوں کو برابر رکھو اور نماز میں خاموش رہو اگر چہ تم کو امام کی قراءت سنائی نہ دے اس لیے کہ جو منصت (خاموش) امام کی قراءت کو نہیں سنتا اس کا اجر اس منصت (خاموش) کے برابر ہے (کہ جو امام کی قراءت سن رہا ہے) اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ انصات کے معنی مطلق خاموش رہنے کے ہیں کے خواہ امام کی قراءت سنائی دے یا نہ سنائی دے اس لیے فقہاء حنفیہ کہتے ہیں کہ استماع خاص ہے اور انصات عام ہے اور اس آیت میں بوقت قراءت امام مقتدی کے لیے دو حکم مذکور ہیں ایک استماع کا یہ حکم جہری نماز کے ساتھ مخصوص ہے۔

اور دوسرا حکم انصات کا ہے جو جہری اور سری دونوں کو شامل ہے اور ﴿أَنْصِتُوا﴾ کا مطلب یہ ہے کہ جب امام قراءت کرے تو خاموش کھڑے رہو خواہ امام کی قراءت سنائی دے یا نہ دے دونوں صورتوں میں انصات کا حکم آیا ہے۔

اس لیے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مقتدی نہ جہری نماز میں قراءت کرے اور نہ سری نماز میں قراءت کرے ﴿فَاسْتَمِعُوا﴾ کا حکم جہری نماز سے متعلق ہے اور ﴿أَنْصِتُوا﴾ کا حکم جہری اور سری دونوں نمازوں سے متعلق ہے (دیکھو احکام القرآن للجصاص: ۳/۳۹)

جیسا کہ احادیث میں خطبہ کے لیے انصات کا حکم آیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جب خطیب خطبہ دے رہا ہو تو اس وقت انصات (خاموشی) چاہئے خواہ خطیب کی آواز سنائی دیتی ہو یا نہ دیتی ہو تمام ائمہ مجتہدین کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص خطیب کا خطبہ نہ سن رہا ہو اور خطیب سے دور ہو تو اس پر بھی انصات (خاموش) رہنا واجب یا مستحب ہے اور ہر قسم کا کلام حالت خطبہ میں ممنوع ہے معلوم ہوا کہ لفظ انصات مسموع کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ مسموع اور غیر مسموع دونوں کو عام ہے۔ غرض یہ کہ لفظ انصات باعتبار لغت کے جہر اور سر دونوں کو شامل ہے۔

حق جل شانہ نے آیت میں اول خاص جہری نماز کا حکم ذکر فرمایا ﴿فَاسْتَمِعُوْا﴾ یعنی جب امام قراءت کرے تو سنو۔ اور اس کے بعد حکم عام ذکر فرمایا یعنی ﴿اَنْصِتُوْا﴾ فرمایا یعنی قراءت امام کے وقت خاموش رہو اور حکم عام ہے جو جہری اور سری دونوں کو شامل ہے تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ خطبہ کی حالت میں سامعین اور حاضرین کو آہستہ آہستہ ذکر و تسبیح کی بھی اجازت نہیں اگرچہ حاضرین خطبہ کی آواز نہ سن رہے ہوں۔ پس جبکہ خطبہ کی حالت میں سرًّا کلام ممنوع ہے تو نماز میں سرًّا قراءت بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگی معلوم ہوا کہ لفظ انصات عام ہے جہری اور سری دونوں کو شامل ہے۔

اور مالکیہ اور حنابلہ رحمہم اللہ یہ کہتے ہیں کہ استماع اور انصات دونوں کے ایک معنی ہیں اور جملہ ثانیہ یعنی ﴿وَاَنْصِتُوْا﴾ جملہ اولیٰ یعنی ﴿فَاسْتَمِعُوْا﴾ کی تاکید ہے اور استماع اور انصات کا حکم جہری نمازوں کے ساتھ مخصوص ہے استماع کے معنی سننے کے ہیں اور انصات کے معنی سکوت مع الاستماع کے ہیں اور استماع اور انصات کا مآل ایک ہے اور دونوں حکم جہری نماز کے ساتھ مخصوص ہیں۔ فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ ﴿فَاسْتَمِعُوْا﴾ کا حکم جہری نماز کے ساتھ مخصوص ہے اور انصتوا کا حکم جہری اور سری دونوں نمازوں کو شامل ہے۔ پس جب استماع اور انصات کے معنی الگ الگ ہوئے تو جملہ وانصتوا تاسیس (یعنی جدید) معنی کے لیے ہوا اور تمام ائمہ بلاغت کا اس پر اجماع ہے کہ تاسیس تاکید سے بہتر ہے اور تاسیس کو چھوڑ کر تاکید کو اختیار کرنا بالاجماع مکروہ ہے۔

اور اسی وجہ سے کہ لفظ انصات بہ نسبت لفظ استماع کے عام ہے اور جہریہ اور سریہ دونوں کو شامل ہے سو جن احادیث میں مقتدی کے احکام بیان کیے گئے ہیں ان احادیث میں اذا قرا فانصتوا کا لفظ آیا ہے اور اذا قرا فاستمعوا کا لفظ نہیں آیا تاکہ اذا قرا فانصتوا کا حکم جہریہ اور سریہ دونوں نمازوں کو شامل ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ مقتدی پر ہر حال میں انصات یعنی خاموش رہنا واجب ہے خواہ امام کی قراءت اس کو سنائی دے یا نہ سنائی دے۔

بحمدہ تعالیٰ ہمارے اس بیان سے استماع اور انصات کا فرق خوب واضح ہوگیا۔

شیخ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں الانصات باللسان والاستماع بالاذنین۔ (تفسیر در منثور: ۱۵۶/۳)

مطلب یہ ہے کہ انصات کا تعلق زبان سے ہے اور استماع کا تعلق کانوں سے ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب نماز میں قرآن پڑھا جائے تو کانوں سے سنو اور زبان سے خاموش رہو خواہ امام کی آواز تمہیں سنائی دے یا نہ سنائی دے قال تعالیٰ: ﴿وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا﴾۔ اس آیت میں انصتوا کے معنی یہ ہیں کہ جب قرآن پڑھا جائے تو بالکل خاموش رہو اور کوئی حرف زبان سے نہ نکالو اس لیے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جہری اور سری دونوں نمازوں میں امام کے پیچھے مقتدی کے لیے قراءت ممنوع ہے اس لیے کہ سورۂ اعراف کی اس آیت سے واضح ہوگیا کہ مقتدی پر استماع اور انصات واجب اور لازم ہے اور اس کے خلاف ممنوع ہے۔ اس لیے کہ امر بالشیئ نہی عن ضدہ کو مقتضی ہے پس جب بحکم خداوندی مقتدی پر استماع اور انصات واجب ہوگیا تو لامحالہ مقتدی کے لیے امام کے پیچھے قراءت کرنا مطلقاً ممنوع اور منہی عنہ ہوگا اور تا آخر یہ حکم قائم رہا اور اس کے بعد کوئی آیت اس کی ناسخ نازل نہیں ہوئی اور ذخیرۂ حدیث میں ایک حدیث بھی ایسی موجود نہیں کہ جس میں صراحۃً آپ ﷺ نے مقتدی کو امام

کے پیچھے پڑھنے کا حکم دیا ہو (بلکہ) جن لوگوں نے آپ ﷺ کے پیچھے قراءت کی آپ ﷺ نے ان سے باز پرس کی اور بطور عتاب یہ فرمایا۔ انی اراکم تقرءون وراء امامکم" اور ایک روایت میں ہے "ھل تقرئون وراء امامکم۔" اور ایک روایت میں ہے "لعلکم تقرءون" ان سب کا مطلب یہ ہے کہ میں تم کو دیکھتا ہوں کہ تم اپنے امام کے پیچھے قراءت کرتے ہو جو منصب اقتداء کے منافی ہے مقتدی کا فرض تو یہ ہے کہ امام کی قراءت سنے اور خاموش رہے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا "ھل قرا معی منکم احد انفا" کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ کچھ پڑھا ہے ساری جماعت میں سے صرف ایک شخص نے کہا ہاں یارسول اللہ میں نے پڑھا ہے آپ نے فرمایا "مالی انازع القرآن" میں بھی تو کہتا ہوں کہ میرے ساتھ نماز میں قراءت قرآن کے بارے میں منازعت کی جاتی ہے اور منازعت کے معنی کشمکش اور جھگڑے کے ہیں مطلب یہ ہے کہ نماز میں قراءت قرآن تو حق امام کا ہے۔ تم میرے پیچھے قراءت کر کے میرے اس حق کو چھیننا چاہتے ہو۔ لہٰذا مقتدی کو چاہئے کہ قراءت خلف الامام کر کے امام کے ساتھ منازعت نہ کرے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یا زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کے اس خطاب سراپا عتاب کے سننے کے بعد جہری نماز میں قراءت کرنے سے سب لوگ باز آ گئے فانتھی الناس عن القراءۃ فیما جھر فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالقراءۃ حین سمعوا ذلک من الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ تو جہری نماز کا واقعہ ہوا کہ لوگ جہری نماز میں قراءت خلف الامام سے باز آ گئے۔

اسی طرح کا واقعہ ظہر کی نماز میں پیش آیا جو سری نماز ہے کہ ایک شخص نے ظہر کی نماز میں آپ کے پیچھے قراءت کی تو آپ نے نماز سے فارغ ہو کر بطور عتاب فرمایا۔ ایکم خالجنیھا کس نے مجھ کو خلجان میں ڈال دیا اور ایک روایت میں ہے لقد ظننت ان بعضکم خالجنیھا اس وجہ سے اس حدیث کو حدیث مخالجت کہتے ہیں جیسا کہ پہلی حدیث کو حدیث منازعت کہتے ہیں اور دونوں لفظوں سے مقتدی کو قراءت سے ممانعت مقصود ہے حدیث منازعت فجر کی نماز کا واقعہ ہے۔ اور حدیث مخالجت ظہر کی نماز کا واقعہ ہے۔ معلوم ہوا کہ جہری اور سری دونوں ہی نمازوں میں مقتدی کے لیے قراءت خلف الامام ممنوع ہے۔

پس جن لوگوں نے آپ کے پیچھے جہری یا سری کسی نماز میں قراءت کی آپ نے اس قراءت کو منازعت اور مخالجت قرار دیا جو کراہت اور ممانعت کی صریح دلیل ہے پس ان روایات سے صاف ظاہر ہے کہ کسی مقتدی کی قراءت خلف الامام آپ ﷺ کے حکم اور آپ ﷺ کی اجازت سے ہرگز نہ تھی اور نہ آپ ﷺ کو اس کی خبر تھی ورنہ آپ باز پرس نہ فرماتے اور مقتدی کے پڑھنے کو آپ منازعت اور مخالجت نہ قرار دیتے یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کی اس باز پرس کو نہی اور ممانعت سمجھا اسی بناء پر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یا زہری رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں فانتھی الناس عن القراءۃ فیما جھر فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس لیے کہ لفظ انتہاء (بمعنی باز آ جانا) اسی موقع پر استعمال کیا جاتا ہے۔ جہاں پہلے نہی اور ممانعت آ چکی ہو جیسے خمر اور میسر کے بارے میں فھل انتم منتھون کا لفظ آیا ہے جو اس امر کی دلیل ہے کہ ماقبل کا کلام نہی اور ممانعت کے لیے تھا اس وجہ سے اس آیت کریمہ کو سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ انتھینا انتھینا ہم باز آ گئے آئندہ

کبھی شراب نہ پئیں گے۔ اسی طرح فانتھی الناس عن القراءات کے معنی یہ ہوں گے کہ آپ ﷺ کے اس خطاب سراپا عتاب کے بعد تمام صحابہ رضی اللہ عنہم قراءت خلف الامام سے باز آ گئے اور آئندہ کے لیے عہد کرلیا کہ اب کبھی قراءت خلف الامام نہیں کریں گے۔

ذکر مذاہب فقہاء کرام در بارۂ قراءت خلف الامام

بحمدہ تعالیٰ سورۂ اعراف کی اس آیت سے امام ابوحنیفہ کا مسلک خوب واضح ہوگیا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے جہری اور سری دونوں نمازوں میں قراءت کرنا ممنوع ہے اور بقدر ضرورت اجمالاً ان احادیث کو بھی ذکر کردیا گیا جن سے مقتدی کو امام کے پیچھے پڑھنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں دیگر ائمہ مجتہدین کے مذاہب بھی ذکر کردیے جائیں تاکہ مسئلہ کے تمام اطراف و جوانب اجمالی طور پر نظروں کے سامنے آ جائیں۔ فاقول وباللہ التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق۔

مذہب امام شافعی رحمہ اللہ:...... امام شافعی رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ جہری اور سری دونوں قسم کی نمازوں میں مقتدی پر امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض اور واجب ہے اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے "لا صلوۃ لمن لم یقرا بفاتحۃ الکتاب" یعنی جس نے نماز میں فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی اور اسی کو امام بخاری نے اپنی جامع صحیح میں اختیار فرمایا اور اس بارے میں ایک رسالہ تحریر فرمایا جو جزء القراءۃ خلف الامام کے نام سے مشہور ہے۔

امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا مذہب:...... امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ جہری نماز میں مقتدی کو امام کے پیچھے قراءت کرنا قطعاً ممنوع ہے البتہ سری نماز میں قراءت خلف الامام جائز یا مستحب ہے اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا قول قدیم ہے۔

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں کہ جہری نماز میں قراءت خلف الامام کے متعلق امام احمد رحمہ اللہ کے دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ جہری نماز میں قراءت خلف الامام حرام ہے اور اس سے مقتدی کی نماز بھی باطل ہوجاتی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ جہری نماز میں مقتدی کے لیے قراءت خلف الامام ناجائز تو ہے مگر اس سے مقتدی کی نماز باطل نہیں ہوتی اور امام احمد رحمہ اللہ کا یہی قول مذہب حنبلی میں زیادہ مشہور ہے (دیکھو فتاویٰ [1] ابن تیمیہ: ۲/۱۴۱) خاص کر حضرات غیر مقلدین ضرور دیکھیں۔

بعد ازاں حافظ ابن تیمیہ نے اس پر طویل کلام فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت اعراف اور احادیث نبویہ سے یہ ثابت ہے کہ جہری نماز میں مقتدی پر استماع اور انصات واجب ہے اور مقتدی کو امام کے پیچھے پڑھنا قطعاً ممنوع ہے پھر آخر میں فرماتے ہیں۔

---

[1] اصل عبارت یہ ہے۔ والقراءۃ اذا سمع قراءۃ الامام ھل ھی محرمۃ ومکروھۃ وھل تبطل الصلاۃ اذا قرا علی تولین فی مذھب احمد وغیرہ ان القراءۃ حنیئذ محرمۃ واذا قراء بطلت صلاتہ وھذا احد الوجھین فی مذھب احمد (والثانی) ان الصلاۃ لا یبطل وھذا قول الاکثرین وھذا ھو المشھور من مذھب احمد (فتاوی ابن تیمیہ: ۲/۱۴۱)

"وايضا فالمقصود بالجهر استماع المامومين ولهذا يؤمنون على قراءة الامام فی الجهر دون السر فاذا كانوا مشغولين عنه بالقراءة فقد امران يقراء على قوم لا يستمعون لقراءته وهو بمنزلة من يحدث من لا يستمع لحديث ويخطب من لا يستمع لخطبته وهذ سفه تنزة عنه الشريعة ولهذا روى فی الحديث مثل الذی يتكلم والامام يخطب كمثل الحمار يحمل اسفارا فهكذا اذا كان يقراء والامام يقرا عليه (فتاوی ابن تيميه: ۲/۱۴۷)

جہری نماز میں جہراً قراءت سے مقصود یہ ہے کہ مقتدی امام کی قراءت کو سنیں اس وجہ سے مقتدی جہری نماز میں امام کے فاتحہ ختم ہونے پر آمین کہتے ہیں۔ سری نماز میں آمین نہیں کہتے۔ پس اگر مقتدی جہری نماز میں امام کی قراءت کو نہ سنیں بلکہ اپنی قراءت میں مشغول رہیں تو لازم آئے گا کہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ نے جہری نماز میں ایسی قوم کے سامنے امام کو جہراً قراءت کا حکم دیا ہے جو اللہ کے کلام کو سننا نہیں چاہتے (اور بجائے اللہ کا کلام سننے کے اپنی قراءت میں مشغول ہیں) یہ تو بعینہٖ ایسا ہے کہ کوئی شخص ایسی قوم سے باتیں کرتا ہے جو اس کی بات کی طرف کان نہیں لگاتے یا کوئی شخص ایسے لوگوں کے سامنے خطبہ پڑھتا ہے جو اس کے خطبہ کی طرف کان لگانا نہیں چاہتے یہ تو سراسر سفاہت اور نادانی ہے جس سے شریعت منزہ ہے اور اس وجہ سے حدیث میں آیا ہے کہ اس شخص کی مثال جو کہ خطبہ کی حالت میں کلام کرتا ہو خطیب تو خطبہ دے رہا ہو اور یہ شخص اپنی باتوں میں مشغول ہو گدھے کی سی مثال ہے جو اپنے اوپر کتابوں کو لادے ہوئے ہے یہی مثال ہے اس شخص کی جو اپنے پڑھنے میں مشغول ہو درآنحالیکہ امام جہراً اس کے سامنے قراءت کر رہا ہو۔ (حافظ ابن تیمیہ کے کلام کا ترجمہ ختم ہوا)

حاصل کلام یہ کہ اگر جہری نماز میں مقتدی امام کی قراءت کو نہ سنے اور خود اپنی قراءت میں مشغول رہے تو آخر اس کو یہ سوچنا چاہئے کہ امام جو جہراً قراءت کر رہا ہے وہ کس کے سنانے کے لیے کر رہا ہے اور کیا معاذ اللہ خدا تعالیٰ نے ایسی قوم کے سامنے جہر کا حکم دیا ہے جو اس کا کلام سننا نہیں چاہتی۔

مذہب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ: ......امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جہری اور سری دونوں قسم کی نمازوں کا حکم یکساں ہے مقتدی کے لیے کسی نماز میں بھی قراءت جائز نہیں امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ نے جو جہری اور سری نمازوں کے حکم میں تفریق کی وہ ان کا اجتہاد ہے باقی آیت قرآنیہ یعنی ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا﴾ جہریہ اور سریہ دونوں کو شامل ہے جیسا کہ واضح ہو چکا ہے اور علی ہذا، احادیث میں بھی قرآن کی طرح ہی سب جگہ استماع اور انصات کا عام حکم آیا ہے۔ ارشاد نبوی میں کسی جگہ جہری اور سری کا فرق ظاہر نہیں ہوتا۔ فرق واقعہ کا ہے کسی جگہ مقتدی کے پڑھنے کا واقعہ فجر کی نماز میں پیش آیا اور کسی جگہ ظہر میں پیش آیا اور سب جگہ آپ نے مقتدی کی قراءت پر باز پرس کی اور ناگواری کا اظہار فرمایا۔ کسی جگہ ناگواری کا اظہار منازعت کے لفظ سے فرمایا اور کسی جگہ مخالجت کے لفظ سے فرمایا ہر جگہ مطلقاً مقتدی کا امام کے پیچھے پڑھنا ناگواری اور باز پرس کا سبب بنا جہر اور سر کا اس میں کوئی دخل نہیں۔

اور اسی طرح کا ایک واقعہ عصر کی نماز میں پیش آیا کہ آنحضرت ﷺ عصر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ کے پیچھے قراءت کی ایک شخص نے جو اس کے پاس تھا اس کو اشارہ کیا کہ خاموش ہو جا پس جب وہ نماز پڑھ چکا تو اس نے کہا کہ تو نے مجھے کیوں ٹوکا تھا۔ اور مجھ کو اشارہ سے کیوں منع کیا تھا تو اس ٹوکنے اور روکنے والے نے پیچھے پڑھنے والے سے کہا:

"کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدامك فکرھت ان لقرأ خلفه فسمعه النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من کان له امام فان قراءته له قراءة" یعنی اس منع کرنے والے نے کہا۔

جبکہ رسول خدا ﷺ تیرے سامنے اور آگے امامت فرما رہے تھے پس میں نے مکروہ جانا کہ تو آنحضرت ﷺ کے پیچھے کچھ پڑھے۔ پس آنحضرت ﷺ نے ان کی یہ گفتگو سن لی۔ سن کر یہ فرمایا جس کے لیے امام ہو پس تحقیق امام کی قراءۃ اس کی قراءۃ ہے۔ (دیکھو موطاء امام محمد، ص:۹۸، وکتاب الآثار للامام محمد رحمہ اللہ)

مطلب یہ ہے کہ امام کی قراءت مقتدی کے لیے کافی ہے مقتدی کو علیحدہ قراءت کی ضرورت نہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ﴿اَوَلَمۡ یَکۡفِهِمۡ اَنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ﴾۔ یعنی قرآن اللہ کی کتاب ہدایت کے لیے کافی ہے اس کے ہوتے ہوئے کسی دوسری کتاب کی طرف رجوع کی ضرورت نہیں۔

پس اس حدیث میں امام کے پیچھے پڑھنے کی کراہت اور ناگواری اور ناپسندیدگی کو آپ ﷺ نے یہ عنوان کفایت ذکر فرمایا اور جس شخص نے امام کے پیچھے پڑھنے والے کو منع کیا تھا آنحضرت ﷺ نے اس کی تصدیق اور تائید فرمائی اور یہ واقعہ عصر کا ہے یعنی سری نماز کا ہے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو مطلقاً مقتدی کا امام کے پیچھے پڑھنا ناگوار اور ناپسند تھا۔

الغرض یہ واقعہ کبھی فجر کی نماز میں پیش آیا اور کبھی ظہر اور عصر میں پیش آیا اور ہر جگہ اور ہر موقع پر آپ نے کراہت اور ناگواری کا اظہار فرمایا اس لیے امام ابوحنیفہ نے یہ ارشاد فرمایا کہ نہ جہری نماز میں قراءت خلف الامام ہے اور نہ سری میں۔

یہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مضمون تھا جو بلاشبہ صحیح ہے اور اسی کے ہم معنی ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا "ما اری الامام اذا قرأ الا کان کافیا" (رواہ الطبرانی واسنادہ حسن) میں نہیں جانتا کہ جب امام قراءت کرے مگر یہ کہ وہ مقتدی کے لیے کافی اور وافی ہے۔

مذہب خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم:...... امام عبدالرزاق رحمہ اللہ نے اپنی مصنف میں امام المغازی موسیٰ بن عقبہ سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق اور عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے قراءت کرنے سے منع کیا کرتے تھے (عمدۃ القاری) حافظ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مرسل صحیح ہے اور عبدالرزاق رحمہ اللہ کا سماع موسیٰ بن عقبہ سے ممکن ہے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی:...... امام محمد ابن الحسن رحمہ اللہ موطا، ص:۹۸ میں فرماتے ہیں:

"ان عمر بن الخطاب قال لیت فی فم الذی یقرا خلف الامام حجرا"۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہے کہ کاش اس شخص کے منہ میں پتھر ہوں جو امام کے پیچھے قراءت کرے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد گرامی:...... مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا

"من قرا خلف الامام فقد اخطا الفطرة" جس نے امام کے پیچھے قراءت کی وہ فطرت سے چوک گیا۔ یعنی قراءة خلف الامام خلاف فطرت فعل ہے۔

اب ہم اس بیان کو ختم کرتے ہیں۔ ہم نے صرف تحقیق پر اکتفا کیا اور روایات کی جرح وتعدیل سے کنارہ کشی کی اس لیے کہ اس کا محل کتب حدیث وفقہ ہیں۔ امید ہے کہ تشفی قلب کے لیے یہ تحریر کافی ہوگی۔

لطائف ومعارف

امام نسائی رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں اس عنوان سے ایک ترجمہ قائم کیا تاویل قوله وعزوجل ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ اخبرنا الجارود -الی- عن ابی هريرة قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذا قرا فانصتوا واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا لك الحمد۔ امام نسائی کا عنوان باب میں آیت قرآنی کی نقل کر کے اس کے تحت اس حدیث کو ذکر کرنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے اور ظاہر ہے کہ اس حدیث سے مقتدی کا حکم بیان کرنا ہے اور حدیث کا آغاز ہی "انما جعل الامام ليؤتم به سے ہوا ہے معلوم ہوا کہ آیت قرآنی ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا﴾ سے مقتدی کا حکم بیان کرنا ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی پر مطلقاً استماع اور انصات واجب اور لازم ہے مقتدی کو امام کے پیچھے اپنی قراءت جائز نہیں اور یہ حکم عام ہے سورت کے ساتھ مقید نہیں۔

نکتہ:...... آیت اعراف اور حدیث انصات میں ایک لطیف فرق ہے وہ یہ ہے کہ حدیثِ انصات میں مقصود فقط امامت اور اقتداء کے حکم کو بتلانا ہے اور آیت اعراف میں اصل مقصود قراءت قرآن کے حکم کو بتلانا ہے اس لیے آیت اعراف میں دو حکم ذکر فرمائے ایک استماع کا اور ایک انصات کا اس لیے کہ قراءت قرآن کبھی جہراً ہوتی ہے اور کبھی سراً اس لیے جہری قراءت کے متعلق استماع کا حکم دیا گیا ہے اور سری قراءت کے متعلق انصات کا حکم دیا گیا کہ اگر امام جہراً قراءت کر رہا ہو اور تم اس کی قراءت کو سن رہے ہو تو اس وقت تو تمہارے لیے حکم یہ ہے کہ ﴿فَاسْتَمِعُوا لَهُ﴾ یعنی امام کی قراءت کو پوری توجہ اور التفات سے سنو اور اگر امام سراً قراءت کر رہا ہو اور تمہیں اس کی قراءت سنائی نہ دے رہی ہو تو اس وقت تمہارے لیے ﴿وَأَنصِتُوا﴾ کا حکم ہے یعنی خاموش رہو غرض یہ کہ آیت میں قراءت قرآن کا حکم بیان کرنا مقصود ہے اس لیے اس کے متعلق دو حکم بیان فرمائے جہاں امام کی قراءت کا علم ہو وہاں حکم استماع کا ہے اور جہاں امام کی قراءت کا علم نہ ہو وہاں حکم انصات کا ہے۔

اور حدیث مذکور میں اصل مقصود امام اور مقتدی کا حکم بیان کرنا ہے اس لیے مقتدی کے متعلق صرف ایک حکم انصات یعنی سکوت کا ذکر فرمایا کہ مقتدی پر مقتدی ہونے کی حیثیت سے ہر حال میں انصات یعنی سکوت واجب ہے اور اس میں امام کے جہر یا عدم جہر کو اور مقتدی کے استماع یا عدم استماع کو کوئی دخل نہیں اس لیے حدیث میں صرف ایک حکم یعنی انصات و سکوت پر اکتفا فرمایا استماع کا حکم ذکر نہیں فرمایا اس لیے کہ حدیث میں مقصود قراءت کا حکم بیان کرنا نہیں بلکہ فقط مقتدی کا

فریضہ بتلانا مقصود ہے کہ مقتدی کا فرض یہ ہے کہ امام کے پیچھے بالکل خاموش کھڑا رہے اسی بناء پر جس قدر حدیثیں اقتداء کے احکام کے بارہ میں آتی ہیں۔ سب جگہ صرف فانصتوا ہی کا لفظ آیا ہے جو جہری اور سری دونوں نمازوں کو شامل ہے۔ اور ابتداء مشروعیت امامت سے لے کر وفات نبوی تک کسی وقت بھی مقتدی پر قراءت فرض نہیں ہوئی بلکہ سنت یہ رہی کہ امام قراءت کرتا اور مقتدی سنتے اور خاموش رہتے۔ لیلۃ الاسراء میں نبی اکرم ﷺ جب مسجد اقصی پہنچے تو حضرات انبیاء و مرسلین اور ملائکہ مقربین علیہم السلام آپ ﷺ کے انتظار میں مسجد اقصی میں جمع تھے جبرئیل علیہ السلام کے حکم سے آپ امامت کے لیے آگے بڑھے آپ نے امامت فرمائی اور قراءت قرآن کی اور انبیاء کرام علیہم السلام اور ملائکہ عظام علیہم السلام نے آپ ﷺ کی اقتداء کی۔ سب نے آپ کی قراءت کو سنا کسی ایک نبی یا فرشتہ نے آپ کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی۔ شب معراج میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں اس کے بعد سے امامت اور اقتداء کے سلسلہ کا آغاز ہوا۔ ہمیشہ یہی طریقہ رہا کہ امام پڑھتا اور مقتدی سنتے یہاں تک کہ جب بعض لوگوں نے اتفاقاً محض اپنی رائے سے آپ ﷺ کے پیچھے قراءت کر ڈالی تو اس پر سورۂ اعراف کی یہ آیت ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا﴾ نازل ہوئی جس سے مقصود ہی قراءت خلف الامام کی ممانعت تھی کہ مقتدی پر استماع اور انصات واجب ہے مقتدی کے لیے امام کے پیچھے قراءت کرنا ہرگز جائز نہیں اکابر صحابہ میں سے کسی نے بھی آپ کے پیچھے بھی قراءت نہیں کی لیکن بعض غیر معروف اشخاص نے نہ معلوم کس بناء پر آپ کے پیچھے فاتحہ یا سورۃ کی قراءت کی تو آپ ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر ان سے باز پرس کی اور یہ فرمایا "لعلکم تقرءون خلف امامکم" معلوم ہوا کہ یہ قراءت نہ آپ ﷺ کی اجازت اور حکم سے تھی اور نہ آپ کو اس کی خبر تھی اور قراءت خلف الامام پر تنبیہ کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا﴾ جس میں مطلقاً قراءت قرآن کے وقت استماع اور انصات کا حکم دیا گیا اور اس حکم کو مقید بسورت نہیں فرمایا۔ اور علی ہذا، مرض الوفات میں اسی طرح پیش آیا کہ آپ ﷺ کے حکم سے ابوبکر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں امامت کر رہے تھے اور صبح کی نماز پڑھا رہے تھے تو آنحضرت ﷺ نے اپنے مرض میں کچھ تخفیف محسوس کی تو مسجد میں تشریف لے آئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ گئے اور آنحضرت ﷺ امام ہو گئے۔ (مسند احمد: ۱/ ۲۳۲) اور سنن دارقطنی، ص: ۱۵۳ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اسی جگہ سے قراءت شروع کی جہاں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہنچ چکے تھے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس وقت سورت پڑھ رہے تھے۔

پس آنحضرت ﷺ نے اس اپنی آخری نماز میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی اور جتنی مقدار قراءت اور سورۂ فاتحہ آپ ﷺ سے اس نماز میں رہ گئی تھی آپ ﷺ نے اس کا اعادہ نہیں فرمایا جس کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتی کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس نماز میں ابتداء سے امام تھے اور وہ سورۂ فاتحہ پڑھ چکے تھے۔ ان کی قراءت سب کے لیے کافی ہو گئی۔

جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے "من کان له امام فقراءة الامام له قراءة" یعنی امام کی قراءت حکماً مقتدی کی قراءت ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شریعت کی نظر میں قراءت کی دو قسمیں ہیں ایک حقیقی اور ایک حکمی۔ نماز میں امام کی قراءت حقیقی ہے اور مقتدی کی قراءت حکمی ہے۔

اور آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد "لا صلوة لمن لم یقرا بفاتحة الکتاب" بالفرض اگر عام ہے اور امام اور

مقتدی دونوں کو شامل ہے تو اس حدیث میں قراءت فاتحہ بھی عام ہے خواہ وہ حقیقۃً ہو یا حکماً پس جو مقتدی بحکم خداوندی امام کے پیچھے استماع اور انصات میں مشغول ہے وہی مقتدی حسب ارشاد نبوی حکماً قراءت بھی کر رہا ہے "من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ" اور یہ مقتدی بحالت استماع وانصات۔ امام کے پیچھے فاتحۃ الکتاب کی بھی قراءت کر رہا ہے اور اس کی یہ حکمی قراءت زیر پردہ استماع وانصات مستور ہے اور اسی طرح مقتدی بیک وقت حکم خداوندی استماع وانصات اور "لا صلوۃ لمن لم یقرا بفاتحۃ الکتاب" پر عمل کر رہا ہے اور جو شخص امام کے پیچھے قراءت کر رہا ہے وہ حکم خداوندی استماع وانصات کے بھی خلاف کر رہا ہے اور جس منازعت اور مخالجت سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے اس کا مرتکب ہو رہا ہے قراءت خلف الامام کرنے والا بیک وقت خدا اور رسول کے حکم کے خلاف کر رہا ہے خوب سمجھ لو کہ وہ بجائے استماع وانصات کے امام کی منازعت اور مخالجت میں مشغول ہے جس سے آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے اگر آپ ﷺ نے کسی وقت مقتدی کو قراءت کا حکم دیا ہوتا تو آپ ﷺ کبھی بھی باز پرس نہ فرماتے۔

نکتۂ دیگر:...... نماز میں قراءت قرآن سے مقصود یا تو احکام خداوندی کا سننا ہے یا مناجات خداوندی مقصود ہے اگر اول مقصود ہے تو امام حق تعالیٰ کی طرف سے خلیفہ ہے کہ وہ احکام خداوندی کو پہنچا دے اور اگر مقصود مناجات اور استدعاء نیاز ہے تو امام قوم کی طرف سے وکیل ہے کہ سب مقتدیوں کی طرف سے بارگاہ خداوندی میں استدعاء نیاز پیش کر رہا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ خلافت اور وکالت کا فریضہ ایک ہی شخص ادا کر سکتا ہے اس لیے قراءت کا فریضہ ایک امام ہی ادا کرے گا اور مقتدی اس کی قراءت پر آمین کہیں گے باقی رہی آداب عبودیت سو وہ سب پر لازم ہونگے مثلاً رکوع اور سجود اور تسبیح وتحمید یہ سب بارگاہ خداوندی اور عبادت کے آداب ہیں یہ سب کو بجالانے ہونگے اس میں وکالت اور نیابت جاری نہیں ہوسکتی اس لیے کہ ان آداب سے مقصود تعظیم خداوندی ہے اور تعظیم خداوندی سب پر لازم ہے سورۂ فاتحہ جو کہ ایک عریضۂ نیاز ہے جو صراط مستقیم کی ہدایت کے استدعاء پر مشتمل ہے اور عرض مطلب میں تو توکیل جاری ہوسکتی ہے کیونکہ عریضہ نیاز سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ مقصود اور مراد مخاطب کے سامنے پیش کر دیا جائے اور ایک جماعت کی طرف سے عرض و مدعا کے لیے ایک شخص کافی ہے اور وہ امام ہے۔

نکتۂ دیگر:...... نصوص شریعت میں غور وفکر سے یہ نظر آتا ہے کہ نماز جماعت درحقیقت ایک ہی نماز ہے جس کے ساتھ امام موصوف بالذات ہے اور مقتدی موصوف بالعرض ہیں جیسا کہ حدیث الامام ضامن اس پر شاہد ہے کہ امام کی نماز مقتدیوں کی نمازوں کو متضمن اور شامل ہے۔ اسی وجہ سے اگر امام کی نماز فاسد ہو جائے تو مقتدیوں کی بھی نماز فاسد ہو جاتی ہے اور مقتدی کی نماز کے فاسد ہو جانے سے امام کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ امام کا سترہ مقتدیوں کے لیے کافی ہے۔ رکوع وسجود میں مقتدیوں کے لیے امام سے تقدیم وتاخیر ممنوع ہے۔ یہ تمام احکام اس امر کے شاہد ہیں کہ اصل مصلی امام ہے اور مقتدی، امام سے مستفیض اور مستفید ہیں۔ اصل عبادت یعنی نماز ایک ہے جس کے ساتھ امام موصوف بالذات ہے اور مقتدی موصوف بالعرض ہیں۔

اور قرآن اور احادیث میں جماعت کی نماز کو ایک ہی نماز قرار دیا گیا ہے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى

الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى﴾ اور حدیث میں ہے "اذا اتیتم الصلوٰة فلا تاتوھا وانتم تسعون۔" سب جگہ لفظ صلوٰۃ مفرد لایا گیا ہے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ جماعت واحدہ ہے اور مقتدی اس شئ واحد پر حاضر ہونے والے ہیں۔

پس اگر ہر مقتدی نماز میں اپنی اپنی قراءت کرے تو صلوٰۃ جماعت صلوٰۃ واحدہ نہ رہے گی۔ بلکہ صلوۃ متعددہ فی مکان واحد کا مجموعہ ہوگی۔ یعنی چند آدمیوں نے ایک جگہ جمع ہوکر اپنی اپنی علیحدہ علیحدہ نماز ادا کی ہے۔ نماز جماعت اور تنہا نماز میں درحقیقت کوئی فرق نہ رہا۔ نماز جماعت کا حاصل ومحصول صرف اتنا رہا کہ چند لوگوں نے ایک جگہ جمع ہوکر اپنی نماز ادا کرلی جس کو ذوق سلیم قبول نہیں کرتا۔

صحیح بخاری میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا﴾ کی تفسیر اور شان نزول میں مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ مکہ میں چھپے ہوئے تھے یعنی پوشیدہ طور پر تبلیغ کرتے تھے تو جب آپ ﷺ اپنے اصحاب کو نماز پڑھاتے تو بلند آواز سے قراءت قرآن کرتے تو مشرکین قرآن کو سن کر قرآن کو اور نازل کرنے والے سب کو برا کہتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو یہ حکم دیا کہ آپ اپنی قراءت میں اتنا جہر نہ کیجئے کہ مشرکین سن کر اس کو برا کہیں اور نہ اتنا آہستہ پڑھیے کہ اپنے ساتھیوں کو بھی نہ سنا سکیں اس کے درمیان کا راستہ اختیار کیجئے یعنی اتنی آواز سے قراءت کریں کہ مقتدی سن سکیں معلوم ہوا کہ امام کا کام مقتدیوں کو سنانے کا ہے اور مقتدیوں کا کام امام کی قراءت سننے کا ہے نہ کہ خود پڑھنے کا۔

حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ کا جواب

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے قوی اور صحیح دلیل حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں، "لا صلاة لمن لم يقرا بفاتحة الكتاب" رواه البخاری ومسلم۔ جو شخص نماز میں فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔

جواب:...... امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس استدلال کا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں صراحۃً مقتدی کا کوئی ذکر نہیں محض کلمہ من کے عموم سے استدلال ہے اور سورۂ اعراف کی یہ آیت ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا﴾ خاص مقتدی کے حق میں نازل ہوئی جن مقتدیوں نے آپ ﷺ کے پیچھے لاعلمی اور غلط فہمی سے فاتحہ یا سورۃ پڑھ لی تھی انہیں کی زجر اور تنبیہ کے لیے یہ آیت نازل ہوئی اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کتاب اللہ کے عموم کی تخصیص خبر واحد سے جائز ہے تو خبر واحد کے عموم کی تخصیص کتاب اللہ کے خصوص کے ذریعہ بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی اور احادیث صحیحہ میں جو خاص مقتدی کے حق میں وارد ہوئیں ان میں سے ایک حدیث مشہور یہ ہے "من كان له امام فقراءة الامام له قراءة" یعنی جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو امام کی قراءت ہی اس کی قراءت ہے مقتدی کو علیحدہ قراءت کی ضرورت نہیں اور یہ حدیث مؤطا امام محمد میں دو سندوں سے مروی ہے ایک سند میں خود امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے راوی ہیں اور حافظ عینی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت مفصل طریقہ سے اس حدیث کا شرط بخاری ومسلم پر صحیح ہونا ثابت کردیا ہے جس کو عمدۃ القاری اور فتح القدیر میں دیکھ لیا جائے۔ پس معلوم ہوا کہ حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ مقتدی کے حق میں نہیں بلکہ امام اور منفرد کے حق میں ہے۔ امام

ابوداود رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں امام شافعی رحمہ اللہ کے استاذ سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں "لمن یصلی وحدہ" یعنی یہ حدیث اس شخص کے حق میں ہے جو اکیلا نماز پڑھتا ہو۔ مقتدی کے حق میں نہیں اور علی ہذا امام ترمذی رحمہ اللہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ناقل ہیں کہ جو شخص سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہ ہوگی مگر یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔ امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (جو امام بخاری کے استاذ ہیں) یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مقتدی کے حق میں نہیں بلکہ اس شخص کے حق میں ہے جو خود نماز پڑھ رہا ہو (یا دوسروں کو پڑھا رہا ہو) اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنے اس قول پر حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے استدلال کیا اور یہ فرمایا کہ دیکھو جابر رضی اللہ عنہ ایک مرد ہیں اصحاب نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم میں سے انہوں نے اس حدیث کا یہ مطلب بیان کیا کہ اگر امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو سورۂ فاتحہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اہل اسلام میں سے کسی کو یہ کہتے نہیں سنا کہ جب امام قراءت کرے تو مقتدیوں کی نماز بغیر قراءت صحیح نہ ہوگی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ اور اہل حجاز میں امام مالک اور اہل عراق میں سفیان ثوری اور اہل شام میں اوزاعی اور اہل مصر میں لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہم اجمعین ان ائمہ دین میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ جب امام قراءت کر رہا ہو اور مقتدی اس کے پیچھے قراءت نہ کرے تو اس کی نماز باطل ہے (دیکھو مغنی ابن قدامہ: ۱/۶۰۶) حضرات اہل علم اس مقام کی تحقیق کے لیے فتاوی ابن تیمیہ از: ۲/۱۴۱-۱۵۰ دیکھیں۔

معلوم ہوا کہ جہری نماز میں مقتدی پر قراءت خلف الامام کے وجوب کا صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین اور سلف الصالحین میں سے کوئی قائل نہیں اس لیے امام ترمذی فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے قراءت خلف الامام کے بارہ میں تشدد کیا کہ مقتدی پر قراءت کو واجب قرار دیا حالانکہ سلف میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ مقتدی پر قراءت فرض ہے۔

اور حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے نہایت شد و مد سے جہری نماز میں قراءت خلف الامام کا ناجائز اور حرام ہونا دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے بیان کیا ہے خاص کر اس زمانہ کے مدعیان عمل بالحدیث پر لازم ہے فتاوی ابن تیمیہ کو ضرور دیکھیں کہ جو حنفیہ اور مالکیہ اور حنابلہ کی نمازوں کے باطل ہونے کا جہراً دسراً فتوی دیتے ہیں۔

خلاصۂ کلام: ...... یہ کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب غایت درجہ قوی ہے جو آیات قرآنیہ اور ان احادیث صحیحہ اور صریحہ سے ثابت ہے کہ جو خاص مقتدی کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں۔ حضرات اہل علم اور مدرسین شروح ہدایہ اور شروح بخاری کی مراجعت کریں اور اس ناچیز کی شرح مشکوۃ اور شرح بخاری کو دیکھیں ان شاء اللہ ثم ان شاء اللہ قلب کو سکون اور اطمینان ہو جائے گا اور ارباب ذوق پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ امام اعظم کا مسلک عین عقل اور فطرت کے مطابق ہے۔

خاتمۂ کلام

قول حق اور قراءت قرآن زبان متکلم کا فعل ہے اور سننا سامع کے کان کا فعل ہے اور خاموش رہنا یہ زبان سامع کا فعل ہے حق تعالیٰ نے اس آیت میں یہ تینوں مسئلے بیان فرمائے ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ﴾ زبان متکلم کے متعلق ہے اور

﴿فَاسْتَمِعُوْا﴾ سامع کے کان کے متعلق ہے اور ﴿وَاَنْصِتُوْا﴾ زبان سامع کے متعلق ہے جیسا کہ عارف رومی فرماتے ہیں۔

تو چو گوشی او زباں نے جنس تو — گوش ہا را حق بفرمود انصتوا
انصتوا را گوش کن خاموش باش — چو زبان حق نگشتی گوش باش
انصتوا بپذیر تا برجان تو — آید از جاناں جزائے انصتوا

(ای لعلکم ترحمون)

یعنی رحمت خاص خداوندی جزائے انصات واستماع است برمنازعت ومخالجت؟ یا امام ایں نعمت رحمت میسر نیاید اذا فات الشرط فات المشروط لہٰذا حکم استماع وانصات رابدل وجان قبول باید کرد واز منازعت ومخالجت امام احتراز کلی باید واللہ اعلم۔

ایں سخن را نیست ہرگز اختتام
ختم کن واللہ اعلم بالسلام

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ

اور یاد کرتا رہ اپنے رب کو اپنے دل میں گڑگڑاتا ہوا اور ڈرتا ہوا اور ایسی آواز سے جو کہ پکار کر بولنے سے کم ہو ف۱ صبح کے وقت اور شام کے وقت

اور یاد کرتا رہ اپنے رب کو، دل میں گڑگڑاتا اور ڈرتا، اور پکار سے کم آواز بولنے میں، صبح اور شام کے وقتوں

وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ

اور مت رہ بے خبر بیشک جو تیرے رب کے نزدیک ہیں وہ تکبر نہیں کرتے اس کی بندگی سے

اور مت رہ بے خبر۔ جو لوگ پاس ہیں تیرے رب کے، بڑائی نہیں رکھتے اس کی بندگی سے،

وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ (ع ۲۴ / ۱۸)

اور یاد کرتے ہیں اس کی پاک ذات کو اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں ف۲

اور یاد کرتے ہیں اس کی پاک ذات کو اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔

ف۱ بڑا ذکر تو قرآن کریم ہے، اس کا ادب بیان ہو چکا ہے۔ اب عام "ذکر اللہ" کے کچھ آداب بیان فرماتے ہیں۔ یعنی "ذکر اللہ" کی اصلی روح یہ ہے کہ جو زبان سے کہے دل سے اس کی طرف دھیان رکھے تا کہ ذکر کا پورا نفع ظاہر ہو اور زبان و دل دونوں عضو خدا کی یاد میں مشغول ہوں۔ ذکر کرتے وقت دل میں رقت ہونی چاہیے۔ یعنی رغبت و رہبت سے خدا کو پکارے۔ جیسے کوئی خوشامد کرنے والا ڈرا ہوا آدمی کسی کو پکارتا ہے۔ ذاکر کے لہجہ میں، آواز میں ہیئت میں تضرع و خوف کا رنگ محسوس ہونا چاہیے۔ ذکر و مذکور کی عظمت و جلال سے آواز کا پست ہونا قدرتی چیز ہے وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا۔ اسی لیے زیادہ چلانے کی ممانعت آئی ہے۔ دھیمی آواز سے سراپا جہراً خدا کا ذکر کرے تو خدا اس کا ذکر کرے گا۔ پھر اس سے زیادہ عاشق کی خوش بختی اور کیا ہو سکتی ہے۔

ف۲ یعنی رات دن خصوصاً صبح و شام کے اوقات میں اس کی یاد سے غافل مت رہ۔ جب مقرب فرشتوں کو اس کی بندگی سے عار نہیں، بلکہ ہر وقت اسی کی یاد میں لگے رہتے ہیں، اسی کو سجدہ کرتے ہیں، تو انسان کو اور بھی زیادہ ضروری ہے کہ اس کے ذکر و عبادت و سجود سے غافل نہ رہے۔ چنانچہ اس آیت پر بھی سجدہ کرنا چاہیے۔

آداب ذکر خداوندی

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا... الی... وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیت میں قرآن کریم کے ادب اور احترام کا ذکر تھا جو سب سے بڑا ذکر ہے اور اللہ کا کلام ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کا ادب یہ ہے کہ کانوں سے بغور توجہ اس کو سنا جائے اور زبان سے سکوت اور خاموشی رکھی جائے اب ان آیات میں عام ذکر کر کے آداب کی تلقین فرماتے ہیں قرآن کریم کی تلاوت اور سماعت کے بعد ذکر الٰہی کا درجہ ہے اس کا ادب یہ ہے:

(۱) آہستہ ہو بلند آواز سے نہ ہو۔ (۲) اور تضرع اور زاری کے ساتھ ہو۔ (۳) اور خوف وخشیت کے ساتھ ہو۔ (۴) اور صبح وشام کے وقت میں خاص طور پر اس کا اہتمام ہو یہ دو وقت عالم آخرت میں مقربین کے دیدار کے لیے ہیں کہ وہ روزانہ صبح وشام دیدار خداوندی سے مشرف ہوتے ہیں۔ (۵) اور کسی وقت یاد خداوندی سے غافل نہ ہو۔ غفلت سے بڑھ کر کوئی خسارہ اور محرومی نہیں

یک لحظہ زکوئے یار دوری
در مذہب عاشقاں حرام است

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے بندہ اپنے پروردگار کو دل میں یاد کرتا رہ زاری اور عاجزی سے اور خوف وہراس سے جس سے تیری عبدیت اور بندگی اور خاکساری کا ظہور ہو اور بغیر آواز بلند کے ذکر کو خاص طور پر صبح وشام اس کو یاد کرتا رہ یہ دونوں وقت خاص قبولیت کے ہیں صبح کا وقت اشراق نور اور بزوغ شمس کا ہے اور شام کا وقت افول اور غروب کا ہے ان دو وقتوں میں اپنے پروردگار کو یاد رکھنا اور اللہ اکبر پڑھنا خاص شان رکھتا ہے اور اس درمیان میں بھی تو بالکلیہ غافلوں میں سے نہ ہو اپنے پروردگار سے غفلت ایک قسم کا تکبر اور ایک نوع کی نخوت ہے اور یہ تکبر اور نخوت اس درجہ بری چیز ہے کہ جس سے طالبان قرب خداوندی غایت درجہ اجتناب اور احتراز کرتے ہیں اس لیے کہ تحقیق اور ملاء اعلیٰ کے وہ فرشتے جو تیرے پروردگار کے نزدیک مقرب ہیں باوجود بارگاہ عزت وجلال میں مقرب ہونے کے اللہ کی عبادت اور بندگی سے تکبر نہیں کرتے اور لیل ونہار اس کی تسبیح وتقدیس میں لگے رہتے ہیں اور دن رات اس کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں اور تھکتے نہیں اور خاص اسی کے لیے سجدہ کرتے ہیں اور سجدہ ہی قرب خداوندی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾. اور حدیث میں ہے "اقرب مایکون العبد من ربه وهو ساجد۔" چنانچہ اس آیت پر بھی سجدہ کرنا چاہئے۔

شرف نفس بجود است وکرامت بسجود ہر کہ ایں دو ندارد عدمش بہ زوجود

ف:...... یہ آیت سجدہ کی ہے امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک پڑھنے والے اور سننے والے دونوں پر سجدہ واجب ہے اور امام شافعی ؒ کے نزدیک سنت ہے۔

وهذا آخر تفسير سورة الاعراف ولله الحمد والمنة و صلى الله تعالىٰ على خير خلقه

سیدنا محمد وعلی آله واصحابه اجمعین وعلینا معهم یا ارحم الرحمن۔

الحمدللہ آج بروز پنجشبہ بوقت ۸ بجے دن کے۔ ۱۰ شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ کو سورۂ اعراف کی تفسیر سے فراغت نصیب ہوئی۔

وللہ الحمد اولا وآخرا والحمد للہ الذی بنعمه تتم الصالحات والصلوۃ والسلام علی سیدنا ومولانا محمد اشرف البریات وعلی اله واصحابه اولی الفضائل والدرجات۔

۸ سُورَۃُ الْاَنْفَالِ مَدَنِیَّۃٌ ۸۸ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ ایاتها ۷۶ رکوعاتها ۱۰

ف ۱ یہ سورۃ مدنی ہے، جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی۔ مکہ کی سیزدہ ۱۳ سالہ زندگی میں مشرکین نے جو دردناک اور ہوش ربا مظالم مٹھی بھر مسلمانوں پر روا رکھے اور مظلوم مسلمانوں نے جس صبر واستقلال اور معجز نما استقامت وللہیت سے مسلسل تیرہ برس تک ان ہولناک مصائب ونوائب کا تحمل کیا، وہ دنیا کی تاریخ کا بے مثال واقعہ ہے۔ قریش اور ان کے حامیوں نے کوئی صورت ظلم وستم کی اٹھا کر نہ رکھی۔ تاہم مسلمانوں کو حق تعالیٰ نے ان وحشی ظالموں کے مقابلہ میں ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ دی۔ صبر وتحمل کے امتحان کی آخری حد یہ تھی کہ مسلمان مقدس وطن، عزیز واقارب، اہل وعیال، مال ودولت سب چیزوں کو خیرباد کہہ کر خالص خدا اور رسول کی خوشنودی کا راستہ طے کرنے کے لیے گھروں سے نکل پڑے۔ جب مشرکین کا ظلم وتکبر اور مسلمانوں کی مظلومیت وبے کسی حد سے گزر گئی۔ ادھر اہل ایمان کے قلوب وطن وقوم، زن وفرزند، مال ودولت غرض ہر ایک "ماسوی اللہ" کے تعلق سے خالی اور پاک ہو کر محض خدا اور رسول کی محبت اور دولت توحید واخلاص سے ایسے بھرپور ہوگئے کہ گویا غیر اللہ کی ان میں گنجائش ہی نہ رہی۔ تب ان مظلوموں کو جو تیرہ برس سے برابر کفار کے ہر قسم کے حملے سہہ رہے تھے اور وطن چھوڑنے پر بھی امن حاصل نہ کر سکے تھے، ظالموں سے لڑنے اور بدلہ لینے کی اجازت دی گئی۔ ﴿اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ﴾ ﴿الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ﴾ (الحج رکوع ۶) مکہ کا ادب مانع تھا کہ مسلمان ابتداءً وہاں چڑھ کر جائیں اس لیے ہجرت کے بعد تقریباً ڈیڑھ سال تک لائحہ عمل یہ رہا کہ مشرکین "مکہ" کے تجارتی سلسلوں کو جو شام ویمن وغیرہ سے قائم تھے، شکست دے کر ظالموں کی اقتصادی حالت کمزور اور مسلمانوں کی مالی پوزیشن مضبوط کی جائے۔ ہجرت کے پہلے سال "ابواء" بواط، عشیرہ وغیرہ چھوٹے چھوٹے غزوات وسرایا جن کی تفصیل کتب احادیث وسیر میں ہے، اسی سلسلہ میں وقوع پذیر ہوئے۔ ۲ ہجری میں آپ کو معلوم ہوا کہ ایک بھاری تجارتی مہم ابوسفیان کی سرکردگی میں شام کو روانہ ہوئی ہے۔ ابوسفیان کا یہ تجارتی قافلہ جس کے ساتھ تقریباً ساٹھ قریشی، ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار دینار کا مال تھا، جب شام سے مکہ کو واپس ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی، صحیح مسلم کی ایک روایت کے موافق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ لیا کہ آیا اس جماعت سے تعرض کیا جائے، طبری کے بیان کے موافق بہت سے لوگوں نے اس مہم میں جانے سے پہلوتہی کی۔ کیونکہ انہیں کسی بڑی جنگ کا خطرہ نہ تھا جس کے لیے بڑا اجتماع واہتمام کیا جائے۔ دوسرے "انصار" کی نسبت عموماً یہ بھی خیال کیا جاتا تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نصرت وحمایت کا معاہدہ صرف اسی صورت میں کیا ہے کہ کوئی قوم مدینہ پر چڑھائی کرے یا آپ پر حملہ آور ہو۔ ابتداءً اقدام کر کے جانا خواہ کسی صورت میں ہو، ان کے معاہدہ میں شامل نہ تھا۔ مجمع کا یہ رنگ دیکھ کر ابوبکر وعمر اور رئیس انصار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم نے حوصلہ افزا تقریریں کیں۔ آخر حضور تین سو سے کچھ زائد آدمیوں کی جمعیت لے کر قافلہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ چونکہ کسی بڑے مسلح لشکر سے مڈبھیڑ ہونے کی توقع نہ تھی۔ اسی لیے بخاری کی روایت میں حضرت کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ "جو لوگ غزوہ بدر میں شریک ہوئے ان پر کوئی عتاب نہیں ہوا، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف تجارتی مہم کے ارادے سے نکلے تھے۔ اتفاقاً خدا نے باقاعدہ جنگ کی صورت پیدا فرمادی۔" ابوسفیان کو آپ کے ارادہ کا پتہ چل گیا۔ اس نے فوراً مکہ آدمی بھیجا۔ وہاں سے تقریباً ایک ہزار کا لشکر جس میں قریش کے بڑے بڑے سردار تھے، پورے ساز وسامان کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ حضور مقام صفراء میں تھے جب معلوم ہوا کہ ابوجہل وغیرہ بڑے بڑے ائمۃ الکفر کی کمانڈ میں مشرکین کا لشکر یلغار کرتا چلا آرہا ہے اس غیر متوقع صورت کے پیش آجانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اطلاع کی کہ اس وقت دو جماعتیں تمہارے سامنے ہیں۔ تجارتی قافلہ اور فوجی لشکر، خدا کا وعدہ ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک پر تم کو مسلط کرے گا۔ تم بتلاؤ کہ کس جماعت کی طرف بڑھنا چاہتے ہو؟ چونکہ اس لشکر کے مقابلہ میں تیاری کر کے نہ آئے تھے اس لیے اپنی تعداد اور سامان وغیرہ کی قلت کو دیکھتے ہوئے بعض لوگوں کی رائے یہ ہوئی کہ تجارتی قافلہ پر حملہ کرنا زیادہ مفید اور آسان ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس رائے سے خوش نہ تھے۔ حضرت ابوبکر وعمر اور مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہم نے ولولہ انگیز جوابات دیئے اور اخیر میں حضرت سعد بن معاذ کی تقریر کے بعد یہی فیصلہ ہوا کہ فوجی مہم کے مقابلہ پر جوہر شجاعت دکھلائے جائیں۔ چنانچہ =

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ

تجھ سے پوچھتے ہیں حکم غنیمت کا تو کہہ دے کہ مال غنیمت اللہ کا ہے اور رسول کا سو ڈرو اللہ سے اور صلح کرو

تجھ سے پوچھتے ہیں حکم غنیمت کا۔ تو کہہ، مال غنیمت اللہ کا ہے اور رسول کا۔ سو ڈرو اللہ سے اور صلح کرو

بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ① اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا

آپس میں اور حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا اگر ایمان رکھتے ہو ایمان والے وہی ہیں کہ جب

آپس میں، اور حکم میں چلو اللہ کے اور اس کے رسول کے، اگر ایمان رکھتے ہو۔ ایمان والے وہی ہیں کہ جب

ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ

نام آئے اللہ کا تو ڈر جائیں ان کے دل اور جب پڑھا جائے ان پر اس کا کلام تو زیادہ ہو جاتا ہے ان کا ایمان اور وہ اپنے رب پر

نام آوے اللہ کا، ڈر جاویں دل ان کے، اور جب پڑھئے ان پر اس کے کلام زیادہ آوے ان کو ایمان، اور اپنے رب پر

يَتَوَكَّلُوْنَ ② الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ③ اُولٰٓئِكَ هُمُ

بھروسہ رکھتے ہیں وہ لوگ جو کہ قائم رکھتے ہیں نماز کو اور ہم نے جو ان کو روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں وہی ہیں سچے

بھروسا رکھتے ہیں۔ جو کھڑی رکھتے ہیں نماز اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں۔ وہی ہیں سچے

الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ④

ایمان والے ان کے لیے درجے ہیں اپنے رب کے پاس اور معافی اور روزی عزت کی ف۱

ایمان والے، ان کو درجے ہیں اپنے رب پاس اور معافی اور روزی آبرو کی۔

=مقام بدر میں دونوں فوجیں بھڑ گئیں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عظیم عنایت فرمائی۔ کافروں کے ستر بڑے بڑے سردار مارے گئے اور ستر قید ہوئے۔ اس طرح کفر کا زور ٹوٹا اس سورۃ میں عموماً اسی واقعہ کے اجزاء و متعلقات کا بیان ہوا ہے۔ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم شروع ہی سے فوجی لشکر کے مقابلہ میں نکلے تھے جو "مدینہ" پر از خود اقدام کرتا ہوا چلا آرہا تھا تجارتی قافلہ پر حملہ کرنے کی نیت آپ نے اول سے آخر تک کسی وقت نہیں کی۔ وہ فی الحقیقت اپنے ایک خود ساختہ اصول پر تمام ذخیرہ حدیث و سیر اور اشارات قرآنیہ کو قربان کرنا چاہتے ہیں۔ یہ منطق ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ کفار محاربین جن کی دست برد سے مسلمانوں کی جان و مال کوئی چیز نہ بچی اور نہ آئندہ بچنے کی توقع تھی، ان کو جانی و بدنی نقصان پہنچانا تو جائز سمجھا جائے لیکن تجارتی اور مالی نقصان پہنچانا خلاف تہذیب و انسانیت ہو یعنی ان کی جانیں تو ظلم و شرارت اور کفر و طغیان کی بدولت محفوظ نہیں ہیں مگر اموال بدستور محفوظ ہیں گویا زندگی کے حق سے محروم ہو جائیں تو ہو جائیں، پر سامان زندگی سے محروم نہ ہوں۔ ﴿اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ﴾ باقی یہ دعویٰ کہ جو لوگ حملہ آور نہ ہوئے ہوں، ان پر مسلمانوں کو از خود حملہ کرنا جائز نہیں کیونکہ ﴿وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ﴾ کے خلاف ہوگا۔ قطع نظر اس سے کہ یہ مسئلہ موجودہ واقعہ سے بے تعلق ہے، کیونکہ کفار مکہ پہلے ہر قسم کے مظالم اور حملے مسلمانوں پر کر چکے تھے اور آئندہ کے لیے باقاعدہ دھمکیاں دے رہے تھے بلکہ اس بارہ میں ان کی سازشیں اور مراسلتیں جاری تھیں، فی نفسہٖ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ آیت ابتدائے ہجرت میں اتری تھی جس کے بعد دوسری آیات جن میں مطلق قتال کا حکم ہے نازل ہوئیں۔ پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ صرف اتنا کہنے سے کہ حملہ آوروں کی مدافعت کرو" یہ لازم نہیں آتا کہ کسی حالت میں حملہ کرنے کی اجازت نہیں۔ اس مسئلہ کی تفصیل میرے عزیز مولوی محمد یحییٰ سلمہٗ نے جو تحریر فوائد میں میرے معین ہیں اپنے رسالہ "الجہاد الکبیر" میں لکھی ہے اور احقر نے کچھ خلاصہ رسالہ "الشہاب" میں درج کیا ہے اور موقع بہ موقع فوائد میں بھی لکھا جائے گا۔ ان شاء اللہ!

ف۱ "بدر" میں جو مال غنیمت ہاتھ آیا اس کے متعلق صحابہ میں نزاع تھی۔ نو جوان جو آگے بڑھ کر لڑے تھے وہ کل مال غنیمت کو اپنا حق سمجھتے تھے۔ پرانے لوگ=

تفسیر سورۂ انفال

قَالَ تَعَالٰی: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ... الٰی... مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾

سورۂ انفال کل مدنی ہے جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی اسی وجہ سے اس سورت کو سورۂ بدر بھی کہتے ہیں اس میں پچھتر یا چھہتر یا ستتر آیتیں اور دس رکوع ہیں۔

فائدہ:...... انفال، نفل بالتحریک کی جمع ہے جس سے مراد مال غنیمت ہے۔ نفل دراصل بمعنی زیادت ہے اور نفل کو نفل اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اصل فرض سے زائد ہے اور غنیمت کو نفل اس لیے کہا گیا کہ وہ اللہ کی طرف سے فضل اور عطیہ ہے مال غنیمت پہلی امتوں پر حلال نہ تھا اس امت پر بطور فضل وزیادت حلال کر دیا گیا اور غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو جہاد میں کافروں سے حاصل ہو اور فقہاء کی اصطلاح میں نفل کا اطلاق اس مال پر ہوتا ہے جو مسلمانوں کا امیر کسی غازی کو اس کافر مقتول کا گھوڑا یا ہتھیار دے دے جس کافر کو اس غازی نے قتل کیا ہے چونکہ یہ مال غازی کو اس کے اصل حصہ سے زائد ملتا ہے اس لیے اس زائد عطیہ کو نفل کہا جاتا ہے اور اس آیت میں انفال سے غنائم کے معنی مراد ہیں۔

ربط:...... گزشتہ سورت میں انبیاء کرام علیہم السلام کا اپنی اپنی قوموں اور امتوں کے مقابلہ میں غلبہ اور کامیابی کا ذکر تھا اب اس سورت میں زیادہ تر غزوۂ بدر کا بیان ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو محض تائید غیبی سے فتح ونصرت اور غلبہ عطاء کیا ظاہری اسباب اور ظاہری سازوسامان کے لحاظ سے صحابہ بالکل بے سروسامان تھے حق تعالیٰ نے ان بے سروسامانوں سے سرداران قریش کے غرور اور تکبر کو خاک میں ملا دیا اور صحابہ کرام کی ایک مٹھی بھر جماعت جو ملائکہ مقربین ﴿لَا[1] يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ﴾ کا نمونہ تھی مستکبرین کے لشکر جرار پر غالب آئی اور یہ کامرانی اور کامیابی تقویٰ اور توکل کی برکت تھی اس لیے اس سورت کو تقویٰ اور خوف اور خشیت اور توکل سے شروع فرمایا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ دنیا اور آخرت کی کامیابی کا دارومدار اخلاص اور تقویٰ اور توکل اور اطاعت خدا و رسول پر ہے۔

شان نزول:...... سورۂ انفال مدنی ہے ہجرت کے بعد ایام جنگ بدر میں نازل ہوئی جب مسلمانوں کو جنگ بدر میں بعنایت

= جو نوجوانوں کی پشت پر تھے ان کا یہ کہنا تھا کہ ہمارے سہارا لگانے سے فتح ہوئی۔ لہٰذا غنیمت ہم کو ملنی چاہیے۔ ایک جماعت جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتی رہی تھی وہ اپنے کو اس مال کا مستحق سمجھتی تھی۔ ان آیات میں بتلا دیا کہ فتح صرف اللہ کی مدد سے ہے کسی کا سہارا اور زور پیش نہیں جاتا، سو مال کا مالک خدا ہے پیغمبر اس کے نائب ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی معرفت حکم دے، اسی کے موافق غنیمت تقسیم ہونی چاہیے (اس حکم کی تفصیل آگے آئے گی) پکے مسلمانوں کا کام یہ ہے کہ ہر معاملہ میں خدا سے ڈریں۔ آپس میں صلح وآشتی سے رہیں، ذرا ذرا سی بات پر جھگڑے نہ ڈالیں، اپنی آراء و جذبات سے قطع نظر کر کے محض خدا اور رسول کا حکم مانیں، جب خدا کا نام درمیان میں آجائے ہیبت وخوف سے کانپ اٹھیں، آیات واحکام الٰہی سن کر ان کا ایمان ویقین زیادہ مضبوط ہوتا رہے۔ اس قدر مضبوط وقوی ہو جائے کہ ہر معاملہ میں ان کا اصلی بھروسہ اور اعتماد بجز خدا کے کسی پر باقی نہ رہے۔ اس کے سامنے سر عبودیت جھکائیں، اسی کے نام پر مال و دولت خرچ کریں۔

غرض عقیدہ، خلق، عمل اور مال ہر چیز سے خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش میں رہیں۔ ایسے ہی لوگوں کو سچا اور پکا ایماندار کہا جاسکتا ہے، جو خدا کے یہاں اپنے اپنے درجہ کے موافق بڑے بڑے مقامات ومراتب قرب پر فائز ہوں گے۔ جنہیں معمولی کوتاہیوں سے درگزر کر کے عزت کی روزی سے سرفراز کیا جائے گا۔ رزقنا اللہ منہ بفضلہ ومنہ۔

[1] گزشتہ سورت کے خاتمہ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے۔

الٰہی فتح نصیب ہوئی اور کافروں کا بہت سارا مال قبضہ میں آیا تو اس مال کی تقسیم میں لوگوں نے کچھ اختلاف کیا جوانوں کا گروہ یہ کہتا تھا کہ غنیمت کے زیادہ حق دار ہم ہیں کیونکہ ہم نے دشمنوں کو قتل کیا ہے اور ہم آگے بڑھ کر لڑے ہیں اور ہم نے ان کو شکست دی ہے اور بوڑھے یہ کہتے تھے کہ ہم زیادہ حق دار ہیں اس لیے کہ ہم تمہاری پشت پناہی پر تھے۔ اور تم ہماری قوت سے لڑے ہو اگر خدانخواستہ شکست ہوتی تو تم بھاگ کر ہمارے پاس آکر دم لیتے نیز یہ کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کر رہے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ کسی کو بھی حق نہیں فتح محض اللہ کی مدد سے ہوئی اس فتح کو تم اپنی قوت بازو کا کرشمہ نہ سمجھو۔ اللہ اس مال کا مالک ہے اور رسول اس کا نائب ہے جیسا آپ ﷺ مناسب سمجھیں گے تقسیم کر دیں گے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے وہ مال سب پر برابر تقسیم کر دیا اور آئندہ کے لیے نصیحت کر دی گئی کہ جو پکے مسلمان ہیں ان کو چاہئے کہ ہر معاملہ میں خدا سے ڈریں اور آپس میں صلح اور آشتی سے رہیں حرص اور طمع کو دل سے نکال دیں اور خدا کا رسول ﷺ جو حکم دے اس پر بے چون و چرا عمل کریں اور نظر، اللہ پر رکھیں مغفرت اور درجات عالیہ انہی لوگوں کو ملتے ہیں جن کی نظر صرف اللہ پر ہوتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں (اے نبی) یہ لوگ آپ سے غنیمتوں کا حکم پوچھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ تو آپ ﷺ کے اصحاب اور احباب ہیں ان کا مطمع نظر تو فقط اجر اخروی ہونا چاہئے تھا۔ مال غنیمت اگرچہ بلاشبہ حلال ہے مگر آپ ﷺ کے محبان با اخلاص اور یاران با اختصاص کے مناسب نہ تھا کہ اس بارہ میں نزاع کرتے اور آپ ﷺ سے اس کا حکم دریافت کرتے۔ اور حرف استحقاق زبان پر لاتے۔ آپ ﷺ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ مال غنیمت جہاد اور جدوجہد کا اجر اور معاوضہ نہیں جہاد کا اجر آخرت میں ملے گا اور یہ تمام اموال غنیمت خالص اللہ کی ملک ہیں۔ مشرکین کی ملک سے نکل کر اللہ کی ملک میں داخل ہوئے ہیں تم پر بطور انعام تقسیم کیے جائیں گے نہ کہ بطور معاوضہ واستحقاق اور رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اور نائب ہیں۔

پس یہ تمام اموال رسول اللہ ﷺ کے دست تصرف میں ہیں جسے چاہتا ہے بحکم خداوندی دیتا اور تقسیم کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اموال غنیمت سب اللہ کا مال ہیں اور اس کا رسول اس کا نائب ہے وہ اپنے اختیار سے جس کو جتنا چاہے دے تمہیں اس کے حکم پر چلنا چاہئے اور آپس میں نزاع نہیں کرنا چاہئے۔ پس اللہ سے ڈرو اور تقوی کی راہ اختیار کرو کہ اس کی ملک میں بغیر اس کی اجازت کے تصرف کرو اور اپنے آپس کے معاملہ کو صاف اور درست کرو اور باہمی اختلاف کو یاری اور غم خواری سے بدل ڈالو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف کچھ حد اعتدال سے آگے نکل گیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہ فرمائی اور ان کا فیصلہ اپنے رسول کے سپرد فرمایا چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مال مسلمانوں پر درست طریقہ سے تقسیم کر دیا اور اختلاف کرنے والوں نے اپنے اختلاف کی اصلاح کر لی اور فرمانبرداری کرو خدا اور اس کے رسول کی اگر تم ایمان والے ہو اس لیے کہ ایمان طاعت اور تقوی کو مقتضی ہے۔ اس آیت یعنی ﴿اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ میں حرف اِن شک کے لیے نہیں بلکہ جوش دلانے اور برانگیختہ کرنے کے لیے ہے کہ جب تم مومن ہو تو تقوی کی راہ اختیار کرو اور رسول کی اطاعت کرو جز ایں نیست کہ مومن کاملین جو ایمان کے مقتضی پر چلتے ہیں وہ وہی لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو اس کی عظمت اور ہیبت سے ان کے دل لرز جاتے ہیں اور ان کے دلوں پر اللہ کی عظمت اور ہیبت چھا جاتی ہے اور جب ان کے

سامنے ہمارے کلام کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو یہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ [1] مضبوط کر دیتی ہیں مطلب یہ ہے کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی ہے تو اس پر ایمان لاتے ہیں اور پہلی نازل ہوئی آیتوں کا ایمان جب اس آیت کے ایمان کے ساتھ مل جاتا ہے تو ایمان اور زیادہ ہو جاتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ تلاوت کے انوار و برکات سے ان کے باطن میں نور یقین زیادہ ہو جاتا ہے اور ظاہر میں طاعت اور اعمال صالحہ کی زیادتی ہو جاتی ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ جو اہل دل ہیں جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو ان کے دل کا روزن اور زیادہ وسیع اور فراخ ہو جاتا ہے اور عالم غیب کا نور اس میں چمکنے لگتا ہے۔ اور غیر اللہ سے نظر اٹھ جاتی ہے۔ اس لیے یہ لوگ صرف اپنے پروردگار پر بھروسا کرتے ہیں اور ان کو ماسوی اللہ کی پروانہیں رہتی۔ ایسے ہیں کہ ٹھیک ٹھیک نماز ادا کرتے ہیں۔ یعنی آداب عبودیت کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں اور جو روزی ہم نے ان کو دی ہے اس میں سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں ایسے ہی لوگ جو صفات مذکورہ کے ساتھ موصوف ہوں سچے اور پکے مومن ہیں جن کے مومن ہونے میں کسی قسم کا شک اور شبہ نہیں ہو سکتا ایسے لوگوں کے لیے ان کے پروردگار کے پاس بڑے درجے اور مرتبے ہیں اور ان کی تقصیرات کی بخشش ہے اور عمدہ روزی ہے جو محنت اور مشقت سے مبرا اور زوال اور حساب کے خوف سے خالی ہے۔ امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رزق کریم وہ ہے جو مرزوق کو رازق کے مشاہدہ سے مانع نہ ہو۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کاملین کی پانچ صفتیں ذکر فرمائیں: (اول) اللہ تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت سے قلوب کا معمور ہونا۔ (دوم) تلاوت قرآن اور سماع کلام الٰہی سے ایمان میں زیادتی کا ہونا۔ (سوم) اللہ پر توکل اور اعتماد۔ (چہارم) آداب عبودیت کی بجا آوری۔ (پنجم) قلب کا حرص اور طمع اور بخل سے پاک ہونا۔ یہ پانچ خصلتیں ایمان کے عظیم شعبے ہیں جس میں یہ پانچ صفتیں جمع ہو جائیں اس کا ایمان ثابت اور محقق ہو گیا۔ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا﴾ ایسے پکے اور سچے مومنوں کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا ایسے تین مومنوں کا تو تین لاکھ کافر بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝۵

جیسے نکالا تجھ کو تیرے رب نے تیرے گھر سے حق کام کے واسطے اور ایک جماعت اہل ایمان کی راضی نہ تھی

جیسے نکالا تجھ کو تیرے رب نے تیرے گھر سے درست کام پر اور ایک جماعت ایمان والی نہ راضی تھی۔

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۶

وہ تجھ سے جھگڑتے تھے حق بات میں اس کے ظاہر ہو چکنے کے بعد گویا وہ ہانکے جاتے ہیں موت کی طرف آنکھوں دیکھتے ف۱

تجھ سے جھگڑتے تھے درست بات میں، واضح ہو چکے پیچھے، گویا ان کو ہانکتے ہیں موت کی طرف، آنکھوں دیکھتے۔

ف۱ یعنی سوچو کہ اس جنگ (بدر) میں شروع سے آخر تک کس طرح حق تعالیٰ کی تحریک وتائید اور امداد اور توفیق مسلمانوں کے حق میں کارفرما رہی۔ خدا ہی تھا جو نصرت دین اسلام کے حق (سچے) وعدے کر کے اپنے نبی کو ایک امر حق یعنی کفار کے ساتھ جہاد کرانے کے لیے مدینہ سے باہر بدر کے میدان میں اس =

[1] ایمان کی زیادتی اور نقصان کی بحث تفسیر آل عمران زیر آیت ﴿اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا﴾ میں گزر چکی ہے۔

ذکر انعامات خداوندی در واقعہ بدر بہ برکت ایمان وتقویٰ وتوکل

قَالَ اللہُ تَعَالٰی: ﴿كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ... الى ... وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ﴾

ربط:...... اس سورت میں عموماً غزوہ بدر کی کامیابی کے واقعات کا ذکر ہے اور اس ضمن میں جو انعامات خداوندی مبذول ہوئے ان کی تذکیر اور یاددہانی مقصود ہے اور یہ بتلانا ہے کہ دیکھو تو سہی کہ باوجود بے سروسامانی کے جنگ بدر میں کس طرح از اول تا آخر تائید غیبی تمہاری معین اور مددگار رہی۔ یہ سب ایمان اور تقویٰ اور توکل اور اطاعت خدا اور رسول کی برکت تھی۔ شروع سورت میں اجمالی طور پر غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی کا ذکر تھا۔ اب آئندہ آیات میں اس غیبی کامیابی کے کچھ واقعات ذکر کرتے ہیں تاکہ ان غیبی انعامات اور آسمانی نشانات کو یاد کر کے دل میں منعم حقیقی کی محبت اور عظمت کا جذبہ جوش میں آجائے اور اسباب ظاہری سے بالکلیہ نظر اٹھ جائے۔

شان نزول:...... چنانچہ پہلا واقعہ جو پیش آیا وہ یہ تھا کہ کفار قریش کا تجارتی قافلہ جس کا سردار ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھا۔ شام سے مال تجارت لے کر مکہ واپس آرہا تھا آپ کو اس قافلہ کی آمد کی خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کا ذکر کیا اور حال بیان کیا کہ اس قافلہ میں مال تو بہت ہے اور آدمی تھوڑے ہیں اے مسلمانو! تم اس قافلہ کی طرف خروج کرو شاید اللہ تعالیٰ تم کو یہ اموال عطاء کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی قافلہ کے ارادے سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جمعیت کے ساتھ مدینہ سے خروج فرمایا۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ جب حجاز کے قریب پہنچا تو اس نے جاسوس چھوڑے کیونکہ غزوہ بدر سے پہلے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سرایا کا سلسلہ جاری ہو چکا تھا، کہ وہ قریش کے تجارتی قافلوں پر حملہ آور ہوتے تھے اسی خدشہ کی بناء پر ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے مختلف طرف جاسوس روانہ کیے اور راستہ میں جو قافلہ ملتا اس سے حال پوچھتا کہ مبادا مسلمان اس کے قافلہ پر حملہ کر دیں۔ یہاں تک کہ اس کو کسی قافلہ کے ذریعہ یہ خبر ملی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیرے قافلہ پر حملہ کرنے کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہو گئے ہیں۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اسی وقت ضمضم بن عمرو غفاری کو اجرت دیکر مکہ کی طرف

= وقت لے آیا جبکہ ایک جماعت مسلمانوں کی لشکر قریش سے نبرد آزمائی کرنے پر راضی نہ تھی۔ یہ لوگ ایسی بچی اور طے شدہ چیز میں پس وپیش کر رہے اور حجتیں نکال رہے تھے جس کی نسبت بذریعہ پیغمبر انہیں ظاہر ہو چکا تھا کہ وہ یقیناً خدا کی فرمائی ہوئی اٹل بات ہے (یعنی اسلام و پیروان اسلام کا بذریعہ جہاد غالب و منصور ہونا) ابوجہل کے لشکر سے مقابلہ کرنا ان کو اس قدر شاق اور گراں تھا جیسے کسی شخص کو آنکھوں دیکھتے موت کے منہ میں جانا مشکل ہے۔ تاہم خدا اپنی توفیق سے ان کو میدان جنگ میں لے گیا اور اپنی امداد سے مظفر ومنصور واپس لایا۔ پس جیسے خدا ہی کی مدد سے از اول تا آخر یہ مہم سر ہوئی، مال غنیمت بھی اس کا سمجھنا چاہیے وہ اپنے پیغمبر کے ذریعہ سے جہاں بتلائے وہاں خرچ کرو۔

(تنبیہ) كَمَآ اَخْرَجَكَ الخ کے کاف کو میں نے اپنی تقریر میں صرف تشبیہ کے لیے نہیں لیا بلکہ ابوحیان کی تحقیق کے موافق معنی تعلیل پر مشتمل رکھا ہے جیسے وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ میں علماء نے تصریح کی ہے اور ﴿اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ﴾ الی آخر الآیات کے مضمون کو میں نے ﴿الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ کا ایک سبب قرار دیا ہے۔ ابوحیان کی طرح "اعزك الله" وغیرہ مقدر نہیں مانا۔ نیز تقریر آیت میں صاحب "روح المعانی" کی تصریح کے موافق اشارہ کر دیا ہے کہ ﴿اَخْرَجَكَ رَبُّكَ من بَيْتِكَ﴾ میں صرف آن خروج من البیت مراد نہیں بلکہ خروج من البیت سے دخول فی الجہاد تک کا ممتد اور وسیع زمانہ مراد ہے جس میں ﴿وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ﴾ وغیرہ سب احوال کا وقوع ہوا۔ ایک فریق کی کراہیت تو عین خروج من المدینہ ہی کے وقت ظاہر ہو گئی جسے ہم صحیح مسلم اور طبری کے حوالے سے سورۃ الانفال کے پہلے فائدہ میں بیان کر چکے ہیں اور مجادلہ کی صورت فالباً آگے چل کر لشکر کی اطلاع ملنے پر مقام صفراء میں پیش آئی۔ اس کے سمجھ لینے سے بعض مبطلین کے مغالطات کا استیصال ہو جائے گا۔

دوڑایا۔ اور یہ پیغام دیا کہ مکہ میں جا کر یہ اعلان کر دے کہ اے قریش جلد از جلد تم اپنے قافلہ کے بچانے کے لیے نکلو جب اہل مکہ کو یہ خبر پہنچی تو ابو جہل ایک بڑا لشکر اپنے ساتھ لے کر قافلہ والوں کی مدد کے لیے روانہ ہوا مگر ابوسفیان رضی اللہ عنہ دوسرا راستہ اختیار کر کے قافلہ کو مسلمانوں کی زد سے بچا کر نکل گیا۔ لیکن ابو جہل لڑائی کے ارادہ سے مقام بدر پر آ پہنچا ادھر آنحضرت ﷺ اس وقت وادی ذفران میں تشریف فرما تھے کہ جبریل امین علیہ السلام وحی لیکر آئے اور آپ کو ابو جہل کے لشکر کے آنے کی ساری اطلاع دی۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ حال یہ ہے کہ ادھر سے تو قافلہ آتا ہے اور ادھر سے لشکر۔ تم قافلہ سے مقابلہ پسند کرتے ہو یا لشکر کفار سے مقابلہ اور محاربہ پسند کرتے ہو؟ یہ سن کر مسلمانوں میں کچھ اختلاف رائے ہوا۔ بعض نے آنحضرت ﷺ کی مرضی پر چھوڑ دیا اور بعض نے یہ کہا کہ ہم لڑائی کے ارادے نہیں نکلے تھے اور نہ اس کے لیے ہم نے کوئی تیاری کی بلکہ ہم تو قافلہ کے لوٹنے کے لیے نکلے تھے تو ہم کو قافلہ ہی کا تعاقب کرنا چاہئے آپ ﷺ اس بات سے رنجیدہ ہوئے تو اس وقت حضرت ابوبکر اور عمر اور حضرت مقداد اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم نے اطاعت آمیز اور جاں نثارانہ تقریریں کیں اور دل وجان سے لڑائی پر آمادگی ظاہر کی اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ کے مطیع اور فرمانبردار ہیں۔ اللہ نے آپ کو جو حکم دیا ہے ویسا ہی کیجئے خدا کی قسم اگر آپ ہم کو دریا میں گھس جانے کا حکم دیں گے تو ہم دریا میں گھس پڑیں گے اور ایک آدمی بھی ہم میں سے پیچھے نہ رہے گا اور ہم دشمن کے مقابلہ سے ذرہ برابر ناخوش نہیں۔ ہم لڑائی کے وقت بڑے صابر اور ثابت قدم ہیں اور دشمن کے مقابلہ میں ہم صادق اور سچے ہیں کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ہم سے وہ بات دکھلائے جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ آپ ﷺ اللہ کے نام اور اس کی برکت پر چلیے۔ آپ ﷺ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا: چلو اللہ کی برکت پر اور بشارت ہو تم کو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دو گروہوں میں سے ایک گروہ کا وعدہ کیا ہے ایک ابوسفیان کے قافلہ کا گروہ اور دوسرا ابو جہل کے لشکر کا گروہ مجھ سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ ان دو گروہوں میں سے ایک گروہ تمہارے لیے مسخر ہو جائے گا اور تم اس پر غالب ہو گے مفصل قصہ کتب سیر میں مذکور ہے۔ غرض یہ کہ بعض مسلمانوں کو بوجہ بے سروسامانی کے اور بوجہ آسانی کے یہ خیال تھا کہ لڑائی نہ ہو اور قافلہ کا مال کثیر ان کے ہاتھ آ جائے اور اللہ اور اس کے رسول کو یہ منظور تھا کہ کفر کا زور ٹوٹ جائے اور مسلمانوں کی دھاک کافروں کے دل میں بیٹھ جائے کیونکہ اگر قافلہ پر حملہ کیا گیا تو صرف مال تو ہاتھ آ جائے گا مگر کفر کی کمر نہیں ٹوٹے گی۔ اس لیے آپ ﷺ نے ابو جہل کے مقابلہ کو ترجیح دی۔ آئندہ آیات میں اسی بات کا ذکر ہے۔

گزشتہ آیات میں تقسیم غنائم کے بارہ میں اختلاف اور نزاع پر تنبیہ فرمائی تھی اب ان آیات میں دوسرے اختلاف پر ملامت اور تنبیہ فرماتے ہیں جو ابتداء سفر میں پیش آیا اور چونکہ اس اختلاف کا منشا محض اسباب ظاہری پر نظر تھی اس لیے گزشتہ آیت ﴿وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ﴾ میں اس پر ایک لطیف تعریض بھی ہے کہ اے اصحاب رسول ﷺ تمہارا اسباب ظاہری پر نظر کر کے جہاد وقتال سے گریز کرنا اور قافلہ تجارت کے مال و دولت کی طرف نظر اٹھانا شان توکل کے شایان شان نہیں چنانچہ اس غزوہ میں جو من جانب اللہ مسلمانوں پر انعامات مبذول ہوئے ان کو ذکر فرماتے ہیں۔

انعام اول

اے نبی جس طرح لوگوں نے اس تقسیم انفال میں اختلاف کیا۔ اور بعضوں کو یہ تقسیم طبعاً گراں گزری اور بعض اس سے ناخوش تھے مگر بوجہ مصالح کثیرہ خیر اسی میں تھی کہ اللہ کے رسول نے اللہ کے حکم سے تم میں یہ مال برابر تقسیم کر دیا اور تمہاری ناگواری کا لحاظ نہیں کیا۔ ﴿عَسٰۤی اَنۡ تَکۡرَہُوۡا شَیۡئًا وَّہُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ ۚ وَعَسٰۤی اَنۡ تُحِبُّوۡا شَیۡئًا وَّہُوَ شَرٌّ لَّکُمۡ﴾۔ اسی طرح جب تیرے پروردگار نے تجھ کو تیرے گھر سے یعنی تیری بستی سے حکمت اور مصلحت کے ساتھ بدر کی طرف نکالا تو مسلمانوں نے خروج کے بارے میں اختلاف کیا اور تحقیق اہل ایمان کی ایک جماعت بوجہ بے سروسامانی اور پہلے سے تیاری نہ ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ کے اس خروج کو طبعاً ناپسند کرتی تھی یعنی یہ کراہت اور ناگواری بوجہ مخالفت حکم نہ تھی۔ بلکہ بے سروسامانی کے سبب سے وہ طبیعت کی کراہت تھی جو طبیعت بشریہ کے لوازم میں سے ہے اور یہ لوگ آپ ﷺ سے امر حق کے بارہ میں جھگڑتے ہیں بعد اس کے کہ حق ظاہر ہو گیا کہ کافروں سے جہاد اور قتال اور ان کی سرکوبی اور گردن کشی ہی بہتر ہے اور جب آپ کی بشارت سے ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ ہر حال میں دشمن پر فتح پائیں گے تو پھر اس علم کے بعد جنگ سے گریز اور پہلو تہی کیسی اور ظاہری اسباب کی بناء پر خوف و ہراس کیسا۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے باوجود علم اور یقین کے آپ ﷺ سے مجادلہ اور اصرار میں اس قدر مبالغہ کیا کہ گویا کہ یہ لوگ موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہیں اور گویا وہ موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ مگر بالآخر انجام اسی کا بہتر ہوا جس کو وہ ناپسند کرتے تھے اور اسی میں خیر ہوئی۔ لشکر کفار سے مقابلہ کا انجام یہ ہوا کہ اسلام غالب ہوا اور کفر مغلوب ہوا اور یہ بات قافلہ تجارت کے مقابلہ سے حاصل نہ ہوتی مال تو مل جاتا مگر کفر ذلیل اور خوار نہ ہوتا پس جس چیز کو تم ناپسند کرتے تھے اسی میں تمہاری خیر اور بھلائی ہوئی کہ بلا قصد اور بلا ارادہ اور بلا تیاری کے تم کو تمہارے دشمن سے بھڑا دیا اور پھر تم کو فتح یاب بھی کر دیا اسی طرح تمہارے خلاف منشاء اور خلاف طبع انفال کی تقسیم میں حکمتیں اور مصلحتیں ہیں خلاصہ مطلب آیت کا یہ ہوا کہ اے نبی علیہ السلام بدر کی غنیمتوں میں مسلمانوں کا اختلاف کرنا ایسا ہی خطاء ہے جیسا کہ جنگ بدر کے لیے خروج کرنے میں مسلمانوں کا اختلاف خطاء تھا جو لوگ ﴿اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا﴾ کے مصداق ہوں ان کے لیے یہ مناسب نہیں کہ اپنی قلت تعداد اور قلت اسلحہ اور دشمنوں کی کثرت تعداد اور کثرت اسلحہ سے ڈر جائیں اور ان کا یہ اختلاف اگرچہ بطور مشورہ تھا مگر اس پر اصرار مناسب نہ تھا۔ اور ایسے پاکبازوں کے شایان شان نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دونوں غلطیاں معاف کیں۔ پہلی غلطی کا منشاء یہ تھا کہ یہ لوگ اپنی قلت تعداد اور قلت اسلحہ اور دشمنوں کی کثرت تعداد اور کثرت اسلحہ کی بناء پر خائف تھے مگر چونکہ یہ خوف طبعی تھا اور ظاہرا اسباب کی بناء پر تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے معاف کیا اور دوسری غلطی کا منشاء یہ تھا کہ وہ غنیمت کا مستحق اسی کو سمجھتے تھے کہ جو دشمن کو قتل کرے اللہ تعالیٰ نے ان کی اس غلطی کا ازالہ فرما دیا کہ تم اس مال کے مستحق نہیں۔ فتح و نصرت محض اللہ کی غیبی مدد سے ہوئی ہے تمہاری طاقت اور زور سے یہ فتح نہیں ہوئی سو یہ مال اللہ تعالیٰ کا ہے اور پیغمبر ﷺ اس کے نائب ہیں۔ اس کے حکم کے مطابق تقسیم کر دیں گے بہر حال تمہارا یہ سمجھنا کہ مال غنیمت کے ہم مستحق ہیں یہ تمہاری غلطی تھی جو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دی۔ مگر مومنین کی

شان کے مناسب نہیں کہ ان کے دل مال حلال (مال غنیمت) کی طرف مائل ہوں اور ظاہری اسباب پر نظر کر کے اپنی قلت سے اور کافروں کی کثرت سے ڈرنے لگیں یہ توکل کے منافی ہے۔

نکتہ

آیت مذکورہ بالا۔ ﴿يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ﴾ میں جن بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجادلہ اور اصرار کی طرف اشارہ ہے۔ سو وہ مجادلہ محبانہ اور خادمانہ اور نیازمندانہ تھا بطور ناز تھا۔ جو محبت سے پیدا ہوا تھا۔ معاذ اللہ مخالفانہ اور عاصیانہ نہ تھا جیسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا قوم لوط کے بارہ میں اللہ سے مجادلہ از راہ خلت وانبساط تھا کما قال تعالیٰ: ﴿يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوْطٍ﴾ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس فریق کو ﴿فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ فرمایا کہ یہ مجادلہ ایمان کے منافی نہ تھا۔

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ

اور جس وقت تم سے وعدہ کرتا تھا اللہ دو جماعتوں میں سے ایک کا کہ وہ تمہارے ہاتھ لگے گی اور تم چاہتے تھے کہ جس میں کانٹا نہ لگے وہ

اور جس وقت وعدہ دیتا ہے اللہ تم کو، ان دو جماعت میں سے ایک کہ تم کو ہاتھ لگے گی، اور تم چاہتے تھے کہ جس میں کانٹا نہ لگے وہ

لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ

تم کو ملے اور اللہ چاہتا تھا کہ سچا کر دے سچ کو اپنے کلاموں سے اور کاٹ ڈالے جڑ کافروں کی تا کہ سچا کرے سچ کو اور جھوٹا کردے

ملے تم کو، اور اللہ چاہتا تھا کہ سچا کرے سچ کو اپنے کلاموں سے، اور کاٹے پیچھا کافروں کا۔ تا سچا کرے سچ کو اور جھوٹا کرے

الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝

جھوٹ کو اور اگرچہ ناراض ہوں گناہ گار ف ۱

جھوٹ کو، اور اگرچہ نہ راضی ہوں گنہگار۔

ذکر انعام دوم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ... الى... وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ﴾

ربط:...... ان آیات میں غزوہ بدر کے متعلق دوسرے انعام کا ذکر فرماتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ تم تو غیر ذی شوکت جماعت یعنی قافلہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے طلبگار ہو اور خدا تعالیٰ کو احقاق حق اور ابطال باطل مقصود ہے اور یہ بات ذی شوکت جماعت یعنی ابوجہل کے لشکر جرار کے مقابلہ اور جنگ سے حاصل ہوتی ہے۔ دین حق کا غلبہ اور باطل کی سرکوبی خون ریز جنگ سے ہوتی ہے نہ کہ تجارتی قافلہ سے چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو تم اس وقت کو کہ جب اللہ تم سے وعدہ کرتا تھا کہ دو جماعتوں

ف ۱ مسلمان چاہتے تھے کہ "تجارتی قافلہ" پر حملہ ہو کہ کانٹا نہ چبھے اور بہت سامال ہاتھ آجائے لیکن خدا کی مرضی یہ تھی کہ اس چھوٹی سی بے سروسامان جماعت کو کثیر التعداد اور مرتب و پر شوکت لشکر سے بھڑا کر اپنی باتوں سے سچ کو سچ کر دکھائے اور کفار مکہ کی جڑ کاٹ ڈالے تاکہ اس طرح اس کے وعدوں کی سچائی حیرت انگیز طریقہ پر ظاہر ہو کر سچ کا سچ اور جھوٹ کا جھوٹ ہونا کفار کے علی الرغم صاف صاف آشکارا ہو جائے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ بدر میں قریش کے ستر سردار مارے گئے جن میں ابوجہل بھی تھا اور ستر ہی قید ہوئے۔ اس طرح کفر کی کمر ٹوٹ گئی اور مشرکین مکہ کی بنیادیں ہل گئیں۔ فللہ الحمد والمنہ۔

میں سے یعنی ابوجہل کے لشکر اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے قافلہ تجارت میں سے ایک گروہ تمہارے لیے مسخر اور مقدر ہے۔ دو فریق میں سے ایک فریق ضرور تمہارے ہاتھ لگے گا یا قافلہ لوٹو گے یا لشکر کفار کو قتل کرو گے اور تم یہ چاہتے تھے کہ غیر ذی شوکت جماعت تمہارے ہاتھ لگے یعنی تم قافلہ کو لوٹنا چاہتے تھے جس کے پاس جنگی قوت وشوکت نہ تھی اور ابوجہل کی جماعت جو ہتھیار بند تھی اور کیل کانٹے سے لیس تھی تم اس سے مقابلہ کرنا نہیں چاہتے تھے اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنی باتوں سے حق کو ثابت کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ ڈالے تا کہ کافروں کی اس ذلت آمیز قتل سے دین اسلام کا حق ہونا اور کفر کا باطل ہونا ظاہر کرے اگرچہ مجرموں کو یہ ناگوار گزرے اب تم کو اختیار ہے کہ ان دونوں میں سے جس بات کو چاہو اختیار کرو بالآخر سب نے کفار سے لڑنے کو اختیار کیا اور ابوجہل کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت یہ چاہتی تھی کہ تجارتی قافلہ پر حملہ ہو کہ کانٹا بھی نہ چبھے اور بہت سا مال ہاتھ آ جائے اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتا تھا کہ مسلمانوں کی ایک بے سروسامان مٹھی بھر جماعت کفار کے لشکر جرار پر غالب آئے تا کہ خدا کے وعدوں کی سچائی اور اسلام کا معجزہ ظاہر ہو اور کفر ایسا ذلیل وخوار ہو کہ دنیا اس کی ذلت وخواری کا تماشہ دیکھے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جنگ بدر میں قریش کے ستر سردار مارے گئے جن میں ابوجہل بھی تھا جو اس امت کا فرعون تھا اور ستر ہی قید ہوئے اس طرح کفر کی کمر ٹوٹ گئی۔

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ﴿٩﴾

جب تم کو لگے فریاد کرنے اپنے رب سے تو وہ پہنچا تمہاری فریاد کو کہ میں مدد کو بھیجوں گا تمہاری ہزار فرشتے لگاتار آنے والے

جب تم لگے فریاد کرنے اپنے رب سے تو پہنچا تمہاری پکار کو، کہ میں مدد بھیجوں گا تمہاری ہزار فرشتے جنگی، پیچھے لگے آویں۔

وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ ۚ إِنَّ

اور یہ تو دی اللہ نے فقط خوشخبری اور تاکہ مطمئن ہوجائیں اس سے تمہارے دل اور مدد نہیں مگر اللہ کی طرف سے بیشک

اور یہ تو دی اللہ نے فقط خوشخبری اور تا چین پکڑیں دل تمہارے۔ اور مدد نہیں مگر اللہ سے۔

اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿١٠﴾ ع ۱۵

اللہ زورآور ہے حکمت والا ف ۱

اللہ زورآور ہے حکمت والا۔

انعام سوم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ ... الی ... إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾

یاد کرو تم اس وقت کو کہ جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے کہ اے اللہ! ہم کو اپنے دشمن پر فتح دے۔ اور

ف ۱ اسی طرح کی آیت "آل عمران" پارہ "لن تنالوا" کے ربع پر گزر چکی ہے۔ وہاں کے فوائد ملاحظہ کیے جائیں۔ البتہ اس جگہ فرشتوں کی تعداد تین سے پانچ ہزار تک بیان کی گئی تھی اگر واقعہ ایک ہے تو کہا جائے گا کہ اول ایک ہزار کا دستہ آیا ہو گا پھر اس کے پیچھے دوسرے دستے آئے ہوں، جن کی تعداد تین سے پانچ ہزار تک پہنچی۔ شاید لفظ "مردفین" میں اسی طرف اشارہ ہو۔

آنحضرت ﷺ نے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ اگر مؤمنوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو کوئی تیری عبادت کرنے والا نہ رہے گا کیونکہ یہ امت آخری امت ہے اور یہ نبی آخری نبی ہے سو اللہ تعالیٰ نے تمہاری فریاد سن لی اور تمہاری دعا قبول کی۔ اور وعدہ فرمایا کہ میں ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا جو لگاتار یکے بعد دیگرے آنے والے ہوں گے۔ ایک جماعت کے بعد دوسری جماعت آئے گی۔ چنانچہ اولاً ایک ہزار فرشتوں سے مدد کا وعدہ فرمایا پھر تین ہزار ہوگئے اور پھر پانچ ہزار ہوگئے اس آیت میں پہلی مرتبہ کے ہزار کا ذکر ہے اور آل عمران کی آیت میں دوسری بار اور تیسری بار کے تین ہزار اور پانچ ہزار کا ذکر ہے اس بات پر تو تمام مفسرین اور محدثین کا اتفاق ہے کہ جنگ بدر کے دن فرشتے مسلح ہو کر مسلمانوں کی امداد کے لیے نازل ہوئے جو بعض اوقات مسلمانوں کو دکھائی بھی دیئے مگر اس میں اختلاف ہے کہ انہوں نے جنگ بھی کی یا نہیں۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ فرشتوں کا نزول محض مسلمانوں کی شمار بڑھانے اور ان کی تسلی کے لیے تھا۔ مگر یہ قول صحیح نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ فرشتوں نے جنگ بھی کی جیسا کہ ظاہر آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ اور کثیرہ سے ثابت ہے اور آنے والی آیت ﴿فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ﴾۔ اس بارہ میں نص صریح ہے اور نہیں بنایا اللہ نے فرشتوں کی اس امداد کو مگر فتح کی خوشخبری کہ تم خوش ہو جاؤ کہ آسمانی امداد ہمارے ساتھ ہے اور تاکہ اس سے تمہارے دل مطمئن ہو جائیں۔ اور قلت اور ذلت کا خوف تمہارے دلوں سے دور ہو جائے اور نہیں ہے فتح اور نصرت مگر صرف اللہ کی طرف سے۔ فرشتوں کے نزول کو فتح و نصرت کی علت نہ جانو بلکہ اس کو من جانب اللہ محض بشارت جانو وہ بغیر فرشتوں کے بھی فتح اور نصرت دے سکتا ہے۔ بیشک اللہ ہی غالب ہے وہی اپنے دوستوں کو فتح اور غلبہ دیتا ہے۔ حکمت والا ہے۔ اپنی حکمت سے تھوڑی جماعت کو کثیر جماعت پر فتح دیدی لہٰذا تم کو چاہئے کہ نظر اللہ پر رکھو نہ کہ فرشتوں پر۔

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ

جس وقت کہ ڈال دی اس نے تم پر اونگھ اپنی طرف سے تسکین کے واسطے اور اتارا تم پر آسمان سے پانی کہ اس سے تم کو پاک کر دے

جس وقت ڈال دی تم پر اونگھ اپنی طرف سے تسکین کو اور اتارا تم پر آسمان سے پانی کہ اس سے تم کو پاک کرے

وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ⑪

اور دور کر دے تم سے شیطان کی نجاست اور مضبوط کر دے تمہارے دلوں کو اور جما دے اس سے تمہارے قدم ف۱

اور دور کرے تم سے شیطان کی نجاست، اور محکم گرہ دے تمہارے دل پر، اور ثابت کرے تمہارے قدم۔

ف۱ "بدر کا معرکہ فی الحقیقت مسلمانوں کے لیے بہت ہی سخت آزمائش اور عظیم الشان امتحان کا موقع تھا۔ وہ تعداد میں تھوڑے تھے، بے سروسامان تھے، نہ جنگی مقابلہ کے لیے تیار ہو کر نکلے تھے، مقابلہ پر ان سے تگنی تعداد کا لشکر تھا جو پورے ساز و سامان سے کبر و غرور کے نشہ میں سرشار ہو کر نکلا تھا مسلمانوں اور کافروں کی یہ پہلی ہی قابل ذکر ٹکر تھی، پھر صورت ایسی پیش آئی کہ کفار نے پہلے سے اچھی جگہ اور پانی وغیرہ پر قبضہ کر لیا مسلمان نشیب میں تھے، ریت بہت زیادہ تھی جس میں چلتے ہوئے پاؤں دھنستے تھے، گرد و غبار نے الگ پریشان کر رکھا تھا۔ پانی نہ ملنے سے ایک طرف غسل و وضوء کی تکلیف، دوسری طرف تشنگی ستا رہی تھی۔ یہ چیزیں دیکھ کر مسلمان ڈرے کہ بظاہر آثار شکست کے ہیں۔ شیطان نے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ اگر واقعی تم خدا کے مقبول بندے ہوتے تو ضرور تائید ایزدی تمہاری طرف ہوتی اور ایسی پریشان کن اور یاس انگیز صورت حال پیش نہ آتی۔ اس وقت حق تعالیٰ نے قدرت کاملہ سے زور کا مینہ برسایا جس سے میدان کی ریت جم گئی، ■

انعام چہارم

قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِذْ یُغَشِّیْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً ... الی ... وَیُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ﴾

ربط:...... ان آیات میں بھی ایک خاص انعام کا ذکر ہے وہ یہ کہ جنگ بدر میں مسلمانوں کے دل کچھ افسردہ ہو رہے تھے اور کیوں نہ ہوتے کافروں کی فوج مسلمانوں سے دو چند بلکہ سہ چند سے بھی زائد تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دل مضبوط کرنے کے لیے خلاف عادت ان پر نیند طاری کر دی جس سے ان کا تکان دور ہو گیا اور دلوں سے سارا خوف و ہراس کافور ہوا عین جنگ کے وقت اونگھ اور نیند کا آنا ایک خارق عادت امر ہے جو نبی اکرم ﷺ کے اعتبار سے معجزہ تھا اور صحابہ کرام کے اعتبار سے کرامت تھی۔ اس لیے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جنگ کے وقت اور خاص کر جب کہ دشمن کی کثرت ہو آدمی کو نیند نہیں آتی۔ دل مضطرب رہتا ہے اہل بدر پر خدا تعالیٰ نے یہ احسان کیا کہ ان پر عین حالت قتال میں اونگھ کو مسلط کر دیا جس سے ان کو دشمن کا ذرا اندیشہ نہ رہا۔ اور چونکہ نوم خفیف تھی اس لیے جب دشمن ان پر وار کرتا تھا تو فوراً متنبہ ہو جاتے تھے۔ پس وہ اونگھ ان پر اللہ تعالیٰ کا انعام تھا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قتال کی حالت میں اونگھ کا آنا اللہ کی طرف سے امن ہے اور نماز میں شیطان کی طرف سے ہے اس آیت میں اسی انعام کا ذکر ہے چنانچہ فرماتے ہیں یاد کرو اس وقت کو کہ جب اللہ تعالیٰ تم کو ہلکی نیند سے ڈھانک رہا تھا جو اس کی طرف سے تم کو چین اور امن دینے کے لیے طاری کی گئی۔ جس طرح فرشتے تمہارے اطمینان کے لیے اتارے گئے اسی طرح تمہاری چین اور امن کے لیے ہلکی سی نیند تم پر طاری کر دی گئی اور ایسا ہی اونگھ کے طاری ہونے کا واقعہ جنگ احد میں پیش آیا کما قال تعالیٰ: ﴿ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ﴾۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر: ۲/۲۹۱)

غرض یہ کہ اونگھ کا واقعہ دو بار ہوا ایک بدر میں اور ایک احد میں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام یاد دلایا کہ دیکھو ہم نے کس طرح تم پر اونگھ ڈال دی جس کی وجہ سے تمہارا وہ تمام خوف جاتا رہا جو دشمن کی کثرت سے تم پر طاری تھا اور اسی میدان قتال میں اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ انعام کیا کہ وہ تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ اس کے ذریعے تم کو حدث اصغر اور اکبر سے پاک کر دے اور تم سے شیطان کی گندگی اور ناپاکی کو دور کر دے اور تاکہ تمہارے دلوں پر صبر اور اطمینان کی گرہ لگا دے کہ خدا کی عنایت سے دل ایسے مضبوط ہو جائیں کہ تزلزل اور اضطراب کا نام نہ رہے اس لیے کہ غیبی الطاف و عنایات کو دیکھ کر دل مضبوط ہو جاتا ہے اور تاکہ ظاہر میں اس بارش کے ذریعے اس ریگستان میں تمہارے قدم جما دے کہ ریت میں دھنسنے نہ پائیں یا یہ مطلب ہے کہ تمہارے پائے استقلال اور قدم ثبات میں تزلزل نہ آنے پائے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے،

* غسل و وضو کرنے اور پینے کے لیے پانی کی افراط ہو گئی، گرد و غبار سے نجات ملی۔ کفار کا لشکر جس جگہ تھا وہاں کیچڑ اور پھسلن سے چلنا پھرنا دشوار ہو گیا۔ جب یہ ظاہری پریشانیاں دور ہوئیں تو حق تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایک قسم کی غنودگی طاری کر دی۔ آنکھ کھلی تو دلوں سے سارا خوف و ہراس جاتا رہا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رات بھر "عریش" میں مشغول دعا رہے۔ اخیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر خفیف سی غنودگی طاری ہوئی، جب اس سے چونکے تو فرمایا خوش ہو جاؤ کہ جبرائیل تمہاری مدد کو آرہے ہیں۔ عریش سے باہر تشریف لائے تو ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ﴾ زبان مبارک پر جاری تھا۔ بہر حال اس باران رحمت نے بدن کو احداث سے اور دلوں کو شیطان کے وساوس سے پاک کر دیا۔ ادھر ریت کے جم جانے سے ظاہری طور پر قدم جم گئے، اور ادھر سے اندر کر دل مضبوط ہو گئے۔

﴿أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾۔

بدر میں مشرکین پہلے جا پہنچے تھے اور پانی پر قبضہ کرلیا تھا اور مسلمان بعد میں پہنچے اور ایک ریت کے ٹیلے کے پاس اترے جس میں پاؤں دھنستے تھے اور بعض ان میں سے بے وضو تھے اور بعض کو نہانے کی حاجت ہوگئی تھی جب مسلمانوں کو پیاس نے ستایا اور نماز کے وقت وضو اور غسل سے عاجز ہوئے تو شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ اگر تم حق پر ہوتے اور خدا کے مقبول ہوتے تو اس پریشانی میں نہ پھنستے خدا تعالیٰ نے ان کے اس وسوسہ کو مٹانے کے لیے باران رحمت نازل کی جس سے وہاں کے تمام نالے بہہ نکلے مسلمانوں نے اس سے پانی پیا اور اپنی سواریوں کو پلایا۔ اور وضو اور غسل کیا اور اپنی مشکوں کو بھرلیا۔ اور اتنی بارش ہوئی کہ اس سے تمام ریت جم گیا اور پھسلن جاتی رہی اور مسلمانوں کے پاؤں اس جگہ پر جم گئے اور ان کے دل سے شیطانی وسوسہ دور ہوا۔ اور اس غیبی امداد سے ان کو لطفِ خداوندی کا جلوہ دکھائی دیا اور یقین ہوگیا کہ ہم ضرور اپنے دشمنوں پر فتح پائیں گے۔ برخلاف [1] کافروں کے کہ جس زمین میں وہ تھے وہ نرم تھی بارش کی وجہ سے اس میں کیچڑ اور پھسلن ہوگئی اور کافروں کو چلنا دشوار ہوگیا۔ الحاصل، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اس ریتلے میدان میں آسمان سے پانی برسایا جس سے انہوں نے حدث اصغر اور اکبر سے پاکی حاصل کی یہ ظاہر کی تطہیر ہوئی اور ان کے دل مضبوط ہوگئے۔ اور قدم جم گئے اور دل شیطان کے وسوسوں سے پاک ہوا یہ باطن کی تطہیر ہوئی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جب اہل ایمان پر کوئی خوف اور اضطراب طاری ہوتا ہے تو غیبی طور پر من جانب اللہ ان کی مدد ہوتی ہے تا کہ ان کے دل مطمئن ہوجائیں کبھی باران رحمت کا نزول ہوتا ہے اور کبھی ان پر نعاس (نیند) طاری ہوتی ہے اور نعاس اس نیند کو کہتے ہیں جو سر میں ہوتی ہے جس سے سر نیچے کو جھکنے لگتا ہے یہ ایک قسم کا غیر شعوری سجدہ ہے اور بدر کے روز جب آنحضرت ﷺ عریش (چھپّر) میں تھے تو آنحضرت ﷺ پر نعاس (اونگھ) کے مانند ایک خفیف نیند طاری ہوگئی تو آپ ﷺ مسکراتے ہوئے باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ تم کو بشارت ہو کہ جبرئیل علیہ السلام آئے اور ان کے دانتوں پر غبار تھا پھر آپ ﷺ عریش کے دروازے سے یہ آیت پڑھتے ہوئے نکلے:

﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ﴾ عنقریب کافروں کی یہ جماعت شکست کھائے گی اور پشت پھیر کر چلے جائیں گے۔

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ

جب حکم بھیجا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں ساتھ ہوں تمہارے سو تم دل ثابت رکھو مسلمانوں کے میں ڈال دوں گا دل میں

جب حکم بھیجا تمہارے رب نے فرشتوں کو، کہ میں ساتھ ہوں تمہارے سو تم دل ثابت کرو مسلمانوں کے۔ میں ڈال دوں گا دل میں

كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾

کافروں کے دہشت سو مارو گردنوں پر اور کاٹو ان کی پور پور

کافروں کے دہشت۔ سو مارو اوپر گردنوں کے اور مارو ان کے پور پور۔

[1] کما ذکرہ الامام الرازی فی تفسیرہ: ۵۲۴/۴

انعام پنجم

قَالَ تَعَالٰی: ﴿اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَةِ... الی... وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ کُلَّ بَنَانٍ﴾

ربط:...... یہ بھی اسی جنگ بدر کا ایک واقعہ ہے جو حق جل شانہ کے ایک خاص الخاص انعام پر مشتمل ہے حق تعالیٰ نے جنگ بدر میں فرشتوں کو حکم دیا کہ مسلمانوں کے ہمراہ رہو اور الہام کے ذریعہ ان کے دلوں کو مضبوط اور قوی کرو جس طرح شیاطین کو دلوں میں وسوسہ ڈالنے کی قدرت اور اختیار ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو وسوسہ دفع کرنے کی اور قلب میں خیر کے الہام اور القاء کی قدرت عنایت فرمائی ہے جیسا کہ روح المعانی میں زجاج سے منقول ہے اور فرشتہ جو نیک خیال دل میں القاء کرتا ہے اس کو لمّہ اور الہام کہتے ہیں۔ قال الزجاج کان باشیاء یلقونها فی قلوبهم تصح بها عزائمهم ویتاکد جدهم وللملك قوة القاء الخیر فی القلب ویقال له الهام کما ان للشیطان قوة القاء الشر ویقال له وسوسة۔ (روح المعانی: ۹/۱۵۷)

چنانچہ فرماتے ہیں کہ یاد کرو اس وقت کو جب تیرا پروردگار ان فرشتوں کو جو مسلمانوں کی امداد کے لیے نازل ہوئے تھے۔ یہ حکم دے رہا تھا کہ تحقیق [1] میں مسلمانوں کی اعانت اور امداد میں تمہارا ساتھی اور مددگار ہوں سو تم ایمان والوں کو مضبوط اور استوار کرو یعنی ان کے دلوں میں یہ القاء کرو کہ تم ضرور فتح پاؤ گے جس طرح شیطان آدمی کے دل میں برا خیال ڈالتا ہے اسی طرح فرشتے دل میں اچھا خیال ڈالتے ہیں اول کو وسوسہ کہتے ہیں اور دوسرے کو لمّہ اور الہام کہتے ہیں جس طرح شیطان کو وسوسہ ڈالنے کی قوت ہے اسی طرح فرشتوں کو الہام اور القاء کی قوت ہے سو، اے فرشتو! تم اس طرح کے القاء اور الہام سے مسلمانوں کے دلوں کو قوت پہنچاؤ تاکہ وہ میدان میں ثابت قدم رہیں اور میں کافروں کے دل میں مسلمانوں کی دہشت ڈال دوں گا جس سے ان کے قدم اکھڑ جائیں گے۔ اندرونی طور پر ان کے دلوں میں مسلمانوں کے رعب کا القاء ہوگا۔ اور ظاہر میں ان فرشتوں کو دیکھ کر جو مسلمانوں کی امداد کے لیے نازل ہوئے ہیں خیرہ اور سراسیمہ ہو جائیں گے یہ اللہ کی نعمت تھی کہ کافروں کے دل میں مسلمانوں کا خوف ڈال دیا۔ آئندہ آیت میں فرشتوں کو ایک اور حکم دیا جاتا ہے کہ تم فقط مسلمانوں کی تثبیت اور تقویت پر اقتصار نہ کرو بلکہ ان کے ہمراہ ہو کر ان کے دشمنوں سے لڑو بھی پس تم ان کی گردنوں کے اوپر مارو تاکہ حق کے مقابلہ میں سر ہی نہ اٹھا سکیں اور ان کی سب انگلیاں کاٹ ڈالو۔ یعنی ان کے ہاتھ بیکار کر دو کہ وہ تلوار نہ پکڑ سکیں حملہ تو کیا مدافعت کے بھی قابل نہ رہیں فرشتوں کو قتال کا حکم ہوا تو بنی آدم کی طرح فرشتوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ کافروں کے قتل اور ضرب کا کیا طریقہ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو قتل اور ضرب کا طریقہ بتایا کہ گردن کے بالائی حصہ پر مارو تاکہ سر قلم ہو جائے اور پوروں اور انگلیوں پر تاکہ تلوار اور ہتھیار نہ اٹھا سکیں۔ چنانچہ اس حکم کے مطابق جنگ بدر میں فرشتوں نے قتال کیا جیسا کہ ربیع بن انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بدر کے دن مسلمانوں کے ہاتھ کے مقتول اور فرشتوں کے ہاتھ کے مقتول واضح طور پر پہچانے جاتے تھے۔ کسی کا سر گردن سے اڑا ہوا ہے اور کسی کے پوروں پر ضرب کے نشان ہیں

[1] دیکھو تفسیر کبیر: ۴/۵۲۳

جیسے آگ کے جلانے سے داغ اور نشان پڑ جاتا ہے اسی طرح مقتولین بدر کے ہاتھوں اور پوروں پر دیکھے گئے۔

فائدہ:...... شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کافروں کے دل فرشتوں کے الہام کے قابل نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے رعب ڈالنے کو اپنی طرف منسوب کیا اور فرشتوں کو مسلمانوں کے دل ثابت کرنے کا حکم دیا اور اس جنگ میں فرشتے ہاتھوں سے بھی لڑے ہیں۔ (موضح القرآن)

نکتہ:...... چونکہ معرکہ بدر میں خود ابلیس لعین کنانہ کے سردار اعظم سراقہ بن مالک مدلجی کی شکل میں متمثل ہو کر ابوجہل کے پاس آیا اور مشرکین کے حوصلے بڑھائے اور اس کو یہ اطمینان دلایا کہ میرا تمام قبیلہ تمہارے ساتھ ہے اور بعد ازاں ابلیس لعین شیاطین کا ایک بھاری لشکر لیکر مشرکین کی مدد کے لیے معرکہ بدر میں حاضر ہوا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں اہل ایمان کے دلوں کو مضبوط کرنے کے لیے فرشتوں کا لشکر نازل کیا اور ان کو حکم دیا کہ اپنے الہامات سے مسلمانوں کے دلوں کو قوت پہنچائیں اور ان کی مدد کریں اور ان کے ہمراہ ہو کر کافروں سے لڑیں ورنہ فی الحقیقت اللہ کو نہ فرشتوں کی احتیاج ہے اور نہ آدمیوں کی وہ ایک فرشتہ سے بھی بڑی سے بڑی بستی تباہ کر سکتا ہے۔ یہ سب من جانب اللہ اپنے رسول کا اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کا اعزاز و اکرام تھا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

یہ اس واسطے ہے کہ وہ مخالف ہوئے اللہ کے اور اس کے رسول کے، اور جو کوئی مخالف ہوا اللہ کا اور اس کے رسول کا تو بیشک اللہ کا عذاب

یہ اس واسطے کہ وہ مخالف ہوئے اللہ کے اور اس کے رسول کے، اور جو کوئی مخالف ہو اللہ کا اور اس کے رسول کا، تو اللہ کی مار

الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾

سخت ہے یہ تو تم چکھ لو اور جان رکھو کہ کافروں کے لیے ہے عذاب دوزخ کا ف۱

سخت ہے۔ یہ تو تم چکھ لو، اور جان رکھو کے منکروں کو ہے عذاب دوزخ کا۔

ف۱ جنگ بدر کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس معرکہ میں خود ابلیس لعین کنانہ کے سردار اعظم سراقہ بن مالک مدلجی کی صورت میں ممثل ہو کر ابوجہل کے پاس آیا اور مشرکین کے خوب دل بڑھائے کہ آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ میں اور میرا سارا قبیلہ تمہارے ساتھ ہے۔ ابلیس کے جھنڈے تلے بڑا بھاری لشکر شیاطین کا تھا۔ یہ واقعہ آگے آئے گا۔ اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی کمک پر شاہی فوج کے دستے جبرائیل و میکائیل کی کمانڈ میں یہ کہہ کر بھیجے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر شیاطین آدمیوں کی صورت میں (متشکل) ہو کر کفار کے حوصلے بڑھا رہے ہیں اور ان کی طرف سے لڑنے کو تیار ہیں اور مسلمانوں کے قلوب کو وسوسے ڈال کر خوفزدہ کر رہے ہیں تو تم مظلوم و ضعیف مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کرو۔ ادھر تم ان کی ہمت بڑھاؤ گے ادھر میں کفار کے دلوں میں دہشت اور رعب ڈال دوں گا۔ تم مسلمانوں کے ساتھ ہو کر ان ظالموں کی گردنیں مارو اور پور پور کاٹ ڈالو۔ کیونکہ آج ان سب جنی و انسی کافروں نے مل کر خدا اور رسول سے مقابلہ کی ٹھہرائی ہے۔ سو انہیں معلوم ہو جائے کہ خدا کے مخالفوں کو کیسی سخت سزا ملتی ہے۔ آخرت میں جو سزا ملے گی اصل تو وہی ہے لیکن دنیا میں بھی اس کا تھوڑا سا نمونہ دیکھ لیں اور عذاب الٰہی کا کچھ مزہ چکھ لیں۔ روایات میں ہے کہ بدر میں ملائکہ کو لوگ آنکھوں سے دیکھتے تھے اور ان کے مارے ہوئے کفار کو آدمیوں کے قتل کئے ہوئے کفار سے الگ شناخت کرتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے یہ ایک نمونہ دکھا دیا کہ اگر کبھی شیاطین الجن والانس ایسے غیر معمولی طور پر حق کے مقابل جمع ہو جائیں تو وہ اہل حق اور مقبول بندوں کو ایسے غیر معمولی طریقہ سے فرشتوں کی کمک پہنچا سکتا ہے۔ باقی ویسے تو فتح و غلبہ بلکہ ہر چھوٹا بڑا کام خدا ہی کی مشیت و قدرت سے انجام پاتا ہے۔ اسے نہ فرشتوں کی احتیاج ہے نہ آدمیوں کی، اور اگر فرشتوں ہی سے کوئی کام لے تو ان کو وہ طاقت بخشی ہے کہ تنہا ایک فرشتہ بڑی بڑی بستیوں کو اٹھا کر پٹک سکتا ہے۔ یہاں تو عالم تکلیف و اسباب میں ذرا سی تنبیہ کے طور پر شیاطین کی غیر معمولی دوڑ دھوپ کا جواب دینا تھا اور بس۔

بیان حکمت در ہزیمت کفار

قال اللہ تعالیٰ: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ... الی... وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ﴾

ربط:...... ان آیات میں کافروں کی ذلت اور ہزیمت کا سبب ذکر فرماتے ہیں ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور اس کی اطاعت سے سرکشی کی جس کا دنیا میں کچھ مزا چکھا اور اصل سزا تو آخرت میں ملے گی۔ چنانچہ فرماتے ہیں یہ اس طرح سے کافروں کا مقتول اور مخذول ہونا اس لیے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا تو بیشک اللہ اس کو سخت عذاب دینے والا ہے اے مشرکو! یہ قتل اور قید کا مزہ تو فی الحال دنیا میں چکھ لو اور جان رکھو کہ کافروں کے لیے آخرت میں اس کے علاوہ دوزخ کا عذاب ہے دنیاوی سزا سے عذاب اخروی ٹل نہیں سکتا۔ اس لیے کہ اصل عذاب تو آخرت کا ہے اور دنیوی عذاب اس عذاب کا ایک نمونہ ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے غرور اور ان کے کفر اور عداوت کو بیان کیا کہ اتراتے ہوئے رسول کے مقابلہ میں آئے اور پھر اہل ایمان کے استغاثہ اور فریاد کو بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ سے مدد چاہی اللہ تعالیٰ نے ان عاجزی کرنے والے بندوں کو مغرورین اور متکبرین کے مقابلہ میں عزت دی اور تکبر اور غرور والوں کو ذلیل اور خوار کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ عزیز اور حکیم ہے اور اخیر میں بتلا دیا کہ اصل ذلت وخواری قیامت کے دن ہوگی اور موجودہ ذلت وخواری تو محض سر جھکانے کے لیے ہے تاکہ ہوش میں آجائیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾ وَمَنْ

اے ایمان والو! جب بھڑو تم کافروں سے میدان جنگ میں تو مت پھیرو ان سے پیٹھ ف۱ اور جو کوئی

اے ایمان والو! جب بھڑو تم کافروں سے میدان جنگ میں، تو مت دو ان کو پیٹھ۔ اور جو کوئی

يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ

ان سے پھیرے پیٹھ اس دن مگر یہ کہ ہنر کرتا ہو لڑائی کا یا جا ملتا ہو فوج میں سو وہ پھرا اللہ کا غضب لے کر

ان کو پیٹھ دے اس دن، مگر یہ (سوائے اسکے) کہ ہنر کرتا ہو لڑائی کا یا جا ملتا ہو فوج میں، سو وہ لے پھرا غضب اللہ کا،

وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾

اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیا برا ٹھکانا ہے ف۲

اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اور کیا بری جگہ ٹھہرا۔

ف۱ "فرار من الزحف" (جہاد میں سے نکل کر بھاگنا اور لڑائی میں کفار کو پیٹھ دکھانا) بہت سخت گناہ اکبر الکبائر میں سے ہے اگر کافر تعداد میں مسلمانوں سے دگنے ہوں اس وقت تک فقہاء نے پیٹھ پھیرنے کی اجازت نہیں دی۔

ف۲ یعنی اگر پسپائی کسی جنگی مصلحت سے ہو مثلاً پیچھے ہٹ کر حملہ کرنا زیادہ موثر ہے یا ایک جماعت سپاہیوں کی مرکزی فوج سے جدا ہو گئی وہ اپنے بچاؤ کے لیے پسپا ہو کر مرکز سے ملنا چاہتی ہے، تو ایسی پسپائی جرم نہیں۔ گناہ اس وقت ہے جبکہ پسپائی محض لڑائی سے جان بچا کر بھاگنے کی نیت سے ہو۔

بیان حرمت فرار از مقابلہ کفار

قَالَ اللهُ تَعَالىٰ: ﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا... الی... وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾

ربط:...... گزشتہ آیت میں ملائکہ کو تثبیت مومنین کا حکم تھا اب ان آیات میں مومنین کو ثبات وقرار کا حکم ہے یعنی مسلمانوں پر میدان جہاد میں ثابت قدم رہنا واجب ہے اور مقابلہ کفار سے فرار حرام ہے۔ بجز دو صورتوں کے ایک تو یہ کہ پسپائی سے کافروں کو دھوکہ دینا مقصود ہوتا کہ دشمن غافل ہو جائے پھر پلٹ کر دفعۃً اس پر حملہ کرے ظاہر میں بھاگنا ہو مگر درحقیقت مقصود حیلہ اور داؤ ہو، دوسری صورت یہ ہے کہ مقصود اصلی بھاگنا نہ ہو بلکہ بے سروسامانی کی وجہ سے اپنی مرکزی جماعت میں پناہ لینا ہوتا کہ ان کے ساتھ مل کر دشمنوں سے جہاد وقتال کرے تو ایسی پسپائی گناہ نہیں ہاں جبکہ پسپائی محض لڑائی سے جان بچا کر بھاگنے کی نیت سے ہو تو وہ گناہ ہے اور اگر بھاگ کر لشکر اسلام میں آملنا مقصود ہو تو پھر گناہ نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو! جب جہاد میں تم کافروں کے بڑے لشکر سے بھڑو جو انبوہ کثیر ہونے کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا ہو کہ تمہاری طرف گھسٹتا ہوا آ رہا ہے تو تم ان کے مقابلہ سے پشت نہ پھیرو میدان جنگ میں ایک کے بھاگنے سے دوسروں کے پاؤں بھی اکھڑ جاتے ہیں۔ اور جو اس دن پشت پھیرے سوائے اس صورت کے کہ وہ لڑائی کے لیے کنی کاٹتا ہو اور دشمن پر دوبارہ حملہ کرنے کے لیے پینترا بدلتا ہو یا اپنی جماعت اور مرکز کی طرف پناہ لیتا ہو تاکہ ان کے ساتھ مل کر دشمن کا مقابلہ کرے اور اپنی جماعت کے ساتھ شریک ہو کر دشمنوں سے قتال کرے تو ان صورتوں کے علاوہ جو مسلمان، کافروں کے مقابلہ سے پشت پھیریگا سو وہ اللہ کے غضب کو لے کر لوٹے گا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ دوزخ بہت بری جگہ ہے ان دو صورتوں کے علاوہ دشمن کے مقابلہ سے بھاگنا حرام ہے اور یہ دو صورتیں جو جائز رکھی گئی ہیں ان کی وجہ یہ ہے کہ یہ حقیقت میں بھاگنا نہیں بلکہ لڑائی کا ایک داؤ ہے ابتداء میں دہ چند کافروں سے مقابلہ واجب تھا بعد میں حق تعالیٰ نے تخفیف فرما دی کہ دو چند سے مقابلہ واجب ہوا اور مسلمانوں کو اپنے دو چند سے بجز ان دو صورتوں کے پسپا ہونا حرام ہے۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ

سو تم نے ان کو نہیں مارا لیکن اللہ نے ان کو مارا اور تو نے نہیں پھینکی مٹھی خاک کی جس وقت کہ پھینکی تھی لیکن اللہ نے پھینکی اور تاکہ کرے

سو تم نے ان کو نہیں مارا، لیکن اللہ نے مارا، اور تو نے نہیں پھینکی مٹھی خاک جس وقت پھینکی تھی، لیکن اللہ نے پھینکی، اور کیا چاہتا تھا

الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ⑰ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ

ایمان والوں پر اپنی طرف سے خوب احسان بیشک اللہ ہے سننے والا جاننے والا ف۱ یہ تو ہو چکا اور جان رکھو کہ اللہ سست کر دیگا تدبیر

ایمان والوں پر، اپنی طرف سے خوب احسان۔ تحقیق اللہ ہے سنتا جانتا۔ یہ تو ہو چکا، اور جان رکھو کہ اللہ سست کرے کا تدبیر

ف۱ جب جنگ کی شدت ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی کنکریاں لشکر کفار کی طرف پھینکیں اور تین مرتبہ شاھت الوجوہ فرمایا۔ خدا کی قدرت سے کنکریوں کے ریزے ہر کافر کی آنکھ میں پہنچے، وہ سب آنکھیں ملنے لگے ادھر سے مسلمانوں نے فوراً دھاوا بول دیا۔ آخر بہت سے کفار کھیت رہے، اسی کو فرماتے ہیں کہ گو بظاہر کنکریاں تم نے اپنے ہاتھ سے پھینکی تھیں لیکن کسی بشر کا یہ فعل عادۃً ایسا نہیں ہو سکتا کہ مٹھی بھر کنکریاں ہر سپاہی کی آنکھ میں پڑ کر ایک مسلح لشکر کی ہزیمت کا =

الْكٰفِرِيْنَ ⑱

کافروں کی ف ۳

کافروں کی۔

بیان علت بودن قدرت حق وسبب وواسطہ بودن قدرت خلق

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ... الی... وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں بھی حق تعالیٰ کی ایک غیبی امداد کا ذکر تھا اب ان آیات میں بھی اس کی ایک غیبی امداد کا ذکر ہے جس سے یہ بتلانا ہے کہ جنگ بدر میں جو فتح ہوئی وہ دراصل قدرت خداوندی کا کرشمہ ہے جو خدا تعالیٰ نے تمہارے ہاتھوں سے ظاہر فرمایا ہے اصل علت قدرت حق ہے اور قدرت خلق محض سبب اور واسطہ کے درجہ میں ہے بعض لوگوں کی زبان سے یہ نکلا تھا کہ میں نے اس لڑائی میں فلاں کو مارا اور میں نے فلاں کو مارا اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں یہ بتلایا گیا کہ یہ سب اللہ کا فضل و کرم تھا ظاہر میں کفار اگرچہ تمہارے ہاتھ سے قتل ہوئے لیکن درحقیقت اور در پردہ دست قدرت کارفرما تھا اور تمہارا ہاتھ اس کی قدرت اور مشیت کا محض ایک روپوش تھا۔ لہٰذا ناز کی ضرورت نہیں، نیاز کی ضرورت ہے۔ روپوش پر نظر نہ کرو بلکہ اس روپوش کے اندر جو دست قدرت چھپا ہوا ہے اس کی طرف نظر کرو۔

شان نزول:...... ان آیات کا شانِ نزول یہ ہے کہ جب جنگ بدر کی شدت ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے تین مرتبہ شاہت الوجوہ پڑھ کر ایک مشت خاک کافروں کی طرف پھینک دی۔ خدا تعالیٰ کی قدرت سے خاک کے ریزے ہر کافر کی آنکھ میں پہنچ گئے جس سے کافر آنکھیں ملنے لگے۔ ادھر مسلمانوں نے حملہ بول دیا آخر کفار بھاگ پڑے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔ سوائے مسلمانو! تم نے ان کافروں کو نہیں مارا لیکن اللہ نے مارا یعنی جنگ بدر میں تمہارا اپنے اعداء کو باوجود ان کی کثرت کے اور باوجود تمہاری قلت کے ستر کو قتل کرنا اور ستر کو قید کرنا یہ تمہاری حول اور قوت سے نہیں ہوا بلکہ اللہ کی غیبی نصرت اور مدد سے ہوا کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ اس فتح اور غلبہ کو اپنا کارنامہ سمجھے اور اس پر فخر کرے جو کچھ کیا وہ اللہ ہی نے کیا اگر وہ تمہاری مدد نہ کرتا اور تمہارے دلوں کو مضبوط نہ کرتا اور تمہارے پاؤں نہ جمائے رکھتا تو تم کسی ایک کو بھی قتل نہ کر سکتے تھے یہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہارے ہاتھوں یہ کام کرایا۔ شعر

منت شناس ازو کہ بخدمت بداشت   منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنم

= سبب بن جائیں، یہ صرف خدائی ہاتھ تھا جس نے مٹھی بھر سنگریزوں سے فوجوں کے منہ پھیر دیئے، تم بے سروسامان قلیل التعداد مسلمانوں میں اتنی قدرت کہاں تھی کہ محض تمہارے زور بازو سے کافروں کے ایسے ایسے منڈ مارے جاتے، یہ تو خدا ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ اس نے ایسے متکبر سرکشوں کو فنا کے گھاٹ اتارا، ہاں یہ ضرور ہے کہ بظاہر کام تمہارے ہاتھوں سے لیا گیا اور ان میں وہ فوق العادۃ قوت پیدا کر دی جسے تم اپنے کسب و اختیار سے حاصل نہ کر سکتے تھے، یہ اس لیے کیا گیا کہ خدا کی قدرت ظاہر ہو اور مسلمانوں پر پوری مہربانی اور خوب طرح احسان کیا جائے۔ بیشک خدا مومنین کی دعاء و فریاد کو سنتا اور ان کے افعال و احوال کو بخوبی جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ مقبول بندوں پر کس وقت کس عنوان سے احسان کرنا مناسب ہے۔

ف ۱ یعنی اس وقت بھی خدا نے کفار مکہ کے سب منصوبے خاک میں ملا دیئے اور آئندہ بھی ان کی تدبیروں کو سست کر دیا جائے گا۔

اور اے نبی! جب آپ ﷺ نے کافروں کی طرف خاک کی مٹھی پھینکی تھی تو وہ درحقیقت آپ ﷺ نے نہیں پھینکی تھی ولیکن در پردہ اللہ نے پھینکی تھی اور اسی نے اپنی قدرت سے ایک مشت خاک کے تمام ریزوں کو تمام کافروں کی آنکھوں میں پہنچا دیا اور ان کو خیرہ اور سراسیمہ بنادیا اور کوئی مشرک اس سے نہ بچ سکا یعنی بشر میں یہ طاقت نہیں کہ ایک مشت خاک ایک مسلح لشکر کے ہر سپاہی کی آنکھ میں پہنچا دے اور پھر وہ مشت خاک اس لشکر جرار کی ہزیمت کا سبب بن جائے یہ صرف دست قدرت تھا جس نے ایک مشت خاک سے ایک لشکر جرار کی فوج کے منہ پھیر دیئے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا یہ کرشمہ تمہارے ہاتھوں سے اس لیے ظاہر فرمایا کہ اپنے بے سروسامان دوستوں کے ہاتھوں متکبر اور سرکشوں کو موت کے گھاٹ اتارے، اور تاکہ اہل ایمان پر اپنی طرف سے خوب احسان کرے کہ نصرت اور غنیمت ان کو عطاء کرے بیشک اللہ مومنوں کی دعا کو سننے والا ہے اور ان کے اخلاص اور وفاداری کو بھی خوب جاننے والا ہے۔ یہ تو ہو چکا اور جان رکھو کہ اللہ کافروں کی تدبیر کو سست کرنے والا اور ان کے مکر اور حیلہ کو باطل کرنے والا ہے چنانچہ اس وقت بھی کافروں کے سب منصوبے خاک میں مل گئے اور آئندہ کے لیے بھی ان کی تدبیریں سست پڑ گئیں اور جن لوگوں کی زبان سے یہ نکلا تھا کہ میں نے فلاں کو مارا اور میں نے فلاں کو مارا اس سے ان کے اعجاب اور خود پسندی کا بھی خاتمہ ہو گیا اور یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ یہ سب کچھ خداوند ذوالجلال کے غیبی کرشمہ عنایت سے ہوا نہ کہ ہماری حول اور قوت سے۔

نکتہ:...... فعل قتل کا ظہور اگرچہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے ہوا اور فعل رمی کا ظہور آنحضرت ﷺ کے دستِ مبارک سے ہوا مگر باعتبار اثر اور نتیجہ کے بشری طاقت سے بالا اور برتر تھا اس لیے قتل اور رمی کو ظاہر کے اعتبار سے بندوں کی طرف منسوب فرمایا اور حقیقت اور اثر کے اعتبار سے بندوں سے اس کی نفی کی گئی اور خداوند ذوالجلال کی طرف اس کی نسبت کی گئی کہ یہ تاثیر محض فعل الٰہی میں تھی۔

ف:...... بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ بدر کی طرح جنگ حنین میں بھی آپ ﷺ نے ایک مشت خاک لیکر دشمنوں کے لشکر کی طرف پھینکی اور شاہت الوجوہ فرمایا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کافروں کے چہرے خراب ہوئے واللہ اعلم۔

(دیکھو تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۲۹۵، وتفسیر ابن جریر: ۹/ ۲۰۴ وصحیح مسلم: ۲/ ۱۰۲ باب غزوۂ حنین)

إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ ۖ وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَإِنْ تَعُودُوا نَعُدْ ۚ

اگر تم چاہتے ہو فیصلہ تو پہنچ چکا تمہارے پاس فیصلہ اور اگر باز آؤ تو تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر پھر یہی کرو گے تو ہم بھی یہی کریں گے

اگر تم چاہو فیصلہ، سو پہنچ چکا تم کو فیصلہ، اور اگر باز آؤ تو تمہارا بھلا ہے۔ اور اگر پھر کرو گے، تو ہم بھی پھر کریں گے۔

وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۹﴾ ع

اور کچھ کام نہ آئے گا تمہارے تمہارا جتھا اگرچہ بہت ہوں اور جان لو کہ اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے ف۱

اور کام نہ آوے گا تم کو تمہارا جتھا، اگرچہ بہت ہوں، اور جانو کہ اللہ ساتھ ہے ایمان والوں کے۔

ف۱ یہ خطاب کفار مکہ کو ہے، وہ ہجرت سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتے تھے مَتٰی هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ یعنی ہمارے تمہارے درمیان یہ=

تحسیر ❶ وتعییر کفار وبیان سبب غلبہ ابرار

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَکُمُ الْفَتْحُ ... الی ... اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں اہل ایمان کو بطور تذکیر نعم خطابات تھے اب ان آیات میں کفار کو بطور تذکیر نعم خطاب ہے یعنی بطور تعییر وتحسیر خطاب ہے جسکا قصہ یہ ہے کہ جب ابوجہل اور کفار قریش مکہ سے آپ کے مقابلہ کے لیے روانہ ہونے لگے تو حرم کا پردہ پکڑ کر یہ دعا کی کہ اے اللہ ہمارے اور محمد کے لشکر میں تیرے نزدیک جو باعتبار دین کے بہتر اور برتر ہو اسی کو فتح دے چنانچہ حق تعالیٰ نے ان کی دعا کے مطابق مسلمانوں کو فتح دی اور یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفسیر قرطبی: ۷/ ۳۸۷)

سو اس آیت میں کفار کو عار اور حسرت دلانا مقصود ہے اور بطور تہکم اور استہزاء ان سے خطاب ہے کہ جس فتح کے تم طلب گار تھے دیکھ لو کہ تمہاری تمنا اور دعا کے مطابق وہ فتح تمہارے سامنے آگئی پس اگر تم اپنی خیر چاہتے ہو تو خیریت اسی میں ہے کہ تم ایمان لے آؤ اور دیکھ لو کہ باوجودیکہ تمہاری جماعت بہت زیادہ تھی مگر اس کی کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف وعنایت سے مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ ﴿وَاَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾۔ اس لیے مسلمانوں کی فتح ہوئی۔ خدا جس کے ساتھ ہو اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اے کافرو اگر تم فتح طلب کرتے تھے پس تمہارے سامنے وہ فتح آگئی جس کے تم طلب گار تھے یعنی اسی دین کی فتح ہوئی جو میرے نزدیک محبوب اور پسندیدہ تھا اور اگر تم آئندہ کے لیے کفر اور عناد سے باز آجاؤ تو وہ تمہارے لیے دین اور دنیا میں بہتر ہے۔ اس جہان کے قتل سے اور اس جہان کے عذاب سے بچ جاؤ گے اور اگر تم دین اسلام کی عداوت میں پھر لوٹو گے تو ہم بھی تمہاری تذلیل وتحقیر کی طرف پھر لوٹیں گے اور تمہاری جماعت تمہارے کچھ بھی کام نہ آئے گی اگرچہ وہ کتنی ہی کثیر کیوں نہ ہو اور کیسے کام آسکتی ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے اور خدا اور خدا کی نصرت اور اعانت جس کے ساتھ ہو اس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۝ وَلَا

اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا اور اس سے مت پھرو سن کر فل اور ان جیسے مت

اے ایمان والو! حکم پر چلو اللہ کے اور اس کے رسول کے، اور اس سے مت پھرو سن کر۔ اور ویسے مت

= فیصلہ کب ہوگا؟ سو پورا فیصلہ تو قیامت کے دن ہوگا مگر ایک طرح کا فیصلہ آج میدان بدر میں بھی تم نے دیکھ لیا کہ کیسے خارق عادت طریق سے تم کو کمزور مسلمانوں کے ہاتھوں سے سزا ملی۔ اب اگر نبی علیہ السلام کی مخالفت اور کفر وشرک سے باز آجاؤ تو تمہارے لیے دنیا وآخرت کی بہتری ہے۔ اگر پھر اسی طرح لڑائی کرو گے تو ہم بھی پھر اسی طرح مسلمانوں کی مدد کریں گے اور انجام کار تم ذلیل وخوار ہو گے۔ جب خدا کی تائید مسلمانوں کے ساتھ ہے تو تمہارے جتھے اور جماعتیں خواہ کتنی ہی تعداد میں ہوں کچھ کام نہ آئیں گے۔ بعض روایات میں ہے کہ ابوجہل وغیرہ نے مکہ سے روانگی کے وقت کعبہ کے پردے پکڑ کر دعا کی تھی کہ خداوندا! دونوں فریق میں جو اعلیٰ واکرم ہو اسے فتح دے اور فساد مچانے والے کو مغلوب کر ﴿فَقَدْ جَآءَکُمُ الْفَتْحُ﴾ میں اس کا بھی جواب ہو گیا کہ جو واقعی "اعلیٰ وافضل" تھے، ان کو فتح مل گئی اور مفسد ذلیل ورسوا ہوئے۔

فل پہلے فرمایا تھا کہ "اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے" اب ایمان والوں کو ہدایت فرماتے ہیں کہ ان کا معاملہ خدا اور رسول کے ساتھ کیسا ہونا چاہیے؟ جس سے =

● تحسیر کے معنی حسرت دلانا اور تعییر کے معنی عار دلانا ہے۔

تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿٢١﴾ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الصُّمُّ

ہو جنہوں نے کہا ہم نے سن لیا اور وہ سنتے نہیں ف۱ بیشک سب جانداروں میں بدتر اللہ کے نزدیک وہی بہرے

ہو، جنہوں نے کہا ہم نے سنا، اور وہ سنتے نہیں۔ بدتر سب جانوروں میں اللہ کے پاس وہی بہرے

الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٢٢﴾ وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ ۖ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ

گونگے ہیں جو نہیں سمجھتے ف۲ اور اگر اللہ جانتا ان میں کچھ بھلائی تو ان کو سنا دیتا اور اگر ان کو اب سنادے

گونگے ہیں جو نہیں بوجھتے۔ اور اگر اللہ جانتا ان میں کچھ بھلائی، تو ان کو سناتا۔ اور جو ان کو سنادے

لَتَوَلَّوا وَّهُم مُّعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ

تو ضرور بھاگیں منہ پھیر کر ف۳ اے ایمان والو ! حکم مانو اللہ کا اور رسول کا جس وقت بلائے تم کو

تو الٹے بھاگیں منہ پھیر کر۔ اے ایمان والو ! مانو حکم اللہ کا اور رسول کا، جس وقت بلاوے تم کو

لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٤﴾

اس کام کی طرف جس میں تمہاری زندگی ہے ف۴ اور جان لو اللہ روک لیتا ہے آدمی سے اس کے دل کو اور یہ کہ اسی کے پاس تم جمع ہو گے ف۵

ایک کام پر جس میں تمہاری زندگی ہے۔ اور جان لو، کہ اللہ روک لیتا ہے آدمی سے اس کے دل کو، اور یہ کہ اس پاس تم جمع ہو گے۔

= وہ خدا کی نصرت وحمایت کے مستحق ہوں۔ سو بتلا دیا کہ ایک مومن صادق کا کام یہ ہے کہ وہ ہمہ تن خدا اور رسول کا فرمانبردار رہو۔ احوال وحوادث خواہ کتنا ہی اس کا منہ پھیرنا چاہیں مگر خدا کی باتوں کو جب وہ سن کر سمجھ چکا اور تسلیم کر چکا، تو قولاً وفعلاً کسی حال ان سے منہ نہ پھیرے۔

ف۱ یعنی زبان سے کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ سننا ہی کیا جو آدمی سیدھی سی بات کو سن کر سمجھے نہیں یا سمجھ کر قبول نہ کرے۔ پہلے یہودیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا "سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا" (ہم نے سن لیا مگر مانا نہیں) مشرکین مکہ کا قول آگے آتا ہے۔ ﴿قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَٰذَا﴾ یعنی جو قرآن آپ سناتے ہیں بس ہم نے سن لیا۔ اگر ہم چاہیں تو اسی جیسا کلام بنا کر لے آئیں۔ مدینہ کے منافقین کا تو شیوہ یہ تھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے سامنے زبانی اقرار کر گئے اور دل سے اسی طرح منکر رہے۔ بہر حال مومن صادق کی شان اور یہود اور مشرکین ومنافقین کی طرح نہ ہونی چاہیے۔ اس کی شان یہ ہے کہ دل سے، زبان سے، عمل سے، حاضر وغائب احکام الٰہیہ اور فرامین نبویہ پر نثار ہوتا رہے۔

ف۲ جنہیں خدا نے بولنے کو زبان سننے کو کان اور سمجھنے کو دل و دماغ دیئے تھے پھر انہوں نے یہ سب قوتیں معطل کر دیں۔ نہ زبان سے حق بولنے اور حق کو دریافت کرنے کی توفیق ہوتی نہ کانوں سے حق کی آواز سنی نہ دل و دماغ سے حق کو سمجھنے کی کوشش کی۔ غرض خدا کی بخشی ہوئی قوتوں کو اس اصلی کام میں صرف نہ کیا۔ جس کے لیے فی الحقیقت عطا کی گئی تھیں۔ بلاشبہ ایسے لوگ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔

ف۳ یعنی اصل یہ ہے کہ ان لوگوں میں بھلائی کی جڑ ہی نہیں کیونکہ حقیقی بھلائی انسان کو اس وقت ملتی ہے جب اس کے دل میں طلب حق کی سچی تڑپ اور نور ہدایت قبول کرنے کی لیاقت ہو۔ جو قوم طلب حق کی روح سے یکسر خالی ہو چکی اور اس طرح خدا کی بخشی ہوئی قوتوں کو اپنے ہاتھوں برباد کر چکی ہو، رفتہ رفتہ اس میں قبول حق کی لیاقت واستعداد بھی نہیں رہتی۔ اسی کو فرمایا ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں میں قبول خیر وہدایت کی لیاقت نہیں دیکھی۔ اگر ان میں کچھ بھی لیاقت دیکھتا تو اپنی عادت کے موافق ضرور ان کو اپنی آیتیں سنا کر سمجھا دیتا۔ باقی بحالت موجودہ اگر انہیں آیات سنا اور سمجھا دی جائیں تو یہ ضدی اور معاند لوگ سمجھ کر بھی تسلیم اور قبول کرنے والے نہیں۔

ف۴ یعنی خدا اور رسول تم کو جس کام کی طرف دعوت دیتے ہیں (مثلاً جہاد وغیرہ) اس میں از سرتاپا تمہاری بھلائی ہے۔ ان کا دعوتی پیغام تمہارے لیے دنیا میں عزت واطمینان کی زندگی اور آخرت میں حیات ابدی کا پیغام ہے۔ پس مومنین کی شان یہ ہے کہ خدا اور رسول کی پکار پر فوراً لبیک کہیں۔ جس وقت اور جدھر وہ بلائیں =

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

اور بچتے رہو اس فساد سے کہ نہیں پڑے گا تم میں سے خاص ظالموں ہی پر اور جان لو کہ اللہ کا عذاب

اور بچتے رہو اس فساد سے، کہ نہ پڑے گا تم میں سے ظالموں پر چن کر۔ اور جان لو کہ اللہ کا عذاب

الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ

سخت ہے ف۱ اور یاد کرو جس وقت تم تھوڑے تھے مغلوب پڑے ہوئے ملک میں ڈرتے تھے کہ

سخت ہے۔ اور یاد کرو جس وقت تم تھوڑے تھے، مغلوب پڑے ہوئے ملک میں، ڈرتے تھے

يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ

اچک لیں تم کو لوگ پھر اس نے تم کو ٹھکانا دیا اور قوت دی تم کو اپنی مدد سے روزی دی تم کو ستھری چیزیں تاکہ

اچک لیں تم کو لوگ، پھر اس نے تم کو جائے دی اور زور دیا اپنی مدد سے، اور روزی دی تم کو ستھری چیزیں، شاید

تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ

تم شکر کرو ف۲ اے ایمان والو! خیانت نہ کرو اللہ سے اور رسول سے اور خیانت نہ کرو آپس میں اور امانتوں میں

تم حق مانو۔ اے ایمان والو! چوری نہ کرو اللہ اور رسول سے، یا چوری کرو آپس کی امانتوں میں

= سب اشغال چھوڑ کر ادھر ہی پہنچیں۔

ف۵ یعنی حکم بجالانے میں دیر نہ کرو، شاید تھوڑی دیر بعد دل ایسا نہ رہے اپنے دل پر آدمی کا قبضہ نہیں بلکہ دل خدا کے ہاتھ میں ہے۔ جدھر چاہے پھیر دے۔ بیشک وہ اپنی رحمت سے کسی کا دل ابتداء نہیں روکتا نہ اس پر مہر کرتا ہے۔ ہاں جب بندہ امتثال احکام میں سستی اور کاہلی کرتا رہے تو اس کی جزاء میں روک دیتا ہے یا حق پرستی چھوڑ کر ضد و عناد کو شیوہ بنالے تو مہر کر دیتا ہے۔ کذا فی الموضح بعض نے "يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ" کو بیان قرب کے لیے لیا ہے یعنی حق تعالیٰ بندہ سے اس قدر قریب ہے کہ اس کا دل بھی اتنا قریب نہیں ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ (ق، رکوع ۲) تو خدا کی حکم برداری سچے دل سے کرو۔ خدا تم سے بڑھ کر تمہارے دلوں کے احوال و اسرار پر مطلع ہے۔ خیانت اس کے آگے نہیں چل سکے گی۔ اسی کے پاس سب کو جمع ہونا ہے وہاں سارے مکنونات و اسرار کھول کر رکھ دیئے جائیں گے۔

ف۱ یعنی فرض کیجئے ایک قوم کے اکثر افراد نے ظلم و عصیان کا وتیرہ اختیار کر لیا، کچھ لوگ جو اس سے علیحدہ رہے انہوں نے مداہنت برتی، نہ نصیحت کی نہ اظہار نفرت کیا تو یہ فتنہ ہے جس کی لپیٹ میں وہ ظالم اور یہ خاموش مداہن سب آجائیں گے۔ جب عذاب آئے گا تو حسب مراتب سب اس میں شامل ہوں گے کوئی نہ بچے گا۔ اس تفسیر کے موافق آیت سے مقصود یہ ہوگا کہ خدا اور رسول کی حکم برداری کے لیے خود تیار رہو اور نافرمانوں کو نصیحت و فہمائش کرو نہ مانیں تو بیزاری کا اظہار کرو۔ باقی حضرت شاہ صاحب نے آیت کا مطلب یہ لیا ہے کہ مسلمانوں کو ایسے فساد (گناہ) سے بالخصوص بچنا چاہیے جس کا خراب اثر گناہ کرنے والے کی ذات سے متعدی ہو کر دوسروں تک پہنچتا ہے۔ پہلے فرمایا تھا کہ خدا اور رسول کا حکم ماننے میں ادنیٰ تاخیر اور کاہلی نہ کرے کہیں دیر کرنے کی وجہ سے دل نہ ہٹ جائے۔ اب تنبیہ فرماتے ہیں کہ اگر نیک لوگ کاہلی کریں گے تو عام لوگ بالکل چھوڑ دیں گے تو رسم بد پھیلے گی۔ اس کا وبال سب پر پڑے گا۔ جیسے جنگ میں دلیر سستی کریں تو نامرد بھاگ ہی جائیں۔ پھر شکست پڑے تو دلیر بھی نہ تھام سکیں۔

ف۲ یعنی اپنی قلت و ضعف کو خیال کر کے خدا کا حکم (جہاد) ماننے میں سستی مت دکھلاؤ۔ دیکھو۔ ہجرت سے پہلے بلکہ اس کے بعد بھی تمہاری تعداد تھوڑی تھی، سامان بھی نہ تھا۔ تمہاری کمزوری کو دیکھ کر لوگوں کو طمع ہوتی تھی کہ تم کو ہضم کر جائیں۔ تمہیں ہر وقت یہ خدشہ رہتا تھا کہ دشمنان اسلام کہیں نوچ کھسوٹ کر نہ لے جائیں۔ مگر خدا نے تم کو مدینہ میں ٹھکانہ دیا، انصار و مہاجرین میں عدیم النظیر رشتہ مواخات قائم کر دیا۔ پھر معرکہ بدر میں کیسی کھلی ہوئی غیبی امداد پہنچائی۔ کفار کی جڑ =

تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾

جان کر ف۱ اور جان لو کہ بیشک تمہارے مال اور اولاد خرابی میں ڈالنے والے ہیں اور یہ کہ اللہ کے پاس بڑا ثواب ہے ف۲

جان کر۔ اور جان لو کہ تمہارے مال اور اولاد جو ہیں، خراب کرنے والے ہیں، اور یہ اللہ پاس بڑا ثواب ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ

اے ایمان والو! اگر تم ڈرتے رہو گے اللہ سے تو کر دے گا تم میں فیصلہ ف۳ اور دور کر دے گا تم سے تمہارے گناہ اور تم کو بخش

اے ایمان والو! اگر ڈرتے رہو گے اللہ سے تو کر دیگا تم میں فیصلہ، اور اتارے گا تم سے سارے گناہ اور تم کو بخشے گا،

لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

دے گا اور اللہ کا فضل بڑا ہے۔

اور اللہ کا فضل بڑا ہے۔

= کاٹ دی، تم کو فتح الگ دی، مال غنیمت اور فدیہ اساریٰ الگ دیا، غرض حلال طیب ستھری چیزیں اور انواع و اقسام کی نعمتیں عطا فرمائیں تاکہ تم اس کے شکر گزار بندے بنے رہو۔

ف۱ خدا اور رسول کی خیانت یہ ہے کہ ان کے احکام کی خلاف ورزی کی جائے۔ زبان سے اپنے کو مسلمان کہیں اور کام کفار کے کریں یا جس کام پر خدا اور رسول نے مامور کیا ہو اس میں دخل فصل کیا جائے۔ یا مال غنیمت میں چوری کی جائے۔ ونحو ذالك۔ بہر حال ان تمام امانتوں میں جو خدا اور رسول یا بندوں کی طرف سے تمہارے سپرد کی جائیں، خیانت سے بچو۔ اس میں ہر قسم کے حقوق العباد آگئے۔ روایات میں ہے کہ یہود "بنی قریظہ" نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کی درخواست کی اور یہ کہ ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو بنی النضیر کے ساتھ ہوا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "نہیں، میں تم کو اتنا حق دیتا ہوں کہ سعد بن معاذ کو حکم بنالو، جو فیصلہ وہ تمہاری نسبت کریں وہ منظور ہونا چاہیے انہوں نے حضرت ابولبابہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر اپنے یہاں بلایا اور دریافت کیا کہ تمہاری اس معاملہ میں کیا رائے ہے؟ ہم سعد بن معاذ کی تحکیم منظور کریں یا نہ کریں۔ ابولبابہ کے اموال اور اہل و عیال بنی قریظہ کے یہاں تھے، اس لیے وہ ان کی خیر خواہی کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے حلقوم کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا یعنی اگر سعد بن معاذ کی تحکیم قبول کی تو ذبح ہو جاؤ گے۔ ابولبابہ اشارہ تو کر گزرے مگر معاً متنبہ ہوا کہ میں نے خدا اور رسول کی خیانت کی۔ واپس آ کر اپنے کو ایک ستون سے باندھ دیا اور عہد کیا کہ نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا حتی کہ موت آجائے یا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمالے۔ سات آٹھ دن یونہی بندھے رہے۔ فاقہ سے غشی طاری ہوگئی۔ آخر بشارت پہنچی کہ حق تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کی۔ کہا خدا کی قسم میں اپنے کو نہ کھولوں گا جب تک خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے میری رسی نہ کھولیں۔ آپ تشریف لائے اور اپنے ہاتھ سے اپنے قیدی کو آزاد کیا۔ الی آخر القصہ۔ ابن عبد البر کا دعویٰ ہے کہ یہ واقعہ غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے کی بناء پر پیش آیا تھا۔ واللہ اعلم۔

ف۲ آدمی اکثر مال و اولاد کی خاطر خدا کی اور بندوں کی چوری کرتا ہے۔ اس لیے متنبہ فرمایا کہ امانت داری کی جو قیمت خدا کے یہاں ہے، وہ یہاں کے مال و اولاد وغیرہ سب چیزوں سے بڑھ کر ہے۔

ف۳ یعنی اگر خدا سے ڈر کر راہ تقویٰ اختیار کرو گے تو خدا تم میں اور تمہارے مخالفوں میں فیصلہ کر دے گا۔ دنیا میں بھی کہ تم کو عزت دے گا اور ان کو ذلیل یا ہلاک کرے گا جیسے بدر میں کیا اور آخرت میں بھی کہ تم نعیم دائم میں رہو گے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔ ﴿وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ﴾ (یس رکوع ۴) ﴿هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ﴾ (المرسلات، رکوع ۱) دوسری بات یہ ہے کہ تقویٰ کی برکت سے حق تعالیٰ تمہارے دل میں ایک نور ڈال دے گا جس سے تم ذوقاً و وجداناً حق و باطل اور نیک و بد کا فیصلہ کر سکو گے۔ اس کے علاوہ ایک بات حضرت شاہ صاحب نے لکھی ہے کہ "شاید فتح بدر میں مسلمانوں کے دل میں آیا ہو کہ یہ فتح اتفاقی ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخفی کافروں پر احسان کریں کہ ہمارے گھر بار اور اہل و عیال کو مکہ میں نہ ستاویں سو پہلی آیت میں خیانت کو منع فرمایا اور دوسری آیت میں تسلی دی کہ آگے فیصلہ ہو جائے گا تمہارے گھر بار کافروں میں گرفتار نہ رہیں گے۔

ترغیب براطاعت وامانت وترہیب از معصیت وخیانت وزجر دوستاں از مشابہت دشمناں

قال اللہ تعالیٰ: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ... الی... وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیت میں یہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے اب ان آیات میں اہل ایمان کو ہدایت فرماتے ہیں کہ حق جل شانہ کی معیت اور نصرت اور حمایت کا دارومدار اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر ہے اگر تم اللہ کی معیت اور اس کی نصرت کے طلب گار ہو تو اس کی دو شرطیں ہیں۔ اول تو یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی دل وجان سے ایسی اطاعت کرو جس میں خیانت کا شائبہ نہ ہو اس لیے کہ خیانت اطاعت کاملہ میں مخل ہے۔ دوم یہ کہ اہل ایمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے دشمنوں اور اس کے باغیوں یعنی کافروں اور منافقوں کی مشابہت اور مماثلت سے محفوظ رکھیں جیسا کہ حدیث میں ہے، "من تشبہ بقوم فھو منھم" (جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ انہیں میں شمار ہوگا) کوئی بادشاہ اور فرماں روا یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کی وفاداری کا دعوی دار اس کے دشمنوں کا ہم رنگ اور ہم لباس اور ہم صورت بنے۔ اسی طرح دعوی تو ہو ایمان کا اور خدا اور رسول کی محبت کا اور صورت اور طرز معاشرت سارا کا سارا ہو دشمنان خدا اور رسول کا سا۔ یہ در پردہ اجتماع ضدین ہے۔ جو حکماء اور عقلاء کی نظر میں احمقانہ دعوی ہے۔

اس لیے ان آیات میں (اولاً) حق تعالیٰ نے اطاعت کاملہ کا حکم دیا اور (ثانیاً) اعداء اسلام یعنی کفار اور منافقین سے تشبہ کی ممانعت فرمائی کما قال تعالیٰ: ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا﴾۔ اور پھر اسی کے ساتھ مشبہ بہ کی مذمت میں ان کو شر الدواب فرمایا تاکہ تشبہ بالکفار کی قباحت خوب ذہن نشین ہو جائے اور (ثالثاً) ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا﴾ الخ میں یہ بتلایا کہ اطاعت خدا اور رسول حیات ابدی کا ذریعہ ہے۔ اور (رابعاً) ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ﴾ میں خیانت سے ممانعت کی اور مال اور اولاد کے فتنہ پر تنبیہ فرمائی اس لیے کہ اس سے اطاعت میں خلل پڑتا ہے اور (خامساً) ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ﴾ میں تقوی کے فوائد اور برکات کو بیان فرمایا اور یہ تمام مضامین آپس میں غایت درجہ متناسب اور متجاذب ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی معیت [1] چاہتے ہو تو تم اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور رسول کے حکم سے روگردانی نہ کرو حالانکہ تم سن رہے ہو کہ وہ ہمارے رسول ﷺ ہیں اور ان کی اطاعت ہماری اطاعت ہے اور ایمان کا مقتضی ہی اطاعت ہے اور ان لوگوں کے مشابہ نہ ہو جو زبان سے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تیرا حکم سن لیا اور دل سے نہیں سنتے یعنی منافقوں کے مانند نہ بنو جن کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ فقط سر کے کانوں سے سن لینا کافی نہیں اور یہ فقط مقتضائے ایمان کے خلاف نہیں بلکہ مقتضائے انسانیت کے بھی خلاف ہے اس لیے کہ تحقیق بد ترین حیوانات اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو حق کے سننے سے بہرے اور حق کے بولنے سے گونگے اور حق کے سمجھنے سے بے عقل ہیں نہ حق کو سنتے ہیں اور نہ حق بات منہ سے نکالتے ہیں اور نہ حق بات کے سمجھنے کی طرف عقل کو متوجہ کرتے ہیں ایسے

[1] گزشتہ آیت میں ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے۔ منہ عفا اللہ عنہ

لوگ بہائم سے بھی بدتر ہیں اس لیے کہ حیوانات تو عقل اور ادراک سے عاری ہیں انہیں کیا ہوا کہ عقل اور شعور کے ہوتے ہوئے نفس اور طبیعت کی طرف دوڑ پڑے اور اگر اللہ ان میں کوئی خیر اور بھلائی جانتا یعنی حق کی طلب اور قبول حق کی صلاحیت جانتا تو ضرور ان کو حق سنا دیتا یعنی ان کو سننے کی توفیق سے آیات قرآنی سے ہدایت حاصل کرتے اور حق کو سمجھ جاتے اور اگر بالفرض خدا تعالیٰ ان کو ایسی حالت میں سنا دے جبکہ ان میں کچھ بھی خیر نہیں اور نہ حق کی طلب ہے بلکہ بجائے خیر کے ان کے دل عناد اور حق کی نفرت سے لبریز ہیں ایسی حالت میں اگر خدا تعالیٰ ان کو سنا بھی دے تب بھی وہ روگردانی کریں گے اور اعراض کر کے الٹے پیر بھاگیں گے جن میں خیر کا کوئی مادہ ہی نہ ہو اور قبول حق کی صلاحیت اور استعداد ہی نہ ہو اور نہ حق کی طلب ہو اور نہ اس کی فکر اور تلاش ہو تو ایسے بدبخت سننے کے بعد بھی ہدایت پر نہیں آتے اور ظاہری کانوں سے سننے کے بعد بھی بے رخی برتتے ہیں کیونکہ خیر سے خالی ہونے کی وجہ سے یہ لوگ دائرہ انسانیت سے نکل کر دائرہ حیوانیت میں داخل ہو چکے ہیں۔ یہاں تک محروم اور مردود لوگوں کا حال بیان ہوا اب آئندہ آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے اہل قرب اور محبین کو متابعت رسول کی راہ سے اپنے قرب اور مشاہدہ کی دعوت دیتے ہیں لہٰذا تم کو چاہیے کہ اس کی دعوت کو قبول کرو تا کہ تم کو حیات دائمی حاصل ہو۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو تمہارا ایمان جب مکمل ہوگا کہ جب تمہارا دل زندہ ہو جائے لہٰذا اگر تم حیات روحانی اور حیات جاودانی حاصل کرنا چاہتے ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی پکار کو قبول کرو جب اللہ کا رسول روحانی زندگی بخشنے کے لیے تم کو بلائے یعنی علوم حقہ اور ایمان اور اعمال صالحہ کی طرف بلائے جس سے دنیا میں تم کو روحانی زندگی ہو اور جنت میں حیات ابدی حاصل ہو غرض یہ کہ جس دین کی طرف آپ بلاتے ہیں وہ دل کو زندہ کرنے والا ہے اور دل کی زندگی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں پھر کوئی وجہ نہیں کہ تم اس نعمت عظمیٰ سے روگردانی کرو اور ساتھ ساتھ اس بات کو جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہوتا ہے وہ مقلب القلوب ہے دلوں کو پلٹتا رہتا ہے یعنی زندگی کو غنیمت سمجھو اور استجابت رسول میں دیر نہ کرو شاید تھوڑی دیر کے بعد دل کی یہ حالت نہ رہے دل آدمی کے قبضہ میں نہیں بلکہ دل خدا کے ہاتھ میں ہے وہ اس کو الٹتا پلٹتا رہتا ہے۔ ابتداءً اللہ تعالیٰ کسی کے دل کو خیر سے نہیں روکتا اور نہ اس پر مہر کرتا ہے البتہ اگر بندہ کاہلی اور سستی اور روگردانی کرنے لگے اور حد سے گزر جائے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اس کی سزا اور پاداش میں اپنی توفیق اور ہدایت کو روک لیتا ہے یا کوئی حق پرستی کو چھوڑ کر ضد اور عناد پر اتر آئے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر کر دیتا ہے اور اس پر قفل ڈال دیتا ہے جس سے دل کے اندر خیر پہنچنے کا راستہ بند ہو جاتا ہے (ھذا توضیح مافی موضح القرآن) اور بچتے اور ڈرتے رہو اس فتنہ سے کہ جس کا وبال تم میں سے فقط ان لوگوں پر نہ پڑے گا جنہوں نے خاص کر ظلم کا ارتکاب کیا ہے بلکہ اس کا وبال عام ہوگا ظالم اور غیر ظالم سب ہی اس کی زد میں آ جائیں گے آیت میں فتنہ سے مداہنت فی الدین کا فتنہ مراد ہے کہ جب لوگ کھلم کھلا منکرات کا ارتکاب کرنے لگیں اور اہل علم باوجود قدرت کے مداہنت برتیں اور نہ ہاتھ سے اور نہ زبان سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں اور نہ دل سے اس سے نفرت کریں جو آخری درجہ ہے اور نہ ایسے لوگوں سے میل جول کو چھوڑیں تو ایسی صورت میں اگر من جانب اللہ کوئی عذاب آیا تو وہ عام ہوگا جس میں اہل معاصی اور مرتکبین منکرات کی کوئی تخصیص نہ ہوگی بلکہ وہ عذاب مداہنت کرنے والوں پر بھی واقع ہوگا کیونکہ منکرات اور معاصی اگر لوگوں میں شائع ہو جائیں تو ان کی تغییر حسب قدرت سب پر

واجب ہے اور جو باوجود قدرت کے سکوت کرے تو معلوم ہوا کہ وہ بھی دل سے راضی ہے اور راضی حکم میں عامل کے ہے بلکہ بعض اوقات رضا بالمنکر، ارتکاب منکر سے زیادہ دین کے لیے مضر ہوتی ہے اس لیے اس فتنہ پر جو عقوبت اور مصیبت نازل ہوگی وہ سب کو عام ہوگی اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے جو اس کی معصیت اور نافرمانی کو دیکھ کر باوجود قدرت کے اس پر سکوت کرے گا اور اندر سے اس کا دل رنجیدہ نہ ہوگا تو اس کو بھی عذاب پہنچے گا۔

پس اس آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ خود بھی خدا تعالیٰ و رسول ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔ اور جو اس کی نافرمانی کرے اس کو نصیحت اور فہمائش کرو۔ نہ مانیں تو کم از کم بیزاری اور نفرت کا اظہار کرو اور حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ نے آیت کا مطلب یہ لیا ہے کہ مسلمانوں کو ایسے فتنہ اور فساد اور ایسے گناہ سے بالخصوص بچنا چاہئے جس کا خراب اثر گناہ کرنے والے کی ذات سے متعدی ہو کر دوسروں تک پہنچتا ہے پہلے فرمایا تھا کہ خدا اور رسول کے حکم ماننے میں کاہلی نہ کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ دیر کرنے کی وجہ سے دل ہٹ جائے اور پھر اس کا کرنا اور مشکل ہو جائے اب تنبیہ فرماتے ہیں کہ اگر نیک لوگ کاہلی کریں تو عام لوگ بالکل چھوڑ دیں گے تو رسم بد پھیلے گی اس کا وبال سب پر پڑے گا جیسے جنگ میں دلیر سستی کریں تو نامرد بھاگ ہی جائیں پھر شکست پڑے تو دلیر بھی نہ تھام سکیں۔ آگے فرماتے ہیں کہ اپنے ضعف اور ناتوانی کی بناء پر حکم برداری میں کاہلی نہ کریں اور اس وقت کو یاد کرو کہ جب تم شمار میں بہت تھوڑے تھے اور سرزمین مکہ میں ہجرت سے پہلے تم ضعیف اور ناتواں سمجھے جاتے تھے۔ ضعف کا یہ حال تھا کہ تم ڈرتے تھے کہ کافر تم کو کہیں اچک نہ لے جائیں پس اللہ نے تم کو مدینہ میں ٹھکانہ دیا اور اپنی مدد سے تم کو قوت بخشی اور تمہارا ضعف مبدل بہ قوت ہوا اور تم کو اپنی کمزوری کی بناء پر جو یہ خدشہ لگا رہتا ہے کہ دشمنان اسلام ہم کو نوچ کھسوٹ کر نہ لے جائیں یہ خدشہ دور ہوا اور ہجرت کے بعد تم کو جہاد کا حکم ہوا اور پاکیزہ اور ستھری چیزوں سے تمہیں روزی دی اور مال غنیمت تمہارے لیے حلال کیا جو پہلی امتوں کے لیے حلال نہ تھا۔ تاکہ تم اس کی نعمتوں کا شکر مانو جتنا شکر کرو گے اسی قدر نعمتوں میں زیادتی ہوگی آگے فرماتے ہیں کہ منعم کا حق اور اس کا شکر یہ ہے کہ اس کے حق میں کوئی خیانت نہ کی جائے چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ تم خدا اور رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو اور نہ اپنی آپس کی امانتوں میں خیانت کرو اور حالانکہ تم جانتے ہو کہ امانت کی حفاظت واجب ہے اور خیانت کرنے کا بڑا وبال ہے خیانت کے لغوی معنی نقص اور کمی کے ہیں۔ پس کسی کے حقوق میں کمی کرنا خیانت ہے اسی طرح اللہ کا دین امانت ہے اللہ کی طرف اس کو ادا کر دو۔ اس کے فرائض بجا لاؤ اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود پر قائم رہو۔

یہ آیت ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی یہود بنی قریظہ نے جب حضور پرنور ﷺ سے صلح کی درخواست کی تو اس بات میں یہود نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا اور پوچھا کہ آنحضرت ﷺ ہمارے ساتھ کیا معاملہ کریں گے چونکہ ان کے مال و عیال اس گھڑی میں ان کے پاس تھے اس لیے بمقتضائے بشریت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے انگلی سے حلق کی طرف اشارہ کیا یعنی تم سب کو قتل کر ڈالیں گے۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ اشارہ کر تو گزرے مگر فوراً متنبہ ہوا کہ میں نے خدا اور رسول کے ساتھ خیانت کی واپس آ کر اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ایک ستون سے باندھ دیا اور عہد کیا کہ نہ کچھ کھاؤں گا اور نہ پیوں گا حتیٰ کہ

موت آ جائے۔ یا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول کرے۔ سات آٹھ دن یونہی بندھے رہے فاقہ سے غشی طاری ہوگئی آخر بشارت پہنچی کہ حق تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کی اس پر کہا کہ خدا کی قسم جب تک رسول اللہ ﷺ اپنے دست مبارک سے میری رسی نہ کھولیں گے اس وقت تک میں اپنے آپ کو نہ کھولوں گا۔ آپ تشریف لائے اور خود اپنے دست مبارک سے ان کو کھولا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ (تفسیر درمنثور: ۱۷۸/۳)

تحذیر از فتنۂ مال واولاد

ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ نے جو یہود کی یہ خیر خواہی کی اور خدا ورسول سے ایک قسم کی خیانت کی اس کی وجہ یہ تھی کہ ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے اہل وعیال اور ان کے اموال بنی قریظہ میں تھے ان کے بچاؤ کے لیے ایسا کیا اس لیے آئندہ آیت میں متنبہ فرماتے ہیں کہ مال اور اولاد فتنہ ہیں یعنی تمہارے لیے آزمائش ہیں یہ اموال اور اولاد تم کو اس لیے دیئے گئے ہیں کہ تم اس عطیہ کا شکر ادا کرو اور اطاعت بجالاؤ، نہ اس لیے کہ تم بمقابلۂ اسلام ان کی رعایت کرو اور اللہ اس کے رسول ﷺ سے خیانت کرو۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور خوب جان لو کہ تمہارے مال اور اولاد بڑی آزمائش ہیں عاقل کو چاہئے کہ ان چیزوں کی محبت میں پڑ کر اللہ اور اس کے رسول سے خیانت نہ کرے اور یقین رکھو کہ اللہ کے یہاں بڑا ثواب ہے جس کے سامنے یہ تمام دنیوی منافع ہیچ ہیں لہٰذا مال اور اولاد کی خاطر ثواب اور آخرت کو ہاتھ سے نہ دینا چاہئے۔

برکات تقویٰ

اے ایمان والو اگر تم اپنے ایمان کو فتنہ سے بچانا چاہتے ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو اور تقویٰ کو اپنا شعار بنا لو تو اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے درمیان ایک فیصلہ کردے گا یعنی تم کو تمہارے دشمنوں پر ایسی فتح اور غلبہ دے گا کہ پھر تمہیں کافروں کی کسی رعایت کی ضرورت ہی نہ رہے گی اور فتنہ سے تم محفوظ ہو جاؤ گے۔ مطلب یہ ہے کہ فرقان سے فتح ونصرت مراد ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ فرقان سے نور ہدایت مراد ہے یعنی تقویٰ کی برکت سے اللہ تمہارے دل میں ایک نور ڈال دیگا جس سے تم ذوقاً ووجداناً حق اور باطل میں فرق کرلیا کرو گے۔ اور اس کے علاوہ تقویٰ کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تم سے تمہاری برائیاں دور کرے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ وہم وگمان سے بڑھ کر دیتا ہے۔

شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''شاید فتح بدر میں مسلمانوں کے دل میں آیا کہ یہ فتح اتفاقی ہے، حضرت ﷺ سے مخفی کافروں پر احسان کریں کہ ہمارے گھر بار اور اہل وعیال کو مکہ میں نہ ستاویں سو پہلی آیت میں خیانت کو منع فرمایا اور دوسری آیت میں تسلی دی کہ آگے فیصلہ ہو جائے گا تمہارے گھر بار کافروں میں گرفتار نہ رہیں گے'' (موضح القرآن)

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۚ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ

اور جب فریب کرتے تھے کافر کہ تجھ کو قید کردیں یا مار ڈالیں یا نکال دیں اور وہ بھی داؤ کرتے تھے، اور اللہ بھی داؤ

اور جب فریب بنانے لگے کافر، کہ تجھ کو بٹھا دیں یا مار ڈالیں یا نکال دیں۔ اور وہ بھی فریب کرتے تھے اور اللہ بھی فریب

اللهُ ۚ وَاللهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝

کرتا تھا اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے ف۱

کرتا تھا، اور اللہ کا فریب سب سے بہتر ہے۔

ذکر انعام خاص

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا... الی... وَاللهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں عام مومنین پر انعام کا ذکر تھا اب اس آیت میں آنحضرت ﷺ پر اپنے خاص انعام کا ذکر فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں ہجرت کے وقت دشمنوں کے نرغہ سے کس طرح آپ ﷺ کو صحیح سالم نکالا چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرواے نبی ﷺ! اس وقت کو کہ جب کافر آپ کے ساتھ مکر وفریب کر رہے تھے اور آپ پر اپنا داؤ چلا رہے تھے تاکہ تجھ کو مضبوط باندھ کر قید کر لیں اور ایک گھر میں مقید کر کے اس کا دروازہ بند کر دیں اور صرف ایک روشندان کھلا رہنے دیں اس میں آپ ﷺ کے کھانے کے لیے ڈال دیا کریں یہاں تک کہ آپ کی موت آجائے یہ رائے ابوالبختری بن ہشام کی تھی یا آپ کو مختلف تلواروں سے قتل کر دیں یہ رائے ابوجہل کی تھی۔ اس نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ ہر قبیلہ میں سے ایک ایک جوان منتخب کر لیا جائے اور ہر ایک کے ہاتھ میں تلوار دے دی جائے اور سب مل کر ایک ساتھ حملہ کریں اور ایک ہی وار میں آپ ﷺ کا کام تمام کریں جب اس طرح آپ کو قتل کر دیں گے تو آپ ﷺ کا خون تمام قبائل قریش پر بٹ جائے گا اور بنی ہاشم تمام عرب سے لڑ نہیں سکیں گے۔ ناچار دیت پر راضی ہو جائیں گے اور ہم اس کی دیت دے کر چھوٹ جائیں گے یا آپ ﷺ کو مکہ سے نکال دیں یہ رائے ہشام بن عمرو کی تھی اس نے کہ میری رائے یہ ہے کہ اس شخص کو ایک اونٹ پر سوار کر کے مکہ سے نکال دو۔ جب وہ تم سے غائب ہو جائے گا تو وہ تم کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور سرداران قریش دین حق کے مٹانے کی تدبیروں اور سازشوں میں سرگرداں تھے اور طرح طرح مکر وفریب کر رہے تھے اور مخفی طور پر اللہ تعالیٰ ان کے مکر وفریب کے باطل کرنے کی تدبیریں کر رہا تھا کہ آنحضرت ﷺ کو ان کے مکر وفریب سے محفوظ رکھے اور اللہ سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ کے آگے لوگوں کے سب منصوبے خاک میں مل جاتے ہیں اس آیت

ف۱ ہجرت سے پیشتر کفار مکہ نے دارالندوہ میں جمع ہو کر مشورہ کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا کیا جائے۔ انہوں نے ساری قوم کو پریشان کر رکھا ہے اور باہر کے کچھ لوگ ان کے دام میں پھنستے جاتے ہیں کہیں رفتہ رفتہ بڑی طاقت اکٹھی نہ کر لیں جس کا مقابلہ دشوار ہو۔ اس وقت رائیں مختلف تھیں، کوئی کہتا تھا قید کیا جائے اور خوب زخمی کیے جائیں، کسی کی رائے تھی کہ انہیں وطن سے نکال دیا جائے تاکہ ہمیں ہر وقت کے خرخشہ سے نجات ملے۔ اخیر میں ابوجہل کی رائے پر فیصلہ ہوا کہ تمام قبائل عرب میں سے ایک ایک جوان منتخب ہو اور وہ سب مل کر آن واحد میں ان پر تلوار کا ہاتھ چھوڑیں تاکہ بنی ہاشم سارے عرب سے لڑائی نہ کر سکیں اور دیت دینی پڑے تو تمام قبائل پر تقسیم ہو جائے۔ یہاں تو وہ اشقیاء یہ تدبیریں گانٹھ رہے تھے، اُدھر ان کے توڑ میں خدا کی بہترین اور لطیف تدبیر تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتہ نے اطلاع کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو لٹا کر اسی مجمع کی آنکھوں میں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لیے جمع ہوا تھا خاک جھونکتے ہوئے باہر تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور حضرت علی کا بال بیکا نہ ہوا اور دشمن خائب وخاسر رہے۔ پھر جنہوں نے آپ کے قتل کا مشورہ دیا تھا بدر میں وہی قتل کیے گئے۔ اس سے بتلا دیا کہ جب خدا ساتھی ہو تو کوئی کچھ نہیں کر سکتا اور جس طرح اس نے اپنے پیغمبر کو بچا لیا، تمہارے گھر بار اور اہل وعیال کی بھی جو مکہ میں ہیں حفاظت کر سکتا ہے، دشمن اگر قوی است نگہبان قوی تر است۔

میں واقعہ ہجرت کی طرف اشارہ ہے جس کا مختصر قصہ یہ ہے کہ جب انصار مسلمان ہو گئے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کر لی تو کفار قریش کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں محمد ﷺ کی شان بڑھ نہ جائے اور آپ ﷺ کا دین سب دینوں پر غالب نہ آ جائے اس کی روک تھام اور انسداد کی تدبیر کرنے کے لیے سرداران قریش دار الندوہ میں جمع ہوئے تاکہ محمد ﷺ کے بارے میں آپس میں مشورہ کریں اور مشورہ کے بعد جو بات طے پائے اس پر عمل کریں اس مجمع کے بڑے سردار عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ اور ابوجہل اور ابوسفیان اور طعیمہ بن عدی اور نضر بن الحارث اور ابوالبختری بن ہشام اور حکیم بن حزام وغیرہم تھے۔

جب سب لوگ جمع ہو گئے تو ابلیس لعین بھی ایک مقدس شیخ کی صورت بنا کر ان میں آ موجود ہوا لوگوں نے جب اس کو دیکھا تو اس سے پوچھا کہ آپ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں اس نے کہا کہ میں نجد کا ایک شیخ ہوں میں نے تمہارے مجمع کا حال سنا تو میں بھی تمہارے پاس آ گیا تاکہ عمدہ رائے سے تمہاری خیر خواہی کروں لوگوں نے کہا کہ اچھا آیئے بیٹھئے! غرض یہ کہ وہ شیخ لعین بھی ان کے مجمع میں شامل ہو گیا۔ جب سب لوگوں سے رائے لی گئی تو ابوالبختری نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ تم محمد کو پکڑ کر مضبوط باندھ لو اور ایک گھر میں مقید کر کے اس کا دروازہ بند کر دو اور ایک روشندان کھلا رہنے دو اسی میں اس کی طرف کھانا پانی ڈال دیا کرو اور اس کے بارے میں گردش زمانہ کے منتظر رہو۔ یہاں تک کہ جس طرح اس سے پہلے اور شاعر مر گئے وہ بھی مر جائے جب ابلیس لعین نے یہ رائے سنی تو چلایا اور کہا کہ یہ تمہاری رائے غلط اور بری ہے اگر تم نے اس کو قید کر لیا تو یہ ناممکن ہے کہ اس کی خبر دروازہ سے باہر نہ نکلے جب اس کے اصحاب اس بات کو سنیں گے تو جنگ کر کے تمہارے ہاتھ سے چھڑا لیں گے یہ سن کر لوگوں نے کہا کہ شیخ نجدی سچ کہتا ہے پھر ہشام بن عمرو کھڑا ہوا اور اس نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ تم اس کو ایک اونٹ پر سوار کر کے اپنے یہاں سے نکال دو جب وہ تم سے غائب ہو جائے گا تو وہ تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور تم اس کے شر سے راحت میں ہو جاؤ گے۔ شیخ نجدی نے کہا کہ یہ رائے تو بہت نکمی ہے تم ایسے شخص کو جس نے تمہاری عقلوں پر جادو کر دیا اپنے غیروں کی طرف نکالتے ہو کیا تم نے اس کی فصاحت کلامی اور شیریں زبانی کو نہیں دیکھا اور اس بات پر نظر نہیں کی کہ اس کی باتیں لوگوں پر کیا اثر کرتی ہیں اگر تم نے ایسا کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ یہاں سے چلا جائے گا اور دوسری قوموں کو مائل کر کے ان کو تم پر چڑھا لائے گا اور پھر تم کو تمہارے شہر سے نکال دے گا۔ جب لوگوں نے اس کا یہ قول سنا تو سب نے کہا شیخ نجدی نے سچ کہا اس کے بعد ابوجہل نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ ہر قبیلہ میں سے ایک ایک آدمی لیا جائے اور سب مل کر دفعۃً اس کو قتل کر دیں تاکہ اس کا خون تمام قبیلوں میں بٹ جائے اور ظاہر ہے کہ بنی ہاشم تمام قبائل عرب سے نہیں لڑ سکتے ضرور بالضرور دیت پر راضی ہو جائیں گے اور ہم دیت دے کر چھوٹ جائیں گے۔ اس کے سوا میری اور کوئی رائے نہیں شیخ نجدی نے جب ابوجہل کی یہ رائے سنی تو خوشی کے مارے اچھل پڑا اور کہا کہ بیشک رائے تو یہی ہے جو اس جوان نے دی ہے اس سے بہتر کوئی رائے نہیں۔ غرض ابوجہل کے قول پر سب کا اتفاق ہو گیا کہ اسی شب آنحضرت ﷺ کو قتل کر دیں اور مجمع برخاست ہو گیا۔

نکتہ:...... ابوجہل کی رائے کو سن کر ابلیس لعین کو خوشی اس امر کی ہوئی کہ میرا ایک شاگرد مکر و فریب کی اس منزل پر پہنچ گیا کہ

جہاں میرا فکر نہ پہنچ سکا۔

مجمع برخاست ہونے کے بعد جبریل امین علیہ السلام نازل ہوئے اور تمام واقعہ کی آپ ﷺ کو خبر دی آنحضرت ﷺ نے اپنے بستر پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لٹادیا اور فرمایا کہ میری چادر اوڑھ کر لیٹ جاؤ تم کو کوئی تکلیف نہ ہوگی اور آپ ﷺ ﴿ اِنَّا جَعَلۡنَا فِیۡۤ اَعۡنَاقِہِمۡ اَغۡلٰلًا ... تا ... فَہُمۡ لَا یُبۡصِرُوۡنَ ﴾ پڑھتے ہوئے گھر سے نکلے اور ایک مٹھی خاک اٹھا کر ان کے سروں پر پھینک دی اللہ تعالیٰ نے ان کو اندھا کر دیا اور وہ آپ کو نہ دیکھ سکے آپ ﷺ سیدھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر گئے اور پھر ان کو ساتھ لے کر غار ثور میں جا چھپے۔

مشرکین تمام رات علی رضی اللہ عنہ کی رکھوالی کرتے رہے اور ان کو یہ سمجھتے رہے کہ یہ محمد ﷺ ہے جب صبح ہوئی تو قتل کے ارادہ سے گھر میں گھس گئے جب انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور آپ ﷺ کو نہ دیکھا تو سخت متحیر ہوئے اور علی رضی اللہ عنہ سے بولے کہ تمہارا رفیق کہاں گیا؟ علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا مجھے معلوم نہیں۔

غرض یہ کہ حق تعالیٰ نے اس طرح سے آنحضرت ﷺ کو دشمنوں سے بچایا اور دشمن خائب و خاسر واپس ہوئے پھر جنہوں نے آپ ﷺ کے قتل کا مشورہ دیا تھا غزوہ بدر میں وہی قتل کیے گئے۔ ابوجہل جس نے قتل کا مشورہ دیا تھا وہ بھی بدر کے دن مارا گیا۔ لعنۃ اللہ علیہ۔

اب ان آیات میں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو بتلایا کہ جب خدا ساتھی ہو تو کوئی کچھ نہیں کر سکتا پس جس طرح خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو مکہ میں دشمنوں سے بچایا اسی طرح وہ تمہارے اہل و عیال کی بھی مکہ میں حفاظت کر سکتا ہے۔

وَاِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتُنَا قَالُوۡا قَدۡ سَمِعۡنَا لَوۡ نَشَآءُ لَقُلۡنَا مِثۡلَ ہٰذَاۤ ۙ اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّاۤ

اور جب کوئی پڑھے ان پر ہماری آیتیں تو کہیں ہم سن چکے اگر ہم چاہیں تو ہم بھی کہہ لیں ایسا یہ تو کچھ بھی نہیں مگر

اور جب کوئی پڑھے ان پر ہماری آیتیں، کہیں ہم سن چکے، ہم چاہیں تو کہہ لیں ایسا، یہ کچھ نہیں مگر

اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذۡ قَالُوا اللّٰہُمَّ اِنۡ کَانَ ہٰذَا ہُوَ الۡحَقَّ مِنۡ عِنۡدِکَ فَاَمۡطِرۡ

احوال ہیں اگلوں کے ف۱ اور جب وہ کہنے لگے کہ یا اللہ اگر یہی دین حق ہے تیری طرف سے تو ہم پر برسادے

احوال ہیں پہلوں کے۔ اور جب کہنے لگے، کہ یا اللہ! اگر یہی دین حق ہے تیرے پاس سے، تو ہم پر برسا

عَلَیۡنَا حِجَارَۃً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَہُمۡ وَاَنۡتَ

پتھر آسمان سے یا لا ہم پر کوئی عذاب دردناک ف۲ اور اللہ ہرگز نہ عذاب کرتا ان پر جب تک تو رہتا

پتھر آسمان سے، یا لا ہم پر دکھ کی مار۔ اور اللہ ہرگز نہ عذاب کرتا ان کو، جب تک تو تھا

ف۱ نضر بن الحارث کہا کرتا تھا کہ ہم چاہیں تو قرآن جیسا کلام بنالائیں اس میں قصے کہانیوں کے سوا کیا رکھا ہے۔ مگر قرآن تو سب جھگڑوں کا فیصلہ اسی بات پر رکھتا تھا۔ پھر چاہا کیوں نہیں؟ کسی نے کہا تھا کہ میرا گھوڑا اگر چلے تو ایک دن میں لندن پہنچے مگر چلتا نہیں۔ بہرحال پچھلی قوموں کے احوال سن کر کہا کرتے تھے کہ سب قصے کہانیاں ہیں۔ اب بدر میں دیکھ لیا کہ محض افسانے نہ تھے، وعدہ عذاب تم پر بھی آیا جیسا پہلوں پر آیا تھا۔

ف۲ اس آیت میں مشرکین مکہ کے انتہائی جہل اور شقاوت و عناد کا اظہار ہے یعنی وہ کہتے تھے کہ خداوندا اگر واقعی یہی دین حق ہے جس کی ہم اتنی دیر اور اس =

فِيهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿٣٣﴾ وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ

ان میں ف۱ اور اللہ ہرگز نہ عذاب کرے گا ان پر جب تک وہ معافی مانگتے رہیں گے ف۲ اور ان میں کیا بات ہے کہ عذاب نہ کرے ان پر اللہ اور وہ

ان میں، اور اللہ نہ عذاب کریگا ان کو، جب تک بخشواتے رہیں۔ اور ان میں کیا ہے، کہ عذاب نہ کرے ان کو اللہ ؟ اور وہ

يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَهُ ۚ إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ وَلَٰكِنَّ

تو روکتے ہیں مسجد حرام سے اور وہ اس کے اختیار والے نہیں اس کے اختیار والے تو وہی ہیں جو پرہیزگار ہیں لیکن

روکتے ہیں مسجد حرام سے، اور اس کے اختیار والے نہیں۔ اس کے اختیار والے وہی ہیں جو پرہیزگار ہیں، لیکن

أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٤﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۚ فَذُوقُوا

ان میں اکثروں کو اس کی خبر نہیں ف۳ اور ان کی نماز نہیں تھی کعبہ کے پاس مگر سیٹیاں بجانی اور تالیاں سو چکھو

وہ اکثر خبر نہیں رکھتے۔ اور ان کی نماز کچھ نہ تھی، کعبہ کے پاس، مگر سیٹیاں بجانی اور تالیاں۔ سو چکھو

= قد رشد و مد سے تکذیب کر رہے ہیں تو پھر دیر کیوں ہے؟ گزشتہ اقوام کی طرح ہم پر بھی پتھروں کا مینہ کیوں نہیں برسا دیا جاتا۔ یا اسی طرح کے کسی دوسرے عذاب میں مبتلا کر کے ہمارا استیصال کیوں نہیں کر دیا جاتا؟ کہتے ہیں کہ یہ دعاء ابوجہل نے مکہ سے نکلتے وقت کعبہ کے سامنے کی۔ آخر جو کچھ مانگا تھا اس کا ایک نمونہ بدر میں دیکھ لیا۔ وہ خود مع ٦٩ سرداروں کے کمزور اور بے سروسامان مسلمانوں کے ہاتھوں سے مارا گیا۔ ستر سردار اسیری کی ذلت میں گرفتار ہوئے۔ اس طرح خدا نے ان کی جڑ کاٹ دی۔ بیشک قوم لوط کی طرح ان پر آسمان سے پتھر نہیں برسے لیکن ایک مٹھی سنگ ریزے جو خدا تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے پھینکے تھے وہ آسمانی سنگ باری کا چھوٹا سا نمونہ تھا۔ ﴿فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ ۚ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ﴾۔

ف۱ سنت اللہ یہ ہے کہ جب کسی قوم پر تکذیب انبیاء کی وجہ سے عذاب نازل کرتے ہیں تو اپنے پیغمبر کو ان سے علیحدہ کر لیتے ہیں خدا نے جب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے علیحدہ کر لیا تب مکہ والے بدر کے عذاب میں پکڑے گئے۔

ف۲ نزول عذاب سے دو چیزیں مانع ہیں ایک ان کے درمیان پیغمبر کا موجود رہنا۔ دوسرے استغفار۔ یعنی مکہ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم سے عذاب اٹک رہا تھا۔ اب ان پر عذاب آیا۔ اسی طرح جب تک گنہگار نادم رہے اور توبہ کرتا رہے تو پکڑا نہیں جاتا اگرچہ بڑے سے بڑا گناہ ہو۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گنہگاروں کی پناہ دو چیزیں ہیں۔ ایک میرا وجود، اور دوسرے استغفار، کذافی الموضح

(تنبیہ) وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ کے جو معنی مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے کئے، بعض مفسرین کے موافق ہیں، لیکن اکثر کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین جس قسم کا خارق عادت عذاب طلب کر رہے تھے جو قوم کی قوم کا دفعۃً استیصال کر دے ان پر ایسا عذاب بھیجنے سے دو چیزیں مانع ہیں ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود، باوجود کہ اس کی برکت سے اس امت پر "خواہ" امت دعوت" ہی کیوں نہ ہو ایسا خارق عادت مستاصل عذاب نہیں آتا۔ یوں کسی وقت افراد و آحاد پر آجائے وہ اس کے منافی نہیں۔ دوسرے استغفار کرنے والوں کی موجودگی خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم جیسا کہ منقول ہے کہ مشرکین مکہ بھی تلبیہ و طواف وغیرہ میں "غفرانك، غفرانك" کہا کرتے تھے۔ باقی غیر خارق معمولی عذاب (مثلاً قحط یا وباء یا قتل کثیر وغیرہ) اس کا نزول پیغمبر یا بعض مستغفرین کی موجودگی میں بھی ممکن ہے آخر جب وہ لوگ شرارتیں کریں گے تو خدا کی طرف سے تنبیہ کیوں نہ کی جائے گی۔ آگے اسی کو بیان فرمایا ہے۔

ف۳ یعنی عذاب کا نہ آنا ان دو سبب سے ہے جو اوپر مذکور ہوئے، ورنہ تمہاری شرارتیں اور ظلم و شقاوت تو ایسی چیزیں ہیں کہ فوراً عذاب آجانا چاہیے۔ اس سے زیادہ ظلم کیا ہوگا کہ موحدین کو حرم شریف میں آنے یا عبادت کرنے سے طرح طرح کے حیلے تراش کر روکا جائے بلکہ ان کے وطن (مکہ معظمہ) سے نکال کر ہمیشہ کے لیے کوشش کی جائے کہ یہ خدا کے پاکباز اور عبادت گزار بندے یہاں نہ آنے پائیں اور ستم ظریفی یہ ہے کہ اس ظلم کے جواز کے لیے یہ سند پیش کی جاتی ہے کہ ہم حرم شریف کے متولی با اختیار ہیں جس کو چاہیں آنے دیں جسے چاہیں روک دیں، یہ ہمارا حق ہے۔ حالانکہ اول تو یہ حق متولی کو بھی نہیں کہ مسجد میں لوگوں کو نماز و عبادت سے روکے۔ دوسرے حق تولیت ان کو پہنچتا بھی نہیں۔ حرم شریف کے متولی صرف متقی اور پرہیزگار بندے ہو سکتے ہیں مشرک اور بدمعاش اس =

الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ

عذاب بدلہ اپنے کفر کا ف۱ بیشک جو لوگ کافر ہیں وہ خرچ کرتے ہیں اپنے مال تاکہ روکیں

عذاب، بدلہ اپنے کفر کا۔ جو لوگ کافر ہیں، خرچ کرتے ہیں اپنے مال، کہ روکیں

سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ

اللہ کی راہ سے ف۲ سو ابھی اور خرچ کریں گے پھر آخر ہوگا وہ ان پر افسوس اور آخر مغلوب ہوں گے اور جو

اللہ کی راہ سے۔ سو ابھی اور خرچ کریں گے، پھر آخر ہوگا ان پر پچھتاوا، پھر آخر مغلوب ہوں گے۔ اور جو

كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ

کافر ہیں وہ دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے ف۳ تاکہ جدا کر دے اللہ ناپاک کو پاک سے اور رکھے ناپاک کو

کافر رہیں گے، دوزخ کو ہانکے جائیں گے۔ تا جدا کرے اللہ ناپاک کو پاک سے، اور رکھے ناپاک کو

بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ ع ۱۸

ایک کو ایک پر پھر اس کو ڈھیر کر دے اکٹھا، پھر ڈال دے اس کو دوزخ میں ف۴ وہی لوگ ہیں نقصان میں ف۵

ایک پر ایک، پھر اس کو ڈھیر کرے سارا، پھر ڈالے اس کو دوزخ میں۔ وہی لوگ ہیں نقصان پانے والے۔

تفصیل مکائد کفار در ابطال دین پروردگار

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا ... الی ... اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیت میں ذات نبوی کے متعلق کفار کے کید اور مکر کا حال بیان فرمایا اب آئندہ آیات میں دین محمدی کے

= کے حقدار نہیں ہو سکتے۔ لیکن ان میں اکثر اپنی جہالت سے یوں سمجھ رہے ہیں کہ ہم اولاد ابراہیم ہیں اور فلاں قبیلہ سے ہیں تولیت کعبہ ہمارا موروثی حق ہے۔ جس کے لیے کوئی خاص شرط وقید نہیں۔ سو بتلا دیا کہ اولاد ابراہیم میں جو پرہیزگار ہو اسی کا حق ہے۔ ایسے بے انصافوں کا حق نہیں کہ جس سے وہ آپ ناخوش ہوئے نہ آنے دیا۔

ف۱ یعنی حقیقی نمازیوں کو مسجد سے روکتے ہیں اور خود ان کی نماز کیا ہے؟ کعبہ کا برہنہ ہو کر طواف کرنا اور ذکر اللہ کی جگہ سیٹیاں اور تالیاں بجانا جیسے آج بھی بہت سی قومیں گھنٹیاں اور ناقوس بجانے کو بڑی عبادت سمجھتی ہیں غرض نہ خدا کی عبادت کرتے ہیں نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہیں ان بے معنی اور لغو باتوں کو عبادت قرار دے رکھا ہے۔ بعض نے کہا کہ سیٹیاں اور تالیاں بجانا مسلمانوں کی عبادت میں خلل ڈالنے کے لیے ہوتا تھا یا از راہ استہزاء وتمسخر ایسا کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔

ف۲ بدر میں بارہ سرداروں نے ایک ایک دن اپنے ذمہ لیا تھا کہ ہر روز ایک شخص لشکر کو کھانا کھلائے گا۔ چنانچہ دس اونٹ روزانہ کسی ایک کی طرف سے ذبح کیے جاتے تھے۔ پھر جب شکست ہوگئی تو ہزیمت خوردہ مجمع نے مکہ پہنچ کر ابوسفیان وغیرہ سے کہا کہ جو مال تجارتی قافلہ لایا ہے، وہ سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے انتقام لینے میں صرف کیا جائے چنانچہ سب اس پر راضی ہو گئے۔ اسی طرح کے خرچ کرنے کا یہاں ذکر ہے۔

ف۳ جب دنیا میں مغلوب ومقہور اور آخرت میں معذب ہوں گے تب افسوس وحسرت سے ہاتھ کاٹیں گے کہ مال بھی گیا اور کامیابی بھی نہ ہوئی۔ چنانچہ اول بدر میں پھر احد وغیرہ میں سب مالی اور جسمی طاقتیں خرچ کر دیکھیں کچھ نہ کر سکے آخر ہلاک یا رسوا ہوئے یا نادم ہو کر کفر سے توبہ کی۔

ف۴ موضح القرآن میں ہے کہ آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ اسلام کو غالب کرے گا اس درمیان میں کافر اپنا جان ومال کا زور خرچ کر لیں گے۔ تاکہ نیک وبد جدا ہو جاوے۔ یعنی جن کی قسمت میں اسلام لکھا ہے وہ سب مسلمان ہو چکیں اور جن کو کفر پر مرنا ہے وہی اکٹھے دوزخ میں جائیں۔

ف۵ یعنی دنیوی واخروی دونوں قسم کا نقصان اور خسارہ اٹھایا۔

بارے میں کفار کے کید ومکر کی قدرے تفصیل فرماتے ہیں کہ وہ دین اسلام کے مٹانے کے لیے کیا کیا حیلے اور بہانے تراشتے تھے اور کس طرح جان ومال سے اسلام کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔

ربط دیگر:...... کہ گزشتہ آیات میں کفار کی عداوت اور دشمنی کا ذکر تھا اب ان آیات میں کفار قریش کے تمرد اور عناد اور ان کے متکبرانہ دعاوی اور احمقانہ عادتوں کا بیان ہے ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾ تک یہی مضمون چلا گیا ہے جس سے مقصود ان کی مذمت وشناعت اور ان کے استحقاق عقوبت کو بیان کرنا ہے۔ یعنی یہ لوگ اپنے تمرد اور عناد اور عادات شنیعہ کی بناء پر اس قابل ہیں کہ ان کو سخت عذاب دیا جائے چنانچہ فرماتے ہیں اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو از راہ تکبر یہ کہتے ہیں کہ ہاں ہم نے سن لیا۔ ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا ہی قرآن کہہ سکتے ہیں۔ یہ قرآن ہے ہی کیا چیز صرف اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں یہ آیت نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی جو ملک فارس اور حیرہ سے رستم اور اسفند یار کی داستانیں سن آیا تھا جہاں بیٹھتا وہاں لوگوں کو یہ قصے سنایا کرتا اور یہ کہتا کہ جیسے قصے تم کو محمد ﷺ سناتا ہے ویسے قصے میں تم کو سناتا ہوں اس کا کلام ہے ہی کیا اگر میں چاہوں تو میں بھی ویسا ہی کلام بنالوں مگر اس کا یہ کہنا صریح حق کو جھٹلانا تھا۔ کہاں رستم واسفند یار کے قصے اور کہاں یہ قرآن پاک۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ رستم اور اسفند یار کے قصے جھوٹ اور مبالغے سے پر ہیں اور قرآن پاک کا حرف حرف صداقت اور واقعیت اور موعظت وحکمت پر مبنی ہے پھر اس پر قرآن کی وہ فصاحت وبلاغت جس نے تمام عرب وعجم کو عاجز کر دیا اس کے علاوہ ہے پھر یہ کہ جب قرآن بانگ دہل یہ اعلان کر رہا ہے کہ جس کو قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں شک اور شبہ ہے تو اس کے مثل لے آئے تو نضر بن حارث کو کسی نے منع کر دیا کہ وہ قرآن جیسا کلام نہ بنالائے جب اس کا دعویٰ یہ تھا کہ ﴿لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ﴾ اگر ہم چاہیں تو قرآن جیسا ہم بھی کہہ لیں تو سوال یہ ہے کہ پھر آپ نے چاہا کیوں نہیں۔ کسی نے کہا تھا کہ اگر میرا گھوڑا چلے تو ایک دن میں لندن پہنچے مگر وہ چلتا نہیں یہ متکبرین اور معاندین حروف سے تو قرآن کا مقابلہ نہ کر سکے البتہ سیوف (تلواروں) سے مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے اور ان کے تمرد اور عناد کی ایک بات اور سنو جبکہ اس بات کے جواب میں انہوں نے یہ کہا کہ اے اللہ اگر یہ قرآن یا یہ دین صحیح اور درست ہے تیری ہی طرف سے اتارا گیا ہے تو ہم تو جب بھی اس قرآن کو نہیں مانیں گے تو تو عذاب میں دیر مت کر ہم پر آسمان سے پتھر برسا جس طرح تو نے اصحاب فیل پر برسائے تھے یا اور کسی طرح کا ہم پر دردناک عذاب لا یہ قول بھی نضر ہی نے کہا تھا جس سے مقصود قرآن کے باطل ہونے پر اپنے یقین کا ظاہر کرنا تھا اور اسی نضر کے بارے میں قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی۔ ﴿سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ﴾ اور دوسری جگہ یہ ہے، ﴿وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ۭ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ ﴿وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ﴾ ﴿فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ عطاء کہتے ہیں کہ قرآن میں نضر کے بارے میں کچھ اوپر دس آیتیں نازل ہوئیں سو خدا تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کی اور بدر کے دن گرفتار ہوا۔ اور آنحضرت ﷺ نے صبراً (بھوکا پیاسا) رکھ کر اس کی گردن مارنے کا حکم دیا اور نضر کی طرح ابو جہل نے بھی اسی طرح کہا تھا وہ بھی بدر کے دن ذلت اور رسوائی کے ساتھ مارا گیا اور کنوئیں میں ڈال دیا گیا امم سابقہ کے جاہلوں نے بھی یہی کہا تھا۔ ﴿فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ

كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ اسی طرح عرب کے متمردوں اور سرکشوں نے یہ کہا کہ اے اللہ اگر یہ دین حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا اور کوئی عذاب نازل کر اور یہ دعا ہی ان کی عناد اور جہالت اور حماقت کی دلیل ہے اگر ذرا بھی عقل ہوتی تو یہ دعا کرتے اللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فاهدنا له وافقنا لاتباعه۔ (یعنی اے اللہ اگر یہ دین حق ہے اور تیرے پاس آیا ہے تو ہم کو ہدایت دے اور اس کے اتباع اور پیروی کی توفیق دے۔)

حماقت بالائے حماقت

اول تو اپنی حماقت سے یہ احمقانہ دعا مانگی پھر جب خدا کی کسی حکمت اور مصلحت سے عذاب نازل نہ ہوا تو اپنی اس احمقانہ دعا سے اپنی حقانیت پر ناز کرنے لگے اور یہ نہ سمجھا کہ سنت الٰہی یہ ہے کہ جب تک پیغمبر قوم کے اندر موجود رہتا ہے اس وقت تک قوم پر عذاب نازل نہیں ہوتا۔ خاص کر جب کہ آپ رحمۃ للعالمین ان میں موجود ہیں سوائے نبی! اللہ ایسا نہیں کہ ان کو عذاب دیتا در آنحالیکہ آپ ان کے درمیان موجود ہوں ان کے درمیان آپ ﷺ کا نفس وجود ان پر عذاب نازل ہونے سے مانع ہے اور نیز نزول عذاب سے ایک مانع اور بھی ہے کہ وہ استغفار بھی کرتے رہتے ہیں اور اللہ ایسی حالت میں عذاب نہیں دیتے کہ جب وہ استغفار بھی کرتے ہوں مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ بوجہ کفر اور تمرد اور عناد اس کے مستحق ہیں کہ ان پر عذاب مذکور نازل کیا جائے لیکن عذاب نازل کرنے سے دو چیزیں مانع ہیں ایک تو نبی اکرم ﷺ کا ان کے درمیان تشریف فرما ہونا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ اس قوم پر عذاب نازل کرے جس میں نبی موجود ہو کیونکہ یہ امر نبی کے اعزاز واکرام کے منافی ہے پہلی امتوں پر جو عذاب نازل ہوا تھا وہ بھی اسی وقت ہوا تھا کہ جب انہوں نے اپنے نبی کو درمیان سے نکال دیا تھا اور دوسری چیز جو نزول عذاب سے مانع ہے وہ ان کی استغفار ہے اور عذاب سے امن اور سلامتی کا باعث ہے مشرکین طواف وغیرہ کی حالت میں غفرانك غفرانك کہا کرتے پس جبکہ کافر کی استغفار دنیا میں نزول عذاب سے مانع ہو سکتی ہے تو مسلمان کی استغفار بدرجہ اولی نزول عذاب سے مانع ہو سکتی ہے۔ ترمذی میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لیے دو امانیں اتاری ہیں ایک میرا وجود اور دوسرے استغفار جب میں ان میں سے اٹھ جاؤں گا تو استغفار ان کے لیے قیامت تک چھوڑ جاؤں گا اور متمردین اور معاندین پر اگرچہ آپ ﷺ کے وجود باوجود کی وجہ سے اور استغفار کی وجہ سے فی الحال دنیا میں عذاب نازل نہیں ہوا لیکن مستحق عذاب کے ضرور ہیں کیونکہ عذاب کے اسباب اور مقتضیات سب ان میں موجود ہیں اس لیے کہ کیا وجہ ہے کہ اللہ ان کو عذاب نہ دے حالانکہ وہ اس کے مستحق ہیں اس لیے کہ وہ اہل ایمان کو مسجد حرام کی زیارت سے اور طواف سے روکتے ہیں اور دعوی یہ کرتے ہیں کہ ہم مسجد حرام کے متولی ہیں اور وہ اس لائق نہیں کہ مسجد حرام کے متولی بنیں یہ کفار نابکار مسجد کے متولی بننے کے لائق نہیں۔ مسجد حرام کی تولیت کے لائق اور سزاوار صرف پرہیزگار لوگ ہیں جو شرک اور معصیت سے پرہیز کرتے ہیں ولیکن ان میں سے اکثر جانتے نہیں کہ تولیت ان کا حق نہیں۔ شاہ عبد القادر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قریش اپنے آپ کو اولادِ ابراہیم علیہ السلام سمجھ کر خانہ کعبہ کا مختار ٹھہراتے تھے اور مسلمانوں کو آنے نہ دیتے تھے سو اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ اولاد ابراہیم میں سے جو پرہیزگار ہو تولیت اسی کا حق ہے اور ایسے

بے انصافوں کا حق نہیں کہ جس سے وہ ناخوش ہوئے اسے نہ آنے دیا۔ (کذا فی موضح القرآن بایضاح) اور مسجد کی تولیت کا حق اس شخص کو ہے کہ جو مسجد کا حق ادا کرے اور اس میں صحیح طریقہ سے نماز پڑھے اور ان لوگوں کی نماز تو خانہ کعبہ کے پاس سوائے سیٹیاں بجانے کے اور تالیاں بجانے کے کچھ بھی نہیں ایسے لوگ خانہ کعبہ کے متولی کیسے ہو سکتے ہیں ایسے لوگ تو عذاب کے مستحق ہیں پس اے مدعیان تولیت تم اپنے کفر کے بدلہ میں عذاب کا مزہ چکھو دنیا میں قتل اور قید اور آخرت میں عذاب جہنم مطلب یہ ہے کہ قریش کا یہ دعویٰ کہ ہم مسجد حرام کی تولیت کے مستحق ہیں بالکل غلط ہے جو شخص خانہ کعبہ کا برہنہ طواف کرے اور بجائے ذکر اللہ کے سیٹیاں اور تالیاں بجائے اس شخص نے مسجد حرام کا احترام نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ تمسخر اور استہزاء کیا اور یہ صریح کفر ہونے کے علاوہ صریح جہالت اور حماقت بھی ہے۔ آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ جس طرح ان کی یہ نماز کفر ہے اسی طرح ان کے صدقات اور خیرات بھی کفر ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جو لوگ کافر ہیں وہ اپنے مالوں کو اس لیے خرچ کرتے ہیں۔ کہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکیں یعنی کفر کی اشاعت اور اسلام کی عداوت میں مال خرچ کرتے ہیں۔ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت بدنی کا ذکر فرمایا تھا۔ اس آیت میں ان کی عبادت مالی کا ذکر فرمایا جیسا کہ جنگ بدر میں بارہ سرداروں نے ایک ایک دن لشکر کو کھانا کھلانا اپنے ذمہ لیا تھا روزانہ ایک شخص کی طرف سے دس اونٹ ذبح کیے جاتے اور بعض کا قول یہ ہے کہ یہ آیت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے جس نے جنگ احد میں رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ کے لیے دو ہزار آدمی جمع کیے اور ان کے لیے سامان حرب اور رسد مہیا کرنے میں مال کثیر صرف کیا اور جنگ بدر کے موقع پر ابو سفیان جو تجارتی قافلہ بچا کر نکال لے گیا تھا۔ اس مال کا نفع پچاس ہزار مثقال سونا تھا وہ بھی اس لشکر پر خرچ کیا۔ اس بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی بہر تقدیر یہ آیت عام ہے اگرچہ سبب نزول خاص ہو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ خبر دی ہے کہ یہ لوگ دین اسلام سے روکنے کے لیے اپنا مال خرچ کرتے ہیں سو آئندہ بھی یہ لوگ اسی طرح خرچ کرتے رہیں گے پھر نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ سارا خرچ ان پر حسرت اور افسوس ہوگا۔ کہ مال تو سارا خرچ ہو گیا اور مقصود حاصل نہ ہوا پھر آخر مسلمانوں کے مقابلہ میں مغلوب ہوں گے مطلب یہ ہے کہ کفار دین اسلام سے روکنے کے لیے کتنا ہی مال خرچ کر ڈالیں مگر نتیجہ یہی ہوگا کہ مسلمانوں کے مقابلے میں ہاریں گے اور ان مالوں کے ضائع ہونے پر حسرت اور افسوس کریں گے جیسا کہ فتح مکہ کے دن اس کا ظہور ہوا کہ سارا جزیرۃ العرب مغلوب اور مقہور ہوا اور آٹھ سال میں جو اسلام کی دشمنی میں خرچ کیا تھا وہ ضائع اور بے کار گیا۔ یہ تو دنیا میں ہوا اور قیامت کو جو ندامت اور حسرت ہوگی وہ اس کے علاوہ ہے جس کا بیان آئندہ آیت میں ہے اور ان خرچ کرنے والوں میں سے جو لوگ اخیر دم تک کفر پر قائم رہے وہ جہنم کی طرف ہنکائے جائیں گے اس جگہ حق تعالیٰ نے بجائے ضمیر لانے کے اسم ظاہر یعنی ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوٓا﴾ کا لفظ اس لیے استعمال فرمایا کہ وہ خرچ کرنے والے سب دوزخی نہ تھے کیونکہ بعض ان میں سے اللہ کے علم میں اسلام لانے والے تھے۔ اور قیامت کے دن ان کافروں کو دوزخ کی طرف اس لیے ہنکایا جائے گا تا کہ اللہ ناپاک کو پاک سے جدا کر دے۔ یعنی اہل شقاوت کو اہل سعادت سے الگ کر دے کہ ناپاکوں کو دوزخ کی طرف ہنکائے اور پاکوں کو بہشت میں داخل کرے اور پھر ان ناپاکوں کو ایک دوسرے پر چڑھا کر اور تو دہ اور ڈھیر

بنا کر جہنم میں یک بارگی دھکا دے دے اس طرح کافروں کے سرداراوران کے پیرو ایک دوسرے کے سر پر پیر رکھے ہوئے بلا امتیاز یک بارگی ذلت اور خواری کے ساتھ جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے دیکھ لو ایسے ہی لوگ آخرت میں گھاٹا اٹھانے والے ہیں جس کی کوئی تلافی نہیں البتہ اگر مرنے سے پہلے اس دار دنیا میں اپنے خسارہ کی تلافی کرنا چاہیں تو اپنے کفر سے باز آجائیں۔ آئندہ آیت میں اسی تلافی کا ذکر ہے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ

تو کہہ دے کافروں کو کہ اگر وہ باز آجائیں تو معاف ہو ان کو جو کچھ ہو چکا ف۱ اور اگر پھر بھی وہی کریں گے تو پڑ چکی ہے

تو کہہ دے کافروں کو اگر باز آویں تو معاف ہو ان کو جو ہو چکا۔ اور اگر پھر وہی کریں گے، تو پڑ چکی ہے

سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ۞ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ

راہ اگلوں کی ف۲ اور لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے فساد ف۳ اور ہو جائے حکم سب اللہ کا ف۴ پھر اگر

راہ اگلوں کی۔ اور لڑتے رہو ان سے جب تک نہ رہے فساد، اور ہو جاوے حکم اللہ کا۔ پھر اگر

انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۞ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ

وہ باز آجائیں تو اللہ ان کے کام کو دیکھتا ہے ف۵ اور اگر وہ نہ مانیں تو جان لو کہ اللہ تمہارا حمایتی ہے کیا خوب حمایتی ہے اور کیا

وہ باز آویں تو اللہ ان کے کام دیکھتا ہے۔ اور اگر وہ نہ مانیں تو جان لو کہ اللہ ہے حمایتی تمہارا، کیا

ف۱ یعنی اگر اب بھی کفر و طغیان اور عداوت اسلام سے باز آجائیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حلقہ بگوشی اختیار کرلیں تو پہلے حالت کفر میں جو گناہ کر چکے، وہ سب معاف کر دیئے جائیں گے۔ اَلْاِسْلَامُ یَھْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَہٗ (حقوق العباد معاف نہ ہوں گے، ان کا مسئلہ علیحدہ ہے)

ف۲ یعنی جس طرح اگلے لوگ پیغمبروں کی تکذیب و عداوت سے تباہ ہوئے، ان پر بھی تباہی آئے گی یا یہ مطلب ہے کہ جیسے بدر میں ان کے بھائی بندوں کو سزا دی گئی انہیں بھی سزا دی جائے گی۔

ف۳ یعنی کافروں کا زور نہ رہے کہ ایمان سے روک سکیں یا مذہب حق کو موت کی دھمکی دے سکیں۔ جیسا کہ تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی کفار کو غلبہ ہوا، مسلمانوں کا ایمان اور مذہب خطرہ میں پڑ گیا۔ اسپین کی مثال دنیا کے سامنے ہے کہ کس طرح قوت اور موقع ہاتھ آنے پر مسلمانوں کو تباہ کیا گیا یا مرتد بنایا گیا۔ بہر حال جہاد و قتال کا اولین مقصد یہ ہے کہ اہل اسلام مامون و مطمئن ہو کر خدا کی عبادت کر سکیں اور دولت ایمان و توحید، کفار کے ہاتھوں سے محفوظ ہو (چنانچہ فتنہ کی یہی تفسیر ابن عمر وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے کتب حدیث میں منقول ہے)

ف۴ یہ "جہاد" کا آخری مقصد ہے کہ کفر کی شوکت نہ رہے۔ حکم اکیلے خدا کا چلے۔ دین حق سب ادیان پر غالب آجائے۔ ﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ خواہ دوسرے باطل ادیان کی موجودگی میں جیسے خلفائے راشدین وغیرہم کے عہد میں ہوا، یا سب باطل مذاہب کو ختم کر کے، جیسے نزول مسیح کے وقت ہو گا۔ بہر حال یہ آیت اس کی واضح دلیل ہے کہ جہاد و قتال خواہ ہجومی ہو یا دفاعی، مسلمانوں کے حق میں اس وقت تک برابر مشروع ہے جب تک یہ دونوں مقصد حاصل نہ ہو جائیں۔ اسی لیے حدیث میں آگیا۔ اَلْجِهَادُ مَاضٍ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (جہاد کے احکام و شرائط وغیرہ کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کی جائے)

ف۵ یعنی جو ظاہر میں اپنی شرارت اور کفر سے باز آجائیں، ان سے قتال نہیں۔ ان کے دلوں کا حال اور مستقبل کی کیفیات کو خدا کے سپرد کیا جائے گا۔ جیسا کام وہ کریں گے خدا کی آنکھ سے غائب ہو کر نہیں کر سکتے۔ مسلمان صرف ظاہر حال کے موافق عمل کرنے کے مکلف ہیں وفی الحدیث: اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَاِذَا قَالُوْهَا عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَآءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ۔

الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

خوب مددگار ہے ف ۱

خوب حمایتی ہے اور کیا خوب مددگار۔

احکام متعلقہ بقبول اسلام وعدم قبول اسلام

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا... الى... وَنِعْمَ النَّصِيْرُ﴾

ربط:...... گزشتہ آیت میں کفار کے خسران اور نقصان کا بیان تھا اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ خسارہ اور نقصان سے نکلنے کا راستہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اپنے کفر اور عناد اور عداوت سے باز آجائیں اور اسلام میں داخل ہو جائیں تو گزشتہ کے تمام کفریات بخش دیئے جائیں گے۔

ربط دیگر:...... کہ گزشتہ آیات میں کفار کے اقوال کفریہ اور اعمال کفریہ کا بیان تھا اب ان آیات بینات کے سننے کے بعد کفار کی دو حالتیں ہیں یا تو اسلام قبول کریں گے یا اپنے کفر اور عناد پر قائم رہیں گے۔ آئندہ آیات میں ان دو حالتوں کے متعلق احکام بیان فرماتے ہیں اے نبی ﷺ آپ ان کافروں سے جو اسلام کی عداوت پر تلے ہوئے ہیں یہ کہہ دیجئے کہ اگر یہ لوگ اپنے کفر وعداوت سے باز آجائیں سو جو پہلے ہو چکا ہے وہ معاف کر دیا جائے گا یعنی اسلام قبول کرنے سے کفر کی حالت میں خدا کے جو گناہ کیے ہیں وہ سب معاف ہو جائیں گے اللہ اپنے حقوق کو معاف کر دے گا۔ حقوق العباد معاف نہ ہونگے۔ ان کا مسئلہ علیحدہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ الاسلام یھدم ما کان قبلہ۔ یعنی اسلام سے پہلے کیے ہوئے گناہ اسلام لانے سے مٹ جاتے ہیں اور اگر پھر وہی کریں جو پہلے کرتے تھے تو پہلے لوگوں کی رسم گزر چکی ہے۔ یعنی خدا کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ اپنے پیغمبروں کے دشمنوں کو ہلاک اور تباہ کرتا رہا ہے تو کیا یہ کافر بھی اسی انتظار اور امید میں ہیں اور اے مسلمانو! اگر یہ لوگ اپنے کفر اور عناد پر قائم رہے تو تمہارے لیے حکم یہ ہے کہ تم ان سے جہاد وقتال کرو اور برابر ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ کافروں کے ہاتھ سے اسلام اور مسلمانوں پر کسی فتنہ اور فساد کا اندیشہ نہ رہے یعنی کفر کا غلبہ نہ رہے اور کافروں میں اتنا زور نہ رہے کہ وہ مسلمانوں کو اسلام سے روک سکیں یا کسی مسلمان کو مرتد بنا سکیں۔ فتنہ سے کفر کا غلبہ مراد ہے جب کفر کو غلبہ ہوتا ہے تو اسلام خطرہ میں پڑ جاتا ہے اور یہاں تک جہاد وقتال کرو کہ ہو جائے سب حکم اللہ کا یعنی علی الاعلان اللہ کا حکم جاری اور نافذ ہو اور کفر اس میں مزاحمت نہ کر سکے یہ جہاد کا آخری مقصد ہے کہ کفر کی شوکت نہ رہے اور صرف خدا کا حکم چلے اور دین حق تمام ادیان پر غالب آجائے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾۔ اور جب تک یہ مقصد حاصل نہ ہو جہاد جاری رہے گا خواہ دفاعی ہو یا اقدامی پس اگر ظاہراً وہ اپنے کفر سے باز آجائیں اور کلمہ اسلام کا پڑھیں تو تم ان کے ظاہری اسلام کو قبول کرو اور ان کے دل اور نیت کا حال اللہ کے سپرد کرو تحقیق اللہ تعالیٰ ان

ف ۱ یعنی مسلمانوں کو چاہیے کہ خدا کی مدد اور حمایت پر بھروسہ کر کے جہاد کریں۔ کفار کی کثرت اور ساز وسامان سے مرعوب نہ ہوں۔ جیسے "جنگ بدر" میں دیکھ چکے کہ خدا نے مسلمانوں کی کیا خوب امداد وحمایت کی۔

کے اعمال کو دیکھنے والا ہے ان کے عمل کے موافق ان کو جزا دے گا اور اگر وہ قبول حق سے روگردانی کریں اور مسلمانوں کے مقابلہ پر جمے رہیں تو تم بھی ان کے مقابلہ اور مقاتلے پر جمے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ تمہارا کارساز اور حافظ اور ناصر اور مددگار ہے اور کیا ہی خوب کارساز اور کیا ہی خوب مددگار ہے جس کا وہ کارساز اور مددگار ہو اس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ تم بے فکر ہو کر خدا کے دشمنوں سے جہاد و قتال کرتے رہو اور ہمت نہ ہارو۔ ہماری نصرت اور حمایت تمہارے ساتھ ہے جیسے تم جنگ بدر میں دیکھ چکے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح تمہاری حمایت اور نصرت فرمائی لہذا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے کفار سے خوب جہاد کرو۔ اور ان کی کثرت شوکت سے مرعوب نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ تم کو عزت اور غلبہ دے گا اور ان کو مغلوب کرے گا۔ اور ان کی دولت و مال کا تم کو مالک بنا دے گا۔ جس کی تقسیم کا طریقہ آئندہ آیت میں آتا ہے۔

الحمد للہ نویں پارے کی تفسیر مکمل ہو چکی۔

✿✿✿

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى

اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کو غنیمت ملے کسی چیز سے سو اللہ کے واسطے ہے اس میں سے پانچواں حصہ اور رسول کے واسطے اور اس کے قرابت والوں کے واسطے اور یتیموں

اور جان رکھو کہ جو غنیمت لاؤ کچھ چیز، سو اللہ کے واسطے اس میں سے پانچواں حصہ اور رسول کے اور قرابت والے کے اور یتیم کے

وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ

اور محتاجوں اور مسافروں کے واسطے ف۱ اگر تم کو یقین ہے اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم نے اتاری اپنے بندے پر فیصلہ کے دن ف۲ جس دن

اور محتاج کے اور مسافر کے۔ اگر تم یقین لائے ہو اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم نے اتاری اپنے بندے پر، جس دن

الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴۱

بھڑ گئیں دونوں فوجیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ف۳

فیصلہ ہوا، جس دن بھڑیں دو فوجیں۔ اور اللہ سب چیز پر قادر ہے۔

تقسیم غنائم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ... الی... وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾

ربط:...... شروع سورت میں بھی انفال یعنی غنائم کا ذکر تھا کما قال تعالیٰ: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ اور گزشتہ آیت یعنی ﴿قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ میں بھی کفار سے قتال کا حکم تھا۔ اور وعدہ فتح ونصرت کا تھا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ قتال میں دشمن سے مال غنیمت بھی حاصل ہوگا۔ اس لیے اس آیت میں مال غنیمت کی تقسیم کا طریقہ بتلاتے ہیں کہ جو مال کافروں سے لوٹ میں آئے اس کو کس طرح خرچ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو

ف۱ آغاز سورت میں فرمایا تھا ﴿قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ یہاں اس کی قدرے تفصیل بیان فرمائی ہے کہ جو مال غنیمت کافروں سے لڑ کر ہاتھ آئے اس میں پانچواں حصہ خدا کی نیاز ہے، جسے خدا کی نیابت کے طور پر پیغمبر علیہ السلام وصول کر کے پانچ جگہ خرچ کر سکتے ہیں۔ اپنی ذات پر، اپنے ان قرابت داروں (بنی ہاشم وبنی المطلب) پر جنہوں نے قدیم سے خدا کے کام میں آپ کی نصرت وامداد کی اور اسلام کی خاطر یا محض قرابت کی وجہ سے آپ کا ساتھ دیا اور مد زکوٰۃ وغیرہ سے لینا ان کے لیے حرام ہوا۔ یتیموں پر، حاجت مند مسلمانوں پر، مسافروں پر۔ پھر غنیمت میں جو چار حصے باقی رہے، وہ لشکر پر تقسیم کیے جائیں۔ سوار کو دو حصے اور پیدل کو ایک۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خمس کے پانچ مصارف میں سے "حنفیہ" کے نزدیک صرف تین اخیر کے باقی رہ گئے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا خرچ نہیں رہا اور نہ اہل قرابت کا وہ حصہ رہا جو ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت قدیمہ کی بناء پر ملتا تھا البتہ مساکین اور حاجت مندوں کا جو حصہ ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت دار مساکین اور اہل حاجت کو مقدم رکھا جانا چاہیے۔ بعض علماء کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امیر المومنین کو اپنے مصارف کے لیے خمس الخمس ملنا چاہیے۔ واللہ اعلم۔ بعض روایات میں ہے کہ جب "غنیمت" میں سے خمس (اللہ کے نام کا پانچواں حصہ) نکالا جاتا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اول اس کا کچھ حصہ بیت اللہ (کعبہ) کے لیے نکالتے تھے۔ بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ جہاں سے کعبہ بعید ہے، وہاں مساجد کے لیے نکالنا چاہیے۔

ف۲ "فیصلہ کے دن" سے مراد "یوم بدر" ہے جس میں حق وباطل کی کشمکش کا کھلا ہوا فیصلہ ہوگا۔ اس دن حق تعالیٰ نے اپنے کامل ترین بندے پر فتح ونصرت اتاری۔ فرشتوں کی امدادی کمک بھیجی۔ اور سکون واطمینان کی کیفیت نازل فرمائی۔ تو جو لوگ خدا پر اور اس کی تائید غیبی پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کو غنیمت میں سے خدا کے نام کا پانچواں حصہ نکالنا بھاری نہیں ہو سکتا۔

ف۳ جیسے اس دن تم کو مظفر ومنصور کیا، وہ قادر ہے کہ آئندہ بھی تم کو غلبہ اور فتوحات عنایت فرمائے۔

یہ شرف بخشا کہ مال غنیمت کو ان کے لیے حلال کر دیا پہلی امتوں کے لیے مال غنیمت حلال نہ تھا بلکہ ان کے لیے یہ حکم تھا کہ مال غنیمت کو ایک میدان میں لے جا کر رکھ دیں آسمان سے ایک آگ آتی اور اس کو لے جاتی اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اس امت کے لیے مال غنیمت حلال کر دیا پس اس آیت میں اس کی تقسیم کا طریقہ بتلاتے ہیں سو یہ آیت شروع سورت کی اس آیت ﴿قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ کی من وجہ تفصیل ہے کیونکہ دونوں آیتوں کا نزول اکثر علماء کے نزدیک غزوہ بدر میں ہوا ہے اس لیے یہ آیت گزشتہ آیت ﴿قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ کی قدرے تفصیل ہے کہ جو مال کافروں سے لوٹ میں ملے اس کا پانچوں حصہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے اور رسول کے قرابت والوں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے اور باقی ماندہ، چار خمس بالا جماع مجاہدین پر تقسیم کیے جائیں گے۔ امام اعظم کے نزدیک سوار کو دو حصے اور پیدل کو ایک حصہ ملے گا اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سوار کو تین حصے ملیں گے اور بعض لوگوں کا گمان یہ ہے کہ یہ آیت گزشتہ آیت ﴿قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ کی ناسخ ہے کیونکہ اس آیت میں پورے مال غنیمت کو اللہ اور اس کے رسول کا قرار دیا ہے اور اس آیت یعنی ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ﴾ میں اس مال کے پانچ حصے قرار دیے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ یہ گزشتہ آیت کی تفصیل اور بیان ہے ناسخ نہیں غنائم کا جو حکم ﴿قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ میں مجمل تھا۔ اس آیت میں اس کی تفسیر اور تفصیل کر دی گئی اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ اے مسلمانو! جہاد و قتال کا حکم تو تم نے پہلے معلوم کر لیا اور اب مال غنیمت کا حکم جانو کہ تحقیق جو مال غنیمت تم کو کافروں پر غلبہ پانے کے بعد دشمن سے حاصل ہو اس کو کس طرح تقسیم کیا جائے سو جانو کہ جو چیز بھی تم نے کافروں سے جہاد میں غالب ہو کر حاصل کی ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے بعد ازاں تحقیق اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے جس خدا نے تمہاری مدد کی اور دشمنوں پر غلبہ بخشا شکریہ میں اس کے نام کا پانچواں حصہ نکالنا چاہیے اور پھر اس خمس کو اللہ کے خاص بندوں پر تقسیم کیا جائے مثلاً رسول ﷺ کے واسطے حصہ نکالا جائے کہ جن کی اتباع کی برکت اور طفیل سے یہ فتح نصیب ہوئی اور پھر رسول ﷺ کے قرابت والوں کے لیے حصہ ہے جو کہ بنی ہاشم اور بنی المطلب ہیں جنہوں نے جاہلیت اور اسلام میں رسول خدا کی حمایت اور حفاظت کی اور ہر حال میں آپ ﷺ کا ساتھ دیا ان کا بھی اس مال میں حق ہے اور مسلمانوں کے یتیموں کے لیے ہے اور ان فقیر محتاجوں کے لیے ہے جو مسلمان ہوں اور مسلمان مسافروں کے لیے ہے۔ اس لیے کہ یتامیٰ اور مساکین اور مسافرین ضعیفوں اور ناتوانوں کا گروہ ہے جن کی برکت سے اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے اور فتح و نصرت نصیب ہوتی ہے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا﴾ اور حدیث میں ہے "هل تنصرون الا بضعفاء کم"۔ اس لیے مال غنیمت میں ان کا بھی حق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مال غنیمت پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے جس میں چار حصے تو بالا جماع مجاہدین اور مقاتلین پر تقسیم کیے جائیں اور پانچویں حصے کو چھ حصوں پر تقسیم کیا جائے۔ ایک حصہ اللہ تعالیٰ کا اور دوسرا حصہ رسول خدا ﷺ کا اور تیسرا حصہ رسول خدا کے قرابت والوں کا اور چوتھا حصہ یتیموں کا اور پانچواں حصہ فقراء اور مساکین اور چھٹا حصہ مسافروں کا۔

خلاصہ کلام: ...... اے مسلمانو! اور خدا کے نام پر جہاد و قتال کرنے والو! جس خدا نے تم کو کافروں پر غلبہ دیا اور ان کا مال تم کو دلایا اس مال غنیمت میں سے سب سے پہلے اس کے نام کا پانچواں حصہ نکال دو اور باقی چار حصے لے کر تم قناعت کرو۔ اگر تم

ایمان لائے ہو اللہ پر اور اس امداد غیبی پر جو ہم نے اپنے بندہ محمد ﷺ پر فیصلہ کے دن اتاری یعنی جنگ بدر کے دن۔ جس میں حق اور باطل کا فیصلہ ہوا یعنی جس دن دونوں فوجیں آپس میں بھڑی تھی۔ پس اگر تم یہ یقین رکھتے ہو کہ یہ سارا مال غنیمت تم کو اسی کی تائید غیبی سے ملا ہے تو پھر اس کے نام کا پانچواں حصہ نکالنا تم پر بھاری نہ ہونا چاہئے بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ چار خمس جو ہم کو دیئے جا رہے ہیں یہ بھی اس کا انعام ہے ہمارا حق نہیں پس اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو غنیمت کے چار خمس کو غنیمت سمجھو اور اس پر قناعت کرو اور اس سے زیادہ کی طمع نہ کرو۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے جس طرح اس نے بدر کے دن تین سو تیرہ درویشوں کو ایک ہزار کے مقابلہ میں غلبہ عطا کیا وہ آئندہ بھی تم کو غلبہ عطا کرنے پر قادر ہے۔

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے خاص اس امت کے لیے مال غنیمت کو حلال کیا اور اس آیت میں اس کی تقسیم کا طریقہ اور اس کے مصارف کو بیان کیا بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان جتایا کہ بدر کے دن اللہ تعالیٰ نے حق کو باطل سے جدا کیا اور اپنے دین کو غلبہ بخشا اور اپنے نبی اور اس کے یاران باوفا کی نصرت و حمایت کی اور اس دن کا نام یوم الفرقان رکھا آئندہ بھی اللہ سے ایسی ہی امید رکھو اور مال غنیمت میں سے خدا کے نام کا خمس نکالنے میں پس وپیش نہ کرو۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ آئندہ اس سے زیادہ دینے پر بھی قادر ہے۔

لطائف و معارف

۱- جاننا چاہئے کہ لفظ ما ﴿اَنَّمَا غَنِمْتُمْ﴾ میں عام ہے جو ہر چھوٹی بڑی چیز کو شامل ہے جس پر لفظ غنیمت کا صادق آ جائے وہ اس میں داخل ہے اور اموال غنیمت دو طرح کے ہوتے ہیں ایک اموال منقولہ جیسے سونا اور چاندی اور سامان ضرورت جیسے غلہ اور کپڑا وغیرہ اور دوسرے اموال غیر منقولہ یعنی زمین اور جائیداد۔

اموال منقولہ میں جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ اس میں ایک خمس نکال کر باقی چار خمس غانمین پر تقسیم کر دیئے جائیں اسی پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

اور اموال غیر منقولہ یعنی اراضی مفتوحہ میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک عقار یعنی زمین و جائیداد بھی اسی حکم میں داخل ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ تقسیم غنائم کا حکم اموال منقولہ کے ساتھ مخصوص ہے اور املاک غیر منقولہ یعنی زمین و جائیداد جو کافروں کا ملک فتح کرنے سے حاصل ہو۔ مجاہدین پر اس کا تقسیم کرنا واجب نہیں اس میں امیر مملکت کو اختیار ہے کہ مصلحت اور صوابدید کے مطابق عمل کرے خواہ اس زمین کو مجاہدین پر تقسیم کرے یا مصالح مسلمین کے لیے اس کو روک لے یا کافروں ہی کے پاس ان زمینوں کو رہنے دے اور ان پر خراج مقرر کر دے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے خیبر کی مفتوحہ زمینوں میں سے آدھی زمینیں تو مسلمانوں پر تقسیم کر دیں اور آدھی زمینیں مصالح سلطنت کے لیے روکیں اور یہود ہی کو مزارعت (بٹائی) پر دے دیں اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بمشورۂ عثمان و علی و اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم عراق اور شام کی مفتوحہ زمینوں کے ساتھ یہی عمل کیا کہ وہاں کی زمینیں ان کے مالکوں کے ہاتھ میں رہنے دیں اور ان زمینوں پر خراج مقرر کر دیا اور ان کی ذوات پر جزیہ مقرر کر دیا حضرت بلال رضی اللہ عنہ یہ چاہتے تھے کہ عراق کی زمینیں غانمین پر تقسیم کر دی جائیں۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ اگر یہ زمینیں تم پر تقسیم کر دوں تو جو مسلمان تمہارے بعد آئیں گے۔ ان کے لیے کوئی سرمایہ اور ذخیرہ باقی نہ رہے گا جس سے وہ دشمنوں کے مقابلہ میں قوت حاصل کر سکیں۔ تمام صحابہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس رائے سے اتفاق کیا۔ (ان شاء اللہ اٹھائیسویں پارہ میں اس کی تفصیل آئے گی۔)

۲- تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ اس آیت میں خدا تعالیٰ کا ذکر تبرک اور تعظیم کے لیے ہے اس کو مال کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ آسمان اور زمین کے تمام خزانوں کا مالک اور خالق ہے۔ اللہ کے نام کا پانچواں حصہ انہی باقی پانچ حصوں پر تقسیم کر دیا جائے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے نام کا حصہ خانہ کعبہ پر خرچ کیا جائے۔

۳- اور رسول اللہ ﷺ کا حصہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضور پر نور ﷺ کے وصال کے بعد ساقط ہو گیا۔ اب اس حصہ کو بقیہ اصناف پر خرچ کرنا چاہئے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آپ ﷺ کے حصے کو مسلمانوں کی عام ضرورت میں صرف کیا جائے اور قتادہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ خلیفہ کا حق ہے۔

۴- اور ﴿ذَوِي الْقُرْبٰى﴾ سے آنحضرت ﷺ کے رشتہ دار مراد ہیں بعض علماء کا قول ہے کہ جملہ قریش مراد ہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ رشتہ دار مراد ہیں جن پر زکوٰۃ اور صدقہ حرام ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب مراد ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے رشتہ داروں کا حصہ آنحضرت ﷺ کی حیات میں بالاتفاق ثابت تھا مگر آپ ﷺ کے وصال کے بعد ان کے حصہ میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ بدستور اب بھی باقی ہے غنی اور فقیر سب کو دیا جائے۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے رشتہ داروں کا حصہ آپ کی زندگی تک محدود تھا آپ ﷺ کے وصال کے بعد ان کا حصہ ساقط ہو گیا اب خمس میں ان کا کوئی حق نہیں اور اب آپ ﷺ کے وصال کے بعد آنحضرت ﷺ کا حصہ اور آپ ﷺ کے رشتہ داروں کا حصہ یہ دونوں حصے باقی اصناف ثلاثہ یعنی یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں پر تقسیم کیے جائیں گے۔ اور اگر آنحضرت ﷺ کے رشتہ دار ضرورت مند ہوں گے تو وہ سب پر مقدم ہوں گے۔

امام ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ احکام القرآن میں فرماتے ہیں کہ خلفاء اربعہ یعنی ابوبکر اور عمر اور عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کا طریقہ یہی تھا کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد خمسِ غنیمت کو تین قسموں یعنی یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں پر صرف کرتے تھے اور اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ (احکام القرآن: ۶۱/۳ـ ۶۳) اور اسی طرح امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الخراج ص ۲۳ میں ذکر کیا ہے۔ دیکھو کتاب الخراج ص ۲۳۔

۵- غنیمت اور فیٔ میں فرق:...... جو مال کافروں پر غلبہ اور قہر کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ آئے وہ غنیمت ہے اور جو مال بغیر جنگ وجدال اور قتل وقتال کے ہاتھ آئے جیسے جزیہ اور خراج اور دیگر محصولات جو کفار سے وصول کیے جائیں ان کو مال فیٔ کہتے ہیں۔ جس کے حکم کا بیان سورۂ حشر میں آئے گا۔ حق جل شانہ نے سورۂ حشر میں بنی نضیر کے اموال کو فیٔ کہا ہے اور وجہ اس کی یہ بتائی ہے۔ ﴿وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ﴾۔ اس بناء پر ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ نے نہایہ میں لکھا ہے کہ جو مال کافروں سے بغیر مقاتلہ اور جنگ کے حاصل ہو اس کو مال

فئی کہتے ہیں اس معنی پر مال فئی اور مال غنیمت ایک دوسرے کی ضد اور مقابل ہیں۔ اور امام ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ احکام القرآن: ۳ر ۸۴ میں فرماتے ہیں کہ جو مال کافروں سے کفر کی بناء پر مسلمانوں کو حاصل ہو خواہ جہاد و قتال سے حاصل ہو یا بغیر جہاد و قتال کے حاصل ہو وہ سب ہمارے نزدیک مال فئی ہے دیکھو احکام القرآن: ۳ر ۸۴۔ اس معنی پر مال فئی عام ہے اور مال غنیمت خاص ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ حنین میں مؤلفۃ القلوب کو مال فئی سے کچھ عنایت فرمایا اور ظاہر ہے کہ غزوۂ حنین میں جو مال غنیمت آپ ﷺ کو حاصل ہوا وہ مقاتلہ اور جنگ کے بعد حاصل ہوا اور روایات میں اس پر مال فئی کا اطلاق آیا ہے معلوم ہوا کہ فئی کا اطلاق عام ہے غنیمت پر بھی اس کا اطلاق آجاتا ہے۔

نیز غزوۂ خیبر میں جو قلعہ اور زمین آپ ﷺ نے محفوظ رکھا اور اس کو غانمین پر تقسیم نہیں کیا، صحیح روایتوں میں اس پر فئی کا اطلاق آیا ہے فدک کی نصف زمین اور وادی القریٰ کی ایک تہائی زمین آپ ﷺ کو صلح سے ملی تھی اس پر بھی فئی کا اطلاق آیا ہے۔ ان تمام روایات پر نظر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو مال یا جو زمین کسی وجہ سے بھی مسلمانوں کو کافروں سے ملے اس کو فئی کہتے ہیں جیسا کہ ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اور صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے اور مال فئی کے مصارف کو حق تعالیٰ نے سورۂ حشر میں مفصل بیان کیا ہے۔

کما قال تعالیٰ: ﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَةًۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ﴾

الی قوله تعالیٰ ﴿وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ﴾۔

ان شاء اللہ تعالیٰ مال فئی کے مصارف کی تفصیل سورۂ حشر کی تفسیر میں آئے گی۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْیَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰی وَالرَّکْبُ اَسْفَلَ مِنْکُمْ ؕ وَلَوْ

جس وقت تم تھے ورلے کنارہ پر اور وہ پرلے کنارہ پر ف۱ اور قافلہ نیچے اتر گیا تھا تم سے ف۲ اور اگر

جس وقت تم تھے ورے کے ناکے اور وہ پرے کے ناکے، اور قافلہ نیچے اتر گیا تم سے۔ اور اگر

تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعٰدِ ۙ وَلٰکِنْ لِّیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا کَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّیَهْلِکَ

تم آپس میں وعدہ کرتے تو نہ پہنچتے وعدہ پر ایک ساتھ ف۳ لیکن اللہ کو کر ڈالنا تھا ایک کام کو جو مقرر ہو چکا تھا تاکہ مرے

آپس میں تم وعدہ کرتے تو نہ پہنچتے وعدے پر، لیکن اللہ کو کر ڈالنا ایک کام، جو ہو چکا تھا، تا مرے

ف۱ "ورلے کنارے" سے مراد میدان جنگ کی وہ جانب ہے جو مدینہ طیبہ سے قریب تھی۔ اسی طرح "پرلا کنارہ" وہ ہوگا جو مدینہ سے بعید تھا۔

ف۲ یعنی ابوسفیان کا تجارتی قافلہ نیچے کی طرف ہٹ کر سمندر کے کنارے کنارے جا رہا تھا۔ قافلہ اور مسلمانوں کے درمیان قریش کی فوج حائل ہو چکی تھی۔

ف۳ یعنی اگر فریقین پہلے سے لڑائی کا کوئی وقت ٹھہرا کر جانا چاہتے تو ممکن تھا اس میں اختلاف ہوتا یا وعدہ کے وقت پہنچنے میں ایک فریق پس و پیش کرتا کیونکہ ادھر مسلمان، کفار کی تعداد اور ظاہری ساز و سامان سے خائف تھے ادھر کفار مسلمانوں کی حقانیت، خدا پرستی اور بے جگری سے مرعوب رہتے تھے۔ دونوں کو جنگ کی ذمہ داری لینے یا شرکت کرنے میں تردد اور تقاعد ہو سکتا تھا۔

مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۴۲

جس کو مرنا ہے قیام حجت کے بعد اور جیوے جس کو جینا ہے قیام حجت کے بعد ف۱ اور بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے ف۲

جو مرنا ہے سوجھ کر اور جیوے جو جینا ہے سوجھ کر۔ اور اللہ سنتا ہے جانتا۔

انعام ششم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا... الی... وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾

ربط:...... ابتداء سورت سے غزوۂ بدر کے واقعات اور اس کے انعامات کا ذکر چلا آ رہا ہے منجملہ ان انعامات کے ایک انعام یہ ہے جس کا اس آیت میں ذکر ہے یاد کرو اس وقت کو جب اے مسلمانو تم میدان جنگ کے نزدیک کے کنارہ پر تھے جو مدینہ منورہ سے قریب تھا اور کافر پرلے کنارہ پر تھے جو مدینہ سے بعید تھا۔ اور قریش کا قافلہ جس کے لیے مسلمان آئے تھے وہ نشیب میں تھا اور اگر تم اور مشرکین پہلے سے آپس میں لڑائی کا وعدہ کر لیتے اور پہلے سے لڑائی کا کوئی وقت ٹھہرا لیتے تو ضرور وعدہ کے پورا کرنے میں اختلاف کرتے۔ مسلمان تو اپنی قلت اور ان کی کثرت کے باعث ان سے مقابلہ کرنے سے ڈرتے اور کافر پہلے ہی تم سے مقابلہ کرنے سے ڈرتے تھے ان کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی ہیبت بیٹھی ہوئی تھی اب تم کو اللہ تعالیٰ نے بلا ارادۂ جنگ ہی ایک دوسرے سے بھڑا دیا۔ تم نکلے تھے تجارتی قافلہ کی تلاش میں اور وہ نکلے تھے اپنے قافلہ کی مدد میں، لڑنے کا ارادہ کسی فریق کا بھی نہ تھا، ولیکن اللہ کو ایک کام کرنا تھا جو اس کے علم میں ہو رکھا تھا۔ یعنی چونکہ اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ کفر کا زور ٹوٹے اور کافر ذلیل ہوں اور اسلام عزت پائے اس لیے اس نے تم کو بغیر وعدہ کے ایک دوسرے سے بھڑا دیا۔ تاکہ اس کے بعد جو ہلاک ہو وہ حجت قائم ہونے کے بعد ہلاک ہو۔ کیونکہ وہ آیت اور عبرت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہے اور جو زندہ رہے وہ بھی حجت قائم ہونے کے بعد زندہ رہے۔ یعنی باوجود بے سروسامانی کے اس نے اسلام کی فتح و نصرت کا مشاہدہ کر لیا ہے اور جان لو کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ مومن اور کافر سب کی باتوں کو سننے والا اور ان کے احوال کو جاننے والا ہے۔ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "یعنی قریش اپنے قافلہ کی مدد کو آئے تھے اور تم قافلہ کی غارت کو، قافلہ بچ گیا، اور دو فوجیں ایک میدان کے دو کناروں پر آ پڑیں ایک کو دوسرے کی خبر نہیں یہ تدبیر اللہ کی تھی۔ اگر تم قصداً جاتے تو ایسا بروقت نہ پہنچتے اور اس فتح کے بعد کافروں پر صدق پیغمبر کا کھل گیا جو مرا وہ بھی یقین جان کر مرا اور جو جیتا رہا وہ بھی حق پہچان کرتا کہ اللہ کا الزام پورا ہو۔" انتہی۔

اور بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ موت اور حیات یعنی مرنے اور جینے سے کفر اور ایمان مراد ہے یعنی اب جو

ف۱ یعنی قریش اپنے قافلہ کی مدد کو آئے تھے اور تم قافلہ پر حملہ کرنے کو، قافلہ بچ گیا اور دو فوجیں ایک میدان کے دو کناروں پر آ پڑیں۔ ایک کو دوسرے کی خبر نہیں۔ یہ تدبیر اللہ کی تھی۔ اگر تم قصداً جاتے تو ایسا بروقت نہ پہنچتے۔ اور اس فتح کے بعد کافروں پر صدق پیغمبر کھل گیا۔ جو مرا وہ بھی یقین جان کر مرا اور جو جیتا رہا وہ بھی حق پہچان کر، تا کہ اللہ کا الزام پورا ہو۔ کذافی الموضح۔ اور ممکن ہے مرنے اور جینے سے کفر و ایمان مراد ہوں۔ یعنی اب جو ایمان لائے اور جو کفر پر جما رہے دونوں کا ایمان یا کفر وضوح حق کے بعد ہو۔

ف۲ یعنی اللہ کمزور مظلوموں کی فریاد سننے والا ہے اور جانتا ہے کہ کس طریقہ سے ان کی مدد کی جائے، دیکھو بدر میں مسلمانوں کی فریاد کیسی سنی اور کیسی مدد فرمائی۔

ایمان لائے یا جو کفر پر جما رہے تو کافر کا کفر اور مومن کا ایمان حق کے واضح ہونے کے بعد اور عبرت دیکھنے کے بعد ہوگا اور یہ معنی محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہیں اور ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تفسیر نہایت جید ہے اور شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ نے بھی اس معنی کو اختیار فرمایا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں

''مراد از ہلاک اصرار بر کفر است و از حیات مسلمان شدن''۔ اھ

إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي

جب اللہ نے وہ کافر دکھلائے تجھ کو تیری خواب میں تھوڑے ف۱ اور اگر تجھ کو بہت دکھلا دیتا تو تم لوگ نامردی کرتے اور جھگڑا ڈالتے

جب اللہ نے وہ دکھلائے تیرے خواب میں تھوڑے۔ اور اگر وہ تجھ کو بہت دکھاتا، تو تم لوگ نامردی کرتے، اور جھگڑا ڈالتے

الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۴۳﴾

کام میں لیکن اللہ نے بچا لیا اس کو خوب معلوم ہے جو بات ہے دلوں میں ف۲

کام میں، لیکن اللہ نے بچا لیا۔ اس کو معلوم ہے جو بات ہے دلوں میں۔

انعام ہفتم

قال اللہ تعالیٰ ﴿إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ ... الى ... إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾

اے نبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا وہ احسان یاد کریں کہ جب اللہ نے تجھ کو تیرے خواب میں ان کافروں کو کم کر کے دکھایا واقعۂ بدر سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ کافر بہت تھوڑے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر اپنے اصحاب کو دے دی جس سے ان کے دل بڑھ گئے اور حوصلے بلند ہوگئے اور لڑنے پر دلیر ہوگئے۔ اور اگر خدائے تعالیٰ ان کو زیادہ کر کے دکھلاتا تو تم بزدلی کرتے اور جنگ کے معاملہ میں ضرور آپس میں نزاع کرتے کہ لڑیں یا نہ لڑیں ولیکن اللہ نے تم کو اس بزدلی اور باہمی نزاع سے بچا لیا بیشک وہ جاننے والا ہے جو باتیں سینوں میں چھپی ہوئی ہیں۔ ہمت اور جرات اور طبعی کمزوری اور سستی سب اس کے سامنے عیاں ہے۔ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''کہ پیغمبر کو خواب میں کافر تھوڑے نظر آئے اور مسلمانوں کو مقابلہ کے وقت (تھوڑے نظر آئے) تاکہ جرات سے لڑیں پیغمبر علیہ السلام کا خواب غلط نہیں چونکہ ان میں آخر تک کفر پر قائم رہنے والے تھوڑے تھے اکثر وہ تھے جو بعد میں مسلمان ہوئے اس لیے پیغمبر کو خواب میں کافر تھوڑے دکھائے گئے پس پیغمبر کا خواب حق ہے''۔ (كذا في موضح القرآن موضحا)

وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ

اور جب تم کو دکھلائی وہ فوج مقابلہ کے وقت تمہاری آنکھوں میں تھوڑی اور تم کو تھوڑا دکھلایا ان کی آنکھوں میں تاکہ کر ڈالے اللہ

اور جب تم کو دکھائی وہ فوج، وقت ملاقات کے، تمہاری آنکھوں میں تھوڑی، اور تم کو تھوڑا دکھایا ان کی آنکھوں میں، تا کر ڈالے اللہ

ف۱ یعنی مسلمان کو چاہیے کہ خدا کی مدد اور حمایت پر بھروسہ کر کے جہاد کریں، کفار کی کثرت اور ساز و سامان سے مرعوب نہ ہوں جیسے جنگ بدر میں دیکھ چکے کہ خدا نے مسلمانوں کی کیا خوب امداد اور حمایت کی۔

ف۲ یعنی انہیں زیادہ سمجھ کر کوئی لڑنے کی ہمت نہ کرتا۔ اس طرح اختلاف ہو کر کام میں کھنڈت پڑ جاتی۔ لیکن خدا نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں تھوڑی تعداد دکھلا کر اس بزدلی اور نزاع باہمی سے تم کو بچا لیا۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کس چیز سے دلوں میں ہمت و شجاعت پیدا ہوتی ہے اور کس بات سے جبن و نامردی۔

اَمۡرًا كَانَ مَفۡعُوۡلًا ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۴۴﴾

ایک کام جو مقرر ہو چکا تھا اور اللہ تک پہنچتا ہے ہر کام ف۱

ایک کام جو ہو چکا تھا۔ اور اللہ تک پہنچ ہے ہر کام کی۔

انعام ہشتم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَاِذۡ يُرِيۡكُمُوۡهُمۡ اِذِ الۡتَقَيۡتُمۡ فِىۡۤ اَعۡيُنِكُمۡ قَلِيۡلًا ... الى ... وَاِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ﴾

اور اے مسلمانو وہ وقت بھی یاد کرو کہ جب خدا نے عین موقع جنگ پر تمہارے دشمن کو تمہاری نگاہوں میں تھوڑا دکھلایا تا کہ نبی برحق ﷺ نے جو خواب دیکھا تھا تم بیداری میں اس کی تصدیق کرلو اور تمہارا یقین اور تمہاری جرأت اور ہمت اور بڑھ جائے چنانچہ جب مسلمان اپنے دشمنوں سے لڑنے کے لیے مقابل ہوئے اور دونوں صفوں کا آمنا سامنا ہوا تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے پاس والے شخص سے کہنے لگے کہ شاید یہ کافر کل ستر ہوں گے اس نے کہا میرے خیال میں سو کے قریب ہوں گے حالانکہ وہ نوسو پچاس تھے اور اسی طرح تمہیں بھی دشمنوں کی آنکھوں میں تھوڑا کر کے دکھلایا تا کہ وہ تم سے لڑنے پر دلیر ہو جائیں۔ ورنہ اگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کی آنکھوں میں کثیر دکھلاتا تو وہ ڈر کر مقابلہ سے بھاگ جاتے اور کفر کے ستر سردار قتل نہ ہوتے اور یہ اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے کہ تھوڑے آدمی نگاہ میں بہت معلوم ہوں یا بہت آدمی تھوڑے نظر آ دیں یہ بات اللہ کے لیے دشوار نہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ جو احول (بھینگا) کو ایک کو دو کر کے دکھلانے پر قادر ہے کیا وہ کسی قوم کو کسی قوم کی نظر میں تھوڑا کر کے دکھلانے پر قادر نہیں۔ جس طرح دل اور عقل کی آنکھ کبھی خراب ہو جاتی ہے تو برائی اس کو بھلائی نظر آتی ہے۔ صبر تلخ معلوم ہوتا ہے مگر عقل کی قوت ذائقہ اس کو شیریں سمجھتی ہے۔ جو شخص صفراوی بخار میں مبتلا ہو تو اس کو شربت بھی تلخ معلوم ہوتا ہے ان امور کو نہ کذب کہا جا سکتا ہے اور نہ جہالت بلکہ یہ سب قدرت خداوندی کے کرشمے ہیں۔

اَحوَل (بھینگا) بنانا اس کے اختیار میں ہے، جس کو جس درجہ کا بھینگا بنانا چاہے بنا سکتا ہے۔ مجوس کو ایک خدا کے دو خدا نظر آئے اور نصاریٰ کو ایک خدا کے تین خدا نظر آئے اسی طرح حق تعالیٰ کا جنگ بدر میں کسی کو کم اور کسی کو زیادہ دکھائی دینا خدائے قدیر کی قدرت کا کرشمہ تھا۔ جو بطور خرق عادت اس لیے ظاہر کیا گیا تھا تا کہ اللہ اس کام کو پورا کرے جو اس کے علم میں ہوا ہوا یا تھا۔ اللہ نے اپنی قدرت سے یہ کرشمہ اس لیے ظاہر کیا تا کہ دین اسلام کی حقانیت اور صداقت اور کفر کا باطل ہونا ظاہر اور عیاں ہو جائے اور یہ جملہ گو لفظاً مکرر ہے مگر بلحاظ مقصود اور غرض مکرر نہیں کیونکہ پہلی آیت میں یہ جملہ مومنوں کے کافروں پر فتح اور غلبہ پانے کی علت میں بیان کیا گیا تھا اور یہاں ایک فریق کو دوسرے فریق کی آنکھوں میں تھوڑا دکھلانے کی علت میں لایا گیا ہے اور اس قسم کے خوارق عادت اور کرشمہ ہائے قدرت کا ظہور کوئی عجیب نہیں۔ اس لیے کہ اسباب مؤثر

ف۱ پیغمبر کو خواب میں کافر تھوڑے نظر آئے اور مسلمانوں کو مقابلہ کے وقت، تا کہ جرأت سے لڑیں۔ پیغمبر کا خواب غلط نہیں، ان میں کافر رہنے والے کم ہی تھے، اکثر وہ تھے جو پیچھے مسلمان ہوئے اور خواب کی تعبیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تھوڑی تعداد سے مقصود ان کی مغلوبیت کا اظہار ہو۔ باقی کفار کی نظر میں جو مسلمان تھوڑے دکھلائی دیے تو وہ واقعی تھوڑے تھے۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب دونوں فوجیں اول آمنے سامنے ہوئیں۔ پھر جب مسلمانوں نے دلیرانہ حملے کیے اور فرشتوں کا لشکر مدد کو پہنچا اس وقت کفار کو مسلمان دگنے نظر آنے لگے کما فی آل عمران ﴿وَاُخۡرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوۡنَهُمۡ مِّثۡلَيۡهِمۡ رَاۡىَ الۡعَيۡنِ﴾ (آل عمران، رکوع ۲)

بالذات نہیں بلکہ مؤثر بالذات اللہ ہے جو مسبب الاسباب ہے۔

اور یاد رکھو کہ تمام کاموں کا مرجع اللہ ہی ہے۔ اسباب کی تاثیر اسی کے ہاتھ میں ہے پس وہ اگر اپنی قدرت کاملہ سے کسی وقت اپنے ہی پیدا کئے ہوئے اسباب کو توڑ پھوڑ کر کوئی کرشمہ ظاہر فرمائے تو وہ نہ قابل تعجب ہے اور نہ محل تردد ہے۔ اسباب بالذات مؤثر نہیں بلکہ اسباب کی تاثیر اس کے ارادہ اور مشیت کے تابع ہے کیونکہ وہ مسبب الاسباب ہے۔ خدا تعالیٰ کی قدرت سے ابتداء جنگ میں مسلمان کافروں کی نظروں میں تھوڑے دکھلائی دیئے اور واقع میں بھی مسلمانوں کی تعداد تھوڑی تھی۔ لیکن جب گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی اور آسمان سے فرشتوں کا لشکر مسلمانوں کی مدد کے لیے پہنچا تو اس وقت مسلمان کفار کی نظر میں دگنے نظر آنے لگے جیسا کہ سورۃ آل عمران میں ہے ﴿وَاُخْرٰی كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ﴾۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ابتداء جنگ میں ابوجہل مسلمانوں کی جماعت کو دیکھ کر بولا کہ محمد اور ان کے اصحاب کیا ہیں۔ ہمارے اونٹوں کا ایک لقمہ ہیں پھر کہا کہ ان لوگوں کے ساتھ ہتھیاروں سے نہ لڑو بلکہ یوں ہی پکڑ کر ان کی مشکیں باندھ لو اور رسیوں میں باندھ کر مکہ لے چلو بعد ازاں جب لڑائی شروع ہوئی تو اس وقت حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں کی نظر میں دگنا کر دیا۔ کما قال تعالیٰ: ﴿يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ﴾۔ کفار یک بیک یہ منظر دیکھ کر مبہوت اور شکستہ دل ہو گئے اور شکست کھا گئے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۴۵

اے ایمان والو جب بھڑو کسی فوج سے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو ف۱ تاکہ تم مراد پاؤ

اے ایمان والو! جب بھڑو تم کسی فوج سے، تو ثابت رہو، اور اللہ کو بہت یاد کرو، شاید تم مراد پاؤ۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ

اور حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا، اور آپس میں نہ جھگڑو، پس نامرد ہو جاؤ گے اور جاتی رہے گی تمہاری ہوا ف۲ اور صبر کرو بیشک اللہ

اور حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا، اور آپس میں نہ جھگڑو، پھر نامرد ہو جاؤ گے، اور جاتی رہے گی تمہاری باؤ، اور ٹھہرے رہو۔ اللہ

مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۴۶ۚ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَاۗءَ النَّاسِ

ساتھ ہے صبر والوں کے ف۳ اور نہ ہو جاؤ ان جیسے جو کہ نکلے اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کے دکھانے کو

ساتھ ہے ٹھہرنے والوں کے۔ اور مت ہو، جیسے وہ لوگ، کہ نکلے اپنے گھروں سے اتراتے، اور لوگوں کو دکھاتے،

ف۱ اس میں نماز، دعا، تکبیر اور ہر قسم کا ذکر اللہ شامل ہے۔ "ذکر اللہ" کی تاثیر یہ ہے کہ ذاکر کا دل مضبوط اور مطمئن ہوتا ہے۔ جس کی جہاد میں سب سے زیادہ ضرورت ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کا سب سے بڑا ہتھیار یہی تھا۔ ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ﴾ (رعد، رکوع ۴)

ف۲ یعنی ہوا خیزی ہو کر اقبال و رعب کم ہو جائے گا۔ بد رعبی کے بعد فتح و ظفر کیسے حاصل کر سکو گے۔

ف۳ جو سختیاں اور شدائد جہاد کے وقت پیش آئیں ان کو صبر و استقامت سے برداشت کرو ہمت نہ ہارو، مثل ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو بتلا دیا گیا کہ کامیابی کی کنجی کیا ہے؟ معلوم ہوا کہ دولت، لشکر اور میگزین وغیرہ سے فتح و نصرت حاصل نہیں ہوتی۔ ثابت قدمی، صبر و استقلال، قوت و طمانیت قلب، یاد الٰہی، خدا و رسول اور ان کے قائم مقام سرداروں کی اطاعت و فرمانبرداری اور باہمی اتفاق و اتحاد سے حاصل ہوتی ہے۔ اس موقع پر بے ساختہ جی =

وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ

اور روکتے تھے اللہ کی راہ سے اور اللہ کے قابو میں ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں ف۱ اور جس وقت خوش نما کر دیا شیطان نے ان کی نظروں میں

اور روکتے اللہ کی راہ سے۔ اور اللہ کے قابو میں ہے جو کرتے ہیں۔ اور جس وقت سنوارنے لگا شیطان، ان کی نظر میں

اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ

ان کے عملوں کو، اور بولا کوئی بھی غالب نہ ہوگا تم پر آج کے دن لوگوں میں سے اور میں تمہارا حمایتی ہوں پھر جب سامنے ہوئیں

ان کے اعمال اور بولا، کوئی غالب نہ ہوگا تم پر آج کے دن، اور میں رفیق ہوں تمہارا، پھر جب سامنے ہوئیں

الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ

دونوں فوجیں تو وہ الٹا پھرا اپنی ایڑیوں پر اور بولا میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں میں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے میں ڈرتا ہوں

دو فوجیں، الٹا پھرا اپنی ایڑیوں پر، اور بولا، میں تمہارے ساتھ نہیں، میں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے، میں ڈرتا ہوں

اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ ع

اللہ سے اور اللہ کا عذاب سخت ہے ف۲ جب کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ لوگ مغرور ہیں

اللہ سے۔ اور اللہ کا عذاب سخت ہے۔ جب کہنے لگے منافق لوگ اور جن کے دلوں میں آزار ہے، یہ لوگ مغرور ہیں

= جاننا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق "ابن کثیرؒ" کے چند الفاظ نقل کر دوں جو اخلاص و ایمان کی انتہائی گہرائی سے نکلے ہوئے ہیں۔ وَقَدْ كَانَ لِلصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ فِيْ بَابِ الشُّجَاعَةِ وَالِائْتِمَارِ بِمَا اَمَرَهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ بِهٖ وَامْتِثَالِ مَا اَرْشَدَهُمْ اِلَيْهِ مَا لَمْ يَكُنْ لِاَحَدٍ مِّنَ الْاُمَمِ وَالْقُرُوْنِ قَبْلَهُمْ وَلَا يَكُوْنُ لِاَحَدٍ مِّمَّنْ بَعْدَهُمْ فَاِنَّهُمْ بِبَرَكَةِ الرَّسُوْلِ صلی اللہ علیہ وسلم وَطَاعَتِهٖ فِيْمَا اَمَرَهُمْ فَتَحُوا الْقُلُوْبَ وَالْاَقَالِيْمَ شَرْقًا وَّغَرْبًا فِي الْمُدَّةِ الْيَسِيْرَةِ مَعَ قِلَّةِ عَدَدِهِمْ بِالنِّسْبَةِ اِلٰى جُيُوْشِ سَائِرِ الْاَقَالِيْمِ مِنَ الرُّوْمِ وَالْفُرْسِ وَالتُّرْكِ وَالصَّقَالِبَةِ وَالْبَرْبَرِ وَالْحُبُوْشِ وَاَصْنَافِ السُّوْدَانِ وَالْقِبْطِ وَطَوَائِفِ بَنِيْ اٰدَمَ قَهَرُوا الْجَمِيْعَ حَتّٰى عَلَتْ كَلِمَةُ اللّٰهِ وَظَهَرَ دِيْنُهٗ عَلٰى سَائِرِ الْاَدْيَانِ وَامْتَدَّتِ الْمَمَالِكُ الْاِسْلَامِيَّةُ فِيْ مَشَارِقِ الْاَرْضِ وَمَغَارِبِهَا فِيْ اَقَلَّ مِنْ ثَلَاثِيْنَ سَنَةً فَرَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَاَرْضَاهُمْ اَجْمَعِيْنَ وَحَشَرَنَا فِيْ زُمْرَتِهِمْ اِنَّهٗ كَرِيْمٌ تَوَّابٌ۔

ف۱ ابو جہل لشکر لے کر بڑی دھوم دھام اور باجے گاجے کے ساتھ نکلا تھا تاکہ مسلمان مرعوب ہو جائیں اور دوسرے قبائل عرب پر مشرکین کی دھاک بیٹھ جائے۔ راستہ میں اس کو ابوسفیان کا پیام پہنچا کہ قافلہ سخت خطرہ سے بچ نکلا ہے، اب تم مکہ کو لوٹ جاؤ۔ ابو جہل نے نہایت غرور سے کہا کہ ہم اس وقت واپس جا سکتے ہیں جبکہ بدر کے چشمہ پر پہنچ کر مجلس طرب ونشاط منعقد کر لیں۔ گانے والی عورتیں خوشی اور کامیابی کے گیت گائیں، شرابیں پئیں، مزے اڑائیں اور تین روز تک اونٹ ذبح کر کے قبائل عرب کی ضیافت کا انتظام کریں تاکہ یہ دن عرب میں ہمیشہ کے لیے ہماری یادگار رہے۔ اور آئندہ کے لیے ان مٹھی بھر مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں کہ پھر کبھی ہمارے مقابلہ کی جرأت نہ کریں۔ اسے کیا خبر تھی کہ جو منصوبے باندھ رہے ہیں اور تجویزیں سوچ رہے ہیں وہ سب خدا کے قابو میں ہیں چلنے دے یا نہ چلنے دے۔ بلکہ چاہے تو انہی پر الٹ دے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ بدر کے پانی اور جام شراب کی جگہ انہیں موت کا پیالہ پینا پڑا۔ محفل سرود و نشاط تو منعقد نہ کر سکے ہاں نوحہ و ماتم کی صفیں "بدر" سے "مکہ" تک بچھ گئیں جو مال تفاخر و نمائش میں خرچ کرنا چاہتے تھے وہ مسلمانوں کے لیے لقمہ غنیمت بنا۔ ایمان و توحید کے دائمی غلبہ کا بنیادی پتھر بدر کے میدان میں نصب ہو گیا۔ گویا ایک طرح اس چھوٹے سے قطعہ زمین میں خدا تعالیٰ نے روئے زمین کی ملل و اقوام کی قسمتوں کا فیصلہ فرما دیا۔ بہر حال اس آیت میں مسلمانوں کو آگاہ فرمایا کہ جہاد محض ہنگامہ کشت و خون کا نام نہیں، بلکہ عظیم الشان عبادت ہے۔ عبادت اترا دے یا دکھاتے کو کرے تو قبول نہیں۔ لہٰذا تم فخر و غرور اور نمود و نمائش میں کفار کی چال مت چلو۔

ف۲ قریش اپنی قوت و جمعیت پر مغرور تھے لیکن بنی کنانہ سے ان کی چھیڑ چھاڑ رہتی تھی۔ خطرہ یہ ہوا کہیں بنی کنانہ کامیابی کے راستے میں آڑے نہ آ جائیں فوراً =

هٰٓؤُلَآءِ دِیْنُهُمْ ؕ وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۴۹﴾

اپنے دین پر ۹ اور جو کوئی بھروسہ کرے اللہ پر تو اللہ زبردست ہے حکمت والا ف۱

اپنے دین پر۔ اور جو کوئی بھروسہ کرے اللہ پر، تو اللہ زبردست ہے حکمت والا۔

ذکر آداب جہاد وقتال

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا ... الی ... فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ﴾

ربط: ......اوپر سے بدر کے واقعات اور جہاد وقتال کے احکام کا ذکر چلا آرہا ہے اب ان آیات میں مسلمانوں کو جہاد کے ظاہری وباطنی آداب کی تعلیم دی جاتی ہے کہ جہاد وقتال کے وقت ان امور کو خاص طور پر ملحوظ رکھیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو جب تم اس بات پر ایمان رکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ضعیف اور ناتواں اور بے سروسامان کو قوی اور ساز وسامان والے پر غلبہ عطا کرنے پر قادر ہے اور جنگ بدر میں تم اس کا مشاہدہ بھی کر چکے ہو لہٰذا تم کو کافروں کے مقابلہ میں ضعیف اور کمزور نہ بننا چاہئے بلکہ جب کافروں کی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو تو چند باتوں کا خیال رکھو اول تو یہ کہ تم ثابت قدم رہو اور ان کے مقابلہ پر جمے رہو اور فرار کا خیال بھی دل میں نہ لاؤ اور دوم یہ کہ اللہ کو کثرت سے یاد کرو جس کے لیے اس کے دشمنوں سے جہاد وقتال کر رہے ہو اس کی یاد سے غافل نہ ہو تاکہ تم فلاح پاؤ ثابت قدمی اور ذکر الٰہی سے فتح حاصل ہوتی ہے ذکر الٰہی کی تاثیر یہ ہے کہ اس سے ذاکر کا دل مضبوط اور مطمئن ہو جاتا ہے جس کی جہاد میں خاص طور پر ضرورت ہے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ﴾ اور ذکر میں زبان اور دل دونوں جمع ہو جائیں تو بہتر ہے اور ذکر میں دعا بھی داخل ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے اصحاب طالوت کی یہ دعا ذکر کی ہے۔ ﴿رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ

= شیطان ان کی پیٹھ ٹھونکنے اور ہمت بڑھانے کے لیے کنانہ کے سردار اعظم سراقہ بن مالک کی صورت میں اپنی ذریت کی فوج لے کر نمودار ہوا اور ابوجہل وغیرہ کو اطمینان دلایا کہ ہم سب تمہاری امداد وحمایت پر ہیں۔ "کنانہ کی طرف سے بے فکر رہو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جب بدر میں زور کا رن پڑا اور شیطان کو جبرائیل وغیرہ فرشتے نظر آئے تو ابوجہل کے ہاتھ میں سے ہاتھ چھڑا کر الٹے پاؤں بھاگا۔ ابوجہل نے کہا، سراقہ! عین وقت پر دغا دے کر کہاں جاتے ہو، کہنے لگا میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ مجھے وہ چیزیں دکھائی دے رہی ہیں۔ جو تم کو نظر نہیں آتیں (یعنی فرشتے) خدا کے (یعنی اس خدائی فوج کے) ڈر سے میرا دل بیٹھا جاتا ہے۔ اب ٹھہرنے کی ہمت نہیں کہیں سخت عذاب اور آفت میں نہ پکڑا جاؤں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ملعون نے جھوٹ بولا، اس کے دل میں خدا کا ڈر نہ تھا۔ ہاں وہ جانتا تھا کہ اب قریش کا لشکر ہلاکت میں گھر چکا ہے کوئی قوت بچا نہیں سکتی۔ یہ اس کی قدیم عادت ہے کہ اپنے متبعین کو دھوکہ دے کر اور ہلاکت میں پھنسا کر عین وقت پر کھسک جایا کرتا ہے۔ اسی کے موافق یہاں بھی کیا ﴿یَعِدُهُمْ وَیُمَنِّیْهِمْ ؕ وَمَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا﴾ (نساء، رکوع ۱۰) ﴿كَمَثَلِ الشَّیْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّیْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ (الحشر، رکوع ۲) ﴿وَقَالَ الشَّیْطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِیَ عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیَّ ؕ اِنِّیْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ (ابراہیم، رکوع ۴)

ف۱ مسلمانوں کی تھوڑی جمعیت اور بے سروسامان اور اس پر ایسی دلیری وشجاعت کو دیکھتے ہوئے منافقین اور ضعیف القلب کلمہ گو کہنے لگے تھے کہ یہ مسلمان اپنے دین اور حقانیت کے خیال پر مغرور ہیں جو اس طرح اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈال دیتے ہیں حق تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ یہ غرور نہیں، توکل ہے۔ جس کو خدا کی زبردست قدرت پر اعتماد ہو اور یقین رکھے کہ جو کچھ ادھر سے ہو گا عین حکمت وصواب ہوگا، وہ حق کے معاملہ میں ایسا ہی بے جگر اور دلیر ہو جاتا ہے۔

عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾. اور سوم یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اطاعت کی برکت سے فتح نصیب ہوگی۔ چنانچہ صحابہ کرام کو باوجود بے سروسامانی کے فارس اور روم پر جو فتح نصیب ہوئی وہ اسی اطاعت کی برکت تھی اور چہارم یہ کہ آپس میں نزاع نہ کرو ورنہ تم کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا خیزی ہو جائے گی۔ جس سے تمہارا رعب ان کے دل سے نکل جائے گا چنانچہ جب جنگ احد میں مسلمانوں نے آپس میں نزاع کیا تو ان میں بزدلی آگئی اور دشمن کے مقابلہ سے ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم آپس میں اختلاف کرو گے تو تم میں بزدلی آجائے گی اور تمہاری قوت کمزور پڑ جائے گی اور دشمنوں پر جو تمہاری دھاک بیٹھی ہوئی ہے وہ جاتی رہے گی اور پنجم یہ کہ تم تکالیف جنگ میں صبر اور تحمل سے کام لو بیشک اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے اور وہ ان کا حافظ و ناصر ہے اور ششم یہ کہ تم ان لوگوں کے مانند نہ بنو جو اپنے گھروں سے اتراتے اور اکڑتے ہوئے اور اپنی شجاعت پر فخر کرتے ہوئے نکلے یعنی جس طرح کافر جنگ بدر میں غرور کرتے ہوئے آئے تھے اس طرح تم لڑائی کے وقت غرور نہ کیا کرو اور ہفتم یہ کہ تم ان لوگوں کے مشابہ بھی نہ بنو جو اپنے گھروں سے لوگوں کو دکھلانے کے لیے نکلے تا کہ لوگ ان کی شجاعت کی تعریف کریں جب تم خدا کے دشمنوں سے لڑنے نکلے ہو تو ان کے تشبہ سے اپنے کو محفوظ رکھو اور یہ مغرور اور ریاکار، لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں لوگوں کو دین الٰہی سے باز رکھنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ اور اللہ ان کے اعمال کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں قیامت کے دن ان کو ان کے اعمال کی سزا دے گا۔ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ جب ابوسفیان مسلمانوں کی زد سے نکل گیا تو اس نے قریش کو یہ پیغام بھیجا کہ تم لوگ اپنے قافلہ کی امداد کے لیے اپنے گھر سے نکلے تھے سو قافلہ مسلمانوں کی زد سے صحیح سالم بدر سے نکل گیا ہے لہٰذا تم واپس لوٹ جاؤ۔ ابوجہل بولا کہ ہم ضرور بدر جائیں گے آج کل وہاں میلے کے دن ہیں وہاں ہم تین روز رہیں گے اور اونٹوں کو ذبح کریں گے مسافروں کو کھانا کھلائیں گے۔ شرابیں پئیں گے ڈومنیاں ہمارے سر پر گائیں گی اور اس سے پہلے ہم محمد اور ان کے یاروں کا کام تمام کر چکے ہوں گے۔ ہماری عظمت اور بڑائی کا ڈنکہ تمام عرب میں بج جائے گا۔ اور ہماری ہیبت لوگوں کے دلوں میں بیٹھ جائے گی۔ اس تکبر اور غرور کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب بدر میں آئے تو انہوں نے شراب کے بجائے موت کے جام پئے اور ڈومنیوں کی بجائے عورتوں نے ان پر نوحہ کیا۔ خدا تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا کہ تم اپنے گھروں سے کافروں کی طرح نہ نکلو، جو بڑائی مارتے اور ریاکاری کرتے ہوئے نکلتے ہیں تم تو اللہ کے دین کی حمایت اور نصرت کے لیے نکلو اور خوب یاد رکھو کہ بڑائی اور خود بینی اور ریاکاری اور فخر و غرور اور نمائش اور نمود، اسباب فتح و نصرت سے نہیں بلکہ تزئین شیطانی ہے پس اگر اس کو سمجھنا چاہتے ہو تو اس وقت کو یاد کرو کہ جب شیطان نے کافروں کی نظر میں ان کے اعمال کو خوش نما اور آراستہ کر کے دکھلایا اور اسباب قہر و ذلت کو اسباب فتح و نصرت کر کے دکھلایا اور رسول اللہ ﷺ کی دشمنی میں ان کی قوت کو ان کی نظروں میں اس قدر نمایاں کیا کہ وہ بالکلیہ اس پر اعتماد کر بیٹھے اور اس قدر مبالغہ کیا کہ شیطان نے ان سے یہ کہا کہ آج آدمیوں میں تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا تمہارا لشکر بڑا آراستہ و پیراستہ ہے اور میں تمہارا پناہ دینے والا ہوں۔ جب قریش نے بدر کی روانگی کا قصد کیا تو ان کو بنی بکر بن کنانہ کی طرف سے اندیشہ ہوا کیونکہ قریش نے بنی کنانہ کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا اور ان دونوں قبیلوں میں دشمنی اور جنگ کا سلسلہ قائم تھا۔ اور چھیڑ چھاڑ جاری تھی۔ اس لیے قریش کو اندیشہ ہوا

کہ مبادا بنی کنانہ راستہ میں آڑے نہ آئیں۔ ابلیس کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ بنی کنانہ کے اندیشہ سے محمد ﷺ کے مقابلہ کے لیے نکلنے میں پس وپیش کر رہے ہیں تو فوراً شیطان ان کی ہمت بڑھانے کے لیے بنی کنانہ کے سردار سراقہ بن مالک کی صورت بنا کر ان کے پاس آیا اور کہا کہ تم گھبراؤ نہیں بنی کنانہ کی طرف سے تم کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اس کا میں ذمہ دار ہوں اور تم میری پناہ میں ہو آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ اس طرح شیطان نے ابوجہل وغیرہ کو اطمینان دلایا۔ قریش نے جب دیکھا کہ بنی کنانہ کا سردار ان کے ساتھ ہے تو ان کا اندیشہ جاتا رہا اور ان کی ہمت بڑھ گئی اور آنحضرت ﷺ کے مقابلے پر جا ڈٹے۔ پس جب میدانِ بدر میں پہنچ گئے اور دونوں جماعتیں مسلمانوں کی اور کافروں کی آمنے سامنے ہوئیں اور شیطان کو جبریل اور فرشتے آسمان سے اترتے ہوئے نظر آئے تو شیطان الٹے پاؤں پیچھے ہٹا اور کہا میں تم سے بیزار اور بے تعلق ہوں بیشک میں اس چیز کو دیکھ رہا ہوں جس کو تم نہیں دیکھتے یعنی میں دیکھتا ہوں کہ فرشتے مسلمانوں کی مدد کو آرہے ہیں۔ تحقیق میں اللہ سے ڈر رہا ہوں کہ کہیں قیامت سے پہلے ہی نہ پکڑ لیا جاؤں اور اللہ کا عذاب سخت ہے باوجود مہلت کے بھی چھوٹا موٹا عذاب دنیا میں مجھے دے سکتا اور دنیا میں مجھ کو جو مہلت دی گئی ہے۔ وہ عذاب اخروی کے اعتبار سے ہے جو عذاب دنیوی کے لحاظ سے بہت ہی شدید ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ملعون نے جھوٹ بولا اس کے دل میں خدا کا خوف نہ تھا اس نے دیکھ لیا کہ قریش کا لشکر ہلاکت کے بھنور میں پھنس چکا ہے اور اس کی قدیم عادت ہے کہ وہ اپنے متبعین کو دھوکہ دے کر اور ہلاکت میں پھنسا کر عین وقت پر کھسک جاتا ہے۔ اسی عادت کے مطابق یہاں بھی کیا کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ إِلَّا غُرُوْرًا﴾ (نسآء)

جب مسلمانوں اور کافروں میں لڑائی ہونے لگی تو ابلیس لعین حارث بن ہشام کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا۔ جب اس نے آسمان سے فرشتوں کو اترتے ہوئے دیکھا تو حارث کا ہاتھ جھٹک کر بھاگنے لگا۔ حارث بولا کہ اے سراقہ تو ہم کو ایسے حال میں چھوڑ کر بھاگتا ہے۔ ابلیس نے اس کے سینہ پر ہاتھ مارا اور کہا کہ میرا تم سے کوئی تعلق نہیں میں وہ چیز دیکھتا ہوں جو تم کو نظر نہیں آتی اور میں اللہ سے ڈرتا ہوں اس کا بھاگنا تھا کہ کافروں نے شکست کھائی۔ بدر کے بھگوڑے جب مکہ پہنچے تو وہاں جا کر یہ کہا کہ ہم کو سراقہ نے شکست دلائی اور سراقہ کے پاس کہلا کر بھیجا کہ تو نے ہم کو شکست دلائی جب یہ خبر سراقہ کے پاس پہنچی تو اس نے قسم کھا کر کہا کہ مجھے تو اتنی بھی خبر نہیں کہ تم لڑائی کے ارادہ سے نکلے تھے ہاں جب تم شکست کھا کر واپس آئے اس وقت مجھ کو تمہاری لڑائی اور شکست کا حال معلوم ہوا۔ قریش نے کہا کہ کیا تو فلانے فلانے روز ہمارے پاس نہیں آیا تھا اور کیا تو نے ہم سے یہ باتیں نہیں کی تھیں۔ اس نے قسم کھائی کہ مجھے ان باتوں کی ذرا بھی خبر نہیں۔ تب لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ شیطان تھا جو سراقہ کی شکل میں ظاہر ہوا تھا اور ابلیس کا یہ قصہ روایات کثیرہ سے ثابت ہے جس کو ابن کثیر ؒ نے عبداللہ بن عباس اور مجاہد اور قتادہ اور ضحاک اور سدی اور محمد بن اسحاق رحمہم اللہ وغیرھم سے نقل کیا ہے۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر: ۲/۳۱۷ اور تفسیر قرطبی: ۸/۲۶)

آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ تزئین شیطانی کفار مکہ ہی میں منحصر نہیں بلکہ مدینہ کے منافقین بھی اس میں مبتلا ہیں اور ان کے دل میں جو نفاق کی بیماری ہے وہ اس تزئین شیطانی کا اثر ہے چونکہ بدر کی لڑائی میں مسلمان بہت کم تھے اور سامان

جنگ بھی نہ تھا اس لیے منافق یہ کہنے لگے کہ ان لوگوں کو ان کے دین نے غرّہ میں ڈال دیا تین سو آدمی ایک ہزار کافروں کے لشکر جرار سے لڑنے جا رہے ہیں ان لوگوں کی نظر ظاہری اسباب پر تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی یاد کرو اس وقت کو کہ جب مدینہ کے منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں شک اور کفر کا روگ تھا جیسے اہل مکہ یہ کہنے لگے کہ ان مسلمانوں کو ان کے دین نے غرہ اور دھوکہ میں رکھا ہے۔ یعنی یہ مسلمان اپنے دین حقانیت پر اس قدر مغرور ہیں کہ تھوڑے سے آدمی اپنے سے سہ چند سے لڑنے پر تیار ہیں یہ ان کے دین نے دھوکہ اور فریب دیا ہے کہ جو خدا کی راہ میں لڑے گا اس کو جنت میں ایسا اور ایسا ملے گا۔ خیر آخرت میں تو انہیں جیسا ملے ویسا ملے گا مگر دنیا میں تو یہ اپنی جان سے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ یہ غرہ اور غرور نہیں بلکہ توکل ہے اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے گا تو اللہ وہم وگمان سے بڑھ کر اس کی مدد کرے گا کیونکہ بیشک اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے وہ اپنے پر بھروسہ کرنے والوں کو غلبہ دینے پر قادر ہے اور اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے بے سروسامان دوستوں کو دشمنوں کے لشکر جرار پر فتح دے

﴿وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا

اور اگر تو دیکھے جس وقت جان قبض کرتے ہیں کافروں کی فرشتے مارتے ہیں ان کے منہ پر اور ان کے پیچھے اور کہتے ہیں چکھو

اور کبھی تو دیکھے! جس وقت جان لیتے ہیں کافروں کی، فرشتے مارتے ہیں ان کے منہ پر اور پیچھے، اور چکھو

عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۵۰﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۵۱﴾

عذاب جلنے کا ف۱ یہ بدلہ ہے اسی کا جو تم نے آگے بھیجا اپنے ہاتھوں اور اس واسطے کہ اللہ ظلم نہیں کرتا بندوں پر ف۲

عذاب جلنے کا۔ یہ بدلہ ہے اسی کا جو تم نے بھیجا اپنے ہاتھوں، اور اس واسطے کہ اللہ ظلم نہیں کرتا بندوں پر۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ

جیسے دستور فرعون والوں کا اور جو ان سے پہلے تھے کہ منکر ہوئے اللہ کی باتوں سے سو پکڑا ان کو اللہ نے

جیسے دستور فرعون والوں کا، اور جو ان سے پہلے تھے۔ منکر ہوئے اللہ کی باتوں سے، سو پکڑا ان کو اللہ نے

بِذُنُوْبِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا

ان کے گناہوں پر بیشک اللہ زورآور ہے سخت عذاب کرنے والا ف۳ اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ ہرگز بدلنے والا نہیں اس نعمت کو جو دی تھی

ان کے گناہوں پر۔ اللہ زورآور ہے، سخت عذاب کرنے والا۔ یہ اس پر کہا، کہ اللہ بدلنے والا نہیں نعمت کا جو دی تھی

ف۱ یعنی مار کر کہتے ہیں کہ ابھی تو یہ لو، اور عذاب جہنم کا مزہ آئندہ چکھنا۔ بہت سے مفسرین نے اس کو بھی بدر کے واقعہ میں داخل کیا ہے یعنی اس وقت جو کافر مارے جاتے تھے ان کے ساتھ فرشتوں کا یہ معاملہ تھا۔ مگر الفاظ آیت کے سب کافروں کو عام ہیں اس لیے راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ عالم برزخ کا ہو۔ اب بدر کے واقعات سے تعلق یہ ہوگا کہ دنیا میں ان کافروں کی یہ گت بنی۔ برزخ میں یہ ہوگا اور آخرت کے عذاب کا تو کہنا ہی کیا ہے۔

ف۲ یعنی یہ سب تمہاری کرتوت کی سزا ہے ورنہ خدا کے یہاں ظلم کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اگر معاذ اللہ ادھر سے رتی برابر ظلم کا امکان ہو تو پھر وہ اپنی عظمت شان =

عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ

اس نے کسی قوم کو جب تک وہی نہ بدل ڈالیں اپنے جیوں کی بات، اور یہ کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے ف۱ جیسے دستور فرعون والوں کا

ایک قوم کو، جب تک وہ نہ بدلیں اپنے جیوں کی بات، اور اللہ سنتا ہے جانتا۔ جیسے دستور فرعون والوں کا،

وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ

اور جو ان سے پہلے تھے کہ انہوں نے جھٹلائیں باتیں اپنے رب کی، پھر ہلاک کر دیا ہم نے ان کو ان کے گناہوں پر اور ڈبو دیا ہم نے

اور جو ان سے پہلے تھے، جھٹلائیں باتیں اپنے رب کی، پھر کھپا دیا ہم نے ان کو ان کے گناہوں پر اور ڈبو دیا

فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾

فرعون والوں کو اور سارے ظالم تھے ف۲

فرعون والوں کو، اور سارے ظالم تھے۔

بیان ذلت کفار در عالم برزخ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ... الى... وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں کفار کی دنیوی ذلت اور مغلوبیت اور رسوائی کا بیان تھا جو ان کی پہلی بار اپنی زندگی میں پیش آئی۔ اب ان آیات میں کفار کی برزخی ذلت اور رسوائی کا بیان ہے کہ موت کے وقت ان کی کیا حالت ہوتی ہے اور کس ذلت آمیز طریقہ سے ان کی روح قبض کی جاتی ہے اور مرنے کے بعد عالم برزخ میں ان کو کیا عذاب دیا جاتا ہے اور اس وقت ان پر تزئین شیطانی کی ساری قلعی کھل اور سمجھے کہ ہم دھوکہ میں مبتلا تھے خدا تعالیٰ نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ ہم نے خود اپنے آپ کو تباہ و برباد کیا اور آل فرعون کی طرح اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ نبی کی پیروی سے انحراف کا انجام یہ ہوتا ہے اب ان آیات میں کفار کی برزخی ذلت اور اس کی علت کو بیان کرتے ہیں اس برزخی ذلت کی علت بھی وہی مخالفت حق ہے جس کی وجہ سے دنیا میں ذلیل و خوار ہوئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی ﷺ کاش آپ اس وقت کو دیکھتے کہ جب فرشتے کافروں کی ارواح

= کے لحاظ سے ظالم نہیں ظلام ہی ٹھہرے کیونکہ کامل کی ہر صفت کامل ہی ہونی چاہیے۔

ف۳ یعنی قدیم سے یہی دستور رہا ہے کہ جب لوگ آیات اللہ کی تکذیب و انکار یا انبیاء سے جنگ کرنے پر مصر ہوئے تو اللہ نے ان کو کسی نہ کسی عذاب میں پکڑ لیا۔

ف۱ یعنی جب لوگ اپنی بے اعتدالی اور غلط کاری سے نیکی کے فطری قویٰ اور استعداد کو بدل ڈالتے ہیں اور خدا کی بخشی ہوئی داخلی یا خارجی نعمتوں کو اس کے بتلائے ہوئے کام میں ٹھیک موقع پر خرچ نہیں کرتے بلکہ الٹے اس کی مخالفت میں صرف کرنے لگتے ہیں تو حق تعالیٰ اپنی نعمتیں ان سے چھین لیتا ہے اور شان انعام کو انتقام سے بدل دیتا ہے۔ وہ بندوں کی تمام باتوں کو سنتا اور تمام احوال کو جانتا ہے کوئی چیز اس سے پردہ میں نہیں۔ لہٰذا جس سے جو معاملہ کرے گا نہایت ٹھیک اور برمحل ہوگا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "نیت اور اعتقاد جب تک نہ بدلے تو اللہ کی بخشی ہوئی نعمت چھنتی نہیں جاتی۔" گویا "مَا بِاَنْفُسِهِمْ" سے خاص نیت اور اعتقاد مراد لیا ہے جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۲ فرعونیوں اور ان سے پہلی قوموں کو ان کے جرائم کی پاداش میں ہلاک کیا۔ اور خصوصیت کے ساتھ فرعونیوں کا بیڑا غرق کر دیا۔ یہ سب اس وقت ہوا جب انہوں نے خدا سے بغاوت اور شرارت کر کے خود اپنی جانوں پر ظلم کیے۔ ورنہ خدا کو کسی مخلوق سے ذاتی عداوت نہیں۔

قبض کرتے ہیں۔ روح قبض کرتے وقت ان کے مونہوں پر اور ان کے سرینوں [1] پر آگ کے گرز مارتے جاتے ہیں۔ اور یہ کہتے جاتے ہیں کہ جلنے کے عذاب کا مزہ چکھو۔ یہ عذاب دوزخ کا مقدمہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی جان کنی کی کیفیت نہایت قابل عبرت ہے اگر آپ ان کی اس حالت کو دیکھیں تو بڑا ہی تعجب کریں

نکتہ:...... اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ فرشتے کافر کی روح نکالتے وقت اس کے منہ پر اس کی دبر پر یعنی سرین پر آگ کے گرز مارتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ کافر کا منہ اور اس کی دبر دنوں ایک ہی حکم میں ہیں اس لیے عطف کے لیے معطوف اور معطوف علیہ میں مناسبت ضروری ہے اور یہاں مناسبت یہ ہے کہ جس طرح دبر سے حسی اور ظاہری نجاست خارج ہوتی ہے اسی طرح کافروں کے منہ سے کلمات کفریہ نکلتے ہیں جو نجاست معنویہ ہیں اسی وجہ سے مشرکین کو نجس اور رجس کہا گیا ہے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ﴾ بلکہ زبان سے جو کلمہ معصیت کا نکلتا ہے وہ نجاست کا حکم رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے فقہاء کرام نے جھوٹ بولنے اور غیبت کرنے کے بعد وضو کو مستحب لکھا ہے۔ (دیکھو فتح القدیر شرح ھدایہ)

اب آگے اس عذاب ذلت کی علت بیان فرماتے ہیں کہ قبض روح کے وقت وجوہ اور ادبار پر یہ ضرب شدید اس سبب سے ہے کہ تمہارے ہاتھوں نے جو کرتوت کیے ہیں یہ ان کی سزا ہے اور یہ ذلت اور مصیبت تو قبض روح کے وقت کی ہے اور قبر میں جانے کے بعد جو ہوگا وہ اس کے علاوہ ہے اس کا تو کہنا ہی کیا اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں کرتا یہ جو کچھ دیکھ رہے ہو وہ تمہارے ہی اعمال کا نتیجہ ہے۔ خدا تعالیٰ کسی کو بے جرم نہیں پکڑتا۔ آگے فرماتے ہیں کہ دین حق اور نبی برحق کی عداوت اور تکذیب میں مشرکین عرب کا وہی طور وطریق ہے جو فرعونیوں کا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھا اور جیسے ان سے پہلے قوم عاد اور ثمود کا اپنے پیغمبروں کے ساتھ دستور تھا کہ اللہ کی نشانیوں کو نہ مانا اور نافرمانی کی کوئی پروا نہ کی تو اللہ تعالیٰ نے قیامت سے پہلے ہی ان کو ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا۔ یہی حال کفار مقتولین بدر کا ہوا کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کو نہ مانا اور دنیا ہی میں قتل اور قید کے عذاب میں گرفتار ہوئے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑا قوی ہے اور اپنے پیغمبر ﷺ کے دشمنوں کو سخت عذاب دینے والا ہے کافر اس کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ عذاب جو ان لوگوں پر ان کے جرائم کی پاداش میں نازل ہوا اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو نعمت کسی قوم کو دے دیتا ہے وہ اس کو اس وقت تک نہیں بدلتا۔ جب وہ اپنے دل کے حالات کو نہ بدلیں۔ یعنی خدا تعالیٰ نے اہل مکہ کو یہ نعمت دی کہ ان کو بھوک سے کھانا دیا اور خوف سے امن میں رکھا اور ان کی ہدایت کے لیے محمد رسول اللہ ﷺ کو ان میں بھیجا اور ان کو عقل اور فہم اور قبول حق کی استعداد عطا کی پس جب ان لوگوں نے خدا کی ان نعمتوں کی ناشکری کی اور اللہ کے رسول کو جھٹلایا تو اللہ نے ان سے ان نعمتوں کو چھین لیا قحط کی وجہ سے بھوک میں مبتلا ہوئے مسلمانوں کی طرف سے ہر دم خائف رہنے لگے اور محمد رسول اللہ ﷺ ان میں سے نکل کر انصار میں چلے گئے اور یہ لوگ نور ہدایت سے محروم ہو گئے اور یہ امر ثابت ہے کہ اللہ ہر قول کو سننے والا اور ہر چھپی بات کو جاننے والا ہے اس پر نہ منافقوں کا نفاق چھپا ہوا ہے اور نہ ریاکاروں کا ریاء۔ پس اس تغیر حالت اور زوال نعمت میں ان کی حالت وہی ہوئی جو

---

[1] مجاہد رحمہ اللہ اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ادبار سے ان کی استاہ یعنی سرینیں مراد ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ادبار سے ظہور مراد ہیں یعنی ان کی پشتوں پر مارتے ہیں (دیکھو تفسیر قرطبی: ۲۸/۲) مگر راجح پہلا ہی قول ہے۔

فرعونیوں اور ان سے پہلے کافروں کی ہوئی تھی کہ انہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کیا۔ بعض کو خسف سے اور بعض کو مسخ سے اور بعض کو زلزلہ سے بعض کو پتھر برسا کر اور بعض کو ہوا سے اور آل فرعون کو ہم نے بحر قلزم میں غرق کر دیا اور جو نعمتیں ان کو دے رکھی تھیں وہ سب ان سے چھین لیں۔ نہ وہ باغات رہے اور نہ وہ نہریں اور کھیتیاں رہیں اور وہ اگلے اور پچھلے سب ہی ظالم تھے۔ اللہ نے ان پر کوئی ظلم و ستم نہیں کیا بلکہ ان کمبختوں نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا کہ خدا سے مقابلہ کی ٹھانی خدا اور اس کے رسول کا مقابلہ نہ کرتے تو خدا ان سے اپنی دی ہوئی نعمتیں نہ چھینتا چونکہ فرعونیوں اور اگلے کفار کی ہلاکت کے ذکر کرنے سے مقصود عبرت دلانا ہے دیکھ لو کہ جن لوگوں نے خدا اور اس کے رسول سے بغاوت کی کس طرح ہم نے اپنی دی ہوئی نعمتیں چھین لیں اس لیے تاکید کے لیے اس مضمون کو مکرر لایا گیا۔

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٥﴾ الَّذِينَ عَاهَدتَّ مِنْهُمْ

بدتر سب جانداروں میں اللہ کے ہاں وہ ہیں جو منکر ہوئے پھر وہ نہیں ایمان لاتے جن سے تو نے معاہدہ کیا ہے ان میں سے

بدتر سب جانداروں میں اللہ کے ہاں وہ ہیں جو منکر ہوئے، پھر وہ نہیں مانتے۔ جن پر تو نے اقرار کیا ہے ان میں،

ثُمَّ يَنقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ ﴿٥٦﴾ فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ

پھر وہ توڑتے ہیں اپنا عہد ہر بار اور وہ ڈر نہیں رکھتے ف۱ سو اگر کبھی تو پائے ان کو لڑائی میں

پھر وہ توڑتے ہیں اقرار ہر بار، اور ڈر نہیں رکھتے۔ سو اگر کبھی تو پاوے ان کو لڑائی میں،

فَشَرِّدْ بِهِم مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿٥٧﴾ وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ

تو ان کو ایسی سزا دے کہ دیکھ کر بھاگ جائیں ان کے پچھلے تا کہ ان کو عبرت ہو اور اگر تجھ کو ڈر ہو کسی قوم سے دغا کا تو پھینک دے ان کا عہد ان کی طرف

تو ایسی سزا دے کہ دیکھ کر بھاگیں ان کے پچھلے، شاید وہ عبرت پکڑیں۔ اور اگر تجھ کو ڈر ہو ایک قوم کی دغا کا، تو جواب دے

إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ﴿٥٨﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا ۚ

ایسی طرح پر کہ ہو جاؤ تم اور وہ برابر بیشک اللہ کو خوش نہیں آتے دغا باز ف۲ اور یہ نہ سمجھیں کافر لوگ کہ وہ بھاگ نکلے

ان کو برابر کے برابر، اللہ کو خوش نہیں آتے دغا باز۔ اور یہ نہ سمجھیں منکر لوگ، کہ وہ بھاگ نکلے۔

ف۱ جو لوگ ہمیشہ کے لیے کفر اور بے ایمانی پر تل گئے اور انجام سے بالکل بے خوف ہو کر غداری اور بدعہدی کے خوگر ہو رہے ہیں، وہ خدا کے نزدیک بدترین جانور ہیں۔ فرعونیوں کا حال بدعہدی اور غداری میں یہ ہی تھا۔ ﴿وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يَا مُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِندَكَ ۖ لَئِن كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِي إِسْرَائِيلَ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُم بَالِغُوهُ إِذَا هُمْ يَنكُثُونَ﴾ (اعراف رکوع ۱۶) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہود بنی قریظہ وغیرہ کی یہ ہی خصلت تھی۔ آپ سے عہد کر لیتے کہ ہم مشرکین مکہ کو مدد نہ دیں گے، پھر ان کی امداد کرتے اور کہہ دیتے کہ ہم کو عہد یاد نہ رہا تھا۔ بار بار ایسا ہی کرتے تھے۔ آگے بتلایا ہے کہ ایسے غداروں کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہیے۔

ف۲ یعنی اگر یہ دغا باز غدار معاہدوں کو اعلانیہ پس پشت ڈال کر آپ کے مقابل میدان جنگ میں آ جائیں تو ان کو ایسی سخت سزا دیجئے جسے دیکھ کر ان کے پیچھے رہنے والے یا ان کے بعد آنے والی نسلیں بھی عبرت حاصل کریں اور عہد شکنی کی کبھی جرأت نہ کر سکیں اور اگر ایک قوم نے اعلانیہ دغا بازی نہیں کی، ہاں آثار و قرائن بتا رہے ہیں کہ عہد شکنی پر آمادہ ہے تو آپ کو اجازت ہے کہ مصلحت سمجھیں تو ان کا عہد واپس کر دیں اور معاہدہ سے دستبرداری کی اطلاع کر کے مناسب =

إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ﴿٥٩﴾

وہ ہرگز تھکا نہ سکیں گے ہم کو ف ۱

وہ تھکا نہ سکیں گے۔

بیان احوال وحاکم کفار اہل کتاب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا... الى... إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ﴾

ربط:......شروع سورت سے یہاں تک کفار مشرکین کے احوال وقتال کا بیان تھا اب ان آیات میں کفار اہل کتاب یعنی یہود کے احوال وقتال کا بیان ہے کیونکہ ان آیات کا سبب نزول یہود بنی قریظہ کی عہد شکنی اور اسلام کی دشمنی ہے یہود نے آنحضرت ﷺ سے عہد کیا تھا کہ ہم آپ کے دشمنوں (کفار مکہ) کو کوئی مدد نہ دیں گے مگر پھر ان کی غزوہ احزاب میں مدد کی اور بھی چند بار ایسا ہی کیا اور ہر مرتبہ یہ کہہ دیتے کہ ہمیں عہد یاد نہیں رہا تھا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئی اور اسی عہد شکنی اور حق کی دشمنی کی وجہ سے ان کو بدترین حیوانات بتلایا اور حکم دیا کہ جب ان سے لڑائی ہو تو ان کو خوب قتل کرو اور ایسی عبرتناک تکلیف ان کو پہنچاؤ کہ دوسرے کافر بھی سن کر ڈر جائیں اور تمہارے مقابلہ سے باز آ جائیں اور ڈر جائیں کہ مبادا اگر ہم نے مقابلہ کیا تو ہماری بھی ایسی ہی گت بنے گی جو ان کی بنی ہے۔

یا یوں کہو:......کہ گزشتہ آیت میں تمام کافروں کے متعلق یہ فرمایا تھا کہ ﴿كُلٌّ كَانُوا ظٰلِمِينَ﴾ یہ سب ظالم تھے۔ اب ان آیات میں سب سے بڑے ظالموں یعنی یہود بے بہبود کی ظالمانہ عادتوں کو بیان کرتے ہیں جس سے ان کا بدترین ظالم ہونا ثابت ہو جائے۔ مطلب یہ ہے کہ ظالم تو سارے ہی کافر ہیں مگر یہ یہود خباثت میں سب سے بڑھ کر ہیں۔ ان میں خاص طور پر دو وصف پائے جاتے ہیں ایک تو یہ کہ یہ کفر پر مصر ہیں دوسرے یہ کہ یہ بدعہد ہیں، عہد کا خیال نہیں رکھتے ہر بار اپنے عہد کو توڑتے ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ ان کو ایسی سخت سزا دیجئے کہ دوسرے کافر ان کا حال سن کر ڈر جائیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق یہ لوگ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں میں اس قدر غرق اور مست ہوئے کہ طبیعت اور فطرت ہی متغیر اور متبدل ہوگئی اور دائرہ انسانیت

= کارروائی کریں۔ تاکہ فریقین پچھلے معاہدات کی نسبت شک واشتباہ میں نہ رہیں۔ دونوں مساویانہ طور پر آگاہ و بیدار ہو کر اپنی تیاری اور حفاظت میں مشغول ہوں۔ آپ کی جانب سے کوئی چوری اور خیانت نہ ہو سب معاملہ صاف صاف ہو۔ حق تعالیٰ خیانت کی کارروائی کو خواہ کفار کے ساتھ ہو پسند نہیں کرتا۔ سنن میں روایت ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور روم میں میعادی معاہدہ تھا، میعاد کے اندر امیر معاویہ نے اپنی فوجوں کو روم کی سرحد کی طرف بڑھانا شروع کیا مقصد یہ تھا کہ رومیوں کی سرحد سے اس قدر قریب اور پہلے سے تیار رہیں کہ میعاد معاہدہ گزرتے ہی فوراً دھاوا بول دیا جائے۔ جس وقت یہ کارروائی جاری تھی، ایک شیخ سواری پر یہ کہتے ہوئے آئے۔ "اللہ اکبر اللہ اکبر وفاء لا غدراً" یعنی عہد پورا کرو عہد شکنی مت کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کسی قوم سے معاہدہ ہو تو کوئی گرہ نہ کھولی جائے نہ باندھی جائے یہاں تک کہ معاہدہ کی مدت پوری ہو جائے۔ یا فریق ثانی کو مساویانہ حیثیت میں معاہدہ واپس کیا جائے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر پہنچی تو الٹے واپس آگئے۔ پھر جو دیکھا تو وہ شیخ حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ تھے۔

ف ۱ نبذ عہد کا جو حکم اوپر مذکور ہوا، ممکن تھا کہ کفار اس کو مسلمانوں کی سادہ لوحی پر حمل کر کے خوش ہوتے کہ جب ان کے یہاں خیانت و غدر جائز نہیں تو ہم کو خبردار اور بیدار ہونے کے بعد پورا موقع اپنے بچاؤ اور مسلمانوں کے خلاف تیاری کرنے کا ملے گا۔ اس کا جواب دے دیا کہ کتنی ہی تیاری اور انتظامات کر لو۔ جب مسلمانوں کے ہاتھوں خدا تم کو مغلوب و رسوا کرنا اور دنیا یا آخرت میں سزا دینا چاہے گا، تو تم کسی تدبیر سے اس کو عاجز نہ کر سکو گے۔ نہ اس کے احاطہ قدرت و تسلط سے نکل کر بھاگ سکو گے۔ گویا مسلمانوں کی تسلی کر دی کہ وہ خدا پر بھروسہ کر کے اس کے احکام کا امتثال کریں تو سب پر غالب آئیں گے۔

سے نکل کر جنس حیوانات میں داخل ہو گئے حتی کہ بدترین حیوانات اللہ کے نزدیک یہ کافر ہیں اگر چہ لوگوں کی نظر میں بڑے عاقل اور دانا ہیں پس یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں اور دلیل اس کی یہ ہے کہ یہ کافر جن سے آپ نے عہد کیا ہے۔ ان کی حالت یہ ہے کہ بار بار عہد باندھتے ہیں۔ پھر وہ ہر بار اپنے عہد کو توڑتے رہتے ہیں۔ یہ آیت یہود بنی قریظہ کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے حضور پر نور ﷺ سے عہد باندھا کہ ہم نہ آپ ﷺ سے لڑیں گے اور نہ آپ ﷺ کے مقابلہ میں دوسروں کو مدد دیں گے۔ مگر انہوں نے اس عہد کو توڑا اور بار بار اس کے خلاف کیا۔ جب آپ ﷺ نے ان سے باز پرس کی تو انہوں نے کہا کہ ہم تو بھول گئے تھے اور ہم سے غلطی ہو گئی۔ ایسے بدعہد اور غدار مکار کیسے ایمان لا سکتے ہیں اور آئندہ بھی وہ عہد شکنی سے ڈرتے نہیں تو پھر ان کے بدترین حیوانات ہونے میں کیا شک ہے سو ایسے بدعہدوں اور دغابازوں کا علاج یہ ہے کہ اے نبی اگر آپ لڑائی میں ان پر قابو پا جائیں تو ان کے بے دریغ قتل سے ان لوگوں کو متفرق اور منتشر کر دیں تو ان کے پیچھے تمہارے لیے دشمن ہیں شاید وہ پچھلے کافر ان کی سزا کو دیکھ کر نصیحت اور عبرت پکڑیں یعنی اگر یہ دغاباز اور غدار آپ ﷺ کے مقابل میدان جنگ میں آ جائیں تو ان میں اس قدر خونریزی کیجئے کہ ان کا قتل دوسروں کے لیے موجب عبرت بن جائے اور ان کا حال معلوم کر کے دوسرے کافر عبرت حاصل کریں اور عہد شکنی کرنے سے ڈریں یہ حکم تو ان لوگوں کے متعلق ہے جنہوں نے علانیہ عہد کو توڑا اور اگر ابھی تک علانیہ طور پر عہد تو نہیں توڑا مگر آپ کو معاہد جماعت سے خیانت یعنی عہد شکنی کا اندیشہ ہو اور قرائن سے یہ محسوس ہو کہ یہ لوگ در پردہ کوئی شرارت کرنا چاہتے ہیں تو آپ ان کا عہد ان کی طرف پھینک دیں یعنی ان کو اطلاع کر دیں کہ اب ہم میں اور تم میں کوئی عہد نہیں رہا اسی طرح کہ وہ اور تم اس علم میں برابر ہو جائیں۔ یعنی ان کو بھی معلوم ہو جائے کہ اب عہد ختم ہو چکا ہے اور اس اطلاع سے تم اور وہ علم میں برابر ہو جائیں۔ محض اندیشہ اور خطرہ کی بنا پر بلا اطلاع دشمن پر حملہ کرنا ایک قسم کی خیانت ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ خیانت کرنیوالوں کو دوست نہیں رکھتا اور نہ ان کے اس عمل کو پسند کرتا ہے خیانت سے مراد وہی نقض عہد ہے۔

سنن ابی داود میں ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور رومیوں کے درمیان کوئی میعادی معاہدہ تھا میعاد کے اندر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی فوجوں کو رومیوں کی سرحد کے قریب جمع کرنا شروع کیا تا کہ جب عہد کی میعاد ختم ہو تو فوراً حملہ کر دیا جائے حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ کا اس طرف گزر ہوا تو اس ماجرا کو دیکھ کر یہ فرمایا اللہ اکبر اللہ اکبر وفاء لا غدر (یعنی وفا چاہئے عہد شکنی نہیں) اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جب کسی قوم سے معاہدہ ہو تو اس کی کوئی گرہ نہ کھولی جائے اور نہ باندھی جائے۔ یہاں تک کہ معاہدے کی مدت پوری ہو جائے یا برابری کی حالت میں ان کے عہد کو ان کی طرف پھینک دیا جائے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو بے لڑے اپنے ملک میں واپس آ گئے۔

فقہائے کرام نے تصریح کی ہے کہ برابری کی حالت میں عہد پھینکنا اس وقت ہے کہ جب قرائن اور علامات سے یہ معلوم ہو کہ وہ عہد شکنی کرنے والے ہیں لیکن اگر انہوں نے فی الحقیقت عہد شکنی کر دی ہے تو پھر عہد پھینکنے کی کوئی ضرورت نہیں ان کی بغیر اطلاع کے ان پر حملہ کرنا جائز ہے جیسا کہ قریش نے جب صلح حدیبیہ کو توڑا تو آنحضرت ﷺ نے بغیر اطلاع دیئے قریش پر حملہ کیا اور مکہ کو فتح کر لیا اور نبذ عہد کا حکم جو اوپر مذکور ہوا تو اس سے بظاہر دشمن کو تیاری کا موقع مل جانے کا امکان ہے

اس لیے ارشاد فرماتے ہیں کہ اس حکم سے کافر یہ گمان نہ کریں کہ جب ہم کو پہلے سے علم ہو جائے گا تو ہم بچ کر کہیں نکل جائیں گے خوب سمجھ لیں کہ وہ بلاشبہ خدا تعالیٰ کو اپنے پکڑنے سے عاجز نہیں کر سکتے۔ وہ جہاں سے چاہے پکڑ سکتا ہے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ

اور تیار کرو ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے ف۱ کہ اس سے دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں پر

اور سر انجام کرو ان کی لڑائی کو، جو پیدا کر سکو زور اور گھوڑے پالنے، کہ اس سے دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں پر،

وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ

اور تمہارے دشمنوں پر اور دوسروں پر ان کے سوا جن کو تم نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے ف۲ اور جو کچھ تم خرچ

اور تمہارے دشمنوں پر، اور ایک اور لوگوں پر سوا ان کے جن کو تم نہیں جانتے، اللہ ان کو جانتا ہے۔ اور جو خرچ

شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝

کرو گے اللہ کی راہ میں وہ پورا ملے گا تم کو اور تمہارا حق نہ رہ جائے گا ف۳

کرو گے اللہ کی راہ میں، پورا ملے گا تم کو، اور تمہارا حق نہ رہے گا۔

سامان جنگ کی بھرپور تیاری کا حکم

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ... الی... وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں کافروں کے قتل و قتال اور ان سے جنگ و جدال اور اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ان کی عداوتوں کا اور خیانتوں کا اور بدعہدیوں کا ذکر فرمایا اب ان آیات میں دشمنان اسلام سے مقابلہ اور مقاتلہ کے لیے ساز و سامان کی تیاری اور سامان حرب کے مہیا کرنے کا حکم دیتے ہیں کہ دشمنان اسلام کے مقابلہ کے لیے جس قدر مادی قوت اور طاقت تم مہیا کر سکو اس میں دقیقہ اٹھا نہ رکھو اور اتنی طاقت فراہم کرو کہ تمہارا رعب دشمن پر قائم ہو جائے اور وہ تمہاری طاقت سے اتنا

ف۱ یعنی خدا پر بھروسہ کرنے کے معنی یہ نہیں کہ اسباب ضروریہ مشروعہ کو ترک کر دیا جائے۔ نہیں، مسلمانوں پر فرض ہے کہ جہاں تک ضرورت ہو سامان جہاد فراہم کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں گھوڑے کی سواری، شمشیر زنی اور تیر اندازی وغیرہ کی مشق کرنا، سامان جہاد تھا۔ آج بندوق، توپ، ہوائی جہاز، آبدوز کشتیاں، آہن پوش کروزر وغیرہ کا تیار کرنا اور استعمال میں لانا اور فنون حربیہ کا سیکھنا، بلکہ ورزش وغیرہ کرنا سب سامان جہاد ہے۔ اسی طرح آئندہ جو اسلحہ و آلات حرب و ضرب تیار ہوں، ان شاء اللہ وہ سب آیت کے منشاء میں داخل ہیں، باقی گھوڑے کی نسبت تو آپ خود ہی فرما چکے۔ "اَلْخَيْلُ مَعْقُوْدٌ فِيْ نَوَاصِيْهَا الْخَيْرُ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ" کہ قیامت تک کے لیے خدا نے اس کی پیشانی میں خیر رکھ دی ہے اور احادیث میں ہے کہ "جو شخص گھوڑا جہاد کی نیت سے پالتا ہے، اس کے کھانے پینے بلکہ ہر قدم اٹھانے میں اجر ملتا ہے اور اس کی خوراک وغیرہ تک کا قیامت کے دن ترازو میں وزن کیا جائے گا۔"

ف۲ یعنی یہ سب سامان اور تیاری دشمنوں پر رعب جمانے اور دھاک بٹھلانے کا ایک ظاہری سبب ہے۔ باقی فتح و ظفر کا اصلی سبب تو خدا کی مدد ہے، جو پہلے بیان ہو چکا۔ اور وہ لوگ جن کو بالیقین تم نہیں جانتے منافقین ہیں جو مسلمانی کے پردہ میں تھے یا یہود "بنی قریظہ" یا روم و فارس وغیرہ وہ سب قومیں جن سے آئندہ مقابلہ ہونے والا تھا۔

ف۳ یہ مالی جہاد کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی جہاد کی تیاری میں جس قدر مال خرچ کرو گے، اس کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ یعنی ایک درہم کے ساتھ دو درہم وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ اور بسا اوقات دنیا میں بھی اس سے کہیں زیادہ معاوضہ مل جاتا ہے۔

مرعوب اور خوفزدہ ہو جائے کہ وہ خود تمہارے ساتھ نہ بدعہدی کر سکے اور نہ تمہارے کسی دشمن کی مدد کر سکے۔ اور جب کافروں کو تمہاری قوت اور طاقت کا علم ہو جائے گا تو وہ مرعوب ہو جائیں گے۔ اگرچہ تم ان کافروں کو نہ جانتے ہو اور نہ تمہیں ان کی عداوت کا علم ہو۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ﴾ اس آیت میں ایسے ہی کافروں کی طرف اشارہ ہے ان لوگوں کو جب تمہاری طاقت کا علم ہوگا تو وہ نہ تم پر حملہ کرنے کی جرات کریں گے اور نہ تمہارے دشمن کے ساتھ علانیہ تعلق قائم کرنے کی ہمت کریں گے۔

یا یوں کہو: ...... کہ گزشتہ آیات میں یہ بتلایا کہ فتح وظفر سب من جانب اللہ ہے اور اللہ ہی کی مدد سے ہے اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ اگرچہ فتح وظفر درحقیقت اللہ ہی کی مدد سے ہے مگر تم بندے ہو اور عالم اسباب کے باشندے ہو اس لیے تم کو اسباب ظاہری کو نہ چھوڑنا چاہئے۔ دشمنان اسلام کی جنگ کے لیے اور کفر اور شرک کے فتنہ کے انسداد کے لیے ظاہری اسباب کو جمع کرو اور اتنا ساز وسامان کرو کہ تمہارا دشمن تمہاری طاقت سے مرعوب ہو جائے اور اس پر تمہاری دھاک بیٹھ جائے بایں ہمہ بھروسہ اللہ پر رکھو۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے مسلمانو کافروں کے مقابلہ کے لیے جو قوت اور طاقت اور زور تم سے بن پڑے وہ مہیا کرو اور گھوڑے باندھنے سے بھی مقابلہ کا سامان تیار کرو جس سے تم اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو ڈراؤ جن کو تم جانتے ہو اور ان کے سوا دوسرے دشمنوں کو بھی ڈراؤ جن کو تم نہیں جانتے ولیکن اللہ ان کو جانتا ہے کہ تمہارے چھپے دشمن ہیں تمہاری کمزوری کے وقت ان کی عداوت ظاہر ہوگی لہٰذا تم کو ایسی طاقت اور قوت فراہم کرنی چاہئے کہ جس سے تمہارے ظاہری دشمن اور چھپے دشمن سب مرعوب اور خوف زدہ ہو جائیں۔ ظاہری دشمن سے وہ کفار مراد ہیں جو اس وقت تم سے برسرپیکار ہیں اور باطنی دشمن سے وہ کفار مراد ہیں جو بظاہر اس وقت مسلمانوں سے برسرپیکار نہیں لیکن مسلمانوں کی عداوت کو دل میں چھپائے ہوئے ہیں اور تمہاری فکر میں لگے ہوئے ہیں اور موقع کے منتظر ہیں جب کبھی بھی کسی وقت مسلمانوں میں کمزوری دیکھیں گے اس وقت ان کی عداوت ظاہر ہوگی اس آیت میں ظاہری دشمنوں سے کفار مکہ اور یہود مدینہ مراد ہیں اور ﴿وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ﴾ سے کفار فارس اور روم مراد ہیں جن سے ابھی سابقہ نہیں پڑا لیکن عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ جب فارس اور روم سے مسلمانوں کا مقابلہ ہوگا اس لیے ابھی سے حکم دے دیا گیا کہ ابھی سے تم اتنی قوت اور طاقت فراہم کرلو جو آئندہ چل کر ان دشمنوں کے مقابلہ میں بھی کام آسکے جن کی دشمنی کا تم کو علم نہیں۔ اور اللہ کو خوب معلوم ہے کہ وہ تمہارے چھپے دشمن ہیں تمہاری تاک میں اور موقع کے منتظر ہیں جیسے آج کل خاص کر مغربی ممالک جو دن رات اسلامی حکومتوں کا تختہ الٹنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے مکر اور فریب اور ان کی منافقانہ دوستی اور عیارانہ امداد سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین۔

اب آئندہ آیت میں مال جہاد کی ترغیب دیتے ہیں اور اے مسلمانو! جو چیز بھی تم خدا کی راہ میں یعنی سامان جہاد کی تیاری میں خرچ کرو گے تو وہ تم کو پورا پورا دے دیا جائے گا اور تمہارے حق میں کمی نہ ہوگی اول تو دنیا ہی میں مال غنیمت اور مال فئی اور مال جزیہ اور مال خراج سے تمہارے خرچ کا اضعافاً مضاعفہ معاوضہ تم کو مل جائے گا جو تمہاری خرچ کی ہوئی رقم سے کہیں زیادہ ہوگا اور اگر کچھ کمی بھی رہی تو وہ آخرت میں پوری کردی جائے گی۔

لطائف ومعارف

۱- احادیث میں اگرچہ قوت کی تفسیر تیراندازی سے کی گئی ہے مگر باعتبار عموم الفاظ اس سے مراد ہر قسم کا سامان حرب ہے اور یہ مطلب نہیں کہ قوت صرف تیراندازی میں منحصر ہے بلکہ تلوار اور نیزہ اور سپر اور زرہ اور خود اور قلعے اور سامان رسد اور سامانِ حرب سب قوت میں داخل ہیں اس لیے کہ مقصود اصلی تو آیت کا یہ ہے کہ وہ ساز و سامان اور آلات حرب مہیا کرو جس کے ذریعے تم دشمن کی مدافعت کرسکو اور اس پر غالب آسکو عہد نبوی میں گھوڑوں کا باندھنا اہم سامان حرب تھا۔ اس لیے اس کی اہمیت اور شرافت کی بنا پر اس کو علیحدہ بیان فرمایا کتب احادیث اور تفاسیر میں تیراندازی اور گھوڑوں کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں مذکور ہیں اور مشہور ہیں وہاں دیکھ لی جائیں اور سب سے مقصود سامان جنگ کی تیاری کا حکم دینا ہے۔ بہرحال اس آیت سے مقصود مسلمانوں کو یہ حکم دینا ہے کہ تم دشمنوں کے مقابلہ کے لیے سامان جنگ تیار کرو۔ جس قدر طاقت اور قوت تم فراہم کرسکتے ہو اس میں کسر نہ چھوڑو اور ظاہر ہے کہ ہر زمانہ میں سامان جنگ بدلتا رہا ہے پہلے زمانے میں تیر و تلوار تھے اور اس زمانے میں توپ اور بندوق ہیں۔ یہ سب سامان جہاد ہے اور اسی طرح آئندہ جو اسلحہ اور آلات حرب وضرب تیار ہوں گے ان شاء اللہ وہ سب اس آیت کے عموم اور مفہوم میں داخل ہوں گے اور عین منشاء قرآنی ہوں گے لہٰذا اس آیت کی رو سے مسلمان حکومتوں پر جدید اسلحہ کی تیاری اور ان کے کارخانوں کا قائم کرنا فرض ہوگا۔ اس لیے کہ اس آیت میں قیامت تک کے لیے ہر مکان و زمان کے مناسب قوت و طاقت کی فراہمی کا حکم دیا گیا ہے جس طرح کافروں نے تباہ کن ہتھیار تیار کیے ہیں ہم پر بھی اسی قسم کے تباہ کن ہتھیاروں کا تیار کرنا فرض ہوگا تاکہ کفر اور شرک کا مقابلہ کرسکیں۔

کما قال تعالیٰ: ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ﴾ ﴿وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِم مِّن سَبِيلٍ﴾ ﴿فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ﴾۔

۲- غزوۂ احزاب میں آنحضرت ﷺ نے مدینہ کے گرد خندق کھود کر قریش مکہ کا مقابلہ کیا جو کسریٰ اور ایرانیوں کا طریقہ تھا کہ خندقیں کھود کر دشمن کا مقابلہ کرتے تھے ۵ ھ میں جب تمام قبائل عرب نے ایک کمان ہو کر مدینہ منورہ پر حملہ کیا تو اس وقت آنحضرت ﷺ نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے جنگ کا ایک جدید طریقہ اختیار کیا جو عرب میں رائج نہ تھا وہ یہ کہ مدینہ کے اطراف میں خندقیں کھود کر مشرکین عرب کا مقابلہ کیا جائے جنگ کا یہ طریقہ کسریٰ اور مجوس کا تھا جس کو نبی کریم ﷺ نے اختیار فرمایا اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اس میں شریک رہے۔ پھر سن ۷ ھ میں خیبر کا معرکہ پیش آیا جو یہود کا گڑھ تھا اور اس میں یہود کے بڑے مستحکم قلعے تھے جن کے فتح کرنے میں تقریباً ایک ماہ لگا خیبر کے قلعوں میں ایک صعب نامی قلعہ تھا جب مسلمانوں کا اس پر قبضہ ہوگیا اور اس کے تہہ خانوں کی تلاشی لی گئی تو ان میں سے بہت سا سامان جنگ اور ہتھیار مسلمانوں کے ہاتھ آئے اور اس میں دبّابات اور منجنیقیں بھی مسلمانوں کے ہاتھوں آئیں۔ یہ رومی آلات حرب تھے جو قلعہ کشائی کے لیے استعمال کیے جاتے تھے۔ یہود کے خود ساختہ تھے یا رومیوں سے حاصل کیے تھے۔

دَبَّابَۃ (یعنی لکڑی کا ٹینک)

امام ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ نہایہ: ۲/۱۰ میں فرماتے ہیں کہ "دَبَّابَۃ" ایک آلہ ہے جو لکڑی اور چمڑے سے تیار کیا جاتا ہے۔ اور وہ اتنا بڑا ہوتا ہے کہ چند آدمی اس میں بیٹھ سکیں اور دشمن کی قلعہ کی دیوار کے قریب لے جا کر اسے کھڑا کر دیں تاکہ اس میں بیٹھ کر قلعہ میں نقب لگا سکیں اس آلہ میں بیٹھنے والے ان تیروں سے محفوظ رہیں جو قلعہ کے اوپر سے پھینکے جا رہے ہیں (دیکھو نہایہ [1] ابن اثیر: ۲/۱۰ و مجمع البحار: ۱/۹۴)

نیز ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث عمر رضی اللہ عنہ میں ہے:

"کیف تصنعون بالحصون قال نتخذ دبّابات یدخل فیھا الرجال"۔ (دیکھو نہایہ: ۲/۱۰ و مجمع البحار: ۱/۳۹۴)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر کو دشمن کے مقابلہ میں روانہ کرتے وقت لشکر سے دریافت کیا تم دشمن کے قلعوں کے ساتھ کیا کرو گے اور ان کو کس طرح فتح کرو گے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہم دَبَّابے بنالیں گے اور ہمارے جوان ان میں بیٹھ کر قلعہ میں نقب لگائیں گے یعنی اس طرح دشمن کے قلعوں کو مسخر کریں گے۔

دَبَّابَۃ کی تعریف آپ نے سن لی آج کل اصطلاح میں اس کا نام ٹینک ہے فرق اتنا ہے کہ پہلے زمانہ میں یہ آلہ حرب لکڑی اور چمڑے سے تیار ہوتا تھا اور اس زمانہ میں فولاد سے تیار ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس سوال۔ کیف تصنعون بالحصون (تم دشمن کے مضبوط قلعوں کو کسی طرح مسخر کرو گے) کے جواب میں صحابہ کا یہ عرض کرنا نتخذ دبابات یدخل فیھا الرجال (ہم دبابے بنالیں گے اور اس میں بیٹھ کر دشمن کے قلعہ میں نقب لگائیں گے) یہ اس امر کی دلیل ہے کہ دبابہ کا بنانا اور اس کی صنعت اور اس کا استعمال اس زمانے میں رائج تھا اور مسلمان بھی ضرورت کے وقت دبابہ (اس زمانے کے ٹینک) بنانے پر قادر تھے

مِنْجَنِیْق (اس زمانے کی مشین گن)

منجنیق پتھر پھینکنے کے آلہ کو کہتے ہیں کہ جس کے ذریعے سے سنگ باری کی جائے جس کو آج کل کی اصطلاح میں مشین گن کہتے ہیں جَنَق سے مشتق ہے جس کے معنی رمی یعنی پھینکنے کے ہیں اور جو شخص اس آلہ کے ذریعے پتھر پھینکے اس کو جانق کہتے ہیں۔ روایات میں ہے کہ حجاج بن یوسف نے جب مکہ مکرمہ کا محاصرہ کیا تو اس نے خانہ کعبہ کے سامنے دو منجنیق نصب کیے اور دو جانق اس کے چلانے کے لیے مقرر کیے۔ (دیکھو نہایہ ابن اثیر: ۱/۱۸۲ اور الدر النثیر مؤلفہ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ مطبوعہ برحاشیہ نہایہ اور دیکھو مجمع البحار: ۱/۲۱۵)

معلوم ہوا کہ اس زمانے میں منجنیق کا استعمال لڑائیوں میں معروف و مشہور تھا غزوہ خیبر میں جب قلعہ صعب فتح ہوا

---

[1] اصل عبارت اس طرح ہے۔ الدبابۃ الۃ تتخذ من جلود و خشب یدخل فیھا الرجال ویقربونھا من الحصن المحاصر لینقبوہ وتقیھم مایرمون بہ من فوقھم۔ انتھی کذا فی النھایہ: ۲/۱۰، وکذا فی مجمع البحار: ۱/۳۹۴، وکذا فی الدر النثیر للحافظ السیوطی: ۲/۱۰۔

اور اس میں سے کچھ دبابے اور کچھ منجنیقیں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں جو رومیوں کے آلات جنگ تھے اس قلعہ کے فتح کے بعد جب خیبر کے دوسرے دو قلعے وطیح اور سلالم کے فتح کرنے میں آنحضرت ﷺ کو دشواری پیش آئی تو اس وقت آپ ﷺ نے یہ ارادہ فرمایا کہ ان لوگوں پر منجنیق کو نصب کیا جائے مگر اس کی نوبت نہیں آئی اور یہ دونوں قلعے بحمدہ تعالیٰ بغیر منجنیق کے نصب کیے ہوئے فتح ہو گئے۔ بہرحال آنحضرت ﷺ کا ان آلات کے استعمال کا ارادہ فرمانا جو غیر مسلموں کی ایجاد تھے۔ یہی اس کی مشروعیت اور جواز کی دلیل ہے۔ پھر جب سن ۸ ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہوا تو آنحضرت ﷺ فتح مکہ کے بعد طائف کی طرف روانہ ہوئے اور بارہ ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے ہمرکاب تھے اور وہاں پہنچ کر طائف کا محاصرہ کیا تقریباً بیس روز محاصرہ رہا جب فتح میں دشواری ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے ان پر منجنیق نصب کی اور منجنیق سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے خود اپنے ہاتھ سے تیار کی اور ان کے قلعہ کو مسمار کرنے کے لیے اس کو بنایا اور یہ سب کچھ آنحضرت ﷺ کے حکم سے آپ کے سامنے ہوا۔ علامہ زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسلام میں یہ پہلی منجنیق تھی۔ جو دشمنوں کے مقابلہ میں نصب کی گئی اور دنیا میں سب سے پہلا شخص نمرود ہے جس نے منجنیق تیار کی اور ابراہیم علیہ السلام پر آگ پھینکنے کے لیے اس کو استعمال کیا۔ تفصیل کے لیے زرقانی شرح مواہب: ۳۱/۳ دیکھیں۔

غرض یہ کہ آنحضرت ﷺ نے تیر و تلوار کے علاوہ جدید آلات حرب بھی استعمال کیے اور صحابہ کو ان کے بنانے کا حکم بھی دیا اور آپ ﷺ کے بعد جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو شام اور عراق کی مہم پیش آئی تو آپ نے صحابہ کو قلعہ شکن دبابوں کے بنانے کا اور استعمال کرنے کا حکم دیا۔

پس حق جل شانہ نے اس آیت (﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾) میں ہر قسم کی قوت اور طاقت کے مہیا کرنے کا قطعی حکم دے دیا اس آیت کا عموم قیامت تک ظاہر ہونے والی قوتوں کو شامل ہے لہٰذا اب اگر کوئی اسلامی حکومت اس سے غفلت برتتی ہے تو یہ قصور اس کا ہے اسلام کا کوئی قصور نہیں۔

۳- اس آیت میں دو حکم دیئے گئے ہیں ایک قوت اور طاقت یعنی سامان جنگ کی تیاری کا سو یہ باتفاق فقہاء فرض کفایہ ہے اور دوسرا حکم رباط خیل کا ہے یعنی دشمن کے مقابلہ کے لیے گھوڑوں کے پالنے کا ہے اس سے مقصود یہ ہے کہ سرحدوں پر چھاؤنیوں کا قائم کرنا از حد ضروری ہے اور حق تعالیٰ جل شانہ کے اس ارشاد ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا﴾ میں مرابطہ سے سرحد کی نگرانی اور پاسبانی مراد ہے جو بحکم خداوندی فرض اور لازم ہے۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۱﴾ وَاِنْ

اور اگر وہ جھکیں صلح کی طرف تو تو بھی جھک اسی طرف اور بھروسہ کر اللہ پر بیشک وہی ہے سننے والا جاننے والا ف۱ اور اگر

اور اگر وہ جھکیں صلح کو، تو تو بھی جھک اسی طرف، اور بھروسہ کر اللہ پر۔ بیشک وہی ہے سنتا جانتا۔ اور اگر

ف۱ مسلمانوں کی تیاری اور مجاہدانہ قربانیوں کو دیکھ کر بہت ممکن ہے کہ کفار مرعوب ہو کر صلح و آشتی کے خواستگار ہوں تو آپ کو ارشاد ہے کہ حسب صوابدید آپ بھی صلح =

يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَالَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝

وہ چاہیں کہ تجھ کو دغا دیں تو تجھ کو کافی ہے اللہ اسی نے تجھ کو زور دیا اپنی مدد کا اور مسلمانوں کا ف۱

وہ چاہیں کہ تجھ کو دغا دیں تو تجھ کو بس ہے اللہ۔ اس نے تجھ کو زور دیا اپنی مدد کا، اور مسلمانوں کا۔

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ

اور الفت ڈالی ان کے دلوں میں اگر تو خرچ کر دیتا جو کچھ زمین میں ہے سارا نہ الفت ڈال سکتا ان کے دلوں میں لیکن

اور ان کے دل میں الفت ڈالی۔ اگر تو خرچ کرتا جو سارے ملک میں ہے تمام، نہ الفت دے سکتا ان کے دل میں۔ لیکن

اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ

اللہ نے الفت ڈالی ان میں بیشک وہ زور آور ہے حکمت والا ف۲ اے نبی کافی ہے تجھ کو اللہ اور جتنے تیرے ساتھ ہیں

اللہ نے الفت ڈالی ان میں۔ وہ زورآور ہے حکمت والا۔ اے نبی! کفایت ہے تجھ کو اللہ اور جتنے تیرے ساتھ ہوئے ہیں

الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ع

مسلمان ف۳

مسلمان۔

= کا ہاتھ بڑھادیں۔ کیونکہ جہاد سے خون ریزی نہیں، اعلائے کلمۃ اللہ اور دفع فتنہ مقصود ہے۔ اگر بدون خون ریزی کے یہ مقصد حاصل ہو سکے تو خواہی نخواہی خون بہانے کی کیا حاجت ہے اگر یہ احتمال ہو کہ شاید کفار صلح کے پردہ میں ہم کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں تو کچھ پروا نہ کیجئے اللہ پر بھروسہ رکھئے وہ ان کی نیتوں کو جانتا اور ان کے اندرونی مشوروں کو سنتا ہے اس کی حمایت کے سامنے ان کی بدنیتی نہ چل سکے گی آپ اپنی نیت صاف رکھئے۔

ف۱ اگر صلح کر کے وہ لوگ دغابازی اور عہد شکنی کا ارادہ کریں تو فکر نہ کیجئے۔ خدا آپ کی مدد کے لیے کافی ہے ان کے سب فریب و خداع بے کار کر دے گا۔ اسی نے بدر میں آپ کی غیبی امداد فرمائی، اور ظاہری طور پر جاں نثار و سرفروش مسلمانوں سے آپ کی تائید کی۔

ف۲ اسلام سے پہلے عرب میں جدال و قتال اور نفاق و شقاق کا بازار گرم تھا۔ ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر قبائل آپس میں ٹکراتے رہتے تھے۔ دو جماعتوں میں جب لڑائی شروع ہو جاتی تو صدیوں تک اس کی آگ ٹھنڈی نہ ہوتی تھی مدینہ کے دو زبردست قبیلوں "اوس" و "خزرج" کی حریفانہ نبرد آزمائی اور دیرینہ عداوت و بغض کا سلسلہ کسی طرح ختم نہ ہوتا تھا۔ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے اور عزت و آبرو کے بھوکے تھے۔ ان حالات میں آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توحید و معرفت اور اتحاد و اخوت کا عالمگیر پیغام لے کر مبعوث ہوئے۔ لوگوں نے انہیں بھی ایک فریق ٹھہرالیا اور سب نے مل کر خلاف و شقاق کا رخ ادھر پھیر دیا۔ پرانے کینے اور عداوتیں چھوڑ کر ہر قسم کی دشمنی کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات کو مطمح نظر بنالیا۔ وہ آپ کی پند و نصیحت سے گھبراتے تھے اور آپ کے سایہ سے بھاگتے تھے۔ دنیا کی کوئی طاقت نہ تھی جو درندوں کی بھیڑ اور بہائم کے گلہ میں معرفت الٰہی اور حب نبوی کی روح پھونک کر اور شراب توحید کا متوالا بنا کر سب کو ایک دم اخوت و الفت باہمی کی زنجیر میں جکڑ دیتی اور اس مقدس ہستی کا درم ناخریدہ غلام اور عاشق جاں نثار بنا دیتی جس سے زیادہ چند روز پہلے ان کے نزدیک کوئی مبغوض ہستی نہ تھی بلاشبہ روئے زمین کے خزانے خرچ کر کے بھی یہ مقصد حاصل نہ کیا جا سکتا تھا جو اللہ کی رحمت و اعانت سے ایسی سہولت کے ساتھ حاصل ہو گیا۔ خدا نے حقیقی بھائیوں سے زیادہ ایک کی الفت دوسرے کے دل میں ڈال دی۔ اور پھر سب کی الفتوں کا اجتماعی مرکز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات منبع البرکات کو بنا دیا۔ قلوب کو دفعۃً ایسا پلٹ دینا خدا کے زور قدرت کا کرشمہ ہے اور ایسی شدید ضرورت کے وقت سب کو محبت و الفت کے ایک نقطہ پر جمع کر دینا اس کے کمال حکمت کی دلیل ہے۔

ف۳ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ اکثر سلف کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ اے پیغمبر! خدا تجھ کو اور تیرے ساتھیوں کو کافی ہے۔ یعنی قلت عدد اور بے سروسامانی سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ اور بعض علماء نے یہ معنی لیے ہیں کہ اے پیغمبر! تجھ کو فی الحقیقت اکیلا خدا کافی ہے اور ظاہری اسباب کے اعتبار سے مخلص مسلمانوں کی جماعت خواہ کتنی ہی تھوڑی ہو کافی ہے۔ پہلے جو فرمایا تھا۔ ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ﴾ گویا یہ اسی کا خلاصہ ہوا۔

حسب ضرورت ومصلحت کفار سے صلح کی اجازت اور صلح کے بعد مسلمانوں کوتوکل کا حکم اور وعدۂ نصرت وحفاظت

قَالَ اللہُ تَعَالیٰ : ﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا... الی... وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیت میں ارباب کفار کا بیان تھا یعنی اتنی قوت اور طاقت فراہم کرو کہ دشمن مرعوب ہوجائے اب آگے یہ بیان فرماتے ہیں کہ اگر کسی وقت دشمن صلح کی طرف مائل اور تم سے صلح کی درخواست کرے تو حسب ضرورت ومصلحت ایک مدت معینہ کے لیے صلح کرنا جائز ہے مگر واجب نہیں اس لیے کہ اصل فریضہ کفار سے جہاد وقتال کرنا ہے البتہ حسب ضرورت ومصلحت کفار سے صلح کی اجازت ہے حکم نہیں۔

شریعت نے کافروں سے اصل حکم جہاد کا دیا ہے اور بوقت ضرورت حسب مصلحت کافروں سے صلح کی اجازت دی ہے کہ اگر تم کافروں سے صلح کرلو تو جائز ہے مگر واجب نہیں۔

"قال ابو حنيفة رضي الله عنه لا ينبغي موادعة اهل الشرك اذا كان بالمسلمين عليهم قوة لان فيه ترك القتال المامور به او تاخيره وذالك مما لا ينبغي للامير ان يفعله من غير حاجة قال الله تعالىٰ ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين وان لم يكن بالمسلمين قوة عليهم فلا باس بالموادعة لان الموادعة خير للمسلمين في هذه الحالة وقد قال عز وجل وان جنحوا للسلم فاجنح لها الاية ولان هذا من تدبير القتال فان على المقاتل ان يحفظ قوة نفسه اولا ثم يطلب العلو والغلبة اذا تمكن من ذالك"
(شرح سیر کبیر للامام السرخسی: ۴/۲)

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر مسلمانوں میں کافروں کے مقابلہ کی طاقت اور قوت ہو تو پھر ان سے صلح کرنا کسی طرح مناسب اور زیبا نہیں کیونکہ حق تعالیٰ نے کافروں سے جہاد اور قتال کا حکم دیا ہے پس اگر کفار سے صلح کی جائے تو فریضہ جہاد کا ترک یا اس میں تاخیر لازم آئے گی اور مسلمانوں کے امیر کے لیے یہ کسی طرح زیبا اور لائق نہیں کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں سے بغیر ضرورت اور بغیر مجبوری کے صلح کرے اس لیے کہ حق جل شانہ کا ارشاد ہے: اے مسلمانو تم دشمنان اسلام کے جہاد وقتال میں کمزور اور سست نہ پڑو اور اس راہ میں جو تکلیف پہنچے اس سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہو اور تم ہی غالب رہو گے۔ اگر تم سچے اور پکے مسلمان ہو۔ (اللہ کا حکم ختم ہوا) اور اگر مسلمانوں میں کافروں کے مقابلہ کی قوت نہ ہو تو پھر صلح کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اس لیے کہ ایسی حالت میں صلح کرنا ہی مسلمانوں کے لیے خیر اور مصلحت ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر کافر صلح کی طرف مائل ہیں تو تم بھی صلح کی طرف مائل ہو جاؤ نیز ایسی حالت میں صلح کر لینا یہ در پردہ جہاد وقتال کی ایک تدبیر ہے اس لیے کہ مجاہد پر یہ فرض ہے کہ اولاً وہ اپنی قوت کو محفوظ کرے اور قوت حاصل ہو جانے کے بعد پھر دشمن اسلام پر

غلبہ کی کوشش کرے جب کبھی اس کو یہ موقعہ ملے۔"

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے کلام کا ترجمہ ختم ہوا اور یہی مضمون احکام القرآن: ۲/۶۹۔ و ۳/۷۰ للامام ابی بکر الجصاص میں مذکور ہے۔

فقہاء کرام نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ مسلمان فرماں روا کافروں سے ایک مدت معینہ کے لیے صلح کر سکتا ہے مگر جہاں تک ممکن ہو صلح کی مدت کم مقرر کرے اور دس سال سے زیادہ کا معاہدہ نہ کرے۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے حدیبیہ میں قریش سے دس سال کے لیے معاہدہ کیا اور اس سے زیادہ مدت کے لیے کبھی کسی سے کوئی معاہدہ نہیں کیا۔ بہر حال ایک مدت معینہ کے لیے کافروں سے صلح جائز ہے اور اس مدت میں اگر کفار اپنے عہد کو توڑ ڈالیں تو وہ بجائے معاہدہ کے محارب سمجھے جائیں گے۔ بلا اطلاع کے ان پر چڑھائی اور فوج کشی جائز ہوگی۔ جیسے قریش نے صلح حدیبیہ کو توڑا تو آنحضرت ﷺ بلا اعلان جنگ قریش پر حملہ کے لیے روانہ ہوئے اور مکہ کو فتح کر لیا۔

اب آیت کی تفسیر دیکھئے۔ فرماتے ہیں اور اگر دشمنان اسلام تمہاری قوت اور طاقت سے مرعوب ہو کر صلح کی طرف جھکیں تو آپ کو بھی اجازت ہے کہ اگر مصلحت سمجھیں تو صلح کی طرف جھک جائیں۔ شاید وہ اس بہانہ سے اسلام میں داخل ہو جائیں اور تمہارے بھائی بن جائیں اور اس صلح پر بھروسہ نہ کیجئے بلکہ بھروسہ اللہ پر رکھیئے کیونکہ اللہ ہی کافروں کے مکر وفریب سے بچانے والا ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ کافروں کے اندرونی مشوروں کو سنتا ہے اور ان کی بدنیتی کو خوب جانتا ہے کہ کس نیت سے یہ صلح کر رہے ہیں اور اگر آپ کو قرائن سے معلوم ہو کہ وہ اس صلح سے آپ کو دغا دینا چاہتے ہیں تو آپ حسب صوابدید اللہ پر بھروسہ کر کے کافروں کی صلح کی درخواست قبول کر لیجئے اور ان کے دھوکہ کی پرواہ نہ کیجئے پس تحقیق اللہ تعالیٰ آپ کو ان کے دھوکہ سے بچانے کے لیے کافی ہے جس خدا نے پہلے آپ کی حفاظت اور کفایت کی وہی اب بھی محافظ اور کافی ہے کیونکہ اسی نے جنگ بدر میں بغیر قوت اور بغیر رباط خیل کے اور بغیر ظاہری اسباب کے اپنی خاص مدد سے آپ کو قوت دی فرشتوں سے آپ ﷺ کی مدد کی اور ان مسلمانوں کے ذریعے آپ کو قوت دی جو خدا تعالیٰ کی اطاعت شعاری اور جاں نثاری میں فرشتوں کا نمونہ تھے۔ یعنی حقیقت میں تیرا مددگار اللہ ہے۔ اور ظاہری اسباب میں یہ مسلمان تیرے مددگار ہیں تو تجھے کسی کا کیا ڈر ہے۔ اس لیے اگرچہ یہ لوگ دغابازی اور عہد شکنی کا ارادہ کریں تو آپ اس کی فکر نہ کیجئے اللہ آپ کو کافی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اس مٹھی بھر جماعت کو قائم مقام قوت اور رباط خیل کے بنا دیا۔ کیونکہ اللہ نے ان کو دلوں میں الفت ڈال دی اور زمانہ جاہلیت کی حمیت اور عصبیت کو دلوں سے بالکل نکال دیا اور باہمی الفت کی قوت ساز وسامان کی قوت سے کہیں بڑھ کر ہے اگر آپ ان تمام خزانوں کو بھی خرچ کر ڈالتے جو زمین کے اندر چھپے ہوئے ہیں تب بھی آپ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی الفت نہیں ڈال سکتے تھے ولیکن اللہ نے ان کے درمیان الفت ڈال دی اور زمانہ جاہلیت کی دیرینہ عداوتیں جو صدیوں سے چلی آ رہی تھیں وہ سب کی سب اللہ تعالیٰ نے یک لخت ان کے دلوں سے نکال دیں اور یہ سب آپ ﷺ کے ہاتھ پر ایمان لے آئے اور آپ ﷺ کے اعوان وانصار بن گئے آپ ﷺ کی خاطر اللہ تعالیٰ نے ان کی طبیعتوں کو بدل دیا بیشک وہ غالب ہے حکمت والا ہے۔ یعنی بظاہر حال قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج میں اور

دیگر قبائل میں صدہا سال کے عداوت کے بعد اتفاق کا پیدا ہونا ناممکن نظر آتا تھا مگر اللہ زبردست ہے وہ سب کچھ کر سکتا ہے اس کی حکمت اس امر کی مقتضی ہوئی کہ ان کی باہمی دشمنی کو ختم کر کے کفر کی دشمنی پر ان سب کو متفق کرے اے نبی اگر آپ حقیقت پر نظر کریں تو ایک اللہ آپ کے لیے کافی ہے اگرچہ کوئی بھی آپ ﷺ کے ساتھ نہ ہو اور اگر ظاہر اسباب پر نظر کریں تو جو مسلمان تیرے پیرو ہیں وہ تیرے اور تیرے دین کی مدد کے لیے کافی ہیں۔ آپ ﷺ کے اتباع کی برکت سے مسلمانوں کی تھوڑی سی جماعت کفار کے لشکر جرار کو شکست دے سکتی ہے جیسے بدر میں آپ نے دیکھ لیا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ۚ إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ

اے نبی شوق دلا مسلمانوں کو لڑائی کا اگر ہوں تم میں بیس شخص ثابت قدم رہنے والے

اے نبی! شوق دلا مسلمانوں کو لڑائی کا۔ اگر ہوں تم میں بیس شخص ثابت،

يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ

تو غالب ہوں دو سو پر اور اگر ہوں تم میں سو شخص تو غالب ہوں ہزار کافروں پر اس واسطے کہ وہ لوگ

غالب ہوں دو سو پر۔ اور اگر ہوں تم میں سو شخص، غالب ہوں ہزار کافروں پر، اس واسطے کہ وہ لوگ

لَّا يَفْقَهُونَ ﴿٦٥﴾ الْآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا ۚ فَإِن يَكُن مِّنكُم

سمجھ نہیں رکھتے ف۱ اب بوجھ ہلکا کر دیا اللہ نے تم پر سے اور جانا کہ تم میں سستی ہے سو اگر ہوں تم میں سو شخص

سمجھ نہیں رکھتے۔ اب بوجھ ہلکا کیا اللہ نے تم پر، اور جانا کہ تم میں سستی ہے۔ سو اگر ہوں تم میں سو شخص

مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِن يَكُن مِّنكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ

ثابت قدم رہنے والے تو غالب ہوں دو سو پر، اور اگر ہوں تم میں ہزار تو غالب ہوں دو ہزار پر اللہ کے حکم سے

ثابت، غالب ہوں دو سو پر۔ اور اگر ہوں تم میں ہزار شخص، غالب ہوں دو ہزار پر، اللہ کے حکم سے۔

ف۱ یہ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی کہ تھوڑے بھی ہوں تو جی نہ چھوڑیں خدا کی رحمت سے دس گنے دشمنوں پر غالب آئیں گے۔ سبب یہ ہے کہ مسلمان کی لڑائی محض خدا کے لیے ہے۔ وہ خدا کو اور اس کی مرضی کو پہچان کر اور یہ سمجھ کر میدان جنگ میں قدم رکھتا ہے کہ خدا کے راستہ میں مرنا اصلی زندگی ہے اس کو یقین ہے کہ میری تمام قربانیوں کا ثمرہ آخرت میں ضرور ملنے والا ہے خواہ میں غالب ہوں یا مغلوب۔ اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جو تکلیف میں اٹھاتا ہوں وہ فی الحقیقت مجھ کو دائمی خوشی اور ابدی مسرت سے ہم کنار کرنے والی ہے۔ مسلمان جب یہ سمجھ کر جنگ کرتا ہے تو تائید ایزدی مددگار ہوتی ہے اور موت سے وحشت نہیں رہتی۔ اسی لیے پوری دلیری اور بے جگری سے لڑتا ہے۔ کافر چونکہ اس حقیقت کو نہیں سمجھ سکتا۔ اس لیے محض حقیر اور فانی اغراض کے لیے بہائم کی طرح لڑتا ہے اور قوت قلبی اور امداد غیبی سے محروم رہتا ہے۔ بناءً علیہ خبر اور بشارت کے رنگ میں حکم دیا گیا کہ مومنین کو اپنے سے دس گنے دشمنوں کے مقابلہ میں ثابت قدمی سے لڑنا چاہیے۔ اگر مسلمان بیس ہوں تو دو سو کے مقابلہ سے نہ ہٹیں اور سو ہوں تو ہزار کو پیٹھ نہ دکھلائیں۔

(تنبیہ) بیس اور سو، دو عدد شاید اس لیے بیان فرمائے کہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد کے لحاظ سے "سریہ" میں کم از کم بیس اور "جیش" میں ایک سو سپاہی ہوتے ہوں گے۔ اگلی آیت مدت کے بعد اتری اس وقت مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تھی۔ اس لیے سریہ کم از کم ایک سو کا اور جیش ایک ہزار کا ہوگا۔ دونوں آیتوں میں بیان نسبت کے وقت اعداد کا یہ تفاوت ظاہر کرتا ہے کہ اگلی آیت کے نزول کے وقت مسلمانوں کی مردم شماری بڑھ گئی تھی۔

وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٦٦﴾

اور اللہ ساتھ ہے ثابت قدم رہنے والوں کے ف۱

اور اللہ ساتھ ہے ثابت رہنے والوں کے۔

ترغیب وتشویق اہل ایمان بر قتال کفار وقانون قرار وفرار از میدان کارزار

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ... الی... وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں بوقت ضرورت حسب مصلحت کافروں سے صلح کی اجازت دی اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ کافروں سے صلح محض جائز اور مباح کے درجہ میں ہے اصلی حکم کافروں سے جہاد وقتال ہے۔ اس لیے فرماتے ہیں کہ اے نبی آپ اہل ایمان کو جہاد وقتال کا خوب شوق دلائیے۔ تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور اس کا بول بالا ہو اور کفر ذلیل وخوار ہو۔ اور یہ بات جہاد سے حاصل ہوتی ہے۔ صلح سے حاصل نہیں ہوتی اس لیے مسلمانوں کو چاہئے کہ ہر وقت جہاد کے لیے تیار رہیں۔ مبادا کافروں نے نئے دھوکہ کی نیت سے صلح کی ہو اور اس حکم کے ساتھ ساتھ میدان جہاد وقتال سے قرار اور فرار کے متعلق ایک قانون اور ضابطہ بتلاتے ہیں کہ اس بارے میں ابتداء میں یہ حکم تھا کہ اگر کفار مسلمانوں سے دس گنا ہوں تب بھی ان سے قتال کیا جائے مگر بعد میں یہ حکم اٹھا لیا گیا اور صرف دو گنے کافروں سے لڑنے کا حکم باقی رہ گیا چنانچہ فرماتے ہیں کہ اے نبی مسلمانوں کو کافروں سے جہاد وقتال پر اکسا اور اس پر برانگیختہ کر اس لیے کہ ایمان کا اصل اقتضاء دشمنان خدا سے جہاد وقتال ہے نہ کہ صلح۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ جہاد وقتال کے وقت کافروں کی کثرت کی پرواہ نہ کریں اور ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ اگر تم میں سے بیس شخص صابر ہوں گے تو وہ دو سو کافروں پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے سو آدمی صابر ہوں گے تو وہ ایک ہزار پر غالب آئیں گے یہ اس لیے ہے کہ یہ لوگ ثواب آخرت کو سمجھتے نہیں یعنی وہ اس لیے تم پر غالب نہیں آئیں

ف۱ بخاری میں ابن عباس سے منقول ہے کہ گذشتہ آیت جس میں مسلمانوں کو دس گنا کافروں کے مقابلہ پر ثابت قدم رہنے کا حکم تھا، جب لوگوں کو بھاری معلوم ہوئی تو اس کے بعد یہ آیت اتری۔ ﴿اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ﴾ الخ یعنی خدا نے تمہاری ایک قسم کی کمزوری اور سستی کو دیکھ کر پہلا حکم اٹھا لیا۔ اب صرف اپنے سے دوگنی تعداد کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا ضروری اور بھاگنا حرام ہے یہ کمزوری یا سستی جس کی وجہ سے حکم میں تخفیف ہوئی، کئی وجوہ سے ہو سکتی ہے۔ ابتدائے ہجرت میں گنے چنے مسلمان تھے جن کی قوت وجلادت معلوم تھی، کچھ مدت کے بعد ان میں سے بہت افراد بوڑھے اور کمزور ہو گئے اور جو نئی پود آئی ان میں پرانے مہاجرین وانصار جیسی بصیرت، استقامت اور تسلیم وتفویض نہ تھی، اور تعداد بڑھ جانے سے کسی درجہ میں اپنی کثرت پر نظر اور "توکل علی اللہ" میں قدرے کمی ہوئی ہوگی۔ اور ویسے بھی طبیعت انسانی کا خاصہ ہے کہ جو سخت کام تھوڑے آدمیوں پر پڑ جائے تو کرنے والوں میں جوش عمل زیادہ ہوتا ہے اور ہر شخص اپنی بساط سے بڑھ کر ہمت کرتا ہے لیکن وہی کام جب بڑے مجمع پر ڈال دیا جائے تو ہر ایک دوسرے کا منتظر رہتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ آخر کچھ میں ہی تنہا تو اس کا ذمہ دار نہیں۔ اسی قدر جوش، حرارت اور ہمت میں کمی ہو جاتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ "اول کے مسلمان یقین میں کامل تھے، ان پر حکم ہوا تھا کہ اپنے سے دس گنے کافروں پر جہاد کریں، پچھلے مسلمان ایک قدم کم تھے، تب یہی حکم ہوا کہ دوگنوں پر جہاد کریں۔ یہی حکم اب بھی باقی ہے لیکن اگر دگنے سے زیادہ پر حملہ کریں تو بڑا اجر ہے۔ حضرت عمر کے وقت میں ہزار مسلمان اسی ہزار سے لڑے ہیں۔" غزوہ موتہ" میں تین ہزار مسلمان دو لاکھ کفار کے مقابلہ میں ڈٹے رہے۔ اس طرح کے واقعات سے اسلام کی تاریخ بحمد اللہ بھری پڑی ہے۔

گے کہ وہ آخرت کو نہیں سمجھتے ان کی نظر دنیاوی زندگی پر مقصور ہے اس لیے وہ اپنی جان کو خطرہ میں نہیں ڈالتے بخلاف اہل ایمان کے کہ وہ آخرت کے ایسے مشتاق ہیں جیسے پیاسا پانی کا مشتاق ہو۔ وہ آخرت کے شوق میں اپنی جان کو پانی کی طرح بہادیتے ہیں۔ اس لیے کافر تمہارے مقابلہ میں ثابت قدم نہیں رہ سکتے اور یہ حکم یعنی اپنے سے دس گنے سے مقابلہ کا حکم اس وقت تھا کہ جب قوت ایمانی حد کمال کو پہنچی ہوئی تھی اور اہل ایمان صبر اور استقامت اور تسلیم وتفویض کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے اور ان کی نظر عددی قلت وکثرت پر نہ تھی بلکہ صرف خدا پر تھی اللہ کو معلوم ہے کہ بعد میں چل کر ان اوصاف میں کمی آجائے گی۔ اس لیے یہ حکم اٹھالیا گیا اور صرف دگنے کافروں سے لڑنے کا حکم باقی رہ گیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اب اللہ نے تم پر تخفیف کردی اور اس نے معلوم کرلیا کہ اب تمہاری ہمت اور صبر وتحمل میں کچھ ضعف اور کمزوری آگئی ہے پس اگر تم میں سے سو آدمی صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دو سو کافروں پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں کے ایک ہزار ہوں گے تو وہ دو ہزار کافروں پر غالب آئیں گے اللہ کے حکم سے یعنی ایک گنا کے دوگنا پر غلبہ محض بحکم خداوندی ہے ولیکن مشروط بہ صبر ہے اگر صبر کریں گے تو اپنے سے دوگونہ پر غالب آئیں گے اس لیے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ خدا ہو اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔

علماء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ پچھلی آیت پہلی آیت کے لیے ناسخ ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ پہلا حکم عزیمت ہے اور دوسرا رخصت ہے جو پہلے حکم پر عمل کرے اس کا ثواب اور اجر کامل اور اکمل ہے اور جو دوسرے حکم پر عمل کرے تو وہ بھی جائز اور درست ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ صبر اور یقین اور توکل کے مدارج مختلف ہیں جس درجہ کا صبر ہوگا اسی درجہ کی مدد من جانب اللہ اس کے ساتھ ہوگی۔ اگر تم صبر میں کامل ہوگے تو تم میں سے ایک ایک دس دس پر غالب آئے گا۔ دس کا عدد عدد کامل شمار ہوتا ہے۔ ﴿تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ﴾ جو صبر میں کامل ہوگا وہ عدد کامل پر غالب آئے گا اور اگر تمہارا صبر کمزور ہوگا تو ایمان اور صبر کی برکت سے ایک ایک دو دو پر غالب آئے گا اور اگر صبر نہیں تو پھر کوئی وعدہ نہیں۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۚ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ

نبی کو نہیں چاہیے کہ اپنے ہاں رکھے قیدیوں کو جب تک خوب خونریزی نہ کرلے ملک میں تم چاہتے ہو اسباب دنیا کا

نہیں چاہیئے نبی کو کہ اس کے ہاں قیدی آویں، جب تک نہ خون کرے ملک میں۔ تم چاہتے ہو جنس دنیا کی۔

وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٦٧﴾ لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا

اور اللہ کے ہاں چاہیے آخرت اور اللہ زور آور ہے حکمت والا ف۱ اگر نہ ہوتی ایک بات جس کو لکھ چکا اللہ پہلے سے تو تم کو پہنچتا اس

اور اللہ چاہتا ہے آخرت۔ اور اللہ زور آور ہے حکمت والا۔ اگر نہ ہوتی ایک بات، کہ لکھ چکا اللہ آگے سے تو تم کو پڑتا اس

ف۱ بدر کی لڑائی سے ستر کافر مسلمانوں کے ہاتھ میں قید ہوکر آئے حق تعالیٰ نے ان کے متعلق دو صورتیں مسلمانوں کے سامنے پیش کیں۔ قتل کردینا، یا فدیہ لے کر چھوڑ دینا اس شرط پر کہ آئندہ سال اسی تعداد میں تمہارے آدمی قتل کیے جائیں گے۔ حقیقت میں خدا کی طرف سے ان دو صورتوں کا انتخاب کے لیے پیش کرنا، امتحان وآزمائش کے طریقہ پر تھا کہ ظاہر ہوجائے کہ مسلمان اپنی رائے اور طبیعت سے کس طرف جھکتے ہیں۔ جیسے ازواج مطہرات کو دو صورتوں میں تخییر دی گئی تھی۔

آخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٦٨﴾ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ

لینے میں بڑا عذاب ف۱ سو کھاؤ جو تم کو غنیمت میں ملا حلال ستھرا اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ ہے

لینے میں بڑا عذاب۔ سو کھاؤ، جو غنیمت لاؤ حلال ستھری۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے۔ اللہ ہے

= ﴿اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ﴾ (الاحزاب رکوع ۴) یا معراج میں آپ کے سامنے خمر ولبن (دودھ اور شراب) کے دو برتن پیش کیے گئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کو اختیار فرمایا۔ جبرائیل نے کہا کہ اگر بالفرض آپ شراب کو اختیار فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بہک جاتی۔ بہرحال آپ نے صحابہ سے اس معاملہ میں رائے طلب کی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ یہ سب قیدی اپنے خویش واقارب اور بھائی بند ہیں۔ بہتر ہے کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے اس نرم سلوک اور احسان کے بعد ممکن ہے کچھ لوگ مسلمان ہو کر وہ خود اور ان کی اولاد واتباع ہمارے دست وبازو بنیں اور جو مال بالفعل ہاتھ آئے اس سے جہاد وغیرہ دینی کاموں میں سہارا لگے۔ باقی آئندہ سال ہمارے ستر آدمی شہید ہو جائیں تو مضائقہ نہیں درجہ شہادت ملے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا میلان بھی فطری رحم دلی اور شفقت وصلہ رحمی کی بنا پر اسی رائے کی طرف تھا۔ بلکہ صحابہ کی عام رائے اسی جانب تھی۔ بہت سے تو ان ہی وجوہ کی بنا پر جو ابوبکر نے بیان فرمائیں اور بعض محض مالی فائدہ کو دیکھتے ہوئے اس رائے سے متفق تھے۔ (کما یظہر من قولہ ﴿تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا﴾ صرح بہ الحافظ ابن حجر وابن القیم رحمہما اللہ) حضرت عمر اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما نے اس سے اختلاف کیا۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! یہ قیدی کفر کے امام اور مشرکین کے سردار ہیں ان کو ختم کر دیا جائے تو کفر وشرک کا سر ٹوٹ جائے گا، تمام مشرکین پر ہیبت طاری ہو جائے گی، آئندہ مسلمانوں کو ستانے اور خدا کے راستہ سے روکنے کا حوصلہ نہ رہے گا۔ اور خدا کے آگے مشرکین سے ہماری انتہائی نفرت وبغض اور کامل بیزاری کا اظہار ہو جائے گا کہ ہم نے خدا کے معاملہ میں اپنی قرابتوں اور مالی فوائد کی کچھ پروا نہیں کی اس لیے مناسب ہے کہ ان قیدیوں میں جو کوئی ہم میں سے کسی کا عزیز وقریب ہو، وہ اسے اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔ الغرض بحث وتمحیص کے بعد حضرت ابوبکر کے مشورہ پر عمل ہوا، کیونکہ کثرت رائے ادھر تھی اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طبعی رافت ورحمت کی بناء پر اسی طرف مائل تھے اور ویسے بھی اخلاقی اور کلی حیثیت سے عام حالات میں وہی رائے قرین صواب معلوم ہوتی ہے لیکن اسلام اس وقت جن حالات میں سے گزر رہا تھا، ان پر نظر کرتے ہوئے وقتی مصالح کا تقاضا یہ تھا کہ کفار کے مقابلہ میں سخت کمر شکن کارروائی کی جائے۔ تیرہ سال کے ستم کشوں کو طاغوت کے پرستاروں پر یہ ثابت کر دینے کا پہلا موقع ملا تھا کہ تمہارے تعلقات، قرابت، اموال، جتھے اور طاقتیں اب کوئی چیز تم کو خدا کی شمشیر انتقام سے پناہ نہیں دے سکتی ابتداءً ایک مرتبہ ظالم مشرکین پر رعب وہیبت بٹھلا دینے کے بعد نرم خوئی اور صلہ رحمی کے استعمال کے لیے آئندہ بہتیرے مواقع باقی رہتے تھے۔ ادھر ستر مسلمانوں کے آئندہ قتل پر راضی ہو جانا معمولی بات نہ تھی۔ اسی لیے اس رائے کو اختیار فرمانا وقتی مصالح اور رہنمائی حیثیت سے حق تعالیٰ کے یہاں پسندیدہ نہ ہوا "مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ" میں اسی ناپسندیدگی کی طرف اشارہ ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ ایک سخت خطرناک اجتہادی غلطی قرار دی گئی۔ اور جن بعض لوگوں نے زیادہ تر مالی فوائد پر نظر کر کے اس سے اتفاق کیا تھا ان کو صاف طور پر "تریدون عرض الدنیا" سے خطاب کیا گیا۔ یعنی تم دنیا کے فانی اسباب پر نظر کر رہے ہو، حالانکہ مومن کی نظر انجام پر ہونی چاہیے۔ خدا کی حکمت مقتضی ہو تو وہ تمہارا کام اپنے زور قدرت سے ظاہری سامان کے بدوں بھی کر سکتا ہے۔ بہرحال فدیہ لے کر چھوڑ دینا اس وقت کے حالات کے اعتبار سے بڑی بھاری غلطی قرار دی گئی۔ اتنا یاد رکھنا چاہیے کہ روایات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ محض صلہ رحمی اور رحم دلی کی بناء پر آپ کا رجحان اس رائے کی طرف تھا۔ البتہ صحابہ میں بعض صرف مالی فوائد کو پیش نظر رکھ کر اور اکثر حضرات دوسری مصالح دینیہ اور اخلاقی داعیہ کے ساتھ مالی ضروریات کو بھی ملحوظ رکھتے ہوئے یہ رائے پیش کر رہے تھے۔ گویا صحابہ کے مشورہ میں کلاً یا جزءً مالی حیثیت ضرور زیر نظر تھی کسی درجہ میں مالی فوائد کے خیال سے "بغض فی اللہ" میں کوتاہی کرنا اور اصل مقصد "جہاد" سے غفلت برتنا اور ستر مسلمانوں کے قتل کیے جانے پر اپنے اختیار سے رضامند ہو جانا صحابہ جیسے مقربین کی شان عالی اور منصب جلیل کے منافی سمجھا گیا۔ اسی لیے ان آیات میں سخت عتاب آمیز لہجہ اختیار کیا گیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ لڑائی میں ایک شخص کے سر پر زخم آیا، اسے غسل کی حاجت ہوئی۔ پانی سر پر استعمال کرنا سخت مہلک تھا۔ ساتھیوں سے مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ پانی کی موجودگی میں ہم تیرے لیے کوئی گنجائش نہیں پاتے۔ اس نے غسل کر لیا اور فوت ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی فرمایا "قَتَلُوْهُ قَتَلَهُمُ اللّٰهُ" الحدیث اس سے ظاہر ہوا کہ اجتہادی غلطی اگر زیادہ واضح اور خطرناک ہو تو اس پر عتاب ہو سکتا ہے۔ گویا یہ سمجھا جاتا ہے کہ مجتہد نے پوری قوت اجتہاد صرف کرنے میں کوتاہی کی۔

ف۱ یعنی یہ غلطی تو فی حد ذاتہ ایسی تھی کہ سخت سزا ان لوگوں کو دی جاتی جنہوں نے دنیاوی سامان کا خیال کر کے ایسا مشورہ دیا مگر سزا دہی سے وہ چیز مانع ہے، جو خدا پہلے سے لکھ چکا اور طے کر چکا ہے۔ اور وہ کئی باتیں ہو سکتی ہیں۔ (۱) مجتہد کو اس قسم کی اجتہادی خطاء پر عذاب نہیں ہوگا۔ (۲) جب تک خدا امراً ونہیاً کسی چیز کا =

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۹﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ ع

بخشنے والا مہربان ف۱ اے نبی کہہ دے ان سے جو تمہارے ہاتھ میں ہیں قیدی اگر جانے گا اللہ

بخشنے والا مہربان۔ اے نبی! کہہ دے ان کو جو تمہارے ہاتھ میں ہیں قیدی، اگر جانے گا اللہ تمہارے

قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۰﴾ وَاِنْ

تمہارے دلوں میں کچھ نیکی تو دے گا تم کو بہتر اس سے جو تم سے چھن گیا اور تم کو بخشے گا اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان اور اگر

دل میں کچھ نیکی، تو دے گا بہتر تم کو اس سے، جو تم سے چھن گیا، اور تم کو بخشے گا۔ اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔ اور اگر

يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾

چاہیں گے تجھ سے دغا کرنی سو وہ دغا کر چکے ہیں اللہ سے اس سے پہلے پھر اس نے ان کو پکڑوا دیا اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے ف۲

چاہیں گے تجھ سے دغا کرنی، سو دغا کر چکے ہیں پہلے اللہ سے، پھر اس نے پکڑوا دیئے۔ اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا۔

تلقین احکام در بارۂ اسیران جنگ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ... الى... اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾

=صاف حکم بیان نہ فرمائے اس وقت تک اس کے مرتکب کو عذاب نہیں دیتا۔ (۳) اہل بدر کی خطاؤں کو خدا معاف فرما چکا ہے۔ (۴) غلطی سے جو ردیہ قبل از وقت اختیار کر لیا گیا یعنی فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دینا خدا کے علم میں طے شدہ تھا کہ آئندہ اس کی اجازت ہو جائے گی۔ "فاما منا بعد واما فداء"۔ (۵) یہ بھی طے شدہ ہے کہ جب تک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان میں موجود ہیں یا لوگ صدق دل سے استغفار کرتے ہیں، عذاب نہ آئے گا۔ (۶) ان قیدیوں میں سے بہت کی قسمت میں اسلام لانا لکھا گیا تھا۔ الغرض اس قسم کے موانع اگر نہ ہوتے تو یہ غلطی اتنی عظیم وثقیل تھی کہ سخت عذاب نازل ہو جانا چاہیے تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس قولی تنبیہ کے بعد وہ عذاب جو اس طرح کی خوفناک غلطی پر آسکتا تھا آپ کے سامنے نہایت قریب کر کے پیش کیا گیا۔ گویا یہ قولی تنبیہ کو زیادہ موثر بنانے کی ایک صورت تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس منظر کو دیکھ کر وقف گریہ و بکا ہو گئے۔ حضرت عمر نے سبب پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے سامنے ان کا عذاب پیش کیا گیا ہے یعنی جس کا آنا ان پر ممکن تھا اگر موانع مذکورہ بالا نہ ہوتے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ آپ کے سامنے یہ پیش کرنا اسی قسم کا تھا جیسے صلوٰۃ کسوف ادا کرتے وقت آپ کے سامنے جنت و دوزخ دیوار قبلہ میں متمثل کر دی گئی تھی۔ یعنی اس متوقع عذاب کا نظارا کرانا تھا اور بس۔

ف۱ پچھلے عتاب وتہدید سے مسلمان ڈر گئے کہ مال غنیمت کو جس میں فدیہ اساری بھی شامل ہے، اب ہاتھ نہیں لگانا چاہیے۔ اس آیت میں تسلی فرمادی کہ وہ اللہ کی عطاء ہے خوشی سے کھاؤ، ہاں جہاد کے سلسلہ میں مال غنیمت وغیرہ کو مطمح نظر بنانا یا اس قدر اہمیت دینا نہیں چاہیے کہ مقاصد عالیہ اور مصالح کلیہ سے اغماض ہونے لگے۔ بیشک وقتی حالات ومصالح کے اعتبار سے تم نے ایک غلط طریقہ کار اختیار کیا۔ مگر نفس مال میں کوئی خبث نہیں۔ خدا سے ڈرتے رہو گے تو وہ اپنی رحمت سے غلطیوں کو معاف فرما دے گا۔

ف۲ بعض قیدیوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا تھا (مثلاً حضرت عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ) ان سے کہا گیا کہ اللہ دیکھے گا کہ واقعی تمہارے دل میں ایمان و تصدیق موجود ہے تو جو کچھ زر فدیہ اس وقت تم سے وصول کیا گیا ہے اس سے کہیں زیادہ اور کہیں بہتر تم کو مرحمت فرمائے گا، اور پچھلی خطاؤں سے درگزر کرے گا۔ اور اگر اظہار اسلام سے صرف پیغمبر کو فریب دینا مقصود ہے یا دغابازی کرنے کا ارادہ ہے تو پیشتر خدا سے جو دغابازی کر چکے ہیں یعنی فطری عہد الست کے خلاف کفر وشرک اختیار کیا یا "بعض" بنی ہاشم جو ابو طالب کی زندگی میں عہد کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت پر متفق ہوئے تھے۔ اب کافروں کے ساتھ ہو کر آئے اس کا انجام آنکھوں سے دیکھ لیا کہ آج کس طرح مسلمانوں کی قید اور قابو میں ہیں۔ آئندہ بھی دغابازی کی ایسی ہی سزا مل سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ سے اپنے دلوں اور نیتوں کو چھپا نہیں سکتے اور نہ اس کے حکیمانہ انتظامات کو روک سکتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ "خدا کا وعدہ پورا ہوا، ان میں جو مسلمان ہوئے حق تعالیٰ نے بے شمار دولت بخشی۔ جو نہ ہوئے وہ خراب ہو کر تباہ ہو گئے۔"

ربط:...... گزشتہ آیات میں جہاد وقتال کے مسائل اور احکام کا بیان تھا چونکہ جہاد وقتال میں بسا اوقات کفار قید ہو کر آتے ہیں اس لیے آئندہ آیات میں اسیران جنگ اور خاص کر اسیران بدر کے متعلق احکام بیان کرتے ہیں کیونکہ قیدیوں کے قتل اور فدیہ کا فیصلہ قتال سے فارغ ہونے کے بعد ہوتا ہے اس لیے اس سورت میں احکام قتال کو قیدیوں کے احکام پر ختم فرمایا۔

شان نزول:...... اور شان نزول ان آیات کا یہ ہے کہ جب جنگِ بدر میں ستر کافر قید ہو کر آئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کے بارے میں صحابہ سے مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ رائے دی کہ یا رسول اللہ! یہ لوگ آپ ﷺ کے رشتہ دار اور ہم قوم ہیں اور بھائی بند ہیں ان پر رحم کیا جائے اور فدیہ لے کر ان کی جان بخشی کر دی جائے۔ آج ہر ایک اپنی استطاعت کے موافق فدیہ دے کر جان بخشی کرا سکتا ہے شاید پھر کوئی دن آئے کہ یہ لوگ ہدایت پا جائیں۔ جس سے مسلمانوں کے عدد میں اور ان کی مدد میں زیادتی ہو جائے اور اس وقت فدیہ سے جو مال ملے گا اس سے کفار سے محاربہ اور جنگ میں قوت حاصل ہوگی اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ لوگ کافروں کے پیشوا اور سردار ہیں آپ ہم کو ان سب کی گردنیں مارنے کی اجازت دیجئے اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی بھی یہی رائے تھی۔

آنحضرت ﷺ نے بوجہ رحم دلی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند کیا اور ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں فدیہ لینے پر عتاب آیا کہ نبی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ کافروں کو فدیہ لے کر چھوڑ دے۔ جہاد سے مال حاصل کرنا مقصود نہیں بلکہ کافروں کی ضد اور ان کا زور توڑنا مقصود ہے اور یہ بات قتل ہی سے حاصل ہو سکتی ہے اور یہ ظالم اور متکبر رحم دلی کے لائق نہیں بلکہ سرکوبی اور گردن زدنی کے لائق ہیں بہتر یہی ہے کہ ان کو قتل کیا جائے تاکہ کفر کی کمر ٹوٹ جائے۔

نکوئی با بداں کردن چناں است   کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

چنانچہ فرماتے ہیں کہ کسی نبی کی شان کے لائق نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں اور وہ ان سے فدیہ لے لے جب تک زمین میں ان کی خوب خون ریزی نہ کر لے یہاں تک کہ کفر کی جان نکل جائے یا قریب المرگ ہو جائے دشمنان اسلام کی خون ریزی ہی کفر کی ذلت اور اسلام کی عزت اور شوکت کا ذریعہ ہے اسی وجہ سے غزوہ بدر میں فرشتوں کو یہ حکم دیا گیا۔

﴿فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ﴾

پیغمبر کو حکم خداوندی یہ ہے کہ وہ اہل ایمان کو کافروں سے جہاد وقتال کا شوق دلائے اس کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ فقط کافروں کے قید کرنے پر اکتفاء کرے یا ان سے فدیہ لے کر ان کو رہا کر دے جہاد مقتضی ہے قتل کو اور فدیہ قتل سے مانع ہے۔ لہٰذا فدیہ لے کر ان کافروں کو چھوڑ دینا جہاد کی غرض وغایت کے منافی ہے اس لیے فدیہ لینے پر عتاب آیا اور سورۂ قتال میں جو من اور فداء کا اختیار دیا گیا ہے سو وہ بھی اثخان کفار کے بعد دیا گیا ہے کما قال تعالیٰ: ﴿فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا﴾۔ یعنی اے مسلمانو جب تم کافروں سے جنگ کرو تو ان کی گردنیں مارو اور مارتے رہو یہاں تک کہ جب ان کا خون خوب بہا چکو کہ اب ان میں مسلمانوں سے لڑنے کی سکت باقی نہ رہے پھر ان کو قید کرو اور قید کرنے کے بعد یا تو ان پر احسان

کرو کہ بلا معاوضہ لیے ہوئے ان کو چھوڑ دو یا ان سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دو اور یہ حکم اس وقت تک ہے کہ جب تک لڑائی اپنے ہتھیار نہ ڈالے اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ جب تک اعداء اللہ کی خوب خون ریزی نہ ہو جائے اور لڑائی اسلام کے سامنے اپنے ہتھیار نہ ڈال دے اور حق کی ہیبت اور دبدبہ اور رعب قائم نہ ہو جائے اس وقت تک فدیہ لینا جائز نہیں ہاں جب کافروں کے اثخان یعنی ان کی خوب خون ریزی کے بعد اسلام کی عظمت اور ہیبت اور شوکت اور دبدبہ قائم ہو جائے تب اگر فدیہ لے کر ان کی جان بخشی کر دی جائے تو جائز ہے لیکن اس سے پہلے جائز نہیں اول اثخان ہو جانا ضروری ہے اس کے بعد فدیہ اور احسان کی اجازت ہے اس سے پہلے نہیں۔

حاصل:...... یہ کہ اے مسلمانو اثخان کے بعد یعنی خوب خون ریزی کے بعد جب کفر خوب ذلیل اور خوار ہو جائے تو پھر تم کو منّ اور فداء کا اختیار ہے اس سے قبل نہیں اور موقعۂ بدر پر منشاء خداوندی یہ تھا کہ کافروں کی خوب خون ریزی کی جائے حتی کہ کفر کا دماغ پلپلا ہو جائے اور آئندہ کے لیے اس میں اسلام کے مقابلہ میں سر اٹھانے کی سکت نہ رہے اس موقعہ پر مسلمانوں نے چونکہ اعداء اللہ کے اثخان (یعنی کافی خون ریزی) سے قبل ہی فدیہ لے لیا اس لیے بارگاہ خداوندی سے عتاب آیا۔ (دیکھو احکام القرآن للامام الجصاص: ۳/ ۷۲)

خلاصہ کلام:...... یہ کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ یہی تھا کہ کافروں کو قتل کیا جائے تا کہ کفر کی شوکت ٹوٹ جائے اس لیے گزشتہ آیت میں یہ فرمایا کہ نبی کے شایان شان نہیں کہ کافی خونریزی کے بغیر قیدیوں کو زندہ چھوڑ دے اب آئندہ آیت میں مسلمانوں پر عتاب ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو تم دنیا کا سامان چاہتے ہو جو ایک حقیر اور عارضی چیز ہے عنقریب زائل ہونے والی ہے اس لیے تم نے فدیہ لینے کی رائے دی اور اللہ تمہارے لیے آخرت کی مصلحت چاہتا ہے کہ دین اسلام غالب ہو اور کفر مغلوب ہو اور اللہ غالب ہے حکمت والا وہ تم کو کافروں پر غلبہ دینا چاہتا ہے۔ غلبہ کے بعد فتوحات سے تم کو اتنا مال مل جائے گا کہ جو اس زر فدیہ سے ہزاروں گنا زیادہ ہوگا اور عنقریب قیصر و کسریٰ کے خزائن تم کو ملیں گے اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو ابھی مل جاتے لیکن حکمت کی وجہ سے اس میں دیر ہو رہی ہے بہر حال تمہارا یہ فعل خدا تعالیٰ کو پسند نہیں آیا اور اگر اس بارہ میں اللہ کی طرف سے کوئی حکم نہ لکھا جا چکا ہوتا تو البتہ پہنچتا تم کو اس مال کے بارے میں جو تم نے کافروں سے فدیہ میں لیا۔ اور انہیں چھوڑ کر بڑا عذاب اس کتاب کے من اللہ یعنی اس نوشتہ خداوندی کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس سے کیا مراد ہے سو اس سے۔

۱- یا تو یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے کہ بغیر صریح ممانعت کے عذاب نازل نہیں کرتا۔

۲- یا یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نادانی اور اجتہادی خطا پر مواخذہ نہیں کرتا۔

۳- یا یہ مراد ہے کہ اللہ کے یہاں یہ امر طے شدہ ہے کہ کسی سے نادانستہ عمل پر مواخذہ نہیں کرتا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر سے مغفرت کا وعدہ فرما لیا ہے اور ان سے یہ کہہ دیا ہے اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم۔ کہ اے اہل بدر تم جو چاہے کرو تم جو غلطی کرو گے وہ معاف ہے۔

اس لیے کہ بدر کے میدان میں تم نے جو جاں نثاری اور جان بازی دکھلائی ہے اس کے صلہ میں تمہاری سب خطائیں معاف ہیں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر لیا ہے کہ رسول کے ہوتے ہوئے کوئی عذاب نازل نہیں کرے گا کما قال تعالیٰ:

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ﴾ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں لکھ دیا ہے کہ ان قیدیوں میں سے بہت سوں کی قسمت میں مسلمان ہونا ہے سو اگر اس قسم کا کوئی نوشتہ اور حکم وفرمان اللہ کی طرف سے پہلے صادر نہ ہو چکا ہوتا تو اس فدیہ لینے سے تم پر عذاب عظیم نازل ہوتا اور امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کا میلان اس طرف ہے کہ یہ تمام معانی لفظ کتاب من اللہ کے تحت میں مندرج اور داخل ہیں کیونکہ لفظ عام ہے جو سب کو شامل ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر اس قسم کے موانع نہ ہوتے تو یہ غلطی اتنی عظیم اور ثقیل تھی کہ سخت عذاب نازل ہو جانا چاہئے تھا۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر بالفرض والتقدیر عذاب نازل ہوتا تو سوائے عمر رضی اللہ عنہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے کوئی نہ بچتا۔ جاننا چاہئے کہ عذاب نازل نہیں ہوا بلکہ محض آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ اور فقط آپ ﷺ کو دکھلایا گیا تھا (جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے) تاکہ آنحضرت ﷺ قریب سے اس عذاب کو دیکھ لیں۔ اور لوگوں کو بتلا دیں کہ اگر تمہاری اس غلطی پر عذاب نازل ہوتا تو ایسا ہوتا مقصود محض عذاب کا دکھلانا تھا نہ کہ اس کا نازل کرنا اور اتارنا محبین کی تنبیہ کے لیے اتنا ہی کافی تھا (دیکھو زرقانی شرح مواہب: ۱/ ۴۴۲)

اور اس وقت آپ ﷺ کے سامنے عذاب کا پیش کرنا اسی قسم کا تھا جیسے نماز کسوف میں آپ کے سامنے جنت وجہنم آپ کے سامنے دیوار قبلہ میں متمثل کر کے پیش کی گئی تاکہ عذاب کا ایک نظارہ ہو جائے کہ وہ کیسا ہوتا ہے اور بس۔

تنبیہات:...... ۱- جاننا چاہئے کہ ان خطابات میں نبی اکرم ﷺ داخل نہیں اس لیے کہ ﴿تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا﴾ کا خطاب صرف ان لوگوں کو ہے جنہوں نے اپنے فائدہ کو مدنظر رکھ کر فدیہ لینے کا مشورہ دیا یا دیگر مصالح دینیہ کے ساتھ مالی مصلحت کو بھی ملحوظ رکھا اور جن لوگوں نے محض صلہ رحمی اور رحم دلی اور دیگر مصالح دینیہ کی بنا پر یہ مشورہ دیا وہ اس خطاب اور عتاب میں داخل نہیں اخفاء اور پردہ پوشی کے لیے خطاب عام آیا ورنہ مراد سب نہیں بلکہ صرف بعض مراد ہیں عتاب اس پر آیا کہ تم نے دنیا کے فانی سامان پر کیوں نظر کی حالانکہ مومن کی نظر صرف آخرت پر ہونی چاہئے اور مالی اور دنیوی فوائد پر نظر کرنا اگرچہ فی حد ذاتہ جائز ہے مگر صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے مقربین کی شان عالی اور منصب جلیل کے مناسب نہیں۔

اور آنحضرت ﷺ نے جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رائے کو عمر رضی اللہ عنہ کی رائے پر ترجیح دی اس کا منشاء شفقت ورحمت کا غلبہ تھا نہ کہ مالی فائدہ اور اگر بالفرض والتقدیر کسی درجہ میں مالی فائدہ آپ کے پیش نظر بھی ہو تو وہ اپنے لیے نہ تھا بلکہ دوسروں کے فائدہ کے لیے تھا اور دوسروں کے مالی فائدہ کو ملحوظ رکھنا جود وکرم ہے جو عقلاً وشرعاً محمود ہے وہ محل عتاب نہیں۔

۲- جنگ بدر میں جب ستر کافر مسلمانوں کے ہاتھ قید ہو کر آئے تو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ بعض نے مشورہ دیا کہ ان کو قتل کر دیا جائے اور بعض نے کہا کہ ان سے کچھ مال لے کر چھوڑ دینا چاہئے اس پر آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی اور جبریل امین علیہ السلام نے آ کر عرض کیا کہ آپ ﷺ کے رب نے اسیران بدر کے بارے میں آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اختیار دیا ہے کہ خواہ ان کو قتل کریں اور خواہ ان سے فدیہ لے کر چھوڑیں مگر بایں شرط کہ آئندہ سال تمہارے بھی ستر آدمی شہید ہوں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم ان سے فدیہ لے کر ایک گونہ قوت حاصل کریں اور سال آئندہ حق تعالیٰ جس کو چاہیں شہادت کی عزت وکرامت سے سرفراز فرمائیں اور ہمارے ستر آدمی جنت میں داخل ہوں آپ ﷺ

نے بمشورۂ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسیران بدر سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا اس پر یہ آیات عتاب نازل ہوئیں اب یہاں شبہ یہ ہے کہ جب من جانب اللہ قتل اور فدیہ دونوں کا اختیار دے دیا گیا تھا تو پھر فدیہ لینے پر کیوں عتاب نازل ہوا۔

جواب:...... جواب اس کا یہ ہے کہ یہ اختیار فقط ظاہری اور صوری تھا لیکن معنوی اور حقیقی لحاظ سے اختبار (یعنی آزمائش) اور امتحان تھا کہ دیکھیں مسلمان، اعداء اللہ کے قتل کو اختیار کرتے ہیں یا سامان دنیا کو اختیار کرتے ہیں اور یہ بات ظاہر ہو جائے کہ مسلمان اپنی رائے سے کس طرف جھکتے ہیں۔ جیسے حق تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو دو صورتوں میں اختیار دیا کہ چاہے دنیا کو اختیار کریں اور چاہے آخرت کو اختیار کریں کما قال تعالیٰ: ﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۞ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا﴾۔

بیان حلت فدیہ

فدیہ لینے پر جب عتاب نازل ہوا تو مسلمان ڈر گئے اور غنائم بدر سے (جن میں فدیہ اساری بھی شامل تھا) ہاتھ کھینچ لیا۔ اور اس کے حلال ہونے میں شبہ ہو گیا اس پر آئندہ آیت نازل ہوئی جس میں ان کی تسلی فرما دی گئی کہ وہ اللہ کی عطا ہے اس کو خوشی سے کھاؤ مال غنیمت فی حد ذاتہ حلال اور طیب ہے اس کے طریق حصول میں تم سے لغزش ہوئی وہ معاف کر دی گئی اور یہ فدیہ ہم نے تمہارے لیے مباح کر دیا پس جو مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے جس میں یہ فدیہ بھی شامل ہے اس کو پاک اور حلال سمجھ کر کھاؤ وہ حلال ہے اور بلاشبہ پاک ہے ہمارے عتاب سے اس میں جو کراہت آ ئی تھی وہ اب ہماری معافی اور اباحت سے زائل ہو گئی اس آیت میں خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کی تسلی کر دی کہ یہ حرام نہیں بلکہ بلاشبہ حلال ہے لہٰذا اس کو خدا تعالیٰ کا عطیہ سمجھ کر کھاؤ اور آئندہ کے لیے احتیاط رکھو اور خدا سے ڈرتے رہو اور مال کی حرص اور طمع سے بچتے رہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے کہ اس نے تمہاری اس خطا کو معاف کیا اور فدیہ کو تمہارے لیے حلال کر دیا یہ اس کی رحمت ہے۔ بعد ازاں بعض قیدی مسلمان ہو گئے اور زر فدیہ بھی ادا کر دیا مگر فدیہ کی ادائیگی ان پر گراں گزری جس سے وہ دل شکستہ ہوئے اس پر ان کی تسلی کے لیے آئندہ آیت نازل ہوئی۔ اے نبی آپ ان قیدیوں سے جو آپ کے ہاتھ میں ہیں اور مسلمان ہو گئے ہیں جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیہ لے لیا ہے یہ کہہ دیجئے کہ تم اس پر افسوس نہ کرو اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں ایمان اور خلوص نیت کی کوئی بھلائی جانے گا یا دیکھے گا تو تم کو دنیا ہی میں اس مال سے بہتر دیدے گا۔ جو فدیہ میں تم سے لیا گیا ہے اور آخرت میں تمہارے تمام گناہ بخش دے گا۔ جو تم نے زمانہ کفر و شرک میں کیے ہیں اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ وہ اپنی رحمت اور مہربانی سے اس فدیہ کا نعم البدل تم کو عطا فرما دیں گے یہ آیت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے جب فدیہ مانگا گیا تو انہوں نے کہا کہ میں تو بالکل غریب ہو گیا میرے پاس تو کچھ بھی نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ سونا کہاں ہے جو تم مکہ سے چلتے وقت رات کی تاریکی میں اپنی بیوی ام الفضل رضی اللہ عنہا کو دے کر آئے تھے۔ چونکہ یہ راز نہایت مخفی تھا تو عباس رضی اللہ عنہ سن کر نہایت متعجب

ہوئے اور کہنے لگے اے بھتیجے تم کو یہ کیونکر معلوم ہوا آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ کو میرے پروردگار نے بتلایا۔ یہ سن کر حضرت عباس ؓ کو یقین ہو گیا کہ آپ ﷺ سچے نبی ہیں۔ فوراً اسلام لے آئے پھر ان دونوں بھتیجوں عقیل اور نوفل ؓ کو اسلام لانے کا حکم دیا تو وہ اسی دم مسلمان ہو گئے پھر خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی مطلب آیت کا یہ ہے کہ اگر تم صدق دل سے ایمان لائے اور اپنے ایمان، زبان پر ثابت قدم رہے تو جو مال تم سے اب لیا گیا ہے اس سے بہتر اللہ تم کو دے گا اور تمہارے گناہ بھی معاف کر دے گا یہ اس کے علاوہ ہے۔ حضرت عباس ؓ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دو وعدے کیے تھے ایک تو یہ کہ جو مال مجھ سے لیا ہے اس سے بہتر مجھ کو دے گا سو اللہ نے اپنا یہ وعدہ پورا کیا جو اس نے مجھ سے لیا تھا اس سے بہتر مجھ کو دے دیا۔ بیس اوقیہ سونے کے عوض اب میرے پاس بیس غلام ہیں جو سب تاجر ہیں اور ان میں سے ادنیٰ غلام مجھے بیس ہزار درہم ادا کرتا ہے اور اللہ نے مجھے آب زمزم پلانے کی خدمت عطا جس کے بدلہ میں میں تمام اہل مکہ کے اموال کو پسند نہیں کرتا اور دوسرا وعدہ مغفرت کا ہے اس کی اپنے پروردگار سے امید لگائے ہوئے ہوں کہ وہ میرے گناہوں کو بخش دے گا۔ اور خداوند کریم کے وعدہ میں خلاف نہیں ہوتا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ان قیدیوں کے دل میں کوئی شر یا شرارت کہ یہ قیدی شرارت سے مسلمان ہوئے ہیں اور آپ کے ساتھ خیانت اور دغا کرنا چاہتے ہیں تو آپ کوئی فکر نہ کیجئے۔ وہ اس سے پہلے بھی خدا اور رسول کے ساتھ خیانت اور دغا کر چکے ہیں اور اس کا انجام بھی دیکھ چکے ہیں پھر اگر اسلام کے ساتھ کوئی دغا کرنا چاہتے ہیں تو کر لیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے پکڑنے پر قدرت دی یہاں تک کہ وہ جنگ بدر میں آپ ﷺ کے ہاتھ گرفتار ہوئے۔ اور اس کے بعد بھی ممکن ہے کہ تجھ کو ان پر غالب اور قادر کر دے جس طرح وہ پہلے قادر تھا۔ اسی طرح وہ آئندہ بھی قادر ہے۔ اور اللہ خوب جاننے والا ہے کوئی غدار اور خائن اس پر مخفی نہیں۔ اور بڑی حکمت والا ہے۔ اس کی حکمتوں کا ادراک کسی کی قدرت میں نہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ

جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑا اور لڑے اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے

جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑا اور لڑے اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں، اور جن لوگوں نے

آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم

جگہ دی اور مدد کی وہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور جو ایمان لائے اور گھر نہیں چھوڑا تم کو ان کی

جگہ دی اور مدد کی، اور وہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ اور جو ایمان لائے اور گھر نہیں چھوڑا، تم کو ان کی

مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ

رفاقت سے کچھ کام نہیں جب تک وہ گھر نہ چھوڑ آئیں اور اگر وہ تم سے مدد چاہیں دین میں تو تم کو لازم ہے

رفاقت سے کچھ کام نہیں، جب تک گھر نہ چھوڑ آویں۔ اور اگر تم سے مدد چاہیں دین میں، تو تم کو لازم ہے

النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيثَاقٌ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٧٢﴾ وَالَّذِينَ

ان کی مدد کرنی مگر مقابلہ میں ان لوگوں کے کہ ان میں اور تم میں عہد ہو اور اللہ جو تم کرتے ہو اس کو دیکھتا ہے ف۱ اور جو لوگ

مدد کرنی، مگر مقابلہ میں ایسوں کے جن میں اور تم میں عہد ہے۔ اور اللہ جو کرتے ہو دیکھتا ہے۔ اور جو لوگ

كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ﴿٧٣﴾

کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں اگر تم یوں نہ کرو گے تو فتنہ پھیلے گا ملک میں اور بڑی خرابی ہوگی ف۲

کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے رفیق ہیں، اگر تم یوں نہ کرو گے تو دھوم مچے گی ملک میں، اور بڑی خرابی ہوگی۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ

اور جو لوگ ایمان لائے اور اپنے گھر چھوڑے اور لڑے اللہ کی راہ میں اور جن لوگوں نے ان کو جگہ دی اور ان کی مدد کی وہی ہیں

اور جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑے اللہ کی راہ میں، اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی، وہی ہیں تحقیق

الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٧٤﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِن بَعْدُ وَهَاجَرُوا

سچے مسلمان ان کے لیے بخشش ہے اور روزی عزت کی ف۳ اور جو ایمان لائے اس کے بعد اور گھر چھوڑ آئے

مسلمان۔ ان کو بخشش ہے، اور روزی عزت کی۔ اور جو ایمان لائے پیچھے، اور گھر چھوڑ آئے

ف۱ قیدیوں میں بعض ایسے تھے جو دل سے مسلمان تھے مگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ سے ہجرت نہ کر سکے اور بادل نخواستہ کفار کے ساتھ ہو کر بدر میں آئے۔ ان آیات میں یہ بتلانا ہے کہ ایسے مسلمانوں کا حکم کیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت کے اصحاب دو فرقے تھے "مہاجرین" اور "انصار" مہاجرین کنبہ اور گھر چھوڑنے والے اور انصار جگہ دینے والے اور مدد کرنے والے۔ ان دونوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخاۃ (بھائی چارہ) قائم کر دیا تھا آیت کا مضمون یہ ہوا کہ جتنے مسلمان حضرت کے ساتھ حاضر ہیں ان سب کی صلح و جنگ ایک ہے، ایک کا موافق سب کا موافق، ایک کا مخالف سب کا مخالف، بلکہ آغاز ہجرت میں رشتہ مواخاۃ کے لحاظ سے ایک دوسرے کے ترکہ کا وارث بھی ہوتا تھا۔ اور جو مسلمان اپنے ملک میں رہے جہاں کافروں کا زور اور تسلط ہو یعنی دارالحرب سے ہجرت نہ کی ان کی صلح و جنگ میں" دارالاسلام" کے رہنے والے مسلمان (مہاجرین و انصار) شریک نہیں۔ اگر دارالحرب کے مسلمانوں نے صلح و معاہدہ کسی جماعت کفار سے کر لیا تو دارالاسلام کے آزاد مسلمان اس معاہدہ کے پابند نہیں ہو سکتے، بلکہ ان سے حسب مصلحت جنگ کر سکتے ہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ دارالحرب کے مسلمان جس وقت دینی معاملہ میں آزاد مسلمانوں سے مدد طلب کریں تو ان کو اپنے مقدور کے موافق مدد کرنا چاہیے۔ مگر جس جماعت سے ان آزاد مسلمانوں کا معاہدہ ہو چکا اس کے مقابلہ میں تابقائے عہد دارالحرب کے مسلمانوں کی امداد نہیں کی جا سکتی۔ نیز توریث باہمی کا سلسلہ جو مہاجرین و انصار میں قائم کیا گیا تھا، اس میں بھی دارالحرب کے مسلمان شامل نہیں تھے۔

ف۲ یعنی کافر و مسلم میں نہ حقیقی رفاقت ہے نہ ایک دوسرے کا وارث بن سکتا ہے۔ ہاں کافر، کافر کا رفیق و وارث ہے بلکہ سب کفار تم سے دشمنی کرنے کو آپس میں ایک ہیں، جہاں پائیں گے ضعیف مسلمانوں کو ستائیں گے اس کے بالمقابل اگر مسلمان ایک دوسرے کے رفیق اور مددگار نہ ہوں گے یا کمزور مسلمان اپنے کو آزاد مسلمانوں کی معیت و رفاقت میں لانے کی کوشش نہ کریں گے تو سخت خرابی اور فتنہ برپا ہو جائے گا۔ یعنی ضعیف مسلمان مامون نہ رہ سکیں گے ان کا ایمان تک خطرہ میں ہوگا۔

ف۳ یعنی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی سردار کے ساتھ والے مسلمان اعلیٰ ہیں گھر بیٹھنے والوں سے۔ آخرت میں ان کے لیے بڑی بھاری بخشش ہے اور دنیا میں عزت کی روزی یعنی غنیمت اور دوسرے فائق حقوق۔

وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ

اور لڑے تمہارے ساتھ ہو کر سو وہ لوگ بھی تمہی میں ہیں اور رشتہ دار آپس میں حق دار زیادہ ہیں ایک دوسرے کے اللہ

اور لڑے تمہارے ساتھ ہو کر، سو وہ تمہیں میں ہیں۔ اور ناتے والے آپس میں حقدار زیادہ ہیں ایک دوسرے کے اللہ

اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۷۵﴾ ع

کے حکم میں ف۱ تحقیق اللہ ہر چیز سے خبر دار ہے ف۲

کے حکم میں۔ تحقیق اللہ ہر چیز سے خبر دار ہے۔

مراتب اہل اسلام وفضائل مہاجرین عظام

وانصار کرام رضی اللہ عنہم وبیان احکام باعتبار ہجرت واسلام

قَالَ اللهُ تَعَالٰى : ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا ... الی ... اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾

ربط: ...... گزشتہ رکوعات میں جہاد اور صلح کے احکام بیان کیے اور گزشتہ آیات میں قیدیوں کو تسلی دی اب ان آیات میں مہاجرین اور انصار کے فضائل اور مسلمانوں کے باعتبار ہجرت وعدم ہجرت مراتب اور احکام بیان کرتے ہیں حکم شرعی یہ ہے کہ اگر کافروں سے مقابلہ اور مقاتلہ کی قدرت ہو تو جہاد فرض ہے اور اور اگر عاجز ہو تو ہجرت فرض ہے۔ گزشتہ رکوعات میں جہاد کے احکام مذکور تھے اب جہاد کے بعد ان آیات میں ہجرت کے کچھ احکام ذکر کرتے ہیں کیونکہ ہجرت اور جہاد دونوں تَوْاَم (جڑواں بھائی) ہیں۔ اس لیے ان آیات میں ہجرت ونصرت کے اعتبار سے آنحضرت ﷺ کے عہد میں جو مسلمان تھے ان کے اقسام اور احکام بیان کرتے ہیں سو اس زمانے کے مسلمان چار قسم کے تھے۔

قسم اول: ...... "مہاجرین اولین" جنہوں نے دین اسلام کی خاطر اپنا کنبہ اور وطن چھوڑا اور اسلام کی خاطر تمام تکلیفوں کو برداشت کیا۔

قسم دوم: ...... "انصار" جنہوں نے مہاجرین کو ٹھکانہ دیا اور جان ومال سے ان کی مدد کی اور ان کے ساتھ ہو کر اعداء اسلام سے لڑے ان دونوں قسموں کا حکم یہ بیان فرمایا ﴿اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ﴾ یعنی ایک دوسرے کے دوست اور وارث ہیں پہلا گروہ مہاجرین سابقین کا ہے اور یہ دوسرا گروہ انصار سابقین کا ہے ان دونوں گروہوں میں آنحضرت ﷺ نے مواخات یعنی بھائی چارہ قائم کر دیا اور اسی رشتہ مواخات کے اعتبار سے ایک کو دوسرے کا وارث بنا دیا اور ایک کی دوسرے پر نصرت واجب کی یہ دونوں فریق صلح اور جنگ میں ایک دوسرے کے شریک ہیں ان سب کی صلح اور جنگ ایک ہے۔ ایک کا

ف۱ یعنی مہاجرین میں جتنے بعد کو شامل ہوتے جائیں وہ سب باعتبار احکام "مہاجرین اولین" کی برادری میں منسلک ہیں ہجرت کے تقدم وتاخر کی وجہ سے صلح و جنگ یا توریث وغیرہ کے احکام پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ہاں اگر قدیم مہاجرین کا کوئی رشتہ دار پیچھے مسلمان ہوا یا بعد میں ہجرت کر کے آیا تو وہ اس قدیم مہاجر کی میراث کا زیادہ حق دار ہے اگرچہ رفاقت قدیم اوروں سے ہے۔

ف۲ وہی جانتا ہے کہ کس کا کس قدر حق ہونا چاہیے لہٰذا اس کے احکام سراسر علم وحکمت پر مبنی ہیں۔

موافق سب کا موافق اور ایک کا مخالف سب کا مخالف ہے

قسم سوم:...... وہ مسلمان جو ایمان تو لائے مگر ہجرت نہیں کی اور اپنے ہی ملک میں رہے جہاں کافروں کا زور اور تسلط تھا یعنی دار الحرب میں رہے اور دار الاسلام کی طرف ہجرت نہیں کی جیسے بعضے لوگ مسلمان تو ہو گئے تھے مگر مدینہ کی طرف ہجرت نہ کی مکہ ہی میں کافروں کے ساتھ رہے ان کے متعلق دو حکم دیئے ایک تو یہ کہ یہ لوگ مسلمانوں کی حمایت اور وراثت میں شریک نہیں جب تک ہجرت نہ کریں۔ مطلب یہ ہے کہ مواخات کی بناء پر مہاجرین اور انصار کے درمیان جو توریث کا سلسلہ قائم کیا گیا ہے اس میں دار الحرب کے مسلمان شامل نہیں یہ لوگ مہاجرین اور انصار کے وارث نہیں ہو سکتے اور نہ مال غنیمت اور مال فئی میں ان کا کوئی حصہ اور حق ہے اور دوسرا حکم یہ دیا کہ اگر وہ تم سے کسی دینی امر میں مدد طلب کریں تو تم اپنی مقدور کے موافق ان کی مدد کرو کیونکہ وہ اہل ایمان ہیں مگر اس قوم کے مقابلہ میں مدد نہ دو جن سے تمہارا کوئی عہد ہو چکا ہے تا بقاء عہد، معاہدین کے مقابلہ میں دار الحرب کے مسلمانوں کی مدد نہیں کی جاسکتی۔ عہد کی پابندی واجب ہے ان کی وجہ سے معاہدین سے بدعہدی مت کرو۔

پھر حق تعالیٰ نے اس قسم سوم کے ذکر کے بعد قسم اول اور قسم دوم کے مسلمانوں کا ذکر فرمایا چنانچہ فرمایا ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾۔ کہ ان لوگوں کے لیے آخرت میں مغفرت اور جنت میں عزت و کرامت کی روزی ہے۔ اس آیت میں ان دونوں قسموں کی مدح اور فضیلت بیان کرنا مقصود ہے اور پہلی بار جو ان دو قسموں کا ذکر فرمایا تھا وہاں باعتبار ولایت اور وراثت کے ان کا حکم بیان کرنا مقصود تھا۔ لہٰذا اس آیت میں تکرار نہیں دوسری مرتبہ ذکر کرنے سے سابقین اولین کی خواہ وہ مہاجر ہوں یا انصار محض ان کی فضیلت کو بیان کرنا مقصود ہے اور منجانب اللہ ان کے سچے مومن ہونے کی شہادت دینا مقصود ہے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا﴾۔ یہ لوگ ان لوگوں سے اکمل اور افضل ہیں جو ایمان لانے کے بعد دار الحرب میں مقیم رہے اور دار الاسلام کی طرف ہجرت نہیں کی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حق تعالیٰ نے پہلی قسم اور دوسری قسم کے مسلمانوں میں باہمی دو چیزیں ثابت کیں ایک نصرت اور ایک وراثت اور اس تیسری قسم کے لیے صرف نصرت کو ثابت کیا اور میراث کی نفی فرمائی۔ خوب سمجھ لو۔

قسم چہارم:...... وہ مسلمان ہیں جو صلح حدیبیہ کے بعد ایمان لائے اور پھر ہجرت کر کے آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے اور آپ کے ساتھ جہاد بھی کیا ان کی نسبت یہ ارشاد ہے کہ یہ لوگ باعتبار احکام کے مہاجرین اولین کی برادری سے منسلک ہیں اور یہ لوگ اگرچہ ہجرت کے تقدم و تاخر کی وجہ سے مرتبہ میں ان سے کم ہیں مگر دینی نصرت اور حمایت کے اعتبار سے سب کا حکم ایک ہے۔ یہ تمام تفصیل تفسیر کبیر: ۴/ ۵۷۸ سے لی گئی ہے اہل علم اصل کی طرف مراجعت کریں۔

بیان اقسام و احکام باعتبار ہجرت و اسلام

بیان قسم اول و قسم دوم:...... تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور خدا اور رسول کی محبت میں اپنے وطن اور خویش و اقارب نے

ہجرت کی اور جان و مال سے خدا کی راہ میں جہاد و قتال کیا اور غزوات و سرایا میں اپنے کافر اعزاء اور اقارب سے اسلام کی خاطر مقابلہ اور مقاتلہ کیا یہ گروہ سابقین اسلام اور مہاجرین اولین کے لقب سے ملقب ہے جو سب سے افضل اور اکمل ہے اور دوسرا گروہ انصار کا ہے جنہوں نے مہاجرین کو ٹھکانہ دیا اور جان و مال سے ان کی مدد کی۔ یہ جماعت ''انصار'' کے لقب سے ملقب ہے۔ جن کا درجہ مہاجرین اولین کے بعد ہے۔ حق کی نصرت وحمایت آسان ہے مگر حق کے پیچھے ایسا دیوانہ ہوجانا کہ اہل وعیال اور خویش و اقارب اور وطن عزیز کو چھوڑ کر ہجرت کر جائے یہ بہت مشکل ہے یہ دونوں قسم کے لوگ آپس میں ایک دوسرے کے والی اور وارث ہیں۔ یعنی مہاجرین اور انصار آپس مین ایک دوسرے کے وارث ہیں اور ان کے قریبی رشتہ دار جو کافر ہیں وہ ان کے وارث نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ مہاجرین اور انصار ہجرت اور نصرت کی وجہ سے نصرت وحمایت میں اور باہمی وراثت میں ایک دوسرے کے شریک ہیں۔

قسم سوم:...... اور مسلمانوں کی تیسری قسم وہ لوگ ہیں کہ جو ایمان تو لائے ولیکن دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف ہجرت نہیں کی ان کی میراث میں تمہارا کوئی حق نہیں یعنی اس گروہ کا مہاجرین سے میراث کا کوئی تعلق نہیں نہ یہ ان کے وارث اور نہ وہ ان کے وارث یہاں تک کہ وہ مدینہ کی طرف ہجرت کریں جب وہ ہجرت کر آئیں گے تو وہ بھی اس حکم میں داخل ہوجائیں گے۔ ولیکن یہ مسلمان جنہوں نے دار الحرب سے ہجرت نہیں کی اگرچہ توارث میں تمہارے شریک نہیں لیکن اس قسم کے مسلمان اگر کافروں کے مقابلہ میں تم سے کوئی مدد مانگیں تو تم پر ان کی مدد واجب ہے۔ یعنی اگر ان مسلمانوں کی جنہوں نے ہجرت نہیں کی کافروں سے لڑائی اور مقابلہ ہو اور وہ تم سے مدد کے طالب ہوں تو کافروں کے مقابلہ میں تم پر ان کی مدد واجب ہے کیونکہ وہ اہل ایمان ہیں مگر اس قوم کے مقابلہ میں نہیں جن کے اور تمہارے درمیان صلح کا کوئی عہد اور پیمان ہو۔ یعنی جن سے عہد ہے ان سے عہد نہ توڑو ان کے ساتھ لڑائی کرنے سے عہد مانع ہے یعنی اگر دار الحرب کے مسلمان آزاد مسلمانوں سے مدد طلب کریں تو حتی المقدور ان کی مدد واجب ہے مگر جس جماعت سے ان آزاد مسلمانوں کا معاہدہ ہوچکا ہے ان کے مقابلہ میں تا بقاء عہد، دار الحرب سے مسلمانوں کی امداد نہیں کی جاسکتی اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ ایفاء عہد کرتے ہو یا عہد شکنی کرتے ہو حکم خداوندی کی مخالفت نہ کرو اور خوب سمجھ لو کہ جو لوگ کافر ہیں وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں تمہارا ان میں سے کوئی نہیں اور کفار باوجود باہمی اختلاف کے مسلمانوں کی دشمنی اور عداوت میں سب ایک ہیں اس لیے نہ تم ان کے وارث ہو اور نہ وہ تمہارے وارث ہیں۔ اے مسلمانو! اگر تم ایسا نہیں کرو گے یعنی کافروں کو اپنا دشمن نہیں سمجھو گے اور ان سے قطع تعلق نہیں کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور فساد برپا ہوجائے گا۔ یعنی اگر مسلمان ایک دوسرے کو دوست نہیں سمجھیں گے اور باہم مدد نہیں کریں گے تو مسلمانوں کے کام خراب ہوجائیں گے اور کافر غالب آجائیں گے اور کفر کے غلبہ سے بڑھ کر کوئی فتنہ اور فساد نہیں لہذا ضروری ہوا کہ تم کافروں سے الگ تھلگ رہو اور میراث کا قاعدہ اسلام کی بنیاد پر جاری رکھو۔ خدانخواستہ اگر تم کافروں کو اپنا دوست اور وارث بنانے لگے تو اسلام ختم ہوجائے گا۔

ان آیات میں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی تیسری قسم کے احکام بیان کیے اب آئندہ آیات میں قسم اول اور قسم دوم

کے مسلمانوں کی مدح اور فضیلت بیان کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور جو ایمان لائے اور پھر وطن چھوڑا اور خدا کی راہ میں اپنوں اور بیگانوں کو چھوڑا سب سے بڑے یہ مہاجرین اولین کا گروہ ہوا جو مسلمانوں کی قسم اول تھی اور جن لوگوں نے خدا کے رسول اور اہل ایمان کو اور مہاجرین کو ٹھکانہ دیا اور جان و مال سے ان کی مدد کی یہ انصار کا گروہ ہوا جو مسلمانوں کی قسم دوم تھی یہ دونوں جماعتیں ہی سچے اور پکے ایماندار ہیں جن کے کامل الایمان ہونے میں ذرا بھی شک اور شبہ نہیں مہاجرین اور انصار نے ہجرت اور نصرت اور جہاد سے ایمان کا حق ادا کر دیا ان کے لیے آخرت میں مغفرت ہے یعنی بطور دوام واستمرار ان کے لیے اللہ کی مغفرت ثابت ہے۔ اشارہ اس طرح ہے کہ اگر ان سے کوئی لغزش ہوگئی یا ہوجائے تو وہ سب معاف ہے اور جنت میں ان کے لیے بڑی عزت کی روزی ہے۔ یہ آیت اہل سنت والجماعت کے مذہب کی صحت پر اور شیعہ مذہب کی غلطی پر گواہ ہے کیونکہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار کے صادق الایمان اور جنتی ہونے کی سند دے دی ہے اور یہی اہلسنت کا مذہب ہے۔

ذکر قسم چہارم

اب آئندہ آیت میں مسلمانوں کی چوتھی قسم کا ذکر کرتے ہیں اور جو لوگ صلح حدیبیہ کے بعد ایمان لائے اور پھر انہوں نے ہجرت بھی کی اور تمہارے ساتھ شامل ہو کر جہاد بھی کیا یعنی ایمان بھی لائے اور ہجرت بھی کی اور جہاد بھی کیا مگر یہ سب کام بعد میں کیے سو یہ لوگ اگرچہ فضیلت اور مرتبہ میں تمہارے برابر نہیں مگر تاہم ان کا شمار تمہارے ہی زمرہ میں سے ہے اور تمہارے ساتھ ملحق ہیں تم ان کے وارث اور وہ تمہارے وارث، وراثت کے لیے یہ ضروری نہیں کہ دونوں ایک ہی وقت میں ایمان لائے ہوں اور ایک ہی وقت میں اسلام میں داخل ہوئے ہوں اور ایک ہی وقت میں دونوں نے ہجرت کی ہو۔

مرتبہ میں تو مہاجرین اولین ان بعد والوں سے بڑھے ہوئے ہیں مگر یہ بعد والے ان کے گروہ اور زمرہ میں شامل ہیں اور ان کے ساتھ ملحق ہیں اور مرتبہ میں اگرچہ کم ہیں مگر احکام میراث میں برابر ہیں کیونکہ مرتبہ کے فرق سے احکام میراث میں فرق نہیں پڑتا کیونکہ میراث کے لیے مرتبہ میں برابری کی شرط نہیں اور رشتہ دار کتاب اللہ کی رو سے آپس میں بعض بعض کی میراث کے بہ نسبت غیر رشتہ داروں کے زیادہ حق دار ہیں۔ یعنی قدیم مہاجرین کا کوئی رشتہ دار جو بعد میں مسلمان ہوا یا بعد میں ہجرت کر کے آیا تو بہ نسبت غیر رشتہ داروں کے وہ قدیم مہاجر کی میراث کا زیادہ حق دار ہے اگرچہ وہ غیر رشتہ دار فضیلت اور مرتبہ میں اس سے زیادہ ہو میراث کے حکم میں مہاجرین اولین اور مہاجرین متاخرین سب برابر ہیں۔ اس آیت سے وہ میراث جو بر بنائے ہجرت اور اخوت اسلامی تھی وہ منسوخ ہوئی اب میراث صرف قرابت پر ہے مگر ایمان اور اسلام بہر حال شرط ہے مسلمان اور کافر میں وراثت جاری نہیں ہوتی تحقیق اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کو جاننے والا ہے کہ کون کس کا کس قدر حق دار ہے اسی کے مطابق میراث کا حکم دیا جو سراسر حکمت اور مصلحت پر مبنی ہے۔ حدیث میں ہے "ان اللہ قد اعطی کل ذی حق حقه فلا وصية لوارث"۔ هذا آخر تفسير سورة الانفال ولله الحمد والمنة۔

الحمد للہ۔ آج بروز چہار شنبہ بوقت اشراق ۸ محرم الحرام ۱۳۸۷ ہجری کو سورۂ انفال کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

اے رب العالمین جو کچھ لکھا گیا وہ سب تیری ہی توفیق سے لکھا گیا اس کی قبولیت کی درخواست کرتا ہوں اور باقی قرآن کریم کی تفسیر کی تکمیل اور اس کی قبولیت کی بھی تجھ سے درخواست کرتا ہوں

ربنا اتمم لنا نورنا واغفرلنا انك على كل شيئ قدير۔ ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم آمین یا رب العلمین۔

تفسیر سورۂ توبہ

یہ بسم اللہ اس سورت کی تفسیر کے شروع اور آغاز کے لیے ہے نہ کہ سورۂ برات کی تلاوت کے لیے۔ سورۂ توبہ بالاتفاق مدنی ہے فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی اس سورہ میں ایک سو انتیس اور بقول بعض ایک سو تیس آیتیں ہیں اور سولہ رکوع ہیں۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس سورت کا بیشتر حصہ تو مدینہ میں نازل ہوا مگر آیت ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى﴾۔ یہ آیتیں ابوطالب کے بارہ میں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔

اسماء سورت:...... اس سورت کے بہت سے نام ہیں جن میں سے دو زیادہ مشہور ہیں براءت اور توبہ۔ براءت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں اللہ جل شانہ نے مشرکین سے اپنی اور اپنے رسول کی براءت اور بیزاری کا اظہار اور اعلان فرمایا ہے اور توبہ اس لیے کہتے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے اس سورت میں تین نیک مسلمانوں کی توبہ قبول فرمانے کا ذکر فرمایا ہے یا یہ وجہ ہے کہ اس سورت میں توبہ کا ذکر بار بار آیا ہے۔

کما قال تعالیٰ: ﴿فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ ﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ﴾ ﴿ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ﴾ ﴿فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ ﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ﴾ ﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ﴾ ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ﴾ ﴿اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ﴾۔

ربط اور مناسبت:...... ۱- اس سورت کا گزشتہ سورت سے ربط یہ ہے کہ گزشتہ سورت یعنی سورۂ انفال میں اکثر غزوہ بدر اور کچھ غزوہ بنی قریظہ کا ذکر تھا اور اخیر سورۃ میں کافروں سے عہد اور صلح کا ذکر تھا اور کافروں کے مقابلہ اور مقاتلہ کے لیے سامان جنگ کی تیاری کا حکم تھا۔ کافروں سے صلح محض جائز اور مباح کے درجہ میں ہے اصل حکم ان کے حق میں جہاد و قتال ہے اور اگر جہاد نہ ہو تو کم از کم دشمنان اسلام سے براءت اور بے زاری تو بہر حال واجب اور لازم ہے اس لیے اس سورت میں بھی چند غزوات اور چند واقعات اور چند اعلانات کا ذکر ہے۔ آغاز سورت میں نقض عہد کرنیوالوں سے براءت اور بے زاری کا اعلان ہے اور قبائل عرب کے معاہدین اور ناقضین عہد کے متعلق کچھ احکام کا ذکر ہے اور ان سے جہاد و قتال کی ترغیب ہے اور پھر فتح مکہ اور غزوہ تبوک کے واقعات کا ذکر ہے اور اس غزوہ میں شرکت نہ کرنے والوں پر عتاب اور ملامت ہے۔

غرض یہ کہ دونوں سورتوں میں جہاد و قتال کا ذکر ہے اس لیے دونوں سورتوں میں مناسبت ظاہر ہے۔

۲- نیز سورۂ انفال کے اخیر میں مومنین کے باہمی موالات اور اخوت کا ذکر تھا۔ اور اس سورۃ کے شروع میں دشمنان اسلام سے تبری اور بے زاری کے فرمان اور اعلان کا ذکر ہے کہ یہ مشرکین بالکل نجس اور ناپاک ہیں ان کو اجازت نہیں کہ مسجد حرام کے قریب بھی آ سکیں مبادا کفر اور شرک کی نجاست اور گندگی کی بو مسجد میں آ جائے مطلب یہ ہوا کہ سورۂ انفال کے اخیر میں مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کے بھائی اور دوست بنے رہیں۔ اور اس سورۃ کے شروع میں یہ حکم ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ کفار اور مشرکین سے بالکلیہ تعلق قطع کر لیں اور ان سے بری اور بے زار ہو جائیں۔ جب تک کفر اور کافرین سے تبری اور بے زاری نہ ہوگی اس وقت تک ایمان کامل نہ ہوگا جیسا کہ سورۂ بقرہ کے شروع میں اس کا بیان گزر چکا ہے غرض یہ کہ دونوں سورتوں کے مضامین ملتے جلتے ہیں اس لیے مناسبت ظاہر ہے گویا کہ سورۂ توبہ سورۂ انفال کا تتمہ اور تکملہ ہے۔

ترک تسمیہ در ابتداء سورۂ براءت

اس سورت کے ابتداء میں بسم اللہ نہ لکھے جانے کی علماء نے چند وجوہ بیان کی ہیں۔

۱- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ سورۂ انفال مدینہ میں ابتداء ہجرت میں نازل ہوئی اور سورۃ توبہ اواخر ہجرت میں نازل ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک ہی زمانہ میں کئی کئی سورتوں اور آیتوں کا نزول ہوتا رہتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو کاتب وحی کو بلا کر یہ فرما دیتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں رکھ دو اور ان آیات (جن کو سورۂ توبہ یا سورۂ براءت کہا جاتا ہے) کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی تصریح نہیں فرمائی کہ کس سورت میں ان کو درج کیا جائے اسی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور آپ نے یہ بیان نہیں فرمایا کہ یہ سورت مستقل سورت ہے یا سورۂ انفال کا جزء ہے اور سورۂ توبہ کا مضمون سورۂ انفال سے ملتا جلتا تھا اس لیے میں نے یہ گمان کیا کہ سورۂ توبہ گزشتہ سورت یعنی سورۂ انفال کا جزء ہے اس بناء پر ہم نے (یعنی صحابہ نے) اس سورۃ کو سورۂ انفال کے ساتھ متصل رکھ دیا اور بیچ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں لکھی اور توبہ اور انفال دونوں کو سبع طوال میں رکھ دیا۔

(اخرجه ابن ابی شیبة واحمد وابو داود والترمذی وحسنه والحاكم وصححه۔ تفسیر درمنثور: ۲۰۶/۳)

''واخرج النحاس فی ناسخه عن عثمان رضی الله عنه قال كانت الانفال وبراءة يدعيان فی زمن رسول الله صلی الله علیه وسلم القرينتين فلذالك جعلتهما فی السبع الطوال۔'' (تفسیر درمنثور: ۲۰۸/۳)

''امام نحاس نے اپنی کتاب ناسخ والمنسوخ میں روایت کیا کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سورۂ انفال اور سورۂ توبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرینتین (یعنی دو ساتھنیں) کہلاتی تھیں۔ اس لیے میں نے دونوں سورتوں کو ملا کر سبع طوال میں رکھ دیا۔''

شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سورۂ براءت کے متعلق حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان نہیں فرمایا کہ جدا سورت

ہے یا اور سورت میں کی آیتیں ہیں۔ سورۃ کا نشان تھا ''بسم اللہ'' وہ نازل نہ ہوئی اس واسطے اس پر بسم اللہ نہیں اور کسی سورت میں داخل بھی نہیں۔ (موضح القرآن)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ مجھے یہ تحقیق نہیں ہوئی کہ سورۂ توبہ، انفال کا ایک حصہ ہے یا مستقل سورت ہے اور دونوں سورتوں کا مضمون ملتا جلتا تھا۔ کیونکہ دونوں سورتیں دربارۂ قتال نازل ہوئیں اور آنحضرت ﷺ نے اس کی کوئی تصریح نہیں فرمائی کہ اس کو کس سورت میں درج کیا جائے تا کہ حقیقت حال واضح ہو جاتی اس لیے میں نے سورۂ توبہ کو سورۃ انفال کے بعد رکھا۔ اور بیچ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں لکھی اور چونکہ اس سورت کا مضمون مستقل تھا۔ اس لیے اس کو انفال میں شامل بھی نہیں کیا بلکہ درمیان میں فاصلہ چھوڑ دیا تا کہ نہ پوری طرح استقلال ظاہر ہو اور نہ دوسری سورت کا جزء ہونا ظاہر ہو یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس بارے میں اختلاف تھا کہ آیا یہ دونوں علیحدہ علیحدہ دو سورتیں ہیں یا ایک ہی سورت ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں مل کر ایک سورت ہے۔ اور دونوں کے مجموعہ کی دو سو پانچ آیتیں ہیں اور اس طرح یہ دونوں مل کر سبع طوال میں سورۃ ہفتم شمار ہوتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ دو سورتیں ہیں اور ان دونوں سورتوں کے درمیان فاصلہ رکھنے اور بسم اللہ نہ لکھنے سے ان دونوں باتوں کی طرف اشارہ ہو گیا فاصلہ تو ان لوگوں کی رعایت سے چھوڑا گیا جو انفال اور توبہ کو دو سورتیں کہتے ہیں اور بسم اللہ ان لوگوں کی رعایت سے نہیں لکھی گئی جو یہ کہتے ہیں کہ دونوں مل کر ایک سورت ہیں (دیکھو فتح الباری [1]: ۸/۲۳۵ سورۂ براءت)

۲- مستدرک حاکم میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم نے براءت کے شروع میں بسم اللہ کیوں نہیں لکھی تو فرمایا کہ بسم اللہ امان کے لیے ہے اور اس سورت میں کافروں پر تلوار چلانے کا حکم ہے اس لیے بسم اللہ نہیں لکھی گئی تا کہ قہر الٰہی اور غضب خداوندی کے آثار ظاہر ہوں۔ (درمنثور)

مگر یہ وجہ دراصل ترک بسم اللہ کی علت نہیں بلکہ ترک بسم اللہ کا ایک نکتہ ہے اور اس کی ایک حکمت ہے اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قرآن مصحف عثمانی کے مطابق تھا۔

۳- امام قشیری [2] فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ بسم اللہ اس سورۃ کے شروع میں اس لیے نہیں لکھی گئی کہ جبریل امین علیہ السلام اس سورت کے شروع میں بسم اللہ لے کر نازل نہیں ہوئے۔ عام قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی نئی سورت نازل ہوتی تو اس کو پہلی سورت سے فصل کرنے یعنی جدا کرنے کے لیے اس کے ساتھ بسم اللہ نازل ہوتی مگر سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نازل نہ ہوئی اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی طرف سے اس سورت کے شروع میں بسم اللہ کی زیادت نہ کی۔

اور یہی قول راجح اور مختار ہے کہ سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ اس لیے نہیں لکھی گئی کہ اور سورتوں کی طرح اس کے

---

[1] وقیل لانهم لما جمعوا القران شکوا اهل هی والانفال واحدة او اثنتان ففصلوا بینهما بسطر لا کتابة فیه ولم یکتبوا فیه البسملة روی ذالك ابن عباس رضی الله عنه عن عثمان رضی الله عنه وهو المعتمد اخره احمد والحاکم و بعض اصحاب السنن۔ فتح الباری: ۸/۲۳۵، سورة براءت۔

[2] قشیری گفتہ است کہ صحیح آنست کہ جبریل علیہ السلام تسمیہ نیاوردہ پس ہمچناں نوشتند و زیادتی نکردند۔ تیسیر القاری شرح صحیح البخاری للشیخ نور الحق دہلوی رحمہ اللہ۔

ساتھ بسم اللہ نازل نہیں ہوئی جب کوئی سورت نازل ہوتی تو آنحضرت ﷺ اس کے شروع میں بسم اللہ لکھنے کا حکم دیتے مگر اس سورت کے شروع میں بسم اللہ نہیں لکھی۔

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمام آیات اور سور کی ترتیب توقیفی ہے آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ فلاں سورت فلاں سورت کے بعد ہے اس لیے یہ مستبعد ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو یہ نہ بتلایا ہو کہ سورۂ توبہ، سورۂ انفال کے بعد ہے اس لیے کہ قرآن کریم کی سورتوں اور آیتوں کی ترتیب سب منجانب اللہ اور منجانب الرسول ہے جس میں کسی رائے اور اجتہاد کو دخل نہیں اور صحیح یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے وحی خداوندی کی بناء پر سورۂ توبہ کا سورۂ انفال کے بعد لکھنے کا حکم دیا اور سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ کا نہ لکھوانا یہ بھی وحی خداوندی تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی کا اتباع کیا۔ (دیکھو تفسیر کبیر [1]: ۵۸۱/۸)

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس ترتیب سے قرآن کریم کو نبی کریم ﷺ لیا تھا اسی ترتیب کے ساتھ بلا کم وکاست امت تک پہنچا دیا اور ذرہ برابر اس میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں کیا۔ (اتقان)

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی جو روایت پہلے گزر چکی ہے کہ ہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ کیوں نہیں لکھی الی آخرہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سورتوں کی باہمی ترتیب توقیفی نہیں بلکہ اجتہادی ہے۔ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہاد سے وقوع میں آئی۔

جواب:...... آیات قرآن کی ترتیب بالاجماع توقیفی ہے اس میں ذرہ برابر بھی کسی کا اختلاف نہیں البتہ ترتیب سور میں بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ سورتوں کی ترتیب اجتہادی ہے اور بعض اس طرف گئے ہیں کہ صرف سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کی ترتیب اجتہادی ہے اور باقی تمام سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے۔ شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کا میلان اسی قول کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ مگر جمہور علماء امت اس طرف گئے ہیں کہ جس طرح آیات کی ترتیب توقیفی ہے اس طرح سورتوں کی ترتیب بھی توقیفی ہے آیتوں کی طرح سورتوں کی ترتیب بھی آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک ہی میں قائم ہوگئی تھی۔ اور اسی ترتیب کے ساتھ ہر سال نبی اکرم ﷺ رمضان المبارک میں جبریل امین علیہ السلام کے ساتھ پورے قرآن کا دور کیا کرتے تھے جس میں ترتیب ہوتی تھی اور جس سال آپ ﷺ کا وصال ہوا اس سال دوبارہ دور کیا اور اسی ترتیب کے ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن کریم کو حفظ کیا اور اسی ترتیب کے مطابق قرآن کو نمازوں میں پڑھا کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس طرح آنحضرت ﷺ سے سنا تھا اسی طرح قران کو یاد رکھا اور جس ترتیب سے آنحضرت ﷺ سے حاصل کیا تھا اسی ترتیب کے ساتھ امت کو پہنچا

---

[1] قال القاضی یبعد ان یقال انه علیه السلام لم یبین کون هذه السورة تالیة لسورة الانفال لان القرآن مرتب من قبل الله تعالیٰ ومن قبل رسوله صلی الله علیه وسلم علی الوجه الذی نقل ولو جوزنا فی بعض السور ان لا یکون ترتیبها من الله علی سبیل الوحی لجوزنا مثله فی سائر السور وفی آیات السورة الواحدة وتجویز یطرق ما یقوله الامامیة من تجویز الزیادة والنقصان فی القرآن وذالك یخرجه من کونه حجة بل الصحیح انه علیه السلام امر بوضع هذه السورة بعد سورة الانفال وحیا وانه علیه السلام حذف بسم الله الرحمن الرحیم من اول هذه السورة وحیا۔ (تفسیر کبیر: ۵۸۱/۴)

دیا۔ نہ ذرہ برابر اس میں کوئی تقدیم وتاخیر کی اور نہ اپنی طرف سے کوئی ترتیب قائم کی۔

امام ابوبکر انباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی سورت یا آیت نازل ہوتی تو جبریل امین علیہ السلام آنحضرت ﷺ کو اس سورت آیت کے محل اور موقع سے واقف کرادیتے۔ پس سورتوں کا باہمی اتصال ایسا ہی ہے جیسا کہ آیات اور حروف کا اور سب آنحضرت ﷺ کی طرف سے ہے جس کو آپ ﷺ نے اللہ رب العزت سے نقل کیا ہے پس جس نے کسی سورت کو مقدم یا موخر کیا تو اس نے نظم قرآنی کو فاسد اور مختل کیا۔ (دیکھو تفسیر قرطبی: ۱/ ۶۰)

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سوال کا جواب دیا اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جس سورت کو جس جگہ لکھنے کا حکم دیا اسی جگہ لکھ دی گئی اور اسی طرح سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کی ترتیب بھی توقیفی ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے اتفاق سے لکھی گئی اور کسی ایک صحابی نے بھی سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کی ترتیب میں اختلاف نہیں کیا۔ خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ روایت پہلے گزر چکی ہے کہ یہ دونوں سورتیں (سورۂ انفال اور سورۂ توبہ) آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک میں قرینتین کے نام سے پکاری جاتی تھیں جو اس امر کی صاف دلیل ہے کہ ان دونوں سورتوں کا اقتران اور اتصال عہد نبوت میں معروف ومشہور اور زبان زد خلائق تھا۔ مگر چونکہ عام قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی نئی سورت نازل ہوتی تو پہلی سورت سے جدا کرنے کے لیے بسم اللہ نازل ہوتی۔ بسم اللہ کا نازل ہونا یہ سورت کا نشان تھا۔ پس جب کہ سورۂ براءت کے شروع میں بسم اللہ نازل نہ ہوئی تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو یہ تردد ہوا کہ یہ مستقل سورت ہے یا پہلی سورت کا جزء اور اس کا تتمہ ہے سو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ تردد اور یہ گمان مسئلہ ترتیب سے متعلق نہیں تھا بلکہ مسئلہ جزئیت سے متعلق ہے کہ سورۂ توبہ گزشتہ سورت کا جزء ہے یا نہیں باقی سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کی باہمی ترتیب میں ذرہ برابر کوئی شبہ نہ تھا لہٰذا سورۂ توبہ کو سورۂ انفال کے بعد رکھنا توقیفی بھی تھا اور وفاقی اور اجماعی بھی تھا جو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے اجماع اور اتفاق سے بلا کسی خلاف کے عمل میں آیا۔ اور علی ہذا، درمیان میں بسم اللہ نہ رکھنا یہ بھی امر توقیفی تھا اور وفاقی اور اجماعی بھی تھا جس کی اصل علت یہ تھی کہ جبریل امین اس سورت کے شروع میں بسم اللہ لے کر نازل نہیں ہوئے اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سورت کو بلا بسم اللہ کے لکھا اور اپنی طرف سے کوئی زیادتی نہیں کی۔ یہ ناممکن ہے کہ نبی اکرم ﷺ تمام سورتوں کی ترتیب تو بتلادیں مگر سورۂ انفال اور توبہ کی ترتیب نہ بتلائیں۔ سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر رمضان میں جبریل امین علیہ السلام کے ساتھ قرآن کا دور کرتے تھے۔ جس میں سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کا دور بھی شامل ہے اور دور کے لیے ترتیب لازم ہے معلوم ہوا کہ ان دو سورتوں کی ترتیب بھی توقیفی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کی ترتیب بھی توقیفی ہے اور درمیان میں بسم اللہ کا نہ لکھنا یہ بھی توقیفی ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے جواب میں جو کچھ فرمایا وہ درحقیقت ان دو سورتوں کے باہمی اتصال اور درمیان میں فصل چھوڑ دینے کی ایک حکمت اور نکتہ کا بیان ہے۔ اصل علت توقیف نبوی ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جو سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کے متعلق سوال کیا۔ سو وہ قرآن کریم کے جمع وترتیب کے ایک عرصہ بعد کیا اس لیے حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اطمینان کے لیے ان دونوں سورتوں کے اقتران اور اتصال کی ایک حکمت بیان کر دی۔ عہد رسالت میں ان دو سورتوں کا قرینتین کے نام سے مشہور ہونا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ ان دو سورتوں کا باہمی اتصال اور اقتران سب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تھا اور تمام صحابہ میں معروف اور مشہور تھا اسی لیے ترتیب قرآن کے وقت صحابہ کرام کو نہ کوئی تردد پیش آیا اور نہ ان میں کوئی اختلاف ہوا۔

شانِ نزول:...... یہ سورت غزوۂ تبوک کے بعد نازل ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ تبوک کے لیے روانہ ہوئے تو منافقین قسم قسم کی جھوٹی خبریں اور افواہیں اڑانے لگے تاکہ مسلمانوں میں اضطراب اور بے چینی پھیلے اور مشرکین نے ان عہدوں اور پیمانوں کو توڑنا شروع کیا جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر رکھے تھے۔ مشرکین کا گمان اور خیال یہ تھا کہ مسلمان قیصر شام کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے اس لیے یہ سورت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ مشرکین سے براءت اور بے زاری کا اعلان کر دیں اور ان کے عہدوں کو واپس کر دیں کما قال تعالیٰ: ﴿وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ﴾ تاکہ مسلمانوں کی طرف نقض عہد کی نسبت نہ ہو اور اس بارہ میں اس سورت کی شروع کی چالیس آیتیں نازل ہوئیں۔

دیکھو تفسیر کبیر: ۴/ ۵۸۳ و تفسیر ابی حیان: ۵/ ۵ و تفسیر مظہری: ۴/ ۱۳۳۔

اور حکم ہوا کہ جن (۱) لوگوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی عہد موقت اور میعادی ہو اور وہ اپنے عہد پر قائم ہوں تو ان کے عہد کی مدت پوری کر دی جائے خواہ وہ کتنی ہی مدت ہو جب تک وہ اپنے عہد پر قائم رہیں تم بھی عہد پر قائم رہو کما قال تعالیٰ: ﴿فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ﴾۔ اور (۲) جن لوگوں نے نقض عہد کیا ان سے براءت اور بے زاری کا اعلان کر دیا جائے اور چار مہینے کی ان کو مہلت دے دی جائے کہ اس مدت میں جہاں چاہیں پھریں کوئی روک ٹوک نہیں۔ اگر اس مدت کے اندر اندر اسلامی برادری میں داخل ہو جائیں تو بہتر ہے ورنہ اس مدت کے گزر جانے کے بعد جہاں پائے جائیں گے قتل کیے جائیں گے۔ اب راستے دو ہی ہیں یا تو اسلام لے آئیں یا قتل پر تیار ہو جائیں اور خوب سمجھ لیں کہ تمہاری جنگی تیاری اور تدبیر تم کو خدا کی گرفت سے بچا نہیں سکتی۔

اور (۳) جن لوگوں سے آپ کا کوئی عہد ہی نہ تھا یا عہد مطلق تھا جس کی کوئی مدت مقرر نہ تھی ان کو بھی یہ اطلاع دے دی گئی کہ اب ہم آئندہ تم سے کوئی معاہدہ کرنا اور رکھنا نہیں چاہتے۔ کفر سے صلح اور عہد کا وقت ختم ہوا سب کی بدعہدی کا تجربہ ہو گیا۔ اس لیے از راہ ترحم و کرم تم کو چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے۔ اگر اسلام قبول کر لو تو تمہاری سعادت ہے ورنہ یا تو مرکز اسلام کو اپنے ناپاک وجود سے خالی کر دو ورنہ جہاں پائے جاؤ گے پکڑے جاؤ گے اور کوئی تدبیر تم کو خدا کی مشیت سے نہیں روک سکتی۔ من جانب اللہ ان سب کو چار مہینہ کی مہلت دے دی گئی کہ اپنے انجام کو سوچ لیں اور ان کو اختیار دے دیا گیا کہ چاہیں اسلام قبول کر لیں یا مقابلہ اور مقاتلہ کے لیے تیار ہوں اور اس وسیع مدت میں اپنی نجات کا جو چاہیں بندوبست کر لیں۔ یہ چار مہینہ کی مہلت کافی مہلت ہے اور انتہائی شفقت ہے کہ کل کو یہ نہ کہیں کہ ہم کو اچانک پکڑ لیا گیا اور مسلمانوں پر غدر اور عہد شکنی کی تہمت نہ لگائیں۔ نہیں نہیں۔ بلکہ پوری مہلت کے بعد تم کو پکڑا گیا اور دشمن کو چار مہینہ کی کھلی چھٹی دے دینا یہ

اسلام کی انتہائی مرحمت سخاوت اور مروت ہے دنیا کی کوئی متمدن اور رحم دل حکومت اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتی۔ جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ سورۂ براءت کی ان آیات میں اس بدعہدی کی طرف اشارہ ہے جو صلح حدیبیہ کے بعد ظہور میں آئی جس کی تفصیل یہ ہے کہ ہجرت کے چھٹے سال آنحضرت ﷺ اور قریش مکہ کے درمیان مقام حدیبیہ میں صلح کا معاہدہ ہوا تو بنی خزاعہ، مسلمانوں کے حلیف ہو گئے اور بنو بکر، قریش کے حلیف ہو گئے اور ان دونوں قبیلوں میں مدت سے عداوت چلی آ رہی تھی۔ اس لیے کچھ عرصہ بنو بکر نے خلاف معاہدہ بنو خزاعہ پر شب خون مارا اور قریش نے اسلحہ وغیرہ سے ان کی مدد کی اس طرح عہد شکنی کی ابتداء ان لوگوں کی طرف سے ہوئی خزاعہ نے اس ظالمانہ عہد شکنی کی آنحضرت ﷺ کو اطلاع کر دی۔ کچھ عرصہ بعد آنحضرت ﷺ نے اس کے جواب میں بلا اطلاع قریش ۸ھ میں مکہ پر حملہ کر دیا اور نہایت آسانی کے ساتھ اس کو فتح کر لیا اس وقت قریش کے بہت سے قبائل تھے جو ہنوز اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے تو بعض تو وہ تھے جن سے آپ ﷺ کا کوئی معاہدہ ہی نہ تھا اور بعض سے مطلق عہد تھا جس کی کوئی مدت مقرر نہ تھی اور بعض سے عہد موقت تھا جس کی مدت مقرر تھی پھر ان میں سے بعض نے عہد شکنی کی اور بعض اپنے عہد پر قائم رہے۔ سو اس سورت کے شروع میں ان جماعتوں کے احکام کا بیان ہے فتح مکہ کے بعد حنین اور طائف فتح ہوئے پھر ۹ھ میں غزوۂ تبوک پیش آیا۔ جب آپ ﷺ تبوک سے واپس آئے تو یہ آیتیں نازل ہوئیں اور زمانہ حج کا تھا اور آپ ﷺ کو یہ معلوم ہوا کہ مشرکین اپنی عادت کے مطابق برہنہ طواف کریں گے اس لیے آنحضرت ﷺ خود تشریف نہیں لے گئے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حاجیوں کا سالار بنا کر بھیج دیا تھوڑی دور گئے ہوں گے کہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ تم یہ آیت براءت لے کر جاؤ اور موسم حج میں ان کا اعلان کر دو چنانچہ وہ روانہ ہوئے راستہ میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ امیر بن کر آئے ہو یا مامور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا مامور ہو کر آیا ہوں۔

علماء نے لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھیجنے میں مصلحت یہ تھی کہ عرب کا دستور تھا کہ نقض عہد کا پیغام کوئی عزیز قریب ہی پہنچایا کرتا تھا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے خاندانی عزیز و قریب نہ تھے۔ اس لیے آپ ﷺ نے اتمام حجت کی غرض سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا حج کا خطبہ اور نماز صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی نے پڑھائی صرف سورۂ براءت کی تیس یا چالیس آیتیں یعنی شروع سورت سے لے کر ﴿وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾ تک موسم حج میں عید الاضحیٰ کے دن یعنی دسویں تاریخ ذی الحجہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پڑھ کر کافروں کو سنا دیں اور ان آیات کے ساتھ یہ بھی اعلان کر دیا کہ سال آئندہ کوئی مشرک حج نہ کرنے پائے گا اور نہ کوئی برہنہ طواف کرنے پائے گا یہ اعلان زیادہ تر دسویں تاریخ ذی الحجہ کو منی میں ہوا اور اس وقت تمام قبائل عرب وہاں موجود تھے وہاں یہ اعلان کیا گیا تاکہ قریش مکہ اور دیگر قبائل عرب جو صلح حدیبیہ کے وقت موجود تھے وہ سب سن لیں کہ اب کفار و مشرکین سے کوئی صلح اور عہد نہیں رہا۔ سابق میں جو عہد و پیمان تھے وہ سب ختم ہوئے اب تمام کافروں کو صرف چار مہینہ کی مہلت ہے چار ماہ گزرنے کے بعد دو ہی راہیں ہیں یا اسلام لے آئیں یا قتل کے لیے تیار ہو جائیں یا جزیرۃ العرب سے باہر نکل جائیں تاکہ اسلام کا قلب اور مرکز، کفر اور شرک سے پاک ہو جائے۔ غرض یہ کہ اس اعلان براءت سے مقصود یہ تھا کہ جزیرۃ العرب کفر اور شرک کی نجاست سے پاک ہو جائے۔ اور مرکز اسلام میں کفر و شرک کی نجاست باقی نہ رہے۔

ایک ضروری تنبیہ:...... اس سورت میں چند غزوات اور چند واقعات کا ذکر ہے جو وہ بھی حکم میں غزوات کے ہیں۔ سب سے پہلے اعلان براءت کا ذکر ہے یہ آیتیں غزوہ تبوک کے بعد شوال ۹ ھ میں نازل ہوئیں۔ بعد ازاں کچھ آیتیں صلح حدیبیہ کے معاہدہ سے متعلق معلوم ہوتی ہیں ان میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ جیسے ﴿اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ اکثر مفسرین یہ کہتے ہیں کہ ان آیات میں کافروں کی اس عہد شکنی کی طرف اشارہ ہے جو انہوں صلح حدیبیہ کے بعد کی تھی۔ اس صورت میں ان آیات کا نزول فتح مکہ سے پہلے ہوگا جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔

اور بعض علماء تفسیر یہ کہتے ہیں کہ ان آیات میں دیگر قبائل عرب اور یہود کی عہد شکنیوں کی طرف اشارہ ہے جو غزوہ احزاب میں ان کی طرف سے ظہور میں آئیں اور جنہوں نے آنحضرت ﷺ کو مدینہ منورہ سے نکالنے کا ارادہ کیا اس لیے آنحضرت ﷺ کا سوائے قبیلہ قریش کے دوسرے قبائل عرب سے بھی معاہدہ تھا جن میں بعض اپنے معاہدہ پر قائم رہے اور بہت سے قبائل وہ تھے جن سے کسی قسم کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا سو اس سورت کی یہ آیتیں علاوہ قبیلہ قریش کے دیگر قبائل عرب سے متعلق ہیں اس صورت میں ان آیات کا نزول فتح مکہ کے بعد ہوگا اور اگر ظاہر نظم اور تبادر لفظی کے اعتبار سے یہ کہا جائے کہ ان آیات میں دار الندوہ ہی کے واقعات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے تو ممکن ہے کہ اس سے مقصود ان کی جنایات قدیمہ اور عداوت پارینہ کی تذکیر اور یاددہانی ہو تو اس اعتبار سے اگر ان آیات کا نزول فتح مکہ کے بعد بھی مانا جائے تب بھی درست ہے اس لیے اس سے مقصود محض تذکیر اور یاددہانی ہے تاکہ ان کی عداوت پارینہ کا استحضار ہو جائے اور مسلمان متنبہ ہو جائیں کہ ان کی اس عداوت کو ملحوظ رکھ کر ان کے ساتھ معاملہ کریں۔

بعد ازاں آیات متعلقہ بہ غزوہ حنین ہیں ان کا نزول فتح مکہ کے بعد ہوا پھر جو آیتیں غزوہ تبوک کی ترغیب کے بارے میں ہیں وہ غزوہ تبوک سے پہلے نازل ہوئیں اور جو آیتیں غزوہ تبوک سے تخلف کی ملامت اور عتاب میں ہیں ان کا نزول غزوۂ تبوک کے بعد ہوا اور بعض آیات اثناء غزوۂ تبوک نازل ہوئیں اور بعض روایات سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ توبہ پوری بعد تبوک نازل ہوئی سو اس سے مراد یہ ہے کہ اس سورت کا اکثر حصہ غزوۂ تبوک کے بعد نازل ہوا کیونکہ اس سورت کا بہت سا حصہ ان منافقین کی پردہ دری کے بارے میں ہے جنہوں نے غزوۂ تبوک سے غیر حاضری کے متعلق جھوٹے عذر تراشے تھے۔ نیز حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ سورت ابتداء میں بہت بڑی تھی جس میں منافقین کے احوال نفاق کا تفصیل سے بیان تھا مگر اب بقدر ربع رہ گئی اور باقی منسوخ التلاوت ہوگئی پس ممکن ہے کہ وہ تین ربع دفعتہ نازل ہوئے ہوں۔ واللہ اعلم۔

۹ سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۱۳　　بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ　　ایاتہا ۱۲۹ رکوعاتہا ۱۶

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ① فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ

ف۱ صاف جواب ہے اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی، ان مشرکوں کو جن سے تمہارا عہد ہوا تھا سو پھر لو اس ملک میں

جواب ہے اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول سے، ان مشرکوں کو جن سے تم کو عہد تھا۔ سو پھر لو اس ملک میں

ف۱ سورۂ انفال اوائل ہجرت میں اور یہ سورۂ براءۃ اواخر ہجرت میں نازل ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ جو آیات قرآنی نازل ہوتیں۔ فرما دیتے =

اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِی الْكٰفِرِیْنَ ② وَاَذَانٌ

چار مہینے اور جان لو کہ تم نہ تھکا سکو گے اللہ کو اور یہ کہ اللہ رسوا کرنے والا ہے کافروں کو ف۱ اور سنا دینا ہے

چار مہینے اور جان لو کہ تم نہ تھکا سکو گے اللہ کو، اور یہ کہ اللہ رسوا کرتا ہے منکروں کو۔ اور سنا دینا ہے

= کہ ان کو فلاں سورت میں فلاں موقع پر رکھو۔ ان آیات کے متعلق (جنہیں اب سورۂ "توبہ" یا "براءۃ" کہا جاتا ہے) آپ نے کوئی تصریح نہیں فرمائی کہ کس سورت میں درج کی جائیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مستقل سورت ہے کسی دوسری سورت کا جز نہیں لیکن عام قاعدہ یہ تھا کہ جب نئی سورت نازل ہوتی تو پہلی سورت سے جدا کرنے کے لیے "بسم اللہ" آتی تھی۔ سورۂ توبہ کے شروع میں "بسم اللہ" نہ آئی۔ جو مشعر ہے کہ یہ جداگانہ سورت نہیں۔ ان وجوہ پر نظر کر کے مصاحف عثمانیہ میں اس کے شروع میں "بسم اللہ" نہیں لکھی گئی لیکن کتابت میں اس کے اور انفال کے درمیان فصل کر دیا گیا کہ نہ پوری طرح اس کا استقلال ظاہر ہو اور نہ دوسری سورت کا جز ہونا۔ باقی انفال کے بعد متصل رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ مضامین باہم اس قدر مرتبط و متسق واقع ہوئے ہیں کہ گویا براءۃ کو "انفال" کا تتمہ اور تکملہ کہا جا سکتا ہے۔ سورۂ انفال تمام تر غزوہ بدر اور اس کے متعلقات پر مشتمل ہے۔ یوم بدر کو قرآن نے "یوم الفرقان" کہا کیونکہ اس نے حق و باطل، اسلام و کفر اور موحدین و مشرکین کی پوزیشن کو بالکل جدا جدا کر کے دکھلا دیا۔ بدر کا معرکہ فی الحقیقت خالص اسلام کی عالم گیر اور طاقتور برادری کی تعمیر کا سنگ بنیاد اور حکومت الٰہی کی تاسیس کا دیباچہ تھا۔ ﴿وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ﴾ کے مقابلہ میں جس خالص اسلامی برادری کے قیام کی طرف "انفال" کے خاتمہ پر ﴿اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِیْرٌ﴾ کہہ کر توجہ دلائی ہے اس کا صریح اقتضاء ہے کہ اس عالم گیر برادری کا کوئی طاقتور اور زبردست مرکز حسی طور پر دنیا میں قائم ہو، جو ظاہر ہے کہ جزیرۃ العرب کے سوا نہیں ہو سکتا جس کا صدر مقام مکہ معظمہ ہے "انفال" کے اخیر میں یہ بھی جتلا دیا گیا تھا کہ جو مسلمان مکہ وغیرہ سے ہجرت کر کے نہیں آئے اور کافروں کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہے ہیں، دارالاسلام کے آزاد مسلمانوں پر ان کی ولایت و رفاقت کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ ﴿مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُهَاجِرُوْا﴾ ہاں حسب استطاعت ان کے لیے دینی مدد بہم پہنچانی چاہیے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مرکز اسلام میں موالاۃ و اخوت اسلامی کی کڑیوں کو پوری مضبوطی کے ساتھ جوڑنے کے لیے دو باتوں میں سے ایک ہونی چاہیے یا تمام عرب کے مسلمان ترک وطن کر کے مدینہ آجائیں اور اسلامی برادری میں بے روک ٹوک شامل ہوں اور یا آزاد مسلمان مجاہدانہ قربانیوں سے کفر کی قوت کو توڑ کر جزیرۃ العرب کی سطح ایسی ہموار کر دیں کہ کسی مسلمان کو ہجرت کی ضرورت ہی باقی نہ رہے یعنی تقریباً سارا جزیرۃ العرب خالص اسلامی برادری کا ایسا ٹھوس مرکز اور غیر مخلوط مستقر بن جائے جس کے دامن سے عالم گیر اسلامی برادری کا نہایت محکم اور شاندار مستقبل وابستہ ہو سکے۔ یہ دوسری صورت ہی ایسی تھی جس سے روز روز کے فتنہ فساد کی بیخ کنی ہو سکتی تھی اور مرکز اسلام، کفار کے اندرونی فتنوں سے بالکل پاک و صاف اور آئے دن کی بدعہدیوں اور ستم رانیوں سے پورا مامون و مطمئن ہو کر تمام دنیا کو اپنی عالم گیر برادری میں داخل ہونے کی دعوت دے سکتا تھا۔ اسی اعلیٰ اور پاک مقصد کے لیے مسلمانوں نے ۲ھ میں پہلا قدم میدان بدر کی طرف اٹھایا تھا۔ جو آخر کار ۸ھ میں مکہ معظمہ کی فتح عظیم پر منتہی ہوا جو فتنے اشاعت یا حفاظت اسلام کی راہ میں مزاحم ہوتے رہتے تھے فتح مکہ نے ان کی جڑوں پر تیشہ لگایا لیکن ضرورت تھی کہ ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ (الانفال رکوع ۵) کے امتثال میں اسلامی برادری کے مرکز اور حکومت الٰہیہ کے مستقر (جزیرۃ العرب) کو فتنہ کے جراثیم سے بالکلیہ صاف کر دیا جائے، تاکہ وہاں سے تمام دنیا کو اسلامی دیانت اور حقیقی تہذیب کی دعوت دیتے وقت تقریباً سارا جزیرۃ العرب یک جان و یک زبان ہو اور کوئی اندرونی کمزوری یا خلفشار بیرونی مزاحمتوں کے ساتھ مل کر اس مقدس مشن کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ پس جزیرۃ العرب کو ہر قسم کی کمزوریوں اور فتنوں سے پاک کرنے اور عالم گیر دعوت اسلامی کے بلند ترین مقام پر کھڑا کرنے کے لیے لازم ہوا کہ دعوت اسلام کا مرکز خالص اسلامیت کے رنگ میں رنگین ہو۔ اس کے قلب و جگر سے صدائے حق کے سوا کوئی دوسری آواز نکل کر دنیا کے کانوں میں نہ پہنچے۔ پورا جزیرہ سارے جہان کا معلم اور ہادی بنے اور ایمان و کفر کی کشمکش کا ہمیشہ کے لیے یہاں سے خاتمہ ہو جائے۔ سورۂ براءۃ کے مضامین کا یہی حاصل ہے۔ چنانچہ چند روز میں خدا کی رحمت اور سچائی کی طاقت سے مرکز اسلام ہر طرح کے وسائس کفر و شرک سے پاک ہو گیا اور سارا عرب متحد ہو کر شخص واحد کی طرح تمام عالم میں نور ہدایت اور عالم گیر اسلامی اخوت پھیلانے کا کفیل و ضامن بنا فللہ الحمد علی ذلک الغرض سورۂ انفال میں جس چیز کی ابتداء تھی سورۂ توبہ (براءۃ) میں اس کی انتہاء ہے۔ اسی لیے "اول با آخر نسبتے دارد" کے موافق "براءۃ" کو "انفال" کے ساتھ بطور تکملہ ملحق کر دیا گیا۔ اور بھی مناسبات ہیں جن کو علماء نے تفاسیر میں بیان کیا ہے۔

ف۱ ۶ھ میں بمقام "حدیبیہ" جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان معاہدہ صلح ہو چکا تو بنی خزاعہ مسلمانوں کے اور بنی بکر قریش کے حلیف بنے۔ =

مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ

اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی لوگوں کو دن بڑے حج کے ف۱ کہ اللہ الگ ہے مشرکوں سے

اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول سے، لوگوں کو دن بڑے حج کے کہ اللہ الگ ہے مشرکوں سے

وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي

اور اس کا رسول سو اگر تم توبہ کرو تو تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر نہ مانو تو جان لو کہ تم ہرگز نہ تھکا سکو گے

اور اس کا رسول۔ سو اگر تم توبہ کرو تو تم کو بھلا ہے۔ اور اگر نہ مانو تو جان لو کہ تم نہ تھکا سکو گے

اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ

اللہ کو اور خوشخبری سنا دے کافروں کو عذاب دردناک کی ف۲ مگر جن مشرکوں سے تم نے عہد کیا تھا پھر

اللہ کو۔ اور خوشخبری دے منکروں کو دکھ والی مار کی۔ مگر جن مشرکوں سے تم کو عہد تھا، پھر

لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـــًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى

انہوں نے کچھ قصور نہ کیا تمہارے ساتھ اور مدد نہ کی تمہارے مقابلہ میں کسی کی سو ان سے پورا کردو ان کا عہد ان کے

کچھ قصور نہ کیا تیرے ساتھ، اور مدد نہ کی تمہارے مقابلے میں کسی کو، سو ان سے پورا پہنچاؤ عہد ان کے

مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ

وعدہ تک بیشک اللہ کو پسند ہیں احتیاط والے ف۳ پھر جب گزر جائیں مہینے پناہ کے تو مارو مشرکوں کو

وعدہ تک، اللہ کو خوش آتے ہیں احتیاط والے۔ پھر جب گزر جاویں مہینے پناہ کے تو مارو مشرکوں کو

= بنی بکر نے معاہدہ کی پروانہ کر کے خزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش نے اسلحہ وغیرہ سے ظالم حملہ آوروں کی مدد کی۔ اس طرح قریش اور ان کے حلیف دونوں معاہدہ حدیبیہ پر قائم نہ رہے جس کے جواب میں ۸ ھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اچانک حملہ کر کے مکہ معظمہ بڑی آسانی سے فتح کر لیا۔ ان قبائل کے سوا دوسرے قبائل عرب سے مسلمانوں کا میعادی یا غیر میعادی معاہدہ تھا۔ جن میں سے بعض اپنے معاہدہ پر قائم رہے۔ بہت سے قبائل وہ تھے جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہیں ہوا تھا۔ اس سورت کی مختلف آیات قبائل کے متعلق نازل ہوئیں ہیں۔ شروع کی آیات میں غالباً ان مشرکین کا ذکر ہے جن سے معاہدہ تھا مگر میعادی نہ تھا۔ ان کو اطلاع کر دی گئی کہ ہم آئندہ معاہدہ رکھنا نہیں چاہتے۔ چار ماہ کی مہلت تم کو دی جاتی ہے کہ اس مدت کے اندر اسلامی برادری میں شامل ہو جاؤ یا وطن چھوڑ کر مرکز ایمان و توحید کو اپنے وجود سے خالی کر دو اور یا جنگی مقابلہ کے لیے تیار ہو جاؤ لیکن یہ خوب سمجھ لینا کہ تم خدا کی مشیت کو روک نہیں سکتے۔ اگر اسلام نہ لائے وہ تم کو دنیا و آخرت میں رسوا کرنے والا ہے۔ تم اپنی تدبیروں اور حیلہ بازیوں سے اسے عاجز نہ کر سکو گے۔ باقی جن قبائل سے کوئی معاہدہ ہی نہ تھا ممکن ہے انہیں بھی چار ماہ کی مہلت دی گئی ہو۔ یہ اور اس کے بعد کی آیتوں کا اعلان عام ۹ ھ میں حج کے موقع پر تمام قبائل عرب کے سامنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کیا۔

ف۱ حج کو اکبر اس لیے کہا کہ "عمرہ" حج اصغر ہے اور یوم الحج الاکبر سے دسویں تاریخ "عید الاضحی کا دن" یا نویں تاریخ "عرفہ" کا دن مراد ہے۔

ف۲ یہ اعلان غالباً ان قبائل کے حق میں تھا جنہوں نے میعادی معاہدہ کیا۔ پھر خود ہی عہد شکنی کی (مثلاً بنی بکر یا قریش وغیرہم) یعنی ایسے لوگوں سے کوئی معاہدہ اب باقی نہیں رہا۔ اگر یہ سب لوگ شرک و کفر سے توبہ کر لیں تو ان کی دنیا و آخرت دونوں سنور جائیں گی۔ نہیں تو خدا کا جو کچھ ارادہ ہے (تطہیر جزیرۃ العرب کا) وہ پورا ہو کر رہے گا کوئی طاقت اور تدبیر اسے مغلوب نہیں کر سکتی اور کافروں کو کفر و بدعہدی کی سزا مل کر رہے گی (تنبیہ) ان قبائل کی عہد شکنی اگرچہ فتح مکہ ۸ ھ =

حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَإِنْ تَابُوْا

جہاں پاؤ اور پکڑو اور گھیرو اور بیٹھو ہر جگہ ان کی تاک میں پھر اگر وہ توبہ کریں

جہاں پاؤ، اور پکڑو اور گھیرو اور بیٹھو ہر جگہ ان کی تاک پر۔ پھر اگر وہ توبہ کریں

وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَإِنْ أَحَدٌ

اور قائم رکھیں نماز اور دیا کریں زکوٰۃ تو چھوڑ دو ان کا راستہ بیشک اللہ ہے بخشنے والا مہربان ف۱ اور اگر کوئی

اور کھڑی رکھیں نماز اور دیا کریں زکوٰۃ تو چھوڑ دو ان کی راہ۔ اللہ ہے بخشتا مہربان۔ اور اگر کوئی

مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهٗ ۚ ذٰلِكَ

مشرک تجھ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے دے یہاں تک کہ وہ سن لے کلام اللہ کا پھر پہنچا دے اس کو اس کی امن کی جگہ، یہ

مشرک تجھ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے جب تک وہ سن لے کلام اللہ کا، پھر پہنچا دے اس کو جہاں وہ نڈر ہو۔ یہ

بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ ع

اس واسطے کہ وہ لوگ علم نہیں رکھتے ف۲

اس واسطے کہ وہ لوگ علم نہیں رکھتے۔

= سے پہلے ہو چکی تھی، بلکہ اسی کے جواب میں مکہ فتح کیا گیا۔ تاہم ۹ھ کے حج کے موقع پر اس کا بھی اعلان عام کرایا گیا تاکہ واضح ہو جائے کہ اس قسم کے جتنے لوگ ہیں ان سے کسی قسم کا معاہدہ باقی نہیں رہا۔

ف۳ یہ استثناء ان قبائل کے لیے ہے جن کا معاہدہ میعادی تھا، پھر وہ اس پر برابر قائم رہے کچھ کوتاہی ایفائے عہد میں نہیں کی، نہ بذات خود کوئی کارروائی خلاف عہد کی اور نہ دوسرے بدعہدوں کو مدد پہنچائی (مثلاً بنی ضمرہ و بنی مدلج) ان کے متعلق اعلان کر دیا گیا کہ میعاد معاہدہ منقضی ہونے تک مسلمان بھی برابر معاہدہ کا احترام کریں گے۔ میعاد ختم ہونے کے بعد کوئی جدید معاہدہ نہیں۔ اس وقت ان کے لیے بھی وہی راستہ ہے جو اوروں کے لیے تھا۔

ف۱ استثناء سے فارغ ہو کر پھر مستثنیٰ منہ کا حکم بیان فرماتے ہیں۔ یعنی ان عہد شکنی کرنے والوں سے اگرچہ اب کوئی معاہدہ باقی نہ رہا اور اس لیے علی الفور جنگ کی جا سکتی ہے تاہم "اشہر حرم" کی رعایت مانع ہے کہ فوراً ان پر حملہ کیا جائے خواہ اس لیے کہ اس وقت تک اشہر حرم میں ابتداءً قتال کرنا ممنوع ہوگا یا مصلحتاً کہ تھوڑی سی بات کے لیے عام لوگوں میں کیوں تشویش پیدا کی جائے کیونکہ ان مہینوں میں قتال کی حرمت ان کے یہاں معروف و مسلم چلی آتی تھی۔ بہرحال ماہ محرم کے ختم تک ان کو مہلت دی گئی کہ جو چاہیں اپنا بندوبست کر لیں۔ اس کے بعد تطہیر جزیرۃ العرب کی خاطر جنگ سے چارہ نہیں۔ جو کچھ برتاؤ جنگ میں ہوتا ہے (مارنا، پکڑنا، گھیرنا، داؤ لگانا، گھات میں رہنا) وہ سب ہوگا، البتہ اگر بظاہر کفر سے توبہ کر کے اسلامی برادری میں داخل ہو جائیں جس کی بڑی علامت نماز ادا کرنا اور زکوٰۃ دینا ہے تو پھر مسلمانوں کو ان سے تعرض کرنے اور ان کا راستہ روکنے کی اجازت نہیں۔ رہا باطن کا معاملہ وہ خدا کے سپرد ہے مسلمانوں کا معاملہ اس کے ظاہر کو دیکھ کر ہوگا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کلمہ اسلام پڑھ کر نماز ادا نہ کرے یا زکوٰۃ نہ دے تو مسلمان اس کا راستہ روک سکتے ہیں۔ امام احمد، امام شافعی، امام مالک رحمہم اللہ کے نزدیک اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ تارک صلوٰۃ اگر توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دے۔ (امام احمد کے نزدیک ردۃً اور مالک وشافعی کے نزدیک حداً و تعزیراً) امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اسے خوب زدوکوب کرے اور قید میں رکھے حَتّٰی یَمُوْتَ اَوْ یَتُوْبَ (حتیٰ کہ مر جائے یا توبہ کرے) بہرحال تخلیہ سبیل کسی کے نزدیک نہیں۔ رہے مانعین زکوٰۃ ان کے اموال میں سے حکومت جبراً زکوٰۃ وصول کرے اور اگر وہ لوگ مل کر حکومت سے آمادہ پیکار ہوں تو راہ راست پر لانے کے لیے جنگ کی جائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ پر جو جہاد کیا تھا اس کا واقعہ کتب حدیث و تاریخ میں مشہور و معروف ہے۔

ف۲ پہلے فرمایا تھا کہ اگر اپنی کفریات سے توبہ کر کے اسلام میں داخل ہو جائیں تو مامون ہیں۔ ممکن تھا کہ کسی شخص کو اصول اسلام سے آگاہی نہ ہو، وہ تحقیق درنع =

اعلان براءت

یعنی مشرکین عرب سے قطع تعلقات اور سابقہ معاہدات کے اختتام کا اعلان عام

قَالَ اللهُ تَعَالٰی : ﴿بَرَاۗءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ ... الی ... ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ﴾

قبائل عرب اور یہود مدینہ کی مسلسل عہد شکنیوں کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم نازل ہوا کہ مشرکین عرب کے عہدوں سے براءت اور بے زاری کا اعلان کر دیں۔ مسلمانوں کا کافروں کے معاہدات کے بھروسہ پر زندہ رہنا ناممکن ہے چار مہینہ کی مہلت دے کر ان کو جزیرۃ العرب سے باہر نکال دیا جائے تاکہ جزیرۃ العرب خالص مسلمانوں کے لیے ہو جائے اور اسلام کے قلب اور مرکز میں کوئی اسلام کا دشمن باقی نہ رہے۔ نیز سال آئندہ آنحضرت ﷺ کا ارادہ حج بیت اللہ کا تھا اس لیے آپ ﷺ نے یہ پسند نہ کیا کہ موسم حج میں کفار کے ساتھ آپ ﷺ کا اختلاط یا اجتماع ہو اس لیے اعلان کرا دیا گیا کہ سال آئندہ کوئی کافر اور مشرک مسجد حرام کے قریب بھی نہ آنے پائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں یہ قطع تعلق اور بے زاری ہے خدا کی طرف سے اور اس کے رسول کی جانب سے ان مشرکوں سے جن سے تم نے کوئی عہد کیا تھا مگر یہ مشرک اپنے عہد پر قائم نہ رہے اور بار بار نقض عہد کیا پس اعلان کر دو کہ اب ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی عہد نہیں رہا اور یہ بھی اعلان کر دو کہ اے مشرکو! تم چار مہینے اس ملک میں امن وامان کے ساتھ چل پھر لو یعنی تم کو چار مہینہ کی مہلت ہے چار ماہ تک جہاں چاہو پھرو اس مدت میں تمہاری جان و مال سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا تم کو اجازت ہے کہ اس مدت میں اپنے لیے کوئی ٹھکانہ اور جائے پناہ ڈھونڈ لو اس مہلت کی ابتداء حج اکبر کے دن یعنی عید کے دن سے ہے اور اس کا اختتام دس ربیع الاول پر ہوگا اور خوب جان لو کہ تم اللہ کو پکڑنے سے عاجز نہیں کر سکتے زمین کے جس گوشہ اور خطہ میں چلے جاؤ خدا کے قبضۂ قدرت سے نہیں نکل سکتے اور یہ بھی جان لو کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو دنیا ہی میں رسوا کرنے والا ہے بظاہر آیت میں دنیا کی رسوائی مراد ہے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ وقال تعالیٰ فی قوم عاد: ﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ﴾۔ ان آیات میں دنیاوی ذلت اور رسوائی کی تصریح ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ کافروں کو باوجود کثرت کے دنیا میں ذلیل اور خوار کرے اور مسلمانوں کو باوجود قلت اور کمزوری کے مظفر و منصور بنائے۔

زجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ﴾۔ کہ تحقیق اللہ تعالیٰ کافروں کو ذلیل و خوار کرنے والا ہے۔ یہ مسلمانوں کی فتح و نصرت کی ذمہ داری ہے کہ مسلمان ضرور فتح یاب اور کامران ہوں گے اور ان کے دشمن

= شکوک کی غرض سے مسلمانوں کے پاس آنا چاہے، اس کی نسبت فرما دیا کہ اپنی پناہ اور حفاظت میں لے کر خدا کا کلام اور اسلام کے حقائق و دلائل سناؤ۔ اگر قبول نہ کرے تو اس کو قتل مت کرو، بلکہ کہیں ٹھکانے پر امن کی جگہ پہنچا دو، جہاں پہنچ کر وہ مامون و مطمئن ہو جائے۔ اس کے بعد وہ سب کافروں کے برابر ہے۔ یہ امن دینے کا حکم اس لیے ہے کہ اسلامی اصول و حقائق سے ان لوگوں کو آگاہی نہیں ہے۔ لہٰذا ان کے سامنے حق خوب طرح واضح کر دینا چاہیے۔ اگر اس کے بعد بھی عناد برتے تو "تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ" کے بعد دین میں کوئی اکراہ نہیں۔

مغلوب اور ذلیل اور خوار ہوں گے۔ (تفسیر کبیر: ۴/ ۵۸۵)

اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج اکبر کے دن یعنی بقرعید کے دن یہ اعلان عام ہے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بری اور بے زار ہے یعنی اب اللہ اور اس کا رسول تمہاری عصمت اور حفاظت کا ذمہ دار نہیں۔ حج اکبر کے دن سے دسویں تاریخ ذی الحجہ کی مراد ہے کہ اس دن حج تمام ہوتا ہے اور رمی اور قربانی اور حلق اور طواف زیارت کر کے محرم حلال ہو جاتا ہے۔ ''حج اکبر'' شریعت میں ہر حج کو کہتے ہیں کیونکہ وہ عمرہ کے مقابل ہے جو حج اصغر کہلاتا ہے۔ عوام الناس میں جو یہ مشہور ہے کہ حج اکبر وہ حج ہے جو خاص جمعہ کے دن ہو اس کی کوئی اصلیت نہیں۔ سوائے مشرکو! اگر تم کفر اور شرک اور بے وفائی سے توبہ کر لو تو وہ تمہارے حق میں بہت بہتر ہے اور اگر ایمان لانے اور شرک سے توبہ کرنے سے منہ موڑ دو تو جان لو کہ تم اللہ کو پکڑنے سے عاجز نہیں کر سکتے اور تمہاری قوت و طاقت تم کو خدا کے قہر سے بچا نہیں سکتی نہ تم کہیں بھاگ سکتے ہو اور نہ اس کا مقابلہ کر سکتے ہو یہ تو دنیا کی ذلت اور رسوائی ہوئی اور آخرت میں کافروں کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیجئے۔ عذاب کی خبر کو بشارت سے تعبیر کرنا ''نمک بر جراحت پاشیدن'' کا مضمون ہے مگر وہ مشرکین اس براءت اور بے زاری اور قطع تعلق کے حکم سے مستثنیٰ ہیں جنہوں نے تمہارے ساتھ عہد باندھا پھر انہوں نے ایفاء عہد میں تم سے کوئی کوتاہی نہیں کی یعنی بدعہدی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں تمہارے کسی دشمن کی مدد کی سو ان لوگوں کے عہد کو ان کی مدت تک پورا کرو اور اللہ سے ڈرو اور نقض عہد نہ کرو۔ تحقیق اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں کو اور تقویٰ میں عہد کا پورا کرنا بھی داخل ہے۔ یہ حکم قبیلہ کنانہ کی شاخ بنوضمرہ سے متعلق ہے ان لوگوں نے اپنے عہد کو نہیں توڑا اور ان کے عہد کی میعاد کے نو مہینے باقی تھے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا عہد ان کی مدت تک پورا کر دو کیونکہ جب انہوں نے اپنا عہد نہیں توڑا تو تم کیوں توڑو۔ تم ایفاء عہد کے ان سے زیادہ سزاوار ہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ متقیوں کو دوست رکھتا ہے اور غادر اور غیر غادر کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا خلاف تقویٰ ہے، سدی سے منقول ہے کہ ان آیات کے نازل ہونے کے بعد آپ نے کسی سے عہد نہیں کیا پس جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ حرمت والے مہینوں سے مراد وہی چار مہینے ہیں جن کی مہلت دی گئی تھی ان کو حرمت والے مہینے اس لیے کہا گیا کہ جب کفار کو یہ مہلت دے دی گئی تو ان کی جان و مال سے تعرض کرنا حرام ہو گیا۔ اور جہاں پاؤ وہاں قتل کرنے سے مراد یہ ہے کہ حل اور حرم میں جہاں کہیں بھی ان کو پاؤ قتل کرو ان کے لیے ہر زمان اور ہر مکان یکساں ہے نہ کوئی مکان ان کو پناہ دے سکتا ہے اور نہ کوئی وقت اور زمان ان کو بچا سکتا ہے اور ان کو پکڑو اور ان کو قید کرو اور ان کے لیے ہر گھات کی جگہ میں بیٹھو۔ یعنی ان کی راہیں بند کر دو تاکہ شہروں اور بستیوں میں نہ پھیلیں۔ سلف اور خلف کے نزدیک اس آیت کو آیۃ السیف کہتے ہیں جس میں کافروں کے قتال عام کا حکم دیا گیا ہے اور یہ آیت اس سے قبل ہر عہد کے لیے ناسخ ہے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کسی مشرک سے کوئی عہد اور ذمہ باقی نہیں رہا۔ پس اگر وہ اپنے شرک سے توبہ کر لیں جس نے ان مشرکوں کو مسلمانوں کی عداوت پر برانگیختہ کر رکھا ہے اور کفر و شرک سے تائب ہو کر اسلام میں داخل ہو جائیں اور نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ دیں یعنی شعائر اسلام بجا لائیں تو ان کی راہ چھوڑ دو کہ جہاں چاہیں چلیں پھریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ تائبین کی مغفرت کرنے والا اور ان پر رحمت کرنے والا ہے کہ توبہ سے کفر اور شرک کا جرم بھی معاف کر دیتا ہے اور اے نبی

اگر ان مشرکین سے جن سے تعرض کرنا چاہئے انہیں سے اگر کوئی ماہ حرام گزر جانے کے بعد آپ ﷺ سے اللہ کا کلام سننے کے لیے اور اسلام کو سمجھنے کے لیے پناہ مانگے تو آپ اس کو پناہ دیجئے یہاں تک کہ وہ اللہ کے کلام کو سن لے اور دین اسلام کی حقیقت کو سمجھ لے۔ پھر وہ اگر ایمان نہ لائے تو اس کو اس کے امن کی جگہ یعنی اس کی قوم اور قبیلہ میں پہنچا دو اور اس سے کوئی تعرض نہ کرو یہ رعایت ان کے ساتھ اس لیے ہے کہ وہ لوگ اللہ کے دین سے، اس کے کلام سے بے خبر اور ناواقف ہیں اس لیے ان کو یہ مہلت دی گئی۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ

کیونکر ہوئے مشرکوں کے لیے عہد اللہ کے نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک مگر جن لوگوں سے تم نے عہد کیا تھا

کیونکر ہووے مشرکوں کو عہد اللہ پاس اور اس کے رسول پاس، مگر جن سے تم نے عہد کیا

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ⑦

مسجد حرام کے پاس سو جب تک وہ تم سے سیدھے رہیں تم ان سے سیدھے رہو بیشک اللہ کو پسند ہیں احتیاط والے

مسجد الحرام پاس۔ سو جب تک تم سے سیدھے رہیں، تم ان سے سیدھے رہو؟ اللہ کو خوش آتے ہیں احتیاط والے۔

كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ

کیونکر رہے صلح اور اگر وہ تم پر قابو پائیں تو نہ لحاظ کریں تمہاری قرابت کا اور نہ عہد کا تم کو راضی کر دیتے ہیں اپنے منہ کی بات سے

کیونکر صلح رہے؟ اور اگر وہ تم پر ہاتھ پا دیں، نہ لحاظ کریں تمہاری خویشی کا، نہ عہد کا۔ تم کو راضی کر دیتے ہیں اپنے منہ کی بات سے،

وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ⑧ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ

اور ان کے دل نہیں مانتے اور اکثر ان میں بدعہد ہیں ف۱ بیچ ڈالے انہوں نے اللہ کے حکم تھوڑی قیمت پر پھر روکا اس کے

اور ان کے دل نہیں مانتے۔ اور بہت ان میں بے حکم ہیں۔ بیچے انہوں نے حکم اللہ کے تھوڑی قیمت پر، پھر اٹکے اس کی

سَبِيْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑨ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ

رستہ سے برے کام ہیں جو وہ لوگ کر رہے ہیں ف۲ نہیں لحاظ کرتے کسی مسلمان کے حق میں قرابت کا اور نہ عہد کا اور وہی ہیں

راہ سے وہ لوگ برے کام ہیں جو کر رہے ہیں۔ نہ لحاظ کریں کسی مسلمان کے حق میں قرابت کا، نہ عہد کا۔ اور وہی

ف۱ پچھلی آیات میں جو براءۃ کا اعلان کیا گیا تھا، یہاں اس کی حکمت بیان فرماتے ہیں۔ یعنی ان مشرکین عرب سے کیا عہد قائم رہ سکتا ہے اور آئندہ کیا صلح ہو سکتی ہے جن کا حال تم مسلمانوں کے ساتھ یہ ہے کہ اگر کسی وقت ذرا قابو تم پر حاصل کر لیں تو ستانے اور نقصان پہنچانے میں نہ قرابت کا مطلق لحاظ کریں اور نہ قول و قرار کا۔ چونکہ اتفاق سے تم پر غلبہ اور قابو حاصل نہیں ہے، اس لیے محض زبانی عہد و پیمان کر کے تم کو خوش رکھنا چاہتے ہیں، ورنہ ان کے دل ایک منٹ کے لیے بھی اس عہد پر راضی نہیں۔ ہر وقت عہد شکنی کا موقع تلاش کرتے رہتے ہیں۔ چونکہ ان میں اکثر لوگ غدار اور بدعہد ہیں اگر کوئی اکادکا وفائے عہد کا خیال بھی کرتا ہے تو کثرت کے مقابلہ میں ان کی کچھ پیش نہیں جاتی۔ بہر حال ایسی دغاباز بدعہد قوم سے خدا اور رسول کا کیا عہد ہو سکتا ہے۔ البتہ جن قبائل سے تم بالخصوص مسجد حرام کے پاس معاہدہ کر چکے ہو، سو تم ابتداء کر کے نہ توڑو۔ جب تک وہ وفاداری کے راستہ پر سیدھے چلیں تم بھی ان سے سیدھے رہو اور بڑی احتیاط رکھو کوئی حقیر سے حقیر بات ایسی نہ ہونے پائے جس سے تمہارا دامن عہد شکنی کی گندگی سے داغ دار ہو۔ خدا کو وہی لوگ محبوب ہیں جو پوری احتیاط کرتے ہیں۔ چنانچہ بنو کنانہ وغیرہ =

هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ⑩ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ

زیادتی پر ف۱ سو اگر توبہ کریں اور قائم رکھیں نماز اور دیتے رہیں زکوٰۃ تو تمہارے بھائی ہیں حکم شریعت میں ف۲

ہیں زیادتی پر۔ سو اگر توبہ کریں اور کھڑی رکھیں نماز اور دیتے رہیں زکوٰۃ، تو تمہارے بھائی ہیں حکم شرع میں،

وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ⑪ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ

اور ہم کھول کر بیان کرتے ہیں حکموں کو جاننے والے لوگوں کے واسطے اور اگر وہ توڑ دیں اپنی قسمیں عہد کرنے کے بعد اور عیب لگائیں

اور ہم کھولتے ہیں پتے، ایک جاننے والے لوگوں کو۔ اور اگر توڑیں اپنی قسمیں عہد کیے پیچھے اور عیب دیویں

دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ⑫

تمہارے دین میں تو لڑو کفر کے سرداروں سے بیشک ان کی قسمیں کچھ نہیں تاکہ وہ باز آئیں ف۳

تمہارے دین میں، تو لڑو کفر کے سرداروں سے، ان کی قسمیں کچھ نہیں شاید وہ باز آئیں۔

اعلان براءت کی علت اور حکمت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ... الی... لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی براءت کا اعلان فرمایا۔ اب یہاں سے ان کے عہد کے تمام اور ختم کردینے کی علت اور حکمت بیان فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کا عہد اور ان کی صلح قابل اعتبار نہیں صلح کے وقت ہی ان کے دل میں دغا ہوتی ہے جو بعد میں ظاہر ہوتی ہے اور ان کی بار بار عہد شکنیوں کے تجربہ سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ یہ لوگ وفا کرنے

= نے مسلمانوں سے بدعہدی نہ کی تھی۔ مسلمانوں نے نہایت دیانت داری اور احتیاط کے ساتھ اپنا عہد پورا کیا۔ اعلان براءۃ کے وقت ان کے معاہدہ کی میعاد منقضی ہونے میں نو مہینے باقی تھے۔ ان میں معاہدہ کی کامل پابندی کی گئی۔

ف۲ یعنی یہ مشرکین وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی تھوڑی سی طمع اور اپنی اغراض وہوا کی خاطر خدا کے احکام وآیات کو رد کر دیا۔ اس طرح خود بھی خدا کے راستہ پر نہ چلے اور دوسروں کو بھی چلنے سے روکا۔ جو ایسے بدترین اور نالائق کاموں میں پھنسے ہوں اور خدا سے نہ ڈریں وہ عہد شکنی کے وبال سے کیا ڈریں گے اور اپنے قول وقرار پر کیا قائم رہیں گے۔

ف۱ یعنی کچھ تمہارے ہی ساتھ نہیں بلکہ مسلمان نام سے ان کو بیر ہے۔ کوئی مسلمان ہو موقع پانے پر اس کو نقصان پہنچانے کے لیے سب تعلقات قرابت اور قول وقرار اٹھا کر رکھ دیتے ہیں۔ اس بارہ میں ان کی ظلم وزیادتی حد سے بڑھی ہوئی ہے۔

ف۲ یعنی اب بھی اگر کفر سے توبہ کر کے احکام دینیہ (نماز زکوٰۃ وغیرہ) پر عمل پیرا ہوں تو نہ صرف یہ کہ آئندہ کے لیے محفوظ ومامون ہو جائیں گے بلکہ اسلامی برادری میں شامل ہو کر ان حقوق کے مستحق ہوں گے جن کے دوسرے مسلمان مستحق ہیں۔ جو کچھ بدعہدیاں اور شرارتیں پہلے کر چکے ہیں سب معاف کر دی جائیں گی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "یہ جو فرمایا کہ بھائی ہیں حکم شریعت میں۔ اس سے سمجھ لیں کہ جو شخص قرآن سے معلوم ہو کہ ظاہر میں مسلمان ہے اور دل سے یقین نہیں رکھتا اس کو حکم ظاہری میں مسلمان گنیں، مگر معتمد اور دوست نہ بنائیں۔"

ف۳ یعنی اگر عہد وپیمان توڑ ڈالا (جیسے بنی بکر نے خلاف عہد خزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش نے حملہ آوروں کی مدد کی) اور کفر سے باز نہ آئے بلکہ دین حق کے متعلق طعنہ زنی اور گستاخانہ عیب جوئی کرتے رہے تو سمجھو کہ اس طرح کے لوگ "ائمۃ الکفر" (کفر کے سردار اور امام) ہیں۔ کیونکہ ان کی حرکات دیکھ کر اور باتیں سن کر بہت سے کج رو اور بے وقوف پیچھے ہو لیتے ہیں۔ ایسے سرغنوں سے پورا مقابلہ کرو۔ کیونکہ ان کا کوئی قول وقسم اور عہد وپیمان باقی نہیں رہا۔ ممکن ہے تمہارے ہاتھوں سے کچھ سزا پا کر اپنی شرارت وسرکشی سے باز آجائیں۔

کے لیے عہد نہیں کرتے بلکہ توڑنے کے لیے کرتے ہیں کہ اس وقت عہد کر کے مہلت حاصل کرلیں پھر موقع پا کر عہد کو توڑیں۔ جن لوگوں نے اب تک عہد نہیں توڑا، نیت ان کی بھی یہی ہے کہ جب موقع ملے گا تو ہم ضرور عہد توڑ ڈالیں گے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے عہدوں کو ختم کر دیا اور چار مہینہ کی ان کو مہلت دے دی کہ اس مدت میں دل کا حوصلہ نکال لیں اور پہلے ہی سے براءت کا اعلان کر دیا تاکہ مسلمانوں کے متعلق کسی بدعہدی اور دھوکہ کا شبہ ہی نہ رہے اور یہ معلوم ہو جائے کہ خدا اور رسول کے مقابلہ میں کسی کی بدعہدی اور دغابازی کارگر نہیں ہوتی۔ ان آیات کے بارہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا یہ آیتیں فتح مکہ سے قبل نازل ہوئیں یا فتح مکہ اور غزوہ تبوک کے بعد نازل ہوئیں کیونکہ فتح مکہ کے بعد قریش اور خزاعہ وغیرہ میں کوئی کافر ہی باقی نہ رہا تھا جس سے آنحضرت ﷺ کا کوئی عہد ہوتا اور جن کی نسبت یہ حکم ہوتا کہ ﴿فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ﴾ (جب تک یہ لوگ تمہارے لیے سیدھے رہیں اور اپنے عہد پر قائم رہیں تو تم بھی سیدھے رہو)

عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں سرداران قریش کے بارہ میں فتح مکہ سے قبل نازل ہوئیں اس لیے بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ ان آیات میں ائمۃ الکفر سے رؤساء یہود مراد ہیں۔ جنہوں نے آنحضرت ﷺ کو مدینہ منورہ سے نکالنے کا ارادہ کیا تھا اور انہی لوگوں نے جنگ احزاب میں قریش مکہ اور ابوسفیان کی مدد کی تھی جیسا کہ حق جل شانہ نے سورۂ منافقون میں یہود کا یہ قول نقل کیا ہے۔ ﴿لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ﴾ اور اس آیت میں لفظ ﴿اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ بھی اسی کا قرینہ ہے کہ آیت میں ائمۃ الکفر سے رؤساء یہود مراد ہوں کیونکہ آیات خداوندی کو تھوڑی قیمت پر فروخت کر دینا یہ یہود کی خاص صفت ہے۔ (دیکھو تفسیر نیسابوری مطبوعہ برحاشیہ تفسیر ابن جریر: ۱۰/۴۵ و تفسیر مظہری: ۴/۱۴۴)

چنانچہ فرماتے ہیں مشرکوں کا عہد، اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کیسے قائم رہ سکتا ہے جن کی بدعہدی کا تم تجربہ کر چکے ہو اور خدا اور رسول کے ساتھ ان کی دشمنی کا تم مشاہدہ کر چکے ہو مطلب یہ ہے کہ جب مشرکین خود اپنے عہد پر قائم نہیں رہتے اور بار بار عہد شکنی اور غدر کرتے رہتے ہیں تو اللہ اور اس کے رسول کے پاس ان کے لیے عہد اور امان کیونکر ہو سکتا ہے جب خود انہوں نے عہد شکنی کی تو اللہ اور اس کا رسول ان کے عہد کیوں قائم رکھے۔ ایسوں سے براءت اور بےزاری کا اعلان عین مصلحت ہے۔ مگر وہ لوگ جن سے اے مسلمانو! تم نے مسجد حرام کے پاس عہد باندھا تھا پس جب تک وہ اپنے عہد پر قائم رہیں اور کوئی عہد شکنی ان سے ظہور میں نہ آئے تو تم بھی اپنے عہد پر قائم رہو کیونکہ تم متقی اور پرہیزگار ہو اور وفاء عہد کے زیادہ حق دار ہو۔ تحقیق اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں کو جو اپنے عہد اور پیمان پر قائم رہتے ہیں۔ اور خدا کا خوف ان کو عہد شکنی سے مانع ہوتا ہے۔

ف:...... اس آیت میں "المشرکین" سے ناقضین عہد مراد ہیں اس لیے کہ ان کو ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ کے مقابلہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ مشرکین سے وہی لوگ مراد ہیں جنہوں نے عہد کو توڑا اور براءت کا اصل نزول انہیں کے بارے میں ہوا اور مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ تمہارے دشمن ہیں اول روز سے ان کی نیت غدر اور بدعہدی کی ہے ان سے کوئی طمع اور

امید وفاء کی نہ رکھو جس نے خود اپنے عہد کو پورا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول کو کیا پڑی ہے کہ وہ ان سے اپنا عہد پورا کرے اس لیے ان سے براءت اور بےزاری کا اعلان کر دیا اور اپنے معاملات اور تعلقات کو ان سے ختم کر دیا مگر ان لوگوں کو مستثنیٰ کر دیا جن سے ابھی تک کوئی عہد شکنی ظہور میں نہیں آئی اور فرما دیا کہ جب تک یہ لوگ اپنے عہد پر مستقیم رہیں تم بھی اپنے قول و قرار پر مستقیم رہو پھر آگے اسی مضمون کی تاکید فرماتے ہیں کہ ایسے غداروں سے نباہ کیسے ممکن ہے ایسوں سے کیونکر صلح قائم رہ سکتی ہے جن کے دل کی حالت یہ ہے کہ وہ اگر کسی وقت تم پر غالب آئیں تو تمہارے حق میں نہ کسی قرابت کا لحاظ کریں گے اور نہ کسی عہد و پیمان کا پاس کریں گے اور موقع ملنے پر ایک مسلمان کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب اپنے کو کمزور پاتے ہیں تو تم سے بظاہر صلح کرتے ہیں اور زبانی باتوں سے تم کو راضی کرتے ہیں اور ان کے دل اس سے انکاری ہوتے ہیں یعنی زبان سے عہد کرتے ہیں اور دل میں دغا رکھتے ہیں اور ان کے اکثر بدکار ہیں کہ کسی قول و قرار پر قائم نہیں رہتے نیز ان بدکاروں کا ایک حال یہ ہے کہ انہوں نے احکام الٰہیہ کے عوض میں تھوڑا سا مول لینا قبول کیا یعنی دنیاوی طمع کی بنا پر آیات الٰہیہ کو چھوڑ دیا اور دین کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح دی پھر لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا بیشک بہت ہی برے ہیں وہ کام جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت سرداران قریش کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے دنیاوی طمع کے بنا پر آیات قرآنیہ سے اعراض کیا اور لوگوں کو دین اسلام میں داخل ہونے سے روکا اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت یہود کے بارہ میں نازل ہوئی جنہوں نے توریت کی آیتوں کو تھوڑی قیمت پر فروخت کر کے لوگوں کو دین اسلام کی متابعت سے روکا۔

اب آئندہ آیت میں کفار کی مزید غداری اور بدکاری کو بیان فرماتے ہیں۔ گزشتہ آیت میں یہ کہا تھا کہ ﴿لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً﴾ یہ لوگ تمہارے بارہ میں کسی قرابت اور عہد کا لحاظ نہیں رکھتے اب آئندہ آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ تمہاری کوئی تخصیص نہیں ان کی حالت تو یہ ہے کہ وہ کسی مسلمان کے بارہ میں بھی کسی قسم کی قرابت یا قسم اور عہد کا لحاظ نہیں رکھتے اور ایسے ہی لوگ حد سے گزرنے والے ہیں جن کی شرارت اور زیادتی کی کوئی حد نہیں۔ سو ایسوں کے عہد و پیمان پر کیا اعتماد اور اطمینان کیا جائے پھر اگر وہ اپنے شرک سے اور نقض عہد سے توبہ کر لیں اور نماز قائم کرنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو وہ دین میں تمہارے بھائی ہیں اسلام لانے سے ان کے حقوق تمہارے برابر ہو جائیں گے اور ہم اپنے احکام کو اہل علم اور اہل فہم کے لیے تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اس آیت سے نماز اور زکوٰۃ کی سخت تاکید ظاہر ہو رہی ہے صاف صاف ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر کفر و شرک سے توبہ کے بعد نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے بھائی ہیں معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص زبان سے اسلام کا اقرار کرے مگر احکام اسلام کا التزام نہ کرے مثلاً نماز اور زکوٰۃ کو فریضۂ خداوندی نہ سمجھے تو وہ مسلمانوں کا بھائی نہیں اسی لیے صدیق اکبر ؓ نے مانعین زکوٰۃ کے بارے میں فرمایا کہ جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا میں اس سے قتال کروں گا یعنی اللہ نے نماز اور زکوٰۃ دونوں ہی کو فرض کیا ہے پس جس طرح نماز کی فرضیت کا انکار کفر اور ارتداد ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار بھی کفر اور ارتداد ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ میں اطاعت خداوندی اور اطاعت رسول دونوں ہی کا حکم دیا ہے اسی طرح ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ میں نماز اور زکوٰۃ دونوں ہی کی بجا آوری کو فرض قرار دیا ہے پس جس طرح اطاعت خداوندی اور اطاعت رسول میں تفریق کفر ہے اسی طرح نماز اور

زکوٰۃ کی فرضیت میں بھی تفریق کفر اور ارتداد ہے (دیکھو تفسیر قرطبی: ۸/۸۱)

البتہ جو شخص نماز اور زکوٰۃ کو فرض سمجھے اور اس کی ادائیگی میں کوتاہی کرے اور اس کوتاہی پر اپنے کو گنہگار اور قصوروار سمجھے تو ایسا شخص کافر اور مرتد نہیں بلکہ ایک گنہگار مسلمان ہے اور اگر یہ مشرک عہد کر لینے کے بعد اپنی قسموں اور عہدوں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین میں عیب نکالیں یعنی احکام شریعت پر نکتہ چینی اور طعنہ زنی کریں اور اس کی تحقیر کریں پس خوب سمجھ لو کہ اس قسم کے لوگ کفر کے پیشواہ ہیں لہٰذا تم ان پیشوایان کفر سے خوب جہاد و قتال کرو ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں شاید وہ اپنی ان شرارتوں سے باز آ جائیں۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ دین اسلام پر طعن کرنا اور احکام شریعت میں عیب نکالنا صریح کفر ہے اور ایسے شخص کا قتل کرنا بالاجماع واجب ہے (دیکھو تفسیر قرطبی: ۸/۸۲)

عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ﴿اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ﴾ سے سرداران قریش جیسے ابوسفیان اور سہیل بن عمرو وغیرہ مراد ہیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ سے عہد کر کے توڑا اور آپ کو مکہ سے نکالنے کی کوشش کی۔ مگر اس میں اشکال یہ ہے کہ یہ سورت، فتح مکہ اور غزوۂ تبوک کے بعد نازل ہوئی اور اس درمیان میں ابوسفیان اور سہیل بن عمرو وغیرہم اسلام لے آئے اور یہ احکام مذکورہ تاریخ اعلان سے چار ماہ کے بعد ثابت اور جاری ہوں گے یعنی ۹ ھ کی ماہ ذی الحجہ کی دس تاریخ سے شروع ہو کر دس ربیع الاول تک کی مدت گزرنے کے بعد جاری ہوں گے پس جو لوگ اس آیت کے نزول سے ایک سال قبل مشرف باسلام ہو چکے وہ ان آیات کا مصداق اور ان احکام کا مخاطب [1] کیسے ہو سکتے ہیں اور جو واقعہ پہلے گزر چکا ہے اس کے متعلق یہ کہنا ﴿فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ﴾ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس لیے بعض علماء اس طرف چلے گئے کہ صرف ان آیات کا نزول فتح مکہ سے پہلے ہوا ہے اور باقی غزوۂ تبوک اور فتح مکہ کے بعد نازل ہوئیں جیسا کہ ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ ﴿اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ﴾ الآیۃ یہ آیت فتح مکہ کی ترغیب کے بارہ میں نازل ہوئی اور ﴿قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ﴾ سے سرداران قریش مراد ہیں۔ امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آئندہ آیت یعنی ﴿قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ﴾ الخ میں ﴿اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ﴾ سے قتال کے جو پانچ فوائد ذکر کیے ہیں وہ فتح مکہ کے مناسب ہیں کیونکہ یہ تمام امور فتح کے وقت ظاہر ہوئے (دیکھو تفسیر کبیر: ۴/۵۹۶)

پس معلوم ہوا کہ یہ آیت نکث عہد کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے فتح مکہ کے لیے جہاد و قتال کی ترغیب کے بارہ میں نازل ہوئی اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں ﴿اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ﴾ سے رؤساء یہود مراد ہیں جنہوں نے آپ سے بدعہدی کی اور آپ ﷺ کے خلاف مشرکین کی مدد کی اور منافقوں کی امداد سے آپ ﷺ کو مدینہ منورہ سے نکالنے کا ارادہ کیا اور بار بار آپ ﷺ کے قتل کے مشورے کیے۔ اس لیے سورۂ براءت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی اس لیے مناسب یہ ہے کہ آیت میں ﴿اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ﴾ سے رؤساء یہود مراد لیے جائیں یہ حسن بصری رحمہ اللہ کی رائے ہے (دیکھو تفسیر کبیر: ۴/۵۹۶ وزاد المسیر: ۳/۴۰۵ لابن الجوزی) اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد بہت سی قومیں مسلمان ہو گئیں، اور بہتوں نے

[1] قال ابن عباس رضی اللہ عنہما ایمة الکفر زعماء قریش قال القرطبی ھو بعید لان الایة فی سورة براءة وحین نزلت کان اللہ قد استاصل شافة قریش ولم یبق منھم الا مسلم او مسالم کذا فی البحر المحیط: ۵/۱۴ وتفسیر القرطبی: ۸/۸۴۔

آنحضرت ﷺ سے عہد و پیمان کرلیا کہ ہم آپ ﷺ سے اور آپ ﷺ کے حلیفوں سے جنگ نہ کریں گے اور بوقت ضرورت آپ ﷺ کی مدد بھی کریں گے جب ہجرت کے نویں سال آپ ﷺ شام کی طرف غزوہ تبوک کے لیے روانہ ہوگئے تو پیچھے بہت سی قوموں نے بدعہدی کی اور منافقین نے بہت سی افواہیں اڑائیں۔ غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد یہ سورت نازل ہوئی جس میں ان بدعہدوں اور عہد شکنیوں کی اور غزوہ تبوک میں شامل نہ ہونے والوں کی اور غلط خبریں اڑانے والوں کی خوب سرزنش کی گئی۔

امام ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا نزول سرداران قریش کے بارے میں ماننا راوی کا وہم معلوم ہوتا ہے اس لیے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات کا نزول علاوہ قریش کے دیگر قبائل عرب کے بارہ میں مانا جائے جو ہنوز مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے اور آنحضرت ﷺ کے مدینہ منورہ سے اخراج کے درپے تھے جیسا کہ یہود، جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ غدر کیا اور آپ ﷺ کے دشمنوں کی مدد کی اور مدینہ منورہ سے آپ ﷺ کو نکالنے کی سازشیں کیں۔ یہود بے بہبود دن رات اسی کوشش میں تھے کہ آنحضرت ﷺ مدینہ سے نکل جائیں۔ (دیکھو احکام القرآن للامام الجصاص: ۸۶/۳)

اور شیخ سلیمان جمل رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ جلالین میں اسی کو اختیار کیا ہے کہ یہ آیتیں فتح مکہ کے بعد نازل ہوئیں اور ان احکام کے مخاطب علاوہ قریش کے دیگر قبائل عرب ہیں اس لیے کہ قریش نے جو عہد شکنی کی تھی اس کا معاملہ فتح مکہ سے ختم ہوگیا تھا لہٰذا ایک ختم شدہ معاہدہ کے متعلق یہ کہنا اگر وہ عہد توڑ دیں تو تم ان سے قتال کرنا وغیرہ وغیرہ بالکل بے معنی ہے (دیکھو حاشیہ صاوی: ۲۰۸/۲ و حاشیہ سلیمان جمل: ۲۱۶/۲)

قول راجح: ...... اور صحیح اور راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں ﴿أَئِمَّةَ الْكُفْرِ﴾ سے کوئی خاص جماعت مراد نہیں بلکہ قیامت تک آنے والے پیشوایان کفر مراد ہیں اور یہ بتلانا مقصود ہے کہ بلاتعیین تمام ایمہ کفر اور بلاتخصیص تمام پیشوایان کفر اور ناقضین عہد سے جہاد و قتال واجب ہے (دیکھو البحر المحیط[1]: ۱۴/۵)

أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوٓا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ

کیا نہیں لڑتے ایسے لوگوں سے جو توڑیں اپنی قسمیں اور فکر میں رہیں کہ رسول کو نکال دیں اور انہوں نے پہلے چھیڑ کی

کیوں نہ لڑو ایسے لوگوں سے، کہ توڑیں اپنی قسمیں اور فکر میں رہیں کہ رسول کو نکال دیں، اور انہوں نے پہلے چھیڑ کی

[1] قال ابن عطية اصوب ما في هذا ان يقال انه لا يعني بها معين وانما وقع الامر بقتل ايمة الناكثين العهود من الكفرة الى يوم القيامة دون تعيين واقتضت حال كفار العرب ومحاربي رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يكون الاشارة اليهم اولا بقوله ايمة الكفر وهم حصلوا حينئذ تحت اللفظة اذا الذي يتولى قتال النبي صلى الله عليه وسلم والدفع في صدر شريعته هو امام كل من يكفر بذالك الشرع الى يوم القيامة ثم ياتي في كل جيل من الكفار ائمة خاصة بجيل بجيل جيل انتهى۔ كذا في البحر المحيط: ۱۴/۵ اور شیخ نور الحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بخاری کی فارسی شرح میں فرماتے ہیں: وصحیح آنست کہ مراد عام است شامل ایں ہا وغیر ایشاں یعنی ہمہ اہل کفر۔ (تیسیر القاری: ۳۸۵/۴)

مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑬ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ

تم سے کیا ان سے ڈرتے ہو سو اللہ کا ڈر چاہیے تم کو زیادہ اگر تم ایمان رکھتے ہو ف۱ لڑو ان سے تا عذاب دے

تم سے۔ کیا ان سے ڈرتے ہو؟ سو اللہ کا ڈر چاہئے تم کو زیادہ اگر ایمان رکھتے ہو۔ لڑو ان سے تا عذاب کرے

اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ⑭

اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں اور رسوا کرے اور تم کو ان پر غالب کرے اور ٹھنڈے کرے دل مسلمان لوگوں کے

اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں اور رسوا کرے، اور تم کو ان پر غالب کرے، اور ٹھنڈے کرے دل کتنے لوگوں کے۔

وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑮ اَمْ

اور نکالے ان کے دل کی جلن اور اللہ توبہ نصیب کرے گا جس کو چاہے گا ف۲ اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے ف۳

اور نکالے ان کے دل کی جلن، اور اللہ توبہ دیگا جس کو چاہے گا۔ اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا۔ کیا

ف۱ قریش نے قسمیں اور معاہدے توڑ دیئے تھے، کیونکہ خلاف عہد خزاعہ کے مقابلہ میں بنو بکر کی مدد کی اور ہجرت سے پہلے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو وطن مقدس (مکہ معظمہ) سے نکالنے کی تجاویز سوچیں۔ اور وہی نکلنے کا سبب بنے۔ ﴿اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ﴾ الآیۃ مکہ میں بے قصور مسلمانوں پر بیٹھے بٹھائے مظالم کی ابتداء کی۔ جب ابوسفیان کا تجارتی قافلہ بچ نکلا تو از راہ نخوت و رعونت بدر کے میدان میں مسلمانوں سے جنگ کی چھیڑ کرنے کے لیے گئے اور "صلح حدیبیہ" کے بعد بھی اپنی جانب سے عہد شکنی کی ابتداء کی کہ مسلمانوں کے حلیف خزاعہ کے مقابلہ پر بنو بکر کی پیٹھ ٹھونکتے رہے اور اسلحہ وغیرہ سے ان کی امداد کرتے رہے۔ آخر کار مسلمان ان سے لڑے اور مکہ معظمہ کو مشرکین کے قبضہ سے پاک کیا ﴿اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا﴾ الخ سے غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ جو کوئی قوم اس طرح کے احوال رکھتی ہو، اس سے جنگ کرنے میں مسلمانوں کو کسی وقت کچھ تامل نہیں ہونا چاہیے۔ اگر ان کی طاقت وجمعیت اور ساز وسامان کا خوف ہو تو مومنین کو سب سے بڑھ کر خدا کا خوف ہونا چاہیے۔ خدا کا ڈر جب دل میں آجائے پھر سب ڈر نکل جاتے ہیں۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ خدا کی نافرمانی سے ڈرے اور اس کے قہر و غضب سے لرزاں و ترساں رہے۔ کیونکہ نفع وضرر سب اسی کے ہاتھ میں ہے کوئی مخلوق ادنیٰ سے ادنیٰ نفع وضرر پہنچانے پر بدون اس کی مشیت کے قادر نہیں۔

ف۲ اس آیت میں مشروعیت "جہاد" کی اصل حکمت پر متنبہ فرمایا ہے۔ قرآن کریم میں اقوام ماضیہ کے جو قصے بیان فرمائے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب کوئی قوم کفر و شرارت اور انبیاء علیہم السلام کی تکذیب و عداوت میں حد سے بڑھ جاتی تھی تو قدرت کی طرف سے کوئی تباہ کن آسمانی عذاب ان پر نازل کیا جاتا تھا جس سے ان کے سارے مظالم اور کفریات کا دفعۃً خاتمہ ہو جاتا تھا۔ ﴿فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ (عنکبوت، رکوع ۴) کوئی شبہ نہیں کہ عذاب کی یہ اقسام بہت سخت مہلک اور آئندہ نسلوں کے لیے عبرتناک تھیں لیکن ان صورتوں میں معذبین کو دنیا میں رہ کر اپنی ذلت و رسوائی کا نظارہ نہیں کرنا پڑتا تھا اور نہ آئندہ کے لیے توبہ و رجوع کا کوئی امکان باقی رہتا تھا۔ مشروعیت جہاد کی اصلی غرض و غایت یہ ہے کہ مکذبین و متعنتین کو حق تعالیٰ بجائے بلا واسطہ عذاب دینے کے اپنے مخلص و وفادار بندوں کے ہاتھ سے سزا دلوائے، سزا دہی کی اس صورت میں مجرمین کی رسوائی اور مخلصین کی قدر افزائی زیادہ ہے۔ وفادار بندوں کا نصرت و غلبہ اعلانیہ ظاہر ہوتا ہے۔ ان کے دل یہ دیکھ کر ٹھنڈے ہوتے ہیں کہ جو لوگ کل تک انہیں حقیر و ناتواں سمجھ کر ظلم و ستم اور استہزاء و تمسخر کا تختۂ مشق بنائے ہوئے تھے، آج خدا کی تائید و رحمت سے انہی کے رحم و کرم یا عدل و انصاف پر چھوڑ دیے گئے ہیں۔ کفر و باطل کی شوکت و نمائش کو دیکھ کر جو اہل حق گھٹتے رہتے تھے یا جو ضعیف و مظلوم مسلمان کفار کے مظالم کا انتقام نہ لے سکنے کی وجہ سے دل ہی دل میں غیظ کھا کر چپ ہو رہتے تھے جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ سے ان کے قلوب تسکین پاتے تھے اور آخری بات یہ ہے کہ خود مجرمین کے حق میں بھی سزا دہی کا یہ طریقہ نسبتۂ زیادہ نافع ہے۔ کیونکہ سزا پانے کے بعد بھی رجوع و توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ حالات سے عبرت حاصل کر کے بہت سے مجرموں کو توبہ نصیب ہو جائے، چنانچہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا ہی ہوا کہ تھوڑے دنوں میں سارا عرب صدق دل سے دین الٰہی کا حلقہ بگوش بن گیا۔

ف۳ یعنی ہر ایک کی حالت کو جان کر حکمت کا معاملہ کرتا ہے اور ہر زمانہ میں اسکے مناسب احکام بھیجتا ہے۔

حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ

کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ چھوٹ جاؤ گے اور حالانکہ ابھی معلوم نہیں کیا اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو جنہوں نے جہاد کیا ہے اور نہیں پکڑا انہوں نے سوا

جانتے ہو کہ چھوٹ جاؤ گے اور ابھی معلوم نہیں کئے اللہ نے تم میں سے جو لوگ لڑے ہیں، اور نہیں پکڑا انہوں نے سوا

اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ ع

اللہ کے اور اس کے رسول کے اور مسلمانوں کے کسی کو بھیدی اور اللہ کو خبر ہے جو تم کر رہے ہو ف۱

اللہ کے اور اس کے رسول کے اور مسلمانوں کے کسی کو بھیدی۔ اور اللہ کو سب خبر ہے تمہارے کام کی۔

ترغیب قتال از ناقضین عہدہ ووعدۂ فتح ونصرت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ ... الی ... اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیت میں ﴿اَئِمَّةَ الْكُفْرِ﴾ سے قتال کا حکم تھا اب ان آیات میں مسلمان کو ناقضین عہد سے جہاد وقتال کی ترغیب دی جاتی ہے اور جہاد اور قتال کے فوائد کو بیان فرماتے ہیں جس میں ضمناً فتح اور نصرت کے وعدہ کی طرف اشارہ ہے۔ سب سے اول عجیب فائدہ یہ ہے کہ امم سابقہ پر کفر اور تکذیب کی بناء پر اللہ نے جو عذاب نازل کیا وہ براہ راست خود نازل کیا کسی پر آسمان سے پتھر برسائے اور کسی کو دریا میں غرق کیا اور کسی کو زمین میں دھنسایا وغیرہ۔ اب اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تکذیب اور عداوت پر امم سابقہ کی طرح کوئی آسمانی عذاب نازل نہ ہو کہ دفعۃً پوری قوم کا خاتمہ ہو جائے بلکہ اس کا ارادہ یہ ہے کہ بجائے بلا واسطہ عذاب نازل کرنے کے اپنے مخلص اور وفاداروں کے واسطہ سے اس کو سزا دلوائے یعنی دوستوں کے ہاتھوں سے دشمنوں کو قتل کرائے یا قید کرائے اور دوم یہ کہ کھلم کھلا مجرمین اور مکذبین کو رسوا اور خوار کرے اور سوم یہ کہ دوستوں کو دشمنوں پر فتح یاب اور غالب اور مظفر ومنصور کرے اور چہارم یہ کہ خدا کے وفاداروں اور جاں نثاروں کے دل ٹھنڈے ہوں اور پنجم یہ کہ مسلمانوں کے دل کا غیظ وغضب دور ہو اور ششم یہ کہ علی الاعلان حق کا غلبہ اور نصرت لوگوں پر نمایاں ہو جسے دیکھ کر لوگ عبرت پکڑیں اور سمجھیں کہ حق کے مقابلہ کا یہ انجام ہوتا ہے اور جانیں کہ ابھی موقع ہے کہ حق کو قبول کرلیں اور اپنی شرارت سے تائب ہو جائیں توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور آسمانی عذاب نازل ہونے کے بعد سوچنے اور سمجھنے اور سنبھلنے کا موقع باقی نہیں رہتا اور ہفتم یہ کہ مومنین مخلصین کا امتحان ہو جائے کما قال تعالیٰ: ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ﴾ الی آخر الآیۃ۔ اس آیت میں اسی حکمت امتحان کی طرف اشارہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں (اے مسلمانو) کیا تم ان لوگوں سے جہاد وقتال اور جنگ وجدال نہ کرو گے جن سے جہاد وقتال کے اسباب اور

ف۱ مشروعیت جہاد کی یہاں ایک اور حکمت بیان فرمائی۔ یعنی ایمان اور بندگی کے زبانی دعوے کرنے والے تو بہت ہیں لیکن امتحان کی کسوٹی پر جب تک کسا نہ جائے کھرا اور کھوٹا ظاہر نہیں ہوتا۔ جہاد کے ذریعہ سے خدا دیکھنا چاہتا ہے کہ کتنے مسلمان ہیں جو اس کی راہ میں جان ومال نثار کرنے کو تیار ہیں اور خدا اور رسول اور مسلمانوں کے سوا کسی کو اپنا راز دار یا خصوصی دوست بنانا نہیں چاہتے، خواہ وہ ان کا کتنا ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو۔ یہ معیار ہے جس پر مومنین کا ایمان پرکھا جاتا ہے۔ جب تک عملی جہاد نہ ہو صرف زبانی جمع خرچ سے کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ پھر عمل بھی جو کچھ کیا جائے اس کی خبر خدا کو ہے کہ صدق واخلاص سے کیا یا نمود وریاء سے جیسا عمل ہوگا ادھر سے اسی کے موافق پھل ملے گا۔

دواعی بکثرت موجود ہیں اول تو یہ کہ ان لوگوں نے اپنے قسموں اور عہدوں کو توڑا نہ اللہ کے نام کا لحاظ کیا اور نہ اپنے عہد و پیمان کا پاس کیا گویا کہ ان کو نہ اللہ کی پرواہ ہے اور نہ مخلوق کی۔ اور دوم یہ کہ ان لوگوں نے مکہ یا مدینہ سے رسول کے نکال دینے کا ارادہ کیا جو طعن فی الدین سے کہیں زیادہ سخت ہے اس لیے کہ رسول کے نکال دینے کا ارادہ اس امر کی دلیل ہے کہ منبع ہدایت (ذات رسالت) کا بغض اور عناد ان کے دل میں راسخ ہے اور سوم یہ کہ نقض عہد کی ابتداء اور پہل انہی لوگوں نے کی ہے یعنی نقض عہد اور تم سے لڑائی کی ابتداء انہی لوگوں نے کی ہے بس ان لوگوں سے جہاد و قتال کریں گے یہ اسباب اور دواعی موجود ہیں اور مانع کوئی نہیں سوائے اس کے کہ تم ان کی قوت اور شوکت سے ڈرتے ہو پس کیا تم ان کی قوت اور شوکت سے ڈرتے ہو؟ سو اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر در حقیقت تم یقین رکھتے ہو کہ احکم الحاکمین کے حکم کے ترک میں عذاب عظیم کا اندیشہ ہے تم کو چاہئے کہ خدا تعالیٰ کی قوت اور قدرت پر نظر کرو اگر تم ایمان دار ہو اے ایمان والو خدا کے دشمنوں سے جہاد و قتال کرو جس میں بہت سے فائدے اور حکمتیں ہیں اول یہ کہ اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے گا تاکہ تمہارا غلبہ اور فوقیت اور برتری ظاہر ہو اور لوگوں کو معلوم ہو کہ تمہارے ہاتھ دست قدرت کے مظہر ہیں اور دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے ہاتھوں سے رسوا کرے تم ان کو قید کرو اور غلام بناؤ اور سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے مقابلہ میں تم کو فتح و نصرت عطا فرمائے اور چہارم یہ کہ اللہ مومنوں کے سینوں کو شفا بخشے یعنی جب مسلمان اپنے دشمنوں پر غالب آئیں گے تو ان کے دل ٹھنڈے ہو جائیں گے اور پنجم یہ کہ مسلمانوں کے دلوں کے غصہ کو دور کرے یعنی کافروں کی ایذاء رسانی سے جو دل رنجیدہ تھے وہ رنج دور ہو جائے اس لیے کہ انسان جب مقابلہ کی تاب نہ رکھتا ہو تو دشمن کی ایذاء رسانی سے دل ہی دل میں گھٹتا ہے جب مسلمان کمزور تھے تو کافران کو بے انتہا تکلیفیں پہنچایا کرتے تھے اس سے مومنوں کے دل میں ان کی طرف سے غصہ اور رنج بھرا ہوا تھا۔ خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ کافروں سے لڑو جب تم اپنے دشمنوں پر غالب آ ؤ گے تو تمہارے دلوں کا غیظ و غضب جو بیماری کی طرح تم کو بے چین کیے ہوئے ہے سب جاتا رہے گا اور تمہارے دل شفا پا جائیں گے کیونکہ اپنے دشمنوں سے انتقام لے کر آدمی کا دل ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور اندر کی ساری گھٹن نکل جاتی ہے اسی طرح فتح اور غلبہ کے بعد تمام مسلمانوں کے دل ٹھنڈے ہوں گے اگر چہ وہ قتال اور معرکہ میں حاضر نہ ہوئے اور ششم یہ کہ ان کافروں میں سے اللہ جس پر چاہے گا توجہ اور عنایت فرمائے گا یعنی اس کو توبہ اور اسلام کی توفیق دے گا۔ جس کا تمہیں ابھی علم نہیں چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بہت سے اہل مکہ اسلام لے آئے اور اچھے مسلمان ہو گئے۔ جیسے ابو سفیان اور سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہم وغیرہ حالانکہ یہ لوگ پہلے ائمۂ کفر تھے اللہ نے ان پر احسان کیا کہ مسلمان ہو گئے اور اللہ تعالیٰ بڑا جاننے والا اور حکمت والا ہے یعنی جو لوگ ان کافروں میں سے ایمان لانے والے ہیں اس کو سب معلوم ہے اور یہ حکم جو اس نے تم کو دیا ہے اس میں حکمت ہے اور ہفتم یہ کہ اے مسلمانو کیا تم یہ گمان کیے ہوئے ہو کہ تم یوں ہی چھوڑ دیئے جاؤ گے کہ نہ تم کو جہاد کا حکم دیا جائے گا اور نہ تمہارے ایمان اور اخلاص کی کوئی جانچ اور پڑتال ہو گی حالانکہ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو الگ اور جدا نہیں کیا جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور خدا اور رسول اور اہل ایمان کے سوا کسی کو اپنا دوست اور راز دار نہیں بنایا۔ یعنی جب تک اس صفت کے لوگ منافقوں سے جدا نہ ہو جائیں گے اس وقت تک تم کو جہاد سے کیسے بری اور سبکدوش کیا جا سکتا ہے جہاد ہی تو مومن اور

منافق کے درمیان فرق ظاہر کرنے والا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم یہ نہ سمجھ لو کہ تم صرف ظاہری ایمان واسلام کی بنا پر اللہ کے نزدیک مسلمان ہو جاؤ گے نہیں! بلکہ تمہارا امتحان لیا جائے گا اور تم جانچے جاؤ گے اور امتحان کا بہترین ذریعہ جہاد ہے کہ جب انسان خدا اور رسول کے لیے اپنے اعزاء اور اقارب اور اپنی قوم اور اہل وطن سے جہاد کرتا ہے تو پورا امتحان ہو جاتا ہے اور اللہ ان باتوں سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو یعنی اللہ کو تمہارا ظاہر اور باطن سب معلوم ہے مگر امتحان اور آزمائش اس لیے ہے کہ مومنوں پر تمہارا حال ظاہر ہو جائے ورنہ اللہ کو تمہارے امتحان کی ضرورت نہیں۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ

مشرکوں کا کام نہیں کہ آباد کریں اللہ کی مسجدیں اور تسلیم کر رہے ہوں اپنے اوپر کفر کو وہ لوگ

مشرکوں کا کام نہیں کہ آباد کریں اللہ کی مسجدیں اور مانتے جاویں اپنے اوپر کفر کو۔ وہ لوگ

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ⑰ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

خراب گئے ان کے عمل اور آگ میں رہیں گے وہ ہمیشہ وہی آباد کرتا ہے مسجدیں اللہ کی جو یقین لایا اللہ پر

خراب گئے ان کے عمل، اور آگ میں رہیں گے وہ ہمیشہ۔ وہی آباد کرے مسجدیں اللہ کی جو یقین لایا اللہ پر

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ

اور آخرت کے دن پر اور قائم کیا نماز کو اور دیتا رہا زکوٰۃ اور نہ ڈرا سوائے اللہ کے کسی سے، سو امیدوار ہیں وہ لوگ کہ

اور پچھلے دن پر، اور کھڑی کی نماز اور دی زکوٰۃ، اور نہ ڈرا سوا اللہ کے کسی سے۔ سو امیدوار ہیں وہ لوگ، کہ

يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ⑱ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ

ہوویں ہدایت والوں میں ف۱ کیا تم نے کر دیا حاجیوں کا پانی پلانا اور مسجد الحرام کا بسانا برابر اس کے جو

ہوویں ہدایت والوں میں۔ کیا تم نے ٹھہرایا حاجیوں کا پانی پلانا اور مسجد الحرام کا بسانا برابر اس کے جو

ف۱ پہلے فرمایا تھا کہ مسلمان بدون امتحان کے یونہی نہیں چھوڑے جاسکتے، بلکہ بڑے بڑے عزائم اعمال (مثلاً جہاد وغیرہ) میں ان کی ثابت قدمی دیکھی جائے گی اور یہ کہ تمام دنیا کے تعلقات پر کس طرح خدا اور رسول کی جانب کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس رکوع میں یہ بتلایا کہ خدا کی مساجد (عبادت گاہیں) حقیقتاً ایسے ہی اولوالعزم مسلمانوں کے دم سے آباد رہ سکتی ہیں۔ مساجد کی حقیقی آبادی یہ ہے کہ ان میں خدائے واحد کی عبادت اس کی شان کے لائق ہو" ذکر اللہ" کرنے والے کثرت سے موجود ہوں جو بے روک ٹوک خدا کو یاد کریں۔ لغویات وخرافات سے ان پاک مقامات کو محفوظ رکھا جائے۔ یہ مقصد کفار ومشرکین سے کب حاصل ہوسکتا ہے؟ دیکھئے مشرکین مکہ بڑے فخر سے اپنے کو "مسجد حرام" کا متولی اور خادم کہتے تھے۔ مگر ان کی بڑی خدمت گزاری یہ تھی کہ پتھر کی سینکڑوں مورتیاں کعبہ میں رکھ چھوڑی تھیں۔ ان ہی کی نذر ونیاز کرتے اور منتیں مانتے تھے۔ بہت سے لوگ ننگے طواف کرتے تھے، ذکر اللہ کی جگہ سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے اور خدائے واحد کے سچے پرستاروں کو وہاں تک پہنچنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ لے دے کر ان کی بڑی عبادت یہ تھی کہ حاجیوں کے لیے پانی کی سبیل لگا دی یا حرم شریف میں چراغ جلا دیا یا کعبہ پر غلاف چڑھا دیا یا کبھی ضرورت ہوئی تو شکست وریخت کی مرمت کرا دی، مگر یہ اعمال محض بے جان اور بے روح تھے۔ کیونکہ مشرک کو جب خدا کی صحیح معرفت حاصل نہیں تو کسی عمل میں اس کا قبلۂ توجہ اور مرکز اخلاص خدائے وحدہ لا شریک لہٗ کی ذات منبع الکمالات نہیں ہوسکتی۔ اسی لیے کافر کا کوئی عمل خدا کے نزدیک زندہ اور معتدبہ عمل نہیں ہے۔ (اسی کو حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ سے تعبیر فرمایا) الغرض کفار ومشرکین جو اپنے حال وقال سے اپنے کفر وشرک پر ہر وقت شہادت دیتے رہتے ہیں، اس لائق نہیں کہ ان سے مساجد اللہ خصوصاً مسجد حرام کی حقیقی تعمیر (آبادی) ہو سکے۔ یہ کام صرف ان لوگوں کا =

اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

یقین لایا اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور لڑا اللہ کی راہ میں یہ برابر نہیں ہیں اللہ کے نزدیک اور اللہ رستہ نہیں دیتا

یقین لایا اللہ پر اور پچھلے دن پر اور لڑا اللہ کی راہ میں ؟ نہیں برابر اللہ کے پاس۔ اور اللہ راہ نہیں دیتا

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑲ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ

ظالم لوگوں کو ف۱ جو ایمان لائے اور گھر چھوڑ آئے اور لڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال

بےانصاف لوگوں کو۔ جو یقین لائے اور گھر چھوڑ آئے اور لڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال

وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ⑳ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ

اور جان سے ان کے لیے بڑا درجہ ہے اللہ کے ہاں اور وہی مراد کو پہنچنے والے ہیں خوشخبری دیتا ہے ان کو پروردگار ان کا

اور جان سے، ان کو بڑا درجہ ہے اللہ کے پاس۔ اور وہی پہنچے مراد کو۔ خوشخبری دیتا ہے ان کو پروردگار ان کا

بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۙ㉑ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اپنی طرف سے مہربانی کی اور رضامندی کی اور باغوں کی کہ جن میں ان کو آرام ہے ہمیشہ کا رہا کریں ان میں مدام بیشک اللہ کے

اپنی طرف سے مہربانی کی اور رضامندی کی، اور باغوں کی جن میں ان کو آرام ہے ہمیشہ کا۔ رہا کریں ان میں مدام۔ بیشک اللہ کے

= ہے جو دل سے خدائے واحد اور آخری دن پر ایمان لا چکے ہیں، جوارح سے نمازوں کی اقامت میں مشغول رہتے ہیں۔ اموال میں سے باقاعدہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ اسی لیے مساجد کی صیانت و تطہیر کی خاطر جہاد کے لیے تیار رہتے ہیں۔ ایسے مومنین جو دل، زبان، ہاتھ پاؤں، مال و دولت، ہر چیز سے خدا کے مطیع و فرماں بردار ہیں ان کا فرض منصبی ہے کہ مساجد کو آباد رکھیں اور تعمیر مساجد کے جھوٹے دعوے رکھنے والے مشرکین کو خواہ اہل قرابت ہی کیوں نہ ہوں وہاں سے نکال باہر کریں کیونکہ ان کے وجود سے مساجد اللہ کی آبادی نہیں بربادی ہے۔

ف۱ مشرکین مکہ کو اس پر بڑا فخر و ناز تھا کہ ہم حاجیوں کی خدمت کرتے، انہیں پانی پلاتے، کھانا کپڑا دیتے اور مسجد حرام کی مرمت یا کسوۂ کعبہ یا تیل بتی وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں۔ اگر مسلمان اپنے جہاد و ہجرت وغیرہ پر نازاں ہیں تو ہمارے پاس عبادات کا یہ ذخیرہ موجود ہے۔ ایک زمانہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں اسی طرح کی بحث کی تھی، بلکہ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک دفعہ چند مسلمان آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ کوئی کہتا تھا کہ میرے نزدیک اسلام لانے کے بعد حاجیوں کو پانی پلانے سے زیادہ کوئی عبادت نہیں۔ دوسرے نے کہا میرے خیال میں اسلام کے بعد بہترین عمل مسجد حرام کی خدمت ہے۔ (مثلاً جھاڑو دینا یا روشنی وغیرہ کرنا) تیسرا بولا کہا جہاد فی سبیل اللہ تمام عبادات و اعمال سے افضل و اشرف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ڈانٹا کہ تم "جمعہ" کے وقت منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر اس طرح بحثیں کر رہے ہو، ذرا صبر کرو، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے فارغ ہوجائیں گے تو آپ سے یہ چیز دریافت کرلی جائے گی۔ چنانچہ جمعہ کے بعد حضور سے سوال کیا تو یہ آیات نازل ہوئیں ﴿اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ الخ (یعنی حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کا ظاہری طور پر بسانا، ایمان باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ میں سے کسی ایک کے برابر بھی نہیں ہوسکتا (افضل ہونا تو کجا؟) یہاں جہاد کے ساتھ ایمان باللہ کا ذکر یا تو اس لیے کیا کہ مشرکین کے فخر و غرور کا جواب بھی ہوجائے کہ تمام عبادات کی روح ایمان باللہ ہے، اس روح کے بدون پانی پلانا یا مسجد حرام کی خدمت کرنا محض مردہ عمل ہے تو یہ بے جان اور مردہ عمل ایک زندہ جاوید عمل کی برابری کیسے کرسکتا ہے۔ ﴿وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ﴾ (فاطر، رکوع ۳) اور اگر صرف مومنین کے اعمال کا باہمی موازنہ کرنا ہے تو ایمان باللہ کا ذکر جہاد فی سبیل اللہ کی تمہید کے طور پر ہوگا۔ اصل مقصود جہاد وغیرہ عزائم اعمال کی افضلیت کو بیان فرمانا ہے۔ ایمان کے ذکر سے تنبیہ فرمادی کہ جہاد فی سبیل اللہ ہو یا کوئی عمل، ایمان کے بغیر ہیچ اور لاشے محض ہے۔ ان عزائم اعمال (جہاد و ہجرت وغیرہ) کا تقوم بھی ایمان باللہ سے ہوتا ہے اور اس نکتہ کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو فہم سلیم رکھتے ہوں۔ ظالمین (بے موقع کام کرنے والوں) کی ان حقائق تک رسائی نہیں ہوتی۔

عِندَهُۥٓ أَجۡرٌ عَظِيمٞ ﴿۲۲﴾

پاس بڑا ثواب ہے ف۱

پاس بڑا ثواب ہے۔

مشرکین عرب کے فخر اور ناز کا جواب اور اعمال فاضلہ کا بیان

قال تعالیٰ: ﴿مَا كَانَ لِلۡمُشۡرِكِينَ أَن يَعۡمُرُواْ مَسَٰجِدَ ٱللَّهِ... الی... إِنَّ ٱللَّهَ عِندَهُۥٓ أَجۡرٌ عَظِيمٞ﴾

ربط:...... سورت کا آغاز مشرکین کی براءت اور بے زاری سے فرمایا بعد ازاں ان کے قبائح اور فضائح کو بیان کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ اسی قابل ہیں کہ ان سے براءت اور بے زار اختیار کی جائے ان لوگوں کا خدا تعالیٰ کے یہاں کوئی مرتبہ نہیں۔ چونکہ یہ اعلان براءت ان کی اہانت اور تحقیر پر مبنی تھا اس لیے مشرکین مکہ نے اپنی فضیلت ثابت کرنے کے لیے بڑے فخر اور ناز سے یہ کہا کہ ہم بہت سی خصائلِ حمیدہ اور افعال پسندیدہ کے حامل ہیں ہم سے براءت اور بے زاری کی کوئی وجہ نہیں ہم حاجیوں کی خدمت کرتے ہیں اور انہیں پانی پلاتے اور مسجد حرام کی مرمت اور خدمت کرتے ہیں۔ قریش اس قسم کے محاسن ذکر کرتے اور ان پر فخر کرتے اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں جس میں ان کے اس فخر اور ناز کا جواب دیا گیا اور بتلا دیا گیا کہ تمہارے یہ تمام اعمال سب بے جان اور بے روح ہیں سب سے افضل عمل ایمان باللہ اور ہجرت فی سبیل اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ ایمان باللہ سے حق تعالیٰ کے ساتھ صحیح تعلق قائم ہوتا ہے اور خدا کے لیے وطن اور خویش و اقارب سے ہجرت، یہ خدا تعالیٰ سے محبت کی دلیل ہے اور جہاد فی سبیل اللہ سے اس کی وفاداری اور جاںنثاری کا تمغہ ملتا ہے۔ سقایتہ الحاج اور عمارۃ المسجد الحرام کا عمل اگرچہ اعمال صالحہ میں سے ہے مگر اس کی مقبولیت کی شرط خدا اور اس کے رسول پر اور قیامت کے دن پر ایمان لانا اور نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا اور دل میں خوف خدا کو جگہ دینا ہے۔ چونکہ قریش میں یہ صفات نہیں اس لیے ان کے یہ اعمال حبط اور کالعدم قرار دیئے گئے اور اگر بالفرض ان کے اعمال حبط اور کالعدم بھی نہ ہوں تو بھی وہ ایمان اور نماز اور زکوٰۃ اور ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کے برابر نہیں ہو سکتے۔ عمارۃ المسجد الحرام اور سقایۃ الحاج۔ ایمان اور ہجرت اور جہاد جیسے عمل کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور مساجد الٰہی کی تعمیر ان لوگوں کا کام نہیں کہ جو کفر اور شرک کی نجاستوں میں ملوث ہوں۔ کفر اور شرک سے تو اچھے اعمال بھی حبط ہو جاتے ہیں لہٰذا کفر اور شرک کے ہوتے ہوئے تعمیر مسجد حرام اور مہمان نوازی وغیرہ وغیرہ کا ذکر سب بیکار ہے تمہارے یہ اعمال کفریہ وفخریہ ایمان باللہ اور ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے "لا یستوون عند اللہ"

ف۱ یعنی اس کے یہاں ثواب اور درجات کی کیا کمی ہے جس کو جتنا چاہے مرحمت فرمائے۔ پہلی آیت میں تین چیزوں کا ذکر تھا۔ ایمان، جہاد، ہجرت، ان تین پر بشارت بھی تین چیزوں کی دی۔ رحمت، رضوان، خلود فی الجنۃ۔ ابوحیان نے لکھا ہے کہ "رحمت" ایمان پر مرتب ہے، ایمان نہ ہو تو آخرت میں خدا کی رحمت ومہربانی سے کوئی حصہ نہیں مل سکتا اور "رضوان" (جو بہت ہی اعلیٰ مقام ہے) جہاد فی سبیل اللہ کا صلہ ہے۔ مجاہد فی سبیل اللہ تمام نفسانی حظوظ وتعلقات ترک کر کے خدا کے راستہ میں جان ومال نثار کرتا اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے انتہائی قربانی پیش کرتا ہے۔ لہٰذا اس کا صلہ بھی انتہائی ہونا چاہیے اور وہ حق تعالیٰ شانہ کی رضاء کا مقام ہے۔ باقی "ہجرت" وہ خدا کے لیے وطن مالوف اور گھربار چھوڑنے کا نام ہے۔ اس لیے مہاجر کو خوشخبری دی گئی کہ تیرے وطن سے بہتر وطن اور تیرے گھر سے بہتر گھر تجھ کو ملے گا۔ جس میں ہمیشہ اعلیٰ درجہ کی آسائش وراحت سے رہنا ہوگا جس سے ہجرت کرنے کی کبھی نوبت نہ آئے گی۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ مشرکین کے لیے لائق اور درست نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں حالانکہ وہ خود اپنی ذاتوں پر کفر اور شرک کے گواہ ہیں کفر اور شرک غیر خدا کی پرستش کے لیے ہے ایسے لوگوں نے اگر کفر اور شرک کرنے سے پہلے نیک عمل بھی کیے تھے تو کفر اور شرک سے ان کے تمام نیک اعمال اکارت گئے اور سب کے سب باطل اور ناپید ہو گئے یعنی ان کا مہمانوں کی ضیافت کرنا اور حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجدوں کو آباد کرنا اور قیدیوں کو چھڑانا اس قسم کے سب اعمال جن پر یہ فخر کرتے ہیں کفر اور شرک کی وجہ سے سب اکارت گئے اور اسی کفر اور شرک کی وجہ سے یہ لوگ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے۔ جز ایں نیست کہ مساجد الٰہی کو اپنی عبادت اور طاعت سے وہی شخص آباد کرتا ہے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لایا اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور سوائے خدا تعالیٰ کے کسی سے نہیں ڈرا سو امید ہے کہ ایسے لوگ ہدایت پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ کلمہ عسی ولعل اظہار توقع کے لیے لایا جاتا ہے۔ اس جگہ کلمہ ''عسیٰ'' مشرکین کی طمع قطع کرنے کے لیے لایا گیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کمالات علمیہ اور کمالات عملیہ کے جامع ہیں ان کی ہدایت بھی ''لعل'' اور ''عسیٰ'' کے درمیان دائر ہے یعنی ان کی ہدایت اور راہ یابی بھی متوقع ہے قطعی اور یقینی نہیں تو جو لوگ کفر اور شرک کی نجاستوں میں ملوث ہیں ان کا تو حال بد مآل کا کیا ذکر نیز اشارہ اس طرف ہے کہ مسلمانوں کو اپنے اعمال پر مغرور نہ ہونا چاہئے جو شخص اپنے عمل پر مغرور ہے وہ فیض ربانی سے دور ہے۔

مباش غرہ بعلم و عمل کہ شد ابلیس — بدیں سبب ز در بارگاہ عزت دور

کیا تم نے حاجیوں کے پانی پلانے اور مسجد حرام کی عمارت کی خدمت بجا لانے والے کو اس شخص کے برابر کر دیا جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لایا جو تمام عبادتوں کی جڑ ہے اور جس نے خدا کی راہ پر جہاد کیا اور اللہ کے کلمہ کو بلند کیا۔ یہ دونوں فریق اللہ کے یہاں برابر نہیں اور اللہ منزل مقصود کی راہ نہیں دکھاتا ظالموں کو جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اور کفر اور شرک کر کے خود اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تم لوگوں نے خانہ کعبہ کی تعمیر اور حاجیوں کے پانی پلانے کو ایمان اور جہاد کے برابر سمجھ لیا یہ غلط ہے ہرگز برابر نہیں۔ خوب سمجھ لو کہ جو لوگ اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائے اور پھر خدا کے لیے اپنے گھر بار اور خویش و اقارب سب کو چھوڑا اور پھر خدا کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کیا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں اپنے خویش و اقارب سے جنگ کی ایسے لوگ اللہ کے نزدیک بڑے درجہ والے ہیں اور ایسے ہی لوگ دونوں جہان میں کامیاب ہیں خوشخبری دیتا ہے ان کو ان کا پروردگار اپنی خاص رحمت کی اور رضا مندی کی اور ایسے باغوں کی جن میں ان کے لیے دائمی نعمت ہوگی جو کبھی منقطع نہ ہوگی وہ ہمیشہ ہمیشہ انہی باغوں میں رہیں گے بیشک اللہ کے پاس بڑا اجر ہے جس کے سامنے تمام دنیا ہیچ ہے اور خدا تعالیٰ کی رضا مندی اور خوشنودی جنت سے بھی بڑھ کر ہے ان آیات سے مہاجرین و مجاہدین کی فضیلت واضح لائح ہے کاش حضرات شیعہ بھی ان آیات کو پڑھیں اور اپنے دلوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کدورت سے پاک کریں۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوٓا۟ ءَابَآءَكُمْ وَإِخْوَٰنَكُمْ أَوْلِيَآءَ إِنِ ٱسْتَحَبُّوا۟ ٱلْكُفْرَ عَلَى

اے ایمان والو مت پکڑو اپنے باپوں کو اور بھائیوں کو رفیق اگر وہ عزیز رکھیں کفر کو

اے ایمان و . ! نہ پکڑو اپنے باپوں کو اور بھائیوں کو رفیق، اگر وہ عزیز رکھیں کفر کو

الْإِيمَانِ ۭ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّلِمُونَ ﴿۲۳﴾ قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ

ایمان سے اور جو تم میں ان کی رفاقت کرے سو وہی لوگ ہیں گناہ گار ف۱ تو کہہ دے اگر تمہارے باپ

ایمان سے۔ اور جو تم میں ان کی رفاقت کرے سو وہی لوگ ہیں گنہگار۔ تو کہہ، اگر تمہارے باپ

وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ

اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور برادری اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور سوداگری

اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں، اور برادری اور مال جو کمائے ہیں اور سوداگری

تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي

جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو اور حویلیاں جن کو پسند کرتے ہو تم کو زیادہ پیاری ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور لڑنے سے

جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو، اور حویلیاں جو پسند کرتے ہو، تم کو عزیز ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے، اور لڑنے سے

سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِينَ ﴿۲۴﴾ ع ۹

اس کی راہ میں تو انتظار کرو یہاں تک کہ بھیجے اللہ اپنا حکم اور اللہ رستہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو ف۲

اس کی راہ میں، تو راہ دیکھو، جب تک اللہ بھیجے حکم اپنا۔ اور اللہ راہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو۔

ممانعت وتہدید از ترجیح تعلقات دنیویہ بر تعلقات اخرویہ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ... الی ... وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِينَ﴾

ربط:......شروع سورت میں کفار سے براءت اور بے زاری کا ذکر تھا پھر گزشتہ آیات میں ایمان اور ہجرت اور جہاد کو افضل الاعمال قرار دیا جو براءت کا تتمہ ہے اس لیے کہ خدا اور رسول کے لیے خویش واقارب اور اصول وفروع سے براءت اور بے زاری اور ان سے قطع تعلق کوئی آسان کام نہیں مگر بسا اوقات ان اعمال فاضلہ میں خویش واقارب کے تعلقات اور وطن عزیز کی محبت خلل انداز ہوتی ہے اس لیے ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ اخروی تعلقات کے مقابلہ میں دنیوی تعلقات کو ترجیح نہ دو۔ دین کے

ف۱ پچھلی آیات میں بتلایا تھا کہ جہاد وہجرت اعظم وافضل ترین اعمال ہیں۔ بسا اوقات ان دونوں اعمال میں خویش واقارب، کنبہ اور برادری کے تعلقات خلل انداز ہوتے ہیں۔ اس لیے فرمادیا کہ جن لوگوں کو ایمان سے زیادہ کفر عزیز ہے، ایک مومن انہیں کیسے عزیز رکھ سکتا ہے۔ مسلمان کی شان نہیں کہ ان سے رفاقت اور دوستی کا دم بھرے حتی کہ یہ تعلقات اس کو جہاد وہجرت سے مانع ہو جائیں، ایسا کرنے والے گنہگار بن کر اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں۔

ف۲ یعنی اگر خدا اور رسول کے احکام کا امتثال اور ہجرت یا جہاد کرنے سے یہ خیال مانع ہو کہ کنبہ برادری چھوٹ جائے گی، اموال تلف ہوں گے، تجارت مندی پڑ جائے گی، یا بند ہو جائے گی، آرام کے مکانوں سے نکل کر بے آرام ہونا پڑے گا، تو پھر خدا کی طرف سے حکم سزا کا انتظار کرو، جو اس تن آسانی اور دنیا طلبی پر آنے والا ہے۔ جو لوگ مشرکین کی موالات یا دنیاوی خواہشات میں پھنس کر احکام الٰہیہ کی تعمیل نہ کریں ان کو حقیقی کامیابی کا راستہ نہیں مل سکتا۔ حدیث میں ہے کہ جب تم بیلوں کی دم پکڑ کر کھیتی باڑی پر راضی ہو جاؤ گے اور "جہاد" چھوڑ بیٹھو گے تو خدا تم پر ایسی ذلت مسلط کر دے گا جس سے کبھی نکل نہ سکو گے یہاں تک کہ پھر اپنے دین (جہاد فی سبیل اللہ) کی طرف واپس آؤ۔

مقابلہ میں دنیا کو ترجیح دینا ظلم اور فسق ہے لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ ایمان اور اسلام کو دولت عظمیٰ سمجھیں اور اپنے اصول وفروع کو اور اپنے اعزاء اور اقارب اور احباب کو حتی کہ اپنے باپ اور بھائیوں کو جنہوں نے کفر کو اسلام پر ترجیح دی ہے ہرگز دوست نہ بنائیں۔ اگر اس کے خلاف کریں گے تو ظالم ہوں گے چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو! ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ اللہ سے تعلق کو مستحکم اور مضبوط کرو اور جو خدا سے تعلق قطع کر چکا ہے اس سے تم بھی قطع تعلق کر دو۔ اگر چہ وہ تمہارا کل (باپ) ہو یا تمہارا جزء (بیٹا) ہو یا تمہارے باپ کا جزء ہو یعنی تمہارا بھائی ہو اس لیے تم اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان کے مقابلہ میں پسند کریں یعنی جو لوگ کفر سے محبت رکھتے ہیں تم ان سے محبت نہ اختیار کرو اور تم میں سے جو انہیں دوست رکھے گا تو خوب سمجھ لو کہ کافروں کو دوست بنانے والے لوگ بڑے ہی ظالم ہیں کہ محبت اور دوستی کو بے محل رکھ دیا مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بنالیا۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارے قرابت دار اور تمہارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت اور سوداگری جس کے بند ہو جانے کا تم کو ڈر ہے اور وہ عمدہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو۔ یہ تمام چیزیں تم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں صرف کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ اپنے قہر کا حکم نازل کرے اور اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو توفیق نہیں دیتا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ان چیزوں کی محبت میں اپنے جانوں اور مالوں کو خدا کی راہ میں صرف کرنا نہیں چاہتے تو کافروں کے ساتھ تم بھی عذاب کے منتظر رہو اس صورت میں جو حال ان کا ہوگا وہی تمہارا ہوگا اور خوب سمجھ لو کہ دنیوی مصالح کو اخروی مصالح پر ترجیح دینے سے آدمی فاسق ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی توفیق اور عنایت سے محروم ہو جاتا ہے۔ یہ آیتیں ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئیں جن کو ہجرت کے بارے میں تردد تھا اور یہ خیال کرتے تھے کہ اگر مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں گے تو اہل وعیال اور خویش واقارب اور یہ مکانات جن میں آرام سے بسیرا کرتے ہیں یہ سب چھوٹ جائیں گے اور تجارت کا سلسلہ درہم برہم ہو جائے گا اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں کہ ایمان باللہ اور ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کے مقابلہ میں سب چیزیں ہیچ ہیں۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے قول کو سامنے رکھو ﴿فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ﴾ یعنی اللہ رب العلمین کے سوا سب میرے دشمن ہیں۔

آں کس کہ تراشناخت جاں را چہ کند — فرزند و عیال وخاناں را چہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی — دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ

مدد کر چکا ہے اللہ تمہاری بہت میدانوں میں اور حنین کے دن جب خوش ہوئے تم اپنی کثرت پر پھر وہ کچھ

مدد کر چکا ہے تم کو اللہ بہت میدانوں میں، اور دن حنین کے، جب اترائے تم اپنی بہتایت پر، پھر وہ کچھ

تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۟

کام نہ آئی تمہارے اور تنگ ہوگئی تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے پھر ہٹ گئے تم پیٹھ دے کر

کام نہ آئی تمہارے، اور تنگ ہوگئی تم پر زمین ساتھ اپنی فراخی کے، پھر ہٹ گئے تم پیٹھ دے کر۔

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا

پھر اتاری اللہ نے اپنی طرف سے تسکین اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر اور اتاریں فوجیں کہ جن کو تم نے نہیں دیکھا

پھر اتاری اللہ نے اپنی طرف سے تسکین اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر، اور اتاریں فوجیں، جو تم نے نہیں دیکھیں۔

وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى

اور عذاب دیا کافروں کو اور یہی سزا ہے منکروں کی ف۱ پھر توبہ نصیب کرے گا اللہ اس کے بعد جس کو

اور مار دی کافروں کو۔ اور یہی سزا ہے منکروں کی۔ پھر توبہ دے گا اللہ، اس کے بعد جس کو

ف۱ پچھلی آیت میں تنبیہ کی گئی تھی کہ جہاد فی سبیل اللہ کے وقت مومنین کو کنبہ، برداری، اموال و املاک وغیرہ کسی چیز پر نظر نہ ہونی چاہیے، یہاں آگاہ فرمایا ہے کہ مجاہدین کو خود اپنی فوجی جمعیت وکثرت پر گھمنڈ نہ کرنا چاہیے۔ نصرت وکامیابی اکیلے خدا کی مدد سے ہے۔ جس کا تجربہ پیشتر بھی بہت سے میدانوں میں تم کر چکے ہو۔ بدر، قریظہ ونضیر اور حدیبیہ وغیرہ میں جو کچھ نتائج رونما ہوئے، وہ محض امداد الٰہی وتائید غیبی کا کرشمہ تھا۔ اور اب اخیر میں غزوہ حنین کا واقعہ تو ایسا صریح اور عجیب وغریب نشان آسمانی نصرت وامداد کا ہے جس کا اقرار سخت معاند دشمنوں تک کو کرنا پڑا ہے۔ فتح مکہ کے بعد فوراً آپ کو اطلاع ملی کہ ہوازن وثقیف وغیرہ بہت سے قبائل عرب نے ایک لشکر جرار تیار کر کے بڑے ساز وسامان سے مسلمانوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ یہ خبر پاتے ہی آپ نے دس ہزار مہاجرین وانصار کی فوج گراں لے کر جو مکہ فتح کرنے کے لیے مدینہ سے ہمراہ آئی تھی، طائف کی طرف کوچ کر دیا، دو ہزار طلقاء بھی جو فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے تھے، آپ کے ہمراہ تھے یہ پہلا موقع تھا کہ بارہ ہزار کی عظیم الشان جمعیت کمیل کانٹے سے لیس ہو کر میدان میں نکلی۔ یہ منظر دیکھ کر بعض صحابہ سے نہ رہا گیا اور بے ساختہ بول اٹھے کہ (جب ہم بہت تھوڑے تھے اس وقت ہمیشہ غالب رہے تو) آج ہماری اتنی بڑی تعداد کسی سے مغلوب ہونے والی نہیں۔ یہ جملہ مردان توحید کی زبان سے نکلنا "بارگاہ احدیت" میں ناپسند ہوا۔ ابھی مکہ سے تھوڑی دور نکلے تھے کہ دونوں لشکر مقابل ہو گئے۔ فریق مخالف کی جمعیت چار ہزار تھی جو سر کو کفن باندھ کر اور سب عورتوں، بچوں کو ساتھ لے کر ایک فیصلہ کن جنگ کے لیے پوری تیاری سے نکلے تھے اونٹ گھوڑے، مواشی اور گھروں کا کل اندوختہ کوڑی کوڑی کر کے اپنے ہمراہ لے آئے تھے۔ ہوازن کا قبیلہ تیر اندازی کے فن میں سارے عرب میں شہرت رکھتا تھا۔ اس کے بڑے بڑے ماہر تیر اندازوں کا دستہ وادی حنین کی پہاڑیوں میں گھات لگائے بیٹھا تھا۔ صحیحین میں براء بن عازب کی روایت ہے کہ پہلے معرکہ میں کفار کو ہزیمت ہوئی، وہ بہت سامال چھوڑ کر پسپا ہو گئے یہ دیکھ کر مسلمان سپاہی غنیمت کی طرف جھک پڑے۔ اس وقت ہوازن کے تیر اندازوں نے گھات سے نکل کر ایک دم دھاوا بول دیا۔ آن واحد میں چاروں طرف سے اس قدر تیر برسائے کہ مسلمانوں کو قدم جمانا مشکل ہو گیا۔ اول طلقاء میں بھاگڑ پڑی۔ آخر سب کے پاؤں اکھڑ گئے، زمین باوجود فراخی کے تنگ ہو گئی کہ کہیں پناہ کی جگہ نہ ملتی تھی حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم مع چند رفقاء کے دشمنوں کے نرغہ میں تھے۔ ابوبکر، عمر، عباس، علی، عبداللہ بن مسعود وغیرہ رضی اللہ عنہم تقریباً سو یا اسی صحابہ بلکہ بعض اہل سیر کی تصریح کے موافق کل دس نفوس قدسیہ (عشرہ کاملہ) میدان جنگ میں باقی رہ گئے جو پہاڑ سے زیادہ مستقیم نظر آتے تھے۔ یہ خاص موقع تھا جبکہ دنیا نے پیغمبرانہ صداقت وتوکل اور معجزانہ شجاعت کا ایک محیر العقول نظارہ ان ظاہری آنکھوں سے دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفید خچر پر سوار ہیں، عباس ایک رکاب اور ابو سفیان بن الحارث دوسری رکاب تھامے ہوئے ہیں رضی اللہ عنہما۔ چار ہزار کا مسلح لشکر پورے جوش انتقام میں ٹوٹا پڑتا ہے، ہر چہار طرف سے تیروں کا مینہ برس رہا ہے۔ ساتھی منتشر ہو چکے ہیں۔ مگر رفیق اعلیٰ آپ کے ساتھ ہے، ربانی تائید اور آسمانی سکینہ کی غیر مرئی بارش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گنے چنے رفیقوں پر ہو رہی ہے۔ جس کا اثر آخر کار بھاگنے والوں تک پہنچتا ہے۔ جدھر سے ہوازن وثقیف کا سیلاب بڑھ رہا ہے آپ کی سواری کا منہ اس وقت بھی اسی طرف ہے۔ اور ادھر ہی آگے بڑھنے کے لیے خچر کو مہمیز کر رہے ہیں۔ دل سے خدا کی طرف لو لگی ہے، اور زبان پر نہایت استغناء واطمینان کے ساتھ انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب جاری ہے۔ یعنی بیشک میں سچا پیغمبر ہوں اور عبد المطلب کی اولاد ہوں۔ اسی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو آواز دی الی عباد اللہ الی انا رسول اللہ خدا کے بندو! ادھر آؤ۔ یہاں آؤ کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے موافق حضرت عباس نے (جو نہایت جہیر الصوت تھے) اصحاب سمرہ کو پکارا جنہوں نے درخت کے نیچے حضور کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی تھی۔ آواز کا کانوں میں پہنچنا تھا کہ بھاگنے والوں نے سواریوں کا رخ میدان جنگ کی طرف پھیر دیا۔ جس کے اونٹ نے رخ بدلنے میں دیر کی وہ گلے میں زرہ ڈال کر اونٹ سے کود پڑا اور سواری چھوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا۔ اسی اثناء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی سی مٹی اور کنکریاں اٹھا کر لشکر پر پھینکیں جو خدا کی قدرت سے ہر کافر کے چہرے اور آنکھوں پر پڑی۔ ادھر حق تعالیٰ نے آسمان =

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾

چاہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ف۱

چاہے۔ اور اللہ بخشتا ہے مہربان۔

ذکر قصۂ غزوہ حنین وتذکیر انعامات وعنایات در سرایا وغزوات

قَالَ تَعَالٰی: ﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ... الى ... وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

ربط: ...... شروع سورت میں براءت کا ذکر تھا جس کے ضمن میں صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کا ذکر فرمایا۔ اب ان آیات میں غزوہ حنین کا ذکر فرماتے ہیں اور اپنی ان عنایات کو یاد دلاتے ہیں کہ جو اس نے دیگر مقامات مثل جنگ بدر اور فتح مکہ میں دشمنوں کے مقابلہ میں مسلمانوں پر مبذول فرمائیں۔ تاکہ اس کی عنایات کو یاد کر کے دل اس کے شکر پر برانگیختہ ہو جائیں اور اپنے منعم حقیقی کے بھروسہ پر بے خوف وہراس دشمنان اسلام سے جہاد کریں اور سمجھیں کہ اصل مددگار وہی پروردگار ہے اور جانیں کہ یہ سارا ساز وسامان محض ایک ظاہری وسیلہ اور ذریعہ ہے اصل فتح ونصرت اللہ کی اعانت سے ہوتی ہے نہ کہ فوج اور ظاہری سامان کی کثرت سے کما قال تعالیٰ: ﴿وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ﴾۔

لہٰذا نظر اللہ پر رہنی چاہیے نہ کہ ظاہری ساز وسامان پر۔ جنگ حنین میں مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار تھی اور مشرکین کی تعداد چار ہزار تھی اس وقت بعض مسلمانوں کی زبان سے بطور ناز یہ لفظ نکلا کہ آج ہماری تعداد بہت بڑی ہے ہم کسی سے مغلوب ہونے والے نہیں۔ بارگاہ خداوندی میں یہ ناز پسند نہ آیا کہ بجائے ہماری رحمت اور عنایت کے اپنی قوت اور کثرت پر کیوں نظر کی۔ چنانچہ جب مقابلہ شروع ہوا تو مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور سوائے آنحضرت ﷺ اور مخصوص رفقاء کے بہت سے لوگ میدان جنگ سے منتشر ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عباس ؓ کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو آواز دیں۔ چنانچہ آواز سنتے ہی مسلمان دوڑ پڑے اور ناز سے تائب ہو کر نیاز کی طرف آئے اور اللہ کے رسول ﷺ کے گرد جمع ہو گئے۔ اس وقت خدا تعالیٰ کی مدد پہنچی آسمان سے مدد کے لیے فرشتے نازل کیے اور اپنی رحمت سے مسلمانوں کی شکست کو فتح سے بدل دیا بیشمار کافر مارے گئے اور چھ ہزار بچے اور عورتیں قید ہو کر آئے اور بیس ہزار اونٹ اور چار ہزار اوقیہ چاندی اور چالیس ہزار سے زائد بکریاں لوٹ میں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں جس سے سب پر واضح ہو گیا کہ لشکر عظیم میں سے بعض افراد کا بھی اپنی قوت اور کثرت پر نظر کرنا کس قدر ضرر رساں ہے۔

یک لحظہ نہ کوئے یار دوری — در مذہب عاشقاں حرام است

= سے فرشتوں کی فوجیں بھیج دیں جن کا نزول غیر مرئی طور پر مسلمانوں کی تقویت وہمت افزائی اور کفار کی مرعوبیت کا سبب ہوا۔ پھر کیا تھا کفار لشکریوں کے اثر سے آنکھیں ملتے رہے، جو مسلمان قریب تھے انہوں نے پلٹ کر حملہ کر دیا آناً فاناً میں مطلع صاف ہو گیا۔ بہت سے بھاگے ہوئے مسلمان لوٹ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو دیکھا لڑائی ختم ہو چکی۔ ہزاروں قیدی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بندھے کھڑے ہیں اور مال غنیمت کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں فَسُبْحَانَ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ اس طرح کافروں کو دنیا میں سزا دی گئی۔

ف۱ چنانچہ ہوازن وغیرہ کو اس کے بعد توبہ نصیب ہوئی۔ اور اکثر مسلمان ہو گئے۔

نکتہ:...... مکہ مکرمہ اگرچہ قہراً فتح ہوا مگر وہاں سے ادب اور احترام کی بنا پر کوئی چیز غنیمت میں نہیں لی گئی حق جل شانہ نے غنائم حنین سے اس کی تکمیل فرمادی کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے دل میں ایسا جوش وخروش پیدا فرمادیا کہ وہ اسلام کی دشمنی میں اپنے تمام اہل وعیال اور تمام اموال اور مویشیوں کو لے کر میدان میں آگئے جو بعد میں سب مسلمانوں کے لیے غنیمت بنے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے بچوں اور عورتوں کو تو واپس کردیا اور اموال اور مویشیوں کو مجاہدین پر تقسیم کردیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں (اے مسلمانو) تحقیق اللہ نے بہت سے مواقع میں تمہاری مدد کی اکثر وبیشتر مواضع میں تم کو دشمنوں پر غلبہ دیا اور حنین کے دن بھی تمہاری مدد کی جس کا قصہ عجیب وغریب ہے۔ حنین، مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے۔ فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ کو خبر ملی کہ کفار ہوازن وثقیف لڑائی کے لیے مقام حنین میں جمع ہوئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ اس طرف متوجہ ہوئے دس ہزار مہاجرین وانصار مدینہ منورہ سے آپ ﷺ کے ساتھ تھے اور دو ہزار مکہ کے نومسلم آپ کے ساتھ اور مل گئے اس طرح بارہ ہزار کی جمعیت لے کر ان کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے اور کفار کے لشکر کی تعداد چار ہزار تھی۔ اس وقت بعض مسلمانوں کی زبان سے یہ لفظ نکلا: لن نغلب الیوم من قلة۔ آج ہم قلت تعداد کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے یہ لفظ حق تعالیٰ کو پسند نہ آیا کہ اپنی کثرت پر نظر کی اور خدا تعالیٰ کی نصرت اور اعانت پر نظر نہ گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ نے پہلی بار مسلمانوں کو شکست دی تاکہ متنبہ ہوجائیں کہ فتح کا دارومدار تمہاری قوت اور کثرت پر نہیں بلکہ اللہ کی تائید اور نصرت پر ہے چنانچہ مسلمانوں کو اپنی لغزش پر تنبیہ ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے تائید غیبی سے شکست کو فتح سے بدل دیا۔ غرض یہ حق تعالیٰ نے جنگ حنین میں عجیب طریقہ سے مدد کی جب کہ لشکر کی کثرت نے تم کو غرہ میں ڈال دیا اور تم اترا کر یہ کہنے لگے کہ آج ہم کفار سے مغلوب نہ ہوں گے تو تم شکست کھا گئے اور لشکر کی کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور باوجود کثرت کے دشمن کے حملہ کو نہ روک سکے اور کافروں کی تیراندازی سے سراسیمہ اور پریشان ہو کر تتر بتر ہوگئے اور زمین باوجود فراخی کے تم پر تنگ ہوگئی پھر تم کافروں کے مقابلہ میں پشت پھیر کر بھاگے یہ نتیجہ تو اپنی طاقت اور کثرت پر نظر کرنے کا ہوا جو ابتداءً تم نے دیکھا پھر اس شکست کے بعد جب تم متنبہ ہوگئے تو تمہارا یہ اعجاب زائل ہوگیا اور بجائے اپنی کثرت کے تم نے خدا تعالیٰ کی نصرت اور اعانت پر نظر کی تو اس کا نتیجہ اسی وقت پردۂ غیب سے یہ ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور اہل ایمان پر اپنی خاص الخاص رحمت اور سکینت نازل فرمائی جس سے مسلمانوں کے دلوں کو تسکین ہوئی اور پریشانی کافور ہوئی اور سکون اور اطمینان نصیب ہوا اور اسی وقت تمہاری مدد کے لیے بہت سی فوجیں آسمان سے اتاریں جن کو تم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتے تھے مگر ان کے آثار اور انوار کو دل میں اور ظاہر میں محسوس کرتے تھے۔

ف:...... صحیح قول یہ ہے کہ جنگ حنین میں فرشتوں کا لشکر نازل تو ہوا مگر اس لشکر نے جنگ بدر کی طرح قتال نہیں کیا صرف مسلمانوں کے دلوں کی تقویت اور تسکین کے لیے نازل ہوا۔ اے مسلمانو! اس لشکر کے نازل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے تم کو فتح اور غلبہ عطا کیا اور کافروں کو سزا دی۔ کہ وہ قتل اور گرفتار ہوئے اور کافروں کی دنیا میں یہی سزا ہے پھر اس سزا کے بعد اللہ جس پر چاہے گا توجہ عنایت فرمائے گا۔ یعنی اس کو اسلام کی توفیق بخشے گا چنانچہ ہوازن اور ثقیف کے بہت سے کافر تائب ہو کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے کل قیدی احسان رکھ کر

چھوڑ دیے اور اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے اور بڑا مہربان ہے کہ توبہ کے بعد مواخذہ نہیں کرتا۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ

اے ایمان والو مشرک جو ہیں سو پلید ہیں سو نزدیک نہ آنے پائیں مسجد الحرام کے اس برس کے

اے ایمان والو! مشرک جو ہیں سو پلید ہیں، سو نزدیک نہ آویں مسجد الحرام کے اس برس کے

هَذَا ۚ وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ

بعد ف۱ اور اگر تم ڈرتے ہو فقر سے تو آئندہ غنی کر دے گا تم کو اللہ اپنے فضل سے اگر چاہے بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا

بعد۔ اور اگر تم ڈرتے ہو فقر سے تو آگے غنی کریگا تم کو اللہ اپنے فضل سے اگر چاہے۔ اللہ ہے سب جانتا

حَكِيمٌ ﴿۲۸﴾

حکمت والا ہے ف۲

حکمت والا۔

تتمۂ اعلان براءت وتسلیۂ اہل ایمان

قَالَ اللهُ تَعَالَىٰ: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ... الى... إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾

ربط:...... شروع سورت میں اعلان براءت کا ذکر تھا اب اسی اعلان کا ایک تتمہ ذکر کیا جاتا ہے وہ یہ کہ ایک سال کے اندر مشرکین، حدود حرم سے باہر نکل جائیں تاکہ حرم کی پاک زمین مشرکین کے ناپاک وجود سے پاک ہوجائے کیونکہ مشرک نجس ہیں اس ایک سال گزر جانے کے بعد مشرکین کو حج اور خانہ کعبہ کے طواف کی اجازت نہیں۔ اعلان براءت میں چار ماہ کی مہلت دی تھی اور مسجد حرام کے داخلہ کے لیے ایک سال کی مہلت دی۔

اس حکم سے مسلمانوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ جب حرم میں مشرکین کی آمد ورفت بند ہوجائے گی تو اس سے تجارت کو

ف۱ جب حق تعالیٰ نے شرک کی قوت کو توڑ کر جزیرۃ العرب کا صدر مقام (مکہ معظمہ) فتح کرا دیا اور قبائل عرب جوق جوق دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے تب ۹ھ میں یہ اعلان کرایا گیا کہ آئندہ کوئی مشرک (یا کافر) مسجد حرام میں داخل نہ ہو بلکہ اس کے نزدیک یعنی حدود حرم میں بھی نہ آنے پائے۔ کیونکہ ان کے قلوب شرک وکفر کی نجاست سے اس قدر پلید اور گندے ہیں کہ اس سب سے بڑے مقدس مقام اور مرکز توحید وایمان میں داخل ہونے کے لائق نہیں۔ اس کے بعد صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرۃ العرب سے مشرکین اور یہود ونصاریٰ سب کے نکال دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضور کی آخری وصیت کے موافق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ حکم عملاً نافذ ہوا۔ اب بطور استیلاء کفار کے وہاں رہنے پر مسلمانوں کو رضامند ہونا جائز نہیں۔ بلکہ تطہیر جزیرۃ العرب بقدر استطاعت ان کا فریضہ ہے۔ ہاں حنفیہ کے نزدیک کوئی کافر مسافرانہ عارضی طور پر امام کی اجازت سے وہاں جاسکتا ہے بشرطیکہ امام اتنی اجازت دینا خلاف مصلحت نہ سمجھے۔ باقی حج وعمرہ کی غرض سے داخل ہونے کی کسی کافر کو اجازت نہیں کما ورد فی الحدیث الا لَا يَحُجَّنَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ

ف۲ حرم میں مشرکین کی آمد ورفت بند کر دینے سے مسلمانوں کو اندیشہ ہوا کہ تجارت وغیرہ کو بڑا نقصان پہنچے گا۔ اور جو سامان تجارت یہ لوگ لاتے تھے۔ وہ نہیں آئے گا۔ اس لیے تسلی کر دی کہ اس سے مت گھبراؤ تم کو غنا عطا فرمانا محض اس کی مشیت پر موقوف ہے۔ وہ چاہے گا تو کچھ دیر نہ لگے گی۔ چنانچہ یہی ہوا۔ خدا نے سارا ملک مسلمان کر دیا۔ مختلف بلاد وامصار سے تجارتی سامان آنے لگا، بارشیں خوب ہوئیں جس سے پیداوار بڑھ گئی، فتوحات وغنائم کے دروازے کھل گئے اہل کتاب وغیرہ سے جزیہ کی رقوم وصول ہونے لگیں، غرض مختلف طرح سے حق تعالیٰ نے اسباب غنا جمع کر دیئے۔ بیشک خدا کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔

نقصان پہنچے گا اور باہر سے جو لوگ سامان تجارت لاتے تھے وہ نہیں آئے گا اس لیے مسلمانوں کی تسلی کر دی گئی کہ تم گھبراؤ نہیں اللہ تم کو دوسرے طریقوں سے غنیٰ اور مالداری عطا کرے گا۔ دولت وثروت سب اسی کی مشیت پر موقوف ہے۔ فقر سے ڈرنے کی ضرورت نہیں اگر حرم میں مشرک تاجروں کی آمد ورفت موقوف ہوجائے تو عرب اور عجم سب اسلام کا باج گزار بن جائے گا اور سب جگہ مسلمانوں کا کاروبار جاری ہوجائے گا۔ اور کافروں سے اتنا جزیہ اور خراج مل جائے گا جو تجارتی منافع سے ہزاروں بلکہ لاکھوں گونہ زیادہ ہوگا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو! جز ایں نیست کہ مشرک لوگ ناپاک اور پلید ہیں جہاں تک ممکن ہو اس گندگی اور پلیدی کے اختلاط سے اپنے آپ کو محفوظ رکھو۔ ایمان بلاشبہ عطر اور مشک ہے لیکن اگر گندگی اور نجاست کے ساتھ عطر کا اختلاط ہوجائے تو کچھ دیر کے بعد وہ عطر، عطر نہ رہے گا۔ وہ بھی گندہ اور بدبودار ہوجائے گا۔ پس جب کہ کفار سرتاپا نجاست ہیں تو حکم دیا جاتا ہے کہ یہ ناپاک لوگ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب بھی نہ آنے پائیں یعنی حدود حرم میں داخل نہ ہوں یہ خطہ نہایت مطہر اور معطر ہے کفر اور شرک کی نجاستوں سے اس کی تطہیر واجب ہے نیز اس مبارک خطہ میں ہر وقت ملائکۃ اللہ کا نزول اور ورود ہوتا رہتا ہے۔ جن کو کفر اور شرک کی نجاست اور اس کی عفونت اور بدبو سے تکلیف ہوتی ہے نیز اس خطہ میں ہر وقت طواف کرنے والوں کا ہجوم رہتا ہے۔ مشرکین کی حاضری سے اندیشہ ہے کہ ان کی باطنی نجاست اور اندرونی ظلمت کا اثر اہل ایمان کے انوار کو مکدر اور متغیر نہ کر دے۔ صحبت اور اختلاط کا اثر ناقابل انکار ہے۔ جس طرح گلاب اور پیشاب کی طرف دیکھنے کے احکام اور آثار مختلف ہیں اسی طرح ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما اور ابوجہل اور ابولہب کی طرف دیکھنے کے احکام اور آثار بھی مختلف ہیں۔

حکماء نے لکھا ہے کہ نجاست کی طرف نظر کرنا ضعف بصر کا سبب ہے اسی طرح یہ ناچیز کہتا ہے کہ کفر اور شرک کی نجاست کی طرف نظر کرنا ضعف بصیرت کا سبب ہے اور اسی پر تمام اولیاء وعارفین کا اجماع ہے اور کتاب وسنت کے نصوص میں جو کافر اور فاسق کی صحبت اور مجالست کی ممانعت آئی ہے اس کی وجہ بھی یہی ہے۔

جمہور علماء اسلام اور ائمہ اربعہ یہ کہتے ہیں کہ آیت میں نجاست سے اعتقادی نجاست مراد ہے اور بعض صحابہ وتابعین سے یہ مروی ہے کہ نجاست سے نجاست حسیہ اور ظاہر یہ مراد ہے اور کفار اور مشرکین کلب اور خنزیر کی طرح نجس العین ہیں جو مشرک کو چھووے اس پر وضو لازم ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من صافح مشركا فليتوضا (اخرجه ابو الشيخ وابن مردويه)

جیسے حدیث میں مس ذکر سے وضو کا حکم آیا ہے اسی طرح مس کافر سے وضو کے حکم کو سمجھو۔

واخرج ابن مردويه عن هشام بن عروة عن ابيه عن جده قال استقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم جبريل عليه السلام فناوله يده فابى ان يتناولها فقال يا جبريل ما منعك ان تاخذ بيدي قال انك اخذت بيد يهودي فكرهت ان تمس يدي يدا قد مسها يد كافر فدعا رسول الله صلى الله عليه وسلم بماء فتوضاء فناوله يده فتناولها. (تفسیر در منثور: ۳/ ۲۲۷) اور دیکھو تفسیر روح المعانی، ص: ۶۸)

ہشام اپنے باپ عروۃ بن الزبیر سے اور عروۃ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ ایک مرتبہ راستہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جبریل امین علیہ السلام سے ملاقات ہوگئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل سے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ جبریل امین نے ہاتھ بڑھانے سے انکار کیا اور عذر یہ کیا کہ اسی راستہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے ہاتھ ملایا ہے اس لیے میں نے ناپسند کیا کہ اس ہاتھ سے ہاتھ ملاؤں جو کافر کے ہاتھ کو مس کر چکا ہے آپ نے اسی وقت وضو کے لیے پانی منگایا اور وضو کر کے جبریل امین کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ جبریل امین نے فوراً مصافحہ کر لیا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ نجاست کی دو قسمیں ہیں ایک نجاست حسیہ اور جسمانیہ جیسے بول و براز اور گوبر مینگنی اور دوسری قسم نجاست معنویہ وروحانیہ جیسے کذب اور غیبت اور نمیمت کی نجاست جو عقل اور حس کے ذریعہ سے نہیں معلوم ہوسکتی۔ البتہ جب ملائکہ کے ساتھ اختلاط ہوتا ہے اور ان کی مصاحبت کا اتفاق ہوتا ہے تب کفر اور شرک اور اخلاق ذمیمہ کی نجاست منکشف ہوتی ہے۔ فقہائے کرام نے کتب فقہ میں نجاست جسمانیہ کے احکام بیان کیے اور اولیاء وعارفین نے نجاست معنویہ وروحانیہ کے احکام بیان کئے۔ ﴿وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا﴾ ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ ہر قسم کی نجاست سے اجتناب کرے اور اے اہل مکہ اگر تم کو کافروں کے داخلہ حرم کی ممانعت سے محتاجی اور تنگ دستی کا اندیشہ ہو تو تم کو اس اندیشہ کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ اگر چاہے گا تو تم کو اپنے فضل سے غنی اور دولت مند کر دے گا۔ بیشک اللہ علم والا اور حکمت والا ہے۔

اہل مکہ کی گزران معاش تجارت پر تھی۔ دوسرے ملکوں سے مشرکین مکہ میں غلہ لاتے تھے جب مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا کہ مشرکین کو حدود حرم میں داخل نہ ہونے دیا جائے تو مسلمانوں کو یہ خوف ہوا کہ تجارت کے بند ہو جانے سے ہم تنگ دست ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تسلی فرمادی کہ تم تنگ دستی سے نہ ڈرو اللہ تم کو دولت مند بنا دے گا۔ چنانچہ اہل جدہ اور اہل صنعاء اور اہل جرش سب مسلمان ہو گئے اور غلہ اور قسم قسم کا مال تجارت لانے لگے اور اس کے علاوہ کافروں سے جو جزیہ اور خراج اور فئی کا مال ملا وہ بھی غنا کا سبب بنا۔

مسئلہ: ...... جمہور علماء کے نزدیک کفار کا مسجد میں آنا ممنوع ہے۔ مگر امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک بطور غلبہ اور تسلط یا بطور اعزاز واکرام مشرک کا مسجد میں آنا جائز نہیں۔ البتہ مسلمان کا کوئی غلام یا خادم یا کوئی ذمی کسی مسلمان کی اجازت سے ادب اور احترام کے ساتھ مسجد میں کسی ضرورت کی وجہ سے آئے تو اس میں مضائقہ نہیں۔ باقی کسی کافر اور مشرک کو بطور اعزاز واکرام مسجد میں مدعو کرنا اور اس کافر سے مسجد کے منبر پر تقریر کرانا یہ بلاشبہ حرام ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

لڑو ان لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور نہ آخرت کے دن پر اور نہ حرام جانتے ہیں اس کو جس کو حرام کیا اللہ نے اور اس کے رسول نے

لڑو ان لوگوں سے، جو یقین نہیں رکھتے اللہ پر، نہ پچھلے دن پر، نہ حرام جانیں جو حرام کیا اللہ نے اور اس کے رسول نے،

وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ

اور نہ قبول کرتے ہیں دین سچا ان لوگوں میں سے جو کہ اہل کتاب ہیں یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں اپنے ہاتھ سے

اور نہ قبول کریں دین سچا، وہ جو کتاب والے ہیں، جب تک دیں جزیہ، سب ایک ہاتھ سے اور وہ

صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ ع ۱۰

ذلیل ہوکر ف۱

بے قدر ہوں۔

حکم جہاد وقتال با اہل کتاب

قَالَ اللہُ تَعَالٰی: ﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ... الی... وَهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾

ربط: ...... گزشتہ رکوعات وآیات میں براءت اور فتح مکہ وحنین کا ذکر تھا جن میں یہ حکم تھا کہ مشرکین سے لڑو اور ان کو ملک سے باہر نکال دو اور جزیرۃ العرب کو مشرکین کے وجود سے بالکل پاک کردو تا کہ جزیرۃ العرب میں سوائے مسلمان کے کوئی باقی نہ رہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جزیرۃ العرب میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے خلاصہ یہ کہ گزشتہ رکوعات اور آیات میں مشرکین سے جہاد وقتال کا بیان تھا اب ان آیات میں اہل کتاب (یہود ونصاری) سے جہاد وقتال کا حکم ہے کہ یہ بھی دین حق کے منکر ہیں اور اللہ کو اور آخرت کو جیسا چاہئے ویسا نہیں مانتے اور ان کا وجود اسلام کی ترقی اور اشاعت میں حائل ہے اس لیے مشرکین کی طرح ان سے جہاد وقتال ضروری ہے یہاں تک کہ یہ لوگ مسلمانوں کی ماتحت رعیت بن کر ذلت کے ساتھ رہنا اور جزیہ دینا قبول کریں تو پھر اسلامی حکومت میں رہ سکتے ہیں بشرطیکہ ادنی اور اعلی سب ذلیل ہوکر جزیہ دیا کریں۔ باقی عرب کے مشرکوں سے جزیہ ہرگز قبول نہیں۔ مشرکین عرب کے لیے صرف دو ہی راہیں ہیں اسلام یا سیف (تلوار) اسی سورت میں مشرکین عرب کے قتل کا حکم تو آیا ہے، ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾ لیکن مشرکین عرب کے لیے جزیہ کا حکم نہیں آیا۔ (دیکھو تفسیر قرطبی: ۸/ ۷۲)

اور یہ آیات درحقیقت غزوہ تبوک کی تمہید ہیں جس میں اہل کتاب سے مقابلہ تھا جیسا کہ تفسیر درمنثور میں مجاہد سے

ف۱ جب مشرکین کا قصہ پاک ہوگیا اور ملکی سطح ذرا ہموار ہوئی تو حکم ہوا کہ "اہل کتاب (یہود ونصاری) کی قوت وشوکت کو توڑو۔ مشرکین کے وجود سے تو بالکل عرب کو پاک کر دینا مقصود تھا لیکن یہود ونصاری کے متعلق اس وقت صرف اسی قدر مطمح نظر تھا کہ وہ اسلام کے مقابلہ میں زور نہ پکڑیں اور اس کی اشاعت وترقی کے راستہ میں حائل نہ ہوں۔ اس لیے اجازت دی گئی کہ اگر یہ لوگ ماتحت رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کریں تو کچھ مضائقہ نہیں، قبول کرلو، پھر حکومت اسلامیہ ان کے جان ومال کی محافظ ہوگی، ورنہ ان کا اعلان بھی وہ ہی ہے جو مشرکین کا تھا (یعنی مجاہدانہ قتال) کیونکہ یہ بھی اللہ اور یوم آخرت پر جیسا چاہیے ایمان نہیں رکھتے نہ خدا اور رسول کے احکام کی کچھ پروا کرتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تو کیا، اپنے تسلیم کردہ نبی حضرت مسیح علیہ السلام کی بھی پیروی نہیں کرتے، محض اہوا، وآراء کا اتباع کرتے ہیں، جو سچا دین پہلے آیا یعنی حضرت مسیح وغیرہ کے زمانہ میں، اور جو اب نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے، کسی کے قائل نہیں۔ بلکہ جیسا کہ عنقریب آتا ہے، اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ خدا کا روشن کیا ہوا چراغ اپنی پھونکوں سے گل کردیں۔ ایسے بدباطن نالائقوں کو اگر یوں ہی چھوڑ دیا جائے تو ملک میں فتنہ وفساد اور کفر وتمرد کے شعلے برابر بھڑکتے رہیں گے۔

منقول ہے کہ ان آیات کا نزول غزوہ تبوک کے بارہ میں ہوا۔

خلاصہ کلام:...... یہ کہ جب آنحضرت ﷺ عرب کے جہاد وقتال سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اہل کتاب سے جہاد کا حکم دیا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے عرب سے جہاد وقتال کیا اور ان سے سوائے اسلام کے کسی اور چیز کو قبول نہیں کیا اس کے بعد اہل کتاب سے جہاد کا حکم دیا اور ان سے جزیہ بھی قبول فرمایا اور سب سے پہلے اہل نجران نے جزیہ دینا قبول کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں (اے مسلمانو) ان لوگوں سے جنگ کرو کہ جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روز آخرت پر اور نہیں حرام جانتے ہیں اس چیز کو کہ جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے یعنی جس کی حرمت کتاب وسنت سے ثابت ہے اور نہ دین حق یعنی دین اسلام کو قبول کرتے ہیں یعنی وہ لوگ جن کو کتاب توریت اور انجیل دی گئی ان سے قتال کرو۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اہل کتاب اور اہل علم ہیں انبیاء سابقین علیہم السلام کی بشارتوں اور وصیتوں سے باخبر ہیں حق ان پر واضح ہو چکا ہے یہ لوگ آنحضرت ﷺ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں مگر عناد کی وجہ سے حق کو چھپاتے ہیں ان پر اللہ کی حجت پوری ہو چکی ہے اس لیے اے مسلمانو تم ان سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں درآنحالیکہ وہ ذلیل اور خوار ہوں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صغار (ذلت) سے مراد حکم اسلام کا التزام ہے یعنی اسلامی حکومت کی رعایا بن کر رہنا اور جزیہ دینا منظور کر لینا بھی صغار اور ذلت ہے اور عن ید (اپنے ہاتھ سے دینے) کے معنی یہ ہیں کہ بزور حکومت وطاقت ان سے لیا جائے جیسے آج کل ٹیکس لیا جاتا ہے یا یہ معنی ہیں کہ وہ جزیہ بخوشی اور طیب خاطر بلا جبر واکراہ ادا کریں۔ اور اگر جزیہ لینے میں جبر واکراہ یعنی زبردستی کی نوبت آئے تو پھر عقد ذمہ باقی نہ رہے گا یا یہ معنی ہیں کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے جزیہ پیش کریں کسی وکیل کی معرفت نہ بھیجیں یا یہ معنی ہیں کہ جزیہ ایک طرح کا انعام ہے کہ تم کو قتل نہیں کیا گیا اور زندہ چھوڑ دیا گیا ورنہ تم مستحق قتل کے تھے یا یہ معنی ہیں کہ نقد ادا کریں نہ کہ ادھار وغیرہ وغیرہ یہ تمام اقوال تفصیل کے ساتھ کتب تفسیر میں مذکور ہیں وہاں دیکھ لیے جائیں اور محدث ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر زاد المسیر: ۴۲۰/۳ میں اختصار کے ساتھ ان اقوال کو ذکر کیا ہے۔

جزیہ وخراج:...... جزیہ اس مال اور محصول کو کہتے ہیں جو کافروں کے نفوس اور ان کی ذات پر لگایا جائے اور خراج اس محصول کو کہتے ہیں جو کفار کی زمینوں پر لگایا جائے۔ یہ لفظ جزاء سے مشتق ہے۔ یعنی جزیہ قتل کی جزاء اور اس کا بدلہ ہے کہ تم مستحق تو قتل کے تھے لیکن تمہارے ساتھ یہ رعایت کی گئی کہ تمہاری جان بخشی کردی گئی اور دار الاسلام میں تم کو امن کے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی گئی نہ تم کو قتل کیا گیا اور نہ تم کو غلام بنایا گیا جیسے دیت سے قصاص ساقط ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جزیہ سے قتل اور استرقاق ساقط ہو جاتا ہے (دیکھو روح المعانی[2]: ۷۲/۱۰) علاوہ ازیں اسلام نے تمہارے ساتھ دوسرا احسان یہ کیا کہ

[1] اصل عبارت یہ ہے قال ابن الجوزی فی قولہ عن ید خمسة اقوال (احدھا) عن قھر وذل قالہ الزجاج (والثانی) انہ النقد العاجل قالہ شریك وعثمان بن مقسم (والثالث) ان المعنی عن اعتراف للمسلمین بان ایدیھم فوق ایدیھم (والرابع) عن انعام علیھم بذلك لان قبول الجزیة انعام علیھم حکاھما الزجاج (والخامس) یؤدونھا بایدیھم ولا ینفذونھا مع رسلھم ذکرہ الماوردی (زاد المسیر: ۴۲۰/۳)

[2] قال الاتقانی ان الجزیة لیست بدلا عن تقریری الکفر وانما ھی عوض عن القتل والاسترقاق الواجبین فجازت کاسقاط القصاص بعوض او ھی عقوبة علی الکفر کالاسترقاق۔ (روح المعانی: ۷۲/۱۰)

مسلمانوں کی طرح تمہارے جان ومال وعزت وآبرو کی حفاظت کی ذمہ داری لی تاکہ مسلمانوں کی طرح امن اور حفاظت کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ شریعت نے جان ومال کی حفاظت میں مسلم اور غیر مسلم سب کو برابر رکھا نیز اس امن کی زندگی سے غیر مسلمانوں کو یہ فائدہ ہوگا کہ مسلمانوں میں رہ کر ان کو اسلام کے احکام اور محاسن کا علم ہوگا اور حق و باطل کا فرق ان پر واضح ہو سکے۔ پس اگر وہ دین حق کو قبول کرنا چاہیں گے تو قبول کر سکیں گے اور اسلامی حکومت وہ حکومت ہے کہ جس کا دستور اور قانون اسلام اور شریعت ہو اور قانون اسلام کو بالادستی اور برتری حاصل ہو۔

فقہاء کرام کی تصریحات سے یہ ثابت ہے کہ جزیہ قتل کی جزاء اور اس کا فدیہ ہے حفاظت جان اور امن کا بدلہ اور فدیہ نہیں اس لیے کہ جزیہ صرف آزاد عاقل مردوں پر واجب ہوتا ہے جو لڑنے اور جنگ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں عورت اور بچے اور مجنون اور غلام اور راہب اور معذور پر جزیہ نہیں حالانکہ حفاظت ان کی بھی کی جاتی ہے۔ اور باوجود کفر کے ان پر کوئی جزیہ نہیں اسلام میں جزیہ صرف ان لوگوں سے لیا جاتا ہے جو مستحق قتل کے تھے معلوم ہوا کہ جزیہ قتل کا بدلہ اور اس کا فدیہ ہے نہ کہ امن اور حفاظت کا عوض اور بدل ہے۔ چنانچہ فقہاء کرام لکھتے ہیں، هي لغة الجزاء لانها جزت عن القتل كذا في الدر المختار۔

مسئلہ:...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب اور بت پرستوں سے جزیہ لینا جائز ہے مگر خاص عرب کے بت پرستوں سے جزیہ قبول نہیں کیا جاسکتا۔ مشرکین عرب کے لیے صرف دو راہیں ہیں قتل یا اسلام۔ ﴿تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ﴾ سرزمین عرب میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے اس لیے وہاں جزیہ لے کر بت پرستی کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ عرب کے مشرکوں سے جزیہ نہیں لیا جائے گا وہ یا تو اسلام قبول کریں یا ملک چھوڑ دیں البتہ عرب کے اہل کتاب سے جزیہ لینا جائز ہے قرآن کریم میں مشرکین عرب کے متعلق ﴿تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ﴾ آیا ہے یعنی ان کے حق میں قتل ہے یا اسلام۔ نیز عرب میں آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کا ظہور ہوا اور دلائل نبوت اور براہین رسالت حد اعجاز کو پہنچ گئے اس لیے وہاں اللہ کی حجت پوری ہوگئی۔ نیز عرب، آپ ﷺ کی قوم ہے۔ آپ ﷺ کی نسبت سے ان کو خاص عزت اور شرف حاصل ہوا لہٰذا آپ ﷺ کی قوم پر جزیہ کی ذلت قائم نہیں کی جاسکتی۔

نیز سرزمین عرب مرکز اسلام ہے اور قلب اسلام ہے اس سرزمین میں کسی طرح بھی بت پرستی کی کوئی گنجائش نہیں۔

نیز آپ ﷺ کی زندگی میں تمام قبائل عرب مسلمان ہو چکے تھے پھر اگر بت پرستی ہو سکتی ہے تو صرف ارتداد سے ہو سکتی ہے اور مرتد باتفاق ائمہ دین جزیہ دے کر قتل سے نہیں بچ سکتا۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ

اور یہود نے کہا کہ عزیز اللہ کا بیٹا ہے ف۱ اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ باتیں کہتے ہیں

اور یہود نے کہا، عزیر بیٹا اللہ کا۔ اور نصاریٰ نے کہا، مسیح بیٹا اللہ کا۔ یہ باتیں کہتے ہیں

ف۱ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بعض یہود کا یہ عقیدہ تھا کہ حضرت عزیر خدا کے بیٹے ہیں۔ لیکن یہ عقیدہ عام یہود کا نہ تھا اور نہ زمانہ مابعد میں۔ تو بعض علماء نے لکھا ہے کہ اب کوئی یہودی اس عقیدے کا باقی نہیں رہا۔ اگر عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہود کا کوئی فرقہ اس کا قائل نہ ہوتا تو ضرور تھا کہ اس وقت یہود =

بِأَفْوَاهِهِمْ ۖ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ ۚ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۚ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٣٠﴾

اپنے منہ سے ریس کرنے لگے اگلے کافروں کی بات کی ف۱ ہلاک کرے ان کو اللہ کہاں سے پھرے جاتے ہیں ف۲

اپنے منہ سے۔ ریس کرنے لگے اگلے منکروں کی بات کی۔ مار ڈالے ان کو اللہ۔ کہاں سے پھرے جاتے ہیں۔

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا

ٹھہرا لیا اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا اللہ کو چھوڑ کر ف۳ اور مسیح مریم کے بیٹے کو بھی اور ان کو حکم یہی ہوا تھا

ٹھہرائے ہیں اپنے عالم اور درویش خدا، اللہ کو چھوڑ کر، اور مسیح بیٹا مریم کا۔ اور حکم یہی ہوا تھا

إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٣١﴾ يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا

کہ بندگی کریں ایک معبود کی کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا، وہ پاک ہے ان کے شریک بتلانے سے چاہتے ہیں کہ بجھا دیں

کہ بندگی کریں ایک صاحب کی، کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا۔ وہ پاک ہے ان کے شریک بنانے سے۔ چاہیں کہ بجھاویں

نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿٣٢﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ

روشنی اللہ کی اپنے منہ سے اور اللہ نہ رہے گا بدون پورا کیے اپنی روشنی کے اور پڑے برا مانیں کافر ف۴ اسی نے بھیجا

روشنی اللہ کی اپنے منہ سے، اور اللہ نہ رہے بن پوری کئے اپنی روشنی، اور پڑے برا مانیں منکر۔ اسی نے بھیجا

=قرآن کی حکایت کی تغلیط کرتے۔ جیسا کہ ﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ﴾ کو سن کر عدی بن حاتم نے اعتراض کیا تھا کہ احبار و رہبان کو رب تو کوئی نہیں مانتا اس کا جواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا جو آگے آتا ہے۔ پس ابنیت عزیر کے عقیدہ کو ان کی طرف نسبت کرنا، اور ان کا اعتراض وانکار کہیں منقول نہ ہونا اس کی دلیل ہے کہ ضرور اس وقت اس خیال کے لوگ موجود تھے۔ ہاں جیسے مرور دھور سے بہت سے مذاہب اور فرقے مٹ مٹا گئے، وہ بھی نابود ہو گیا ہو تو کچھ مستبعد نہیں۔ باقی ہم سے ایک نہایت ثقہ بزرگ (حاجی امیر شاہ خاں مرحوم) نے بیان کیا کہ سیاحت فلسطین وغیرہ کے دوران میں مجھے بعض یہود اس خیال کے ملے جن کو اسی عقیدہ کی نسبت سے عزیری کہا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۱ یعنی "ابنیت" یا "الوہیت" مسیح وغیرہ کا عقیدہ پرانے مشرکین کے عقیدہ کے مشابہ ہے۔ بلکہ ان ہی کی تقلید میں یہ اختیار کیا ہے۔ جیسا کہ سورۂ مائدہ کے فوائد میں ہم نقل کر چکے ہیں۔

ف۲ یعنی خدا ان کو غارت کرے توحید کی صاف اور تیز روشنی پہنچنے کے بعد کدھر اندھیرے میں چلے جا رہے ہیں۔

ف۳ ان کے علماء و مشائخ جو کچھ اپنی طرف سے مسئلہ بنا دیتے خواہ حلال کو حرام یا حرام کو حلال کہہ دیتے اسی کو سند سمجھتے کہ بس خدا کے ہاں ہم کو چھٹکارا ہو گیا۔ کتب سماویہ سے کچھ سروکار نہ رکھا تھا، محض احبار و رہبان کے احکام پر چلتے تھے۔ اور ان کا یہ حال تھا کہ جہاں تھوڑا سا مال یا جاہی فائدہ دیکھا حکم شریعت کو بدل ڈالا جیسا کہ دو تین آیتوں کے بعد مذکور ہے پس جو منصب خدا کا تھا (یعنی حلال و حرام کی تشریع) وہ علماء و مشائخ کو دے دیا گیا تھا۔ اس لحاظ سے فرمایا کہ انہوں نے عالموں اور درویشوں کو خدا ٹھہرا لیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عدی بن حاتم کو اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اسی طرح کی تشریح فرمائی ہے اور حضرت حذیفہ سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "عالم کا قول عوام کو سند ہے جب تک وہ شرع سے کہہ کر کہے۔ جب معلوم ہو کہ خود اپنی طرف سے کہا، یا طمع وغیرہ سے کہا پھر سند نہیں۔"

ف۴ یعنی توحید خالص اور اسلام کا آفتاب جب چمک اٹھا، پھر یہ دو غلی باتیں اور مشرکانہ دعاوی کہاں فروغ پا سکتے ہیں یہ کوشش کہ بے حقیقت اور بے مغز باتیں بنا کر اور فضول بحث و جدل کر کے نور حق کو مدہم کر دیں، ایسی ہے کہ کوئی بیوقوف منہ سے پھونکیں مار کر چاند یا سورج کی روشنی کو بجھانا اور ماند کرنا چاہے، یاد رکھو خواہ یہ کتنے ہی جلیں مگر خدا نور اسلام کو پوری طرح پھیلا کر رہے گا۔

رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝

اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر تاکہ اس کو غلبہ دے ہر دین پر اور پڑے برا مانیں مشرک ف۱

اپنا رسول ہدایت دے کر اور دین سچا، تا اس کو اوپر کرے ہر دین سے، اور پڑے برا مانیں مشرک۔

اہل کتاب کے فضائح اور قبائح کا بیان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ... الى... وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں مشرکین کے قبائح کا بیان ہوا اب اہل کتاب کے قبائح اور فضائح اور ان کے عقائد باطلہ اور افعال شرکیہ کو بیان کرتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ مشرکین کی طرح اہل کتاب بھی دین حق کے مطیع اور فرمانبردار نہیں اور ان کی طرح یہ مستوجب قتل وقتال ہیں اس لیے اب آئندہ آیات میں اہل کتاب کے عقائد باطلہ اور ان کے کفریات قولیہ وفعلیہ اور جہالت علمیہ کی کسی قدر تفصیل کرتے ہیں تاکہ گزشتہ آیت میں جو اہل کتاب کے متعلق ﴿وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ اور ﴿وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ﴾ فرمایا تھا اس کی کسی قدر تفصیل ہوجائے۔ اور معلوم ہوجائے کہ اہل کتاب کے متعلق جو قتال اور جزیہ کا حکم دیا گیا اس کی وجہ ان کے یہ اعمال کفریہ ہیں۔ اول یہود سے شروع فرمایا کہ وہ حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ یہ عقیدہ یہود کے تمام فرقوں کا نہیں بلکہ ان میں کے ایک خاص فرقہ کا ہے جو بقول بعض علماء مدینہ کے بعض یہود یعنی یہود بنی قریظہ تھے۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ شام کے بعض یہودی بھی ایسا ہی کہا کرتے تھے اس سرزنش اور توبیخ کا مخاطب یہی فرقہ ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سلام بن مشکم اور نعمان بن اوفی اور ابوانس اور شاس بن قیس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا۔

"کیف نتبعك وقد ترکت قبلتنا وانت لاتزعم ان عزیرا ابن الله۔ رواہ ابن اسحاق وابن جریر (تفسیر در منثور: ۳/۲۲۹) اور دیکھو تفسیر کبیر: ۳/۶۲۰۔

"ہم کیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں درانحالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ (بیت المقدس) چھوڑ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا نہیں سمجھتے۔ (ابن اسحاق وابن جریر نے روایت کیا)

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو یہود مدینہ میں رہتے تھے ان کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت عزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے تھے اس آیت کا نزول اس خاص فرقہ کے بارے میں ہوا جن کا یہ عقیدہ تھا۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس عقیدہ کی ایک جماعت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھی (دیکھو زاد المسیر: ۳/۴۲۴)

امام ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ احکام القرآن میں فرماتے ہیں کہ یہود میں کا ایک خاص فرقہ اس کا قائل تھا کہ حضرت

ف۱ اسلام کا غلبہ باقی ادیان پر معقولیت اور حجت ودلیل کے اعتبار سے، یہ تو ہر زمانہ میں بحمد اللہ نمایاں طور پر حاصل رہا۔ باقی حکومت وسلطنت کے اعتبار سے وہ اس وقت حاصل ہوا ہے اور ہوگا جبکہ مسلمان اصول اسلام کے پوری طرح پابند اور ایمان وتقویٰ کی راہوں میں مضبوط اور جہاد فی سبیل اللہ میں ثابت قدم تھے یا آئندہ ہوں گے۔ اور دین حق کا ایسا غلبہ کہ باطل ادیان کو مغلوب کر کے بالکل صفحہ ہستی سے محو کر دے، یہ نزول مسیح علیہ السلام کے بعد قیامت کے قریب ہونے والا ہے۔

عزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں تمام یہودی اس کے قائل نہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہود کی ایک خاص جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی جن میں سلام بن مشکم اور نعمان بن اوفی اور شاس بن قیس اور مالک بن صیف تھے ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت عزیر علیہ السلام کے متعلق یہ کہا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اب اس فرقہ کا کوئی وجود نہیں اور ہمارے علم میں اب کوئی اس کا قائل نہیں واللہ اعلم۔ دیکھو احکام [1] القرآن للامام الجصاص: ۳/ ۱۰۳)

غرض یہ کہ حق جل شانہ نے اس آیت میں اول یہود کے اس خاص فرقہ کا ذکر کیا جو حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا فرزند کہتے تھے بعد ازاں نصاریٰ کا حال بیان کیا جو حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیتے تھے۔ یہود اور نصاریٰ اس عقیدہ میں مشرکین کے ہم نوا ہیں جو ملائکۃ اللہ کو خدا کی بیٹیاں بتلاتے تھے۔

پھر یہود و نصاریٰ نے فقط حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہما السلام کے خدا بنانے پر اکتفانہ کیا بلکہ اپنے احبار اور رہبان کو بھی خدا بنالیا بایں صورت کہ ان کے احبار و رہبان جو فتویٰ دیتے وہ اس کو حکم الٰہی کے برابر مانتے اور ان کے احکام کو شریعت الٰہیہ کے احکام کا بدل سمجھتے احبار و رہبان کو رب بنانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے قول کو اپنا دین اور ایمان سمجھے کہ جو وہ کہیں مان لیں اور جس چیز سے منع کریں اسے چھوڑ دیں پس اس قسم کے جرائم کی بناء پر حق تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان لوگوں سے جہاد و قتال کرو یہاں تک کہ یہ لوگ ذلت و خواری کے ساتھ جزیہ دینا قبول کریں

(پہلا جرم) ان لوگوں کا یہ ہے کہ دین الٰہی کے مطیع اور فرمانبردار نہیں یعنی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لاتے۔

(دوم) یہ کہ یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا۔ یہود اور نصاریٰ اگرچہ اللہ پر ایمان لانے کے مدعی ہیں مگر فقدان توحید کی وجہ سے وہ ایمان کالعدم قرار دیا گیا۔

(سوم) یہ کہ اپنے احبار و رہبان کو حلال اور حرام کا مختار مطلق قرار دیا اور ان کے حکم کو خدا کے حکم کی طرح واجب الاتباع سمجھا بجائے دین حق کے اتباع کے احبار و رہبان کے اتباع کو مدار نجات جانا اور نصاریٰ نے بہت سے محرمات کو محض پولوس کے مباح کر دینے سے حلال مان لیا۔ حالانکہ توریت میں ان چیزوں کی حرمت صراحۃً موجود ہے اور آج کل کے نصاریٰ کا تو حال ہی نہ پوچھو ان لوگوں نے تو شراب اور زنا سب کو حلال کر لیا جو تمام شریعتوں میں حرام تھا۔ غرض یہ کہ ان لوگوں نے اپنے احبار و رہبان کو حق تشریع عطا کیا اور ان کے حکم کو خدا کے حکم کی طرح واجب الاطاعت سمجھا اور ظاہر ہے کہ تشریع احکام اور تحلیل و تحریم صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا اور ائمہ دین جو فتویٰ دیتے ہیں وہ کتاب وسنت سے استنباط کر کے دیتے ہیں ان کا اتباع درحقیقت خدا اور رسول کا اتباع ہے ائمہ دین ﴿وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّهْدُوْنَ

[1] قوله تعالیٰ وقالت الیهود عزیر ابن قیل اراد به فرقة من الیهود قالت ذلك والدلیل علی ذلك ان الیهود قد سمعت ذالك فی عهد النبی صلی الله علیه وسلم فلم تنكره والمراد فرقة منهم لا جمیعهم كقولك جاءنی بنو تمیم والمراد بعضهم قال ابن عباس قال ذلك جماعة من الیهود جاء وا الی النبی صلی الله علیه وسلم فقالوا ذلك وهم سلام بن مشكم ونعمان من اوفی وشاس بن قیس ومالك بن الصیف فانزل الله تعالیٰ هذه الاية وليس فی الیهود من یقول ذلك الان فیما نعلم وانما كانت فرقة منهم قالت ذلك فانقرضت (كذا فی احكام القرآن: ۳/ ۱۰۳)

﴿بِأَمْرِنَا﴾ کا مصداق ہیں اس لیے ان کا اتباع کرتے ہیں۔

خلاصۂ کلام:...... یہ کہ اہل کتاب بھی شرک میں مشرکین کے مشابہ ہیں اگر چہ شرک کا طریقہ مختلف ہے مشرکین بتوں کی پرستش کرتے ہیں اور یہ لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کی پرستش کرتے ہیں۔ شرک میں دونوں شریک ہیں بلکہ ایک اعتبار سے عابد مسیح، عابد صنم سے شرک میں بڑھ کر ہے۔ اس لیے کہ عابد مسیح کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ معاذ اللہ، مسیح بن مریم علیہ السلام میں حلول کر آیا ہے اور اس کے ساتھ متحد ہو گیا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی طرح مسیح بھی خالق عالم اور مدبر عالم ہے۔ اور مشرکین کا بتوں کے متعلق یہ عقیدہ نہیں۔ (دیکھو تفسیر کبیر: ۴/ ۶۲۰)

تفسیر:...... اور چونکہ اہل کتاب نے دین حق کو قبول نہیں کیا۔ اس لیے یہود نے تو یہ کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے یہ کہا کہ عیسیٰ مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ ان کی منہ کی باتیں ہیں۔ محض ان کی زبانوں سے نکلی ہیں جن کی نہ کوئی حقیقت اور اصلیت ہے اور نہ کوئی سند ہے اور نہ کوئی دلیل ہے کما قال تعالیٰ: ﴿وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ قَوْلُكُم بِأَفْوَاهِكُمْ﴾ ﴿إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُم مَّا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ﴾ ﴿وَيُنذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۝ مَّا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ وَلَا لِآبَائِهِمْ ۚ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۚ إِن يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا﴾۔

ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام یہود اس کے قائل ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے تھے۔ سو جاننا چاہیے کہ ظاہری عموم مراد نہیں بلکہ ایک خاص فرقہ مراد ہے جو آنحضرت ﷺ کے زمانے میں موجود تھا اور مدینہ میں رہتا تھا انہوں نے آنحضرت ﷺ کے زمانے میں یہ بات کہی تھی جس پر یہ آیت اتری اور یہود کو پڑھ کر سنائی گئی مگر کسی نے اس آیت کو سن کر انکار نہیں کیا اور نہ اس کی تکذیب کی حالانکہ وہ آنحضرت ﷺ کی بات بات میں تکذیب کرتے تھے اور آپ ﷺ کے سخت دشمن تھے۔ اگر عہد نبوی میں یہود کا کوئی فرقہ اس کا قائل نہ ہوتا تو ضرور تھا کہ یہود اس وقت قرآن کی تکذیب اور تغلیط کرتے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ دشمن طعنہ چین کی طرف ایک غلط عقیدہ منسوب کیا جائے اور وہ سن کر خاموش بیٹھا رہے۔ اور اس پر کوئی اعتراض نہ کرے ہاں یہ ممکن ہے کہ بعد میں یہودیوں نے اس عقیدہ کو غلط سمجھ کر چھوڑ دیا ہو مگر قرآن میں اس عقیدہ کا درج ہونا اور ایک عرصہ دراز تک کسی یہودی کا اس پر اعتراض نہ کرنا اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ یہود متقدمین میں یہ عقیدہ تھا گو فی الحال کوئی یہودی اس کا قائل نہ رہا ہو لہٰذا کسی کا قرآن کریم کی اس حکایت پر اعتراض کرنا کہ یہودیوں میں سے کسی کا یہ عقیدہ نہیں یہ اعتراض غلط ہے جس وقت قرآن کریم کی یہ آیتیں نازل ہوئیں اس وقت اس عقیدہ کے لوگ مدینہ میں موجود تھے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہم ذکر کر چکے ہیں۔

اور علیٰ ہذا، نصاریٰ کا یہ کہنا کہ مسیح علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے یہ بھی نصاریٰ کے ایک گروہ کا قول ہے سب کا نہیں مگر عام طور پر نصاریٰ میں یہ عقیدہ رائج ہے اس لیے اس کے ثبوت کی ضرورت نہیں۔

عقیدۂ ابنیت کا آغاز کیسے ہوا

امام رازی رحمہ اللہ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد اکیاسی سال تک عیسائی دین حق پر قائم رہے بعد میں ان میں اور یہود میں لڑائی چھڑ گئی یہودیوں میں ایک شخص جس کا نام بولس (پولوس) تھا بڑا شجاع تھا اس نے عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کی ایک جماعت کو قتل کیا اور چونکہ وہ عیسائیوں کا سخت دشمن تھا اس لیے اس نے ان کے گمراہ کرنے کی ایک تدبیر نکالی وہ یہ کہ ایک روز یہودیوں سے یہ کہا کہ اگر بالفرض عیسیٰ (علیہ السلام) حق پر ہوں تو ہمارے کافر اور دوزخی ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے اور اگر عیسائی جنت میں گئے اور ہم دوزخ میں گئے تو ہم بڑے گھاٹے میں رہے اس لیے میں یہ چاہتا ہوں کہ کسی حیلہ سے ان کو گمراہ کروں تا کہ وہ بھی ہمارے ساتھ دوزخ میں جائیں۔ یہود کو یہ سمجھا کر اپنے اس گھوڑے پر سوا ہوا جس پر سوار ہو کر عیسائیوں سے جنگ کیا کرتا تھا۔ پھر اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اپنے سر پر مٹی ڈالی اور اپنے اس فعل سے ندامت اور توبہ ظاہر کرتا ہوا نصاریٰ کے مجمع میں آیا انہوں نے پوچھا کہ تو کون ہے اس نے کہا میں تمہارا دشمن پولوس ہوں مجھ کو آسمان سے یہ ندا آئی ہے کہ تیری توبہ اس وقت تک قبول نہیں ہوگی جب تک تو نصرانی نہیں ہوگا اس لیے میں یہودیت سے تائب ہو کر تمہارے پاس آیا ہوں۔ انہوں نے اس کو کلیسا میں داخل کر کے نصرانی بنالیا اور اس کو ایک حجرے میں جگہ دے دی سال بھر تک وہ وہاں رہا اور اس عرصہ میں اس نے انجیل کی تعلیم حاصل کی ایک سال کے بعد اس نے کہا کہ مجھے آسمان سے یہ ندا دی گئی ہے کہ اللہ نے تیری توبہ قبول کی۔ نصاریٰ نے اس کے اس قول کی تصدیق کی اور ان کے دل میں اس کی محبت پیدا ہوگئی اور ان کی نظروں میں اس کا مرتبہ بہت بلند ہوگیا۔ جب نصاریٰ میں اس کی شان بڑھ گئی تو بیت المقدس چلا گیا اور وہاں جا کر مخفی طور پر اپنی تعلیم کے لیے تین آدمیوں کو منتخب کیا۔ ایک نام نسطور دوسرے کا نام یعقوب اور تیسرے کا نام ملکان تھا ان تینوں کو اپنا شاگرد بنایا۔ نسطور کو یہ تعلیم دی کہ عیسیٰ اور مریم اور خدا یہ تین خدا ہیں اور یعقوب کو یہ سکھایا کہ عیسیٰ انسان نہیں تھا بلکہ وہ خدا کا بیٹا تھا اور ملکان کو یہ پڑھایا کہ عیسیٰ بعینہ اللہ ہے وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا جب یہ تعلیم ان کے دلوں میں گھر کر گئی تو اس نے ان میں سے ہر ایک کو خلوت میں بلایا اور کہا کہ تو میرا خاص اور معتمد رفیق ہے فلاں ملک میں چلا جا اور وہاں جا کر لوگوں کو یہ تعلیم دے اور انجیل کی طرف لوگوں کو بلا۔ پھر اس نے لوگوں کو بلا کر یہ کہا کہ میں نے خواب میں عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا ہے وہ مجھ سے راضی ہو گئے ہیں اور اب میں عیسیٰ علیہ السلام کے نام پر اپنی جان قربان کروں گا پھر وہ مذبح میں گیا اور اپنے آپ کو ذبح کرلیا پھر اس کے تینوں شاگرد ملک میں متفرق ہو گئے ایک روم میں پہنچا دوسرا بیت المقدس اور تیسرا کسی اور ملک میں اور ان میں سے ہر ایک نے لوگوں کو اس عقیدہ کی طرف بلایا اور جو پولوس نے اس کو تعلیم دی تھی اور لوگوں نے ان کا اتباع کیا اس طرح عیسائیوں میں تین فرقے ہو گئے۔ (تفسیر کبیر: ۴/ ۶۳۱)

اہل کتاب اس قول کے ذریعہ سے اگلے کافروں کے قول سے مشابہت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی ان کا عقیدہ ابنیت یا الوہیت پرانے مشرکین کے عقیدہ کے مشابہ ہے جس طرح وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اسی طرح یہ عزیر اور مسیح علیہما السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں خدا انہیں غارت کرے کہاں بھٹکے جا رہے ہیں۔ توحید کی روشنی کو چھوڑ کر شرک کی تاریکی کی

طرف جارہے ہیں۔

یہ تو ان کے اقوال کفریہ کا بیان تھا اب آگے ان کے افعال کفریہ ذکر کرتے ہیں کہ ان اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ نے خدا کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنا رکھا ہے کہ جو فتوی دیدیں اس کو حکم خداوندی کی طرح واجب العمل سمجھتے ہیں اور ان کے قول کو اپنا دین وایمان سمجھتے ہیں اگر چہ وہ توریت اور انجیل کے نصوص کے خلاف ہی کیوں نہ ہو تو ایسی بے چون وچرا اطاعت عبادت کے حکم میں ہے جو شرک ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ لکھتے ہیں ''عالم کا قول عوام کو سند ہے جب کہ وہ شرع سے سمجھ کر کہے جب معلوم ہوا کہ خود اپنی طرف سے کہا یا طمع سے کہا تو پھر سند نہیں'' اور ان لوگوں نے مسیح بن مریم کو بھی رب بنایا حالانکہ تمام کتب الٰہیہ اور صحف سماویہ میں یہی حکم دیا گیا ہے کہ صرف ایک معبود کی پرستش کریں اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں نہ اس کے سوا کوئی مستحق عبادت ہے اور نہ کسی کی بے چون وچرا اطاعت واجب ہے اور نہ کوئی اس کا بیٹا ہے اور نہ بیٹی ہے یہ تو بیان تھا اتباع باطل اور دین حق سے انحراف کا۔ اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ یہ لوگ دین حق کے ابطال اور اس کی رد میں کس درجہ ساعی اور کوشاں ہیں۔ وہ یہ کہ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور ہدایت کو یعنی دین اسلام کو اپنے مونہوں سے پھونک مار مار کر بجھادیں یعنی دینِ اسلام کا نور اور آفتابِ ہدایت چمک اٹھا ہے یہ لوگ اپنے واہی تباہی اعتراضات سے دینِ اسلام میں طرح طرح کے عیب نکالتے ہیں کہ وہ پھیلنے نہ پائے گویا کہ یہ لوگ پھونکیں مار کر سورج کو بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ کو اس کے سوا کچھ منظور نہیں کہ اپنے نور کو پوری طرح پھیلا دے اگر چہ کافروں کو برا معلوم ہو یعنی یہ کافر دین اسلام کے مٹانے کی لاکھ کوشش کریں بھلا کہیں ان کے مٹانے سے مٹ سکتا ہے اللہ اپنے نور کو تمام جہان میں پھیلا دے گا۔ اور یہ کافر اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہوں گے۔ چراغ ہو تو منہ کی پھونکوں سے بجھ بھی جائے بھلا کہیں آفتاب کا نور بھی پھونکوں سے بجھتا سنا ہے اور نور اسلام تو آفتاب کے نور سے لاکھوں درجہ بڑھ کر ہے وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ دنیا میں بھیجا ہے تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کر دے۔ اگر چہ مشرکین کو برا معلوم ہو اس آیت میں غلبہ اسلام کی پیش گوئی ہے کہ دین اسلام تمام دینوں پر غالب آجائے گا اور قیامت تک باقی رہے گا

لطائف ومعارف

اس آیت میں حق جل شانہ نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو اس لیے مبعوث فرمایا ہے کہ دین اسلام کو تمام دینوں پر غلبہ عطا کیا جائے اور یہی مضمون سورۂ فتح اور [1] سورۂ صف میں بھی ذکر کیا گیا ہے الفاظ میں معمولی فرق ہے مضمون تینوں جگہ کا ایک ہی ہے۔

اب تحقیق طلب امر یہ ہے کہ ظہور اور غلبہ سے کیا مراد ہے۔ سو جاننا چاہیے کہ غلبہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک دلیل اور

[1] سورۂ فتح کے الفاظ یہ ہیں ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا﴾ اور سورۂ صف کے الفاظ یہ ہیں ﴿يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾

برہان کے اعتبار سے یعنی دین اسلام باعتبار دلیل اور برہان کے تمام دینوں پر غالب ہو مطلب یہ ہے کہ دین اسلام کی حقانیت پر ایسے براہین اور دلائل قائم کیے جائیں جس سے دین اسلام کا حق ہونا اور دوسرے دینوں کا باطل ہونا واضح ہو جائے۔

اور غلبہ کی دوسری قسم یہ ہے کہ وہ باعتبار تیغ و سنان کے ہو یعنی دین حق کی شوکت اور سطوت کے سامنے دوسرے دین سرنگوں ہو جائیں اور اسلام ہی کی حکومت ہو اور اسی کا قانون ہو۔

ہم کہتے ہیں کہ آیت میں ظہور اور غلبہ سے دونوں قسم کا غلبہ مراد ہے دلیل اور برہان کے اعتبار سے غلبہ تو اسلام کو ابتداء ہی سے حاصل تھا اور ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ البتہ دوسری قسم کا غلبہ اسلام کو بتدریج حاصل ہوا مکہ مکرمہ میں دین اسلام باعتبار قوت و شوکت کے کمزور رہا۔

ہجرت اور جہاد کے بعد بتدریج رفتہ رفتہ اسلام کی قوت اور شوکت میں اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ فتح مکہ سے حجاز اور نجد اور یمن کے تمام علاقہ پر اسلام کی حکومت قائم ہو گئی۔

اور آیات کے سیاق و سباق سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصود اسی دوسرے غلبہ کو بیان کرنا ہے اس لیے کہ آغاز سورت سے لے کر یہاں تک مشرکین سے براءت اور بے زاری اور ان سے جہاد و قتال کے احکام کا ذکر چلا آ رہا ہے اور پھر اسی سلسلہ میں فتح مکہ اور غزوہ حنین کا اور اہل کتاب سے جہاد اور جزیہ کا حکم بیان کیا گیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ آیت میں اس غلبہ کا بیان کرنا مقصود ہے جو جہاد و قتال اور سیف و سنان سے حاصل ہو اور سورۂ فتح میں بھی فتح مکہ کا ذکر ہے اور سورۂ صف میں جہاد و قتال کا ذکر ہے اور بے شمار آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ فتوحات اور غنائم کی بشارتوں کے بارے میں وارد ہوئیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آیت میں اظہار دین سے وہ غلبہ مراد ہے جو سیف و سنان سے حاصل ہو کہ حکم اسلام کا چلے اور کفار مقہور و مغلوب ہوں اور ﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ﴾ کو بصیغۂ مضارع لانے میں اشارہ اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ظہور اور غلبہ بتدریج ہوگا کیونکہ صیغۂ مضارع استمرار تجددی کے لیے آتا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور پرنور ﷺ سے یہ وعدہ فرمایا کہ بتدریج آپ ﷺ کا دین تمام دینوں پر غالب آئے گا اور یہی آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد عظیم ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دینِ اسلام کو عظیم الشان بادشاہت اور بے مثال قوت و شوکت عطا کرے گا جس کے سامنے اس زمانے کی تمام قوتیں اور طاقتیں سرنگوں ہو جائیں گی۔

آنحضرت ﷺ کے زمانۂ سعادت میں روئے زمین پر دو سلطنتیں تھیں ایک ایران کی اور دوسری روم کی ان دونوں بادشاہوں کی سطوت و جبروت نے تمام دنیا کو گھیر رکھا تھا۔ اور دوسرے مذاہب ان کی قوت کے سامنے مضمحل ہو رہے تھے۔ کسریٰ شاہ ایران مذہباً مجوسی تھا اور قیصر روم مذہباً عیسائی تھا دنیا میں عیسائیت اور مجوسیت یہی دو مذہب سب سے طاقتور تھے جن کو کسریٰ اور قیصر کی سرپرستی حاصل تھی اور انہیں کا دین تمام ادیان پر غالب تھا اور دیگر ادیان بمصداق ''الناس علی دین ملوکھم'' مغلوب تھے۔ ملک عرب میں بت پرستی کا زور تھا اور کچھ قدر قلیل عیسائی اور یہود بھی تھے ان حالات میں اللہ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی جس میں یہ بشارت دی گئی کہ دین اسلام تمام دینوں پر غالب ہو کر رہے گا اب ظاہر ہے کہ اس

غلبہ کی کوئی صورت سوائے اس کے نہیں ہو سکتی کہ روم اور ایران کی سلطنتیں درہم برہم ہو جائیں اور ان کی وجہ اسلام کی پرشوکت حکومت قائم ہو جائے کہ حکم اور قانون اسلام کا چلے۔

غلبۂ دین کی اس پیش گوئی کے ظہور کا آغاز آنحضرت ﷺ کے دست مبارک سے ہوا کہ حجاز اور نجد اور یمن میں اسلام قوت وشوکت حاصل ہوئی اور دین اسلام کو بت پرستی پر غلبہ حاصل ہو گیا۔ یہ ظہور دین اور غلبہ دین کی ایک منزل طے ہوئی تھی کہ آنحضرت ﷺ اس عالم سے تشریف لے گئے اور وعدہ کی تکمیل ہنوز باقی تھی سو اس وعدہ کی تکمیل آپ ﷺ کے خلفاء کے ہاتھوں پر ہوئی جو آپ ﷺ کے لیے بمنزلہ اعضاء اور جوارح کے تھے چنانچہ حق تعالیٰ کا یہ وعدہ اور پیش گوئی خلفائے ثلاثہ کے ہاتھوں پر پوری ہوئی۔ انہیں کے زمانے میں انہیں کے جہاد وقتال سے اور انہیں کی جد وجہد سے دنیا کی سب سے بڑی دو سلطنتیں روم اور ایران زیر وزبر ہوئیں اور ان دونوں سلطنتوں پر اسلام کا فاتحانہ قبضہ ہوا جب یہ دونوں سلطنتیں برباد ہوئیں اس وقت دنیا کے موجودہ اور مشہور ترین ادیان مجوسیت اور نصرانیت بھی مغلوب ومقہور ہوئے اس طرح اللہ تعالیٰ کا وعدہ خلفاء ثلاثہ کے ہاتھوں پر پورا ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ کا یہ وعدہ رسول اللہ ﷺ سے تھا کہ آپ ﷺ کا دین تمام دینوں پر غالب آئے گا۔ مگر قرآن کریم میں اس کی مدت متعین نہیں تھی کہ یہ وعدہ کب تک پورا ہو گا بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ کبھی نبی کے خلفاء کے ہاتھوں پر پورا ہوتا ہے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿اِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ﴾۔ یعنی جو وعدے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے آپ کے دین کے متعلق کیے ہیں وہ سب کے سب آپ ﷺ کے سامنے پورے نہ ہوں گے بعضے وعدے تو آپ ﷺ کو آپ کی زندگی میں دکھلا دیئے جائیں گے اور بعض وعدے آپ کی وفات کے بعد پورے ہوں گے چنانچہ حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو فتح شام کا وعدہ کیا تھا وہ وعدہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے زمانے میں پورا ہوا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ اور جانشین تھے۔ اسی طرح سمجھو کہ حق جل شانہ نے جو اپنے نبی سے ﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ میں ظہور دین اور غلبہ اسلام کا وعدہ فرمایا تھا اس کی تکمیل اس پر موقوف تھی کہ قیصر وکسریٰ کی سلطنت کا تختہ الٹا جائے ہنوز یہ وعدہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچا تھا کہ سرور عالم ﷺ رحلت فرما گئے۔ اور اپنے جانشینوں کو ہدایت فرما گئے کہ ان دو قلعوں کو فتح کرو اور ان پر اسلام کا پرچم لہراؤ آپ اس عالم سے تشریف لے گئے اور آپ ﷺ کے حسب الارشاد یہ امر مہتم بالشان خلفاء ثلاثہ کے بابرکت ہاتھوں سے آپ کے حکم کے مطابق انجام کو پہنچا۔ اس لیے یہ سب کچھ آپ ہی کا کام محسوب ہو گا اور خلفاء نے جو کچھ کیا وہ آپ ہی کے دست و پا ہونے کی حیثیت سے کیا اور آپ ہی کے حکم سے کیا۔

پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ بعثت نبوی کا یہ مقصد اور خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ خلفائے ثلاثہ کے ہاتھوں پر پورا ہوا تو ثابت ہو گیا کہ یہ تینوں حضرات آپ کے نائب وصادق اور خلیفہ برحق تھے جن کے ہاتھوں پر مقصد بعثت کی تکمیل ہوئی اور یہی خلافت خاصہ اور خلافت راشدہ ہے۔ یہ جو کچھ لکھا گیا یہ تمام تر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ کے کلام کا خلاصہ ہے جو ازالۃ الخفاء میں قلم حقائق رقم سے ظہور میں آیا ہے۔ رحمۃ اللہ علیہ علی مر اللیالی والایام۔

تتمۂ کلام: ...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب سلطنت قیصر مغلوب ہوئی تو گویا تمام ولایات فرنگ مغلوب ہو گئیں اس

لیے کہ ولایات فرنگستان یعنی ریاست ہائے انگلستان سب قیصر روم کے ماتحت تھیں اور حضرت عثمان ﷛ کے زمانہ میں سلطنت کسریٰ کا نام ونشان بھی نہ رہا۔ ۳۰ھ میں کسریٰ مارا گیا اور مغرب کی جانب میں اسلامی سلطنت کی حدود اندلس اور تیروان اور بحر محیط تک پہنچی اور مشرق میں بلاد چین تک پہنچی اور مشارق اور مغارب سے مدینہ میں خراج آنے لگا اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو تمام دینوں پر غالب کیا اور اپنا وعدہ پورا فرمایا۔

شیعوں کی حیرانگی:...... شیعہ اس آیت کی تفسیر میں بہت حیران اور سرگرداں ہیں کبھی تو کہتے ہیں کہ اظہار دین سے سیف وسنان کا غلبہ مراد نہیں بلکہ حجت اور برہان کا غلبہ مراد ہے اور کبھی یہی کہتے ہیں کہ یہ پیشین گوئی رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں پوری ہوگئی۔ فتح مکہ سے مشرکین عرب پر غلبہ ہوگیا اور نجران کے عیسائیوں نے جزیہ دینا قبول کیا اس سے نصرانیت پر غلبہ ظاہر ہوا اور خیبر فتح ہونے سے یہودیت پر غلبہ ظاہر ہوا غرض یہ کہ تمام دینوں پر غلبہ کا ظہور آپ ﷺ ہی کی زندگی میں ہوگیا۔ اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ یہ پیش گوئی امام مہدی کے وقت میں پوری ہوگی۔ تمام روئے زمین پر اسلام پھیل جائے گا۔

جواب:...... اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ یہ تینوں باتیں غلط ہیں قول اول کا غلط ہونا تو پہلے ہی بدلائل واضح ہو چکا ہے کہ آیت میں صرف حجت اور برہان کا غلبہ مراد نہیں بلکہ عام معنی مراد ہیں جو ہر قسم کے غلبہ کو شامل ہیں۔

(قول دوم) یعنی یہ کہنا کہ یہ پیشین گوئی رسول اللہ ﷺ ہی کے عہد مبارک میں پوری ہوگئی صحیح نہیں۔ مشرکین پر تو غلبہ بے شک آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں ہو چکا تھا لیکن مجوسیت اور نصرانیت اور یہودیت پر غلبہ حاصل نہیں ہوا تھا۔ چند نصرانیوں اور چند یہودیوں کے مغلوب ہو جانے سے مجوسیوں اور نصرانیوں کی سلطنت پر کوئی اثر نہیں پڑا لہٰذا نجران کے نصاریٰ کی مغلوبیت اس آیت کا مصداق نہیں ہو سکتی اس آیت میں تو یہ ہے کہ دین اسلام تمام دینوں پر غالب آجائے گا اور یہ وعدہ اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا کہ جب تک نصاریٰ اور مجوس کی سلطنتیں مغلوب اور زیر وزبر نہ ہوں۔

(قول سوم) یعنی یہ کہنا کہ یہ پیش گوئی امام مہدی کے زمانے میں پوری ہوگی یہ بھی بہ چند وجہ مردود ہے اول یہ کہ اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ اللہ کا یہ وعدہ باوجود چودہ صدی گزر جانے کے ابھی تک پورا نہیں ہوا۔ اور آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد ہنوز پایہ تکمیل کو نہیں پہنچا۔ جب کسی فعل کا کوئی مقصد بیان کیا جائے تو یقیناً وہ مقصد اس فعل کے متصل ہی شروع ہو جانا چاہیے اور اگر کچھ فاصلہ بھی ہو تو قلیل ہو اگر کوئی طبیب یہ کہے کہ میں نے فلاں دوا اس لیے دی ہے کہ اس سے مواد فاسدہ کا تنقیہ ہو جائے تو اس دوا کے پینے کے بعد ہی اسہال شروع ہو جانا چاہیے اگر اس قریبی زمانے میں اسہال نہ ہوا بلکہ دوا پینے کے دس بیس برس بعد ہوا تو کون کہے گا کہ وہ طبیب اپنے قول میں کامیاب رہا۔ اسی طرح یہاں یہ سمجھو کہ ظہور دین اور غلبہ دین کا سلسلہ تو آپ ﷺ ہی کی زندگی سے شروع ہو گیا تھا۔ اور وہ سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوا یہاں تک کہ اس کی تکمیل خلفائے ثلاثہ کے ہاتھوں پر ہوئی۔

دوسری خرابی اس قول میں یہ ہے کہ آیت سے مقصود مسلمانوں کو خوش خبری اور تسلی دینا ہے کہ تم گھبراؤ نہیں عنقریب تمہارے دشمنوں کا غلبہ ختم ہو جائے گا اور تمہارا خوف دور ہو جائے گا اور تمہارا دین تمام دینوں پر غالب آجائے گا۔ پس اگر یہ پیش گوئی صحابہ کرام کے زمانے میں پوری نہیں ہوئی تو ایسی پیش گوئی سے کیا فائدہ کہ قرن کے قرن اور صدی پر صدی گزرتی

چلی جائے اور وعدہ کے پورا ہونے کے کوئی آثار نظر نہ آئیں۔

اہل سنت اور اہل بدعت: ...... حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، ازالۃ الخفاء میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت اہل سنت اور اہل بدعت کے درمیان حکم ہے اور قول فیصل ہے وہ یہ کہ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو دین ہدایت آنحضرت ﷺ پر نازل فرمایا آپ ﷺ نے وہی دین اور وہی ہدایت بعینہ بلاکم وکاست صحابہ کو پہنچادی اور صحابہ کرام ؓ نے اس سے وہی بات سمجھی جو آنحضرت ﷺ کی مراد تھی اور پھر صحابہ نے وہی ہدایت تابعین کو پہنچائی اور تابعین نے تبع تابعین کو وعلی ہذا القیاس۔ یہی مذہب اہل سنت کا ہے پس اب جو فرقہ یہ کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو دین تو پہنچایا لیکن وہ اس کی مراد کو نہ سمجھے یا جو فرقہ یہ کہتا ہے کہ صحابہ سمجھے تو سہی مگر سمجھنے کے بعد حرص وہوا کے اسیر ہوئے اور ہمیشہ حق چھپاتے رہے یہ دونوں فرقے بلاشک بدعتی ہیں اول فرقہ معتزلہ کا ہے۔ جو یہ کہتا ہے کہ حدیث میں جو "انکم سترون ربکم" آیا ہے اس سے علم یقینی کے معنی مراد ہیں نہ کہ رؤیت حقیقی صحابہ دقت معنی اور غموض مفہوم کی وجہ سے بات کو نہ سمجھ سکے۔

اور دوسرا فرقہ شیعوں کا ہے۔ جو یہ کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علی ؓ کی خلافت کے متعلق صریح حکم دیا تھا مگر صحابہ نے نفسانی اغراض کی بناء پر اس کا اخفاء کیا اور گنہگار ہوئے سو از روئے تحقیق یہ دونوں فرقے بلاشبہ بدعتی ہیں کیونکہ آیت مذکورہ سے مراد خداوندی یہ ہے کہ اللہ کا دین ضرور بالضرور ظاہر ہو کر رہے گا یہ ممکن نہیں کہ کوئی اللہ کی مراد کو درہم برہم کر سکے اور جو درہم برہم ہونے کا قائل ہو وہ کاذب اور مفتری ہے۔

سبحنك هذا بهتان عظيم

ابطال تقیہ [1]

۱- نیز آیت مذکورہ یعنی ﴿هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ صاف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بعثت نبوی سے مقصود خداوندی یہ ہے کہ دین حق کو تمام دینوں پر غالب اور ظاہر کردے اور ظاہر ہے کہ جب اللہ کا ارادہ اظہار کا ہوگا تو پھر کون چھپا سکے گا تو اس سے تقیہ کی گردن ہی ٹوٹ گئی اس لیے کہ تقیہ دین کے چھپانے کو کہتے ہیں۔

۲- اللہ تعالیٰ نے انبیاء ؑ کو اس لیے مبعوث فرمایا کہ وہ بےخوف ونڈر ہو کر اللہ کے احکام اور اس کے پیغام بندوں کو پہنچائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ انبیاء کے حق میں فرماتے ہیں ﴿الَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَیَخْشَوْنَهٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ﴾۔ یعنی انبیاء کے اوصاف یہ ہیں کہ وہ اللہ کے پیغام پہنچاتے ہیں اور صرف اللہ ہی سے ڈرتے ہیں اور سوائے اللہ کے کسی سے نہیں ڈرتے۔

۳- اور نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تبلیغ کا حکم دیا اور فرمایا، ﴿یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ﴾ اور چونکہ علی الاعلان اور صاف طور پر حکم خداوندی کے پہنچانے میں دشمنوں کی طرف سے مضرت کا اندیشہ تھا تو فرمایا ﴿وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ

---

[1] یہ تمام مضمون ہدیۃ الشیعہ مصنفہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ سے ماخوذ ہے۔

مِنَ النَّاسِ﴾ یعنی آپ لوگوں سے ڈر کر حق کو نہ چھپائیں ہم آپ کی عصمت اور حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔

۴- چنانچہ سورۂ حجر میں ارشاد فرماتے ہیں ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ﴾۔ یعنی آپ ﷺ لوگوں کو دین کی بات کھول کر صاف صاف سنا دیں اور مشرکین کی پرواہ نہ کریں معاذ اللہ اگر انبیاء تقیہ کرنے لگتے اور منہ پر مہر سکوت لگا کر بیٹھ جاتے تو حق کیسے ظاہر ہوتا اور تمام قرآن کریم اس بات سے بھرا پڑا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے دشمنوں کی قوت وشوکت اور اپنی بے کسی اور بے بسی کا لحاظ کر کے کبھی بھی اظہار حق اور اعلان حق میں دریغ نہیں کیا اور کبھی دشمنوں سے ڈر کر تقیہ نہیں کیا۔

۵- حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور اظہار کلمۂ حق میں دشمنان دین سے جو ہوش ربا مصائب پہنچیں ان پر صبر کیا اور تقیہ نہیں کیا اگر تقیہ کرتے تو ان مصائب سے محفوظ رہتے۔

۶- حق جل شانہ مومنین کی شان میں فرماتے ہیں ﴿يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ﴾۔ یعنی اللہ کے محب اور محبوب بندے خدا کی راہ میں جہاد وقتال کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔

اب اہل تقیہ بتلائیں کہ کیا ان میں یہ وصف موجود ہے؟ ان میں یہ وصف کہاں سے آیا۔ بزدل ہیں ملامت سے ڈرتے ہیں سوائے خدا کے سب سے ڈرتے ہیں۔ اہل تقیہ کو لوگوں کے درمیان رسوائی خوف ہر وقت دامن گیر رہتا ہے اور تبلیغ احکام میں مداہنت کرتے ہیں معلوم نہیں کہ خدا کو کیا منہ دکھاویں گے؟

اور کشف الغمہ میں امام رضا رحمہ اللہ سے منقول ہے "لا ایمان لمن لا تقیة له فقیل یا ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی متی قال الی وقت یوم معلوم وھو خروج قائمنا فمن ترك التقیة قبل خروج قائمنا فلیس منا اور جامع الاخبار میں ہے قال النبی صلی اللہ لعیہ وسلم کتارك التقیة تارك الصلوۃ۔"

الغرض شیعوں کے نزدیک بغیر تقیہ کے ایمان ناتمام رہتا ہے اور تارک تقیہ بمنزلہ تارک صلوۃ کے ہے تو حضرات شیعہ بتلائیں کہ پھر دین کا اظہار اور اعلان اور دعوت اور تبلیغ کی کیا صورت ہے

۷- نیز کافروں سے خوف کی صورت میں ہجرت واجب ہے آیات قرآنیہ اس بات کے بیان سے بھری پڑی ہیں کہ جہاں اظہار حق اور دین پر عمل ممکن نہ ہو تو وہاں سے ہجرت کر جائیں ﴿اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ﴾ (یعنی میری زمین وسیع ہے کہیں چلے جاؤ اور جا کر میری عبادت کرو۔)

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۚ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۚ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ شیعوں کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ہجرت واجب تھی کہ کافروں اور منافقوں کو چھوڑ کر کہیں چلے جاتے۔ ساری عمر تقیہ ہی میں گزاری اور ہجرت نہ کی۔

۸- اگر آدمی کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر قدرت نہ ہو تو ان سے ترک تعلق واجب ہے اور ان کی مجالس میں

شرکت حرام ہے کما قال تعالیٰ: ﴿فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾۔

۹- حق جل شانہ کا ارشاد ہے ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾۔

صبر کی ضرورت حق گوئی اور اعلان حق میں ہوتی ہے تقیہ میں صبر کی ضرورت نہیں خاص کر جس مذہب میں حق دبا لینے کی تاکید ہو وہاں حق گوئی پر صبر کی نصیحت بے کار ہے۔

۱۰- نیز حضرات شیعہ سورۂ آل عمران کی اس آیت کو بھی پڑھیں، ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ﴾۔

یعنی بہت سے نبی ہوئے جن کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والوں نے دشمنان دین سے جہاد و قتال کیا سو اس راہ میں ان کو جو تکلیفیں پیش آئیں ان کے سبب نہ کچھ ڈھیلے ہوئے اور نہ سست ہوئے اور نہ کفار سے کچھ دبے اور نہ ان کے سامنے کچھ جھکے۔ اور اظہار حق اور اعلاء کلمۃ اللہ پر ڈٹے رہے اور اس راہ میں جو تکلیفیں پیش آئیں ان پر صبر کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ صابرین کو محبوب رکھتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اظہار حق کے سبب تکلیفوں پر صبر کرنے سے اللہ کا محبوب بنتا ہے تقیہ کر کے حق کو چھپانے سے اللہ کا محبوب نہیں بنتا۔ ہم خاک پائے غلامان اہل بیت کا عقیدہ یہ ہے کہ معاذ اللہ معاذ اللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کبھی تقیہ نہیں فرمایا ان کا ظاہر و باطن یکساں تھا وہ اسد اللہ الغالب تھے کوہ شجاعت تھے صاحب کرامت تھے مرکز کرامات وولایت تھے انہیں تقیہ کی کیا ضرورت تھی تقیہ تو کمزور اور خوف زدہ آدمی کیا کرتا ہے معلوم ہوا کہ حضرت امیر نے تمام زندگی جو خلفائے ثلاثہ کے ساتھ معاملہ رکھا وہ عین حقیقت اور عین مودت تھا معاذ اللہ محض ظاہرداری نہ تھی بفرض محال اگر خلفائے ثلاثہ کا کچھ ڈر تھا تو وہ ان کی زندگی تک تھا۔ اور جب ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما دنیا سے چلے گئے تو پھر کس چیز کا ڈر تھا کہ جو برسر منبر اپنے زمانہ خلافت میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت اور منقبت کو بیان فرماتے تھے۔ مثل مشہور ہے کہ مرے شیر سے تو گیدڑ بھی نہیں ڈرتے۔ پس اگر شیر خدا مری ہوئی روباہ سے ڈرنے لگیں تو قیامت آ گئی۔

نیز اگر حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تقیہ کیا تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تقیہ کیوں نہ کر لیا۔ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تقیہ کر لیتے تو بہت سے بہت یہ ہوتا کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ مارے جاتے تو وہ کون سے آپ کے عزیز و اقارب تھے جن کا آپ کو اس قدر پاس و لحاظ تھا۔ حضرت سید الشہداء رضی اللہ عنہ نے تو اپنے اہل و عیال اور لخت جگر کو اس دین کی بابت قتل کرا دیا اور اپنے آپ بھی جاں بحق ہوئے اور زن و فرزند اور ننگ و ناموس کا کچھ بھی لحاظ نہ فرمایا سید الشہداء رضی اللہ عنہ نے یہ سب کچھ گوارا کیا مگر یزید کے مقابلہ میں تقیہ کو گوارا نہیں فرمایا۔

حضرت امیر رضی اللہ عنہ اگر قاتلان عثمان کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیتے تو خلافت تو بنی رہتی اور باغی اور مفسد لوگ سب ہی آپ کے مطیع اور فرماں بردار ہو جاتے۔ اور دین کی ترقی ہوتی اور بایں ہمہ کچھ ہی سہی آخر قاتلان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ظالم تھے اور مظلوم نہ تھے اور ہمراہیان امام الشہداء رضی اللہ عنہ کے برابر بے گناہ بھی نہ تھے۔

اس لیے تمام اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف تقیہ کی نسبت یہ سب شیعوں کی تہمت ہے

﴿سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ﴾۔ ہم غلامانِ اہل بیت کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بلاشبہ شیر خدا تھے اور خدا کے محب اور محبوب تھے یہ ناممکن ہے کہ وہ کفار اور منافقین کے سامنے دب کر رہیں۔ اور ان کی خوشامد کرتے رہیں اور خوشامد میں اپنی بیٹی (ام کلثوم رضی اللہ عنہا) بھی ایک کافر اور منافق (عمر رضی اللہ عنہ) کو دے دیں یہ سب ناممکن اور محال ہے۔

اند کے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم   کہ آزردہ شوہ ورنہ سخن بسیار است

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ

اے ایمان والو بہت سے عالم اور درویش اہل کتاب کے کھاتے ہیں مال لوگوں کے

اے ایمان والو ! بہت عالم اور درویش اہل کتاب کے کھاتے ہیں مال لوگوں کے

بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا

ناحق اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے ف۱ اور جو لوگ گاڑھ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اس کو

ناحق، اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے۔ اور جو لوگ گاڑ رکھتے ہیں سونا اور روپا، اور

يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ

خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں سو ان کو خوشخبری سنا دے عذاب دردناک کی ف۲ جس دن کہ آگ دہکائیں گے اس مال پر دوزخ کی

خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں، سو ان کو خوشخبری سنا دکھ والی مار کی۔ جس دن آگ دھکاویں گے اس پر دوزخ کی،

فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا

پھر داغیں گے اس سے ان کے ماتھے اور کروٹیں اور پیٹھیں (کہا جائے گا) یہ ہے جو تم نے گاڑھ کر رکھا تھا اپنے واسطے اب مزہ چکھو

پھر داغیں گے اس سے ان کے ماتھے اور کروٹیں اور پیٹھیں، یہ ہے جو تم گاڑتے تھے اپنے واسطے، اب چکھو مزہ

مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

اپنے گاڑھنے کا ف۳

اپنے گاڑنے کا۔

ف۱ یعنی روپیہ لے کر احکام شریعہ اور اخبار الٰہیہ کو بدل ڈالتے ہیں۔ ادھر عوام الناس نے انہیں جیسے پہلے گزرا خدائی کا مرتبہ دے رکھا ہے جو کچھ غلط سلط کہہ دیں وہی ان کے نزدیک حجت ہے، اس طرح یہ علماء و مشائخ نذرانے وصول کرنے، ٹکے بٹورنے اور اپنی سیاست اور ریاست قائم رکھنے کے لیے عوام کو مکر و فریب کے جال میں پھنسا کر راہ حق سے روکتے رہتے ہیں، کیونکہ عوام اگر ان کے جال سے نکل جائیں اور دین حق اختیار کرلیں تو ساری آمدنی بند ہو جائے۔ یہ حال مسلمانوں کو سنایا تاکہ متنبہ ہو جائیں کہ امتوں کی خرابی اور تباہی کا بڑا سبب تین جماعتوں کا خراب و بے راہ ہونا اور اپنے فرائض کو چھوڑ دینا ہے۔ علماء و مشائخ اور اغنیاء و رؤساء۔ ان میں سے دو کا ذکر تو ہو چکا۔ تیسری جماعت (رؤساء) کا آگے آتا ہے۔ ابن المبارک نے خوب فرمایا وَهَلْ اَفْسَدَ الدِّيْنَ اِلَّا الْمُلُوْكُ وَاَحْبَارُ سُوْءٍ وَّرُهْبَانُهَا۔

ف۲ جو لوگ دولت اکٹھی کریں خواہ حلال طریقہ سے ہو مگر خدا کے راستہ میں خرچ نہ کریں (مثلاً زکوٰۃ نہ دیں اور حقوق واجبہ نہ نکالیں) ان کی یہ سزا ہے تو اسی سے ان احبار و رہبان کا انجام معلوم کرلو جو حق کو چھپا کر یا بدل کر روپیہ بٹورتے ہیں۔ اور ریاست قائم رکھنے کی غرض میں عوام کو خدا کے راستہ سے روکتے پھرتے ہیں۔ =

احبار اور رہبان کی حرص اور طمع کا بیان

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّھْبَانِ... الی ... فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ﴾

ربط:...... اوپر یہ بیان فرمایا کہ عوام الناس نے احبار اور رہبان کو اپنا رب بنالیا ہے اب یہ بتلاتے ہیں کہ ان احبار ور ہبان کی حرص اور طمع کا یہ حال ہے کہ وہ لوگوں سے روپیہ لے کر احکام شرعیہ اور اخبار الہیہ کو بدل ڈالتے ہیں اور اس مضمون کا مخاطب مومنین کو اس لیے بنایا کہ متنبہ ہو جائیں اور ایسے علماء اور مشائخ سے پرہیز کریں جو دنیا کی حرص اور طمع میں گرفتار ہیں ایسے گرفتارانِ آز وہوا کی تو تعظیم و تکریم بھی جائز نہیں چہ جائیکہ ان کو رب بنالیا جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو جب کہ تم کو دین حق کے ظہور کا اور تمام ادیان پر اس کے غالب ہونے کا یقین ہے تو اپنے دین پر قائم رہو اور ان احبار اور رہبان کی مخالفت کی پروانہ کرو اس لیے کہ تحقیق یہود و نصاریٰ کے بہت سے علماء اور مشائخ البتہ کھا جاتے ہیں لوگوں کے مال ناجائز طریقے سے یعنی رشوت لے کر احکام شریعت میں تحریف کرتے ہیں اور ان کی مرضی کے مطابق مسائل بتلا دیتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں یعنی دین اسلام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں اور جو لوگ حرص اور طمع کے بنا پر سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ یعنی زکوٰۃ نہیں دیتے اور اس کے حقوق واجبہ ادا نہیں کرتے۔ پس اے نبی ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے جس دن ان سونے اور چاندی کے خزانوں کو آگ میں تپایا جائے گا۔ پھر ان جلتے ہوئے دراہم و دنانیر سے ان کی پیشانیوں پر اور ان کی کروٹوں پر اور ان کی پیٹھوں پر داغ دیا جائے گا کیونکہ فقیروں کو دیکھ کر اول ان کی پیشانیوں پر بل پڑتے تھے اور پھر ان سے پہلو تہی کرتے تھے۔ اور پھر ان سے پشت پھیر لیتے تھے۔ اور داغ دیتے وقت ان سے یہ کہا جائے گا کہ یہ وہی خزانہ ہے جو تم نے اپنے نفع اور فائدہ کے لیے جمع کر رکھا تھا۔ اور خدا تعالیٰ کا حق ادا نہ کرنے کی وجہ سے آج تمہارے لیے باعث ضرر بنا۔ پس چکھو وبال اس کا جو تم ذخیرہ کر رکھتے تھے پس جو حرص اور طمع میں ایسے لوگوں کا اتباع کرے گا وہ عذاب میں بھی ان کا تابع ہوگا۔ جمہور صحابہ و تابعین علیہم الرضوان کا مذہب یہ ہے کہ آیت میں جس وعید کا ذکر ہے وہ اس شخص سے متعلق ہے کہ جو مال جمع کرے اور اس کی زکوٰۃ اور اس کے حقوق واجبہ کو ادا نہ کرے اور جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی وہ کنز نہیں اور اس کے جمع کرنے پر کسی قسم کی وعید نہیں خواہ ارب ہا ارب ہی کیوں نہ ہو۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں کو تشوش ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حاضر خدمت نبوی ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ آیت مسلمانوں پر بہت شاق گزری آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے زکوٰۃ کو اسی لیے فرض کیا کہ وہ تمہارے باقی مال کو پاک کر دے اور میراث کو اس لیے فرض کیا کہ وہ تمہارے پس ماندوں کے کام آئے عمر رضی اللہ عنہ یہ

= بہر حال دولت وہ اچھی ہے جو آخرت میں وبال نہ بنے۔

ف۳ بخیل دولت مند سے جب خدا کے راستہ میں خرچ کرنے کو کہا جائے تو اس کی پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں زیادہ کہو تو اعراض کر کے ادھر سے پہلو بدل لیتا ہے۔ اگر اس پر بھی جان نہ بچی تو پیٹھ پھیر کر چل دیتا ہے۔ اس لیے سونا چاندی تپا کر ان ہی تین موقعوں (پیشانی، پہلو، پیٹھ) پر داغ دیئے جائیں گے تاکہ اس کے جمع کرنے اور گاڑھنے کا مزہ چکھ لے۔

جواب سن کر از حد مسرور ہوئے اور فرط مسرت میں تکبیر کہی۔ "اخرجه ابن ابی شیبة فی مسند وابو داود وابو یعلی وابن ابی حاتم والحاکم وصححه وابن مردویه والبیهقی عن ابن عباس مرفوعا۔" (دیکھو تفسیر درمنثور: ۳/ ۲۳۲)

اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جیسے عابد وزاہد صحابہ قوت لا یموت سے زیادہ مطلقا مال کے جمع کرنے کو حرام بتلاتے تھے ان جیسا زہد اور تقوی اور توکل کس کو نصیب جو اس کا تصور بھی کر سکے۔

شریعت کا حکم یہ ہے کہ مال فی حد ذاتہ کوئی بری چیز نہیں بلکہ بہت سی نیکیوں کا ذریعہ ہے خواہ وہ ارب ہا ارب کیوں نہ ہو شریعت نے نہ ذاتی ملکیت کو ممنوع قرار دیا ہے اور نہ اس کی کوئی حد مقرر کی ہے البتہ اس میں حقوق واجب کیے حقوق واجبہ کے ادا کرنے کے بعد مال و دولت کی مضرت ختم ہو جاتی ہے اور اس کی منفعت باقی رہ جاتی ہے یہ عام حکم ہے جو عوام کے لیے ہے اور خواص کا حکم یہ ہے کہ قوت لا یموت کے علاوہ کسی درہم و دینار کو ان کے گھر میں رات گزارنے کی بھی اجازت نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین نے کبھی اپنے لیے کوئی مال جمع نہیں کیا۔ اور نہ مال جمع کرنے کو پسند کیا اور نہ مال جمع کرنے کے لیے کوئی حکم امتناع جاری کیا۔ خوب سمجھ لو اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے مال داروں کو زکوٰۃ دینے کا تو حکم دیا مگر یہ حکم کبھی نہیں کہ مال دار اپنی دولت سب پر برابر تقسیم کر دیں۔

مسئلہ:...... اس آیت سے اور دیگر احادیث سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال کیا کہ سونے اور چاندی کے زیورات پر زکوٰۃ واجب ہے تفصیل کے لیے کتب فقہ کو دیکھیں۔

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَٰبِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَٰوَٰتِ

مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں اللہ کے حکم میں جس دن اس نے پیدا کیے تھے آسمان

مہینوں کی گنتی اللہ پاس بارہ مہینے ہیں اللہ کے حکم میں، جس دن پیدا کئے آسمان

وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ

اور زمین ان میں چار مہینے ہیں ادب کے یہی ہے سیدھا دین ف۱ سو ان میں ظلم مت کرو اپنے اوپر

و زمین، ان میں چار ہیں ادب کے۔ یہی ہے سیدھا دین، سو ان میں ظلم نہ کرو اپنے اوپر،

ف۱ میرے نزدیک اوپر سے سلسلہ مضمون کا یوں ہے کہ گزشتہ رکوع میں مشرکین کے بعد اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے جہاد کرنے کا حکم دیا۔ پھر رکوع حاضر کے شروع میں بتلایا کہ ان کے عقائد اور طور و طریق بھی مشرکین سے ملتے جلتے ہیں۔ ان کا عزیر و مسیح کو خدا کا بیٹا کہنا ایسا ہی ہے جیسے مشرکین "ملائکۃ اللہ" کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے، بلکہ نصاریٰ میں "الٰہیت مسیح" کا عقیدہ مشرکین کی تقلید سے آیا ہے۔ وہ بتوں کو خدائی کا درجہ دیتے ہیں انہوں نے مسیح و روح القدس کو خدا ٹھہرا لیا۔ باوجود دعوائے کتاب کے احبار و رہبان کے احکام کو شریعت الٰہیہ کا بدل تجویز کر لیا یعنی احبار و رہبان رشوتیں لے کر اور حرام مال کھا کر جس چیز کو حلال یا حرام کر دیتے، احکام سماوی کی جگہ ان ہی کو قبول کر لیا جاتا۔ ان کا یہ طریقہ ٹھیک مشرکین کے طریقہ سے مشابہ ہے۔ ان کے سرکردہ بھی جس چیز کو چاہتے حلال و حرام ٹھہرا کر خدا کی طرف نسبت کر دیتے تھے جس کا ذکر "سورۂ انعام" میں مفصل گزر چکا، اور یہاں بھی اس کی ایک مثال بیان کی جاتی ہے۔ عرب میں قدیم سے معمول چلا آتا تھا کہ سال کے بارہ مہینوں میں سے چار مہینے "اشہر حرم" (خاص ادب و احترام کے مہینے) ہیں ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم، رجب ان میں خون ریزی اور جدال و قتال قطعاً بند کر دیا جاتا تھا۔ حج و عمرہ اور تجارتی کاروبار کے لیے امن و امان کے ساتھ آزادی سے سفر کر سکتے تھے۔ کوئی شخص ان ایام میں اپنے باپ کے =

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿٣٦﴾

اور لڑو سب مشرکوں سے ہر حال میں جیسے وہ لڑتے ہیں تم سب سے ہر حال میں اور جان لو کہ اللہ ساتھ ہے ڈرنے والوں کے ف۱

اور لڑو مشرکوں سے ہر حال، جیسے وہ لڑتے ہیں تم سے ہر حال۔ اور جانو کہ اللہ ساتھ ہے ڈر والوں کے۔

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ ۖ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا

یہ جو مہینہ ہٹا دینا ہے سو بڑھائی ہوئی بات ہے کفر کے عہد میں گمراہی میں پڑتے ہیں اس سے کافر حلال کر لیتے ہیں اس مہینہ کو ایک برس اور حرام رکھتے ہیں

یہ جو مہینہ ہٹا دینا ہے، سو بڑھائی بات ہے کفر کے عہد میں، گمراہی میں پڑتے ہیں اس سے کافر، چھٹا (کھلا) گنتے ہیں اس کو ایک برس اور ادب کا

لِيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ ۚ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ

دوسرے برس تاکہ پوری کرلیں گنتی ان مہینوں کی جو اللہ نے ادب کے لیے رکھے ہیں، پھر حلال کر لیتے ہیں جو مہینہ کہ اللہ نے حرام کیا بھلے کر دیے گئے ان کی نظر میں

گنتے ہیں ایک برس کہ پوری کرلیں گنتی جو اللہ نے رکھی ادب کی، پھر حلال کرتے ہیں جو منع کیا اللہ نے، بھلے دکھائے ہیں ان کو

أَعْمَالِهِمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٣٧﴾

ع ۸ / ۱۱

ان کے برے کام، اور اللہ راستہ نہیں دیتا کافر لوگوں کو ف۲

برے کام۔ اور اللہ راہ نہیں دیتا منکر قوم کو۔

= قاتل سے بھی تعرض نہ کرتا تھا۔ بلکہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اصل ملت ابراہیمی میں یہ چار ماہ "اشہر حرم" قرار دیے گئے تھے۔ اسلام سے ایک مدت پہلے جب عرب کی وحشت و جہالت حد سے بڑھ گئی اور باہمی جدال و قتال میں بعض بعض قبائل کی درندگی اور انتقام کا جذبہ کسی آسمانی یا زمینی قانون کا پابند نہ رہا، تو "نسی" کی رسم نکالی یعنی جب کسی زور آور قبیلہ کا ارادہ ماہ محرم میں جنگ کرنے کا ہوا تو ایک سردار نے اعلان کر دیا کہ امسال ہم نے محرم کو اشہر حرم سے نکال کر اس کی جگہ صفر کو حرام کر دیا۔ پھر اگلے سال کہہ دیا کہ اس مرتبہ حسب دستور قدیم محرم حرام اور صفر حلال رہے گا۔ اس طرح سال میں چار مہینوں کی گنتی تو پوری کر لیتے تھے لیکن ان کی تعیین میں حسب خواہش ردوبدل کرتے رہتے تھے۔ ابن کثیر کی تحقیق کے موافق "نسی" (مہینہ آگے پیچھے کرنے) کی رسم صرف محرم و صفر میں ہوتی تھی۔ اور اس کی وہی صورت تھی جو اوپر مذکور ہوئی امام مغازی محمد ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ پہلا شخص جس نے یہ رسم جاری کی "قلمس" کنانی تھا۔ پھر اس کی اولاد در اولاد یوں ہی ہوتا چلا آیا۔ آخر میں اسی کی نسل سے "ابو ثمامہ جنادہ بن عوف کنانی" کا معمول تھا کہ ہر سال موسم حج میں اعلان کیا کرتا کہ امسال محرم اشہر حرم میں داخل رہے گا یا صفر۔ اسی طرح محرم و صفر میں سے ہر مہینہ کبھی حلال اور کبھی حرام کیا جاتا تھا۔ اور عام طور پر لوگ اسی کو قبول کر لیتے تھے گویا عہد جاہلیت میں کافروں کے کفر و گمراہی کو بڑھانے والی ایک چیز یہ بھی تھی کہ خدا کے حلال یا حرام کیے ہوئے مہینہ کو بدل ڈالنے کا حق کنانہ کے ایک سردار کو سونپ دیا گیا تھا۔ ٹھیک اسی طرح یہود و نصاریٰ کا حال تھا کہ انہوں نے تحلیل و تحریم کی باگ طامع اور غرض پرست احبار و رہبان کے ہاتھ میں دے دی تھی۔ دونوں جماعتوں کی مشابہت ظاہر کرنے کے لیے "نسی" کی رسم کا یہاں ذکر کیا گیا اور ﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ﴾ الخ اس کے رد کی تمہید ہے۔ یعنی آج سے نہیں جب سے آسمان و زمین پیدا کیے خدا کے نزدیک بہت سے احکام شرعیہ جاری کرنے کے لیے سال کے بارہ مہینے رکھے گئے ہیں جن میں سے چار اشہر حرم (ادب کے مہینے) ہیں جن میں گناہ و ظلم سے بچنے کا اور زیادہ اہتمام کرنا چاہیے۔ یہی سیدھا دین (ابراہیم علیہ السلام کا) ہے۔

ف۱ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ اس آیت سے نکلتا ہے کہ کافروں سے لڑنا ہمیشہ روا ہے (چنانچہ "غزوہ تبوک" جس کا آگے ذکر آتا ہے۔ ماہ رجب میں ہوا) اور آپس میں ظلم کرنا ہمیشہ گناہ ہے۔ ان مہینوں میں زیادہ، اکثر علماء کی رائے یہی ہے لیکن بہتر ہے کہ اگر کوئی کافر ان مہینوں کا ادب کرے تو ہم بھی اس سے لڑائی کی ابتداء نہ کریں۔

ف۲ یعنی برے کام کو اچھا سمجھ رہے ہیں۔ جب سمجھ الٹ جائے تو بھلائی کا راستہ کہاں ملے۔ اس آیت میں جو رسم نسی کا ذکر فرمایا ہے، اس کی تفصیل گذشتہ آیت کے فوائد زیر آیت ﴿ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ﴾ میں گزر چکی۔ .... =

عود بذکر بعض جہالات مشرکین عرب

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ... الی... وَاللهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں اہل کتاب سے قتال کا حکم دیا اور پھر ان سے جہاد وقتال کے وجوہ بیان کیے اور کلام کو ان کی حرص اور طمع کے بیان پر ختم کیا کہ اس حرص اور طمع نے ان کے دین اور دنیا کو خراب کیا۔ اب پھر مشرکین عرب کی بعض جہالتوں کو بیان کرتے ہیں۔ تحقیق مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں جو قمری ہیں کتاب الٰہی یعنی لوح محفوظ یا حکم خداوندی میں اسی طرح لکھا جا چکا ہے جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے ادب اور احترام کے ہیں تین مہینے متصل ہیں ذی قعدہ اور ذی الحجہ اور محرم اور چوتھا مہینہ رجب جو اکیلا ہے۔ عرب میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے وقت سے یہ دستور چلا آ رہا تھا کہ سال کے بارہ مہینوں میں چار مہینے اشہر حرم خاص ادب اور احترام کے مہینے سمجھے جاتے تھے۔ یعنی ذی قعدہ اور ذوالحجہ اور محرم اور رجب اور ان چار مہینوں میں قتل وقتال اور جنگ وجدال سب حرام سمجھا جاتا تھا۔ اور قتل وغارت کا بازار بالکل بند ہو جاتا تھا۔ لوگ ان مہینوں میں امن وامان کے ساتھ سفر کرتے کوئی کسی سے تعرض نہ کرتا حتیٰ کہ کوئی اپنے دشمن کو اور اپنے باپ کے قاتل کو بھی نہ چھیڑتا لیکن اس کے ساتھ ایک عجیب بدعت ایجاد کر رکھی تھی کہ جب کسی زور آور قبیلہ کو ماہ محرم میں کسی سے لڑنے کی ضرورت پیش آتی تو ایک سردار یہ اعلان کر دیتا کہ امسال ہم نے محرم کو اشہر حرم سے نکال کر اس کی جگہ صفر کو ماہ حرام قرار دے دیا ہے پھر اگلے سال یہ کہہ دیا کہ قدیم دستور کے مطابق محرم حرام اور صفر حلال رہے گا اس طرح عرب کبھی مہینوں کو آگے پیچھے کر لیا کرتے تھے۔ اس طرح سے عرب سال بھر میں چار مہینوں کی گنتی تو پوری کر لیتے لیکن ان کی تعیین میں حسب خواہش ردوبدل کرتے رہتے تھے۔ چار مہینوں کی تحریم کے تو قائل تھے مگر تخصیص اور تعیین کے قائل نہ تھے حسب ضرورت جس مہینہ کو چاہتے حلال اور جس کو چاہتے حرام کر لیتے ان آیتوں میں حق تعالیٰ شانہ نے ان کی اس جہالت کا رد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک سال کے بارہ مہینوں میں سے چار مہینے ادب اور احترام کے مقرر اور معین ہیں ان میں کوئی تغیر وتبدل جائز نہیں۔ یہی دین مستقیم ہے یعنی بارہ مہینوں میں سے چار مہینوں کو بلا کسی تغیر وتبدل کے اور کسی تقدیم وتاخیر کے اشہر حرم قرار دینا یہی صحیح دین ہے جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے وقت سے چلا آ رہا ہے اور جاہلیت کی یہ رسم کہ جس مہینہ کو چاہا حلال بنا لیا اور جس کو چاہا حرام بنا لیا یہ بے دینی اور گمراہی ہے۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ دین کے معنی حساب کے ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ یہی حساب صحیح اور درست ہے۔ پس اے مسلمانو! تم ان چار مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم مت کرو۔ یعنی دین قیم کا اتباع کرو اور جاہلیت کے طریقہ پر مت چلو اور محرم کو صفر اور صفر کو محرم نہ بناؤ۔ اللہ کے حکم کو بدلنا یہی ظلم ہے۔ یہ چار مہینے محترم ہیں۔ انکے ادب اور احترام کو ملحوظ رکھو اللہ نے ان چار مہینوں کو خاص

= (تنبیہ) بعض اقوام جو اپنے مہینوں کا حساب درست رکھنے کے لیے لوند کا مہینہ ہر تیسرے سال بڑھاتی ہیں وہ نسی میں داخل نہیں۔ اور بعض اکابر سلف سے جو نسی کے تحت میں یہ منقول ہے کہ عرب جاہلیت میں سال کے مہینوں کے عدد بدل ڈالتے تھے، مثلاً بارہ کے چودہ مہینے بنا لیے، یا حساب میں ایسی گڑبڑ کی کہ جو ذوالقعدہ تھا وہ ذوالحجہ بن گیا حتیٰ کہ ۹ھ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حج بھی ان کے حساب سے ذیقعدہ میں ہوا۔ اور حدیث إِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهٖ الخ کی تقریر بھی اسی اصول کے موافق کی گئی۔ ان سب چیزوں پر حافظ ابن کثیر نے تعقب کیا ہے من شاء فلیراجعہ یہاں اس پر مفصل بحث کی گنجائش نہیں۔ اگر مستقل تفسیر قرآن لکھنے کی توفیق ہوئی جیسا کہ ارادہ ہے تو وہاں تفصیل سے کلام کیا جائے گا۔

بزرگی عطا کی ہے ان مہینوں میں گناہ کرنا ایسا ہے جیسا کہ حدود حرم اور حالت احرام میں گناہ کرنا اور بہت ہی زیادہ سخت ہے۔
لہٰذا ان چار مہینوں میں کسی سے ناحق قتال نہ کرو یہ حرمت والے مہینے ہیں اور البتہ قتال حق کی ہر وقت اور ہر زمانے میں اجازت ہے لہٰذا تم سب مل کر ان مشرکین سے لڑو ان حرمت والے مہینوں میں بھی اور ان کے سوا اور مہینوں میں بھی جیسا کہ وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں یعنی دشمنوں سے لڑنے پر سب متفق رہو۔ اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو جیسا کہ وہ سب مل کر متفقہ طور پر تم سے قتال کرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ کافروں سے جہاد و قتال حق ہے ان سے جہاد کرنے کے لیے کسی مہینہ کی قید نہیں لہٰذا تم کافروں سے حرمت والے مہینوں میں اور اس کے سوا دوسرے مہینوں میں بھی جہاد و قتال کرو جیسے وہ تم سے بلا کسی قید اور بلا کسی تعیین کر کے لڑتے ہیں۔ ان چار مہینوں میں ناحق قتال کی ممانعت ہے اور کافروں سے جہاد و قتال حق ہے اس کی ممانعت نہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”اس آیت سے یہ نکلتا ہے کہ کافروں سے لڑنا ہمیشہ روا ہے (جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے اہل طائف کا محاصرہ ماہ ذیقعدۃ الحرام میں جو چالیس دن تک جاری رہا اور غزوہ تبوک جس کا ذکر آگے آتا ہے وہ ماہ رجب الحرام میں واقع ہوا) اور آپس میں ظلم کرنا (یعنی معصیت) ہمیشہ گناہ ہے اور ان مہینوں میں اور زیادہ ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اگر کوئی کافر ان مہینوں کا ادب کرے تو ہم بھی اس سے لڑائی کی ابتداء نہ کریں“۔
(موضح القرآن)

اور حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ تحریر فرماتے ہیں: ”مترجم گوید: در دین حضرت ابراہیم علیہ السلام مقرر بود کہ در محرم و رجب و ذی قعدہ و ذی الحجہ با یک دیگر جنگ نکنند و اہل جاہلیت ایں حکم را تحریف کردہ گاہے صفر را محرم می ساختند و محرم را صفر و علی ہذا القیاس و ایں را نسی می گفتند خدائے تعالیٰ اصل ایں حکم را باقی داشت بایں وجہ کہ جنگ ناحق ہیچ گاہ درست نیست و دریں ماہہا حرمت آں مغلظ می شود و جنگ با کافراں ہمہ وقت درست است و نفی تحریف ایشاں فرمود وقولہ تعالیٰ: ﴿فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ﴾ یعنی پس ستم نکنید درآں چہار ماہ بر خویشتن یعنی بقتال ناحق“ انتھی کلامہ۔

مطلب یہ ہے کہ ملت ابراہیمی میں یہ چار مہینے ادب اور احترام کے تھے اللہ تعالیٰ نے اصل حکم کو یعنی ان کی حرمت کو برقرار رکھا اور مشرکین عرب نے جو اس میں تحریف کی تھی اس کی نفی فرمادی۔

اور جان لو کہ اللہ کی نصرت اور حفاظت خدا سے ڈرنے والوں کے ساتھ ہے اور تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ جاہلیت کی رسم سے پرہیز کرو آگے جاہلیت کی رسم اور اس کی قباحت اور مضرت کو بیان کرتے ہیں۔ جز ایں نیست کہ مہینوں میں آگے پیچھے کرنا یہ کفر میں زیادتی ہے اس لیے کہ خدا کی حلال کردہ روشنی کو حرام ٹھہرانا اور اس کی حرام کردہ چیز کو حلال ٹھہرانا یہ دوسرا کفر ہے جس کی وجہ سے پہلے کفر میں اور زیادتی ہوگئی اور یہ تحریم و تحلیل کفر بر کفر اور معصیت بالائے معصیت بن گئی (دیکھو احکام [1] القرآن للامام الجصاص: ۳/ ۱۱۲)

[1] اور ایسا ہی تفسیر البحر المحیط: ۵/ ۴۰ میں ہے، قال ابو حیان واخبر ان النسیئ زیادۃ فی الکفر ای جاءت مع کفرھم لان الکافر اذا احدث معصیۃ ازداد کفرا قال تعالیٰ ﴿فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ﴾ کما ان المؤمن اذا احدث طاعۃ ازداد ایمانا قال تعالیٰ: ﴿فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ﴾ انتھی۔

اس رسم بد کے ذریعے گمراہ کیا جاتا ہے ان لوگوں کو جو کافر ہیں اس طور پر کہ نفسانی اغراض کی بنا پر ایک سال ایک مہینہ کو حلال کر لیتے ہیں اور پھر دوسرے سال اسی مہینہ کو حرام ٹھہرا لیتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اشہر حرم میں سے بوقت ضرورت جس مہینہ کو چاہا حلال کر لیا اور جس کو چاہا حرام ٹھہرا لیا یہی نسئ ہے جس سے ان کے کفر سابق میں زیادتی ہوتی ہے ان کی غرض یہ ہے کہ بلا تخصیص و تعیین ان مہینوں کی گنتی کو پورا کر لیں۔ جن کو اللہ نے محترم بنایا ہے پھر اپنی ضرورت اور مصلحت کی بنا پر اس تدبیر سے اس مہینہ کو حلال بنا لیں جس کو اللہ نے حرام کیا ہے ان کے برے اعمال ان کی نظروں میں مزین کر دیئے گئے ہیں اور اللہ ایسے کافروں کو توفیق نہیں دیتا کہ جو احکام خداوندی میں تحریف کرتے ہوں اور حرام کو حلال اور حلال کو حرام بناتے ہوں وہ خدا کی توفیق سے محروم ہو جاتے ہیں۔

نکتہ:...... جس طرح مشرکین عرب حرام کو حلال اور حلال کو حرام بناتے تھے اور قبیلہ کے سردار کو اس تحلیل و تحریم کا اختیار تھا اسی طرح یہود اور نصاریٰ نے تحلیل و تحریم کی باگ اپنے احبار اور رہبان کے ہاتھ میں دے دی تھی اس لیے دونوں جماعتوں کی مشابہت بیان کرنے کے لیے یہ رسم یہاں بیان کی گئی کہ جس طرح مشرکین عرب نے اپنے سردار کے کہنے سے ملت ابراہیمی کے حکم میں تحریف کی اور اس میں تغیر و تبدل کیا اور باوجود اس کے اپنے آپ کو ملت ابراہیمی کا متبع سمجھتے ہیں اسی طرح یہود ونصاریٰ، تحلیل و تحریم میں اپنے احبار اور رہبان کا اتباع کرتے ہیں اور باوجود اس کے اپنے کو شریعت موسویہ اور شریعت عیسویہ کا متبع سمجھتے ہیں۔

یہاں تک براءت کا مضمون ختم ہوا جس کا تعلق مشرکین عرب سے تھا اب آئندہ غزوہ تبوک کا مضمون شروع ہوتا ہے جس کا تعلق اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے ہے۔

مسئلہ:...... علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ ان چار مہینوں میں اب جہاد و قتال جائز ہے یا گناہ ہے بعض علماء تابعین اس طرف گئے ہیں کہ ان چار مہینوں میں اب بھی لڑائی حرام ہے، کما قال تعالیٰ: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ. قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ﴾ یعنی ان چار مہینوں میں کفار سے ابتداء بالقتال کرنا ممنوع ہے لیکن اگر ابتداء کافروں کی طرف سے ہو تو پھر بطور مدافعت اور انتقام ان سے جہاد کرنا ممنوع نہیں بلکہ واجب ہے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ﴾ وقال تعالیٰ: ﴿وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ. فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ﴾۔

اور یہ قول عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ سے منقول ہے اور جمہور فقہاء یہ کہتے ہیں کہ یہ حرمت آیت سیف سے اور دیگر آیات قتال سے منسوخ ہو چکی ہے۔ آیت ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور ﴿قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً﴾ سے تقریباً ستر آیتیں منسوخ ہوئیں جن میں کفار سے قتال کی ممانعت مذکور تھی۔ اور احادیث بھی اسی کی مؤید ہیں اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے اہل طائف کا محاصرہ ماہ ذیقعدۃ الحرام میں کیا اور وہ محاصرہ چالیس دن تک رہا۔ اور غزوہ تبوک جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ وہ ماہ رجب الحرام میں واقع ہوا۔

مسئلہ:...... شریعت میں قمری حساب کا اعتبار ہے اور قمری حساب سے سال کے بارہ مہینے میں تمام عبادات روزہ حج اور زکوۃ

سب میں قمری حساب کا اعتبار ہے احکام شرعیہ کا دارومدار قمری حساب پر ہے لہٰذا مسلمانوں پر قمری حساب کی حفاظت فرض علی الکفایہ ہے۔ اگر سب مسلمان قمری حساب کو چھوڑ کر شمسی حساب یا اور کوئی حساب اپنے لیے ٹھہرائیں جس سے قمری حساب ضائع ہوجائے تو سب مسلمان گنہگار ہوں گے شمسی حساب کا استعمال حسب ضرورت جائز ہے۔ مگر قمری حساب کو ضائع کردینا یہ گناہ ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى

اے ایمان والو تم کو کیا ہوا جب تم سے کہا جاتا ہے کہ کوچ کرو اللہ کی راہ میں تو گرے جاتے ہو زمین پر کیا خوش ہوگئے دنیا کی

اے ایمان والو ! کیا ہوا ہے تم کو؟ جب کہئے کوچ کرو اللہ کی راہ میں، ڈھے جاتے ہو زمین پر۔ کیا ریجھے دنیا کی

الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ

زندگی پر آخرت کو چھوڑ کر سو کچھ نہیں نفع اٹھانا دنیا کی زندگی کا آخرت کے مقابلہ میں

زندگی پر آخرت چھوڑ کر؟ سو کچھ نہیں دنیا کا برتنا، آخرت کے حساب میں،

اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ

مگر بہت تھوڑا ف۱ اگر تم نہ نکلو گے تو دے گا تم کو عذاب دردناک اور بدلے میں لائے گا اور لوگ تمہارے سوا اور کچھ نہ بگاڑ سکو گے

مگر تھوڑا۔ اگر نہ نکلو گے، تم کو دیگا دکھ کی مار، اور بدل لاوے گا اور لوگ تمہارے سوا اور کچھ نہ بگاڑو گے

ف۱ یہاں سے غزوہ تبوک کے لیے مومنین کو ابھارا گیا ہے گزشتہ رکوع سے پہلے رکوع میں ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ الخ سے اہل کتاب کے مقابلہ میں جہاد کرنے کی ترغیب دی گئی تھی۔ درمیان میں جو ذیلی مضامین آئے ان کا ربط موقع بہ موقع ظاہر ہوتا رہا ہے گویا وہ سب رکوع حاضر کی تمہید تھی۔ اور رکوع حاضر غزوہ تبوک کے بیان کی تمہید ہے۔ فتح مکہ و غزوہ حنین کے بعد ۹ھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ شام کا نصرانی بادشاہ (ملک غسان) قیصر روم کی مدد سے مدینہ پر چڑھائی کرنے والا ہے۔ حضور نے مناسب سمجھا کہ ہم خود حدود شام پر اقدام کر کے اس کا جواب دیں۔ اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور پر مسلمانوں کو حکم دیا کہ جہاد کے لیے تیار ہو جائیں۔ گرمی سخت تھی۔ قحط سالی کا زمانہ تھا کھجور کی فصل پک رہی تھی سایہ خوش گوار تھا۔ پھر اس قدر بعید مسافت طے کر کے جانا، اور نہ صرف ملک غسان بلکہ قیصر روم کی باقاعدہ اور سرد سامان سے آراستہ افواج سے نبرد آزما ہونا، کوئی کھیل تماشہ نہ تھا۔ ایسی مہم میں مومنین مخلصین کے سوا کس کا حوصلہ تھا کہ جانبازانہ قدم اٹھا سکتا۔ چنانچہ منافقین جھوٹے حیلے بہانے تراش کر کھسکنے لگے۔ بعض مسلمان بھی ایسے سخت وقت میں اس طویل وصعب سفر سے کترا رہے تھے۔ جن میں بہت سے تو آخر کار ساتھ ہو لیے اور گنے چنے آدمی رہ گئے۔ جن کو کسل و تقاعد نے اس شرف عظیم کی شرکت سے محروم رکھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً تیس ہزار سرفروش مجاہدین کا لشکر جرار لے کر حدود شام کی طرف روانہ ہو گئے اور مقام تبوک میں ڈیرے ڈال دیے۔ ادھر قیصر روم کے نام نامہ مبارک لکھا جس میں اسلام کی طرف دعوت دی گئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اس کے دل میں گھر کر گئی۔ مگر قوم نے موافقت نہ کی۔ اس لیے قبول اسلام سے محروم رہا۔ شام والوں کو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے کی اطلاع ہوئی تو قیصر روم سے ظاہر کیا۔ اس نے مدد نہ کی، ان لوگوں نے اطاعت کی مگر اسلام نہ لائے۔ تھوڑی مدت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں تمام ملک شام فتح ہوا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے غالب و منصور واپس تشریف لائے اور خدا نے بڑی بڑی سلطنتوں پر اسلام کی دھاک بٹھلا دی تو منافقین مدینہ بہت فضیحت ہوئے۔ نیز چند سچے مسلمان جو محض سستی اور کسل کی بنا پر نہ گئے تھے بے حد نادم و متحسر تھے۔ اس رکوع کے شروع سے بہت دور تک ان ہی واقعات کا ذکر ہے مگر زیادہ منافقین کی حرکات بیان ہوئی ہیں کہیں کہیں مسلمانوں کو خطاب اور ان کے احوال سے تعرض کیا گیا ہے۔ آیت حاضرہ میں مسلمانوں کو خطاب اور ان کے احوال سے تعرض کیا گیا ہے۔ آیت حاضرہ میں مسلمانوں کو بڑی شدت سے جہاد کی طرف ابھارا اور بتلایا ہے کہ تھوڑے سے عیش و آرام میں پھنس کر جہاد کو چھوڑنا گویا بلندی سے پستی کی طرف گر جانے کا مرادف ہے۔ مومن صادق کی نظر میں دنیا کے عیش و آرام کی آخرت کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہ ہونی چاہیے۔ حدیث میں =

شَيْـًٔا ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۳۹ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ

تم اس کا اور اللہ سب چیز پر قادر ہے ف۱ اگر تم نہ مدد کرو گے رسول کی تو اس کی مدد کی ہے اللہ نے جس وقت اس کو نکالا تھا

اس کا۔ اور اللہ سب چیز پر قادر ہے۔ اگر تم نہ مدد کرو گے رسول کی، تو اس کی مدد کی ہے اللہ نے، جس وقت اس کو نکالا

كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ

کافروں نے کہ وہ دوسرا تھا دو میں کا جب وہ دونوں تھے غار میں جب وہ کہہ رہا تھا اپنے رفیق سے تو غم نہ کھا بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے پھر اللہ نے اتاری

کافروں نے، دو جان سے، جب دونوں تھے غار میں، جب کہنے لگا اپنے رفیق کو، تو غم نہ کھا، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر اللہ نے

اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ

اپنی طرف سے اس پر تسکین اور اس کی مدد کو وہ فوجیں بھیجیں کہ تم نے نہیں دیکھیں اور نیچے ڈالی بات کافروں کی

اتاری اپنی طرف سے تسکین اس پر اور مدد کو اس کی بھیجیں وہ فوجیں، کہ تم نے نہ دیکھیں، اور نیچے ڈالی بات کافروں کی۔

وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۴۰ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا

اور اللہ کی بات ہمیشہ اوپر ہے اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ف۲ نکلو ہلکے اور بوجھل ف۳ اور لڑو

اور اللہ کی بات ہمیشہ اوپر ہے۔ اللہ زبردست ہے حکمت والا۔ نکلو ہلکے اور بوجھل، اور لڑو

=ہے کہ اگر خدا کے نزدیک دنیا کی وقعت پر پشہ کی برابر ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی کا نہ دیتا۔

ف۱ یعنی خدا کا کام تم پر موقوف نہیں۔ تم اگر سستی کرو گے وہ اپنی قدرت کاملہ سے کسی دوسری قوم کو دین حق کی خدمت کے لیے کھڑا کر دے گا۔ تم اس سعادت سے محروم رہو گے جو تمہارے ہی نقصان کا موجب ہے ۔

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی
منت شناس ازو کہ بخدمت گذاشتت

ف۲ یعنی بالفرض اگر تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کرو گے نہ سہی۔ ان کا منصور و کامیاب ہونا کچھ تم پر موقوف نہیں، ایک وقت پہلے ایسا آچکا ہے جب ایک یار غار کے سوا کوئی آپ کے ساتھ نہ تھا معدودے چند مسلمان مکہ والوں کے مظالم سے تنگ آ کر ہجرت کر گئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہجرت کا حکم ہوا مشرکین کا آخری مشورہ یہ قرار پایا تھا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک نوجوان منتخب ہو اور وہ سب مل کر بیک وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تلواروں کی ضرب لگائیں تاکہ خون بہا دینا پڑے تو سب قبائل پر تقسیم ہو جائے اور بنی ہاشم کی یہ ہمت نہ ہو کہ خون کے انتقام میں سارے عرب سے لڑائی مول لیں۔ جس شب میں اس ناپاک کارروائی کو عملی جامہ پہنانے کی تجویز تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بستر پر حضرت علی کو لٹایا، تاکہ لوگوں کی امانتیں احتیاط سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مالکوں کے حوالہ کر دیں اور حضرت علی کی تسلی فرمائی کہ تمہارا بال بیکا نہ ہوگا پھر خود بہ نفس نفیس ظالموں کے ہجوم میں سے "شاھت الوجوہ" فرماتے ہوئے اور ان آنکھوں میں خاک جھونکتے ہوئے صاف نکل آئے۔ حضرت ابوبکر صدیق کو ساتھ لیا اور مکہ سے چند میل ہٹ کر غار ثور میں قیام فرمایا۔ یہ غار پہاڑ کی بلندی پر ایک بھاری مجوف چٹان ہے۔ جس میں داخل ہونے کا صرف ایک راستہ تھا وہ بھی ایسا تنگ کہ انسان کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر اس میں گھس نہیں سکتا۔ صرف لیٹ کر داخل ہونا ممکن تھا۔ اول حضرت ابوبکر نے اندر جا کر اسے صاف کیا۔ سب سوراخ کپڑے سے بند کیے۔ کہ کوئی کیڑا کانٹا گزند نہ پہنچا سکے۔ ایک سوراخ باقی تھا، اس میں اپنا پاؤں اڑا دیا۔ سب انتظام کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اندر تشریف لانے کو کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صدیق رضی اللہ عنہ کے زانو پر سر مبارک رکھ کر استراحت فرما رہے تھے کہ سانپ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا پاؤں ڈس لیا۔ پاؤں کو حرکت نہ دیتے تھے مبادا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی استراحت میں خلل پڑے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھلی اور قصہ معلوم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعاب مبارک صدیق رضی اللہ عنہ کے پاؤں کو لگا دیا جس سے فوراً شفا ہو گئی، ادھر کفار "قائف" کو ہمراہ لے کر جو نشان =

بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

اپنے مال سے اور جان سے اللہ کی راہ میں یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم کو سمجھ ہے ف۱

اللہ کی راہ میں اپنے مال سے اور جان سے۔ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں، اگر تم کو سمجھ ہے۔

قصہ غزوۂ تبوک اور مسلمانوں کو جہاد وقتال کی تاکید اکید اور منافقوں کو تہدید شدید

قال اللہ تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ... الی... ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾

ربط: ...... شروع سورت میں مشرکین عرب سے براءت اور ان سے جہاد وقتال کا ذکر تھا اسی سلسلہ میں فتح مکہ اور غزوہ حنین کا ذکر کیا۔ بعد ازاں آیہ کریمہ ﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ الآیۃ میں اہل کتاب سے جہاد وقتال کا حکم دیا اب ان آیات میں غزوہ تبوک کا بیان ہے جو ایک نصرانی بادشاہ یعنی قیصر روم کے مقابلہ میں پیش آیا۔ قیصر روم کے مقابلہ میں جہاد و قتال کی ترغیب کے لیے ان آیات کا نزول ہوا اور ان لوگوں پر عتاب ہوا جنہوں نے اس غزوہ میں شرکت سے تخلف کیا۔

آنحضرت ﷺ جب فتح مکہ اور غزوۂ حنین سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ پہنچے تو آپ ﷺ کو یہ خبر ملی کہ روم کا نصرانی بادشاہ مسلمانوں پر حملہ کی غرض سے مقام تبوک میں فوج جمع کر رہا ہے جو اسی کی حدود میں واقع تھا۔

آپ ﷺ نے یہ ارادہ فرمایا کہ قبل اس کے کہ وہ حملہ آور ہو آپ ﷺ خود تبوک پہنچ کر اس کا مقابلہ کریں اس لیے آپ ﷺ نے ہجرت کے نویں سال مسلمانوں میں اس کا اعلان کر دیا تاکہ سب جہاد کے لیے تیار ہو جائیں اس سال مدینہ منورہ کے لوگ خشک سالی کی وجہ سے تنگ حالی میں مبتلا تھے اور سفر لمبا تھا اور سخت گرمی کا زمانہ تھا سامان جہاد کی قلت تھی اور ادھر مقابلہ پر قیصر روم کا لشکر جرار تھا جس کی طاقت اور کثرت کی کوئی حد نہ تھی۔ اس حالت کو دیکھ کر بعض مخلصین کی بھی ہمتیں

= پائے قدم کی شناخت میں ماہر تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے۔ اس نے غار ثور تک نشان قدم کی شناخت کی، مگر خدا کی قدرت کہ غار کے دروازہ پر مکڑی نے جالا تن لیا اور جنگلی کبوتر نے انڈے دے دیئے۔ یہ دیکھ کر سب نے قائف کو جھٹلایا اور کہنے لگے کہ یہ مکڑی کا جالا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے بھی پہلے کا معلوم ہوتا ہے۔ اگر اندر کوئی داخل ہوتا تو یہ جالا اور انڈے کیسے صحیح وسالم رہ سکتے تھے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اندر سے کفار کے پاؤں نظر پڑتے تھے۔ انہیں فکر تھی کہ جان سے زیادہ محبوب جس کے لیے سب کچھ فدا کر چکے ہیں دشمنوں کو نظر نہ پڑ جائیں۔ گھبرا کر کہنے لگے یا رسول اللہ! اگر ان لوگوں نے ذرا جھک کر اپنے قدموں کی طرف نظر کی تو ہم کو دیکھ پائیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر تیرا کیا خیال ہے ان دو کی نسبت جن کا تیسرا اللہ ہے، یعنی جب اللہ ہمارے ساتھ ہے تو پھر کس کا ڈر ہے۔ اس وقت حق تعالیٰ نے ایک خاص قسم کی کیفیت سکون و اطمینان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ابوبکر کے قلب مقدس پر نازل فرمائی اور فرشتوں کی فوج سے حفاظت و تائید کی۔ یہ اسی تائید غیبی کا کرشمہ تھا کہ مکڑی کا جالا جسے "اوھن البیوت" بتلایا ہے، بڑے بڑے مضبوط و مستحکم قلعوں سے بڑھ کر ذریعہ تحفظ بن گیا۔ اسی طرح خدا نے کافروں کی بات نیچی کی اور ان کی تدابیر خاک میں ملا دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین روز غار میں قیام فرما کر بعافیت تمام مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ بیشک انجام کار خدا ہی کا بول بالا رہتا ہے۔ وہ ہر چیز پر غالب ہے اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

(تنبیہ) بعض نے وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا سے بدر وحنین وغیرہ میں جو نزول ملائکہ ہوا وہ مراد لیا ہے مگر ظاہر سیاق سے وہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔ واللہ اعلم۔

ف۳ یعنی پیادہ اور سوار، فقیر اور غنی جوان اور بوڑھے جس حالت میں ہوں نکل کھڑے ہوں۔ نفیر عام کے وقت کوئی عذر پیش نہ لائیں۔

ف۱ یعنی دنیاوی اور اخروی ہر حیثیت سے۔

پست ہوئیں اور جانے میں کچھ تامل کرنے لگے اور منافقین تو اس اعلان سے دہل گئے کہ یہ بے سروسامان مسلمان آدھی دنیا کے عظیم فرماں روا کی قوت وطاقت کا کہاں مقابلہ کرسکیں گے۔ اس لیے منافقین تو چلنے سے حیلے اور بہانے کرنے لگے اور عذر ومعذرت کر کے آپ ﷺ سے اجازت چاہنے لگے اور قسمیں کھانے لگے کہ ہمیں یہ عذر ہے اور بعض مسلمانوں کو گرمی کی شدت اور سفر کی درازی اور بے سروسامانی کی وجہ سے طبعی طور پر کچھ تردد ہوا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں اول مسلمانوں کو اس طبع کاہلی اور پست ہمتی پر ملامت اور تنبیہ کی گئی اور غزوہ اور جہاد کی ترغیب دی گئی اور ترک جہاد پر ترہیب کی گئی اور کاہلی کرنے والوں پر تہدیدی عتاب اور وعیدی خطاب نازل ہوا اور ان کو یہ بتلا دیا گیا کہ اگر تم اس وقت رسول خدا کی مدد نہ کرو گے تو اس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ جس خدا نے اس سے پہلے ایک سخت وقت میں اپنے رسول ﷺ کی مدد کی ہے جب کہ اس کے ساتھ سوائے ایک فرد واحد یعنی ابوبکر ؓ کے کوئی بھی نہ تھا۔ اسی طرح وہ آئندہ بھی مدد کرے گا۔ اس کی مدد فوج ولشکر پر موقوف نہیں یہ سن کر مسلمان تو دل وجان سے تیار ہو گئے اور منافقین نے نہ جانے کے لیے حیلے بہانے بنانے شروع کیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان رکوعات میں منافقین کے جھوٹے حیلوں اور بہانوں کا پردہ فاش کیا۔ اسی وجہ سے اس کو غزوۂ فاضحہ بھی کہتے ہیں جس میں منافقین کی خوب فضیحت ورسوائی ہوئی اور ان کے نفاق کا پردہ چاک ہوا اور منشاء خداوندی بھی یہی تھا کہ منافقین کا نفاق سب پر ظاہر ہو جائے اب اس سورت میں زیادہ تر روئے سخن منافقین کی طرف ہے۔ صرف اخیر میں بعض مومنین مخلصین کی سستی اور کاہلی کے دو واقعوں کا اور ان کی توبہ کا ذکر ہے جو اخیر سورت میں آئے گا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو تم کو کیا ہو گیا تمہارا تو ایمان ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے جہاد وقتال اور وہ بھی نبی ﷺ کی معیت میں ایسی نعمت عظمیٰ ہے کہ دنیائے دوں کے تمام فوائد اور منافع اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں اور یہ بھی تمہارا ایمان ہے کہ دشمنوں کی کثرت اور تمہاری قلت سے وعدۂ خداوندی پر کچھ اثر نہیں پڑتا تو پھر اس ایمان کے بعد یہ سستی وکاہلی کہاں سے آئی۔ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں دین کے دشمنوں سے جہاد وقتال کے لیے نکلو تو تم زمین کی طرف گرے جارہے ہو یعنی تم کو جہاد میں اپنے گھروں سے نکلنا اور اپنی زمینوں اور باغوں کو چھوڑنا ناگوار ہوا تو گویا کہ تم بوجھل ہو کر زمین یعنی پستی کی طرف گرے جاتے ہو۔ اثقال کا طبعی میلان سفل (پستی) کی طرف ہوتا ہے۔

یہاں سے غزوۂ تبوک کا بیان شروع ہے چونکہ غزوۂ تبوک سخت گرمی کے موسم میں تھا اور ادھر باغات کے پھل توڑنے کا وقت قریب آ گیا تھا۔ اور دور کا سفر تھا اس لیے مسلمانوں کو اس غزوہ میں نکلنا دشوار گزرا اور گراں ہوا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور مسلمانوں پر عتاب فرمایا اور یہ تثاقل (گرانی) سب سے واقع نہیں ہوا تھا لیکن بعض کے فعل کو کل کی طرف نسبت کر دیا گیا کیا تم آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں دنیا کی چند روزہ زندگی پر راضی ہو گئے سو دنیاوی زندگانی کا نفع آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں مگر بہت تھوڑا بلکہ ہیچ ہے کیونکہ دنیا کی نعمتیں اور لذتیں فانی اور زائل ہو جانے والی ہیں۔ اور آخرت کی نعمتیں ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں اور عاقل اور دانا بڑی چیز کو چھوٹی چیز کی خاطر نہیں چھوڑتا اگر تم جہاد کے لیے نہ نکلو گے تو اللہ تم کو دردناک عذاب دے گا۔ اور اپنے دین اور رسول ﷺ کی مدد کے لیے تمہارے بدلے دوسرے لوگ لا

موجود کرے گا اور تم خدا کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکو گے خدا بے نیاز ہے اور اس کا رسول ﷺ اس کی پناہ میں ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے جس میں یہ تغیر وتبدل بھی داخل ہے اگر تم اس کے رسول کی مدد نہ کرو گے تو اس کا کیا نقصان ہے اپنا ہی ثواب کھوؤ گے۔ پس تحقیق اللہ اس کی اس وقت مدد کر چکا ہے جبکہ کافروں نے اس کو مکہ سے نکالا تھا۔ ایسے حال میں کہ وہ رسول ﷺ دو میں کا دوسرا تھا۔ یعنی جبکہ وہ صرف دو میں سے دوسرا [1] شخص تھا۔ مطلب یہ ہے کہ اس وقت غار میں صرف ایک آپ ﷺ تھے اور ایک ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور ان دو کے علاوہ کوئی تیسرا شخص آپ ﷺ کے ساتھ نہ تھا اس وقت اللہ نے آپ ﷺ کی مدد کی جب وہ دونوں غار ثور میں چھپے ہوئے تھے ہجرت کے وقت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اور دونوں غار ثور میں جا کر چھپے تو اس وقت رسول اللہ ﷺ دو میں کے دوسرے تھے۔

مقصود اس بیان سے یہ ہے کہ ہمارا پیغمبر تمہاری مدد کا محتاج نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد اس وقت کی جب اس کے ساتھ کل ایک ہی آدمی تھا پس جس خدا نے ایسے وقت میں مدد کی کہ جب سوائے ایک شخص کے کوئی آپ ﷺ کے ہمراہ نہ تھا، وہ اب بھی مدد کر سکتا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ غار ثور میں جا کر چھپے تو کافر سراغ لگاتے لگاتے عین غار کے منہ پر جا کھڑے ہوئے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ ماجرا دیکھ کر گھبرا گئے اور کہنے لگے کہ اگر کافر اپنے پاؤں کی طرف نظر کریں گے تو ہم کو دیکھ لیں گے تو اس وقت آپ اپنے ساتھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تسلی کی لیے یہ کہنے لگے تو غم نہ کر بیشک اللہ ہمیشہ [2] ہمیشہ کے لیے ہمارے ساتھ ہے وہ کبھی ہم سے جدا نہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ خدائے کریم جس کے ساتھ ہو اسے کیا ضرر پہنچ سکتا ہے بلکہ جس کے ساتھ خداوند کریم ہو اس کے دشمنوں کی خیر نہیں۔

حدیث میں ہے کہ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غار ثور میں آپ ﷺ سے یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر ان کافروں میں سے کسی نے اپنے قدموں کی طرف دیکھا تو وہ اپنے قدموں کے نیچے ہم کو دیکھ لے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوبکر! تیرا ان دو شخصوں کی نسبت کیا گمان ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے۔ اس آیت سے آنحضرت ﷺ کا کمال توکل ثابت ہوتا ہے کہ ایسی پریشانی کی حالت میں آپ ﷺ کو نہ کسی قسم کا اضطراب تھا اور نہ دشمنوں کا کچھ خوف تھا۔ یہ سمجھ رہے تھے کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے اور اپنے یار غار کو تسلی دے رہے تھے کہ تو کسی قسم کا اندیشہ نہ کر جب کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے تو کوئی ہمارا کیا کر سکتا ہے پس اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر پر اپنی خاص تسکین نازل کی یعنی اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ پر سکون اور اطمینان کی ایک خاص کیفیت نازل کی جس سے ایسا سکون اور اطمینان ہوا کہ دور دور بھی کہیں خوف وہراس اور پریشانی اور اضطراب کا نام ونشان نہ رہا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ تو آپ ﷺ کے پہلو ہی میں تھے اس سکینت اور طمانینت کے نزول سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تمام پریشانی دور ہوگئی سکینت کا نزول اگرچہ آنحضرت ﷺ کے قلب مقدس پر ہوا مگر اس سکینت کے

[1] قال الآلوسی، قولہ ثانی اثنین حال من ضمیرہ علیہ الصلوۃ والسلام ای حد اثنین من غیر اعتبار کونہ صلی اللہ علیہ وسلم ثانیاً فان معنی قولھم ثالث ثلاثۃ ورابع اربعۃ ونحو ذالک احد ھذہ الاعداد مطلقاً لا الثالث والرابع خاصۃ الخ (روح المعانی: ۱۰/۸۶ وقال ابن الجوزی فی زاد المیسر: ۳/۴۳۹ تقول العرب ھو ثانی اثنین ای احد الاثنین وثالث ثلاثۃ ای احد الثلاثۃ قال الزجاج اھ۔

[2] ﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ چونکہ جملہ اسمیہ ہے جو دوام اور استمرار پر دلالت کرتا ہے اس لیے ترجمہ میں لفظ "ہمیشہ ہمیشہ" کا بڑھا دیا گیا۔ منہ عفا اللہ عنہ۔

نازل کرنے سے مقصود ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تسلی اور تسکین تھی اس لیے اس سکینت کے انوار و برکات نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رنج وغم کو دور کر دیا اور بعد ازاں خود حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے یار غار کو تسلی دے دی اور سکینت اور طمانینت کا مژدہ جاں فزا سنا دیا جس کو سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ اور بھی مطمئن ہو گئے۔

جمہور علماء تفسیر کا مسلک یہ ہے کہ علیہ کی ضمیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ اور بعض علماء تفسیر یہ کہتے ہیں کہ علیہ کی ضمیر ﴿صَاحِبِهٖ﴾ یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہے کیونکہ اس آیت میں ﴿صَاحِبِهٖ﴾ کا ذکر سب سے زیادہ قریب میں واقع ہے اور بہتر یہ ہے کہ ضمیر قریب کی طرف راجع ہو نیز سکینت کا نزول خوف اور حزن کے دور کرنے کے لیے تھا اور حزن اور خوف ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو تھا نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو سکینت کے نزول ہونے سے پہلے ہی ساکن القلب اور مطمئن تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تسلی دے رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سکینت نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود خائف ہوتے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ تسلی کیسے دے سکتے تھے ایک خوف والا دوسرے خوف والے کو کیا تسلی دے۔ معلوم ہوا کہ اس سکینت کا نزول ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قلب پر ہوا تھا اور اسی قول کو امام رازی رحمہ اللہ نے تفسیر کبیر میں اختیار فرمایا ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر: ۴/۶۴۵)

بہر حال اگر سکینت کا نزول بلا واسطہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قلب پر ہوا تو بات واضح ہے اور اگر سکینت کا نزول بلا واسطہ قلب نبوی پر ہوا تو لامحالہ اس کا عکس ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قلب پر پڑا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات اس انعکاس کا واسطہ بنی۔ عجب نہیں کہ اس سکینت کے انوار و تجلیات اس قدر عظیم ہوں کہ سوائے رسول عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کے کوئی اور قلب بلا واسطہ ان کا تحمل نہ کر سکے اس لیے سکینت کے انوار و برکات ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قلب ان انوار و تجلیات کا تحمل کر سکے ایسا نہ ہو کہ وہ طور کی طرح تجلی خداوندی سے ریزہ ریزہ ہو جائے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

اور علاوہ سکینت وطمانینت کے اللہ نے اپنے پیغمبر کی بدر اور حنین کی طرح فرشتوں کے ان لشکروں سے مدد کی جن کو تم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا یعنی اللہ نے بلا سبب ظاہری کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی اول تو سکینت اور طمانینت کو نازل کیا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے فرشتوں کی فوج نازل کی اس طرح غیبی اسباب کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید اور تقویت کا سامان کیا جس کا ایک کرشمہ یہ ظاہر ہوا کہ مکڑی کا جالا جسے ﴿اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ﴾ کہا گیا وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حفاظت کے لیے مستحکم قلعہ سے بڑھ کر حفاظت کا ذریعہ بن گیا اس طرح حق تعالیٰ نے کافروں کی بات کو نیچا کر دیا یعنی وہ اپنے ارادہ میں ناکامیاب رہے۔ اللہ نے ان کی ساری تدبیر کو خاک میں ملا دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بخیر وعافیت مدینہ منورہ پہنچا دیا اور اللہ کی بات وہی اونچی ہے یعنی کلمۂ اسلام بلند اور بالا ہے اور قیامت تک بالا ہی رہے گا اور اللہ غالب اور عزت والا ہے جس کو چاہے اور جس طرح چاہے عزت اور غلبہ عطا فرمائے اور حکمت والا ہے۔ کبھی اسباب کے پردہ میں مدد کرتا ہے اور کبھی بلا اسباب کے مدد فرماتا ہے۔ اے مسلمانو! نکلو جہاد کے لیے ہلکے پھلکے اور بھاری بوجھل یعنی دونوں حالتوں میں جہاد کے لیے نکلو ہلکے ہونے کی حالت میں نشاط اور انبساط کا اجر ملے گا اور بوجھل ہونے کی حالت میں مشقت کا اجر ملے گا خفاف اور ثقال کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ خفاف اور ثقال سے سوار اور پیادے یا تندرست اور بیمار یا جوان اور بوڑھے یا محتاج اور مالدار یا نہتے اور ہتھیار والے یا بے عیال اور عیال دار مراد ہیں مطلب یہ ہے کہ ہر حالت میں جہاد کے لیے نکلو نفیر عام کے وقت کوئی عذر نہ کرو اگر تم سے

اور کچھ نہ ہو سکے گا تو مجاہدین کے مال ومتاع ہی کی حفاظت کرلو گے۔ غرض یہ کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر خفیف اور ثقیل کو نکلنے کا حکم دیا ہے۔ بے عیال ہلکے پھلکے ہیں اور عیال دار بوجھل، جوان ہلکے پھلکے ہیں اور بوڑھے بوجھل، سوار ہلکے پھلکے ہیں اور پیدل بوجھل وغیرہ وغیرہ اور اپنے مالوں اور جانوں سے خدا کی راہ میں جہاد کرو جان سے جہاد یہ ہے کہ خود جہاد میں شریک ہو اور مال سے جہاد کرنا یہ ہے کہ دوسرے مجاہدین کی مدد کرے اور اپنے روپیہ سے ان کے لیے سامان حرب مہیا کردے۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جانتے ہو کہ جہاد کرنے کا کیا ثواب ہے اور نہ کرنے کا کیا عذاب ہے اس حکم سننے کے بعد جتنے سچے مسلمان تھے سب بے عذر جہاد کے لیے آمادہ ہو گئے اور آنحضرت ﷺ کے پاس تیس ہزار فوج جمع ہو گئی اور آپ ﷺ نے تبوک کی جانب کوچ فرمایا۔

لطائف ومعارف

اس آیت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جو فضیلت نکلتی ہے وہ بالکل ظاہر ہے۔ واقعی، واقعۂ غار میں ان کی جاں نثاری قابل صد آفرین ہے۔ یار غار کی مثل جو دنیا میں مشہور ہے وہ یہیں سے چلی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھے صرف غار کی فضیلت دے دیں اور مجھ سے تمام عمر کی عبادت اور نیکیاں لے لیں تو میں اس پر راضی ہوں۔

امت مرحومہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اس وقت آنحضرت ﷺ کے رفیق غار صرف حضرت صدیق رضی اللہ عنہ تھے حتیٰ کہ مخالفین بھی اس کے مقر اور معترف ہیں۔ پس یہ ایک ایسی فضیلت ہے جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی شان عظمت کو واضح کر رہی ہے اور اگر عند اللہ آپ رضی اللہ عنہ کو شرف قبولیت حاصل نہ ہوتا تو آپ رضی اللہ عنہ کی اس فضیلت کو خصوصیت اور خاص شان کے ساتھ قرآن کریم میں ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ جس شب میں آنحضرت ﷺ نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنی جگہ پر سلایا اور خود ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رفاقت میں غار ثور کی طرف روانہ ہوئے بلاشبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی یہ جاں نثاری قابل تحسین وصد آفرین ہے۔

مگر حق جل شانہ نے اس آیت میں سفر ہجرت اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رفاقت کا بیان کیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سلانے کا واقعہ ذکر نہیں فرمایا اور قرآن کریم میں جو تشخیص وتعیین کے ساتھ اور صراحت ووضاحت کے ساتھ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رفاقت اور فضیلت کو بیان کیا ہے اس طرح کسی اور کی فضیلت کا بیان نہیں کیا پس جو شخص اس آیت کو پڑھے گا اس کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سرتاجِ اہل ایمان اور سالارِ قافلہ اہل عرفان ہونے میں کوئی شک نہیں رہ سکتا۔ اس آیت سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے جو فضائل ثابت ہوتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

۱- جب آنحضرت ﷺ کو کفار کی طرف سے اپنے قتل کا اندیشہ ہوا اور بحکم خداوندی آپ ﷺ نے ہجرت کا ارادہ فرمایا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایمان واخلاص اور ان کی صدق مودت پر کامل وثوق تھا ورنہ ایسے خطرہ کے وقت میں ہرگز ان کو ساتھ نہ لیتے کیونکہ اس صورت میں آپ ﷺ کو یہ اندیشہ ہوتا کہ کہیں یہ میرے دشمنوں کو میرے حال پر آگاہ نہ کردے یا کہیں آپ ہی مجھ کو قتل نہ کردے۔ معاذ اللہ، معاذ اللہ۔ رسول خدا کم عقل تو نہ تھے کہ دوست اور دشمن، مخلص اور منافق کو نہ پہچانتے ہوں اور حسب ارشاد باری

﴿فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ﴾ آنحضرت ﷺ منافق کو اس کے چہرے اور اس کی بات سے پہچان لیتے تھے کہ یہ شخص منافق ہے پس اگر بفرض محال شیعوں کے زعم کے مطابق ابوبکر رضی اللہ عنہ منافق تھے تو آنحضرت ﷺ پر باوجود نور نبوت اور کمال فراست کے ان کا نفاق کیسے مخفی رہا اور اگر بفرض محال حضور پرنور ﷺ پر مخفی رہا تو خداوند علام الغیوب پر کیسے مخفی رہا کہ اس نے اپنے پیغمبر کو سفر ہجرت میں ایک منافق کے ہمراہ لے جانے کا حکم دیا۔ شیعوں کے زعم کے مطابق تو خدا کو چاہئے تھا کہ بذریعہ وحی آپ کو منع کر دیتے کہ اس منافق کو ساتھ نہ لے جائیں بجائے ممانعت کے اس کی مدح اور منقبت میں آیتیں نازل ہوئیں۔

۲- حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حسن بصری رحمہ اللہ اور سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اس آیت میں حق تعالیٰ جل وعلا نے رسول اللہ ﷺ کی مدد نہ کرنے پر تمام عالم کو عتاب فرمایا مگر صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس عتاب سے مستثنیٰ کیا اور صرف مستثنیٰ ہی نہیں کیا بلکہ ایسے آڑے اور نازک وقت میں رسول خدا کی رفاقت اور مصاحبت اور معیت کو بطور مدح ذکر فرمایا۔

۳- ثانی اثنین: . . . خدا تعالیٰ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کا ثانی فرمایا اور ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ثانی وہی شخص ہو سکتا ہے جو حضور پرنور ﷺ کے بعد سب سے افضل اور برتر ہو چنانچہ کمالات علمیہ اور عملیہ میں بلاشبہ ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور پرنور ﷺ کے ثانی تھے جس کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے ازالۃ الخفاء میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور قرآن و حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ صدیق، نبی کا ثانی ہوتا ہے مقام نبوت ورسالت کے بعد مقام صدیقیت ہے۔

خدا تعالیٰ نے جب آنحضرت ﷺ کو مخلوق کی ہدایت کے لیے مبعوث کیا اور آپ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اسلام پیش کیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بلا تردد اسلام کو قبول کیا اور اپنے احباب خاص یعنی طلحہ اور زبیر اور عثمان بن عفان اور دیگر جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم پر اسلام پیش کیا یہ سب لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر ایمان لائے تو دعوت تبلیغ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے ثانی ہوئے اور امامت میں بھی آپ ﷺ کے ثانی ہوئے اور ساری عمر آپ ﷺ کے وزیر ومشیر رہے اور وفات کے بعد حضور پرنور ﷺ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ غرض یہ کہ از اول تا آخر ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ثانی رہے اور آخرت میں بھی ان شاء اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے ثانی ہوں گے۔

احادیث صحیحہ میں یہ وارد ہوا ہے کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غم ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی تسلی کے لیے یہ فرمایا:

"ماظنك باثنين، الله ثالثهما"۔

تیرا ان دو شخصوں کی نسبت کیا گمان ہے جن کا تیسرا اللہ ہے۔

اس سے بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کمال فضیلت ثابت ہوتی ہے اس پر بعض متعصب یہ اعتراض کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے تیسرے اور چوتھے ہونے سے کوئی فضیلت ثابت نہیں ہوتی جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ﴾ یعنی کوئی تین شخص ایسے نہیں کہ جب وہ سرگوشی کرتے ہوں تو ان کا چوتھا اللہ نہ ہو اور نہ پانچ ایسے ہیں جن کا اللہ چھٹا نہ ہو اور ظاہر ہے کہ یہ حکم ہر مومن اور کافر کے لیے عام ہے پس جب اللہ کا کسی

کے لیے چوتھا یا چھٹا ہونا موجب فضیلت نہیں تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ثانی اثنین ہونا کیسے موجب فضیلت ہو سکتا ہے جواب یہ ہے کہ اعتراض ناسمجھی پر مبنی ہے کیونکہ آیت ﴿مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ﴾ میں اللہ کا چوتھا یا چھٹا ہونا بلحاظ علم اور تدبیر اور احاطۂ قدرت کے ہے کہ وہ عالم الغیب ہے سب کے سرائر اور ضمائر پر مطلع ہے اس کو حق تعالیٰ نے موقع تعظیم میں ذکر نہیں کیا بخلاف آیت زیر تفسیر کے کہ اس میں خدا تعالیٰ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ثانی اثنین ہونا معرض تعظیم میں ذکر کیا ہے اور اس صفت کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔

خلاصۂ کلام:...... یہ کہ ایسے نازک موقع پر آنحضرت ﷺ کا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لینا اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کو یہ یقین کامل تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا باطن ان کے ظاہر کے مطابق ہے۔

۴-﴿إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾:......حق جل شانہ نے ﴿إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾ کے لفظ سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یار غار ہونا ظاہر کر دیا اور یار غار کی مثل یہیں سے چلی ہے جو شخص یاری اور غم گساری کا حق ادا کر دے اور اس کی محبت اور اخلاص انتہا کو پہنچ جائے تو ایسے محب مخلص کو محاورہ میں ''یار غار'' کہتے ہیں۔

۵-﴿لِصَاحِبِهِ﴾:...... خدا تعالیٰ نے اس آیت میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم ﷺ کا صاحب (ساتھی) قرار دیا یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت کے صاحب خاص اور مصاحب باختصاص تھے اور تمام شیعوں اور سنیوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں صاحبہ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔

اور عربی زبان میں صاحب اور صحابی کے ایک ہی معنی ہیں۔ پس یہ آیت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صحابیت پر نص قاطع ہے یہ رتبہ صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ملا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی صحابیت کو قرآن میں بیان کیا اسی وجہ سے علماء نے تصریح کی ہے کہ جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا منکر ہے وہ قرآن کی اس آیت کا منکر ہے اور قرآن کا منکر کافر ہے۔ اور علی ہذا، جن صحابہ کا صحابی ہونا احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے ان کی صحابیت کا انکار بھی کفر ہے البتہ جن صحابہ کا صحابی ہونا خبر واحد سے ثابت ہے ان کی صحابیت کا منکر کافر نہیں کہلائے گا بلکہ گمراہ اور بدعتی کہلائے گا۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک شخص سورۂ توبہ کی تلاوت کرتا ہوا جب اس آیت پر پہنچا یعنی ﴿إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ﴾ پر پہنچا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ سن کر رو پڑے اور یہ فرمایا کہ خدا کی قسم یہ صاحب میں ہی ہوں (تفسیر ابن جریر: ۹۶/۱۰)

۶-﴿لَا تَحْزَنْ﴾:...... جب مشرکین مکہ آنحضرت ﷺ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار تک پہنچے تو غار کے اندر سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نظر ان پر پڑی تو رونے لگے اور عرض کیا: یارسول اللہ! اگر میں مارا جاؤں تو فقط ایک شخص ہلاک ہوگا لیکن نصیب دشمناں اگر آپ ﷺ مارے گئے تو ساری امت ہلاک ہو جائے گی اس وقت آنحضرت ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تسلی کے لیے یہ ارشاد فرمایا ﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾۔ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ تم غمگین نہ ہو تسلی رکھو اور یقین جانو کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ (روض الانف: ۲/۴)

خدا تعالیٰ نے نبی کی زبانی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فرمایا ﴿لَا تَحْزَنْ﴾ یعنی غم نہ کر یہ نہی کا صیغہ ہے جو دوام اور تکرار پر دلالت کرتا ہے معلوم ہوا کہ اس واقعہ کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ پر کسی قسم کا خوف اور غم نہیں نہ موت سے پہلے اور نہ موت کے وقت اور نہ

موت کے بعد پس ثابت ہوا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ﴿لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾۔ (یعنی قیامت کے دن نہ ان پر کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے)

معاذ اللہ! معاذ اللہ! اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہوتے تو جب کافر غار کے منہ پر پہنچے تھے اس وقت ان کو چلانے اور یہ کہنے سے کون روکتا تھا کہ محمد جس کو تم ڈھونڈتے پھرتے ہو یہ اس غار میں میرے پاس بیٹھا ہے اور اور ان کے بیٹے عبدالرحمن رضی اللہ عنہ اور ان کی بیٹی اسماء رضی اللہ عنہا کو جو کھانا لے کر غار پر آتے جاتے تھے ان کو اس امر سے کون مانع تھا کہ وہ کفار سے کہہ دیتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ ہم کو معلوم ہے آؤ ہم تم کو وہاں لے چلیں۔ خدا ایسے تعصب سے ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔ آمین۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، بانی دارالعلوم دیوبند، قدس اللہ سرہ، ہدیۃ الشیعہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ لفظ لاتحزن جس کا مطلب یہ ہے کہ تو غمگین نہ ہو یہ لفظ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عاشق صادق اور مومن مخلص ہونے پر دلالت کرتا ہے ورنہ ان کو غمگین ہونے کی کیا ضرورت تھی بلکہ موافق عقیدہ شیعہ، معاذ اللہ، اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ دشمنِ رسول تھے تو یہ نہایت خوشی کا محل تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوب قابو میں آئے ہوئے ہیں اسی وقت پکار کر دشمنوں کو بلا لینا تھا تاکہ نعوذ باللہ وہ اپنا کام کر لیتے دشمنوں کے لیے اس سے بہتر اور کون سا موقع تھا مگر کہیں انصاف کی آنکھیں اگر مول ملیں تو ہم حضرات شیعہ کے لیے مول لے لیں اور ان کو دے دیں تاکہ وہ کچھ تو پاس رفاقت خلیفۂ اول کریں ۔

جو پاس مہر و محبت یہاں کہیں ملتا تو مول لیتے ہم اپنے مہرباں کے لیے

غار میں تنہائی تھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس تنہائی میں مار ڈالنے کا بہت اچھا موقع تھا وہاں کون پوچھتا تھا۔ مار کر کہیں چل دیتے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فرزند ارجمند یعنی عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ غار ثور پر جاسوسی کے لیے مقرر تھے انہیں کے ذریعہ دشمنوں کو اطلاع کرا دیتے یا اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ جو غار پر کھانا لے کر آیا کرتی تھیں ان کے ذریعہ دشمنوں کو اطلاع کرا دیتے اگر خاندان صدیقی کو کچھ بھی عداوت ہوتی تو یہ راز داری اور جاں نثاری کے معاملے نہیں ہو سکتے تھے۔

غرض یہ کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا رنجیدہ اور غمگین ہونا اور دشمنوں کو دیکھ کر رو دینا یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق اور محبت میں تھا اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی جان کا ڈر ہوتا تو بجائے حزن کے خوف کا لفظ مستعمل ہوتا اس لیے کہ عربی زبان میں حزن کا لفظ رنج و غم کی جگہ یا محبوب کے فراق یا تمنا کے فوت ہو جانے کے ہیں اور جہاں جان پر بنتی ہو اور ڈر کا مقام ہو وہاں خوف کا لفظ استعمال کرتے ہیں! چنانچہ موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر گئے اور پیغمبری ملی تو خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنے عصا کو زمین پر ڈالو۔ ڈالا تو اژدہا بن گیا موسیٰ علیہ السلام اس سے ڈر کر ایسے بھاگے کہ پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا اس وقت خداوند کریم نے یہ فرمایا

﴿يٰمُوسٰى لَا تَخَفْ إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُونَ﴾

''اے موسیٰ! ڈرو مت میرے پاس رسول ڈرا نہیں کرتے۔''

اس جگہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنی جان کا ڈر ہوا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی کے لیے یہ فرمایا لا تخف ڈرو مت اور یوں نہیں فرمایا۔ لا تحزن یعنی رنجیدہ اور غمگین نہ ہو۔ اور اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے جب ایک قبطی کو مار ڈالا اور ان کو ڈر ہوا کہ فرعون کے لوگ مجھ کو مار ڈالیں گے تو موسیٰ علیہ السلام وہاں سے ڈر کر بھاگے اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ﴿فَخَرَجَ مِنْهَا

﴿خَآئِفًا﴾ یعنی موسیٰ علیہ السلام وہاں سے ڈرتے ہوئے نکلے اور بیسیوں جگہ کلام اللہ میں خوف کا لفظ موجود ہے اور یہی معنی ہیں اور جہاں غم کا مقام ہے وہاں حزن کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جب حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ اندیشہ ہے کہ تم یوسف علیہ السلام کے غم میں کہیں مر نہ جاؤ تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا ﴿اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾۔ یعنی میں اپنی پریشانی اور رنج وغم کا شکوہ اللہ سے کرتا ہوں۔ اس مقام پر حزن کا لفظ استعمال فرمایا خوف کا لفظ استعمال نہیں کیا۔

نیز قرآن کریم کی بہت سی آیات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حزن کے اور معنی ہیں اور خوف کے اور معنی ہیں کما قال تعالیٰ: ﴿تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا﴾۔ یعنی جب پکے مسلمان مرتے ہیں تو رحمت کے فرشتے ان پر اترتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ نہ تم ڈرو اور نہ تم غمگین ہو پس اگر حزن اور خوف کے ایک ہی معنی ہوئے تو مکرر کہنے کی کیا ضرورت تھی۔

صحیح یہ ہے کہ غم اور چیز ہے اور خوف اور چیز ہے۔ خوف اسے کہتے ہیں کہ کچھ آگے کا اندیشہ ہو اور غم یہ ہے کہ بالفعل دل کی تمنا ہاتھ سے نکل جائے۔ نیز غم، خوشی کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے اور خوف، اطمینان کے مقابلہ میں مثلاً کسی کا عزیز وقریب مرجائے تو اس پر جو حالت پیش آتی ہے اس کو غم کہتے ہیں خوف کوئی نہیں کہتا اور اگر کسی کا لڑکا دیوار پر چڑھ جائے اور وہاں سے اندیشہ گر کر مرجانے کا ہو تو اس اندیشہ کو البتہ خوف کہیں گے لیکن کوئی نادان بھی اس کو غم نہ کہے گا۔ البتہ غم عین مصیبت کے وقت جو حالت ہوتی ہے اسے کہتے ہیں اور خوف، مصیبت کی آمد آمد کی کفیت کا نام ہے اور بہ پاس خاطر شیعہ لا تحزن کو بھی ہم بمعنی لا تخف ہی سمجھیں تب بھی ہمارا چنداں نقصان نہیں اس لیے کہ اس صورت میں یہ معنی ہوں گے اے ابوبکر! مت ڈرو اور ظاہر ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ جو خوف ناک ہوں گے اور ان کو جو اپنی جان کا کھٹکا ہوگا تو اسی سبب سے ہوگا کہ کفار کو ان کے ساتھ دشمنی ہوگی اور وہ دشمنی بھی بوجہ اسلام وایمان ہوگی ورنہ رسول اللہ ﷺ کو تسلی دینے کی کیا ضرورت تھی اور پھر وہ بھی اس قدر کہ خدا تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

۷- ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾:...... رسول اللہ ﷺ نے ﴿لَا تَحْزَنْ﴾ کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ تسلی دی کہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ تم مایوس اور غمگین نہ ہو تحقیق اللہ تعالیٰ ہمارے دونوں کے ساتھ ہے یعنی خدا تعالیٰ کی عنایات ہمارے ساتھ ہیں اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ تو مسلمانوں کی طرف داری اور حمایت کرتا ہے نہ کہ کافروں اور منافقوں کی کما قال تعالیٰ: ﴿اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ﴿اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾۔ اور اس قسم کے کلمات سے کلام اللہ بھرا پڑا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے ﴿اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ کے ضمن میں اس بات پر متنبہ کر دیا کہ کفار، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی دشمنی رکھتے تھے ورنہ رسول اللہ ﷺ کیوں ان کی تسلی کرتے اور خدا کیوں ان کے ساتھ ہوتا اور ہمیں تو اتنا بھی بہت ہے کہ خدا ان کے ساتھ اسی طرح سے ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے اس لیے کہ حق تعالیٰ نے ایک ہی لفظ یعنی معنا بصیغۂ جمع سے دونوں کی مددگاری کو بیان فرمایا ہے اور دو لفظ نہ فرمائے۔ یعنی ''ان اللہ معی ومعك'' نہ فرمایا جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ خدا میرے ساتھ بھی ہے۔ تو اس سے اور بھی واضح ہو گیا کہ جس طرح خدا تعالیٰ رسول اللہ ﷺ

کے ساتھ تھا اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا تھا۔

نیز ﴿إِنَّ اللهَ مَعَنَا﴾ جملہ اسمیہ ہونے کی وجہ سے دوام اور استمرار پر دلالت کرتا ہے جس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ کی معیت اور نصرت اور حمایت ہمیشہ ہمیشہ ان کے ساتھ رہے گی۔ اور اللہ کبھی ان سے جدا نہ ہوگا اور اگر بالفرض یہ جملہ ہمیشگی پر دلالت نہ بھی کرے تو اتنی بات تو شیعوں کو بھی تسلیم کرنی ہی پڑے گی کہ اس وقت خاص میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق دونوں خدا کی ہم راہی اور ہم دمی میں شریک تھے اور یہ ممکن ہی نہیں کہ خداوند ذوالجلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی علیحدہ اور جدا ہو اور ان کی ہم راہی اور طرف داری چھوڑ دے۔ سو ﴿إِنَّ اللهَ مَعَنَا﴾ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ تو دائمی ہے لہٰذا اس صورت میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حصہ بھی دائمی ہوگا کیونکہ دونوں حصے رلے ملے ہیں بٹے ہوئے نہیں ایک مع کا لفظ دونوں کے لیے معاً استعمال فرمایا ہے ہر ایک کے لیے جدا جدا مع کا لفظ استعمال نہیں فرمایا یعنی "معی و معك" نہیں فرمایا۔ نیز ﴿إِنَّ اللهَ مَعَنَا﴾ فرمانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کی معیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نفس ذات کے ساتھ ہے کسی شرط پر موقوف نہیں اس لیے کہ اگر ﴿لَا تَحْزَنْ﴾ کے بعد ﴿إِنَّ اللهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ فرماتے تو یہ گمان ہوتا کہ اللہ کی معیت اور ہم راہی ایمان کے ساتھ مشروط ہے جب ایمان گیا تو ہم راہی بھی ساتھ گئی اور درصورتیکہ ہم راہی بلا کسی شرط کے ہو تو وہ دائمی ہوگی اور اس میں زوال کا احتمال نہ ہوگا الحاصل چونکہ اللہ تعالیٰ نے ﴿إِنَّ اللهَ مَعَنَا﴾ فرمایا ہے اور ﴿إِنَّ اللهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ وغیرہ جو کسی وصف پر دلالت کرے نہیں فرمایا تو معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی معیت اور ہم راہی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ذات اور جان کے ساتھ ہے کسی وصف کے ساتھ نہیں (کیونکہ ضمائر، باجماع ائمہ نحو، نفس ذات پر دلالت کرتی ہیں کسی وصف پر دلالت نہیں کرتیں)

حضرت مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ کے کلام معرفت التیام کا خلاصہ ختم ہوا تفصیل اگر درکار ہے تو اصل ہدیۃ الشیعہ کی مراجعت کریں۔

نکتہ:...... حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں: صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جب غار ثور میں کفار کے آنے سے پریشانی ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسلی کے لیے یہ فرمایا "لا تحزن ان اللہ معنا"۔ معنا میں ضمیر جمع لائے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی اس معیت میں شریک فرمایا اور موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کو جب فرعون اور اس کے لشکر کے آجانے سے پریشانی ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿كَلَّا ۖ إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ﴾ لفظ معی کو بصیغہ مفرد فرمایا یعنی اللہ میرے ساتھ ہے اور معنا صیغہ جمع کا نہ فرمایا جس کے معنی یہ ہوتے کہ وہ ہم سب کے ساتھ ہے غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے معیت خداوندی کو اپنے ساتھ مخصوص فرمایا اور قوم کو اس دولت میں شریک نہ کیا۔ وجہ فرق کی یہ ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنی کوئی پریشانی نہ تھی، پریشانی فقط حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی کہ مبادا کوئی دشمن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ دولت توکل سے مالا مال تھے ان کی تسلی کے لیے یہی کلام مناسب تھا جو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال فرمایا اور معیت الٰہیہ میں ان کو شریک کیا اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو لوگ تھے وہ نہ تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے برابر متوکل تھے اور نہ یار غار کی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عاشق زار اور جاں نثار تھے ان کو تو اپنی جان کا خطرہ تھا پھر خطرہ ہی نہیں بلکہ اس کا جزم اور یقین تھا کما قال تعالیٰ: ﴿قَالَ أَصْحَابُ مُوسَىٰ إِنَّا لَمُدْرَكُونَ﴾۔ جس میں إِنَّ اور لام تاکید اور جملہ اسمیہ تین موکدات موجود ہیں یعنی بس ہم

تو یقینا پکڑے گئے حالانکہ بارہا اس کا مشاہدہ کر چکے تھے کہ فرعون کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی کس طرح مدد فرمائی اور اس وقت بھی خدا کے حکم سے اور اس کے وعدہ نصرت سن کر چلے تھے ان تمام امور کے ہوتے اتنی پریشانی کہ اپنے پکڑے جانے کا یقین اور جزم کر بیٹھے جو ان کے غیر متوکل اور غیر کامل الیقین ہونے کی دلیل ہے اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے ان کو دھمکا کر فرمایا۔ کَلَّا ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا جس تاکید سے انہوں نے اپنے پکڑے جانے کو ظاہر کیا تھا اس کا جواب بھی تاکید کے ساتھ دیا گیا اور لفظ معی کو مفرد لائے اور باوجود خبر ہونے کے اس کو مقدم کیا تاکہ فائدہ حصر کا حاصل ہو اس لیے کہ تقدیم ماحقہ التاخیر مفید حصر ہوتی ہے مطلب یہ تھا کہ میرے ساتھ میرا پروردگار ہے اور تم لوگ بوجہ ضعیف الیقین ہونے کے معیت حق سے محروم ہو ہر ایک کا کلام اپنے اپنے موقع پر نہایت بلیغ ہے۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مخاطب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جیسے ہوتے تو وہ بھی وہی فرماتے جو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب وہ لوگ ہوتے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہی فرماتے جو حضرت موسیٰ نے فرمایا بلاغت کے معنی مقتضائے حال کی رعایت کے ہیں۔

حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے کلام کا خلاصہ ختم ہوا۔ دیکھو وعظ، الرفع والوضع، ص: ۵۴، نمبر ۲ ۳۱ از سلسلۂ تبلیغ۔

نیز موسیٰ علیہ السلام کی معیت، معیت ربانیہ تھی جس کو موسیٰ علیہ السلام نے اسم رب کے ساتھ ذکر فرمایا: ﴿إِنَّ مَعِيَ رَبِّي﴾ میرے ساتھ میرا پروردگار ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت، معیت الٰہیہ تھی۔ جس کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اسم اللہ کے ساتھ ذکر فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ تحقیق اللہ ہمارے ساتھ ہے اسی آیت میں حق جل شانہ کی معیت کو اسم اعظم (یعنی لفظ اللہ) کے ساتھ ذکر فرمایا جو تمام صفات کمال کو جامع ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کی معیت کو اسم رب کے ساتھ ذکر فرمایا۔ یہ نکتہ عارف کامل شیخ ابن لبان رحمہ اللہ کی کلام کی تشریح ہے جس کو علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے مواہب لدنیہ میں ذکر کیا ہے۔

۸- "فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ": ...... ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سکینت سے طمانینت مراد ہے اور شیخ الاسلام ہروی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سکینت ایک خاص کیفیت اور حالت کا نام ہے جو تین چیزوں کی جامع ہوتی ہے: نور۔ اور قوت اور روح نور سے قلب روشن اور منور ہوجاتا ہے دلائل ایمان اور حقائق ایقان اس پر منکشف ہوجاتے ہیں حق اور باطل، ہدایت اور ضلالت، شک اور یقین کا فرق اس پر واضح ہوجاتا ہے۔

قوت سے قلب میں عزم اور استقلال پیدا ہوتا ہے حق جل وعلا کی اطاعت و بندگی کے وقت اس کو خاص نشاط حاصل ہونے لگتا ہے اور اسی قوت کی وجہ سے قلب مومن نفس کے تمام دواعی اور مقتضیات کے مقابلہ میں غالب اور کامیاب رہتا ہے۔

اور روح سے قلب میں حیات اور زندگی پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے قلب خواب غفلت سے بیدار ہو کر خدا کی راہ میں چست اور چالاک ہوجاتا ہے۔

بخاری اور مسلم میں ہے کہ غزوہ خندق میں عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا یہ رجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر تھا:

"اللهم لو لا انت ما اهتدينا ولا تصدقنا ولا صلينا"

"اے اللہ اگر تیری توفیق نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہ پاتے اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے"

فانزلن سکینۃ علینا

پس تو اپنی خاص تسکین اور طمانینت ہم پر نازل فرما جس سے ہماری پریشانی اور اضطراب دور ہو۔ تفصیل کے لیے مدارج السالکین: ۲/۲۷۸ کی مراجعت کریں۔

مشہور قول یہ ہے کہ "فَاَنۡزَلَ اللّٰہُ سَکِیۡنَتَہٗ عَلَیۡہِ" میں علیہ کی ضمیر مجرور آنحضرت ﷺ کی طرف راجع ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے کہ علیہ کی ضمیر صاحب کی طرف یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہے اس لیے کہ لفظ صاحبہ قریب میں واقع ہے اور ضمیر کا قریب کی طرف راجع کرنا زیادہ بہتر ہے نیز "فَاَنۡزَلَ" کی فا بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ لاتحزن پر تفریع ہے اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حزیں و غمگین ہوئے تو اللہ نے ان کے حزن و غم کو دور کرنے کے لیے ان پر سکینت و طمانینت نازل کی۔ (دیکھو روح المعانی: ۱۰/۸۷ اور زرقانی شرح مواہب: ۱/۳۳۶)

مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اپنی سکینت، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر نازل کی کیونکہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ سکینتِ الٰہی ہمیشہ رہتی تھی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی یہی منقول ہے کہ علیہ کی ضمیر صاحبہ یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہے (دیکھو زاد المسیر: ۳/۴۴۰ لابن الجوزی رحمہ اللہ) اور امام رازی رحمہ اللہ نے بھی تفسیر کبیر: ۴/۴۵۱ میں اسی کو اختیار کیا ہے کہ علیہ کی ضمیر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہو۔

علامہ سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر اہل تفسیر کے نزدیک علیہ کی ضمیر مجرور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہے اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ کو تو پہلے ہی سے سکون اور اطمینان حاصل تھا۔ اور بعض علماء کے نزدیک علیہ کی ضمیر نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی طرف راجع ہے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بہ تبعیت اس میں داخل ہیں اور مصحف حفصہ رضی اللہ عنہا میں "فَاَنۡزَلَ اللّٰہُ سَکِیۡنَتَہٗ عَلَیۡہِمَا" بصیغہ تثنیہ آیا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینت و طمانینت دونوں پر نازل کی۔ اب بحمدہ تعالیٰ کوئی اشکال ہی نہیں رہا۔ (دیکھو، روض الانف: ۲/۵)

اور امام ابن انباری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علیہ کی ضمیر اگرچہ مفرد ہے مگر قائم مقام تثنیہ کے ہے بیک وقت دونوں کی طرف راجع ہے جیسا کہ ﴿وَاللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗۤ اَحَقُّ اَنۡ یُّرۡضُوۡہُ﴾ میں یرضوہ کی ضمیر منصوب اگرچہ لفظاً مفرد ہے مگر معنیٰ تثنیہ ہے اللہ اور رسول دونوں کی طرف راجع ہے اسی "فَاَنۡزَلَ اللّٰہُ سَکِیۡنَتَہٗ عَلَیۡہِ" کی تقدیر کلام یہ ہے۔ "فَاَنۡزَلَ اللّٰہُ سَکِیۡنَتَہٗ عَلَیۡہِمَا" (دیکھو زاد المسیر لابن الجوزی: ۳/۴۴۱)

۹- ﴿وَاَیَّدَہٗ بِجُنُوۡدٍ لَّمۡ تَرَوۡہَا﴾: ...... اور قوت دی اللہ نے آپ ﷺ کو ایسے لشکروں سے جن کو تم نہیں دیکھتے تھے یعنی اللہ تعالیٰ نے غار ثور پر فرشتوں کا پہرہ [1] لگا دیا جس کی وجہ سے مشرکین کے دلوں پر ایسا رعب چھایا کہ غار کے اندر جھانکنے کی ہمت نہ ہوئی جیسے اصحاب کہف کے غار پر من جانب اللہ ایک رعب ہے جس کی وجہ سے کوئی شخص اس غار کے اندر جھانک کر نہیں دیکھ سکتا۔ کما قال تعالیٰ: ﴿لَوِ اطَّلَعۡتَ عَلَیۡہِمۡ لَوَلَّیۡتَ مِنۡہُمۡ فِرَارًا وَّلَمُلِئۡتَ مِنۡہُمۡ رُعۡبًا﴾۔

[1] کان فی الغار صرفت الملائکۃ وجوہ الکفار وابصارھم عن رویتہ قالہ الزجاج۔ (زاد المیسر: ۳/۴۴۱)

چنانچہ معجم طبرانی میں اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب قریش آپ ﷺ کو تلاش کرتے کرتے غار تک پہنچے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! یہ شخص جو بالکل غار کے سامنے کھڑا ہے ہم کو ضرور دیکھ لے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہرگز نہیں فرشتے ہم کو اپنے پروں سے چھپائے ہوئے ہیں۔ اتنے ہی میں وہ شخص غار کے سامنے بیٹھ کر پیشاب کرنے لگا رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا اگر یہ شخص ہم کو دیکھتا ہوتا تو ہمارے سامنے بیٹھ کر پیشاب نہ کرتا۔ (فتح الباری: ۷/۱۸۷ اور روح المعانی: ۱۰/۸۸)

اور بعض علماء تفسیر اس طرف گئے ہیں کہ ﴿وَاَیَّدَہٗ﴾ کی ضمیر بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کی طرف راجع ہے جس کی تائید انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس وقت یہ کہا:

"یاابابکر ان اللہ انزل سکینتہ علیك وایدك الخ"۔ (روح المعانی: ۱۰/۸۷)

''اے ابوبکر رضی اللہ عنہ اللہ نے تجھ پر سکینت وطمانینت نازل کی اور تجھ کو قوت اور مدد پہنچائی۔''

۱۰- ﴿وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِیْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰی ۭ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ﴾:...... اور اللہ نے کافروں کی بات کو نیچا کیا اور ان کی تدبیر اور منصوبہ کو ناکام کیا اور آپ ﷺ کی حفاظت کے لیے غار پر فرشتوں کا پہرہ لگا دیا اور غار کے کنارہ سے دشمنوں کو بے نیل مرام واپس کر دیا۔ اور خیر وعافیت سے مدینہ منورہ پہنچا دیا اور تمام راستے قدم قدم پر تائید غیبی کے کرشمے ظاہر ہوتے رہے جیسا کہ احادیث میں ان کا ذکر ہے یہاں تک کہ سید الابرار ﷺ اور آپ ﷺ کے یار غار اور محب جاں نثار اللہ کی حفاظت میں مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

تتمۂ کلام:...... بعض شیعہ لاچار ہو کر یہ کہتے ہیں کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اس واقعہ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فی الجملہ فضیلت ثابت ہوتی ہے مگر ان کی یہ فضیلت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت سے بڑھی ہوئی نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے شب ہجرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا کہ تم میری جگہ میرے بستر پر سو رہو اور ظاہر ہے کہ ایسے خطرہ کے وقت رسول اللہ ﷺ کے بستر پر لیٹنا اور اپنی جان کو رسول خدا کے فدیہ کے لیے حاضر کر دینا مشکل کام ہے کیونکہ علی رضی اللہ عنہ کو یہ یقیناً معلوم تھا کہ کفار رسول خدا کے قتل کی فکر میں لگے ہوئے ہیں پس علی رضی اللہ عنہ کا یہ عمل ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عمل سے بدرجہا بڑھ چڑھ کر ہے۔

جواب:...... حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایسے خطرناک وقت میں آپ ﷺ کے بستر پر سو جانا بیشک موجب فضیلت ہے لیکن ایسے خطرناک وقت میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رفاقت اس سے کہیں بڑھ کر فضیلت ہے اس لیے کہ کفار بہ نسبت علی رضی اللہ عنہ کے ابوبکر رضی اللہ عنہ پر زیادہ دانت پیستے تھے کفار کو معلوم تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کا وزیر و مشیر ہے اور جان و مال سے آپ ﷺ کا حامی اور معین و مددگار ہے اور دعوت وتبلیغ میں آپ کے ساتھ پیش پیش ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کی تبلیغ سے طلحہ اور عثمان اور زبیر رضی اللہ عنہم جیسے اکابر اسلام میں داخل ہوئے بخلاف علی رضی اللہ عنہ کے وہ اس وقت نوعمر تھے اور ابھی تک ان سے نہ کوئی دعوت وتبلیغ ظاہر ہوئی اور نہ کوئی جانی اور مالی جہاد، اس وجہ سے کفار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زیادہ دشمن نہ تھے یہی وجہ تھی کہ جب کفار نے صبح کو رسول اللہ ﷺ کے بستر پر علی کو دیکھا تو فوراً واپس ہو گئے۔ اور علی رضی اللہ عنہ سے کچھ تعرض نہ کیا وجہ جس کی یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کم عمر تھے کم

عمری کی وجہ سے کفار کی مزاحمت نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے کفار کو ان سے زیادہ دشمنی نہ تھی کفار کو اصل پرخاش ابوبکر رضی اللہ عنہ سے تھی۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو کچھ پریشانی رہی وہ صرف ایک رات رہی صبح کو اٹھتے ہی وہ پریشانی ختم ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی جان کی طرف سے پورا اطمینان ہو گیا بخلاف ابوبکر رضی اللہ عنہ کے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے کی وجہ سے تین روز تک غار ثور میں بھی اور اس کے بعد بھی جب تک مدینہ نہیں پہنچے برابر خطرہ میں رہے اور بایں ہمہ انہوں نے رسول خدا کا ساتھ نہ چھوڑا جس سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت ثابت ہوئی۔

شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ منطق الطیر میں فرماتے ہیں:

خواجہ اول کہ اول یار اوست — ثانی اثنین اذھما فی الغار اوست
صدر دیں صدیق اکبر قطب حق — در ہمہ چیز از ہمہ بردہ سبق
ہر چہ حق از بارگاہ کبریا — ریخت در صدر شریف مصطفیٰ
او ہمہ در سینۂ صدیق ریخت — لاجرم تا بود ازو تحقیق ریخت
چوں تو کردی ثانی اثنینش قبول — ثانی اثنین او بود بعد از رسول

خاتمۂ کلام بر نصیحت معرفت التیام

یہ رکوع غزوۂ تبوک کے بارہ میں نازل ہوا جس کا آغاز اس عنوان سے ہوا۔ ﴿يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ۭ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ﴾۔ اس کے بعد قصہ کی تفصیل فرمائی۔ قصہ کا آغاز جہاد میں سستی کرنے والوں پر ملامت سے ہوا جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر ملامت کی، جنہوں نے دنیا پر قناعت کی اور آخرت کے کام میں سستی کی اور خطاب سراپا عتاب کا آغاز ﴿يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ کے عنوان سے ہوا کہ ایمان کا مقتضی یہ نہیں کہ بمقابلہ آخرت دنیاوی زندگی پر راضی ہو جائے پوری دنیا کا ساز و سامان آخرت کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ اور دنیاوی زندگی کی رغبت کو ﴿اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ﴾ سے تعبیر فرمایا اشارہ اس طرف ہے کہ دنیا کی رغبت پستی ہے اور آخرت کی رغبت بلندی ہے شروع کلام سے اس بات پر متنبہ کر دیا کہ تمام خرابیوں کی جڑ دنیا پر قناعت کر لینا اور آخرت کو بھول جانا ہے۔

اللھم احفظنا من ذلک۔ آمین

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ

اگر مال ہوتا نزدیک اور سفر ہلکا تو وہ لوگ ضرور تیرے ساتھ ہو لیتے لیکن لمبی نظر آئی ان کو مسافت ف۱

اگر کچھ مال ہوتا نزدیک اور سفر ہلکا تو تیرے ساتھ چلتے، لیکن دور نظر آئی ان کو طرف۔

ف۱ یہ منافقین کو فرمایا کہ اگر سفر ہلکا ہوتا اور بے محنت مال غنیمت ہاتھ آنے کی توقع ہوتی تو جلدی سے ساتھ ہو لیتے۔ لیکن ایسی کٹھن منزلوں کا طے کرنا ان سے کہاں ممکن ہے؟

وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ

اور اب قسمیں کھائیں گے اللہ کی کہ اگر ہم سے ہوسکتا تو ہم ضرور چلتے تمہارے ساتھ وبال میں ڈالتے ہیں اپنی جانوں کو اور اللہ جانتا ہے

اب قسمیں کھاویں گے اللہ کی، کہ ہم مقدور رکھتے تو نکلتے تمہارے ساتھ۔ وبال میں ڈالتے ہیں اپنی جان۔ اور اللہ جانتا ہے

إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٤٢﴾ عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا

کہ وہ جھوٹے ہیں ف۱ اللہ بخشے تجھ کو کیوں رخصت دے دی تو نے ان کو یہاں تک کہ ظاہر ہوجاتے تجھ پر سچ کہنے والے

وہ جھوٹے ہیں۔ اللہ بخشے تجھ کو، کیوں رخصت دی تو نے ان کو؟ جب تک معلوم ہوتے تجھ پر جنھوں نے سچ کہا،

وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ ﴿٤٣﴾ لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يُجَاهِدُوا

اور جان لیتا تو جھوٹوں کو ف۲ نہیں رخصت مانگتے تجھ سے وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر اس سے کہ لڑیں

اور جانتا تو جھوٹوں کو۔ نہیں رخصت مانگتے تجھ سے، جو لوگ یقین رکھتے ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر، اس سے کہ لڑیں

بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿٤٤﴾ إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ

اپنے مال اور جان سے اور اللہ خوب جانتا ہے ڈر والوں کو رخصت وہی مانگتے ہیں تجھ سے جو نہیں ایمان لائے

اپنے مال اور جان سے۔ اور اللہ خوب جانتا ہے ڈر والوں کو۔ رخصت وہی مانگتے ہیں تجھ سے جو یقین نہیں رکھتے

بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ ﴿٤٥﴾ وَلَوْ أَرَادُوا

اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور شک میں پڑے ہیں دل ان کے سو وہ اپنے شک ہی میں بھٹک رہے ہیں ف۳ اور اگر وہ چاہتے

اللہ پر اور پچھلے دن پر، اور شک میں پڑے ہیں دل ان کے، سو اپنے شک ہی میں بھٹکتے ہیں۔ اور اگر چاہتے

ف۱ یا تو نکلنے سے پہلے قسمیں کھا کر طرح طرح کے حیلے حوالے کریں گے کہ آپ ان کو مدینہ میں ٹھہرے رہنے کی اجازت دے دیں اور یا آپ کی واپسی کے بعد جھوٹی قسمیں کھا کر باتیں بنائیں گے تاکہ اپنے نفاق پر پردہ ڈالیں۔ حالانکہ خدا سے ان کا جھوٹ اور نفاق پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ یہ نفاق وفریب دہی اور جھوٹی قسمیں کھانا انجام کار انہی کے حق میں وبال جان ہوگا۔

ف۲ منافقین جھوٹے عذر کر کے جب مدینہ میں ٹھہرے رہنے کی اجازت طلب کرتے تو آپ ان کے کید ونفاق سے اغماض کر کے اور یہ سمجھ کر کہ ان کے ساتھ چلنے میں فساد کے سوا کوئی بہتری نہیں، اجازت دیتے تھے۔ اس کو فرمایا کہ اگر آپ اجازت نہ دیتے تو زیادہ بہتر ہوتا کیونکہ اس وقت ظاہر ہوجاتا کہ انہوں نے اپنے نہ جانے کو کچھ آپ کی اجازت پر موقوف نہیں رکھا ہے۔ جانے کی توفیق تو انہیں کسی حال نہ ہوتی۔ البتہ آپ کے روبرو ان کا جھوٹ سچ کھل جاتا۔ پس اجازت دینا کوئی گناہ نہ تھا، البتہ نہ دینا مصالح حاضرہ کے اعتبار سے زیادہ موزوں ہوتا۔ اس اعلیٰ واکمل صورت کے ترک کی وجہ سے خطاب کو "عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ" سے شروع فرمایا۔ عفو کا لفظ ضروری نہیں کہ گناہ ہی کے مقابلہ میں ہو۔ بعض محققین نے عفا اللہ عنک اس جملہ کو صدر کلام میں محض دعا وتعظیم کے طور پر لیا ہے جیسا کہ عرب کے محاورات میں شائع تھا مگر سلف سے وہی منقول ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا۔ اور لفظ "لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ" اس کی تائید کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۳ یعنی جن کے دلوں میں ایمان وتقویٰ کا نور ہے، ان کی یہ شان نہیں کہ جہاد سے الگ رہنے کی اس طرح بڑھ بڑھ کر اجازت حاصل کریں۔ ان کا حال تو وہ ہے جو اس پارہ کے آخر میں بیان ہوا ہے۔ ﴿تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ﴾ یعنی بے سروسامانی وغیرہ کے عذر سے اگر "جہاد فی سبیل اللہ" کے شرف سے محروم رہ جائیں تو اس فضل کے فوت ہوجانے پر ان کی آنکھیں اشک بار ہوتی ہیں۔ بے حیا بن کر جہاد سے علیحدہ رہنے کی اجازت لینا انہی کا شیوہ ہے جن کو خدا کے وعدوں پر یقین نہیں نہ آخرت کی زندگی کو سمجھتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے اسلام ومسلمین کے غالب ومنصور ہونے کی جو خبریں =

الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ

نکلنا تو ضرور تیار کرتے کچھ سامان اس کا لیکن پسند نہ کیا اللہ نے ان کا اٹھنا سو روک دیا ان کو اور حکم ہوا کہ بیٹھے رہو ساتھ

نکلنا تو تیار کرتے کچھ اسباب اس کا، اور لیکن خوش نہ لگا اللہ کو ان کا اٹھنا، سو بوجھل کر دیا ان کو اور حکم ہوا کہ بیٹھو ساتھ

الْقٰعِدِيْنَ ۝۴۶ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ

بیٹھنے والوں کے ف۱ اگر نکلتے تم میں تو کچھ نہ بڑھاتے تمہارے لیے مگر خرابی اور گھوڑے دوڑاتے تمہارے اندر

بیٹھنے والوں کے۔ اگر نکلتے تم میں کچھ نہ بڑھاتے تمہارا مگر خرابی، اور گھوڑے دوڑاتے تمہارے اندر،

الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۴۷ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ

بگاڑ کروانے کی تلاش میں ف۲ اور تم میں بعضے جاسوس ہیں ان کے اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو ف۳ وہ تلاش کرتے رہے ہیں بگاڑ کی

بگاڑ کروانے کی تلاش۔ اور تم میں بعضے ایسے جاسوس ہیں ان کے۔ اور اللہ خوب جانتا ہے بے انصافوں کو۔ کرتے رہے ہیں تلاش بگاڑ کی

قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝۴۸

پہلے سے اور الٹتے رہے تیرے کام یہاں تک کہ آپہنچا سچا وعدہ اور غالب ہوا حکم اللہ کا اور وہ ناخوش ہی رہے ف۴

آگے سے اور الٹتے رہے ہیں تیرے کام، جب تک آپہنچا سچا وعدہ، اور غالب ہوا حکم اللہ کا، اور وہ ناخوش ہی رہے۔

=دی ہیں ان کے متعلق ہمیشہ شک وشبہ میں گرفتار رہتے ہیں۔

ف۱ ان کا ارادہ ہی گھر سے نکلنے کا نہیں۔ ورنہ اس کا کچھ تو سامان کرتے حکم جہاد سنتے ہی جھوٹے عذر نہ لے دوڑتے۔ واقعہ یہ ہے کہ خدا نے ان کی شرکت کو پسند ہی نہیں کیا۔ یہ جاتے تو وہاں فتنے اٹھاتے۔ نہ جانے کی صورت میں انہیں پتہ لگ جائے گا کہ مومنین کو خدا کے فضل سے ایک تنکے کے برابر ان کی پروا نہیں۔ اسی لیے خدا نے صفوف مجاہدین میں شامل ہونے سے روک دیا اس طرح کہ رکنے کا وبال انہی کے سر پر رہے۔ گویا ان کو تکوینا کہہ دیا گیا کہ جاؤ، عورتوں بچوں اور اپاہج آدمیوں کے ساتھ گھر میں گھس کر بیٹھ رہو۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اعذار کاذبہ کے جواب میں جو گھر بیٹھ رہنے کی اجازت دے دی، یہ بھی ایک طرح خدا ہی کا فرما دینا ہے۔ اس لیے تکوینا کی قید بھی ضروری نہیں۔

ف۲ یعنی اگر تمہارے ساتھ نکلتے تو اپنے جبن ونامردی کی وجہ سے دوسروں کی ہمتیں بھی سست کر دیتے اور آپس میں لگا بجھا کر مسلمانوں میں تفریق ڈالنے کی کوشش کرتے اور جھوٹی افواہیں اڑا کر ان کو دشمنوں سے ہیبت زدہ کرنا چاہتے۔ غرض ان کے وجود سے بھلائی میں تو کوئی اضافہ نہ ہوتا ہاں برائی بڑھ جاتی اور فتنہ انگیزی کا زور ہوتا۔ ان ہی وجوہ سے خدا نے ان کو جانے کی توفیق نہ بخشی۔

ف۳ یعنی اب بھی ان کے جاسوس یا بعض ایسے سادہ لوح افراد تم میں موجود ہیں جو ان کی بات سنتے اور تھوڑا بہت متاثر ہوتے ہیں (ابن کثیر) گو ویسا فتنہ فساد برپا نہیں کر سکتے جو ان شریروں کے وجود سے ہو سکتا تھا بلکہ ایک حیثیت سے ایسے جاسوس کا ہمراہ جانا مفید ہے کہ وہ بچشم خود مسلمانوں کی اولوالعزمی، بے جگری وغیرہ دیکھ کر ان سے نقل کریں گے تو ان کے دلوں پر بھی مسلمانوں کی ہیبت قائم ہوگی۔

ف۴ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے، یہود اور منافقین مدینہ آپ کے خلاف طرح طرح کی فتنہ انگیزیاں کرتے رہے اور اسلام کی روز افزوں ترقیات کا تختہ الٹنے کے لیے بہت کچھ الٹ پھیر کی۔ مگر بدر میں جب کفر وشرک کے بڑے بڑے ستون گر گئے اور حیرت انگیز طریقہ پر اسلام کا غلبہ ظاہر ہوا تو عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے کہا اِنَّ هٰذَا اَمْرٌ قَدْ تَوَجَّهَ کہ یہ چیز تو اب رکنے والی معلوم نہیں ہوتی چنانچہ بہت سے لوگ خوف کھا کر محض زبان سے کلمہ پڑھنے لگے مگر چونکہ دل میں کفر چھپا ہوا تھا اس لئے جوں جوں اسلام ومسلمین کی کامیابی اور غلبہ دیکھتے، دل دل میں جلتے اور غیظ کھاتے تھے۔ غرض ان کی فتنہ پردازی اور مکاری کوئی نئی چیز نہیں۔ شروع سے ان کا یہی وتیرہ رہا ہے جنگ احد میں یہ لوگ اپنی جماعت کو لے کر راستہ سے لوٹ آئے تھے۔ مگر آخر دیکھ لیا کہ حق کس طرح غالب ہو کر رہتا ہے اور باطل کیسے ذلیل ورسوا کیا جاتا ہے۔

بیان احوال واقوال منافقین متخلفین

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا... الی... وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں اس غزوہ کے متعلق مومنین کو خطاب تھا۔ اب آگے منافقین کے احوال واقوال کا بیان ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے ہم راہ جانے سے حیلے اور بہانے ڈھونڈتے تھے۔ اور چاہتے تھے کہ کسی طرح جہاد میں جانا نہ پڑے اخیر سورت تک زیادہ تر منافقین ہی کے اقوال کا ذکر ہے کہ باوجود عذر نہ ہونے کے نفاق کے سبب غزوہ میں شریک نہیں ہونا چاہتے تھے اور اس درمیان میں کسی مناسبت کی بنا پر دوسرے مضامین کا بھی ذکر آ گیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اگر ہوتی وہ چیز جس کی طرف آپ ﷺ نے ان کو بلایا نفع قریب الحصول یعنی سہل الحصول غنیمت ہوتی۔ اور درمیانہ سفر ہوتا یعنی آسان اور ہلکا سفر ہوتا تو یہ منافقین ضرور آپ کے ساتھ ہو لیتے ولیکن دور نظر آئی ان کو راستہ کی مسافت مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ مال پر حریص ہیں اور آرام طلب ہیں چونکہ سفر تبوک لمبا سفر تھا اور اس میں مال غنیمت ملنے کی بھی امید نہ تھی۔ اس لیے منافقین نے اس غزوہ میں آپ ﷺ کا ساتھ نہیں دیا اور اب وہ مسلمانوں کے آگے اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم سے بن پڑتا تو ہم ضرور تمہارے ساتھ نکلتے۔ یعنی جھوٹے حیلے بہانے بنائیں گے اور خدا کی جھوٹی قسمیں کھائیں گے وہ اپنے نفاق اور جھوٹی قسموں سے اپنی جانوں کو خود ہی ہلاک کر رہے ہیں۔ یعنی اپنے آپ کو مستحق عتاب بنا رہے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی قسموں اور اپنے عذروں میں جھوٹے ہیں۔ آنحضرت ﷺ جب غزوہ تبوک کے لیے روانہ ہونے لگے تو بعض منافقین نے جھوٹے عذر تراش کر کے آنحضرت ﷺ سے ہم راہ نہ جانے کی اجازت حاصل کر لی۔ آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی حق جل شانہ کو آپ ﷺ کا یہ اجازت دینا پسند نہ آیا اس لیے آئندہ آیت میں اس اجازت کا غیر مناسب ہونا بیان فرماتے ہیں۔ (اے نبی) اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف کر دیا آپ نے ان کو جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت کیوں دے دی مناسب یہ تھا کہ آپ ﷺ ان کو اجازت دینے میں عجلت نہ فرماتے یہاں تک کہ وہ لوگ تجھ پر ظاہر ہو جاتے کہ جو دعوائے ایمان اور اپنے عذر میں سچے ہیں اور تا کہ آپ جھوٹ بولنے والوں کو جان لیتے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کو اجازت دینا مناسب نہ تھا ان کا اجازت چاہنا نفاق پر مبنی تھا۔ آپ ﷺ نے ان کو اجازت دینے میں ذرا جلدی کی۔ اس عجلت کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو عتاب فرمایا اور کمال عنایت سے قصور بیان کرنے سے پہلے معافی کو ظاہر کر دیا اور درحقیقت یہ خطاب، خطاب ملاطفت ہے نہ کہ خطاب عتاب ہے اور اگر خطاب عتاب بھی ہے تو اس سے مقصود منافقین کی تہدید ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اس سے پہلے اپنے نبی کو یہ حکم نہیں دیا تھا کہ آپ ﷺ ان کو اجازت نہ دیں اور جس بات میں آپ ﷺ پر وحی نہیں کی گئی ہو اس میں آپ ﷺ ترک اور فعل دونوں کے مختار ہیں۔ پس آپ ﷺ سے کسی گناہ کا تو صدور نہیں ہوا البتہ ایک خلاف اولیٰ امر ظہور میں آیا جس پر حق تعالیٰ نے بطور تلطف وعنایت ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ﴾ سے آپ ﷺ کو متنبہ کیا جس سے مقصود آپ ﷺ کی عظمت شان کو ظاہر کرنا ہے۔ بسا اوقات اس قسم کے الفاظ مخاطب کے ساتھ لطف وعنایت ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں جیسے اضحك الله واعزك الله وعفاك الله اور لفظ عفو

کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ ہمیشہ گناہ یا خطا کے معاف کرنے کے لیے مستعمل ہو بلکہ بعض اوقات عدم وجود کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا عفا اللہ عنکم عن صدقۃ الخیل والرقیق۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ معاف کر دی معاف کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان چیزوں پر کوئی مطالبہ نہیں جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان اور یقین رکھتے ہیں وہ اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کے بارے میں آپ سے اجازت نہیں طلب کرتے کہ وہ جہاد میں شریک نہ ہوں کیونکہ خدا کی راہ میں جہاد وقتال ان کی دلی تمنا اور آرزو ہے ان کا جان و مال تو ہر وقت جہاد کے لیے حاضر ہے۔ وہ جہاد میں شریک نہ ہونے کے لیے کیسے اجازت طلب کر سکتے ہیں اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جاننے والا ہے۔ ہر متقی کو بقدر اس کے تقویٰ کے اجر عطا کرتا ہے جز ایں نیست کہ آپ سے جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت صرف وہی لوگ مانگتے ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور حیات اخرویہ کی کوئی تمنا دل میں نہیں رکھتے جس کے حصول کے لیے جہاد کریں اور ان کے دل اسلام کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں پس وہ اپنے شک میں سرگرداں اور حیران پھرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اے نبی جو لوگ جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت طلب کرتے ہیں وہ منافق ہیں۔ شک میں پڑے ہوئے ہیں کہ مسلمان غالب آئیں گے اس لیے کبھی مسلمانوں کی طرف جھکتے ہیں اور کبھی کافروں کی طرف اور جو مومنین مخلصین ہیں وہ تو جہاد کے عاشق ہیں ان کا حال تو یہ ہے

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اور ان منافقین کا جہاد میں نہ جانے کے لیے اجازت طلب کرنا سب جھوٹ اور نفاق ہے۔ اگر یہ منافقین تمہارے ساتھ جہاد میں جانے کا ارادہ کرتے تو ضرور اس کے لیے کوئی سامان تیار کرتے ولیکن انہوں نے کوئی تیاری نہیں کی وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ ہی نے ان کا اس سفر میں اٹھنا اور تمہارے ساتھ جانا پسند نہیں کیا پس ان کو حرکت کرنے سے روک دیا اور ان پر ایسی سستی اور کاہلی غالب کر دی کہ حرکت ہی نہ کر سکیں اور تکوینی طور پر ان سے یہ کہہ دیا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ تم بھی بیٹھے رہو۔ یعنی جس طرح عورتیں اور بچے اور اپاہج گھر میں بیٹھے رہتے ہیں اسی طرح تم بھی گھر میں بیٹھے رہو۔ اور جہاد کے لیے نہ نکلو۔ اور اے مسلمانو! ان کے نہ جانے ہی میں خیر ہوئی اگر وہ تم میں شامل ہو کر جہاد کے لیے نکلتے تو سوائے فتنہ اور فساد کے کوئی شئے زیادہ نہ کرتے یعنی دشمن کے مقابلہ میں نامردی دکھاتے اور تمہارے درمیان فتنہ فساد پھیلانے کے لیے دوڑے دوڑے پھرتے یعنی تم میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرتے یا تم کو رومیوں کے مقابلہ سے ڈراتے مثلاً یہ کہتے کہ تمہارے مقابلہ پر اس قدر کثیر التعداد لشکر جمع ہوا ہے تم میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہیں اور تم میں بعض ان کے جاسوس بھی ہیں تمہاری خبریں ان کو پہنچاتے ہیں۔ اور فتنہ و فساد میں ماہر ہیں یا یہ مطلب ہے اور تم میں بعضے ایسے بھی ہیں جو ان کی باتوں کو اپنی کمزوری کی وجہ سے صحیح سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے یعنی منافقوں کو اور ان کی فتنہ پردازیوں کو خوب جانتا ہے۔ اور ان کی فتنہ پردازی کوئی نئی چیز نہیں۔ البتہ تحقیق ان لوگوں نے اے نبی! اس سے پہلے بھی فساد ڈالنے اور تیرے

کاموں کو بگاڑنے اور خراب کرنے کی تدبیریں کی ہیں۔ جیسا کہ احد میں فساد ڈالا تھا اور مسلمانوں کی مدد چھوڑ دی تھی۔ یہاں تک کہ اللہ کا حق وعدہ سامنے آ گیا اور اللہ کا حکم غالب آیا اور مسلمانوں کو فتح ونصرت نصیب ہوئی اور دین اسلام سربلند ہوا اور وہ اسلام کی فتح ونصرت کو پسند نہیں کرتے تھے مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ مسلمانوں کو شکست دلانے کی تدبیریں کرتے رہے یہاں تک کہ خدا نے تم کو فتح دی اور وہ اس سے ناخوش تھے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ

اور بعضے ان میں کہتے ہیں مجھ کو رخصت دے اور گمراہی میں نہ ڈال، سنتا ہے وہ تو گمراہی میں پڑ چکے ہیں اور بیشک دوزخ

اور بعضے ان میں کہتے ہیں، مجھ کو رخصت دے اور گمراہی میں نہ ڈال، سنتا ہے وہ تو گمراہی میں پڑے ہیں، اور دوزخ

لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾

گھیر رہی ہے کافروں کو ف۱

گھیر رہی ہے منکروں کو۔

ربط:...... گزشتہ آیات میں عام منافقین کے احوال واقوال کا ذکر تھا اب آئندہ آیات میں خاص خاص منافقین کے خاص خاص اقوال واحوال کا ذکر کرتے ہیں اس آیت میں جس منافق کے قول کا ذکر ہے اس کا نام جد بن قیس تھا جب آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا کہ غزوہ روم کے لیے نکل تو اس نے کہا یا رسول اللہ! میری تمام قوم جانتی ہے کہ میں عورتوں کی محبت میں مشہور ہوں اور روم کی عورتوں کا حسن مشہور ہے میں عورت کی شکل دیکھ کر صبر نہیں کر سکتا پس آپ ﷺ مجھ کو لے جا کر فتنہ میں نہ ڈالیے میں اپنے مال سے آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔ آپ ﷺ نے نہایت خشمگین ہو کر فرمایا: اچھا تجھے اجازت ہے۔ اس کے بارہ میں حق تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اور ان منافقوں میں سے ایک شخص نبی کریم ﷺ سے یہ کہتا ہے کہ مجھ کو گھر بیٹھ رہنے کی اجازت دے دیجئے اور فتنہ میں نہ ڈالیے۔ آگاہ ہو جاؤ کہ یہ لوگ تو پہلے ہی سے فتنہ میں گر چکے ہیں نفاق سے بڑھ کر کیا فتنہ ہو گا۔ زنانِ روم کا فتنہ تو بعد میں پیش آئے گا یہ اس سے پہلے ہی فتنہ میں گر چکے ہیں اور جہنم کا فتنہ اس کے علاوہ ہے اور تحقیق جہنم کافروں کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یہ لوگ دوزخ سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے اور اسباب جہنم میں سے آپ علیہ السلام پر حسد اور آپ علیہ السلام کی عداوت ہے آئندہ آیت میں اس کا بیان ہے۔

نکتہ:...... ﴿وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ﴾ جملہ اسمیہ جو متعدد تاکید کے ساتھ مقرون ہے، اشارہ اس طرف ہے کہ جہنم کا کافروں کو محیط ہونا امر قطعی اور یقینی ہے جس کا سبب وہی فتنہ نفاق اور فتنہ شہوات ہے کہ جس کے اسباب ان کو گھیرے ہوئے ہیں اور بالکفرین میں اشارہ اسی طرف ہے کہ علت اس کی کفر اور حرکات کفریہ ہیں جو ان کو احاطہ کیے ہوئے ہیں۔

ف۱ ایک بڑے منافق جد بن قیس نے کہا کہ حضرت مجھے تو یہیں رہنے دیجئے۔ روم کی عورتیں بہت حسین ہوتی ہیں میں انہیں دیکھ کر دل قابو میں نہ رکھ سکوں گا تو مجھے وہاں لے جا کر گمراہی میں نہ ڈالیے۔ فرمایا کہ یہ لفظ کہہ کر اور اپنے جبن وکفر پر جھوٹی پرہیزگاری کا پردہ ڈال کر وہ گمراہی کے گڑھے میں گر چکا۔ اور آگے چل کر کفر ونفاق کی بدولت دوزخ کے گڑھے میں گرنے والا ہے بعض نے آیت کو عام منافقین کے حق میں رکھا ہے اور لا تفتنی کا مطلب یہ لیا ہے کہ ہم کو ساتھ لے جا کر اموال وغیرہ کے نقصان میں مبتلا نہ کیجئے اس کا جواب الا فی الفتنۃ سقطوا سے دیا۔

نفاق اور کفر کے احاطہ سے ان کا نکلنا بہت مشکل ہے اس لیے آئندہ آیات میں پھر ان کے نفاق کا حال بیان کرتے ہیں اور مسلمانوں کو اخلاص اور توکل کی ہدایت اور نصیحت فرماتے ہیں۔

إِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَإِنْ تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ

اگر تجھ کو پہنچے کوئی خوبی تو وہ بری لگتی ہے ان کو اور اگر پہنچے کوئی سختی تو کہتے ہیں ہم نے تو سنبھال لیا تھا اپنا کام پہلے ہی

اگر تجھ کو پہنچے کچھ خوبی، وہ بری لگے انکو۔ اور اگر پہنچے سختی، کہیں ہم نے سنبھال لیا تھا اپنا کام آگے ہی،

وَيَتَوَلَّوْا وَهُمْ فَرِحُونَ ﴿٥٠﴾ قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا ۚ وَعَلَى

اور پھر کر جائیں خوشیاں کرتے ف۱ تو کہہ دے ہم کو ہرگز نہ پہنچے گا مگر وہی جو لکھ دیا اللہ نے ہمارے لیے وہی ہے کارساز ہمارا، اور اللہ ہی پر

اور پھر کر جاویں خوشیاں کرتے۔ تو کہہ، ہم کو نہ پہنچے گا مگر وہی جو لکھ دیا اللہ نے ہم کو، وہی ہے صاحب ہمارا۔ اور اللہ ہی پر

اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٥١﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۖ وَنَحْنُ

چاہیے کہ بھروسہ کریں مسلمان تو کہہ دے تم کیا امید کرو گے ہمارے حق میں مگر دو خوبیوں میں سے ایک کی اور ہم

چاہئے بھروسا کریں مسلمان۔ تو کہہ تم کیا چیتو گے (سوچو گے) ہمارے حق میں، مگر دو خوبی میں سے ایک۔ اور ہم

نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَنْ يُصِيبَكُمُ اللَّهُ بِعَذَابٍ مِنْ عِنْدِهِ أَوْ بِأَيْدِينَا ۖ فَتَرَبَّصُوا إِنَّا مَعَكُمْ

امیدوار ہیں تمہارے حق میں کہ ڈالے تم پر اللہ کوئی عذاب اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں سو منتظر رہو ہم بھی تمہارے ساتھ

امیدوار ہیں تمہارے حق میں کہ ڈالے تم پر اللہ کچھ عذاب، اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں۔ سو منتظر رہو، ہم بھی تمہارے ساتھ

مُتَرَبِّصُونَ ﴿٥٢﴾

منتظر ہیں ف۲

منتظر ہیں۔

ف۱ منافقین کی عادت تھی جب مسلمانوں کو غلبہ و کامیابی نصیب ہوتی تو جلتے اور کڑھتے تھے۔ اور اگر کبھی کوئی سختی کی بات پیش آگئی مثلاً کچھ مسلمان شہید یا مجروح ہو گئے۔ تو فخریہ کہتے کہ ہم نے از راہ دور اندیشی پہلے ہی اپنے بچاؤ کا انتظام کر لیا تھا۔ ہم سمجھتے تھے کہ یہ ہی حشر ہونے والا ہے لہٰذا ان کے ساتھ گئے ہی نہیں۔ غرض ڈینگیں مارتے ہوئے اور خوشی سے بغلیں بجاتے ہوئے اپنی مجلسوں سے گھروں کو واپس جاتے ہیں۔

ف۲ یعنی سختی یا نرمی جو جس وقت کے لیے مقدر ہے وہ ٹل نہیں سکتی، نہ دنیا میں اس سے چارہ ہے۔ مگر ہم چونکہ ظاہر و باطن سے خدا کو اپنا حقیقی مولا اور پروردگار سمجھتے ہیں لہٰذا ہماری گردنیں اس کے فیصلے اور حکم کے سامنے پست ہیں۔ کوئی سختی اس کی فرماں برداری سے باز نہیں رکھتی۔ اور اسی پر ہم کو بھروسہ ہے کہ وہ عارضی سختی کو آخرت میں بالیقین اور بسا اوقات دنیا میں بھی راحت و خوشی سے تبدیل کر دے گا۔ اندریں صورت تم ہماری نسبت دو بھلائیوں میں سے کسی ایک کی ضرور امید کر سکتے ہو۔ اگر خدا کے راستہ میں مارے گئے تو شہادت و جنت، اور واپس آئے تو اجر یا غنیمت ضرور مل کر رہے گی۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں حق تعالیٰ نے مجاہد کی نسبت ان چیزوں کا تکفل فرمایا ہے۔ برخلاف اس کے تمہاری نسبت ہم منتظر ہیں کہ دو برائیوں میں سے ایک برائی ضرور پہنچ کر رہے گی یا نفاق و شرارت کی بدولت بلا واسطہ قدرت کی طرف سے کوئی عذاب تم پر مسلط ہوگا، یا ہمارے ہاتھوں سے خدا تم کو سخت سزا دلوائے گا جو رسوا کر کے تمہارے نفاق کا پردہ فاش کر دے گی۔ بہر حال تم اور ہم دونوں کو ایک دوسرے کا انجام دیکھنے کے لیے منتظر رہنا چاہیے۔ آخر معلوم ہو جائے گا کہ دونوں میں زیادہ انجام بین اور دور اندیش کون تھا۔

منافقین کے حسد اور ان کی باطنی عداوت کا ذکر

قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنۡ تُصِبۡكَ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ ... الی ... اِنَّا مَعَكُمۡ مُّتَرَبِّصُوۡنَ﴾

ربط:...... اس آیت میں منافقین کے حسد اور ان کی ایک باطنی خباثت اور اندرونی عداوت ذکر ہے جو سارے فتنوں کی جڑ ہے چنانچہ فرماتے ہیں اگر آپ کو کسی لڑائی میں کوئی بھلائی مثلاً فتح یا غنیمت پہنچے تو حسد اور عداوت کی وجہ سے ان کو بری معلوم ہوتی ہے اور اگر کسی لڑائی میں آپ کو کوئی مصیبت پہنچے مثلاً شکست یا زخم وغیرہ تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی اپنا انتظام کر لیا تھا یعنی ہم پہلے ہی سے جانتے تھے کہ اس لڑائی میں نہیں گئے اور یہ کہتے ہوئے خوش وخرم اپنی مجلسوں سے اپنے گھر میں واپس ہو جاتے ہیں اے نبی آپ ان منافقوں سے کہہ دیجئے کہ تم ہماری مصیبت سے کیا خوش ہوتے ہو ہمیں یقین ہے کہ ہم کو ہرگز نہیں پہنچے گی مگر وہ چیز جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہے وہی ہمارا کارساز ہے اور ہمارا آقا اور مولیٰ ہے اور ہم اس کے بندے ہیں "بندہ را با مصلحت بینی چہ کار" اس کی طرف سے جو فتح ونصرت یا ہزیمت ونکبت آئے اسی میں ہمارے لیے خیر ہے اور اہل ایمان کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم ہمارے حق میں سوائے اس کے اور کس بات کا انتظار کرتے ہو کہ ہم کو دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی ضرور ملے یعنی لڑائی میں ہمارا انجام یہی ہو سکتا ہے کہ ہم یا تو فتح اور غنیمت حاصل کریں یا شہادت اور اجر حاصل کریں۔ دونوں صورتوں میں دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی ہم کو ضرور حاصل ہوگی پس تم ہمارے حق میں سوائے اس کے اور کس بات کے منتظر ہو سکتے ہو اور ہم بھی تمہارے حق میں دو باتوں میں سے ایک بات کے یا تو یہ کہ اللہ تعالیٰ تم پر براہ راست اپنے پاس سے کوئی عذاب نازل کرے جیسے کڑک اور زلزلہ اور طوفان وغیرہ تاکہ تم اس عذاب الٰہی سے ہلاک ہو جاؤ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ہاتھوں سے تم پر کوئی عذاب نازل کرے۔ یعنی ہمارے ہاتھوں سے تم کو قتل کرائے اور ذلیل وخوار کرے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم بھی تمہارے لیے ان دو برائیوں میں سے ایک برائی کے منتظر ہیں یا تو خود خدا تمہیں کسی سماوی آفت اور غیبی مصیبت سے ہلاک کرے یا ہمارے ہاتھوں کے ذریعے تم کو عذاب اور مصیبت پہنچائے۔ پس تم ہمارے انجام کے منتظر رہو ہم بھی تمہارے ساتھ تمہارے انجام کے منتظر ہیں اور وہ وقت دور نہیں کہ جب انجام تمہارے سامنے آ جائے گا۔

یہ تو جد بن قیس کے حسد اور عداوت اور فتنہ زنان روم کا جواب ہوا اب آئندہ آیت میں اس کی اس بات کا جواب ہے کہ میں اپنے مال سے آپ کی مدد کو حاضر ہوں اور آئندہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ تم فاسق اور منافق ہو اور بدون صدق اور اخلاص کے کوئی عمل اس کی بارگاہ میں قبول نہیں۔

قُلۡ اَنۡفِقُوۡا طَوۡعًا اَوۡ كَرۡهًا لَّنۡ يُّتَقَبَّلَ مِنۡكُمۡ ؕ اِنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ قَوۡمًا فٰسِقِيۡنَ ۝ وَمَا

کہہ دے کہ مال خرچ کرو خوشی سے یا ناخوشی سے ہرگز قبول نہ ہوگا تم سے بیشک تم نافرمان لوگ ہو ف۱ اور

تو کہہ، مال خرچ کرو خوشی سے یا ناخوشی سے، ہرگز قبول نہ ہوگا تم سے۔ تحقیق تم ہوئے ہو لوگ بے حکم۔ اور

ف۱ جد بن قیس نے رومی عورتوں کے فتنہ کا بہانہ کر کے یہ بھی کہا تھا کہ حضرت میں بذات خود نہیں جا سکتا لیکن مالی اعانت کر سکتا ہوں۔ اس کا جواب دیا کہ =

مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ

موقوف نہیں ہوا قبول ہونا ان کے خرچ کا مگر اسی بات پر کہ وہ منکر ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے، اور نہیں آتے

موقوف نہیں ہوا قبول ہونا ان کے خرچ کا، مگر اسی پر کہ وہ منکر ہوئے اللہ سے، اور اس کے رسول سے، اور نہیں آتے

الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ

نماز کو مگر ہارے جی سے اور خرچ نہیں کرتے مگر برے دل سے ف۱ سو تو تعجب نہ کر ان کے مال

نماز کو مگر جی ہارے، اور خرچ نہیں کرتے مگر برے دل سے۔ سو تو تعجب نہ کر ان کے مال

وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ

اور اولاد سے یہی چاہتا ہے اللہ کہ ان کو عذاب میں رکھے ان چیزوں کی وجہ سے دنیا کی زندگی میں اور نکلے ان کی جان اور وہ اس وقت تک

اور اولاد سے۔ یہی چاہتا ہے اللہ کہ ان کو عذاب کرے ان چیزوں سے دنیا کے جیتے، اور نکلے ان کی جان جب تک وہ

كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾

کافر ہی رہیں ف۲ اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ وہ بیشک تم میں ہیں اور وہ تم میں نہیں ولیکن وہ لوگ ڈرتے ہیں تم سے

کافر ہی رہیں۔ اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی، کہ وہ بیشک تم میں ہیں۔ اور وہ تم میں نہیں، لیکن وہ لوگ ڈرتے ہیں۔

= بے اعتقاد کا مال قبول نہیں خواہ خوشی سے خرچ کرے یا ناخوشی سے۔ یعنی خوشی سے خدا کے راستہ میں خرچ کرنے کی ان کو توفیق کہاں ﴿وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ﴾ تاہم اگر بالفرض خوشی سے بھی خرچ کریں تو خدا قبول نہ کرے گا۔ اس کا سبب اگلی آیت میں بتایا ہے۔

ف۱ عدم قبول کا اصل سبب تو ان کا کفر ہے جیسا کہ ہم پہلے متعدد مواقع میں اشارہ کر چکے کہ کافر کا ہر عمل مردہ اور بے جان ہوتا ہے۔ باقی نماز میں ہارے جی سے آنا، یا برے دل سے خرچ کرنا، یہ سب کفر کے ظاہری آثار ہیں۔

ف۲ شبہ گزر سکتا تھا کہ جب یہ ایسے مردود ہیں تو ان کو مال و اولاد وغیرہ نعمتوں سے کیوں نوازا گیا ہے۔ اس کا جواب دیا کہ یہ نعمتیں ان کے حق میں بڑا عذاب ہیں، جس طرح ایک لذیذ اور خوش گوار غذا تندرست آدمی کی صحت وقوت کو بڑھاتی ہے اور فاسد الاخلاط مریض کو ہلاکت سے قریب تر کر دیتی ہے۔ یہی حال ان دنیاوی نعمتوں (مال و اولاد وغیرہ) کا سمجھو، ایک کافر کے حق میں یہ چیزیں سوء مزاج کی وجہ سے زہر ہلاہل ہیں۔ چونکہ کفار دنیا کی حرص و محبت میں غریق ہوتے ہیں، اس لیے اول اس کے جمع کرنے میں بے حد کوفت اٹھاتے ہیں۔ پھر ذرا نقصان یا صدمہ پہنچ گیا تو جس قدر محبت ان چیزوں سے ہے، اسی قدر غم سوار ہوتا ہے اور کوئی وقت اس کے فکر و اندیشہ اور ادھیڑ بن سے خالی نہیں جاتا۔ پھر جب موت ان محبوب چیزوں سے جدا کرتی ہے اس وقت کے صدمے اور حسرت کا تو اندازہ کرنا مشکل ہے۔ غرض دنیا کے عاشق اور حریص کو کسی وقت حقیقی چین اور اطمینان میسر نہیں۔ چنانچہ یورپ و امریکہ وغیرہ کے بڑے بڑے سرمایہ داروں کے اقوال اس پر شاہد ہیں۔ باقی مومنین جو دولت اور اولاد کو معبود اور زندگی کا اصلی نصب العین نہیں سمجھتے، چونکہ ان کے دل میں حب دنیا کا مرض نہیں ہوتا اس لیے یہی چیزیں ان کے حق میں نعمت اور دین کی اعانت کا ذریعہ بنتی ہیں۔ اس کے علاوہ اکثر کفار کثرت مال و اولاد پر مغرور ہو کر کفر و طغیان میں اور زیادہ شدید ہو جاتے ہیں جو اس کا سبب بنتا ہے کہ اخیر دم تک کافر ہی رہیں۔ نیز منافقین مدینہ جن کے حق میں یہ آیات نازل ہوئیں، ان کا حال یہ تھا کہ بادل نخواستہ جہاد وغیرہ کے مواقع پر ریاء و نفاق سے مال خرچ کرتے تھے اور ان کی اولاد میں بعض لوگ مخلص مسلمان ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم راہ جہاد میں شریک ہوتے تھے، یہ دونوں چیزیں منافقین کے منشائے قلبی کے بالکلیہ خلاف تھیں، اس طرح اموال و اولاد ان کے لیے دنیا میں عذاب بن گئے تھے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی یہ تعجب نہ کر کہ بے دین کو اللہ نے نعمت کیوں دی، بے دین کے حق میں اولاد اور مال وبال ہے کہ ان کے پیچھے دل پریشان رہے اور ان کی فکر سے چھوٹنے نہ پائے مرتے دم تک، تا توبہ کرے یا نیکی اختیار کرے۔"

لَوْ يَجِدُونَ مَلْجَأً أَوْ مَغٰرٰتٍ أَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُونَ ﴿۵۷﴾

اگر وہ پائیں کوئی پناہ کی جگہ یا غار یا سر گھسانے کو جگہ تو الٹے بھاگیں اسی طرف رسیاں تڑاتے ف۱

اگر پاویں کہیں بچاؤ، یا کوئی گڑھے یا سر گھسانے کو جگہ، تو الٹے بھاگیں اسی طرف رسیاں توڑاتے۔

بیان غیر مقبول بودن صدقات ونفقات منافقین

قال تعالیٰ: ﴿قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ... الی ... وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیت میں جد بن قیس کے اس قول کا یعنی ﴿لَا تَفْتِنِّيْ﴾ کا جواب تھا جس میں اس نے رومی عورتوں کے فتنہ کا بہانہ بنا کر غزوہ میں جانے سے معذوری ظاہر کی تھی اب اس آیت میں اس کے دوسرے قول کا جواب ہے جو اس نے یہ کہا تھا کہ میں بذات خود تو جہاد میں نہیں جا سکتا لیکن روپیہ پیسہ سے اعانت کر سکتا ہوں اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ خدا تعالیٰ کے یہاں اس کا خرچ مقبول نہیں۔ قبول کے لیے ایمان اور اخلاص شرط ہے جو ان میں مفقود ہے ہے جن لوگوں کے دلوں میں ایمان نہ ہو اللہ کے یہاں ان کی عبادت قبول نہیں اے نبی آپ منافقین سے اور خاص کر جد بن قیس سے جو یہ کہتا ہے کہ میں مال سے آپ کی مدد کر سکتا ہوں ان کے جواب میں یہ کہہ دیجئے کہ تم خوشی سے راہ خدا میں اپنے مال خرچ کرو یا ناگواری اور ناخوشی سے تمہاری طرف سے کوئی خیرات ہرگز ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔ تحقیق تم لوگ حد سے زیادہ نافرمان ہو۔ اور اسلام کے دائرہ سے بالکلیہ باہر ہو اور ادب سے بالکل بے بہرہ ہو ہم سے تمہارا کوئی تعلق نہیں۔ محض اپنی نمود اور شہرت کے لیے زبان سے امداد کا ذکر کرتے ہو ایسی امداد کی اسلام کو ضرورت نہیں اور ان کے خیرات کے قبول ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں بجز اس کے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو نہیں مانا اور خدا اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لائے اور جس طرح کافر ظاہر میں زندہ اور معنی مردہ ہیں اسی طرح کافر کا عمل اگرچہ ظاہر میں خوبصورت ہے مگر درحقیقت مردہ اور بے جان ہے اور وہ نہیں حاضر ہوتے مسجد میں نماز کے لیے مگر کاہلی کے ساتھ اور نہیں خرچ کرتے وہ راہ خدا میں مگر بادلِ ناخواستہ اس لیے کہ ثواب وعقاب پر ان کا ایمان نہیں بخلاف مسلمانوں کے کہ وہ خدا اور رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی خیرات اللہ کے یہاں مقبول ہے اور جو کافر اور منافق ہیں ان کا کوئی عمل قبول نہیں۔ جب تک خدا اور رسول ﷺ سے تعلق نہ قائم کریں گے اس وقت تک کوئی عمل ان کا قابل قبول نہیں اور خدا اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ تعلق ایمان کے ساتھ قائم ہوتا ہے پس جب یہ ایسے مردود اور مطرود ہیں تو ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالے۔ یعنی آپ ﷺ ان کے مال و دولت اور اولاد کی کثرت کو دیکھ کر تعجب نہ کریں کہ یہ کیوں ہے۔ اور یہ خیال نہ کریں کہ اللہ ان سے راضی ہے کیونکہ یہ سب استدراج ہے ظاہر میں انعام ہے اور

ف۱ یعنی محض اس خوف سے کہ کفر ظاہر کریں تو کفار کا سا معاملہ ان کے ساتھ بھی ہونے لگے گا۔ قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم تو تمہاری ہی جماعت (مسلمین) میں شامل ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اگر آج ان کو کوئی پناہ کی جگہ مل جائے یا کسی غار میں چھپ کر زندگی بسر کرسکیں یا کم از کم ذرا سر گھسانے کی جگہ ہاتھ آجائے، غرض حکومت اسلامی کا خوف نہ رہے، تو سب دعوے چھوڑ کر بے تحاشا اسی طرف بھاگنے لگیں، چونکہ نہ اسلامی حکومت کے مقابلہ کی طاقت ہے نہ کوئی پناہ کی جگہ ملتی ہے اس لیے قسمیں کھا کھا کر جھوٹی باتیں بناتے ہیں۔

در پردہ وبال ہے۔ پس اللہ یہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں کے باعث ان کو دنیاوی زندگی میں مبتلائے عذاب رکھے۔ ہر وقت مال ودولت کی محبت میں سرگرداں رہیں اور اس کے حصول کے لیے طرح طرح کی مشقتیں اور سخت سے سخت مصیبتیں اور ذلتیں اٹھاتے رہیں غرض یہ کہ جب تک زندہ رہیں تو دنیا کے بکھیڑوں میں پھنسے رہیں اور مرنے کے وقت ان کی جانیں ان کے بدن سے کفر کی حالت میں نکلیں تا کہ عذاب دنیا کے بعد وہ عذاب آخرت میں پھنس جائیں اور یہ منافق تمہارے آگے اللہ کی جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ تحقیق وہ تم ہی میں سے ہیں یعنی مسلمان ہیں اور حالانکہ وہ تم میں سے نہیں بلکہ وہ پکے کافر ہیں ولیکن وہ ڈرپوک لوگ ہیں ڈر کے مارے اپنے کفر کو پوشیدہ رکھتے ہیں اس لیے وہ اپنے نفاق کو چھپانے کے لیے جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں ان کو ڈر یہ ہے کہ اگر وہ اپنے اندرونی کفر کو ظاہر کریں تو مشرکین کی طرح وہ بھی قتل اور قید کیے جائیں اگر یہ لوگ پائیں کوئی جائے پناہ یا غار اور تہہ خانے یا کوئی سر گھسانے کی جگہ تو تیزی کے ساتھ اس طرف بھاگ جائیں اور تمہیں چھوڑ جائیں مگر بے چارے مجبور ہیں کہ کہاں جائیں کوئی جگہ ان کو ایسی نظر نہیں آتی جہاں جا کر اپنے دل کی بھڑاس نکالیں مطلب یہ ہے کہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں یعنی مسلمان ہیں اور تمہاری جماعت میں شامل ہیں۔ لیکن وہ نفس الامر میں تمہاری جماعت میں شامل نہیں ان کا قسم کھانا ڈر کی وجہ سے ہے آج اگر ان کو کوئی جائے پناہ غار یا تہہ خانہ مل جائے تو تم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں ان کا تم سے ملنا جلنا ناخوشی اور ناگواری کے ساتھ ہے نہ کہ محبت کی راہ سے یہ تو اپنی غرض اور ضرورت سے ملتے ہیں ان کو اسلام کی روز افزوں عزت ورفعت سخت ناگوار ہے ان کو مسلمانوں سے اس قدر بغض اور نفرت ہے کہ ان کی صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتے یہ چاہتے ہیں کہ اگر کوئی غار یا تہہ خانہ یا سر چھپانے کی جگہ مل جائے تو وہاں چل دیں اور مسلمان کی صورت بھی نہ دیکھیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا

اور بعضے ان میں وہ ہیں کہ تجھ کو طعن دیتے ہیں خیرات بانٹنے میں سو اگر ان کو ملے اس میں سے تو راضی ہوں اور اگر نہ ملے تو جبھی

اور بعضے ان میں ہیں کہ تجھ کو طعن دیتے ہیں زکوٰۃ بانٹنے میں۔ سو اگر ان کو ملے اس میں سے تو راضی ہوں اور اگر نہ ملے، تب ہی

هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ

وہ ناخوش ہوجائیں ف۱ اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ راضی ہوجاتے اسی پر جو دیا ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے اور کہتے کافی ہے ہم کو اللہ

وہ ناخوش ہوجاویں۔ اور کیا خوب تھا اگر وہ راضی ہوتے، جو دیا ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے، اور کہتے، بس ہے ہم کو اللہ

سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع ۱۴

وہ دے گا ہم کو اپنے فضل سے اور اس کا رسول ہم کو تو اللہ ہی چاہیے ف۲

دے رہے گا ہم کو اللہ اپنے فضل سے، اور اس کا رسول، ہم کو اللہ ہی چاہئے۔

ف۱ بعض منافقین اور بعض اعراب (بدو) صدقات وغنائم کی تقسیم کے وقت دنیاوی حرص اور خود غرضی کی راہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت زبان طعن کھولتے تھے کہ تقسیم میں انصاف کا پہلو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ مگر یہ اعتراض اسی وقت تک تھا جب تک ان کی خواہش کے موافق صدقات وغیرہ میں سے حصہ نہ دیا جائے۔ اگر=

تقسیم صدقات وغنائم پر بعض منافقین کا طعن اور اس کا جواب

قَالَ اللہُ تَعَالٰی: ﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ... الی... اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ﴾

ربط:...... ان آیات میں تقسیم صدقات کے بارے میں منافقین کے ایک طعن کا ذکر کرتے ہیں۔ جس کا منشاء صرف حرص اور طمع تھا۔ بعض منافقین نے تقسیم صدقات کے بارے میں آپ ﷺ پر ناانصافی کا الزام لگایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ لوگوں کا یہ طعن محض حرص اور طمع پر مبنی ہے کہ اگر ان لوگوں کو ان کی خواہش اور حرص کے مطابق دے دیا جائے تو خوش ہو جاتے ہیں اور کوئی اعتراض نہیں کرتے اس لیے آئندہ آیات میں صدقات کے مصارف بیان فرمائیں گے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون صدقہ دینے کے قابل ہیں اور کون نہیں اور ان منافقین میں کی ایک نوع وہ ہے جو آپ پر تقسیم صدقات کے بارے میں ناانصافی کا عیب لگاتی ہے اور یہ کہتی ہے کہ معاذ اللہ آپ ﷺ تقسیم صدقات میں عدل وانصاف کا لحاظ نہیں رکھتے۔ بخاری وغیرہ کی روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ طعن کرنے والا ذوالخویصرہ تمیمی تھا جو خارجیوں کا راس الرئیس اور اصل اصول تھا اور بعض نے اس کا شان نزول اور لوگوں کو بتلایا۔ پس خوب سمجھ لو کہ ان کا یہ طعن خود غرضی کی راہ سے ہے سو ان صدقات میں سے اگر ان کو ان کے حسب منشاء دے دیا جائے تو وہ راضی ہو جاتے ہیں۔ اور پھر آپ ﷺ کی تقسیم پر ان کو کوئی اعتراض نہیں رہتا اور اگر ان صدقات میں سے ان کو اور ان کی خواہش کے موافق نہ دیا جائے تو فوراً ہی بگڑ بیٹھتے ہیں اور زبان طعن دراز کرتے ہیں پس معلوم ہوا کہ اس حرف گیری کا منشاء صرف خود غرضی ہے جو خود اس کے باطل ہونے کی دلیل ہے اور اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور اس کے رسول نے خیرات اور صدقات نافلہ اور مال غنیمت میں ان کو دیا اور یہ کہتے کہ ہمیں کافی ہے اللہ کا فضل قریب ہے کہ آئندہ اللہ ہم کو اپنے فضل وکرم سے اور اس کا رسول اپنے لطف وعنایات سے عطا کرے گا۔ تحقیق ہم دل وجان سے اللہ کی طرف راغب ہیں اور اس کے فضل وکرم کے امیدوار ہیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي

زکوٰۃ جو ہے وہ حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور زکوٰۃ کے کام پر جانے والوں کا اور جن کا دل پر چانا منظور ہے اور

زکوٰۃ جو ہے، سو حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا، اور اس کام پر جانے والوں کا، اور جن کا دل پرچانا ہے، اور

الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

گردنوں کے چھڑانے میں اور جو تاوان بھریں اور اللہ کے رستہ میں اور راہ کے مسافر کو ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا اور اللہ سب کچھ جاننے والا

گردن چھڑانے میں، اور جو تاوان بھریں، اور اللہ کی راہ میں، اور راہ کے مسافر کو ٹھہرا دیا ہے اللہ کا۔ اور اللہ سب جانتا ہے

= انہیں خوب جی بھر کر خواہش وحرص کے موافق دے دیا گیا تو خوش ہو جاتے اور کچھ اعتراض نہیں رہتا تھا گویا ہر طرح مال ودولت کو قبلۂ مقصود ٹھہرا رکھا تھا۔ آگے بتلاتے ہیں کہ ایک مدعی ایمان کا مطمح نظر یہ نہیں ہونا چاہیے۔

ف۲ یعنی بہترین طریقہ یہ ہے کہ جو کچھ خدا اپنے پیغمبر کے ہاتھ سے دلوائے اس پر آدمی راضی وقانع ہو اور صرف خدا پر توکل کرے اور سمجھے کہ وہ چاہے گا تو آئندہ اپنے فضل سے بہت کچھ مرحمت فرمائے گا۔ غرض دنیا کی متاع فانی کو نصب العین نہ بنائے۔ صرف خداوند رب العزت کے قرب ورضا کا طالب ہو اور جو ظاہری وباطنی دولت خدا اور رسول کی سرکار سے ملے اسی پر مسرور ومطمئن ہو۔

حَكِيمٌ ﴿٦٠﴾

حکمت والا ہے ف ۱

حکمت والا۔

بیان مصارف صدقات

قَالَ تَعَالَىٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَٰتُ لِلْفُقَرَآءِ... الى... وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾

ربط:...... منافقین حرص اور طمع کی بناء پر یہ چاہتے تھے کہ ہم جس وقت آپ ﷺ سے جتنا مال مانگیں اتنا ہی مال آپ ﷺ ہم کو دے دیا کریں۔ اسی لیے وہ آپ کی عادلانہ تقسیم پر طعن کرتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی جس میں صدقات کے مصارف بیان فرمائے تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ صدقہ دینے کے قابل نہیں اور یہ بتلا دیا کہ اللہ کے نبی کی تقسیم حکم خداوندی کے مطابق ہے جس میں ذرہ برابر خیانت کا احتمال نہیں کیونکہ زکوٰۃ اور صدقات نبی ﷺ پر اور اس کے اہل و عیال پر اور اس کے خاندان پر بلکہ اس کے آزاد کردہ غلاموں پر بھی حرام ہے۔ ایسی حالت میں خود غرضی کا تو کوئی امکان ہی نہیں۔ حضور پرنور ﷺ کے پاس جو زکوٰۃ اور صدقات کا مال آتا ہے وہ حسب حکم خداوندی فقراء و مساکین پر خرچ کر دیتے ہیں تم جیسے حریص مال دار اس کے مستحق نہیں۔ منافقین کے قبائح اور فضائح کے درمیان مصارف صدقات کا بیان اس لیے فرمایا تا کہ منافقین کی طمع منقطع ہو جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں صدقات و خیرات یعنی زکوٰۃ صرف فقیروں اور مسکینوں کا حق ہے اور ان لوگوں کا حق ہے جو اس کے وصول کرنے پر تعینات ہیں۔ یعنی جو صدقات کی تحصیل کا کام کرتے ہیں۔ ان کو اس مال سے بطریق عمالہ یعنی بطریقہ صلۂ کارگزاری کچھ دیا جائے اگرچہ وہ غنی ہوں لیکن نہ بطریق زکوٰۃ و صدقہ اور بطریقہ عمالہ میں یہ شرط ہے کہ بقدر کفاف اور بقدر ضرورت دیا جائے گویا کہ شریعت نے عاملین کو جو دینے کا حکم دیا ہے وہ درحقیقت ان کا سفر خرچ ہے نہ کہ زکوٰۃ اور صدقہ۔ جیسا کہ عنقریب اس کی تفصیل آئے گی اور یہ صدقات ان لوگوں کے لیے ہیں جن کی تالیف قلب کی جائے اس سے وہ ضعیف الایمان مسلمان مراد ہیں جو ابھی اسلام پر پختہ نہیں اور افلاس اور تنگ دستی کی وجہ سے ان کے اسلام سے پھر جانے کا اندیشہ ہے تو ایسے لوگوں کی تالیف قلب اور دلجوئی کے لیے اس مال میں سے ان کی مدد کی جائے اس حصہ کے متعلق

ف ۱ چونکہ تقسیم صدقات کے معاملہ میں پیغمبر پر طعن کیا گیا تھا، اس لیے متنبہ فرماتے ہیں کہ صدقات کی تقسیم کا طریقہ خدا کا مقرر کیا ہوا ہے۔ اس نے صدقات وغیرہ کے مصارف متعین فرما کر فہرست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دے دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کے موافق تقسیم کرتے ہیں اور کریں گے کسی کی خواہش کے تابع نہیں ہو سکتے۔ حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "خدا نے صدقات (زکوٰۃ) کی تقسیم کو نبی یا غیر نبی کسی کی مرضی پر نہیں چھوڑا۔ بلکہ بذات خود اس کے مصارف متعین کر دیے ہیں۔ جو آٹھ ہیں۔ "فقراء" (جن کے پاس کچھ نہ ہو) "مساکین" (جن کو بقدر حاجت میسر نہ ہو) "عاملین" (جو اسلامی حکومت کی طرف سے تحصیل صدقات وغیرہ کے کاموں پر مامور ہوں) "مؤلفۃ القلوب" (جن کے اسلام لانے کی امید ہو یا اسلام میں کمزور ہوں وغیر ذلک من الانواع۔ اکثر علماء کے نزدیک حضور کی وفات کے بعد یہ مد نہیں رہی) "رقاب" (یعنی غلاموں کا بدل کتابت ادا کر کے آزادی دلائی جائے۔ یا خرید کر آزاد کیے جائیں۔ یا اسیروں کا فدیہ دے کر رہا کرائے جائیں) "غارمین" (جن پر کوئی حادثہ پڑا اور مقروض ہو گئے یا کسی کی ضمانت وغیرہ کے بارے میں دب گئے) "فی سبیل اللہ" (جہاد وغیرہ میں جانے والوں کی اعانت کی جائے) "ابن السبیل" (مسافر جو حالت سفر میں مالک نصاب نہ ہو، گو مکان پر دولت رکھتا ہو) "حنفیہ" کے یہاں تملیک ہر صورت میں ضروری ہے اور فقر شرط ہے۔ تفصیل فقہ میں ملاحظہ کی جائے۔

جمہور ائمہ دین کا مذہب یہ ہے کہ یہ پہلے تھا اور اب ساقط ہو گیا کیونکہ اللہ نے اسلام کو غنی کر دیا۔ لہٰذا اب مؤلفۃ القلوب کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ صدیق اکبر ؓ کے عہد خلافت میں اس پر تمام صحابہ کا اجماع اور اتفاق ہو گیا۔ (دیکھو روح المعانی: ۱۰/۱۰۹)

مطلب یہ ہے کہ اب تالیف قلب کی بناء پر زکوٰۃ دینا جائز نہیں یہ حکم پہلے تھا اور اب منسوخ ہو گیا۔ اب زکوٰۃ صرف حاجت اور ضرورت کی بناء پر جائز ہے۔

اور نیز ان صدقات کو غلاموں کی گردن چھڑانے میں صرف کیا جائے یعنی وہ لونڈی اور غلام جنہوں نے اپنے آقاؤں سے یہ معاملہ کر لیا ہے کہ کما کر اتنی رقم ادا کریں تو ہم کو آزاد کر دیا جائے۔ اصطلاح شریعت میں ایسے غلاموں کو مکاتب کہتے ہیں۔ سو مال زکوٰۃ سے ان مکاتبین کی امداد جائز ہے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ کے مال سے لونڈی اور غلام کو خرید کر آزاد کرنا بھی جائز ہے اور صدقات قرض داروں کے قرضہ ادا کرنے کے لیے بھی ہیں۔ غارمین سے وہ قرض دار مراد ہیں جن کے پاس اتنا اثاثہ نہیں کہ جس سے وہ قرضہ ادا کر سکیں بشرطیکہ وہ قرضہ انہوں نے جائز ضرورت کے لیے لیا ہو۔ معصیت اور فسق اور فجور جیسے شراب خوری اور فضول خرچی کے لیے نہ لیا ہو حدیث میں ہے کہ جس نے معصیت کے کاموں کے لیے قرض لیا ہو اس کو صدقات میں کچھ نہ دیا جائے اور نیز یہ صدقات اللہ کی راہ میں صرف کیے جائیں اللہ کی راہ سے جہاد مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ غازی فقیروں اور حاجت مند مجاہدوں کی اس مال سے مدد کی جائے تاکہ وہ اس مال سے سفر جہاد کر سکیں اور سامان جہاد ہتھیار وغیرہ خرید سکیں اور نیز یہ صدقات بے سروسامان مسافروں کی امداد میں خرچ کیے جائیں جو اپنے گھر سے خرچ منگانے پر قادر نہیں اور نہ قرض لینے پر قادر ہیں۔ تو ایسے بے سروسامان مسافروں کو زکوٰۃ وصدقات میں اتنی رقم دے دینی جائز ہے کہ جس سے وہ اپنے گھر پہنچ سکیں۔ یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر ہے لہٰذا اللہ کے نبی ﷺ نے اللہ کے حکم کے مطابق جس طرح صدقات کو تقسیم کر دیا اس میں کسی کے لیے اعتراض کی گنجائش نہیں اور اللہ بندوں کی حاجتوں اور مصلحتوں کو جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ اس کو مناسب اور نامناسب کا علم ہے صدقات کے متعلق اس نے جو حکم دیا وہ عین حکمت اور عین مصلحت ہے۔

حق تعالیٰ چوں در حکمت کشاد ہر کسے را آنچہ می بائیست داد
نیست واقع اندراں قسمت غلط بندہ را خواہی رضا خواہی سخط

چونکہ منافقین نے آنحضرت ﷺ کی تقسیم پر اعتراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے خود صدقات کی تقسیم کا طریقہ مقرر کر دیا۔ اور اس کے مصارف متعین فرما کر ان کی فہرست نبی اکرم ﷺ کے ہاتھ میں دے دی کہ آپ اس کے مطابق تقسیم کریں تاکہ کوئی حریص اور خود غرض آپ ﷺ کی تقسیم پر اعتراض نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے صدقات کی تقسیم کو کسی کی مرضی پر نہیں چھوڑا بلکہ بذات خود اس کے مصارف متعین کر دیے جو آٹھ ہیں ان کے سوا کسی اور مصرف میں ان کا صرف کرنا جائز نہیں۔ اب ہم ان آٹھ مصرفوں کو جدا جدا تفصیل وار بیان کرتے ہیں۔

تفصیل مصارف صدقات

۱-الفقراء- ۲ المساکین:... ظاہر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فقراء اور مساکین، یہ دونوں محتاجین کی دو علیحدہ علیحدہ قسمیں ہیں ان کی تفسیر میں علماء سے مختلف اقوال منقول ہیں۔ جمہور علماء یہ کہتے ہیں کہ فقیر وہ ہے کہ جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو اور مسکین وہ ہے کہ جس کے پاس بقدر ضرورت وکفایت نہ ہو غرض یہ کہ سخت افلاس اور بدحالی کا نام فقر ہے۔ چنانچہ سخت مصیبت کو عربی زبان میں فاقرہ کہتے ہیں اور فقیر اصل میں فقار سے مشتق ہے جس کے معنی کمر کی ہڈی کے ہیں۔ فقیر کو فقیر اس لیے کہتے ہیں کہ سخت افلاس نے اس کی فقار (کمر) توڑ دی ہے۔

اور مسکین وہ ہے کہ جس کے پاس مال میں سے کوئی ادنیٰ سی چیز موجود ہو مگر اس کی ضرورت کے لیے قطعاً کافی نہ ہو یہ لفظ سکون سے مشتق ہے چونکہ اس کے پاس سکون قلب کا ذریعہ موجود نہیں اس لیے اس کو مسکین کہتے ہیں یا یہ وجہ ہے کہ بے سروسامانی کی وجہ سے ساکن ہے متحرک نہیں۔

بہرحال احتیاج فقیر میں بھی پائی جاتی ہے اور مسکین میں بھی مگر جمہور علماء کے نزدیک فقیر محتاجی میں سب سے بڑھ کر ہے اور مسکین محتاجی میں فقیر سے کم درجہ میں ہے اس لیے حق جل شانہ نے مصارف صدقات میں سب سے پہلے فقراء کا ذکر فرمایا کیونکہ فقراء بہ نسبت دیگر اصناف کے محتاج تر ہیں اور امام ابوحنیفہ ﷫ کے نزدیک معاملہ برعکس ہے۔ امام اعظم ﷫ کے نزدیک مسکین فقیر سے زیادہ بدتر ہے امام ابوحنیفہ ﷫ کے نزدیک فقیر وہ کہ جس کے پاس مقدار نصاب مال نہ ہو اور مسکین وہ ہے کہ جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ کما قال تعالیٰ: ﴿اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ﴾ مسکین وہ ہے کہ جس کے پاس سوائے مٹی کے کچھ نہ ہو۔

۳-عاملین:... مصارف صدقات کی تیسری قسم عاملین ہے۔ عاملین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اسلامی حکومت کی طرف تحصیل صدقات کے کام پر تعینات ہوں ان کو بھی اس مال سے بقدر ضرورت وکفایت دے دیا جائے اگرچہ وہ غنی ہوں۔ جاننا چاہیے کہ عاملین کو جو کچھ دیا جائے گا وہ بطریق زکوٰۃ نہیں بلکہ بطریق عمالہ ہے اور پھر یہ عمالہ بقدر کفاف اور بقدر ضرورت وکفایت ہے۔ یعنی ضرورت اور کفایت کے مطابق ان کو دیا جائے۔ جس کی مقدار کوئی معین ہیں۔ اس لیے اس کو اجرت اور معاوضہ نہیں کہا جاسکتا جیسا کہ علامہ ابن جوزی ﷫ فرماتے ہیں قولہ تعالیٰ ﴿وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا﴾ وھم السعاۃ الجبایۃ الصدقۃ یعطون منہا بقدر اجور امثالہم ولیس مایاخذونہ بزکوۃ (زاد المسیر: ۴۵۷/۳)

غرض یہ کہ عامل اور محصل کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ درحقیقت اس کی آمد ورفت کا خرچ ہے زکوٰۃ اور صدقہ نہیں کیونکہ زکوٰۃ میں شرط یہ [1] ہے کہ وہ کسی عمل کے عوض اور مقابلہ میں نہ ہو بلکہ زکوٰۃ کی حقیقت ہی تملیك المال بغیر عوض ہے (دیکھو بنایہ شرح ہدایہ: ۱۱۵/۱ و کنز الدقائق ص: ۵۵) حضرات اہل علم تفصیل کے لیے بدائع الصنائع: ۴۴/۲ دیکھیں۔

قرآن وحدیث سے یہ امر بداہۃً معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ وصدقات دراصل حق فقراء کا ہے مگر چونکہ عاملین صدقات نے تحصیل صدقات میں فقراء کی خدمت انجام دی ہے اس لیے عاملین [2] کو حکماً فقراء کے زمرہ میں شمار کر کے یا ان کا

[1] حافظ عینی شرح ہدایہ ص: ۱۲۵۵ میں فرماتے ہیں، والزکوۃ لا یجوز ان تدفع عوضا عن شیء۔اھ

[2] کما فی التفسیر المظہری: ۲۳۳/۴ لانہم وکلاء للفقراء فی اخذ الصدقات وتقسیمہا مشغولون بامورہم فیجب ≈

خادم ہونے کی حیثیت سے صدقات میں سے بطور عمالہ اور بطور صلۂ خدمت فقط بقدر ضرورت وکفایت کچھ دے دینے کی جازت دے دی گئی کیونکہ زکوٰۃ اصل حق فقراء کا ہے عامل کو فقراء کی طرف سے بطور حق الخدمت دے دیا گیا نہ بطور زکوٰۃ۔

خلاصۂ کلام یہ کہ عاملین کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ بطور عمالہ ہے نہ کہ بطور صدقہ وزکوٰۃ کیونکہ یہ امر سب کے نزدیک مسلم ہے کہ غنی کو صدقہ اور زکوٰۃ کا مال حلال نہیں اور عاملین کے لیے صدقات میں سے لینا جائز ہے اگرچہ وہ غنی ہوں پس معلوم ہوا کہ عاملین کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ ان کی دینی خدمت کا صلہ اور انعام ہے نہ کہ اجرت اور معاوضہ اور پھر یہ عمالہ اور صلہ بھی بقدر کفاف وضرورت ہے لہٰذا اس عمالہ اور صلہ کو یہ سمجھنا کہ یہ عاملین صدقات کا مشاہرہ اور ان کی تنخواہ تھی اور پھر اس پر یہ قیاس کرنا کہ اسی طرح مدرسہ کے مدرسین اور ملازمین کی تنخواہیں بھی زکوٰۃ کے روپیہ سے دینا جائز ہے قطعاً (بالکل) غلط ہے مدرسین اور ملازمین کو جو مشاہرہ ملے گا وہ ان کے عمل کا عوض اور اسکی اجرت ہوگی اور زکوٰۃ میں یہ شرط ہے کہ تملیک بلاعوض ہو اور خدمت کا معاوضہ اجارہ ہے نہ کہ صدقہ۔

اور عہد رسالت اور زمانۂ خلافت راشدہ میں قاضیوں اور مفتیوں کو جو وظیفے دیئے جاتے تھے وہ مال غنیمت کے خمس اور جزیہ اور خراج کی آمدنی سے دیئے جاتے تھے اور زکوٰۃ اور صدقات کی مد سے کبھی بھی قاضیوں اور مفتیوں کو تنخواہیں نہیں دی گئیں اور آج کل مدارس اسلامیہ میں جو زکوٰۃ کی رقم آتی ہے وہ صرف نادار طلبہ کے وظائف میں خرچ کی جاتی ہے اور ان کو اس کا مالک بنادیا جاتا ہے اس رقم میں سے نہ مدرسین اور ملازمین کو تنخواہ دی جاتی ہے اور نہ مسجدوں اور مدرسہ کی تعمیر میں صرف ہوتی ہے اس لیے کہ زکوٰۃ میں فقراء کو مالک بنانا شرط ہے بغیر تملیک زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

۴- مؤلفة القلوب:... مؤلفة القلوب سے وہ نومسلم مراد ہیں کہ جنہوں نے اسلام تو قبول کرلیا مگر ہنوز ان کا اسلام کمزور ہے اور غریب اور نادار ہیں اندیشہ ہے کہ پھسل نہ جائیں اس لیے ان کو صدقات میں سے دیا جائے تاکہ اسلام پر قائم اور ثابت رہیں اکثر علماء کے نزدیک آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد یہ مد باقی نہیں رہا۔ صدیق اکبر [1] رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں صحابہ کا اس پر اجماع ہوگیا کہ اب زکوٰۃ اور صدقات میں سے مؤلفة القلوب کا سہم ساقط ہوگیا۔ تفسیر قرطبی: ۱۸۱/۸ اور دیکھو زاد المسیر: ۴۵۷/۳۔

البتہ مؤلفة القلوب میں سے جو لوگ حاجت مند اور غریب ہوں تو فقراء میں ہونے کی وجہ سے اب بھی ان کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک عاملین صدقات کے علاوہ باقی تمام مصارف میں فقر اور حاجت مندی شرط ہے اس لیے مؤلفة القلوب کو اسی شرط کے ساتھ دیا جاسکتا ہے کہ وہ فقراء اور حاجت مند ہوں جیسے رقاب اور غارمین اور ابن سبیل کو اسی شرط کے ساتھ زکوٰۃ دی جاتی ہے کہ وہ حاجت مند ہوں اور کسی حدیث [2] سے یہ ثابت

= علیهم مؤنتهم فهم فقراء حکماً اهـ

[1] امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اجتمعت الصحابة رضی الله عنهم اجمعين فی خلافة ابی بكر رضی الله عنه علىٰ سقوط سهمهم۔ تفسیر قرطبی: ۱۸۱/۲

[2] لم يثبت عن النبی صلی الله علیه وسلم اعطاء من الزكوة كافرا من المؤلفة۔ (تفسیر مظهری: ۲۳۶/۴)

نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کسی کافر کو تالیف قلب کے لیے زکوٰۃ اور صدقات میں کچھ دیا ہو جن روایتوں میں صفوان بن امیہ وغیرہ کو دینے کا ذکر آیا ہے۔ سو وہ مال غنیمت کے خمس میں سے دیا گیا ہے نہ کہ مال زکوٰۃ سے (دیکھو تفسیر مظہری: ۴/۲۳۶)

۵-**وفی الرقاب**: ... رقاب سے مکاتبین مراد ہیں اور مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں کہ جس نے اپنے آقا سے یہ وعدہ کیا ہو کہ اتنا معاوضہ ادا کرنے پر آزاد ہو جاؤں گا۔ سو ایسے غلاموں کو بھی صدقہ دیا جائے تا کہ وہ بدل کتابت ادا کر کے اپنی گردنوں کو غلامی کے پھندے سے نکال لیں یا کسی مسلمان قیدی کو دیا جائے کہ وہ اس مال سے اپنا فدیہ دے کر رہائی حاصل کرے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ گردنوں کے چھڑانے سے مراد یہ ہے کہ زکوٰۃ کے روپے سے غلام خرید کر آزاد کیے جائیں مگر راجح پہلا ہی قول ہے۔

۶-**والغارمین**: ... غارمین سے وہ مفلس قرض دار مراد ہیں جنہوں نے جائز ضرورت کے لیے قرض لیا تھا مگر بعد میں ادا نہ کر سکے ایسے قرض داروں کی زکوٰۃ و صدقات کے پیسہ سے امداد کرنی چاہیے۔ مگر جس نے معصیت کے کاموں کے لیے قرض لیا ہو۔ اس کو صدقات میں سے کچھ نہ دیا جائے اور فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ قرض دار کو زکوٰۃ دینا بہ نسبت فقیر کے زیادہ بہتر ہے۔

۷-**فی سبیل اللہ**: ... فی سبیل اللہ سے بے سرو سامان مجاہدین کی اعانت کرنا مراد ہے مطلب یہ ہے کہ غازی فقیروں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے تا کہ وہ اس مال سے ہتھیار و سامان جہاد خرید کر سکیں اور جہاد کے لیے سفر کر سکیں جو مجاہد غنی ہو اس کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی اور بعض فقہاء یہ کہتے ہیں کہ فی سبیل اللہ سے دین کے طالب علم مراد ہیں جو خالص دین کی تعلیم میں مشغول ہوں اور ان کے پاس کوئی ذریعہ معاش نہ ہو تو ایسے حاجت مند طالب علموں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ خالص دینی تعلیم کی قید اس لیے لگائی کہ جو خاص دنیوی تعلیم کا طالب ہو وہ تو ظاہر ہے کہ وہ کسی طرح بھی فی سبیل اللہ کا مصداق نہیں ہو سکتا البتہ جو دینی اور دنیوی مخلوط تعلیم کا طالب وہ بھی صحیح طور پر فی سبیل اللہ کا مصداق نہیں اور تمام فقہاء کا اجماع ہے کہ فاسق و فاجر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

۸-**ابن السبیل**: ... ابن السبیل سے وہ مسافر مراد ہے جس کے پاس سفر خرچ نہ رہا ہو اور وہ اپنے گھر سے خرچ منگانے پر بھی قادر نہ ہو اور نہ قرض لینے پر قادر ہو تو ایسے مسافر کو بقدر سفر خرچ زکوٰۃ دے دینا جائز ہے جس سے وہ اپنے گھر پہنچ جائے۔

مسئلہ تملیک: ...... فقہاء کرام کے نزدیک تمام مصارف زکوٰۃ میں تملیک شرط ہے یعنی جس کو زکوٰۃ دی جائے اس کو پورا مالک بنا دیا جائے کہ وہ جو چاہے اس میں تصرف کرے بغیر تملیک کے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی اس لیے کہ صدقہ اور زکوٰۃ کی حقیقت ہی تملیک ہے۔ یعنی اپنے مال کا ایک حصہ اپنی ملک سے بالکلیہ نکال کر فقراء اور مساکین کو بلا کسی عوض اور بلا کسی فائدہ اور منفعت کے محض اللہ کے لیے مالک بنا دینے کا نام صدقہ اور زکوٰۃ ہے۔

قرآن کریم میں جا بجا ایتاء زکوٰۃ کا حکم مذکور ہے اور ایتاء کے معنی لغۃً و شرعاً اعطاء کے ہیں اور اعطاء کے معنی یہ ہیں کہ کسی شئ کو اپنی ملک سے نکال کر کسی کو اس طرح عطا کر دینا کہ وہ اس کا مالک اور مختار بن جائے یعنی لینے والا اس پر قابض بھی ہو جائے کہ جس طرح چاہے اس میں تصرف کر سکے اس لیے کہ تملیک جب ہی مکمل ہو گی کہ جب تفویض و تسلیم بھی اس کے ساتھ مقرون ہو جب تک مالک وہ مال اپنی ملک سے اور اپنے قبضہ سے نکال کر فقیر کے حوالہ اور سپرد نہ کرے گا تملیک تمام نہ

ہوگی۔ قرآن کریم میں ادائیگی مہر کے لیے لفظ ایتاء استعمال ہوا ہے کما قال تعالیٰ: ﴿وَاٰتُوا النِّسَاۗءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً﴾ اور ظاہر ہے کہ مہر کی ادائیگی جب ہی ہوگی کہ جب مہر کی رقم پر عورت کا مالکانہ قبضہ ہو جائے جب تک کسی چیز کو اپنے قبضہ سے نکال کر دوسرے کے قبضہ میں نہ دے دے اس کو عطیہ نہیں کہا جا سکتا۔

صدقہ ہو یا ہبہ ہو یا عطیہ ہو، بغیر تملیک و تسلیم کے عقلاً و نقلاً بے معنی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو اپنے گھر دعوت دے اور ایوان نعمت کا دسترخوان اس کے سامنے بچھا دے تو یہ اباحت اور ضیافت کہلائے گی۔ تملیک نہیں کہلائے گی اس لیے کہ دعوت اور ضیافت کے معنی محض اجازت کے ہیں کہ جتنا چاہیں تناول فرمائیں مگر یہ تملیک نہیں اس لیے مہمان کو اس میں تصرف کا اختیار نہیں کہ جس کو چاہے دسترخوان سے کھانا اٹھا کر ہبہ کر دے یہی وجہ ہے کہ محض دعوت و ضیافت سے بالاجماع زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی اور اگر کھانا پکا کر کسی شخص کو دے دیا جائے کہ وہ اس کھانے کو اپنے گھر لے جائے اور جس کو چاہے کھلائے تو تملیک ہے۔

غرض یہ کہ زکوٰۃ کے لیے تملیک شرط ہے یہی وجہ ہے کہ تمام ایمۂ دین کا اس پر اجماع ہے کہ زکوٰۃ کے روپے سے مسجد اور مدرسہ اور خانقاہ اور مسافر خانہ کی تعمیر درست نہیں اور علی ہذا، زکوٰۃ کے روپیہ سے کسی مردہ کی تجہیز و تکفین اور اقبار و تدفین جائز نہیں۔ اس لیے کہ ان تمام صورتوں میں کسی فقیر و مسکین کی تملیک متحقق نہیں مسجد اور مدرسہ کی تعمیر میں ظاہر ہے کہ تملیک نہیں اور کفن اور دفن سے مردہ کسی چیز کا مالک نہیں ہو جاتا اور اگر کسی کو چند روزہ استعمال کے لیے کوئی چیز دے دی جائے تو وہ عاریت کہلائے گی ہبہ اور عطیہ شمار نہ ہوگی اس لیے کہ اس میں تملیک نہیں اور زکوٰۃ اور صدقہ کا درجہ تو تملیک میں ہبہ اور عطیہ سے بھی بڑھ کر ہے تو صدقہ میں بدرجۂ اولیٰ تملیک ضروری ہوگی غرض یہ کہ صدقہ اور زکوٰۃ کے لیے یہ ضروری ہے کہ حکم خداوندی کے مطابق کسی مسلمان فقیر کو بلا کسی عوض اور بلا کسی فائدہ اور منفعت کے مال زکوٰۃ کا اس طرح مالک بنا دیا جائے کہ اس مال سے مالک بنانے والے کی منفعت بالکلیہ منقطع ہو جائے۔

یہ دو قیدیں اس لیے لگائی گئیں کہ اگر کسی کو کسی خدمت کے معاوضہ میں مال دیا گیا تو عقلاً اور شرعاً یہ زکوٰۃ اور صدقہ نہیں کہلائے گی۔ بلکہ اجرت اور تنخواہ کہلائے گی اس لیے کہ صدقہ اس تملیک کو کہتے ہیں جو بلا کسی عوض اور بلا کسی فائدہ اور منفعت کے محض اللہ کے لیے ہو اور گر کسی خدمت کے معاوضہ میں کچھ دیا جائے تو وہ اگرچہ تملیک ہے مگر وہ تملیک بالعوض ہے تملیک بلاعوض نہیں اس لیے وہ صدقہ نہیں کہلائے گی بلکہ اجرت اور تنخواہ کہلائے گی۔

اور دوسری قید یعنی تملیک اس طرح ہو کہ اس مال سے مالک بنانے والے کی منفعت بالکلیہ منقطع ہو جائے اس کا ثمرہ یہ ہے کہ اپنی اصول و فروع یعنی باپ دادا نانا نانی وغیرہ اور بیٹا بیٹی پوتا پوتی نواسہ نواسی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں کیونکہ اصول و فروع کو زکوٰۃ دینے میں زکوٰۃ دینے والے کی اس مال سے منفعت بالکلیہ منقطع نہیں ہوتی بلکہ من وجہ باقی رہتی ہے بلکہ ایک حیثیت سے اپنے پاس ہی رہتی ہے عرف میں ماں باپ اور اولاد ایک ہی سمجھے جاتے ہیں۔

حدیث میں ہے انت و مالك لابيك تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا ہے اور قرآن کریم میں ہے ﴿وَوَجَدَكَ عَاۗىِٕلًا فَاَغْنٰى﴾ اور اللہ نے آپ ﷺ کو محتاج پایا، پس خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال سے آپ ﷺ کو غنی کر دیا۔

یہی وجہ ہے کہ جمہور ائمہ دین کے نزدیک میاں بیوی ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ اس لیے کہ منافع زوجین مشترک ہیں۔ ایک، دوسرے کی ملک سے منتفع ہوتا ہے حتی کہ حدیث میں اپنے دیئے ہوئے صدقہ کو خریدنے کی بھی ممانعت آئی ہے کیونکہ ایسی صورت میں بائع ضرور صدقہ دینے والے کی رعایت کرے گا اور بہ نسبت اوروں کے اس کو کم قیمت میں دے گا تو ایسی صورت میں فی الجملہ اپنے صدقہ سے نفع اٹھانا ہوگا اور اسی فائدہ اور منفعت کے لحاظ سے شریعت نے باپ کی بیٹے کے لیے اور شوہر کی بیوی کے لیے شہادت معتبر نہیں مانی۔

مسئلہ تملیک کے متعلق ہم نے یہ مختصر سا لکھ دیا ہے تاکہ مسلمان اپنی زکوٰۃ میں احتیاط برتیں اور جو لوگ زکوٰۃ میں تملیک کے قائل نہیں ان کو زکوٰۃ دینے سے پرہیز کریں تفصیل کے لیے کتب فقہ کی مراجعت کریں اور اس وقت جو مختصر کلام ہدیہ ناظرین کیا وہ تمام تر، امام علاء الدین کاسانی رحمہ اللہ کے کلام کی توضیح وتشریح ہے۔ حضرات اہل علم بدائع الصنائع: ۲/۳۹ کی مراجعت کریں۔

اسرار وحکم

نکتہ اولیٰ:...... مصارف صدقات کی آٹھ قسموں میں سے اول کی چار قسموں کو ''لام'' کے ذریعے بیان کیا یعنی ﴿لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ فرمایا اور اخیر کی چار قسموں کو یعنی ﴿وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ﴾ الخ کو لفظ ''فی'' کے ذریعے بیان کیا گیا وجہ اس کی یہ ہے کہ اول کی چار قسمیں ذاتی طور پر مستحق ہیں اور اسی ذاتی استحقاق کے بیان کرنے کے لیے کلمہ لام لایا گیا اور اخیر کی چار قسمیں لفظ فی کی ذریعہ سے بیان کی گئیں وجہ اس کی یہ ہے کہ لفظ فی سببیت اور علیت بیان کرنے کے لیے بھی آتا ہے جیسے کہا جاتا ہے عذب فلان فی سرقۃ یعنی فلاں کو چوری کے سبب سے سزا ملی۔ پس آیت میں لفظ فی سے اشارہ اس طرف ہے کہ ان اخیر کی چار قسموں کو ذاتی استحقاق کی بنا پر نہیں بلکہ ان مصلحتوں اور ضرورتوں کے سبب سے ان کو زکوٰۃ دینے کی اجازت دی گئی کہ اپنی گردن کو غلامی سے چھڑا لیں اور قرض سے سبک دوشی حاصل کریں اور جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ سرانجام دے سکیں اور اپنے سفر کو پورا کر سکیں۔ ان اسباب اور وجوہ کی بناء پر ان لوگوں کو صدقات دینے کی اجازت دی گئی اس لیے ان اخیر کی چار قسموں میں لفظ فی تعلیل اور سببیت کے بیان کے لیے لایا گیا اور اول کے چار اقسام میں لفظ ''لام'' ذاتی استحقاق بیان کرنے کے لیے لایا گیا۔ دیکھو[1] صاوی: ۲/۱۵۴ اور دیکھو روح البیان: ۳/۴۵۳۔

یا یوں کہو کہ ان اخیر کے چار قسموں میں لفظ فی اس لیے استعمال کیا گیا کہ یہ چار قسمیں فقراء اور مساکین سے

---

[1] قال الصاوی انما اضیف الصدقات الی الاصناف الاربعۃ الاول باللام والی الاربعۃ الاخیرۃ بفی الظرفیۃ اشارۃ الی ان الاربعۃ الاول یملکونها ویتصرفون فیها کیف شاؤا بخلاف الاربعۃ الاخیرۃ فیفید بما اذا صرفت فی مصارفها فاذا لم یحصل نزعت منهم۔ انتهی کلامه: ۲/۱۵۴۔ فالعدول عن اللام للدلالۃ علی ان استحقاق الاربعۃ الاخرۃ لیس لذواتهم ای لکونهم مکاتبا ومدیونا ومجاهدا ومسافرا حتی یتصرفوا فی الصدقۃ کیف شاؤا کالاربعۃ الاول بل لجهۃ استحقاقهم کفك الرقبۃ من الرق وتخلیص الذمۃ من مطالبۃ من له الحق والاحتیاج الی ما یتمکن به من الجهاد وقطع المسافۃ ووجه الدلالۃ ان فی قد تستعمل لبیان السبب کما یقال عذب فلان فی سرقۃ لقمۃ ای سببها۔ کذا فی روح البیان: ۳/۴۵۳۔

بڑھ کر مستحق ہیں اس لیے کہ لفظ فی کلام عرب میں ظرفیت اور محلیت کے بیان کرنے لیے آتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ صدقہ اور زکوٰۃ کا اصل محل اور اصل ظرف مکاتبین اور غارمین اور مجاہدین اور بے سروسامان مسافرین ہیں ان لوگوں کو اپنے صدقات کا خالص طور پر محل اور ظرف بناؤ۔ کیونکہ یہ لوگ بہ نسبت فقراء و مساکین کے زیادہ ضرورت منداور زیادہ تکلیف میں ہیں ان کو اتنی تکلیف نہیں جتنا کہ غلامی اور دوسرے کے قرض میں ہے لہٰذا یہ آخری چار بہ نسبت پہلے چار کے زیادہ مستحق ہیں اور غلام اور مقروض کی گلو خلاصی زیادہ موجب فضیلت ہے اور پھر ان چار قسموں میں مجاہدین اور مسافرین کی امداد تو بہت ہی اہم ہے اس لیے ﴿وَفِيْ سَبِيْلِ اللهِ﴾ میں لفظ فی کو اسی ترقی اور مبالغہ کے بیان کرنے کے لیے مکرر لایا گیا کہ غازی اور مسافر سب سے زیادہ مستحق اعانت ہیں (دیکھو بنایہ شرح ہدایہ: ۱/ ۱۲۵۰ و تفسیر کشاف [1] و روح المعانی: ۱/ ۱۱۳)

نکتۂ دوم: ...... زکوٰۃ و صدقات کے اصل مصرف فقراء ہیں جن کا اس آیت کے شروع میں ذکر فرمایا اور باقی سب فقراء ہی کی انواع و اقسام ہیں حاجتوں کی قسمیں مختلف ہیں اس لیے حاجت مند بھی مختلف قسم کے ہوئے اور مطلق فقر اور احتیاج سب میں قدر مشترک ہے۔ اور فقراء کی اعلیٰ قسم مسکین ہے پس ﴿وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ سے لے کر آخرت تک تمام معطوفات عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہیں۔ جو سب کے سب فقراء کے تحت مندرج ہیں۔ رقاب اور غارمین اور فی سبیل اللہ اور ابن السبیل کو علیحدہ علیحدہ اس لیے بیان کیا تا کہ حاجتوں اور ضرورتوں اجمالی علم ہو جائے اور اہل دولت متنبہ ہو جائیں کہ اپنی زکوٰۃ و صدقات کے خرچ کرتے وقت ان ضرورتوں اور اس قسم کے حاجت مندوں کا خاص طور پر لحاظ رکھیں ورنہ حاجتیں بیشمار ہیں ان آٹھ اور سات میں منحصر نہیں قرآن کریم میں جابجا صدقات کے مصرف میں صرف فقراء کا ذکر کیا ہے کہ صدقات کے اصل مصرف فقراء ہیں کما قال تعالیٰ: ﴿اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ وقال تعالیٰ: ﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ﴾ وقال تعالیٰ: ﴿لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۡ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْــَٔـلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا﴾۔

اور معاذ بن جبل ؓ کی حدیث میں ہے ان اللہ افترض علیھم صدقۃ توخذ من اغنیاءھم فترد علی فقراءھم تحقیق میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر یہ فرض کیا ہے کہ ان کے اغنیاء سے صدقہ لیا جائے اور ان کے فقراء میں اس کو لوٹا دیا جائے۔ اس حدیث میں فقراء کے ذکر پر اکتفا فرمایا۔

اور کہیں کہیں مسکین کا ذکر فرمایا، ﴿فَاِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ

[1] قال الزمخشری۔ فان قلت لم عدل عن اللام الی فی فی الاربعۃ الاخیرۃ قلت للایذان بانھم ارسخ استحقاق التصدق علیھم ممن سبق ذکرہ لان فی للوعاء (والظرفیۃ المنبئۃ عن الاحاطۃ) فنبہ علی انھم احقاء بان توضع فیھم الصدقات ویجعلوا مظنۃ لھا ومصبا وذلک لما فی فک الرقاب من الکتابۃ او الرق او الاسر وفی فک الغارمین من الغرم من التخلیص والانقاذ ولجمع الغازی الفقیر او المنقطع عن الحج بین الفقر والعبادۃ وکذلک ابن السبیل جامع بین الفقر والغربۃ عن الاھل والمال وتکریر فی فی قولہ تعالیٰ وفی سبیل اللہ وابن السبیل فیہ فضل ترجیح لھذین علی الرقاب والغارمین۔

یَشُوَلُهُمُ ﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا﴾ پس جس طرح یتیم واسیر دونوں مسکین ہی کی ایک قسم ہیں۔اسی طرح مساکین بھی فقراء کی ایک قسم ہیں۔معلوم ہوا کہ آیت میں جس قدر اصناف اور اقسام کا ذکر کیا گیا ہے وہ سب فقراء ہی کی قسام ہیں اس لیے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور جمہور ائمہ دین کے نزدیک مصارف صدقات کے تمام انواع و اقسام میں فقر اور احتیاج شرط ہے بغیر فقر کے کسی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

مسئلہ:...... زکوٰۃ صرف مسلمان فقیر کو دی جاسکتی ہے غیر مسلم فقیر کو بالاجماع زکوٰۃ دینا جائز نہیں زکوٰۃ کا حکم صرف مسلمان فقیروں ہی کی اعانت کے لیے نازل ہوا ہے اور غیر مسلم فقیر کی اعانت جزیہ اور خراج کی آمدنی سے کی جائے۔جیسا کہ کتب فقہ میں بالتفصیل مذکور ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ زکوٰۃ کا اصل مصرف فقراء ہیں اور باقی اصناف سبعہ، سب فقراء ہی کی انواع واقسام ہیں سوائے عالمین کے ہر جگہ فقر اور حاجت مندی شرط ہے اور عالمین اگرچہ غنی ہوں ان کو اس مال سے دینا اس لیے جائز ہوا کہ وہ حکماً فقراء کے قائم مقام قرار دیئے گئے۔صدقات دراصل حق فقراء کا ہے اور وہی اس کے اصل مصرف ہیں۔عالمین کو جو کچھ دیا دیا جارہا ہے وہ درحقیقت فقراء کی طرف سے بطور صلہ اور تبرع ان کو دیا جارہا ہے نہ کہ بطور زکوٰۃ وصدقہ (دیکھو تفسیر مظہری[1]: ۲۳۹/۴)

اور فقراء ان سات قسموں میں منحصر نہیں حق تعالیٰ نے ان اقسام کا ذکر ان ضرورتوں کی اہمیت بتلانے کے لیے فرمایا کہ یہ ضرورتیں بہ نسبت اور ضرورتوں کے اہم اور مقدم ہیں۔(دیکھو تفسیر مظہری[2]: ۲۳۹/۴)

بحمد اللہ اس تفصیل سے یہ امر بخوبی واضح ہوگیا کہ زکوٰۃ اور صدقات کی حقیقت کسی مسلمان فقیر اور مسکین کو محض اللہ کی خوشنودی کے لیے بلا کسی عوض کے مالک بنا دینا ہے۔زکوٰۃ اللہ کی عبادت ہے جس کا درجہ نماز کے بعد ہے جو کسی عمل کا عوض اور اس کی اجرت نہیں اور علت اس کی فقر اور مسکنت ہے بشرطیکہ وہ فقیر اور مسکین مسلمان ہو غیر مسلم فقیر کو زکوٰۃ دینا بالاجماع جائز نہیں لہٰذا کسی ادارہ کے مہتمم یا ناظم یا ملازم کو زکوٰۃ کی رقم سے تنخواہ دینا جائز نہیں کیونکہ یہ تنخواہ اس کے عمل اور کارکردگی کا معاوضہ ہوگی اور خالص لوجہ اللہ نہیں، رہا عاملین صدقات کے بارے میں جو حکم آیا ہے اس پر ملازمین اور مدرسین کا قیاس ہرگز درست

---

[1] ولا تنحصر الفقراء في هذا الاصناف وانما ذكر الله تعالى هذه الاصناف اهتماما بها فان لهذه الاصناف مزية على غيرهم من الفقراء فالمراد من الآية والله اعلم ان المصرف هم الفقراء لكن الاولى ان يلتمس لاعطاء الزكوة سببا يترجح به المعطى له على غيره من الفقراء فالمسكين الذى لا يسئل الناس اولى من السائلين لكونه افقر والمسافر الفقير افقر واشد حاجة من المقيم والغازى والحاج والمكاتب والمؤلف للاسلام احرى للاعطاء منغيرهم لان فى اعطاءهم اعانة على الحج الذى هو احد اركان الاسلام والجهاد والذى هو ذروة سنام ولا دلالة فى الآية على ان اسباب المزية منحصرة فى هذه الامور بل للمزية اسباب غيره ايضا وانما ذكرت هذه الامور تمثيلا فان منها القرابة فان الصدقة على القريب اعظم اجراً۔الخ۔(تفسیر مظہری: ۲۴۰/۴)

[2] قال القاضى ثناء الله رحمه الله قلت الاصناف السبعة انواع للفقراء والمصرف هم الفقراء ولا يجوز دفع الزكوة الى هؤلاء الاصناف الا بشرط الفقر الا العاملين فانه يجوز اعطاءهم وان كانوا اغنياء فان المعطى لهم فى الحقيقة هم الفقراء وهم ياخذون مايجب لهم مؤنتهم عليهم اجرة عملهم لهم۔(تفسیر مظہری: ۲۳۹/۴)

نہیں۔ اس لیے کہ عاملین، شرعی طور پر فقراء اور مساکین کے وکیل اور ان کے قائم مقام ہیں۔ عاملین نے محض فقراء مسلمین کے فقر اور مسکنت کی خاطر روپیہ جمع کیا ہے اس کے علاوہ عاملین کا اور کوئی مقصد نہیں۔ بخلاف کسی دینی ادارہ اور مدرسہ کے اور کسی یتیم خانہ کے کہ اس کا مقصد کوئی خاص علمی یا صنعتی تربیت ہوتا ہے۔ محض فقراء مسلمین کی محض مسلمان فقیر ہونے کی حیثیت سے اس کی ذاتی اعانت اس کا مقصد نہیں ہوتا اس لیے کسی مدرسہ اور ادارہ کا مہتمم یا ناظم یا ملازم فقراء مسلمین کا وکیل اور قائم مقام نہیں ہوسکتا۔ شریعت نے محض فقراء مسلمین کی ضرورت اور مصلحت اور ان کی اعانت کے لیے عاملین کو فقراء مسلمین کا وکیل اور قائم مقام قرار دیا ہے جس کا تقرر بادشاہ اسلام کے حکم سے ہوتا ہے اس لیے آج کل اسلامی مدارس یا اسلامی انجمنوں کے ناظمین اور محصلین چندہ، فقراء مسلمین کے وکیل قرار نہیں دیئے جاسکتے۔ اور نہ ان کو زکوٰۃ کی رقم میں سے تنخواہ دی جاسکتی ہے۔ البتہ اسلامی مدرسہ اور ادارہ کا مہتمم زکوٰۃ کی رقم سے ان طالب علموں کو وظیفہ دے سکتا ہے جو خالص علم دین حاصل کرتے ہیں اور فقیر اور مسکین ہوں اور صحیح العقیدہ مسلمان ہوں اس لیے کہ شریعت کے اصول مسلمہ میں سے یہ ہے کہ زکوٰۃ مسلمان فقیر کا حق ہے غیر مسلم کا زکوٰۃ میں کوئی حق نہیں اور مثلاً جو اشتراکیت اور کمیونزم کا قائل ہو یا منکر حدیث ہو یا آزاد منش ہو وہ قطعاً مسلمان نہیں اس کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ اے مسلمانو! خوب سمجھ لو زکوٰۃ اللہ کی عبادت ہے اس کے حکم سے تم کو زکوٰۃ دیتے ہو اس کے حکم پر چلو جو اس ناچیز نے تم کو بتلا دیا اپنی عبادت کو ضائع نہ کرو۔

وما علینا الا البلاغ۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ

اور بعضے ان میں بدگوئی کرتے ہیں نبی کی اور کہتے ہیں کہ یہ شخص تو کان ہے تو کہہ کان ہے تمہارے بھلے کے واسطے یقین رکھتا ہے اللہ پر

اور بعضے ان میں بدگوئی کرتے ہیں نبی کی، اور کہتے ہیں یہ شخص کان ہے۔ تو کہہ، کان ہے تمہارے بھلے کو، یقین لاتا ہے اللہ پر،

وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ

اور یقین کرتا ہے مسلمانوں کی بات کا اور رحمت ہے ایمان والوں کے حق میں تم میں سے اور جو لوگ بدگوئی کرتے ہیں اللہ کے رسول کی ان کے لیے

اور یقین کرتا ہے بات مسلمان کی، اور مہر ہے ایمان والوں کے حق میں تم میں سے۔ اور جو لوگ بدگوئی کرتے ہیں اللہ کے رسول کی، ان کو

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ

عذاب ہے دردناک ف۱ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی تمہارے آگے تاکہ تم کو راضی کریں اور اللہ کو اور اس کے رسول کو بہت ضرور ہے راضی کرنا اگر

دکھ کی مار ہے۔ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی تمہارے آگے، کہ تم کو راضی کریں۔ اور اللہ کو اور اس کے رسول کو بہت ضرور ہے راضی کرنا، اگر

ف۱ منافقین آپس میں بیٹھ کر اسلام کے متعلق بدگوئی کرتے۔ جب کوئی کہتا کہ ہماری یہ باتیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائیں گی تو کہتے کیا پروا ہے۔ ان کے سامنے ہم جھوٹی تاویلیں کر کے اپنی برأت کا یقین دلا دیں گے۔ کیونکہ وہ تو کان ہی کان ہیں جو سنتے ہیں فوراً تسلیم کر لیتے ہیں۔ ان کو باتوں میں لے آنا کچھ مشکل نہیں۔ بات یہ تھی کہ حضرت اپنے حیاء و وقار اور کریم النفسی سے جھوٹے کا جھوٹ پہچانتے تب بھی نہ پکڑتے۔ خلق عظیم کی بناء پر مسامحت اور تغافل برتتے۔ وہ بے وقوف جانتے کہ آپ نے سمجھا ہی نہیں۔ حق تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ اگر وہ کان ہی ہیں تو تمہارے بھلے کے واسطے ہیں۔ نبی کی یہ خوبی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ نہیں تو اول تم پکڑے جاؤ گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس چشم پوشی اور خلق عظیم پر کسی وقت مطلع ہو کر تمہیں ہدایت ہو جائے۔ تمہاری =

كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا

وہ ایمان رکھتے ہیں ف۱ کیا وہ جان نہیں چکے کہ جو کوئی مقابلہ کرے اللہ سے اور اس کے رسول سے تو اس کے واسطے ہے دوزخ کی آگ سدا رہے

وہ ایمان رکھتے ہیں۔ وہ جان نہیں چکے، کہ جو کوئی مقابلہ کرے اللہ اور اس کے رسول سے، تو اس کو ہے دوزخ کی آگ، پڑا رہے

فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ۝ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ

اس میں یہی ہے بڑی رسوائی ف۲ ڈرا کرتے ہیں منافق اس بات سے کہ نازل ہو مسلمانوں پر ایسی سورت کہ جتا دے

اس میں۔ یہی ہے بڑی رسوائی۔ ڈرا کرتے ہیں منافق کہ نازل نہ ہو ان پر کوئی سورت کہ جتا دے

بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ۝ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ

ان کو جو ان کے دل میں ہے تو کہہ دے ٹھٹھے کرتے رہو اللہ کھول کر رہے گا اس چیز کو جس کا تم کو ڈر ہے ف۳ اور اگر تو ان سے پوچھے

ان کو جو ان کے دلوں میں ہے۔ تو کہہ، ٹھٹھے کرتے رہو۔ اللہ کھولنے والا ہے جس چیز کا تم کو ڈر ہے۔ اور جو تو ان سے پوچھے،

لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ۭ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

تو وہ کہیں گے ہم تو بات چیت کرتے تھے اور دل لگی ف۴ تو کہہ کیا اللہ سے اور اس کے حکموں سے اس کے رسول سے تم ٹھٹھے کرتے تھے ف۵

تو کہیں ہم تو بول چال کرتے تھے، اور کھیل۔ تو کہہ، کیا اللہ سے اور اس کے کلام سے اور اس کے رسول سے ٹھٹھے کرتے تھے؟

= جھوٹی باتوں پر نبی علیہ السلام کا سکوت اس لیے نہیں کہ انہیں واقعی تمہارا یقین آجاتا ہے۔ یقین تو ان کو اللہ پر ہے اور ایمان داروں کی بات پر ہاں تم میں سے جو دعوائے ایمان رکھتے ہیں، ان کے حق میں آپ کی خاموشی و اغماض ایک طرح کی رحمت ہے کہ فی الحال منہ توڑ تکذیب کر کے ان کو رسوا نہیں کیا جاتا۔ باقی منافقین کی حرکات شنیعہ خدا سے پوشیدہ نہیں۔ رسول کی پیٹھ پیچھے جو بدگوئی کرتے ہیں یا ﴿هُوَ اُذُنٌ﴾ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتے ہیں، اس پر سزائے سخت کے منتظر رہیں۔

ف۱ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ "کسی وقت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دغابازی پکڑتے تو مسلمانوں کے روبرو قسمیں کھاتے کہ ہمارے دل میں بری نیت نہ تھی۔ تا کہ ان کو راضی کر کے اپنی طرف کر لیں۔ نہ سمجھے کہ یہ فریب بازی خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کام نہیں آتی۔" اگر دعوائے ایمان میں واقعی سچے ہیں تو دوسروں کو چھوڑ کر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرنے کی فکر کریں۔

ف۲ یعنی جس رسوائی سے بچنے کے لیے نفاق اختیار کیا ہے اس سے بڑی رسوائی یہ ہے۔

ف۳ منافقین اپنی مجلسوں میں اسلام و پیغمبر اسلام کی بدگوئی کرتے، مومنین صادقین پر آوازے کستے، مہمات دین کا مذاق اڑاتے، پھر جب خیال آتا کہ ممکن ہے یہ باتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائیں، تو کہتے کیا مضائقہ ہے وہ تو کان ہی کان ہیں، ہم ان کے سامنے جو تاویل و تلمیع کر دیں گے، سن کر اسے قبول کر لیں گے۔ مگر چونکہ بسا اوقات وحی الٰہی کے ذریعہ سے ان کے نفاق و بدباطنی کی قلعی کھلتی رہتی تھی، اس لیے یہ ڈر بھی لگا رہتا تھا کہ کوئی سورت قرآن میں ایسی نازل نہ ہو جائے جو ہمارے مخاطبات سریہ و نیات خفیہ کا پردہ فاش کر دے۔ اصل یہ ہے کہ منافقین کا قلب جبن و کمزوری سے کسی ایک طرف قائم نہ ہوتا تھا۔ ان کے دل ہر وقت و گدا میں رہتے تھے۔ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اغماض و کریم النفسی کو دیکھ کر کچھ تسلی حاصل کرتے مگر صاعقہ قرآنی کی گرج سے پھر دہلنے لگتے تھے۔ اسی لیے فرمایا کہ بہتر ہے، تم ٹھٹھے کرتے رہو اور استہزاء و تمسخر کا عمل جاری رکھو اور پیغمبر کی نسبت ﴿هُوَ اُذُنٌ﴾ کہہ کر تسلی کر لو۔ لیکن خدا اس چیز کو ضرور کھول کر رہے گا جس کا تم کو ڈر لگا ہوا ہے وہ تمہارے مکر و خداع کا تار تار بکھیر کر رکھ دے گا۔

ف۴ "تبوک" میں جاتے ہوئے بعض منافقین نے از راہ تمسخر کہا۔ اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھو کہ شام کے محلات اور روم کے شہروں کو فتح کر لینے کا خواب دیکھتا ہے۔ انہوں نے رومیوں کی جنگ کو عربوں کی باہمی جنگ پر قیاس کر رکھا ہے۔ میں یقین کرتا ہوں کہ کل ہم سب رومیوں کے سامنے رسیوں میں =

لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ كَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ ؕ اِنۡ نَّعۡفُ عَنۡ طَآئِفَةٍ مِّنۡكُمۡ نُعَذِّبۡ طَآئِفَةًۢ

بہانے مت بناؤ تم تو کافر ہو گئے اظہار ایمان کے پیچھے اگر ہم معاف کر دیں گے تم میں سے بعضوں کو تو البتہ عذاب بھی دیں گے بعضوں کو

بہانے مت بناؤ، تم کافر ہو گئے ایمان لا کر، اگر ہم معاف کریں گے تم میں بعضوں کو، البتہ مار بھی دیں گے بعضوں کو،

بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا مُجۡرِمِيۡنَ ﴿۶۶﴾

اس سبب سے کہ وہ گناہگار تھے ف ١

اس پر کہ وہ گنہگار تھے۔

ذکر نوع دیگر از حرکات شنیعۂ منافقین

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَمِنۡهُمُ الَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ النَّبِيَّ ... الی ... بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا مُجۡرِمِيۡنَ﴾

ربط: ...... ان آیات میں بھی منافقین کی جہالتوں اور خباثتوں کا اور ان کی حرکات شنیعہ کا ذکر ہے جو دور سے چلا آ رہا ہے۔ درمیان میں تبعاً صدقات کا ذکر آ گیا تھا۔ اب پھر منافقین کی قبائح اور فضائح کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کی خباثتوں کو بیان کرتے ہیں حق جل شانہ نے ان آیات میں منافقین کی جن قباحتوں کا ذکر کیا ان میں سے اول تو یہ ہے کہ وہ ادب سے کورے ہیں، آنحضرت ﷺ کی شان میں خلاف ادب اور تحقیر آمیز الفاظ زبان سے نکالتے ہیں مثلاً یہ کہ آپ ﷺ تو کانوں کے کچے ہیں، جو سنتے ہیں اس کا یقین کر لیتے ہیں۔ دوم یہ کہ یہ لوگ اپنی مجلسوں میں دین اسلام اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرتے ہیں۔ سوم یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی کے آپ ﷺ کو ان کے استہزاء اور تمسخر سے آگاہ کر دیتا ہے اور آپ ﷺ ان سے باز پرس کرتے ہیں۔ تو وہ اس کی بے سروپا تاویلیں کرتے ہیں چنانچہ پہلی آیت ﴿وَمِنۡهُمُ الَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ النَّبِيَّ وَيَقُوۡلُوۡنَ هُوَ اُذُنٌ﴾ میں ان کے گستاخانہ الفاظ کا ذکر ہے۔ اور ﴿وَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ﴾ میں ان کی جھوٹی قسموں کا ذکر ہے اور ﴿وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ لَيَقُوۡلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوۡضُ وَنَلۡعَبُ﴾ میں ان کی تاویلوں اور جھوٹے بہانوں کا ذکر ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور ان منافقین میں سے کچھ لوگ وہ ہیں کہ جو نبی کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ محض ایک کان ہے۔ یعنی وہ محض سننے والا کان ہے جو بات اس سے کہی جاتی ہے اس سے سن لیتا ہے اور اس کا یقین کر لیتا ہے۔

= بندھے ہوئے کھڑے ہوں گے۔ یہ ہمارے قرار (صحابہ رضی اللہ عنہم) بیٹھو، جھوٹے اور نامرد کیا روم کی باقاعدہ فوجوں سے جنگ کریں گے" وغیر ذالك من الهفوات۔ اس قسم کے مقولے جو مسلمانوں کو روم سے مرعوب و ہیبت زدہ کرنے اور شکستہ خاطر بنانے کے لیے کہہ رہے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نقل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کر باز پرس کی تو کہنے لگے کہ حضرت! ہم کہیں سچ مچ ایسا اعتقاد تھوڑا ہی رکھتے ہیں محض خوش وقتی و دل لگی کے طور پر کچھ کہہ رہے تھے کہ باتوں میں باآسانی سفر کٹ جائے۔

ف۵ یعنی کیا دل لگی اور خوش وقتی کا موقع و محل یہ ہے کہ اللہ، رسول اور ان کے احکام کے ساتھ ٹھٹھا کیا جائے؟ خدا اور رسول کا استہزاء اور احکام الٰہیہ کا استخفاف تو وہ چیز ہے کہ اگر محض زبان سے دل لگی کے طور پر کیا جائے، وہ بھی کفر عظیم ہے۔ چہ جائیکہ منافقین کی طرح از راہ شرارت و بدباطنی ایسی حرکت سرزد ہو۔

ف١ یعنی جھوٹے عذر تراشنے اور حیلے حوالوں سے کچھ فائدہ نہیں جن کو نفاق و استہزاء کی سزا ملنی ہے مل کر رہے گی۔ ہاں جواب بھی صدق دل سے توبہ کر کے اپنے جرائم سے باز آجائیں گے، انہیں خدا معاف کر دے گا، یا جو پہلے ہی سے باوجود کفر و نفاق کے اس طرح کی فتنہ انگیزی اور استہزاء سے علیحدہ رہے ہیں، انہیں استہزاء و تمسخر کی سزا یہاں نہ ملے گی۔

جھوٹ اور سچ میں فرق نہیں کرتا، کہنے والوں کے دھوکہ میں آجاتا ہے۔ بعض منافق اپنے مجمع میں بیٹھ کر آپ کی برائیاں کرتے، دوسرا منافق کہتا ایسا مت کہو کہیں آپ ﷺ کو اس کی خبر نہ ہو جائے۔ تو اس پر یہ کہہ دیتے کہ اگر آپ ﷺ کو معلوم بھی ہو جائے تو کچھ پروا نہیں وہ کان کے بڑے کچے ہیں جیسا ان سے کہہ دیا جاتا ہے یقین کر لیتے ہیں ہماری شکایت کی جاتی ہے اس کا بھی یقین کر لیں گے اس آیت میں ان کے اس بے ہودہ مقولہ کا جواب دیا گیا ہے کہ ان لوگوں کو آنحضرت ﷺ کے حلم اور بردباری اور چشم پوشی سے دھوکہ لگا اس لیے آپ ﷺ کا نام کان رکھا۔ اے نبی ﷺ آپ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ تم خود دھوکہ میں ہو اللہ کے نبی کو دھوکہ نہیں لگا آپ بیشک کان ہیں مگر وہ تمہارے فائدے اور بھلائی کے کان ہیں۔

یا یہ معنی ہیں کہ آپ ﷺ خیر کے کان ہیں شر کے کان نہیں حق اور باطل اور خیر اور شر کا فرق آپ ﷺ پر مخفی نہیں۔ نور نبوت سے سچ اور جھوٹ کو پہچان لیتے ہیں مگر تغافل اور بردباری اور چشم پوشی کی بناء پر سن کر خاموش ہو جاتے ہیں اور کریمانہ اخلاق کی بناء پر صراحۃً تکذیب نہیں کرتے اور علانیہ طور پر ان کو رسوا نہیں کرتے۔ نبی کی یہ خو تمہارے حق میں بہتر ہے ورنہ تم اول ہی سے پکڑ لیے جاتے ان بے وقوفوں نے آپ کی چشم پوشی اور مسامحت سے یہ سمجھا کہ حضور پر نور ﷺ نے ہمارے جھوٹ کو سمجھا نہیں اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ کا تمہاری باتوں کو سن لینا اور اس پر سکوت فرما لینا اس کی دلیل نہیں کہ حضور پر نور ﷺ کو تمہاری باتوں کا یقین آجاتا ہے یقین تو آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی باتوں پر ہے اور پھر اللہ کے بعد مومنین صادقین کی باتوں پر ہے جو سرتاپا صدق اور اخلاص ہیں تم نادانوں نے حضور پر نور ﷺ کی خاموشی اور چشم پوشی کا مطلب غلط سمجھا آنحضرت ﷺ کی اس خاموشی میں تمہارا ہی نفع ہے کہ دار و گیر اور قتل و غارت سے بچے ہوئے ہو۔ بہر حال حضور پر نور ﷺ تو گوش حق نیوش ہیں سچے اور جھوٹ کو خوب پہچانتے ہیں آپ ﷺ اذن خیر ہیں اذن شر نہیں۔ آپ ﷺ کی شان تو یہ ہے کہ یقین کرتے ہیں آپ ﷺ اللہ کی باتوں پر اللہ کی طرف سے آپ ﷺ پر جو وحی آتی ہے آپ ﷺ اس کو سنتے ہیں اور اس پر یقین کرتے ہیں اور دوسرے درجہ میں مومنین مخلصین کی بات سن کر اس کا یقین کرتے ہیں کیونکہ ان کا صدق اور اخلاص آپ ﷺ کو معلوم ہے اس لیے آپ ﷺ ان کی خبر کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور تم میں سے جو خالص ایمان دار ہیں ان کے لیے آپ مجسم رحمت ہیں کہ آپ ﷺ کی ہدایت اور فیض صحبت سے دنیا کی آلائشوں سے پاک و صاف ہو کر خدا کے مقرب بنے اور تم بدبخت اس رحمت اور نعمت سے محروم ہو یہ قصور تمہارا ہے اس کا نہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ ﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ﴾ سے وہ منافقین مراد ہیں جنہوں نے ایمان کو ظاہر کیا اور ان کے حق میں رحمت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ باوجود اس علم کے کہ یہ منافق ہیں آپ ﷺ نے ان کے ظاہری اسلام کو قبول کیا اور ان کے نفاق سے چشم پوشی کی اور ان کی پردہ دری نہیں فرمائی۔ آنحضرت ﷺ تمہاری حقیقت کو سمجھ کر حسن اخلاق اور حلم اور بردباری کی بناء پر تمہاری باتیں سن لیتے ہیں اور دیدہ دانستہ چشم پوشی کر جاتے ہیں اور تم اپنی حماقت سے یہ سمجھتے ہو کہ آنحضرت ﷺ حقیقت حال کو سمجھے نہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ تم نہیں سمجھے بہر حال آپ ﷺ کی یہ خاموشی اور چشم پوشی اور نرمی اور اغماض اور مسامحت تمہارے لیے ایک قسم کی رحمت ہے کہ باوجود علم کے آپ ﷺ نے تم کو برملا رسوا نہیں کیا اور تمہارا پردہ فاش نہیں کیا اور اس میں ایک رحمت یہ بھی ہے کہ شاید آپ ﷺ کی یہ مسامحت کسی وقت ان کے حق میں ذریعہ ہدایت بن جائے اور جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں

ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے پس تم کو چاہئے کہ آپ ﷺ کی ایذا رسانی سے پرہیز کرو نہ آپ ﷺ کے صدقات پر طعن کرو اور نہ آپ ﷺ کو ﴿هُوَ اُذُنٌ﴾ کہو یہ سب باتیں آپ ﷺ کے لیے موجب ایذا ہیں۔

حلف کاذب

منافقین اپنی خلوتوں میں آنحضرت ﷺ اور مومنین پر طعن کرتے اور پھر جب وہ بات آنحضرت ﷺ کو پہنچی تو آکر حلف کرتے کہ ہم نے یہ بات نہیں کہی اپنے قول سے مکر جاتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے مسلمانو! یہ منافق تمہارے آگے اللہ کی جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے فلاں بات نہیں کہی تاکہ تم کو راضی کریں حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ سزاوار ہیں کہ اس کو راضی کریں اگر یہ لوگ واقع میں سچے ایمان دار ہیں جیسا کہ کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں ان کو اتنی عقل نہیں کہ یہ دغا اور فریب اللہ اور اس کے رسول کے یہاں کام نہیں دیتی اللہ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں وہ اپنے نبی کو بذریعہ وحی کے مطلع کر دیتا ہے۔

نکتہ اول:...... ﴿اَنْ يُّرْضُوْهُ﴾ کی ضمیر مفرد اللہ کی طرف راجع ہے چونکہ رسول ﷺ کی رضا اسی میں ہے جس میں اللہ کی رضا ہے اس لیے ضمیر تثنیہ کی بجائے ضمیر واحد لائی گئی تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا علیحدہ علیحدہ نہیں بلکہ ایک ہی ہے۔

نکتۂ دیگر:...... حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ میں دو شانیں تھیں ایک شان سلطنت اور دوسری شان نبوت اور محبوبیت حق۔ پس منافقین اپنی جھوٹی قسموں سے حضور پرنور ﷺ کو اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بحیثیت شان سلطنت راضی کرنا چاہتے تھے۔ بحیثیت شان نبوت ورسالت آپ ﷺ کو راضی کرنے کی فکر نہ تھی اور اس حیثیت سے آپ ﷺ کو راضی کرنا عین حق تعالیٰ کو راضی کرنا ہے اور بعثت کا اصل مقصد شان نبوت ورسالت تھی شان سلطنت مقصود نہ تھی۔ بلکہ شان نبوت کے تابع تھی کہ احکام خداوندی کے اجراء میں سہولت ہو۔ منافقین حضور پرنور ﷺ کو بہ حیثیت سلطنت راضی رکھنا چاہتے تھے تاکہ ان کے جان و مال محفوظ رہیں اور ان کے ساتھ کافروں جیسا معاملہ نہ کیا جائے اور ظاہر ہے کہ یہ غرض سلطنت کی حیثیت سے متعلق ہے حضور پرنور ﷺ کو نبوت ورسالت اور مظہر حق ہونے کی حیثیت سے راضی کرنے کی ان کو کوئی فکر اور پروا نہ تھی حالانکہ حضور پرنور ﷺ کی رضا نائب حق ہونے کی حیثیت سے مطلوب ہے اور اس آیت میں اسی کا ذکر ہے اور جس حیثیت سے تم حضور ﷺ کو راضی کرنا چاہتے ہو، وہ مطلوب نہیں اور جس حیثیت سے حضور ﷺ کو راضی کرنا مطلوب ہے اس حیثیت سے تم حضور ﷺ کو راضی کرنا نہیں چاہتے اور نہ تمہیں اس کی پروا ہے۔ ابو طالب کو حضور ﷺ سے بہت محبت تھی مگر وہ صرف اس حیثیت سے تھی کہ حضور ﷺ آپ کے چہیتے تھے یا بعض کفار کو آپ ﷺ سے اس لیے محبت تھی کہ آپ ﷺ بڑے عاقل کامل یا بڑے سخی اور مہمان نواز تھے اور اب بھی بعض مصنفین یورپ آپ ﷺ کی عقل اور فہم و فراست کی اور ہمت اور شجاعت کی اور آپ ﷺ کے قانون شریعت کی بڑی تعریف کرتے ہیں مگر ان تمام حیثیتوں سے آپ ﷺ کی محبت اور رضا شرعاً نجات کے لیے کافی نہیں

بلکہ نجات کے لیے یہ ضروری ہے کہ نبی اور رسول ﷺ اور نائب حق ہونے کی حیثیت سے آپ ﷺ سے محبت کی جائے اور اسی حیثیت سے آپ کو راضی کیا جائے۔ انتہی کلامہ، ماخوذ از رضاء الحق: ۱/۰، ۲/۲۰، ۲/۱۲ وعظ ششم و ہفتم از سلسلۂ البلاغ۔

کیا ان منافقوں نے یہ نہیں جانا کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا پس تحقیق اس کے لیے آخرت میں دوزخ کی آگ تیار ہے وہ ہمیشہ اسی آگ میں رہے گا کبھی اس سے باہر نہ نکل سکے گا یہی ہمیشہ دوزخ میں رہنا بڑی رسوائی ہے لیکن منافقین اس رسوائی کی پرواہ نہیں کرتے۔ وہ تو صرف دنیاوی ذلت اور رسوائی کی پروا کرتے ہیں۔ چنانچہ منافقین اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ مسلمانوں پر قرآن کی کوئی ایسی سورت نازل ہو جائے جو ان کے دلوں کی بات سے مسلمانوں کو آگاہ کر دے جس سے یہ لوگ دنیا میں رسوا ہوں یعنی ان کو ہر وقت یہ خطرہ لگا رہتا ہے کہ کہیں خدا ہمارے بارے میں آنحضرت ﷺ پر کوئی ایسی سورت نہ نازل کر دے جس سے مومنوں پر ہمارے اندرونی حالات کھول دیئے جائیں اور دنیا میں رسوا ہوں۔ اے نبی آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے کہ اس ڈر کا مقتضی تو یہ تھا کہ تم نفاق کو چھوڑ دیتے لیکن معاملہ برعکس ہے کہ نفاق کو تو کیا چھوڑتے دین کے ساتھ تمسخر اور استہزاء میں لگے ہوئے ہو۔ اچھا دین کے ساتھ دل کھول کر ٹھٹھا کرتے رہو بیشک اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے جس چیز کے ظاہر کرنے سے تم ڈر رہے ہو یعنی تمہارے دل کی وہ تمام باتیں جو تم دل میں چھپائے ہوئے ہو اندر سے نکال کر باہر سب کے سامنے رکھ دے گا تا کہ جس رسوائی سے ڈرتے ہو وہ نظروں کے سامنے آجائے اور اس ڈر سے بچنے کے لیے یہ سوچے ہوئے ہیں کہ اگر آپ ان سے اس استہزاء اور تمسخر کے متعلق باز پرس کریں اور پوچھیں کہ تم نے یہ کیا کیا اور کیا کہا تو البتہ بات بنانے کے لیے یہ کہیں گے کہ ہم تو مسافروں کی طرح راستہ کاٹنے کے لیے آپس میں ایسی باتیں اور دل لگی کر رہے تھے۔ یعنی جب آپ ﷺ نے ان سے بلا کر باز پرس کی کہ تم کس لیے دین پر طعن کرتے ہو تو قسم کھا کر کہنے لگے کہ یہ ہمارا دلی اعتقاد نہ تھا محض خوش وقتی اور دل لگی کے طور پر محض زبان سے ایسی باتیں کر رہے تھے تا کہ باتوں میں آسانی سے راستہ کٹ جائے۔ طعن زنی اور عیب جوئی ہمارا مقصود نہ تھا۔ آپ ﷺ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کیا اللہ اور اس کے احکام اور اس کے رسول کے ساتھ تمسخر کرتے تھے؟ کیا تمسخر اور ہنسی اور دل لگی کے لیے تم کو اللہ اور رسول ﷺ ہی ملے تھے۔ بہانے مت بناؤ تمہارے دل کفر اور نفاق سے لبریز ہیں۔ تحقیق تم نے دعوائے ایمان کے بعد یہ صریح کفر کیا ہے۔ کیونکہ دین کے ساتھ استہزاء اور تمسخر اگرچہ وہ محض زبانی ہو وہ بھی کفر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے منافقو! اب زیادہ بہانے نہ کرو۔ اب تک تو ظاہر میں تم مسلمان تھے مگر اس استہزاء اور تمسخر کے بعد وہ تمہارا ظاہری اسلام بھی جاتا رہا اور اس استہزاء و تمسخر سے تم نے اپنا اندرونی کفر ظاہر کر دیا۔ لہٰذا ایسے جھوٹے عذر تراشنے اور حیلے حوالوں سے کوئی فائدہ نہیں۔ جرم کی سزا مل کر رہے گی ہاں اگر تم میں سے ایک فریق کا قصور معاف کر دیں گے۔ جو صدق دل سے توبہ کرلیں گے تو دوسرے فریق کو عذاب دیں گے۔ جنہوں نے کفر اور نفاق اور استہزاء اور تمسخر سے توبہ نہیں کی اس وجہ سے کہ وہ مجرم تھے کچھ تو زبان سے تمسخر کرتے تھے اور کچھ دل سے اس پر راضی تھے۔ معاف کرنے سے مراد توبہ کی توفیق دینا ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان میں جو لوگ صدق دل سے تائب ہو جائیں گے ان کو معاف کر دیں گے۔ مگر جو لوگ صدق دل سے توبہ نہیں کریں گے بلکہ بدستور اپنے جرم پر قائم رہیں گے ان کو ضرور سزا دیں گے۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

منافق مرد اور منافق عورتیں سب کی ایک چال ہے سکھائیں بات بری اور چھڑائیں بات بھلی

منافق مرد اور عورتیں سب کی ایک چال ہے، سکھاویں بات بری اور چھڑاویں بھلی

الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ

اور بند رکھیں اپنی مٹھی بھول گئے اللہ کو سو وہ بھول گیا ان کو تحقیق منافق وہی ہیں

سے، اور بند رکھیں اپنی مٹھی۔ بھول گئے اللہ کو، سو وہ بھول گیا ان کو، تحقیق منافق وہی ہیں

الْفٰسِقُوْنَ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ

نافرمان ف۱ وعدہ دیا ہے اللہ نے منافق مرد اور منافق عورتوں کو اور کافروں کو دوزخ کی آگ کا پڑے رہیں گے اس میں

بےحکم۔ وعدہ دیا اللہ نے منافق مرد اور عورتوں کو، اور منکروں کو، دوزخ کی آگ، پڑے رہیں اسی میں۔

هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا

وہی بس ہے ان کو ف۲ اور اللہ نے ان کو پھٹکار دیا، اور ان کے لیے عذاب ہے برقرار رہنے والا ف۳ جس طرح تم سے اگلے لوگ زیادہ تھے تم سے

وہی بس ہے ان کو۔ اور اللہ نے ان کو پھٹکارا۔ اور ان کو ہے عذاب برقرار۔ جس طرح تم سے اگلے زیادہ تھے

اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ

زور میں اور زیادہ رکھتے تھے مال اور اولاد پھر فائدہ اٹھا گئے اپنے حصہ سے ف۴ پھر فائدہ اٹھایا تم نے

زور میں، اور بہت رکھتے مال اور اولاد۔ پھر برت گئے اپنا حصہ، پھر تم نے

بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ

اپنے حصہ سے جیسے فائدہ اٹھا گئے تم سے اگلے اپنے حصہ سے اور تم بھی چلتے ہو انہی کی سی چال ف۵

برت لیا اپنا حصہ، جیسے برت گئے تم سے اگلے اپنا حصہ، اور تم نے قدم ڈالے، جیسے انہوں نے قدم ڈالے تھے۔

ف۱ یعنی سب سے بڑے نافرمان یہی بدباطن منافق ہیں جن کے مرد و عورت زبانی اقرار و اظہار اسلام کے باوجود شب و روز اسی تگ و دو میں لگے رہتے ہیں کہ ہر قسم کے حیلے اور فریب کر کے لوگوں کو اچھی باتوں سے بےزار اور برے کاموں پر آمادہ کریں۔ خرچ کرنے کے اصلی موقعوں پر مٹھی بند رکھیں۔ غرض کلمہ پڑھتے رہیں۔ لیکن نہ ان کی زبان سے کسی کو بھلائی پہنچے نہ مال سے۔ جب یہ خدا کو ایسا چھوڑ بیٹھے تو خدا نے بھی ان کو چھوڑ دیا۔ چھوڑ کر کہاں گرایا؟ اس کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔

ف۲ یعنی یہ ایسی کافی سزا ہے جس کے بعد دوسری سزا کی ضرورت نہیں رہتی۔

ف۳ شاید یہ مطلب ہو کہ دنیا میں بھی خدا کی پھٹکار (لعنت) کا اثر برابر پہنچتا رہے گا۔ یا پہلے جملہ کی تاکید ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۴ یعنی دنیاوی لذائذ کا جو حصہ ان کے لیے مقدر تھا، اس سے فائدہ اٹھا گئے اور آخری انجام کا خیال نہ کیا۔

ف۵ یعنی تم بھی ان کی طرح آخری انجام کے تصور سے غافل ہو کر دنیا کی متاع فانی سے جتنا مقدر ہے حصہ پا رہے ہو اور ساری چال ڈھال انہی کی سی رکھتے ہو، تو سمجھ لو جو حشر ان کا ہوا وہی تمہارا بھی ہو سکتا ہے ان کے پاس مال و اولاد اور جسمانی قوتیں تم سے زائد تھیں پھر انتقام الٰہی کی گرفت سے نہ بچ سکے تو تم کو کا ہے پہ =

أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٦٩﴾ أَلَمْ يَأْتِهِمْ

وہ لوگ مٹ گئے ان کے عمل دنیا میں اور آخرت میں اور وہی لوگ پڑے نقصان میں ف۱ کیا پہنچی نہیں

وہ لوگ مٹ گئے ان کے کئے دنیا میں، اور آخرت میں۔ اور وہی لوگ پڑے ہیں زیاں میں۔ کیا پہنچا نہیں

نَبَأُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَقَوْمِ إِبْرَاهِيمَ وَأَصْحَابِ مَدْيَنَ

ان کو خبر ان لوگوں کی جو ان سے پہلے تھے قوم نوح کی اور عاد کی اور ثمود کی اور قوم ابراہیم کی اور مدین والوں کی

ان کو احوال اگلوں کا، قوم نوح کا اور عاد کا اور ثمود کا، اور قوم ابراہیم کا اور مدین والوں کا،

وَالْمُؤْتَفِكَاتِ ۚ أَتَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا

اور ان بستیوں کی خبر جو الٹ دی گئی تھیں ف۲ پہنچے ان کے پاس ان کے رسول صاف حکم لے کر سو اللہ تو ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ

اور الٹی بستیوں کا؟ پہنچے ان پاس ان کے رسول صاف حکم لے کر۔ پھر اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا، مگر وہ

أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٧٠﴾

اپنے اوپر آپ ظلم کرتے تھے ف۳

اپنے پر آپ ظلم کرتے تھے۔

منافقین اور منافقات کا اعمال وصفات میں تشابہ اور تماثل مع بیان وعید وتہدید

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُم مِّن بَعْضٍ ... الی ... وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں منافقین کے اعمال فاسدہ اور افعال خبیثہ کو بیان کیا اب یہ بیان فرماتے ہیں کہ تمام منافقین اور منافقات ان قبائح اور فضائح میں مرد اور عورت سب ایک دوسرے کے مماثل اور متشابہ ہیں اور اسلام کی عداوت میں سب ایک ہیں۔ مرد اور عورت سب کا ایک ہی مذہب ہے جو بری خصلتیں ان کے مردوں میں ہیں وہی ان کی عورتوں میں بھی ہیں جس طرح مرد خبیث ہیں اسی طرح عورتیں بھی خبیث ہیں۔ سب کے دل ملتے جلتے ہیں پھر ان منافقوں کو متنبہ کرنے کے لیے گزشتہ امتوں کے کافروں کے حالات یاد دلاتے ہیں کہ دیکھو وہ مال و دولت اور قوت وطاقت میں تم سے کہیں زیادہ تھے مگر جب انہوں نے ہمارے احکام سے سرکشی کی اور ہمارے پیغمبروں کی تکذیب کی تو انہیں اس کا کیا نتیجہ ملا؟ تمہیں معلوم نہیں کہ

= بھروسہ ہے جو خدائی سزا سے اس قدر بے فکر ہو بیٹھے ہو۔

ف۱ یعنی کوئی دنیوی و اخروی برکت و کرامت انہیں نصیب نہ ہوئی۔ باقی دنیوی لذائذ کا جو حصہ بظاہر ملا وہ فی الحقیقت ان کے حق میں استدراج اور عذاب تھا، جیسا کہ دو رکوع پہلے ﴿فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ﴾ الخ کے فوائد میں گزر چکا اور اس سے پیشتر بھی کئی مواقع میں لکھا جا چکا ہے۔

ف۲ قوم نوح طوفان سے "عاد" آندھی سے، "ثمود" صیحہ (چیخ) سے ہلاک ہوئے۔ ابراہیم علیہ السلام کی حق تعالیٰ نے عجیب وغریب خارق عادت طریقہ سے تائید فرمائی جنہیں دیکھ کر ان کی قوم ذلیل و ناکام ہوئی، ان کا بادشاہ، نمرود، نہایت بدحالی کی موت مارا گیا۔ اصحاب مدین صیحہ (چیخ) رجفہ (زلزلہ) وغیرہ سے تباہ ہوئے۔ قوم لوط کی بستیاں الٹ دی گئیں اور اوپر سے پتھروں کی بارش ہوئی۔ ان سب اقوام کا قصہ (بجز قوم ابراہیم کے) سورۂ اعراف میں گزر چکا۔

ف۳ یعنی خدا کسی کو بلا وجہ اور بے موقع سزا نہیں دیتا۔ لوگ خود ایسے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں جن کے بعد عذاب الٰہی کا آنا ناگزیر ہے۔

قوم عاد اور ثمود کا اور ان بستیوں کا جب الٹی گئیں اس سرکشی اور نافرمانی کی بدولت کیا انجام ہوا ذرا سوچو اور عبرت پکڑو آخر تم خدائی قہر سے اس قدر بے فکر کیوں بیٹھے ہو۔

ربط دیگر:...... گزشتہ آیات میں ان منافقین کا ذکر تھا۔ جن کا نفاق غزوہ تبوک سے متعلق تھا اب ان آیات میں عام منافقین کے حال کا بیان ہے خواہ وہ مرد ہوں یا عورت بد باطنی اور اخلاق ذمیمہ میں سب ایک دوسرے کے مشابہ ہیں گویا کہ مرد اور عورت سب ایک ہی شیٔ کے اجزاء ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: منافق مرد اور منافق عورتیں بعض بعض کا جزء ہیں یعنی سب ہم جنس ہیں اور نفاق اور بد باطنی میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور سب کی مت ایک ہے مرد اور عورت سب اسلام اور مسلمانوں کی عداوت اور مخالفت پر طبعی طور پر متفق ہیں ان منافقین اور منافقات کا حال یہ ہے کہ یہ ایک دوسرے کو بری بات کا حکم دیتے ہیں یعنی کفر اور شرک اور مخالفت اسلام کی تلقین کرتے ہیں اور معقول اور پسندیدہ کام سے منع کرتے ہیں یعنی ایمان واسلام اور اتباع رسول سے لوگوں کو منع کرتے ہیں اور راہ خدا میں خرچ کرنے سے اپنی مٹھی بند رکھتے ہیں عاجز اور محتاجوں کی مدد سے اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں وہ اللہ کو بھول گئے یعنی ان لوگوں نے اللہ کے حکم کو فراموش کیا اللہ نے ان کو اپنے فضل ورحمت سے فراموش اور نظر انداز کر دیا۔ تحقیق جنس منافقین خواہ وہ مرد ہوں یا عورت، فاسق کامل یہی لوگ ہیں ہر ایک گناہ گار اور ہر کافر فاسق ہے مگر منافقوں کا فسق سب سے بڑھ کر ہے۔ یہ لوگ اگرچہ خدا کو فراموش کر چکے ہیں مگر خدا تعالیٰ ان کے قہر اور انتقام سے فراموش اور خاموش نہیں وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں سے اور تمام کافروں سے مرد ہوں یا عورت دوزخ کی آگ کا وہ ہمیشہ اسی آگ میں رہیں وہ ان کو کافی ہے یعنی ان کے کفر ونفاق کے کافی سزا ہے اور مزید برآں اللہ نے ان پر خاص لعنت کی ہے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے جو کبھی ان سے جدا نہ ہوگا۔ اے منافقو! کفر اور نفاق اور حق کی عداوت میں تمہاری حالت ان لوگوں کے مانند ہے جو تم سے پہلے تھے جیسے وہ رسول کی نافرمانی کر کے دوزخی ہوئے ویسے ہی تم بھی رسول کی نافرمانی کر کے دوزخی بنے وہ پچھلے لوگ بدنی قوت اور مال اولاد میں تم سے بہت زیادہ تھے سو انہوں نے اپنے دنیوی حصہ یعنی مال واولاد سے فائدہ اٹھایا یعنی دنیاوی لذتوں اور شہوتوں میں مبتلا رہے اور آخرت کی کچھ پروانہ کی پس اب ان کے بعد تم نے بھی اپنے دنیاوی حصہ سے فائدہ اٹھایا جیسا کہ تم سے پہلے لوگ دنیا سے فائدہ اٹھا گئے تھے تم اس بارہ میں بالکل ان کے مانند ہوا اور ان کے نقش قدم پر ہو اور تم بھی بری باتوں میں اسی طرح گھس گئے ہو جس طرح وہ گھسے تھے یعنی جس طرح انہوں نے رسولوں کے ساتھ استہزاء کیا تھا ویسا ہی تم نے بھی کیا ایسے ہی کافروں اور منافقوں کے اعمال حسنہ دنیا اور آخرت میں نیست اور نابود اور تباہ اور برباد ہوئے جن کے اعمال خیر پر بھی دنیا وآخرت میں کوئی ثواب مرتب نہ ہوگا۔ اور ایسے ہی لوگ دنیا اور آخرت میں خسارہ اور نقصان میں ہیں جب کھیتی کاٹنے کا وقت آیا تو ساری کھیتی جل کر تباہ ہوگئی یہی حال ان لوگوں کا ہے ان لوگوں کو چاہیے کہ پچھلوں کے حال اور مآل کا خیال کریں۔ کیا ان منافقوں اور کافروں کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے گزرے ہیں اور عذاب دوبال آنے سے پہلے دنیاوی لذتوں میں غرق تھے اور آخرت سے بے فکر تھے۔ ان کو چاہئے کہ ان کے حال سے عبرت پکڑیں مثلاً قوم نوح علیہ السلام جو طوفان میں غرق ہوئی اور قوم

عاد جو آندھی سے ہلاک ہوئی اور قوم ثمود جو زلزلہ سے ہلاک ہوئی اور قوم ابراہیم علیہ السلام جو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہوئی اور نمرود مردود مچھر کے ڈنگ مارنے سے ہلاک ہوا اور اہل مدین جو شعیب علیہ السلام کی قوم تھی وہ یوم ظلہ کے عذاب سے ہلاک ہوئے اور الٹی ہوئی بستیوں والے یعنی قوم لوط علیہ السلام کی بستیاں وہ بھی ہلاک ہوئے ان سب کے پاس ان کے رسول اور پیغمبر اپنی نبوت و رسالت کے روشن دلائل اور صاف صاف نشانیاں لے کر آئے اور عذاب خداوندی سے ان کو ڈرایا مگر ان ظالموں نے ایک نہ سنی بالآخر تباہ اور برباد ہوئے سو اللہ تو ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے اور بلا جرم کے ان پر عذاب نازل کردے لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان قوموں پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ ان کی عقوبت میں جلدی نہیں کی پیغمبر بھیج کر ان پر اپنی حجت پوری کردی جب کسی طرح ہمارے پیغمبروں کی تکذیب اور ان کے استہزاء اور تمسخر سے باز نہ آئے تب ان پر عذاب اتارا ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا خود انہی لوگوں نے تمرد اور سرکشی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا پس اس زمانہ کے کفار اور منافقین کو بھی ان سے عبرت پکڑنی چاہئے کہ انبیاء کرام کی تکذیب کا انجام ایسا ہوتا ہے تم بھی ویسے ہی کرتوت کر رہے ہو تم بھی اسی انجام بد کے مستحق ہو۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کی مددگار ہیں سکھلاتے ہیں نیک بات اور منع کرتے ہیں

اور ایمان والے مرد اور عورتیں، ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ سکھاتے ہیں نیک بات، اور منع کرتے ہیں

الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ

بری بات سے اور قائم رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور حکم پر چلتے ہیں اللہ کے اور اس کے رسول کے وہی لوگ ہیں

بری بات سے، اور کھڑی رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور حکم میں چلتے ہیں اللہ کے اور اس کے رسول کے۔ وہ لوگ،

سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ

جن پر رحم کرے گا اللہ بیشک اللہ زبردست ہے حکمت والا ف۱ وعدہ دیا ہے اللہ نے ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں کا کہ بہتی ہیں

ان پر رحم کریگا اللہ۔ البتہ اللہ زبردست ہے حکمتوں والا۔ وعدہ دیا اللہ نے، ایمان والے مردوں اور عورتوں کو باغ، بہتی ہیں

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ وَرِضْوَانٌ مِّنَ

نیچے ان کے نہریں رہا کریں انہی میں اور ستھرے مکانوں کا رہنے کے باغوں میں اور رضامندی

نیچے ان کے نہریں، رہا کریں ان میں، اور مکان ستھرے، رہنے کے باغوں میں۔ اور رضامندی

ف۱ ابتدائے رکوع میں منافقین کے اوصاف بیان ہوئے تھے۔ یہاں بطور مقابلہ مومنین کی صفات ذکر کی گئیں۔ یعنی جبکہ منافقین لوگوں کو بھلائی سے روک کر برائی کی ترغیب دیتے ہیں۔ مومنین بدی کو چھڑا کر نیکی کی طرف آمادہ کرتے ہیں۔ منافقین کی مٹھی بند ہے مومنین کا ہاتھ کھلا ہوا ہے۔ وہ بخل کی وجہ سے خرچ کرنا نہیں جانتے، یہ اموال میں سے باقاعدہ حقوق (زکوٰۃ وغیرہ) ادا کرتے ہیں۔ انہوں نے خدا کو بالکل بھلا دیا، یہ پانچ وقت خدا کو یاد کرتے اور تمام معاملات میں خدا اور رسول کے احکام پر چلتے ہیں اسی لیے وہ مستحق لعنت ہوئے اور یہ رحمت خصوصی کے امیدوار ٹھہرے۔

اللّٰہِ اَکۡبَرُ ؕ ذٰلِکَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۷۲﴾

اللہ کی ان سب سے بڑی ہے یہی ہے بڑی کامیابی ف ۱

اللہ کی، سب سے بڑی۔ یہی ہے بڑی مراد ملنی۔

مدح اہل ایمان مع بشارت غفران ورضوان

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ... الی ... ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں منافقین کے فضائح اور قبائح اوصاف قبیحہ اور اعمال شنیعہ کو بیان کیا اور یہ بتلایا کہ یہ سب کے سب ان قبائح اور فضائح میں ایک دوسرے کے مشابہ اور مماثل ہیں۔ اب بطور مقابلہ مومنین کے صفات خیر اور اعمال فاضلہ کو بیان کرتے ہیں کہ ہمارے اطاعت شعار اور مخلص اور وفادار بندوں کا یہ حال ہے جو منافقوں کے حال کے برعکس ہے جس طرح منافقین اور منافقات رذائل میں ایک دوسرے کے مشابہ تھے اسی طرح مومنین اور مومنات فضائل میں ایک دوسرے کے مشابہ اور مماثل ہیں۔

اور اس کے بعد ان سے جو رحمت اور مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس کا ذکر کیا اور یہ بتلایا کہ ان تمام نعمتوں سے بڑھ کر جو نعمت ان کو ملے گی وہ یہ ہوگی کہ ان محبین مخلصین کو دائمی رضا کا پروانہ ملے۔ اللهم اجعلنا منهم آمين برحمتك يا ارحم الراحمين ياذالجلال والاكرام۔ اور خلفاء راشدین کا اوصاف مذکور کے ساتھ موصوف ہونا احادیث متواترہ سے ثابت ہے لہٰذا وہ اس بشارت کے اولین مستحق اور سزاوار ہیں غرض یہ کہ اوپر کی آیتوں میں منافقین کے فضائح اور قبائح کا ذکر تھا۔ اب ان آیتوں میں اہل ایمان کے مدائح کا بیان ہے جیسا کہ قاعدہ ہے وبضدها تتبين الاشياء۔ ضد کے ذکر کرنے سے اصل شئ کی حقیقت خوب واضح ہوجاتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست اور کارساز ہیں اور صفات فاضلہ میں ایک دوسرے کے مماثل اور مشابہ ہیں زبان سے حکم کرتے ہیں بھلائی کا اور منع کرتے ہیں برائی سے اور فعل ان کا یہ ہے کہ نماز کو ٹھیک طرح سے پابندی کے ساتھ پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور حال ان کا یہ ہے کہ دل وجان سے وہ اللہ اور اس کے رسول کے فرمانبردار ہیں۔ ایسے لوگوں پر جن میں یہ صفات جمع ہوں ان پر اللہ ضرور اپنی خاص رحمت فرمائے گا۔ جس سے ان کی نفسانیت مغلوب اور روحانیت اور نورانیت غالب رہے گی۔ تحقیق اللہ غالب ہے جو چاہے کرے حکمت والا ہے۔ ہر چیز کو اس کے محل پر رکھتا ہے وعدہ کیا ہے اللہ نے مومن مردوں اور مومن

ف ۱ یعنی تمام نعمائے دنیوی واخروی سے بڑھ کر حق تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے۔ جنت بھی اسی لیے مطلوب ہے کہ وہ رضائے الٰہی کا مقام ہے۔ حق تعالیٰ مومنین کو جنت میں ہر قسم کی جسمانی وروحانی نعمتیں اور مسرتیں عطا فرمائے گا۔ مگر سب سے بڑی نعمت محبوب حقیقی کی دائمی رضا ہوگی۔ حدیث صحیح میں ہے کہ حق تعالیٰ اہل جنت کو پکارے گا۔ جنتی "لبیك" کہیں گے۔ دریافت فرمائے گا۔ هَلۡ رَضِيۡتُمۡ یعنی اب تم خوش ہوگئے۔ جواب دیں گے کہ پروردگار! خوش نہ ہونے کی وجہ؟ جبکہ آپ نے ہم پر انتہائی انعام فرمایا ہے۔ ارشاد ہوگا هَلۡ اُعۡطِيۡكُمۡ اَفۡضَلَ مِنۡ ذٰلِكَ یعنی جو کچھ اب تک دیا گیا ہے کیا اس سے بڑھ کر ایک چیز لینا چاہتے ہو؟ جنتی سوال کریں گے کہ اے پروردگار! اس سے افضل اور کیا چیز ہوگی؟ اس وقت فرمائیں گے احل عَلَيۡكُمۡ رِضۡوَانِیۡ فلا اَسۡخَطُ عَلَيۡكُمۡ بَعۡدَهٗ، ابداً اپنی دائمی رضا اور خوشنودی تم پر اتارتا ہوں، جس کے بعد کبھی خفگی اور ناخوشی نہ ہوگی رَزَقَنَا اللّٰهُ وَسَائِرَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ هٰذه الكرامة الۡعَظِيۡمَةَ الۡبَاهِرَةَ۔

عورتوں سے ایسے باغوں کا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی۔ وہ ہمیشہ انہی باغوں میں رہیں گے اور وعدہ کیا ہے ان سے پاکیزہ گھروں اور نفیس مکانوں کا عدن کے باغوں میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عدن، وسط جنت کا نام ہے یعنی جنت کے درمیانی حصہ کو عدن کہتے ہیں۔ جو سب سے اعلی اور برتر ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ عدن کے معنی اقامت کے ہیں اور یہ لفظ کسی خاص مقام کا نام نہیں بلکہ جنت کی صفت ہے اور کل جنت عدن ہے یعنی ہمیشگی کی جگہ ہے اور ان سب نعمتوں کے علاوہ اللہ کے طرف سے خوشنودی سب نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے جنت اسی وجہ سے جنت اور نعمت ہے کہ وہ خدا تعالی کی رضامندی کا ذریعہ ہے یہ یعنی خدا کی رضامندی یہی بڑی کامیابی ہے جس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں تمام سعادتوں اور تمام کرامتوں کا مبدا اور منتہا یہی رضائے خداوندی ہے۔ صحیحین وغیرہ میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خدا تعالی اہل جنت کو ندا دے گا کہ اے جنتیو! وہ عرض کریں گے لبيك ربنا وسعديك والخير في يديك ہم حاضر ہیں پھر فرمائے گا کہ کیا تم راضی ہو گئے وہ عرض کریں گے کہ اے پروردگار ہم راضی کیوں نہ ہوں تو نے ہم کو وہ کچھ عنایت فرمایا جو آپ نے اپنی کسی مخلوق کو نہیں دیا۔ خدا تعالی فرمائے گا کہ کیا میں تم کو اس سے بھی افضل اور بہتر نہ عطا کروں عرض کریں گے کہ اس سے افضل اور بہتر کون سی چیز ہے فرمائے گا کہ میں تم پر اپنی رضامندی نازل کرتا ہوں اب اس کے بعد کبھی تم سے ناخوش اور ناراض نہ ہوں گا۔

نکتہ:...... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خدا کی رضامندی سے افضل کوئی نعمت نہیں رضاء خداوندی کا درجہ بہشت سے بھی بڑھ کر ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق دنیا ہی میں اعلان کر دیا گیا۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ اس سے بڑھ کر کیا سعادت اور کرامت ہوگی کہ مرنے سے پہلے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے لیے رضاء خداوندی کا مژدہ جاں فزا سن لیا اور قرآن میں تصریح ہے ﴿فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ﴾ اللہ فاسقوں سے راضی نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فاسق نہ تھے۔ بلکہ صحابہ سے ناراض ہونے والا فاسق ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾

اے نبی لڑائی کر کافروں سے اور منافقوں سے اور تند خوئی کر ان پر اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے ف۱

اے نبی! لڑائی کر کافروں سے اور منافقوں سے، اور تند خوئی کر ان پر۔ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اور وہ بری جگہ پہنچے۔

ف۱ "جہاد" کے معنی ہیں کسی ناپسندیدہ چیز کے دفع کرنے میں انتہائی کوشش کرنا۔ یہ کوشش کبھی ہتھیار سے ہوتی ہے، کبھی زبان سے، کبھی قلم سے، کبھی کسی اور طریق سے، منافقین جو زبان سے اسلام کا اظہار کریں اور دل سے مسلمان نہ ہوں، ان کے مقابلہ میں جہاد بالسیف، جمہور علمائے امت کے نزدیک مشروع نہیں، نہ عہد نبوت میں ایسا واقع ہوا۔ اسی لیے جہاد کا لفظ اس آیت میں عام رکھا گیا ہے یعنی تلوار سے، زبان سے، قلم سے، جس وقت جس کے مقابلہ میں جس طرح مصلحت ہو جہاد کیا جائے۔ بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ اگر منافقین کا نفاق بالکل عیاں ہو جائے تو ان پر بھی جہاد بالسیف کیا جا سکتا ہے بہر حال غزوہ تبوک نے چونکہ منافقین =

کفار اور منافقین سے جہاد اور سختی کا حکم

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ ... الی ... وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں جب کفار اور منافقین کی برائیاں اور ان کے ناشائستہ افعال کا ذکر ہو چکا تو اب آنحضرت ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ آپ ان سے جہاد کیجئے اور ان کے ساتھ شدت اور غلظت یعنی سختی سے پیش آیئے ان کے ساتھ نرمی اور ملاطفت نہ کیجئے چونکہ آنحضرت ﷺ کا خلق نہایت وسیع تھا اس لیے آپ ان منافقوں کے ساتھ لطف اور نرمی کے ساتھ پیش آتے اب اس کی ممانعت کردی گئی اور بتلا دیا گیا کہ اعداء اللہ کے ساتھ شدت اور غلظت یہی خلق عظیم ہے۔ جہاد کے معنی کسی ناپسندیدہ چیز کے دفع کرنے کے لیے اپنی انتہائی طاقت اور کوشش خرچ کرنے کے ہیں خواہ یہ کوشش سیف وسنان سے ہو یا زبان اور حجت اور برہان سے ہو جہاد اصل معنی کے لحاظ سے عام ہے جو دونوں صورتوں کو شامل ہے اس لیے ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں جو کفار سے جہاد کا حکم آیا ہے، اس سے جہاد بالسیف والسنان مراد ہے اور منافقین سے جو جہاد کا حکم آیا ہے اس سے زبان اور برہان کے ذریعہ جہاد کرنا مراد ہے اس لیے کہ منافقین اپنے آپ کو بظاہر مسلمان بتاتے تھے اور دوسری قومیں بھی ظاہر کے لحاظ سے انہیں مسلمان سمجھتی تھیں اس لیے آنحضرت ﷺ نے منافقین کے قتل سے اعراض فرمایا اور کھلے کافروں جیسا ان کے ساتھ معاملہ نہیں کیا اس لیے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت میں کفار کے ساتھ تلوار سے جہاد کرنا مراد ہے اور منافقین کے ساتھ زبان اور قلم اور حجت اور برہان کے ذریعہ جہاد کرنا مراد ہے اور یہ حکم اس وقت تک ہے کہ جب تک نفاق پوشیدہ رہے اور جب نفاق ظاہر اور عیاں ہو جائے تو پھر منافقین سے بھی جہاد بالسیف ہو سکتا ہے۔ چونکہ منافقین بظاہر مسلمان تھے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ ان کے ساتھ نرمی برتتے تھے۔ تبوک کے موقع پر جب منافقین کا نفاق آشکارا ہو گیا تو حکم آیا کہ ان کے ساتھ سختی کی جائے۔ لہٰذا ان منافقین کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنے اور مسلمانوں جیسا معاملہ کرنے کا حکم اس وقت تھا جب تک ان کا نفاق پوشیدہ تھا اور جب ان کا نفاق قطعی اور بدیہی طور پر آشکارا اور عیاں ہو گا تو اب ان کے ساتھ نرمی کی ضرورت نہیں لہٰذا حکم دیا جاتا ہے کہ اے نبی کافروں سے تیغ وسنان کے ساتھ اور منافقوں سے زبان کے ساتھ یعنی حجت اور برہان کے ساتھ جہاد کرو اور ان پر سختی کرو نرمی کو ترک کرو یہ نابکار دنیا میں اسی کے مستحق ہیں اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔ جس کو شقاوت اور بدبختی کے اسباب ہر طرف سے محیط ہیں۔ اس کے لیے برا ہی ٹھکانہ مناسب ہے۔

= کا نفاق بہت آشکارا کر دیا تھا۔ اس لیے اس آیت میں ان کی نسبت ذرا سخت رویہ اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فطری طور پر نہایت نرم خو واقع ہوئے تھے۔ ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ (آل عمران، رکوع ۷) پھر حق تعالیٰ کی طرف سے حکم تھا۔ ﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (شعراء، رکوع ۱۱) چونکہ منافقین بھی بظاہر مومنین کے زمرہ میں شامل رہتے تھے، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ بھی درگزر، چشم پوشی اور نرم خوئی کا معاملہ فرماتے تھے۔ تبوک کے موقع پر جب منافقین نے کھلم کھلا بے حیائی، عناد اور دشمنی کا انداز اختیار کر لیا تو حکم ہوا کہ اب ان کے معاملہ میں سختی اختیار کیجئے، یہ شریر، خوش اخلاقی اور نرمی سے ماننے والے نہیں ہیں۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا

قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ ہم نے نہیں کہا اور بیشک کہا ہے انہوں نے لفظ کفر کا اور منکر ہو گئے مسلمان ہو کر ف۱ اور قصد کیا تھا اس چیز کا جو ان کو

قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی ہم نے نہیں کہا۔ اور بیشک کہا ہے لفظ کفر کا، اور منکر ہو گئے ہیں مسلمان ہو کر، اور فکر کیا تھا جو

لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ

نہ ملی ف۲ اور یہ سب کچھ اسی کا بدلہ تھا کہ دولت مند کر دیا ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے سو اگر توبہ کر لیں تو

نہ ملا۔ اور یہ سب کرتے ہیں بدلہ اس کا کہ دولتمند کر دیا ان کو اللہ نے، اور اس کے رسول نے، اپنے فضل سے۔ سو اگر توبہ کریں، تو

خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي

بھلا ہے ان کے حق میں اور اگر نہ مانیں گے تو عذاب دے گا ان کو اللہ عذاب دردناک دنیا اور آخرت میں اور نہیں ان کا روئے

بھلا ہے ان کے حق میں۔ اور اگر نہ مانیں گے، تو مار دے گا ان کو اللہ دکھ کی مار، دنیا میں اور آخرت میں۔ اور نہیں ان کا روئے

الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ

زمین پر کوئی حمایتی اور نہ مددگار ف۳ اور بعضے ان میں وہ ہیں کہ عہد کیا تھا اللہ سے اگر دیوے ہم کو اپنے فضل سے تو ہم ضرور خیرات کریں

زمین میں کوئی حمایتی نہ مددگار۔ اور بعضے ان میں وہ ہیں، کہ عہد کیا تھا اللہ سے، اگر دیوے ہم کو اپنے فضل سے تو ہم خیرات کریں،

وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ

اور ہو رہیں ہم نیکی والوں میں پھر جب دیا ان کو اپنے فضل سے تو اس میں بخل کیا اور پھر گئے

اور ہم ہو رہیں نیکی والوں میں۔ پھر جب دیا ان کو اپنے فضل سے، اس میں بخل کیا اور پھر گئے

ف۱ منافقین پیٹھ پیچھے بیٹھ کر پیغمبر علیہ السلام کی اور دین اسلام کی اہانت کرتے، جیسا کہ سورۂ منافقون میں آئے گا، جب کوئی مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک ان کی باتیں پہنچا دیتا تو اس کی تکذیب کرتے اور قسمیں کھالیتے کہ ہم نے فلاں بات نہیں کی۔ حق تعالیٰ نے مسلمان راویوں کی تصدیق فرمائی کہ بیشک انہوں نے وہی باتیں زبان سے نکالی ہیں۔ اور دعوائے اسلام کے بعد مذہب اسلام اور پیغمبر اسلام کی نسبت وہ کلمات کہے ہیں جو صرف منکرین کی زبان سے نکل سکتے ہیں۔

ف۲ غزوۂ تبوک سے واپسی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لشکر سے علیحدہ ہو کر ایک پہاڑی راستہ کو تشریف لے جا رہے تھے۔ تقریباً بارہ منافقین نے چہرے چھپا کر رات کی تاریکی میں چاہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہاتھ چلائیں اور معاذ اللہ پہاڑی سے گرا دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حذیفہ اور عمار تھے۔ عمار کو انہوں نے گھیر لیا تھا، مگر حذیفہ نے مار مار کر ان کی اونٹنیوں کے منہ پھیر دیے۔ چونکہ چہرے چھپائے ہوئے تھے۔ حذیفہ وغیرہ نے ان کو نہیں پہچانا۔ بعدہٗ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حذیفہ و عمار رضی اللہ عنہما کو نام بنام ان کے پتے بتا دیے۔ مگر منع فرما دیا کہ کسی پر ظاہر نہ کریں۔ اسی واقعہ کی طرف وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا میں اشارہ ہے کہ جو ناپاک قصد انہوں نے کیا خدا کے فضل سے پورا نہ ہوا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ کسی موقع پر لشکر اسلام میں کچھ خانہ جنگی ہو گئی تھی، منافقین نے اغوا کر کے مہاجرین و انصار میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح فرما دی جیسا کہ سورۂ منافقون میں آئے گا۔

ف۳ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے خدا نے انہیں دولت مند کر دیا، قرضوں کے بار سے سبک دوش ہوئے، مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے رہنے کی وجہ سے غنائم میں حصہ ملتا رہا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے پیداوار اچھی ہوئی، ان احسانات کا بدلہ یہ دیا کہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دغابازی کرنے لگے اور ہر طرح پیغمبر علیہ السلام اور مسلمانوں کو ستانے پر کمر باندھ لی۔ اب بھی اگر توبہ کر کے شرارتوں اور احسان فراموشیوں سے باز آجائیں تو ان کے حق میں =

مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعۡقَبَہُمۡ نِفَاقًا فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ اِلٰی یَوۡمِ یَلۡقَوۡنَہٗ بِمَاۤ اَخۡلَفُوا اللّٰہَ مَا وَعَدُوۡہُ

ٹلا کر ف۱ پھر اس کا اثر رکھ دیا نفاق ان کے دلوں میں جس دن تک کہ وہ اس سے ملیں گے اس وجہ سے کہ انہوں نے خلاف کیا اللہ سے

ٹلا کر۔ پھر اس کا اثر رکھا نفاق ان کے دل میں، جس دن تک اس سے ملیں گے اس پر کہ خلاف کیا، اللہ سے

وَبِمَا کَانُوۡا یَکۡذِبُوۡنَ ﴿۷۷﴾ اَلَمۡ یَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ سِرَّہُمۡ وَنَجۡوٰىہُمۡ وَاَنَّ اللّٰہَ عَلَّامُ

جو وعدہ اس سے کیا تھا، اور اس وجہ سے کہ بولتے تھے جھوٹ ف۲ کیا وہ جان نہیں چکے کہ اللہ جانتا ہے ان کا بھید اور ان کا مشورہ اور یہ کہ اللہ خوب جانتا ہے

جو وعدہ دیا، اور اس پر کہ بولتے تھے جھوٹ۔ جان نہیں چکے، کہ اللہ جانتا ہے ان کا بھید اور مشورہ، اور یہ کہ اللہ جاننے والا ہے

الۡغُیُوۡبِ ﴿۷۸﴾ اَلَّذِیۡنَ یَلۡمِزُوۡنَ الۡمُطَّوِّعِیۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیۡنَ لَا

سب چھپی باتوں کو ف۳ وہ لوگ جو طعن کرتے ہیں ان مسلمانوں پر جو دل کھول کر خیرات کرتے ہیں اور ان پر جو نہیں

ہر چھپے کا۔ وہ جو طعن کرتے ہیں دل کھول کر، خیرات کرنے والے مسلمانوں کو، اور ان پر جو نہیں

= بہتر ہے۔ ورنہ خدا دنیا و آخرت میں وہ سزا دے گا جس سے بچانے والا روئے زمین پر کوئی نہ ملے گا۔ بعض روایات میں ہے کہ "جلاس" نامی ایک شخص یہ آیات سن کر صدق دل سے تائب ہوا، اور آئندہ اپنی زندگی خدمت اسلام میں قربان کر دی۔

ف۱ ایک شخص ثعلبہ بن حاطب انصاری نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے حق میں دولت مند ہو جانے کی دعا فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ ثعلبہ! تھوڑی چیز جس پر تو خدا کا شکر ادا کرے، اس بہت چیز سے اچھی ہے جس کے حقوق ادا نہ کر سکے۔ اس نے پھر وہی درخواست کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ثعلبہ! کیا تجھے پسند نہیں کہ میرے نقش قدم پر چلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار پر اس کا اصرار بڑھتا رہا۔ اس نے وعدہ کیا کہ اگر خدا مجھ کو مال دے گا، میں پوری طرح حقوق ادا کروں گا۔ آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی، اس کی بکریوں میں اس قدر برکت ہوئی کہ مدینہ سے باہر ایک گاؤں میں رہنے کی ضرورت پڑی اور اتنا پھیلاوا ہوا کہ ان میں مشغول ہو کر رفتہ رفتہ جمعہ و جماعات بھی ترک کرنے لگا۔ کچھ دنوں بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے والے "محصل" پہنچے تو کہنے لگا کہ زکوٰۃ تو جزیہ کی بہن معلوم ہوتی ہے۔ دو ایک دفعہ ٹلا کر آخر زکوٰۃ دینے سے صاف انکار کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا "ویح ثعلبہ" اور یہ آیات نازل ہوئیں جب اس کے بعد اقارب نے اس کی خبر پہنچائی تو بادل نخواستہ زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے مجھ کو تیری زکوٰۃ قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ یہ سن کر اس نے بہت ہائے واویلا کی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زکوٰۃ قبول نہ کرنا اس کے لیے بڑی عار کی بات تھی۔ بدنامی کے تصور سے سر پر خاک ڈالتا تھا۔ مگر دل میں نفاق چھپا ہوا تھا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا۔ انہوں نے بھی قبول کرنے سے انکار فرمایا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں زکوٰۃ پیش کی، دونوں نے انکار فرمایا۔ ہر ایک یہی کہتے تھے کہ جو چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رد کر دی ہم اس کو قبول نہیں کر سکتے۔ آخر اسی حالت نفاق پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں اس کا خاتمہ ہوا۔

ف۲ یعنی خدا سے صریح وعدہ خلافی کرنے اور جھوٹ بولتے رہنے کی سزا میں ان کے بخل و اعراض کا اثر یہ ہوا کہ ہمیشہ کے لیے نفاق کی جڑ ان کے دلوں میں قائم ہو گئی جو موت تک نکلنے والی نہیں۔ اور یہی "سنت اللہ" ہے کہ جب کوئی شخص اچھی یا بری خصلت خود اختیار کر لیتا ہے تو کثرت سے مزاولت و ممارست سے وہ دائمی بن جاتی ہے۔ بری خصلت کے اسی دوام و استحکام کو کبھی کبھی ختم و طبع (مہر لگانے) سے تعبیر کر دیتے ہیں۔

ف۳ یعنی خواہ کیسے ہی وعدے کریں، باتیں بنائیں، یا مجبور ہو کر مال پیش کریں۔ خدا ان کے ارادوں اور نیتوں کو خوب جانتا ہے اور اپنے ہم مشربوں کے ساتھ بیٹھ کر جو مشورے کرتے ہیں، ان سے پوری طرح آگاہ ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ﴿لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ﴾ کا وعدہ اور گھبرا کر زکوٰۃ حاضر کرنا کس دل اور کیسی نیت سے تھا۔

يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۷۹

رکھتے مگر اپنی محنت کا پھر ان پر ٹھٹھے کرتے ہیں اللہ نے ان سے ٹھٹھا کیا ہے اور ان کے لیے عذاب دردناک ہے ف۱

رکھتے مگر اپنی محنت کا، پھر ان پر ٹھٹھے کرتے ہیں۔ اللہ نے ان سے ٹھٹھا کیا ہے اور ان کو دکھ کی مار ہے۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ

تو ان کے لیے بخشش مانگ یا نہ مانگ اگر ان کے لیے ستر بار بخشش مانگے تو بھی ہرگز نہ بخشے گا

تو ان کے حق میں بخشش مانگ یا نہ مانگ۔ اگر ان کے واسطے ستر بار بخشش مانگے، تو بھی ہرگز نہ بخشے

لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۸۰ فَرِحَ

ان کو اللہ یہ اس واسطے کہ وہ منکر ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اللہ رستہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو ف۲ خوش ہوگئے

ان کو اللہ، یہ اس پر کہ وہ منکر ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے۔ اور اللہ راہ نہیں دیتا بے حکم لوگوں کو۔ خوش ہوئے

ف۱ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو صدقہ کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے چار ہزار (دینار یا درہم) حاضر کر دیے۔ عاصم بن عدی نے ایک سو وسق کھجوریں (جن کی قیمت چار ہزار درہم ہوتی تھی) پیش کیں۔ منافقین کہنے لگے کہ ان دونوں نے دکھلاوے اور نام و نمود کو اتنا دیا ہے۔ ایک غریب صحابی ابو عقیل حجاب نے جو محنت و مشقت سے تھوڑا سا کما کر لائے۔ اس میں سے ایک صاع تمر صدقہ کیا تو مذاق اڑانے لگے کہ یہ خواہ مخواہ زورآوری سے لہولگا کر شہیدوں میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ بھلا اس کی ایک صاع کھجوریں کیا پکار کریں گی۔ غرض تھوڑا دینے والا اور بہت خرچ کرنے والا کوئی ان کی زبان سے بچتا نہ تھا۔ کسی پر طعن، کسی سے ٹھٹھا کرتے تھے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا "سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ" (اللہ نے ان سے ٹھٹھا کیا ہے) یعنی ان کے طعن و تسخر کا بدلہ دیا۔ بظاہر تو وہ چند روز کے لیے مسخراپن کرنے کے لیے آزاد چھوڑ دیئے گئے ہیں، لیکن فی الحقیقت اندر ہی اندر سکھ کی جڑیں کٹتی چلی جاری ہیں۔ اور عذاب الیم ان کے لیے تیار ہے۔

ف۲ یعنی منافقین کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کتنی ہی مرتبہ استغفار کیجئے ان کے حق میں بالکل بیکار اور بے فائدہ ہے، خدا ان بدبخت کافروں اور نافرمانوں کو کبھی معاف نہ کرے گا۔ واقعہ یہ پیش آیا کہ مدینہ میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کا انتقال ہوا۔ آپ نے قمیص مبارک کفن میں دیا۔ لعاب مبارک اس کے منہ میں ڈالا۔ نماز جنازہ پڑھی اور دعائے مغفرت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس معاملہ میں آڑے آتے تھے اور کہتے تھے کہ یارسول اللہ! یہ وہی خبیث تو ہے جس نے فلاں فلاں وقت ایسی ایسی نالائق حرکات کیں۔ ہمیشہ کفر و نفاق کا علم بردار رہا۔ کیا حق تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا۔ ﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے عمر! مجھ کو استغفار سے منع نہیں کیا گیا۔ بلکہ آزاد رکھا گیا ہے کہ استغفار کروں یا نہ کروں۔ یہ خدا کا فعل ہے کہ ان کو معاف نہ کرے۔ یعنی ان کے حق میں میرا استغفار نافع نہ ہو (سو ان کے حق میں نہ سہی، ممکن ہے دوسروں کے حق میں میرا یہ طرز عمل نافع ہو جائے دوسرے لوگ سب سے بڑے موذی دشمن کے حق میں نبی کے اس وسعت اخلاق اور وفور رحمت و شفقت کو دیکھ کر اسلام و پیغمبر اسلام کے گرویدہ ہو جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا) صحیح بخاری کی ایک روایت میں آپ نے فرمایا کہ "اگر میں جانتا کہ ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے سے اس کی مغفرت ہو سکتی ہے تو میں ستر مرتبہ سے زائد استغفار کرتا" گویا اس جملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ فرما دیا کہ حضرت عمر کی طرح آپ بھی اس کے حق میں استغفار کو غیر مفید تصور فرما رہے تھے۔ فرق اس قدر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر "بغض فی اللہ" کے جوش میں صرف اسی نقطہ پر مقصور تھی، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میت کے فائدہ سے قطع نظر فرما کر عام پیغمبرانہ شفقت کا اظہار اور احیاء کے فائدہ کا خیال فرما رہے تھے۔ لیکن آخر کار وحی الٰہی ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ﴾ نے صریح طور پر منافقین کا جنازہ پڑھنے یا ان کے اہتمام دفن و کفن وغیرہ میں حصہ لینے کی ممانعت کر دی۔ کیونکہ اس طرز عمل سے منافقین کی ہمت افزائی اور مومنین کی دل شکستگی کا احتمال تھا۔ اس وقت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی منافق کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی۔

الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ

پیچھے رہنے والے اپنے بیٹھ رہنے سے جدا ہو کر رسول اللہ سے اور گھبرائے اس سے کہ لڑیں اپنے مال سے اور جان سے

پچھاڑی ڈالے گئے، (پیچھے رہنے والے) بیٹھ کر جدا رسول اللہ سے، اور برا لگا کہ لڑیں اپنے مال سے اور جان سے

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا

اللہ کی راہ میں ف۱ اور بولے کہ مت کوچ کرو گرمی میں ف۲ تو کہہ دوزخ کی آگ سخت گرم ہے اگر ان کو

اللہ کی راہ میں، اور بولے مت کوچ کرو گرمی میں۔ تو کہہ، دوزخ کی آگ اور سخت گرم ہے۔ اگر ان کو

يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاِنْ

سمجھ ہوتی ف۳ سو وہ ہنس لیویں تھوڑا اور رو ویں بہت سا، بدلہ اس کا جو وہ کماتے تھے ف۴ سو اگر

سمجھ ہوتی۔ سو ہنس لیں تھوڑا، اور روویں بہت سا۔ بدلہ اس کا جو کماتے تھے۔ سو اگر

رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ

پھر لے جائے تجھ کو اللہ کسی فرقہ کی طرف ان میں سے ف۵ پھر اجازت چاہیں تجھ سے نکلنے کی تو تو کہہ دینا کہ تم ہرگز نہ نکلو گے

پھر لے جاوے تجھ کو اللہ، کسی فرقے کی طرف ان میں سے، پھر یہ رخصت چاہیں تجھ سے نکلنے کو، تو تو کہہ، ہرگز نہ نکلو گے

تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

میرے ساتھ کبھی اور نہ لڑو گے میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے تم کو پسند آیا بیٹھ رہنا پہلی بار سو بیٹھے رہو پیچھے رہنے والوں کے ساتھ ف۶

میرے ساتھ کبھی، اور نہ لڑو گے میرے ساتھ کسی دشمن سے۔ تم کو پسند آیا بیٹھ رہنا پہلی بار، سو بیٹھے رہو ساتھ پچھاڑی والوں کے۔

ف۱ یہ ان منافقین کے متعلق ہے جو غزوہ تبوک کی شرکت سے علیحدہ رہے۔ یعنی منافقین کا حال یہ ہے کہ برائی اور عیب کا کام کر کے خوش ہوتے ہیں، نیکی سے گھبرا کر دور بھاگتے ہیں۔ اور جیسا کہ پہلے گزر انیکی کرنے والوں پر طعن کرتے اور آوازے کستے ہیں۔ ایسی قوم کو نبی کے استغفار سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ یہاں سے گنہگار اور بد اعتقاد کا فرق نکلتا ہے۔ گناہ ایسا کونسا ہے جو پیغمبر کے بخشوانے سے نہ بخشا جائے۔ ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ (نساء، رکوع ۹) لیکن بد اعتقاد کو پیغمبر کا ستر مرتبہ استغفار فائدہ نہ دے۔

ف۲ یا تو منافقین آپس میں ایک دوسرے کو کہتے تھے اور یا بعض مومنین سے کہتے ہوں گے کہ ان کی ہمتیں سست ہو جائیں۔

ف۳ یعنی اگر سمجھ ہوتی تو خیال کرتے کہ یہاں کی گرمی سے بچ کر جس گرمی کی طرف جا رہے ہو وہ کہیں زیادہ سخت ہے۔ یہ تو وہی مثال ہوئی کہ دھوپ سے بھاگ کر آگ کی پناہ لی جائے۔ حدیث میں ہے کہ جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر درجہ زیادہ تیز ہے۔ نعوذ باللہ منہا۔

ف۴ یعنی چند روز اپنی حرکات پر خوش ہو لو اور ہنس لو۔ پھر ان کرتوتوں کی سزا میں ہمیشہ کو رونا ہے۔

ف۵ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبوک میں تھے اور منافقین مدینہ میں ممکن تھا کہ بعض منافقین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی سے قبل مر جائیں، اس لیے ﴿اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ﴾ فرمایا۔

ف۶ یعنی اب اگر یہ لوگ کسی دوسرے غزوہ میں ساتھ چلنے کی اجازت مانگیں تو فرما دیجئے کہ بس! تمہاری ہمت و شجاعت کا بھانڈا پھوٹ چکا اور تمہارے دلوں کا حال پہلی مرتبہ کھل چکا۔ نہ تم کبھی ہمارے ساتھ نکل سکتے ہو اور نہ دشمنان اسلام کے مقابلہ میں بہادری دکھا سکتے ہو، لہٰذا اب تم کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔ عورتوں، بچوں، اپاہج اور ناتوان بڈھوں کے ساتھ گھر میں گھسے بیٹھے رہو اور جس چیز کو پہلی دفعہ تم نے اپنے لیے پسند کر لیا ہے مناسب ہے کہ اسی حالت پر مرو۔ تاکہ =

تفصیل جرائم منافقین

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿یَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰہِ مَا قَالُوۡا... الی... فَاقۡعُدُوۡا مَعَ الۡخٰلِفِیۡنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیت میں منافقین سے جہاد کا حکم دیا تھا آئندہ آیات میں منافقین کے نفاق اور کفر کی چند باتیں ذکر کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ منافقین کی یہ باتیں ایسی ہیں جن سے ان کا نفاق آشکارا اور ظاہر ہو چکا ہے اس لیے ان کے ساتھ شدت اور غلظت یعنی سختی کی شدید ضرورت ہے اور وہ اسی کے مستحق ہیں۔

نکوئی بابداں کردن چنانست کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

ان کے ساتھ نرمی کا رویہ نہ رکھنا چاہئے اس لیے آئندہ آیات میں منافقین کے چند جرائم کا ذکر کرتے ہیں جو ان سے جہاد اور غلظت کو مقتضی ہیں اس سلسلہ میں حق تعالیٰ نے ان کا ایک جرم تو حلف کاذب ذکر کیا۔ کما قال تعالیٰ: ﴿یَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰہِ مَا قَالُوۡا﴾ الخ یعنی کفر کی باتیں کرتے ہیں اور پھر مکر جاتے ہیں اور قسم کھالیتے ہیں کہ ہم نے یہ بات نہیں کہی۔

(دوم) احسان فراموشی کما قال تعالیٰ: ﴿وَمَا نَقَمُوۡۤا اِلَّاۤ اَنۡ اَغۡنٰہُمُ اللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗ مِنۡ فَضۡلِہٖ﴾ جس کا اس آیت میں ذکر ہے۔

(سوم) بدعہدی جس کا اس آیت میں ذکر ہے۔ ﴿وَمِنۡہُمۡ مَّنۡ عٰہَدَ اللّٰہَ لَئِنۡ اٰتٰىنَا مِنۡ فَضۡلِہٖ لَنَصَّدَّقَنَّ﴾ الخ

(چہارم) مومنین مخلصین کے صدقات وخیرات پر طعنہ زنی جو مسلمان زیادہ لاتا اس کو یہ کہتے یہ کہ یہ نام ونمود کے لیے لایا ہے اور جو کم لاتا اس کو یہ کہتے کہ خدا کو اس کے صدقہ کی کیا ضرورت تھی۔ محض انگلی کٹا کر شہیدوں میں داخل ہونا چاہتا ہے جیسا کہ ﴿اَلَّذِیۡنَ یَلۡمِزُوۡنَ الۡمُطَّوِّعِیۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ فِی الصَّدَقٰتِ﴾ میں اسی کا ذکر ہے۔

(پنجم) منافقین کا غزوۂ تبوک میں خود بھی شریک نہ ہونا اور دوسروں کو بھی شرکت سے منع کرنا کہ گرمی شدت کی پڑ رہی ہے ایسی حالت میں گھر سے باہر نہ جاؤ کما قال تعالیٰ: ﴿فَرِحَ الۡمُخَلَّفُوۡنَ بِمَقۡعَدِہِمۡ خِلٰفَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ﴾ الخ پس اس قسم کے جرائم کا مقتضی یہ ہے کہ اس قسم کے مجرمین سے کسی قسم کی نرمی نہ کی جائے۔ چنانچہ جرائم کی تفصیل فرماتے ہیں۔

جرم اول - حلف کاذب

آنحضرت ﷺ جب غزوۂ تبوک سے واپس آرہے تھے تو بارہ منافق آپ ﷺ کے قتل کے ارادہ سے اپنے چہرے چھپا کر ایک گھاٹی پر کھڑے ہو گئے تاکہ آپ ﷺ کو اس پہاڑی سے گرادیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے۔ انہوں نے ان کو مار کر پیچھے ہٹایا۔ چہرے چھپے ہوئے تھے اور رات کی تاریکی تھی اس لیے پہچانے نہیں گئے آپ ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا آپ ﷺ نے منزل پر پہنچ کر ان کو بلایا اور پوچھا کہ تم نے ایسا ایسا مشورہ کیا تھا اور ایسا ایسا ارادہ کیا تھا سب نے قسمیں کھالیں کہ ہم نے آپ ﷺ کی شان میں کوئی کلمہ نہیں کہا اور نہ ہم نے

= اچھی طرح عذاب الٰہی کا مزہ چکھو۔

کوئی فاسد ارادہ کیا ان بارہ منافقوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ منافقین اللہ کی جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے وہ بات نہیں کہی جو آپ تک پہنچائی گئی اور حالانکہ انہوں نے یقیناً کفر کی بات کہی ہے انہوں نے اپنے کفر کو ظاہر کیا اپنے اسلام کے ظاہر کرنے کے بعد اور قصد کیا انہوں نے اس چیز کا جس کو وہ حاصل نہ کر سکے یعنی ارادہ یہ کیا تھا کہ نبی اکرم ﷺ کو قتل کردیں مگر کامیاب نہ ہوئے یہاں تک منافقین کے جرم اول یعنی جھوٹی قسموں کا بیان ہوا اب آئندہ آیت میں ان کے دوسرے جرم احسان فراموشی کا ذکر کرتے ہیں۔

جرم دوم-احسان فراموشی

اور نہیں انتقام لیا ان منافقوں نے مگر اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اور اس کے رسول نے اپنی دعا سے ان کو مال دار بنا دیا۔ اہلِ مدینہ آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے محتاج اور تنگ دست تھے جب رسول اللہ ﷺ کا قدم مبارک یہاں آیا تو اس کی برکت سے خدا تعالیٰ نے ان کی کھیتی باڑی میں اور باغوں کی پیداوار میں برکت دی اور ادھر مال غنیمت ان کے پاس آنے لگا جس سے وہ مال دار ہو گئے ان کو چاہئے تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے اس احسان کے مشکور ہوتے مگر منافقوں نے بجائے شکر گزاری کے آپ ﷺ کے قتل کا اردہ کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا یہ کینہ اور عداوت اسی وجہ سے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ان کو مال دار بنا دیا جس سے ان کی احسان فراموشی اور بدبختی عیاں ہے۔ پس اگر منافق اپنے نفاق سے توبہ کرلیں تو ان کے حق میں بہتر ہو اور اگر وہ توبہ سے روگردانی کریں اور اپنے کفر اور نفاق پر جمے رہیں تو اللہ ان کو دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا۔ دنیا میں قتل کیے جائیں گے اور ذلیل وخوار ہوں گے اور آخرت میں دوزخ کے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اور زمین میں ان کے لیے نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار جو ان کو دنیا اور آخرت کے عذاب سے بچالے۔ بعض روایات میں یہ آیا ہے کہ جُلاس نامی ایک شخص یہ آیتیں سن کر صدق دل سے تائب ہو گیا اور آئندہ زندگی اسلام کی خدمت کے لیے وقف کردی اور امت کے مخلصین میں اس کا شمار ہوا۔

جرم سوم بدعہدی

ثعلبہ بن حاطب نامی ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے کشائش رزق کی درخواست کی آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"ویحك یا ثعلبة قلیل تؤدی شکرہ خیر من کثیر لا تطیقه۔"

افسوس اے ثعلبہ (کس فکر میں ہے) تھوڑا مال جس پر خدا کا شکر کرے اس کثیر مال سے بہت بہتر ہے جس کے تو حقوق ادا نہ کر سکے۔

اس نے پھر یہی درخواست کی اس پر آپ ﷺ نے یہ فرمایا:

"اما ترضی ان تکون مثل نبی اللہ لو شئت ان تسیر معی الجبال ذھبا لسارت۔"

اے ثعلبہ کیا تجھے یہ پسند نہیں کہ تو فقر اور درویشی میں اللہ کے نبی کے طریقہ پر چلے میں اگر چاہوں تو یہ پہاڑ سونے کے بن کر میرے ساتھ چلنے لگیں۔

ثعلبہ نے کہا خدا کی قسم میں آپ ﷺ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میں مال دار ہو گیا تو اس کے حقوق ادا کروں گا۔ آپ ﷺ نے اس کے لیے دعا فرمادی خدا تعالیٰ نے اس کی بکریوں میں اس قدر برکت دی کہ وہ کیڑوں کی طرح بڑھنے لگیں اور اس کے پاس اتنا ریوڑ ہو گیا کہ وہ مدینہ میں نہ سما سکا، ناچار مدینہ چھوڑ کر باہر کسی گاؤں میں جا بسا اور رفتہ رفتہ جمعہ اور جماعت کے لیے بھی آنا چھوڑ دیا کچھ دنوں کے بعد حضور انور ﷺ نے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے محصل بھیجا تو از راہ غرور کہنے لگا کہ زکوٰۃ اور جزیہ میں کیا فرق ہے اور زکوٰۃ دینے سے صاف انکار کر دیا حضور ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا یا ویح ثعلبۃ۔ ''افسوس اے ثعلبہ'' اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (تفسیر قرطبی: ۸/ ۲۰۹)

پھر بعد میں جب اس کے عزیز و اقارب نے اس پر طعن و تشنیع کی تو وہ زکوٰۃ لے کر حضور پر نور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے اس کی زکوٰۃ منظور نہیں کی۔ اس شخص نے بہت واویلا کیا اور بدنامی کے خوف سے سر پر خاک بھی ڈالی مگر حضور پر نور ﷺ نے اس کی زکوٰۃ قبول نہیں کی۔ پھر حضور ﷺ کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا انہوں نے بھی قبول کرنے سے انکار فرمایا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور پھر ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں زکوٰۃ پیش کی دونوں نے انکار فرمادیا۔ ہر ایک نے یہی کہا جو چیز آنحضرت ﷺ نے قبول نہیں کی ہم اس کو قبول نہیں کر سکتے۔ آخر اسی حالت نفاق پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مر گیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر اللہ نے ہم کو اپنے فضل سے مال دیا تو ہم ضرور صدقہ اور خیرات کریں گے اور زکوٰۃ نکالیں گے اور صدقہ اور زکوٰۃ دے کر ضرور نیک بختوں میں سے ہو جائیں گے۔ پھر جب اللہ نے اپنے فضل و کرم سے ان کو مال دے دیا تو انہوں نے اس پر بخل کیا اور زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ اور عہد و پیمان سے منہ پھیر لیا درآنحالیکہ وہ ٹلانے والے تھے۔ پس خدا تعالیٰ سے صریح وعدہ خلافی کرنے اور جھوٹ بولنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے قیامت تک کے لیے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا کہ جس دن وہ اللہ کے سامنے پیش ہوں گے۔ یعنی قیامت تک ان کو توبہ سے محروم کر دیا جب اللہ سے ملیں گے اس وقت بھی منافق ہوں گے اور ان کو یہ سزا اس وجہ سے ملی کہ انہوں نے خدا سے وعدہ خلافی کی اور اس لیے کہ خدا سے جھوٹ بولتے رہے اس آیت سے معلوم ہوا کہ وعدہ خلافی اور جھوٹ سے آدمی کے دل میں نفاق پیدا ہوا جاتا ہے۔ اس وجہ سے حدیث میں جھوٹ اور وعدہ خلافی کو نفاق کی خصلتوں میں شمار فرمایا ہے۔ کیا ان منافقوں نے یہ نہیں جانا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے پوشیدہ اسرار کو اور ان کی کانا پھوسی کو جو اسلام کی مخالفت میں کرتے رہتے ہیں، خوب جانتا ہے اس پر ان کی کوئی کارروائی مخفی نہیں اور ان کو یہ معلوم نہیں کہ تحقیق اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے۔ تمہارے مشورے اس پر پوشیدہ نہیں۔

جرم چہارم: اہل ایمان کے صدقات پر طعنہ زنی

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو صدقہ اور خیرات کی ترغیب دی تو بعض صحابہ تو بہت سامال لے کر حاضر ہوئے تو منافقین نے کہا کہ یہ تو ریاکار ہے اپنے نام اور شہرت کی خاطر لے کر آیا ہے اور بعض غریب و نادار مسلمان جو محنت و مزدوری کیا کرتے تھے۔ وہ بہت تھوڑا لے کر حاضر ہوئے ایک صحابی ایک صاع کھجور کا لے کر حاضر ہوئے اس پر منافقین نے

یہ طعن کیا کہ بھلا خدا اور رسول کو ایک صاع کی کیا ضرورت ہے۔ غرض یہ کہ ان کی زبان طعن سے نہ تھوڑا لانے والا بچا اور نہ زیادہ لانے والا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ان منافقوں میں وہ لوگ بھی ہیں جو ان مسلمانوں پر بھی طعن کرتے ہیں جو دل کھول کر صدقات وخیرات کرتے ہیں اور ان غریب مسلمانوں پر بھی طعن کرتے ہیں جو سوائے اپنی محنت اور مشقت کے کچھ نہیں پاتے پھر ایسے غریبوں اور ناداروں کا خاص طور پر مذاق اڑاتے ہیں۔ وہ ان غریب مسلمانوں سے ٹھٹھا کرتے ہیں۔ اللہ قیامت کے دن ان سے ٹھٹھا کرے گا۔ تمسخر کا بدلہ تمسخر سے ملے گا اور اس کے علاوہ ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے جو ان کے لیے قطعی طور پر تجویز ہو چکا ہے۔ لہٰذا آپ ان مسخرہ پن کرنے والے منافقین کے لیے دعاء مغفرت کریں یا نہ کریں ان کے حق میں بالکل بے کار اور بے فائدہ ہے آپ اگر ان کے لیے ستر مرتبہ بھی خدا سے مغفرت مانگیں گے تب بھی ہرگز اللہ ان کو نہیں بخشے گا۔ ستر کا عدد تحدید اور تعیین کے لیے نہیں بلکہ محض مبالغہ اور کثرت کے لیے ہے مطلب یہ ہے کہ ان کے لیے معافی مانگنا فضول ہے مانگو یا نہ مانگو کسی طرح نہیں بخشے جائیں گے خواہ تم ان کے لیے کتنی ہی بار معافی مانگو۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ انہوں نے اللہ اور رسول کے ساتھ ایسا کفر کیا کہ تمسخر کی حد تک پہنچ گئے جس سے مغفرت کی صلاحیت اور اہلیت ہی ختم ہوگئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ تمسخر دلیل اس امر کی ہے کہ دل پر مہر لگ چکی ہے اور اللہ نہیں راہ دکھاتا ایسے فاسقوں کو جو اپنے کفر میں متمرد اور سرکش ہو گئے ہوں۔

جرم پنجم: تخلف از غزوۂ تبوک

ان منافقوں کا ایک جرم یہ ہے کہ برائی اور عیب کے کام سے خوش ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس برائی کی دعوت اور ترغیب دیتے ہیں ایسوں کو نبی ﷺ کے استغفار سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے جو لوگ ان منافقین میں سے اپنے اصرار کی وجہ سے پیچھے چھوڑ دیئے گئے تھے وہ رسول اللہ ﷺ کے برخلاف اپنے گھر بیٹھے رہنے سے بہت خوش ہوئے یعنی جن منافقوں کو رسول اللہ ﷺ نے جھوٹے عذروں کی بناء پر جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت دے دی تھی وہ رسول اللہ ﷺ کی خلاف مرضی اپنے گھر بیٹھے رہنے سے بہت خوش ہوئے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ خلاف کے معنی مخالف کے نہیں بلکہ خَلْفَ بمعنی بعد کے ہیں یعنی رسول اللہ ﷺ کے چلے جانے کے بعد آپ ﷺ کے پیچھے اپنے گھر بیٹھے رہنے سے خوش ہوئے اور اپنے جان و مال سے خدا کی راہ میں جہاد کرنے کو مکروہ سمجھا۔ خود بھی آرام طلب بنے اور دوسروں کو بھی کہنے لگے کہ گرمی میں جہاد کے لیے نہ نکلو۔ نہ خود گئے اور دوسروں کو بھی روکنا چاہا۔ اے نبی آپ ﷺ اُن سے کہہ دیجئے کہ جہنم کی آگ اس سے کہیں زیادہ سخت گرم ہے۔ کاش کہ یہ منافق سمجھتے ہوتے کہ رسول اللہ کی مخالفت میں کتنی سخت آگ میں جلنا پڑے گا۔ سو یہ منافق جو اس وقت جہاد سے پیچھے رہنے پر خوش ہو رہے ہیں دنیا میں تھوڑے دنوں ہنس لیں اور اس کے بدلے آخرت میں بہت سا روئیں یہ امر بمعنی خبر ہے اور صیغۂ امر اس لیے لایا گیا تاکہ دلالت کرے کہ قیامت کے دن بہت سا روئیں ابد الآباد تک روتے ہی رہیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا ہنسنا چند روزہ ہے اس کے بعد رونا ہی رونا ہے یہ ان کا آخرت میں رونا بطور بدلہ کے ہوگا جو دنیا میں کماتے تھے۔ دنیا میں کفر اور معصیت کر کے ہنستے اور خوش ہوتے تھے۔ آخرت میں اس کے بدلہ ابد الآباد تک رونا

پڑے گا جب ان کا حال معلوم ہوگیا تو اگر خدا تعالیٰ آپ ﷺ کو اس سفر سے صحیح سالم ان میں سے کسی جماعت کی طرف مدینہ واپس لائے پھر یہ لوگ بطور خوشامد و دفع الزام سابق کسی دوسرے غزوہ میں آپ کے ساتھ نکلنے کی اجازت مانگیں تو آپ ان سے کہہ دیں کہ تم میرے ساتھ کبھی ہرگز نہیں نکلو گے اور میرے ساتھ ہو کر ہرگز کبھی کسی دشمن سے نہیں لڑو گے یعنی اگر آپ ﷺ غزوۂ تبوک سے صحیح سالم مدینہ واپس آجائیں اور پھر دوسرے غزوہ کی تیاری کریں اور جو منافق اس غزوہ میں آپ ﷺ کے ساتھ نہیں نکلے وہ اس غزوہ میں آپ ﷺ کے ساتھ نکلنے کی اجازت مانگیں تو ان کو اجازت نہ دینا اور یہ کہہ دینا کہ تحقیق تم پہلی بار اپنے گھروں میں بیٹھے رہنے پر خوش رہے سو اب دوسری باری بھی پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں پہلی بار کی طرح اس مرتبہ بھی بچوں اور عورتوں اور ناتواں بوڑھوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ان آیات میں حق تعالیٰ نے منافقین کی ازلی شقاوت کی خبر دی اور آئندہ کے لیے ان لوگوں کو جہاد میں ساتھ لے جانے سے منع کیا۔ اور گزشتہ آیات میں یہ بتلایا تھا کہ ان لوگوں کے لیے استغفار بے کار ہے یہ ازلی بدبخت ہرگز اس قابل نہیں کہ ان کی مغفرت کی جائے اب آئندہ آیت میں صراحۃً ان کی نماز جنازہ پڑھنے کی اور ان کے لیے مغفرت کی ممانعت فرماتے ہیں اور آنحضرت ﷺ نے جو عبداللہ بن ابی منافق کی نماز پڑھی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ پر بدرجۂ کمال شفقت و رحمت کا غلبہ تھا جیسا کہ انبیاء کرام ﷺ کی شان ہے چنانچہ ابراہیم ﷤ نے اپنی قوم کے متعلق یہ فرمایا ﴿وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اس لیے آپ ﷺ نے یہ جان کر کہ ان کے حق میں استغفار بے سود ہے ہدایت خلق کی حرص اور طمع میں کمال شفقت و رحمت کی بنا پر استغفار کی جانب کو ترجیح دی کہ شاید آپ ﷺ کی یہ استغفار دوسروں کے حق میں ہدایت کا ذریعہ بن جائے چنانچہ آپ کا یہ تلطف دیکھ کر اور بہت سے یہودی مسلمان ہو گئے۔

بہر حال آپ ﷺ پر شفقت و رحمت کا غلبہ تھا اس کے ظاہری اسلام کی بناء پر آپ ﷺ نے اس منافق کی نماز جنازہ پڑھا دی اور پیراہن مبارک بھی عطا کر دیا۔ اس پر آئندہ آیت یعنی ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾ الخ نازل ہوئی جس میں صراحۃً ممانعت ہوگئی اور بتلا دیا گیا کہ نبی کی نماز جنازہ اور نبی کا پیراہن بغیر ایمان کے ذریعہ نجات کا نہیں ہوسکتا۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ

اور نماز نہ پڑھ ان میں سے کسی پر جو مرجائے اور کبھی نہ کھڑا ہو اس کی قبر پر ف۱ وہ منکر ہوئے اللہ سے

اور نماز نہ پڑھ ان میں کسی پر، جو مر جاوے کبھی، اور نہ کھڑا ہو اس کی قبر پر۔ وہ منکر ہوئے اللہ سے

وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾

اور اس کے رسول سے اور وہ مرگئے نافرمان ف۲

اور اس کے رسول سے، اور مرے ہیں بے حکم۔

ف۱ یعنی دعاء و استغفار کے لیے یا اہتمام دفن کے لیے۔

منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ...الی...وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾

ربط:......اوپر کی آیت میں منافقین کے لیے استغفار کرنے کی ممانعت کی گئی تھی اب اس آیت میں ان کے جنازے کی نماز پڑھنے سے آپ ﷺ کو منع کیا گیا۔

شان نزول:...... اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جب عبداللہ بن ابی منافق مرگیا تو آپ ﷺ اس کے مسلمان بیٹے کی خاطر اس کے جنازے کی نماز پڑھنے کے لیے تشریف لے گئے۔ جس طرح آنحضرت ﷺ نے اس کی زندگی میں اس کے ساتھ مسلمان کا برتاؤ کیا اسی طرح اس کے مرنے کے بعد بھی اس کے مسلمان بیٹے کے اصرار پر آپ ﷺ نے اس کے ساتھ مسلمان کا برتاؤ کیا اور اس کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ منافق تھا آپ ﷺ اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ﴾ الخ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ نے مجھے اختیار دیا ہے یعنی ممانعت نہیں کی میں ستر بار سے بھی زیادہ استغفار کروں گا بعد ازاں آپ ﷺ نے اس کے ظاہری اسلام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی نماز جنازہ پڑھی کیونکہ منافقین ظاہر میں کلمہ اسلام کا پڑھتے تھے اور نماز روزہ بھی کرتے تھے مشرکین کے لیے استغفار کی ممانعت آئی ہے اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو صریح کافر اور مشرک تھے، ان کے لیے استغفار کی ممانعت سے یہ لازم نہیں آتا کہ منافقین کے لیے بھی استغفار ممنوع ہو۔ اس لیے کہ منافقین بظاہر اسلام کا کلمہ پڑھتے تھے اور بظاہر شعائر اسلام بجالاتے تھے۔ اس لیے وہ اس ممانعت کے مفہوم میں داخل نہیں غرض یہ کہ آپ ﷺ نے اس کے ظاہری اسلام کی بنا پر اس کی نماز جنازہ پڑھائی اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تائید اور موافقت میں یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا﴾ الخ اس کے بعد آپ نے کسی منافق کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی اس آیت کے ذریعے یہ بتلادیا گیا کہ اب ان کا حکم مسلمانوں جیسا نہیں رہا اس لیے ان میں جو کوئی مرجائے آپ کبھی اس کی نماز نہ پڑھیں چنانچہ فرماتے ہیں اور ان منافقوں میں سے جو مرجائے تو آپ ان میں سے کسی کی بھی نماز جنازہ نہ پڑھیں یعنی یہ حکم ابدی ہے کبھی منسوخ نہ ہوگا اس لیے کہ نماز جنازہ ایک قسم کی شفاعت ہے اور کافر اور منافق کے لیے شفاعت نہیں اور نماز تو درکنار کسی کافر اور منافق کی قبر پر بھی کھڑے نہ ہوں یعنی اس کی تجہیز وتکفین اور تدفین میں شرکت نہ کریں کیونکہ اس میں کافر کا اکرام ہے۔ تحقیق یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہوئے اور نافرمانی اور سرکشی کی حالت میں مرے ان کی قبر، اللہ کے غضب اور قہر کا محل ہے اس لیے مومن کے لیے جائز نہیں کہ ایسی جگہ ایک منٹ کو بھی کھڑا ہو جہاں اللہ کا غضب اور قہر نازل ہو رہا ہو۔ اس آیت کے نزول کے بعد منافق کا جنازہ پڑھنا قطعاً ممنوع ہوگیا۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ نے کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

ف ۲ یہ آیت عبداللہ بن ابی کے واقعہ کے بعد نازل ہوئی، جیسا کہ چند آیات پہلے ہم مفصل بیان کرچکے ہیں اس آیت کے نزول کے بعد منافقین کا جنازہ پڑھنا قطعاً ممنوع ہوگیا۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ احتیاطاً ایسے شخص کا جنازہ نہ پڑھتے تھے جس کی نماز میں حضرت حذیفہ شریک نہ ہوں کیونکہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے منافقین کا نام بنام علم کرادیا تھا۔ اسی لیے ان کا لقب "صاحب سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" ہوا۔

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ

اور تعجب نہ کر ان کے مال اور اولاد سے اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ عذاب میں رکھے ان کو ان چیزوں کے باعث دنیا میں اور نکلے

اور تعجب نہ کر ان کے مال اور اولاد سے۔ اللہ یہی چاہتا ہے کہ عذاب کرے ان کو، ان چیزوں سے دنیا میں اور نکلے

اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ

ان کی جان اور وہ اس وقت تک کافر ہی رہیں ف۱ اور جب نازل ہوتی ہے کوئی سورت کہ ایمان لاؤ اللہ پر اور لڑائی کرو اس کے رسول کے ساتھ ہو کر

ان کی جان جب تک کافر ہی رہیں۔ اور جب نازل ہوتی ہے کوئی سورت کہ یقین لاؤ اللہ پر، اور لڑائی کرو اس کے رسول کے ساتھ (ہو کر)

اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا

تو تجھ سے رخصت مانگتے ہیں مقدور والے ان کے اور کہتے ہیں ہم کو چھوڑ دے کہ رہ جائیں ساتھ بیٹھنے والوں کے خوش ہوئے کہ رہ جائیں

رخصت مانگتے ہیں مقدور والے ان کے، اور کہتے ہیں ہم کو چھوڑ دے، رہ جاویں ساتھ بیٹھنے والوں کے۔ خوش آیا کہ رہ جاویں

مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ ف۲ اور مہر کر دی گئی ان کے دل پر سو وہ نہیں سمجھتے ف۳ لیکن رسول اور جو لوگ ایمان لائے ہیں

ساتھ پچھلی عورتوں کے، اور مہر ہوئی ان کے دل پر، سو ان کو بوجھ نہیں۔ لیکن رسول اور جو ایمان لائے ہیں

مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ؗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

ساتھ اس کے وہ لڑے ہیں اپنے مال اور جان سے اور انہی کے لیے ہیں خوبیاں اور وہی ہیں

ساتھ اس کے، لڑے ہیں اپنے مال اور جان سے۔ اور انہی کو ہیں خوبیاں، اور وہی پہنچے

الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ

مراد کو پہنچنے والے تیار کر رکھے ہیں اللہ نے ان کے واسطے باغ کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں رہا کریں ان میں یہی ہے

مراد کو۔ تیار رکھے ہیں اللہ نے ان کے واسطے باغ، بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں، رہا کریں ان میں۔ یہی ہے

ف۱ چار رکوع پہلے اسی مضمون کی آیت گزر چکی، اس کا فائدہ ملاحظہ کر لیا جائے۔

ف۲ یعنی قرآن کی کسی سورت میں جب تنبیہ کی جاتی ہے کہ پوری طرح خلوص و پختگی سے ایمان لاؤ جس کا بڑا اثر یہ ظاہر ہونا چاہیے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر خدا کے راستہ میں جہاد کریں۔ تو یہ منافقین جان چرانے لگتے ہیں اور ان میں کے استطاعت و مقدور والے بھی جھوٹے عذر تراش کر اجازت طلب کرنے آتے ہیں کہ حضرت ہمیں تو یہیں مدینہ میں رہنے دیجئے۔ گویا کمال بے غیرتی اور نامردی سے اس پر راضی ہیں کہ لڑائی یا خطرہ کا نام سنتے ہی خانہ نشین عورتوں کے ساتھ گھروں میں گھس کر بیٹھ رہیں۔ ہاں جس وقت جنگ وغیرہ کا خطرہ نہ رہے اور امن و اطمینان کا زمانہ ہو تو باتیں بنانے اور قینچی کی طرح زبان چلانے میں سب سے پیش پیش ہوتے ہیں ﴿فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ﴾ (الاحزاب، رکوع ۲)

ف۳ یعنی کذب و نفاق، نکول عن الجہاد، اور تخلف عن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شامت سے ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی کہ اب موٹے موٹے عیب بھی ان کو عیب نظر نہیں آتے اور انتہائی بے غیرتی و بزدلی پر بجائے شرمانے کے نازاں و فرحاں ہوتے ہیں۔

الْعَظِيمُ ﴿٨٩﴾

بڑی کامیابی ف ۱

بڑی مراد ملنی۔

کفار اور منافقین کا ایک شبہ اور اس کا ازالہ

قَالَ اللهُ تَعَالَىٰ: ﴿وَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ... الی... ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں کفار اور منافقین کا مبغوض عند اللہ ہونا بتلایا اب اس بارہ میں ایک شبہ کا ازالہ فرماتے ہیں وہ یہ کہ ان کے پاس جو کچھ مال اور اولاد ہے وہ ان کے محبوب ہونے کی دلیل نہیں بلکہ ان کے مبغوض ہونے کی علامت ہے اور ان کو جو مال و دولت دیا گیا ہے وہ ان کے حق میں ذریعہ عذاب ہے۔ سو، اے مسلمانو تمہیں ان کے مال و دولت سے دھوکہ میں نہ پڑنا چاہئے۔ مال کو اگر خدا تعالیٰ کی اطاعت اور جہاد فی سبیل اللہ کا ذریعہ بنایا جائے تو وہ نعمت ہے اور اگر اس کو معصیت کا ذریعہ بنایا جائے تو وہ مال و دولت عذاب اور مصیبت ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اور تعجب میں نہ ڈالیں آپ کو ان منافقین کے مال اور اولاد کہ باوجود مغضوب خداوندی ہونے کے ان کو یہ نعمتیں کیسے عطا ہوئیں سو خوب سمجھ لو کہ ان کو مال و اولاد کے عطا کرنے سے انعام و اکرام مقصود نہیں بلکہ جز ایں نیست کہ اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ ان مجرمین کو ان کے مال و اولاد کے سبب سے دنیا میں عذاب دے۔ کہ دنیا میں تحصیل مال اور اس کی حفاظت کے رنج و تعب میں رہیں اور اولاد کی تربیت میں اور ان کے لیے سامان راحت مہیا کرنے میں ہر وقت محنت اور مشقت کھینچتے رہیں اور جب مریں تو ان کی روحیں نہایت حسرت کے ساتھ اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں۔ یعنی کفر ہی پر اس جہان سے خالی ہاتھ جائیں اور مال و اولاد یہاں چھوڑ جائیں اور حسرتیں اور ندامتیں ساتھ لے جائیں۔

مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو کافروں کو مال و اولاد میں ترقی دے رکھی ہے یہ اس لیے نہیں کہ وہ اللہ کے نزدیک مقبول ہیں بلکہ اللہ کا مقصود ان کے مال و اولاد بڑھانے سے یہ ہے کہ مال و اولاد ہی انسان کی گمراہی کا ذریعہ ہیں۔ باقی خداوند تعالیٰ کے نزدیک مقبول و محبوب ہونے کا ذریعہ صرف اس کی اطاعت ہے۔ بارگاہ خداوندی میں عزت ایمان اور اطاعت سے ملتی ہے نہ کہ مال و دولت سے۔ ﴿وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾۔

در اول چو خواہی کنی مال جمع ۔۔۔ بسے رنج بر خویش باید گماشت
پس از بہر آں تا بماند بجائے ۔۔۔ شب وروز می بایدت پاس داشت
وزیں جملہ آں حال مشکل تر است ۔۔۔ کہ آخر بحسرت بباید گذاشت

فائدہ:...... یہ آیت اس سے چار رکوع پہلے بھی گزر چکی ہے مگر چونکہ ایک عظیم شبہ کے ازالہ پر مشتمل ہے اس لیے بغرض تاکید

ف ۱ منافقین کے بالمقابل مومنین مخلصین کا بیان فرمایا کہ دیکھو! یہ ہیں خدا کے وفادار بندے۔ جو اس کے راستہ میں نہ جان سے ہٹتے ہیں نہ مال سے۔ کیسا ہی خطرہ کا موقع ہو، اسلام کی حمایت اور پیغمبر اسلام کی معیت میں ہر قربانی کے لیے تیار رہتے ہیں۔ پھر ایسوں کے لیے فلاح و کامیابی نہ ہوگی تو اور کس کے لیے ہوگی۔

اس کو دوبارہ ذکر کیا گیا اس لیے کہ عام طبیعتوں میں حرص کا مادہ غالب ہے۔ اس لیے مال و دولت کو دیکھ کر نظریں چکا چوند ہو جاتی ہیں سو بتلا دیا کہ اگر مال و دولت خدا تعالیٰ کی اطاعت کا ذریعہ بنیں تو نعمت ہیں اور اگر اس کی معصیت کا ذریعہ بنیں تو عذاب اور مصیبت ہیں اور یہ اموال و اولاد ان منافقین کے حق میں ذریعہ عذاب اس وجہ سے بنا کہ ان کی حالت یہ ہے کہ جب کوئی سورت اس مضمون کی نازل ہوتی ہے کہ اللہ پر دل و جان سے ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ ہو کر جہاد کرو تو جو ان میں سے صاحب دولت و ثروت ہیں تو وہ آپ سے جہاد سے پیچھے رہ جانے کی اجازت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ ہم کو یہیں چھوڑ جائیے۔ یعنی اپنے ساتھ لشکر میں نہ لے چلیں تاکہ رہیں ہم گھر بیٹھنے والوں کے ساتھ ان لوگوں پر راحت طلبی اس قدر غالب ہے کہ وہ اس بات پر خوش ہیں کہ خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہیں اور مردوں کے ساتھ جہاد میں نہ جائیں۔

خوالف کے معنی پیچھے رہنے والی عورتوں کے ہیں۔ چونکہ مردوں کے پیچھے اپنے گھروں میں بیٹھی رہتی ہیں اس لیے عورتوں کو خوالف کہتے ہیں۔ اور ان کے دلوں پر کفر اور نفاق کی مہر لگا دی گئی ہے۔ پس اس لیے وہ جہاد کے انوار و برکات اور اس کی سعادت کو نہیں سمجھتے لیکن رسول خدا اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ شامل ہو کر ایمان لائے ان لوگوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا۔ یعنی اگر ان منافقوں نے جہاد نہیں کیا اور پیچھے رہ گئے تو کیا نقصان ہوا۔ ان سے بہتر لوگوں نے جہاد کیا اور ایسوں ہی کے لیے دنیا اور آخرت میں خوبیاں ہیں اور یہی لوگ آخرت میں مراد کو پہنچنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے درختوں اور مکانات کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ہمیشہ ان ہی باغوں میں رہیں گے یہی بڑی کامیابی ہے اور ان نادانوں نے گھر میں بیٹھے رہنے کو کامیابی سمجھ رکھا ہے۔

فائدہ:...... امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آدمی کسی سے مکر اور فریب اور نفاق دیکھے تو اس سے قطع تعلق کر دے اور اس کی معاونت اور مجالست اور مصاحبت سے بھی احتراز کرے ایسے لوگوں کو جہاد میں ساتھ نہ لے جائے اور اگر مر جائیں تو ان کی نماز جنازہ نہ پڑھے اور نہ ان کی قبر پر جا کر کھڑا ہو۔

لعنۃ اللہ علیہم اجمعین۔

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ

اور آئے بہانے کرنے والے گنوار تاکہ ان کو رخصت مل جائے اور بیٹھ رہے جنہوں نے جھوٹ بولا تھا اللہ سے اور اس کے رسول سے،

اور آئے بہانے کرتے گنوار تا رخصت ملے ان کو، اور بیٹھ رہے جو جھوٹے ہوئے اللہ سے اور رسول سے۔

سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۹۰

اب پہنچے گا ان کو جو کافر ہیں ان میں عذاب دردناک ف ۱

اب پہنچے گی ان پر، جو منکر ہیں ان میں دکھ کی مار۔

ف ۱ یعنی جس طرح مدینہ کے رہنے والوں میں منافقین بھی ہیں اور مخلصین بھی۔ اسی طرح دیہاتی گنواروں میں ہر قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے یہاں دو قسموں کا ذکر فرمایا۔ مخلص دیہاتیوں کا ذکر اس رکوع کے خاتمہ پر ﴿وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ الخ میں آئے گا۔ یہاں دیہاتیوں =

منافقین اعراب کے اعذار کاذبہ کا ذکر

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ... الی... عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾

ربط: ......اوپر کی آیتوں میں شہر مدینہ کے منافقوں کے احوال بیان کیے اب اس آیت میں منافقین اوران کے اعذار کاذبہ کا حال بیان ہوتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور آئے جنگ تبوک کی روانگی کی وقت دیہاتیوں میں سے عذر کرنے والے جنہوں نے قلت مال اور کثرت عیال کا ذکر کیا تا کہ ان کو جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت دے دی جائے۔ "مُعَذِّرُوْنَ" کی اصل معتذرون ہے جو اعتذار سے مشتق ہے اور اعتذار کا استعمال عذر کاذب اور عذر صادق دونوں میں صحیح ہے اس بناء پر مفسرین میں اختلاف ہے کہ آیا یہ عذر کرنیوالے دیہاتی اپنے عذر میں سچے تھے یا جھوٹے تھے بعض کہتے ہیں کہ سچے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ جھوٹے تھے بہر حال انکا عذر سچا ہو یا جھوٹا مطلب یہ ہے کہ ان دیہاتیوں نے جہاد میں جانے سے عذر کیا اور آنحضرت ﷺ سے پیچھے رہنے کی اجازت مانگی اور ان دیہاتیوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ جو عذر کرنے بھی نہ آئے اورانہوں نے اسلام کا جھوٹا دعویٰ کر کے خدا اور رسول ﷺ سے جھوٹ بولا تھا۔ یہ بلا اجازت مانگے ہی اپنے گھروں میں بیٹھے رہے اور بالکل ہی چھپ کر گھروں میں بیٹھے رہے اور عذر کرنے کے لیے بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے ان میں سے جو آخر تک کفر پر قائم رہے ان کو آخرت میں دردناک عذاب پہنچے گا اور جو توبہ کرلیں گے وہ عذاب سے بچ جائیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ تو ایسے تھے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے پیچھے رہنے کی اجازت مانگی آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی اور بعضے تو اس قدر بے باک نکلے کہ اپنے گھروں ہی میں بیٹھے رہے اور عذر کرنے بھی نہ آئے اور ظاہرداری کا بھی خیال نہ کیا۔

لَیْسَ عَلَی الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَی الْمَرْضٰی وَلَا عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ مَا یُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ

نہیں ہے ضعیفوں پر اور نہ مریضوں پر اور نہ ان لوگوں پر جن کے پاس نہیں ہے خرچ کرنے کو کچھ، گناہ

ضعیفوں پر تکلیف نہیں، نہ بریضوں پر، نہ ان پر جن کو پیدا نہیں جو خرچ کریں،

= کی جن دو جماعتوں کا ذکر ہے ﴿مُعَذِّرُوْنَ﴾ اور ﴿قَاعِدُوْنَ﴾ ان میں سے پہلی جماعت ﴿مُعَذِّرُوْنَ﴾ کے مصداق میں مفسرین سلف کا اختلاف ہے کہ آیا اس سے مراد جھوٹے بہانے بنانے والے منافق ہیں (جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے) یا سچے عذر کرنے والے مسلمان جو واقعی جہاد کی شرکت سے معذور تھے اگر پہلی شق اختیار کی جائے تو آیت میں منافقین کی دو قسموں کا بیان ہوگا۔ "مُعَذِّرُوْنَ" تو وہ ہوئے جو باوجود نفاق کے محض رسم ظاہرداری نباہنے کے لیے جھوٹے حیلے بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کرتے تھے۔ اور "قَاعِدُوْنَ" سے وہ منافقین مراد ہوں گے جنہوں نے اول دعوائے ایمان میں جھوٹ بولا۔ پھر ظاہرداری کی بھی پروا نہیں کی۔ جہاد کا نام سن کر گھروں میں بیٹھ رہے، بالکل بے باک و بے حیا ہو کر عذر کرنے بھی نہ آئے۔ اس تقدیر پر ﴿سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْهُمْ﴾ دونوں جماعتوں کو شامل ہوگا۔ اور معنی یہ ہوں گے کہ جو لوگ دونوں جماعتوں میں سے اپنے کفر پر اخیر تک قائم رہیں گے ان کے لیے عذاب دردناک ہے جن کو توبہ کی توفیق ہو جائے گی وہ اس وعید کے نیچے داخل نہیں۔ اور اگر ﴿مُعَذِّرُوْنَ﴾ سے مراد منافقین ہوں گے اور ﴿سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ کی وعید صرف ان ہی کے حق میں ہوگی۔ پہلی جماعت کا ذکر گویا قبول عذر کے طور پر ہوگا۔

إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِن سَبِيلٍ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٩١﴾ وَلَا

جب کہ دل سے صاف ہوں اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ نہیں ہے نیکی والوں پر الزام کی کوئی راہ ف۱ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ف۲ اور نہ

جب دل سے صاف ہوں اللہ اور رسول کے ساتھ۔ نہیں نیکی والوں پر الزام کی راہ۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور نہ

عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوا وَّأَعْيُنُهُمْ

ان لوگوں پر کہ جب تیرے پاس آئے تا ان کو تو سواری دے تو نے کہا میرے پاس کوئی چیز نہیں کہ تم کو اس پر سوار کر دوں تو الٹے پھرے اور ان کی آنکھوں سے

ان پر کہ جب تیرے پاس آئے تا ان کو سواری دے، تو نے کہا، مجھ کو پیدا نہیں جو تم کو سواری دوں، الٹے پھرے اور ان کی آنکھوں سے

تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنفِقُونَ ﴿٩٢﴾ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ

بہتے تھے آنسو اس غم میں کہ نہیں پاتے وہ چیز جو خرچ کریں ف۳ راہ الزام کی تو ان پر ہے جو

بہتے ہیں آنسو اس غم سے، کہ ان کو پیدا نہیں جو خرچ کریں۔ راہ الزام کی ان پر ہے جو

يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ ۚ رَضُوا بِأَن يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ

رخصت مانگتے ہیں تجھ سے، اور وہ مال دار ہیں خوش ہوئے اس بات سے کہ رہ جائیں ساتھ پیچھے رہنے والیوں کے اور مہر کر دی اللہ نے ان کے

رخصت مانگتے ہیں تجھ سے اور مالدار ہیں۔ خوش لگا انہیں کہ رہ جاویں ساتھ پچھلی عورتوں کے، اور مہر کی اللہ نے ان کے

قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٩٣﴾

دلوں پر سو وہ نہیں جانتے ف۴

دل پر، سو وہ نہیں جانتے۔

ف۱ جھوٹے عذر کرنے والوں کے بعد سچے معذورین کا بیان فرماتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ عذر کبھی تو شخصی طور پر لازم ذات ہوتا ہے مثلاً بڑھاپے کی کمزوری جو عادۃً کسی طرح آدمی سے جدا نہیں ہو سکتی، اور کبھی عارضی ہوتا ہے۔ پھر "عارضی" یا بدنی ہے جیسے بیماری وغیرہ، یا مالی، جیسے افلاس و فقدان اسباب سفر۔ چونکہ غزوہ تبوک میں مجاہدین کو بہت دور دراز مسافت طے کر کے پہنچنا تھا اس لیے سواری نہ ہونے کا عذر بھی معتبر و مقبول سمجھا گیا، جیسے آگے آتا ہے۔

ف۲ یعنی جو لوگ واقعی معذور ہیں، اگر ان کے دل صاف ہوں اور خدا اور رسول کے ساتھ ٹھیک ٹھیک معاملہ رکھیں۔ مثلاً (خود نہ جا سکتے ہوں تو جانے والوں کی ہمتیں پست نہ کریں) بلکہ اپنے مقدور کے موافق نیکی کرنے اور اخلاص کا ثبوت دینے کے لیے مستعد رہیں، ان پر جہاد کی عدم شرکت سے کچھ الزام نہیں۔ ایسے مخلصین سے اگر بمقتضائے بشریت کوئی کوتاہی ہو جائے تو حق تعالیٰ کی بخشش و مہربانی سے توقع ہے کہ وہ درگزر فرمائے گا۔

ف۳ سبحان اللہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں عشق الٰہی کا وہ نشہ پیدا کیا تھا جس کی مثال کسی قوم و ملت کی تاریخ میں موجود نہیں۔ مستطیع اور مقدور والے صحابہ کو دیکھو تو جان و مال سب کچھ خدا کے راستہ میں لٹانے کو تیار ہیں اور سخت سے سخت قربانی کے وقت بڑے ولولہ اور اشتیاق سے آگے بڑھتے ہیں۔ جن کو مقدور نہیں وہ اس غم میں رو رو کر جان کھوئے لیتے ہیں کہ ہم میں اتنی استطاعت کیوں نہ ہوئی کہ اس محبوب حقیقی کی راہ میں قربان ہونے کے لیے اپنے کو پیش کر سکتے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم مدینہ میں ایک ایسی قوم کو اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو جو ہر قدم پر تمہارے اجر میں شریک ہے تم جو قدم خدا کے راستہ میں اٹھاتے ہو یا کوئی جنگل قطع کرتے ہو یا کسی پگڈنڈی پر چلتے ہو، وہ قوم برابر ہر موقع پر تمہارے ساتھ ساتھ ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں واقعی مجبوریوں نے تمہارے ہم راہ چلنے سے روکا۔ حسن کے "مرسل" میں ہے کہ یہ مضمون بیان فرما کر آپ نے یہی آیت ﴿وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ﴾ الخ تلاوت فرمائی۔ =

مومنین صادقین کے اعذار صادقہ کا ذکر

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى... الى... فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾

ربط : ...... اوپر ان لوگوں کا ذکر تھا جو حقیقت میں معذور نہیں تھے مگر باوجود قدرت کے نفاق کی وجہ سے جہاد میں جانا نہیں چاہتے اور جھوٹے جھوٹے عذر پیش کرتے ہیں۔ ایسوں کے عذر خدا تعالیٰ کے یہاں مقبول نہیں۔ اب ان لوگوں کا ذکر فرماتے ہیں جو درحقیقت معذور ہیں۔ اور ضعیف اور بوڑھے اور بیمار اور ناتواں ہیں اور ان کے عذر سچے اور واقعی ہیں ایسے لوگوں کے عذر، اللہ کے نزدیک مقبول ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ جہاد سے پیچھے رہ جانے میں ناتوانوں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جن کے پاس خرچ نہیں کہ جس سے سامان جہاد مہیا کر سکیں ایسے لوگ اگر جہاد میں نہ جائیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں اوپر کی آیتوں میں خدا تعالیٰ نے جھوٹے عذر کر کے جہاد سے پیچھے رہنے والوں کی مذمت فرمائی تھی۔ اب اس آیت میں واقعی اہل عذر کا بیان فرمایا کہ وہ جہاد کی شرکت سے مستثنیٰ ہیں وہ یہ ہیں۔

۱- کمزور اور ناتواں یعنی بوڑھے اور بچے اور عورتیں اور نحیف اور لاغر لوگ جو جہاد کی مشقت کو برداشت نہیں کر سکتے۔

۲- مریض بیمار اور معذور اس میں اندھے اور لولے اور لنگڑے بھی داخل ہیں۔

۳- غریب و نادار جن کے پاس نہ سواری ہے نہ ہتھیار اور نہ اس قدر روپیہ ہے جس سے جہاد کا سامان مہیا کر سکیں ایسے لوگوں پر جہاد سے پیچھے رہ جانے میں کوئی گناہ نہیں۔ بشرطیکہ یہ لوگ دل وجان سے اللہ اور اس کے رسول کے خیر خواہ اور مخلص ہوں معذوری کی وجہ سے اگر جہاد میں شرکت نہ کر سکیں تو مجاہدین کے اہل وعیال کی حفاظت کریں ایسے نیکوں پر الزام کی کوئی راہ نہیں۔ ﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ جو خیر خواہ ہو اور معذوری کی وجہ سے کوئی خدمت انجام نہ دے سکے اس پر کوئی ملامت اور عتاب نہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے یعنی اگر نیکوں سے نادانستہ کوئی لغزش ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے گا۔ اور جہاد سے پیچھے رہ جانے میں ان لوگوں پر بھی کوئی گناہ اور الزام نہیں کہ جب وہ آپ ﷺ کے پاس آئے۔ اور آپ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ان کو سواری دیں تو آپ نے ان کو یہ جواب دیا کہ میں اپنے پاس سواری نہیں پاتا جس پر تم کو سوار کر دوں تو وہ اس وقت نہایت افسردگی کی حالت میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اس غم میں کہ وہ جہاد میں خرچ کرنے کو اپنے پاس کچھ نہیں پاتے اس قسم کے لوگ اگر جہاد میں نہ جا سکیں تو ان پر کوئی عتاب اور ملامت نہیں۔ یہ سات آدمی تھے۔ جو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے کہ جب آپ ﷺ غزوۂ تبوک کی تیاری کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے لیے بھی سواری کا کچھ انتظام

= ف ۴ یعنی باوجود قدرت واستطاعت، جہاد سے پہلوتہی کرتے ہیں اور نہایت بے حمیتی سے یہ عار گوارا کرتے ہیں کہ عورتوں کی طرح گھر میں چوڑیاں پہن کر بیٹھ جائیں۔ گناہ کی ممارست (پریکٹس) سے آدمی کا قلب ایسا مسخ اور سیاہ ہو جاتا ہے کہ اسے بھلے برے اور عیب وہنر کی تمیز بھی باقی نہیں رہتی۔ جب بے غیرتی کرتے کرتے کوئی شخص اس قدر پاگل ہو جائے کہ نادم ومتأسف ہونے کی جگہ پر الٹا نازاں اور خوش ہو تو سمجھو کہ اس کے دل پر خدائی مہر لگ چکی ہے۔ العیاذ باللہ!

کردیجئے تاکہ ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ جہاد میں چلیں آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس کوئی سواری نہیں جس پر تم کو سوار کردوں اس پر وہ غم کے مارے روتے ہوئے اپنے گھروں کو واپس ہوئے یہ سات آدمی تھے جو اس رونے کی وجہ سے بکائین کے نام سے مشہور ہیں ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

سالم بن عمیر۔ علیۃ بن زید۔ ابولیلی عبدالرحمن بن کعب۔ عمرو بن حمام بن جموح۔ عبداللہ بن معقل۔ عرباض بن ساریۃ۔ ہرمی بن عبداللہ مزنی رضی اللہ عنہم یہ ساتوں آدمی جو روتے ہوئے واپس ہوئے انصار میں سے تھے۔ (روح المعانی)

جز ایں نیست کہ الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو آپ سے جہاد میں نہ جانے کی اجازت مانگتے ہیں۔ حالانکہ وہ دولت مند ہیں اور زادِ راہ اور سواری ان کے پاس موجود ہے۔ انہوں نے اس بات کو پسند کیا کہ خانہ نشین عورتوں کے ساتھ گھر میں بیٹھے رہیں اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کردی ہے۔ پس وہ نہیں جانتے کہ ہم نے اپنا کیا نقصان کیا اور ہمارا انجام کیا ہوگا۔ ایسے بے عقل بنے کہ اپنا نفع نقصان بھی سمجھ میں نہیں آتا۔

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنك رحمة انك انت الوھاب۔ آمین یارب العلمین۔

الحمد للہ! کہ آج بتاریخ ۱۴ رجب الحرام یوم پنجشبہ سن ۱۳۸۷ھ بوقت چاشت جامعہ اشرفیہ لاہور میں دسویں پارے کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔ وللہ الحمد کہ یک ثلث قرآن مجید کی تفسیر سے فراغت نصیب ہوئی والحمد للہ الذی بنعمته تتم الصالحات اے خداوند ذوالجلال تو اپنے فضل ورحمت سے اس خدمت کو قبول فرما اور باقی تفسیر کی تکمیل اور اتمام کی توفیق عطا فرما۔

ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا ومولانا محمد وعلی اله واصحابه اجمعین وعلینا معھم برحمتك یاارحم الراحمین۔

❁❁❁

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ۭ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ

بہانے لائیں گے تمہارے پاس جب تم پھر کر جاؤ گے ان کی طرف تو کہہ بہانے مت بناؤ ہم ہرگز نہ مانیں گے تمہاری بات ہم کو بتا چکا ہے اللہ

بہانے لاویں گے تمہارے پاس، جب پھر کر جاؤ گے ان کی طرف۔ تو کہہ، بہانے مت بناؤ، ہم نہ مانیں گے تمہاری بات، ہم کو بتا چکا ہے اللہ

مِنْ اَخْبَارِكُمْ ۭ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ

تمہارے احوال اور ابھی دیکھے گا اللہ تمہارے کام اور اس کا رسول پھر تم لوٹائے جاؤ گے طرف اس جاننے والے چھپے

تمہارے احوال۔ اور ابھی دیکھے گا اللہ تمہارے کام، اور اس کا رسول، پھر جاؤ گے طرف اس جاننے والے چھپے

وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۹۴ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ

اور کھلے کی سو وہ بتائے گا تم کو جو تم کر رہے تھے ف۱ اب قسمیں کھائیں گے اللہ کی تمہارے سامنے جب تم پھر کر جاؤ گے

اور کھلے کے، سو وہ بتاوے گا تم کو جو کر رہے تھے۔ اب قسمیں کھاویں گے اللہ کی تمہارے پاس، جب پھر کر جاؤ گے

اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۡ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ

ان کی طرف تاکہ تم ان سے درگزر کرو تو سو تم درگزر کرو ان سے بیشک وہ لوگ پلید ہیں اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے

ان کی طرف، تا ان سے درگزر کرو۔ سو درگزر کرو ان سے۔ وہ لوگ ناپاک ہیں، اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے،

جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۹۵ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ

بدلہ ان کے کاموں کا ف۲ وہ لوگ قسمیں کھائیں گے تمہارے سامنے تاکہ تم ان سے راضی ہوجاؤ سو اگر تم راضی ہوگئے ان سے

بدلہ ان کی کمائی کا۔ قسمیں کھاویں گے تمہارے پاس، کہ تم ان سے راضی ہوجاؤ، سو اگر تم راضی ہوگئے ان سے،

اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۹۶

تو اللہ راضی نہیں ہوتا نافرمان لوگوں سے ف۳

تو اللہ راضی نہیں بے حکم لوگوں سے۔

ف۱ یعنی جیسے تبوک کی طرف روانہ ہونے کے وقت منافقین نے طرح طرح کے حیلے بنائے، جب تم مدینہ واپس آؤ گے، اس وقت بھی یہ لوگ اعذار باطلہ پیش کر کے تم کو مطمئن بنانا چاہیں گے اور قسمیں کھائیں گے کہ حضرت ہمارا قصد مصمم تھا کہ آپ کے ساتھ چلیں، مگر فلاں فلاں موانع وعوائق پیش آجانے کی وجہ سے مجبور رہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ جھوٹی باتیں بنانے سے کچھ فائدہ نہیں۔ تمہارے سب اعذار لغو اور بیکار ہیں۔ ہم کو حق تعالیٰ تمہارے کذب ونفاق پر مطلع کر چکا۔ پھر کس طرح ہم تمہاری لغوبات کو باور کر سکتے ہیں۔ اب پچھلے قصہ کو چھوڑ و، آئندہ تمہارا طرز عمل دیکھا جائے گا کہ اپنے دعوے کو کہاں تک نباہتے ہو، سب جھوٹ سچ ظاہر ہو کر رہے گا اور بہرحال اس "عالم الغیب والشهادة" سے تو کوئی راز اور عمل یا نیت پوشیدہ نہیں رہ سکتی اس کے یہاں سب کو جانا ہے، وہ جزاء دینے کے وقت تمہارا ہر چھوٹا بڑا، ظاہری و باطنی عمل کھول کر رکھ دے گا اور اسی کے موافق بدلہ دیا جائے گا۔

ف۲ تبوک سے واپسی کے بعد منافقین جھوٹی قسمیں کھا کر جو عذر پیش کرتے تھے اس کی غرض یہ تھی کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو اپنی قسموں اور ملمع سازیوں سے راضی ومطمئن کر دیں تاکہ بارگاہ رسالت سے ان پر کوئی عتاب وملامت اور داروگیر نہ ہو۔ سابق کی طرح یوں ہی معاملہ ابہام میں رہے۔ مسلمان ان سے کچھ تعرض نہ کریں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ بہتر ہے تم ان سے تعرض مت کرو۔ لیکن یہ اغماض وتغافل (تعرض نہ کرنا) راضی ومطمئن ہونے کی بنا پر نہیں، بلکہ ان کے =

خبر دادن از اعذار کاذبہ اہل نفاق

کہ بعد از واپسی جنگ پیش مسلماناں آرند و حکم دادن اہل اخلاص را کہ زیں چنیں پلیداں رو بگردانند

از منافق عذر رو آمد نہ خوب زانکہ در لب بود آں نے در قلوب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ... الى ... فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ﴾

ربط:...... اوپر ان منافقین کا ذکر تھا جنہوں نے غزوۂ تبوک کی روانگی کے وقت طرح طرح کے عذر اور حیلے بہانے تراشے تھے اب ان آیات میں ان منافقین کے متعلق خبر دی جاتی ہے جو اس غزوہ سے واپس آنے کے بعد تمہارے پاس آ کر اپنے نہ جانے کے عذر بیان کریں گے۔ یہ آیتیں غزوۂ تبوک کی واپسی سے پہلے نازل ہوئیں جن میں یہ خبر دے دی گئی کہ یہ لوگ آپ ﷺ کی واپسی کے بعد آپ ﷺ کے پاس آ کر آپ کے ساتھ نہ جانے کے عذر بیان کریں گے اور قسمیں کھائیں گے مگر اے نبی ﷺ آپ ان سے صاف کہہ دیجئے کہ اب کوئی عذر نہ کرو۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے تمہاری اندرونی کیفیت سے بخوبی آگاہ کر دیا ہے ہم تمہاری کسی بات کا یقین نہیں کریں گے اور نہ تمہاری کوئی بات سنیں گے اور اگر تم اپنے سچے ہونے پر اصرار کرتے ہو تو خیر اب اس قصہ کو چھوڑو آئندہ تمہارا طرز عمل دیکھا جائے گا کہ کیا کرتے ہو ظاہر کے مطابق تم سے معاملہ کیا جائے گا اور باطن کا حال عالم الغیب والشھادۃ کے حوالہ کیا جائے گا ان آیات میں حق تعالیٰ نے نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم اور اہل ایمان کو حکم دیا کہ تم ان کا عذر قبول نہ کرنا اور نہ ان کے حلف کو سچا سمجھنا بلکہ ان کو گندہ اور ناپاک سمجھ کر اعراض کرنا اور منہ پھیر لینا یہ لوگ خبیث اور گندے اور ناپاک باطن ہیں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے یہ لوگ قابل التفات نہیں اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے مسلمانوں کو ان کے جھوٹ کی خبر دے دی تا کہ وقت پر خوب فضیحت اور رسوا ہوں۔ چنانچہ فرماتے ہیں [1] یہ نادان منافق تمہارے سامنے عذر پیش کریں گے۔ جب تم غزوہ تبوک سے ان کی طرف مدینہ واپس آؤ گے۔ اے نبی ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ تم حیلے بہانے نہ بناؤ ہم ہرگز تمہاری بات کا یقین نہیں کریں گے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہاری باتوں اور حالات سے ہم کو خبر دے دی ہے اور آئندہ اللہ اور اس کا رسول تمہارے کاموں کو دیکھے گا۔ اور اس کے مطابق تمہارے ساتھ معاملہ کرے گا۔ پھر تم قیامت کے دن عالم الغیب والشھادۃ کی طرف لوٹائے جاؤ گے سو وہ تم کو آگاہ کر دے گا۔ جو کچھ تم کرتے تھے یعنی تمہارے نفاق کو ظاہر کر دے گا۔ جس سے تم سب کے سامنے رسوا ہوؤ گے۔ (مسلمانو!) عنقریب وہ تمہارے

= نہایت پلید اور شریر ہونے کی وجہ سے ہے، یہ لوگ اس قدر گندے واقع ہوئے ہیں کہ ان کے پاک و صاف ہونے کی کوئی توقع نہیں رہی۔ لہذا اس غلاظت کی پوٹ کو دور پھینک دینا اور اس سے علیحدہ رہنا ہی بہتر ہے خدا خود ان کو ٹھکانے لگا دے گا۔

ف ۳ بڑی کوشش یہ ہے کہ مکر و فریب اور کذب و دروغ سے مسلمانوں کو خوش کر لیں۔ فرض کیجئے اگر چکنی چپڑی باتوں سے مخلوق راضی ہو جائے تو کیا نفع پہنچ سکتا ہے جب کہ خدا ان سے راضی نہ ہو۔ خدا کے آگے تو کوئی چالاکی اور دغابازی نہیں چل سکتی۔ گویا متنبہ فرما دیا کہ جس قوم سے خدا راضی نہ ہو کوئی مومن قانت کیسے راضی ہو سکتا ہے۔ لہذا جھوٹی باتوں سے پیغمبر اور ان کے ساتھیوں کو خوش کر لینے کا خبط انہیں دماغوں سے نکال دینا چاہیے۔ اگر ان کے ساتھ تغافل و اعراض کا معاملہ کیا گیا ہے تو یہ اس کی دلیل نہیں کہ مسلمان ان سے خوش اور مطمئن ہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں" جس شخص کا حال معلوم ہو کہ منافق ہے اس کی طرف سے تغافل روا ہے لیکن دوستی اور محبت و یگانگت روا نہیں۔"

[1] اشارہ اس طرف ہے کہ یعتذرون کی ضمیر فھم لا یعلمون کی طرف راجع ہے جس پر گذشتہ پارہ ختم ہوا۔ منہ عفا اللہ عنہ

سامنے خدا کی قسمیں کھائیں گے جب تم سفر سے ان کی طرف واپس آؤ گے۔ کہ ہم مجبور اور معذور تھے۔ تا کہ تم ان سے اعراض کرو یعنی ان پر غصہ اور ملامت نہ کرو یہ لوگ ناپاک اور گندے ہیں ان کو سرزنش بے کار ہے پس اے مسلمانو! تم ان کی خواہش کے مطابق اُن سے اعراض کرو۔ اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو تحقیق یہ لوگ پلید ہیں ان کے پاک ہونے کی امید نہیں تہدید اور ملامت ان کے حق میں مفید نہیں ان کا ٹھکانہ جہنم ہے تا کہ ان کو بدلہ ملے اس کفر اور نفاق کا جو کماتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ملامت اور سرزنش سے مقصود اصلاح ہے اور ان گندوں کی اصلاح کی کوئی امید نہیں۔ نیز یہ منافق تمہارے سامنے اس لیے قسمیں کھائیں گے کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ اور وہ تمہارے تعرض اور مواخذہ سے بے خوف ہو جائیں۔ ان کی قسم مسلمانوں کی خوشنودی کے لیے ہے اللہ کی خوشنودی کے لیے نہیں سوائے مسلمانو! اگر بالفرض والتقدیر تم ان جھوٹ بولنے والے منافقوں سے ظاہر کے اعتبار سے راضی بھی ہو جاؤ تو ان کو کیا فائدہ ہوگا تحقیق اللہ تعالیٰ بدکاروں سے راضی نہیں ہوتا۔ یعنی خدا کے غصہ اور ناراضی کے ساتھ مسلمانوں کا ظاہری طور پر ان سے راضی ہو جانا ان کے حق میں مفید نہیں اس آیت سے مقصود مسلمانوں کو ممانعت کرنا ہے کہ ان سے راضی نہ ہوں اور ان کے جھوٹے عذروں سے ان کے فریب میں نہ آجائیں۔ شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں "جس شخص کا حال معلوم ہو کہ منافق ہے اس کی طرف سے تغافل روا ہے۔ لیکن دوستی اور محبت اور یگانگت روا نہیں۔" اھ

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ

گنوار بہت سخت ہیں کفر میں اور نفاق میں اور اسی لائق ہیں کہ نہ سیکھیں وہ قاعدے جو نازل کیے اللہ نے اپنے رسول پر ف۱

گنوار سخت منکر ہیں اور منافق اور اسی لائق کہ نہ سیکھیں قاعدے، جو نازل کئے اللہ نے اپنے رسول پر۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ

اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے ف۲ اور بعضے گنوار ایسے ہیں کہ شمار کرتے ہیں اپنے خرچ کرنے کو تاوان اور انتظار کرتے ہیں تم پر

اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا۔ اور بعضے گنوار وہ ہیں کہ ٹھہراتے ہیں اپنا خرچ کرنا چٹی، اور تاکتے ہیں تم پر

ف۱ یہاں تک مدینہ کے منافقین اور مومنین مخلصین کے احوال بیان ہوئے تھے۔ اب کچھ حال دیہاتی بدوؤں کا ذکر کرتے ہیں کہ ان میں بھی کئی طرح کے آدمی ہیں۔ کفار، منافقین اور مخلص مسلمان چونکہ دیہاتی لوگ قدرتی طور پر عموماً تندخو اور سخت مزاج ہوتے ہیں (جیسا کہ حدیث میں ہے "مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا") اور مجالس علم و حکمت سے دور رہنے کی وجہ سے تہذیب و شائستگی کا اثر اور علم و عرفان کی روشنی بہت کم قبول کرتے ہیں، ان کا کفر و نفاق شہری کفار و منافقین سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ ان کو ایسے مواقع دستیاب نہیں ہوتے کہ اہل علم و صلاح کی صحبت میں رہ کر دیانت و تہذیب کے وہ قانون اور قاعدے معلوم کریں جو خدا تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام پر نازل کیے۔ علم و معرفت ہی وہ چیز ہے جو انسان کے دل کو نرم کرتی اور مہذب بناتی ہے۔ جو لوگ اس قدر جہالت میں غرق ہیں، ضرور ہے کہ ان کے دل سخت ہوں اور کفر و نفاق کے جس راستہ پر پڑ جائیں، بہائم اور درندوں کی طرح اندھا دھند بڑھے چلے جائیں۔ اعراب کی سنگ دلی کا ذکر متعدد احادیث میں ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ کسی اعرابی نے حضور سے عرض کیا کہ آپ لوگ اپنے بچوں کا پیار لیتے ہیں، خدا کی قسم میں نے کبھی اپنی اولاد کا پیار نہیں لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کیا کروں اگر خدا نے تیرے دل میں سے اپنی رحمت کو نکال لیا ہے۔

ف۲ یعنی اس کا علم بنی آدم کے تمام طبقات پر محیط ہے، وہ اپنی حکمت سے ہر ایک طبقہ کے ساتھ اس کی استعداد و قابلیت کے موافق معاملہ کرتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "اعراب کی طبیعت میں بے حکمی، غرض پرستی، اور جہالت شدید ہوتی ہے، سو اللہ حکمت والا ہے ان سے وہ مشکل کام بھی نہیں چاہتا اور درجے بلند بھی نہیں دیتا۔"

الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيۡهِمۡ دَآئِرَةُ السَّوۡءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ۝۹۸ وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ يُّؤۡمِنُ

زمانہ کی گردشوں کا ان ہی پر آئے گردش بری اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے ف۱ اور بعضے گنوار وہ ہیں کہ ایمان لاتے ہیں

زمانے کی گردشیں۔ انہیں پر آوے گردش بری۔ اور اللہ سب سنتا ہے جانتا۔ اور بعضے گنوار وہ ہیں کہ ایمان لاتے ہیں

بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنۡفِقُ قُرُبٰتٍ عِنۡدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوۡلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا

اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور شمار کرتے ہیں اپنے خرچ کرنے کو نزدیک ہونا اللہ سے اور دعا لینی رسول کی سنتا ہے وہ ان کے

اللہ پر اور پچھلے دن پر، اور ٹھہراتے ہیں اپنا خرچ کرنا نزدیک ہونا اللہ سے، اور دعا لینی رسول کی۔ سنتا ہے وہ ان کے

قُرۡبَةٌ لَّهُمۡ ؕ سَيُدۡخِلُهُمُ اللّٰهُ فِىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝۹۹ ع ۱۲

حق میں نزدیکی ہے داخل کرے گا ان کو اللہ اپنی رحمت میں بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ف۲

حق میں نزدیکی ہے۔ داخل کرے گا ان کو اللہ اپنی مہر میں۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

مذمت منافقین اعراب اور مدح مخلصین اعراب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اَلۡاَعۡرَابُ اَشَدُّ كُفۡرًا وَّنِفَاقًا ... الی ... اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ﴾

ربط:...... یہاں تک مدینہ کے منافقین اور مومنین مخلصین کے احوال بیان ہوئے اب ان آیات میں اعراب (اہل دیہات) کا کچھ حال بیان کرتے ہیں کہ ان میں بھی کئی طرح کے آدمی ہیں کفار اور منافقین اور مخلصین ان میں جو منافق ہیں ان کی مذمت فرماتے ہیں اور جو ان میں سے مخلصین ہیں ان کی مدح فرماتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ سب اعراب یکساں نہیں بعض ان میں سے سخت منافق ہیں کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے کو تاوان سمجھتے ہیں اور مسلمانوں پر مصیبت آنے کی خواہش میں رہتے ہیں اور بعضے ان میں سے سچے ایماندار ہیں اور وہ جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اسے باعث ثواب سمجھتے ہیں اور ہر وقت اسلام اور مسلمانوں کی عزت اور ترقی کے آرزومند رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے نیک اعمال کا نتیجہ ظاہر فرمائے گا چنانچہ

ف۱ یعنی اعراب منافقین میں وہ لوگ بھی ہیں جنہیں اگر کسی وقت خدا کے راستہ میں کچھ خرچ کرنا پڑ جاتا ہے تو ایسی کراہیت سے خرچ کرتے ہیں جیسے کوئی جرمانہ اور تاوان ادا کرتا ہو۔ وہ ابھی تک اس کے منتظر ہیں کہ مسلمان حوادث دہر سے کسی گردش اور آفت میں پھنس جائیں تو ہم خوب شادیانے بجائیں۔ یہ خبر نہیں کہ انہیں کی قسمت گردش میں آرہی ہے۔ اسلام تو غالب و فائق ہو کر رہے گا اور یہ منافقین سخت ذلیل و رسوا ہوں گے۔ خدا ہر ایک کی باتیں اور دعائیں سنتا ہے اور جانتا ہے کہ کون عزت و کامیابی کا اہل ہے اور کون لوگ ذلت اور رسوائی کے مستحق ہیں۔

ف۲ یہاں قرآن کریم کی معجزانہ تاثیر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا حیرت انگیز کرشمہ دکھلایا ہے کہ ان ہی درشت مزاج، سنگ دل، تندخو گنواروں میں جو کفر ونفاق اور جہل وطغیان کی وجہ سے اس لائق ہی نہ تھے کہ خدا کے بتلائے ہوئے ادب اور قاعدے سمجھ سکیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور قرآن کریم کی آواز نے ایسے عارف اور مخلص افراد پیدا کر دیے جو مبدأ و معاد سب چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں اور خدا کی راہ میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں، خالص قرب الٰہی حاصل کرنے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا لینے کی غرض سے کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے ان کو بشارت دی کہ بے شک وہ اپنی امیدوں میں حق بجانب ہیں۔ یقیناً ان کو وہ چیز مل کر رہے گی جس کی نیت کی ہے (یعنی قرب الٰہی) اور خدا ضرور ان کو اپنی رحمت میں جگہ دے گا۔ رہی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اسے تو وہ اپنے کانوں سے سنتے اور آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص صدقہ وغیرہ لے کر حاضر ہوتا ہے تو حضور اس کو دعائیں دیتے ہیں حضور کی اس دعا کا ثمرہ بھی وہی رحمت و قرب الٰہی ہے جس کا وعدہ پہلے ہو چکا۔

فرماتے ہیں ان منافقین میں جو دیہاتی ہیں وہ کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں یعنی عرب کے دیہاتیوں کا کفر اور نفاق شہر مدینہ کے منافقوں کے کفر اور نفاق سے بڑھا ہوا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ رسول خدا سے اور علماء سے اور عقلاء سے دور رہتے ہیں اور ان کو قرآن وسنن اور مواعظ کے سننے کا بہت کم اتفاق ہوتا ہے۔ اس لیے یہ لوگ مجلس علم سے دوری اور اہل علم کی صحبت سے محرومی کی وجہ سے جہالت میں غرق ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے دل اور بھی سخت ہو گئے اور یہ سخت دل وحشی اسی لائق ہیں کہ شریعت کی حدود کو نہ جانیں کہ جو خدا نے اپنے رسول پر نازل کی ہے۔ اسی لیے یہ لوگ جھوٹی قسم کی قباحت کو بھی نہیں جانتے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ ان جھوٹوں کو مہلت دینا حکمت پر مبنی ہے۔ اور اسی لاعلمی اور جہالت کی بنا پر دیہاتی منافقوں میں بعض ایسے بھی ہیں کہ جو مال وہ خدا کی راہ میں کبھی خرچ کرتے ہیں اس کو تاوان سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اس خرچ پر ان کو ثواب کی امید نہیں محض دکھلاوے کے لیے کچھ خیرات کر دیتے ہیں اور اے مسلمانو! وہ تمہارے بارے میں زمانے کی گردشوں کے منتظر ہیں کہ مسلمانوں کی عزت و وجاہت کا خاتمہ ہو تاکہ نفاق سے چھٹکارا پائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں انہی پر بری گردش ہوگی کہ اسلام کا عروج ہوگا۔ جس سے ان کے رنج وغم میں اور زیادتی ہوگی اور اللہ تعالیٰ ان کے اقوال کو سننے والا اور ان کی بدباطنی کا جاننے والا ہے۔ اور ان کے برعکس دیہاتیوں میں ایسے بھی ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں اور جس چیز کو وہ خرچ کرتے ہیں اور اس کو خدا کے قرب اور رضا کا ذریعہ اور رسول کی دعاؤں کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ خیرات دینے والوں کے لیے خیر و برکت کی دعا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب ابواوفی ؓ آپ ﷺ کے پاس صدقہ لے کر آئے تو آپ ﷺ نے یوں دعا فرمائی۔ اللھم صل علی آل ابی اوفی (یعنی اے اللہ تو آل ابی اوفی پر اپنی رحمت فرما) آگاہ ہو جاؤ کہ بے شک وہ خیرات ان کے لیے خدا کی قربت کا ذریعہ ہے البتہ خدا تعالیٰ ان کو اپنی خاص رحمت میں داخل کرے گا۔ جو ہر طرف سے ان کے ظاہر و باطن کو محیط ہوگی بیشک اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو بخشنے والا اور ان پر مہربان ہے۔

یہ آیت قبائل مزینہ اور اسلم اور غفار اور جہینہ کے بارے میں نازل ہوئی جو اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان رکھتے تھے اور ثواب کی نیت سے راہ خدا میں خیرات کرتے تھے معلوم ہوا کہ جو شخص صحیح ایمان اور اخلاص اور صدق نیت سے صدقہ اور خیرات کرے گا وہ بلاشبہ خدا کے قریب ہونے کا ذریعہ بنے گا کیونکہ خدا تعالیٰ نے اس کا موجب قربت ہونا عسیٰ اور لعل کے ساتھ ظاہر نہیں کیا بلکہ ''الا'' حرف تنبیہ اور ''ان'' حرف تاکید کے ساتھ ظاہر کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایسا مخلصانہ صدقہ بالیقین اللہ کے قرب اور رضا کا ذریعہ ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ

اور جو لوگ قدیم ہیں سب سے پہلی ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے اور جو ان کے پیرو ہوئے نیکی کے ساتھ

اور جو لوگ قدیم ہیں پہلے وطن چھوڑنے والے اور مدد کرنے والے، اور جو ان کے پیچھے آئے نیکی سے،

اللہُ عَنۡہُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ وَاَعَدَّ لَہُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ تَحۡتَہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ؕ

اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے اور تیار کر رکھے ہیں واسطے ان کے باغ کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں رہا کریں انہی میں ہمیشہ

اللہ راضی ان سے اور وہ راضی اس سے، اور رکھے ہوئے ہیں واسطے ان کے باغ، نیچے بہتی ہیں نہریں، رہا کریں ان میں ہمیشہ۔

ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۱۰۰﴾

یہی ہے بڑی کامیابی ف۱

یہی ہے بڑی مراد ملنی۔

ذکر اعیان مومنین وفضائل سابقین اولین

قَالَ اللہُ تَعَالٰی: ﴿وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ ... الی ... ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ﴾

ربط:...... اوپر کی آیت میں مومنین اعراب کا ذکر تھا جو متوسط درجہ کے مومن تھے اب اس آیت میں اعیان مومنین یعنی چیدہ اور پسندیدہ مسلمانوں کا ذکر ہے جن کو ایمان کا اعلیٰ مرتبہ حاصل تھا۔ یعنی سابقین اولین اور مہاجرین وانصار کے فضائل ومراتب کا ذکر ہے جن کو سبقت اور اولیت کا شرف حاصل ہوا اور یہ طبقہ امت کے تمام طبقوں سے افضل ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور مہاجرین اور انصار میں سے قبول اسلام اور ہجرت اور نصرت میں سب امت سے سبقت کرنے والے اور سب سے اول رہنے والے اور جن لوگوں نے ان کے بعد ایمان اور اخلاص کے ساتھ ان سابقین اولین کی پیروی کی اور ان کے نقش قدم پر چلے تو ان سب سے اللہ راضی ہوا کہ ان کی طاعت اور خدمت کو ہجرت اور نصرت کو اور ان کی متابعت کو قبول کیا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے کہ وہ خدا سے دین ودنیا کی نعمتیں پا کر خوش ہوئے۔ اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کیے ہیں جن کے درختوں اور مکانات کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ہمیشہ ان باغوں میں رہیں گے۔ یہی بڑی ہے کامیابی کہ

ف۱ "اعراب مومنین" کے بعد مناسب معلوم ہوا کہ زعماء واعیان مومنین کا کچھ ذکر کیا جائے یعنی جن مہاجرین نے ہجرت میں سبقت واولیت کا شرف حاصل کیا، اور جن انصار نے نصرت واعانت میں پہل کی، غرض جن لوگوں نے قبول حق اور خدمت اسلام میں جس قدر آگے بڑھ بڑھ کر حصے لیے، پھر جو لوگ نیکوکاری اور حسن نیت سے ان پیش روان اسلام کی پیروی کرتے رہے، ان سب کو درجہ بدرجہ خدا کی خوشنودی اور حقیقی کامیابی حاصل ہو چکی۔ جیسے انہوں نے پوری خوش دلی اور انشراح قلب کے ساتھ حق تعالیٰ کے احکام تشریعی اور قضاء تکوینی کے سامنے گردنیں جھکا دیں، اسی طرح خدا نے ان کو اپنی رضا وخوشنودی کا پروانہ دے کر غیر محدود انعام واکرام سے سرفراز فرمایا۔

(تنبیہ) مفسرین سلف کے اقوال "اَلسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ" کی تعیین میں مختلف ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ مہاجرین وانصار مراد ہیں جو ہجرت سے پہلے مشرف باسلام ہوئے۔ بعض کے نزدیک وہ مراد ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں (کعبہ وبیت المقدس) کی طرف نماز پڑھی بعض کہتے ہیں کہ جنگ بدر تک کے مسلمان "سابقین اولین" ہیں۔ بعض حدیبیہ تک اسلام لانے والوں کو اس کا مصداق قرار دیتے ہیں۔ اور بعض مفسرین کی رائے ہے کہ تمام مہاجرین وانصار اطراف کے مسلمانوں اور پیچھے آنے والی نسلوں کے اعتبار سے "سابقین اولین" ہیں ہمارے نزدیک ان اقوال میں چنداں تعارض نہیں "سبقت" و "اولیت" اضافی چیزیں ہیں۔ ایک ہی شخص یا جماعت کسی کے اعتبار سے سابق اور دوسرے کی نسبت سے لاحق بن سکتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے "فائدہ" میں اشارہ کیا ہے جو شخص یا جماعت جس درجہ میں سابق واول ہوگی اسی قدر رضائے الٰہی اور حقیقی کامیابی سے حصہ پائے گی۔ کیونکہ سبقت واولیت کی طرح رضاء وکامیابی کے بھی مدارج بہت سے ہو سکتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

اللہ ان سے راضی ہوا۔

لطائف ومعارف

۱-سابقین اولین کی تفسیر میں علماء تابعین رحمہم اللہ کے مختلف اقوال آئے ہیں ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ سابقین اولین سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی بیت المقدس کی طرف بھی اور کعبہ کی طرف بھی یعنی قبلہ بیت المقدس کے منسوخ ہونے سے پہلے جو لوگ ایمان لائے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ لوگ مراد ہیں جو جنگ بدر میں شریک ہوئے امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اس جگہ سابقین اولین سے وہ لوگ مراد ہیں جو ہجرت اور نصرت میں سابق اور اول ہیں کیونکہ سابقین اولین کا لفظ مجمل ہے جس میں یہ نہیں فرمایا کہ کس چیز میں سابق اور اول ہیں پھر ان کو مہاجرین اور انصار کے ساتھ موصوف فرمایا معلوم ہوا کہ صفت ہجرت اور صفت نصرت میں سبقت اور اولیت مراد ہے۔

۲-اور ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ﴾ سے وہ لوگ مراد ہیں جو سابقین اولین کے بعد آئے اور ان کے نقش قدم پر چلے خواہ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہوں یا تابعین رحمہم اللہ ہوں یا تبع تابعین رحمہم اللہ یا ان سے بھی بعد۔ غرض یہ کہ ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ﴾ سے تمام وہ لوگ مراد ہیں جو مہاجرین اور انصار کی پیروی کریں۔ خواہ وہ کسی زمانے میں ہوں۔ وہ سب جنت کے مستحق ہیں اور خدا ان سے خوش اور وہ خدا سے خوش پس یہ آیت قیامت تک جملہ مسلمانوں کو شامل ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ پر ہوں اور اقوال وافعال میں ان کے پیرو ہوں بغیر صحابہ رضی اللہ عنہم کے اتباع اور پیروی کے خدا کی رضا اور جنت نہیں مل سکتی اور اہل سنت والجماعت کا یہی طریقہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی سنت اور جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ پر چلتے ہیں۔ اس لیے ان کو اہل سنت والجماعت کہا جاتا ہے۔

۳-اس آیت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا مؤمن کامل ہونا معلوم ہوا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کافر اور منافق سے راضی نہیں ہوتا۔ کما قال تعالیٰ: ﴿ان الله لا يرضى عن القوم الكافرين﴾ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ﴾۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ کافر تھے اور نہ فاسق۔ الغرض اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور انصار کی مدح فرمائی اور انہیں جنت کی خوش خبری دی اور ان کو اپنی خوشنودی کا پروانہ عطا کیا کہ اللہ ان سے راضی ہوا یہ وہ عظیم فائز المرامی ہے کہ اس کے بعد کامیابی کا کوئی درجہ باقی نہیں رہتا اس آیت نے منکرین صحابہ کے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ اس آیت نے تمام مہاجرین اور انصار کا ایمان ثابت کر کے فرقۂ امامیہ کے عقیدہ کو خاک میں ملا دیا ہے۔ اس لیے کہ آیت میں جس قدر وعدے ہیں وہ سبقت ہجرت پر اور نصرت پر موقوف ہیں ایمان اور اعمال صالحہ کا ذکر نہیں۔

۴-اس آیت میں حق جل شانہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے بلا کسی شرط کے اپنی رضا اور مغفرت اور جنت کا وعدہ فرمایا بخلاف تابعین کے یعنی بعد میں آنے والوں کے لیے یہ قید لگا دی گئی کہ بشرطیکہ وہ مہاجرین اور انصار کا اتباع کریں اور اعمال اور افعال میں ان کے طریقہ پر چلیں۔ (ازالۃ الخفاء)

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۚ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۣ

اور بعضے تمہارے گرد کے گنوار منافق ہیں اور بعضے لوگ مدینہ والے اڑ رہے ہیں نفاق پر

اور بعضے تمہارے گرد کے گنوار منافق ہیں۔ اور بعضے مدینے والے اڑ رہے ہیں نفاق پر،

لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۱۰۱

تو ان کو نہیں جانتا ہم کو وہ معلوم ہیں ف۱ ان کو ہم عذاب دیں گے دوبار پھر وہ لوٹائے جائیں گے بڑے عذاب کی طرف ف۲

تو ان کو نہیں جانتا۔ ہم کو معلوم ہیں۔ ان کو ہم عذاب کریں گے دو بار، پھر پھیرے جاویں گے بڑے عذاب میں۔

زعماء منافقین کا ذکر

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ... الی... عَذَابٍ عَظِيْمٍ﴾

ربط: ...... اوپر کی آیت میں اعیان مومنین یعنی مومنین کاملین کا ذکر تھا اب اس آیت میں زعماء منافقین کا ذکر ہے جو مدینہ میں اور مدینہ کے آس پاس رہتے تھے اور سرتاپا نفاق میں غرق تھے اور فن نفاق میں ایسے ماہر وحاذق اور پختہ تھے کہ نبی اکرم ﷺ باوجود کمال فراست کے ان کے نفاق پر مطلع نہ ہوسکے چنانچہ ﴿مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ﴾ کے بعد جولفظ ﴿لَا تَعْلَمُهُمْ﴾ بڑھایا گیا وہ اسی طرف اشارہ ہے اعیان مومنین کے ذکر کے بعد اعیان منافقین کا ذکر نہایت مناسب ہے جس طرح مہاجرین اور انصار کو ہجرت اور نصرت میں سبقت اور اولیت کا شرف حاصل تھا اسی طرح ان منافقین کو اسلام کی عداوت میں پیش پیش ہونے کا نشان ملا تھا چنانچہ فرماتے ہیں اور اے مسلمانو! تمہارے آس پاس کے دیہاتیوں میں سے کچھ لوگ منافق ہیں یعنی مدینہ کے گرد جو اعراب آباد ہیں ان میں سے بعض منافق ہیں اور مدینہ کے باشندوں میں سے بھی بعض منافق ہیں جو نفاق پر

ف۱ پہلے سے دیہاتی عربوں کا ذکر چلا آرہا تھا۔ درمیان میں اعراب مومنین کے تذکرہ سے مہاجرین وانصار کی طرف کلام منتقل ہوگیا اب اس آیت میں خاص "مدینہ" اور اس کے آس پاس رہنے والوں کا بیان ہے یعنی بعض اہل مدینہ اور گردو پیش کے رہنے والے نفاق کے خوگر ہو چکے اور اسی پر اڑے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ نفاق اس قدر عریق وعمیق ہے کہ ان کے قرب مکانی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال فطانت وفراست کے باوجود آپ بھی بالتعیین اور قطعی طور پر محض علامات وقرائن سے ان کے نفاق پر مطلع نہیں ہوسکے۔ ان کا ٹھیک ٹھیک تعین صرف خدا کے علم میں ہے۔ جس طرح عام منافقین کا پتہ، چہرہ، لب ولہجہ اور بات چیت سے لگ جاتا تھا ﴿وَلَوْ نَشَاۗءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۭ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ﴾ ان کا نفاق اتنا گہرا ہے کہ اس قسم کی ظاہری علامات ان کا پردہ فاش نہیں کرتیں۔

ف۲ بڑا عذاب دوزخ کا ہے۔ ﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ (نساء، رکوع ۲۱) اس سے قبل کم از کم دو بار ضرور عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے۔ ایک عذاب قبر اور دوسرا وہ عذاب جو اس دنیاوی زندگی میں پہنچ کر رہے گا۔ مثلاً ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت کے موافق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے روز منبر پر کھڑے ہو کر تقریباً چھتیس آدمیوں کو نام بنام پکار کر فرمایا۔ "أخرج فانك منافق۔" یعنی تو منافق ہے مسجد سے نکل جا۔ یہ رسوائی ایک قسم عذاب کی تھی۔ یا پہلے اس سورت میں گزرا کہ ان کے اموال واولاد کو حق تعالیٰ نے ان کے حق میں عذاب بنادیا۔ ﴿فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ الخ یا ان میں کے بعض بھوک وغیرہ آفات ارضی وسماوی میں مبتلا ہو کر ذلت کی موت مرے یا اسلام کی ترقی وعروج کو دیکھ کر غیظ کھانا اور دانت پیسنا، یہ بھی ان کے حق میں سوہان روح تھا۔ میرے نزدیک یہ سب قسم کے عذاب "مرتین" کے احاطہ میں داخل ہیں۔ اور دو کا عدد یا تو مطلق تعدد کے لیے ہے جیسے ﴿ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ﴾ میں اور یا دو بار سے مراد نوعی اثنینیت ہے۔ یعنی "عذاب قبر" اور "عذاب قبل الموت"۔ واللہ اعلم۔

اڑے ہوئے اور جمے ہوئے ہیں۔ لفظ مَرَدُوْا میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ لوگ شیطان کے مانند متمرد اور سرکش ہیں یہ لوگ اپنے نفاق سے توبہ کرنے والے نہیں اور یہ نفاق میں اتنے ماہر اور پختہ ہیں کہ آپ ﷺ بھی باوجود کمال فراست کے ان کو نہیں جانتے آنحضرت ﷺ کی کمال فراست سے منافقوں کو ان کے انداز گفتگو سے معلوم کر لیا کرتے تھے مگر یہ منافق ایسے چال باز تھے کہ ان کا نفاق آنحضرت ﷺ پر بھی مخفی رہا جب تک خدا تعالیٰ نے آپ کو نہ بتلایا اس لیے فرمایا کہ آپ ان کے نفاق کو نہیں جانتے ہم ان کے نفاق کو خوب جانتے ہیں کیونکہ دلوں کے بھید ہم پر مخفی نہیں ہم ان کو دہرا عذاب دیں گے ایک بار جان کندنی کے وقت کہ فرشتے جان نکالتے وقت ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر آگ کے چابک ماریں گے اور ایک مرتبہ قبر میں پھر قبر کے بعد وہ آخرت میں بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے یا یہ مطلب ہے کہ ایک بار دنیا میں فضیحت کر کے اور دوسری بار قبر میں عذاب دے کر جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت [1] میں ہے کہ ایک مرتبہ جمعہ کے روز حضور پرنور ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر تقریباً چھتیس آدمیوں کو نام بنام پکار کر فرمایا، اخرج فانك منافق۔ یعنی تو منافق ہے مسجد سے نکل جا یہ فضیحت اور رسوائی بھی ایک قسم کا عذاب تھا یا مرتین کا مطلب یہ ہے کہ دنیا ہی میں بار بار عذاب اور مصیبت میں مبتلا ہونے کے ہیں اور عذاب آخرت یعنی ورلث اسفل وہ اس دنیا سے گزرنے کے بعد ہوگا اور مرتین کا لفظ فقط دو کا عدد بیان کرنے کے لیے نہیں تعدد اور تکثر کے بیان کے لیے ہے جیسے ﴿ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ﴾ میں تعدد اور تکثر کے معنی مراد ہیں۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ

اور بعضے لوگ ہیں کہ اقرار کیا انہوں نے اپنے گناہوں کا ملایا انہوں نے ایک کام نیک اور دوسرا بد قریب ہے کہ اللہ معاف کرے

اور بعضے مانے اپنا گناہ ملایا ایک کام نیک اور دوسرا بد۔ شاید اللہ معاف کرے

عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا

ان کو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ف۱ لے ان کے مال میں سے زکوٰۃ ف۲ کہ پاک کرے تو ان کو اور بابرکت کرے تو ان کو اس کی وجہ سے

ان کو۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ لے ان کے مال میں سے زکوٰۃ، کہ ان کو پاک کرے اس سے اور تربیت

ف۱ اہل مدینہ میں اگر ایک طرف یہ منافقین متمردین ہیں جو اپنی شرارتوں اور جرموں کو پردہ نفاق میں چھپاتے اور ان پر سختی سے اڑے رہتے ہیں تو دوسری جانب بعض وہ مسلمان ہیں جن سے بمقتضائے بشریت کوئی خطا و قصور سرزد ہو جائے تو نادم ہو کر بے تامل اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں۔ ان کی بھلائی اور برائی مخلوط (رلی ملی) ہے۔ برائی تو مثلاً یہ کہ نفیر عام کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر "غزوہ تبوک" میں حاضر نہ ہوئے بعدہ، اس غیر حاضری پر دل سے پشیمان و متأسف ہونا اور ظاہراً و باطناً توبہ کرنا اور دوسرے اعمال صالحہ (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج یا دوسرے غزوات کی شرکت وغیرہ) بجا لانا، یہ سب ان کی بھلائیوں کی فہرست میں داخل ہیں۔ ایسے حضرات کو حق تعالیٰ نے معافی کی امید دلائی ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت ابولبابہ اور ان کے چند ہم راہیوں کے حق میں نازل ہوئی۔ جو محض کسل اور تن آسانی کی وجہ سے "تبوک" میں حاضر نہ ہوئے۔ لیکن جب تبوک سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی معلوم ہوئی تو غایت ندامت سے ان سب نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا اور قسم کھائی کہ جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ان مجرموں اور قیدیوں کو معاف کر کے اپنے ہاتھ سے نہ کھولیں گے، اسی طرح بندھے کھڑے رہیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حال دیکھ کر فرمایا۔ واللہ جب تک خدا ان کے =

[1] دیکھو روح المعانی: ۱۰/۱۱۔

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

اور دعا دے ان کو بیشک تیری دعا ان کے لیے تسکین ہے اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے ف۱ کیا وہ جان نہیں چکے کہ اللہ

اور دعا دے ان کو، البتہ تیری دعا ان کو آسودگی ہے۔ اور اللہ سب سنتا ہے جانتا۔ کیا جان نہیں چکے کہ اللہ

هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ وَقُلِ

آپ قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں سے اور لیتا ہے زکوٰتیں اور یہ کہ اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے ف۲ اور کہہ کہ

آپ قبول کرتا ہے توبہ اپنے بندوں سے اور لیتا ہے زکوتیں، اور اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ اور کہہ،

اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ

عمل کیے جاؤ پھر آگے دیکھ لے گا اللہ تمہارے کام کو اور اس کا رسول اور مسلمان اور تم جلد لوٹائے جاؤ گے اس کے پاس جو تمام چھپی

کہ عمل کئے جاؤ، پھر آگے دیکھے گا اللہ کام تمہارا اور رسول اور مسلمان۔ اور پیچھے پھیرے جاؤ گے اس چھپے

وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا

اور کھلی چیزوں سے واقف ہے، پھر وہ جتادے گا تم کو جو کچھ تم کرتے تھے ف۳ اور بعضے اور لوگ ہیں کہ ان کا کام ڈھیل میں ہے حکم پر اللہ کے یا

اور کھلے کے واقف پاس، پھر وہ جتادے گا تم کو جو کچھ تم کرتے تھے۔ اور بعضے اور لوگ ہیں کہ ان کا کام ڈھیل میں ہے حکم پر اللہ کے، یا

=کھولنے کا حکم نہ دے میں ان کو نہیں کھول سکتا۔ آخر یہ آیات نازل ہوئیں تب آپ نے کھولا اور قبول توبہ کی بشارت دی۔ کہتے ہیں کہ یہ لوگ کھلنے کے بعد تکمیل توبہ کے طور پر کچھ مال لے کر حاضر ہوئے کہ خدا کی راہ میں تصدق کریں اس پر اگلی آیت نازل ہوئی۔

ف۲ "صدقہ" کا ترجمہ مترجم محقق نے "زکوٰۃ" کیا ہے۔ لیکن اگر لفظ "صدقہ" کو عام رکھا جاتا جو زکوٰۃ و صدقات نافلہ سب کو شامل ہو تو بہتر تھا۔ کیونکہ اکثر روایات کے موافق یہ آیت ان ہی لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو بعد معافی تکمیل توبہ کے طور پر صدقہ لے کر حاضر ہوئے تھے۔ جیسا کہ ابھی پیچھے فائدہ میں نقل کیا جا چکا ہے۔ ہاں عموم الفاظ کو دیکھتے ہوئے حکم کو مورد نص پر مقصور رکھنے کی ضرورت نہیں۔ اسی لیے سلف رضی اللہ عنہم مسئلہ زکوٰۃ میں بھی اس آیت کو پیش کرتے رہے ہیں۔

ف۱ توبہ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ یعنی اس پر مواخذہ باقی نہیں رہتا۔ لیکن ایک قسم کی روحانی کدورت و ظلمت وغیرہ جو گناہ کا طبعی اثر ہے وہ ممکن ہے باقی رہ جائی ہو جو بالخصوص صدقہ اور عموماً حسنات کی مباشرت سے زائل ہوتی ہے۔ بایں لحاظ کہہ سکتے ہیں کہ صدقہ گناہوں کے اثرات سے پاک و صاف کرتا اور اموال کی برکت بڑھاتا ہے "زکوٰۃ" (کے لغوی معنی نما یعنی بڑھنے کے ہیں) اور ایک بڑا فائدہ صدقہ کرنے میں یہ تھا کہ صدقہ کرنے والوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعائیں دیتے تھے۔ جن سے دینے والے کا دل بڑھتا اور سکون حاصل کرتا تھا۔ بلکہ آپ کی دعا کی برکت دینے والے کی اولاد در اولاد تک پہنچتی تھی۔ اب بھی ائمہ کے نزدیک مشروع ہے کہ جو شخص صدقہ لائے امام مسلمین بحیثیت وارث نبی ہونے کے اس کے لیے دعا کرے۔ البتہ جمہور کے نزدیک لفظ "صلوٰۃ" کا استعمال نہ کرے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مخصوص حق تھا۔

ف۲ یعنی توبہ اور صدقات کا قبول کرنا صرف خدا کے اختیار میں ہے کیونکہ وہ ہی جانتا ہے کہ کس نے اخلاص قلب اور شرائط قبول کی رعایت کے ساتھ توبہ کی یا صدقہ دیا۔ چنانچہ پہلے بعضوں پر عتاب ہو چکا کہ ہمیشہ کے لیے ان کی زکوٰۃ لینی موقوف ہوئی اور منافقین کے صدقات کو مردود ٹھہرایا گیا اور ان کے حق میں دعا و استغفار کو بھی بے سود بتلایا۔ بلکہ جنازہ پڑھنے کی ممانعت کر دی۔ جن لوگوں کا یہاں ذکر ہے ان کی توبہ قبول کی اور صدقات قبول کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حق میں (حیاً ومیتاً) دعا کریں۔

ف۳ یعنی توبہ وغیرہ سے گزشتہ تقصیرات معاف ہو گئیں۔ لیکن آگے دیکھا جائے گا کہ تم کہاں تک صدق و استقامت کا عملی ثبوت پیش کرتے ہو۔ اس جہاد میں قصور ہوا تو آئندہ اور جہاد ہوں گے۔ پیغمبر علیہ السلام کے یا خلفاء کے روبرو ان میں امتحان ہوگا کہ کیسا عمل کرتے ہو۔ پھر خدا کے یہاں جا کر ہر عمل پورا بدلہ مل جائے گا=

يُعَذِّبُهُمْ وَإِمَّا يَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٠٦﴾

وہ ان کو عذاب دے اور یا ان کو معاف کرے اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے ف۱

ان کو عذاب کرے یا ان کو معاف کرے۔ اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا۔

مومنین متخلفین کی دو ضعیف الہمت جماعتوں کا ذکر

قَالَ تَعَالیٰ: ﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ... الی... وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾

ربط:...... یہاں تک ان لوگوں کا حال بیان ہوا جو غزوۂ تبوک میں بوجہ نفاق کے شریک نہ ہوئے یہ منافقین متمردین کا گروہ تھا۔ اب ان آیات میں ان کے بالمقابل ان مومنین کا ذکر ہے جو کہ منافق تو قطعاً نہ تھے مگر ضعیف الہمت تھے بمقتضائے بشریت سستی اور کاہلی کے سبب غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہوئے مگر اپنی اس غیر حاضری پر غایت درجہ متاسف اور نادم ہوئے اور منافقین کی طرح بہانے نہیں تراشے ان لوگوں کو حق تعالیٰ نے معافی کی امید دلائی اور مسلمانوں کی یہ ضعیف الہمت جماعت جو محض کاہلی اور سستی اور غفلت کی بناء پر غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئی تھی دو قسموں پر منقسم ہو گئی۔

قسم اول:...... وہ لوگ تھے کہ جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کی غزوۂ تبوک سے واپسی کو سنا تو شرم اور ندامت کے مارے ان لوگوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا اور قسم کھائی کہ جب تک حضور پرنور ﷺ ہم کو اپنے دست مبارک سے نہ کھولیں گے اسی طرح بندھے رہیں گے اور یہیں پر ختم ہو جائیں گے۔ سبحان اللہ مبارک معصیتے کہ بعذر آرد۔

قسم دوم:...... وہ تھی کہ جنہوں نے نہ کوئی عذر تراشا اور نہ اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے بندھوایا بلکہ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو خدمت اقدس میں حاضر ہو کر سچ سچ عرض کر دیا کہ قصوروار ہیں اور شرم سار ہیں جو حکم دیں اس کے لیے تیار ہیں۔

(پہلی آیت) یعنی ﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ﴾ الخ میں پہلی قسم کی جماعت کا بیان ہے۔ ان لوگوں کا حال دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا واللہ جب تک خدا مجھے ان کے کھولنے کا حکم نہیں دے گا میں ان کو نہیں کھولوں گا یہاں تک کہ یہ

= کیونکہ وہ ہی تمام کھلی چھپی چیزوں اور ظاہری عمل اور باطنی نیتوں پر مطلع ہے ہر ایک کے ساتھ اس کی واقعی حالت کے موافق معاملہ کرے گا (آیت کی یہ تقریر حضرت شاہ صاحب کے مذاق پر کی گئی ہے کیونکہ اوفق بالسیاق ہے۔ واللہ اعلم)

ف۱ اہل مدینہ میں سے یہاں ایک چھوٹی سی جماعت کا ذکر فرمایا ہے اصل یہ ہے کہ متخلفین عن تبوك (یعنی تبوک میں نہ شریک ہونے والے) تین قسم کے تھے۔ ایک منافقین جو از راہ شک و نفاق علیحدہ رہے۔ دوسرے بعض مومنین جو محض سستی اور تن آسانی کی بدولت شریک جہاد نہ ہوئے۔ پھر ان میں دو قسمیں تھیں۔ اکثر وہ تھے جنہوں نے واپسی کی اطلاع پا کر اپنے کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا ان کا ذکر پچھلی آیات میں گزر چکا۔ صرف تین شخصوں کی جماعت وہ تھی جنہوں نے نہ اپنے کو ستونوں سے بندھوایا نہ کوئی عذر تراشا۔ بس جو واقعہ تھا اور جو قصور ہوا تھا صاف صاف بلا کم و کاست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عرض کر دیا۔ ان کے بارہ میں آیت ﴿وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ﴾ نازل ہوئی۔ یعنی ان کا معاملہ ابھی ڈھیل میں ہے۔ چند روز خدا کے حکم کا انتظار کرو۔ خواہ ان کو سزا دے یا معاف کرے۔ جو اس کے علم و حکمت کا اقتضاء ہو گا کیا جائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تا نزول حکم الٰہی ادب دینے کے لیے مسلمانوں کے تعلقات ان تینوں سے منقطع کر دیے۔ پچاس دن تک یہ ہی معاملہ رہا۔ پھر معافی ہوئی۔ ان واقعات کی اور تینوں کے ناموں کی تفصیل اگلے رکوع کے خاتمہ پر بیان ہو گی۔

آیتیں ﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ... تا... فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ نازل ہوئیں۔

تب آپ ﷺ نے ان لوگوں کو کھولا اور قبول توبہ کی بشارت دی کھلنے کے بعد یہ لوگ تکمیل توبہ کے طور پر کچھ مال لے کر حاضر خدمت ہوئے کہ اس مال کو خدا کی راہ میں تصدق کریں جو کسی درجہ میں جہاد سے پیچھے رہنے کا سبب بنا تو اللہ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کو ان کے صدقہ قبول کرنے اور ان کے لیے دعائے خیر کرنے کا حکم ہوا یہ صدقہ واقع میں صدقہ تھا صدق دل سے لے کر آئے تھے قبول ہوا۔

ابن عباس ﷠ سے منقول ہے کہ یہ دس آدمی تھے اور بعض کہتے ہیں کہ آٹھ تھے اور بعض کہتے ہیں کہ پانچ تھے اور بعض کہتے ہیں کہ تین تھے اور تمام روایتیں اس پر متفق ہیں کہ ابولبابہ بن عبدالمنذر ﷜ اسی گروہ میں تھے۔ (دیکھو روح المعانی: ۱۱/۱۱)

(اور دوسری آیت) یعنی ﴿وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ﴾ الخ میں قسم دوم کا بیان ہے یعنی ان کا معاملہ ابھی تک التواء میں ہے چند روز خدا کے حکم کا انتظار کرو جیسا چاہے ان کے حق میں حکم دے معاف کرے یا عذاب دے۔

پہلی قسم کے لوگوں نے بلا توقف توبہ کی ان کی توبہ بلا توقف قبول ہوئی۔ اور یہ دوسری قسم کے لوگ توقف کی حالت میں تھے اس لیے ان کے بارہ میں تاخیر ہوئی اور حکم الٰہی کے نزول کا انتظار کرنا پڑا ان کے حکم میں پچاس دن کی تاخیر ہوئی اور پچاس دن تک ان لوگوں سے سلام و کلام کی ممانعت ہوگئی۔ یہ تین شخص تھے جن کے بارہ میں یہ آیت یعنی ﴿وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ﴾ نازل ہوئی جن تین کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی وہ یہ تھے کعب بن مالک اور ہلال بن امیہ اور مرارۃ بن ربیع ﷢ یہ لوگ توبہ کے بارہ میں حیران اور پریشان تھے کہ کیا عذر کریں کچھ ہو تو کہیں۔ دم بخود تھے اور اپنی غفلت اور کاہلی پر پشیمان تھے اور اندر ہی اندر گھٹ رہے تھے۔ کہ ہم سے کیا ہو گیا اس لیے ان لوگوں نے اپنے آپ کو پہلے لوگوں کی طرح مسجد کے ستونوں سے نہیں باندھا اس لیے ان کی توبہ کے نازل ہونے میں پچاس دن کی تاخیر ہوئی اور ان تینوں کا فیصلہ کچھ مدت کے لیے تا دیبا ملتوی رکھا گیا یہاں تک کہ اس مدت میں توبہ اور معذرت کی تکمیل میں جو منزلیں باقی تھیں وہ پوری ہوگئیں اور ابتداء میں جو توقف کی حالت تھی وہ ختم ہوئی اور ندامت و شرم ساری اور گریہ و زاری حد کمال کو پہنچ گئی تب یہ آیت یعنی ﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ﴾ الخ نازل ہوئی۔ جس کا ذکر بعد میں آئے گا اور ان کی توبہ قبول ہوئی اور پستی سے نکل کر آسمان مرتبت پر پہنچ گئے ان تین آدمیوں کی قبول توبہ کا قصہ آئندہ آیت ﴿وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا﴾ میں آئے گا۔

ذکر قسم اول

قَالَ تَعَالٰی: ﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ﴾ الآیۃ۔

ان آیات میں مومنین متخلفین کی قسم اول کا ذکر ہے جنہوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا تھا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گناہ کا اقرار کیا یعنی جو منافق نہیں اور نہ منافقوں کی طرح جھوٹے عذر

پیش کیے بلکہ صاف کہہ دیا کہ ہم اپنی سستی اور کاہلی کی وجہ سے غزوۂ تبوک میں نہ جاسکے ہم سے قصور ہوا انہوں نے ملا جلا کام کیا ایک نیک عمل اور دوسرا برا عمل برے عمل سے مراد ان کا غزوۂ تبوک سے باوجود نفیر عام کے پیچھے رہنا مراد ہے اور نیک عمل سے مراد ان کے دیگر اعمال صالحہ ہیں جیسے قیام بشرائع اسلام اور دیگر غزوات میں جو پہلے ہو چکے ہیں ان میں شرکت کرنا یہ ان کے نیک عمل تھے غرض یہ کہ ﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا﴾ سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے سستی اور کاہلی کی بناء پر جہاد سے تخلف کیا۔ ان کے پاس اعمال صالحہ بھی تھے جن کو ان لوگوں نے اعمال سیئہ کے ساتھ ملایا پر اپنے قصور کا اعتراف کیا امید ہے کہ عن قریب اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے ان کو کھولا اور قبول توبہ کی بشارت ان کو سنائی جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ ہماری توبہ قبول ہوئی تو یہ لوگ اپنا مال لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ان مالوں نے ہی ہم کو غزوہ میں جانے سے روکا تھا اب ہم اپنی توبہ کے قبول ہونے کے شکریہ میں اپنا یہ مال راہ خدا میں بطور صدقہ پیش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ ان کو قبول فرمائیے اور ہمارے لیے خدا سے مغفرت مانگئے اس پر یہ اگلی آیت نازل ہوئی۔ آپ ان کے مالوں سے جو صدقہ اور خیرات یہ لے کر آئے ہیں کچھ لے لیجئے تاکہ آپ اس صدقہ وخیرات کے سبب سے ان کو گناہ کی نجاست سے پاک وصاف کردیں یا مال کی محبت سے ان کے ظاہر و باطن کو پاک وصاف کردیں۔ اور ان کو بابرکت بنادیں کہ مقصرین کی منزل سے نکل کر کاملین کے درجہ پر پہنچ جائیں اور آپ ان کے حق میں دعاء خیر بھی کیجئے تحقیق بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لیے موجب تسکین ہے آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے ان کو سکینت وطمانینت حاصل ہوگی اور ان کے دلوں کا اضطراب دور ہوگا اور اللہ سننے والا ہے تیری دعا کو اور ان کی توبہ اور ندامت کو جاننے والا ہے کہ وہ اس کے اہل اور مستحق ہیں۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ نے ان کا تہائی مال قبول فرمایا اور دو تہائی واپس فرمادیا کیونکہ خدا نے یہ فرمایا کہ ان کے مالوں میں سے کچھ لے لیجئے اور یہ نہیں فرمایا کہ صدقہ میں ان کا کل مال لے لیجئے کیا لوگوں نے یہ نہیں جانا کہ اللہ جو ہے وہ توبہ قبول کرتا ہے اور جو لوگ صدق دل سے خدا کی راہ میں خیرات وصدقات لے کر آتے ہیں ان کو لے لیتا ہے یعنی ان کے صدقات کو قبول کرلیتا ہے لہٰذا اس قانون کو یاد رکھیں کہ اگر آئندہ کوئی خطا سرزد ہوجائے تو توبہ کریں اور حسب توفیق خدا کی راہ میں صدقہ اور خیرات کریں اور منافقین کو بھی چاہئے کہ ان مخلصین صادقین کی طرح صدق دل سے توبہ کریں اور راہ خدا میں صدقہ دیں اور کیا ان کو معلوم نہیں کہ اللہ جو ہے وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے توبہ قبول کرنے کے بعد مہربانی فرماتا ہے اور یہ ترغیب تھی اب آگے ترہیب ہے آپ ﷺ ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ جو چاہے عمل کرو اللہ اور اس کا رسول اور مومنین تمہارے عمل کو دیکھیں گے اور اس کے مطابق تم سے معاملہ کریں گے اور قیامت کے دن تم عالم الغیب والشھادۃ یعنی پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے۔ پس خبر دے گا وہ تمہیں تمہارے اعمال کی اور ان کے مطابق تم کو جزا دے گا۔

ذکر قسم دوم

قال تعالیٰ: ﴿وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ﴾ الآیۃ

ان آیات میں مومنین متخلفین کی قسم دوم کا ذکر ہے یہ تین آدمی تھے کعب بن مالک اور ہلال بن امیہ اور مرارۃ بن ربیع رضی اللہ عنہم ان تینوں آدمیوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے تو نہیں باندھا تھا مگر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے گناہ کا اقرار کیا آپ ﷺ نے حکم دیا کہ کوئی مسلمان ان سے بات نہ کرے اور نہ ان کے پاس بیٹھے۔ ان کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ اللہ کے حکم پر موقوف رکھا گیا ہے یعنی جن کا معاملہ اللہ کے حکم کے انتظار میں التواء میں رکھا گیا ہے یا تو اللہ ان کو سزا دے یا ان پر مہربانی فرمائے کہ ان کی خطا کو معاف کرے اور ان کی توبہ کو قبول کرے یعنی ان کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے چاہے ان کو جہاد سے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے سزا دے یا ان کو اپنی رحمت سے معاف کرے اللہ جاننے والا ہے نیتوں کو حکمت والا ہے ہر ایک کے ساتھ اس کی نیت کے مطابق معاملہ کرتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ

اور جنہوں نے بنائی ہے ایک مسجد ضد پر اور کفر پر اور پھوٹ ڈالنے کو مسلمانوں میں اور گھات لگانے کو اس شخص کی جو

اور جنہوں نے بنائی ہے ایک مسجد ضد پر اور کفر پر، اور پھوٹ ڈالنے کو مسلمانوں میں، اور تاک (گھات کی جگہ) اس شخص کی جو

حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ

لڑ رہا ہے اللہ سے اور اس کے رسول سے پہلے سے اور وہ قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو بھلائی ہی چاہی تھی اور اللہ گواہ ہے کہ

لڑ رہا ہے اللہ سے اور رسول سے، آگے کا، اور اب قسمیں کھاویں گے، کہ ہم نے بھلائی ہی چاہی تھی۔ اور اللہ گواہ ہے کہ

لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ

وہ جھوٹے ہیں ف۱ تو نہ کھڑا ہو اس میں کبھی البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد دھری گئی پرہیزگاری پر اول دن سے وہ لائق ہے کہ تو

وہ جھوٹے ہیں۔ تو نہ کھڑا ہو اس میں کبھی۔ جس مسجد کی بنیاد دھری پرہیزگاری پر پہلے دن سے، وہ لائق ہے کہ تو

ف۱ پہلے ان لوگوں کا ذکر تھا جن سے بظاہر ایک برا کام ہو گیا (تخلف عن الجہاد) مگر صحت اعتقاد اور اعتراف خطا کی بدولت معافی مل گئی۔ یہاں ایسی جماعت کا بیان ہے جنہوں نے بظاہر اچھا کام کیا (تعمیر مسجد) لیکن بد اعتقادی کی وجہ سے وبال بن گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے آئے تو اول مدینہ سے باہر" بنی عمرو بن عوف" کے محلہ میں فروکش ہوئے۔ پھر چند روز بعد شہر مدینہ میں تشریف لے گئے اور مسجد نبوی تعمیر کی، اس محلہ میں جہاں آپ بیشتر نماز پڑھتے تھے وہاں کے لوگوں نے مسجد تیار کر لی جو مسجد قباء کے نام سے مشہور ہے۔ اکثر ہفتہ کے روز وہاں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے اور بڑی فضیلت اس کی بیان فرماتے تھے۔ بعض منافقین نے چاہا کہ پہلوں کی ضد پر اسی کے قریب ایک اور مکان مسجد کے نام سے تعمیر کریں۔ اپنی جماعت جدا ٹھہرائیں اور بعض سادہ دل مسلمانوں کو مسجد قبا سے ہٹا کر ادھر لے آئیں۔ فی الحقیقت اس ناپاک تجویز کا محرک اصلی ایک شخص ابو عامر راہب خزرجی تھا۔ ہجرت سے پہلے اس شخص نے نصرانی بن کر راہبانہ زندگی اختیار کر لی تھی۔ مدینہ اور آس پاس کے لوگ خصوصاً قبیلہ خزرج اس کے زہد و درویشی کے معتقد تھے اور بڑی تعظیم کرتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدوم میمنت لزوم سے جب مدینہ میں ایمان و عرفان کا آفتاب چمکا تو اس طرح کے درویشوں کا بھرم کھلنے لگا۔ بھلا نور آفتاب کے سامنے چراغ مردہ کو کون پوچھتا۔ ابو عامر یہ دیکھ کر چراغ پا ہو گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اسلام کی دعوت دی اور فرمایا کہ میں ٹھیک ملت ابراہیمی لے کر آیا ؎

تَقُوْمَ فِيْهِ ۭ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝۱۰۸ اَفَمَنْ اَسَّسَ

کھڑا ہو اس میں اس میں ایسے لوگ ہیں جو دوست رکھتے ہیں پاک رہنے کو اور اللہ دوست رکھتا ہے پاک رہنے والوں کو ف۱ بھلا جس نے بنیاد

کھڑا ہو اس میں۔ اس میں وہ مرد ہیں جن کو خوشی ہے پاک رہنے کی۔ اور اللہ چاہتا ہے ستھرائی والوں کو۔ بھلا جس نے بنیاد

= ہوں۔ کہنے لگا کہ میں پہلے سے اس پر قائم ہوں لیکن تم نے اپنی طرف سے ملت ابراہیمی میں اس کے خلاف چیزیں داخل کر دی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت زور سے اس کی تردید فرمائی۔ آخر اس کی زبان سے نکلا کہ جو ہم میں سے جھوٹا ہو خدا اس کو وطن سے دور یکہ وتنہا غربت و بے کسی کی موت مارے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آمین" خدا ایسا ہی کرے۔ جنگ بدر کے بعد جب اسلام کی جڑیں مضبوط ہو گئیں اور مسلمانوں کا عروج و فروغ حاسدوں کی نگاہوں کو خیرہ کرنے لگا۔ ابو عامر کو تاب نہ رہی۔ بھاگ کر مکہ پہنچا۔ تاکہ کفار مکہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں چڑھا کر لائے۔ چنانچہ معرکہ احد میں قریش کے ساتھ خود آیا۔ مبارزہ شروع ہونے سے پہلے آگے بڑھ کر انصار مدینہ کو جو عہد جاہلیت میں اس کے بڑے معتقد تھے خطاب کر کے اپنی طرف مائل کرنا چاہا۔ احمق یہ نہ سمجھا کہ پیغمبرانہ تصرف کے سامنے اب وہ پرانا جادو کہاں چل سکتا ہے۔ آخر انصار نے جو اسے پہلے راہب کہہ کر پکارتے تھے جواب دیا کہ او فاسق دشمن خدا! تری آنکھ خدا کبھی ٹھنڈی نہ کرے۔ کیا رسول خدا کے مقابلہ میں ہم تیرا ساتھ دیں گے؟ انصار کا مایوس کن جواب سن کر کچھ حواس درست ہوئے اور غیظ میں آ کر کہنے لگا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آئندہ جو قوم بھی تیرے مقابلہ کے لیے اٹھے گی میں برابر اس کے ساتھ رہوں گا۔ چنانچہ جنگ حنین تک ہر معرکہ میں کفار کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے لڑتا رہا۔ احد میں اسی کی شرارت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چشم زخم پہنچا۔ دونوں صفوں کے درمیان اس نے پوشیدہ طور پر کچھ گڑھے کھدوا دیئے تھے۔ وہیں چہرہ مبارک کے زخمی ہونے اور دندان مبارک شہید ہونے کا واقعہ پیش آیا حنین کے بعد جب ابو عامر نے محسوس کر لیا کہ اب عرب کی کوئی طاقت اسلام کو کچلنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی تو بھاگ کر ملک شام پہنچا۔ اور منافقین مدینہ کو خط لکھا کہ میں قیصر روم سے مل کر ایک لشکر جرار محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابلہ میں لانے والا ہوں جو چشم زدن میں ان کے سارے منصوبے خاک میں ملا دے گا اور مسلمانوں کو بالکل پامال کر کے چھوڑے گا۔ (العیاذ باللہ) تم فی الحال ایک عمارت مسجد کے نام سے بنا لو۔ جہاں نماز کے بہانے سے جمع ہو کر اسلام کے خلاف ہر قسم کے سازشی مشورے ہو سکیں۔ اور قاصد تم کو وہیں میرے خطوط وغیرہ پہنچا دیا کرے اور میں بذات خود آؤں تو ایک موزوں جگہ ٹھہرنے اور ملنے کی ہو۔ یہ خبیث مقاصد تھے جن کے لیے مسجد ضرار تعمیر ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو بہانہ یہ کیا کہ یا رسول اللہ! خدا کی قسم ہماری نیت بری نہیں بلکہ بارش اور سردی وغیرہ میں بالخصوص بیماروں، ناتوانوں اور ارباب حوائج کو مسجد قبا تک جانا دشوار ہوتا ہے۔ اس لیے یہ مسجد بنائی گئی ہے تاکہ نمازیوں کو سہولت ہو اور مسجد قبا میں تنگی مکان کی شکایت نہ رہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ وہاں چل کر نماز پڑھ لیں تو ہمارے لیے موجب برکت وسعادت ہو۔ یہ اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز عمل دیکھ کر بعض سادہ دل مسلماں حسن ظن کی بنا پر ان کے جال میں پھنس جائیں۔ آپ اس وقت تبوک جانے کے لیے پابہ رکاب تھے۔ فرمایا کہ اللہ نے چاہا تو واپسی پر ایسا ہو سکے گا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس ہو کر بالکل مدینہ کے نزدیک پہنچ گئے، تب جبرائیل علیہ السلام یہ آیات لے کر آئے جن میں منافقین کی ناپاک اغراض پر مطلع کر کے مسجد ضرار کا پول کھول دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک بن خشم اور معن بن عدی کو حکم دیا کہ اس مکان کو (جس کا نام از راہ خداع و فریب مسجد رکھا تھا) گرا کر پیوند زمین بنا دو۔ انہوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور جلا کر خاک سیاہ کر دیا اس طرح منافقین اور ابو عامر فاسق کے سب ارمان دل کے دل میں رہ گئے اور ابو عامر اپنی دعا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمین کے موافق قنسرین (ملک شام) میں تنہا سخت بے کسی کی موت مرا۔ ﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ آیت میں "حسن حارب اللہ ورسولہ" سے یہی ابو عامر فاسق مراد ہے۔

ف۱ یعنی اس مسجد میں جس کی بنیاد محض ضد، کفر و نفاق، عداوت اسلام اور مخالفت خدا اور رسول پر رکھی گئی۔ آپ کبھی نماز کے لیے کھڑے نہ ہوں۔ آپ کی نماز کے لائق وہ مسجد ہے جس کی بنیاد اول دن سے تقویٰ اور پرہیزگاری پر قائم ہوئی (خواہ مسجد نبوی ہو یا مسجد قبا) اس کے نمازی گناہوں اور شرارتوں اور ہر قسم کی نجاستوں سے اپنا ظاہر و باطن پاک و صاف رکھنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اسی لیے خدائے پاک ان کو محبوب رکھتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل قبا سے دریافت کیا کہ تم طہارت و پاکیزگی کا کیا خاص اہتمام کرتے ہو، جو حق تعالیٰ نے تمہاری تطہیر کی مدح فرمائی۔ انہوں نے کہا کہ ڈھیلے کے بعد پانی سے استنجا کرتے ہیں۔ یعنی عام طہارت ظاہری و باطنی کے علاوہ وہ لوگ اس چیز کا معتاد سے زائد اہتمام رکھتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آیت میں مسجد قبا کا ذکر ہے۔ لیکن بعض روایات صریح میں ہے کہ "لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى" سے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد ہے۔ علماء نے اس پر بہت کچھ کلام کیا ہے۔ ہم نے شرح صحیح مسلم میں اس کے متعلق اپنا ناقص خیال ظاہر کر کے روایات میں تطبیق دی ہے یہاں اس کے بیان کا موقع نہیں۔

بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ

رکھی اپنی عمارت کی اللہ سے ڈرنے پر اور اس کی رضامندی پر وہ بہتر یا جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی کنارہ پر ایک کھائی کے جو گرنے کو ہے

دھری اپنی عمارت کی پرہیزگاری پر اللہ سے، اور رضامندی پر، وہ بہتر یا جس نے نیو رکھی اپنی عمارت کی کنارہ پر ایک کھائی کے جو ڈھیتا ہے،

فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ

پھر اس کو لے کر ڈھے پڑا دوزخ کی آگ میں ف۱ اور اللہ راہ نہیں دیتا ظالم لوگوں کو ف۲ ہمیشہ رہے گا اس عمارت سے جو

پھر اس کو لے کر ڈھے پڑا دوزخ کی آگ میں۔ اور اللہ راہ نہیں دیتا بے انصاف لوگوں کو۔ ہمیشہ رہے گا اس عمارت سے جو

بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع ۱۳

انہوں نے بنائی تھی شبہ ان کے دلوں میں مگر جب ٹکڑے ہو جائیں ان کے دل کے اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے ف۳

بنائی تھی شبہ ان کے دل میں، مگر جب ٹکڑے ہو جاویں ان کے دل۔ اور اللہ سب جانتا ہے حکمت والا۔

ذکر مسجد ضرار و مسجد تقویٰ

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا... الی... وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾

ربط:...... اوپر سے مسلسل منافقین کا ذکر چلا آ رہا ہے اب ان آیات میں منافقین کی ایک خاص خباثت کا ذکر ہے وہ یہ کہ انہوں نے مسجد قباء کے مقابلہ میں اور ضد میں ایک مسجد بنائی جس کا مقصد یہ تھا کہ مسجد کے نام سے منافقین کا ایک دفتر اور ایک اڈہ قائم ہو جائے۔ جس میں جمع ہو کر آنحضرت ﷺ کے خلاف مشورے کیا کریں نام اس کا مسجد ہو اور حقیقت میں اس کی منافقین کی ایک انجمن ہو جس کا قصہ یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے آئے تو اول مدینہ سے باہر قباء میں فروکش ہوئے چند روز وہاں قیام کر کے مدینہ میں تشریف لے گئے اور مسجد نبوی کی تعمیر کی۔ قباء والوں نے بھی ایک مسجد تیار کر لی۔ جو مسجد قباء کے نام سے مشہور ہوئی۔ آنحضرت ﷺ اکثر ہفتہ کے روز وہاں جاتے اور دو رکعت نماز پڑھتے منافقین نے چاہا کہ ہم بھی اہل قباء کی ضد پر ایک مسجد بنائیں اور اس میں جمع ہو کر اسلام کی ضرر رسانی کے مشورے کیا کریں اور بعض سادہ دل مسلمان بھی قریب ہونے کی وجہ سے اس مسجد میں نماز پڑھنے آ جایا کریں گے اس طرح سے مسلمانوں

ف۱ یعنی جس کام کی بنیاد تقویٰ، یقین و اخلاص اور خدا کی رضا جوئی پر ہو، وہ نہایت مستحکم اور پائیدار ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے جس کام کی بنا شک و نفاق اور مکر و خداع پر ہو، وہ اپنی ناپائداری، بودے پن اور انجام بد کے لحاظ سے ایسا ہے جیسے کوئی عمارت ایک کھائی کے کنارہ پر کھڑی کی جائے کہ ذرا زمین سرکی یا پانی کی تھپیڑ کنارہ کو لگی، ساری عمارت دھڑام سے نیچے آ رہی اور آخر کار دوزخ کے گڑھے میں جا پہنچی۔

ف۲ یعنی بظاہر کوئی نیک عمل بھی کریں (جیسے مسجد بنانا) ظلم و ناانصافی کی شامت سے بن نہیں پڑتا۔

ف۳ "ریبہ" کا ترجمہ کیا ہے "شبہ" جس سے مراد نفاق ہے۔ یعنی اس عمل بد کا اثر یہ ہوا کہ ہمیشہ ان کے دلوں میں (جب تک موت انہیں پارہ پارہ نہ کر ڈالے) نفاق قائم رہے گا۔ جیسے اسی سورۃ میں پہلے گزر چکا۔ ﴿فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ﴾ بعض مترجمین نے "ریبہ" کے معنی کیے ہیں "کھٹکا" یعنی جو عمارت انہوں نے ناپاک مقاصد کے لیے بنائی تھی۔ مگر حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو مطلع کر کے ان کے تمام پلید مقاصد کا خاتمہ کر دیا، اس کا خیال ہمیشہ ان کے دلوں میں کانٹا سا کھٹکتا رہے گا۔ والراجح عند السلف ھو الاول کما حکی ابن کثیر۔

کے کچھ آدمی ٹوٹ کر ادھر آ جائیں گے۔

اس ناپاک تجویز کا اصل محرک حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ صحابی کا باپ ابو عامر راہب خزرجی تھا۔ جو ہجرت سے پہلے نصرانی بن گیا تھا اور راہبانہ زندگی اختیار کر لی تھی مدینہ کے آس پاس کے لوگ اس کے زہد اور درویشی کے بڑے معتقد ہو گئے تھے اور اس کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ اور اس کو اپنا رئیس اور سردار کہنے لگے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آفتاب رسالت کے سامنے اس کی ریاست کا چراغ مردہ بالکل گل ہو گیا اس لیے اس کو اپنی ریاست کے زائل ہونے کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص عداوت اور حسد پیدا ہو گیا بہت ہاتھ پیر مارے مگر کچھ نہ ہو سکا جنگ بدر میں جب اسلام کو غلبہ نصیب ہوا تو یہی ابو عامر، قریش کو اکسا کر احد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں لایا اور خود بھی ساتھ آیا اس کے بعد بھی برابر سازشیں کرتا رہا اور جو جماعت بھی مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے اٹھی ابو عامر نے اس کا ساتھ دیا اس نے یہ عہد کیا تھا کہ جو قوم بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ لڑے گی اس کے ساتھ ہو کر میں بھی لڑوں گا بالآخر جب جنگ حنین میں ہوازن کو شکست ہوئی تو وہ بھاگ کر شام چلا گیا اور وہاں سے مدینہ کے منافقوں کو یہ پیغام بھیجا کہ جہاں تک ہو سکے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابلہ کے لیے قوت اور ہتھیار جمع کرو اور میرے لیے ایک مسجد بناؤ میں عنقریب قیصر روم کے پاس جاتا ہوں اور اس کو مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے آمادہ کرتا ہوں اور وہاں سے ایک لشکر جرار اپنے ساتھ لاؤں گا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو مدینہ سے نکال دوں گا اس کے اشارہ سے منافقوں نے مسجد قباء کے مقابلہ میں مسجد بنائی تاکہ مسجد قباء کے نمازی ٹوٹ کر اس میں آنے لگیں اور یہ لوگ اس میں جمع ہو کر اپنے کفر اور نفاق کے متعلق مشورے کیا کریں چنانچہ ان لوگوں نے یہ مسجد بنائی اور ابو عامر کے منتظر رہے کہ وہ آئے اور اس مسجد میں ٹھہرے۔

یہ مسجد اس وقت بنائی گئی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنگ تبوک کے لیے روانہ ہونے کا عزم فرما رہے تھے منافقوں نے آ کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے لوگوں کے لیے بارش وغیرہ میں آرام کی غرض سے یہ مسجد بنائی ہے تاکہ نمازیوں کو اور خاص کر بیماروں اور ناتوانوں کو سہولت رہے اس لیے ہماری یہ درخواست ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ وہاں جا کر نماز پڑھ لیں تو ہمارے لیے موجب برکت و سعادت ہو گا اور بالفاظ دیگر سادہ دل مسلمانوں کو جال میں پھنسانے کا موقعہ مل جائے گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت پابہ رکاب تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اب تو میں جا رہا ہوں ان شاء اللہ واپسی کے بعد ایسا ہو سکے گا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس ہو کر مدینہ کے قریب پہنچے تو جبرئیل امین علیہ السلام یہ آیات لے کر نازل ہوئے جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے ناپاک اغراض پر مطلع کر دیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں نماز پڑھنے بلکہ کھڑے ہونے کی بھی ممانعت کر دی گئی اور بتلا دیا گیا کہ اس مسجد کی اصل غرض ضرار ہے یعنی مسلمانوں کو ضرر پہنچانا ہے اسی وجہ سے یہ ''مسجد ضرار'' کے نام سے مشہور ہوئی اور بتلا دیا کہ مسجد قباء وہی مسجد تقویٰ ہے جو اس لائق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں جا کر کھڑے ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت مالک بن خشم رضی اللہ عنہ اور معن بن عدی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس مکان کو جس کا نام مکر و فریب کی راہ سے مسجد رکھا گیا ہے جا کر جلا دیں اور خاک کر دیں اور پیوند زمین بنا دیں چنانچہ فوراً حکم نبوی کی تعمیل ہوئی اور اس عمارت کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا

گیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور انہی منافقین ❶ میں سے وہ لوگ بھی ہیں جنہوں ایک مسجد بنائی اسلام اور مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کے لیے اور کفر کرنے کے لیے کہ اس میں بیٹھ کر اسلام کے خلاف مشورے کیا کریں گے اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے کیونکہ جب دوسری مسجد بنے گی لامحالہ نمازیوں کی جماعت منتشر اور متفرق ہوجائے گی اور اس شخص کے لیے کمین گاہ اور جائے پناہ بنانے کے لیے جو اس مسجد کے بنانے سے پہلے اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کر چکا ہے اس سے مراد ابو عامر راہب ہے جو جنگ احد اور جنگ حنین میں مسلمانوں کے مقابلہ میں لڑ چکا ہے منافقین نے یہ مسجد دشمن اسلام ابو عامر راہب کو پناہ دینے کے لیے بنائی تھی کہ جب وہ آیا کرے تو یہاں قیام کیا کرے منافقوں نے یہ مسجد مسلمانوں کو ضرر پہنچانے اور مسجد قباء کے اجاڑنے کے لیے بنائی تھی اس لیے یہ مسجد ضرار کے نام سے مشہور ہوئی اس وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ جو مسجد مسلمانوں کی مسجد کے مقابلہ میں بنائی جائے جیسے قادیانیوں اور شیعوں کی مسجدیں تو ایسی مسجدیں، مسجد ضرار کے حکم میں ہیں اور اے نبی! جب آپ ﷺ ان منافقین سے پوچھیں گے کہ تم نے بلاضرورت یہ مسجد کیوں بنائی تو وہ قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے اس کے بنانے میں سوائے بھلائی اور نیکی کے کوئی ارادہ نہیں کہ ضعیفوں اور عاجزوں کو دور جانے کی تکلیف اٹھانی نہ پڑے محض آسائش اور گنجائش کے لیے بنائی اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ اپنی قسم میں جھوٹے ہیں آپ ﷺ اس مسجد میں کبھی جا کر کھڑے بھی نہ ہوں چہ جائیکہ اس میں نماز پڑھیں۔ البتہ وہ مسجد کہ جس کی بنیاد اول روز سے تقویٰ پر رکھی گئی بہت لائق ہے کہ آپ ﷺ اس میں کھڑے ہوں اور اس میں نماز پڑھیں اس سے مراد مسجد قباء ہے آنحضرت ﷺ ہر شنبہ کے روز سوار یا پیادہ مسجد قباء تشریف لے جاتے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھتے۔ اس مسجد میں ایسے مرد ہیں کہ وہ خوب پاک صاف رہنے کو پسند کرتے ہیں اس مسجد کے نمازی طہارت کا بہت اہتمام رکھتے ہیں ڈھیلے کے بعد پانی سے استنجاء کرتے ہیں اور برابر طہارت ہی پر رہتے ہیں اور کبھی ناپاک نہیں سوتے اور اللہ دوست رکھتا ہے پاک صاف رہنے والوں کو جو اپنے ظاہر و باطن کی طہارت اور پاکی میں لگے رہتے ہیں۔ پس جب دونوں مسجدوں کا حال معلوم ہوگیا تو کیا جس شخص نے اپنی عمارت کی بنیاد خدا کے خوف اور اس کی خوشنودی پر رکھی ہو وہ بہتر ہے یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد ایسی کھائی کے کنارہ پر رکھی ہو جو گرنے والی ہو پھر وہ اس کو لے کر آتش دوزخ کے گڑھے میں جا گرے مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں عمارتیں برابر نہیں مسجد قباء کی بنیاد تقویٰ اور اخلاص پر ہے اور مسجد ضرار کی بنیاد نفاق اور مکر پر ہے اور ایسی عمارت ناپائیداری اور انجام بد کے لحاظ سے ایسی ہے جیسے کوئی عمارت پانی کی کمزور کھائی کے کنارہ پر بنائی جائے کہ جب پانی کے ذرا تھپیڑ لگے تو ساری عمارت ایک دم سے گرے اور اس کے رہنے والے سب کے سب تباہ اور برباد ہوں اسی طرح مسجد ضرار کی بنیاد جہنم کے کنارہ پر ہے وہ ان کو اپنے ساتھ لے کر جہنم میں گرے گی اور اللہ ظالم لوگوں کو راہ نہیں بتاتا کہ جس سے وہ منزل مقصود تک پہنچ جائیں یا کم از کم گرنے سے تو محفوظ ہو جائیں ہمیشہ رہے گی یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ان کے دلوں میں حسرت یا غیظ قلب یا قلق اور اضطراب کا سبب کیونکہ جس غرض سے وہ مسجد بنائی تھی وہ پوری نہ ہوئی اور قلعی کھل گئی اور آپ ﷺ نے اس کے گرانے کا حکم

❶ اشارہ اس طرف ہے کہ ﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا﴾ کا عطف ما قبل پر ہے اور یہ مبتدا ہے جس کی خبر منھم محذوف ہے۔ (روح المعانی: ۱۱/۱۶)

دیا جو ان کو غایت درجہ ناگوار گزرا اور ان کی حسرت اور پشیمانی کا سبب بنا اور ان کے غیظ قلب اور قلق اور اضطراب میں مزید اضافہ ہوا جب تک زندہ رہیں گے یہ حسرت اور قلق اور اضطراب ان کے دلوں میں رہے گا مگر یہ کہ ان کے دل پارہ پارہ ہو جائیں یعنی مر جائیں یا قتل ہو جائیں اس وقت یہ ارمان ختم ہو جائیں گے مطلب یہ ہے کہ مرتے دم تک یہ حسرت اور یہ قلق ان کے دلوں میں قائم رہے گا جب ان کی جان نکلے گی تب یہ حسرت بھی ختم ہوگی اور اللہ جاننے والا ہے کہ انہوں نے کس نیت سے عمارت بنائی تھی۔ حکمت والا ہے مسجد ضرار کے انہدام کا جو حکم دیا وہ عین حکمت اور عین مصلحت ہے اس سے منافقین کے نفاق کا پردہ چاک ہوا۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي

اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے ان کی جان اور ان کا مال اس قیمت پر کہ ان کے لیے جنت ہے لڑتے ہیں

اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے ان کی جان اور مال، اس قیمت پر کہ ان کو بہشت ہے۔ لڑتے ہیں

سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ

اللہ کی راہ میں پھر مارتے ہیں اور مرتے ہیں وعدہ ہو چکا اس کے ذمہ پر سچا تورات اور انجیل اور قرآن میں

اللہ کی راہ میں، پھر مارتے ہیں اور مرتے ہیں۔ وعدہ ہو چکا اس کے ذمہ پر سچا، توریت اور انجیل اور قرآن میں۔

وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ

اور کون ہے قول کا پورا اللہ سے زیادہ سو خوشیاں کرو اس معاملہ پر جو تم نے کیا ہے اس سے اور یہی ہے بڑی

اور کون ہے قول کا پورا اللہ سے زیادہ ؟ سو خوشیاں کرو اس معاملت پر، جو تم نے کی ہے اس سے۔ اور یہی ہے بڑی

الْعَظِيمُ ﴿١١١﴾ التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ

کامیابی ف۱ وہ توبہ کرنے والے ہیں بندگی کرنے والے شکر کرنے والے بے تعلق رہنے والے ف۲ رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے

مراد ملنی۔ توبہ کرنے والے، بندگی کرنے والے، شکر کرنے والے، بے تعلق رہنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے،

ف۱ اس سے زیادہ سود مند تجارت اور عظیم الشان کامیابی کیا ہوگی کہ ہماری حقیری جانوں اور فانی اموال کا خداوند قدوس خریدار بنا۔ ہماری جان و مال جو فی الحقیقت اسی کی مملوک و مخلوق ہے محض ادنیٰ ملابست سے ہماری طرف نسبت کر کے "مبیع" قرار دیا جو "عقد بیع" میں مقصود بالذات ہوتی ہے۔ اور جنت جیسے اعلیٰ ترین مقام کو اس کا "ثمن" بتلایا جو مبیع تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جنت" میں وہ نعمتیں ہوں گی جن کو نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سنا اور نہ کسی بشر کے قلب پر ان کی کیفیات کا خطور ہوا اب خیال کرو کہ جان و مال جو برائے نام ہمارے کہلاتے ہیں، انہیں جنت کا ثمن نہیں بنایا نہ یہ کہا کہ حق تعالیٰ "بائع" اور ہم مشتری ہوتے، تلطف و نوازش کی حد ہوگئی کہ اس ذرا سی چیز کے (حالانکہ وہ بھی فی الحقیقت اسی کی ہے) معاوضہ میں جنت جیسی لازوال اور قیمتی چیز کو ہمارے لیے مخصوص کر دیا، جیسا کہ "بالجنۃ" کی جگہ "بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ" فرمانے سے ظاہر ہوتا ہے۔

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد
آنچہ در وہمت نیاید آں دہد

پھر یہ نہیں کہ ہمارے جان و مال خرید لیے گئے تو فوراً ہمارے قبضہ سے نکال لئے جائیں صرف اس قدر مطلوب ہے کہ جب موقع پیش آئے جان و=

الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ۗ وَبَشِّرِ

حکم کرنے والے نیک بات کا اور منع کرنے والے بری بات سے ف۱ اور حفاظت کرنے والے ان حدود کے جو باندھی اللہ نے اور خوشخبری سنا دے

حکم کرنے والے نیک بات کو اور منع کرنے والے بری بات سے، اور تھامنے والے حدیں باندھی اللہ کی۔ اور خوشخبری سنا

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

ایمان والوں کو ف۲

ایمان والوں کو۔

فضائل مجاہدین وبشارت مومنین کاملین وترغیب برتجارت آخرت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ ... الی ... وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

ربط:...... اوپر کی آیتوں میں ان منافقین کے فضائح اور قبائح کا بیان تھا۔ جنہوں نے جہاد سے کنارہ کشی کی تھی۔ اب ان آیات میں مجاہدین کے فضائل اور ان کی صفات فاضلہ کو بیان کرتے ہیں۔ جنہوں نے راہ خداوندی میں اپنی جاں بازی اور سرفروشی کے جوہر دکھائے جس سے مقصود جہاد کی ترغیب دینا ہے اور یہ بتلانا ہے کہ تم نے منافقین کا حال سن لیا۔ اور اس کے بعد مومنین مقصرین کا بھی حال معلوم کر لیا جن کی توبہ قبول ہوئی اب سنو کہ مومنین صادقین اور محبین مخلصین کیسے ہوتے ہیں ان کی صفات یہ ہیں جو اس آیت میں مذکور ہیں اور نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ ایسے مومنین کو بشارت سنا دیں اور مبارک باد دے

= مال، خدا کے راستہ میں پیش کرنے کے لیے تیار رہیں۔ دینے سے بخل نہ کریں خواہ وہ لیں یا نہ لیں۔ اسی کے پاس چھوڑے رکھیں۔ اسی لیے فرمایا ﴿يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ﴾ یعنی مقصود خدا کی راہ میں جان و مال حاضر کر دینا ہے۔ بعدہ مار یں یا مارے جائیں۔ دونوں صورتوں میں عقد بیع پورا ہو گیا اور یقینی طور پر ثمن کے مستحق ٹھہر گئے ممکن ہے کسی کو وسوسہ گزرتا کہ معاملہ تو بیشک بہت سود مند اور فائدہ بخش ہے لیکن ثمن نقد نہیں ملتا۔ اس کا جواب دیا۔ ﴿وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ﴾ یعنی زرثمن کے مارے جانے کا کوئی خطرہ نہیں۔ خدا تعالیٰ نے بہت تاکید واہتمام سے پختہ دستاویز لکھ دی ہے جس کا خلاف ناممکن ہے۔ کیا خدا سے بڑھ کر صادق القول، راست باز اور وعدہ کا پکا کوئی دوسرا ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ لہٰذا اس کا ادھار بھی دوسروں کے نقد سے ہزاروں درجہ پختہ اور بہتر ہو گا پھر مومنین کے لیے خوش ہونے اور اپنی قسمت پر نازاں ہونے کا اس سے بہتر کون سا موقع ہو گا کہ خود رب العزت ان کا خریدار بنے، اور اس شان سے بنے۔ سچ فرمایا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہ یہ وہ بیع ہے جس کے بعد اقالت کی کوئی صورت ہم باقی رکھنا نہیں چاہتے۔ حق تعالیٰ اپنے فضل سے ہم ناتوانوں کو ان مومنین کے زمرہ میں محشور فرمائے آمین۔

ف۲ بعض نے "سائحون" سے مراد روزہ دار لیے ہیں۔ کیونکہ روزہ دار کھانے پینے وغیرہ لذائذ ومرغوبات سے بے تعلق ہو کر روحانی مدارج اور ملکوتی مقامات کی سیر کرتا ہے۔ بعض کے نزدیک اس لفظ کا مصداق مہاجرین ہیں۔ جو گھر بار سے بے تعلق ہو کر" دارالاسلام" میں سکونت پذیر ہوتے ہیں۔ بعض نے" مجاہدین" کا ارادہ کیا ہے کہ مجاہد اپنی جان تک سے بے تعلق ہو کر خدا کے راستہ میں قربان ہونے کے لیے نکلتا ہے۔ بعض کی رائے میں یہ لفظ طلبہ علوم کے لیے ہے جو وطن، کنبہ، راحت وآسائش وغیرہ سب کو خیرباد کہہ کر طلب علم کے لیے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ بہرحال مترجم محقق نے جو ترجمہ کیا، اس میں ان سب اقوال کی گنجائش ہے مگر اکثر سلف کے نزدیک پہلی تفسیر مختار ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ شاید بے تعلق رہنے سے مراد یہ ہو کہ دنیا میں دل نہ لگائے۔

ف۱ یعنی خود درست ہونے کے ساتھ دوسروں کو بھی درست کرتے ہیں۔ گویا ان کا کام ہے عبادت حق اور خیر خواہی خلق۔

ف۲ یعنی نیکی بدی کی جو حدود حق تعالیٰ نے معین فرما دی ہیں، ان سے تجاوز نہ کرے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بے حکم شرع کوئی قدم نہ اٹھائے۔ یہ سب صفات ان مومنین کی ہوئیں۔ جو جان و مال سے خدا کے ہاتھ پر بک چکے ہیں۔

دیں اور بتلادیں کہ جہاد فی سبیل اللہ سے بڑھ کر کوئی سود مند تجارت نہیں۔ کما قال تعالیٰ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَٰرَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۞ تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَتُجَٰهِدُونَ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ بِأَمْوَٰلِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ﴾

تحقیق خرید لیا ہے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو کہ جان سے جہاد کریں اور مال کو راہ خدا میں خرچ کریں اس قیمت پر کہ ان کے لیے جنت ہے اور چونکہ اہل ایمان اپنی جانیں اور اپنے مال بمعاوضۂ جنت خدا تعالیٰ کے ہاتھ فروخت کر چکے ہیں اس لیے وہ خدا کی راہ میں قتال کرتے ہیں پھر کبھی تو دشمنوں کو قتل کرتے ہیں اور کبھی ان کے ہاتھوں سے قتل کیے جاتے ہیں تا کہ اپنی جانیں خدا کے سپرد کر کے ان کی قیمت یعنی جنت حاصل کر سکیں۔ اللہ نے اس خرید و فروخت پر جو جنت کا وعدہ فرمایا ہے وہ اللہ پر لازم ہے اور پکا اور سچا وعدہ ہے۔ جس میں زر ثمن کے مارے جانے کا کوئی خطرہ نہیں خدا تعالیٰ نے پختہ دستاویز لکھ دی ہے۔ توریت میں اور انجیل میں اور قرآن میں جنت کا یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بڑی بڑی کتابوں میں لکھ دیا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ مجاہدین کے لیے جنت کا قبالہ رجسٹری شدہ ہے اور خدا تعالیٰ سے بڑھ کر اپنے عہد کو پورا کرنے والا کون ہے پس اے اہل ایمان تم خوش رہو اپنی اس خرید و فروخت پر جو تم نے خدا تعالیٰ سے کی ہے اور یقین رکھو کہ اگر تم نے اپنی جان و مال خدا کے سپرد کر دی تو تم کو اس کی قیمت جنت ضرور ملے گی مطلب یہ ہے کہ تم کو اس خرید و فروخت پر خوشی منانی چاہئے کہ ایک عیب دار اور فانی چیز دے کر ایک بے عیب اور باقی رہنے والی چیز تم نے حاصل کر لی اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے تاجران آخرت کو چاہئے کہ خدا تعالیٰ سے ضرور یہ معاملہ کر لیں۔ مبادا وقت نہ نکل جائے سب کو معلوم ہے کہ جان و مال سرمایۂ طغیان و غرور ہے ان دو ناقص اور معیوب چیزوں کے بدلہ میں جنت کا سودا کر لینا جو سراسر خیر اور بے عیب ہے انتہائی کامیابی ہے۔

امید کہ از فضلت مردود نگردم من   چون شد بہمہ عیبی لطف تو خریدارم

چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی اور آپ ﷺ نے مسجد میں لوگوں کو سنائی تو ایک مرد انصاری ؓ چادر کھینچتا ہو کھڑا ہوا اور کہا کہ بیشک یہ بڑے نفع کا سودا ہے ہم اس بیع کا اقالہ نہ کریں گے۔ یعنی اس بیع کو کبھی فسخ نہ کریں گے یعنی اس سے بہتر کون سا موقعہ ہوگا کہ رب العزت ہم سے ایک ناقص اور معیوب چیز لے کر ہم کو اپنے فضل سے ایسی چیز دے دے جو ہمارے وہم و گمان سے بھی بڑھ کر ہو۔

آں بیع را کہ روز اول با تو کردیم   اصلا دریں حدیث اقالت نمی رود

اس شعر میں عہد الست کی طرف اشارہ ہے کہ وہ بھی در پردہ اسی قسم کی ایک بیع تھی۔

یہاں تک تو ان مومنین کی صفت جہاد و قتال کا ذکر تھا جنہوں نے اپنی جانوں اور مالوں کو خدا تعالیٰ کے ہاتھ فروخت کیا اب ان کی دیگر صفات فاضلہ کو بیان کرتے ہیں کہ ان مومنین میں خدا کی راہ میں جاں بازی اور سرفروشی کی صفت کے علاوہ یہ صفات جمیلہ بھی ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہ مسلمان جن سے اللہ نے جنت کا وعدہ کیا ہے گناہوں سے توبہ کرنے والے ہیں اور اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنے والے ہیں اور اللہ کی حمد و ثنا کرنے والے ہیں اور روزہ رکھنے والے ہیں۔ یا یہ معنی

ہیں کہ اللہ کی راہ میں سفر کرنے والے ہیں جس میں علم دین کے لیے سفر کرنا بھی شامل ہے اور رکوع اور سجدہ کرنے والے ہیں اور لوگوں کو اچھی بات کی ہدایت کرنے والے اور بری بات سے روکنے والے ہیں اچھی بات وہ ہے جس کے کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہے اور بری بات وہ ہے جس کے کرنے کی شریعت نے ممانعت کی ہے اور احکام الٰہی اور حدود شریعت کی حفاظت کرنے والے ہیں کہ شریعت کی حدود سے باہر نہیں جاتے اور اے نبی! ان مومنوں کو جو ان صفتوں کے ساتھ موصوف ہوں جنت کی خوشخبری سنا دیجئے تاکہ بشارت سن کر خوش ہوں اور شاداں وفرحاں جنت کی طرف اور دوڑیں۔ اور یہ کوشش کریں کہ اڑ کر جنت میں پہنچ جائیں۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ

لائق نہیں نبی کو اور مسلمانوں کو کہ بخشش چاہیں مشرکوں کی اور اگرچہ وہ ہوں قرابت والے

نہیں پہنچتا نبی کو اور مسلمانوں کو، کہ بخشش مانگیں مشرکوں کی، اور اگرچہ وہ ہوں ناتے والے،

مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿١١٣﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ

جب کہ کھل چکا ان پر کہ وہ ہیں دوزخ والے ف۱ اور بخشش مانگنا ابراہیم کا اپنے باپ کے واسطے سو نہ تھا مگر

جب کھل چکا ان پر کہ وہ ہیں دوزخ والے۔ اور بخشش مانگنا ابراہیم کا اپنے باپ کے واسطے، سو نہ تھا مگر

مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ

وعدہ کے سبب کہ وعدہ کر چکا تھا اس سے پھر جب کھل گیا ابراہیم پر کہ وہ دشمن ہے اللہ کا تو اس سے بیزار ہو گیا بیشک ابراہیم بڑا نرم دل تھا

وعدہ کے سبب، کہ وعدہ کر چکا تھا اس سے۔ پھر جب اس پر کھلا کہ وہ دشمن ہے اللہ کا، اس سے بیزار ہوا۔ ابراہیم بڑا نرم دل تھا

حَلِيمٌ ﴿١١٤﴾ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّىٰ يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُونَ ۚ إِنَّ

تحمل کرنے والا ف۲ اور اللہ ایسا نہیں کہ گمراہ کرے کسی قوم کو جب کہ ان کو راہ پر لا چکا جب تک کھول نہ دے ان پر جس سے ان کو بچنا چاہیے

تحمل والا۔ اور اللہ ایسا نہیں کہ گمراہ کرے کسی قوم کو جب ان کو راہ پر لا چکا، جب تک کھول نہ دے ان پر جس سے ان کو بچنا۔

ف۱ مومنین جب جان ومال سے خدا کے ہاتھوں بیع ہو چکے تو ضروری ہے کہ تنہا اسی کے ہو کر رہیں۔ اعداء اللہ سے جن کا دشمن خدا اور جہنمی ہونا معلوم ہو چکا ہو محبت ومہربانی کا واسطہ نہ رکھیں۔ خواہ دشمنان خدا ان کے ماں باپ، چچا، تایا اور خاص بھائی بندے ہی کیوں نہ ہوں۔ جو خدا کا باغی اور دشمن ہے وہ ان کا دوست کیسے ہو سکتا ہے۔ پس جس شخص کی بابت پتہ چل جائے کہ وہ بالیقین دوزخی ہے۔ خواہ وحی الٰہی کے ذریعہ سے یا اس طرح کے اعلانیہ کفر وشرک پر اس کو موت آ چکی ہو، اس کے حق میں استغفار کرنا اور بخشش مانگنا ممنوع ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ بعض احادیث میں مذکور ہے کہ آپ کے چچا ابو طالب کے حق میں اتری۔ اور بعض نے نقل کیا ہے کہ مسلمانوں نے چاہا کہ اپنے آباء مشرکین کے لیے جو مر چکے تھے استغفار کریں۔ اس آیت میں ان کو منع کیا گیا۔ بہر حال شان نزول کچھ ہو، حکم یہ ہے کہ کفار ومشرکین کے حق میں جن کا خاتمہ کفر وشرک پر معلوم ہو جائے، استغفار جائز نہیں۔ (تنبیہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں علمائے اسلام کے اقوال بہت مختلف ہیں۔ بعض نے ان کو مومن وناجی ثابت کرنے کے لیے مستقل رسائل لکھے ہیں۔ اور شراح حدیث نے محدثانہ ومتکلمانہ بحثیں کی ہیں۔ احتیاط وسلامت روی کا طریقہ اس مسئلہ میں یہ ہے کہ زبان بند رکھی جائے۔ اور ایسے نازک مباحث میں خوض کرنے سے احتراز کیا جائے حقیقت حال کو خدا ہی جانتا ہے اور وہ ہی تمام مسائل کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے والا ہے۔

ف۲ سورۂ مریم میں ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ نے قبول حق سے اعراض کیا اور ضد وعناد سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قتل کی دھمکیاں =

اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا

بیشک اللہ ہر چیز سے واقف ہے ف۱ اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں جلاتا ہے اور مارتا ہے اور تمہارا

اللہ سب چیز سے واقف ہے۔ اللہ جو ہے اس کی سلطنت ہے آسمان و زمین میں۔ جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ اور تم کو

لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾

کوئی نہیں اللہ کے سوا حمایتی اور نہ مددگار ف۲

کوئی نہیں اللہ کے سوا حمایتی نہ مددگار۔

مشرکین اور کفار کے لیے دعاء مغفرت کی ممانعت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ ... الى ... مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ﴾

ربط: ...... شروع سورت میں کفار اور مشرکین سے براءت اور بے زاری کا ذکر تھا۔ بعد ازاں منافقین کے ذمائم اور مجاہدین کے فضائل بیان کیے اب اسی تبری اور بے زاری کی تاکید کے لیے یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جس طرح زندگی میں کفار اور مشرکین سے براءت اور بے زار ایمان کے لوازم میں سے ہے اسی طرح ان کے مرنے کے بعد ان سے تبری اور بے زاری ایمان کے لوازم میں سے ہے کہ مرنے کے بعد نہ کافر کا جنازہ پڑھنا جائز ہے اور نہ اس کی قبر پر کھڑا ہونا جائز ہے اور نہ اس کے لیے دعاء مغفرت جائز ہے اگرچہ وہ مسلمانوں کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں کما قال تعالیٰ: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ

= دینے لگا، تو آپ نے والدین کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے فرمایا۔ ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا﴾ یعنی میں خدا سے تیرے لیے استغفار کروں گا۔ اس وعدہ کے موافق آپ برابر استغفار کرتے رہے چنانچہ دوسری جگہ " وَاغْفِرْ لِاَبِيْ "فرمانے کی تصریح ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ابراہیم علیہ السلام ایک مشرک کی حالت شرک پر قائم رہتے ہوئے مغفرت چاہتے تھے، نہیں غرض یہ تھی کہ اللہ اس کو توفیق دے کہ حالت شرک سے نکل کر آغوش اسلام میں آجائے اور قبول اسلام اس کی خطاؤں کے معاف ہونے کا سبب بنے۔ "اِنَّ الْاِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ" ابراہیم علیہ السلام کے استغفار کو قرآن میں پڑھ کر بعض صحابہ کے دلوں میں خیال آیا کہ ہم بھی اپنے مشرک والدین کے حق میں استغفار کریں اس کا جواب حق تعالیٰ نے دیا کہ ابراہیم نے وعدہ کی بنا پر صرف اس وقت تک اپنے باپ کے لیے استغفار کیا جب تک یقینی طور سے یہ واضح نہیں ہوا تھا کہ اسے کفر وشرک اور خدا کی دشمنی پر مرنا ہے۔ کیونکہ مرنے سے پہلے احتمال تھا کہ توبہ کر کے مسلمان ہو جائے اور بخشا جائے پھر جب کفر وشرک پر خاتمہ ہونے سے صاف کھل گیا کہ وہ حق کی دشمنی سے باز آنے والا نہ تھا، تو ابراہیم علیہ السلام اس سے بالکلیہ بیزار ہو گئے۔ اور دعاء واستغفار وغیرہ ترک کر دیا۔ پہلے نرم دلی اور شفقت سے دعاء کرتے تھے۔ جب توبہ ورجوع کے احتمالات منقطع ہو گئے، تو آپ نے اس کی خیر خواہی سے ہاتھ اٹھا لیا۔ اور اس حادثہ کو پیغمبرانہ صبر وتحمل سے برداشت کیا۔ حدیث میں ہے کہ محشر میں ابراہیم علیہ السلام عرض کریں گے کہ خداوندا! تیرا وعدہ ہے کہ مجھے رسوا نہ کرے گا۔ مگر اس سے زیادہ کیا رسوائی ہوگی کہ آج میرا باپ سب کے سامنے دوزخ میں پھینکا جائے۔ اسی وقت ان کے باپ کی صورت مسخ ہو کر ضبع (کفتار) کی سی ہو جائے گی اور فرشتے گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیں گے۔ شاید یہ اس لیے ہو کہ لوگ اسے پہچان نہ سکیں۔ کیونکہ رسوائی کا دار و مدار شناخت پر ہے جب شناخت نہ رہے گی کہ کیا چیز دوزخ میں پھینکی گئی۔ پھر بیٹے کی رسوائی کا کچھ مطلب نہیں۔

ف۱ یعنی اتمام حجت اور اظہار حق سے پہلے خدا کسی کو گمراہ نہیں کرتا گمراہی یہ ہے کہ جب خدا اپنے احکام صاف کھول کر بیان کر چکا، پھر امتثال نہ کیا جائے۔ گویا اشارہ کر دیا کہ جو لوگ ممانعت سے قبل مشرکین کے لیے استغفار کر چکے ہیں ان پر مواخذہ نہیں، لیکن اب اطلاع پانے کے بعد ایسا کرنا گمراہی ہے۔

ف۲ جب اس کی سلطنت ہے تو اسی کا حکم چلنا چاہیے۔ وہ علم محیط اور قدرت کاملہ سے جو احکام نافذ کرے، بندوں کا کام ہے کہ بے خوف وخطر تعمیل کریں۔ کسی کی رو رعایت کو دخل نہ دیں، کیونکہ خدا کے سوا کوئی کام آنے والا نہیں۔

﴿وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ خلاصہ یہ ہے کہ گزشتہ آیات میں زندہ کافروں سے براءت اور بے زاری کا حکم تھا اب ان آیات میں مردہ کافروں سے براءت اور بے زاری کا حکم ہے اہل ایمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ مشرکوں اور کافروں کے لیے ان کے مرنے کے بعد دعاء مغفرت کریں اگرچہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔

ربط دیگر:...... گزشتہ آیت میں مؤمنین کو بشارت دینے کا حکم تھا اب اس آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ مشرکین بشارت کے تو کیا مستحق ہوتے ان کے لیے تو مرنے کے بعد دعا مغفرت بھی جائز نہیں مسلمان اگرچہ کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو مرنے کے بعد اس کے لیے استغفار جائز ہے مگر کافر اور مشرک کے لیے مرنے کے بعد استغفار جائز نہیں کفر اور شرک کسی حال میں قابل مغفرت نہیں کافر اور مشرک کے لیے استغفار جائز ہونے کی معنی یہ ہیں کہ کفر اور مشرک کی مغفرت کردی جائے اور یہ ناممکن اور محال ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ چنانچہ فرماتے ہیں نبی کے لیے اور اہل ایمان کے لیے یہ لائق نہیں کہ مشرکوں کے لیے مغفرت طلب کریں۔ اگرچہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں بعد اس کے کہ ان پر یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ مشرک دوزخ والے ہیں کفر کا ٹھکانہ ہی دوزخ ہے۔ مشہور قول یہ ہے کہ یہ آیت آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کے بارہ میں نازل ہوئی جب وہ کفر اور شرک پر مر گئے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے اپنے والدین کے لیے مغفرت کی دعاء مانگی اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اور شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے ایک ضعیف حدیث نقل کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے والدین زندہ کیے گئے اور وہ آپ ﷺ پر ایمان لائے اور پھر انتقال کر گئے اور علماء کی ایک جماعت نے اس بارہ میں سکوت کیا ہے اور سکوت ہی اولی اور اسلم معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم بحقیقة الحال وعلمه اتم واحکم۔

اور اگر کسی کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ سے شبہ ہو کہ انہوں نے اپنے مشرک باپ کے لیے دعاء مغفرت کی تھی سو اس کا جواب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا اپنے مشرک باپ کے لیے دعاء مغفرت کرنا محض ایک وعدہ کی بنا پر تھا جو انہوں نے اپنے باپ سے کر لیا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حال میں بیان فرمایا ہے کہ انہوں نے اپنے باپ سے کہا تھا ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ﴾ (اے باپ تم پر سلام ہو میں تمہارے لیے اپنے پروردگار سے مغفرت مانگوں گا) سو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ دعا مانگنا باپ کی زندگی میں تھا اور ایک وعدہ کی بناء پر تھا۔ کیونکہ ان کو یہ طمع تھی کہ شاید میرا باپ اسلام لے آئے زندہ مشرک کے لیے دعاء مغفرت کے معنی دعاء ہدایت کے ہیں کہ اللہ اس کو ہدایت دے اس امید اور طمع پر باپ سے جو عدہ کیا تھا اس کو پورا کیا پھر جب ابراہیم علیہ السلام کو ظاہر ہو گیا کہ ان کا باپ اللہ کا دشمن ہے یعنی کفر پر مرا اور ایمان کی توفیق نہ پائی یا بذریعہ وحی کے معلوم ہو گیا کہ آزر، ایمان نہ لائے گا تو ابراہیم علیہ السلام اس سے بے زار ہو گئے اور دعائے مغفرت موقوف کردی۔ کیونکہ مرنے سے ایمان اور ہدایت کا وقت ختم ہوا مطلب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا اپنے مشرک باپ کے لیے دعاء مغفرت کرنا اس وعدہ کے پورا کرنے کے لیے تھا جو وہ کر چکے تھے پھر جب ان کو بذریعہ وحی کے یا ان کے کفر کے حالات پر مرنے سے ان کا ناری ہونا معلوم ہو گیا تو انہوں نے اس کے لیے دعا کرنی چھوڑ دی اور فوراً ان سے بے زار ہو گئے۔ تحقیق ابراہیم علیہ السلام بڑے نرم دل اور بردبار تھے باپ نے تو ابراہیم علیہ السلام کو دھمکی دی ﴿لَاَرْجُمَنَّكَ﴾ میں ضرور سنگسار کروں گا۔ اور ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا ﴿سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ﴾ میں تیرے واسطے اپنے رب سے مغفرت طلب کروں گا۔ غرض یہ کہ بعض مسلمانوں نے جب اپنے

مشرک اموات کے لیے استغفار شروع کی تو اس کی ممانعت کے لیے یہ آیت یعنی ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا﴾ الخ نازل ہوئی تو ان مسلمانوں کو ڈر ہوا کہ کہیں ہم پر مواخذہ نہ ہو تو اس پر تسلی کے لیے اگلی آیت نازل ہوئی جس میں یہ بتلا دیا گیا کہ جو لوگ ممانعت سے پہلے مشرکین کے لیے استغفار کر چکے ہیں ان پر کوئی مواخذہ نہیں لیکن اب نزول حکم کے بعد ایسا کرنا گم راہی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اللہ ایسا نہیں کہ کسی قوم پر ہدایت دیئے پیچھے گم راہی کا حکم لگائے تاوقتیکہ وہ ان پر اس چیز کو واضح نہ کردے جس سے وہ بچیں۔ جن مسلمانوں نے اپنے مشرک رشتہ داروں کے لیے استغفار کی تھی ان کو یہ خیال ہوا کہ ہم گم راہ ہو گئے خدا تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر ان کے وہم کو دور کر دیا اور بتلا دیا کہ تم گم راہ نہیں۔ اللہ ایسا نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد بغیر اس کے کہ ان پر وہ چیز ظاہر کرے جس سے وہ بچیں ان پر گم راہی کا حکم نہیں لگاتا۔ اللہ تعالیٰ نے تم کو ایمان دیا اور ہدایت دی اور ابھی تک یہ حکم نہیں دیا تھا کہ مشرکوں کے لیے استغفار نہ کرو تو ہم تم کو اس فعل پر کیسے گم راہ قرار دے سکتے ہیں جو تم نہی سے پہلے کر چکے ہو۔ بیشک اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ یعنی تمہارے دلوں میں جو خطرہ گزرا ہے وہ اسے معلوم ہے۔ تحقیق اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمینوں کی وہی زندہ کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے لہٰذا تم کو چاہئے کہ اس مالک الملکوت کے احکام پر چلو جس کی سلطنت تمام آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے اور اس کے دشمنوں سے بری اور بے زار رہو ان کی زندگی میں بھی اور ان کے مرنے کے بعد بھی اور اللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی یار و مددگار ہے جو تم کو اس کے قہر سے بچا سکے ممانعت سے پہلے جو کر چکے وہ معاف ہے البتہ نہی اور ممانعت کے بعد اگر تم نے حکم کی خلاف ورزی کی تو کوئی بچانے والا نہیں اگر خدا تعالیٰ سے تعلق رکھنا چاہتے ہو تو اس کے دشمنوں سے تعلق نہ رکھو۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ

اللہ مہربان ہوا نبی پر اور مہاجرین اور انصار پر جو ساتھ رہے نبی کے مشکل کی گھڑی میں ف۱

اللہ مہربان ہوا نبی پر اور مہاجرین اور انصار پر، جو ساتھ رہے نبی کے مشکل کی گھڑی میں،

بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾

بعد اس کے کہ قریب تھا کہ دل پھر جائیں بعضوں کے ان میں سے پھر مہربان ہوا ان پر بیشک وہ ان پر مہربان ہے رحم کرنے والا ف۲

بعد اس کے کہ قریب ہوئے کہ دل پھر جادیں بعضوں کے ان میں سے، پھر مہربان ہوا ان پر۔ وہ ان پر مہربان ہے رحم کرنے والا۔

ف۱ مشکل کی گھڑی سے مراد "غزوہ تبوک" کا زمانہ ہے جس میں کئی طرح کی مشکلات جمع تھیں۔ سخت گرمی، طویل مسافت، کھجور کا موسم، اس زمانہ کی عظیم الشان سلطنت کے مقابلہ پر فوج کشی، پھر ظاہری بے سر و سامانی ایسے کہ ایک ایک کھجور روزانہ دو دو سپاہیوں پر تقسیم ہوتی تھی۔ اخیر میں یہ نوبت پہنچ گئی کہ بہت سے مجاہدین ایک ہی کھجور کو یکے بعد دیگرے چوس کر پانی پی لیتے تھے۔ پھر پانی کے فقدان سے اونٹوں کی آلائش نچوڑ کر پینے کی نوبت آ گئی۔ سواری کا اتنا قحط تھا کہ دس دس آدمی ایک ایک اونٹ پر اترتے چڑھتے چلے جا رہے تھے۔ یہ ہی وہ جذبہ ایثار و فداکاری تھا جس نے مٹھی بھر جماعت کو تمام دنیا کی قوموں پر غالب کر دیا۔ فللہ الحمد والمنہ۔

ف۲ خدا کی مہربانیاں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر بے شمار ہیں۔ اور آپ کی برکت سے مہاجرین و انصار پر بھی حق تعالیٰ کی مخصوص توجہ اور مہربانی رہی ہے کہ ان کو ایمان و عرفان سے مشرف فرمایا، اتباع نبوی، جہاد فی سبیل اللہ اور عوائم امور کے سرانجام دینے کی ہمت و توفیق بخشی۔ پھر ایسے مشکل وقت میں جبکہ بعض مومنین کے قلوب بھی مشکلات اور صعوبتوں کا ہجوم دیکھ کر ڈگمگانے لگے تھے اور قریب تھا کہ رفاقت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے ہٹ جائیں۔ حق تعالیٰ نے دوبارہ مہربانی =

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ

اور ان تین شخصوں پر جن کو پیچھے رکھا تھا ف۱ یہاں تک کہ جب تنگ ہوگئی ان پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے اور تنگ ہوگئیں

اور ان تین شخص پر جن کو پیچھے رکھا تھا۔ یہاں تک کہ جب تنگ ہوئی ان پر زمین ساتھ اس کے کہ کشادہ ہے، اور تنگ ہوئی

عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ

ان پر ان کی جانیں اور سمجھ گئے کہ کہیں پناہ نہیں اللہ سے مگر اسی کی طرف پھر مہربان ہوا ان پر تاکہ وہ پھر آئیں

ان پر اپنی جان، اور اٹکلے (گمان کرنے لگے) کہ کوئی پناہ نہیں اللہ سے مگر اسی کی طرف۔ پھر مہربان ہوا ان پر، کہ وہ پھر آویں۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ ع ۱۴

بیشک اللہ ہی ہے مہربان رحم والا ف۲

اللہ ہی ہے مہربان رحم والا۔

=اور دست گیری فرمائی کہ ان کو اس قسم کے خطرات و وساوس پر عمل کرنے سے محفوظ رکھا اور مومنین کی ہمتوں کو مضبوط اور ارادوں کو بلند کیا۔

ف۱ یہ تین شخص کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن الربیع ہیں۔ جو باوجود مومن مخلص ہونے کے محض تن آسانی اور سہل انگاری کی بناء پر بدون عذر شرعی کے تبوک کی شرکت سے محروم رہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو نہ انہوں نے منافقین کی طرح جھوٹے عذر پیش کیے اور نہ بعض صحابہ کی طرح اپنے آپ کو ستونوں سے باندھا۔ جو واقعہ تھا صاف صاف عرض کر دیا، اور اپنی کوتاہی اور تقصیر کا اعلانیہ اعتراف کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ منافقین کی طرف سے بظاہر اغماض کر کے ان کے بواطن کو خدا کے سپرد کیا گیا۔ "اصحاب سواری" کی (یعنی جو مسجد کے ستونوں سے بندھے ہوئے تھے) توبہ قبول کر لی گئی۔ اور ان تینوں کا فیصلہ تا دیبا کچھ مدت کے لیے ملتوی رکھا گیا۔ پچاس دن گزرنے کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی پیچھے رکھے جانے کا یہی مطلب ہے جیسا کہ بخاری میں خود کعب بن مالک سے نقل کیا ہے۔

ف۲ ان تین میں سے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنا واقعہ نہایت شرح و بسط سے عجیب موثر طرز میں بیان فرمایا ہے۔ صحیح بخاری وغیرہ میں ملاحظہ کیا جائے۔ یہاں اس کے بعض اجزاء نقل کیے جاتے ہیں۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تبوک کی مہم چونکہ بہت سخت اور دشوار گزار تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو عام حکم تیاری کا دیا۔ لوگ مقدور و استطاعت کے موافق سامان سفر درست کرنے میں مشغول تھے مگر میں بے فکر تھا کہ جب چاہوں گا فوراً تیار ہو کر ساتھ چلا جاؤں گا۔ کیونکہ بفضل ایزدی اس وقت ہر طرح کا سامان مجھ کو میسر تھا۔ ایک چھوڑ دو سواریاں میرے پاس موجود تھیں میں اسی غفلت کے نشہ میں رہا ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس ہزار مجاہدین اسلام کو کوچ کا حکم دے دیا۔ مجھے اب بھی یہ خیال تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہو گئے تو کیا ہے، اگلی منزل پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملوں گا۔ آج چلوں کل چلوں اس امروز و فردا میں وقت نکل گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک پہنچ کر فرمایا "مافعل کعب بن مالك" (کعب بن مالک کو کیا ہوا)۔ بنی سلمہ کا ایک شخص بولا کہ یا رسول اللہ! اس کی عیش پسندی اور اعجاب و غرور نے نکلنے کی اجازت نہ دی۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تو نے بری بات کہی۔ خدا کی قسم ہم نے اس میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ گفتگو سن کر خاموش رہے۔ کعب کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد بہت زیادہ وحشت اس سے ہوتی تھی کہ سارے مدینہ میں پکے منافق یا معذور مسلمان کے سوا مجھے کوئی مرد نظر نہ پڑتا تھا۔ بہر حال اب دل میں طرح طرح کے جھوٹے منصوبے گانٹھنے شروع کیے کہ آپ کی واپسی پر فلاں عذر کر کے جان بچالوں گا۔ مگر جس وقت معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیر و عافیت سے واپس تشریف لے آئے، دل سے سارے جھوٹ فریب محو ہو گئے اور طے کر لیا کہ سچ کے سوا کوئی چیز اس بارگاہ میں نجات دلانے والی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں رونق افروز تھے، اصحاب کا مجمع تھا۔ منافقین جھوٹے حیلے بہانے بنا کر ظاہری گرفت سے چھوٹ رہے تھے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا۔ میرے سلام کرنے پر آپ نے غضب آمیز تبسم فرمایا اور غیر حاضری کی وجہ دریافت کی میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اگر اس وقت میں دنیا والوں میں سے کسی دوسرے کے سامنے ہوتا تو آپ دیکھتے کہ کس طرح زبان زوری اور چرب لسانی سے جھوٹے حیلے حوالے کر کے اپنے آپ کو صاف بچا لیتا۔ مگر یہاں تو معاملہ ایک ایسی ذات مقدس سے ہے جسے جھوٹ بول کر اگر میں راضی بھی کر لوں تو تھوڑی دیر کے بعد خدا اس کو سچی بات پر مطلع کر کے مجھ سے ناراض کر دے گا۔=

ذکر توجہات وعنایات خداوندی برمجاہدین غزوۂ تبوک
وذکر قبولیت توبۂ آں سہ کس کہ فیصلہ اوشاں ملتوی داشتہ بود

قَالَ اللهُ تَعَالىٰ: ﴿لَقَدْ تَّابَ اللهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ... الى... اِنَّ اللهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾

ربط: ...... چونکہ مسلمانوں کو غزوۂ تبوک میں بڑی محنت اور مشقت اٹھانی پڑی کیونکہ گرمی کی شدت تھی اور سفر بہت دراز تھا اور ساز وسامان بھی نہ تھا اور کچھ تھا بھی تو وہ برائے نام تھا اس لیے ایسی حالت میں اگر کسی وقت بمقتضائے بشریت وبنا برضعف طبیعت کچھ خیالات اور وسوسے آئیں تو وہ اگرچہ گناہ اور قابل مؤاخذہ نہیں مگر مقربین اور محبین مخلصین کے شایان شان نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اپنے محبین مخلصین کو اس قسم کے خطرات کی معافی کا تمغہ عطا فرمایا اور بتلا دیا کہ جن مخلصین نے ایسے مشکل وقت میں ہمارے نبی ﷺ کا ساتھ دیا اور از اول تا آخر آپ ﷺ کے ہم رکاب رہے ان پر ہماری خاص الخاص توجہات اور عنایات نازل ہوئیں اور ان کی سابق لغزشوں اور خطاؤں کو معاف کیا۔

= برخلاف اس کے سچ بولنے میں گو تھوڑی دیر کے لیے آپ کی خفگی برداشت کرنی پڑے گی لیکن امید کرتا ہوں کہ خدا کی طرف سے اس کا انجام بہتر ہوگا۔ اور آخر کار سچ بولنا ہی مجھے خدا اور رسول کے غصہ سے نجات دلائے گا۔ یارسول اللہ واقعہ یہ ہے کہ میرے پاس غیر حاضری کا کوئی عذر نہیں، جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی کے شرف سے محروم ہوا، اس وقت سے زیادہ فراخی اور مقدرت کبھی مجھ کو حاصل نہ ہوئی تھی۔ میں مجرم ہوں، آپ کو اختیار ہے جو فیصلہ چاہیں میرے حق میں دیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ شخص ہے جس نے سچی بات کہی۔ اچھا جاؤ اور خدائی فیصلے کا انتظار کرو۔ میں اٹھا اور تحقیق سے معلوم ہوا کہ (ہلال بن امیہ اور مرارہ بن الربیع) یہ دو شخص بھی میرے ہی جیسے ہیں۔ ہم تینوں کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا کہ کوئی ہم سے بات نہ کرے۔ سب علیحدہ رہیں۔ چنانچہ کوئی مسلمان ہم سے بات نہ کرتا تھا، نہ سلام کا جواب دیتا تھا۔ وہ دونوں تو خانہ نشین ہو گئے، شب و روز گھر میں وقف گریہ و بکا رہتے تھے میں ذرا سخت اور قوی تھا۔ مسجد میں نماز کے لیے حاضر ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کر کے دیکھتا تھا کہ جواب میں لب مبارک کو حرکت ہوئی یا نہیں۔ جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتا۔ آپ میری طرف سے منہ پھیر لیتے تھے مخصوص اقارب اور محبوب ترین اعزہ بھی مجھ سے بیگانہ ہو گئے تھے۔ اسی اثناء میں ایک روز ایک شخص نے بادشاہ "غسان" کا خط مجھے دیا۔ جس میں میری مصیبت پر اظہار ہمدردی کرنے کے بعد دعوت دی تھی کہ میں اس کے ملک میں آجاؤں وہاں میری بہت آؤ بھگت ہوگی۔ میں نے پڑھ کر کہا کہ یہ بھی ایک مستقل امتحان ہے۔ آخر وہ خط میں نے نذر آتش کر دیا۔ چالیس دن گزرنے کے بعد بارگاہ رسالت سے مجھ پر حکم پہنچا کہ میں اپنی عورت سے بھی علیحدہ رہوں، چنانچہ اپنی بیوی کو کہہ دیا کہ اپنے میکے چلی جائے اور جب تک خدا کے یہاں سے میرا کوئی فیصلہ ہو وہیں ٹھہری رہے۔ سب سے بڑی فکر یہ تھی کہ اگر اسی حالت میں موت آئی تو حضور میرا جنازہ نہ پڑھیں گے۔ اور فرض کیجئے ان دنوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو مسلمان ہمیشہ یہی معاملہ مجھ سے رکھیں گے۔ میری میت کے قریب بھی کوئی نہ آئے گا غرض پچاس دن اسی حالت میں گزرے کہ خدا کی زمین مجھ پر باوجود فراخی کے تنگ تھی بلکہ عرصہ حیات تنگ ہو گیا تھا، زندگی موت سے زیادہ سخت معلوم ہوتی تھی کہ یکایک جبل سلع سے آواز آئی "یا کعب بن مالك ابشر" (اے کعب بن مالک خوش ہو جا) میں سنتے ہی سجدہ میں گر پڑا۔ معلوم ہوا کہ اخیر شب میں حق تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ ہماری توبہ مقبول ہے۔ آپ نے بعد نماز فجر صحابہ کو مطلع فرمایا۔ ایک سوار میری طرف دوڑا کہ بشارت سنائے۔ مگر دوسرے شخص نے پہاڑ پر زور سے للکارا۔ اس کی آواز سوار سے پہلے پہنچی اور میں نے اپنے بدن کے کپڑے اتار کر آواز لانے والے کو دے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لوگ جوق جوق آتے اور مجھے مبارک باد دیتے تھے۔ مہاجرین میں سے حضرت طلحہ نے کھڑے ہو کر مصافحہ کیا حضور کا چہرہ خوشی سے چاند کی طرح چمک رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خدا نے تیری توبہ قبول فرمائی۔ میں نے عرض کیا کہ اس توبہ کا تتمہ یہ ہے کہ اپنا کل مال و جائداد خدا کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ سب نہیں، کچھ اپنے لیے روکنا چاہیے۔ چنانچہ میں نے خیبر کا حصہ الگ کر کے باقی مال صدقہ کر دیا۔ چونکہ محض سچ بولنے سے مجھ کو نجات ملی تھی، اس لیے عہد کیا کہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، آئندہ کبھی جھوٹ نہ بولوں گا۔ اس عہد کے بعد بڑے بڑے سخت امتحانات پیش آئے۔ مگر الحمد للہ میں سچ کہنے سے کبھی نہیں ہٹا اور نہ ان شاء اللہ تازیست ہٹوں گا۔ یہ واقعہ ہے جس کی طرف ان آیات میں اشارہ کیا گیا ہے۔ گویا ان تینوں پر خدا کی پہلی مہربانی تو یہی تھی کہ ایمان واخلاص بخشا نفاق سے بچایا۔ اب نئی مہربانی یہ ہوئی کہ توبہ نصوح کی توفیق دے کر پھر اپنی طرف کھینچ لیا اور کوتاہیوں کو معاف فرما دیا۔

اور چونکہ ان توجہات وعنایات کا نزول سب آپ ﷺ ہی کی اتباع اور پیروی اور معیت اور ہم رکابی کے سبب تھا اس لیے سب سے پہلے بطور تمہید کے آنحضرت ﷺ کا ذکر فرمایا اور بعد میں مہاجرین وانصار کا ذکر فرمایا جو سید الابرار ﷺ کے جاں نثار تھے اور عجب نہیں کہ اس مقام پر ﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ﴾ میں ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ﴾ کی طرف اشارہ ہو کہ آپ ﷺ نے جو ان منافقوں کو پیچھے رہنے کی اجازت دی وہ مناسب نہ تھی اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے اس کو معاف کیا۔ اور پھر بالاجمال بعض مہاجرین وانصار کے خطرات قلبیہ کی معافی کا ذکر فرمایا۔ اور بعد ازاں خاص طور پر ان تین اشخاص کی توبہ کی قبولیت کا ذکر فرمایا جن کا معاملہ کچھ مدت کے لیے تادیباً ملتوی رکھا گیا تھا اور آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو ان کے ساتھ سلام وکلام کرنے کی ممانعت کر دی تھی اسی حالت میں ان پر پچاس دن گزر گئے یہاں تک کہ غایت پریشانی میں زمین ان پر تاریک ہو گئی اور زندگی تلخ ہو گئی تب یہ آیت ﴿وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا﴾ نازل ہوئی جس میں ان تین شخصوں کو قبول توبہ کی بشارت دی گئی۔ اس وقت آنحضرت ﷺ ام المؤمنین ام سلمہ ؓ کے پاس تھے اور اخیر شب تھی آپ ﷺ نے ان سے ذکر کیا کہ کعب ؓ وغیرہ کی خطا معاف ہوئی کعب ؓ کہتے ہیں کہ اس روز میری خوشی کا حال بیان میں نہیں آ سکتا۔ جس شخص نے آ کر مجھے یہ بشارت سنائی، میں نے اپنے کپڑے اتار کر اس کو دے دیئے پھر میں مسجد فجر کی نماز کے لیے حاضر ہوا تو صحابہ ؓ مجھے مبارک باد دینے لگے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا تو آپ ﷺ نے لطف اور مہربانی سے کلام فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ تحقیق اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمت اور عنایات کے ساتھ متوجہ ہوا پیغمبر ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی توجہات اور عنایات نبی کریم ﷺ پر بے شمار ہیں اس نے اپنی رحمت سے آپ ﷺ کے ماتقدم وماتاخر کو معاف کیا اور اس غزوہ میں جو آنحضرت ﷺ نے منافقین کو مخلف یعنی پیچھے رہنے کی اجازت دے دی تھی اس کو بھی معاف فرما دیا جیسا کہ ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ﴾ کی تفسیر میں گزرا۔ اور مہاجرین اور انصار پر بھی خاص توجہ اور مہربانی فرمائی جنہوں نے سختی کی گھڑی میں یعنی مشکل وقت میں آپ ﷺ کا ساتھ دیا یعنی خدا تعالیٰ نے ان مہاجرین وانصار کو ایسے مشکل وقت میں سفر جہاد میں آپ ﷺ کی معیت ورفاقت پر ثابت قدم رکھا اور تزلزل سے ان کو محفوظ رکھا بعد اس کے کہ قریب تھا کہ مسلمانوں کے ایک فریق کے دل سفر کی سختی اور مشقت کی وجہ سے ڈگمگا جائیں اور اپنی جگہ سے ہل جائیں یعنی جادۂ استقامت سے کچھ ہٹ جائیں۔ اس وقت ان کے دل میں یہ خطرے گزر رہے تھے کہ ایسی سختی کے وقت میں جہاد میں نہ نکلو اور اپنے گھر بیٹھے رہو اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی اور ان کی دستگیری کی کہ ان کو ایسے خطرات پر عمل کرنے سے محفوظ رکھا اور ہمت ہارنے سے ان کو بچا لیا بلکہ ایسی توفیق بخشی کہ ہمتیں اور ارادے اور بلند ہو گئے اور بمقتضائے بشریت جو پیچھے رہ جانے کے خیالات دل میں آئے تھے وہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے معاف کر دیئے۔ تنگی اور پریشانی کے حالات میں ساتھ دینا کمال اخلاص اور غایت محبت کی دلیل ہے۔

بوقت تنگ دستی آشنا بیگانہ می گردد صراحی چوں شود خالی جدا پیمانہ می گردد

ایسے مشکل وقت میں جہاں ہر طرف سے مشقتوں اور صعوبتوں کا ہجوم ہو ضعف بشری کی بناء پر دل میں وساوس کا آ جانا اگرچہ گناہ نہیں مگر محبین صادقین کے شایان شان نہیں قانون محبت کے لحاظ سے ان پر گرفت ہو سکتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے

ان کے خیالات اور خطرات سے درگزر فرمایا بلکہ اس تنگ دستی اور سختی کے وقت میں ساتھ دینے کی وجہ سے ان کی تمام لغزشوں اور خطاؤں کو معاف کر دیا جیسا کہ اہل بدر کے بارہ میں فرمایا تھا۔ ﴿اعملو ماشئتم فقد غفرت لکم﴾ بدر پہلا غزوہ اور تبوک آخری غزوہ تھا جو عسرت اور شدت میں غزوہ بدر سے کہیں زیادہ تھا اس لیے اس آخری غزوہ میں شریک ہونے والے حق تعالیٰ کی خاص الخاص عنایات اور توجہات کے مورد بنے چنانچہ فرماتے ہیں پھر دوبارہ اللہ تعالیٰ ان مہاجرین وانصار پر اپنی رحمت اور عنایت سے متوجہ ہوا۔ یعنی رحمت پر رحمت اور مہربانی پر مہربانی فرمائی مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر مہربان ہوا اور پھر مہربان ہوا مہربانی پر مہربانی کی کہ آئندہ کے لیے دلوں کو اس قسم کے خطرات سے محفوظ کر دیا اور ممکن ہے کہ ﴿ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ﴾ کی ضمیر، عام مہاجرین اور انصار کی طرف راجع نہ ہو بلکہ صرف ﴿فَرِيقٍ مِّنْهُمْ﴾ کی طرف راجع ہو۔ جو قریب میں واقع ہے اور مطلب یہ ہو کہ جس گروہ کے دل میں کچھ تزلزل آ چلا تھا اور جہاد میں ہمت ہارنے کو تھے ان پر اللہ نے توجہ فرمائی یعنی ان کو سنبھال لیا۔ اور اپنی توفیق سے ان کی دست گیری کی کہ جب ان کے دل میں اس قسم کے خطرات آئے تو فوراً نادم ہوئے اور بالآخر تائب ہو کر آپ ﷺ کے ساتھ ہوئے۔ بیشک وہ ان پر نہایت شفیق اور مہربان ہے کہ گرتے ہوؤں کو سنبھال لیا۔ اور نیز اللہ تعالیٰ نے ان تین شخصوں کے حال پر بھی توجہ فرمائی کہ موقوف اور ملتوی رکھے گئے تھے۔ یعنی جن کا معاملہ نزول وحی کے انتظار میں موقوف اور ملتوی رکھا گیا تھا۔ ان کی بھی توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی یہاں تک کہ اس التواء کی وجہ سے ان کی بے چینی اور اضطراب کی یہ حالت ہوئی کہ ان تین شخصوں پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے تنگ ہو گئی اور ان کی جانیں بھی ان پر دوبھر ہو گئیں۔ یعنی انتظار کی شدت اور غم کی وحشت سے ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہو گئیں۔ اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ کے غصے سے کہیں پناہ نہیں مگر اسی کی رحمت اور مغفرت کی طرف جب وہ پریشانی اور پشیمانی کی اس منزل پر پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر توجہ فرمائی اور ان کی توبہ قبول کی۔ بعد ازاں دوبارہ ان پر اپنی مہربانی کی اور اپنی رحمت سے ان پر متوجہ ہوا تاکہ آئندہ بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے رہا کریں۔ اور سمجھ لیں کہ فقط یہی توبہ قبول نہیں ہوئی بلکہ جب کبھی بھی خدائے تعالیٰ کی طرف اس طرح رجوع کریں گے تو خدا تعالیٰ بھی اپنی خاص رحمت سے ہماری طرف متوجہ ہوں گے مطلب یہ ہے کہ خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہوں آئندہ بھی ایسا ہی معاملہ ہوگا بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ جو شخص ان تائبین کے طریقہ پر چلے گا اللہ اس کی توبہ کو بھی قبول فرمائیں گے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱتَّقُوا ٱللَّهَ وَكُونُوا مَعَ ٱلصَّٰدِقِينَ ﴿۱۱۹﴾

اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور رہو ساتھ سچوں کے ف۱

اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے، اور رہو ساتھ سچوں کے۔

صادقین کی معیت اور صحبت کا حکم

قَالَ اللہُ تَعَالٰی: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱتَّقُوا ٱللَّهَ وَكُونُوا مَعَ ٱلصَّٰدِقِينَ﴾

ف۱ یعنی سچوں کی صحبت رکھو اور انہی جیسے کام کرو۔ دیکھو لو یہ تین شخص سچ کی بدولت بخشے گئے اور مقبول ٹھہرے منافقین نے جھوٹ بولا اور خدا کا ڈر دل سے نکال دیا تو "درک اسفل" کے مستحق بنے۔

ربط:...... چونکہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ وغیرہ کی معافی محض پرہیزگاری اور سچ بولنے کی وجہ سے ہوئی اس لیے عام مسلمانوں کو تقوی اور پرہیزگاری اور صادقین کی معیت اور صحبت کا حکم دیا جاتا ہے کہ صادقین کی معیت اور صحبت اختیار کرو اور منافقین کی صحبت سے پرہیز کرو اس لیے کہ نبوت کے بعد درجہ صدق کا ہے۔ ﴿فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ﴾ الی آخرہ۔

چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو ایمان کا مقتضی یہ ہے کہ اللہ کے غصہ سے ڈرو اور اس کی معیت اور نافرمانی سے بچو اور تقویٰ کی حفاظت کے لیے سچوں کے ساتھ رہو راست بازوں کی معیت اور صحبت تقوی کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔

فائدہ:...... اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان کے بعد تقوی ضروری ہے اور پھر صادقین اور صالحین کی معیت یعنی صحبت بھی ضروری ہے۔ کیونکہ ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ کے بعد ﴿وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ کا حکم دیا جو وجوب اور لزوم کے لیے کوئی کمال بدون کامل کی صحبت کے حاصل نہیں ہوسکتا محض مطالعہ کتب کافی نہیں جب تک کسی عالم کی صحبت اور خدمت میں رہ کر علم حاصل نہ کیا جائے صحابیت کی حقیقت ہی شرف صحبت ہے روافض اس کے منکر ہوئے خوافض ہو گئے۔

صحبت اور مرافقت کا اثر تمام عقلاء کے نزدیک مسلم ہے طبیعت میں سرقہ (چوری) کا مادہ موجود ہے ایک ساتھی کی طبیعت دوسرے ساتھی کے اخلاق اور عادات کو چراتی ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ظالموں اور فاسقوں سے دوستی اور ان کے پاس بیٹھنے سے منع کیا ہے ﴿فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ تاکہ ہم نشین کے ظلم اور فسق کے جراثیم اس تک متعدی نہ ہوں۔ مجذوم خواہ جسمانی ہو یا روحانی شرعاً وطبعاً اس سے اجتناب ضروری ہے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں:

گل خوشبوئے در حمام روزے — رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری — کہ از بوئے دل آویزے تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم — و لیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہم نشیں در من اثر کرد — وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا

نہ چاہیے مدینہ والوں کو اور ان کے گرد کے گنواروں کو کہ پیچھے رہ جائیں رسول اللہ کے ساتھ سے اور نہ

نہ چاہیئے مدینے والوں کو، اور جو ان کے گرد گنوار ہیں، کہ رہ جاویں رسول اللہ کے ساتھ، اور نہ

يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ

یہ کہ اپنی جان کو چاہیں زیادہ رسول کی جان سے ف۱ یہ اس واسطے کہ جہاد کرنے والے نہیں پہنچتی ان کو پیاس اور نہ محنت اور نہ بھوک

یہ کہ اپنی جان کو چاہیں زیادہ اس کی جان سے۔ یہ اس واسطے کہ نہ کہیں پیاس کھینچتے ہیں نہ محنت اور نہ بھوک

ف۱ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو تکلیفیں اٹھائیں اور ہم آرام سے بیٹھے رہیں، ایسا نہیں چاہیے، حدیث میں ہے کہ ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ بھی غزوہ تبوک میں پیچھے رہ=

فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔـوۡنَ مَوۡطِئًا يَّغِيۡظُ الۡكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوۡنَ مِنۡ عَدُوٍّ نَّيۡلًا اِلَّا

اللہ کی راہ میں اور نہیں قدم رکھتے کہیں جس سے کہ خفا ہوں کافر اور نہ چھینتے ہیں دشمن سے کوئی چیز مگر

اللہ کی راہ میں، اور نہ پاؤں پھیرتے ہیں کہ جس سے خفا ہوں کافر، اور نہ چھینتے ہیں دشمن سے کچھ چیز، مگر

كُتِبَ لَهُمۡ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا يُنۡفِقُوۡنَ نَفَقَةً

لکھا جاتا ہے ان کے واسطے اس بدلے نیک عمل بیشک اللہ نہیں ضائع کرتا حق نیکی کرنے والوں کا ف۱ اور نہ خرچ کرتے ہیں کوئی خرچ

لکھا جاتا ہے اس پر ان کو نیک عمل۔ تحقیق اللہ نہیں کھوتا حق نیکی والوں کا۔ اور نہ خرچ کرتے ہیں کچھ خرچ

صَغِيۡرَةً وَّلَا كَبِيۡرَةً وَّلَا يَقۡطَعُوۡنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمۡ لِيَجۡزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحۡسَنَ مَا كَانُوۡا

چھوٹا اور نہ بڑا اور نہ طے کرتے ہیں کوئی میدان مگر لکھ لیا جاتا ہے ان کے واسطے ف۲ تاکہ بدلا دے ان کو اللہ بہتر اس کام کا جو

چھوٹا یا بڑا، اور نہ کاٹتے ہیں کوئی میدان مگر لکھتے ہیں ان کے واسطے، کہ بدلہ دے ان کو اللہ، بہتر کام کا جو

يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۲۱﴾

کرتے تھے ف۳

کرتے تھے۔

ملامت متخلفین بضمن فضیلت مجاہدین

قَالَ تَعَالٰی: ﴿مَا كَانَ لِاَهۡلِ الۡمَدِيۡنَةِ وَمَنۡ حَوۡلَهُمۡ مِّنَ الۡاَعۡرَابِ اَنۡ يَّتَخَلَّفُوۡا ... الی ... اَحۡسَنَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ﴾

ربط:...... ان آیات میں متخلفین پر عتاب عام فرمایا ہے کہ جن اہل مدینہ اور اعراب نے اس غزوہ میں آرام طلبی کی بناء پر رسول ﷺ کا ساتھ نہیں دیا اور ان خیرات و برکات سے محروم رہے کہ جو آپ کے رفقاء سفر کو نصیب ہوئیں اور آئندہ کے لیے

= گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے بعد باغ میں گئے وہاں خوش گوار سایہ تھا، حسین و جمیل بیوی سامنے تھی اس نے پانی چھڑک کر زمین کو خوب ٹھنڈا کر دیا، چٹائی کا فرش کیا۔ تازہ کھجور کے خوشے سامنے رکھے اور سرد و شیریں پانی حاضر کیا۔ یہ سامان عیش دیکھ کر دفعتاً ابوخیثمہ کے دل میں ایک بجلی سی دوڑ گئی۔ بولے تف ہے اس زندگی پر کہ میں تو خوش گوار سائے، ٹھنڈے پانی اور باغ و بہار کے مزے لوٹ رہا ہوں، اور خدا کا محبوب پیغمبر ایسی سخت لو اور گرمی و تنگی کے عالم میں کوہ و بیاباں طے کر رہا ہے۔ یہ خیال آتے ہی سواری منگائی تلوار حمائل کی نیزہ سنبھالا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چل نکلے۔ اونٹنی تیز ہوا کی طرح چل رہی تھی، آخر لشکر کو جا پکڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دور سے دیکھ کر کہ کوئی اونٹنی سوار ریت کے ٹیلے قطع کرتا چلا آ رہا ہے، فرمایا "کن اباخیثمہ" (ہو جا ابوخیثمہ) تھوڑی دیر میں سب نے دیکھ لیا کہ وہ ابوخیثمہ ہی تھے۔ رضی اللہ عنہ وعن سائر الصحابة ورضوا عنه۔

ف۱ یعنی باوجودیکہ ان میں سے اکثر چیزیں (مثلاً بھوک، پیاس لگنا، یا تکلیف پہنچنا) اختیاری کام نہیں ہیں، تاہم نیت جہاد کی برکت سے ان غیر اختیاری چیزوں کے مقابلہ میں اعمال صالحہ ان کی فرد حسنات میں درج کر دیئے جائیں گے جن پر خدا اجر نیک مرحمت فرمائے گا۔

ف۲ خرچ کرنا یا میدان طے کرنا، خود عمل صالح اور اختیاری افعال ہیں۔ اسی لیے یہاں ﴿اِلَّا كُتِبَ لَهُمۡ﴾ فرمایا، گذشتہ آیت کی طرح ﴿اِلَّا كُتِبَ لَهُمۡ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ﴾ نہیں ارشاد ہوا۔ نبہ علیہ ابن کثیر۔

ف۳ یعنی بہترین عمل کی بہترین جزاء دے گا۔

نصیحت کی کہ مسلمانوں کو یہ سزاوار نہیں کہ جب کوئی موقع جاں نثاری کا آئے تو رسول اللہ ﷺ سے علیحدہ ہو جائیں اور اپنی راحت اور حفاظت کو رسول اللہ ﷺ کی حفاظت پر مقدم سمجھیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں رہنے والوں کے لیے اور دیہاتیوں کے لیے جو ان کے اردگرد رہتے ہیں یہ روا نہ تھا کہ وہ رسول ﷺ کے ہم راہ جہاد میں جانے سے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ روا تھا کہ اپنی جانوں رسول اللہ ﷺ کی جان سے زیادہ عزیز سمجھیں کہ اپنی جان کی تو فکر کریں اور رسول خدا تکلیفیں اٹھائیں اور ان کو آپ ﷺ کی تکلیف اور مشقت کا خیال نہ آئے اپنے لیے تو عیش و آرام پسند کریں اور رسول اللہ ﷺ کو جہاد کی شدت اور مشقت میں چھوڑ دیں۔ اور یہ یعنی جہاد میں آپ ﷺ کے ساتھ جانا اس لیے بھی ضروری تھا کہ علاوہ ادائے حق محبت کے اگر یہ لوگ جہاد میں حضور پرنور ﷺ کے ساتھ رہتے تو ان کو اجر عظیم ملتا۔ کیونکہ جو لوگ سفر جہاد میں آپ ﷺ کے ساتھ رہتے ہیں ان کو راہ خدا میں یعنی جہاد میں جو پیاس اور رنج و محنت اور بھوک کی تکلیف پہنچتی ہے اور جو قدم وہ دشمن کی زمین پر رکھتے ہیں۔ جس سے کافر غیظ اور طیش میں آتے ہیں اور جو چیز وہ دشمن سے چھینتے ہیں اور اس کو تکلیف پہنچاتے ہیں یعنی ان کو گرفتار کرتے ہیں یا قتل کرتے ہیں یا شکست دیتے ہیں یا ان سے مال غنیمت حاصل کرتے ہیں۔ ان سب پر ان کے لیے نیک عمل کا ثواب لکھا جاتا ہے باوجودیکہ ان میں بعض افعال غیر اختیاری ہیں۔ لیکن جہاد فی سبیل اللہ اس درجہ عظیم ہے کہ اس کے ضمن میں افعال اختیاریہ اور غیر اختیاریہ سب ہی پر ثواب لکھا جاتا ہے حتی کہ جہاد کے گھوڑے کے کودنے اور پھاندنے اور لید کرنے پر بھی اجر ملتا ہے اور اس وعدے میں تخلف کا احتمال نہیں اس لیے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے ثواب کو ضائع نہیں کرتا۔

مطلب یہ ہے کہ مجاہدین کو ان کے ہر عمل پر اجر ملتا ہے کسی حالت میں ان کا ثواب ضائع نہیں جاتا۔ پس ایسی حالت میں جہاد سے جان چرانا اور رسول ﷺ کا ساتھ چھوڑنا کسی طرح مناسب نہ تھا اور جو خرچ وہ راہ خدا یعنی جہاد میں کرتے ہیں خواہ وہ تھوڑا ہو یا بہت اور جو میدان وہ سفر جہاد میں جاتے اور لوٹے وقت قطع کرتے ہیں وہ سب ان کے لیے لکھا جاتا ہے تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہتر سے بہتر بدلہ دے۔ یعنی ان کے نفقات اور آثار قدم اس لیے لکھے جاتے ہیں کہ اللہ ان کو ان کے تمام اعمال کا بہترین بدلہ دے گا۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ

اور ایسے تو نہیں مسلمان کہ کوچ کریں سارے سو کیوں نہ نکلا ہر فرقہ میں سے ان کا ایک حصہ

اور ایسے تو نہیں مسلمان کہ سارے کوچ میں نکلیں۔ سو کیوں نہ نکلے ہر فرقہ میں سے ان کے ایک حصہ

لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿۱۲۲﴾

تاکہ سمجھ پیدا کریں دین میں اور تاکہ خبر پہنچائیں اپنی قوم کو جب کہ لوٹ کر آئیں ان کی طرف تاکہ وہ بچتے رہیں ف۱

تا سمجھ پیدا کریں دین میں، اور تا خبر پہنچاویں اپنی قوم کو، جب پھر جاویں ان کی طرف، شاید وہ بچتے رہیں۔

ف۱ گذشتہ رکوعات میں "جہاد" میں نکلنے کی فضیلت اور نہ نکلنے پر ملامت تھی۔ ممکن تھا کوئی یہ سمجھ بیٹھے کہ ہمیشہ ہر جہاد میں تمام مسلمانوں پر نکلنا فرض عین ہے، اس =

فرض کفایہ بودن جہاد وفرض کفایہ بودن تحصیل علم دین

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ... الى ... لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾

ربط: ...... گزشتہ رکوعات میں جہاد سے تخلف پر جو ملامت کی گئی اس سے بعض مسلمانوں کو یہ شبہ ہوا کہ ہر جہاد میں مسلمانوں پر نفیر یعنی خروج فرض عین ہے اس لیے اس آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ ہر جہاد میں جانا فرض عین نہیں بلکہ فرض علی الکفایہ ہے اور یہ بتلاتے ہیں کہ جس طرح جہاد فرض علی الکفایہ ہے اسی طرح تفقہ فی الدین یعنی تحصیل علم دین بھی فرض کفایہ ہے جب کوئی لشکر جہاد کے لیے روانہ ہو اور آنحضرت ﷺ شہر میں مقیم ہوں تو ایک جماعت کا آنحضرت ﷺ کے پاس موجود رہنا ضروری ہے تاکہ وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت بابرکت میں رہ کر تفقہ فی الدین حاصل کریں یعنی دین سیکھیں تاکہ مجاہدین کا لشکر جب جہاد سے واپس آئے تو اس عرصہ میں جو دین سیکھا ہے اس سے ان کو آگاہ کریں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جب آنحضرت ﷺ جہاد کے لیے کوئی لشکر روانہ کریں اور خود مدینے میں مقیم رہیں تو مسلمانوں کے لیے یہ روا نہیں کہ سب کے سب ایک دم سے جہاد کے لیے نکل جائیں سب کا ایک دم سے جہاد میں نکل جانا مناسب نہیں ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ہر بڑی جماعت میں سے کچھ آدمی تو جہاد کے لیے نکل جائیں اور کچھ آدمی دین سیکھنے کے لیے آنحضرت ﷺ کے پاس ٹھہر جائیں اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہ کر دین سیکھیں تاکہ یہ باقی ماندہ لوگ حضور پرنور ﷺ کی خدمت میں رہ کر دین میں سمجھ حاصل کریں اور فقہ سیکھیں اور تاکہ ڈرائیں یہ فقہاء اپنی قوم کو جو جہاد میں گئی ہے جب وہ قوم سفر جہاد سے ان کی طرف واپس آئے شاید وہ لوگ بری باتوں سے بچتے رہیں اور احتیاط برتیں اور جس چیز سے ان کو ڈرایا گیا ہے اس سے حذر کریں۔

اس آیت کی تفسیر میں زیادہ مشہور دو قول ہیں ایک قول تو وہ ہے جس کے مطابق آیت کی تفسیر کی گئی اس قول پر آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو یہ مناسب نہیں سب کے سب ہی جہاد میں نکل کھڑے ہوں اور رسول خدا ﷺ کی صحبت میں کوئی بھی نہ رہے بلکہ مناسب یہ ہے کہ کچھ لوگ جہاد میں جائیں اور کچھ رسول خدا ﷺ کے پاس رہ کر دین کے

= آیت میں فرمایا کہ نہ ہمیشہ یہ ضروری ہے، نہ مصلحت ہے کہ سب مسلمان ایک دم جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوں۔ مناسب یہ ہے کہ ہر قبیلہ اور قوم میں سے ایک جماعت نکلے، باقی لوگ دوسری ضروریات میں مشغول ہوں۔ اب اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس جہاد کے لیے تشریف لے جارہے ہوں تو ہر قوم میں سے جو جماعت آپ کے ہمراہ نکلے گی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ کر اور سینکڑوں حوادث و واقعات میں سے گزر کر دین اور احکام دینیہ کی سمجھ حاصل کرے گی اور واپس آکر اپنی باقی ماندہ قوم کو مزید علم و تجربہ کی بناء پر بھلے برے سے آگاہ کرے گی اور فرض کیجئے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود مدینہ میں رونق افروز رہے تو باقی ماندہ لوگ جو جہاد میں نہیں گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے مستفید ہو کر دین کی باتیں سیکھیں گے۔ اور مجاہدین کی غیبت میں جو وحی و معرفت کی باتیں سنیں گے ان سے واپسی کے بعد مجاہدین کو خبردار کریں گے۔ آیت کے الفاظ میں عربی ترکیب کے اعتبار سے دونوں احتمال ہیں۔ کما فی "روح المعانی" وغیرہ۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "ہر قوم میں سے چاہیے بعضے لوگ پیغمبر کی صحبت میں رہیں تاکہ علم دین سیکھیں اور پچھلوں کو سکھائیں۔ اب پیغمبر اس دنیا میں موجود نہیں لیکن علم دین اور علماء موجود ہیں۔ طلب علم فرض کفایہ ہے اور جہاد بھی فرض کفایہ ہے۔ البتہ اگر کسی وقت امام کی طرف سے نفیر عام ہوجائے تو "فرض عین" ہوجاتا ہے۔ تبوک میں یہی صورت تھی اس لیے پیچھے رہنے والوں سے باز پرس ہوئی۔ واللہ اعلم۔ ابوحیان کے نزدیک یہ آیت جہاد کے لیے نہیں، طلب علم کے بارے میں ہے۔ جہاد اور طلب علم کی آیات میں مناسبت یہ ہے کہ دونوں میں خروج فی سبیل اللہ ہے اور دونوں کی غرض احیاء و اعلاء دین ہے۔ ایک میں تلوار سے دوسرے میں زبان وغیرہ سے۔

مسائل سیکھیں اور دین میں سمجھ پیدا کریں۔ پھر جب مجاہدین جہاد سے ان کے پاس لوٹ کر واپس آئیں تو وہ ان مجاہدین کو احکام خداوندی سے آگاہ کریں اور خدا کی معصیت سے ڈرائیں تا کہ وہ ان احکام سے واقف ہو کر (جو ان کے پیچھے رسول خدا ﷺ پر نازل ہوئے ہیں) اللہ کی نافرمانی سے ڈریں۔ امام قرطبی اور جلال الدین سیوطی اور علامہ آلوسی رحمہم اللہ نے اسی قول کو اختیار فرمایا۔

اس قول کی بنا پر طائفہ نافرہ سے وہ جماعت مراد ہے جو جہاد کے لیے نکلی اور ﴿لِيَتَفَقَّهُوْا﴾ اور ﴿لِيُنْذِرُوْا﴾ کی ضمیریں ان باقی ماندہ لوگوں کی طرف راجع ہیں جو جہاد کے لیے نہیں نکلے بلکہ تحصیل علم کے لیے آپ کی خدمت بابرکت میں ٹھہرے رہے اور ﴿اِذَا رَجَعُوْٓا﴾ کی ضمیر، طائفہ نافرہ کی طرف راجع ہے۔

یعنی اس جماعت کی طرف راجع ہے جو جہاد میں جا کر اب واپس آئی ہے۔

(دیکھو تفسیر قرطبی: ۸/ ۲۹۴ روح المعانی: ۱۱/ ۴۳۔ ۴۴۔ صاوی حاشیہ جلالین: ۲/ ۱۷۵)

دوسرا قول یہ ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ سب لوگ طلب علم کے لیے اپنے گھروں سے نہ نکل جائیں بلکہ تھوڑے سے لوگ جایا کریں اور وہ علم حاصل کر کے اپنی قوم کو فائدہ پہنچائیں یعنی ان کو تعلیم دین اور وعظ و تلقین کریں۔

پہلے قول کی بناء پر آیت ہذا، احکام جہاد کا بقیہ اور تتمہ تھی اور اس قول کی بناء پر آیت بقیہ احکام جہاد نہیں بلکہ ایک مستقل حکم ہے جس سے مقصود طلب علم دین کے لیے گھر سے نکلنے کی مشروعیت بیان کرنا ہے اور اس حکم کو احکام جہاد کے ساتھ متصل ذکر کرنے میں اشارہ اس طرف ہے کہ سفر دو طرح پر ہوتا ہے ایک سفر جہاد کے لیے اور ایک سفر طلب علم دین کے لیے دونوں میں خروج فی سبیل اللہ ہے اور دونوں کی غرض احیاء دین اور اعلاء دین ہے۔ ایک میں سیف و سنان سے دوسرے میں زبان اور قلم اور برہان سے۔ اس قول کی بناء پر ﴿فَلَوْلَا نَفَرَ﴾ میں طلب علم کے لیے نفیر اور خروج مراد ہے اور ﴿لِيَتَفَقَّهُوْا﴾ اور ﴿لِيُنْذِرُوْا﴾ کی ضمیریں اسی طائفہ نافرہ کی طرف راجع ہوں گی جس نے طلب علم دین کے لیے نفیر اور خروج کیا ہے۔ (دیکھو روح المعانی: ۱۱/ ۴۴)

اور مطلب یہ ہے کہ تحصیل علم دین کے لیے ہر بڑے قبیلہ میں سے کچھ آدمیوں کو ضرور نکلنا چاہیے کیونکہ علم دین کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اگر کوئی بھی حاصل نہ کرے تو سب گنہ گار ہوں گے۔

اور فقہ سے مراد احکام شریعت کا علم ہے جس میں عقائد اور اعمال ظاہرہ اور اعمال باطنہ سب داخل ہیں سب ہی کا جاننا فرض ہے اول ایمان یہ علم عقائد ہوا۔ دوم۔ علم اسلام یہ علم فقہ ہوا۔ سوم علم احسان یہ علم تصوف ہوا اور دین ان تینوں کے مجموعہ کا نام ہے اور علم صرف و نحو اور علم لغت و اصول کا جاننا بالذات فرض نہیں بلکہ واجب بالغیر اور فرض بالغیر ہے اس لیے کہ فرض اور واجب کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔

جاننا چاہئے کہ فقاہت فی الدین کا درجہ مطلق علم سے بالاتر ہے علم کے معنی جاننے کے ہیں اور فقاہت کے معنی لغت میں فہم اور سمجھ کے ہیں فقیہ لغت اور شریعت کے اعتبار سے اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو شریعت کے حقائق اور دقائق کو اور اس کے ظہر اور بطن کو سمجھا ہوا ہو محض الفاظ یاد کر لینے کا نام فقاہت نہیں۔ جن لوگوں نے خداداد حافظہ سے کتاب و سنت کے الفاظ یاد

کیے اور امت تک ان کو بلا کم وکاست پہنچایا وہ حفاظ قرآن اور حفاظ حدیث کا گروہ ہے جزاھم اللہ عن الاسلام والمسلمین خیراً۔ آمین۔

اور جن لوگوں نے خداداد عقل سلیم اور فہم مستقیم سے کتاب وسنت کے معانی اور شریعت کے حقائق اور دقائق اور اس کے اصول وفروع امت کو سمجھائے تاکہ امت ان احکام پر عمل کر سکے ان کو فقہاء کہتے ہیں خواہ فقہاء ظاہر کے ہوں یا باطن کے اصل مقصود اطاعتِ خدا اور رسول ﷺ ہے اور اطاعت کا اصل دارومدار معانی پر ہے محض الفاظ یاد کر لینے سے فریضۂ اطاعت ادا نہیں ہو سکتا۔ اصل عالم وہ ہے جو شریعت کے معانی اور مقاصد کو سمجھتا ہو کما قال تعالیٰ: ﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۖ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ﴾۔

شریعت کی حفاظت امت پر فرض ہے حضرات محدثین رحمہم اللہ نے الفاظ شریعت کی حفاظت کی اور حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے معانی شریعت کی حفاظت کی دونوں ہی اللہ تعالیٰ کے مقبول گروہ ہیں جس طرح انبیاء کرام میں درجات اور مراتب کا فرق ہے۔ کما قال تعالیٰ: ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۘ مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ اللَّهُ ۖ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ﴾ اسی طرح وارثین انبیاء یعنی علماء میں بھی درجات اور مراتب کا فرق ہے۔

حضرات محدثین رحمہم اللہ اور حضرت فقہاء رحمہم اللہ میں اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ لفظ اور معنی میں درجہ اور مراتب کا فرق ہے۔ حافظ قرآن الفاظ قرآنی کا حافظ ہے اور ایک مفسر قرآن معانی قرآن کا عالم اور فاہم ہے۔

بہرحال اس آیت سے طلب سے علم دین اور تفقہ فی الدین کی کمال فضیلت ثابت ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عالموں پر بے علموں کو عذاب الٰہی سے ڈرانا فرض ہے اور بے علموں پر عالموں کی تقلید فرض ہے ناقص پر کامل کی تقلید عقلاً فرض ہے جو شخص درجہ اجتہاد کو نہ پہنچا اس پر کسی مجتہد کامل کی تقلید فرض ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ۚ

اے ایمان والو لڑتے جاؤ اپنے نزدیک کے کافروں سے ف۱ اور چاہیے کہ ان پر معلوم ہو تمہارے اندر سختی ف۲

اے ایمان والو! لڑتے جاؤ اپنے نزدیک کے کافروں سے، اور چاہئے ان پر معلوم ہو، تمہارے بیچ میں سختی،

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿١٢٣﴾

اور جانو کہ اللہ ساتھ ہے ڈر والوں کے ف۳

اور جانو کہ اللہ ساتھ ہے ڈر والوں کے۔

ف۱ جہاد فرض کفایہ ہے جو ترتیب طبعی کے موافق اول ان کفار سے ہونا چاہیے جو مسلمانوں سے قریب تر ہوں بعدہ، ان کے قریب رہنے والوں سے۔ اسی طرح درجہ بدرجہ حلقہ جہاد کو وسیع کرنا چاہیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے جہاد اسی ترتیب سے ہوئے" دفاعی جہاد" میں بھی فقہاء نے یہی ترتیب رکھی ہے کہ جس اسلامی ملک پر کفار حملہ آور ہوں، وہاں کے مسلمانوں پر دفاع واجب ہے اگر وہ کافی نہ ہوں یا سستی کریں تو ان کے متصل رہنے والوں پر، وہ کافی نہ ہوں تو پھر جو ان سے متصل ہیں۔ اسی طرح اگر ضرورت پڑے تو درجہ بدرجہ مشرق سے مغرب تک جہاد فرض ہوتا چلا جائے گا۔

ف۲ مومن کی شان یہ ہے کہ اپنے بھائی کے حق میں نرم اور دشمنان خدا اور رسول کے معاملہ میں سخت و شدید ہو۔ تاکہ اس کی نرمی اور ڈھیلا پن دیکھ کر دشمن جری نہ

ترتیب جہاد وقتال

قَالَ تَعَالٰی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ... الی... اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾

ربط:...... نصف پارۂ دہم سے یہاں تک غزوۂ تبوک سے متخلفین کے شنائع اور قبائح کا بیان تھا کہ ان لوگوں نے جہاد سے تخلف کیا پھر گزشتہ آیات میں احکام جہاد کی طرف رجوع فرمایا اور جہاد وقتال کے فضائل بیان کیے اب اس آیت میں جہاد و قتال کی ترتیب بیان کرتے ہیں کہ جہاد وقتال کس طرح ہونا چاہئے وہ ترتیب یہ ہے کہ اول ان کفار سے ہونا چاہئے جو مسلمانوں سے قریب تر ہوں اور پھر جو ان قریب رہنے والوں کے قریب ہوں اس طرح حلقۂ جہاد کو وسیع کرنا چاہئے نبی اکرم ﷺ نے اول مشرکین عرب سے قتال کیا اور پھر بنی قریظہ اور بنی نضیر اور خیبر کے اہل کتاب سے جہاد کیا۔ جو مدینہ کے ارد گرد رہتے تھے اور پھر جب ان سے فارغ ہوئے تو شام کا قصد کیا۔ غزوۂ موتہ اور غزوہ تبوک یہ سب شام ہی کی طرف اقدام تھا۔ پھر خلفاء راشدین ؓ نے بھی اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا اول شام کو فتح کیا پھر عراق کو پھر مصر کو چنانچہ فرماتے ہیں اے مسلمانو! اول ان کفار سے جہاد وقتال کرو جو تمہارے آس پاس رہتے ہیں۔ جیسے بنو قریظہ اور بنی نضیر اور مشرکین عرب قریبی دشمن کو ختم کرنا سب سے مقدم ہے ورنہ حقیقت کے لحاظ سے تمام کافر مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ کما قال تعالیٰ: ﴿اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا﴾ ﴿وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ﴾ وغیر ذلک من الآیات۔

غرض یہ کہ تمام کافر مسلمانوں کے دشمن ہیں اس لیے تمام کافروں سے جہاد وقتال کا حکم آیا۔ ﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً﴾ اور اس آیت میں یہ حکم دیا کہ قریبی کافروں سے جہاد وقتال کو مقدم سمجھیں۔ اور چاہئے کہ وہ کافر تمہارے اندر سختی کو محسوس کریں۔ یعنی جہاد وقتال کے وقت بھی شدت سے ان کا مقابلہ کرو اور زمانہ صلح میں بھی ان سے ڈھیلا پن نہ برتو۔ یہ کافر جس کو ڈھیلا دیکھتے ہیں اس کو ڈھیلا مارتے ہیں اور خوب یقین رکھو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ یعنی اللہ کی حفاظت اور نصرت اور اعانت اور معیت پرہیزگاروں کے ساتھ ہے جب تک تم تقویٰ پر قائم رہو گے خدا کی نصرت اور اعانت تمہارے ساتھ رہے گی۔

نکتہ:...... حضرات صوفیہ ؒ فرماتے ہیں کہ مومن کا قریبی دشمن اس کا نفس امارہ ہے۔ جو کفرانِ نعمت میں سب سے آگے ہے اور تمام دشمنوں میں سب سے زیادہ یہی قریب ہے اس لیے نفس امارہ سے جہاد وقتال، جہاد اکبر ہے۔

جیسا کہ حدیث میں آیا ہے "المهاجر من هجر ما نهى الله عنه والمجاهد من جاهد نفسه" یعنی اصل مہاجر وہ ہے جو معصیت سے ہجرت کر کے طاعت کی طرف آجائے اور اصل مجاہد وہ ہے جو اپنے (قریبی دشمن) نفس سے جہاد کرے۔

= ہو جائے۔ ﴿اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ (مائدہ، رکوع ۸) ﴿وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح، رکوع ۴) ﴿جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ﴾ (توبہ، رکوع ۱۰) وفی الحدیث: انه صلی الله علیه وسلم قال انا الضحوك القتال۔

ف۲ یعنی خدا سے ڈرنے والے کو کسی کافر قوم سے ڈرنے اور دبنے کی کوئی وجہ نہیں۔ جب تک اور جس قدر مسلمان خدا سے ڈرتے رہے اسی وقت تک اور اسی قدر ان کو کفار پر غلبہ حاصل ہوتا رہا۔ حق تعالیٰ ہمارے دلوں میں اپنا ڈر پیدا کر دے۔

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور جب نازل ہوتی ہے کوئی سورت تو بعضے ان میں کہتے ہیں کس کا تم میں سے زیادہ کر دیا اس سورت نے ایمان سو جو لوگ ایمان رکھتے ہیں

اور جب نازل ہوئی ایک سورت، تو بعضے ان میں کہتے ہیں کس کو تم میں زیادہ کیا اس سورت نے ایمان؟ سو جو لوگ یقین رکھتے ہیں،

فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ

ان کا زیادہ کر دیا اس سورت نے ایمان، اور وہ خوش وقت ہوتے ہیں اور جن کے دل میں مرض ہے سو ان کے لیے بڑھا دی

ان کو زیادہ کیا ایمان، اور وہ خوش وقتی کرتے ہیں۔ اور جن کے دل میں آزار ہے، سو ان کو بڑھائی

رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ

گندگی پر گندگی اور وہ مرنے تک کافر ہی رہے ف۱ کیا نہیں دیکھتے کہ وہ آزمائے جاتے ہیں ہر برس میں

گندگی پر گندگی، اور وہ مرے جب تک کافر رہے۔ یہ نہیں دیکھتے کہ وہ آزمانے میں آتے ہیں ہر برس

مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ

ایک بار یا دو بار پھر بھی توبہ نہیں کرتے اور نہ وہ نصیحت پکڑتے ہیں ف۲ اور جب نازل ہوتی ہے کوئی سورت تو دیکھنے لگتا ہے

ایک بار یا دو بار، پھر توبہ نہیں کرتے، اور نہ نصیحت پکڑتے ہیں۔ اور جب نازل ہوئی ایک سورت، دیکھنے لگے

بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ

ان میں ایک دوسرے کی طرف، کہ کیا دیکھتا ہے تم کو کوئی مسلمان پھر چل دیتے ہیں ف۳ پھیر دیے ہیں اللہ نے دل ان کے اس واسطے کہ

ایک دوسرے کی طرف۔ کہ کوئی بھی دیکھتا ہے تم کو، پھر چلے گئے۔ پھیر دیئے ہیں اللہ نے دل ان کے، اس واسطے کہ

ف۱ جب کوئی سورۃ قرآنی نازل ہوتی تو منافقین آپس میں ایک دوسرے یا بعض سادہ دل مسلمانوں سے از راہ استہزاء وتمسخر کہتے کہ کیوں صاحب تم میں سے کس کس کا ایمان اس سورت نے بڑھایا۔ مطلب یہ تھا کہ (معاذ اللہ) اس سورت میں رکھا ہی کیا ہے۔ کون سے حقائق ومعارف ہیں جو ایمان ویقین کی ترقی کا موجب ہوں حق تعالیٰ نے جواب دیا کہ بے شک کلام الٰہی سن کر مومنین کے ایمان میں تازگی اور ترقی ہوتی ہے اور قلوب مسرور ومنشرح ہوتے ہیں۔ ہاں جن کے دلوں میں کفر ونفاق کی بیماری اور گندگی ہے ان کی بیماری وگندگی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ بیماری ان کی جان ہی لے کر چھوڑتی ہے ۔

باراں کہ درلطافت طبعش خلاف نیست
درباغ لالہ روید و درشورہ بوم خس

حضرت شاہ صاحب نے دوسری طرح آیت کی تقریر کی ہے۔ یعنی کلام الٰہی جس مسلمان کے دل کے خطرہ سے موافق پڑتا وہ خوش ہو کر بول اٹھتا کہ سبحان اللہ۔ اس آیت نے میرا ایمان ویقین اور زیادہ کر دیا۔ اسی طرح جب کسی سورت میں منافقین کے پوشیدہ عیوب ظاہر کیے جاتے تو وہ بھی شرمندگی سے کھسیانے ہو کر کہتے کہ بیشک اس کلام نے ہمارے یقین وایمان کو بڑھا دیا۔ لیکن یہ کہنا چونکہ خوشی اور انشراح سے نہ تھا۔ محض رفع خجالت کے لیے کہہ دیتے تھے اس لیے یہ توفیق نہ ہوتی تھی کہ آئندہ توبہ کر کے سچے دل سے حق کی پیروی کریں۔ بلکہ پہلے سے زیادہ اپنے عیب چھپانے کی فکر وتدبیر کرتے تھے۔ یہی ہے گندگی پر گندگی۔ عیب دار کو لازم ہے کہ نصیحت سن کر اپنی اصلاح کرے نہ یہ کہ الٹا ناصح سے چھپانے لگے۔

ف۲ یعنی ہر سال کم از کم ایک دو مرتبہ ان منافقین کو فتنہ اور آزمائش میں ڈالا جاتا ہے مثلاً قحط، بیماری وغیرہ کسی آفت ارضی وسماوی میں مبتلا ہوتے ہیں یا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ان کا نفاق اعلانیہ ظاہر کر کے رسوا کیا جاتا ہے یا جنگ وجہاد کے وقت ان کی بزدلی اور تیرہ باطنی بے نقاب کر دی جاتی ہے مگر وہ ایسے =

قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

وہ لوگ ہیں کہ سمجھ نہیں رکھتے ف۱

وہ لوگ ہیں کہ سمجھ نہیں رکھتے۔

ذکر تمسخر منافقین وتنفر شاں از آیات قرآن معہ وعید وتہدید

قَالَ اللهُ تَعَالىٰ: ﴿وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ... الی... بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ﴾

ربط:...... اوپر کے رکوعات اور آیات میں منافقین کے ذمائم کا ذکر ہوا منجملہ ان کے ایک یہ تھا کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو وہ اس کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں اور تمسخر دلیل ہے غایت تنفر کی۔ اور غایت تنفر دلیل ہے غایت کفر کی۔ دین حق کے ساتھ تمسخر کفر کا آخری درجہ ہے اس آیت میں ان لوگوں کے متعلق خبر دی گئی کہ ان لوگوں کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ بلکہ کفر ہی پر ان کی موت آئے گی۔ اسلام کے ساتھ تمسخر کرنا یہی علامت اس بات کی ہے کہ ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے۔

ربط دیگر:...... پہلی آیت میں کفار سے قتال کا حکم تھا اب اس آیت میں اس کا سبب بیان کرتے ہیں وہ یہ کہ یہ لوگ آیات خداوندی کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرتے ہیں ایسوں سے تو جہاد وقتال بلا شبہ فرض اور واجب ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور جب قرآن کی کوئی جدید سورت نازل ہوتی ہے جس میں منافقین کے نفاق اور عناد کا ذکر ہوتا ہے تو بعض منافقین بطور استہزاء اور تمسخر بعض غریب مسلمانوں سے پوچھتے ہیں کہ بتلاؤ کہ تم میں سے اس سورت نے کس کا ایمان زیادہ کیا اور کس کے ایقان وعرفان میں اضافہ ہوا۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ ایمان دار ہیں اور پہلے سے ایمان اور تقویٰ کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں اس سورت نے ان کے ایمان میں اور زیادتی کردی اس سورت کے نازل ہونے سے ان کا یقین اور بڑھ گیا کیونکہ قرآن کے دلائل عقلیہ اور براہین قطعیہ کو سن کر ان کے سابق ایقان اور عرفان میں اور اضافہ ہو جاتا ہے اور قرآن جن چیزوں کی خبر دیتا ہے اس کا آنکھوں سے مشاہدہ ہو جاتا ہے اس طرح سے ان کا ایمان استدلالی، ایمان شہودی بن جاتا ہے اور شک اور شبہ کا امکان بھی ختم ہو جاتا ہے اور وہ اس سورت کے نازل ہونے سے غایت درجہ خوش ہوتے ہیں۔ کہ اس سورت کا نزول ان کے ایقان وعرفان کی زیادتی کا سبب بنا اور جو حال پہلے تھا اب اس سے بھی

= بے حیا اور بد باطن واقع ہوئے ہیں کہ تازیانے کھا کر بھی ٹس سے مس نہیں ہوتے نہ پچھلی خطاؤں سے توبہ کرتے ہیں نہ آئندہ کو نصیحت پکڑتے ہیں۔

ف۳ جس وقت وحی نازل ہوتی اور منافقین مجلس میں موجود ہوتے تو کلام الٰہی کا سننا ان پر بہت شاق گزرتا تھا خصوصاً وہ آیات جن میں ان کے عیوب کھولے جاتے تھے۔ اس وقت ایک دوسرے کی طرف کن انکھیوں سے اشارہ کرتے اور ادھر ادھر دیکھتے کہ مجلس میں کسی مسلمان نے ہم کو پرکھا نہ ہو۔ پھر نظر بچا کر شتاب مجلس سے کھسک جاتے تھے۔

ف۱ یعنی مجلس نبوی سے کیا پھرے۔ خدا نے ان کے دلوں کو پھیر دیا کہ وہ اپنی جہل وحماقت سے ایمان وعرفان کی باتوں کو سمجھنا اور قبول کرنا نہیں چاہتے۔

بہتر اور برتر ہوگیا اور جن لوگوں کے دلوں میں شک اور نفاق کی بیماری ہے اور ان کے دل مکر اور حیلہ کی گندگی سے بھرے ہوئے ہیں تو یہ جدید سورت ان کی سابقہ پلیدی اور گندگی پر ایک اور نئی گندگی اور پلیدی کا اضافہ کر دیتی ہے۔ گزشتہ بغض وعناد کے ساتھ ایک جدید بغض اور عناد کا اضافہ ہو جاتا ہے اور یہ کیفیت دن بدن ترقی کرتی جاتی ہے حتی کہ کفر اور نفاق کا ملکہ ان میں راسخ اور پختہ ہو جاتا ہے اور پھر کفر ہی کی حالت میں ان کی جان نکلتی ہے مطلب آیت کا یہ ہے کہ جب کبھی کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو وہ اسرار بلاغت اور دلائل اعجاز کے ساتھ نازل ہوتی ہے اور دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ کے ساتھ احقاق حق اور ابطال باطل پر مشتمل ہوتی ہے اس لیے اس کے نزول سے اہل ایمان کی ایمانی کیفیت میں اضافہ اور دلائل و براہین کی روشنی میں ان پر حق واضح اور روشن ہو جاتا ہے اور دین اسلام کے بارے میں انہیں شرح صدر ہو جاتا ہے اور منافقین کے غیظ اور عناد میں اضافہ ہو جاتا ہے اگر یہ منافقین عناد اور حسد سے ہٹ کر بنظر انصاف آیات قرآنیہ میں غور و فکر کرتے تو ان کی بھی آنکھیں کھل جاتیں مگر عناد کی یہ کیفیت دن بدن ان میں مستحکم ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ کفر ہی کی حالت میں وہ مر گئے۔ آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ کیا یہ منافق اس بات کو نہیں دیکھتے کہ وہ ہر سال ایک دو بار آزمائے جاتے ہیں۔ یعنی ہر سال میں ایک دو بار ضرور رسوا ہوتے ہیں اور ان کا نفاق اور جھوٹ مسلمانوں پر ظاہر ہو جاتا ہے پھر بھی اپنے جھوٹ اور نفاق اور بدعہدی سے توبہ نہیں کرتے اور نہ وہ نصیحت پکڑتے ہیں کہ سمجھیں کہ یہ رسوائی ہماری تنبیہ کے لیے رونما ہوئی ہے۔ اور منافقین کا یہ حال جو گزشتہ آیت میں بیان کیا گیا ہے وہ مجلس نبوت سے باہر کا حال تھا اب اندرون مجلس نبوت ان کی فضیحت کا حال سنو وہ یہ کہ جب کبھی کوئی ایسی سورت نازل ہوتی ہے جس میں ان کے نفاق اور فضائح اور قبائح کا ذکر ہو اور وہ خود بھی اس وقت بارگاہ رسالت میں حاضر ہوں تو اس وقت ان منافقین کا عجیب حال ہوتا ہے وہ یہ ہوتا ہے کہ اس وقت ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں اور اشارہ سے پوچھتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے کوئی تمہیں کوئی دیکھتا تو نہیں یعنی اگر کوئی مسلمان نہیں دیکھتا تو مجلس سے کھسک جاؤ اور اگر کوئی مسلمان تم کو دیکھتا ہے تو تھوڑی دیر اور صبر کرو۔ جب مسلمان غافل ہو جائیں گے تب اٹھ کر چل دیں گے۔ پھر جب دیکھتے ہیں کہ ان کو کوئی مسلمان نہیں دیکھ رہا ہے تو آپ ﷺ کی مجلس سے پھر جاتے ہیں یعنی اپنے گھر چلے جاتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ ہی نے ان کے دلوں کو اسلام سے پھیر دیا ہے اس لیے وہ آپ کی مجلس سے پھر جاتے ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ لوگ بے سمجھ ہیں۔ حق اور باطل اور نفع اور ضرر کو سمجھتے نہیں۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ

آیا ہے تمہارے پاس رسول تم میں ف۱ بھاری ہے اس پر جو تم کو تکلیف پہنچے ف۲ حریص ہے تمہاری بھلائی پر ف۳

آیا ہے تم پاس رسول تم میں کا، بھاری ہوئی ہے اس پر جو تم تکلیف پاؤ، تلاش رکھتا ہے تمہاری،

ف۱ جس کے حسب ونسب، اخلاق واطوار اور دیانت وامانت سے تم خوب واقف ہو۔

ف۲ جس چیز سے تم کو تکلیف پہنچتی ہے وہ ان پر بہت بھاری ہے۔ ہر ممکن طریقہ سے آپ یہی چاہتے ہیں کہ امت پر آسانی ہو اور دنیوی و اخروی عذاب سے

بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ عَلَيْهِ

ایمان والوں پر نہایت شفیق مہربان ہے ف۱ پھر بھی اگر منہ پھیریں تو کہہ دے کہ کافی ہے مجھ کو اللہ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا اسی پر

ایمان والوں پر شفقت رکھتا مہربان۔ پھر اگر وہ پھر جاویں تو تو کہہ، بس ہے مجھ کو اللہ، کسی کی بندگی نہیں سوائے اس کے۔ اسی پر

تَوَكَّلْتُ ۖ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿۱۲۹﴾

میں نے بھروسہ کیا اور وہی مالک ہے عرش عظیم کا ف۲

میں نے بھروسا کیا، اور وہی ہے صاحب بڑے تخت کا۔

ذکر کمال شفقت ورافت نبی اکرم ﷺ برحال امت واتمام حجت براہل شقاوت

قال اللہ تعالیٰ: ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ... الی... وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾

ربط: ...... اس سورت کی آخری آیت ہے جس میں حق تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی کمال شفقت ورافت کو بیان کیا۔ اور بتلا دیا کہ ایسے عظیم الشان اور شفیق ومہربان رسول ﷺ کی آمد سے تم پر اللہ کی حجت پوری ہوگئی اور جہاد جیسے حکم سے جو نفس پر شاق اور گراں ہوتا ہے اس سے گھبرانا نہیں چاہئے اس لیے کہ جس طرح طبیب حاذق اور مشفق ومہربان کسی وقت مریض کو تلخ دوا کے استعمال کا حکم دیتا ہے اور مہربان باپ اولاد کو بغرض تادیب وتربیت بعض ناگوار خاطر چیزوں کا حکم دیتا ہے اسی طرح خدا تعالیٰ کا رسول برحق بعض اوقات تم کو ایسے امور کا حکم دیتا ہے جو نفس پر گراں ہوتے ہیں اور عقل سلیم کے مطابق ہوتے۔ انسان کا فائدہ ان پر عمل کرنے میں ہے اور ان کی خلاف ورزی میں اس کی ہلاکت ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے اخیر میں آنحضرت ﷺ کے اوصاف جمیلہ اور آپ ﷺ کا امت پر شفیق اور مہربان ہونا بیان کیا تاکہ خاتمۂ کلام اس بات پر دلالت کرے کہ ایسے شفیق اور مہربان رسول کی دعوت وتبلیغ کے بعد حجت پوری ہو چکی ہے۔ اس کے بعد بھی اگر یہ لوگ اپنی ضد

ملحوظ رہے۔ اس لیے جو دین آپ لائے وہ بھی سہل اور نرم ہے۔ اور عمال کو آپ یہی نصیحت فرماتے تھے۔ یسروا ولا تعسروا (آسانی کرو تنگی مت کرو)

ف۱ یعنی تمہاری خیرخواہی اور نفع رسانی کی خاص تڑپ ان کے دل میں ہے۔ لوگ دوزخ کی طرف بھاگتے ہیں، آپ ان کی کمریں پکڑ پکڑ کر ادھر سے ہٹاتے ہیں۔ آپ کی بڑی کوشش اور آرزو یہ ہے کہ خدا کے بندے اصلی بھلائی اور حقیقی کامیابی سے ہم کنار ہوں۔ جہاد وغیرہ کا مقصد بھی خون ریزی نہیں بلکہ بحالت مجبوری سخت آپریشن کے ذریعہ سے، بنی نوع انسان کے فاسد ومسموم اعضاء کو کاٹ کر اور خراب جراثیم کو تباہ کر کے امت کے مزاج عمومی کو صحت واعتدال پر رکھنا ہے۔

ف۱ جب آپ تمام جہان کے اس قدر خیرخواہ ہیں تو خاص ایمان داروں کے حال پر ظاہر ہے کس قدر شفیق ومہربان ہوں گے۔

ف۲ اگر آپ کی عظیم الشان شفقت، خیرخواہی اور دل سوزی کی لوگ قدر نہ کریں تو کچھ پروا نہیں۔ اگر فرض کیجئے ساری دنیا آپ سے منہ پھیر لے تو تنہا خدا آپ کو کافی ہے جس کے سوا کسی کی بندگی ہے نہ کسی پر بھروسہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ زمین وآسمان کی سلطنت اور "عرش عظیم" (تخت شہنشاہی) کا مالک وہی ہے۔ سب نفع و ضرر ہدایت وضلالت اس کے ہاتھ میں ہے۔

فائدہ ابو داؤد ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جو شخص صبح وشام سات سات مرتبہ ﴿حسبی اللہ لا الٰہ الا ھو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم﴾ پڑھا کرے، خدا اس کے تمام ہموم وغموم کو کافی ہو جائے گا۔ باقی عرش کی عظمت کے متعلق اگر تفصیل دیکھنا ہو تو "روح المعانی" میں زیر آیت حاضرہ ملاحظہ کیجئے۔

تم سورۃ التوبۃ بفضل اللہ وحسن توفیقہ اللھم تب علینا واجعل لی براءۃ من النار انک انت التواب الرحیم۔

اور عناد پر قائم رہیں تو آپ اللہ پر توکل کیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کافی ہے اور ان کے شر سے محافظ اور نگہبان ہے ان معاندین کی ذرہ برابر پروانہ کیجئے۔

صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وبارك وسلم۔

(یا یوں کہو) کہ گزشتہ آیت میں منافقین کے عناد اور تکبر کا ذکر تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے اتباع کو اپنے لیے باعث عار سمجھتے تھے۔ اب اس آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ وہ رسول ﷺ تمہارا غایت درجہ ہمدرد اور تم پر شفیق اور مہربان ہے ایسے شفیق اور مہربان سے ضد اور عناد کا معاملہ کرنا سراسر خلاف عقل اور خلاف فطرت ہے۔ تم کو چاہیے کہ اس کے ظلِ عاطفت میں داخل ہو جاؤ کوئی وجہ نہیں کہ ایسے مشفق اور مہربان سے عداوت رکھو۔ اور اس کی بات کا مذاق اڑاؤ۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے لوگو! تحقیق آیا ہے تمہارے پاس ہماری طرف سے ایک پیغمبر جو تمہاری ہی جنس سے جس سے بوجہ جنسیت کے استفادہ اور استفاضہ آسان ہے۔ ع۔

"بوئے جنسیت کند جذب صفات"

مطلب یہ ہے کہ اے بنی آدم تمہارے پاس تمہاری جنس سے ایک رسول ﷺ آیا ہے جس طرح تم انسان ہو وہ بھی انسان ہے اور یہ تم پر اللہ کا احسان ہے اگر وہ تمہارے پاس کسی جن یا فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتا تو تم بوجہ عدم جنسیت اس سے مانوس نہ ہوتے اور رسول ﷺ علاوہ تمہارے ہم جنس ہونے کے اس درجہ تمہارا ہمدرد اور خیر خواہ ہے کہ اس پر تمہاری تکلیف شاق اور گراں ہے۔ اور ایک صفت اس رسول کی یہ ہے کہ وہ تمہاری بھلائی اور ہدایت پر غایت درجہ حریص ہے یہ حالت تو سب کے ساتھ ہے اور خاص کر اہل ایمان پر تو حد درجہ کا شفیق اور مہربان ہے ایسے شفیق اور مہربان رسول ﷺ کے اتباع سے انصراف اور انحراف تو کمال ابلہی ہے۔ پس اگر اس رافت ورحمت کے مشاہدہ کے بعد بھی آپ ﷺ کے اتباع سے روگردانی کریں اور اپنی دیرینہ عداوت پر قائم رہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ مجھے اللہ کافی ہے وہ تمہارے شر سے کفایت کرے گا۔ اور مجھے تم پر غالب کرے گا وہ میرا کافی معین اور مددگار ہے مجھے تمہاری عداوت کی کوئی پروا نہیں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو نفع اور ضرر کا مالک ہو میں اسی کی ذات پاک پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ میں نے اپنا سب کام اسی کے سپرد کر دیا ہے اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔ اور عرش عظیم تمام کائنات کو محیط ہے پس جو عرش عظیم کے مالک پر بھروسہ کرے اسے کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔

از د خواہ یاری کہ یاری دہ اوست بدو التجا کن کہ ایں ہا از وست
کسے را کہ او آورد در پناہ چہ غم دارد از فتنۂ کینہ خواہ

الحمد للہ

آج بروز شنبہ یکم شعبان المعظم ۱۳۸۷ھ بوقت اذان عصر سورۂ توبہ کی تفسیر سے فراغت نصیب ہوئی۔

فالحمد للہ الذی بنعمته تتم الصالحات رب تقبل توبتی واغسل حوبتی واجب دعوتی واکتب لی براءۃ من النار انك انت التواب الرحیم آمین یا رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا محمد وعلی آله واصحابه اجمعین۔

تفسیر سورۂ یونس

اس سورت میں چونکہ یونس علیہ السلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے اس لیے یہ سورت صحابہ رضی اللہ عنہم میں سورۂ یونس کے نام سے مشہور ہوئی اور اکثر سورتیں اپنے بعض اجزاء کے لحاظ سے موسوم ہیں اسی طرح یہ سورت بھی اپنے بعض اجزاء کے لحاظ سے موسوم ہوئی اور یہ سورت مکی ہے۔ ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی سوائے تین آیتوں کے جن کی ابتداء ﴿فَإِن كُنتَ فِي شَكٍّ﴾ سے ہوتی ہے وہ مدنی ہیں جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ اس سورت میں ایک سو نو آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں۔

ربط: ...... سورۂ توبہ میں مشرکین سے براءت اور منافقین کی فضیحت کا بیان ہوا یہ دونوں گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت اور نزول وحی کے منکر تھے اور توحید کے بھی قائل نہ تھے اس لیے اس سورت میں زیادہ تر توحید و رسالت اور قیامت کا اثبات فرمایا اور اس ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے متعلق اور خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور قیامت کے متعلق جو منکرین کے شبہات تھے ان کا ازالہ فرمایا کیونکہ منافقین اور مشرکین کتب الہیہ کی تکذیب میں اور انکار وحی میں ایک دوسرے کے شریک تھے اور شکوک و شبہات میں ایک دوسرے کے ہم خیال تھے۔ اس لیے سب کا رد فرمایا اور چونکہ سورۂ توبہ کے آخر میں یہ ذکر تھا کہ قرآن حکیم کی جب کوئی سورت نازل ہوتی تھی تو منافقین اس کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرتے تھے اور کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر تعجب کرتے تھے اور اپنے تعجب کو مختلف پیرایوں میں ظاہر کرتے تھے چنانچہ ان میں کے بعض یہ کہتے تھے کہ کیا اللہ کو سوائے ابو طالب کے یتیم کے اور کوئی شخص نبی بنانے کے لیے نہیں ملا تھا۔ اس لیے اس سورت کا آغاز کتاب حکیم کے ذکر سے کیا گیا جس کے ساتھ منافقین تمسخر کرتے تھے۔ اور بعد ازاں ﴿أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ رَجُلٍ مِّنْهُمْ﴾ سے مشرکین مکہ کے استعجاب کا جواب دیا گویا کہ یہ آیت یعنی ﴿أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ رَجُلٍ مِّنْهُمْ﴾ سورۂ توبہ کی آخری آیت ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ﴾ کے ہم معنی ہے کہ تم ایسے مرد کامل کی جو صفات مذکورہ کے ساتھ موصوف ہو اس کی نبوت و رسالت پر تعجب کرتے ہو ایسے مرد کامل کی تکذیب اور اس کے ساتھ تمسخر اور اس سے تنفر کمال ابلہی کی دلیل ہے پھر سورۂ توبہ کی آخری آیت ﴿لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾ میں حق تعالیٰ کی وحدانیت اور ربوبیت اور قدرت کاملہ کو بیان فرمایا تھا اس لیے اس سورت کے شروع میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے ذکر کے بعد حق تعالیٰ کی ربوبیت کاملہ کو بیان فرمایا چنانچہ ﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ﴾ الخ سے تکوین عالم اور عرش اور فرش کے پیدائش کا ذکر فرمایا جس سے خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ و باہرہ ظاہر اور نمایاں ہے اور پھر جزاء و سزا کا ذکر فرمایا اس طرح یہ مضامین ثلاثہ یکے بعد دیگرے آخر سورت تک چلے گئے۔

جو سورتیں مدینہ میں نازل ہوئیں ان میں زیادہ تر احکام کا بیان ہے جیسے نکاح و طلاق اور میراث اور قصاص اور جہاد اور حلال و حرام اور جو سورتیں ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ان میں زیادہ تر اصول دین توحید اور رسالت اور قیامت کا بیان ہے اور کفار اور مشرکین کے مختلف فرقوں کا رد ہے اور یہ سورت بھی مکی ہے اس لیے اس سورت میں بھی اصول

دین کا بیان ہے۔

آغازِ سورت میں وحی اور بعثت نبوی کے متعلق جو کفار مکہ کو تعجب تھا اس کا جواب دیا اس کے بعد تکوین عالم کا مسئلہ ذکر کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ اس عالم کا خالق قادر اور مالک قاہر ہے جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے اس نے مخلوق کو اپنے احکام سے آگاہ کرنے کے لیے پیغمبر بھیجے اور ان کو مورد وحی والہام بنایا تا کہ وہ لوگوں کو خدا تعالیٰ کے احکام سے آگاہ کریں اور یہ بتلائیں کہ قیامت قائم ہوگی اور تمام اعمال پر جزاء وسزا ملے گی۔ ان میں سے کوئی بات بھی قابل تعجب نہیں۔

ربط دیگر: ...... سورۂ براءت میں زیادہ تر منافقین کے احوال واقوال کا ذکر تھا اور اس سورت میں زیادہ تر کفار اور مشرکین کے احوال واقوال کا بیان ہے اور منکرین نبوت کے شبہات کے جوابات ہیں اسی وجہ سے سورت کا آغاز منکرین نبوت کے ایک شبہ سے ہوا کہ ان کو اس بات پر تعجب ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک خاص مرد کو اپنی نبوت اور وحی کے ساتھ کیوں مخصوص کیا۔

ربط دیگر: ...... کہ یہ سورت مکی ہے اہل مکہ کی نصیحت کے لیے نازل کی گئی جس میں قوم یونس کا قصہ بیان کیا کہ وہ بروقت ایمان لے آئے تو اس ایمان نے ان کو نفع دیا ان کی طرح تم بھی اگر ایمان لے آؤ گے تو تم کو بھی نفع ہوگا۔

۱۰ سُوْرَۃُ یُوْنُسَ مَکِّیَّۃٌ ۵۱ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اٰیاتها ۱۱۰ رکوعاتها ۱۱

الٓرٰ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ ① اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْهُمْ

یہ آیتیں ہیں پکی کتاب کی ف۱ کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ وحی بھیجی ہم نے ایک مرد پر ان میں سے

یہ آیتیں ہیں پکی کتاب کی۔ کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ حکم بھیجا ہم نے ایک مرد کو ان میں سے

اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ قَالَ

یہ کہ ڈر سنا دے لوگوں کو اور خوشخبری سنا دے ایمان والوں کو کہ ان کے لیے پایہ سچا ہے اپنے رب کے یہاں ف۲ کہنے لگے

کہ ڈر سنائے لوگوں کو، اور خوشخبری دے جو کوئی یقین لاوے کہ ان کو ہے پایہ سچا اپنے رب کے ہاں۔ کہنے لگے

الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیْنٌ ②

منکر بیشک یہ تو جادوگر ہے صریح ف۳

منکر بیشک یہ جادوگر ہے صریح۔

ف۱ یہ آیتیں ایسی مضبوط ومحکم کتاب کی ہیں جس کی ہر بات پکی ہے۔ الفاظ اس لیے کہ ہمیشہ تبدیل وتحریف سے محفوظ رہیں گے۔ علوم اس لیے کہ تمام تر عقل وحکمت کے موافق ہیں۔ احکام اس وجہ سے کہ آئندہ کوئی دوسری ناسخ کتاب آنے والی نہیں۔ اخبار وقصص اس طرح کہ ٹھیک ٹھیک واقعہ کے مطابق ہیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہو، جب کہ خدائے علیم وحکیم نے اس کو اپنے علم کامل کے زور سے اتارا ہے۔

ف۲ یعنی اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ انسانوں کی اصلاح وہدایت کے لیے حق تعالیٰ ایک انسان ہی کو مامور فرما دے اور اس کی طرف وہ پیغام بھیجے جس کی دوسروں کو بلا واسطہ خبر نہ ہو۔ وہ تمام لوگوں کو خدا کی نافرمانی کے مہلک نتائج وعواقب سے آگاہ کرے۔ اور خدا کی بات ماننے والوں کو بشارت پہنچائے کہ رب العزت کے یہاں اعمال صالحہ کی بدولت ان کا کتنا اونچا مرتبہ اور کیسا بلند پایہ ہے۔ اور کیسی سعادت وفلاح ازل سے ان کے لیے لکھی جا چکی ہے۔

ف۳ یعنی وحی قرآنی کو فوق العادت موثر وبلیغ ہونے کی وجہ سے جادو اور اس کے لانے والے کو جادوگر کہتے ہیں۔

اظہار عظمت قرآن واثبات رسالت محمدیہ ﷺ

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ... الی... لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ﴾

ربط: ......گزشتہ سورت کی آخری آیتوں میں دو باتوں کا ذکر تھا۔ اول: نزول وحی کے وقت مضامین قرآن پر ہنسنا اور از راہ حقارت ایک کا دوسرے کی طرف آنکھوں سے اشارہ کرنا جس سے ان کا مقصود وحی کے ساتھ استہزاء کرنا ہوتا تھا۔ ﴿وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ﴾ میں اسی امر کا ذکر تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ ان لوگوں کو آپ ﷺ کی نبوت و رسالت پر تعجب تھا کہ یہ شخص ہم جیسا ایک بشر اور انسان ہے یہ کیسے نبی ہوسکتا ہے ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ میں اس کا جواب دیا گیا۔ یہ شخص اگرچہ تمہاری ہی جنس سے ہے مگر فضائل وکمالات کے اعتبار سے سب سے افضل اور اکمل ہے۔

پس اس سورت کے آغاز میں بھی انہی دو باتوں کو بیان کرتے ہیں۔ اول قرآن کی عظمت اور جلالت شان کو بیان کرتے ہیں کہ وہ سراپا نور حکمت ہے اور چشمۂ ہدایت ہے اور اس کے دلائل و براہین نہایت قوی ہیں۔ دوم: نبی کریم ﷺ کی عظمت وجلالت قدر بیان کرتے ہیں کہ وہ کوئی معمولی انسان نہیں بلکہ ایک عجیب مرد کامل ہے جس کو خدا تعالیٰ نے نبی بنا کر بھیجا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ﴿الٓرٰ﴾ اس قسم کے الفاظ کو جو بعض سورتوں کے شروع میں آئے ہیں حروف مقطعہ کہتے ہیں جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ اس قسم کے حروف کتاب خداوندی کے رموز ہیں جن کی مراد اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے اس لیے ان کی کوئی تفسیر نہیں فرمائی مسلمان کو چاہیے کہ ان الفاظ کو کلام خداوندی سمجھے اور ان کے معنی اور تاویل کی فکر میں نہ پڑے بلکہ ان کی مراد کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی طرف اشارہ ہے۔ تفصیل سورۂ بقرہ کے شروع میں گزر چکی ہے۔ یہ سورت آیتیں ہیں پُر حکمت کتاب کی جو سراپا نور اور حکمت اور منبع ہدایت وموعظت اور نسخہ شفا ہے یا "حکیم" کے معنی محکم اور مضبوط کے ہیں کہ اس کی ہر بات پکی ہے ہر قسم کے عیب اور خلل سے پاک ہے جس میں غلطی اور خطاء کا امکان نہیں اس کے الفاظ تحریف وتبدیل سے محفوظ ہیں اور اس کے علوم ومعارف عقل اور حکمت کے مطابق ہیں اور اس کے احکام نسخ سے محفوظ ہیں۔ اس لیے کہ یہ اللہ کی آخری کتاب ہے اس کے بعد کوئی دوسری ناسخ کتاب آنے والی نہیں اور اس کے تمام اخبار اور قصص ٹھیک اور واقع کے مطابق ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ یہ آیتیں ایک باحکمت اور محکم اور مضبوط کتاب کی ہیں جس سے تم کو تنفر ہے اور جب اس کتاب حکیم کی کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو تم اس کی سراپا حکمت وموعظت باتوں کا تمسخر کرتے ہو اور جس مرد کامل اور مرد حکیم پر یہ کتاب حکیم نازل ہو رہی ہے اس کی نبوت ورسالت پر تم تعجب کرتے ہو حالانکہ یہ کتاب مستطاب اس مرد کامل کی نبوت اور رسالت کی روشن دلیل ہے۔ کیا لوگوں کے لیے یہ بات باعث تعجب ہوئی کہ ہم نے لوگوں کی اصلاح اور ہدایت کے لیے انہیں میں کے ایک مرد کامل کی طرف وحی بھیجی جس کے حسب اور نسب اور امانت و دیانت سے یہ لوگ بخوبی واقف ہیں اور اس وحی کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں کو خدا کی نافرمانی سے ڈرائے اور جو لوگ ایمان لے آتے ہیں ان کو خوشخبری سنائے کہ ان کے لیے ان کے پروردگار کے ہاں پایۂ صدق یعنی بہت بلند مرتبہ ہے اور کیسی سعادت اور فلاح ازل میں ان کے لیے لکھی جا چکی ہے اور

بشارت ونذارت کوئی امر تعجب نہیں بلکہ لوگوں کو حیوانات کی طرح مہمل چھوڑ دینا کہ انسان ہوکر شتر بے مہار کی طرح پھرا کرے جہاں چاہے منہ مارے اور جس مادہ سے چاہے جفتی کرے (جیسا کہ یورپ میں ہو رہا ہے) یہ امر سراسر خلاف حکمت اور لائق تعجب ہے ﴿اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ یُّتۡرَکَ سُدًی﴾ بشارت اور نذارت سے انسان کی تکمیل اور اصلاح ہوتی ہے مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی برگزیدہ بندہ اور مرد کامل پر لوگوں کی ہدایت اور ان کی بشارت ونذارت کا مضمون بذریعہ وحی نازل فرمائے تو کوئی تعجب کی وجہ نہیں مگر یہ کافر تعجب سے گزر کر طعن وتشنیع تک پہنچ گئے اور آپ کے معجزات کو دیکھ کر کافر یہ کہنے لگے کہ یہ شخص تو کھلا جادوگر ہے وحی قرآن کی تاثیر بلیغ کو دیکھ کر قرآن کو جادو بتلایا اور یہ بالکل غلط ہے ایسی سراپا حکمت وموعظت کتاب کا جادو ہونا اور ایسے صاحب کرامات ومعجزات کا جادوگر ہونا ناممکن اور محال ہے آپ ﷺ تو خدا کے رسول ہیں خدا کی صفات وکمالات کو بیان کرتے ہیں جیسا کہ آئندہ آیت ﴿اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ﴾ الخ میں آتا ہے اور یہ معجزات آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کے دلائل اور براہین ہیں کفار عرب، اللہ کے رسول ﷺ کو جادوگر بتلاتے تھے اور یہ نہیں سمجھتے تھے کہ دراصل ان کا متکبر اور مغرور نفس جو صفات فرعونیہ کا حامل ہے اصل جادوگروہ ہے جس نے تمہاری عقل کو مسحور کر دیا ہے فرعون کی طرح علو اور استکبار کا طالب ہے خدا کے برگزیدہ بندے کے سامنے تواضع اور انکساری کو اپنے لیے عار سمجھتا ہے مشرکین عرب کا عقیدہ یہ تھا کہ بشر کے لیے نبوت ممکن نہیں یہ لوگ اپنی جہالت سے بلا دلیل بشریت کو نبوت کے منافی سمجھتے تھے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے آنحضرت ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا تو اہل عرب نے اس کو ایک تعجب انگیز امر سمجھا اور کہا کہ اللہ کی شان اس سے بالا اور برتر ہے کہ محمد ﷺ جیسے انسان کو رسول بنا کر بھیجے اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بشر اور تمہارے ہم جنس انسان پر وحی کا نازل ہونا قابل تعجب نہیں اور نہ یتیم اور فقیر ہونے کے اعتبار سے قابل تعجب ہے۔ اس لیے کہ نبوت کے لیے مال دار ہونا شرط نہیں بلکہ مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کے اعتبار سے چیدہ اور برگزیدہ ہونا شرط ہے اور یہ صفت آپ ﷺ میں علی وجہ الکمال موجود ہے آپ ﷺ کی ذات بابرکت مکارم اخلاق اور محاسن کا منبع اور سرچشمہ ہے اور انبیاء سابقین علیہم السلام کی طرح آپ ﷺ بھی خدا کی طرف سے بشیر ونذیر بن کر آئے ہیں اور تمام انبیاء سابقین علیہم السلام جنس بشر سے تھے۔ فرشتہ نہ تھے۔ معلوم ہوا کہ نبوت کے لیے فرشتہ ہونا ضروری نہیں اور فقیری اور درویشی نبوت ورسالت میں قادح نہیں۔ آپ ﷺ سے پہلے بھی جنس بشر سے بہت سے نبی گزر چکے ہیں جن پر اللہ کی وحی نازل ہوتی رہی اس لیے نبوت اور وحی کوئی عجیب چیز نہیں جب کبھی خدا کی طرف سے کوئی نبی آیا تو ان کے ہم جنس معاندین نے اس وقت بھی تعجب سے یہی کہا جو اس وقت کے معاندین کہہ رہے ہیں۔ کما قال تعالیٰ: ﴿وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمۡ هُوۡدًا﴾ ﴿وَاِلٰی ثَمُوۡدَ اَخَاهُمۡ صٰلِحًا﴾ ... الی ... ﴿اَوَعَجِبۡتُمۡ اَنۡ جَآءَکُمۡ ذِکۡرٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ عَلٰی رَجُلٍ مِّنۡکُمۡ﴾ اور جس طرح گزشتہ قرون کے لوگ ﴿اَبَشَرٌ یَّهۡدُوۡنَنَا﴾ کہتے تھے اسی طرح کفار قریش کو رسول بشری پر تعجب ہوا اور اس کی نبوت کا انکار کیا اور جس طرح ان کے ہم جنس معاندین نے انبیاء سابقین علیہم السلام کے معجزات دیکھ کر انبیاء علیہم السلام کو جادوگر بتلایا اسی طرح اس زمانہ کے معاندین اور کفار مکہ

آنحضرت ﷺ کے معجزات کو دیکھ کر یہ کہتے ہیں۔ ﴿اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ اور ان کا یہ قول بالکل غلط ہے اور ظاہر البطلان ہے اس لیے کہ جو شخص مکارم اخلاق اور محاسن اعمال اور حکمت نظریہ اور حکمت عملیہ کے حقائق اور معارف بیان کرتا ہو اور حلال و حرام کی تفصیل کرتا ہو وہ کہاں سے جادوگر ہو سکتا ہے اور کتاب حکیم جو اس پر نازل ہو رہی ہے وہ کہاں سے جادو ہو سکتی ہے اس لیے کہ سحر تو محض ایک ملمع کاری ہوتی ہے اور یہ کتاب حکیم تو حکمت نظریہ اور حکمت عملیہ کی ہدایت اور رہنمائی کرتی ہے۔

قدم صدق کی تفسیر:...... قدم صدق کے معنی میں اہل تفسیر کے کئی قول ہیں۔ ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مقام صدق ہے جیسا کہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے ﴿وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ﴾ اور ایک روایت ابن عباس ؓ سے یہ ہے کہ اس سے مراد سعادت ازلیہ ہے اور زجاج ؒ کہتے ہیں کہ اس سے مراد درجہ عالیہ ہے اور مجاہد ؒ کہتے ہیں کہ اعمال صالحہ مراد ہے اور زید بن اسلم ؒ اور قتادہ ؒ کہتے ہیں کہ اس سے آنحضرت ﷺ کی شفاعت مراد ہے اور قدم کی اضافت صدق کی طرف۔ موصوف کی صفت کی طرف ہے چونکہ وہ مرتبہ عالیہ اور سعادت ازلیہ صدق و اخلاص کے بدولت ملے گا یا اس کا وقوع حق اور صدق یعنی قطعی اور یقینی ہے اس لیے قدم کو صدق کی طرف مضاف کر دیا گیا۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ

تحقیق تمہارا رب اللہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں ف۱ پھر قائم ہوا عرش پر ف۲

تمہارا رب اللہ ہے، جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں، پھر قائم ہوا عرش پر

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا

تدبیر کرتا ہے کام کی ف۳ کوئی سفارش نہیں کر سکتا مگر اس کی اجازت کے بعد ف۴ وہ اللہ ہے رب تمہارا سو اس کی بندگی کرو کیا تم

تدبیر کرتا کام کی۔ کوئی سفارش نہ کر سکے مگر جو پہلے اس کا حکم ہو۔ وہ اللہ ہے رب تمہارا، سو اس کو پوجو۔ کیا تم

تَذَكَّرُوْنَ ۝۳

دھیان نہیں کرتے ف۵

دھیان نہیں کرتے۔

ف۱ یعنی اتنے وقت میں جو چھ دن کے برابر تھا۔ اور ایک دن ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے موافق ایک ہزار سال کا لیا جائے گا۔ گویا چھ ہزار سال میں زمین و آسمان وغیرہ تیار ہوئے۔ بلاشبہ حق تعالیٰ قادر تھا کہ آن واحد میں ساری مخلوق کو پیدا کر دیتا لیکن حکمت اسی کو مقتضی ہوئی کہ تدریجاً پیدا کیا جائے۔ شاید بندوں کو سبق دینا ہو کہ قدرت کے باوجود ہر کام سوچ سمجھ کر تانی اور متانت سے کیا کریں۔ نیز تدریجی تخلیق میں بہ نسبت دفعتاً پیدا کرنے کے اس بات کا زیادہ اظہار ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ فاعل بالاضطرار نہیں بلکہ ہر چیز کا وجود بالکلیہ اس کی مشیت و اختیار سے وابستہ ہے جب چاہے، جس طرح چاہے پیدا کرے۔

ف۲ سورۂ "اعراف" کے ساتویں رکوع کے شروع میں اسی طرح کی آیت گزر چکی اس کا فائدہ ملاحظہ کیا جاوے۔

ف۳ یعنی مخلوق کے تمام کاموں کی تدبیر و انتظام اسی کے ہاتھ میں ہے۔

ف۴ یعنی شریک اور حصہ دار تو اس کی خدائی میں کیا ہوتا سفارش کے لیے بھی اس کی اجازت کے بدون لب نہیں ہلا سکتا۔

ف۵ یعنی دھیان کرو کہ ایسے رب کے سوا جس کی صفات اوپر بیان ہوئیں دوسرا کون ہے جس کی بندگی اور پرستش کی جائے۔ پھر تم کو کیسے جرات ہوتی ہے کہ اس خالق دو عالم شہنشاہ مطلق اور حکیم برحق کے پیغاموں اور پیغام بروں کو محض اوہام و ظنون کی بناء پر جھٹلانے لگو۔

ذکر تکوین عالم برائے اثبات ربوبیت رب اکرم

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ... الی... اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾

ربط:...... اوپر قرآن کریم کی عظمت اور نبوت و رسالت کی حقانیت کا ذکر تھا اب ان آیات میں تکوین عالم کو بیان کرتے ہیں تاکہ اس سے اللہ کی معرفت اور اس کی ربوبیت کا علم حاصل ہو جو بعثت کا اولین مقصد ہے ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کیا کہ تمہارا پروردگار اور تمہارا معبود وہ ذات بابرکات ہے جس نے چھ دن میں عرش سے لے کر فرش تک تمام کائنات کو پیدا کیا اور یہ تمام کارخانہ اسی کی تدبیر اور حکمت سے چل رہا ہے اسی پروردگار عالم نے تمہاری ہدایت اور تربیت کے لیے ایک مرد کامل کو مبعوث کیا ہے اور اس مرد کامل پر جو کتاب بذریعہ وحی نازل ہو رہی ہے وہ سحر نہیں بلکہ کیمیائے سعادت اور نسخۂ ہدایت ہے جس سے مقصود تمہاری اصلاح اور تربیت ہے پس اگر تمہارا پروردگار تمہاری تربیت اور ہدایت کے لیے کسی برگزیدہ بندہ پر وحی کے ذریعے کوئی کتاب نازل کرے تو کیوں تعجب کرتے ہو۔

اس کتاب کے نازل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ لوگ اپنے پروردگار کے احکام پر عمل کریں جس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا اور یقین رکھیں کہ ایک دن ان اعمال پر جزاء وسزا بھی ضرور ملنی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق تمہارا مربی اور مدبر امور وہ اللہ ہے جس نے محض اپنی قدرت سے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن کی مقدار میں پیدا کیا ہے اگر وہ چاہتا تو ایک لمحہ میں بنا دیتا اس نے کسی حکمت سے جتنی دیر چھ دن میں لگتی ہے اتنی دیر میں آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا جن سے بڑھ کر دنیا کا کوئی جسم طویل وعریض نہیں تم اگر ایک معمولی مکان بنانا چاہو تو مہینے اور سال خرچ ہو جاتے ہیں اور آسمان اور زمین کو پیدا کرنا یہ اس کے کمال قدرت کی روشن دلیل ہے اور تمام عقلاء کی عقلیں اس اقتدار عظیم کو دیکھ کر حیران اور انگشت بدنداں ہیں اور کیوں نہ ہو ایسا اقتدار عظیم اندازہ فہم اور ادراک بشری سے کہیں بالا اور برتر ہے پس اگر مليك مقتدر نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے تمہاری جنس میں سے ایک رسول تمہاری طرف بھیج دیا تو کیوں تعجب کرتے ہو اور آسمان سے زمین پر نزول وحی کا کیوں انکار کرتے ہو پھر آسمان اور زمین کی پیدائش سے بڑھ کر عجیب امر یہ ہے کہ وہ احکم الحاکمین اپنی شان کے مطابق عرش پر قائم ہوا۔ یعنی جلوہ فرما ہوا جو سب مخلوقات میں سب سے بڑا ہے اور اتنا بڑا ہے کہ آسمان اور زمین بھی اس کے سامنے ہیچ ہیں اور اللہ تعالیٰ کا عرش پر قائم ہونا اس بناء پر نہیں کہ وہ کسی عرش یا فرش کا محتاج ہے اس لیے کہ وہ کون ومکان اور زمین وزماں کے پیدا کرنے سے پہلے تھا۔ اسی طرح وہ مکان وزمان کے پیدا کرنے کے بعد بھی اسی شان سے موجود ہے معاذ اللہ عرش اللہ تعالیٰ کا مکان اور اس کی نشست گاہ نہیں کیونکہ جس چیز کے لیے مکان اور جہت ہو وہ متناہی اور محدود ہوتی ہے اور جو محدود ہے وہ مخلوق ہے اور اللہ پاک خالق ہے مخلوق نہیں غرض حق جل شانہ کے عرش پر قائم ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ عرش پر بیٹھا ہوا ہے۔ اور عرش اس کا مکان ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ بلا شبہ اور تمثیل کے یوں سمجھو کہ عرش عظیم بمنزلہ سریر سلطنت اور تخت شاہی کے ہے جس پر رب کریم اپنی شان کے مطابق بلا تمکن اور استقرار کے جلوہ فرما ہے اور عرش عظیم معاذ اللہ اس کا مکان نہیں بلکہ اس کی شان احکم الحاکمینی کی جلوہ گاہ ہے جہاں سے احکام خداوندی کا صدور ہوتا ہے۔ اور کائنات کے

ہرامر کی بلاشرکت غیرے وہ تدبیر کرتا ہے کسی سفارش کرنے والے کی مجال نہیں کہ بغیر اس کی اجازت کے سفارش کا کوئی حرف اپنی زبان سے نکال سکے۔ پس جو ذات اس خلق اور تقدیر اور تدبیر اور عظمت اور حکمت کے ساتھ موصوف ہے وہی اللہ ہے جو تمہارا پروردگار ہے اور تم کو معلوم ہے کہ ان صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ پس تم اسی کی عبادت کرو اس کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرو۔ پھر کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے یا اپنے دل میں فکر نہیں کرتے کہ عبادت اسی ذات کا حق ہے جو اس قدرت اور حکمت اور عظمت کے ساتھ موصوف ہو یا یہ مطلب ہے کہ تم اس کے دلائل وحدانیت میں غور نہیں کرتے کہ وہ آسمان وزمین کی تخلیق وتکوین میں اور اسکی تدبیر اور تصرف میں مستقل ہے وہ کسی کے اذن کا محتاج نہیں۔ معلوم ہوا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور مشرکین کا یہ زعم کہ بت خدا کے یہاں ہماری شفاعت کریں گے یہ ان کا خیال خام ہے۔

لطائف ومعارف

۱- حق جل شانہ نے ان آیات میں عالم علوی اور عالم سفلی کی تخلیق وتکوین کو بیان کیا تا کہ تم کو صانع عالم کی معرفت حاصل ہو اس لیے کہ آسمان وزمین کا اجسام عظیمہ ہونا اور بے شمار اجزاء سے انکا مرکب ہونا اور مختلف صفات اور مختلف حالات اور مختلف کیفیات کے ساتھ ان کا موصوف ہونا اور قسم قسم کے تغیرات اور انقلابات ان میں واقع ہونا یہ سب اس امر کی دلیل ہے کہ اجرام علویہ واجسام سفلیہ کی یہ حرکات وسکنات خود ان کے اختیار میں نہیں اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مادہ اس کے ذرات بسیطہ کی حرکت قدیم ان تغیرات اور تنوعات کی علت ہے اس لیے کہ باتفاق فلاسفۂ جدید وقدیم مادہ میں نہ کوئی ادراک اور شعور ہے اور نہ کسی قسم کا ارادہ اور اختیار ہے۔ مادہ میں یہ قدرت نہیں کہ وہ کسی جسم کو حرکت دے سکے یا کسی کوکب اور سیارہ کی حرکت کی جہت اور سمت کو بدل سکے یا اس کی روشنی میں کوئی کمی اور زیادتی کر سکے یا ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھر سکے پس جس مادہ کی مجبوری اور لاچارگی اور درماندگی کا یہ حال ہے کہ اپنی ذات سے وہ اندھا اور گونگا اور بہرا اور ایک اپاہج سب کچھ ہے وہ ان اجرام علویہ اور اجسام سفلیہ کے تغیرات اور انتقالات کی علت کیسے ہوسکتا ہے معلوم ہوا کہ یہ کون ومکان اور زمین وآسمان کسی قادر حکیم اور صناع علیم کی صنعت کا کرشمہ ہیں۔ اور سب اس کی تدبیر محکم کے تابع ہیں کہ وہ اپنی حکمت کے مطابق ان میں تصرف کرتا ہے۔ مادہ عالم کے ذرات بسیط ملکر کتنی ہی کانفرنسیں کریں اور کتنی ہی کمیٹیاں بنائیں اور زمین آسمان کے قلابے بھی ملائیں مگر یہ دریافت کرنے سے عاجز اور درماندہ ہیں کہ یہ کارخانہ عالم کس طرح چل رہا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ عالم علوی اور عالم سفلی کی تمام کائنات اپنی ذات کے اعتبار سے ممکن بھی ہیں اور حادث بھی ہیں۔ عدم کے بعد وجود میں آئی ہیں اور ہر لحہ اور ہر لحظہ اس کا امکان ہے کہ یہ ذات یا یہ صفت معدوم ہوجائے یا اس میں کوئی تغیر اور تبدل ہوجائے اور عقلاً یہ امر بدیہی ہے کہ کوئی ممکن اور حادث بغیر واجب قدیم کے سہارے کے قائم نہیں رہ سکتا۔ پس یہ تمام ممکنات خداوند حی وقیوم کے سہارے قائم ہیں خوب سمجھ لو کہ کائنات عالم کا امکان ذاتی اور امکان صفاتی اور حدوث ذاتی اور حدوث صفاتی ان میں سے ہر ایک وجود صانع کی دلیل قطعی ہے اس اجمال کی تفصیل کے لیے امام رازی کی تفسیر کبیر دیکھیں۔

جزاہ اللہ تعالیٰ عن الاسلام والمسلمین خیراً۔ آمین۔

۲-اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو چھ دن میں اس لیے پیدا کیا تا کہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہر چیز کی ایک مدت مقرر ہے اور تا کہ وقتاً فوقتاً اللہ کی قدرت کے کرشمے ظاہر ہوں اور ﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾ کا جلوہ نظر آئے۔

اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ انسان کو ایک لحہ میں پیدا کر دے مگر اس نے انسان کی پیدائش کے لیے مدت مقرر کر دی ہے جن میں اس کی حکمتیں ہیں جن کا علم سوائے اس کے کسی کو نہیں اسی طرح آسمان وزمین کو چھ دن میں پیدا کرنے کو سمجھو اہل ظاہر اور حشویہ ﴿اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ کے یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہوا ہے اور وہیں بیٹھے بیٹھے ساری دنیا کا انتظام کر رہا ہے۔ (دیکھو تفسیر وحیدی، ص:۲۰۷)

اہل حق یہ کہتے ہیں کہ کتاب وسنت میں حق جل شانہ کے لیے جو صفات وافعال ثابت کیے گئے ہیں۔ ہم ان پر بلا تشبیہ وتمثیل کے اور بلا جمود اور بلا تعطیل کے ایمان لاتے ہیں اور حسب ارشاد باری تعالیٰ ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ اور ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾۔ ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کو نہ کوئی مکان گھیرے ہوئے اور نہ کوئی زمانہ اس پر گزرتا ہے اور نہ اس کے لیے کوئی حد ہے اور نہ نہایت اور نہ اس کے لیے کوئی جہت اور سمت ہے اس کی ذات بابرکت، مخلوقات کی مشابہت اور مماثلت سے پاک اور منزہ ہے اس بنا پر اہل حق یہ کہتے ہیں کہ ﴿اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ سے معاذ اللہ یہ مراد نہیں کہ خداوند ذوالجلال، بادشاہوں کی طرح تخت سلطنت پر بیٹھا ہوا ہے۔ بلکہ یہ کلام خداوند ذوالجلال والاکرام کی حکمرانی سے کنایہ [1] ہے چونکہ سلاطین عالم، عرش (تخت) پر بیٹھ کر حکمرانی کرتے ہیں اس لیے سمجھانے کے لیے اللہ کی حکومت اور حکمرانی کو ﴿اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ سے تعبیر کر دیا گیا اہل عرب اپنے محاورات میں بولتے ہیں۔ فلان استوی علی العرش یعنی فلاں اپنے عرش (یعنی سریر سلطنت) پر متمکن ہو گیا اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ فلاں کو سلطنت حاصل ہو گئی اسی طرح اس آیت میں سمجھو کہ ﴿اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ سے تمکن اور استقرار اور بیٹھنے کے معنی مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو اور کائنات عالم کو پیدا کیا اور پیدا کرنے کے بعد سریر سلطنت پر قائم ہوا اور مخلوقات پر حکمرانی کرنے لگا کیونکہ حکمرانی کے لیے محکوم چاہیے۔ اس لیے اس ﴿اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ﴾ نے اپنی قدرت ازلیہ سے اول محکوم کو پیدا کیا اور پھر حکمرانی اور تدبیر کرنے لگا۔ اس کی حاکیت اور مالکیت اور رزاقیت وغیرہ وغیرہ قدیم اور ازلی ہے مخلوقات کو اس لیے پیدا کیا کہ اس کی صفات کمالیہ کا ظہور ہو۔

جود محتاج گدایاں چوں گدا
آب می گوید کہ ای طالب بیا

غرض یہ کہ ﴿اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ سے ظاہری اور حسی معنی یعنی تخت پر بیٹھنا مراد نہیں بلکہ حکمرانی اور تدبیر سے کنایہ ہے۔ اور چونکہ عرش آسمانوں اور زمینوں کو محیط ہے اس لیے حکمرانی سے کنایہ کے لیے ﴿اسْتَوٰى﴾ کے ساتھ ﴿عَلَى الْعَرْشِ﴾ کا لفظ ذکر کیا۔ امام ابوالحسن اشعری فرماتے ہیں کہ ﴿اسْتَوٰى﴾ سے اللہ تعالیٰ کا کوئی خاص فعل مراد ہے جو اس نے

[1] یہ قفال مروزی رحمہ اللہ کا قول ہے جس کا امام رازی رحمہ اللہ نے تفسیر کبیر میں ذکر کیا ہے اور سورۂ اعراف میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

عرش میں کیا۔ اور صوفیائے کرام یہ فرماتے ہیں کہ ﴿اسْتَوٰى﴾ سے اللہ تعالیٰ کی کوئی خاص تجلی مراد ہے اور امام ابوبکر بن فورک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ﴿اسْتَوٰى﴾ سے علو اور رفعت کے معنی مراد ہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اسی معنی کو اختیار فرمایا ہے۔ باقی اس آیت کی مفصل تفسیر سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے وہاں دوبارہ دیکھ لی جائے۔ لفظ ثم کلام عرب میں متعدد معنی کے لیے آتا ہے۔ (اول) تراخی رتبہ بیان کرنے کے لیے جیسے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا﴾۔ یعنی استقامت کا مرتبہ "رَبُّنَا اللّٰہُ" کہنے سے کہیں بڑھ کر ہے۔ (دوم) بمعنی قبل جیسے ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ معناہ قبل ذلك استوى على العرش کیونکہ حق تعالیٰ کا یہ قول ﴿وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ﴾ اس پر دلالت کرتا ہے کہ عرش کا وجود آسمان و زمین کی پیدائش سے مقدم ہے۔ (سوم) بمعنی واؤ۔ جیسے ﴿ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ومعناہ ومع ذلك ﴿كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾۔ (چہارم) بمعنی ابتداء واستیناف جیسے ﴿اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ۝ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ﴾ معناہ نحن ﴿نُتْبِعُهُمْ﴾۔ (پنجم) بمعنی تعجب جیسے ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ﴾ معناہ تعجبوا منھم کیف یکفرون بربھم اور آیت ہذا یعنی ﴿ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ میں لفظ ثم تفخیم شان کے لیے یعنی عرش کا مرتبہ آسمان و زمین سے بڑھ کر ہے پس لفظ ثم اس جگہ تراخی رتبہ کے لیے ہے نہ کہ تراخی وقت کے لیے۔

۵- اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ تمام کائنات عالم قادر مختار اور صانع کردگار کی صنعت ہیں فلاسفہ اور دہریین کہتے ہیں کہ یہ سب اقتضاء طبیعت ہے۔

جواب: ...... یہ ہے کہ اگر طبیعت کا وجود تسلیم کر لیا جائے تو ہم یہ کہیں گے کہ طبیعت سے جو شئے حاصل اور موجود ہوتی وہ بقدر حاجت اور بقدر ضرورت نہیں ہوتی بلکہ بقدر طاقت اور قوت ہوتی ہے۔ آگ جس چیز کو جلاتی ہے وہ اپنی قوت اور طاقت کے بہ قدار جلاتی ہے نہ بہ قدار ضرورت و حاجت۔ عاقل اور دانا کا کام ہے کہ آگ کو بقدر ضرورت استعمال کرے۔

پانی اپنی طاقت اور قوت کے بہ قدار بہے گا اور بہائے گا اور حکیم اور دانا پانی کو بقدر ضرورت اور بقدر حاجت استعمال کرے گا۔

عمارت کی بلندی پانی اور قلعی اور چونہ کی طبیعت پر موقوف نہیں بلکہ معمار کے اختیار اور اس کے تصرف پر موقوف ہے اور اس کی مصلحت کے تابع ہے اسی طرح سمجھو کہ اس سرائے فانی کی تمام عمارت اس کے بنانے والے کی قدرت اور اختیار اور اس کی حکمت اور مصلحت کے تابع ہے اس میں آسمان و زمین کی طبیعت اور مزاج کو دخل نہیں۔

اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ

اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے تم سب کو ف۱ وعدہ ہے اللہ کا سچا وہی پیدا کرتا ہے اول بار پھر دوبارہ کرے گا اس کو تاکہ بدلہ دے ان کو جو

اسی کی طرف پھر جانا ہے تم سب کو۔ وعدہ ہے اللہ کا سچا۔ وہی بناوے پہلے، پھر اس کو دہرائے گا، تا بدلہ دے ان کو جو

ف۱ یعنی اسی سے تم سب کا آغاز ہوا، اور اسی کی طرف انجام کار سب کو جانا ہے۔ پھر اس کے احکام و سفراء سے سرتابی کرنا کیسے روا ہو سکتا ہے۔

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ۭ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّعَذَابٌ

ایمان لائے تھے اور کیے تھے کام نیک انصاف کے ساتھ ف۱ اور جو کافر ہوئے ان کو پینا ہے کھولتا پانی اور عذاب ہے دردناک

یقین لائے تھے اور کئے تھے کام نیک انصاف سے۔ اور جو منکر ہوئے، ان کو پینا ہے کھولتا پانی، اور دکھ کی

اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ④

اس لیے کہ کفر کرتے تھے

مار، اس پر کہ منکر ہوتے تھے۔

حقیقت معاد وذکر جزائے اعمال

قَالَ اللہُ تَعَالٰی: ﴿اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا ... الی ... بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ﴾

ربط:...... اوپر کی آیتوں میں مبدا اور توحید کا ذکر تھا اب معاد اور جزاء اعمال کو ذکر کرتے ہیں جو اصول دین میں سے ایک عظیم اصل ہے۔ (یایوں کہو) کہ گزشتہ آیت میں فاعل حقیقی کی صفات کو بیان کیا اب یہ بتلاتے ہیں کہ تمہارا مرجع اور مآل اسی فاعل حقیقی کی طرف ہے جس نے تم کو ابتداءً پیدا کیا۔ پس کیا تم اس کے دلائل وحدانیت اور براہین ربوبیت میں غور نہیں کرتے۔ اسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے نہ کہ کسی اور کی طرف۔ یہ اللہ تعالیٰ نے تم سے سچا وعدہ کیا ہے اور اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا محال اور ناممکن ہے سو یہ تم کو مغالطہ لگا ہے بیشک وہی خدا مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر مرنے کے بعد بھی وہی دوبارہ زندہ کرے گا۔ لہٰذا تم کو چاہیے کہ اس دوسری زندگی کے لیے کچھ توشہ تیار کرلو یہ خدا تعالیٰ نے امکان اور ثبوت حشر کی دلیل بیان فرمائی۔ مطلب یہ ہے کہ جس خدا نے پہلی بار بغیر نمونہ اور مثال مخلوق کو پیدا کیا وہ اس کے دوبارہ پیدا کرنے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے۔ ﴿اَفَعَیِیْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ۭ بَلْ هُمْ فِیْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ﴾۔ لہٰذا اے منکرو! قیامت کے بارے میں کوئی شک نہ کرو اور اللہ سے ڈرو اور قیامت قائم کرنے سے خدا تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اللہ ان کو انصاف کے ساتھ بدلہ دے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے پینے کو کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہے بسبب اس کے کہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کفر کرتے تھے اندرونی عقائد فاسدہ کی سزا میں ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا اور ظاہری اعمال فاسدہ کی بنا پر ان کو دردناک عذاب دیا جائے گا۔

تحقیق مسئلہ معاد یعنی ایمان بالبعث بعد الموت

مرنے کے بعد زندہ ہونا یہ ایسا مسئلہ ہے کہ جو صرف مذہب اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام کتب سماویہ بعث بعد الموت اور جزاء اعمال پر متفق ہیں البتہ اس کے وقوع کی کیفیت میں کچھ اختلاف ہے ہر مذہب میں حشر نشر کی علیحدہ علیحدہ صورت بیان کی گئی مذہب اسلام یہ کہتا ہے کہ انسان مرنے کے بعد ایک بار دوبارہ جسمانی طور پر زندہ ہو کر خاک سے

ف۱ یعنی چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی ضائع نہ ہو۔

اٹھے گا اور اپنے اعمال کے مطابق جزا پائے گا فلاسفہ اور دہریہ تو سرے ہی سے معاد کے قائل نہیں اور ملاحدہ اور نیچریہ جس کے عقائد کی بنیا عموماً فلسفہ اور طبیعات کے اصول پر ہے وہ ظاہراً تو معاد کا اقرار کرتے ہیں مگر جسمانی معاد کے قائل نہیں۔ روحانی معاد کے قائل ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جزاء وسزا روحانی طور پر واقع ہوگی جسم مبعوث نہ ہوگا قرآن کریم نے معاد جسمانی کو اس کثرت اور صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جس میں نہ انکار کی گنجائش ہے اور نہ تاویل کی گنجائش ہے۔

اکثر اہل عرب معاد جسمانی کو محال سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ گلی سڑی ہڈیوں کا دوبارہ زندہ ہونا ناممکن اور محال ہے۔ حق جل شانہ قرآن کریم میں معاد اور حشر ونشر کے امکان کو مختلف مثالوں کے ذریعہ واضح فرمایا ہے۔

مثال اول: جس طرح مردہ زمین بارش سے زندہ ہو جاتی ہے اسی طرح مردہ انسان بھی دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔

مثال دوم: جس طرح ایک قطرہ منی سے ایک سمیع وبصیر انسان کا پیدا ہونا ممکن ہے اسی طرح انسان کے متفرق اور منتشر ذرات کو جمع کر کے دوبارہ اس کو پہلی ہیئت پر پیدا کرنا بھی ممکن ہے۔

مثال سوم: جو خدا انسان کو پہلی مرتبہ پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔

مثال چہارم: جو خدا زمین وآسمان کے پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ سات بالشت کے انسان پیدا کرنے پر کیوں قادر نہیں

مثال پنجم: نیند موت کی بہن ہے پس جو خدا سلانے کے بعد بیدار کر سکتا ہے وہ موت کے بعد بھی دوبارہ زندگی عطا کر سکتا ہے۔

(تفصیل کے لیے امام رازی کی تفسیر کبیر از صفحہ: ۴/۵۴۸۔۵۵۴ دیکھئے)

قفال مروزی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جو شخص احوال عالم میں غور کرے گا۔ وہ بالبداہت جان لے گا کہ یہ دنیا لوگوں کے امتحان اور آزمائش کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ اور دنیا کے خالق نے لوگوں کو آزاد اور مطلق العنان نہیں چھوڑا ہے بلکہ اس دنیا کو ان کے لیے دار العمل بنایا ہے پس ضروری ہے کہ خالق کی جانب سے امر بھی ہو اور نہی بھی ہو اور پھر اس دار العمل کے گزر جانے کے بعد ایک دار الجزاء بھی ہو جس میں نیکوکاروں کو ثواب اور بدکاروں کو عذاب ملے تاکہ اچھے اور برے میں امتیاز ہو جائے نیک اور بد میں فرق اور امتیاز عقلاً ضروری ہے پس اس دنیا کے احوال مبدا اور معاد دونوں کی صحت کے لیے دلائل اور براہین ہیں۔ (غرائب القرآن: ۱۱/۵۶)

شبہات وجوابات

فلاسفہ اور دہریہ اور مادہ پرست جو معاد جسمانی کو محال سمجھتے ہیں اور گلی سڑی ہڈیوں سے پھر دوبارہ جسم انسانی کا زندہ ہونا ناممکن جانتے ہیں ان کا خیال یہ ہے کہ انسان صرف مادہ کا نام نہیں بلکہ مادہ مع صورت انسان کہلاتا ہے۔ جب موت آنے سے صورت باطل ہو جاتی ہے اور اجزائے مادہ باقی رہ جاتے ہیں اور ہر جز اپنے اصلی مرکز کی طرف رجوع کرتا ہے تو اگر اس مادہ معینہ میں دوبارہ حیات پیدا کی جائے تو وہ پہلی صورت نہ ہوگی بلکہ ایک نئی صورت ہوگی اور ایک نیا شخص ہوگا سو جزا وسزا ایک نئے شخص پر عائد ہوگی نہ کہ پہلے شخص پر۔

علاوہ ازیں منکرین معاد یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ جب ایک انسان دوسرے انسان کو کھا جائے تو وہ غذا ہو کر کھانے والے کا جزو بدن ہو جاتا ہے تو بعثت کے وقت دو روحیں ایک انسان کے جسم سے کس طرح متعلق ہو سکتی ہیں۔

جواب

انسان کے جسم میں دو قسم کے اجزاء پائے جاتے ہیں ایک اجزاء اصلیہ جو انسان کی پیدائش سے اخیر تک اس کے جسم میں موجود رہتے ہیں دوم اجزائے فضلیہ یعنی وہ اجزاء جو بذریعہ غذا اجزو بدن بنتے رہتے ہیں اور یہ کھایا ہوا حیوان اس کے اجزاء اصلیہ میں داخل نہیں پس اس کو اپنے اجزاء اصلیہ کے ساتھ اور اس کو اس کے اجزاء اصلیہ کے ساتھ جدا جدا اٹھائیں گے اور دوبارہ انہی اجزاء اصلیہ کے ساتھ روح کا تعلق قائم کر دیا جائے گا جس سے دوبارہ زندگی حاصل ہو جائے گی اور رنج اور خوشی کا احساس صرف روح اور اجزاء اصلیہ کے ساتھ ہوگا اور انسان دراصل روح اور اجزاء اصلیہ کا نام ہے اور انہی اجزاء اصلیہ کو پشت آدم سے نکال کر عہد الست لیا گیا ہے اور یہی اجزاء اصلیہ آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک پشت بہ پشت منتقل ہوتے آ رہے ہیں اور قیامت کے دن انہی اجزاء اصلیہ کا اعادہ ہوگا اور روح کو ان کے متعلق کر دیا جائے گا۔ تو ان میں از سر نو حیات عود کر آئے گی اور انسان اصلی اور پہلی صورت پر عود کر آئے گا اور انسانی زندگی میں جو تغیر پیش آتے ہیں وہ اجزائے فضلیہ پر وارد ہوتے ہیں اجزاء اصلیہ بدستور محفوظ رہتے ہیں وہ کسی صورت میں زائل نہیں ہوتے اور ابتداء پیدائش سے لے کر مرنے تک جو تغیر و تبدل کا سلسلہ جاری رہتا ہے اس کا تعلق صرف ہیکل انسانی کے ساتھ ہے جو اجزاء فضلیہ کا مجموعہ ہے۔

زمانہ حال کے محققین نے خوردبین کے ذریعے مشاہدہ کیا ہے کہ ایک قطرہ پانی میں کئی لاکھ حیوانات موجود ہوتے ہیں پس جب کہ ان مادہ پرستوں کے نزدیک قطرۂ آب میں لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں اجرام صغیرہ تمام حیوانی لوازم کے ساتھ موجود ہو سکتے ہیں تو پھر پشت آدم سے ذریت کا نکالنا کیوں بعید از عقل سمجھتے ہیں اور امام رازی و عارف شعرانی وغیرھم رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تصریح کی ہے ہم اجزاء اصلیہ سے وہ مراد لے سکتے ہیں جو آیت ﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيٓ ءَادَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ الخ میں بموجب تفسیر نبوی ﷺ مذکور ہوئے ہیں اور جن کو ذریت آدم علیہ السلام کہا گیا ہے۔

بہر حال بعث بعد الموت کا عقیدہ نہ عقل کے منافی ہے اور نہ علوم جدیدہ کے، فلاسفہ نے اگرچہ حشر اجسام کے محال ہونے کا دعویٰ تو کر دیا مگر آج تک اس کے محال ہونے پر کوئی عقلی دلیل نہیں پیش کر سکے۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ

وہی ہے جس نے بنایا سورج کو (چمکتا) اور چاند کو چاندنا ف۱ مقرر کیں اس کے لیے منزلیں ف۲ تاکہ پہچانو گنتی برسوں کی

وہی ہے جس نے بنایا سورج کو چمک اور چاند کو اجالا، اور ٹھہرائیں اس کو منزلیں، تو پہچانو گنتی برسوں کی

ف۱ بعض کے نزدیک "نور" عام ہے "ضیاء" سے "ضیاء" خاص اس نور کو کہتے ہیں جو زیادہ تیز اور چمک دار ہو۔ بعض نے کہا کہ جس کی روشنی ذاتی ہو، وہ ضیاء اور جس کی دوسرے سے مستفاد ہو، وہ "نور" ہے۔ سورج کی روشنی عالم اسباب میں کسی دوسرے کرہ سے حاصل نہیں ہوئی۔ چاند کی روشنی البتہ سورج سے مستفاد ہے۔ اور بعض محققین نے دونوں میں یہ فرق بتلایا ہے کہ "نور" مطلق روشنی کو کہتے ہیں۔ "ضیاء" اور "ضوء" اس کے انتشار (پھیلاؤ) کا نام ہے۔ سورج کی روشنی کا پھیلاؤ چونکہ زیادہ ہے۔ اس لیے "ضیاء" سے تعبیر فرمایا۔ واللہ اعلم بمرادہ۔

وَالْحِسَابَ ۚ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ⑤ اِنَّ فِي

اور حساب ف۱ یوں ہی نہیں بنایا اللہ نے یہ سب کچھ مگر تدبیر سے ف۲ ظاہر کرتا ہے نشانیاں ان لوگوں کے لیے جن کو سمجھ ہے ف۳ البتہ

اور حساب۔ نہیں بنایا اللہ نے یہ سب مگر تدبیر سے۔ کھولتا ہے پتے ایک لوگوں پر جن کو سمجھ ہے۔ البتہ

اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ⑥

بدلنے میں رات اور دن کے اور جو کچھ پیدا کیا ہے اللہ نے آسمانوں اور زمین میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ڈرتے ہیں ف۴

بدلنے میں رات اور دن کے اور جو بنایا اللہ نے آسمان و زمین میں پتے ہیں ایک لوگوں کو جو ڈر رکھتے ہیں۔

ذکر دلائل قدرت مقرون بتذکیر نعمت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً ... الى ... لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ﴾

ربط: ......اوپر توحید کا ذکر تھا اب مزید دلائل قدرت کو بیان کرتے ہیں کہ جو شخص ان عجائب قدرت میں ذرا غور کرے گا تو سمجھ جائے گا کہ اس کارخانہ عالم کا کوئی صانع اور کاریگر ضرور ہے جس کی قدرت وحکمت کا اندازہ حیطۂ عقل سے باہر ہے اور یہ آیت درحقیقت گزشتہ آیت کی تفصیل ہے جس میں تخلیق سموات والارض کا ذکر فرمایا تھا۔ مزید اتمام حجت کے لیے ان دلائل کو بیان فرمایا اور یہ امور علاوہ دلائل قدرت کے اس کی بے مثال نعمتیں بھی ہیں۔ جن میں غور کرنے سے صانع کی معرفت بھی حاصل ہوتی ہے اور اس کی محبت بھی حاصل ہوتی ہے اور دل اس صانع کی عظمت اور جلال سے پر ہو جاتا ہے کیونکہ شمس وقمر کی روشنی اس کی عظیم نعمت بھی ہے اور اس کی عظیم قدرت کی دلیل بھی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ وہ اللہ وہی ہے جس کی الوہیت اور ربوبیت اور قدرت کے دلائل تم سن چکے ہو۔ مزید برآں یہ کہ جس نے سورج کو جگمگاتا ہوا بنایا اور چاند کو روشن اور اجالا بنایا اور چاند کی چال کے لیے منزلیں مقرر کیں۔ کما قال تعالیٰ: ﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ﴾ تا کہ تم ان اجرام کے ذریعے برسوں کا شمار اور مہینوں اور دنوں اور ساعات کا حساب معلوم کرو۔ یعنی تا کہ تم کو ماہ وسال کا گزرنا معلوم ہو کیونکہ شریعت میں ماہ وسال کا مدار قمری حساب پر ہے نہ کہ شمسی حساب پر۔ غرض یہ کہ شمس وقمر کا یہ تفاوت اس کی قدرت کی نشانی ہے حالانکہ ان اجرام سماویہ کا اصل مادہ ایک اور نفس مادہ ان خصوصیات اور امتیازات کو مقتضی

= ف۲ یعنی روزانہ بتدریج گھٹتا بڑھتا ہے۔ ﴿وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ﴾ (یٰسین، رکوع ۳) علمائے ہیئت نے اس کے دورے کی تقسیم کر کے اٹھائیس منزلیں مقرر کی ہیں۔ جو بارہ بروج پر منقسم ہیں۔ قرآن میں خاص ان کی اصطلاحات مراد نہیں، مطلق سیر ومسافت کے مدارج مراد ہیں۔

ف۱ یعنی برسوں کی گنتی اور مہینوں اور دنوں کے چھوٹے موٹے حساب سب چاند سورج کی رفتار سے وابستہ کر دیے ہیں۔ اگر چاند سورج نہ ہوں تو دن رات، قمری اور شمسی مہینے، اور سال وغیرہ کیسے متعین ہوں۔ حالانکہ علاوہ دنیوی زندگی اور معاشی کاروبار کے بہت سے احکام شرعیہ میں بھی تعیین اوقات کی ضرورت ہے۔

ف۲ یعنی فلکیات کا سلسلہ یوں ہی کیف ما اتفق نہیں۔ بلکہ بڑے عظیم الشان نظام وتدبیر کے ماتحت اور ہزار ہا فوائد وحکم پر مشتمل ہے۔

ف۳ یعنی سمجھ دار لوگ مصنوعات کے اس نظام کو دیکھ کر خداوند قادر وحکیم کی ہستی کا سراغ پاتے ہیں۔ اور مادیات کے انتظام سے روحانیات کے متعلق بھی اندازہ کر لیتے ہیں کہ وہاں کی دنیا میں کیسے کیسے چاند سورج خدا نے پیدا کیے ہوں گے۔ انہی کو انبیاء ومرسلین کہہ لیجیے۔

ف۴ بلاشبہ دنیا کی ہر چھوٹی بڑی چیز میں خدا کی ہستی اور وحدانیت کے دلائل موجود ہیں۔ وَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَهٗ اٰيَةٌ تَدُلُّ عَلٰى اَنَّهٗ وَاحِدٌ سورۂ بقرہ میں پارہ سیقول کے ربع کے قریب ایک آیت گزر چکی جس میں زیادہ بسط وتفصیل سے ان نشان ہائے قدرت کا بیان ہوا ہے۔

نہیں اس لیے کہ مادہ میں نہ ادراک شعور ہے اور نہ اس میں ارادہ اور اختیار ہے اور نہ اس میں تدبیر اور تصرف ہے پس معلوم ہوا کہ ان خصوصیات کا فاعل مادہ نہیں بلکہ ان کا فاعل وہ ذات اقدس ہے جو کمال علم اور کمال قدرت اور کمال حکمت کے ساتھ موصوف ہے نہیں پیدا کیا اللہ نے ان سب چیزوں کو مگر حکمت اور مصلحت کے لیے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو عبث اور بے کار پیدا نہیں کیا۔ بلکہ ان کے پیدا کرنے سے مقصود اپنی قدرت اور وحدانیت کے دلائل کا اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ دلائل قدرت جاننے والوں کے لیے تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے تاکہ اہل علم ان سے اللہ کی وحدانیت پر استدلال کریں تحقیق رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور ظلمت اور نور کی کمی وزیادتی میں اور ان قسم قسم کی چیزوں میں جو اللہ نے اسمانوں اور زمین میں پیدا کی ہیں البتہ نشانیاں ہیں جو موجودہ صانع اور اس کی وحدانیت اور کمال علم اور کمال قدرت اور کمال حکمت پر دلالت کرتی ہیں اس گروہ کے لیے جو برے انجام سے اور حشر کی رسوائی سے ڈرتے ہیں جن کو آخرت کا اندیشہ اور ڈر لگا ہوا ہے وہی ہماری نشانیوں میں غور وفکر کرتے ہیں اور جو لوگ دنیاوی زندگی پر راضی اور مطمئن ہیں وہ ہماری آیتوں سے غافل ہیں اس کا ذکر آئندہ آیت میں آ رہا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ شمس وقمر اور لیل ونہار کے احوال اثبات مبدأ ومعاد پر دال ہیں جو شخص اس عجیب وغریب نظام عالم پر نظر ڈالے گا وہ ایک قادر حکیم کی ہستی کا سراغ لگائے گا اور سمجھ جائے گا کہ یہ عجیب وغریب اختلافات اور قسم قسم کے تغیرات کسی بے شعور مادہ کے رہین منت نہیں اور نہ یہ حکیمانہ نظام کسی بخت واتفاق کا نتیجہ ہے اور ان اختلافات اور تغیرات میں خدا کی قدرت اور اس کی وحدانیت کی نشانیاں ان لوگوں کے لیے ہیں جو برے انجام سے ڈرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ نے ہم کو عقل اور قدرت اس لیے عطا کی ہیں کہ عقل سے حق اور باطل کا فرق پہچانیں اور خدا داد طاقت سے اعمال خیر بجا لائیں اور سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو جانوروں کی طرح بے قید نہیں بنایا ہے یہ دنیا دار العمل ہے اس دار العمل سے گزرنے کے بعد ایک دار الجزاء کا آنا ضروری ہے تاکہ خیر وشر پر جزا وسزا مرتب ہو سکے۔ اور آج کل سائنس دان جو سرے سے خدا تعالیٰ کے قائل نہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ دنیا کا کارخانہ اور اس کے تمام کام مادۂ قدیمہ اور اس کے ذرات بسیط کی حرکت قدیمہ اور موجودات کی باہمی کششوں اور طبعی خواص سے چل رہا ہے اس کے علاوہ اس کے لیے کسی مدبر اور متصرف کی ضرورت نہیں۔

سوال یہ ہے کہ جب مادہ میں کوئی شعور اور ادراک نہیں اور اس میں کسی قسم کی قدرت اور ارادہ نہیں ہے اور مادہ کو اور اس کے ذرات بسیط کو اپنے وجود کا بھی علم نہیں اور نہ ان کو اپنی حرکت کا علم، مادہ کے ذرات بسیط کی تمام حرکت اضطراری ہے اختیاری نہیں تو اس جاہل اور گونگے اور بہرے اور اندھے اور اپاہج مادہ سے یہ عجیب وغریب عالم کس طرح وجود میں آ گیا۔ جس کو دیکھ کر حکماء اور عقلاء حیران اور سرگرداں ہیں ان سائنس دانوں کا گمان یہ ہے کہ تمام تنوعات اور تطورات مادہ کے ذرات بسیط کی حرکت سے حاصل ہوتے ہیں جو خاص خاص قوانین فطرت کے مطابق جاری ہے معلوم نہیں کہ وہ کون سے قوانین فطرت ہیں جن کے ماتحت مادہ کے ذرات بسیط کی حرکت جاری ہے اور ان فلاسفۂ عظام کو ان قوانین فطرت کا علم کہاں سے ہوا اور کس طرح ہوا ذرا کچھ بتلائیں اور سمجھائیں تو سہی۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ

البتہ جو لوگ امید نہیں رکھتے ہمارے ملنے کی اور خوش ہوئے دنیا کی زندگی پر اور اسی پر مطمئن ہو گئے اور جو لوگ ہماری

جو امید نہیں رکھتے ہمارے ملنے کی اور راضی ہوئے دنیا کی زندگی پر، اور اسی پر چین پکڑا، اور جو ہماری

اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝۷ أُولٰٓئِكَ مَأْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۸ إِنَّ الَّذِينَ اٰمَنُوْا

قدرتوں سے بے خبر ہیں ف۱ ایسوں کا ٹھکانا ہے آگ بدلہ اس کا جو کماتے تھے ف۲ البتہ جو لوگ ایمان لائے

قدرتوں سے خبر نہیں رکھتے۔ ایسوں کا ٹھکانا ہے آگ، بدلہ اس کا جو کماتے تھے۔ جو لوگ یقین لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ ۚ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهٰرُ فِي جَنّٰتِ

اور کام کیے اچھے ہدایت کرے گا ان کو رب ان کا ان کے ایمان سے ف۳ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں باغوں میں

اور کئے کام نیک، راہ دے گا ان کو رب ان کا ان کے ایمان سے۔ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں، باغوں میں

النَّعِيمِ ۝۹ دَعْوٰىهُمْ فِيهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ أَنِ

آرام کے ان کی دعا اس جگہ یہ کہ پاک ذات ہے تیری یا اللہ ف۴ اور ملاقات ان کی سلام ف۵ اور خاتمہ ان کی دعا کا اس پر کہ

آرام کے۔ ان کی دعا اس جگہ، یہ کہ پاک ذات تیری یا اللہ! اور ملاقات ان کی، سلام۔ اور تمام ان کی دعا اس پر کہ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ۝۱۰ ع

سب خوبی اللہ کو جو پروردگار سارے جہان کا ف۶

سب خوبی اللہ کو جو صاحب سارے جہان کا۔

ف۱ یعنی دنیا میں ایسا دل لگایا کہ آخرت کی اور خدا کے پاس جانے کی کچھ خبر ہی نہ رہی۔ اسی چند روزہ حیات کو مقصود و معبود بنا لیا۔ اور قدرت کی جو نشانیاں اوپر بیان ہوئیں، ان میں کبھی غور و تامل نہ کیا کہ ایسا مضبوط اور حکیمانہ نظام یوں ہی بیکار نہیں بنایا گیا۔ ضرور اس سارے کارخانہ کا کوئی خاص مقصد ہوگا۔ پھر جس نے پہلی مرتبہ ایسی عجیب و غریب مخلوقات پیدا کر دی، اس کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔

ف۲ یعنی دل و دماغ سے، زبان سے، ہاتھ پاؤں سے، جو کچھ انہوں نے کمائی کی اس کا بدلہ دوزخ کی آگ ہے۔

ف۳ یعنی ایمان کی بدولت اور اس کی روشنی میں حق تعالیٰ مومنین کو مقصد اصلی (جنت) تک پہنچائے گا۔

ف۴ جنتی، جنت کی نعمتوں اور خدا کے فضل و احسان کو دیکھ کر "سبحان اللہ" پکاریں گے۔ اور جب خدا سے کچھ مانگنے کی خواہش ہوگی، مثلاً کوئی پرندہ یا پھل دیکھا اور ادھر رغبت ہوئی تو سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ کہیں گے۔ اتنا سنتے ہی فرشتے وہ چیز فوراً حاضر کر دیں گے۔ گویا یہی ایک لفظ تمام دعاؤں کے قائم مقام ہوگا۔ دنیا میں بھی بڑے آدمیوں کے یہاں دستور ہے کہ مہمان اگر کسی چیز کو پسند کر کے صرف تعریف کر دے تو غیور میزبان کوشش کرتا ہے کہ وہ چیز مہمان کے لیے مہیا کرے۔

ف۵ جنتی ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔ جیسے دنیا میں مسلمانوں کا دستور ہے، نیز فرشتوں کا جنتیوں کو سلام کرنا، بلکہ خود خداوند رب العزت کی طرف سے تحفہ سلام کا آنا قرآن میں منصوص ہے۔ ﴿سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيمٍ﴾ (یٰس، رکوع ۴) ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ﴾ (الرعد، رکوع ۳)

ف۶ جنت میں پہنچ کر جب دنیوی تفکرات و کدورات کا خاتمہ ہو جائے گا اور محض سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ کہنے پر ہر چیز حسب خواہش ملتی رہے گی تو ان کی ہر دعا کا خاتمہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" پر ہوگا اور طبعاً ایسا ہی ہونا چاہیے۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ

البتہ جو لوگ امید نہیں رکھتے ہمارے ملنے کی اور خوش ہوئے دنیا کی زندگی پر اور اسی پر مطمئن ہو گئے اور جو لوگ ہماری

جو امید نہیں رکھتے ہمارے ملنے کی اور راضی ہوئے دنیا کی زندگی پر، اور اسی پر چین پکڑا، اور جو ہماری

اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝ أُولٰٓئِكَ مَأْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُوْنَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ اٰمَنُوا

قدرتوں سے بے خبر ہیں ف۱ ایسوں کا ٹھکانا ہے آگ بدلہ اس کا جو کماتے تھے ف۲ البتہ جو لوگ ایمان لائے

قدرتوں سے خبر نہیں رکھتے۔ ایسوں کا ٹھکانا ہے آگ، بدلہ اس کا جو کماتے تھے۔ جو لوگ یقین لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيْمَانِهِمْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهٰرُ فِي جَنّٰتِ

اور کام کیے اچھے ہدایت کرے گا ان کو رب ان کا ان کے ایمان سے ف۳ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں باغوں میں

اور کئے کام نیک، راہ دے گا ان کو رب ان کا ان کے ایمان سے۔ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں، باغوں میں

النَّعِيْمِ ۝ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ أَنِ

آرام کے ان کی دعا اس جگہ یہ کہ پاک ذات ہے تیری یا اللہ ف۴ اور ملاقات ان کی سلام ف۵ اور خاتمہ ان کی دعا کا اس پر کہ

آرام کے۔ ان کی دعا اس جگہ، یہ کہ پاک ذات تیری یا اللہ! اور ملاقات ان کی، سلام۔ اور تمام ان کی دعا اس پر کہ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ع

سب خوبی اللہ کو جو پروردگار سارے جہان کا ف۶

سب خوبی اللہ کو جو صاحب سارے جہان کا۔

ف۱ یعنی دنیا میں ایسا دل لگایا کہ آخرت کی اور خدا کے پاس جانے کی کچھ خبر ہی نہ رہی۔ اسی چند روزہ حیات کو مقصود و معبود بنالیا۔ اور قدرت کی جو نشانیاں اوپر بیان ہوئیں، ان میں کبھی غور و تامل نہ کیا کہ ایسا مضبوط اور حکیمانہ نظام یوں ہی بیکار نہیں بنایا گیا۔ ضرور اس سارے کارخانہ کا کوئی خاص مقصد ہوگا۔ پھر جس نے پہلی مرتبہ ایسی عجیب و غریب مخلوقات پیدا کردی، اس کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔

ف۲ یعنی دل و دماغ سے، زبان سے، ہاتھ پاؤں سے، جو کچھ انہوں نے کمائی کی اس کا بدلہ دوزخ کی آگ ہے۔

ف۳ یعنی ایمان کی بدولت اور اس کی روشنی میں حق تعالیٰ مومنین کو مقصد اصلی (جنت) تک پہنچائے گا۔

ف۴ جنتی، جنت کی نعمتوں اور خدا کے فضل و احسان کو دیکھ کر "سبحان اللہ" پکاریں گے۔ اور جب خدا سے کچھ مانگنے کی خواہش ہوگی، مثلاً کوئی پرندہ یا پھل دیکھا اور ادھر رغبت ہوئی تو سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ کہیں گے۔ اتنا سنتے ہی فرشتے وہ چیز فوراً حاضر کردیں گے۔ گویا یہ ہی ایک لفظ تمام دعاؤں کے قائم مقام ہوگا۔ دنیا میں بھی بڑے آدمیوں کے یہاں دستور ہے کہ مہمان اگر کسی چیز کو پسند کر کے صرف تعریف کر دے تو غیور میزبان کوشش کرتا ہے کہ وہ چیز مہمان کے لیے مہیا کرے۔

ف۵ جنتی ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔ جیسے دنیا میں مسلمانوں کا دستور ہے، نیز فرشتوں کا جنتیوں کو سلام کرنا، بلکہ خود خداوند رب العزت کی طرف سے تحفہ سلام کا آنا قرآن میں منصوص ہے۔ ﴿سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾ (یٰس، رکوع ۴) ﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ﴾ ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ﴾ (الرعد، رکوع ۳)

ف۶ جنت میں پہنچ کر جب دنیوی تفکرات و کدورات کا خاتمہ ہو جائے گا اور محض سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ کہنے پر ہر چیز حسب خواہش ملتی رہے گی تو ان کی ہر دعا کا خاتمہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ" پر ہوگا اور طبعاً ایسا ہی ہونا چاہیے۔

بیان مآل و مآل منکرین معاد و بیان نعیم اہل ارشاد

قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ... الی... اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

ربط:...... اوپر کی آیتوں میں مبدأ اور معاد کا ذکر تھا اب ان آیات میں معاد کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کا حال و مآل بیان ہوتا ہے جو لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں ان کی تہدید ہے اور ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کے اخروی نتائج کا بیان ہے اور یہ بتلاتے ہیں کہ جو لوگ آخرت کے منکر ہیں اور حیات فانیہ پر راضی اور مطمئن ہو گئے ہیں اور اس کو اپنا مقصود اور مطمح نظر سمجھ بیٹھے اور اس قدر غافل ہیں کہ دلائل قدرت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے وہ شقی اور بدبخت ہیں اور جو لوگ آخرت کو مانتے ہیں اور اس کے لیے تیاری کرتے ہیں وہ سعید اور خوش نصیب ہیں ان کا عمل ان کے سامنے نور بن کے چلے گا اور جس درجہ کا ایمان ہوگا اسی درجہ کا نور ہوگا ان آیات میں اولاً منکرین آخرت کا حال اور مآل بیان کیا اور پھر مصدقین آخرت کا حال اور مآل بیان کیا تا کہ خوب فرق واضح ہو جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق جو لوگ قیامت کے دن ہمارے سامنے پیش ہونے کی امید نہیں رکھتے۔ یعنی آخرت اور جزاء کے منکر ہیں اور دنیاوی زندگی پر خوش ہیں اور اس پر ان کو اطمینان قلب ہے۔ یعنی اس میں ان کا جی لگا ہوا ہے۔ اور آخرت کی طلب سے خالی ہے دنیا ہی کو منتہائے مقصود سمجھے ہوئے ہیں جس کے مقابلے میں ان کو کسی چیز کی پرواہ نہیں اور وہ لوگ جو دنیاوی لذتوں میں اس قدر غرق ہیں کہ ہماری قدرت کی نشانیوں سے بالکل غافل ہیں ایسے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ کی آگ ہے۔ ظاہر میں تو آگ ہوگی ہی اور باطن میں بھی آگ ہوگی وہ یہ کہ وہاں پہنچ کر اپنی تمام مرغوب اور محبوب چیزوں سے محروم ہو جائیں گے یہ آتش فراق اور آتش حیرت اندر ہی اندر سوزاں ہوگی اور یہ آتش دوزخ بدلہ اور سزا ہوگی اس عمل کی جو دنیا میں کماتے تھے۔ یعنی یہ آتش دوزخ ان کے کفر اور شرک کی سزا ہوگی۔ اور اس میں شک نہیں کہ جو لوگ اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان لائے اور جنت کے لیے انہوں نے نیک کام کیے ان کا پروردگار ان کے ایمان کے سبب ان کو جنت کی راہ دکھائے گا ان کے مکانوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی یہ لوگ نعمت اور عیش و عشرت کے باغوں میں ہوں گے اور نعمت کے باغوں میں ان کا عجب حال ہوگا اور وہاں ان کا قول یہ ہوگا ﴿سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ﴾ اے اللہ تو پاک ہے وعدہ خلافی سے اور تمام نقائص سے۔ یعنی جنت میں پہنچنے کے بعد ان کا شغل تسبیح و تقدیس ہوگا اور اسی میں ان کو لذت آئے گی کوئی لغو اور بے ہودہ بات ان کی زبان سے نہیں نکلے گی۔ اور باہمی ملاقات کے وقت ان کی دعائے خیر سلام ہوگی۔ یعنی ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو دعا سلام ہوگی۔ نیز فرشتے بھی ان کو سلام کریں گے اور سلامتی کی بشارت دیں گے اور ان کا اخیر قول یہ ہوگا ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ یعنی سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو پروردگار ہے سارے جہانوں کا یعنی ان کے کلام کی ابتدا تسبیح سے ہوگی۔ اور اس کا اختتام تحمید پر ہوگا یعنی اخیر میں اللہ کی حمد و شکر کریں گے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے یہ نعمتیں عطا کیں۔ حدیث میں ہے کہ اہل جنت کو تسبیح و تحمید کا اہتمام ہوگا اور سانس کی طرح ان کی زبان سے تسبیح و تحمید جاری ہوگی اور تحمید و تسبیح سے بڑھ کر اہل جنت کو کوئی چیز لذیذ معلوم نہ ہوگی۔

قطعہ

ذوق نامش عاشق مشتاق را — از بہشت جاودانی خوش تر است

گرچہ در فردوس نعمت ہائے است — وصل او از ہر چہ دانی خوش تر است

زجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اہل جنت کے کلام کا آغاز تسبیح وتعظیم سے ہوگا اور اس کا اختتام خدا کے شکر اور ثنا پر ہوگا۔ (تفسیر کبیر: ۴/ ۵۶۵)

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ

اور اگر جلدی پہنچا دے اللہ لوگوں کو برائی جیسے کہ جلدی مانگتے ہیں وہ بھلائی تو ختم کردی جائے ان کی عمر سو ہم چھوڑے رکھتے ہیں

اور اگر شتاب دے اللہ لوگوں کو برائی جیسے شتاب مانگتے ہیں بھلائی، تو پوری کر چکے ان کی عمر۔ سو ہم چھوڑ رکھتے ہیں،

الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱﴾

ان کو جن کو امید نہیں ہماری ملاقات کی ان کی شرارت میں سرگرداں ف ۱

جن کو امید نہیں ہماری ملاقات کی، اپنی شرارت میں بہکتے۔

منکرین نبوت کے شبہ کا جواب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ ... الى ... فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ﴾

ربط: ...... اس سورت کا آغاز منکرین نبوت کے شبہات کے جوابات سے ہوا ہے چنانچہ منکرین نبوت کے ایک شبہ کا جواب شروع سورت میں ہو چکا ہے اب ان آیات میں ان کے ایک اور شبہ کا جواب دیتے ہیں کہ کفار اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ اگر محمد (ﷺ) خدا کے سچے نبی ہیں تو ان کی مخالفت کرنے پر عذاب کیوں نہیں آتا اور ہم پر آسمان سے پتھر کیوں نہیں برستے۔ اور ہم ہلاک کیوں نہیں کر دیئے جاتے، لہٰذا حق سبحانہ ان کے اس شبہ کا جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ منکرین اور مخالفین پر فوراً عذاب نازل کرنا ہماری حکمت اور رحمت کے خلاف ہے۔ ہم جیسا لوگوں پر رحمت اور نعمت نازل کرنے میں جلدی کرتے ہیں اگر ایسے ہی ان کے ہلاک کرنے میں جلدی کریں تو کام ہی تمام ہو جائے۔ اللہ کی حکمت اور رحمت یہی ہے کہ ان کے ہلاک کرنے میں جلدی نہ کی جائے ویسے خدا تعالیٰ کو ان کے پکڑنے پر ہر وقت قدرت ہے۔ وہ حلیم بھی ہے اور حکیم بھی ہے۔ شاید سنبھل جائیں۔ اور حق کو قبول کر لیں یہ اس کا فضل ہے کہ وہ شر کی دعا جلدی قبول نہیں کرتا نیز اس سے اہل ایمان کو ادب سکھانا

ف ۱ دو آیت پہلے فرمایا تھا جو لوگ غفلت میں پڑے ہیں اور ہمارے ملنے کی امید نہیں رکھتے۔ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ یہاں یہ بتلانا ہے کہ خدا ایسے مجرموں کو دنیا میں فوراً نہیں پکڑتا بلکہ مہلت دیتا ہے۔ حالانکہ لوگوں کا حال یہ ہے کہ کبھی بے باک و بے حیا بن کر خود اپنے اوپر جلد عذاب آنے کا مطالبہ کرتے ہیں مثلاً کہتے ہیں ﴿اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ﴾ (انفال، رکوع ۴) کبھی دنیوی حوادث سے تنگ آ کر اپنے یا اپنی اولاد وغیرہ کے حق میں بددعائیں کرنے لگتے ہیں۔ جیسا کہ تجربہ سے ظاہر ہے۔ اب اگر خدا تعالیٰ ان کی درخواست و دعاء کے موافق فوراً ان کے ہاتھوں ہاتھ کوئی عذاب یا برائی اس قدر جلد ان کو پہنچا دے جتنی جلد وہ بھلائی کے پہنچنے کی خواہش رکھتے ہیں تو بدی کے وبال سے ایک منٹ بھی فرصت نہ پائیں اور رشتہ حیات اسی وقت منقطع ہو جائے، مگر خدا کے یہاں نیکی و بدی دونوں میں حسب مصلحت تاخیر و تحمل ہوتا ہے، تاکہ نیک لوگ تربیت پائیں اور بد غفلت میں پڑے رہ کر پیمانہ شرارت لبریز کر لیں۔

ہے کہ شر کے مانگنے میں جلدی نہ کریں۔

ربط دیگر:...... کہ گزشتہ آیات میں آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت پر کفار مکہ کے استعجاب کو دفع فرمایا۔ اب ان آیات میں ان کے دوسرے تعجب کو دفع کرتے ہیں وہ اس بات پر تعجب کرتے تھے کہ باوجود ہماری مخالفت کے ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا۔ جواب یہ ہے کہ وہ حلیم کریم ہے فوراً نہیں پکڑتا بلکہ مہلت دیتا ہے۔

نہ گردن کشاں را بگیرد بفور　　نہ عذر آوراں را براند بجور

ربط دیگر:...... گزشتہ آیات یعنی ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا﴾ الخ میں ان کی غفلت اور جہالت اور حماقت کو بیان کرتے ہیں وہ یہ کہ نزول عذاب کے بارے میں عجلت کے خواہاں ہیں جیسا کہ سورۂ ص میں ہے ﴿وَقَالُوۡا رَبَّنَا عَجِّلۡ لَّنَا قِطَّنَا قَبۡلَ یَوۡمِ الۡحِسَابِ﴾ چنانچہ فرماتے ہیں کہ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر برائی پہنچانے اور سختی کرنے میں جلدی کرتا اور نادانوں کی خواہش کے مطابق ان کی بددعا قبول کرنے میں اور ان کی بداعمالیوں کی سزا میں جلدی کرتا جیسا کہ یہ لوگ دنیاوی فوائد کے حاصل کرنے میں دعائے خیر کے قبول ہونے میں جلدی کرتے ہیں تو البتہ کبھی کی ان کی موت آچکی ہوتی اور سب مر چکے ہوتے اور ان کا نام ونشان بھی نہ رہتا لیکن ہمارا حلم اور ہماری حکمت جلد بازی کی مقتضی نہیں۔ پس اس لیے کہ ہم ان لوگوں کو جن کو ہمارے سامنے پیش ہونے کی نہ امید ہے اور نہ ڈر ہے۔ ان کو ان کے حال پر بلا عذاب کے ان کی سرکشی اور بے راہی میں چھوڑ دیتے ہیں کہ بھٹکتے پھریں تاکہ ان پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہوجائے یعنی ایسے سرکشوں کو مہلت دینا اور نہ پکڑنا بطور استدراج کے ہے کہ اللہ کی حجت ان پر پوری ہوجائے اور عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اس حلم اور بردباری کو دیکھ کر شرمائیں اور سنبھل جائیں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حلم اور اپنے لطف وکرم سے ان نادانوں کی بددعا قبول کرنے میں جلدی نہیں کرتا اور جو لوگ بعث اور جزا وسزا کے منکر ہیں وہ عذاب نہ ہونے سے یہ نہ سمجھیں کہ وہ حق پر ہیں بلکہ یہ سمجھیں کہ یہ مہلت ان کے حق میں استدراج اور خذلان ہے اور ایک قسم کی رحمت بھی ہے کہ فوراً نہیں پکڑلیا۔

وَاِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنۡۢبِهٖۤ اَوۡ قَاعِدًا اَوۡ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفۡنَا عَنۡهُ ضُرَّهٗ

اور جب پہنچے انسان کو تکلیف پکارے ہم کو پڑا ہوا یا بیٹھا یا کھڑا پھر جب ہم کھول دیں اس سے وہ تکلیف

اور جب پہنچے انسان کو تکلیف، ہم کو پکارے پڑا ہوا یا بیٹھا یا کھڑا۔ پھر جب ہم نے کھول دی اس سے وہ تکلیف،

مَرَّ كَاَنۡ لَّمۡ يَدۡعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلۡمُسۡرِفِيۡنَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۲﴾

چلا جائے گویا کبھی نہ پکارا تھا ہم کو کسی تکلیف پہنچنے پر اسی طرح پسند آیا ہے بیباک لوگوں کو جو کچھ کر رہے ہیں ف ۱

چلا گیا۔ گویا کبھی نہ پکارا تھا ہم کو کسی تکلیف پہنچنے پر۔ اسی طرح بن پایا ہے بے لحاظ لوگوں کو، جو کچھ کر رہے ہیں۔

ف ۱ یعنی انسان اول بے باکی سے خود عذاب طلب کرتا اور برائی اپنی زبان سے مانگتا ہے۔ مگر کمزور اور بودا اتنا ہے کہ جہاں ذرا تکلیف پہنچی گھبرا کر ہمیں پکارنا شروع کر دیا۔ جب تک مصیبت رہی کھڑے، بیٹھے، لیٹے ہر حالت میں خدا کو پکارتا رہا۔ پھر جہاں تکلیف ہٹالی گئی، سب کہا سنا بھول گیا۔ گویا خدا سے کبھی کوئی واسطہ نہ تھا۔ وہی غرور غفلت کا نشہ، وہی اکڑفوں رہ گئی جس میں پہلے مبتلا تھا۔ حدیث میں ہے کہ تو خدا کو اپنے عیش وآرام میں یاد رکھ، خدا تجھ کو تیری سختی اور مصیبت میں یاد رکھے گا۔ مومن کی شان یہ ہے کہ کسی وقت خدا کو نہ بھولے۔ سختی پر صبر اور فراخی پر خدا کا شکر ادا کرتا رہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی توفیق مومن کے سوا کسی کو نہیں ملتی۔

انسان کی طبعی کمزوری اور اس کی ناسپاسی اور احسان فراموشی

قَالَ اللهُ تَعَالىٰ: ﴿وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا... الى... مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾

ربط:...... حق تعالیٰ نے کفار پر نبی کریم ﷺ کی مخالفت کی وجہ سے کبھی کچھ تکلیفیں نازل کیں تاکہ متنبہ ہوجائیں اور سنبھل جائیں مگر ان کا حال یہ ہوا کہ جب مصیبت نے ان کو آ پکڑا تو اس وقت خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ اور اپنے بتوں کو بھول گئے بلکہ ان کو چھوڑ بیٹھے۔ مصیبت کے ایک تازیانے نے سمجھا دیا کہ شرک سراسر باطل ہے پھر خدا تعالیٰ نے جب ان کی تکلیف دور کر دی تو پھر خدا کو بالکل بھول گئے۔

اس آیت سے مقصود انسان کی بے صبری اور اس کے جزع وفزع کا حال بیان کرنا ہے کہ انسان بڑا ہی بے صبرا اور بڑا ہی ناشکرا ہے ذرا سی مصیبت میں گھبرا جاتا ہے اور ذرا سی راحت ونعمت میں اترانے لگتا ہے اور منعم حقیقی کو بھول جاتا ہے۔

یہ آیت اگرچہ کفار کے بارے میں نازل ہوئی مگر جس حالت کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر کیا ہے وہ اہل کفر کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ بہت سے مسلمان بھی اس میں مبتلا ہیں سو جاننا چاہیے کہ حالت ضراء میں صبر اور رضا بالقضاء لازم ہے اور حالت سراء میں حمد وشکر اور ثناء لازم ہے ہر حالت کے احکام الگ الگ ہیں۔

(ربط دیگر):...... یہ کہ گزشتہ آیت میں کفار کی بے باکی اور سرکشی کو بیان کیا تھا کہ یہ بے باک خدا تعالیٰ کی معصیت کر کے سوال کرتے ہیں کہ خدا اپنے مجرموں کو فوراً کیوں نہیں پکڑتا اب اس آیت میں یہ بیان کرتے ہیں کہ انسان اپنی بے باکی سے خود عذاب طلب کرتا ہے اور زبان سے برائی مانگتا ہے مگر اتنا کمزور اور بودا ہے کہ جہاں ذرا تکلیف پہنچی گھبرا کر ہمیں پکارنا شروع کر دیا۔ ذرا ایک مصیبت آئی تو غرور کا سارا نشہ کافور ہوا۔

(ربط دیگر):...... یہ کہ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا معاملہ اور برتاؤ انسان کے ساتھ بیان کیا اب اس آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ انسان کا معاملہ اور برتاؤ ہمارے ساتھ کیسا ہے نیز یہ بتلاتا ہے کہ ان کا استعجال عذاب یعنی نزول عذاب کی طلب، طلب کاذب تھی ذرا سی تکلیف پہنچی تو اسی وقت بارگاہ خداوندی میں عجز وزاری شروع کر دی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور انسان کا عجب حال یہ ہے کہ جب اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہم کو کروٹ پر لیٹا ہوا یا بیٹھا ہوا یا کھڑا ہوا یعنی جس حالت میں بھی ہو اس تکلیف کے دور کرنے کے لیے ہم کو پکارتا ہے۔ اور جب تک اس کی تکلیف دور نہیں ہوتی برابر ہم کو پکارتا رہتا ہے۔ پس جب ہم اس سے اس کی تکلیف کو دور کر دیتے ہیں تو وہ بدستور اپنے پہلے طریق کفر اور غفلت پر چل دیتا ہے گویا کہ اس نے ہم کو پکارا ہی نہ تھا۔ مطلب یہ ہے کہ تکلیف اور رنج کے وقت کچھ دل نرم ہو جاتا ہے اور ہماری طرف جھک جاتا ہے اور جب تکلیف دور ہو جاتی ہے تو اپنی اسی قدیم شقاوت اور غفلت کی طرف لوٹ جاتا ہے اور جس تکلیف اور مصیبت کے وقت ہم کو پکارتا ہے وہ بھی بھول جاتا ہے۔ اسی طرح آراستہ کر دیئے گئے۔ حد سے گزرنے والوں کے لیے ان کے اعمال جو لوگ حد سے نکل گئے ان کو اپنے برے اعمال اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ مقصود آیت یہ ہے کہ کافر انسان، نزول بلا کے وقت بے صبرا ہے اور حصول نعمت کے وقت ناشکرا ہے۔ تکلیف کے وقت اسے خدا یاد آتا ہے اور راحت کے وقت خدا کو بھول جاتا ہے اور یہ

اس کی بے ایمانی کی دلیل ہے اور مومن کامل وہ ہے جو کسی وقت خدا کو نہ بھولے۔ بلا اور مصیبت میں صابر رہے اور راحت ونعمت میں شاکر رہے ایک حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے میرے بندے تو مجھے اپنی راحت میں یاد رکھ میں تجھے تیری مصیبت میں یاد رکھوں گا۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا

اور البتہ ہم ہلاک کر چکے ہیں جماعتوں کو تم سے پہلے جب ظالم ہوگئے حالانکہ لائے تھے ان کے پاس رسول ان کے کھلی نشانیاں اور ہرگز

اور ہم کھپا چکے ہیں وہ سنگتیں تم سے پہلے، جب ظالم ہوگئے، اور لائے تھے ان پاس رسول ان کے کھلی نشانیاں اور ہرگز

كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي

نہ تھے ایمان لانے والے یوں ہی سزا دیتے ہیں ہم قوم گناہ گاروں کو ف۱ پھر تم کو ہم نے نائب کیا

نہ تھے ایمان لانے والے۔ یوں ہی سزا دیتے ہیں ہم قوم گنہگار کو۔ پھر تم کو ہم نے نائب کیا

الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

زمین میں ان کے بعد تاکہ دیکھیں تم کیا کرتے ہو ف۲

زمین میں ان کے بعد کہ دیکھیں تم کیا کرتے ہو۔

ذکر ہلاک مجرمین سابقین برائے عبرت مجرمین حاضرین

قَالَ اللہُ تَعَالٰی: ﴿وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ... الی ... لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیت میں کفار ومشرکین کا مستحق عذاب ہونا بیان کیا اب ان آیات میں کفار سابقین کا نافرمانی کے جرم میں ہلاک ہونا ذکر کرتے ہیں تاکہ حاضرین اور موجودین اور آنحضرت ﷺ ان سابقین کے حالات سے عبرت حاصل کریں اور نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی تکذیب اور مخالفت سے باز آجائیں اور سمجھ لیں کہ اللہ کی یہ قدیم سنت ہے کہ جو لوگ انبیاء ومرسلین علیہم السلام کے کھلے نشانات دیکھنے کے بعد ان کی تکذیب پر کمربستہ رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمانی عذاب سے ہلاک کر ڈالا مگر ایک زمانہ کے بعد ہلاک کیا فوراً انہیں ہلاک کیا۔ اللہ تعالیٰ حلیم ہے پکڑنے پر جلدی نہیں کرتا اس لیے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے حلم سے دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے اہل مکہ ہم نے تم سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کیا جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا یعنی کفر اور شرک کیا اور انبیاء کرام کی تکذیب کی اور ان کی آیات بینات اور حجج واضحات کا انکار

ف۱ یعنی اگر ان کی درخواست کے موافق جلدی عذاب نہ آئے یا تکلیف ومصیبت آکر ٹل جائے تو بےفکر نہیں ہونا چاہیے۔ ظلم وشرارت اور بے ایمانی کی سزا جلد یا بدیر مل کر رہے گی۔ سنت اللہ قدیم سے یہی ہے کہ جب لوگ انبیاء ومرسلین کے کھلے نشان دیکھنے کے بعد بھی ظلم وتکذیب پر کمربستہ رہے اور کسی طرح ایمان وتسلیم کی طرف نہ جھکے تو آسمانی عذاب نے ان کو ہلاک کر ڈالا۔ ہمیشہ مجرموں کو کسی نہ کسی رنگ میں سزا ملتی رہی۔

ف۲ یعنی پہلوں کی جگہ اب تم کو زمین پر بسایا تاکہ دیکھا جائے کہ تم کہاں تک خالق ومخلوق کے حقوق پہچانتے ہو۔ اور خدا کے پیغمبروں کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہو۔ نیک وبد جیسے عمل کرو گے اسی کے مناسب تم سے برتاؤ کیا جائے گا۔ آگے اس معاملہ کا ذکر ہے جو قرآن کریم یا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم یا خداوند قدوس کے ساتھ انہوں نے کیا۔

کیا اور ہم نے محض ان کے ظلم پر نہیں پکڑا بلکہ بعد اس کے کہ ان کے پاس ان کے رسول اپنی نبوت و رسالت کے روشن دلائل لے کر آئے اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ کی حجت ان پر پوری ہوگئی اور غایت عناد کی وجہ سے وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لے آتے جس طرح ہم نے ان کو ہلاک کیا اسی طرح ہم مجرم لوگوں کو سزا دیا کرتے ہیں۔ پھر ان کے ہلاک اور برباد کرنے کے بعد زمین میں تم کو ان کا جانشین کیا اور ان کے بجائے تم کو آباد کیا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسا عمل کرتے ہو۔ ایمان لاتے ہو یا تکذیب کرتے ہو تمہارے اعمال کے موافق ہم معاملہ کریں گے۔

عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان پچھلوں سے عبرت پکڑے اور بلاء اور قہر کے نازل ہونے سے پہلے اپنی حالت درست کرلے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ

اور جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے آیتیں ہماری واضح کہتے ہیں وہ لوگ جن کو امید نہیں ہم سے ملاقات کی لے آ کوئی قرآن اس کے سوا

اور جب پڑھیے ان پاس آیتیں ہماری صاف، کہتے ہیں جن کو امید نہیں ہم سے ملاقات کی، لے آ کوئی اور قرآن اس کے سوا

اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ

یا اس کو بدل ڈال ف۱ تو کہہ دے میرا کام نہیں کہ اس کو بدل ڈالوں اپنی طرف سے میں تابعداری کرتا ہوں اسی کی جو حکم آئے میری طرف

یا اس کو بدل ڈال۔ تو کہہ، میرا کام نہیں اس کو بدل لوں اپنی طرف سے۔ میں تابع ہوں اسی کا جو حکم آوے میری طرف۔

اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ

میں ڈرتا ہوں اگر نافرمانی کروں اپنے رب کی بڑے دن کے عذاب سے ف۲ کہہ دے اگر اللہ چاہتا تو میں نہ پڑھتا اس کو تمہارے سامنے

میں ڈرتا ہوں اگر بے حکمی کروں اپنے رب کی، بڑے دن کی مار سے۔ تو کہہ، اگر اللہ چاہتا، تو میں نہ پڑھتا تمہارے پاس

وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۫ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ

اور نہ وہ تم کو خبر کرتا اس کی کیونکہ میں رہ چکا ہوں تم میں ایک عمر اس سے پہلے کیا پھر تم نہیں سوچتے ف۳ پھر اس سے بڑا ظالم کون

اور نہ وہ تم کو خبر کرتا اس کی۔ کیونکہ میں رہ چکا ہوں تم میں ایک عمر اس سے پہلے۔ کیا پھر تم نہیں بوجھتے۔ پھر کون ظالم اس سے؟

ف۱ قرآن کی عام پند و نصیحت تو بہت سے پسند کرتے لیکن بت پرستی یا ان کے مخصوص عقائد و رسوم کا رد ہوتا تو وحشت کھاتے اور ناک بھوں چڑھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے کہ اپنے خدا سے کہہ کر یا تو دوسرا قرآن لے آئیے جس میں یہ مضامین نہ ہوں اور اگر یہی قرآن رہے تو اتنے حصہ میں ترمیم کر دیجئے جو بت پرستی وغیرہ سے متعلق ہے۔ جن لوگوں نے پتھر کی مورتیوں پر خدائی اختیارات تقسیم کر رکھے تھے، ان کی ذہنیت سے کچھ مستبعد نہیں کہ ایک پیغمبر کو اس طرح کے تصرفات و اختیارات کا مالک فرض کرلیں۔ یا یہ کہنا بھی محض الزام و استہزاء کے طور پر ہوگا۔ بہرحال اس کا تحقیقی جواب آگے مذکور ہے۔

ف۲ یعنی کسی فرشتہ یا پیغمبر کا یہ کام نہیں کہ اپنی طرف سے کلام الٰہی میں ترمیم کر کے ایک شوشہ بھی تبدیل کر سکے۔ پیغمبر کا فرض یہ ہے کہ جو وحی خدائی طرف سے آئے بلا کم و کاست اس کے حکم کے موافق چلتا رہے۔ وہ خدا کی وحی کا تابع ہوتا ہے۔ خدا اس کا تابع نہیں ہوتا کہ جیسا کلام تم چاہو، خدا کے یہاں سے لاکر پیش کر دے۔ وحی الٰہی میں ادنیٰ سے ادنیٰ تصرف اور قطع و برید کرنا بڑی بھاری معصیت ہے پھر جو معصوم بندے سب سے زیادہ خدا کا ڈر رکھتے ہیں (انبیاء علیہم السلام) وہ ایسی معصیت و نافرمانی کے قریب کہاں جا سکتے ہیں۔ "اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ" میں گویا ان بے ہودہ فرمائش کرنے والوں پر =

مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ⑰

جو باندھے اللہ پر بہتان یا جھٹلائے اس کی آیتوں کو بیشک بھلا نہیں ہوتا گناہ گاروں کا ف۱

جو بنادے اللہ پر جھوٹ یا جھٹلاوے اس کی آیتیں۔ بیشک بھلا نہیں ہوتا گنہگاروں کا۔

کفار عرب کی ایک ہرزہ سرائی کا جواب باصواب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ... الى ...لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ﴾

ربط:...... اس آیت میں منکرین نبوت کے ایک تیسرے شبہ کو ذکر کر کے اس کا جواب دیتے ہیں وہ یہ کہ آپ ﷺ جب کافروں کو آیات قرآنی پڑھ کر سناتے تو اس کا اعجاز ان کے دل پر اثر کرتا اور اس کی پند ونصیحت کو پسند کرتے۔ لیکن جب شرک اور ان کی بت پرستی اور ان کی جاہلانہ رسموں کی مذمت کا ذکر آتا تو ناک منہ چڑھا کر رسول خدا ﷺ سے درخواست کرتے کہ ان کو قرآن سے نکال دیجئے اور اس کے بدلے میں دوسرے مضامین بنا دیجئے جن میں بت پرستی کی مذمت اور شرک کی برائیاں نہ ہوں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے تعنت اور عناد کی خبر دی اور ان کی اس ہرزہ سرائی اور بے ہودہ بات کو ذکر کر کے اس کا جواب دیا گیا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے میرا کلام نہیں۔ نبی ﷺ کو یہ اختیار نہیں کہ اللہ کے کلام اور اس کی وحی میں کوئی تغیر اور تبدل یا کوئی ترمیم کر سکے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ممکن ہے ان کی یہ فرمائش بطور تمسخر اور استہزاء ہو اور ممکن ہے کہ بطریق تجربہ اور امتحان ہو کہ اگر آپ ﷺ اسی کلام میں کوئی تبدیلی کر دیں تو ہم جان لیں کہ آپ ﷺ اس دعوے میں کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے جھوٹے ہیں بلکہ یہ کلام آپ ﷺ کا ہے آپ ﷺ لوگوں کی فرمائش سے اس میں تغیر وتبدل کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ﷺ جواب میں یہ کہہ دیں کہ کلام میرا ساختہ و پرداختہ نہیں کہ

=تعریض ہوگئی کہ ایسی سخت نافرمانی کرتے ہوئے تم کو بڑے دن کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔

ف۳ یعنی جو خدا چاہتا ہے وہی تمہارے سامنے پڑھتا ہوں اور جتنا وہ چاہتا ہے میرے ذریعہ سے تم کو خبردار کرتا ہے۔ اگر وہ اس کے خلاف چاہتا تو میری کیا طاقت تھی کہ خود اپنی طرف سے ایک کلام بنا کر اس کی طرف منسوب کر دیتا۔ آخر میری عمر کے چالیس سال تمہاری آنکھوں کے سامنے گزرے۔ اس قدر طویل مدت میں تم کو میرے حالات کے متعلق ہر قسم کا تجربہ ہو چکا۔ میرا صدق وعفاف، امانت و دیانت وغیرہ اخلاق حسنہ تم میں ضرب المثل رہے۔ میرا امی ہونا اور کسی ظاہری معلم کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہ کرنا ایک معروف ومسلم واقعہ ہے۔ پھر چالیس برس تک جس نے نہ کوئی قصیدہ لکھا ہو، نہ مشاعروں میں شریک ہوا ہو، نہ کبھی کتاب کھولی ہو نہ قلم ہاتھ میں لیا ہو، نہ کسی درس گاہ میں بیٹھا ہو دفعتاً ایسا کلام بنا لائے جو اپنی فصاحت وبلاغت، شوکت وجزالت، جدت اسلوب اور سلاست و روانی سے جن وانس کو عاجز کر دے۔ اس کے علوم وحقائق کے سامنے تمام دنیا کے معارف ماند پڑ جائیں۔ ایسا مکمل اور عالمگیر قانون ہدایت نوع انسان کے ہاتھوں میں پہنچائے جس کے آگے سب پچھلے قانون ردی ہو جائیں۔ بڑی بڑی قوموں اور ملکوں کے مردہ قالب میں روح تازہ پھونک کر ابدی حیات اور نئی زندگی کا سامان بہم پہنچائے۔ یہ بات کس کی سمجھ میں آسکتی ہے۔ تم کو سوچنا چاہیے کہ جس پاک سرشت انسان نے چالیس برس تک کسی انسان پر جھوٹ نہ لگایا ہو، کیا وہ ایک دم ایسی جسارت کر سکتا ہے کہ معاذ اللہ خدا اور قدوس پر جھوٹ باندھنے اور افتراء کرنے لگے؟ ناچار ماننا پڑے گا کہ جو کلام الٰہی تم کو سناتا ہوں، اس کے بنانے یا پہنچانے میں مجھے اصلاً اختیار نہیں۔ خدا جو کچھ چاہتا ہے میری زبان سے تم کو سناتا ہے۔ ایک نقطہ یا زیر زبر تبدیل کرنے کا کسی مخلوق کو حق حاصل نہیں۔

ف۱ یعنی گنہ گاروں اور مجرموں کو حقیقی کامیابی اور بھلائی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اب تم خود فیصلہ کر لو کہ ظالم ومجرم کون ہے اگر (بفرض محال) میں جھوٹ بنا کر خدا کی طرف منسوب کرتا ہوں تو مجھ سا ظالم کوئی نہیں ہو سکتا۔ لیکن گزشتہ آیت میں جو دلیل بیان کی گئی اس سے ثابت ہو چکا کہ یہ احتمال بالکل باطل ہے۔ پس جب میرا سچا ہونا ثابت ہے اور تم جہل یا عناد سے خدا کے کلام کو جھٹلا رہے ہو تو اب زمین کے پردہ پر تم سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہو سکتا۔

میں اس میں کسی قسم کا کوئی ردوبدل یا ترمیم کرسکوں بلکہ یہ اللہ کا کلام ہے جس میں کوئی تصرف نہیں کرسکتا۔ (انتھی کلامہ)
نیز تم کو میری عادت مستمرہ صدق وامانت معلوم ہے میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور نہ کبھی کسی امانت میں خیانت کی۔ پس میں
اللہ تعالیٰ کی امانت میں کیسے تصرف کرسکتا ہوں۔ امانت میں تغیر وتبدل ظلم ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: اور جب ان مشرکوں پر ہماری
صاف اور واضح آیتیں پڑھی جاتی ہیں۔ صاف اور واضح آیتوں سے مراد یہ ہے کہ ان کی حقانیت اور ان کا صدق اور ان کا
اعجاز صاف ظاہر ہے تو جو لوگ ہمارے پاس آنے کی امید نہیں رکھتے یا نہیں ڈرتے تو آیات توحید اور آیات وعید کو سن کر
ہمارے رسول سے یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کے سوا دوسرا قرآن لا یعنی ایسی کتاب لا جس میں حشر ونشر اور ثواب وعذاب کا ذکر
اور ہمارے بتوں کی مذمت نہ ہو۔ اس قرآن کے مضامین کو بدل دے یعنی عذاب کی آیت کی جگہ رحمت کی آیت لکھ دو۔
مطلب یہ تھا کہ اس قرآن سے وعدہ اور وعید اور حلال وحرام اور شرک اور بت پرستی کی مذمت اور حشر ونشر کے مضامین نکال دو
غرض یہ کہ اس قرآن کو ہماری خواہش کے موافق بنادو۔ خدا تعالیٰ نے ان کے اس سوال کے جواب میں اپنے رسول کو حکم دیا کہ
آپ ﷺ ان ضدی اور کج فہم لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میرے لیے یہ روا نہیں کہ میں اس میں اپنی طرف سے کوئی تغیر وتبدل
کرڈالوں یہ اللہ کی وحی ہے۔ میں اس میں کوئی تصرف نہیں کرسکتا۔ میں صرف اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی منجانب
اللہ میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے بلا کمی اور زیادتی اور بلا ترمیم وتنسیخ، میں وحی کا اتباع کرتا ہوں اور اگر بالفرض والتقدیر
خدانخواستہ میں وحی کا اتباع نہ کروں اور قرآن میں کسی قسم کی تبدیلی کرکے خدا کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے خوفناک
دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ نیز اے نبی ﷺ! آپ ﷺ ان مشرکوں سے جو آپ سے قرآن کی تبدیلی کی درخواست
کرتے ہیں یہ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں اس قرآن کو تمہارے سامنے نہ پڑھتا اور نہ خدا تعالیٰ تم کو میرے ذریعے اس
کے مضامین سے آگاہ اور خبردار کرتا یعنی خدا چاہتا تو اس قرآن کو نازل نہ کرتا اور نہ مجھے تم پر پڑھنے کا حکم دیتا اور نہ تم کو میرے
واسطے سے ان مضامین سے اطلاع دیتا یہ سب کچھ اس کی طرف سے ہے۔ میں اس کے حکم کا تابع ہوں پس تمہارا مجھے اس کے
بدلنے کی درخواست کرنا فضول ہے۔ پس تحقیق اس سے پہلے میں تم میں ایک بڑی عمر تک رہ چکا ہوں یعنی نبوت سے پہلے
چالیس برس کی عمر تمہارے ہی ساتھ گزری تم میرے حالات سے بخوبی واقف ہو کہ میں نے کسی سے نہ پڑھا لکھا اور نہ کمال
حاصل کیا اور نہ کسی استاد کے پاس جا کر بیٹھا اور میرا چال چلن بھی تمہیں خوب معلوم ہے اور اس عرصۂ دراز میں تم نے میرا تجربہ
کرلیا کہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور نہ کسی کی امانت میں خیانت کی پھر دفعۃً جو قرآن تمہارے سامنے پیش کیا جو عجیب و
غریب علوم اور معارف اور اخبار ماضیہ اور آداب اور حکم اور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال پر مشتمل ہے اور ایسا فصیح وبلیغ ہے کہ
جس کی فصاحت و بلاغت نے جملہ فصحاء اور بلغاء کو عاجز کردیا اور باوجود بار بار تحدی کے کوئی شخص اس کے مقابلہ میں ایک
آیت بھی بنا کر نہ لاسکا۔ کیا پس تم سمجھتے نہیں یعنی میرا امی (ناخواندہ) ہونا اور ایک بڑی عمر تک تمہارے درمیان رہنا اور اس
عرصہ دراز میں کبھی وحی اور الہام کا نام بھی نہ لینا پھر یک بارگی ایک معجز کتاب کو تمہارے پاس لانا جس کے معارضہ سے تم عاجز
ہو اور ایک آیت بھی اس کے مثل بنا کر نہیں لاسکتے حالانکہ تم فصاحت وبلاغت میں شہرۂ آفاق ہو اور میں امی ہوں یہ اس بات
کی دلیل ہے کہ میں دعوئ نبوت اور رسالت اور دعوی وحی میں صادق اور امین ہوں اور یہ قرآن میرا کلام نہیں۔ اللہ کا کلام ہے

کیا تم ایسی موٹی بات کو نہیں سمجھتے۔ میرے ذاتی کلام اور قرآن میں فرق عیاں اور نمایاں ہے۔ قرآن معجز ہے اور میرا کلام معجز نہیں پس جب تم نے چالیس برس تک میرا تجربہ کرلیا کہ میں نے کسی دنیوی معاملہ میں جھوٹ نہیں بولا تو چالیس برس کے بعد یک لخت خدا پر کیسے بہتان باندھ سکتا ہوں۔ پس بتلاؤ کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا اس کی آیتوں کو جھٹلایا مطلب یہ ہے کہ میں تو اللہ تعالیٰ پر افتراء نہیں کرتا۔ البتہ مشرکین جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہیں اور جو لوگ خدا کے لیے بیٹی اور بیٹا ٹھہراتے ہیں وہ سب خدا پر بہتان باندھتے ہیں اور خدا پر جھوٹ باندھنے والے سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں اسی طرح جو شخص خدا کی آیتوں کو جھٹلائے اس سے بڑھ کر بھی کوئی ظالم نہیں بلاشبہ جرم کرنے والے کامیاب نہ ہوں گے بلکہ عذاب ابدی میں گرفتار ہوں گے۔

فائدہ:...... اللہ پر جھوٹ باندھنے والے ظالموں میں مدعیان نبوت بھی داخل ہیں۔ جیسے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی اور سجاح وغیرہ وغیرہ جن لوگوں نے اس زمانہ میں ان کو اور آنحضرت ﷺ کو دیکھا ان پر روز روشن کی طرح دونوں کے خصائل وافعال میں فرق واضح ہو گیا۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ

اور پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا اس چیز کی جو نہ نقصان پہنچا سکے ان کو نہ نفع اور کہتے ہیں یہ تو ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے

اور پوجتے ہیں اللہ سے نیچے جو چیز نہ برا کرے ان کا اور نہ بھلا، اور کہتے ہیں یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے

اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا

پاس۔ ف۱ تو کہہ کیا تم اللہ کو بتلاتے ہو جو اس کو معلوم نہیں آسمانوں میں اور نہ زمین میں وہ پاک ہے اور برتر ہے اس سے

پاس۔ تو کہہ، تم اللہ کو جتاتے ہو جو اس کو معلوم نہیں کہیں آسمانوں میں نہ زمین میں۔ وہ پاک ہے اور بہت دور ہے اس سے

يُشْرِكُوْنَ ⑱ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ

جس کو شریک کرتے ہیں ف۲ اور لوگ جو ہیں سو ایک ہی امت ہیں پیچھے جدا جدا ہو گئے اور اگر نہ ایک بات پہلے ہو چکتی

جو شریک کرتے ہیں۔ اور لوگ جو ہیں سو ایک ہی امت ہیں، پیچھے جدا جدا ہوئے۔ اور اگر نہ ایک بات آگے ہو چکتی

رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ⑲

تیرے رب کی تو فیصلہ ہوجاتا ان میں جس بات میں کہ اختلاف کر رہے ہیں ف۳

تیرے رب کی تو فیصلہ ہوجاتا ان میں جس بات میں پھوٹ رہے ہیں۔

ف۱ وہ معاملہ تو خدا اور پیغمبر کے ساتھ تھا۔ اب ان کی خدا پرستی کا حال سنیے کہ خدا کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جن کے قبضہ قدرت میں نفع و ضرر کچھ بھی نہیں۔ جب پوچھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ بے شک بڑا خدا تو ایک ہے جس نے آسمان و زمین پیدا کیے مگر ان اصنام (بتوں) وغیرہ کو خوش رکھنا اس لیے ضروری ہے کہ یہ سفارش کر کے بڑے خدا سے دنیا میں ہمارے اہم کام درست کرا دیں گے اور اگر موت کے بعد دوسری زندگی کا سلسلہ ہوا تو وہاں بھی ہماری سفارش کریں گے باقی چھوٹے موٹے کام جو تو دان کے حدود اختیار میں ہیں ان کا تعلق تو صرف ان ہی سے ہے۔ بناء علیہ ہم کو ان کی عبادت کرنی چاہیے۔ =

ابطال شرک اور مشرکین کے ایک شبہ کا ازالہ

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ... الی ... فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾

ربط: ...... ان آیات میں بھی مشرکین کی جہالت اور گمراہی کا بیان ہے کہ غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ہماری سفارش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ ان کا یہ دعوی بالکل غلط اور بے اصل ہے جس پر کوئی دلیل نہیں اگر اس چیز کا کوئی وجود ہوتا تو ضرور اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا یہ ناممکن ہے کہ کوئی چیز ہو اور اللہ تعالیٰ کو اس کا علم نہ ہو۔ نیز اس سے بڑھ کر کیا حماقت ہوگی کہ ایسی چیز کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں کہ اگر یہ ان کی عبادت کریں تو وہ ان کو کوئی نفع نہ پہنچائیں۔ اور اگر ان کی عبادت چھوڑ دیں تو وہ ان کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں اور اخیر آیت میں یہ بتلایا کہ بت پرستی ابتداء میں نہ تھی بلکہ بعد میں حادث ہوئی جس پر کوئی دلیل نہیں اور اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا کہ یہ مشرک اللہ کے سوا ایسی حقیر چیز کی پرستش کرتے ہیں جو ان کو نہ ضرر دیتی ہے اور نہ نفع دیتی ہے یعنی اگر یہ اس کی پرستش چھوڑ دیں تو ان کو کوئی ضرر نہیں اور اگر تمام اوقات اس کی عبادت میں صرف کریں تو کوئی نفع نہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ یہ بت جن کا عاجز یا لاچار ہونا ان کے سامنے ہے اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ اس لیے ہم ان کی عبادت کرتے ہیں یہ ان کا خیال خام ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔ اے نبی ﷺ! آپ ان مشرکین سے کہہ دیجئے کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جس کا اللہ کو علم نہیں نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ یعنی گویا کہ تم اللہ تعالیٰ کو بتلاتے ہو کہ اس کا شریک موجود ہے اگر کوئی اللہ کا شریک ہوتا تو اللہ کو اس کا ضرور علم ہوتا۔ مقصود یہ ہے کہ تم جھوٹے ہو وہ پاک ہے اور بلند و برتر ہے اس چیز سے جس کو یہ خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں اس کا نہ کوئی ہمسر ہے اور نہ اس کی کوئی ضد ہے اور شروع میں آدم علیہ السلام کے وقت سب لوگ ایک ہی امت تھے۔ اور سب توحید اور دین اسلام پر تھے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام موحد تھے اور ان کی تمام اولاد ان کے طریقہ پر موحد تھی پھر ایک زمانہ کے بعد لوگ مختلف ہو گئے۔ بعض توحید پر قائم رہے اور بعض اپنی کج راہی کی بنا پر توحید سے منحرف ہوئے اور شرک اور گمراہی میں مبتلا ہو گئے۔

مطلب یہ ہے کہ توحید اور دین اسلام قدیم ہے ہمیشہ سے چلا آتا ہے ابتداء میں تمام لوگ دین حق پر تھے۔ ایک عرصہ کے بعد لوگوں نے دین حق میں اختلاف کیا اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے نبیوں کو بھیجا۔ کما قال تعالیٰ: ﴿فَبَعَثَ اللهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ﴾ انبیاء علیہم السلام نے دین حق اور توحید کی دعوت دی اور شرک سے ڈرایا

= ف ۲ یعنی بتوں کا شفیع ہونا اور شفیع کا مستحق عبادت ہونا دونوں دعوے غلط اور بے اصل ہیں اور ظاہر ہے کہ خدا کے علم میں وہی چیز ہوگی جو واقعی ہو۔ لہذا تعلیم الٰہی کے خلاف ان غیر واقعی اور خود تراشیدہ اصول کو حق بجانب ثابت کرنا گویا خدا تعالیٰ کو ایسی چیزوں کے واقعی ہونے کی خبر دینا ہے جن کا وقوع آسمان و زمین میں کہیں بھی اسے معلوم نہیں یعنی کہیں ان کا وجود نہیں۔ ہوتا تو اس کے علم میں ضرور ہوتا۔ پھر اس سے منع کیوں کرتا۔

ف ۳ ممکن تھا مشرکین کہتے کہ خدا نے تمہارے دین میں منع کیا ہوگا ہمارے دین میں منع نہیں کیا۔ اس کا جواب دے دیا کہ اللہ کا دین ہمیشہ سے ایک ہے۔ اعتقادات حقہ میں کوئی فرق نہیں۔ درمیان میں جب لوگ بہک کر جدا جدا ہو گئے۔ خدا نے ان کے سمجھانے اور دین حق پر لانے کو انبیاء بھیجے۔ کسی زمانہ اور کسی ملت میں خدا نے شرک کو جائز نہیں رکھا باقی لوگوں کے باہمی اختلافات کو زبردستی اس لیے نہیں مٹایا گیا کہ پہلے سے خدا کے علم میں یہ بات طے شدہ تھی کہ یہ دنیا دار عمل (موقع واردات) ہے۔ قطعی اور آخری فیصلہ کی جگہ نہیں۔ یہاں انسانوں کو کسب و اختیار دے کر قدرے آزاد چھوڑا گیا ہے کہ وہ جو راہ عمل چاہیں اختیار کریں۔ اگر یہ بات پیشتر طے نہ ہو چکی ہوتی تو سارے اختلافات کا فیصلہ ایک دم کر دیا جاتا۔

غرض یہ کہ کسی ملت میں شرک کو جائز نہیں کہا گیا۔ انبیاء شرک سے منع کرنے کے لیے مبعوث ہوتے ہیں۔ اور اگر تیرے پروردگار کی طرف سے یہ حکم ازلی جاری نہ ہو چکا ہوتا کہ یہ دنیا دار العمل ہے دار جزاء نہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کرتے۔ ﴿فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ اور ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ﴾ ہر امت کے لیے ایک میعاد مقرر ہے تو جس چیز کے درمیان یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں تو اس کا قطعی فیصلہ بھی اسی دنیا میں ہو چکا ہوتا یعنی دنیا میں ہی مشرکین اور مکذبین کو ہلاک کر دیتے اور اہل حق کو بچا لیتے۔ اور عذاب کے ذریعے حق اور باطل میں امتیاز ہو جاتا مگر اس نے اپنی حکمت سے فیصلہ کے لیے قیامت کا دن مقرر کیا ہے اس لیے کافروں پر دنیا میں عذاب نازل نہیں ہوتا۔ جس کو اپنی نادانی سے یہ سمجھتے ہیں کہ خدا ہم سے اور ہمارے دین سے راضی اور خوش ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ

اور کہتے ہیں کیوں نہ اتری اس پر ایک نشانی اس کے رب سے سو تو کہہ دے کہ غیب کی بات اللہ ہی جانے، سو منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ

اور کہتے ہیں کیوں نہ اتری اس پر ایک نشانی اس کے رب سے، سو تو کہہ، کہ چھپی بات اللہ ہی جانے، سو راہ دیکھو، میں تمہارے ساتھ ہوں

ع مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ

انتظار کرتا ہوں ف۱ اور جب چکھائیں ہم لوگوں کو مزا اپنی رحمت کا بعد ایک تکلیف کے جو ان کو پہنچی تھی اس وقت بنانے لگیں حیلے

راہ دیکھتا۔ اور جب چکھاویں ہم لوگوں کو مزہ اپنی مہر کا بعد تکلیف کے جو ان کو لگی تھی، اسی وقت بنانے لگیں حیلے

اٰيَاتِنَا ۭ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ۭ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾

ہماری قدرتوں میں، کہہ دے کہ اللہ سب سے جلد بنا سکتا ہے حیلے تحقیق ہمارے فرشتے لکھتے ہیں حلیہ بازی تمہاری ف۲

ہماری قدرتوں میں۔ تو کہہ اللہ سب سے جلد بنا سکتا ہے حیلہ۔ ہمارے بھیجے ہوئے لکھتے ہیں حیلے بنانے تمہارے۔

ف۱ یعنی جن نشانیوں کی وہ فرمائش کرتے تھے، ان میں سے کوئی نشانی کیوں نہ اتری؟ جواب کا حاصل یہ ہے کہ صداقت کے نشان پہلے بہتیرے دیکھ چکے ہو۔ فرمائشی نشان دکھلانا ضروری نہیں نہ چنداں مفید ہے۔ آئندہ جو خدا کی مصلحت ہوگی وہ نشان دکھلائے گا۔ اس کا علم خدا ہی کو ہے کہ مستقبل میں کس شان اور نوعیت کے نشان ظاہر کرے گا۔ سو تم منتظر رہو، ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔ "موضح القرآن" میں ہے۔ "یعنی اگر کہیں کہ ہم کاہے سے جانیں کہ تمہاری بات سچ ہے، فرمایا کہ آگے دیکھو حق تعالیٰ اس دین کو روشن کرے گا اور مخالف ذلیل ہوں گے برباد ہو جائیں گے سو ویسا ہی ہوا۔ سچ کی نشانی ایک بار کافی ہے اور ہر بار مخالف ذلیل ہوں تو فیصلہ ہو جائے۔ حالانکہ فیصلے کا دن دنیا میں نہیں۔"

ف۲ اہل مکہ پر حق تعالیٰ نے سات سال کا قحط مسلط کیا۔ جب ہلاکت کے قریب پہنچ گئے تو گھبرا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعاء کی درخواست کی اور وعدہ کیا کہ یہ عذاب اٹھ جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء سے خدا نے سماں کر دیا، قحط کی بلاء دور ہوئی تو پھر وہی شرارتیں کرنے لگے، خدا کی آیتوں کو جھٹلاتے اور اس کی قدرت و رحمت پر نظر نہ رکھتے۔ بلکہ انعامات الٰہیہ کو ظاہری اسباب وحیل اور محض بے اصل خیالات و اوہام کی طرف نسبت کرنے لگتے۔ اس کا جواب دیا کہ اچھا تم خوب مکر و فریب اور حیلہ بازی کر لو۔ مگر یہ یاد رہے کہ تمہاری حیلہ بازیاں ایک ایک کر کے لکھی جا رہی ہیں۔ وہ سارا دفتر قیامت کے دن تمہارے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ پھر جب تمہاری کوئی حیلہ بازی فرشتوں سے مخفی نہیں، خدا کے علم محیط سے کہاں باہر رہ سکتی ہے۔ تم اپنے مکر و حیلہ سازی پر مغرور ہو، حالانکہ خدا کا جوابی مکر (تدبیر خفی) تمہارے مکر و تدبیر سے کہیں تیز اور سریع الاثر ہے وہ مجرم کی باگ اتنی ڈھیلی چھوڑ دیتا ہے کہ مجرم کو نشۂ غفلت میں چور ہو کر سزا کا تصور بھی نہیں آتا۔ جب پیمانۂ شقاوت لبریز ہو جاتا ہے تو دفعتاً پکڑ کر ٹینٹوا دبا دیتا ہے۔ لہٰذا عاقل کو چاہیے کہ خدا کی نرمی، بردباری اور خوش کن حالات کو دیکھ کر مغرور نہ ہو، نہ معلوم نرمی کے بعد کیسی سختی آنے والی ہے۔ جیسے آگے بحری سفر کی مثال میں بیان فرمایا۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ "سختی کے وقت آدمی کی نظر =

رسالت محمدیہ ﷺ کے متعلق مشرکین کے ایک معاندانہ سوال کا جواب

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَيَقُولُونَ لَوْلَآ أُنزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّن رَّبِّهٖ... الی... يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ﴾

ربط:...... اس آیت میں منکرین نبوت کے چوتھے شبہ کو ذکر کر کے اس کا جواب دیتے ہیں۔ مشرکین مکہ آنحضرت ﷺ سے یہ کہتے تھے کہ جب تک آپ ہماری فرمائش کے مطابق معجزہ نہ دکھائیں گے اس وقت تک ہم آپ کی نبوت کو نہ مانیں گے حالانکہ قرآن خود ایک معجزہ تھا جسے وہ دیکھ چکے تھے تو اس کے بعد یہ کہنا کہ فلاں قسم کا معجزہ دکھلاؤ گے تو ایمان لائیں گے۔ یہ خود اس کے معاند اور ضدی ہونے کی دلیل ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کا جواب دیا حاصل جواب یہ ہے کہ میری نبوت کے دلائل اور براہین کا تم بار بار مشاہدہ کر چکے ہو اور میری صداقت کا نشان دیکھ چکے ہو۔ تمہاری فرمائش کے مطابق نشان دکھانا ضروری نہیں اور نہ مفید ہے اور نہ مصلحت ہے یہ دنیا دار العمل اور دار الامتحان ہے۔ مجرموں کو مہلت دینا ضروری ہے تم جیسے معاندین کا جواب صرف اتنا ہے کہ نتیجہ کا انتظار کرو کہ تمہاری اس تکذیب کا کیا نتیجہ تمہارے سامنے آتا ہے (یہ فرمانا کہ نتیجہ کا انتظار کرو یہ بھی ایک دلیل تھی) باقی معجزہ کا ظاہر کرنا میرے اختیار میں نہیں وہ اللہ کے اختیار میں ہے۔

وہی جانے کہ کب ظاہر کرے۔ یہ غیب کی بات ہے مجھے اس کا علم نہیں اور کفار مکہ یہ کہتے ہیں کہ اس نبی پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی جیسی ہم چاہتے ہیں کیوں نہیں نازل کی گئی۔ سو آپ ﷺ جواب میں کہہ دیجئے کہ تمہارا یہ سوال معاندانہ ہے تم میری صداقت کے بہت سے نشان دیکھ چکے ہو۔ باقی ایسا نشان جسے دیکھ کر لوگ ایمان لانے پر مجبور ہو جائیں اس عالم شہادت میں نہیں دکھلایا جا سکتا۔ یہ امر مصلحت کے خلاف ہے باقی رہا یہ امر کہ آئندہ کیا ہوگا۔ سو کہہ دیجئے کہ غیب کی خبر صرف اللہ کو ہے بس تم انتظار کرو تحقیق میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ یعنی عنقریب دیکھ لو گے کہ خدائے تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان کیا فیصلہ کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ حق کو باطل پر غلبہ دے گا۔ میری صداقت اور میرے دین کی حقانیت تم پر ظاہر ہو جائے گی۔ شاہ عبدالقادر ؒ موضح القرآن میں فرماتے ہیں کہ اگر کہیں کہ ہم کہاں سے جانیں کہ تمہاری بات سچ ہے فرمایا آگے دیکھو حق تعالیٰ اس دین کو روشن کرے گا اور مخالف ذلیل ہوں گے اور برباد ہو جائیں گے سو ویسا ہی ہوا۔ سچ کی نشانی ایک بار کافی ہے اور ہر بار مخالف ذلیل ہوں تو فیصلہ ہو جائے حالانکہ اصل فیصلہ کا دن دنیا میں نہیں ہے۔ انتہی۔ آگے یہ بیان کرتے کہ ہیں کہ ان مشرکوں کی عادت یہ ہے کہ جب اللہ کی قدرت کی نشانیاں دیکھتے ہیں تو مجبور ہو کر حق کی طرف جھکتے ہیں اور جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو پھر اپنی سابقہ شرارت کی طرف لوٹ جاتے ہیں یہ معجزہ دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہ لائیں گے اور جب ہم ان لوگوں کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں بعد اس مصیبت اور تکلیف کے جو ان کو پہنچی ہے تو فوراً ہی ہماری قدرت کی نشانیوں میں حیلے بہانے شروع کر دیتے ہیں۔ کفار مکہ پر اللہ تعالیٰ نے قحط ایسا مسلط کیا جس میں وہ سات برس متواتر مبتلا رہے یہاں تک کہ وہ بھوک کی وجہ سے مرنے لگے اور انہوں نے مرداروں کی

= اسباب سے اٹھ کر صرف اللہ پر رہتی ہے، جہاں سخت گھڑی گزری اور کام بن گیا پھر خدا کو بھول کر اسباب پر آرہتا ہے۔ ڈرتا نہیں کہ خدا پھر ویسی ہی تکلیف اور سختی کا ایک سبب کھڑا کر دے۔ اسی کے ہاتھ میں سب اسباب کی باگ ہے۔ چنانچہ آگے دریائی سفر کی مثال میں اس کی ایک صورت بیان فرمائی۔

ہڈیاں پیس کر کھائیں تو گھبرا کر حضور پرنور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کی درخواست کی اور وعدہ کیا کہ اگر یہ عذاب ہم سے اٹھ جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی دعا سے ان کا قحط دور کر دیا۔ بلا کا دور ہونا تھا کہ پھر وہی شرارتیں کرنے لگے۔ بجائے اس کے کہ آپ ﷺ کی دعا سے سات سالہ قحط کے دور ہونے کو خدا کی قدرت اور نعمت کا کرشمہ اور آپ ﷺ کی نبوت وصداقت کا نشان جان کر ایمان لاتے۔ اپنی سابقہ سرکشی اور عناد کی طرف رجوع کر کے اللہ کی آیتوں کو جھٹلانے لگے بلکہ اس انعام الٰہی کی نسبت کواکب اور نجوم کی طرف کرنے لگے کہ یہ بارش فلاں ستارہ اور فلاں برج کی تاثیر سے ہوئی ہے۔ اے نبی ﷺ آپ ﷺ ان مکاروں سے کہہ دیجئے کہ اللہ حیلہ اور تدبیر میں تم سے زیادہ جلدی کرنے والا ہے۔ تمہارے حیلہ اور بہانے کی خدا کی تدبیر کے سامنے کیا حقیقت ہے اور تحقیق ہمارے فرشتے یعنی کراما کاتبین تمہارے مکر اور حیلے لکھتے رہتے ہیں تا کہ قیامت کے دن تم کو اس کی پوری سزا ملے جب تمہاری تدبیر ہمارے فرشتوں پر پوشیدہ نہیں تو ہم پر کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے مکر سے اللہ تعالیٰ کا استدراج اور امہال مراد ہے کہ مجرم کی باگ ڈھیلی چھوڑتا ہے یہاں تک کہ مجرم نشۂ غفلت میں چور ہو کر یہ گمان کرنے لگتا ہے کہ کوئی عذاب نہیں آئے گا اور اس کو یہ خیال ہی نہیں آتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہلت ہے۔ پس جب کفر کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے تو غفلت اور بے خبری میں اس کو پکڑ لیتا ہے اللہ تعالیٰ کے مکر سے مہلت دینا اور اور غفلت اور بے خبری کی حالت میں یکا یک پکڑ لینا مراد ہے لہٰذا عاقل کو چاہئے کہ خدا کے حلم اور بردباری سے مغرور نہ ہو۔ معلوم نہیں کہ کب پکڑ لے۔ اب آگے دریائی سفر کی مثال بیان فرماتے ہیں۔

هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ

وہی تم کو پھراتا ہے جنگل اور دریا میں یہاں تک کہ جب تم بیٹھے کشتیوں میں اور لے کر چلیں وہ لوگوں کو

وہی تم کو پھراتا ہے جنگل اور دریا میں۔ یہاں تک جب تم ہوئے کشتی میں اور لے کر چلیاں لوگوں کو اچھی

طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَاۗءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَاۗءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا

اچھی ہوا سے اور خوش ہوئے اس سے، آئی کشتیوں پر ہوا تند اور آئی ان پر، موج ہر جگہ سے اور جان لیا انہوں نے کہ

باؤ سے، اور خوش ہوئے اس سے، آئی ان پر باؤ جھوکے کی اور آئی ان پر لہر ہر جگہ سے، اور اٹکلے (گمان کرنے لگے) کہ

اَنَّھُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ لَىِٕنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ

وہ گھر گئے پکارنے لگے اللہ کو خالص ہو کر اس کی بندگی میں اگر تو نے بچا لیا ہم کو اس سے تو بیشک ہم رہیں گے

وہ گھرے، پکارنے لگے اللہ کو، نرے ہو کر اس کی بندگی میں۔ اگر تو بچاوے ہم کو اس سے تو بیشک ہم رہیں

مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝۲۲ فَلَمَّآ اَنْجٰىھُمْ اِذَا ھُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ يٰٓاَيُّھَا النَّاسُ

شکر گزار پھر جب بچا دیا ان کو اللہ نے لگے شرارت کرنے اسی وقت زمین میں ناحق کی ف۱ سنو لوگو

شکر گزار۔ پھر جب بچا دیا ان کو اللہ نے اسی وقت شرارت کرنے لگے زمین میں ناحق کی۔ سنو لوگو!

ف۱ یعنی ابتداء میں ہوا خوشگوار اور موافق تھی۔ مسافر ہنستے کھیلتے آرام سے چلے جا رہے تھے کہ یکا یک ایک زور کا طوفانی جھکڑ چلنے لگا اور چاروں طرف سے پانی کے =

إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰ أَنفُسِكُم ۖ مَّتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُم

تمہاری شرارت ہے تمہی پر نفع اٹھالو دنیا کی زندگانی کا پھر ہمارے پاس ہے تم کو لوٹ کر آنا پھر ہم بتلا دیں گے

تمہاری شرارت ہے تمہیں پر، برت لو دنیا کے جیتے، پھر ہمارے پاس ہے تم کو پھرنا، پھر ہم جتا دیں گے

بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۲۳﴾

جو کچھ کہ تم کرتے تھے ف ۱

جو کچھ کہ تم کرتے تھے۔

بیان توحید مقرون بہ وعید

قَالَ اللهُ تَعَالَىٰ: ﴿هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ... الى... فَنُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾

ربط:......اوپر توحید کا بیان تھا۔ اب پھر توحید کا مضمون بیان ہوتا ہے جو زجر اور وعید کو بھی متضمن ہے اور اثبات صانع کی دلیل بھی ہے اور یہ آیت درحقیقت گزشتہ آیت ﴿وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّن بَعْدِ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِي آيَاتِنَا﴾ کی تفسیر اور تشریح ہے جس میں ضراء کے بعد رحمت پہنچنے کی اور پھر رحمت اور نعمت ملنے کے بعد ان کے مکر فی الآیات کی مثال بیان کی گئی ہے کیونکہ مثال سے شئے کی حقیقت اور کیفیت واضح ہو جاتی ہے۔

حکایت:......امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ میرے لیے اثبات صانع کی کوئی دلیل ذکر کیجئے تو فرمایا کہ بتلا تو کیا پیشہ کرتا ہے اس نے کہا میں بحری تجارت کرتا ہوں کشتیوں پر سامان لادتا ہوں اور لے جاتا ہوں۔ فرمایا کبھی ایسی صورت بھی پیش آئی ہے کہ کشتی ٹوٹ گئی ہو اور تو ایک تختہ پر بیٹھا رہ گیا ہو اور ہر طرف سے تیز ہوائیں آ رہی ہوں۔ اس نے کہا ہاں ایک مرتبہ ایسا بھی پیش آیا ہے تو امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس وقت تو نے کیا کیا۔ اس نے کہا گریہ وزاری کی اور دعا مانگی تو امام

= پہاڑ اٹھ کر کشتی (یا جہاز) سے ٹکرانے لگے۔ جب سمجھ لیا کہ ہر طرف سے موت کے منہ میں گھرے ہوئے ہیں۔ بھاگنے اور نکلنے کی کوئی سبیل نہیں، تو سارے فرضی معبودوں کو چھوڑ کر خدائے واحد کو پکارنے لگے جو اصل فطرت انسانی کا تقاضا تھا، ہر چیز سے مایوس ہو کر خالص خدا کی بندگی اختیار کی اور بڑے پکے عہد و پیمان باندھے کہ اگر مصیبت سے خدا نے نجات دی تو ہمیشہ اس کے شکر گزار رہیں گے۔ کوئی بات کفران نعمت کی نہ کریں گے لیکن جہاں ذرا امن نصیب ہوا ساحل پر قدم رکھتے ہی شرارتیں اور ملک میں اودھم مچانا شروع کر دیا تھوڑی دیر بھی عہد پر قائم نہ رہے۔

(تنبیہ) اس آیت میں ان مدعیان اسلام کے لیے بڑی عبرت ہے جو جہاز کے طوفان میں گھر جانے کے وقت بھی خدائے واحد کو چھوڑ کر غیر اللہ کو مدد کے لیے پکارتے ہیں۔ فتح مکہ کے بعد ابو جہل کا بیٹا عکرمہ مسلمان نہ ہوا تھا۔ مکہ سے بھاگ کر بحری سفر اختیار کیا۔ تھوڑی دور جا کر کشتی کو طوفانی ہواؤں نے گھیر لیا، ناخدا نے مسافروں سے کہا کہ ایک خدا کو پکارو۔ یہاں تمہارے معبود کچھ کام نہ دیں گے۔ عکرمہ نے کہا کہ یہی تو وہ خدا ہے، جس کی طرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو بلاتے ہیں۔ اگر دریا میں رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بدون نجات نہیں مل سکتی تو خشکی میں بھی اس کی دست گیری اور اعانت کے بغیر نجات پانا محال ہے۔ اے خدا! اگر تو نے اس مصیبت سے نکال دیا تو میں واپس ہو کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دوں گا۔ مجھے امید ہے کہ وہ اپنے اخلاق کریمہ سے میری تقصیرات کو معاف فرمائیں گے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف با اسلام ہوئے۔

ف ۱ یعنی تمہاری شرارت کا وبال تمہیں پر پڑے گا۔ اگر چند روز شرارتیں کر کے فرض کرو کچھ دنیا کا نفع حاصل کر ہی لیا تو انجام کار پھر خدا کی طرف لوٹنا ہے۔ وہاں تمہارا سب کیا دھرا آگے آئے گا۔ خداوند رب العزت سزا دے کر بتلا دے گا کہ تمہارے کرتوت کیسے تھے۔

جعفر ﷫ نے فرمایا۔ پس تیرا خدا وہ ہے جس سے تو اس وقت دعا مانگ رہا تھا۔ (دیکھو تفسیر کبیر: ۴/۷۶ ۵)

غرض یہ کہ گزشتہ آیات کی طرح آئندہ آیات میں بھی توحید کا مضمون مع الزام اور مع زجر و وعید کے بیان ہوتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ وہ اللہ وہی ہے جو تم کو خشکی اور تری یعنی جنگل اور دریا میں پیدل اور سواریوں پر پھراتا ہے یعنی تم پیدل اور سواریوں پر خشکی میں اور کشتیوں اور جہازوں میں سوار ہو کر سمندروں میں پھرتے ہو تاکہ اپنی معاش پیدا کرو تم کو چاہئے کہ اللہ کے اس احسان کا شکر ادا کرو۔ یہاں تک کہ بعض اوقات جب تم کشتیوں میں سوار ہوتے ہو اور وہ کشتیاں اپنی سواریوں کو یعنی تم کو لے کر موافق ہوا کے ساتھ روانہ ہوتی ہیں اور وہ کشتیوں کے سوار اس ہوا سے خوش ہوتے ہیں اور اس قدر خوش ہوتے ہیں کہ گویا مقصد حاصل ہو گیا۔ ناگہاں اس حالت میں دفعۃً ان پر ایک تند و تیز ہوا آئی ہے اور ہر طرف سے موج ان پر چڑھ آتی ہے اور دریا کے تلاطم سے کشتی ڈانواں ڈول ہونے لگتی ہے اور گمان کرنے لگتے ہیں کہ ہم بلاؤں میں گھر گئے۔ یعنی اب کوئی دم میں کشتی ڈوبی اور وہ ہلاک ہوئے تو اس وقت اللہ کو اپنے اوپر سے بلا دفع کرنے کو پکارنے لگتے ہیں درآنحالیکہ وہ خالص اللہ کی عبادت کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس وقت اس میں کوئی آمیزش شرک کی نہیں ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک اللہ کی رحمت سے نعمت میں رہے تو مست رہے اور جب خدا کی رحمت مبدل بہ زحمت ہو گئی تو اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارنے لگے۔ اس لیے کہ جانتے ہیں کہ مصیبت سے بچانے والا صرف اللہ ہے اس لیے ایسے وقت میں صرف اللہ کو پکارتے ہیں اور بتوں کو بھول جاتے ہیں اور اس وقت یہ کہتے ہیں اے اللہ اگر تو نے ہم کو اس ڈوبنے کی مصیبت سے بچا لیا تو ہم تیرے شکر گزار بندوں میں سے ہو جائیں گے۔ اور ہمیشہ ہمیشہ تیری توحید پر قائم رہیں گے۔ پھر جب اللہ نے ان کی دعا قبول کی اور غرق کی مصیبت سے ان کو نجات دی تو فوراً ہی زمین میں ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں اور حسب سابق کفر و شرک کرنے لگے۔ اور جو وعدہ انہوں نے مصیبت کے وقت اللہ سے کیا تھا اسے بھلا دیا۔ حق تو یہ تھا کہ جب اللہ نے ان کی دعا قبول کی تو فعل شاکرین کا کرتے مگر بجائے اس کے فعلِ مشرکین کرنے لگے۔ اے لوگو! تمہاری سرکشی کا وبال تمہاری ہی جانوں پر ہے تمہاری یہ سرکشی دنیاوی زندگی کا چند روزہ فائدہ ہے آخرت میں تمہارے کچھ کام نہ آئے گی پھر اس چند روزہ زندگی کے بعد تم سب کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے سو اس وقت ہم تم کو تمہارے اعمال سے خبردار کریں گے۔ اور ان کے مناسب تم کو جزا دیں گے اس تمام بحری سفر کی مثال کا خلاصۂ مطلب وہ ہے جو حضرت شاہ عبدالقادر ﷫ فرماتے ہیں کہ ''سختی کے وقت آدمی کی نظر اسباب سے اٹھ کر صرف اللہ پر رہتی ہے جہاں سخت گھڑی گزری اور کام بن گیا۔ پھر خدا کو بھول کر اسباب پر آ جاتا ہے۔ ڈرتا نہیں کہ خدا پھر ویسی ہی تکلیف اور سختی کا سبب کھڑا کر دے اسی کے ہاتھ میں سب اسباب کی باگ ہے''۔ انتہی کلامہ۔

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا

دنیا کی زندگانی کی وہی مثل ہے جیسے ہم نے پانی اتارا آسمان سے پھر رلا ملا نکلا اس سے سبزہ زمین کا جو کہ

دنیا کا جینا وہی کہاوت ہے، جیسے ہم نے پانی اتارا آسمان سے، پھر ایک رلا نکلا اس سے سبزہ زمین کا، جو

يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ ۖ حَتّٰىٓ إِذَآ أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَآ

کھائیں آدمی اور جانور ف۱ یہاں تک کہ جب پکڑی زمین نے رونق اور مزین ہوگئی اور خیال کیا

کھاویں آدمی اور جانور۔ یہاں تک کہ جب پکڑی زمین نے چمک اور سنگھار پر آئی اور اٹکلے (گمان کرنے لگے)

أَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ أَتٰىهَآ أَمْرُنَا لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَأَنْ لَّمْ تَغْنَ

زمین والوں نے کہ یہ ہمارے ہاتھ لگے گی ف۲ ناگاہ پہنچا اس پر ہمارا حکم رات کو یا دن کو پھر کر ڈالا اس کو کاٹ کر ڈھیر گویا کل یہاں نہ تھی

زمین والے کہ یہ ہمارے ہاتھ لگی، پہنچا اس پر ہمارا حکم رات کو یا دن کو، پھر کر ڈالا اس کو کاٹ کر ڈھیر گویا کل کو یہاں نہ تھی

بِالْأَمْسِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا إِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ

آبادی اسی طرح ہم کھول کر بیان کرتے ہیں نشانیوں کو ان لوگوں کے سامنے جو غور کرتے ہیں ف۳ اور اللہ بلاتا ہے سلامتی کے گھر کی طرف

بستی۔ اسی طرح ہم کھولتے ہیں پتے ان لوگوں پاس جن کو دھیان ہے۔ اور اللہ بلاتا ہے سلامتی کے گھر کو۔

وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۭ وَلَا

اور دکھلاتا ہے جس کو چاہے راستہ سیدھا ف۴ جنہوں نے کی بھلائی ان کے لیے ہے بھلائی اور زیادتی ف۵ اور نہ

اور دکھاتا ہے جس کو چاہے راہ سیدھی۔ جنہوں نے کی بھلائی ان کو ہے بھلائی اور بڑھتی، اور نہ

ف۱ بعض نے ﴿فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ﴾ کے معنی کثرت پیداوار کے لیے ہیں۔ کیونکہ جب زمین کی پیداوار زیادہ قوی ہوتی ہے تو گنجان ہو کر ایک جز دوسرے سے مل جاتا اور لپٹ جاتا ہے۔ بعض نے "بہ" کی "ب" کو مصاحبت کے لیے لے کر یہ معنی کیے ہیں کہ زمین کا سبزہ پانی کے ساتھ رل مل جاتا ہے۔ کیونکہ نباتات اجزائے مائیہ کو اپنے اندر جذب کرتے ہیں، جس طرح کھانا انسان کا جزو بدن بنتا ہے۔ ایسے ہی پانی، گویا نباتات کی غذا بنتی ہے۔ مترجم رحمہ اللہ کے صنیع سے مترشح ہوتا ہے کہ اختلاط سے یہ مراد لے رہے ہیں کہ زمین اور پانی کے ملنے سے جو سبزہ نکلتا ہے اس میں آدمی کی اور جانوروں کی خوراک مخلوط (رلی ملی) ہوتی ہے۔ مثلاً گیہوں کے درخت میں دانہ ہے جو انسان کی غذا بنتی ہے اور بھوسہ بھی ہے جو جانوروں کی خوراک ہے۔ اسی طرح درختوں میں پھل اور پتے لگتے ہیں جن میں سے ہر ایک کے کھانے والے علیحدہ ہیں۔

ف۲ یعنی مختلف الوان و اشکال کی نباتات میں زمین کو پر رونق اور مزین کر دیا اور کھیتی وغیرہ ایسی تیار ہوگئی کہ مالکوں کو کامل بھروسہ ہوگیا کہ اب اس سے پورا فائدہ اٹھانے کا وقت آگیا ہے۔

ف۳ یعنی ناگہاں خدا کے حکم سے دن میں یا رات میں کوئی آفت پہنچی (مثلاً بگولا آگیا، یا اولے پڑ گئے یا ٹڈی دل پہنچ گیا۔ وعلیٰ ھذا القیاس) اس نے تمام زراعت کا ایسا صفایا کر ڈالا گویا کبھی یہاں ایک تنکا بھی نہ اگا تھا۔ ٹھیک اسی طرح حیات دنیا کی مثال سمجھو کہ خواہ کتنی ہی حسین و تر و تازہ نظر آئے، حتی کہ بیوقوف لوگ اس کی رونق و دلربائی پر مفتون ہو کر اصل حقیقت کو فراموش کر دیں لیکن اس کی یہ شادابی اور زینت و بہجت محض چند روزہ ہے، جو بہت جلد زوال و فنا کے ہاتھوں نسیاً منسیاً ہو جائے گی۔ حضرت شاہ صاحب نے اس مثال کو نہایت لطیف طرز میں خاص انسانی حیات پر منطبق کیا ہے یعنی پانی کی طرح روح آسمان (عالم بالا) سے آئی، کالبد خاکی میں مل کر قوت پکڑی، دونوں کے ملنے سے آدمی بنا، پھر کام کیے انسانی اور حیوانی دونوں طرح کے۔ جب ہر ہنر میں پورا ہوا اور اس کے متعلقین کو اس پر بھروسہ ہوگیا، ناگہاں موت آپہنچی۔ جس نے ایک دم میں سارا بنا بنایا کھیل ختم کر دیا۔ پھر ایسا بے نام نشان ہوا گویا کبھی زمین پر آباد ہی نہ ہوا تھا۔

(فائدہ) ﴿لَيْلًا اَوْ نَهَارًا﴾ (رات کو یا دن کو) شاید اس لیے فرمایا کہ رات کا وقت غفلت کا ہے اور دن میں لوگ عموماً بیدار ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب خدا کا حکم آپہنچے، پھر سوتا ہو یا جاگتا، غافل ہو یا بیدار کوئی شخص کسی حالت میں اس کو روک نہیں سکتا۔

ف۴ یعنی دنیا کی زائل و فانی زندگی پر مت ریجھو۔ دارالسلام (جنت) کی طرف آؤ۔ خدا تم کو سلامتی کے گھر کی طرف بلا رہا ہے اور وہاں تک پہنچنے کا راستہ بھی دکھلاتا =

يَرْهَقُ وُجُوهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۚ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ

چڑھے گی ان کے منہ پر سیاہی اور نہ رسوائی وہ ہیں جنت والے وہ اسی میں رہا کریں گے ف۱ اور جنہوں نے

چڑھے گی ان کے منہ پر سیاہی اور نہ رسوائی، وہ ہیں جنت والے۔ وہ اس میں رہا کریں گے۔ اور جنہوں نے

كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۚ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ

کمائیں برائیاں بدلہ ملے برائی کا اس کے برابر ف۲ اور ڈھانک لے گی ان کو رسوائی کوئی نہیں ان کو اللہ سے

کمائیں برائیاں، بدلہ برائی کا اس کے برابر، اور ان پر چڑھے گی رسوائی۔ کوئی نہیں ان کو اللہ سے

عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۚ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ

بچانے والا گویا کہ ڈھانک دیئے گئے ان کے چہرے اندھیری رات کے ٹکڑوں سے ف۳ وہ ہیں دوزخ والے

بچانے والا۔ جیسے ڈھانک دیا ہے ان کے منہ پر ایک اندھیرا، ٹکڑا رات کا۔ وہ ہیں آگ والے۔

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾

وہ اسی میں رہا کریں گے

وہ اس میں رہا کریں گے۔

دنیا کا فنا اور زوال اور اس کی ناپائیداری کی مثال اور ذکر جزائے اعمال

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا... الى... هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیت میں لوگوں کی سرکشی کا بیان تھا جس کا سبب دنیا کی ظاہری زیبائش و عیش و عشرت تھا جس کی وجہ سے یہ

= رہا ہے۔ وہی گھر ہے جہاں کے رہنے والے ہر قسم کے رنج و غم، پریشانی، تکلیف، نقصان، آفت اور فنا و زوال وغیرہ سے صحیح و سالم رہیں گے۔ فرشتے ان کو سلام کریں گے۔ خود رب العزت کی طرف سے تحفۂ سلام پہنچے گا۔

ف۵ بھلے کام کرنے والوں کو وہاں بھلی جگہ ملے گی (یعنی جنت) اور اس سے زیادہ بھی کچھ ملے گا۔ یعنی حق تعالیٰ کی رضاء اور اس کا دیدار "زیادۃ" کی تفسیر" دیدار مبارک" سے کئی احادیث صحیحہ میں وارد ہوئی ہے اور بہت سے صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو چکیں گے تو ایک پکارنے والا پکارے گا" اے اہل جنت! تمہارے لیے ایک وعدہ خدا کا باقی ہے جو اب پورا کرنا چاہتا ہے۔ جنتی کہیں گے کہ وہ کیا ہے؟ کیا خدا نے اپنے فضل سے ہماری حسنات کا پلہ بھاری نہیں کر دیا۔ کیا اس نے ہمارے چہروں کو سفید اور نورانی نہیں بنایا؟ کیا اس نے ہم کو دوزخ سے بچا کر جنت جیسے مقام میں نہیں پہنچایا؟ (یہ سب کچھ تو ہو چکا، آگے کون سی چیز باقی رہی) اس پر حجاب اٹھا دیا جائے گا۔ اور جنتی حق تعالیٰ کی طرف نظر کریں گے۔ پس خدا کی قسم کوئی نعمت جو ان کو عطا ہوئی ہے دولت دیدار سے زیادہ محبوب نہ ہوگی نہ اس سے بڑھ کر کوئی چیز ان کی آنکھیں ٹھنڈی کر سکے گی۔ رزقنا اللہ سبحانہ، وتعالیٰ بمنہ وفضلہ۔

ف۱ یعنی عرصات محشر میں جو جس طرح کفار فجار کے چہروں پر سخت ذلت و ظلمت چھائی ہوگی۔ جنتیوں کے چہرے اس کے خلاف ہوں گے۔ سیاہی اور رسوائی کیسی وہاں تو نور ہی نور اور رونق ہی رونق ہوگی۔

ف۲ یعنی بدی سے زائد نہ ہوگا۔ کم سزا دیں یا بعض برائیوں کو بالکل معاف کر دیں ان کو اختیار ہے۔

ف۳ یعنی ان کے چہرے اس قدر سیاہ و تاریک ہوں گے گویا اندھیری رات کی تہیں ان پر جما دی گئی ہیں (اعاذنا اللہ منہا)

لوگ دنیاوی زندگانی کے نشہ میں سرشار ہیں اب اس آیت میں دنیا کی ناپائیدار زندگی کی ایک لطیف مثال بیان کرتے ہیں جس میں غور کرنے سے دنیا کی بے ثباتی اور عمر کی ناپائیدار، دل پر نقش ہو جاتی ہے اور بغی اور فساد فی الارض کا جو منشاء اور اصل سبب تھا (یعنی دنیاوی عیش وعشرت) اس کی حقیقت واضح ہو جانے سے مزاج اعتدال پر آ جائے گا۔

دنیا کی چند روزہ زندگی کو پانی اور مٹی سے تشبیہ دی یعنی جس طرح پانی زمین پر برستا ہے اور اس سے کھیتی پیدا ہوتی ہے اور کسان اسے دیکھ کر خوش ہوتا ہے کہ اب کھیتی تیار ہوگئی ہے اور اب ہم اس سے کھائیں گے کہ ناگہاں اس پر کوئی آسمانی آفت آ جاتی ہے کہیں اولے پڑ جاتے ہیں کہیں آگ لگ جاتی ہے اور وہ کھیتی نیست ونابود ہو جاتی ہے اور کسان کی امیدیں حسرت سے بدل جاتی ہیں اور سوائے افسوس کے کچھ ہاتھ نہیں لگتا۔ اسی طرح انسان کا حال ہے کہ نطفہ مثل پانی کے ہے اور رحم مثل زمین کے ہے۔ نطفہ کے رحم میں جانے سے آدمی پیدا ہوتا ہے۔ اور بڑھتا ہے اور طرح طرح کی آرزوئیں اور خواہشیں اپنے دل میں رکھتا ہے کہ ناگہاں موت کا پیغام آ جاتا ہے اور سب حسرتیں اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ ایسی ناپائیدار چیز کے لیے تم جاودانی عیش کو کیوں چھوڑ دیتے ہو اور نبی کا اتباع کیوں نہیں کرتے کہ تم کو عیش جاودانی ملے اور حسرتوں سے محفوظ ہو جاؤ۔

اور اس مثال میں ان لوگوں کا جواب بھی ہے جو حشر ونشر کے منکر ہیں اور دنیا کے زوال کی مثال بیان کرنے کے بعد جنت کی رغبت دلائی اور دار السلام کی دعوت دی جو کہ تمام بلاؤں اور آفتوں اور کدورتوں سے سالم ہے اور بتلایا کہ یہ گھر سعداء کا ٹھکانہ ہے۔ اور اس کے بعد اشقیاء کا حال اور ان کا انجام اور ان کا ٹھکانہ بیان کیا اور بتلا دیا کہ دار آخرت دار دنیا سے کہیں بہتر ہے لہٰذا اس کی فکر کرو۔ فانی اور مکدر کے عاشق نہ بنو۔ ان آیات میں مجرمین کے چار حال بیان کیے۔

(۱) ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا﴾ (۲) ﴿تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ﴾ (۳) ﴿مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ﴾ (۴) ﴿كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا﴾ تا کہ اس حال ومآل کو معلوم کر کے دنیا کے دیوانے ہوش میں آ جائیں اور اس ذلت سے بچنے کی فکر کریں۔ چنانچہ فرماتے ہیں جز ایں نیست کہ دنیاوی زندگی کی مثال فنا وزوال اور چند روزہ فائدہ اور ناپائیداری میں ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس پانی کی وجہ سے مختلف قسم کا گنجان سبزہ اگا جس میں سے بعض کو چوپائے کھاتے ہیں۔ یعنی ہر قسم کی پیداوار خوب ہوئی اور خوب خوش نما تیار ہوئی۔ یہاں تک کہ جب زمین نے اپنے بناؤ سنگھار کو حاصل کر لیا۔ اور خوب آراستہ اور پُر رونق ہوگئی اور دیکھنے والوں کو خوش نما معلوم ہونے لگی۔ اور اس کے مالکوں نے جان لیا کہ ہم اس کھیتی کے کاٹنے اور سمیٹنے پر پوری طرح قادر ہیں تو اس وقت یکا یک اس زراعت کی ہلاکت اور بربادی کے متعلق رات میں یا دن میں ہمارا حکم آ پہنچا یعنی اولہ اور پالا اور آندھی وغیرہ وغیرہ آ پہنچی پس ہم نے اس زراعت کو بیخ وبن سے کٹا ہوا ڈھیر کر ڈالا۔ گویا کہ کل تھی ہی نہیں یعنی اس کھیتی کو ایسا نیست ونابود کر دیا کہ گویا کہ اس زمین میں ان چیزوں کا وجود ہی نہ تھا۔ اسی طرح سمجھو کہ دنیا کی زندگی بھی اسی طرح یکا یک جاتی رہے گی اور تم دیکھتے اور ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔ اسی طرح ہم مفصل بیان کرتے ہیں اپنی نشانیوں کو ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔ تا کہ سمجھیں کہ اس دار فانی کے چند روزہ آرائش وزیبائش پر غرہ کرنا تو ایسی ہی حماقت ہے جیسا کہ کوئی کاشت کار اور باغ بان کھیتی کی سرسبزی کو دیکھ کر غرہ کرنے

لگے کہ اب ہم اس پر پورے قادر اور قابو یافتہ ہو چکے ہیں اور یہ نہ سمجھے کہ یہ دار فانی محل آفات ہے کاشت کار اور باغ بان اسی غرہ میں تھا کہ یکا یک بجلی گری اور سرد ہوا چلی یا آندھی آئی رات میں یا دن میں اور دم کے دم میں ساری ہری بھری اور تر و تازہ کھیتی ایسی برباد ہوگئی کہ گویا اس سے پہلے کبھی اس کا وجود ہی نہ تھا پس خوب سمجھ لو کہ یہ دار فانی محل آفات ہے اس پر بھروسہ کرنا محض حماقت ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مثال کو نہایت لطیف طرز میں خاص انسانی حیات پر منطبق کیا ہے فرماتے ہیں یعنی پانی کی طرح روح آسمان (عالم بالا) سے آئی اور اس جسم خاکی میں مل کر اس نے قوت پکڑی دونوں کے ملنے سے آدمی بنا پھر کام کیے انسانی اور حیوانی دونوں طرح کے۔ جب ہر ہنر میں پورا ہوا اور اس کے متعلقین کو اس پر بھروسہ ہو گیا ناگہاں موت آ پہنچی جس نے ایک دم میں سارا بنا بنایا کھیل ختم کر دیا پھر ایسا بے نام و نشان ہوا کہ گویا زمین پر آباد ہی نہ ہوا تھا۔ انتہی کلامہ وللہ درہ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً۔

اب اس دار فنا و زوال کی مثال بیان کرنے بعد دار بقاء کی دعوت دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ لوگو تم نے اس دار فانی کے محل آفات ہونے کو سمجھ لیا اور دیکھ لیا۔ اور اللہ تم کو اس دار آفات سے ہٹا کر سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے جو ہر قسم کی آفات اور رنج و غم اور فنا و زوال سے سالم ہے۔ اور دائم اور باقی ہے۔ اور جس میں داخل ہونے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور فرشتوں کی طرف سے سلام ہے تم کو چاہئے کہ اس کی دعوت کو قبول کرو اور اللہ ہی راہ دکھاتا ہے جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف جو اس کو سیدھا دار السلام میں پہنچا دے۔ "صراط مستقیم" سے راہ سلام مراد ہے اور امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صراطِ مستقیم سے آنحضرت ﷺ اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کا طریقہ اور راستہ مراد ہے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی: ۳۲۹/۸)

خلاف پیمبر کسے رہ گزید   کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

فائدہ:...... جاننا چاہئے کہ اللہ کی دعوت تو عام ہے مگر اس کی ہدایت یعنی اس کی توفیق اور عنایت خاص ہے جس کو چاہے مسند قبول پر بٹھائے۔

جن لوگوں نے نیکی کی یعنی ایمان لائے اور حضور پر نور کا اتباع کیا ان کے لیے آخرت کی بھلائی اور نیکی ہے یعنی بہشت اور مزید برآں خدا کا دیدار بھی ہے جیسا کہ احادیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "حسنٰی" سے جنت مراد ہے اور "زیادۃ" سے مراد دیدار خداوندی اور اس کے ساتھ حق تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کا بھی پروانہ ملے گا۔ جنت اعمال حسنہ کی جزاء میں ملے گی اور دیدار خداوندی محض فضل و کرم ہوگا اس لیے دیدار خداوندی کو زیادۃ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ علاوہ جزاء عمل کے مزید انعام ہے۔ معتزلہ جو دیدار خداوندی کے منکر ہیں وہ زیادت کی تفسیر اللہ تعالیٰ کی مغفرت یا اس کی رضا سے کرتے ہیں مگر یہ تفسیر تمام روایات صحیحہ کے خلاف ہے بیشمار اخبار اور آثار سے یہ امر ثابت ہے کہ آیت میں زیادتی سے مراد دیدار خداوندی ہے اور قیامت کے دن ان محسنین کے چہرے سپید اور روشن ہوں گے ان کے چہروں پر نہ سیاہی چھائے گی اور نہ رسوائی یہ لوگ اہل جنت ہیں ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور جن لوگوں نے برائیاں کمائیں یعنی کفر و شرک کیا ان کی برائی کی جزاء مثل ان کی برائی کے ہے اس پر زیادتی نہ ہوگی۔ بخلاف نیکی کے کہ اس کا ثواب دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ہے۔ سزا میں اضافہ عدل و انصاف کے خلاف ہے اور انعام میں اضافہ جود و کرم ہے۔ اور ان

کے چہروں پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی ان کو اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ ان کے چہروں کی ذلت اور کدورت کی حالت یہ ہوگی کہ گویا ان کے چہروں پر تاریک رات کے ٹکڑے چڑھا دیئے گئے یعنی ان کے چہرے رات کی طرح کالے سیاہ ہوں گے۔ یہ لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں۔ وہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیں گے۔ کبھی ان کو عذاب سے رہائی نہ ہوگی۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ ۚ

اور جس دن جمع کریں گے ہم ان سب کو پھر کہیں گے شرک کرنے والوں کو کھڑے اپنی اپنی جگہ تم اور تمہارے شریک ف۱

اور جس دن جمع کریں گے ہم ان کو، پھر کہیں گے شریک والوں کو، کھڑے ہو اپنی اپنی جگہ تم اور تمہارے شریک۔

فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ ۖ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُمْ مَا كُنْتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ﴿٢٨﴾ فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا

پھر تڑادیں گے ہم آپس میں ان کو اور کہیں گے ان کے شریک تم ہماری تو بندگی نہ کرتے تھے سو اللہ کافی ہے شاہد

پھر توڑا دیں گے آپس میں ان کو، اور کہیں گے ان کے شریک، تم ہم کو بندگی نہ کرتے تھے۔ سو اللہ بس ہے شاہد

بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ ﴿٢٩﴾ هُنَالِكَ تَبْلُو كُلُّ نَفْسٍ مَا

ہمارے اور تمہارے بیچ میں ہم کو تمہاری بندگی کی خبر نہ تھی ف۲ وہاں جانچ لے گا ہر کوئی جو

ہمارے تمہارے بیچ میں، ہم تمہاری بندگی کی خبر نہیں رکھتے۔ وہاں جانچ لے گا ہر کوئی جو

أَسْلَفَتْ ۚ وَرُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ ۖ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٣٠﴾ ع ۸

اس نے پہلے کیا تھا اور رجوع کریں گے اللہ کی طرف جو سچا مالک ہے ان کا اور جاتا رہے گا ان کے پاس سے جو جھوٹ باندھا کرتے تھے ف۳

آگے بھیجا، اور رجوع ہوں گے اللہ کی طرف، جو سچا صاحب ہے ان کا، اور گم ہوجاوے گا ان پاس سے جو جھوٹ باندھتے تھے۔

ف۱ یعنی جن کو تم نے اپنے خیال میں خدا کا شریک ٹھہرا رکھا تھا، یا جن کو خدا کے بیٹے بیٹیاں کہتے تھے، مثلاً مسیح علیہ السلام جو نصاریٰ کے نزدیک "ابن اللہ" بلکہ "عین اللہ" تھے یا "ملائکۃ اللہ" یا "احبار و رہبان" کہ انہیں بھی ایک حیثیت سے خدائی کا منصب دے رکھا تھا، یا اصنام و اوثان جن پر مشرکین مکہ نے خدائی کے اختیارات تقسیم کر رکھے تھے، سب کو حسب مراتب اپنی اپنی جگہ کھڑے ہونے کا حکم ہوگا۔

ف۲ یعنی اسی وقت عجیب افراتفری اور نفسی نفسی ہوگی۔ عابدین و معبودین میں جدائی پڑ جائے گی اور دنیا میں اپنے اوہام و خیالات کے موافق جو رشتے جوڑ رکھے تھے، سب توڑ دیے جائیں گے۔ اس ہولناک وقت میں جب کہ مشرکین کو اپنے فرضی معبودوں سے بہت کچھ توقعات تھیں، وہ صاف جواب دے دیں گے کہ تمہارا ہم سے کیا تعلق؟ تم جھوٹ بکتے ہو کہ ہماری بندگی کرتے تھے (تم اپنے عقیدہ کے موافق جس چیز کو پوجتے تھے اس کے لیے وہ خدائی صفات تجویز کرتے تھے جو فی الواقع اس میں موجود نہیں تھیں تو حقیقت میں وہ عبادت اور بندگی واقعی "مسیح" یا "ملائکہ" کی نہ ہوئی اور نہ حقیقت میں بے جان مورتیوں کی پوجا تھی۔ محض اپنے خیال اور وہم یا شیطان لعین کی پرستش کو فرشتے یا نبی یا نیک انسان یا کسی تصویر وغیرہ کے نام زد کر دیتے تھے) خدا گواہ ہے کہ ہماری رضا یا اذن سے تم نے یہ حرکت نہیں کی۔ ہم کو کیا خبر تھی کہ انتہائی حماقت و سفاہت سے خدا کے مقابلہ میں ہمیں معبود بنا ڈالو گے۔ (تنبیہ) یہ گفتگو اگر حضرت "مسیح" وغیرہ ذوی العقول مخلوق کی طرف سے مانی جائے تو کوئی اشکال نہیں۔ اور "اصنام" (بتوں) کی جانب سے ہو تو کچھ بعید نہیں کہ حق تعالیٰ مشرکین کی انتہائی مایوسی اور حسرت ناک درماندگی کے اظہار کے لیے اپنی قدرت کاملہ سے پتھر کی مورتیوں کو گویا کر دے۔ ﴿قَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ (حٰم السجدۃ، رکوع ۳)

ف۳ یعنی جھوٹے اور بے اصل توہمات سب رفو چکر ہو جائیں گے۔ ہر شخص برأی العین مشاہدہ کرے گا کہ اس سچے مالک کے سوا رجوع کرنے کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ اور ہر ایک انسان کو اپنے تمام برے بھلے اعمال کا اندازہ ہو جائے گا کہ کتنا وزن رکھتے ہیں۔

میدان حشر میں کافروں کی ذلت اور رسوائی کا بیان

قَالَ اللہُ تَعَالٰی: ﴿وَیَوۡمَ نَحۡشُرُهُمۡ جَمِیۡعًا ... الی ... وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ﴾

ربط: ...... گزشتہ آیات میں اہل ایمان کے درجات اخروی اور نعیم ابدی اور کافروں کی ذلت اور رسوائی کا بیان تھا۔ اب اس آیت میں بھی کافروں کی ایک اور ذلت اور رسوائی کا بیان ہے وہ یہ کہ قیامت کے دن عابد اور معبود، دونوں ہی کا حشر ہوگا اور بعد ازاں وہ معبود جن کی یہ مشرکین دنیا میں پرستش کرتے تھے اور جن کو اپنا سفارشی سمجھتے تھے، قیامت کے دن، یہ معبودین اپنے عابدین سے بری اور بے زار ہو جائیں گے کہ تم لوگ ہماری پرستش نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اپنی خواہش کی پرستش کرتے تھے ہمیں تو تمہاری پرستش کی خبر بھی نہیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿اِذۡ تَبَرَّاَ الَّذِیۡنَ اتُّبِعُوۡا مِنَ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡا﴾ وقال اللہ تعالیٰ: ﴿ثُمَّ یَقُوۡلُ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اَهٰۤؤُلَآءِ اِیَّاكُمۡ كَانُوۡا یَعۡبُدُوۡنَ قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ اَنۡتَ وَلِیُّنَا مِنۡ دُوۡنِهِمۡ ۚ بَلۡ كَانُوۡا یَعۡبُدُوۡنَ الۡجِنَّ﴾۔ جن کی شفاعت پر امید لگائے بیٹھے تھے ایسے نازک وقت میں ان کی براءت اور بے زاری موجب حسرت بھی ہوگی اور موجب ذلت بھی ہوگی۔ سو اس آیت میں ان کی اس حسرت اور اس ذلت کا بیان ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور ڈرو اس دن سے جب ہم سب کو یعنی سب عابدوں اور سب معبودوں کو میدان حشر میں جمع کریں گے۔ پھر منجملہ خلائق کے مشرکین سے یہ کہیں گے کہ تم اور تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریک یعنی معبود اپنی جگہ قائم رہو۔ یعنی تم اور تمہارے شریک جن کو تم نے ہماری جگہ پوجا ہے یعنی بت اپنی جگہ ٹھہرو اور دیکھو کہ تمہارے ساتھ ہم کیا کرتے ہیں پھر ہم ان کا ان عابدوں اور معبودوں تفرقہ ڈالیں گے یعنی ان کے درمیان جدائی ڈالیں گے اور باہمی رشتہ اتحاد و الفت قطع کر دیں گے جو ان کے درمیان دنیا میں تھا اور کافروں سے پوچھیں گے کہ تم نے ان کی پرستش کیوں کی؟ کافر کہیں گے کہ ان بتوں نے ہم کو اپنی عبادت کا حکم دیا تھا حق تعالیٰ ان بتوں کو گویائی عطا کرے گا اور ان سے ان کی عبادت کے متعلق سوال کرے گا۔ اور وہ شرکاء یعنی وہ بت جن کو یہ خدا کا شریک ٹھہراتے تھے جواب میں یہ کہیں گے کہ تم دنیا میں ہم کو نہیں پوجتے تھے۔ بلکہ اپنی خواہش کی پرستش کرتے تھے۔ ﴿اَفَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ﴾ ہم کو تمہارے پوجنے کی خبر بھی نہ تھی۔ عابدوں اور معبودوں میں جھگڑا شروع ہو جائے گا۔ کافر کہیں گے ایسا نہیں بلکہ تم نے ہمیں اپنی پرستش کا حکم دیا تھا پس بت اس وقت کہیں گے۔ اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان میں کافی گواہ ہے۔ یقیناً ہم تمہاری پرستش سے بالکل بے خبر تھے اگر شرکاء سے بت مراد ہوں تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو گویائی عطا کر دے گا اور اگر شرکاء سے صالحین مراد ہوں جن کی صورت پر انہوں نے بت بنا رکھے تھے تو وہ صالحین قیامت کے دن ان کی عبادت سے منکر ہوں گے اور ان سے اپنی بے زاری ظاہر کریں گے اس مقام پر ہر شخص آزمالے گا اپنے گزشتہ کارنامے کو یعنی اس کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کا عمل از قسم خیر تھا یا از قسم شر اس کا نفع اور ضرر اس کے سامنے آجائے گا۔ پھر یہ لوگ مالک حقیقی کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے۔ اور وہ ان کو ان کے عمل کے موافق جزا دے گا اور ان کا سارا افتراء گم ہو جائے گا۔ یعنی اس وقت یہ ظاہر ہو جائے گا کہ بت پرستوں کا یہ دعویٰ سراسر افتراء اور بہتان تھا۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ

تو پوچھ کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے ف۱ یا کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا ف۲ اور کون نکالتا ہے

تو پوچھ، کہ کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان اور زمین سے؟ یا کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا؟ اور کون نکالتا ہے

الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ

زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے ف۳ اور کون تدبیر کرتا ہے کاموں کی ف۴ سو بول اٹھیں گے کہ اللہ تو

جیتا مردے سے؟ اور نکالتا ہے مردہ جیتے سے؟ اور کون تدبیر کرتا ہے کام کی؟ سو کہیں گے اللہ!

فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى

تو کہہ پھر ڈرتے نہیں ہو سو یہ اللہ ہے رب تمہارا سچا پھر کیا رہ گیا سچ کے پیچھے مگر بھٹکنا سو کہاں سے

تو تو کہہ، پھر تم ڈرتے نہیں۔ سو یہ اللہ ہے رب تمہارا سچا۔ پھر کیا رہا سچ پیچھے مگر بھٹکنا؟ سو کہاں سے

تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ قُلْ

لوٹے جاتے ہو ف۵ اسی طرح ٹھیک آئی بات تیرے رب کی ان نافرمانوں پر کہ یہ ایمان نہ لائیں گے ف۶ پوچھ

پھرے جاتے ہو؟۔ اسی طرح ٹھیک آئی بات تیرے رب کی ان بےحکموں پر، کہ یقین نہ لاویں گے۔ پوچھ

هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ

کوئی ہے تمہارے شریکوں میں جو پیدا کرے خلق کو پھر دوبارہ زندہ کرے تو کہہ اللہ پہلے پیدا کرتا ہے پھر اس کو دہرائے گا

کوئی ہے تمہارے شریکوں میں جو پہلے بناوے، پھر اس کو دہراوے۔ تو کہہ، اللہ پہلے بناتا ہے، پھر اس کو دہراتا ہے،

ف۱ آسمان کی طرف سے بارش اور حرارت شمس وغیرہ پہنچتی ہے اور زمینی مواد اس کے ساتھ ملتے ہیں تب انسان کی روزی مہیا ہوتی ہے۔

ف۲ یعنی ایسے عجیب وغریب محیر العقول طریقہ سے کس نے کان اور آنکھ پیدا کی۔ پھر ان کی حفاظت کا سامان کیا۔ کون ہے جو ان تمام قوائے انسانی کا حقیقی مالک ہے کہ جب چاہے عطا فرمادے اور جب چاہے چھین لے۔

ف۳ مثلاً "نطفہ" یا "بیضہ" سے جاندار کو، پھر جاندار سے نطفہ اور بیضہ کو نکالتا ہے۔ یا روحانی اور معنوی طور پر جو شخص یا قوم مردہ ہو چکی اس میں سے زندہ دل افراد پیدا کرتا ہے اور زندہ قوموں کے اخلاف پر ان کی بدبختی سے موت طاری کر دیتا ہے۔

ف۴ یعنی دنیا کے تمام کاموں کی تدبیر و انتظام کون کرتا ہے۔

ف۵ مشرکین کو بھی اعتراف تھا کہ یہ امور کلیہ اور عظیم الشان کام اللہ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ اس لیے فرمایا کہ جب اصل خالق ومالک اور تمام عالم کا مدبر اسی کو مانتے ہو، پھر ڈرتے نہیں کہ اس کے سوا دوسروں کو معبود بناؤ۔ معبود تو وہی ہونا چاہیے، جو خالق کل، مالک الملک، رب مطلق اور متصرف علی الاطلاق ہو۔ اس کا اقرار کر کے کہاں الٹے پاؤں واپس جا رہے ہو۔ جب سچا وہی ہے تو سچ کے بعد بجز جھوٹ کے کیا رہ گیا۔ سچ کو چھوڑ کر جھوٹے اوہام میں بھٹکنا عاقل کا کام نہیں ہو سکتا۔

ف۶ یعنی اللہ نے ازل سے ان متمرد سرکشوں کی قسمت میں ایمان نہیں لکھا۔ جس کا سبب علم الٰہی میں ان کی سرکشی اور نافرمانی ہے۔ اس طرح خدا کی لکھی ہوئی بات ان پر فسق و نافرمانی کی وجہ سے راست آئی۔

فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ

سو کہاں سے پلٹے جاتے ہو ف۱ پوچھ کوئی ہے تمہارے شریکوں میں جو راہ بتلائے صحیح تو کہہ اللہ راہ بتلاتا ہے صحیح تو اب جو کوئی راہ بتائے صحیح

سو کہاں سے الٹ جاتے ہو۔ پوچھ، کوئی ہے تمہارے شریکوں میں جو راہ بتاوے صحیح، تو کہہ، اللہ راہ بتاتا ہے صحیح

اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ

اس کی بات ماننی چاہیے یا اس کی جو آپ نہ پائے راہ مگر جب کوئی اور اس کو راہ بتلائے سو کیا ہوگیا تم کو کیسا

اب جو کوئی راہ بتاوے صحیح، اس کو چاہیے ماننا ؟ یا جو آپ نہ پاوے راہ، مگر جب کوئی بتاوے۔ سو کیا ہوا ہے تم ! کیسا

تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

انصاف کرتے ہو ف۲ اور وہ اکثر چلتے ہیں محض اٹکل پر سو اٹکل کام نہیں دیتی حق بات میں کچھ بھی ف۳ اللہ کو

انصاف کرتے ہو؟ وہ اکثر چلتے ہیں اٹکل پر۔ اٹکل کام نہیں کرتی صحیح بات میں کچھ۔ اللہ کو

عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

خوب معلوم ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

معلوم ہے جو کام کرتے ہیں۔

احقاق توحید وابطال شرک

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ... الی... عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں بھی دلائل قاطعہ کے ساتھ اثبات توحید اور ابطال شرک کا بیان تھا۔ اب ان آیات میں پھر بھی ابطال شرک کا مضمون اس طرح بیان ہوتا ہے کہ منکر کو سوائے اعتراف اور اقرار کے کوئی چارہ نہ رہے۔

ف۱ یہاں تک "مبدأ" کا ثبوت تھا۔ اب "معاد" کا ذکر ہے۔ یعنی جب اعتراف کر چکے کہ زمین، آسمان، سمع و بصر، موت وحیات، سب کا پیدا کرنے والا اور تھامنے والا وہ ہی ہے تو ظاہر ہے کہ مخلوق کو مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا اور دہرا دینا بھی اسی کا فعل ہوسکتا ہے پھر انبیاء علیہم السلام کی زبانی جب وہ خود اس دہرانے کی خبر دیتا ہے تو اس کی تسلیم میں کیا عذر ہے "مبدأ" کا اقرار کر کے "معاد" کی طرف سے کہاں پلٹے جاتے ہو۔

ف۲ "مبدأ" و "معاد" کے بعد درمیانی وسائط کا ذکر کرتے ہیں۔ یعنی جس طرح اول پیدا کرنے والا اور دوبارہ جلانے والا وہ ہی خدا ہے، ایسے ہی "معاد" کی صحیح راہ بتلانے والا بھی کوئی دوسرا نہیں۔ خدا ہی بندوں کی صحیح اور سچی راہنمائی کرسکتا ہے۔ مخلوق میں کوئی بڑا ہو یا چھوٹا سب اسی کی راہنمائی کے محتاج ہیں۔ اسی کی ہدایت و راہنمائی پر سب کو چلنا چاہیے۔ بت مسکین تو کس شمار میں ہیں جو کسی کی راہنمائی سے بھی چلنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ بڑے بڑے مقربین (انبیاء وملائکہ علیہم السلام) بھی برابر یہ اقرار کرتے آئے ہیں کہ خدا کی ہدایت و دست گیری کے بدون ہم ایک قدم نہیں اٹھا سکتے۔ ان کی راہ نمائی بھی اسی لیے بندوں کے حق میں قابل قبول ہے کہ خدا بلا واسطہ ان کی راہ نمائی فرماتا ہے۔ پھر یہ کس قدر ناانصافی ہے کہ انسان اس ہادی مطلق کو چھوڑ کر باطل اور کمزور سہارے ڈھونڈے یا مثلاً احبار و رہبان، برہمنوں اور مہنتوں کی راہ نمائی پر اندھا دھند چلنے لگے۔

ف۳ جب معلوم ہو چکا کہ "مبدی" "معید" اور "ہادی" وہ ہی اللہ ہے تو اس کے خلاف شرک کی راہ اختیار کرنے والوں کو سوچنا چاہیے کہ ان کے ہاتھ میں کون سی دلیل و برہان ہے جس کی بناء پر "توحید" کے مسلک قویم وقدیم کو چھوڑ کر ضلالت کے گڑھے میں گرے جا رہے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کے پاس سوائے ظنون و اوہام اور اٹکل پچو باتوں کے کوئی چیز نہیں۔ بھلا اٹکل کے تیر حق وصداقت کی بحث میں کیا کام دے سکتے ہیں۔

ان آیات میں حق تعالیٰ نے بطلان شرک پر دلیل یہ بیان فرمائی کہ قابل پرستش اور لائق عبادت وہ ذات ہے جس میں یہ اوصاف پائے جاتے ہیں اور کافر بھی اس کا انکار نہیں کر سکتے کہ یہ اوصاف بجز وحدہ لاشریك له کے کسی اور میں نہیں پائے جاتے تو پھر کیوں دوسروں کی پرستش کرتے ہیں۔ اور اس مقام پر الوہیت کے چار خواص ذکر کیے جن کو بت پرست بھی اللہ کے لیے مخصوص مانتے ہیں۔

۱- ﴿قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾۔ یعنی آسمان اور زمین سے مخلوق کو روزی دینا۔

۲- ﴿اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ﴾۔ یعنی حاسہ سمع وبصر کا مالک ہونا جس کو چاہا شنوا اور بینا بنایا اور جس کو چاہا بہرا اور نابینا بنایا۔

۳- ﴿وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ﴾۔ یعنی مردہ سے زندہ کو پیدا کرنا اور اس کے برعکس یعنی موت اور حیات کا اس کے اختیار میں ہونا۔

۴- ﴿وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ﴾۔ یعنی تدبیر عالم علوی وسفلی۔ جس کو چاہے بلند کرے اور جس کو چاہے پست کرے اور اس کے علاوہ اور بھی الوہیت کے خواص مختصر کا بیان فرمایا اور مطلب یہ ہے کہ قابل پرستش وہ ذات ہے جس میں یہ صفات پائی جائیں کہ وہ رزق کا اور موت اور حیات یعنی وجود اور عدم کا اور تدبیر وتصرف کا۔ اور مبدا اور معاد اور ہدایت اور ارشاد کا مالک ہو۔ ان دلائل کو بصورت استفہام وسوال پیش کیا اور جواب ان کے سپرد کیا تا کہ حجت اور الزام مکمل ہو۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

دلیل اول

اے نبی ﷺ آپ ان مشرکوں سے پوچھیے کہ تم کو آسمان اور زمین سے کون روزی دیتا ہے یعنی آسمان سے کون مینہ برساتا ہے اور زمین سے کون اناج اور درخت اگاتا ہے جس پر تمہاری روزی کا دارومدار ہے مطلب یہ ہے کہ بتلاؤ کہ تمہارا رازق کون ہے۔

دلیل دوم

اور پوچھیے کہ وہ کون ہے کہ جو تمہاری شنوائی اور بینائی کا مالک ہے یعنی کون ہے جس نے تم کو ساعت اور بصارت عطا کی بتلاؤ تو سہی کہ سننے کو کان اور دیکھنے کو آنکھیں کس نے دی ہیں اور کون ان کا محافظ ہے۔

دلیل سوم

اور وہ کون ہے کہ جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے۔ اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ جس کی صدہا مثالیں ہیں انسان جان دار ہے اور نطفہ بے جان ہے۔ اللہ نطفہ سے انسان نکالتا ہے اور انسان میں سے نطفہ۔ پرندہ جان دار ہے اور انڈہ بے جان۔ اللہ پرندہ میں سے انڈہ نکالتا ہے اور انڈے میں سے پرندہ۔ مومن زندہ ہے اور کافر مردہ ہے۔ اللہ مومن سے کافر کو نکالتا ہے اور کافر سے مومن کو نکالتا ہے۔

دلیل چہارم

اور بتلاؤ کہ کون ہے جو آسمان اور زمین کی تدبیر کرتا ہے اور سارے عالم کا انتظام کرتا ہے پس کافران سوالات مذکورہ کے جواب میں مجبور ہو کر یہی کہیں گے کہ ایسی صفتوں والا تو اللہ ہی ہے کیونکہ اس میں انکار اور مکابرہ کی گنجائش نہیں اور عالم کے اس نظام محکم کو دہر یا مادہ کی طرف منسوب کرنا محض حماقت ہے بس ان کا یہ اقرار دلیل ہے اس بات پر کہ بت پرستی کا طریقہ باطل ہے پس اے نبی! آپ ﷺ ان سے کہیے کہ جب تم یہ اقرار کر چکے کہ ایسی صفتوں والا صرف اللہ ہے تو پھر تم خدا کے قہر وعذاب سے ڈرتے کیوں نہیں پس خوب سمجھ لو کہ اللہ ہی تمہارا حقیقی پروردگار ہے جس کی صفات اوپر مذکور ہوئی۔ وہ مستحق عبادت ہے۔ بت جو کسی چیز پر بھی قدرت نہیں رکھتے وہ مستحق عبادت نہیں ہو سکتے۔ پس اس صریح اور واضح حق کے بعد سوائے گمراہی کے کیا رہا۔ پھر تم حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف کہاں پھرے جا رہے ہو۔ یعنی جب کہ تم نے خدا کی ہستی اور اس کے مالک اور قادر اور نافع اور ضار ہونے کا اقرار کر لیا تو پھر وہ کیا چیز ہے جو تم کو حق سے باطل کی طرف مائل اور منحرف کر رہی ہے۔ اسی طرح تیرے پروردگار کی قضا ایسے بدکاروں پر ثابت ہو چکی ہے کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے اس لیے کہ جو دائرہ اصلاح سے نکل گیا اور اس نے تمرد اختیار کر لیا وہ کہاں سے ایمان لائے گا۔ یعنی اللہ کو ان کے عناد کا پہلے ہی سے علم تھا اس نے ان کی قسمت میں لکھ دیا تھا کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ خدا کا نوشتہ ان کے حق میں پورا ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کی وحدانیت کے انکار کی کوئی وجہ تو ہے نہیں اس پر اگر کوئی ایمان نہ لائے تو سمجھ کہ ان کی تقدیر میں یہی لکھا ہوا تھا۔

دلیل دیگر (۵)

اب پھر اسی مدعا یعنی ابطال شرک کی ایک اور دلیل بیان کرتے ہیں جس میں مشرکین کی غایت تقبیح اور غایت تفضیح ہے۔ اے نبی آپ ﷺ ان مشرکین سے پوچھئے کہ بھلا تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں سے جن کو تم شریک خدائی سمجھتے ہو کوئی ایسا بھی ہے جو پہلی بار مخلوق کو پیدا کرے پھر وہی مرنے کے بعد اس کو پہلی صورت پر دوبارہ پیدا کرے اور ظاہر ہے کہ ان شرکاء میں سے کوئی بھی یہ قدرت نہیں رکھتا۔ پس اگر وہ اپنی عار اور شرکاء کی توہین کی وجہ سے اس سوال کا جواب دینے میں تامل کریں تو آپ ﷺ یہ کہہ دیجئے کہ تم ان دلائل قاطعہ کے ہوتے ہوئے کہاں راہ حق سے بھٹکے جا رہے ہو مطلب یہ ہے کہ جن کو تم شریک خدائی ٹھہراتے ہو نہ وہ کسی کو پیدا کر سکتے ہیں بلکہ یہ وصف سوائے ذات خداوندی کے کسی میں نہیں پایا جاتا۔ پھر کسی اور کی کیوں عبادت کرتے ہو۔ اس سوال کا جواب ذکر نہیں فرمایا کیونکہ ایسا بدیہی امر ہے کہ کسی کو اس میں انکار کی مجال نہیں اور چونکہ مشرکین معاد اور حشر کے منکر ہیں اس لیے وہ اس کا جواب نہیں دیں گے کہ کہیں اقرار کر کے پکڑ میں نہ آ جائیں۔ پس ثابت ہوا کہ معبود حقیقی وہ ہے جو مبدئ اور معید ہو اور اس سوال سے مقصود ان کی جہالت اور حماقت کو ظاہر کرنا ہے۔ اور یہ دلیل جس طرح اثبات وحدانیت کے لیے کافی ہے۔ اسی طرح اثبات معاد کے لیے بھی کافی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ جب خدا تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور بتوں کا عجز تم پر ظاہر ہو گیا تو پھر تعجب ہے کہ تم جان بوجھ کر خدائے قادر کی عبادت سے منہ موڑتے

ہو اور عاجز بتوں کو پوجتے ہو۔

(۶) دلیل دیگر بر ابطال شرک

اے نبی! آپ ﷺ ان سے یہ بھی پوچھئے کہ تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو لوگوں کو حق کا راستہ دکھائے اور حق اور باطل کے فرق کو بتلا سکے۔ ظاہر ہے کہ وہ بجز اس کے کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے معبودوں میں کوئی بھی ایسا نہیں کیونکہ بت تو بینائی اور شنوائی اور گویائی سب سے کورے ہیں تو پھر آپ ﷺ ان سے یہ کہیے کہ اللہ ہی لوگوں کو حق کا راستہ دکھاتا ہے اب آپ ﷺ ان سے یہ سوال کیجئے کیا وہ شخص جو دوسروں کو حق کا راستہ دکھاتا ہو وہ پیروی کیے جانے کا زیادہ مستحق ہے یا وہ شخص کہ جس کو بغیر کسی کی رہنمائی کے خود بھی راستہ دکھائی نہ دیتا ہو یعنی اللہ جو حق کی راہ دکھاتا ہے اور دلائل اور براہین سے حق اور باطل کے فرق کو تم پر واضح کرتا ہے وہی اتباع اور اطاعت کا زیادہ مستحق ہے۔ بت نہیں ہیں جو دوسروں کو ہدایت کرنا تو کجا ان کا حال تو یہ ہے کہ بغیر دوسرے کے بتلائے راہ نہیں پا سکتے۔ بتوں کو راہ دکھلانے کے معنی یہ ہیں کہ لوگ ان کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ لے جاتے ہیں اور اگر بت بہت بھاری اور وزنی ہو تو چوپایہ پر باندھ کر اور لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں مطلب یہ ہے کہ بت ایسے عاجز ہیں کہ جب بھی کوئی ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہ کرے تو خود نقل و حرکت نہیں کر سکتے۔ پس تم کو کیا ہو گیا کیسا برا فیصلہ کرتے ہو۔ فیصلہ سے مراد ان کا یہ اعتقاد کہ بت اللہ کے شریک اور مستحق عبادت ہیں۔ ان آیات ﴿قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ﴾ الخ میں بھی اسی سابق مدعا یعنی ابطال شرک کی ایک دلیل کو بیان کیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ دیکھو تمہارے شرکاء کسی کو ہدایت نہیں کر سکتے یعنی دینی اور دنیوی منافع کی کسی کو تعلیم نہیں دے سکتے اور نہ کسی کو مضرت سے بچنے کی تدبیر بتا سکتے ہیں بلکہ یہ وصف اللہ ہی کی ذات میں پایا جاتا ہے پھر تم اسے چھوڑ کر دوسرے کی عبادت کیوں کرتے ہو۔ غرض یہ کہ اس تمام کلام سے مشرکین پر رد کرنا اور ان پر حجت قائم کرنا ہے جس نے ان باتوں کا اقرار کر لیا۔ اس پر الزام ظاہر ہے اور جس نے از راہ عناد اقرار نہ کیا تو اس پر بالبداہت حجت قائم ہے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی: ۸/۳۳۵)

خاتمۂ کلام

یہاں تک ابطال شرک پر ایسے دلائل قائم فرمائے کہ جن کے جواب سے مشرکین بھی عاجز تھے۔ اب اخیر میں یہ بتلاتے ہیں کہ تم نے جو عقیدہ بنا رکھا ہے اس پر کوئی دلیل نہیں محض تمہارا گمان اور خیال ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اکثر ان میں سے صرف اٹکل پر چل رہے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ بے دلیل حق کو جھٹلا رہے ہیں اور بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں۔ تحقیق بے دلیل گمان اور خیال علم حق اور اعتقاد حق کے مقابلہ میں ذرہ برابر کارآمد نہیں ان کا یہ گمان ہے کہ یہ بت ہماری شفاعت کریں گے۔ انہیں عذاب حق سے نہیں بچا سکے گا۔ تحقیق اللہ کو خوب معلوم ہے کہ جو کچھ یہ کرتے ہیں ان کے جھوٹے دعوے اور بے دلیل اپنے گمان کی پیروی اور ان کی بدکرداریاں خدا سے مخفی نہیں۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ

اور وہ نہیں یہ قرآن کہ کوئی بنا لے اللہ کے سوا ف۱ اور لیکن تصدیق کرتا ہے اگلے کلام کی ف۲

اور وہ نہیں یہ قرآن کہ کوئی بنا لے اللہ کے سوا، اور لیکن سچا کرتا ہے اگلے کلام کو،

وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا

اور بیان کرتا ہے ان چیزوں کو جو تم پر لکھی گئیں جس میں کوئی شبہ نہیں پروردگار عالم کی طرف سے ف۳ کیا لوگ کہتے ہیں کہ یہ بنا لایا ہے تو کہہ دے تم لے آؤ

اور بیان کتاب کا، جس میں شبہ نہیں، جہاں کے صاحب سے۔ کیا لوگ کہتے ہیں، یہ بنا لایا ہے۔ تو کہہ، تم لے آؤ

بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ بَلْ كَذَّبُوْا

ایک ہی سورت ایسی اور بلا لو جس کو بلا سکو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو ف۴ بات یہ ہے کہ جھٹلانے لگے

ایک سورۃ ایسی، اور پکارو جس کو پکار سکو اللہ کے سوا، اگر تم سچے ہو۔ کوئی نہیں! پر جھٹلانے لگے ہیں

ف۱ پچھلی آیات میں فرمایا تھا کہ مشرکین محض ظن وتخمین کی پیروی کرتے ہیں۔ حالانکہ پیروی کے قابل اس کی بات ہے جو صحیح راستہ بتلائے۔ اسی مناسبت سے یہاں قرآن کریم کا ذکر شروع کیا کہ آج دنیا میں وہی ایک کتاب صحیح راستہ بتلانے والی اور ظنون واوہام کے مقابلہ میں سچے حقائق پیش کرنے والی ہے۔ اس کے علوم ومعارف، احکام وقوانین اور معجزانہ فصاحت وجزالت پر نظر کر کے کہنا پڑتا ہے کہ یہ قرآن وہ کتاب نہیں جو خداوند قدوس کے سوا کوئی دوسرا شخص بنا کر پیش کر سکے۔ پورا قرآن تو بجائے خود رہا اس کی ایک سورت کا مثل لانے سے بھی تمام جن وانس عاجز ہیں جیسا کہ آگے آتا ہے۔

ف۲ قرآن کا کلام الٰہی ہونا اس سے ظاہر ہے کہ وہ تمام کتب سماویہ سابقہ کی سچائی پر مہر تصدیق ثبت کرتا، ان کے اصل مضامین کی حفاظت اور ان کی پیشین گوئیوں کی صداقت کا علانیہ اظہار کرتا ہے۔

ف۳ یعنی احکام الٰہیہ اور ان حقائق ومعارف کو جو پچھلی کتابوں میں نہایت اجمالی طور پر مذکور تھیں، کافی تفصیل سے بیان کرتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کتاب میں عاقل کے لیے شک وشبہ کی قطعاً گنجائش نہیں۔ ایسا جامع بلیغ، پر حکمت اور نور صداقت سے بھرا ہوا کلام رب العالمین ہی کا ہو سکتا ہے۔

ف۴ یعنی اگر میں بنا لایا ہوں تو تم بھی میری طرح بشر ہو سب مل کر ایک سورت جیسی سورت بنا لاؤ۔ ساری مخلوق کو دعوت دو، جن وانس کو جمع کر لو، تمام جہان کے فصیح وبلیغ، پڑھے لکھے اور ان پڑھ اکٹھے ہو کر ایک چھوٹا سا کلام قرآن کی مانند پیش کر دو تو سمجھ لیا جائے گا کہ قرآن بھی کسی بشر کا کلام ہے جس کا مثل دوسرے لوگ لا سکتے ہیں۔ مگر محال ہے کہ ابد الآباد تک کوئی مخلوق ایسا حوصلہ کر سکے۔ قرآن کریم ہی وہ کتاب ہے جس میں تہذیب اخلاق، تمدن ومعاشرت، حکومت وسیاست، معرفت وروحانیت، تزکیہ نفوس، تنویر قلوب، غرضیکہ وصول الی اللہ اور تنظیم ورفاہیہ خلائق کے وہ تمام قوانین وطریق موجود ہیں، جن سے آفرینش عالم کی غرض پوری ہوتی ہے۔ اور جن کی ترتیب وتدوین کی ایک اُمّی قوم کے اُمّی فرد سے کبھی امید نہیں ہو سکتی تھی۔ پھر ان تمام علوم وہدایات کا تکفل کرنے کے ساتھ اس کتاب کی غلغلہ انداز فصاحت وبلاغت، جامع ومؤثر اور دل ربا طرز بیان، دریا کا سا تموج، سہل ممتنع سلاست وروانی، اسالیب کلام کا تفنن اور اس کی لذت وحلاوت اور شہنشاہانہ شان وشکوہ یہ سب چیزیں ایسی ہیں جنہوں نے بڑے زور وشور اور بلند آہنگی سے سارے جہان کو مقابلہ کا چیلنج دے دیا ہے۔ جس وقت سے قرآن کے جمال جہاں آراء نے غیب کی نقاب الٹی اور اولاد آدم کو اپنے سے روشناس کیا، اس کا برابر یہی دعویٰ رہا کہ میں خدائے قدوس کا کلام ہوں۔ اور جس طرح خدا کی زمین جیسی زمین، خدا کے سورج جیسا سورج، اور خدا کے آسمان جیسا آسمان پیدا کرنے سے دنیا عاجز ہے، اسی طرح خدا کے قرآن جیسا قرآن بنانے سے بھی دنیا عاجز رہے گی۔ قرآن کے مٹانے کی لوگ سازشیں کریں گے مگر گا نہیں گے، مقابلہ کے جوش میں کٹ مریں گے۔ اپنی مدد کے لیے دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کو دعوت دیں گے۔ کوئی حیلہ، کوئی تدبیر، کوئی داؤ پیچ اٹھا نہ رکھیں گے، اپنے کو اور دوسروں کو مصیبت میں ڈالیں گے۔ سارے مصائب ودواہی کا تحمل ان کے لیے ممکن ہوگا مگر قرآن کی چھوٹی سی سورت کا مثل لانا ممکن نہ ہوگا۔ ﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾ (بنی اسرائیل، رکوع ۱۰) اس مسئلہ پر ہم نے "اعجاز القرآن" کے نام سے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جسے شوق ہو ملاحظہ کرے۔

بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۖ فَانظُرْ

جس کے سمجھنے پر انہوں نے قابو نہ پایا ف۱ اور ابھی آئی نہیں اس کی حقیقت ف۲ اسی طرح جھٹلاتے رہے ان سے اگلے سو دیکھ لے

جس کے سمجھنے پر قابو نہ پایا، اور ابھی آئی نہیں اس کی حقیقت۔ یوں ہی جھٹلاتے رہے ان سے اگلے، سو دیکھ لے

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴿٣٩﴾ وَمِنْهُم مَّن يُؤْمِنُ بِهِ وَمِنْهُم مَّن لَّا يُؤْمِنُ بِهِ ۚ

کیسا ہوا انجام گناہگاروں کا اور بعضے ان میں یقین کریں گے قرآن کا اور بعضے یقین نہ کریں گے

کیسا ہوا آخر گنہگاروں کا۔ اور کوئی ان میں یقین کرے گا اس کو اور کوئی یقین نہ کرے گا۔

وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٤٠﴾ ع

اور تیرا رب خوب جانتا ہے شرارت والوں کو ف۳

اور تیرے رب کو خوب معلوم ہیں شرارت والے۔

بیان اعجاز قرآن برائے اثبات نبوت

قَالَ اللهُ تَعَالىٰ: ﴿وَمَا كَانَ هَٰذَا الْقُرْآنُ أَن يُفْتَرَىٰ مِن دُونِ اللَّهِ... الى... وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِينَ﴾

ربط:...... ان آیات میں قرآن کریم کے اعجاز کا بیان ہے۔ اور مشرکین کے ایک شبہ اور تعجب کو رفع کرنا ہے۔ جو ان کو قرآن کے کلام خداوندی اور اس کے من جانب اللہ ہونے پر تھا۔ مشرکین قرآن کو اللہ کا کلام نہیں سمجھتے تھے بلکہ آنحضرت ﷺ کا کلام سمجھتے تھے۔ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ یہ قرآن آپ ﷺ کا بنایا ہوا ہے۔ اسی وجہ سے وہ یہ کہتے تھے کہ ﴿ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ﴾ حق جل شانہ نے ان آیات میں یہ بتایا کہ یہ قرآن، غیر خدا کی بنائی ہوئی کتاب نہیں یہ تو اللہ رب العلمین کی طرف سے نازل ہوئی ہے یہ خدا کا کلام ہے بشر کا کلام نہیں اور یہ کتاب معجزہ ہے اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ یہ کسی بشر کی بنائی ہوئی ہے تو تم بھی اس کے مثل بنا سکتے ہو اس کی مثل بنا کر لاؤ اور دکھلاؤ۔ آپ ﷺ نے اتنا بڑا قرآن بنالیا تم ایک سورت ہی بنالاؤ اور علاوہ اعجاز کے یہ کتاب، کتب سابقہ کی مصدق ہے۔ انبیاء سابقین ﷺ کے واقعات کو صحیح صحیح بیان کرتی ہے اور حلال وحرام کے احکام تفصیل کے ساتھ بیان کرتی ہے۔ جہاں عقل بشری کی رسائی نہیں۔

غرض یہ کہ (۱) یہ قرآن گزشتہ کتابوں کی تصدیق ہے۔ (۲) اور علوم ہدایت کی تفصیل (۳) اس کا رب العالمین کی

ف۱ یعنی قرآن کو "مفتری" کہنا کچھ کر نہیں، محض جہل وسفاہت اور قلت تدبر سے ہے۔ تعصب وعناد انہیں اجازت نہیں دیتا کہ ٹھنڈے دل سے قرآن کے حقائق اور وجوہ اعجاز میں غور کریں۔ بدفہمی یا قوائے فکریہ کے ٹھیک استعمال نہ کرنے کی وجہ سے جب قرآن پاک کے دلائل وعجائب کو پوری طرح نہیں سمجھ سکے، تو جھٹلانا شروع کر دیا۔

ف۲ بعض مفسرین نے "تاویل" کے معنی "تفسیر" کے لیے ہیں۔ یعنی مطالب قرآن ان کے دماغ میں نہیں اترے اور بعض نے قرآنی پیشین گوئیاں مراد لی ہیں۔ یعنی تکذیب کی ایک وجہ بعض سادہ لوحوں کے حق میں یہ بھی ہے کہ مستقبل کے متعلق قرآن نے جو خبریں دی ہیں۔ ان کے وقوع کا ابھی وقت نہیں آیا۔ لہٰذا وہ منتظر ہیں کہ ان کا ظہور کب ہوتا ہے۔ مگر سوچنا چاہیے کہ یہ وجہ تکذیب کی کیسے ہو سکتی ہے؟ زائد از زائد توقف کی وجہ ہو تو ہو۔

ف۳ یعنی آگے چل کر ان میں کچھ لوگ مسلمان ہونے والے ہیں۔ انہیں چھوڑ کر جو باقی لوگ شرارت پر قائم رہیں گے، خدا سب کو خوب جانتا ہے۔ موقع پر مناسب سزا دے گا۔

طرف سے ہونا بدیہی ہے۔ جس میں کسی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں اور تمہارا یہ دعویٰ کہ یہ کتاب آپ ﷺ کی بنائی ہوئی ہے کسی دلیل پر مبنی نہیں بلکہ ضد اور عناد پر مبنی ہے بعد ازاں حق تعالیٰ نے ان آیات میں یہ بتلایا کہ اس قرآن کے سننے کے بعد لوگ دو قسم کے ہوں گے بعض اس پر ایمان لے آئیں گے اور بعض اپنے کفر پر قائم رہیں گے۔

ربط دیگر:...... گزشتہ آیات میں یہ فرمایا تھا ﴿فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ﴾ تم کہاں بہکے جا رہے ہو اب اس آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ قرآن تمہاری ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے اس کی طرف آؤ جو تمہیں حق کی طرف ہدایت کرتا ہے اور بتوں کو چھوڑو، کہ جو تمہیں حق کی راہ تو در کنار کوئی راہ بھی نہیں دکھا سکتے۔ بہر حال مقصود اثبات نبوت ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اس قرآن کی پیروی اور اس کا اتباع کسی ظن اور گمان کا اتباع نہیں کیونکہ یہ قرآن جس کا اعجاز روز روشن کی طرح نمایاں ہے۔ ایسا نہیں کہ اس کو اللہ کے سوا کوئی بنا سکے یعنی کسی بشر کی مجال نہیں کہ ایسا کلام معرفت التیام بنا سکے۔ لیکن یہ قرآن تصدیق ہے ان آسمانی کتابوں کی جو اس سے پہلے اتری ہیں جس سے اس کا منزل من اللہ ہونا ظاہر ہے اور تفصیل ہے ان احکام الٰہیہ کی جو اللہ نے بندوں پر لکھے ہیں۔ یعنی جن کی تعلیم بندوں پر لازم کی ہے مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب شریعت الٰہیہ کی تفصیل ہے۔ جس میں ذرہ برابر شک نہیں رب العالمین کی طرف سے یہ نازل ہوئی ہے مگر باوجود اس کے کافر اس میں شک کرتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ محمد ﷺ نے اس کو بنا لیا ہے۔ اے نبی آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر بات یہ ہے تو تم بھی اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ جو فصاحت اور بلاغت اور علوم ہدایت میں اس کے مثل ہو اور پکار و مدد کے لیے جس کو تم اللہ کے سوا بلا سکتے ہو۔ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو کہ محمد ﷺ نے اس کو اپنی طرف سے بنا لیا ہے اگر تم سچے دل سے یہ عقیدہ رکھتے ہو اور ہٹ دھرمی نہیں کرتے تو تم بھی اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ۔ لیکن کافر ایک سورت بلکہ ایک آیت بھی نہ لا سکے بلکہ حقیقت حال یہ ہے کہ جس چیز کو وہ سمجھے نہیں اس کی تکذیب میں جلدی کر بیٹھے حالانکہ ابھی تک ان کے پاس اس کی حقیقت نہیں آئی یعنی ان کو چاہئے تھا کہ قرآن نے جو خبریں دی ہیں ان کے ظہور کا انتظار کرتے جب وہ خبریں اپنے وقت مقرر و معین پر واقع ہوتیں تو خود ان کی صداقت ظاہر ہو جاتی مگر انہوں نے ان کے جھٹلانے میں جلدی کی اور اپنے انجام کا انتظار نہ کیا۔ سو، جب قرآن کے وعدے وعید پورے ہوں گے اس وقت انہیں اپنی تکذیب کی حقیقت معلوم ہوگی ان لوگوں نے قرآن کی عظمت و شان کو اور اس کی دلیل و برہان کو سمجھا نہیں اور اس کے علم تک ان کی رسائی نہیں ہوئی۔ قرآن کو سنتے ہی بجائے اس کے کہ اس کے معانی اور علوم کو سمجھیں اس کو جھٹلانے لگے۔

غرض یہ کہ انہوں نے قرآن کے علوم اور دلائل و براہین میں غور و فکر سے کام نہ لیا اور بے سوچے سمجھے جلدی سے اس کو جھٹلا دیا۔ اسی طرح بے سوچے سمجھے ان لوگوں نے اپنے نبیوں کو جھٹلایا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ پس دیکھ لو ان ظالموں اور تکذیب کرنے والوں کا انجام کیا ہوا پس تم کو چاہیے کہ ان کے انجام سے عبرت پکڑو اور جب زمانہ آئندہ میں قرآن کی تاویل اپنے وقت مقررہ پر آ دے گی۔ اور اس کی خبر کا مصداق ہوگا تو اس وقت ان مکذبین میں سے بعض تو ایمان لے آئیں گے اور بعض پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے بلکہ اپنے کفر پر مصر رہیں گے اور کفر پر ہی ان کا خاتمہ ہوگا۔ اور تیرا پروردگار ان مفسدین کے فتنہ و فساد اور شرارت اور عناد سے خوب واقف ہے ان کو ان کے فعلِ بد کی سزا دے گا۔

فائدہ:...... ﴿منہم من یؤمن بہ ومنہم من لا یؤمن بہ﴾ کے بارہ میں مفسرین کے دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ مضارع بمعنی حال ہے یا بمعنی استقبال ہے ہم نے جو تفسیر کی وہ معنی استقبال لے کر کی اور اگر مضارع بمعنی حال لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ اہل مکہ میں سے فی الحال بعض تو ایسے ہیں کہ جو دل سے اس قرآن کی تصدیق کرتے ہیں اور دل سے جانتے ہیں کہ یہ قرآن حق ہے مگر عداوت کی وجہ سے تصدیق ظاہر نہیں کرتے اور بعض وہ ہیں کہ جو اس کی تصدیق نہیں کرتے کیونکہ انہوں نے اپنی جہالت سے اس میں غور نہیں کیا۔

اور تیرا پروردگار ان معاندین کو خوب جانتا ہے جو تکذیب پر اڑے ہوئے ہیں۔

وَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ فَقُلۡ لِّىۡ عَمَلِىۡ وَلَـكُمۡ عَمَلُكُمۡ‌ ۚ اَنۡتُمۡ بَرِيۡٓـئُوۡنَ مِمَّاۤ اَعۡمَلُ وَاَنَا بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا

اور اگر تجھ کو جھٹلائیں تو کہہ میرے لیے میرا کام اور تمہارے لیے تمہارا کام تم پر ذمہ نہیں میرے کام کا اور مجھ پر ذمہ نہیں جو

اور اگر تجھ کو جھٹلاویں تو کہہ، مجھ کو میرا کام کرنا ہے اور تم کو تمہارا کام۔ تم پر ذمہ نہیں میرے کام کا، اور مجھ پر ذمہ نہیں جو

تَعۡمَلُوۡنَ ۝۴۱ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّسۡتَمِعُوۡنَ اِلَيۡكَ‌ ؕ اَفَاَنۡتَ تُسۡمِعُ الصُّمَّ وَلَوۡ كَانُوۡا لَا

تم کرتے ہو ف۱ اور بعضے ان میں کان رکھتے ہیں تیری طرف کیا تو سنائے گا بہروں کو اگرچہ ان کو

تم کرتے ہو۔ اور بعضے ان میں کان رکھتے ہیں تیری طرف۔ کیا تو سناوے گا بہروں کو ؟ اگرچہ بوجھ نہ

يَعۡقِلُوۡنَ ۝۴۲ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡظُرُ اِلَيۡكَ‌ ؕ اَفَاَنۡتَ تَهۡدِى الۡعُمۡىَ وَلَوۡ كَانُوۡا لَا يُبۡصِرُوۡنَ ۝۴۳

سمجھ نہ ہو اور بعضے ان میں نگاہ کرتے ہیں تیری طرف کیا تو راہ دکھائے گا اندھوں کو اگرچہ وہ سوجھ نہ رکھتے ہوں ف۲

رکھتے ہوں۔ اور بعضے ان میں نگاہ کرتے ہیں تیری طرف۔ کیا تو راہ دکھاوے گا اندھوں کو ؟ اگرچہ سوجھ نہ رکھتے ہوں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظۡلِمُ النَّاسَ شَيۡـئًا وَّلٰـكِنَّ النَّاسَ اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ۝۴۴

اللہ ظلم نہیں کرتا لوگوں پر کچھ بھی لیکن لوگ اپنے اوپر آپ ظلم کرتے ہیں ف۳

اللہ ظلم نہیں کرتا لوگوں پر کچھ، اور لیکن لوگ اپنے پر آپ ظلم کرتے ہیں۔

ف۱ یعنی اگر دلائل و براہین سننے کے بعد بھی یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کریں تو کہہ دیجئے کہ ہم اپنا فرض ادا کر چکے، تم سمجھانے پر نہیں مانتے تو اب میرا تمہارا راستہ الگ الگ ہے۔ تم اپنے عمل کے ذمہ دار ہو میں اپنے عمل کا۔ ہر ایک کو اس کے عمل کا ثمرہ مل کر رہے گا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ (معاذ اللہ) "اگر اللہ کا حکم غلط پہنچاؤں تو میں گنہ گار ہوں، اور میں سچ لاؤں تم نہ مانو تو گناہ تم پر ہے۔ بہر حال ماننے میں کسی طرح تمہارا نقصان نہیں۔"

ف۲ بعض لوگ بظاہر قرآن شریف اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام مبارک سنتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات و کمالات دیکھتے ہیں مگر دیکھنا سننا وہ نافع ہے جو دل کے کانوں اور دل کی آنکھوں سے ہو۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دل کے بہروں کو اپنی بات سنا دیں۔ بحالیکہ وہ بخت بہرہ پن کی وجہ سے قطعاً کسی کلام کو نہ سمجھ سکتے ہوں یا دل کے اندھوں کو راہ حق دکھلا دیں جبکہ انہیں کچھ بھی نہ سوجھتا ہو۔ "موضح القرآن" میں ہے۔ "یعنی کان رکھتے ہیں یا نگاہ کرتے ہیں اس توقع پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دل پر تصرف کر دیں جیسا بعضوں پر ہو گیا، سو یہ بات اللہ کے ہاتھ ہے۔" بعض مفسرین نے ﴿لَا يَعۡقِلُوۡنَ﴾ سے مطلق عقل کی اور ﴿لَا يُبۡصِرُوۡنَ﴾ سے بصیرت کی نفی مراد لی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے اندھے، بہرے جو علاوہ نہ سننے اور نہ دیکھنے کے ہر قسم کی سمجھ بوجھ سے محروم ہیں۔ ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح سنا اور دکھا کر منوا سکتے ہیں۔

ف۳ یعنی جن کے دل میں اثر نہیں ہوتا یہ ان ہی کی تقصیر ہے۔ خود اپنی بے اعتدالیوں اور غلط کاریوں سے انہوں نے قوائے ادراکیہ کو تباہ کر لیا ہے۔ ورنہ اصل فطرت =

تسلیۂ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم وحکم اعراض از معاندین ومجادلین

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ... الى... اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں کفار کی تکذیب کا ذکر تھا جس کا مناظرانہ جواب دیا گیا۔ اب اس آیت میں ان کے عناد اور اصرار علی التکذیب کو ذکر کر کے معرضانہ جواب دیا جاتا ہے، کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ﴾ اور آنحضرت ﷺ کو تسلی دی جاتی ہے کیونکہ جب طبیب مشفق کسی بیمار کو دیکھتا ہے کہ وہ قابل علاج نہیں رہا تو اس سے ناامید ہو جاتا ہے اور اس ناامیدی اور اعراض سے اس طبیب مشفق کو راحت ملتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر حجت قائم ہو جانے کے بعد بھی یہ لوگ آپ ﷺ کو جھٹلائیں یعنی اپنی تکذیب پر اڑے رہے اور آپ ﷺ ان کے قبول سے ناامید ہو جائیں تو آخری بات آپ ﷺ ان سے یہ کہہ دیجئے کہ میری قدرت میں جس قدر سمجھانا تھا وہ سمجھا چکا اب بھی اگر تم نہیں مانتے تو نہ مانو میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل ہے۔ تم میرے عمل سے بری الذمہ اور میں تمہارے عمل سے بری الذمہ ہوں اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو بظاہر تیری طرف کان لگاتے ہیں۔ اور توجہ سے آپ ﷺ کی باتوں کو سنتے ہیں لیکن چونکہ ان کے سینوں میں آپ ﷺ کی عداوت بھری ہوئی ہے اس لیے ان کا سننا اور نہ سننا برابر ہے گویا کہ یہ لوگ درحقیقت بہرے ہیں پس بھلا کیا آپ ﷺ بہروں کو سنا سکتے ہیں یعنی آپ ﷺ اس پر قادر نہیں اگرچہ وہ کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں۔ یعنی بہرے پن کے ساتھ بے عقلی بھی مل گئی ہے اگر سمجھ ہو تو بہرا بھی اٹکل سے کچھ سمجھ لیتا ہے پس جب کہ سماعت اور عقل دونوں ہی گم ہوں تو ظاہر ہے کہ بے عقل بہرا کیسے سمجھے گا اور اسی طرح بعض ان میں ایسے ہیں کہ جو بظاہر آپ ﷺ کی طرف یعنی آپ ﷺ کے شمائل وفضائل اور معجزات اور کمالات کو نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں اپنی ظاہری آنکھوں سے آپ ﷺ کی طرف دیکھتے ہیں۔ ظاہر میں آنکھیں ہیں مگر دل کے اندھے ہیں بصارت موجود ہے اور بصیرت مفقود ہے اس لیے باوجود بینا ہونے کے مثل اندھوں کے ہیں تو کیا آپ ﷺ اندھوں کو راہ دکھا سکتے ہیں اگرچہ ان میں بصیرت نہ ہو۔ یعنی یہ لوگ درحقیقت بصارت اور بصیرت دونوں ہی سے محروم ہیں۔ ہاں اگر اندھا صاحب بصیرت ہو تو چشم دل سے کچھ سمجھ سکتا ہے۔ مگر جب اندھا بھی ہو اور احمق بھی تو اس کو کس طرح راہ دکھائی جا سکتی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ اے نبی ﷺ! ان کی ہدایت سے ناامید ہو جایئے اور ان کی گمراہی پر تاسف نہ فرمایئے۔ یہ کم بخت اب اس قابل ہی نہیں رہے کہ آپ ﷺ کی ہدایت ان پر کچھ اثر کرے۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ لیکن لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آنکھ بھی دی اور دل بھی دیا اور قبول حق کی صلاحیت اور قابلیت بھی دی۔ لیکن انہوں نے اس کو ضائع کر دیا۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ؕ قَدْ خَسِرَ

اور جس دن ان کو جمع کرے گا گویا وہ نہ رہے تھے مگر ایک گھڑی دن ف۱ ایک دوسرے کو پہچانیں گے ف۲ بیشک خسارے میں پڑے

اور جس دن ان کو جمع کرے گا، گویا نہ رہے تھے مگر کوئی گھڑی دن، آپس میں پہچانیں گے۔ بیشک خراب ہوئے،

= سے ہر آدمی کو خدا نے سمجھنے اور قبول کرنے کی استعداد بخشی ہے۔

ف۱ یعنی محشر کے ہولناک احوال وحوادث کو دیکھ کر عمر بھر کا عیش وآرام اس قدر حقیر وقلیل نظر آئے گا کہ گویا دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ ٹھہرے ہی نہ تھے اور =

الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰہِ وَمَا کَانُوْا مُھْتَدِیْنَ ﴿۴۵﴾ وَاِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُھُمْ اَوْ

جنہوں نے جھٹلایا اللہ سے ملنے کو اور نہ آئے وہ راہ پر ف۱ اور اگر ہم دکھائیں گے تجھ کو کوئی چیز ان وعدوں میں سے جو

جنہوں نے جھٹلایا اللہ کا ملنا، اور نہ آئے راہ پر۔ اگر ہم دکھاویں گے تجھ کو کوئی ان وعدوں میں سے جو

نَتَوَفَّیَنَّکَ فَاِلَیْنَا مَرْجِعُھُمْ ثُمَّ اللّٰہُ شَھِیْدٌ عَلٰی مَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلٌ

کیے ہم نے ان سے یا وفات دیں تجھ کو، سو ہماری ہی طرف ہے، ان کو لوٹنا، پھر اللہ شاہد ہے ان کاموں پر جو کرتے ہیں ف۲ اور ہر فرقے کا ایک رسول ہے

دیتے ہیں ان کو، یا پوری کر دیں گے تیری عمر، سو ہماری طرف ہے ان کو پھر آنا، پھر اللہ شاہد ہے ان کاموں پر جو کرتے ہیں۔ اور ہر فرقے کا ایک رسول ہے،

فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُھُمْ قُضِیَ بَیْنَھُمْ بِالْقِسْطِ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی ھٰذَا

پھر جب پہنچا ان کے پاس رسول ان کا فیصلہ ہوا ان میں انصاف سے اور ان پر ظلم نہیں ہوتا ف۳ اور کہتے ہیں کب ہے یہ

پھر جب پہنچا ان پر رسول ان کا، فیصلہ ہوا ان میں انصاف سے، اور ان پر ظلم نہیں ہوتا۔ اور کہتے ہیں کب ہے یہ

الْوَعْدُ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ

وعدہ اگر تم سچے ہو ف۴ تو کہہ میں مالک نہیں اپنے واسطے برے کا نہ بھلے کا مگر جو چاہے اللہ

وعدہ ! اگر تم سچے ہو۔ تو کہہ، میں مالک نہیں اپنے واسطے برے کا، نہ بھلے کا، مگر جو چاہے اللہ۔

=افسوس کریں گے کہ ساری عمر کیسی فضول اور بے کار گزری، جیسے آدمی گھنٹہ دو گھنٹہ یوں ہی گپ شپ میں بے کار گزار دیتا ہے۔ نیز وہاں کی زہرہ گداز مصائب کو دیکھ کر خیال کریں گے کہ گویا دنیا میں کچھ مدت قیام ہی نہ ہوا جو یہ وقت آگیا۔ گھڑی دو گھڑی ٹھہرے اور یہاں آپھنسے۔ کاش وہاں کی مدت قیام کچھ طویل ہوتی تو یہ دن اس قدر جلد نہ دیکھنا پڑتا۔ بعض مفسرین نے کہا کہ برزخ (قبر) میں ٹھہرنے کی مدت کو ایک گھڑی کے برابر سمجھیں گے۔ واللہ اعلم۔

ف۲ مگر کچھ مدد نہ کر سکیں گے نفسی نفسی پڑی ہوگی۔ بھائی، بھائی کے اور بیٹا، باپ کے کام نہ آئے گا۔ ﴿فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ﴾ (المومنون، رکوع ۶) ﴿یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْہِ وَاُمِّہٖ وَاَبِیْہِ وَصَاحِبَتِہٖ وَبَنِیْہِ﴾ (عبس، رکوع ۱)

ف۱ باقی جنہوں نے لقاء اللہ کی تصدیق کی اور سیدھی راہ پر چلے وہ سراسر فائدہ میں ہیں۔

ف۲ یعنی ہم نے کفار کو عذاب دینے اور اسلام کو غالب و منصور کرنے کے جو وعدے کیے ہیں، خواہ ان میں سے بعض وعدے کسی حد تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں پورے کر کے دکھلا دیے جائیں، جیسے "بدر" وغیرہ میں دکھلا دیا۔ یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو جائے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان میں سے بعض کا ظہور نہ ہو۔ بہر صورت یہ یقینی ہے کہ وہ سب پورے ہو کر رہیں گے۔ اگر کسی مصلحت سے دنیا میں ان کفار کو سزا نہ دی گئی تو آخرت میں ملے گی۔ ہم سے بچ کر کہاں بھاگ سکتے ہیں۔ سب کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے اور ان کے تمام اعمال ہمارے سامنے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "غلبہ اسلام کچھ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رو برو ہوا، اور باقی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلفاء کے ہاتھوں سے۔ گویا ﴿نَتَوَفَّیَنَّکَ﴾ میں اس طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۳ پہلے اس امت اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر تھا۔ اب عام اقوام و امم کا ضابطہ بتلاتے ہیں کہ ہر جماعت اور فرقہ کے پاس خدا کے احکام پہنچانے والے بھیجے گئے ہیں جن کو "رسول" کہیے۔ تاکہ خدا کی حجت تمام ہو، اتمام حجت سے پہلے کسی کو عذاب نہیں دیا جاتا۔ لوگ عمل پہلے سے کرتے ہیں۔ مگر دنیا میں ان کو سزا رسول پہنچنے اور حجت تمام کرنے کے بعد دی جاتی ہے۔ خدا کے یہاں یہ ظلم اور اندھیر نہیں کہ بدون پیشتر سے آگاہ کرنے اور ملزم ثابت ہونے کے مجرموں کو فیصلہ سنا دیا جائے۔ قیامت میں بھی باقاعدہ پیشی ہوگی، فرد جرم لگائیں گے، گواہ پیش ہوں گے، ہر قوم کے ساتھ ان کے پیغمبر موجود ہوں گے۔ ان کے بیانات وغیرہ کے بعد نہایت انصاف سے فیصلہ ہوگا۔ ﴿وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّھَا وَوُضِعَ الْکِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّھَدَآءِ وَقُضِیَ بَیْنَھُمْ بِالْحَقِّ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ﴾ (الزمر، رکوع ۷) مجاہد وغیرہ نے آیت کو قیامت کے احوال پر حمل کیا ہے۔ .... =

لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ إِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٤٩﴾ قُلْ

ہر فرقہ کا ایک وعدہ ہے جب آپہنچے گا ان کا وعدہ پھر نہ پیچھے سرک سکیں گے ایک گھڑی اور نہ آگے سرک سکیں گے ف۱ تو کہہ

ہر فرقے کا ایک وعدہ ہے۔ جب پہنچا ان کا وعدہ، نہ ڈھیل کریں ایک گھڑی نہ جلدی۔ تو کہہ

أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَتَىٰكُمْ عَذَابُهُ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٠﴾ أَثُمَّ إِذَا

بھلا دیکھو تو اگر آپہنچے تم پر عذاب اس کا راتوں رات یا دن کو تو کیا کریں گے اس سے پہلے گناہ گار ف۲ کیا پھر جب

بھلا دیکھو تو اگر آپہنچے عذاب اس کا راتی رات، یا دن کو کیا کریں گے اس سے پہلے گنہگار۔ کیا پھر جب

مَا وَقَعَ ءَامَنتُم بِهِۦٓ ۚ ءَآلْـَٰٔنَ وَقَدْ كُنتُم بِهِۦ تَسْتَعْجِلُونَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا۟

عذاب واقع ہو چکے گا تب اس پر یقین کرو گے اب قائل ہوئے اور تم اسی کا تقاضا کرتے تھے ف۳ پھر کہیں گے گنہگاروں کو

پڑ چکے گا، تب یقین کرو گے اس کو۔ اب قائل ہوئے اور تم تھے اسی کی جلدی کرتے۔ پھر کہیں گے گنہگاروں کو،

ذُوقُوا۟ عَذَابَ الْخُلْدِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٥٢﴾ وَيَسْتَنۢبِـُٔونَكَ أَحَقٌّ

چکھتے رہو عذاب ہمیشگی کا وہی بدلہ ملتا ہے جو کچھ کماتے تھے ف۴ اور تجھ سے خبر پوچھتے ہیں کیا سچ ہے یہ بات تو کہہ البتہ قسم میرے رب کی یہ سچ ہے

چکھو عذاب ہمیشہ کا۔ وہی بدلہ پاتے ہو جو کچھ کماتے تھے۔ اور تجھ سے خبر لیتے ہیں، کیا سچ ہے

= ف۱۴ یعنی عذاب آنے کی جو دھمکیاں دیتے ہو، محض جھوٹ اور بے اصل ہیں۔ اگر واقعی تم سچے ہو تو لے کیوں نہیں آتے۔ آخر یہ وعدہ کب پورا ہوگا۔

ف۱ یعنی عذاب وغیرہ بھیجنا خدا کا کام ہے، میرے قبضہ اور اختیار میں نہیں۔ میں خود اپنے نفع نقصان کا صرف اسی قدر مالک ہوں جتنا اللہ چاہے۔ پھر دوسروں پر کوئی بھلائی برائی وارد کرنے کا مستقل اختیار مجھے کہاں سے ہوتا۔ ہر قوم کی ایک مدت اور میعاد خدا کے علم میں مقرر ہے۔ جب میعاد پوری ہو کر اس کا وقت پہنچ جائے گا، ایک سیکنڈ کا تخلف نہ ہو سکے گا۔ غرض عذاب کے لیے جلدی مچانے سے کچھ فائدہ نہیں۔ خدا کے علم میں جو وقت طے شدہ ہے اس سے ایک منٹ آگے پیچھے نہیں سرک سکتے۔ زمخشری کے نزدیک ﴿لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾ اس سے کنایہ ہے کہ عذاب کا اپنے وقت معین پر آنا اٹل ہے۔ کنایہ میں حقیقت تقدم و تاخر کا نفیاً یا اثباتاً اعتبار نہیں فتنبہ لہ۔

ف۲ یعنی رات کو سوتے ہوئے یا دن میں جب تم دنیا کے دھندوں میں مشغول ہو، اگر اچانک خدا کا عذاب آجائے تو مجرم جلدی کر کے کیا بچاؤ کر سکیں گے؟ جب بچاؤ نہیں کر سکتے پھر وقت پوچھنے سے کیا فائدہ؟ مترجم رحمہ اللہ نے ﴿نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ﴾ کا یہ ترجمہ حضرت شاہ صاحب کے مذاق کے موافق کیا ہے عموماً مفسرین نے یہ مطلب لیا ہے کہ عذاب الٰہی کے آنے میں کون سی ایسی خوشی اور مزے کی بات ہے، جس کی وجہ سے مجرمین جلدی طلب کر رہے ہیں۔ یا یہ کہ تعجب کا مقام ہے کہ مجرمین کیسی سخت خوف ناک چیز کے لیے جلدی مچا رہے ہیں۔ حالانکہ ایک مجرم کے لائق تو یہ تھا کہ وہ آنے والی سزا کے تصور سے کانپ اٹھتا اور ڈر کے مارے ہلاک ہو جاتا۔ (البحر المحیط)

ف۳ یعنی عذاب کے لیے جلدی کرنا اس بناء پر ہے کہ انھیں اس کے آنے کا یقین نہیں۔ اس وقت یقین ہوتا تو فائدہ ہو سکتا تھا کہ بچنے کی کوشش کرتے۔ عذاب آچکنے کے بعد یقین آیا تو کیا فائدہ ہوگا۔ اس وقت خدا کی طرف سے کہہ دیا جائے گا کہ اچھا اب قائل ہوتے ہو، اور پہلے سے جھٹلاتے رہے۔ کیونکہ تقاضا کرنا بھی جھٹلانے اور مذاق اڑانے کی نیت سے تھا۔ اس وقت اقرار کرنے سے کچھ نفع نہیں۔ ﴿فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحْدَهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ فَلَمْ يَكُ يَنفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا سُنَّتَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ﴾ (المؤمن، رکوع ۹)

ف۴ جو کفر و شرک اور تکذیب کرتے رہے تھے، اب ہمیشہ اس کا مزا چکھتے رہو۔ یہ قیامت میں کہا جائے گا۔

هُوَ ۭ قُلْ اِیْ وَرَبِّیْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ۭ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِی

اور تم تھکا نہ سکو گے ف۱ اور اگر ہو ہر شخص گناہ گار کے پاس جتنا کچھ ہے

یہ بات؟ تو کہہ، البتہ قسم میرے رب کی! یہ سچ ہے۔ اور تم تھکا نہ سکو گے۔ اور اگر ہو ہر شخص گنہگار پاس جتنا کچھ ہے

الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِیَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ

زمین میں البتہ دے ڈالے اپنے بدلے میں ف۲ اور چھپے چھپے پچھتائیں گے جب دیکھیں گے عذاب اور ان میں فیصلہ ہوگا انصاف سے

زمین میں، البتہ دے ڈالے اپنی چھڑوائی میں۔ اور چھپے چھپے پچھتاویں گے، جب دیکھیں گے عذاب۔ اور ان میں فیصلہ ہوگا انصاف سے،

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ

اور ان پر ظلم نہ ہوگا ف۳ سن رکھو اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں سن رکھو وعدہ اللہ کا سچ ہے ف۴ پر

اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ سن رکھو! اللہ کا ہے، جو کچھ ہے آسمان و زمین میں۔ سن رکھو! وعدہ اللہ کا سچ ہے، پر

اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ هُوَ يُحْیٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

بہت لوگ نہیں جانتے ف۵ وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے ف۶

بہت لوگ نہیں جانتے۔ وہی جلاتا ہے اور مارے گا اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے۔

تحقیق معاد مع جوابات شبہات کفار
وذکر حسرت مکذبین رسالت در روز قیامت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا ... الی ... هُوَ يُحْیٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾

ف۱ یعنی غفلت کے نشہ میں چور ہو کر تعجب سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ سچ ہے کہ ہم موت کے بعد دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اور دائمی عذاب کا مزہ چکھیں گے؟ کیا واقعی ریزہ ریزہ ہو کر اور خاک میں مل کر پھر از سر نو ہم کو موجود کیا جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجئے کہ تعجب کی کیا بات ہے، یہ چیز تو یقیناً ہونے والی ہے۔ تمہارا مٹی میں مل جانا اور پارہ پارہ ہو جانا خدا کو اس سے عاجز نہیں کر سکتا کہ پہلے کی طرح تمہیں دوبارہ پیدا کر دے اور شرارتوں کا مزہ چکھائے۔ ممکن نہیں کہ اس کے قبضہ سے نکل بھاگو اور فرار ہو کر (معاذ اللہ) اسے عاجز کر سکو۔

(تنبیہ) اس آیت کے مشابہ دو آیتیں قرآن کریم میں ہیں۔ ایک سورۂ "سبا" میں ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّیْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ﴾ دوسری "تغابن" میں ﴿زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾۔ یہ دونوں قیامت اور معاد کے متعلق ہیں ان ہی کی مناسبت سے حافظ ابن کثیر نے آیت حاضرہ کو معاد کے متعلق رکھا ہے۔

ف۲ یعنی اگر روئے زمین کے خزانے فرض کرو اسکے قبضہ میں ہوں تو کوشش کرے کہ یہ سب دے کر خدا کے عذاب سے اپنے آپ کو بچالے۔

ف۳ دل میں اپنی حرکتوں پر پشیمان ہوں گے اور چاہیں گے لوگوں پر پشیمانی کا اظہار نہ ہو مگر تابکے۔ کچھ دیر آثار ندامت ظاہر نہ ہونے دیں گے۔ آخر بے اختیار ظاہر ہو کر رہیں گے۔ اس وقت کہیں گے۔ ﴿يٰحَسْرَتٰى عَلٰی مَا فَرَّطْتُّ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ﴾ اور ﴿يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا﴾۔

ف۴ یعنی سارے جہان میں حکومت صرف اللہ کی ہے۔ انصاف ہو کر رہے گا۔ کوئی مجرم نہ کہیں بھاگ سکتا ہے، نہ رشوت دے کر چھوٹ سکتا ہے۔

ف۵ یعنی سوء استعداد، بدفہمی اور غفلت سے اکثر لوگ ان حقائق کو نہیں سمجھتے۔ اسی لیے جو زبان پر آئے بک دیتے ہیں اور جو جی میں آئے کرتے ہیں۔

ف۶ جلانا اور مارنا جب اسی کا فعل ہے تو دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے۔

ربط:...... گزشتہ آیات میں مکذبین رسالت کی تکذیب اور ان کی قلت تفکر اور عدم تدبر کا بیان تھا۔ اب ان آیات میں ان مکذبین کی حسرت کا بیان ہے جو ان کو روز قیامت میں پیش آئے گی۔ اور مطلب یہ ہے کہ یہ کافر جس چند روزہ ناز ونعمت پر اترا رہے ہیں اور اس کے نشہ میں نعیم ابدی اور عیش جاودانی پر لات مار رہے ہیں جب یہ لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو اس وقت ان کو اپنا خسارہ نظر آ جائے گا۔ جس سے بڑھ کر کوئی خسارہ نہیں اور قیامت کے دن ان کو اپنی طویل زندگی ایک گھڑی سے بھی کم معلوم ہوگی اور سوائے حسرت وندامت کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا اور یہ مال واسباب جس پر آج ان کو ناز ہے وہ آخرت میں ان کے کچھ کام نہ آئے گا اور اگر بالفرض عذاب الٰہی کے بدلہ میں کچھ فدیہ دینا چاہیں گے تو ہرگز قبول نہ ہوگا اور عذاب الٰہی سے کسی طرح رہائی نہ ہوگی۔ نیز ان آیات میں منکرین نبوت کے پانچویں شبہ کا جواب دیا گیا ہے وہ یہ کہ جب آنحضرت ﷺ ان کو عذاب الٰہی سے ڈراتے اور ایک زمانہ گزر جاتا کہ وہ عذاب نازل نہ ہوتا تو یہ کہتے متی ھذا الوعد (وہ عذاب کا وعدہ کب پورا ہوگا) اس شبہ کے دو جواب دیئے اول یہ کہ اے نبی! آپ ﷺ یہ کہہ دیجئے کہ عذاب کا نازل کرنا میرے اختیار میں نہیں کہ وہ اللہ کی حکمت اور مشیت کے تابع ہے اللہ نے جس کام کے لیے جو وقت مقرر کیا ہے وہ اس سے پہلے نہیں ہوسکتا۔

دوم یہ کہ بالفرض اگر وہ عذاب تمہاری فرمائش کے مطابق جلدی نازل ہوجائے تو تم کو کیا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تم کوئی بچاؤ تو کر نہیں سکتے۔ اور اگر یہ کہو کہ عذاب دیکھ کر ہم ایمان لے آئیں گے تو اس وقت کا ایمان معتبر اور مفید نہیں۔ وہ ایمان اضطراری ہے اختیاری نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین جو عذاب کے بارے میں جلدی کرتے ہیں اور اس کا وقت پوچھتے ہیں یہ سب عبث اور بے کار ہے۔ عذاب الٰہی کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ ناگہاں آیا کرتا ہے کبھی دن میں کبھی رات میں چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس دن کو کہ جب کہ سب لوگوں کو میدان حشر میں جمع کرے گا اور اس دن ایسا معلوم ہوگا کہ گویا وہ دنیا میں یا برزخ میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے تھے۔ قیامت کی شدت اور ہول سے گزشتہ زندگی ایک ساعت معلوم ہوگی۔ اور جب قبر سے اٹھیں گے تو ایک دوسرے کو پہچانیں گے گویا کہ مفارقت کو زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھوڑی دیر کی جدائی میں آدمی بھولتا نہیں مگر یہ حال ابتداء حشر میں ہوگا اس کے بعد جب قیامت کی شدت اور دہشت ہوگی تو یہ جان پہچان جاتی رہے گی اور ایک دوسرے کو بھول جائیں گے بیشک گھاٹے میں رہیں گے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے سامنے پیش ہونے کا انکار کیا۔ یعنی حساب وکتاب اور جزا وسزا کے منکر ہوئے اور نہ تھے وہ دنیا میں راہ پانے والے بہت تھوڑی سی زندگی کے لیے غیر متناہی زمانہ کی مصیبت مول لے لی اس سے بڑھ کر کیا خسارہ ہوگا۔ حق تعالیٰ نے دنیا میں ان کو اپنی معرفت اور اطاعت کا سامان دیا یعنی عقل وشعور اور قدرت واختیار دیا مگر سب کا سب اپنی جہالتوں میں ضائع کر دیا اور اے نبی! اگر ہم اس عذاب اور وعید میں کا کچھ حصہ جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں آپ ﷺ کی زندگی ہی میں آپ ﷺ کو دکھلا دیں یا دنیا میں اس عذاب کو دکھلانے سے پہلے ہی آپ ﷺ کو وفات دے دیں تو بہر حال ان کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ نے کافروں سے جو وعدہ عذاب کا کیا ہے وہ ضرور واقع ہوگا۔ کچھ عذاب تو آپ ﷺ کی زندگی میں ہوگا اور کچھ آپ ﷺ کے بعد اور آخرت کا عذاب آخرت میں۔ چنانچہ حق جل شانہ نے فتوحات اور غلبۂ اسلام کے جو وعدے کیے تھے ان میں سے بعض کا ظہور تو حضور پرنور ﷺ کی زندگی میں ہوگیا اور واقعہ کا باقی ماندہ حصہ خلفاء راشدین کے دور

خلافت میں پورا ہوا اور آخرت کا عذاب قیامت کو ہوگا۔ معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ بہر حال پورا ہوتا ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ﴾۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے غلبۂ اسلام اور فتوحات کا وعدہ فرمایا مگر اس کا کوئی وقت معین نہیں فرمایا۔ اور آپ ﷺ کی تسلی کے لیے یہ فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے جو فتوحات اور غلبہ اسلام کا غیر موقت وعدہ کیا ہے وہ ضرور اپنے وقت پر پورا ہوگا ان میں سے بعض فتوحات آپ ﷺ کے زمانہ میں ہوں گی، جیسے بدر وغیرہ میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کی ذلت، آپ ﷺ کو دکھلا دی اور اور بعض فتوحات آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے خلفاء کے ہاتھ پر واقع ہوں گی۔ اس طرح بتدریج اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوگا آپ ﷺ مطمئن اور بے فکر رہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ مطلع ہے ان اعمال پر جو وہ کر رہے ہیں۔ ان کو ان کی سزا دے گا۔ حضرت شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی غلبۂ اسلام کچھ حضرت ﷺ کے روبرو ہوا اور باقی آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلفاء کے ہاتھوں سے گویا کہ ﴿نَتَوَفَّيَنَّكَ﴾ میں اس طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم۔

اور ہر امت کے لیے ایک رسول ہوا ہے سو جب ان کا رسول ان کے پاس آ گیا یعنی معجزات اور آیات لے کر آیا اور اللہ کی حجت ان پر پوری ہوگئی۔ مگر انہوں نے اس رسول کو جھٹلایا تو وہ لوگ مبتلائے عذاب ہوئے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دیا گیا یعنی رسول اور جھٹلانے والوں کے درمیان عدل اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا کہ رسول علیہ السلام اور اس کے متبعین کو نجات ہوئی اور جھٹلانے والے ہلاک ہوئے اور اس فیصلہ میں ان پر ظلم نہیں کیا جاتا کیونکہ ظلم جب ہوتا کہ جب ان کو بے قصور عذاب دیا جاتا۔ حجت پوری ہونے کے بعد مواخذہ ظلم نہیں بلکہ عین عدل ہے اور یہ لوگ عذاب کی وعیدیں سن کر استہزاءً یہ کہتے ہیں اے نبی ﷺ! اور اے مسلمانو! یہ نزول عذاب کا وعدہ اور وعید کب پورا ہوگا۔ اگر تم اپنے وعدے میں سچے ہو تو وہ عذاب لا کر دکھلاؤ (اے نبی!) آپ ﷺ جواب میں کہہ دیجئے کہ مجھے عذاب نازل کرنے کا تو کیا اختیار ہوتا میں تو اپنی ذات کے لیے نقصان اور نفع کا مالک نہیں یعنی میں تو بشر ہوں مجھ میں یہ قدرت نہیں کہ اپنی ذات کے لیے کوئی نفع حاصل کرسکوں یا اپنے سے کسی ضرر کو دور کرسکوں جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے پھر میں تم پر عذاب کیسے نازل کرسکتا ہوں اللہ نے عذاب کا وعدہ کیا ہے مگر اس کا وقت نہیں بتلایا کہ کب آئے گا جب اللہ کو منظور ہوگا وہ نازل کر دے گا۔ جلدی کیوں مچاتے ہو ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر ہے تمہارے لیے بھی ایک وقت مقرر ہے پس جب ان کا وقت معین آ پہنچتا ہے تو وہ اپنے وقت معین سے نہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔ اسی طرح تم اپنے وقت مقررہ پر غارت ہوگے اے نبی! آپ ﷺ کافروں سے کہہ دیجئے بتلاؤ تو سہی کہ اگر وہ عذاب جس کے نازل کرنے کی جلدی کر رہے ہو رات کو یا دن کو ناگہانی طور پر وہ عذاب آجائے بہر حال وہ عذاب ہی تو ہوگا تو یہ مجرم کس چیز کو جلدی مانگ رہے ہیں یعنی عذاب میں کوئی خوبی اور لذت نہیں جس کے لیے تم اس قدر بے تاب ہو رہے ہو اور اگر یہ کہو کہ اگر ہم پر عذاب نازل ہوا تو ہم اس کو دیکھ کر ایمان لے آئیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتے ہیں تو کیا پھر جب وہ عذاب واقع ہوجائے گا اور تم اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے جب ہی تم اس پر ایمان لاؤ گے۔ جب ایمان لانا کوئی مفید نہیں اس وقت ہم کہیں گے کہ اب تم نے اس کا یقین کیا اور اس سے پہلے تم بطور مذاق اس کے نزول میں جلدی مچایا کرتے تھے سو اب اس کا مزہ چکھو اس وقت کے

ایمان اور یقین سے تم کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ پھر ان ظالموں سے جنہوں نے رسول کی تکذیب کی کہا جائے گا کہ ہمیشہ کا عذاب چکھو جو کبھی منقطع نہ ہوگا۔ نہیں جزاء دیئے جا رہے ہو۔ تم مگر اس کفر اور معصیت کی جسے تم ساری عمر کماتے رہے اور دنیا کی محبت میں آخرت سے اندھے بنے رہے اور یہ کافر بطور تعجب اور بطریق دل لگی آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا وہ عذاب جس کا آپ ﷺ ہم سے وعدہ کرتے ہیں یا بعث اور قیامت اور معاد جس سے آپ ﷺ ہم کو ڈراتے ہیں حق ہے یعنی واقعی آنے والا ہے۔ آپ ﷺ کہہ دیجئے ہاں قسم ہے میرے پروردگار کی البتہ تحقیق وہ عذاب موجود یا بعث اور معاد بلاشبہ حق ہے یعنی واقعی آنے والا ہے اور تم میں اتنی قدرت نہیں کہ تم خدا کو اپنے پکڑنے سے عاجز کر سکو، اور اس کے عذاب اور قہر کو روک سکو۔ تمہارا مر کر مٹی میں مل جانا اور ریزہ ریزہ ہو جانا خدا کو اس سے عاجز نہیں کر سکتا کہ وہ تم کو دوبارہ زندہ کر سکے اور تمہیں کفر و شرک کے عذاب کا مزہ چکھائے اور آپ ﷺ ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ کفر و شرک کا جرم اس قدر عظیم ہے کہ اگر ہر نفس کے پاس جس نے کفر اور شرک کر کے اپنی جان پر ظلم کیا ہے روئے زمین کا مال و متاع ہو تو وہ قیامت کے دن اپنے آپ کو عذاب سے چھڑانے کے لیے یہ سب کچھ فدیہ دینے کے لیے تیار ہوگا مگر قبول نہ ہوگا۔ پس اے انسان! آج جس دنیا کے پیچھے تو دیوانہ بنا ہوا ہے اور آخرت سے منہ موڑے ہوئے کل کو عذاب آخرت سے رہائی کے لیے تو ہی تمام خزائن و اموال کو فدیہ میں دینے کے لیے تیار ہوگا اللہ تو دنیا میں تجھ سے کچھ مال نہیں مانگتا صرف ایک آسان بات چاہتا ہے کہ تو خدا کے ساتھ کسی کو شریک مت کر اور جب وہ آخرت میں عذاب کو دیکھیں گے تو ندامت اور شرمندگی کو اپنے یاروں اور ہوا خواہوں سے چھپائیں گے۔ تاکہ دوسرے لوگ ان کو ملامت نہ کریں اور سب کے سامنے فضیحت نہ ہو اور دیکھنے والے اور زیادہ نہ ہنسیں۔ اور بعض علماء نے کہا کہ اسرار کے معنی اظہار کے ہیں۔ یہ لغات متضادہ میں سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ مشرکین عذاب آخرت کو دیکھ کر اپنے اعمال پر اظہار ندامت کریں گے شاید اظہار ندامت سے کچھ کام چل جائے اور ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر کچھ ظلم نہیں کیا جائے گا یعنی ان کو اتنی ہی سزا دی جائے گی جتنا ان کا قصور ہوگا آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کی ملک ہے اس کو کسی کے فدیہ کی حاجت نہیں آگاہ ہو جاؤ کہ خدا کا وعدہ ثواب اور عذاب کے بارے میں حق ہے۔ اس کے وقوع پر کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے ہیں اس لیے وہ دنیا پر مغرور ہیں اور آخرت سے دور ہیں اور قصور عقل سے فقط دنیاوی زندگانی کو حیات سمجھتے ہوئے ہیں وہی جلاتا اور مارتا ہے پس اسے دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے اور مرنے کے بعد تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور حساب و کتاب ہوگا لہٰذا آخرت کو حق سمجھو اور اس کے لیے تیاری کرو۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى ٱلصُّدُورِ وَهُدًى

اے لوگوں تمہارے پاس آئی ہے نصیحت تمہارے رب سے اور شفاء دلوں کے روگ کی اور ہدایت

اے لوگو! تم کو آئی ہے نصیحت تمہارے رب سے، اور چنگے کرنے کو جیوں کے روگ، اور راہ سوجھانے

وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا

اور رحمت مسلمانوں کے واسطے ف۱ کہہ اللہ کے فضل سے اور اس کی مہربانی سے سو اسی پر ان کو خوش ہونا چاہیے ف۲ یہ بہتر ہے ان چیزوں سے جو

اور مہربانی یقین لانے والوں کو۔ کہہ، اللہ کے فضل سے اور اس کی مہر سے، سو اسی پر چاہیے خوشی کریں۔ یہ بہتر ہے ان چیزوں سے جو

يَجْمَعُوْنَ ﴿٥٨﴾

جمع کرتے ہیں ف۳

سمیٹتے ہیں۔

ذکر محاسن قرآن برائے ترغیب ایمان

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ... الی ... هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ﴾

ربط: ...... اوپر کی آیتوں میں قرآن کے اعجاز کا بیان تھا اب ان آیات میں قرآن کی شان اور صفت اور فضیلت کو بیان کرتے ہیں کہ اے لوگو! ہم نے تمہارے لیے ایسی چیز بھیجی ہے جو تمہارے لیے موعظت اور حکمت بھی ہے اور سرتاسر پند ونصیحت بھی ہے جو تم کو بری باتوں سے روکتی ہے اور شکوک وشبہات کی بیماری سے دل کو شفا بخشنے والی بھی ہے اور حق کا راستہ بتاتی ہے اور گمراہی سے بچاتی ہے اور خدا تعالیٰ تک پہنچاتی ہے اور باعتبار نتیجہ اور ثمرہ اہل ایمان کے لیے رحمت ہے جس کے اتباع کی برکت سے ظاہر وباطن اللہ کی رحمت وعنایت کا مورد بنتا ہے پس افسوس ہے کہ تم اس نسخۂ شفا اور اس اکسیر اور کیمیا سے انحراف کرتے ہو تم کو چاہئے کہ فوراً اس پر ایمان لاؤ۔ اور ایسی کتاب مستطاب کو حرز جان بناؤ۔ یہ قرآن آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کی دلیل اور برہان ہے لہٰذا تم آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت پر ایمان لاؤ۔ جس طرح قانون شیخ بوعلی سینا کے طبیب ہونے کی دلیل ہے اسی طرح یہ قرآن آنحضرت ﷺ کے طبیب روحانی ہونے کی دلیل ہے غرض یہ کہ قرآن کریم کی صفت اور فضیلت بیان کرنے سے آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کا اثبات ہے اور لوگوں کو اس طب روحانی کی طرف

ف۱ یہ سب صفات قرآن کریم کی ہیں۔ قرآن اول سے آخر تک نصیحت ہے جو لوگوں کو مہلک اور مضر باتوں سے روکتا ہے۔ دلوں کی بیماریوں کے لیے نسخۂ شفا ہے۔ وصول الی اللہ اور رضائے خداوندی کا راستہ بتاتا ہے، اور اپنے ماننے والوں کو دنیا وآخرت میں رحمت الٰہیہ کا مستحق ٹھہراتا ہے۔ بعض محققین کے نزدیک اس آیت میں نفس انسانی کے مراتب کمال کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی جو شخص قرآن کریم سے تمسک کرے ان تمام مراتب پر فائز ہو سکتا ہے۔ (۱) اپنے ظاہر کو نالائق افعال سے پاک کرنا لفظ "موعظۃ" میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ (۲) باطن کو عقائد فاسدہ اور ملکات ردیہ سے خالی کرنا جو "شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ" سے مفہوم ہوتا ہے۔ (۳) نفس کو عقائد حقہ اور اخلاق فاضلہ سے آراستہ کرنا، جس کے لیے لفظ "ھدی" زیادہ مناسب ہے۔ (۴) ظاہر وباطن کی درستی کے بعد انوار رحمت الٰہیہ کا نفس پر فائض ہونا، جو لفظ "رحمت" کا مدلول ہے۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے جو تقریر کی ہے اس میں ان چار لفظوں سے شریعت، طریقت، حقیقت اور نبوت وخلافت کی طرف علی الترتیب اشارہ کیا ہے۔ یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں اور نہ اس قسم کے مضامین خالص تفسیر کی مد میں آسکتے ہیں۔

ف۲ "فرح" (خوش ہونا) محمود بھی ہے اور مذموم بھی۔ کسی نعمت پر اس حیثیت سے خوش ہونا کہ اللہ کے فضل ورحمت سے ملی ہے، محمود ہے۔ جیسے یہاں فرمایا۔ ﴿فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا﴾ اور حطام دنیا پر خوش ہونا اور اکڑنا خصوصاً یہ خیال کر کے ہم کو اپنی لیاقت سے حاصل ہوئی ہے، سخت مذموم ہے۔ قارون اپنے مال ودولت کی نسبت کہتا تھا "اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰي عِلْمٍ عِنْدِيْ" اس کو فرمایا ﴿لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا﴾ الخ۔

ف۳ یعنی اصل چیز خدا کا فضل ورحمت ہے، انسان کو اسی کی تلاش کرنی چاہیے مال ودولت، جاہ وحشم، سب اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔

رجوع کرنے کی دعوت اور ترغیب ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ اے لوگو تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک نصیحت آ چکی ہے۔ یعنی قرآن جو تم کو برے کاموں سے روکتا اور نفرت دلاتا ہے اور ان کے برے انجام سے تم کو ڈراتا ہے اور اچھے کاموں کی ترغیب دلاتا ہے اور ایک شفا اور دوا آئی ہے جو سینوں کی بیماریوں کو دور کرنے کے لیے از حد مفید ہے۔ یعنی قرآن دلوں کی مہلک بیماریوں، جہالت اور ضلالت اور عقائد فاسدہ اور شکوک و شبہات اور اخلاق ذمیمہ سے جو روح کے لیے مہلک ہیں شفاء بخشتا ہے اور ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت آ چکی ہے۔ یعنی یہ قرآن اہل ایمان کے لیے ہدایت ہے کہ ان کو خدا تک پہنچنے کا راستہ بتاتا ہے اور اپنے پیروؤں کو خدا کی رحمت اور عنایت کا مورد بناتا ہے اور بقدر اتباع کے رحمت الٰہیہ کے انوار و برکات کا نزول ہوتا ہے۔ دنیا کو قرآن کے آنے سے ظلمات کفر و ضلالت سے نجات ملی اور آخرت میں ظلمات نار سے نجات ملے گی۔ اے نبی! آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ جب یہ قرآن ایسا ہے تو لوگوں کو چاہئے کہ اللہ کے فضل و رحمت پر خوش ہوں۔ خوش ہونے کی چیز اللہ کا فضل اور اس کی رحمت ہے دنیاوی متاع حقیر اور حیات و دولت خوش ہونے کی چیز نہیں اس لیے کہ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت دنیا کے اس مال و متاع سے کہیں بہتر ہے جس کو وہ جمع کر رہے ہیں۔ دنیا اور اس کا نفع قلیل اور فانی ہے اور قرآن اور اس کا نفع کثیر اور باقی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب قرآن ایسی عظیم نعمت ہے تو تم ایسی چیز سے کیوں انحراف کرتے ہو۔

ف ۱:...... ابن عباس ؓ اور ابو سعید خدری ؓ سے مروی ہے کہ فضل سے قرآن مراد ہے اور رحمت سے اللہ کی توفیق مراد ہے کہ اس نے اہل قرآن اور اہل ایمان میں سے بنایا۔ (تفسیر قرطبی: ۸ / ۳۵۳)

زہے کلام تو محض ہدایت و حکمت — زہے پیام تو عین عنایت و رحمت
زشور زار خساست بہ گلشن ہمت — کشد کمند کلام تو اہل عرفاں را

ف ۲:...... بعض اہل بدعت اس آیت سے مروجہ میلاد کے ہونے پر استدلال کرتے ہیں سو یہ بالکل مہمل ہے اس آیت کا تعلق نزول قرآن سے ہے نہ کہ محفل میلاد سے اور خوش ہونے سے جشن کرنا یا جلسہ کرنا مراد نہیں بلکہ اس کو نعمت خداوندی سمجھ کر اس کی قدر کرنا اور اس کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا مراد ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ

تو کہہ بھلا دیکھو تو اللہ نے جو اتاری تمہارے واسطے روزی پھر تم نے ٹھہرائی اس میں سے کوئی حرام اور کوئی حلال کہہ کیا اللہ نے حکم دیا

تو کہہ، بھلا دیکھو تو! اللہ نے جو اتاری تمہارے واسطے روزی، پھر تم نے ٹھہرا لی اس میں سے کوئی حلال اور کوئی حرام۔ کہہ، اللہ نے حکم دیا

لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝۵۹ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

تم کو یا اللہ پر افتراء کرتے ہو ف۱ اور کیا خیال ہے جھوٹ باندھنے والوں کا اللہ پر قیامت کے دن ف۲

تم کو یا اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔ اور کیا اٹکلے ہیں، (سمجھنے میں) جھوٹ باندھنے والے اللہ پر، قیامت کے دن کو۔

ف۱ یعنی قرآن جو نصیحت، شفاء اور ہدایت و رحمت بن کر آیا ہے وہی استناد اور تمسک کرنے کے لائق ہے۔ احکام الٰہیہ کی معرفت اور حلال و حرام کی تمیز اسی سے =

اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ؏

اللہ تو فضل کرتا ہے لوگوں پر اور لیکن بہت لوگ حق نہیں مانتے ف۱

اللہ تو فضل رکھتا ہے لوگوں پر، لیکن بہت لوگ حق نہیں مانتے۔

تقبیح بعض رسوم جاہلیت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ... الى... لَا يَشْكُرُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیات میں شرک کا ابطال تھا اب اس آیت میں ایک مشرکانہ رسم کی قباحت کا بیان ہے وہ یہ کہ جاہل تحریم حلال کے رسم بد میں مبتلا ہیں۔ خلاف عقل بے سند باتوں پر چلتے ہیں کسی بات میں احتیاط نہیں حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنا ان کے نزدیک ایک آسان بات ہے۔ خوب سمجھ لو کہ یہ سب اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے حلال و حرام اور احکام خداوندی کا علم بدون نبی علیہ السلام کے نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا نبی علیہ السلام پر ایمان لانا ضروری ہوا تاکہ اس کے واسطے سے احکام خداوندی کا علم ہوسکے۔

ربط دوم:...... کہ جب گزشتہ آیات میں توحید اور رسالت اور قیامت پر دلائل قائم کر دیئے گئے اور ان کے سوالات اور شبہات کے جوابات دیدیئے گئے تو اب یہ بتلاتے ہیں کہ مشرکین کا طریقہ بالکل لغو اور مہمل ہے اور بے اصل اور بے سند اور خلاف عقل باتوں پر مبنی ہے جس کی حقیقت سوائے افتراء کے اور کچھ نہیں۔

ربط سوم:...... کہ قرآن تو ہدایت اور شفاء ہے اور شرک اور مشرکانہ رسوم سراسر ضلالت اور مصیبت اور مرض اور بیماری ہیں جس کے لیے ہادی مشفق اور طبیب حاذق کی ضرورت ہے۔ اے نبی! آپ ﷺ ان کفار مکہ سے کہیے کہ یہ تو بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے فائدے کے لیے جو رزق اتارا ہے جیسے کھیتی اور مویشی کہ سب کا وجود بارش پر موقوف ہے جو آسمان سے نازل ہوتی ہے پھر ٹھہرالیا تم نے اس میں بعض روزی کو حرام اور بعض کو حلال اور بعض کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ یہ بعض کے واسطے حلال ہے اور بعض کے لیے حرام ہے جیسا کہ سورۂ انعام میں گزرا۔ ﴿وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا﴾ کیا بعض کو حلال اور بعض کو حرام کرنے کا حکم تم کو اللہ نے دیا ہے یا تم اللہ پر بہتان باندھتے ہو۔ مشرکین عرب اپنی کھیتی اور مویشی میں سے ایک حصہ بتوں کے نام مخصوص کر دیتے تھے۔ اور اس سے انتفاع کو

= ہو سکتی ہے۔ یہ کیا واہیات ہے کہ خدا نے تو تمہارے انتفاع کے لیے ہر قسم کی روزی پیدا کی۔ پھر تم نے محض اپنی آراء و اہواء سے اس میں سے کسی چیز کو حلال، کسی کو حرام ٹھہرالیا۔ بھلا تحلیل و تحریم کا تم کو کیا حق ہے؟ کیا تم یہ کہنے کی جرأت کر سکتے ہو کہ خدا تعالیٰ نے ایسا حکم دیا، یا یوں ہی خدا پر افتراء کر رہے ہو۔ اگلی آیت میں صاف اشارہ کر دیا کہ بجز افتراء علی اللہ کے اور کچھ نہیں۔

(تنبیہ) جن چیزوں کو حلال و حرام کیا تھا، ان کا مفصل تذکرہ "مائدہ" اور "انعام" میں گزر چکا۔

ف۲ یعنی یہ لوگ روز قیامت کے متعلق کیا خیال کر رہے ہیں کہ کیا معاملہ ان کے ساتھ ہوگا سخت پکڑے جائیں گے، یا سستے چھوٹ جائیں گے۔ عذاب بھگتنا بڑے گا یا نہیں۔ کن خیالات میں پڑے ہیں۔ یاد رکھیں جو دردناک سزا ملنے والی ہے وہ ٹل نہیں سکتی۔

ف۱ یعنی خدا اپنے فضل سے دنیا میں بہت کچھ مہلت دیتا ہے۔ بہت سی تقصیرات سے درگزر کرتا ہے۔ لیکن بہت لوگ نرمی اور اغماض کو دیکھ کر بجائے شکرگزار ہونے کے اور زیادہ دلیر اور بے خوف ہو جاتے ہیں۔ آخر سزا دینی پڑتی ہے

؎ حلم حق با تو مواساہا کند   چوں نوازحد بگزری رسوا کند

حرام جانتے تھے۔ یہ سب ان کی من گھڑت تھی اور اللہ پر تہمت تھی۔ اور جو لوگ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں قیامت کے دن کی نسبت ان کا کیا گمان کہ قیامت ہی نہ ہوگی۔ یا قائم تو ہوگی مگر ان سے کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ تحقیق اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ اس کا شکر نہیں کرتے اس نے اپنی رحمت سے طرح طرح رزق دیئے مگر لوگ ان کو خلاف حکم استعمال کرتے ہیں یا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فوراً سزا نہیں دیتا بلکہ جرم کے بعد بھی مہلت دیتا ہے اور بغیر اتمام حجت کے کسی کو سزا نہیں دیتا۔

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَّمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ

اور نہیں ہوتا تو کسی حال میں اور نہ پڑھتا ہے اس میں سے کچھ قرآن اور نہیں کرتے ہو تم لوگ کچھ کام کہ ہم نہیں ہوتے

اور نہیں ہوتا تو کسی حال میں اور نہ پڑھتا ہے اس میں سے کچھ قرآن، اور نہ کرتے ہو تم لوگ کچھ کام، کہ ہم نہیں ہوتے

شُهُودًا اِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ۭ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي

حاضر تمہارے پاس جب تم مصروف ہوتے ہو اس میں اور غائب نہیں رہتا تیرے رب سے ایک ذرہ بھر زمین میں اور نہ

حاضر تم پر جب تم لگتے ہو اس میں۔ اور غائب نہیں رہتا تیرے رب سے، ایک ذرّہ بھر زمین میں اور نہ

السَّمَاۗءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۱﴾

آسمان میں اور نہ چھوٹا اس سے اور نہ بڑا جو نہیں ہے کھلی ہوئی کتاب میں ف۱

آسمان میں، نہ اس سے چھوٹا نہ اس سے بڑا، جو نہیں کھلی کتاب میں۔

بیان احاطۂ علم خداوندی برائے تہدید مشرکین

قَالَ اللہُ تَعَالٰی: ﴿وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ... الی... اِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾

ربط: ...... اوپر سے حق تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے علم وقدرت کا ذکر چلا آرہا ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علمی کو

ف۱ پہلے قرآن کریم کے اوصاف بیان کیے تھے کہ وہ سراپا نور ہدایت، شفائے قلوب، نعمت عظمیٰ اور رحمت کبریٰ ہیں۔ پھر اشارہ کیا کہ ہدایت و بصیرت کی ایسی صاف روشنی کو چھوڑ کر لوگ اپنے اوہام وخیالات کے اندھیرے میں بھٹکتے پھرتے ہیں اور خدا پر افتراء کر کے اس کے فضل وانعام کی ناقدری کرتے ہیں۔ اس آیت میں متنبہ کیا کہ لوگ کس حال میں ہیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا شان ہے۔ آپ شب وروز مالک حقیقی کی وفاداری، ہمدردی خلائق کی جن شئون عظیمہ کے مظہر بنتے ہیں، خصوصاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو امتیازی شان قرآن پڑھنے پڑھانے کے وقت ظاہر ہوتی ہے یعنی قرآن کے ذریعے سے جو جہاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کر رہے ہیں وہ سب خدا کے حضور میں ہے اور لوگ جو کچھ اچھا یا برا معاملہ کرتے ہیں وہ سب بھی خدا کی نظر کے سامنے ہے۔ جس وقت مخلوق کوئی کام شروع کرتی اور اس میں مشغول ومنہمک ہو جاتی ہے، خواہ اسے خدا کا تصور نہ آئے لیکن خدا اس کو برابر دیکھ رہا ہے۔ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ زمین و آسمان میں کہیں ایک ذرہ برابر یا اس سے چھوٹی بڑی چیز نہیں جو خدا تعالیٰ کے علم محیط سے غائب ہو۔ بلکہ علم الٰہی سے نیچے اتر کر تمام "مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ" کا حال "کتاب مبین" (لوح محفوظ) میں ثبت ہے۔ جسے "عالم تدبیر" میں "صحیفہ علم الٰہی کہنا چاہیے۔ جب حق تعالیٰ پر کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز پوشیدہ نہیں تو ان مکذبین معاندین کے معاملات واحوال کیسے مخفی رہ سکتے ہیں، پھر روز جزاء کی کارروائی کے متعلق یہ کیا خیال کر رہے ہیں۔ وہ خوب سمجھ لیں کہ ان کی ہر چھوٹی بڑی حرکت خدا کے سامنے ہے وہاں کوئی خیانت اور چوری نہیں چل سکے گی۔ ہر عمل کی سزا مل کر رہے گی۔ اور جس طرح دشمنوں کے معاملات اس کے سامنے ہیں، ان کے بالمقابل دوستوں کا ذرہ ذرہ حال بھی اس کے علم میں ہے، اگلی آیات میں ان کو بشارت سنائی گئی۔

بیان کرتے ہیں۔ کہ اس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے آسمان اور زمین کا کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں۔

برو علم یک ذرہ پوشیدہ نیست
کہ پیدا وپنہاں بنزدش یکے نیست

اور اس احاطۂ علمی کے بیان سے دو چیزیں مقصود ہیں۔ ایک تو کفار کی تہدید مقصود ہے کہ تم ہمارے نبی اور رسول ﷺ اور دین کی عداوت میں جو کچھ کر رہے ہو وہ ہم پر پوشیدہ نہیں تمہاری سازشوں اور تدبیروں سے کچھ نہیں بنتا اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کا محافظ اور نگہبان ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے ذرہ ذرہ کا حساب لے گا دوسرا مقصود آنحضرت ﷺ کی تسلی ہے کہ آپ ﷺ گھبرایئے نہیں ان کی حرکات وسکنات اللہ تعالیٰ پر مخفی نہیں اور ﴿مِثْقَالِ ذَرَّةٍ﴾ کے لفظ سے اشارہ اس طرف ہے کہ کوئی حقیر چیز بھی اس سے مخفی نہیں نیز اشارہ اس طرف بھی ہے کہ اللہ کا علم جزئیات کو محیط ہے بخلاف فلاسفۂ یونان کے کہ ان کا گمان یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو جزائیات کا علم نہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی ﷺ! نہیں ہوتے آپ ﷺ کسی حال میں اور نہیں پڑھتے آپ ﷺ قرآن کی کوئی آیت یا سورت، اے لوگو نہیں کرتے تم کوئی کام مگر ہوتے ہیں ہم پاسبان اور نگہبان تم پر جب تم اس کام میں لگے ہوئے ہوتے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ہم پر تمہارا کوئی عمل مخفی اور پوشیدہ نہیں اور اے نبی ﷺ! تیرے پروردگار سے ایک ذرہ برابر چیز بھی غائب نہیں رہتی نہ زمین میں اور نہ آسمان میں بلکہ سب اس کے سامنے حاضر ہیں اور نہ ذرہ سے چھوٹی اور نہ بڑی کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو لوح محفوظ میں مندرج نہ ہو مطلب یہ ہے کہ کوئی بات اور کوئی کام اللہ تعالیٰ کے علم سے غائب نہیں قیامت کے دن ہر کام کے مناسب اس کی جزا دے گا۔

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ الَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَكَانُوا۟

یاد رکھو جو لوگ اللہ کے دوست ہیں نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے ف۱ جو لوگ کہ ایمان لائے اور

سن رکھو! جو لوگ اللہ کی طرف ہیں، نہ ڈر ہے ان پر نہ غم کھاویں۔ جو لوگ یقین لائے اور رہے

ف۱ ابن کثیر نے روایات حدیثیہ کی بناء پر اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ "اولیاء اللہ" (خدا کے دوستوں) کو آخرت میں اہوال محشر کا کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ دنیا کے چھوٹ جانے پر غمگین ہوں گے۔ بعض مفسرین نے آیت کو کچھ عام رکھا ہے یعنی ان پر اندیشہ ناک حوادث کا وقوع نہ دنیا میں ہوگا نہ آخرت میں۔ اور نہ کسی مطلوب کے فوت ہونے پر وہ مغموم ہوتے ہیں گویا خوف سے خوف حق یا غم سے غم آخرت کی نفی مراد نہیں بلکہ دنیا میں دنیاوی خوف وغم کی نفی مراد ہے جس کا احتمال مخالفت اعداء وغیرہ سے ہوسکتا ہے، وہ مومنین کاملین کو نہیں ہوتا۔ ہر وقت ان کا اعتماد اللہ پر ہوتا ہے اور تمام واقعات تکوینیہ کے خالی از حکمت نہ ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اس اعتماد واعتقاد کے استحضار سے انہیں خوف وغم نہیں ستاتا۔ میرے نزدیک "لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ" کا مطلب یہ لیا جائے کہ "اولیاء اللہ" پر کوئی خوف ناک چیز (ہلاکت یا معتد بہ نقصان) دنیا وآخرت میں واقع ہونے والی نہیں۔ اگر فرض کیجئے دنیا میں صورتاً کوئی نقصان پیش بھی آئے تو چونکہ نتیجہ وہ ان کے حق میں نفع عظیم کا ذریعہ بنتا ہے اس لیے اس کو معتد بہ نقصان نہیں کہا جاسکتا۔ رہا کسی سبب دنیاوی یا اخروی کی وجہ سے ان کو کسی وقت خوف لاحق ہونا، وہ آیت کی اس تقریر کے منافی نہ ہوگا کیونکہ آیت نے صرف یہ خبر دی ہے کہ ان پر کوئی خوف ناک چیز نہ پڑے گی، یہ نہیں کہا کہ انھیں کسی وقت خوف لاحق نہ ہوگا۔ شاید ﴿لا یحزنون﴾ کے مناسب ﴿لا یخافون﴾ نہ فرمانے اور ﴿لا خوف علیہم﴾ کی تعبیر اختیار کرنے میں یہی نکتہ ہو۔ باقی ﴿لا یحزنون﴾ کا تعلق میرے خیال میں مستقبل سے ہے، یعنی موت کے وقت اور موت کے بعد غمگین نہ ہوں گے جیسا کہ فرمایا۔ ﴿تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا﴾ (حم السجدہ، رکوع ۴) اور فرمایا ﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ﴾ (الانبیاء، رکوع ۷) واللہ تعالیٰ اعلم بمرادہ۔

يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۭ

ڈرتے رہے ف۱ ان کے لیے ہے خوشخبری دنیا کی زندگانی میں اور آخرت میں ف۲ بدلتی نہیں اللہ کی باتیں ف۳

پرہیز کرتے۔ ان کو ہے خوشخبری دنیا کے جیتے اور آخرت میں۔ بدلتی نہیں اللہ کی باتیں۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۶۴ۭ

یہی ہے بڑی کامیابی

یہی ہے بڑی مراد ملنی۔

بیان حال و مآل اولیاء اللہ

قَالَ اللهُ تَعَالٰى: ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهِ... الى... هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾

ربط: ......گزشتہ آیات میں اعداء اللہ یعنی فاسقین اور معاندین کا حال اور مآل بیان کیا اب اس آیت میں اولیاء اللہ یعنی خدا کے محبین وصادقین کا حال اور مآل بیان کرتے ہیں کہ اولیاء اللہ (یعنی خدا کے دوست) وہ لوگ ہیں جو ایمان اور تقویٰ کے ساتھ موصوف ہوں جس درجہ کا ایمان اور تقوی ہوگا اسی درجہ کی ولایت ہوگی۔ اس اعتبار سے ہر مومن ولی ہے کتاب وسنت کے عرف میں ولی اس شخص کو کہتے ہیں جس میں ایک خاص اور ممتاز درجہ کا ایمان اور تقوی پایا جاتا ہو وہ یہ کہ اللہ کی عظمت اور اس کا جلال ہر وقت اس کی نظروں کے سامنے ہو اور اس کا قلب اللہ کی محبت اور اس کی خشیت سے لب ریز ہو اور لفظ ﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ﴾ اولیاء اللہ کی تعریف ہے کہ اللہ کا ولی وہ ہے جو نور ایمانی اور نور تقویٰ سے منور ہو یعنی قوت نظریہ اور قوت عملیہ کے لحاظ سے کامل اور مکمل ہو یا بالفاظ دیگر ولی وہ ہے جو ایمان میں کامل ہو اور حتی الوسع حق عبودیت میں مقصر نہ ہو۔

ف۱ یہ "اولیاء اللہ" کی تعریف فرمائی یعنی مومن متقی خدا کا ولی ہوتا ہے پہلے کئی مواقع میں معلوم ہو چکا ہے کہ ایمان وتقویٰ کے بہت سے مدارج ہیں۔ پس جس درجہ کا ایمان وتقویٰ کسی میں موجود ہوگا۔ اسی درجہ میں ولایت کا ایک حصہ اس کے لیے ثابت ہوگا۔ پھر جس طرح مثلاً دس بیس روپیہ بھی مال ہے اور پچاس، سو، ہزار دو ہزار، لاکھ دو لاکھ روپیہ بھی لیکن عرف عام میں دس بیس روپے کے مالک کو "مال دار" نہیں کہا جاتا۔ جب تک معتد بہ مقدار مال و دولت موجود نہ ہو۔ اسی طرح سمجھ لیجئے کہ ایمان وتقویٰ کسی مرتبہ میں ہو، وہ ولایت کا شعبہ ہے اور اس حیثیت سے سب مومنین فی الجملہ "ولی" کہلائے جا سکتے ہیں لیکن عرف میں "ولی" اسی کو کہا جاتا ہے جس میں ایک خاص اور ممتاز درجہ ایمان وتقویٰ پایا جاتا ہو۔ احادیث میں کچھ علامات وآثار اس ولایت کے ذکر کیے گئے ہیں۔ مثلاً ان کو دیکھنے سے خدا یاد آنے لگے یا مخلوق خدا سے ان کو بے لوث محبت ہو، عارفین نے اپنے اپنے مذاق کے موافق "ولی" کی تعریفیں کی ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔

ف۲ اولیاء اللہ کے لیے دنیا میں کئی طرح کی بشارتیں ہیں مثلاً حق تعالیٰ نے انبیاء کی زبانی جو ﴿لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ﴾ وغیرہ کی بشارت دی ہے، یا فرشتے موت کے قریب ان کو کہتے ہیں ﴿وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ﴾ (حم السجدہ، رکوع ۴) یا کثرت سے سچے اور مبارک خواب انھیں نظر آتے ہیں یا ان کی نسبت دوسرے بندگان خدا کو دکھائی دیتے ہیں جو حدیث صحیح کے موافق نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔ یا ان کے معاملات میں خدا کی طرف سے خاص قسم کی تائید و امداد ہوتی ہے یا خواص میں اور کبھی خواص سے گزر کر عوام میں بھی ان کو مقبولیت حاصل ہوتی ہے۔ اور لوگ ان کی مدح وثناء اور ذکر خیر کرتے ہیں۔ یہ سب چیزیں دنیاوی بشارت کے تحت میں درجہ بدرجہ آسکتی ہیں۔ مگر اکثر روایات میں ﴿لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ کی تفسیر رؤیائے صالحہ سے کی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔ رہی بشارت اخروی، وہ خود قرآن میں منصوص ہے۔ ﴿بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ اور حدیث میں بھی یہی تفسیر منقول ہے۔

ف۳ یعنی اللہ کی باتیں اور اس کے وعدے سب پکے اور اٹل ہیں۔ جو بشارتیں دی ہیں ضرور پہنچ کر رہیں گی۔

ربط دیگر:...... کہ گزشتہ آیات میں اعداء اللہ کی تہدید اور وعید کا بیان تھا۔ اور اس آیت میں اولیاء اللہ کی تسلی اور بشارت کا مضمون ہے کہ خدا کے دوستوں پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی غم ہے ان کے لیے تو دنیا اور آخرت کی بشارت ہے اور یہ اللہ کا پکا وعدہ ہے اور اللہ پر دوست اور دشمن مخفی نہیں آگاہ ہو جاؤ۔ اچھی طرح سن لو تحقیق اللہ کے دوستوں پر نہ آئندہ کا کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ کسی مطلوب کے فوت ہونے سے غمگین ہوں گے اور خدا کے دوست اور ولی وہ لوگ ہیں جو ایمان لے آئے اور اس پر ایسے مستقیم اور ثابت قدم ہو گئے کہ تزلزل کا نام ونشان نہ رہا اور تقویٰ اور پرہیزگاری کو لازم پکڑے ہوئے ہیں کہ ہر وقت خدا کی معصیت اور اس کی ناراضی سے لرزاں اور ترساں رہتے ہیں حاصل یہ کہ اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جو ایمان اور تقویٰ کے جامع ہوں اس لیے کہ جب ایمان کامل ہوتا ہے اور خدا سے جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے ڈرتا ہے تب خدا کا ولی اور دوست ہو جاتا ہے ان کے لیے خوش خبری ہے دنیاوی زندگانی میں اور آخرت میں اولیاء اللہ کے لیے دنیا میں کئی طرح کی بشارتیں ہیں ایک بشارت تو یہی ﴿لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ کی ہے اور ایک بشارت وہ ہے جو ملائکہ ان کو موت کے وقت دیں گے۔ ﴿أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ﴾ الآیہ اور ترمذی میں عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ حق تعالیٰ کے قول ﴿لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ سے کیا مراد ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا اس سے مراد وہ رویائے صالحہ یعنی وہ سچا خواب ہے جو خود مؤمن دیکھتا ہے یا اس کے متعلق کسی دوسرے مؤمن کو دکھلایا جاتا ہے اور بعض علماء کا قول ہے کہ دنیا کی بشارت سے مراد ذکر جمیل اور ثناء حسن ہے اور آخرت کی بشارت سے جنت کی بشارت مراد ہے۔

کما قال تعالیٰ: ﴿بُشْرَاكُمُ الْيَوْمَ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾۔ اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں اللہ کے سب وعدے اٹل ہیں خدا نے اپنے دوستوں سے جو وعدے کیے ہیں وہ ضرور پورے ہوں گے یہ بشارت دارین بھی بڑی کامیابی ہے جس کے بعد کامیابی کا کوئی درجہ ہی نہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اولیاء اللہ کی فضیلت بیان فرمائی اور بتلایا کہ اولیاء اللہ کا مصداق کون لوگ ہیں اور ولایت کی حقیقت کیا ہے۔ اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ پر پورے طور پر ایمان لائے۔ اور ہمیشہ اس سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور حقیقت ایمان کی تشریح سورۂ انفال میں اس طرح فرمائی۔ ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ﴾ الآیہ۔

فائدہ:...... حدیث میں ہے کہ نبوت تو ختم ہوئی البتہ نبوت کا ایک جزء یعنی رویائے صالحہ باقی رہ گیا ہے کہ آپ ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی نبی تو نہیں مگر خدا کے دوستوں کے لیے وحی کا ایک نمونہ یعنی سچا خواب باقی رہ گیا ہے کہ قیامت تک آنے والے مومنین صالحین کو سچے خوابوں سے بشارتیں ملتی رہیں گی۔

مرزا غلام احمد قادیانی اس آیت سے یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد بھی نبوت کا سلسلہ باقی ہے اس لیے کہ رویائے صالحہ نبوت کا ایک جزو ہے جو ہنوز باقی ہے تو معلوم ہوا کہ نبوت الٰہی باقی ہے۔ مگر مرزائے قادیان کا یہ گمان استدلال نہیں بلکہ صریح جہالت اور ہذیان ہے حدیث میں ہے کہ رویائے صالحہ نبوت کا چالیسواں جزء ہے۔ معلوم ہوا کہ نبوت چالیس اجزاء کے مجموعہ کا نام ہے۔ لہٰذا ایک جزء کے پائے جانے سے کیسے نبوت حاصل ہو سکتی ہے۔

شریعت کی نظر میں دوسو درہم کا مالک ہونے غنی اور صاحب نصاب ہوتا ہے اور اس پر زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے۔ اگر دوسو درہم میں سے ایک درہم بھی کم ہوجائے تو وہ غنی نہیں رہتا۔ چہ جائیکہ کسی کے پاس دوسو درہم کا چھیالیسواں حصہ یعنی چار درہم پورے ہوں تو شریعت کی نظر میں وہ غنی نہیں بلکہ فقیر اور مفلس ہے۔ نیز مرزا غلام احمد کے قول پر لازم آتا ہے کہ جس فاسق وفاجر کو رویائے صالحہ نظر آجائے وہ نبی ہوجائے کیونکہ مرزا لکھتا ہے کہ

جبرئیلی نور یعنی نبوت کا چھیالیسواں حصہ یعنی سچا خواب تمام جہان میں پھیلا ہوا ہے جس سے کوئی فاسق وفاجر اور پرلے درجہ کا بدکار بھی باہر نہیں بلکہ یہاں تک مانتا ہوں کہ تجربہ میں آچکا ہے بعض اوقات ایک نہایت درجہ کی فاسقہ عورت جو کنجریوں کے گروہ میں سے ہو جس کی تمام جوانی بدکاری میں گزری ہے کبھی سچا خواب دیکھ لیتی ہے۔ (توضیح المرام، ص: ۳۸، ۳۷)

پس مرزا کے اس قول کی بنا پر کہ سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے اور جس کو یہ چھیالیسواں حصہ حاصل ہو وہ نبی ہے تو اب تمام فاسق وفاجر اور پرلے درجہ کی بدکار رنڈیوں کا مرزا کے قول پر نبی ہونا جائز ہوگا۔ اور مرزائے غلام احمد اور اس کی امت پر اس کنجری کی نبوت پر ایمان لانا فرض ہوگا جس کو کوئی سچا خواب نظر آگیا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

نیز مرزائے قادیان کے بہت سے پیروؤں نے مرزا کے بعد رویائے صالحہ اور نبوت کا دعویٰ کیا ہے مگر مرزا نے ان کی نبوت کو تسلیم نہیں کیا۔ اور نبی کی نبوت کو نہ تسلیم کرنا یہ کفر ہے۔ پس مرزا صاحب خاتم الانبیاء ﷺ کی نبوت کے انکار سے بھی کافر ہوئے اور اپنے بعد مدعیان نبوت کی نبوت کے انکار سے بھی کافر ہوئے۔

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۚ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦٥﴾ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَنْ فِي

اور رنج مت کر ان کی بات سے، اصل میں سب زور اللہ کے لیے ہے وہی ہے سننے والا جاننے والا ف۱ سنتا ہے اللہ کا ہے جو کوئی ہے

اور نہ غم کھا ان کی بات سے، اصل سب زور اللہ کو ہے۔ وہی ہے سنتا جانتا۔ سنتا ہے! اللہ کا ہے جو کوئی ہے

السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ ۗ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ ۚ إِنْ

آسمانوں میں اور جو کوئی ہے زمین میں اور یہ جو پیچھے پڑے ہیں اللہ کے سوا شریکوں کو پکارنے والے سو یہ کچھ

آسمان میں اور جو کوئی ہے زمین میں۔ اور یہ جو پیچھے پڑے ہیں شریک پکارنے والے اللہ کے سوا۔ کچھ

يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿٦٦﴾

نہیں مگر پیچھے پڑے ہیں اپنے خیال کے اور کچھ نہیں مگر اٹکلیں دوڑاتے ہیں ف۲

نہیں، مگر پیچھے پڑے ہیں خیال کے اور کچھ نہیں مگر اٹکلیں دوڑاتے۔

ف۱ اوپر سے اعدائے مکذبین کا ذکر چلا آتا تھا۔ ان کے بالمقابل دوستوں کا تذکرہ فرمایا اور ان کو دارین میں محفوظ رہنے کی بشارت سنائی۔ اسی سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم احمقوں اور شریروں کی باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں، غلبہ اور زور سب خدا کے لیے ہے وہ اپنے زور تائید سے حق کو غالب ومنصور اور مخالفین کو ذلیل ورسوا کر کے چھوڑے گا وہ ان کی سب باتیں سنتا اور سب حالات جانتا ہے۔

ف۲ یعنی کل زمین وآسمان میں خدائے واحد کی سلطنت ہے، سب جن وانس اور فرشتے اسی کے مملوک ومخلوق ہیں۔ مشرکین کا غیر اللہ کو پکارنا اور انھیں خدائی کا حصہ دار بنانا محض اٹکل کے تیر اور واہی تباہی خیالات ہیں۔ ان کے ہاتھ میں نہ کوئی حقیقت ہے نہ حجت وبرہان، خالی اوہام وظنون کی اندھیریوں میں پڑے =

تسلی نبی اکرم ﷺ از سخن ہائے دل خراش دشمناں

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿وَلَا یَحْزُنْکَ قَوْلُھُمْ ... الی ... وَاِنْ ھُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیت میں حق تعالیٰ نے اپنے دوستوں کو تسلی دی اب اس آیت میں اپنے نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہیں۔ کفار، آنحضرت ﷺ کو اپنی قوت اور شوکت سے ڈراتے تھے اور طرح طرح کی دل خراش باتیں کہتے تھے سو آپ ﷺ کی تسلی کے لیے ارشاد ہوا کہ آپ ﷺ ان کی باتوں سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں عزت اور غلبہ تو اللہ ہی کے لیے ہے وہی آسمانوں اور زمینوں کا بادشاہ ہے اور یہ کافر صرف خیالی اور فرضی چیزوں کی پیروی کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ ان کی پرواہ نہ کریں۔

غرض یہ کہ ان آیات میں آپ ﷺ کو دشمنوں کی ایذا رسانی پر تسلی دی گئی اور اشارۃً آپ ﷺ کو عزت اور نصرت کی بشارت سنائی گئی کہ آپ ﷺ عن قریب اپنے دشمنوں پر غلبہ پائیں گے اور اس درمیان میں جو کسی وقت کوئی ہزیمت اور شکست پیش آئے گی تو وہ ایک عارضی اور وقتی ہوگی۔ اعتبار خاتمہ اور انجام کا ہے۔ ﴿وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ﴾۔

ربط:...... گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں سے دنیا اور آخرت کے خوف اور حزن کی نفی فرمائی اور ان کی حفاظت کا وعدہ فرمایا اب اس آیت میں اپنے رسول ﷺ سے حزن کی نفی فرماتے ہیں اور تسلی دیتے ہیں کہ جب آپ ﷺ نے اپنے دوستوں کی حفاظت کا وعدہ سن لیا اور ان کے لیے دنیا اور آخرت کی بشارت کا مژدہ بھی سن لیا تو پھر آپ ﷺ کو ان کی کفریات اور ان کی دھمکیوں اور دل خراش باتوں سے مغموم اور رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں یہ ان متکبرین کی چند روزہ لن ترانیاں ہیں اور یہ عنقریب ختم ہو جائیں گی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اس بشارت دارین کے سن لینے کے بعد اے نبی! آپ ﷺ کو ان کی بات غم میں نہ ڈالے یعنی آپ ﷺ ان کی نازیبا باتوں سے آزردہ خاطر نہ ہوں اور نہ کچھ غم کریں وہ آپ ﷺ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تحقیق عزت اور غلبہ سب کا سب اللہ ہی کے لیے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے قتل کرنے کی کتنی ہی تدبیریں کریں اور آپ ﷺ کو ڈرائیں مگر وہ آپ ﷺ پر غالب نہیں آئیں گے۔ اللہ، آپ ﷺ کو غلبہ دے گا۔ اور آپ ﷺ کے دشمنوں کو ذلیل کرے گا۔ وہی سب کی باتوں کا سننے والا اور سب کے احوال کو جاننے والا ہے۔ وہ آپ ﷺ کا بدلہ خود ان سے لے لے گا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ تحقیق آسمانوں میں جو فرشتے ہیں اور زمین میں جو جن اور انس ہیں وہ سب اللہ ہی کی ملک ہیں۔ اور سب اس کے بندے ہیں۔ کسی میں ربوبیت کی لیاقت اور اہلیت نہیں۔ پس کسی چیز کو خدا کا شریک ٹھہرانا نہایت نادانی اور گمراہی ہے۔ اور جو لوگ اللہ کے سوا اپنے مقرر کیے ہوئے شریکوں کو پکارتے ہیں وہ کس چیز کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں وہ بلادلیل محض اپنے وہم اور گمان کے پیچھے پڑے ہوئے اور وہ نرا جھوٹ بولتے ہیں کہ قیامت کے دن یہ بت اللہ کے یہاں ہماری سفارش کریں گے لہٰذا آپ ﷺ ان کی باتوں سے بالکل رنج نہ کیجئے غلبہ تو اللہ ہی کو ہے جو آسمان اور زمین کا بادشاہ ہے۔

= ٹھو کریں کھا رہے ہیں۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ

وہی ہے جس نے بنایا تمہارے واسطے رات کو کہ چین حاصل کرو اس میں اور دن دیا دکھلانے والا بیشک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے

وہی ہے جس نے بنادی تم کو رات کہ چین پکڑو اس میں اور دن دیا دکھانے والا۔ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کو

یَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِیُّ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی

جو سنتے ہیں ف۱ کہتے ہیں ٹھہرا لیا اللہ نے بیٹا وہ پاک ہے وہ بےنیاز ہے اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور

جو سنتے ہیں۔ کہتے ہیں، اللہ نے کوئی بیٹا کیا، پاک ہے، وہ بےنیاز ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے

الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ قُلْ اِنَّ

زمین میں نہیں تمہارے پاس کوئی سند اس کی کیوں جھوٹ کہتے ہو اللہ پر جب بات کی تم کو خبر نہیں ف۲ کہہ جو

زمین میں۔ کچھ سند نہیں تم پاس اس کی۔ کیوں جھوٹ کہتے ہو اللہ پر، جو بات نہیں جانتے۔ کہہ،

الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ

لوگ باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ بھلائی نہیں پاتے تھوڑا سا نفع اٹھا لینا دنیا میں پھر ہماری طرف ہے ان کو لوٹنا

جو لوگ باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ، بھلا نہیں پاتے۔ برت لینا دنیا میں، پھر ہماری طرف ہے ان کو پھر جانا،

ثُمَّ نُذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

پھر چکھائیں گے ہم ان کو سخت عذاب بدلہ ان کے کفر کا ف۳

پھر چکھاویں گے ہم ان کو سخت عذاب، اس پر کہ منکر ہوتے تھے۔

ف۱ دن رات اور اندھیرے اجالے کا پیدا کرنے والا وہی ایک خدا ہے۔ اسی سے خیر و شر اور تمام متقابل اشیاء کی پیدائش کو سمجھ لو۔ اس میں "مجوس" کے شرک کا رد ہوگیا۔ اور ادھر بھی لطیف اشارہ کر دیا کہ جس طرح رات کی تاریکی کے بعد خدا روز روشن کو لاتا ہے اور دن کے اجالے میں وہ چیزیں نظر آتی ہیں جو شب کی ظلمت میں دکھائی نہ دیتی تھیں۔ ایسے ہی مشرکین کے اوہام و ظنون کی اندھیریوں کا پردہ چاک کرنے کے لیے اس نے قرآن کریم کا آفتاب چمکایا جو لوگوں کو وصول الی اللہ کا ٹھیک راستہ دکھانے والا ہے۔

ف۲ اس میں عیسائیوں کے شرک کا رد ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اگر وہ واقعی طور پر مسیح کو خدا کا (معاذ اللہ) صلبی بیٹا سمجھتے ہیں تو اس سے بڑھ کر کیا گستاخی ہوگی۔ خداوند قدوس بالبداہت بیوی بچوں سے پاک ہے۔ اور اگر بیٹے سے مراد متبنیٰ ہے تو خدا کو اس کی ضرورت کیا پیش آئی کہ ایک مخلوق کو متبنیٰ بنائے۔ کیا معاذ اللہ اسے اولاد کی حسرت اور بیٹا نہ ہونے کا غم تھا؟ یا فکر تھی کہ اس کے بعد مال و دولت کا وارث اور اس کا نام روشن کرنے والا کون ہوگا؟ یا یہ کہ بڑھاپے اور حرج مرج میں کس سے سہارا ملے گا؟ (العیاذ باللہ) وہ تو سب سے بےنیاز ہے اور سب ہر وقت اس کے محتاج ہیں۔ اسے بیٹے پوتے یا متبنیٰ وغیرہ کی احتیاج کہاں ہو سکتی ہے؟ سب چیزیں اس کی مملوک و مخلوق ہیں۔ پھر مالک و مملوک اور خالق و مخلوق کے درمیان ان نسبی رشتوں کی کہاں گنجائش ہے۔ یہ بڑی سخت بات ہے کہ خدا کی نسبت محض جہالت سے ایسی جھوٹی اور بےسند باتیں کہی جائیں۔

ف۳ یعنی خدا پر جھوٹ باندھنے والے خواہ دنیا میں کیسی ہی طاقت رکھتے ہوں اور اپنے ساز و سامان پر مغرور ہوں لیکن انہیں حقیقی بھلائی اور کامیابی ہرگز نصیب نہیں ہو سکتی۔ تھوڑے دن دنیا کے مزے اڑا لیں، انجام کار ان کا معاملہ خدا کی طرف رجوع ہوگا۔ جہاں سے اپنے جرائم کی پاداش میں نہایت سخت عذاب کا مزہ چکھیں گے۔

اثبات توحید وابطال شرک مع تذکیر نعم

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ...الی...بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ﴾

ربط:...... ان آیات میں بھی توحید کا مضمون اور شرک کا رد ہے اور بعض نعمتوں کی طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ نعمتیں صرف خدائے تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں جس سے تمہاری زندگی کا کارخانہ چل رہا ہے کفار مکہ فرشتوں کو خدائے تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اور نصاریٰ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور یہود، حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا فرزند کہتے تھے۔ ان آیات میں اس مقولہ مہملہ کی تردید کی گئی ہے کہ یہ سب ان نادانوں کی افتراء پردازی ہے ایسے لوگ کبھی فلاح کو نہیں پہنچ سکتے۔

نیز شروع آیت میں آپ ﷺ کی تسلی بھی ہے کہ جس طرح کبھی لیل ہے اور کبھی نہار اور کبھی نور اور کبھی ظلمت اسی طرح کبھی رنج وغم ہے اور کبھی فرحت ومسرت۔ اشارہ اس طرف ہے کہ جو ذات لیل ونہار کی خالق ہے عزت اور ذلت بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ ان کی باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں۔ وہ اللہ وہی ہے جس نے اپنی قدرت کاملہ سے تمہارے لیے رات بنائی تا کہ اس میں آرام کرو اور دن بنایا روشن دکھانے والا تا کہ تم اس کی روشنی میں چیزوں کو دیکھ سکو اور اپنے کام کر سکو تحقیق دن رات کے پیدا کرنے اور اس کے اندھیرے اور اجالنے میں ان لوگوں کے لیے قدرت خداوندی کی نشانیاں ہیں جو گوش ہوش سے اللہ کی باتوں کو سنتے ہیں وہ سمجھ جاتے ہیں کہ عزت وذلت اس ذات کے ہاتھ میں ہے جس کے قبضۂ قدرت میں نور وظلمت ہے اور جو اضداد کا خالق ہے۔ کہاں ان مشرکوں نے جو خدا کی عظمت وجلال سے بے خبر ہیں کہ اللہ نے اولاد بنالی ہے یعنی فرشتے اس کی بیٹیاں ہیں اور مسیح اور عزیر علیہما السلام اس کے بیٹے ہیں۔ حالانکہ وہ اولاد سے پاک اور منزہ ہے اولاد تو باپ کے ہم جنس ہوتی ہے اور وہ مجانست اور مشابہت اور مماثلت سے پاک ہے نیز اولاد باپ کا جزء ہوتی ہے اور معاذ اللہ خدائے تعالیٰ مرکب نہیں۔ نیز بیٹے کا محتاج وہ ہوتا ہے جس کو بقاء اور دوام نہ ہو، تا کہ اس کی فناء وزوال کے بعد بیٹا اس کے قائم مقام ہو۔ وہ ازلی اور ابدی ہے اور اول وآخر ہے نیز وہ تو بے نیاز ہے اسے کسی اولاد وغیرہ کی احتیاج نہیں اس لیے کہ اولاد کی ضرورت یا تو ضعیف کو ہے کہ وہ اس کے ذریعے سے قوت حاصل کرے یا فقیر کو ہے کہ اولاد سے اس کو مدد پہنچے یا ذلیل کو ہے کہ اولاد کے ذریعے سے عزت اور شرف حاصل کرے یا کوئی گم نام ہے کہ اولاد کے ذریعے نام پیدا کرے اور اس کے بعد اس کی اولاد اس کی وارث ہو اور یہ سب باتیں محتاجی کی ہیں اور اللہ احتیاج سے پاک ہے اور منزہ ہے وہ غنی مطلق ہے اور سب محتاج مطلق ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں۔ اسی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے یعنی تمام علویات اور سفلیات سب اسی کی ملک ہیں اور سب اس کے مملوک اور غلام ہیں اور اولاد باپ کی مملوک نہیں ہوتی۔ ابنیت اور ملکیت جمع نہیں ہوتیں ان آیات میں مشرکین کا بھی رد ہو گیا جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے اور عیسائیوں کا بھی رد ہو گیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ نصاریٰ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو واقعی طور پر خدا تعالیٰ کا صلبی بیٹا سمجھتے ہیں تو اس سے بڑھ کر کیا گستاخی ہوگی۔ خداوند قدوس بالبداہت بیوی بچوں سے پاک ہے اور اگر بیٹے سے مراد متبنّٰی ہے تو خدا کو اس کی ضرورت کیا پیش آئی کہ ایک مخلوق کو اپنا متبنّٰی بنائے کیا معاذ اللہ خدائے تعالیٰ کو اولاد نہ ہونے کا غم تھا اس لیے مجبوراً کسی کو متبنّٰی بنالیا یا معاذ اللہ خدا تعالیٰ کو یہ فکر تھی کہ اس کے بعد اس کے مال ودولت کا کون

وارث بنے گا۔ اور کون اس کا نام روشن کرے گا۔ یا بڑھاپے میں کون سہارا دے گا۔ العیاذ باللہ، خدا تعالیٰ ان سب باتوں سے پاک اور بے نیاز ہے اے مشرکو! تمہارے پاس اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں کہ خدا اولاد رکھتا ہے یعنی تمہارا یہ کہنا کہ خدا اولاد رکھتا ہے دعویٰ بلا دلیل اور دروغ بے فروغ ہے کیا تم خدا کی طرف وہ بات منسوب کرتے ہو۔ جس کی حقیقت کا تم کو علم نہیں۔ بے سمجھے سوچے خدا کے لیے اولاد ٹھہراتے ہو۔ اے نبی! آپ ﷺ ان مشرکوں سے کہہ دیجئے کہ کچھ شک نہیں کہ جو لوگ اللہ پر بہتان باندھتے ہیں۔ وہ آخرت میں کامیاب نہیں ہوں گے اگرچہ دنیا میں زمانہ دراز تک عیش و آرام اور صحت و سلامتی میں ہیں اس لیے کہ یہ دنیا میں چندروزہ بہرہ مندی ہے پھر مرنے کے بعد ہماری ہی طرف ان کو آنا ہے پھر ہم ان کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے اس لیے کہ وہ دنیا میں کفر کرتے تھے اور اولاد ٹھہرا کر ہماری شان عزت و بے نیازی میں طعن کرتے تھے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ

اور سنا ان کو حال نوح کا ف۱ جب کہا اپنی قوم کو اے قوم اگر بھاری ہوا ہے تم پر میرا کھڑا ہونا

اور سنا ان کو احوال نوح کا، جب کہا اپنی قوم کو، اے قوم! اگر بھاری ہوا ہے تم پر میرا کھڑا ہونا،

وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ

اور نصیحت کرنا اللہ کی آیتوں سے تو میں نے اللہ پر بھروسہ کیا اب تم سب مل کر مقرر کرو اپنا کام اور جمع کرو اپنے شریکوں کو پھر نہ رہے تم کو

اور سمجھانا اللہ کی باتوں سے، تو میں نے اللہ پر بھروسہ کیا، اب تم سب مل کر مقرر کرو اپنا کام، اور جمع کرو اپنے شریک، پھر نہ رہے تم کو

اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ

اپنے کام میں شبہ پھر کر گزرو میرے ساتھ اور مجھ کو مہلت نہ دو ف۲ پھر اگر منہ پھیرو گے تو میں نے نہیں چاہی تم سے

اپنے کام میں شبہ، پھر کر چکو میری طرف اور مجھ کو پھر فرصت نہ دو۔ پھر اگر ہٹ جاؤ گے تو میں نے چاہی نہیں تم سے

ف۱ یعنی اہل مکہ کو نوح علیہ السلام اور اس کی قوم کا حال سنا۔ تاکہ معلوم ہو کہ مکذبین و مفترین کو حقیقی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ ان کی اچھل کود اور چمک دمک محض چندروزہ ہے جو انجام کار ہلاکت ابدی پر منتہی ہوتی ہے۔ اہل مکہ کو قوم نوح کا قصہ سن کر عبرت حاصل کرنا چاہیے کہ اگر وہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب و عداوت اور اپنی شرکیات سے باز نہ آئے تو ان کا انجام بھی ویسا ہی ہو سکتا ہے جو نوح کی تکذیب کرنے والوں کا ہوا۔ نیز اس واقعہ کے بیان کرنے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کی دشمنی اور شرارت سے زیادہ دل گیر نہ ہوں۔ ہر نبی کو اس قسم کے حالات کا مقابلہ کرنا پڑا ہے پھر آخر میں حق ہی غالب ہو کر رہا اور حق و صداقت کے دشمن تباہ و برباد کر دیئے گئے۔ عام سامعین کو ان واقعات کے ایسے مفصل بیان سے یہ سبق ملتا ہے کہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم باوجود امی ہونے اور کسی مخلوق کے سامنے ایک منٹ کے لیے بھی زانوئے تلمذ تہ نہ کرنے کے پچھلی قوموں کے اس قدر صحیح اور پختہ احوال بیان فرماتے ہیں جو بظاہر بدون تعلیم اور طویل استفادہ کے ممکن نہیں، ناچار ماننا پڑے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معلم کوئی انسان نہیں بلکہ سب انسانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی ایک دلیل ہوگی۔

ف۲ یعنی تمہاری خوشی ناخوشی یا موافقت ومخالفت کی مجھے ذرہ برابر پروا نہیں تمام پیغمبروں کی طرح میرا بھروسہ صرف خدائے واحد پر ہے اگر تم میری نصیحت و فہمائش سے برا مانو تو مانا کرو۔ میں اپنے فرائض منصبی کے ادا کرنے میں قصور نہیں کر سکتا۔ تم برا مان کر مجھ سے دشمنی کرو اور نقصان پہنچانا چاہو تو یہ چیز میرے ارادوں پر قطعاً اثر ڈالنے والی نہیں۔ جو کچھ تمہارے امکان میں ہے شوق سے کر گزرو میرے خلاف مشورہ کر کے کوئی تجویز پختہ کرلو۔ اپنے رفقائے کار بلکہ فرضی معبودوں کو بھی جمع کر کے ایک غیر مشکوک اور غیر مشتبہ رائے پر قائم ہو جاؤ۔ پھر متفقہ طاقت سے اسے جاری کر ڈالو، ایک منٹ کی مہلت بھی مجھ کو نہ دو پھر دیکھ لو =

أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٧٢﴾ فَكَذَّبُوهُ فَنَجَّيْنَاهُ

مزدوری میری مزدوری ہے اللہ پر اور مجھ کو حکم ہے کہ رہوں فرماں بردار ف۱ پھر اس کو جھٹلایا سو ہم نے بچا لیا اس کو

مزدوری۔ میری مزدوری ہے اللہ پر، اور مجھ کو حکم ہے کے رہوں حکم بردار۔ پھر اس کو جھٹلایا، پھر ہم نے بچا دیا اس کو

وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنَاهُمْ خَلَائِفَ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ فَانْظُرْ

اور جو اس کے ساتھ تھے کشتی میں اور ان کو قائم کردیا جگہ پر اور ڈبا دیا ان کو جو جھٹلاتے تھے ہماری باتوں کو، سو دیکھ لے

اور جو اس کے ساتھ تھے کشتی میں، اور ان کو قائم کیا جگہ پر، اور ڈبا دیئے جو جھٹلاتے تھے ہماری باتیں۔ سو دیکھ،

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِينَ ﴿٧٣﴾

کیسا ہوا انجام ان کا جن کو ڈرایا تھا ف۲

آخر کیسا ہوا جن کو ڈرایا تھا۔

قصۂ نوح علیہ السلام با قوم او

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ... الی... فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِينَ﴾

ربط:...... یہاں تک اصول دین توحید اور رسالت اور قیامت کو دلائل و براہین سے بیان کیا اور منکرین کے شبہات اور سوالات کے جوابات دیئے۔ اب آنحضرت ﷺ کی تسلی کے لیے اور متکبرین اور منکرین نبوت کی تہدید اور عبرت کے لیے انبیاء سابقین علیہم السلام کے چند واقعات ذکر کرتے ہیں۔ تاکہ کفار عرب ان واقعات سے عبرت پکڑیں کہ انبیاء اللہ کے مقابلے میں قوت وشوکت کام نہیں دیتی اور باوجود قوت وشوکت کے مکذبین اور مفترین کو کامیابی حاصل نہیں ہوتی سب سے پہلے نوح علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا جو سب کے جد امجد اور آدم ثانی ہیں اور کفار کے مقابلے میں پہلے رسول ہیں جو کفر کے مقابلے کے لیے مبعوث ہوئے اس معنی کر ان کو حدیث میں اول رسول الی اهل الارض کہا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام بلاشبہ اللہ کے سب سے پہلے رسول مکلّم تھے جن سے خدا تعالیٰ نے بلا واسطہ کلام فرمایا اور ان سے سلسلہ نبوت ورسالت کا آغاز فرمایا مگر

کہ پیغمبرانہ استقامت وتوکل کا پہاڑ تمام دنیا کی طاقتوں اور تدبیروں کو کچل کر کس طرح پاش پاش کر ڈالتا ہے۔

ف۱ یعنی تمہارے مقابلہ میں نہ جانی وبدنی تکالیف سے گھبراتا ہوں اور نہ مالی نقصان کی کوئی فکر ہے کیونکہ میں نے خدمت تبلیغ ودعوت کا کچھ معاوضہ تم سے کبھی طلب نہیں کیا جو یہ اندیشہ ہو کہ تمہاری ناخوشی سے میری تنخواہ بند ہوجائے گی یا کم از کم تم کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ میری ساری جدوجہد مال کی حرص اور روپیہ کے لالچ سے تھی۔ میں جس کا کام کر رہا اور حکم بجالا رہا ہوں اسی کے ذمہ میری اجرت ہے جب میں اس کا فرماں بردار ہوں اور خدمت مفوضہ بے خوف وخطر انجام دیتا ہوں تو کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنے فضل ورحمت کے دروازے مجھ پر نہ کھولے رکھے۔

ف۲ یعنی جس کے پاس چشم عبرت ہو وہ دیکھ لے کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔ ان لوگوں کو سینکڑوں برس نوح علیہ السلام نے نصیحت کی نفع وضرر سے آگاہ کیا جب کوئی بات موثر نہ ہوئی بلکہ الٹا عناد وفرار بڑھتا گیا، اس وقت خدا نے سخت طوفان پانی کا بھیجا۔ سب مکذبین غرقاب کر دیئے گئے۔ صرف نوح علیہ السلام اور چند نفوس جو ان کے ساتھ کشتی پر سوار تھے محفوظ رہے۔ ان ہی سے آگے نسل چلی۔ اور ڈوبنے والوں کی جگہ یہ ہی آباد ہوئے۔ نوح علیہ السلام کا کچھ قصہ سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے۔

ان کے زمانہ میں کفر کا نام ونشان نہ تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے دس قرن بعد کفر کا آغاز ہوا اس وقت نوح علیہ السلام بھیجے گئے تاکہ کافروں کو ایمان کی دعوت دیں جب قوم نے نافرمانی کی تو ان پر طوفان آیا اور سب غرق کیے گئے۔ قوم نوح دنیا میں پہلی قوم تھی جو عذاب خداوندی سے ہلاک ہوئی حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ سنایا تاکہ ان کے ایک ہزار سالہ طویل صبر کو دیکھ کر اپنے دل کو تسلی دیں اور کفار مکہ کو یہ قصہ سنائیں کہ ان کو معلوم ہو کہ دنیا کی عزت و وجاہت قہر خداوندی کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں دیتی۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی! آپ ﷺ ان لوگوں کے سامنے جو اپنی مال و دولت اور عزت و وجاہت پر مغرور ہیں نوح علیہ السلام کا قصہ پڑھ کر سنائیے تاکہ اہل عرب ان سے عبرت حاصل کریں کیونکہ قوم نوح بلحاظ زمانہ سب سے پہلے اور کفر وعناد میں سب سے بڑھ کر تھی۔ جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم اگر میرا تم میں رہنا اور میرا وعظ و نصیحت کرنا اللہ کی آیتوں کے ساتھ تم پر شاق اور گراں گزرتا ہے اور تم میری نصیحت سننے سے تنگ ہو اور میرے قتل اور جلاوطن کرنے کے درپے ہو تو مجھے پروا نہیں تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ کیونکہ میں نے اللہ پر بھروسہ کرلیا ہے وہ تمہارے کید اور مکر کے دفع پر قادر ہے پس تم سب مل کر میرے ضرر پہنچانے کے لیے اپنا کام مضبوط کرلو اور اپنے شریکوں کو بھی جمع کرلو تاکہ وہ بھی تمہارے کام میں تمہاری مدد کریں مطلب یہ ہے کہ میری ضرر رسانی کے لیے اپنے دل کے ارمان نکال لو۔ پھر نہ ہو تم پر تمہارا کام کٹھن یعنی میرے مقابلہ میں جو کچھ کرنا ہے وہ کرلو۔ دل میں کوئی حسرت باقی نہ رہے۔ پھر کر گزرو میرے ساتھ جو کچھ کرنا چاہتے ہو اور مجھ کو ایک دم کی مہلت بھی نہ دو عنقریب تم کو تمہاری عجز اور درماندگی اور باوجود بے سروسامانی کے میری عزت اور کامیابی تمہاری نظروں کے سامنے آجائے گی حق تعالیٰ کا مقصود نوح علیہ السلام کے قول کو نقل کرنے سے یہ ہے کہ دیکھ لو کہ نبی کا توکل ایسا ہوتا ہے کہ سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرتا یہاں تک کہ خوف کی نفی فرمائی کہ نبی سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرتا۔ اب آگے حرص وطمع کی نفی فرماتے ہیں کہ نبی کا دل حرص وطمع سے بالکلیہ پاک ہوتا ہے۔ پس اگر تم میری نصیحت سے منہ موڑتے ہو تو میں نے اس نصیحت و دعوت پر تم سے کوئی اجرت تو نہیں مانگی جس سے تمہارے مال و دولت میں کوئی کمی واقع ہو میری اجرت تو اللہ کے ذمہ ہے وہ بہرحال مجھ کو ملے گی۔ چاہے تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ۔ غرض کہ میں نہ تم سے کوئی خوف و ہراس رکھتا ہوں اور نہ کوئی خواہش وطلب رکھتا ہوں اور مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کے فرماں برداروں میں سے بنا رہوں اس کو میں عزت و دولت سمجھتا ہوں اور اس کے مقابلہ میں دنیاوی مال و دولت اور عزت و وجاہت کو ہیچ سمجھتا ہوں۔ پس باوجود اس موعظت بلیغ کے وہ نوح علیہ السلام کی تکذیب پر اڑے رہے۔ جب حجت پوری ہوگئی تو ہم نے ان پر طوفان نوح بھیجا پس ہم نے نوح علیہ السلام کو اور ان کے ساتھ جو مسلمان کشتی میں سوار تھے غرق ہونے سے بچالیا۔ اور ان کو ہلاک ہونے والوں کا جانشین بنایا اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کو ہم نے غرق کردیا۔ پس اے دیکھنے والے ذرا عبرت سے دیکھ لے کہ ان لوگوں کا جو عذاب الٰہی سے ڈرائے گئے تھے، کیسا برا انجام ہوا۔ اور خدا کے نبی کے مقابلہ میں مال و دولت اور عزت و وجاہت اور غرور ونخوت ذرہ برابر کام نہ آئی۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا

پھر بھیجے ہم نے نوح کے بعد کتنے پیغمبران کی قوم کی طرف پھر لائے ان کے پاس کھلی دلیلیں سو ان سے یہ نہ ہوا کہ ایمان لے آئیں اس بات پر

پھر بھیجے ہم نے اس کے پیچھے کتنے رسول اپنی اپنی قوم میں، پھر لائے ان پاس کھلی نشانیاں، سو ہرگز نہ ہوئے کہ یقین لاویں جو

كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾

جس کو جھٹلا چکے تھے پہلے سے ف۱ اسی طرح ہم مہر لگا دیتے ہیں دلوں پر حد سے نکل جانے والوں کے ف۲

بات جھٹلا چکے پہلے سے۔ اسی طرح ہم مہر کرتے ہیں دلوں پر زیادتی والوں کے۔

قصۂ قوم عاد وثمود وغیرہم کا اجمالی ذکر

قَالَ اللهُ تَعَالٰی: ﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا ... الی ... عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ﴾

ربط: ...... اوپر کی آیات میں نوح علیہ السلام کے قصہ کا ذکر فرمایا اب ان آیات میں اجمالاً ان انبیاء علیہم السلام کا قصہ ذکر ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے اس آیت میں ان کا نام ظاہر نہیں فرمایا مگر دوسری جگہ ان کا نام ذکر کیا گیا ہے کہ نوح علیہ السلام کے بعد ہود اور صالح اور ابراہیم اور لوط اور شعیب علیہم السلام مبعوث ہوئے پھر ان کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے جن جن لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کا مقابلہ کیا وہ سب تباہ و برباد ہوئے۔ پھر ہم نے نوح علیہ السلام کے بعد ہود اور صالح وغیرہ دوسرے رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا سو وہ ان کے پاس اپنی پیغمبری کے کھلے نشانات لے کر آئے پس نہ ہوئے وہ ایمان لانے والے اس چیز پر کہ جس کو وہ پہلی ہی مرتبہ جھٹلا چکے تھے۔ مال و دولت کے نشہ میں انبیاء کو حقیر سمجھا حق اور ہدایت کی عزت کو نہ سمجھ سکے۔ اپنی جاہلیت اور ہٹ دھرمی پر پختہ تھے حق کے جھٹلانے کے خوگر تھے انبیاء کے آنے سے پہلے حق کے منکر تھے۔ اور رسولوں کے آنے اور ان کے سمجھانے کے بعد بھی حق کے منکر رہے ان کی سنگ دلی کو دیکھ لو اسی طرح ہم حد سے گذرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔ کہ وہ عزت کو ذلت، سمجھنے لگتے ہیں۔ اللہ کی مہر تو نظر نہیں آتی مگر مہر والے تو تمہارے سامنے ہیں بے عقلی آج تک کسی کو نظر تو نہیں آئی۔ مگر بے عقلی کی حرکات و سکنات کو دیکھ کر لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ بے عقلی ایسی ہوتی ہے۔ اسی طرح ان کو دیکھ کر سمجھ لو کہ سنگ دلی ایسی ہوتی ہے اور جس کے دل پر خدا کی مہر لگ جاتی ہے اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ دین کی باتوں کو حقیر اور ذلیل سمجھنے لگتا ہے۔ اور فرعون اور قارون کے طور و طریق اس کو عزت نظر آنے لگتے ہیں۔

اے اللہ تو ہم کو اپنی اطاعت کی عزت بخش اور اپنی معصیت کی ذلت سے بچا۔ آمین یا رب العالمین۔

ف۱ یعنی نوح کے بعد ہود صالح لوط ابراہیم شعیب وغیرہ انبیاء علیہم السلام کو اپنی اپنی قوم کی طرف کھلے ہوئے نشانات دے کر بھیجا، لیکن جس جہالت اور کفر کی حالت میں وہ لوگ اپنے اپنے پیغمبر کی بعثت سے پہلے تھے اور جن چیزوں کو پیشتر سے جھٹلاتے چلے آ رہے تھے، یہ توفیق نہ ہوئی کہ انبیاء علیہم السلام کے تشریف لانے اور سمجھانے کے بعد ان کو مان لیتے۔ بلکہ جن اصول صحیحہ کی تکذیب پہلے قوم نوح کر چکی تھی، ان سبھوں نے بھی ان کے ماننے سے انکار کر دیا۔ اور جب پہلی مرتبہ منہ سے "نہ" نکل گئی، ممکن نہ تھا کہ پھر کبھی "ہاں" نکل سکے، اسی بے ایمانی اور تکذیب حق پر آخر تک اڑے رہے۔

ف۲ جو لوگ تکذیب و عداوت حق میں حد سے نکل جاتے ہیں ان کے دلوں میں مہر لگنے کی یہی صورت ہوتی ہے کہ اول تکذیب کرتے ہیں، پھر اس پر ضد اور اصرار کرتے کرتے محض دشمنی اور عناد کی روش اختیار کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کے دل کی کلیں بگڑ جاتی ہیں اور قبول حق کی استعداد باقی نہیں رہتی۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا

پھر بھیجا ہم نے ان کے پیچھے موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس اپنی نشانیاں دے کر پھر تکبر کرنے لگے

پھر بھیجا ہم نے ان کے پیچھے موسیٰ اور ہارون کو، فرعون اور اس کے سرداروں پاس اپنی نشانیاں دے کر، پھر تکبر کرنے لگے

وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾

اور وہ تھے لوگ گناہ گار ف۱ پھر جب پہنچی ان کو سچی بات ہمارے پاس سے کہنے لگے یہ تو جادو ہے کھلا ف۲

اور وہ تھے لوگ گنہگار۔ پھر جب آئی ان کو سچی بات ہمارے پاس سے، کہنے لگے، یہ تو جادو ہے صریح۔

قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْٓا

کہا موسیٰ نے کیا تم یہ کہتے ہو حق بات کو جب وہ پہنچے تمہارے پاس کیا یہ جادو ہے اور نجات نہیں پاتے جادو کرنے والے ف۳ بولے

کہا موسیٰ نے، تم یہ کہتے ہو تحقیق بات کو، جب تم پاس پہنچی۔ کوئی جادو ہے یہ؟ اور بھلا نہیں پاتے جادو کرنے والے۔ بولے،

اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا

کیا تو آیا ہے کہ ہم کو پھیر دے اس راستہ سے جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو اور تم دونوں کو سرداری مل جائے اس ملک میں اور ہم

کیا تو آیا ہے کہ ہم کو پھیر دے اس راہ سے جس پر پائے ہم نے اپنے باپ دادے؟ اور تم دونوں کو سرداری ہو اس ملک میں۔ اور ہم

نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ

نہیں ہیں تم کو ماننے والے ف۴ اور بولا فرعون لاؤ میرے پاس جو جادوگر ہو پڑھا ہوا ف۵ پھر جب آئے جادوگر

نہیں تم کو ماننے والے۔ اور بولا فرعون کہ لاؤ میرے پاس جو جادوگر ہو پڑھا۔ پھر جب آئے جادوگر،

ف۱ یعنی جرائم پیشہ لوگ تھے۔ نافرمانی کی خو قبول حق کی اجازت کہاں دیتی۔ تکبر مانع ہوا کہ خدا کی نشانیوں کو دیکھ کر اس کے سفراء کے سامنے گردن جھکائیں۔ ﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا﴾ (النمل، رکوع ۱) یہی تکبر تھا۔ جس نے فرعون سے یہ الفاظ کہلوائے۔ ﴿اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ﴾ (شعرآء، رکوع ۲)

ف۲ یعنی "عصا" اور "ید بیضا" وغیرہ کے معجزات دیکھ کر اور موسیٰ علیہ السلام کی نہایت پرتاثیر باتیں سن کر کہنے لگے کہ یہ سب کھلا ہوا جادو ہے کیونکہ ان کے خیال میں تمام فوق العادت چیزوں کا آخری درجہ "جادو" ہی ہو سکتا تھا۔

ف۳ یعنی حق کو جادو کہتے ہو، کیا جادو ایسا ہوتا ہے؟ اور کیا جادو کرنے والے نبوت کا دعویٰ کر کے حق و باطل کی کشمکش سے کامیاب نکل سکتے ہیں۔ سحر اور معجزہ میں تمیز نہ کر سکنا ان کو تاہ فہموں کا کام ہے جو سونے اور پیتل میں تمیز نہ کر سکیں۔ پیغمبر کے روشن چہرے، پاکیزہ اخلاق، نور تقویٰ، پرشوکت وعظمت احوال میں بدیہی شہادت اس کی موجود ہوتی ہے کہ جادوگری اور شعبدہ بازی سے انھیں کوئی دور کی نسبت بھی نہیں۔ پھر پیغمبر کو "ساحر" کہنا کس درجہ بے حیائی یا دیوانگی ہے۔

ف۴ یعنی معاذ اللہ تم دنیا کے حریص اور بدنیت ہو، ایک سیاسی تحریک کو مذہبی رنگ میں پیش کرتے ہو۔ تمہاری غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ مذہبی حیثیت سے ایک انقلاب عظیم برپا کر کے اس ملک میں اپنی حکومت اور سرداری جماؤ۔ اور یہاں کے قدیم سرداروں (قبطیوں) کو برطرف کر دو۔ سو یاد رہے کہ یہ خواہش پوری ہونے والی نہیں۔ ہم لوگ ہرگز تمہاری بات نہ مانیں گے نہ تمہاری بزرگی کبھی تسلیم کریں گے۔

قَالَ لَهُمۡ مُّوۡسٰۤی اَلۡقُوۡا مَاۤ اَنۡتُمۡ مُّلۡقُوۡنَ ﴿۸۰﴾ فَلَمَّاۤ اَلۡقَوۡا قَالَ مُوۡسٰی مَا جِئۡتُمۡ بِهِ ۙ

کہا ان کو موسیٰ نے ڈالو جو تم ڈالتے ہو ف۱ پھر جب انہوں نے ڈالا موسیٰ بولا کہ جو تم لائے ہو سو

کہا ان کو موسیٰ نے، ڈالو جو تم ڈالتے ہو۔ پھر جب انہوں نے ڈالا، موسیٰ بولا، کہ جو تم لائے ہو سو

السِّحۡرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَیُبۡطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُصۡلِحُ عَمَلَ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ﴿۸۱﴾ وَ یُحِقُّ اللّٰهُ الۡحَقَّ

جادو ہے ف۲ اب اللہ اس کو بگاڑتا ہے بیشک اللہ نہیں سنوارتا شریروں کے کام ف۳ اور اللہ سچا کرتا ہے حق بات کو

جادو ہے۔ اب اللہ اس کو بگاڑتا ہے۔ اللہ نہیں سنوارتا شریروں کے کام۔ اور اللہ سچا کرتا ہے سچ کو

بِکَلِمٰتِهٖ وَ لَوۡ کَرِهَ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۸۲﴾ ع ۱۲

اپنے حکم سے اور پڑے برا مانیں گناہ گار

اپنے حکم سے، اور پڑے برا مانیں گنہگار۔

ذکرِ قصہ موسیٰ علیہ السلام با فرعون

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : ﴿ثُمَّ بَعَثۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ مُّوۡسٰی وَ هٰرُوۡنَ... الی ... وَ لَوۡ کَرِهَ الۡمُجۡرِمُوۡنَ﴾

ربط: ...... اوپر بعض قصص کا بیان ہوا۔ اب موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان ہوتا ہے۔ جو فرعون کے ساتھ پیش آیا اور یہ دور تک چلا گیا ہے اور بہت سے واقعات کو متضمن ہے سب کا خلاصہ یہ ہے کہ کمبل پوش نبی موسیٰ بن عمران علیہ السلام باوجود بے سروسامانی کے کامیاب ہوئے اور فرعون باوجود پورے ساز وسامان کے غرق ہوا۔ اس طرح سے دنیا نے دیکھا کہ وہ فرعون جس نے تمرد اور استکبار کیا وہ خدا کے ایک خرقہ پوش درویش کے مقابلہ میں کیسا ذلیل وخوار ہوا۔ ان نادانوں نے عصا اور ید بیضاء ظاہر و باہر نشان کو جادوگری اور شعبدہ بازی سمجھا جب خدا کے نشان نے اس سحر عظیم کو لقمہ بنا کر نگل لیا تب سمجھے کہ یہ سحر نہیں بلکہ نشان

ف۵ یہ موسیٰ علیہ السلام کی تقریر کا جواب تھا یعنی رہا سحر اور معجزہ کا جھگڑا، اس کا ہم عملاً تصفیہ کیے دیتے ہیں کہ اس ملک کے بڑے بڑے ماہر جادوگر اکٹھے کیے جائیں، پھر آپ علیہ السلام ان کے خوارق کے مقابل اپنے معجزات دکھلائیں، دنیا مشاہدہ کرلے گی کہ تم پیغمبر ہو یا (معاذ اللہ) جادوگر ہو۔ اس کے لیے فرعون نے تمام ملک میں گشتی جاری کردی اور آدمی بھیج دیے کہ مشاق اور ماہر جادوگر جہاں کہیں ہوں فوراً حاضر کیے جائیں۔ اس کا مفصل واقعہ سورۂ "اعراف" میں گزر چکا، وہاں ملاحظہ کرلیا جائے۔

ف۱ دوسری جگہ مذکور ہے کہ ساحرین نے موسیٰ علیہ السلام سے دریافت کیا تھا کہ اپنا کرتب دکھلانے میں تم پہل کرتے ہو یا ہم کریں اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو تم کو دکھلانا ہے دکھلاؤ کیونکہ باطل کی پوری زور آزمائی اور نمائش کے بعد حق کا آنا اور باطل کو نیچا دکھا کر ملیا میٹ کردینا زیادہ موثر اور غلبہ حق کو زیادہ واضح کرنے والا ہے۔

ف۲ ساحرین نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں زمین پر پھینک دیں اور تخیل ونظر بندی سے دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہونے لگا، گویا تمام میدان زندہ سانپوں سے بھرا ہوا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ "جادو" یہ ہے وہ جادو نہ تھا جسے فرعون اور اس کے خوشامدیوں نے جادو کہا تھا۔

ف۳ یعنی بس تم اپنی قوت صرف کرچکے، اب سنبھل جانا کہ خدا اپنی قدرت ورحمت سے یہ سب بنا بنایا کھیل بگاڑتا ہے۔ جو میرے مقابلہ میں پھر کبھی نہیں سلور سکے گا۔ کیونکہ خدا کی عادت وحکمت کے خلاف ہے کہ مصلح ومفسد کے مقابلہ کے وقت جبکہ اس سے مقصود خالص اتمام حجت ہو مفسدوں اور شریروں کی بات سنوار دے اور کلمہ حق کو پست ومغلوب کردے۔

خداوندی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں پھر ہم نے ان پیغمبروں کے بعد موسیٰ اور ہارون کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کی طرف بھیجا یعنی عصا اور ید بیضاء جیسے کھلے معجزوں کے ساتھ ان کو بھیجا جو صراحۃً عاجز کرنے والے تھے اور فرعون باوجود دعوائے الوہیت کے ان کے مقابلہ سے عاجز آ گیا تھا پس اپنی ظاہری عزت و وجاہت پر تکبر کرنے لگے اور فرعون والے ازلی مجرم تھے ازل ہی سے لکھا جا چکا تھا کہ یہ متکبرین مال و دولت اور قوت و طاقت کے غرور میں خدا کے پیغمبروں کا مقابلہ کریں گے۔ غرض یہ کہ جب ان کے پاس موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی معرفت ہمارے پاس حق آ گیا جس میں شک اور شبہ کی گنجائش نہ رہی اور مخالفت میں مقابلہ کی طاقت نہ رہی تو کمال تمرد اور عناد کی جہ سے یہ کہنے لگے کہ تحقیق یہ جو کچھ موسیٰ لایا ہے کھلا جادو ہے یعنی اس کا جادو ہونا بالکل ظاہر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کہنے والوں سے کہا کہ کیا تم اس صریح اور واضح حق کی بابت جب یہ تمہارے پاس آ گیا یہ کہتے ہو کہ یہ جادو ہے حالانکہ دل سے تم کو یقین ہے کہ یہ جادو نہیں بلکہ من جانب اللہ میری فلاح اور کامیابی کا ایک ذریعہ ہے اور جادوگر کامیاب نہیں ہوا کرتے سحر، حق اور معجزہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ قوم فرعون کے سردار جب موسیٰ علیہ السلام کی بات کا جواب دیتے عاجز ہوئے تو بولے کہ کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ تم ہم کو اس طریقہ سے ہٹا دے جس پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا ہے یعنی ہمیں فرعون کی عبادت سے ہٹا کر اپنا تابع بنا لے اور ہماری عزت کو ختم کر دے اور تم دونوں بھائیوں کو زمین مصر میں بڑائی اور سرداری حاصل ہو جائے اور خوب سمجھ کہ ہم تو کبھی تم دونوں درویشوں پر ایمان لانے والے نہیں۔ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ تم پر ایمان لا کر اپنی عزت کو خاک میں ملا دیں اور فرعون، موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ عصا اور ید بیضا دیکھ کر گھبرا گیا تو اپنی عزت و ناموس کے تحفظ کے لیے اپنے درباریوں سے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لیے تلاش کر کے ہر ایک دانا جادوگر لے کر آؤ تا کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کریں اور موسیٰ علیہ السلام کا جادوگر ہونا ظاہر ہو جائے۔ چنانچہ وہ جادوگر جمع کیے گئے پھر وہ جادوگر آ موجود ہوئے اور مقابلہ کے لیے میدان میں آ کھڑے ہوئے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ زمین پر ڈالو جو کچھ تم ڈالنا چاہتے ہو۔ پھر جب انہوں نے اپنی لاٹھیوں اور رسیوں کو جن سے وہ جادو کیا کرتے تھے زمین پر ڈالا اور وہ لاٹھیاں اور رسیاں سانپ بن کر چلنے لگیں تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ یہ جو کچھ تم لائے ہو یہ جادو ہے اور میں جو لایا ہوں وہ جادو نہیں بلکہ حق اور معجزہ ہے جادو تو یہ ہے جو تم لائے ہو۔ تحقیق عن قریب تم دیکھ لو گے کہ اللہ تمہارے اس لائے ہوئے جادو کو میرے لائے ہوئے حق سے ملیا میٹ کر دے گا اور تم میرے مقابلہ میں ذلیل و خوار ہو گے کیونکہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ مفسدوں کا کام بننے نہیں دیتا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کے مطابق حق کو ثابت کرتا ہے اگرچہ مجرمین کتنے ناخوش ہوں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے غلبہ اور نصرت کا جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہو گا۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ

پھر کوئی ایمان نہ لایا موسیٰ پر مگر کچھ لڑکے اس کی قوم کے ف۱ ڈرتے ہوئے فرعون سے اور ان کے سرداروں سے کہ کہیں ان کو بچلا نہ دے ف۲

پھر کسی نے نہ مانا موسیٰ کو مگر کچھ لڑکوں نے اس کی قوم سے ڈرتے ہوئے فرعون سے اور ان کے سرداروں سے کہ ان کو بچلا نہ دے (آزمائش میں نہ ڈالے)،

ف۱ - بنی اسرائیل، فرعونیوں کے ہاتھوں سخت مصیبت اور ذلت اٹھا رہے تھے اور پرانی پیشین گوئیوں کے مطابق منتظر تھے کہ فرعون کے مظالم کا خاتمہ کرنے اور اس کی سلطنت کا تختہ الٹنے والا "اسرائیلی" پیغمبر مبعوث ہو۔ موسیٰ علیہ السلام ٹھیک اسی شان سے تشریف لائے جس کا انہیں انتظار تھا۔ اس لیے تمام بنی =

وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ ۚ وَإِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿٨٣﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ يَا قَوْمِ إِن

اور فرعون چڑھ رہا ہے ملک میں اور اس نے ہاتھ چھوڑ رکھا ہے ف۱ اور کہا موسیٰ نے اے میری قوم اگر

اور فرعون چڑھ رہا ہے ملک میں۔ اور اس نے ہاتھ چھوڑ رکھا ہے۔ اور کہا موسیٰ نے، اے قوم! اگر

كُنتُمْ آمَنتُم بِاللَّهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا إِن كُنتُم مُّسْلِمِينَ ﴿٨٤﴾ فَقَالُوا عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا

تم ایمان لائے ہو اللہ پر تو اسی پر بھروسہ کرو اگر ہو تم فرماں بردار ف۲ تب وہ بولے ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا

تم یقین لائے ہو اللہ پر، تو اسی پر بھروسا کرو، اگر ہو حکم بردار۔ تب بولے، ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٨٥﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٨٦﴾

اے رب ہمارے نہ آزما ہم پر زور اس ظالم قوم کا ف۳ اور چھڑا دے ہم کو مہربانی فرما کر ان کافر لوگوں سے ف۴

اے رب! ہم پر نہ آزما زور اس ظالم قوم کا۔ اور چھڑا ہم کو اپنی مہر کر (رحمت سے) اس منکر قوم سے۔

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَن تَبَوَّآ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوتًا وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً

اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو اور اس کے بھائی کو کہ مقرر کرو اپنی قوم کے واسطے مصر میں سے گھر ف۵ اور بناؤ اپنے گھر قبلہ رو

اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو، اور اس کے بھائی کو، کہ ٹھیراؤ اپنی قوم کے واسطے مصر میں سے گھر، اور بناؤ اپنے گھر قبلہ کی طرف

= اسرائیل" قدرتی طور پر موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کو نعمت عظمیٰ سمجھتے تھے، وہ دل سے حضرت موسیٰ کو سچا جانتے اور ان کی عزت کرتے تھے۔ مگر اکثر آدمی فرعونی سرداروں سے خوف زدہ تھے، اسی لیے ابتداء میں شرعی طور پر ایمان نہیں لائے وقت کے منتظر رہے کہ جس وقت حق کا غلبہ ہوگا مسلمان ہوجائیں گے۔ بنی اسرائیل کے تھوڑے سے نوجوانوں نے ہمت کر کے باوجود فرعونیوں سے خائف ہونے کے اپنے اسلام کا اظہار و اعلان کر دیا۔ چند گنے چنے قبطی بھی جو فرعون کی قوم سے تھے۔ مشرف بایمان ہوئے۔ اخیر میں جب موسیٰ علیہ السلام کا اثر اور حق کا غلغلہ بڑھتا گیا تب پوری قوم بنی اسرائیل کی جو تقریباً چھ لاکھ بالغ مردوں پر مشتمل تھی مسلمان ہوگئی۔ یہاں ابتداء کا قصہ بیان ہوا ہے۔

ف۲ ان کے سرداروں سے مراد یا تو فرعون کے حکام و عمال ہیں، یا بنی اسرائیل کے وہ سردار مراد ہیں جو خوف یا طمع وغیرہ کی وجہ سے اپنے ہم قوموں کو فرعون کی مخالفت سے ڈراتے دھمکاتے تھے اور بچلا دینے کا مطلب یہ ہے کہ فرعون ایمان لانے کی خبر سن کر سخت ایذائیں پہنچائے جن سے گھبرا کر ممکن ہے بعض ضعیف القلب راہ حق سے بچل جائیں۔

ف۱ یعنی ان کا خوف کھانا بھی کچھ بے جا نہ تھا، کیونکہ اس وقت ملک میں فرعون کی مادی طاقت بہت بڑھ چڑھ کر تھی اور اس کا ظلم و عدوان اور کفر و طغیان حد سے متجاوز ہو چکا تھا، کمزوروں کو ستانے کے لیے اس نے بالکل ہاتھ چھوڑ رکھا تھا۔

ف۲ یعنی گھبرانے اور خوف کھانے کی ضرورت نہیں۔ ایک فرماں بردار مومن کا کام اپنے مالک کی طاقت پر بھروسہ کرنا ہے جسے خدا کی لامحدود قدرت و رحمت پر یقین ہوگا، وہ یقیناً ہر معاملہ میں خدا پر اعتماد کرے گا اور اس اعتماد کا اظہار جب ہی ہوسکتا ہے کہ بندہ اپنے کو بالکلیہ خدا کے سپرد کر دے، اسی کے حکم پر چلے اور تمام جد و جہد میں صرف اسی پر نظر رکھے۔

ف۳ موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت پر انہوں نے اخلاص کا اظہار کیا کہ بے شک ہمارا بھروسہ خالص خدا پر ہے۔ اسی سے دعا کرتے ہیں کہ ہم کو ان ظالموں کا تختۂ مشق نہ بنائے اس طرح کہ یہ ہم پر اپنے زور و طاقت سے ظلم ڈھاتے رہیں اور ہم ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔ ایسی صورت میں ہمارا دین بھی خطرہ میں ہے۔ اور ان ظالموں یا دوسرے دیکھنے والوں کو یہ ڈینگ مارنے کا موقع ملے گا کہ اگر ہم حق پر نہ ہوتے تو تم پر ایسا تسلط و تفوق کیوں حاصل ہوتا اور تم اس قدر پست و ذلیل کیوں ہوتے۔ یہ خیال ان گمراہوں کو اور زیادہ گمراہ کر دے گا۔ گویا ایک حیثیت سے ہمارا وجود ان کے لیے فتنہ بن جائے گا۔

ف۴ یعنی ان کی غلامی اور محکومی سے ہم کو نجات دے اور دولت آزادی سے مالا مال فرما۔

وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۸۷

اور قائم کرو نماز ف۱ اور خوشخبری دے ایمان والوں کو ف۲

اور قائم کرو نماز۔ اور خوشخبریاں دے ایمان والوں کو۔

اسباب نجات از فرعون و قوم او

قَالَ تَعَالٰی : ﴿فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ ... الی ... وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

پس باوجود ان زبردست معجزات دیکھنے کے بھی ابتداء میں موسیٰ علیہ السلام پر سوائے چند آدمیوں کے جو اس کی قوم سے تھے، کوئی ایمان نہ لایا یعنی شروع شروع میں جب موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر آئے اور حق کی دعوت دینے لگے تو اس وقت ان کی قوم میں سے قدر قلیل لوگ ان پر ایمان لائے اور وہ بھی فرعون اور اپنے سرداروں سے ڈرتے ڈرتے کہ کہیں مبادا فرعون ان کے ایمان کی خبر پا کر ان کو مبتلائے مصیبت نہ کر دے یعنی جو قدرے قلیل لوگ موسیٰ علیہ السلام پر ابتداء میں ایمان لائے وہ فرعون اور اپنے سرداروں سے ڈرتے ڈرتے ایمان لائے اطمینان اور امن ان کو بھی نہ تھا۔ اور ان کا خوف بے جا بھی نہ تھا اس لیے کہ تحقیق فرعون اس زمین میں بڑا زور آور تھا اور اس میں شک نہیں کہ وہ بڑے بے باکوں اور حد سے گزرنے والوں میں سے تھا کہ اس کا ظلم حد سے گزر چکا تھا۔ یا یہ معنی ہیں کہ تکبر اور غرور میں حد سے گزر گیا اور خدائی کا دعویٰ کیا۔ مقصود اس سے آنحضرت ﷺ کو تسلی دینا ہے کہ یہی حال آپ ﷺ کے متبعین کا ہے قدر قلیل ہیں اور فرعون کی طرح کفار قریش مسلمانوں کو طرح طرح سے ستا رہے ہیں یہ سب تکبر اور غرور کا نشہ ہے لہٰذا آپ ﷺ مسلمانوں کی قلت سے رنجیدہ نہ ہوں منکروں کا دل مشکل سے پھرتا ہے۔

ف: ...... تمام بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کو اگرچہ نعمت عظمیٰ جانتے تھے اور دل سے ان کو سچا مانتے تھے مگر ابتداء میں ان کو غلبہ اور شوکت حاصل نہ تھی۔ فرعونیوں کا زور تھا۔ اس لیے لوگ ان سے خوف زدہ تھے اس بنا پر ابتداء بعثت میں چند نوجوانوں نے ہمت کی اور باوجود فرعون کے ڈر کے اپنے ایمان اور اسلام کا اعلان کر دیا باقی لوگ منتظر رہے کہ جب حق کو غلبہ اور عزت حاصل ہوگی۔ اس وقت مسلمان ہو جائیں گے جیسا کہ بہت سے کفار قریش فتح مکہ کے منتظر تھے۔

پس جب آخر میں موسیٰ علیہ السلام کو غلبہ نصیب ہوا اور حق کا کلمہ بلند ہوا تب پوری قوم بنی اسرائیل کی ایمان لے آئی جو چھ لاکھ بالغ مردوں پر مشتمل تھی۔ اس آیت میں شروع شروع کا قصہ بیان کیا گیا ہے کہ ابتداء میں قدرے قلیل آدمی موسیٰ علیہ السلام

= ف۵ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ "جب فرعون کی ہلاکت کا وقت قریب آیا تو حکم ہوا کہ اپنی قوم بنی اسرائیل کو ان میں شامل نہ رکھو اپنا محلہ جدا بساؤ کہ آگے ان پر آفتیں آنے والی ہیں۔ اس وقت تمہاری قوم ظاہری طور پر بھی آفتوں سے الگ تھلگ رہے۔ مفسرین نے ﴿تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا﴾ سے مراد یہ لی ہے کہ اپنے مکانوں میں ٹھہرے رہو اور ان میں سے بعض کو عبادت کے لیے مخصوص کر لو۔

ف۱ فرعون نے مسجدیں اور عبادت گاہیں خراب کر دی تھیں کوئی باہر نکل کر خدا کی عبادت نہ کر سکتا تھا۔ بحالت مجبوری حکم ہوا کہ مکان میں کوئی جگہ نماز کے لیے رکھو جو قبلہ رو ہو۔ نماز ترک مت کرو کہ اسی کی برکت سے خدا کی مدد آتی ہے۔ ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ ہجرت سے پہلے مکہ میں ایسا ہی حال مسلمانوں کا تھا۔

ف۲ دنیا میں فتح و نصرت کی اور آخرت میں نجات و رضائے الٰہی کی۔

پر ایمان لائے باقی آخر میں تمام بنی اسرائیل مسلمان ہو گئے تھے اور بعض علماء تفسیر اس طرف گئے ہیں کہ "من قومه" کی ضمیر فرعون کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ باوجود موسیٰ علیہ السلام کے معجزات قاہرہ دیکھنے کے موسیٰ علیہ السلام پر قوم فرعون میں سے صرف چند آدمی ایمان لائے اور باقی سب نے تکذیب کی پس اے نبی! اگر آپ ﷺ کی قوم بھی معجزات قاہرہ دیکھنے کے بعد آپ ﷺ کی تکذیب کرے تو رنجیدہ نہ ہوں۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اسی قول کو اختیار کیا کہ "من قومه" کی ضمیر فرعون کی طرف راجع ہے۔ اور امام ابن جریر رحمہ اللہ نے قول اول کو اختیار کیا کہ "من قومه" کی ضمیر موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے جب ان اہل ایمان کو فرعون سے خائف دیکھا تو ان سے یہ کہا کہ اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو اور یہ جانتے ہو کہ نفع اور ضرر سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے تو اسی پر بھروسہ کرو۔ وہ تم کو دشمن کے فتنہ سے بچائے گا۔ اگر تم اللہ کے فرماں بردار ہو۔ اور تم نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ اور سپرد کر دیا ہے تو پھر گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔

زندہ کنی عطائے تو ۔۔۔ در بکشی خدائے تو
جاں شدہ مبتلائے تو ۔۔۔ ہر چہ کنی رضائے تو

ایمان واسلام اور توکل صادق اگر جمع ہو گئے تو دیکھ لینا کہ تمہاری ذلت مبدل بہ عزت ہو جائے گی اور فرعون کی عزت مبدل بہ ذلت ہو جائے گی۔ ایمان کے معنی تصدیق اور یقین کے ہیں اور توکل کے معنی اعتماد اور بھروسہ کے ہیں اور اسلام کے معنی سپرد کر دینے کے ہیں۔

سپردم تبو مایہ خویش را ۔۔۔ تو دانی حساب کم وبیش را

اور مطلب یہ ہے کہ اگر ایمان وایقان میں سچے ہو تو تم پر توکل (یعنی اللہ پر اعتماد کرنا) واجب ہے اور توکل کی علامت یہ ہے کہ اپنے آپ کو خدا کے حوالہ اور سپرد کر دو اور اسباب ظاہری سے نظر کو ہٹا لو اس لیے اس آیت میں ایک حکم (یعنی حکم توکل) کو دو شرطوں پر معلق فرمایا اور ایک حکم کو دو شرطوں کے درمیان میں اس لیے ذکر کیا کہ نفس توکل کا وجوب نفس ایمان پر موقوف اور معلق ہے اور صدق توکل کا ظہور اسلام یعنی تفویض وتسلیم پر موقوف اور معلق ہے خوب سمجھ لو۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی یہ کہے اگر تجھے زید بلا دے تو چلا جانا اگر تجھ سے ممکن ہو۔ پس انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے اس موعظت بلیغہ کے جواب میں عرض کیا اے موسیٰ علیہ السلام! ہم نے اللہ پر بھروسہ کر لیا۔ وہی دشمن سے حفاظت کرے گا۔ اب ہماری نظر صرف پروردگار پر ہے۔ اور دعا کرتے ہیں۔ اے پروردگا ہم کو ان ظالم لوگوں کے ظلم کا تختہ مشق نہ بنا تاکہ ایمان کی عزت ظاہر ہو اور ہم کو اپنی رحمت سے اس کافر قوم کے فتنہ کی ذلت سے نجات دے۔ یعنی کفر کا غلبہ ہم سے اٹھا لے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کی دعا قبول کی اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون کی طرف وحی بھیجی کہ فتنہ کفر سے نکلنے کا سامان اس طرح کرو کہ تم دونوں اپنی قوم کے لیے مصر میں گھر بناؤ کہ وہی گھر تمہارے جائے سکونت ہوں اور وہی گھر تمہارے لیے جائے عبادت ہوں۔ مطلب ● یہ ہے کہ اندرون شہر گھر بناؤ۔ بیرون شہر گھر نہ بناؤ تاکہ کسی عبادت یا اجتماع کے لیے تم کو بیرون شہر جانے کی

● آیت کا یہ مطلب ملا مخدوم مہایمی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ اصل عبارت یہ ہے۔ ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ﴾ لحفظ قومهما من فتنة العدو ﴿اَنْ تَبَوَّاٰ﴾ ای اتخذا مبارة ﴿لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ﴾ لا خارجه لئلا یواخذکم بالخروج عن دینه ﴿بُيُوْتًا﴾ لئلا زموها =

ضرورت پڑے اور پھر مبادا تمہاری بات کی خبر تمہارے دشمن کو پہنچے یا یہ مطلب ہے کہ تم بدستور مکانوں میں ٹھہرے رہو اور قبطیوں کے خوف سے اپنے گھروں کو نہ چھوڑو ہم ان کے محافظ ہیں۔ بہرحال آیت میں دو احتمال ہیں یا تو مطلب یہ ہے کہ گزشتہ گھروں کو برقرار رکھو اور بدستور اپنے مکانوں میں ٹھہرے رہو۔ فرعون کے ڈر سے اپنے گھروں کو نہ چھوڑو اللہ تمہارا محافظ اور نگہبان ہے یا یہ مطلب ہے کہ اپنی قوم کے لیے مصر میں نئے مکان تیار کرو جو قبلہ رخ ہوتا کہ سکونت اور عبادت دونوں کے لیے کام دے سکیں اور ﴿بُیُوْتًا﴾ چونکہ نکرہ ہے اس لیے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ نئے گھروں کے بنانے کا حکم دینا مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ تم دونوں مصر میں اپنی قوم کے لیے کچھ اور مکان تیار کرو اور پنے ان گھروں کا رخ قبلہ کی طرف کرو یعنی ان گھروں کو قبلہ رخ بناؤ۔ بیت المقدس کے رخ پر یا کعبہ کے رخ پر کیونکہ ابن عباس اور مجاہد اور قتادہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام خانہ کعبہ کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے اور انہی گھروں میں نماز قائم رکھو۔ خوف کی وجہ سے مسجد کی حاضری معاف کردی گئی۔ لہٰذا اپنے گھروں ہی میں خفیہ نماز پڑھ لیا کرو۔ جیسے ابتداء اسلام میں مومنوں کو حکم ہوا۔ فرعونی، بنی اسرائیل کو مساجد میں نماز پڑھنے سے روکتے تھے اس لیے بحالت مجبوری ان کو حکم دیا گیا کہ اپنے گھروں کو قبلہ کے رخ بنالو اور انہی میں نماز پڑھ لیا کرو تا کہ فرعونیوں کو تمہاری نماز اور عبادت کی خبر نہ ہو اور جب بنی اسرائیل کو فرعونیوں کی طرف سے سخت بلائیں پہنچیں تو حکم ہو کہ کثرت سے نمازیں پڑھا کرو۔ اللہ تعالیٰ نماز کی برکت سے تمہاری یہ بلا اور مصیبت دور کردے گا۔

كما قال تعالىٰ: ﴿قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا﴾ وقال الله تعالىٰ: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾۔

اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کو جب کوئی پریشانی پیش آتی تو نماز پڑھتے (رواہ ابوداؤد) کثرت سے نمازیں پڑھنے سے بلائیں دور ہوتی ہیں۔ اور اہل ایمان کو بشارت سنا دیجئے کہ عن قریب تمہارا دشمن تباہ و برباد ہو جائے گا اور تم کو اس مصیبت سے نجات ملے گی۔ حضرت شاہ عبدالقادر قدس اللہ سرہ اس آیت کا ایک اور مطلب بیان فرماتے ہیں جو نہایت لطیف ہے فرماتے ہیں ''جب فرعون کی ہلاکت کا وقت قریب آیا تو حکم ہوا کہ اپنی قوم یعنی بنی اسرائیل کو ان میں شامل نہ رکھو اپنا محلہ جدا بساؤ کہ آگے ان پر آفتیں آنے والی ہیں اس وقت تمہاری قوم ظاہری طور پر بھی ان آفتوں سے الگ تھلگ رہے اور آپ کی قوم ان کی آفت میں شریک نہ ہو'' انتھی۔ (موضح القرآن)

مطلب یہ ہے کہ جب فرعون اور اس کی قوم پر نزول عذاب کا زمانہ نزدیک آپہنچا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو بذریعہ وحی یہ حکم دیا کہ اپنی قوم سمیت ان کفار نا ہنجار سے علیحدہ ہو جاؤ اور مصر میں اپنی قوم کے لیے علیحدہ اور الگ گھر بناؤ اور اپنا محلہ ہی الگ اور جدا بسا لو اور اپنی قوم کو فرعونیوں میں شامل نہ رکھو تا کہ قوم فرعون پر جب کوئی آفت اور بلا نازل ہو تو تم اس میں شریک نہ ہو اور اپنے گھروں کو قبلہ رخ بنا لو قبلہ رخ ہونے سے قبلہ کے انوار و برکات تمہارے گھروں میں پہنچیں گے۔ اور ان ہی میں کثرت سے نماز پڑھا کرو۔ نماز کی کثرت سے بلائیں دفع ہوتی ہیں۔

= فلا تخرجوا عنها لتجتمعوا للحكايات فيصل خبرهم الى العدو تبصير الرحمٰن: ۱/۳۳۲ اور دوسرا مطلب معروف و مشہور ہے۔
اور تبوؤ کے معنی قرار پکڑنے کے ہیں۔ کما قال تعالیٰ: ﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ﴾ الزموها۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنا محلہ جدا رکھیں اور اپنے مکانات قبلہ رخ بنائیں قبلہ رخ بیٹھنا بھی عبادت ہے۔ محاذات قبلہ، قبلہ کے انوار وتجلیات کو خوب جذب کرتی ہے جمہور مفسرین نے ﴿وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً﴾ کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ اپنے گھروں کو قبلہ رخ بناؤ اور ابن عباس اور سعید بن جبیر اور قتادہ اور ضحاک ﷺ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں "قِبْلَةً" سے متقابلة کے معنی مراد ہیں۔ یعنی مسلمانوں کا ایک ایسا جدا محلہ بناؤ جن کے گھر ایک دوسرے کے مقابل یعنی آمنے سامنے ہوں۔ مسلمان کے سامنے مسلمان ہی کا گھر ہوتا کہ مسلمان کے گھر میں سامنے سے کفر اور شرک کی نجاست کی بدبو نہ آجائے اور اس گھر کی ایمانی آب وہوا کو خراب نہ کرے۔ قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ﴾ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان المؤمن لاینجس جسمانی طبیب ظاہری نجاست کے جراثیم سے تحفظ اور احتیاط کا حکم دیتے ہیں کوڑی کے سامنے گھر بنانے کی اجازت نہیں دیتے اور روحانی طبیب یعنی انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام معنوی نجاست (کفر اور معصیت) کے جراثیم سے تحفظ کا حکم دیتے ہیں۔

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا

اور کہا موسیٰ نے اے رب ہمارے تو نے دی ہے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو رونق اور مال دنیا کی زندگی میں ف۱ اے رب

اور کہا موسیٰ نے، اے رب ہمارے! تو نے دی ہے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو رونق اور مال دنیا کی زندگی میں۔ اے رب!

لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا

اس واسطے کہ بہکائیں تیری راہ سے ف۲ اے رب مٹا دے ان کے مال اور سخت کر دے ان کے دل کہ نہ ایمان لائیں

اس واسطے کہ بہکاویں تیری راہ سے۔ اے رب! مٹا دے ان کے مال اور سخت کر ان کے دل کہ نہ ایمان لاویں،

حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ

جب تک دیکھ لیں عذاب دردناک ف۳ فرمایا قبول ہو چکی دعا تمہاری ف۴ سو تم دونوں ثابت رہو اور مت چلو

جب تک دیکھیں دکھ کی مار۔ فرمایا، قبول ہو چکی دعا تمہاری، سو تم دونوں ثابت رہو، اور مت چلو

ف۱ یعنی ہر قسم کا سامان رونق وآسائش کا دیا۔ مثلاً حسن صورت، سواری، عمدہ پوشاک، اثاث البیت وغیرہ اور مال ودولت کے خزانے، سونے چاندی وغیرہ کی کانیں عطا فرمائیں۔

ف۲ اگر لِيُضِلُّوْا میں لام تعلیل لیا جائے تو مطلب یہ ہے کہ تکوینی طور پر یہ سامان ان نابکاروں کو اس لیے دیا گیا کہ مغرور ہو کر خود گم راہ ہوں اور دوسروں کو گم راہ کرنے میں خرچ کریں۔ بڑی آزادی سے دل کھول کر زور لگا لیں، آخر میں دیکھ لیں گے کہ وہ کچھ بھی کام نہ آیا۔ جب خالق خیر وشر کا اللہ ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا کوئی فعل خالی از حکمت نہیں ہو سکتا۔ لامحالہ "خلق شر" میں بھی مجموعہ عالم کے اعتبار سے کوئی حکمت ضرور ہو گی۔ وہی حکمت شریروں کو اس قدر سامان دیے جانے میں سمجھ لیجئے۔ ﴿كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ﴾ (بنی اسرائیل، رکوع ۲) ﴿اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا﴾ (آل عمران، رکوع ۱۸) بعض مفسرین نے "لِيُضِلُّوْا" میں "لام عاقبۃ" لیا ہے جیسے فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا میں "لام عاقبۃ" ہے۔ اس وقت مطلب یہ ہو گا کہ یہ سامان دیا تو اس لیے تھا کہ امور خیر میں خرچ کریں اور نعمتوں کو لے کر منعم حقیقی کو پہچانیں۔ اس کے شکر گزار بندے بنیں مگر اس کے برخلاف انہوں نے اپنی بدبختی سے خدا کی نعمتوں کو لوگوں کے بہکانے اور گم راہ کرنے میں ایسا بے دریغ خرچ کیا گویا وہ اسی کام کے لیے ان کو دی گئی تھیں، اس تفسیر پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔ =

سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

راہ ان کی جو ناواقف ہیں ف ۱

راہ ان کی جو انجان ہیں۔

بقیہ قصہ موسویہ

قال تعالیٰ: ﴿وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ ... الى ... الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾

اور موسیٰ علیہ السلام جب قوم فرعون کے ایمان سے ناامید ہوئے اور بذریعہ وحی یا نور نبوت سے ان کو معلوم ہوگیا کہ ان میں کوئی خیر نہیں تو یہ بددعا کی۔ اے پروردگار کیا آپ نے فرعون کو اور اس کے گروہ کو سامان آرائش اور قسم قسم کے مال دنیاوی زندگی میں اس لیے عطا کیے ہیں تاکہ عالم کو تیرے راستہ سے گم راہ کریں۔ یعنی اے پروردگار تو نے ان کو یہ مال و دولت اس لیے عطا کیا تھا کہ تیری نعمت کا شکر کریں اور اس کو آخرت کی عزت کا ذریعہ بنائیں مگر ان لوگوں نے تیری ناشکری کی اور تیرے دیئے مال پر اتنے مغرور ہوئے کہ تیرے احکام کا مقابلہ کرنے لگے اس لیے یہ اس قابل نہیں رہے کہ ان کے اموال اور نفوس کو باقی رکھا جائے اس لیے یہ درخواست کرتا ہوں کہ اے پروردگار ان کے مالوں کو ملیامیٹ کردیجئے تاکہ غرور اور تکبر کا سامان ہی ختم ہو اور ان کے دلوں کو ایسا سخت کردیجئے کہ ایمان اور ہدایت کو قبول کرنے کے لیے ان کے دل نرم نہ پڑیں بلکہ روز بروز ان کا کفر اور عناد بڑھتا ہی چلا جائے یہاں تک کہ جب جرم کا پیمانہ لب ریز ہوجائے اور دردناک عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں تب مجبور ہوکر ایمان کا کلمہ پڑھیں۔ مطلب یہ ہے کہ مرنے سے پہلے یہ لوگ عذاب الیم کو دیکھ لیں اور عذاب الیم کو دیکھ کر جبراً وقہراً کلمہ ایمان کا پڑھیں جس سے ساری عمر ناک چڑھاتے رہے اور ظاہر ہے کہ عذاب کو دیکھ کر ایمان لانا نافع اور مفید نہیں کیونکہ یہ وقت ایمان کا نہیں۔ ایمان کا وقت پہلے تھا جو گزر گیا۔ جو وقت ایمان لانے کا تھا وہ تو سارا کفر اور تکذیب میں گزرا جب قدرت واختیار ختم ہوا تب ایمان کا کلمہ پڑھا۔

وقت ہر کار نگہدار کہ نافع نبود   نوشدارو کہ پس از مرگ بہ بیمار دہند

ف ۳ جب موسیٰ علیہ السلام مدت دراز تک ہر طرح ہدایت کرچکے اور عظیم الشان معجزات دکھلا چکے مگر معاندین کا محو دعناد بڑھتا ہی رہا۔ حتیٰ کہ تجربہ اور طول صحبت یا وحی الٰہی سے پوری طرح ثابت ہوگیا کہ یہ لوگ کبھی ایمان لانے والے نہیں، تب ان کی ہلاکت کی دعاء فرمائی، تاکہ ان کی گندگی سے دنیا جلد پاک ہو اور دوسروں کے لیے ان کی بدانجامی درس عبرت بنے۔ آپ علیہ السلام نے بددعا کی کہ خداوندا! ان کے اموال کو تباہ اور ملیامیٹ کردے اور ان کے دلوں پر سخت گرہ لگا دے جن میں کبھی ایمان ویقین نفوذ نہ کرے۔ بس اسی وقت یقین حاصل ہو جب اپنی آنکھوں سے عذاب الیم کا مشاہدہ کرلیں یہ دعاء ان کے حق میں ایسی سمجھو جیسے ابلیس کو "لعنۃ اللہ" یا کفار کو "خَذَلَهُمُ اللّٰهُ" کہا جاتا ہے۔ حالانکہ ان کی ملعونیت وخذلان کا قطعی فیصلہ پیشتر سے کیا جاچکا ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے آیت کی تقریر دوسری طرز سے کی ہے فرماتے ہیں" سچے ایمان کی ان سے امید نہ تھی مگر جب کچھ آفت پڑتی تو جھوٹی زبان سے کہتے کہ اب ہم مانیں گے اس میں عذاب تھم جاتا کام فیصل نہ ہوتا۔ دعاء اس واسطے مانگی کہ یہ جھوٹا ایمان نہ لائیں دل ان کے سخت رہیں تاکہ عذاب پڑ چکے اور کام فیصل ہو۔"

ف ۴ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ دعا کرتے تھے اور ہارون علیہ السلام آمین کہتے جاتے تھے۔ اس لحاظ سے "دعوتکما" فرمایا۔

ف ۱ یعنی اپنا کام استقلال اور ثابت قدمی سے انجام دیتے رہو۔ اگر قبول دعاء کے آثار دیر سے ظاہر ہوں تو نادان لوگوں کی طرح شتابی مت کرو، وقت مقدر پر یہ ہی ہو کر رہے گا، گھبرانے سے کچھ حاصل نہیں۔

خدا نے فرمایا: اے موسیٰ و ہارون علیہما السلام تحقیق تم دونوں کی دعا قبول ہوئی۔ دعا مانگنے والے تو صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے چونکہ حضرت ہارون علیہ السلام ان کی دعا پر آمین کہتے جاتے تھے اور آمین بھی حقیقت میں دعا ہے اس لیے دعا کی نسبت دونوں کی طرف کی گئی کہ تم دونوں کی دعا قبول ہوئی۔ ہم عن قریب ان کے اموال اور نفوس کی ہلاکت کرنے والے ہیں۔ سو تم دونوں بے فکر ہو کر اپنے منصبی کام یعنی دعوت و تبلیغ پر جمے رہو اور تاخیر عذاب سے غمگین نہ ہو تمہاری دعا قبول ہو چکی ہے۔ مگر اس کا ظہور اپنے وقت پر ہوگا اور تم نادانوں کی راہ پر نہ چلنا جو جلدی چاہتے ہیں یا جن کو وعدہ الٰہی پر اطمینان نہیں ہوا۔ سو تم یقین جانو کہ تمہاری دعا قبول ہو چکی ہے اور ان پر عذاب ضرور نازل ہوگا۔ مگر بمقتضائے حکمت و مشیت اس میں کچھ توقف ہوگا اور اپنے وقت مقررہ پر اس کا ظہور ہوگا۔ جلد بازی اور بے اطمینانی یہ کام نادانوں کا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو فرمایا۔ ﴿اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ﴾۔

ف:...... شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”سچے ایمان کی ان سے امید نہ تھی مگر جب کچھ آفت پڑتی تو جھوٹی زبان سے کہتے کہ اب ہم مانیں گے۔ اس میں عذاب تھم جاتا کام فیصل نہ ہوتا دعا اس لیے مانگی کہ یہ جھوٹا ایمان نہ لائیں دل ان کے سخت رہیں تا کہ عذاب پڑ چکے اور کام فیصل ہو پھر فرمایا کہ شتابی نہ کرو حکم کی راہ دیکھو“۔ (موضح القرآن)

ایک شبہ:...... رسول علیہ السلام تو اپنی قوم کے لیے ہدایت اور ایمان چاہتا ہے نہ کہ گمراہی اور کفر۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے یہ بددعا کیسے فرمائی۔

جواب:...... جب ان کا کفر اور عناد حد سے گزر گیا اور وحی الٰہی کے ذریعے سے معلوم ہو گیا کہ ایمان لانے والے نہیں تو موسیٰ علیہ السلام نے بھی نوح علیہ السلام کی طرح بددعا کی کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ﴾ تب نوح علیہ السلام نے بددعا کی ﴿رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ۝ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ یُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا یَلِدُوْۤا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴾۔ ایسے ہی موسیٰ علیہ السلام نے بعد علم کے یہ دعا فرمائی۔

نکتہ:...... غیر کے کفر پر راضی ہونا تو جب کفر ہے کہ جب کفر کو جائز اور مستحسن سمجھے اور اگر کسی ظالم اور موذی اور معاند کے حق میں یہ بددعا کرے کہ اللہ اس ظالم اور موذی سے انتقام لے اور کفر پر اسے موت دے تو اس میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں بغض فی اللہ کی وجہ سے کسی عدو اللہ کی دینی اور دنیاوی تباہی کی بددعا کرنا عین ایمان ہے خصوصاً جب کہ وحی یا الہام صحیح کے ذریعہ معلوم ہو جائے کہ خبیث اپنی خباثت سے باز نہیں آئے گا یا یہ معلوم ہو جائے کہ قضاء و قدر میں یہ طے ہو چکا ہے کہ یہ شخص راہ راست پر نہیں آئے گا۔ تو ایسے شخص کے حق میں موت علی الکفر اور سلب ایمان کی دعا جائز ہے جیسے خضر علیہ السلام کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ نابالغ بچہ کفر ہی پر مرے گا تو اس کو قتل کر دیا (روح المعانی و شیخ زادہ: ۵/۵۶)

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ

اور پار کر دیا ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پھر پیچھا کیا ان کا فرعون نے اور اس کے لشکر نے شرارت سے اور تعدی سے یہاں تک کہ

اور پار کیا ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے، پھر پیچھے پڑا ان کے فرعون اور اس کے لشکر، شرارت سے اور زیادتی سے۔ جب تک کہ

أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ آمَنتُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا الَّذِي آمَنَتْ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ

جب ڈوبنے لگا بولا یقین کرلیا میں نے کہ کوئی معبود نہیں مگر جس پر کہ ایمان لائے بنی اسرائیل اور میں ہوں

پہنچا اس پر دباؤ، کہا، یقین جانا میں نے، کہ کوئی معبود نہیں مگر جس پر یقین لائے بنی اسرائیل، اور میں ہوں

الْمُسْلِمِينَ ﴿٩٠﴾ آلْآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ﴿٩١﴾ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ

فرمانبرداروں میں اب یہ کہتا ہے اور تو نافرمانی کرتا رہا اس سے پہلے اور رہا گمراہوں میں ف۱ سو آج بچائے دیتے ہیں

حکم برداروں میں۔ اب یہ کہنے لگا! اور تو بےحکم رہا پہلے اور رہا بگاڑ والوں میں۔ سو آج بچاویں گے

بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً ۚ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ ﴿٩٢﴾ ع

ہم تیرے بدن کو تاکہ ہووے تو اپنے پچھلوں کے واسطے نشانی اور بیشک بہت لوگ ہماری قدرتوں پر توجہ نہیں کرتے ف۲

ہم تجھ کو تیرے بدن سے، تو ہوئے تو اپنے پچھلوں کو نشانی، اور البتہ بہت لوگ ہماری قدرتوں پر دھیان نہیں کرتے۔

بقیہ قصہ موسویہ وغرقابی فرعون

قَالَ تَعَالَىٰ: ﴿وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ... الی ... عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ﴾

ف۱ موسیٰ علیہ السلام کئی لاکھ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے، فرعون کو خبر ہوئی تو ایک لشکر جرار لے کر تعاقب کیا۔ تاکہ اس کے پنجہ ظلم سے چھوٹنے نہ پائیں۔ بنی اسرائیل جب بحر قلزم کے کنارے پہنچے تو سخت پریشان ہوئے، آگے سمندر اور پیچھے فرعون کا لشکر دباتا چلا آرہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے تسلی دی اور حق تعالیٰ کے حکم سے لاٹھی دریا پر ماری۔ سمندر کا پانی ادھر ادھر کھڑا ہوگیا اور درمیان میں خدا نے بارہ راستے خشک بنادیئے۔ یہ پار ہوئے، ادھر فرعون لشکر سمیت سمندر کے کنارے پہنچ گیا۔ خشک راستے دیکھ کر سب نے اسی میں گھوڑے ڈال دیے جب ایک ایک کر کے تمام فوج دریا کے وسط میں پہنچی، پانی کو حکم ہوا کہ مل جائے فوراً پانی کے طبقات مل گئے، سب لشکر اور سامان موجوں کی نذر ہوگیا۔ فرعون نے دیکھا کہ اب ڈوبتا ہوں اس وقت گھبرا کر ایمان و اسلام کا لفظ زبان پر لایا کہ شاید بنی اسرائیل کا خدا "ایمان" کا لفظ سن کر دریا کی موجوں سے باہر نکال دے۔ اس پر خدا کی طرف سے ارشاد ہوا ﴿آلْآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ﴾ الخ یعنی ساری عمر مخالف ہو کر گمراہی پھیلاتا اور شرارتیں کرتا رہا۔ اب عذاب دیکھ کر یقین لایا اس وقت کا یقین کیا معتبر ہے۔ ﴿فَلَمْ يَكُ يَنفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا ۖ سُنَّتَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ ۖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكَافِرُونَ﴾ (المومن، رکوع ۹)

(تنبیہ) قبض روح اور معائنہ عذاب کے وقت ایمان لانا "ایمان غرغرہ" یا "ایمان باس" یا "ایمان یاس" کہلاتا ہے۔ جو "اہل السنت والجماعت" کے نزدیک نافع نہیں شیخ عبدالوہاب شعرانی نے "کتاب الیواقیت والجواہر" میں "فتوحات مکیہ" سے عبارت نقل کی ہے۔ جس میں ایمان فرعون کی بابت یہی تصریح ہے اور دیباچہ میں لکھا ہے کہ "فتوحات" کے نسخوں میں ملحدین وزنادقہ نے بہت سی عبارتیں مدسوس کردی ہیں میرے پاس جو نہایت مستند معتبر نسخہ "فتوحات" کا ہے اس میں ان عبارتوں کا پتہ نہیں واللہ اعلم۔

(فائدہ) اخیر وقت میں فرعون سے لفظ "امنت" کہلا کر حضرت موسیٰ کی دعاء ﴿فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ﴾ کی مقبولیت کا خدا نے مشاہدہ کرادیا۔

ف۲ "موضح القرآن" میں ہے کہ جیسا بے وقت ایمان لایا، بے فائدہ، ویسا ہی اللہ نے مرے پیچھے اس کا بدن دریا میں سے نکال کر ٹیلے پر ڈال دیا کہ "بنی اسرائیل" دیکھ کر شکر کریں اور پیچھے آنے والے اس کے حال سے عبرت پکڑیں۔ ورنہ اس کو بدن کے بچنے سے کیا فائدہ۔ جیسا بے فائدہ ایمان تھا ویسی ہی بے فائدہ نجات مل گئی۔ جدید تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ فرعون کی لاش آج تک محفوظ چلی آتی ہے لیکن الفاظ قرآنی کی صحت اس کے ثبوت پر موقوف نہیں (اتفاق) بنی اسرائیل کے نجات پانے اور فرعون کے غرق ہونے کا واقعہ "عاشوراء" کے دن ہوا۔ اور اتفاق سے آج بھی جب بندہ یہ سطریں لکھ رہا ہے" یوم عاشوراء ۱۳۴۸ ہجری ہے۔ خدا ہم کو دنیا و آخرت میں اپنے عذاب سے محفوظ رکھے اور دشمنان دین کا بیڑا غرق کرے۔ آمین۔

اور جب قبولیت دعاء موسوی کا وقت آپہنچا اور ہم نے فرعون کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی نجات کا ارادہ کیا تو موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر نکل جائیں کہ قبطیوں پر عذاب نازل ہونے کا وقت قریب آ گیا ہے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام فرعون کی غفلت میں چھ لاکھ بنی اسرائیل کو اپنے ساتھ لے کر مصر سے روانہ ہوئے فرعون کو جب خبر لگی تو اس نے اپنے لشکر سمیت ان کا پیچھا کیا اور ایسے موقع پر ان کو جالیا کہ دریائے قلزم ان کے آگے تھا۔ جب بنی اسرائیل نے یہ دیکھا کہ سمندر تو آگے ہے اور دشمن پیچھے ہے اور ہم درمیان میں گھرے ہوئے ہیں ایسی حالت میں سمندر سے کیسے پار ہوں گے تو اس وقت ہم نے اپنی قدرت اور حکمت سے بنی اسرائیل کو دریائے قلزم سے صحیح سلامت پار اتار دیا جس کی صورت یہ ہوئی کہ موسیٰ علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے دعا کی خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اے موسیٰ! اپنا عصا سمندر پر مارو موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر لاٹھی ماری سمندر بیچ سے پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا اور سمندر کا پانی ادھر ادھر کھڑا ہو گیا اور درمیان میں خدا تعالیٰ نے بارہ راستے پیدا کر دیئے ہر سبط کے لیے ایک راستہ ہو گیا بنی اسرائیل ان خشک راستوں سے پار ہو گئے اور سرحد کنعان میں داخل ہو گئے اور فرعون اور اس کا لشکر، سمندر کے دوسرے کنارے کھڑا دیکھ رہا ہے۔ پھر فرعون اور اس کا لشکر ظلم اور زیادتی کے ارادے سے ان کے پیچھے پیچھے چلا اور خشک راستے دیکھ کر دریا میں داخل ہوا کہ دریا سے پار ہو کر ان سب کو قتل کر دوں گا۔ یہاں تک کہ جب فرعون اور اس کا لشکر ایک ایک کر کے سمندر کے بیچ پہنچ گیا تو پانی کو حکم ہوا کہ مل جائے۔ پانی فوراً مل گیا اور راستے ختم ہو گئے اور سمندر رواں ہو گیا اور موجیں مارنے لگا فرعون اور اس کا لشکر غرق ہو گیا اور فرعون کو جب غرقابی نے پکڑا اور اس کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا اس وقت گھبرا کر ایمان اور اسلام کا لفظ زبان پر لایا اور یہ کہا کہ میں ایمان لایا اور یقین کیا کہ اس خدا کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر موسیٰ علیہ السلام کی دعوت سے بنی اسرائیل ایمان لائے اور بنی اسرائیل کی طرح میں بھی مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ہوں جس طرح بنی اسرائیل حق تعالیٰ کی وحدانیت اور موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت پر ایمان لا کر مسلمان بنے تھے اسی طرح میں بھی مسلمانوں کے زمرہ میں داخل ہوتا ہوں۔

نکتہ: ...... خدا تعالیٰ کی قدرت اور موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا کرشمہ دیکھئے کہ خدائے تعالیٰ آخر وقت میں فرعون کے منہ سے لفظ امنت نکلوا کر موسیٰ علیہ السلام کی دعا ﴿فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴾ کی قبولیت کا مشاہدہ کرا دیا کہ ان کی دعا لفظ بہ لفظ قبول ہوئی کہ عذاب کو دیکھ کر ہی ایمان لایا اس سے پہلے ایمان نہ لایا۔ اور اس وقت جب ڈوبنے لگا تو اظہار ایمان میں خوب مبالغہ کیا تین طرح اظہار ایمان کیا ایک تو ﴿اٰمَنْتُ﴾ کا لفظ کہا دوم ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ﴾ کہا اور سوم ﴿وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ کہا۔ حالانکہ ایمان کے لیے ایک بار کہنا ہی کافی تھا۔ حق تعالیٰ کی طرف سے جواب میں کہا گیا اب ایمان کا کلمہ پڑھنے لگا جب اپنی جان سے ناامید ہوا تاکہ غرق سے نجات پائے اور پہلے تو نافرمانی کرتا رہا اور تو مفسدوں میں سے تھا یعنی اب ایمان لانے سے کیا فائدہ جب ایمان لانے کا وقت تھا تو نافرمان اور سرکش بنا رہا۔ اور اس وقت بھی جو کلمہ ایمان پڑھ رہا ہے وہ دنیاوی ذلت اور مصیبت سے نجات پانے کے لیے پڑھ رہا ہے اور ایسے وقت کا ایمان کہ جب موت سر پر آ گئی ہو معتبر نہیں ایمان وہ معتبر ہے جو اپنے اختیار سے ہو اور جب انسان اپنی جان سے ناامید ہو جائے اور کوئی اختیار اس کا باقی نہ رہے ایسے وقت کا ایمان معتبر نہیں کما قال تعالیٰ: ﴿فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا

كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ۝ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ۭ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ۝

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ جب فرعون نے ﴿اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَاۗءِيْلَ﴾ کہا اس وقت میرا حال عجیب تھا۔ کاش آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اس وقت دیکھتے کہ میں سمندر سے کیچڑ لے کر فرعون کے منہ میں ٹھونستا تھا کہ کہیں (کلمۂ ایمان کی برکت سے) اس کو اللہ کی رحمت نہ پہنچ جائے (رواہ الترمذی) کیونکہ اللہ کی رحمت اس کے غضب پر سابق ہے جبرئیل امین علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ اگر رحمت خداوندی سے اس وقت یہ عدو اللہ غرقابی سے بچ گیا تو پھر کفر کا جھنڈا بلند کرے گا۔ اس لیے اس کا غرق ہونا ہی بہتر ہے اور بعض روایات میں یہ لفظ آئے ہیں۔ مخافته ان تدرکه رحمة الله فیغفر له، مجھے ڈر رہا کہ اس کو اللہ کی رحمت پکڑ لے۔ اور اس کی مغفرت ہو جائے یعنی اس وقت غرق سے بچ جائے اور بچ کر راہ راست پر آ جائے اور موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور حسب قاعدہ شریعت الاسلام یهدم ما کان قبله ایمان لانے سے اس کے گناہوں کی مغفرت ہو جائے۔

اگر در دہد یک صلائے کرم عزازیل گوید نصیبے برم

جبریل امین علیہ السلام کو معلوم تھا کہ ایسے وقت کا ایمان مقبول نہیں مگر یہ بھی جانتے تھے کہ خدائے تعالیٰ قادر مطلق ہے بڑے سے بڑے مجرم کو معاف کر سکتا ہے۔

حکایت:...... بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ جبرئیل امین علیہ السلام فرعون کے پاس ایک استفتاء لے کر آئے جس کا مضمون یہ تھا کہ امیر کا اس غلام کے بارے میں کیا فتویٰ ہے جو آقا کے مال و نعمت میں پلا پھر اس غلام نے اپنے آقا کی نعمت کا کفران کیا اور اس کا حق نہ مانا اور خود آقا ہونے کا دعویٰ کیا تو ایسے غلام کا کیا حکم ہے۔ فرعون نے اپنے ہاتھ سے اس کا جواب لکھا کہ ایسے غلام کی سزا یہ ہے کہ اس کو سمندر میں ڈبو دیا جائے اور اس فتویٰ پر جبریل امین علیہ السلام نے فرعون سے دست خط بھی لے لیے۔ فرعون نے اپنے قلم سے لکھ دیا کہ یہ وہ جواب ہے کہ جو ابو العباس ولید بن مصعب یعنی فرعون نے لکھا ہے جب فرعون غرق ہونے لگا اور ایمان ظاہر کرنے لگا تو جبریل امین علیہ السلام نے اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا فتویٰ اس کو دکھلایا اور کہا کہ فتوے کے بموجب تیرے ساتھ یہ ہو رہا ہے۔

پس آج ہم تیرے بے جان بدن کو سمندر سے نکال کر کسی اونچی جگہ پر ڈال دیں گے۔ تاکہ تیری یہ لاش تیرے پچھلوں کے لیے نشانی بنے۔ لوگ تیرے مردہ بدن کو دیکھ کر یہ سمجھ جائیں کہ انسان خدا نہیں ہو سکتا۔ جب فرعون کا لشکر غرق ہوا تو بنی اسرائیل کو فرعون کے غرق ہونے کا یقین نہ آیا۔ اس لیے اللہ جل شانہ نے اس کے مردہ جسم کو دریا کے کنارے پر ڈال دیا۔ جب لوگوں نے اس کی لاش کو دیکھ لیا تب ان کو اس کی موت کا یقین آیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے لوگ ہمارے دلائل قدرت اور نشانات عبرت سے اب بھی غافل ہیں کفر کی ذلت کے واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور پھر بھی عبرت نہیں پکڑتے۔

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى

اور جگہ دی ہم نے بنی اسرائیل کو پسندیدہ جگہ اور کھانے کو دیں ستھری چیزیں ف۱ سو ان میں پھوٹ نہیں پڑی یہاں تک کہ

اور جگہ دی ہم نے بنی اسرائیل کو، پوری جگہ دینی، اور کھانے کو دیں ستھری چیزیں۔ سو وہ پھوٹے نہیں جب تک

جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾

پہنچی ان کو خبر بیشک تیرا رب ان میں فیصلہ کرے گا قیامت کے دن جس بات میں کہ ان میں پھوٹ پڑی ف۲

آ چکی ان کو خبر۔ اب تیرا رب ان میں فیصلہ کرے گا قیامت کے دن، جس بات میں وہ پھوٹ رہے تھے۔

تتمہ قصہ موسویہ وتذکیر انعام خداوند جلیل وشکایت بنی اسرائیل

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ... الی ... فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾

ربط: ...... یہ قصہ موسویہ کا تتمہ اور خاتمہ ہے جس میں اول اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنی نعمت عظمیٰ یاد دلائی کہ ہم نے تم کو کیسے موذی سے نجات دی اور ملک مصر اور ملک شام کا تم کو وارث بنایا اور پھر بنی اسرائیل کی شکایت کی کہ تم نے کفران نعمت کیا اور علم آ جانے کے بعد تم نے اختلاف کیا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار اتارنے اور فرعون کے غرق کرنے کے بعد ایک اچھے ٹھکانہ پر جا بٹھایا یعنی ان کو ملک شام میں آباد کر دیا اور سرزمین مصر کا مالک بنا دیا اور ہم نے پاکیزہ چیزیں ان کو کھانے کو دیں۔ یعنی ہم نے بنی اسرائیل کی ذلت کو عزت میں بدل دیا۔ اور ان کے فقر و تنگ دستی کو مال و دولت

ف۱ یعنی فرعونیوں کو ہلاک کر کے اول ملک مصر دیا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد عمالقہ کو نکال کر ملک شام دیا گیا۔ دونوں ملک سرسبز وشاداب ہیں جہاں ستھری اور لذیذ چیزوں کی افراط ہے۔ غرض یہ ہے کہ بنی اسرائیل حلال وطیب نعمتوں سے مالا مال کر دیئے گئے۔

ف۲ یعنی مادی انعام واکرام کے ساتھ دینی وروحانی نعمت سے سرفراز فرمایا کہ تورات شریف کا علم دیا۔ جس میں دین کے اصول وفروع بیان ہوئے تھے۔ اور اگلے پچھلوں کے متعلق خبریں تھیں ان واضح حقائق سے خبردار ہونے کے بعد لائق نہ تھا کہ ایسی صاف چیزوں میں اختلاف کر کے آپس میں پھوٹ ڈالیں اور فرقہ بندی کی نحوست میں گرفتار ہوں۔ مگر باوجود علم صحیح اور خبر صادق پہنچ جانے کے طرح طرح کے اختلافات پیدا کیے اور پھوٹ ڈال کر رہے۔ بعض احکام میں اپنے پیغمبر (موسیٰ علیہ السلام) سے بھی کٹ حجتی کی جیسا کہ ذبح بقر کے واقعہ میں گزرا۔ بعد میں آنے والے پیغمبروں خصوصاً خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض نے تصدیق اور اکثروں نے تکذیب کی، حالانکہ ان کے متعلق بہت سی پیشین گوئیوں پر مطلع ہو چکے تھے۔ بلکہ بعثت محمدی سے پہلے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے منتظر تھے اور مشرکین سے کہتے تھے کہ ہم پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر تمہاری خبر لیں گے۔ نہ صرف اسی مسئلہ میں اختلاف ہوا بلکہ خود اپنے مذہب میں تحریف کر کے اصول وفروع بدل ڈالے اور رفتہ رفتہ بیسیوں فرقے پیدا ہو گئے۔ مسیح علیہ السلام سے تین سو برس بعد قسطنطین اعظم جو ایک فلسفی مزاج بادشاہ تھا، از راہ نفاق دین نصرانیت میں داخل ہوا تو پادریوں نے اس کی خاطر جدید قوانین وضع کیے اور نئی شریعت بنائی۔ اس نے ان کے لیے بڑے بڑے گرجا اور معابد ومشاہد تعمیر کرائے اور اس نئے دین مسیحی کی جو اصل مسیحیت کو بگاڑ کر تیار کیا گیا تھا خوب اشاعت ہوئی بجز چند تارک الدنیا راہبوں کے جو بستیوں سے الگ جنگلوں اور پہاڑوں میں جا رہے تھے۔ کوئی شخص اصلی دین مسیحی پر قائم نہ رہا تھا۔ صلیب کی پرستش، مشرق کی طرف نماز پڑھنا، کلیساؤں میں مسیح ومریم وغیرہ کی تصاویر پوجنا، خنزیر وغیرہ کو حلال کرنا اور اسی طرح کی تحریفات نے حقیقی مسیحیت کو بالکل مسخ کر ڈالا۔ اور یہی مسخ شدہ مسیحیت ساری دنیا میں پھیل گئی۔ یہ زمانہ تھا جب ملک شام، بیت المقدس، جزیرہ اور بلاد روم پر "نصاریٰ" کا تسلط تھا، تا آنکہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان ممالک کو نصاریٰ کے قبضہ سے نکالا۔ وللہ الحمد والمنہ

سے بدل دیا ان کو چاہئے تھا کہ سب مل کر اللہ تعالیٰ کے شکر اور اس کی محبت اور اطاعت میں غرق ہو جاتے کہ اس نے دشمن کی عزت و دولت اس سے چھین کر تم کو دے دی لیکن یہ تو اختلاف میں پڑ گئے پس انہوں نے نہیں اختلاف ڈالا دین حق میں یعنی اپنے دین کے بارے میں یا آنحضرت ﷺ کی نبوت کے بارے میں یہاں تک کہ ان کے پاس احکام توریت کا علم پہنچ گیا اور ان کو یقین ہو گیا کہ اصل عزت وہدایت اتباع شریعت میں ہے مال و دولت کی عزت چند روزہ اور فانی ہے۔ چاہئے تھا کہ سب اتباع شریعت پر متفق ہو جاتے۔ جس کے ذریعے یہ عزت ملی لیکن افسوس کہ مختلف ہو گئے یا یہ معنی ہیں کہ بنی اسرائیل کو علم تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ وہی نبی آخر الزمان ہیں جن کی نعتیں اور صفتیں توریت اور انجیل میں مذکور ہیں اور بنی اسرائیل آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے آپ ﷺ کی نبوت پر ایمان رکھتے تھے اور آپ ﷺ کی آمد اور ظہور کے منتظر تھے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مبعوث کیا تو از راہ حسد و عداوت آپ ﷺ کے بارے میں اختلاف کیا بعض آپ ﷺ پر ایمان لائے اور بعض نے انکار کیا (اے نبی) کچھ شک نہیں کہ تیرا پروردگار قیامت کے دن ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ دنیا میں اختلاف کیا کرتے تھے۔ قیامت کے دن ظاہر ہو جائے گا کہ ان کا یہ اختلاف حسد اور عداوت اور جہالت کی بناء پر تھا۔

فَإِن كُنتَ فِي شَكٍّ مِّمَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ فَسْـَٔلِ ٱلَّذِينَ يَقْرَءُونَ ٱلْكِتَـٰبَ مِن قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ

سو اگر تو ہے شک میں اس چیز سے کہ اتاری ہم نے تیری طرف تو پوچھ ان سے جو پڑھتے ہیں کتاب تجھ سے پہلے بیشک

سو اگر تو ہے شک میں اس چیز سے جو اتاری ہم نے تیری طرف، تو پوچھ ان سے جو پڑھتے ہیں کتاب تجھ سے آگے۔ بیشک

جَآءَكَ ٱلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ ٱلْمُمْتَرِينَ ﴿٩٤﴾ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ ٱلَّذِينَ كَذَّبُوا۟

آئی ہے تیرے پاس حق بات تیرے رب سے سو تو ہرگز مت ہو شک کرنے والا اور مت ہو ان میں جنہوں نے جھٹلایا

آیا ہے تجھ کو حق تیرے رب سے، سو تو مت ہو شبہ لانے والا۔ اور مت ہو ان میں جنہوں نے جھٹلائیں

بِـَٔايَـٰتِ ٱللَّهِ فَتَكُونَ مِنَ ٱلْخَـٰسِرِينَ ﴿٩٥﴾ إِنَّ ٱلَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا

اللہ کی باتوں کو پھر تو بھی ہو جائے خرابی میں پڑنے والا جن پر ثابت ہو چکی بات تیرے رب کی وہ ایمان

باتیں اللہ کی، پھر تو بھی ہووے خراب ہونے والا۔ جن پر ٹھیک آئی بات تیرے رب کی وہ نہ

يُؤْمِنُونَ ﴿٩٦﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ ءَايَةٍ حَتَّىٰ يَرَوُا۟ ٱلْعَذَابَ ٱلْأَلِيمَ ﴿٩٧﴾

نہ لائیں گے اگرچہ پہنچیں ان کو ساری نشانیاں جب تک نہ دیکھ لیں عذاب دردناک ف۱

مانیں گے۔ اگرچہ پہنچیں ان کو ساری نشانیاں، جب تک نہ دیکھیں دکھ کی مار۔

ف۱ بظاہر یہ خطاب پیغمبر علیہ السلام کو ہے لیکن حقیقت میں آپ علیہ السلام کو مخاطب بنا کر دوسروں کو سنانا مقصود ہے جو ایک امی کی زبان سے ایسے عظیم الشان حقائق و واقعات سن کر حیرت زدہ رہ جاتے ہیں اور جہل و تعصب کی وجہ سے ان کی واقعیت میں شک و تردد کا اظہار کرنے لگتے ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ آپ علیہ السلام خود اپنی لائی ہوئی چیزوں میں کیسے شک و شبہ کر سکتے تھے اور جس کی طرف تمام دنیا کو دعوت دیتے اور پہاڑ سے زیادہ مضبوط یقین سننے والوں کے قلوب میں پیدا کر دیتے =

اثبات حقانیت قرآن بطرز خاص

قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَإِن كُنتَ فِي شَكٍّ مِّمَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ... الی... يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ﴾

ربط:...... انبیاء سابقین علیہم السلام کے واقعات بیان کرنے کے بعد قرآن کریم اور دین اسلام کی حقانیت معلوم کرنے کا ایک طریقہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کفار قریش کو اس بارہ میں شک ہے تو علماء اہل کتاب سے پوچھ لیں جن کے علم و فضل کا خود ان کو اقرار ہے چنانچہ فرماتے ہیں: سو، اے انسان! اگر تو اس قرآن کے من جانب اللہ ہونے کی طرف سے شک میں ہے جو ہم نے بواسطہ محمد رسول اللہ ﷺ تیری طرف اتارا ہے تو اس شک کے دفع کرنے کا سہل طریقہ یہ ہے کہ تو ان لوگوں سے پوچھ لے جو تجھ سے پہلے کتاب الٰہی پڑھتے ہیں یعنی توریت اور انجیل کے عالم ہیں مطلب یہ ہے کہ اے منکر قرآن اگر تجھے قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں شک ہے تو منصف مزاج اہل کتاب سے تحقیق کر لے۔ وہ تجھے اس کے کلام الٰہی ہونے سے آگاہ کر دیں گے۔ کیونکہ ان کی کتابوں میں اس کتاب الٰہی کی پیشین گوئی موجود ہے اور وہ اس کی حقانیت سے واقف ہیں۔ البتہ تحقیق تیرے پروردگار کی طرف سے تیرے پاس دین حق آ چکا ہے۔ جو کتب سابقہ کے مطابق ہے پس ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔ بظاہر خطاب آنحضرت ﷺ کو ہے لیکن درحقیقت مخاطب دوسرے ہیں اس لیے کہ جس پر اللہ کی وحی نازل ہو رہی ہے اس کو شک اور شبہ ہو ہی نہیں سکتا اس خطاب کے اصل مخاطب وہ لوگ ہیں جو شک اور شبہ میں پڑے ہوئے تھے اسی بنا پر حدیث میں آیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے یہ فرمایا لا اشك و لا اسال۔ یعنی میں نہ شک کرتا ہوں نہ سوال کرتا ہوں۔ (اخرجه عبدالرزاق) اشارہ اس طرف تھا کہ ان خطابات کا مخاطب میں نہیں اور نہ ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا جن کے مثل لانے سے شیطان بھی عاجز ہے ورنہ تو گھاٹا اٹھانے والوں میں سے ہو جائے گا۔ گزشتہ آیت کی طرح اس آیت میں بھی مخاطب دوسرے ہی اشخاص ہیں اور ان لوگوں کے شک اور تکذیب کی وجہ یہ نہیں ہے کہ آپ ﷺ کی کتاب میں کوئی خلل ہے بلکہ اس کی اندرونی وجہ یہ ہے کہ تحقیق جن لوگوں کے متعلق تیرے پروردگار کا حکم ازل میں جاری ہو چکا ہے یعنی جن کی تقدیر میں شقاوت لکھی جا چکی ہے اور علم الٰہی میں دوزخی

= تھے، اس کو خود اپنی زبان سے کیسے جھٹلاتے۔ چند آیات کے بعد صاف فرما دیا ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنتُمْ فِي شَكٍّ مِّن دِينِي﴾ الخ یہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ شک کرنے والے دوسرے لوگ تھے جن کے مقابلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غیر متزلزل اور اٹل عقیدہ کا اعلان کر رہے ہیں۔ بہرحال ان آیات میں پیغمبر کی زبان سے قرآن کے ہر ایک مخاطب کو متنبہ کیا کہ کفر و تکذیب کی بیماری شک سے شروع ہوتی ہے۔ اگر تم کو قرآن کے بیان کردہ واقعات میں شک و شبہ پیدا ہو تو اس کا فوراً علاج کرو۔ یعنی جو لوگ کتب سابقہ کا علم رکھتے ہیں، ان سے تحقیق کر لو۔ آخر ان میں کچھ آدمی سچے اور انصاف پسند بھی ہیں۔ وہ بتائیں گے کہ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ بیان فرمایا کہاں تک درست ہے۔ بلاشبہ جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لائے وہ سچ کے سوا کچھ نہیں، وہ پروردگار کا اتارا ہوا ہے۔ جس میں شک و تردد کی قطعاً گنجائش نہیں۔ اگر بے ہودہ شکوک کا علاج نہ کیا جائے تو چند روز میں شک ترقی کر کے امتراء (جدل) اور "امتراء" ترقی کر کے تکذیب کی حد تک جا پہنچا جس کا نتیجہ خسران و خرابی کے سوا کچھ نہیں۔ تکذیب کے بعد ایک اور درجہ ہے۔ جہاں پہنچ کر دل پر مہر لگ جاتی ہے تکذیب کرتے کرتے قبول حق کی استعداد بھی برباد ہو جاتی ہے۔ ایسا شخص اگر دنیا جہان کے سارے نشان دیکھ لے تب بھی ایمان نہ لائے۔ اسے عذاب الیم دیکھ کر ہی یقین آئے گا۔ جب کہ اس یقین سے کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

(فائدہ) كَلِمَتُ رَبِّكَ (رب کی بات) سے مراد غالباً وہ ہے جو دوسری جگہ فرمایا۔ ﴿لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ﴾ یعنی دوزخ کو جن و انس سے بھروں گا۔ جن لوگوں پر بدبختی، سوء استعداد اور شامت اعمال سے یہ بات علم الٰہی میں ثابت ہو چکی۔ یہاں ان کا ذکر ہے۔

ٹھہر چکے ہیں وہ ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ خدا نے ان کو دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے۔ ﴿وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ﴾۔ اگرچہ ان کے پاس آپ ﷺ کی صداقت کی ہر قسم کی نشانیاں آجائیں جب بھی ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں اور عذاب دیکھنے کے بعد ایمان لانا مفید نہیں جیسے فرعون اور اگلی امتوں کو مفید نہ ہوا۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا

سو کیوں نہ ہوئی کوئی بستی کہ ایمان لاتی پھر کام آتا ان کو ایمان لانا مگر یونس کی قوم جب وہ ایمان لائی اٹھا لیا ہم نے

سو کیوں نہ ہوئی کوئی بستی کہ یقین لاتی پھر کام آتا ان کو ایمان لانا، مگر یونس کی قوم۔ جب یقین لائے، کھول دیا ہم نے

عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ

ان پر سے ذلت کا عذاب دنیا کی زندگانی میں اور فائدہ پہنچایا ہم نے ان کو ایک وقت تک ف۱ اور اگر تیرا رب چاہتا بیشک ایمان لے آتے

ان پر سے ذلت کا عذاب، دنیا کے جیتے، اور کام چلایا ان کا ایک وقت تک۔ اور اگر تیرا رب چاہتا، یقین ہی لاتے

مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَمَا

جتنے لوگ کہ زمین میں ہیں سارے تمام اب کیا تو زبردستی کرے گا لوگوں پر کہ ہوجائیں باایمان ف۲ اور کسی سے

جتنے لوگ زمین میں ہیں سارے تمام۔ اب کیا تو زور کرے گا لوگوں پر کہ ہوجاویں با ایمان۔ اور کسی

ف۱ یعنی جتنی بستیاں تکذیب انبیاء اور شرارتوں کی وجہ سے مستوجب عذاب ٹھہریں، ان میں سے کسی کو ایسی طرح ایمان لانے کی نوبت نہ آئی جو عذاب الٰہی سے نجات دیتا۔ صرف یونس علیہ السلام کی قوم کی ایک مثال ہے جس نے ایمان لا کر اپنے کو آسمانی عذاب سے بال بال بچا لیا جو بالکل ان کے سروں پر منڈلا رہا تھا۔ خدا نے ایمان کی بدولت دنیاوی زندگی میں ان پر سے آنے والی بلا ٹال دی اور جس وقت تک انھیں دنیا میں رہنا تھا یہاں کے فوائد و برکات سے متمتع کیا۔ مفسرین نے نقل کیا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام سرزمین موصل میں اہل نینوا کی طرف مبعوث ہوئے وہاں کے لوگ بت پرست تھے۔ یونس علیہ السلام لگا تار سات سال تک پند و نصیحت کرتے رہے انہوں نے ایک نہ سنی یوماً فیوماً انکار و تکذیب بڑھتا رہا۔ آخر حضرت یونس علیہ السلام نے تنگ آ کر ان کو آگاہ کیا کہ (باز نہ آئے تو) تین دن کے اندر عذاب آنے والا ہے۔ جب تیسری شب آئی یونس علیہ السلام آدھی رات گزرنے پر بستی سے نکل کھڑے ہوئے صبح ہوتے ہی آثار عذاب کے نظر آنے لگے آسمان پر نہایت ہولناک اور سیاہ بادل چھا گیا جس سے دھواں نکلتا تھا۔ وہ ان کے مکانوں سے قریب ہوتا جاتا تھا حتیٰ کہ ان کی چھتیں بالکل تاریک ہوگئیں۔ یہ آثار دیکھ کر جب انھیں ہلاکت کا یقین ہوگیا تو یونس علیہ السلام کی تلاش ہوئی وہ نہ ملے تو سب لوگ عورتوں بچوں سمیت بلکہ مواشی اور جانوروں کو بھی ساتھ لے کر جنگل میں نکل آئے اور سچے دل سے خدا کی طرف رجوع ہوئے۔ خوف سے چیخیں مارتے تھے اور بڑے اخلاص و تضرع سے خدا کو پکار رہے تھے۔ چاروں طرف آہ و بکاء کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں اور کہتے جاتے تھے کہ "اٰمنا بما جاء بہ یونس" "جو کچھ یونس علیہ السلام لائے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے ان کے تضرع و بکاء پر رحم فرمایا اور آثار عذاب جو پیدا ہو چکے تھے اٹھا لیے گئے۔ یہاں پہنچ کر علمائے سلف کے دو قول ہیں۔ اکثر علماء کہتے ہیں کہ ابھی اصلی عذاب کا معائنہ ان کو نہ ہوا تھا۔ صرف علامات و آثار نظر آئے تھے۔ ایسے وقت کا ایمان شرعاً معتبر اور نافع ہے۔ "ایمان باس" جو معتبر و مقبول نہیں اس سے مراد یہ ہے کہ عین عذاب کو دیکھ کر اور اس میں پھنس کر ایمان لائے جیسے فرعون نے سمندر کی موجوں میں پھنس کر اقرار کیا تھا۔ بعض علماء کے نزدیک قوم یونس کا ایمان بھی فرعون کی طرح "ایمان باس" تھا جو عام ضابطہ کے موافق نافع نہ ہونا چاہیے تھا لیکن حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے خلاف قاعدہ بطور استثناء اس قوم کا یہ ایمان معتبر رکھا۔ فرعون کے ایمان کی طرح رد نہیں فرمایا۔ پھر اختلاف ہوا ہے کہ آیا ان کے ایمان کا معتبر ہونا صرف دنیاوی زندگی تک محدود تھا کہ دنیا میں آنے والا عذاب ٹل گیا۔ یا آخرت میں بھی موجب نجات ہوگا۔ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے احتمال کو ترجیح دی ہے یعنی دنیا اور آخرت دونوں جگہ مفید و معتبر ہوگا۔ واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحب نے نہایت لطیف و دقیق طرز میں آیت کی تفسیر کی ہے۔ یعنی دنیا میں عذاب دیکھ کر یقین لانا کسی کو کام نہیں آیا، مگر قوم یونس کو، اس واسطے کہ ان پر حکم عذاب کا نہ پہنچا تھا۔ حضرت یونس علیہ السلام کی شتابی سے محض صورت عذاب کی نمودار ہوئی تھی (تا کہ ان کی نظر میں حضرت یونس علیہ السلام کی بات =

كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝

نہیں ہوسکتا کہ ایمان لائے مگر اللہ کے حکم سے اور وہ ڈالتا ہے گندگی ان پر جو نہیں سوچتے ف۱

جی کو نہیں ملتا کہ یقین لاوے مگر اللہ کے حکم سے، اور وہ ڈالتا ہے گندگی ان پر جو نہیں بوجھتے۔

ذکر قصہ یونس علیہ السلام برائے تلقین توبہ قبل از نزول عذاب

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : ﴿فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ... الی... عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾

ربط: ...... ان آیات میں منکرین اور مکذبین کو ایمان اور توبہ کی ترغیب دینا مقصود ہے کہ جس طرح قوم یونس علیہ السلام کفر کے بعد ایمان لے آئی اور اس ایمان نے ان کو نفع دیا اسی طرح تم بھی اگر کفر کے بعد ایمان لے آ ؤ گے تو تم کو ایمان نفع دے گا اور ایمان لانے سے سابق کفر منہدم ہو جائے گا۔ قوم یونس نے جب عذاب موعود کے ابتدائی آثار دیکھے تو کھانا پینا چھوڑ دیا اور ٹاٹ پہن کر گریہ وزاری کے ساتھ گناہوں سے تائب ہوئے اللہ کا عذاب ٹل گیا۔

پس کیوں نہ ہوئی کوئی ایسی بستی کہ نزول عذاب کے آثار اور علامت دیکھ کر ایمان لے آتی پھر نفع دیتا اس کو اس کا ایمان لانا مگر صرف ایک قوم یونس ایسی ہوئی کہ وہ نزول عذاب سے پہلے ہی عذاب کے ابتدائی آثار کو دیکھ کر ایمان لے آئے اور ان کے ایمان نے ان کو نفع دیا چنانچہ جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے اس دنیاوی زندگانی میں ان سے وہ رسوائی کا عذاب ہٹا لیا اور ہم نے ان کو ایک وقت خاص یعنی ان کی اجل مسمی تک ان کو دنیا میں خیر وخوبی کے ساتھ زندگی گزارنے کا موقع دیا۔ مطلب یہ ہے کہ جتنی بستیاں بھی انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب کی بنا پر مستوجب عذاب ٹھہریں ان میں سے کسی بستی کو اس طرح ایمان لانے کی نوبت نہیں آئی کہ جو ان کو عذاب الٰہی سے نجات دیتا مگر صرف یونس علیہ السلام کی قوم کی مثال ایسی ہے کہ جس نے بروقت ایمان لا کر اپنے کو آسمان کے عذاب سے بال بال بچا لیا۔ جو ان کے سروں پر منڈلا رہا تھا۔ خدائے تعالیٰ نے ایمان اور توبہ کی بدولت ان سے عذاب ہٹا لیا۔ اور جب تک ان کو دنیا میں رہنا تھا ان کو دنیاوی فوائد اور منافع سے متمتع کیا۔

حضرت یونس علیہ السلام سرزمین موصل میں اہل نینویٰ کی طرف مبعوث ہوئے۔ یہ لوگ کفر اور شرک اور بت پرستی میں مبتلا تھے۔ یونس علیہ السلام نے ان کو بت پرستی سے منع کیا اور نو سال تک لگاتار ان کو پند ونصیحت کرتے رہے۔ انہوں نے یونس علیہ السلام کو جھٹلایا اور اپنے کفر پر اصرار کیا۔ جب ان کا کفر اور طغیان حد سے بڑھ گیا تو یونس علیہ السلام ان کے ایمان سے ناامید ہو گئے تو ان کو

ف۱ = جھوٹی نہ ہو) وہ ایمان لائے پھر بچ گئے اور صورت عذاب ہٹالی گئی۔ اسی طرح مشرکین مکہ کہ فتح مکہ میں فوج اسلام ان پر پہنچی قتل وغارت کے لیے، لیکن ان کا ایمان قبول ہو گیا اور امان ملی۔ حضرت یونس علیہ السلام کے قصہ کا بقیہ "سورۂ الصافات" وغیرہ میں آئے گا۔

ف۲ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ قدرت نہیں کہ زبردستی کسی کے دل میں ایمان اتار دیں۔ خدا چاہتا تو بیشک سب آدمیوں کے دلوں میں ایمان ڈال سکتا تھا۔ مگر جیسا کہ پہلے متعدد مواضع میں تقریر کی جاچکی ہے، ایسا کرنا اس کی تکوینی حکمت ومصلحت کے خلاف تھا، اس لیے نہیں کیا۔

ف۱ خدا کی مشیت وتوفیق اور حکم تکوینی کے بدون کوئی ایمان نہیں لاسکتا۔ اور یہ حکم وتوفیق ان ہی کے حق میں ہوتی ہے جو خدا کے نشانات میں غور کریں اور عقل وفہم سے کام لیں۔ جو لوگ سوچنے سمجھنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے انہیں خدا تعالیٰ کفر وشرک کی گندگی میں پڑا رہنے دیتا ہے۔

آگاہ کیا کہ اگر تم باز نہ آئے تو تین دن کے اندر تم پر عذاب نازل ہوگا جب تیسری شب آئی تو یونس علیہ السلام آدھی شب گزرنے پر اس بستی سے نکل کھڑے ہوئے صبح ہوتے ہی عذاب الٰہی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ آسمان پر سیاہ بادل چھا گیا۔ جس سے سخت دھواں نکلتا تھا ان آثار کو دیکھ کر یقین ہوگیا کہ ہلاکت ہمارے سر پر آگئی گھبرا کر یونس علیہ السلام کی تلاش میں نکلے جب یہ معلوم ہوا کہ یونس علیہ السلام بستی میں نہیں ہیں تو اور یقین ہوگیا کہ ہم پر ضرور عذاب نازل ہوگا اس وقت وہ سب لوگ ٹاٹ پہن کر اور بچوں اور عورتوں اور مویشیوں کو اپنے ساتھ لے کر جنگل میں گئے اور صدق دل سے خدا کے آگے توبہ کی اور کہا کہ ہم یونس علیہ السلام پر ایمان لائے اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی اور ان سے عذاب کو ہٹالیا۔ (دیکھو تفسیر قرطبی: ۸/ ۳۸۴)

یہاں پہنچ کر علماء سلف کے دو قول ہیں۔ جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ ہنوز عذاب الٰہی نازل نہ ہوا تھا صرف اس کے ابتدائی آثار نمودار ہوئے ان کو دیکھ کر قوم یونس ایمان لے آئی اور ایسے وقت کا ایمان شرعاً معتبر اور نافع ہے زجاج رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے کہ عذاب ابھی نازل نہ ہوا تھا انہوں نے فقط علامات عذاب دیکھ کر توبہ کرلی اور ایمان لے آئے اور اگر عین عذاب کو دیکھ لیتے تو پھر ایمان لانا کچھ نفع نہ دیتا اور اسی کو امام قرطبی نے اختیار کیا۔ (دیکھو تفسیر [1] قرطبی: ۸/ ۳۸۴)

اور طبری رحمہ اللہ اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ قوم یونس عذاب الٰہی کو دیکھ کر ایمان لے آئی۔ جیسے فرعون غرق ہونے کے وقت ایمان لایا عام قاعدہ تو یہ ہے کہ ایسے وقت کا ایمان معتبر نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے قوم یونس کو اس عام قاعدہ سے مستثنیٰ کردیا۔ اور ایسے وقت کا ایمان ان کا معتبر قرار دیا اور فرعون کے ایمان کی طرح اس کو رد نہیں کیا۔ یہ قوم یونس علیہ السلام کی خصوصیت تھی مگر محققین کے نزدیک راجح پہلا ہی قول ہے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ ساری قوموں میں سے صرف ایک قوم یونس ایسی تھی کہ وہ لوگ عذاب کے آثار دیکھ کر ڈر گئے تھے مگر اور کافر ایسے سخت دل تھے کہ علامات عذاب دیکھ کر بھی نہ ڈرے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ گزشتہ بستیوں میں کوئی بستی ایسی نہیں ہوئی کہ جو بتمام و کمال اپنے نبی پر ایمان لے آئی ہو سوائے قوم یونس علیہ السلام کے جو نینویٰ کے رہنے والے تھے۔ وہ سب کے سب ایمان لے آئے عذاب کے آثار دیکھ کر ڈر گئے اور سمجھ گئے کہ اللہ کے رسول علیہ السلام نے جس عذاب سے ڈرایا تھا وہ حق ہے اور وہ رسول سچا ہے اور جب انہوں نے یہ دیکھا کہ ان کا پیغمبر ان کے درمیان سے چلا گیا ہے تو اور بھی ڈرے اور اللہ کی طرف رجوع ہوئے اور اللہ کی پناہ ڈھونڈی۔ اللہ نے ان کو پناہ دی اور ان کا ایمان قبول کیا۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر: ۲/ ۴۳۲)

اور اے نبی! اگر تیرا پروردگار چاہتا تو روئے زمین کے تمام لوگ ایمان لے آتے۔ لیکن اللہ کی مشیت اور حکمت یہ ہے کہ بعض ایمان لائیں اور بعض کفر کریں۔

در کارخانہ عشق از کفر ناگزیر است　　دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نباشد

[1] قال الزجاج انهم لم يقع بهم العذاب وانما راوا العلامة التي تدل على العذاب ولو راوا عين العذاب لما نفعهم الايمان۔ قلت قول الزجاج حسن فان المعاينة التي لا تنفع التوبة معها هي التلبس بالعذاب كقصة فرعون ولهذا جاء بقصة قوم يونس على اثر قصة فرعون لانه امن حين راى العذاب فلم ينفعه ذلك وقوم يونس تابوا قبل ذلك۔ (تفسیر قرطبی: ۸/ ۳۸۴)

آنحضرت ﷺ کو یہ حرص تھی کہ سب ایمان لے آئیں آپ ﷺ کی تسلی کے لیے یہ آیت نازل ہوئی کیا پس تو لوگوں کو مجبور کر سکتا ہے کہ وہ سب مومن ہو جائیں یعنی یہ آپ ﷺ کے قبضہ قدرت سے باہر ہے کہ ایمان کسی کے دل میں اتار دیں۔ ایمان اور کفر سب اللہ کے ہاتھ میں ہے کسی نفس کے قدرت واختیار میں نہیں ہے کہ وہ بدون حکم خداوندی کے ایمان لے آئے۔ بندہ کا ارادہ اور اختیار اللہ کے ارادہ اور مشیت کے تابع ہے کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ﴾ اور اللہ تعالیٰ کفر کی گندگی کو ان لوگوں پر ڈالتا ہے جو سمجھتے نہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی توفیق سے ان لوگوں کو نوازتا ہے کہ جو عقل وشعور سے کام لیں اور خدا کے نشانات میں غور وفکر کریں اور جو لوگ سوچنے سمجھنے کی تکلیف بھی گوارا نہ کریں بلکہ ہوائے نفسانی کے پیرو بن جائیں ان کو اللہ تعالیٰ کفر اور شرک کی گندگی ہی میں پڑا رہنے دیتا ہے۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا

تو کہہ دیکھو تو کیا کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور کچھ کام نہیں آتیں نشانیاں اور ڈرانے والے ان لوگوں کو جو

تو کہہ، دیکھو تو! کیا کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔ اور کچھ کام نہیں آتی نشانیاں اور ڈراتے (ڈراوے) ان لوگوں کو جو نہیں

يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْۤا

نہیں مانتے ف۱ سو اب کچھ نہیں جس کا انتظار کریں مگر انہی کے سے دن جو گزر چکے ہیں ان سے پہلے تو کہہ اب راہ دیکھو

مانتے۔ سو اب کچھ راہ دیکھتے ہیں، مگر انہیں کے سے دن جو ہو چکے ہیں ان سے پہلے۔ تو کہہ، اب راہ دیکھو!

اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا

میں بھی تمہارے ساتھ راہ دیکھتا ہوں ف۲ پھر ہم بچا لیتے ہیں اپنے رسولوں کو اور ان کو جو ایمان لاتے اسی طرح ذمہ ہے ہمارا

میں بھی تمہارے ساتھ راہ دیکھتا ہوں۔ پھر ہم بچا دیتے ہیں اپنے رسولوں کو، اور جو ایمان لائے، اسی طرح ذمہ ہے ہمارا

نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

بچا لیں گے ایمان والوں کو ف۳

بچا دیں گے ایمان والوں کو۔

ف۱ یعنی سوچنے اور غور کرنے والوں کے لیے آسمان وزمین میں خدا کی قدرت وحکمت اور توحید وتفرید کے کیا کچھ نشان موجود ہیں۔ بلکہ ذرہ ذرہ اور پتہ پتہ اس کی توحید پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن جو کسی بات کو ماننا اور تسلیم کرنا نہیں چاہتے ان کے لیے یہ سب نشانات ودلائل بے کار ہیں اور ڈرانے والے پیغمبروں کی تنبیہ وتخویف بھی غیر موثر ہے۔

ف۲ ایسی ضدی اور معاند قوم کے لیے جو کسی دلیل اور نشان کو نہ مانے، اور کچھ باقی نہیں بجز اس کے کہ گزشتہ مکذبین پر جو آفات وحوادث نازل ہوتے ہیں، ان کا یہ بھی انتظار کریں۔ سو بہتر ہے تم اور ہم دونوں مل کر اس وقت کا انتظار کرتے ہیں تاکہ صادق وکاذب کا آخری فیصلہ سامنے آجائے۔

ف۳ یعنی جیسے پہلی قوموں کے ساتھ ہماری عادت رہی ہے کہ مکذبین کو ہلاک کر کے پیغمبروں اور مومنین کو بچایا۔ اسی طرح موجودہ اور آئندہ مومنین کی نسبت ہمارا وعدہ ہے کہ ان کو نجات دیں گے آخرت میں عذاب الیم سے اور دنیا میں کفار کے مظالم اور سختیوں سے۔ ہاں شرط یہ ہے کہ مومنین، مومنین ہوں۔ یعنی وہ صفات وخصال رکھتے ہوں جو قرآن وحدیث میں مومنین کی بیان ہوئی ہیں۔

اہل رجس یعنی معاندین کو خطاب تہدید

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ... الی... نُنْجِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾

ربط:...... گزشتہ آیت یعنی ﴿وَیَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ﴾ میں اہل رجس یعنی معاندین کا ذکر تھا کہ لوگ کفر اور عناد کی گندگی میں ٹھہرے ہوئے ہیں وہ بے عقل ہیں ہوائے نفسانی کے تابع ہیں اب اس آیت میں انہیں اہل رجس یعنی معاندین کو خدا کی نشانیوں میں غور وفکر کا حکم ہے اور تہدید بھی ہے کہ کیا یہ معاندین اسی قسم کے عذابوں کا انتظار کر رہے ہیں جو پہلی امتوں پر نازل ہو چکے ہیں خوب سمجھ لیں کہ یہ لوگ بھی عناد کی وجہ سے اسی قسم کے عذاب کے مستحق ہیں اللہ تعالیٰ نے تم کو غور وفکر کرنے کے لیے عقل عطا کی اور اعمال خیر کے بجالانے کے لیے قدرت اور اختیار عطا کیا اب اس کا صحیح استعمال تمہارے اختیار میں ہے۔ نبی کا کام فقط بشارت ونذارت ہے خدا کی مہلت کو غنیمت جانو۔ چنانچہ فرماتے ہیں آپ ﷺ، اہل رجس سے کہہ دیجئے کہ اگر تم میری آیات نبوت ورسالت میں نظر نہیں کرتے تو آسمانوں اور زمین کے عجائبات کی طرف نظر کرو تا کہ تم کو کمال صنعت ربانی اور منتہائے علم وحکمت یزدانی معلوم ہو آسمان وزمین میں اس کی قدرت کی لاکھوں نشانیاں موجود ہیں تم ان کے تغیرات وانقلابات میں غور کرو تا کہ تم پر اس کی خالقیت عیاں ہو جائے۔ اور کچھ کام نہیں آتیں نشانیاں اور ڈرانے والے یعنی انبیاء ورسل اس قوم کو جو ایمان نہیں لائی نشانیوں اور پیغمبروں کی ہدایت سے بغیر ایمان لائے نفع نہیں پہنچ سکتا۔ جیسے مشرکین مکہ شق القمر کا معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائے۔ اور اس کو جادو کہہ کر ٹلا دیا۔ پس کیا یہ منکرین اور معاندین ویسے ہی برے دنوں کے منتظر ہیں۔ جیسے ان لوگوں پر آئے تھے جو ان سے پہلے گزرے۔ یعنی کیا یہ لوگ اس بات کے منتظر ہیں کہ جیسے عذاب قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم صالح وغیرہ امم سابقہ پر آئے تھے ویسے ہی ان پر بھی نازل ہوں اور جو مزہ انہوں نے اپنے کفر کا چکھا تھا ویسا ہی مزہ یہ بھی اپنے کفر کا چکھیں۔ پس آپ کہہ دیجئے کہ اچھا آئندہ واقعات کا تم انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں آئندہ جو واقعات رونما ہوں گے ان سے صادق اور کاذب کا فیصلہ ہو جائے گا پھر ہم بتلائے دیتے ہیں کہ وہ فیصلہ کس طرح ہوگا۔ اس طرح ہوگا کہ عذاب آئے گا اور اس سے صرف منکرین ہلاک ہوں گے اور اس وقت ہم اپنے رسولوں کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو عذاب سے نجات دیں گے۔ تا کہ دنیا دیکھ لے کہ انبیاء علیہم السلام کی پیروی اور ایمان کی برکت سے نجات ملی۔ حقیقۃ الامر یوں ہی ہے ہمارے ذمہ کہ دوستوں کو نجات دیں۔ اور دشمنوں کو تباہ وبرباد کریں۔

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ دِیْنِیْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ

کہہ دے اے لوگوں اگر تم شک میں ہو میرے دین سے تو میں عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو

تو کہہ، اے لوگو! اگر تم شک میں ہو میرے دین سے، تو میں نہیں پوجتا جن کو تم پوجتے ہو

اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ ۚ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَاَنْ اَقِمْ

اللہ کے سوا اور لیکن میں عبادت کرتا ہوں اللہ کی جو کھینچ لیتا ہے تم کو اور مجھ کو حکم ہے کہ رہوں ایمان والوں میں اور یہ کہ سیدھا کر

اللہ کے سوا، لیکن میں پوجتا ہوں اللہ کو جو تم کو کھینچ لیتا ہے، اور مجھ کو حکم ہے کہ رہوں ایمان والوں میں۔ اور یہ کہ سیدھا کر

وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا

منہ اپنا دین پر حنیف ہو کر اور مت ہو شرک والوں میں اور مت پکار اللہ کے سوا ایسے کو کہ نہ

منہ اپنا دین پر حنیف ہو کر۔ اور مت ہو شرک والوں میں۔ اور مت پکار اللہ کے سوا ایسے کو کہ نہ

يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ

بھلا کرے تیرا اور نہ برا پھر اگر تو ایسا کرے تو تو بھی اس وقت ہو ظالموں میں ف۱ اور اگر پہنچا دیوے تجھ کو اللہ کچھ تکلیف

بھلا کرے تیرا اور نہ برا۔ پھر اگر تو نے یہ کیا تو تو بھی اس وقت ہے گنہگاروں میں۔ اور اگر پہنچاوے اللہ تجھ کو کچھ تکلیف

فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ

تو کوئی نہیں اس کو ہٹانے والا اس کے سوا اور اگر پہنچانا چاہے تجھ کو کچھ بھلائی تو کوئی پھیرنے والا نہیں اس کے فضل کو پہنچائے اپنا فضل جس پر چاہے

تو کوئی نہیں اس کو کھولنے والا اس کے سوا۔ اور اگر چاہے تجھ پر کچھ بھلائی تو کوئی پھیر لے والا نہیں اس کے فضل کو۔ پہنچاوے وہ جس پر چاہے

عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾

اپنے بندوں میں اور وہی ہے بخشنے والا مہربان ف۲

اپنے بندوں میں۔ اور وہی ہے بخشنے والا مہربان۔

اثبات توحید وحقانیت دین اسلام

قال اللہ تعالیٰ: ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ... الی... وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾

ربط:...... ابتداء سورت سے یہاں تک اصول دین۔ توحید ورسالت اور حشر ونشر اور قیامت اور دین اسلام کی حقانیت کو روشن دلیلوں سے واضح کیا گیا اور یہ ثابت کر دیا گیا کہ کفار کا دین اٹکل کے تابع ہے۔ اور حق سے دور ہے۔ اور اس کی ہر بات مشکوک اور

ف۱ یعنی اگر میرا طریقہ اور مسلک دینی تمہاری سمجھ میں نہیں آیا۔ اس لیے اس کی نسبت شکوک وشبہات میں پھنسے ہوئے ہو تو میں تمہیں اپنے دین کا اصل اصول (جو توحید خالص ہے) سمجھائے دیتا ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ میں تمہارے ان فرضی معبودوں کی عبادت سے سخت نفور اور بے زار ہوں جس کے اختیار کرنے کا امکان بھی کبھی میری طرف سے دل میں نہ لانا۔ میری عبادت خالص اس خداوند قدوس کے لیے ہے جس کے قبضہ میں تمہاری سب کی جانیں ہیں کہ جب تک چاہے انہیں جسموں میں چھوڑے رکھے اور جب چاہے ایک دم میں کھینچ لے گویا موت وحیات کا رشتہ جس کے ہاتھ میں ہے بندگی اسی کی ہو سکتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ جوارح سے اس کی بندگی کی جائے، ضروری ہے کہ دل میں اس کی توحید وتفرید پر پورا یقین وایمان ہو اور ظاہر وباطن میں اسی دین حنیف پر جو ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا دین ہے پوری ہمت اور توجہ سے مستقیم رہ کر شرک جلی وخفی کا تسمہ نہ لگا رہنے دیا جائے۔ جس طرح عبادت صرف اسی کی کریں، استعانت کے لیے بھی اسی کو پکاریں، کیونکہ ہر قسم کا نفع نقصان اور بھلائی برائی تنہا اسی کے قبضہ میں ہے۔ مشرکین کی طرح ایسی چیزوں کو مدد کے لیے پکارنا جو کسی نفع نقصان کی مالک نہ ہوں سخت بے موقع بات بلکہ ظلم عظیم (یعنی شرک) کا ایک شعبہ ہے۔ اگر بالفرض محال نبی سے ایسی حرکت صادر ہو تو ان کی عظیم الشان شخصیت کو لحاظ کرتے ہوئے ظلم اعظم ہوگا۔

ف۲ جب ان چیزوں کو پکارنے سے منع کیا جن کے قبضہ میں تمہارا بھلا برا کچھ نہیں تو مناسب ہوا کہ اس کے بالمقابل مالک علی الاطلاق کا ذکر کیا جائے جو تکلیف و راحت اور بھلائی برائی کے پورے سلسلہ پر کامل اختیار اور قبضہ رکھتا ہے جس کی بھیجی ہوئی تکلیف کو دنیا میں کوئی نہیں ہٹا سکتا۔ اور جس پر فضل ورحمت فرمانا چاہے کسی کی طاقت نہیں کہ اسے محروم کر سکے۔

مشتبہ ہے۔ اب آنحضرت ﷺ کو حکم دیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ ان منکرین اور مرتابین سے علی الاعلان یہ کہہ دیں کہ اگر اب بھی تم کو میرے اس روشن دین کے بارے میں شک اور تردد ہے تو خیر ہو مگر تم اس خیال خام میں نہ رہنا کہ میں تمہارے مہمل اور باطل دین کو قبول کرلوں گا۔ میں تمہارے اس مہمل اور شکی اور وہمی دین سے بے زار ہوں مجھے اللہ کی طرف صراط مستقیم پر قائم رہنے کا حکم دیا گیا ہے جس کا اصل اصول توحید اور توکل ہے میں تمہارے ان فرضی معبودوں سے سخت نفور اور بیزار ہوں جو کسی نفع اور ضرر کے مالک نہیں میں تو اس خداوند قدوس کا پرستار ہوں جس کے قبضہ قدرت میں تمہاری جان ہے۔ اور جو تمہاری موت وحیات کا مالک ہے۔ یہ میرے دین کا خلاصہ ہے جس میں ذرہ برابر مجھے شک نہیں۔ آپ ﷺ ان لوگوں سے جو آپ ﷺ کے دین کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں یہ کہہ دیجئے اے لوگو! اگر تم میرے دین کی طرف شک میں پڑے ہوئے ہو تو میں تمہارے سامنے اپنے دین کا خلاصہ بیان کیے دیتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ میں خدا کے سوا ان چیزوں کو نہیں پوجتا جن کو تم پوجتے ہو کیونکہ وہ کسی نفع وضرر کے مالک نہیں۔ لیکن میں اس قادر مطلق کی پرستش کرتا ہوں جو تم کو موت دیتا ہے۔ یعنی جو تمہاری موت وحیات کا مالک ہے اور تمہارا وجود اور عدم وجود اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اور مجھ کو من جانب اللہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اس خدا کے ماننے والوں میں سے ہوں جو موت وحیات اور نفع اور ضرر کا مالک ہے اور نیز مجھ کو یہ حکم دیا گیا کہ تو اپنا رخ سیدھا دین اسلام کی طرف رکھ یک سو ہو کر یعنی دین اسلام اور توحید خالص پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہ۔ درآنحالیکہ تو اور تیرا چہرہ حنیف ہو یعنی صرف ایک خدا کی طرف متوجہ ہو اور تیرا رخ سوائے خدا کے کسی طرف نہ ہو اور نیز مجھ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ تو شرک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہو۔ ظاہر وباطن توحید کے رنگ میں ایسا رنگا ہوا ہو کہ شرک جلی یا خفی کا کوئی شائبہ بھی نہ آنے پائے اور نیز مجھ کو یہ حکم دیا ہے کہ اللہ کے سوا ایسی چیز کو مت پکار کہ جو نہ تجھے کچھ نفع ہی پہنچا سکے اور نہ کچھ نقصان ہی پہنچا سکے۔ پس اگر تو نے ایسا کیا یعنی ایسی چیز کو پکارا تو اس میں شک نہیں کہ تو اس وقت ظالموں میں سے ہوگا یعنی یہ تیرا پکارنا بے محل ہوگا۔ اور خوب جان لے کہ نفع وضرر کا مالک سوائے خدا کے کوئی نہیں کیونکہ اگر اللہ تجھ کو کوئی تکلیف پہنچائے۔ بیماری یا محتاجگی میں مبتلا کرے تو اس کے سوا کوئی اس تکلیف کو دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تجھ کو کوئی بھلائی پہنچانا چاہے تو کوئی اس کے فضل کو روکنے والا نہیں۔ پہنچاتا ہے اپنا فضل جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور وہی کوتاہیوں کو بخشنے والا مہربان ہے بندوں کی کوتاہیوں کی وجہ سے فضل کو روکتا نہیں۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ

کہہ دے اے لوگوں پہنچ چکا حق تم کو تمہارے رب سے اب جو کوئی راہ پر آئے سو وہ راہ پاتا ہے اپنے بھلے کو

تو کہہ، لوگو! حق آ چکا تم کو تمہارے رب سے، اب جو کوئی راہ پر آوے سو وہ راہ پاتا ہے اپنے بھلے کو۔

وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ

اور جو کوئی بہکا پھرے سو بہکا پھرے گا اپنے برے کو اور میں تم پر نہیں ہوں مختار ف۱ اور تو چل اسی پر جو حکم پہنچے تیری طرف

اور جو کوئی بھولا پھرے سو بھولا پھرے گا اپنے برے کو۔ اور میں تم پر نہیں ہوا مختار۔ اور تو چل اسی پر جو حکم پہنچے تیری طرف

ف۱ یعنی حق واضح طور پر دلائل و براہین کے ساتھ پہنچ چکا، جس کے قبول نہ کرنے کا کوئی معقول عذر کسی کے پاس نہیں خدا کی آخری حجت بندوں پر تمام ہوگئی۔ =

وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

اور صبر کر جب تک فیصلہ کرے اللہ اور وہ ہے سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ف ۱

اور ثابت رہ جب فیصلہ کرے اللہ۔ اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا۔

خاتمہ سورت بر اتمام حجت اور تبلیغ دعوت

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ... الی... وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ﴾

ربط: ...... جب دین اسلام اور اس کے اصول کی حقانیت ظاہر ہوگئی تو بطور اتمام حجت کافروں سے خطاب ہوتا ہے کہ دیکھو تمہارے پاس دین حق آ گیا اور نبی کے ذریعہ سے تم تک پہنچ گیا اور اللہ کی حجت تم پر پوری ہوگئی اب تم حق تعالیٰ کے سامنے اپنی گمراہی کا کوئی عذر اور حیلہ پیش نہیں کر سکتے۔ اب اگر اس سے ہدایت حاصل کرلو تو تمہارا ہی فائدہ ہے ورنہ تمہارا ہی نقصان ہے رسول کا کام خبر دے دینا ہے وہ کسی کا ذمہ دار نہیں اور اس کے بعد آپ ﷺ کو صبر کرنے اور وحی کی پیروی کرنے کا حکم دیا جس سے مقصود آپ ﷺ کی تسلی ہے کہ اگر یہ معاندین آپ کی دعوت کو قبول نہ کریں۔ اور برابر اسی سابقہ عداوت اور ایذا رسانی پر قائم رہیں تو آپ ﷺ صبر کیجئے عنقریب اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمادے گا یعنی حسب وعدہ آپ ﷺ کو غالب اور منصور کرے گا۔ یہ مضمون گویا کہ تمام سورت کا خلاصہ اور اجمال ہے۔ ایسا اختتام بلاشبہ حسن اختتام اور مسک الختام کا مصداق ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں۔ اے نبی! آپ ﷺ کہہ دیجئے اے لوگو تحقیق تمہارے پاس حق آ چکا ہے تمہارے پروردگار کی طرف سے اب تمہارے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ پروردگا کی طرف سے تم پر حجت پوری ہو چکی ہے اب تمہارے لیے کوئی عذر لاعلمی اور بے خبری کا باقی نہیں رہا۔ پس جس نے ہدایت کی راہ اختیار کی یعنی ایمان لایا اور اطاعت کی پس جز ایں نیست وہ اپنے ہی نفع کے لیے ہدایت اختیار کرتا ہے اور جو گمراہ ہوا یعنی کفر پر اڑا رہا۔ اور خدا اور اس کے رسول ﷺ کو نہ مانا تو اس کی گمراہی کا وبال اس کی ذات پر ہوگا۔ ساری روئے زمین کے باشندے بھی اگر کفر کرنے لگیں تو خدا کی عظمت میں ذرہ برابر کمی نہیں آئے گی اور نہ رسول خدا کا کوئی نقصان ہوگا۔ آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میں تمہارا نگہبان اور داروغہ نہیں کہ تمہارے کفر کے متعلق مجھ سے باز پرس ہو میں تو فقط پہنچانے والا ہوں۔ اور بس اور اے نبی ﷺ آپ ﷺ تو اس چیز کی پیروی کیجئے جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے آپ ﷺ لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچا دیجئے چاہے کوئی مانے یا نہ مانے اور اگر تبلیغ اور دعوت اسلام پر یہ لوگ آپ ﷺ کو ایذا پہنچائیں تو آپ ﷺ صبر کیجئے یہاں تک کہ خود اللہ تعالیٰ فیصلہ کرے۔ کہ

= اب ہر ایک اپنا نفع نقصان سوچ لے جو خدا کی بتلائی ہوئی راہ پر چلے گا دنیا و آخرت میں کامیاب ہوگا۔ جو اسے چھوڑ کر ادھر ادھر بھٹکتا پھرے گا خود پریشان اور ذلیل و خوار رہے گا اپنے بھلے برے کو خوب سمجھ کر ہر شخص اپنے مستقبل کا انتظام کر لے اور جو راستہ پسند ہو اختیار کرے پیغمبر کوئی مختار بنا کر نہیں بھیجے گئے جو تمہارے افعال کے ذمہ دار اور جواب دہ ہوں۔ ان کا کام صرف آگاہ کر دینے اور راستہ بتلا دینے کا ہے۔ اس پر چلنا، چلنے والے کے اختیار میں ہے۔

ف ۱ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر یہ لوگ حق کو قبول نہ کریں تو اپنے کو ان کے غم میں نہ گھلائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے احکام کی پیروی کرتے رہیے اور تبلیغ وغیرہ کے کام میں لگے رہیے۔ اور جو شدائد اس راستہ میں پہنچیں ان پر صبر کیجئے۔ مخالفین کی ایذا رسانیوں کا تحمل کرتے رہنا چاہیے۔ یہاں تک کہ خدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ان کے درمیان بہترین فیصلہ کر دے یعنی حسب وعدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منصور و غالب کرے یا جہاد کا حکم بھیج دے۔ تَمَّ سُوْرَةُ يُوْنُسَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِمَنِّهٖ تَعَالٰى وَفَضْلِهٖ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ عَلٰى ذٰلِكَ۔

حق کو غلبہ دے اور کفر کو ذلیل و خوار کرے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ اس لیے کہ وہ ظاہر و باطن اور ماضی اور حال اور استقبال سب کو یکساں جانتا ہے اور اس کے حکم اور فیصلہ میں بھول چوک اور غلطی کا امکان نہیں۔

لہٰذا اے نبی کریم ﷺ! آپ ﷺ ان دشمنوں کی ایذا رسانیوں پر صبر کیجئے۔ اور اللہ کے فیصلہ کا انتظار فرمائیے۔ وہ ان شاء اللہ حسب وعدہ آپ ﷺ کو فتح و نصرت عطا کرے گا یا جہاد اور جزیہ کا حکم نازل کرے گا۔

الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ۔

الحمد للہ آج بروز چہار شنبہ بوقت عصر ۲ صفر الخیر ۱۳۸۸ھ سورۂ یونس کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔ وللہ الحمد والمنۃ۔

۱۱ سُوْرَةُ هُوْدٍ مَكِّيَّةٌ ۵۲ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ اٰياتها ۱۲۴ ركوعاتها ۱۰

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ① اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا

یہ کتاب ہے کہ جانچ لیا ہے اس کی باتوں کو پھر کھولی گئی ہیں ایک حکمت والے خبردار کے پاس سے ف۱ کہ عبادت نہ کرو مگر

کتاب ہے ا کہ جانچ لی ہیں باتیں اس کی، پھر کھلی ہیں ایک حکمت والے خبردار کے پاس سے۔ کہ نہ

اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ② وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ

اللہ کی ف۲ میں تم کو اسی کی طرف سے ڈر اور خوشخبری سناتا ہوں ف۳ اور یہ کہ گناہ بخشواؤ اپنے رب سے پھر رجوع کرو اس کی طرف کہ

پوجو مگر اللہ کو۔ میں تم کو اس کی طرف سے ڈرسناتا اور خوشخبری پہنچاتا ہوں۔ اور یہ کہ گناہ بخشواؤ اپنے رب سے، پھر رجوع لاؤ اس کی طرف، کہ

ف۱ یعنی یہ قرآن کریم وہ عظیم الشان اور جلیل القدر کتاب ہے جس کی آیتیں لفظی و معنوی ہر حیثیت سے نہایت جچی تلی ہیں۔ نہ ان میں تناقض ہے نہ کوئی مضمون حکمت یا واقعہ کے خلاف ہے نہ باعتبار معجزانہ فصاحت و بلاغت کے ایک حرف پر نکتہ چینی ہو سکتی ہے جس مضمون کو جس عبارت میں ادا کیا ہے محال ہے کہ اس سے بہتر تعبیر ہو سکے۔ الفاظ کی قبا معانی کی قامت پر ذرا بھی نہ ڈھیلی ہے نہ تنگ۔ جن اصول و فروع، اخلاق و اعمال اور قیمتی پند و نصیحت پر یہ آیات مشتمل ہیں اور جو دلائل و براہین اثبات دعاوی کے لیے استعمال کی گئی ہیں۔ وہ سب علم و حکمت کے کانٹے میں تلی ہوئی ہیں۔ قرآنی حقائق و دلائل ایسے مضبوط و محکم ہیں کہ زمانہ کتنی ہی پلٹیاں کھائے ان کے بدلنے یا غلط ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ عالم کے مزاج کی پوری تشخیص کر کے اور قیامت تک پیش آنے والے تغیرات و حوادث کو من کل الوجوہ جانچ تول کر ایسی معتدل اور ابدی غذائے روح، مائدۂ قرآنی کے ذریعے سے پیش کی گئی ہے جو تناول کرنے والوں کے لیے ہر وقت اور ہر حالت میں مناسب و ملائم ہو۔ ان تمام حکیمانہ خوبیوں کے باوجود یہ نہیں کہ اجمال و ابہام کی وجہ سے کتاب معمہ اور چیستان بن کر رہ جاتی بلکہ معاش و معاد کی تمام مہمات کو خوب کھول کر سمجھایا ہے اور موقع بہ موقع دلائل توحید، احکام، مواعظ، قصص، ہر چیز بڑی خوبصورتی اور قرینہ سے الگ الگ رکھی ہے۔ اور تمام ضروریات کا کافی تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ نزولی حیثیت میں بھی یہ حکمت مرعی رہی ہے کہ پورا قرآن ایک دم نہیں اتارا بلکہ وقتاً فوقتاً موقع و مصلحت کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ آیات کا نزول ہوتا رہا۔ قرآن میں ان تمام باریکیوں کو مجتمع دیکھ کر آدمی حیران ہو جاتا ہے۔ مگر حیرت کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر حکیم مطلق اور خبیر برحق کے کلام میں سب حکمتیں اور خوبیاں جمع نہ ہوں گی تو اور کس کلام میں توقع کی جا سکتی ہے۔

ف۲ یعنی اس محکم و مفصل کتاب کے نازل کرنے کا بڑا مقصد یہ ہے کہ دنیا کو صرف خدائے واحد کی عبادت کی طرف دعوت دی جائے اور اس کے طریقے سکھائے جائیں۔ اسی عظیم و جلیل مقصد کے لیے پہلے انبیاء تشریف لائے تھے۔ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ (الانبیاء، رکوع ۲) ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ (النحل، رکوع ۵)

ف۳ یعنی جو کتاب کو مانے اور شرک چھوڑ کر خدائے واحد کی عبادت کرے اسے فلاح دارین کی خوش خبری سناتے ہیں۔ جو نہ مانے اور کفر و شرک اختیار کرے

يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا

فائدہ پہنچائے تم کو اچھا فائدہ ایک وقت مقرر تک ف۱ اور دیوے ہر زیادتی والے کو زیادتی اپنی ف۲ اور اگر تم پھر جاؤ گے

برتوا دے تم کو اچھا برتوانا ایک وعدہ مقرر تک، اور دیوے ہر زیادتی والے کو زیادتی اپنی۔ اور اگر تم پھر جاؤ گے

فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ③ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

تو میں ڈرتا ہوں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے ف۳ اللہ کی طرف ہے تم کو لوٹ کر جانا اور وہ ہر چیز پر

تو ڈرتا ہوں تم پر ایک بڑے دن کی مار سے۔ اللہ کی طرف ہے تم کو پھر جانا۔ اور وہ ہر چیز پر

قَدِيْرٌ ④ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ

قادر ہے سنتا ہے وہ دوہرے کرتے ہیں اپنے سینے تاکہ چھپائیں اس سے سنتا ہے جس وقت اوڑھتے ہیں

قادر ہے۔ سنتا ہے! وہ دوہرے کرتے ہیں اپنے سینے، کہ پردہ کریں اس سے۔ سنتا ہے! جس وقت اوڑھتے ہیں

ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑤

اپنے کپڑے جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں وہ تو جاننے والا ہے دلوں کی بات ف۴

اپنے کپڑے، وہ جانتا ہے جو چھپاتے ہیں اور جو کھولتے ہیں۔ اور وہ جاننے والا ہے جیوں کی بات۔

= اس کو عذاب الٰہی سے ڈراتے ہیں۔

ف۱ جو پچھلی تقصیرات معاف کرائے اور آئندہ کے لیے خدا کی طرف دل سے رجوع ہو، تو دنیا کی زندگی اچھی طرح گزرے کیونکہ مومن قانت خواہ کسی حال میں ہو مگر خدا کے فضل و کرم کی بڑی بڑی امیدیں رکھتا ہے وہ حق تعالیٰ کی رضا جوئی اور مستقبل کی عظیم الشان خوش حالی کے تصور میں اس قدر مگن رہتا ہے کہ یہاں کی بڑی بڑی سختیوں کو خاطر میں نہیں لاتا وہ جب خیال کرتا ہے کہ میں اپنی زندگی کے فرائض صحیح طور پر انجام دے رہا ہوں جس کا صلہ مجھ کو ضرور ایک دن عرش والی سرکار سے ملنے والا ہے تو اپنی کامیابی اور حق تعالیٰ کے وعدوں پر اعتماد کر کے اس کا دل جوش مسرت سے اچھلنے لگتا ہے۔ اسے دنیا کی تھوڑی سی پونجی میں وہ سکون قلبی اور راحت باطنی نصیب ہوتی ہے جو بادشاہوں کو بے شمار سامانوں اور اموال و خزائن سے حاصل نہیں ہو سکتی، بلکہ بعض اوقات یہاں کے چند روزہ تکلیفوں اور سختیوں میں وہ لذت پاتے ہیں جو اغنیاء و ملوک اپنے عیش و تنعم میں محسوس نہیں کرتے۔ ایک محب وطن سیاسی قیدی کو اگر فرض کیجئے یقین ہو جائے کہ میری اسیری سے ملک اجنبیوں کی غلامی سے آزاد ہو جائے گا اور مجھے قید سے نکلتے ہی ملک کی جمہوریہ کا صدر بنا دیا جائے گا تو کیا اسے جیل خانہ کی بند کوٹھڑی میں سرور و اطمینان کی کیفیت اس بادشاہ سے زیادہ حاصل نہ ہوگی؟ جس کے لیے ہر قسم کا سامان عیش و طرب فراہم ہیں مگر اندیشہ لگا ہوا ہے کہ وہ ایک ہفتہ کے اندر نہایت ذلت کے ساتھ تخت شاہی سے اتارا جانے والا ہے۔ اس پر دنیا کے جیل خانہ میں ایک مومن قانت کی زندگی کو قیاس کر لو۔

ف۲ جو جس قدر زیادہ بڑھ کر عمل کرے گا اسی قدر خدا کے فضل سے زیادہ حصہ پائے گا۔ آخرت میں اجر و ثواب اور دنیا میں مزید طمانیت حاصل ہوگی۔

ف۳ یعنی میری بات نہ مانو گے تو عذاب قیامت یقینی ہے، باقی یہ فرمانا کہ "میں ڈرتا ہوں" اس سے مقصود حضورؐ کی عام شفقت و ہمدردی خلائق کا اظہار کرنا ہے۔

ف۴ سزا دینے کے لیے ضروری ہے کہ مجرم حاضر ہو، حاکم سزا دینے کی پوری قدرت اور کامل اختیار رکھتا ہو۔ مجرمین کی کل کارروائیاں اس کے علم میں ہوں۔ ﴿اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ﴾ میں بتلا دیا کہ مجرم و غیر مجرم سب کو خدا کے یہاں حاضر ہونا ہے۔ ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ میں قدرت و اختیار کا عموم بیان فرمایا اور ﴿اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ﴾ سے ﴿بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ تک اس کے علم محیط کی وسعت کو ظاہر کیا کہ خدا ہر کھلی چھپی چیز کو یکساں جانتا ہے حتیٰ کہ دلوں کی تہ میں جو خیالات، ارادے اور نیتیں پوشیدہ ہوتی ہیں ان پر بھی مطلع ہے۔ پھر کوئی مجرم اپنے جرم کو کس طرح اس سے مخفی رکھ کر نجات پا سکتا ہے۔

(تنبیہ) ان آیات کے شان نزول میں مفسرین کا اختلاف ہے صحیح ترین روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بخاری میں ہے کہ بعض مسلمانوں پر حیاء کا =

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اثبات حقانیت قرآن وتوحید ورسالت وتذکیر آخرت

﴿الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ... الى... اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾

ربط: ...... اول قرآن حکیم کا منزل من اللہ ہونا بیان کیا کہ اس کتاب کے نزول کرنے سے مقصود یہ ہے کہ تم ایک اللہ کی عبادت کرو پھر آنحضرت ﷺ کا مرسل من اللہ ہونا بیان کیا کہ آپ کو بشارت ونذارت کے لیے مبعوث کیا گیا۔ بعد ازاں توبہ اور استغفار کا حکم دیا گیا تاکہ اللہ کی طرف رجوع کریں اور آخرت اور قیامت کو یاد دلایا جس دن بندوں کو ان کے اعمال کی جزا وسزا ملے گی۔ تاکہ پہلے سے تیاری کرلیں۔ اور چونکہ جزا وسزا کے لیے علم کامل اور قدرت کاملہ کا ہونا ضروری ہے کہ حاکم کو مجرم کے جرم کا علم ہو اور اس کے سزا دینے پر اس کو قدرت اور اختیار بھی ہو اس لیے ﴿اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ﴾ کے بعد ﴿وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ سے اپنی قدرت کاملہ کو بیان کیا اور ﴿يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ میں اپنے علم محیط کو بیان کیا کہ ہمارا علم ظاہر وباطن سب کو محیط ہے اور بعد ازاں ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ الخ سے اپنی صفت ترزیق وتخلیق کو بیان کیا۔

﴿الٓرٰ﴾ اسرار الٰہیہ میں سے اللہ کا ایک بھید ہے جو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ یہ قرآن ایک کتاب ہے جس کی آیتیں نہایت محکم اور مضبوط ہیں یعنی اس کے دلائل ایسے قوی ہیں کہ جن میں نقص اور خلل کو راہ نہیں کیونکہ اس میں وحدانیت اور نبوت ورسالت اور معاد کا اثبات ہے اور یہ ایسے امور ہیں جو دلائل عقلیہ اور فطریہ سے ثابت ہیں جن کو ہر ایک عقل سلیم تسلیم کرتی ہے اور ان میں عیب نکالنے کا موقع نہیں کسی قسم کا تناقص ان میں نہیں پھر اس کی تفصیل بیان کی گئی یعنی ہر حکم کو اچھی طرح سمجھا کر بیان کیا گیا ہے۔ جن میں اجمال اور اغلاق نہیں اور یہ کتاب اس ذات پاک کی طرف سے آئی ہے جو حکمت والا اور خبردار ہے۔ الغرض یہ کتاب اس حکیم وخبیر کے علم وحکمت کا مظہر اور آئینہ ہے اس کا اصل مضمون اور اصل مقصود یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور رہا میں، سو جان لو کہ تحقیق میں اللہ کا نبی ہوں اس کی طرف ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں۔ بندوں کو عذاب سے ڈراتا ہوں اور نیکوں کو اس کے ثواب کی بشارت سناتا ہوں اور اس کتاب محکم کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ ہے کہ تم اپنے پروردگار سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو یعنی ایمان لے آؤ پھر آئندہ کے لیے اس کی

= اس قدر حد سے زیادہ غلبہ ہوا کہ استنجا یا جماع وغیرہ ضروریات بشری کے وقت کسی حصہ بدن کو برہنہ کرنے سے شرماتے تھے کہ آسمان والا ہم کو دیکھتا ہے۔ برہنہ ہونا پڑتا تو غلبہ حیاء سے جھکے جاتے اور شرم گاہ کو چھپانے کے لیے سینہ کو دوہرا کئے لیتے تھے۔ اس طرح کے آثار کبھی کبھی غایت تادب مع اللہ اور غلبہ حیاء سے ناشی ہو سکتے ہیں۔ اور ایسے لوگ "صوفیہ" کی اصطلاح میں "مغلوب الحال" کہلاتے ہیں چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا کسی مسئلہ میں ایسا غلو اور تعمق آئندہ امت کو ضیق میں مبتلا کر سکتا تھا اس لیے قرآن نے ﴿اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ﴾ سے ان کی اصلاح فرما دی یعنی اگر بوقت ضرورت بدن کو کھولنے میں خدا سے حیاء آتی ہے اس لیے جھکے جاتے ہو تو غور کرو کہ کپڑے پہننے کی حالت میں تمہارا ظاہر وباطن کیا خدا کے سامنے نہیں ہے؟ جب انسان اس سے کسی وقت نہیں چھپ سکتا پھر ضروریات بشریہ کے متعلق اس قدر غلو سے کام لینا ٹھیک نہیں۔ واضح ہو کہ ربط آیات کے لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ ایک آیت کا مضمون دوسری کے مضمون سے مناسبت رکھتا ہو، سبب نزول سے مناسبت رکھنا ضروری نہیں۔

طرف رجوع ہو جاؤ یعنی ہمہ تن اس کی اطاعت اور اعمال صالحہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تم کو ایمان اور عمل صالح کی برکت سے دنیا میں ایک وقت مقررہ تک اچھا بہرہ مند بنائے گا۔ یعنی تمہارے رزق میں برکت ہوگی اور سکون واطمینان کی زندگی بسر کرو گے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ بہرہ مند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نعمت پر شکر کی اور بلا پر صبر کی توفیق عطا کرے گا۔ جس سے تم ہر حال میں خوش رہو گے۔ دنیاداروں کی طرح دنیا کے دیوانے نہ بنو گے اور یہ مرتبہ ایمان اور عمل صالح کی برکت سے میسر آتا ہے اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ اجر عطا کرے گا۔ اور ہر حال میں اللہ کا فضل اور انعام بندہ کے عمل سے زیادہ رہے گا۔ کم از کم دس گنا تو زیادہ رہے گا یہ میری بشارت ہے اور اگر تم لوگ ہدایت اور دین حق کے قبول کرنے سے اور میری متابعت سے روگردانی کرو گے تو میں تم پر بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ قیامت کے دن کو بڑا دن اس لیے کہا گیا کہ وہ تمام دنوں سے بڑا ہوگا اور یہ میری نذارت ہے مجھ کو خدا نے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے جو میری بشارت ونذارت سے اعراض کرے گا وہ بڑے دن کے عذاب میں مبتلا ہوگا تم سب کو اللہ ہی کی طرف جانا ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔ یعنی وہ دوبارہ زندہ کرنے اور ثواب وعتاب دینے پر قادر ہے۔ جزوسزا کے لیے یہ ضروری ہے کہ مجرم حاکم کے سامنے حاضر ہو۔ سو حق تعالیٰ تم کو اپنے روبرو حاضر کرنے پر بھی قادر ہے یہ تو حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بیان ہوا۔ اب آگے اس کے علم محیط کو بیان کرتے ہیں کہ کوئی پوشیدہ سے پوشیدہ چیز بھی اس پر مخفی نہیں مشرکین اور بعض منافقین یہ کہتے تھے کہ جب ہم گھر کے دروازے بند کرلیں گے۔ اور پردے چھوڑ دیں اور اپنے کپڑوں میں اپنے آپ کو چھپالیں اور اپنے سینے میں محمد ﷺ کی عداوت رکھیں تو ہمارے اس راز کو کون جان سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے آئندہ آیت میں اس کا جواب دیا کہ ہم جان سکتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں آگاہ ہو جاؤ اور کان کھول کر سن لو تحقیق یہ کافر اپنے سینوں کو دوہرا کرتے ہیں۔ یعنی دل میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت کو چھپاتے ہیں اور اوپر سے کپڑا لپیٹ لیتے ہیں تاکہ خدا سے چھپ جائیں ان کا گمان یہ تھا کہ جب ہم کپڑوں میں لپٹ جائیں تو ہماری اس حالت کی خدا کو خبر نہ ہوگی سو آگاہ ہو جاؤ کہ جس وقت وہ لوگ اپنے کپڑوں کو لپیٹتے ہیں اللہ خوب جانتا ہے جو وہ سینوں میں چھپاتے ہیں اور جو زبانوں سے ظاہر کرتے ہیں۔ اس کے علم میں ظاہر وباطن یکساں ہے تحقیق وہ جاننے والا ہے ان بھیدوں کو جو سینوں میں ہیں۔

اے کہ درد دل نہاں کنی سرے ——— آنکہ دل آفریدہ می داند

پس جس خدا پر تمہارے سینے کی بات مخفی نہیں اس پر تمہاری زبانوں کی باتیں کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہیں۔ شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ فرماتے ہیں "کافر کچھ مخالفت کی بات گھر میں کہتے اس کا جواب قرآن میں اترتا سمجھتے کہ کوئی کھڑا سنتا ہے جا کر رسول خدا ﷺ سے کہہ دیتا ہے۔ تب ایسی بات کہتے تو کپڑا اوڑھ کر جھک کر دوہرے ہو کر کہتے اللہ تعالیٰ نے تب یہ نازل کیا" انتہی۔

اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت بعض مسلمانوں کے حق میں نازل ہوئی جن پر حیاء کا اس قدر

غلبہ تھا کہ استنجاء یا جماع یا دیگر ضروریات بشری کے وقت بھی شرم کی وجہ سے اپنا سر کپڑوں سے ڈھانپ لیتے اور بدن کو برہنہ کرنے سے شرماتے کہ آسمان والا ہم کو دیکھتا ہے یہ لوگ مغلوب الحال تھے۔ اس آیت میں ان کی اصلاح فرمادی کہ اس غلو اور تعمق کی ضرورت نہیں ہے بندہ کسی وقت بھی خدا سے نہیں چھپ سکتا لہٰذا حوائج بشریہ کے متعلق اس قدر غلو سے کام لینا ٹھیک نہیں۔

آیت کا اصل شان نزول وہی ہے جو شروع میں ذکر کیا گیا کہ یہ آیت کافروں کے حق میں نازل ہوئی لیکن آیت اپنے مدلول عام کے لحاظ سے اگر بعض مسلمانوں کی کسی غلطی کی اصلاح کو متضمن ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

الحمد للہ کہ اس آیت پر پارہ یازدہم کی تفسیر ختم ہوئی اب پارۂ دوازدہم کی تفسیر شروع ہوتی ہے۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

جلد سوم مکمل ہوئی

❁❁❁

حوالہ نمبر 45

سرٹیفکیٹ تصحیح

الحمد للہ بندہ قاری محمد اسلام نے "مکتبہ حبیبیہ رشیدیہ" اردو بازار لاہور سے شائع کی جانے والی تفسیر "معارف القرآن مع تفسیر عثمانی" جلد ثالث کے عربی متن اور ترجمہ کو حرف بحرف بغور پڑھا ہے۔ اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ اب اس میں کوئی لفظی و اعرابی غلطی نہیں ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

قاری محمد اسلام
رجسٹریشن نمبر 042
رجسٹرار برائے ریڈر قرآن اوقاف حکومت پنجاب پاکستان
0306-6628331

07-03-17